تاریخ ڈوگرہ دیس

(جموں و کشمیر)

مرتبہ

دیوان نرسنگداس نرگس رئیس التحریر "چاند" جموں

Dept# 07
law

University of Jammu

NOT FOR ISSUE

چاند پبلشنگ ہاؤس گمٹ گیٹ جموں

Scanned with CamScanner

جملہ حقوق بحق چاند پبلشنگ ہاؤس جموں محفوظ ہیں

اشاعت اوّل ——————— دو ہزار

قیمت فی جلد — تیس (۳۰) روپے

شری اقبال نرگس جنرل منیجر چاند پبلشنگ ہاؤس گمٹ گیٹ جموں نے
چنار پریس جموں میں چھپوا کر شائع کیا

جنوری ۱۹۶۷ء

(خوشنویس نتھو رام دھیمان دھرد گیپی پور ضلع کانگڑہ حال گمٹ بازار جموں)

انتساب

نذرِ عقیدت

ہز ہائینس میجر جنرل مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ گورنر جموں و کشمیر

کی خدمتِ اقدس میں

جن کے دل کی دھڑکنوں کے گہوارے میں ایک ایسے سماج کا بچپن مسکرا رہا ہے

جن کے بازوؤں میں بھونچال کا بل ہوگا

جن کی رفتار میں آندھیوں کا جلال ہوگا

جن کے ارادوں میں کہکشاں کی بلندی ہوگی

اور جن کے خون کے ہر ذرّے میں جوالا مکھی کی حرارت ہوگی۔

(نرسنگداس نرگس)

پیش لفظ

"ہندوستان کی تاریخ میں ڈوگروں کا حصہ بہت نمایاں اور تحسین طلب ہے۔ پچھلی صدی کے دوران اُنہوں نے شمالی ہندوستان میں معرکتہ الآرا اور اکثر و بیشتر فیصلہ کُن رول ادا کیا ہے۔ جموں اور کشمیر ایسی کثیر الثقافت ریاست کا قیام اور ہندوستان کی شمالی سرحدوں کی توسیع اور اُن کے قیام و استحکام میں اُنیسویں صدی میں ڈوگروں نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے تھے، وُہ ہندوستان کی تاریخ جدید میں ایک محرک اور حیات پرور باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ فنِ مصوری کے ڈوگرہ پہاڑی شاہکار بھی ایک عالمگیر شہرت سے حامل ہیں۔ اسی طرح ڈوگرہ لوک گیت بھی بہت رُوح پرور ہیں۔ وِشال ہماچل پردیش کے حالیہ قیام کے سبب سیاسی ماحول میں بھی ڈوگروں کو حیات نو نصیب ہوئی ہے۔ اور اس میں شُبہ نہیں کہ یہ بہادر اور وطن دوست لوگ مُستقبل کے ہندوستان کی تعمیر میں نہایت اہم رول ادا کریں گے۔"

"شری این۔ڈی۔ نرگس پچھلے کئی برسوں سے ڈوگرہ تاریخ کے مطالعہ میں گہری دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ اُنہوں نے اِس میدان میں بہت اہم کام کیا ہے۔ اور کئی ایک تصانیف کا سہرہ اُن کے سر ہے۔ جن میں مہاراجہ گلاب سنگھ اور جرنیل زورآور سنگھ بھی شامل ہیں۔ اب اُنہوں نے ساری کی ساری ڈوگرہ تاریخ کو ضبطِ تحریر میں لانے کی دلیرانہ کوشش کی ہے۔ یہ کوشش بلاشُبہ لائقِ صد ستائش و تعریف ہے۔"

ہری نواس
جموں توی
یکم نومبر ۱۹۶۶ء

کرن سنگھ
(مہاراجہ)

مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ جی

Scanned with CamScanner

Foreword

The contribution of the Dogras to Indian history has been considerable, and in North India they have played a crucial and often decisive role over the last century. The creation of the composite State of Jammu and Kashmir, and the extension and consolidation of India's northern frontiers by the Dogras in the nineteenth Century form a stirring chapter in modern Indian History. Apart from this, the Dogra-Pahari contribution in the field of miniature painting is world-renowned, and their folk music is also of great beauty. With the recent creation of the enlarged State of Himachal Pradesh, the Dogras have begun to come into their own in the political sphere also, and there is little doubt that this brave and patriotic community will play an important role in the building up of the India of tomorrow.

Shri N. D. Nargis has for many years been keenly interested in the study of Dogra history. He has done a good deal of work on this, and has several publications to his credit including books on Maharaja Gulab Singh and General Zorawar Singh. He has now made a bold attempt to cover the whole spectrum of Dogra history. It is a commendable and praiseworthy effort.

(KARANSINGH)

Hari Niwas,
Jammu (Tawi).
1 November, 1966.

Scanned with CamScanner

GOVERNMENT OF JAMMU & KASHMIR

CHIEF MINISTER

MESSAGE

I am delighted to learn that Mr. N. D. Nargis, an old and reputed journalist of the State, has undertaken the extremely difficult task of writing a history of the Hill States of Jammu.

In spite of its rich and varied cultural and social heritage, very little information is available in a documentary form about Jammu. I am, therefore, conscious of the difficulties Mr. Nargis may have had to encounter in collecting the necessary data for his voluminous book.

I am sure that history being compiled by Mr. Nargis will bring to light the various facts of life obtaining in the Hill States, provide the missing link between the past and the present, and give the readers an authentic document on Jammu and its twentytwo principalities.

I wish the author every success in this venture.

(G. M. SADIQ)

Srinagar.
Sept: [illegible].

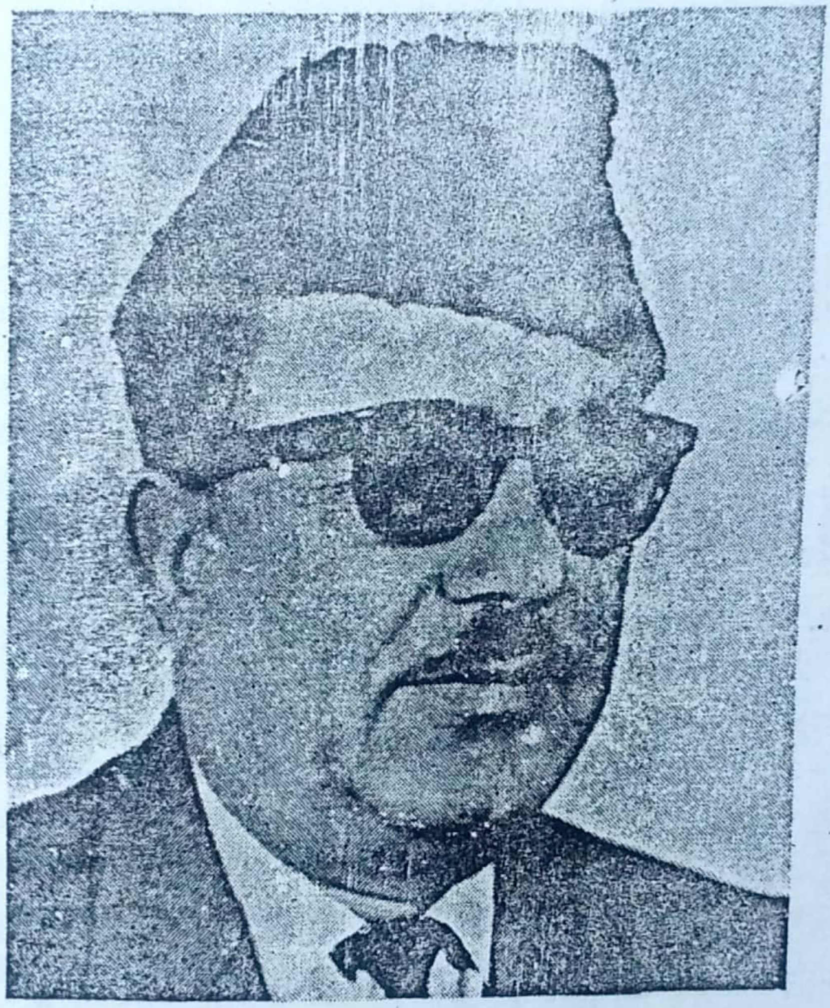

آنریبل غلام محمد صادق چیف منسٹر

Scanned with CamScanner

پیغام

"میرے لئے یہ امر وجۂ صد امتنان ہے کہ ریاست کے ایک پُرانے اور نامور صحافی شری این۔ ڈی۔ نرگس نے جموں کی پہاڑی ریاستوں کی تاریخ کی تصنیف کا حد درجہ کٹھن کام اپنے ہاتھوں میں لیا ہے۔ اگرچہ جموں کی ثقافتی اور مجلسی میراث بہت متنوع اور پُرشکوہ ہے تاہم جموں سے متعلق دستاویزی صورت میں بہت ہی کم معلومات میسّر آتی ہیں۔ مجھے اُن دشواریوں کا بھی بخوبی احساس ہے جو نرگس صاحب کو اس ضخیم کتاب کے لئے ضروری حقائق کی فراہمی میں پیش آئی ہوں گی۔ مجھے یقین ہے کہ نرگس صاحب کی طرف سے جس تاریخ کو ترتیب دی جا رہی ہے، اِس سے پہاڑی ریاستوں کی زندگی کے لاتعداد سربستہ پہلو روشنی میں آسکیں گے۔ بشرطیکہ دَورِ حاضرہ اور ماضی کی گم گشتہ کڑیوں کا سراغ اُنہیں مِل جائے۔ اِس تاریخ کو جموں اور اُس کی بائیس ریاستوں کے متعلق ایک مُستند دستاویز کی حیثیت حاصل ہوگی۔ مَیں اِس کارِ عظیم میں نرگس صاحب کی کامیابی کا خواہاں ہوں۔"

سرینگر
۲۱ ستمبر ۱۹۶۶ء

جی۔ ایم۔ صادق
(چیف منسٹر)

فہرست

احوال	صفحہ	احوال	صفحہ
تعارف ..	۱	راجہ جیت سنگھ ..	۱۰۵
احوال واقعی ..	۳۷	بائیس راج ..	۱۰۶
جغرافیائی حالات ..	۴۵	ریاست بھمبر ..	۱۰۸
آغاز ..	۴۹	کھڑی کھڑیالی ..	۱۲۸
جموں کیسے آباد ہوا ..	۵۱	ریاست بسوہلی ..	۱۳۰
پیر روشن شاہ ولی ..	۵۷	ریاست بھدرواہ ..	۱۴۷
راجگان جموں اور پرتھوی راج چوہان	۶۱	ریاست بھاڈو ..	۱۷۵
راجہ مال دیو ..	۶۵	جاگیر سمرتہ ..	۱۹۴
راجہ ہمبر دیو و راجہ عجائب دیو ..	۶۷	ریاست بندرھالتہ ..	۱۹۹
پیر کھوہ - پیر مٹھا اور باوا جتو	۶۸	ریاست بھوتی ..	۲۰۲
راجہ برہم دیو اور وزیر حاصل دیو	۷۱	ریاست باہو ..	۲۰۴
راجہ کپور دیو ..	۷۴	ریاست جسروٹہ ..	۲۱۱
راجہ ہمیل دیو ..	۷۵	ریاست لکھن پور ..	۲۱۸
جموں سے باہو کی علیحدگی	۷۶	ریاست سانبہ ..	۲۲۱
راجہ سنگرام دیو۔ بھوپت دیو اور راجہ ہری دیو ..	۷۷	ریاست منکوٹ ..	۲۲۳
		ریاست چینہنی ..	۲۴۲
نانکی کی باؤلی ..	۷۸	ریاست کشتواڑ ..	۲۵۱
راجہ گجے سنگھ ..	۷۹	ریاست ترکوٹ ..	۲۸۰
راجہ دھرب دیو ..	۸۰	ریاست اکھنور ..	۳۰۱
راجہ رنجیت دیو ..	۸۲	امبارال خاندان پوار ..	۳۱۴
راجہ برج راج دیو ..	۱۰۲	ریاست پونچھ ..	۳۲۵

ریاست راجوری	۳۶۶	گلاب سنگھ وزیر اعظم لاہور	[illegible]
ریاست سہارن	۳۸۴	عہدنامہ لاہور	[illegible]
گلاب سنگھ سے پہلے	۳۹۹	عہدنامہ امرت سر	[illegible]
مہا دلیپ کا جنم	۴۰۱	ریاست کی سرحدوں کا تعین	[illegible]
سکھوں کا ظہور	۴۰۶	خالصہ سلطنت کا خاتمہ	[illegible]
مہاراجہ رنجیت سنگھ	۴۰۷	دلیپ سنگھ کی معزولی اور رانی جنداں کا فرار	[illegible]
گلاب سنگھ کی پیدائش	۴۱۰		
گلاب سنگھ میدانِ عمل میں	۴۱۶	مہاراجہ گلاب سنگھ کا عہدِ حکومت	[illegible]
گلاب سنگھ لاہور دربار میں	۴۲۰	ریاست کے قلعہ جات	[illegible]
میاں ڈیڈو	۴۳۳	مہاراجہ رنبیر سنگھ	[illegible]
گلاب سنگھ کو راج تلک	۴۴۹	مہاراجہ پرتاپ سنگھ	[illegible]
گلاب سنگھ اور ہری سنگھ نلوہ	۴۵۸	مہاراجہ ہری سنگھ	[illegible]
مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ڈوگرہ راجگان	۴۶۷	گول میز کانفرنس	[illegible]
مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سفر آخرت	۴۷۲	۱۳ رجولائی	[illegible]
مہاراجہ کھڑک سنگھ کی موت	۴۷۸	ریاست جموں وکشمیر کا دستور اساسی	[illegible]
قلعہ لاہور کی جنگ	۴۸۰	روٹی ایجی ٹیشن	[illegible]
جرنیل زور آور سنگھ	۴۸۷	دوسری جنگِ عظیم	[illegible]
انگریز افغان کشمکش	۵۱۶	مہارانی تارا دیوی	[illegible]
مہاراجہ شیر سنگھ	۵۲۲	سر کرپس کی آمد	[illegible]
شیر سنگھ اور دھیان سنگھ کی ہلاکت	۵۴۰	پاپولر منسٹر	[illegible]
راجہ سوچیت سنگھ کی موت اور راجہ ہیرا سنگھ	۵۴۹	شیخ محمد عبداللہ	[illegible]
		مسلم کانفرنس	[illegible]
مہارانی جنداں اور دلیپ سنگھ	۵۶۷	نیشنل کانفرنس	[illegible]
گلاب سنگھ اور رانی جنداں	۵۸۲	۱۹۳۹ء کا اجلاس	[illegible]
دربار لاہور کی مخدوش حالت	۵۸۴	پنڈت جواہر لال نہرو کی آمد	[illegible]

Scanned with CamScanner

عنوان	صفحہ
نیشنل کانفرنس کی یادداشت ..	۸۰۲
نیا کشمیر کا آئین ..	۸۱۳
ہندوستانی ریاستوں کا مستقبل	۸۵۹
وزارتی مشن اور ریاستیں ..	۸۶۲
وزارتی مشن پر مہاتما گاندھی کی رائے	۸۶۷
تحریک کشمیر چھوڑ دو ..	۸۶۹
شیخ عبداللہ کی گرفتاری ..	۸۷۲
معاہدہ امرتسر کا پس منظر ..	۸۷۶
پنڈت جواہرلال نہرو کا زاویۂ نگاہ	۸۸۲
مہاراجہ۔نہرو خط وکتابت ..	۸۸۴
پنڈت نہرو کی گرفتاری ..	۸۹۱
شیخ محمد عبداللہ کا بیان صفائی	۸۹۳
تقسیم ہندوستان ..	۹۰۴
مسٹر جناح کا نظریہ ..	۹۱۳
پنڈت جواہرلال نہرو کا چیلنج ..	۹۱۴
پنڈت نہرو کا بیگم عبداللہ کو خط	۹۲۲
آچاریہ کرپلانی کی آمد ..	۹۲۳
مہاتما گاندھی کی آمد ..	۹۲۴
گلگت کی واپسی پر جشن ..	۹۲۶
جموں کا خونی معاہدہ ..	۹۲۸
شیخ عبداللہ کی رہائی ..	۹۳۰
مہاراجہ ہری سنگھ اور الحاق ..	۹۳۱
جرنیل راجندر سنگھ ..	۹۶۷
مہاراجہ ہری سنگھ کی درخواست الحاق	۹۷۴
لارڈ مونٹ بیٹن کی منظوری	۹۷۶
شیخ عبداللہ ہیڈ آف دی ایڈمنسٹریشن	۹۷۷
پاکستانی حملہ کی ڈائری ..	۹۸۱
کرنیل ملوک سنگھ سلاتھیہ ..	۹۸۹
صوبیدار رام سرن داس ویر چکر	۹۹۲
راجوری اور بھمبر کی تباہی ..	۹۹۵
میرپور کی تباہی	۹۹۶
نوشہرہ کا ہیرو	۹۹۷
کرنیل ہیرانند دوبے ویر چکر	۹۹۸
گلگت کی بغاوت ..	۹۹۹
جنگ بندی اور مقبوضہ علاقے	۱۰۰۱
کشمیر اتحادی سبھا میں ..	۱۰۰۲
مہاراجہ ہری سنگھ کا پیغام	۱۰۰۵
تباہ حال اور مظلوم شرنارتھی	۱۰۰۸
روزانہ "چاند" پر پابندی	۱۰۱۳
آئینی حکومت کے لئے مہاراجہ ہری سنگھ کا اعلان ..	۱۰۲۱
مہاراجہ ہری سنگھ کی کنارا کشی	۱۰۲۴
مہاراجہ ہری سنگھ کا پرلوک گمن	۱۰۳۵
مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ ..	۱۰۴۱
سلطنت کشمیر	۱۰۵۱
موجودہ دور کی شخصیات ..	۱۰۵۷
ریاست ہائے کانگڑہ وہماچل پردیش	۱۰۶۱
ترگیرت (کانگڑہ پرانت) ..	۱۰۶۹
اختتامیہ	۱۱۱۵
اغلاط نامہ	۱۱۲۳

پنڈت دیا کرشن گردش

تعارف نگار

Scanned with CamScanner

مؤلف

جس قدر تصویر کے کاغذ کو ممکن ہے بقا
اس قدر ممکن بقا کب صاحب تصویر کو

Scanned with CamScanner

میں پینے پلانے، گھوڑا دوڑانے اور دلِ حزیں کھو کھو کر پانے میں بسر کیے۔ لیکن یکایک رام کوٹ کی رُومانی فضاؤں اور ان کے ساتھ ساغر و مینا۔ پنجابی شاعری یا "چل پینڈ نوں چلنے" اور دل کی طلب رنگیں کو ٹھکرا کر اردو صحافت میں کچھ اس انداز سے داخل ہوئے جیسے ع

بام گردوں پر نمایاں ہو جبین جبرائیل

یا بطنِ گیتی سے آفتاب تازہ اُبھر آیا ہو۔"

نرگس کا سیاسی شعور۔ اُس کی ادبی مصروفیتوں اور رُوحانی رجحانات کا احاطہ کچھ یوں کیا تھا میرے مشاہدہ نے :۔

"روحانیت سے بھی کچھ دلچسپی ہے۔ علی الصباح غسل کے بعد ٹھاکروں کے سنگھاسن کے سامنے ڈنٹر پیلنے اور "سجودے می تواں کردن" کی مشق کے بغیر گھر سے باہر پاؤں نہیں رکھتے۔ دوست نوازی مسلّم۔ ظاہر و باطن اور زبان و قلم ہمرنگ۔ آپ کا خاندان کسی وقت ریاست میں اوج ثریا پر تھا۔ نرگس کی لیاقت اور طباعی نے اُسے ایک بار پھر اُسی رفعت سے آشنا کر دیا۔ ادب نواز اور ادیب گر۔ اپنے ساتھ اور کئی ادباء کو منصۂ شہود پر لے آئے۔ ابتداء میں زبان کچھ ناہموار تھی۔ سیاست میں ادب اور ادب میں سیاست چھانٹنے لگتے تھے۔ اب سیاست اور ادب دونوں پر حاوی ہیں جیسے یہ ادب اور سیاست ہی اب رام کوٹ کی دُخت رز اور نیت حوا کا بدل ہوں۔ بندش کی چستی۔ تراکیب کی نُدرت۔ خیال کی بلندی اور پاکیزگی جو نرگس کے مضامین کا مایۂ ناز ہے، ریاست کے دوسرے ادیبوں کے ہاں بہت کم ملے گی۔ فلسفیانہ اور تخیلی مضامین پر بھی عبور حاصل ہے۔ تمول سچ مچ آپ کے لئے خطۂ انقلاب آور ثابت ہوا۔ رامکوٹ اور جموں کی زندگی کی تفاوت اِس شعر کے مفہوم کی ہمنوا ہے کہ ؎

انگور میں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں

جس دن سے کھچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

نرگس پہلے ایک ادیب اور ایک صحافی تھا۔ اب ذہن رسا نے اُسے ایک ایسے آسمان کا تارا بنا دیا ہے جس کی ناپیمودہ بلندیوں پر ہیرو ڈوٹس چمکتا ہے۔ بٹرہیڈ چمکتا ہے میکس تفنیر چمکتا ہے اور جہاں وہ اپنے گرد و پیش زاپرٹ ہن۔ ممتھ۔ ولہام۔ ولیم سن۔ فلیکچر فلنگ۔ بہادر خان عبدالقادر ی۔ ہیرلڈ لیمب۔ پولرڈ۔ ابن للوطہ۔ فرشتہ۔ ساؤتھ گیٹ۔ فشر۔ ابراہیم بیگ لین چاہن۔ لیکی۔ روزبری۔ میریٹ۔ ٹمپرلے۔ ابی التوقیر۔ ٹاکاکس۔ الکاٹ۔ ٹاڈ۔ ملینکوٹ کے

تعارف

نرسنگداس نرگس

یہ سادہ سا نام جب ذہن میں اُبھرتا ہے تو میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے تیس برس پہلے کا جموں — اور روح کی گہرائیوں میں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں اس شہر کی اونچی نیچی سڑکیں — توی کی لاہوتی گنگناہٹیں — صبح کے حسین دھندلکے — شام کی فردوسِ گوش چہچہاہٹیں — لقربی دوپہروں میں مندروں کے سنہری کلسوں کی الطرحرق چمک — اور ان سب کے درمیان نرگس کے خلوص کی مہک اور اُس کے انسانی اوصاف کی لطیف سی سہتاس۔

یہ ۱۹۴۴ء کی بات ہے جب "مصوّر" کے جامہ میں نرگس کی ایک قلمی تصویر بنائی تھی میں نے۔ اُن دِنوں میرے مشاہدہ نے کچھ یوں پیش کیے تھے نرگس کے خدوخال:—

"عروسِ صحافت کے جذبۂ خودسپردگی کی چہچہاتی طلب۔ قدمیانہ اور سڈول۔ تمکنت آمیز نقوش۔ نیم گندمی رنگ۔ بیضوی چہرہ۔ روشن اور چوڑی پیشانی۔ نگاہ میں عقاب کی تیزی۔ حکمرانوں کے غرور سی اُبھری ہوئی ٹھوڑی۔ داڑھی مونچھ پر کرزن کا سایہ۔ آواز کرخت نہ شیریں۔ لباس کے معاملہ میں اکھنڈ بھارت۔ نیپالی نمونہ کی ٹوپی۔ لکھنوی اچکن۔ پنجابی کرتہ۔ مدراسی حسنی۔ گجراتی جاکٹ — اور ان تمام میں اُلجھے اُلجھے سے ڈوگرہ انداز۔"

اِس قلمی تصویر میں نرگس کا مزاج اور اُس کا ماضی کچھ ان الفاظ میں جھلکتا تھا:—

"مشکلات سے شغف نہیں۔ پیرِ پیغمبر گازی کے مدعی لیکن ارتقائی پس منظر خالی مشکوں، گینتیں اور شکستہ لالٹینوں کے پہاڑوں اور قلقلِ مینا کی گدگدی صداؤں سے آراستہ۔ متبسم چہرہ۔ اندھیرے کی اوٹ میں فرہاد کا خلش آشنا دل اور ڈانٹے کا زخم رسیدہ جگر۔ قدرت سے قلب آہنیت صفت پایا ہے۔"

"گاندھی اہنسا کے معتقد۔ ادبی زندگی کا آغاز پنجابی شاعری سے ہوا۔ شاعری کے بعد ملازمت آمیز مدارالمہامی نازل ہوئی۔ جیسے نایر یا کے ساتھ القلوئنزا۔ عمر کے بہترین سال۔ محبت

میکس ڈنکر۔ ہیول بتھارنٹن۔ نینگ۔ وہیبر اور دوسرے کتنے ہی قدیم و جدید ماہتابوں اور ماہ پاروں کی جگمگاہٹیں محسوس کرے گا ہزاروں کواکب۔ صدیوں کے فاصلے ان کے درمیان حائل ہیں۔ رنگ اور ماحول مختلف۔ مگر اس کے باوجود سب ایک ہی عرشِ دانش کی زینت ہیں۔ ماضی اور مستقبل کی دو دھندلی لکیروں کے درمیان جگ پیمائی ہی کا نام تاریخ ہے۔ ان دو حدوں میں وقت کے ریگزار پر اچھی اور بری۔ اُجلی اور تاریک۔ زرخیز اور بنجر۔ متمدن اور وحشی صدیوں کی چٹائیاں پھیلتی رہیں یا سمٹتی رہیں۔ لمبے لمبے کارواں رینگتے رہے گھنٹیاں بجتی رہیں۔ گھوڑے دوڑتے رہے۔ قدم بڑھتے رہے۔ وقت کا قافلہ کبھی رُکتا نہیں۔ تھمتا نہیں۔ یہ تیز و تند آندھیوں کا ایک ہجوم ہے۔ جس کے جلو میں ہانپ رہے ہیں کمزور دل شہنشاہوں کے مزار۔ لاکھوں ملتوں اور درویشوں کے مقبرے۔ دھرتی کی ہزاروں فاشعار بیٹیوں کی جلتی چتاؤں کے شعلے۔ سینکڑوں چنگیزوں۔ ہلاکوؤں اور مغلوں کے ڈراؤنے سایے۔ اور اُڑ رہا ہے ان کے ساتھ ساتھ روندے کچلے زمانوں کی ہڈیوں کا غبار۔

بھولی بسری صدیوں میں کیسے کیسے لوگوں نے وقت کی ریت پر قدموں کے نشان بنائے، یہ صحیح طور سے کوئی بتا نہیں سکتا۔ ہوا کی لہروں کے تال پر جب ریت ناچتی ہے تو صحرا میں قدموں کے نئے اور پرانے سبھی نشان مٹ جاتے ہیں۔ اس لئے نئے جُگ کا مورّخ ماضی کی دھندلی راہوں پر اپنے ہی ذہن کا سایہ دیکھ کر اُسے عصرِ قدیم کا انسان سمجھ لیتا ہے۔ اور پھر لوحِ دل پر نئے زمانہ کے تصوّرات سے رنگ لے کر اس کے خدوخال تیار کرتا ہے۔ ماضی کے قیاسی طریقِ زندگی کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے وہ دورِ حاضر کے ماپ تول اور پیمانے استعمال کرتا ہے۔ کچھ اِسی انداز میں آگے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہمارے مورّخوں کی ذہنی کاوشوں کا کارواں۔

چھاندوگیہ اُپنشد کے ایک مکالمہ میں اُدالک نے شویت کیتو سے کہا :۔

"اے عزیزِ من! اِس ننھے سے بیج میں برگد کا ایک عظیم پیڑ پوشیدہ ہے۔ ایک ایسا پیڑ جس کی چھاؤں میں ہزاروں مویشی آرام سے جگالی کریں گے۔ اور جس کی گھنی ٹہنیوں میں لاتعداد پرندے اپنے گھونسلے بنائیں گے۔"

گویا وقت اور ماحول کے مِلے جُلے طلسم سے ایک ننھا مُنّا بیج ہی دیوقامت پیڑ میں بدل جاتا ہے۔ تاریخ کا بیج کیسا تھا، اِس کا انحصار بھی قیاسات پر ہی ہے۔ یہ ننھا مُنّا

تیج کہیں لوک گاتھاؤں میں خوابیدہ تھا۔ کہیں شیلا لیکھوں کی قدامت کے گہواروں کی زینت۔ کہیں روایتوں اور حدیثوں میں مستور۔ کہیں پاپائے اعظم کی بیاض میں پنہاں۔ کہیں سادہ مذہبی و تاریخ اور اسناد یا قدیم پادریوں کے رجسٹروں کی کرم خوردہ تہوں میں مخفی۔ کچھ ایسے ہی تھے اس تاریخ کے ابتدائی عناصر جو آج ایک آفاق گیر اہمیت کی حامل ہے۔ یہ تاریخ آج لاکھوں آنکھوں سے زندگی کے تمام مظاہر کو دیکھتی ہے۔ جانچتی ہے۔ پرکھتی ہے نگلتی ہے اور پھر انہیں اپنے ہی جسم کے اجزاء میں تبدیل کر لیتی ہے۔ تاریخ آج ایسے ہر مقام پہ محیط ہو چکی ہے جہاں حرکت ہو۔ جدوجہد ہو۔ کشاکش اور تنازعہ للبقا ہو۔ ماڈرن سائنس کا فتویٰ یہ تھا کہ دنیا میں کسی بھی شئے کو جمود نہیں۔ اس لئے ساری کی ساری کائنات کو تاریخ نے اپنے عنکبوتی آنچل میں سمیٹ لیا۔ حتیٰ کہ اب تو آفاقی ایکٹوٹی نے طبعیات تک کو تاریخ ہی کے دائرہ میں لا کھڑا کیا ہے۔ تاریخ کا یہ نیا روپ اور اس کی یہ وسعت بھی ایک معجزہ ہے اس روشن دور کی ذہنی جگمگاہٹوں کا۔

دنیا کا پہلا مورخ شاید ہیروڈوٹس (Herodotus) تھا جس نے پرانے وقتوں کے نغموں گیتوں۔ جوشیلے گیتوں۔ رومانی شاعری اور قدیم رزمیہ سے تاریخ کا مواد حاصل کیا۔ ہیروڈوٹس کے بعد تھوسی ڈائیڈس (Thucydides) ایک نئی شان کے ساتھ ابھرا۔ جس نے اپنے پیشرو کی خامیوں اور عامیانہ توصیف نگاری کے دھبوں کو مٹایا۔ اور اس میں تخیل کی بلندی اور جذبات کی پاکیزگی داخل کی۔ تھوسی ڈائیڈس کی لطافت اور زینوفون (Xenophon) کی کھری اور بے لاگ تحریر کو تھیوپمپس (Theopompus) اور الفیورس (Ephorus) کی بدولت خطیبانہ اندازِ بیان نصیب ہوا۔ چوتھی صدی کے آخری مرحلہ پر سسلی کے ٹامیئس (Timaeus) نے تاریخ میں سائنسی تحقیق و تجسس کا رجحان پیدا کیا۔ اس نے پرانے ڈھانچے کو جھنجھوڑا۔ لیکن خود جس ڈھانچے کی تخلیق اس نے کی تھی، اسے پالی بیئس (Polibius) نے زمین بوس کر دیا۔ اس کا فتویٰ یہ تھا کہ ٹامیئس کا دامن ناقدانہ بصیرت سے تہی دست اور اس کی تنگ نظر جذبات کے ہیجان اور پاسداری کی شدت سے مغلوب تھی۔ حالانکہ بلاواسطہ طور پہ انسان کو مورخ کی حیثیت اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ معاملوں کے دائرہ سے بلند ہو۔ اور اس کے دل میں دوستوں کے لئے محبت اور دشمنوں کے لئے نفرت نہ ہو۔ اور وہ دشمن کی تعریف اور دوست کی

تکذیب پر آمادہ ہو سکتا ہو۔ زندگی کی ابتدا کیا تھی۔ زندگی کی انتہا کیا ہے۔ یہ فلسفہ کا موضوع ہے۔ فلاسفر اس زمین سے بہت اوپر کہکشاں کی بلندیوں پر اڑتا ہے۔ وہ ہر وقت تھیوریاں گھڑتا اور توڑتا رہتا ہے۔ وہ صرف جانتا ہے اور "گیان" کے سرور ہی میں سرشار رہتا ہے۔ اس کے برعکس مورّخ اسی دھرتی پر رہ کر یہ دیکھتا ہے کہ قومیں کہاں ٹھوکر کھاتی ہیں۔ کیسے گرتی ہیں۔ کیسے گر کر اُٹھتی ہیں۔ نیکی اور جُرم — یہ فلسفہ اور تاریخ دونوں کا موضوع ہیں۔ آرتھر کوئسلر کے الفاظ میں "تاریخ نیکی کا کوئی احترام نہیں کرتی۔ اور جُرم کی کوئی سزا نہیں دیتی۔ لیکن ہر نیکی اور ہر جُرم کا عکس اپنے اوراق پر قبول ضرور کرتی ہے۔ یہ سلسلہ سینکڑوں پُشت جاری رہتا ہے۔ تاریخی عوامل میں عوام گونگے، بے حوصلہ اور بہرے ہیں۔ اپنے حکمرانوں کو برداشت کرنے پر مجبور۔ سطح آب پر ملنے والے بُلبلے اور ٹوٹنے والی لہریں جو تاریخ کے آئینے پر کوئی مستقل عکس پیدا نہیں کرتیں۔"

شری جواہر لال نہرو کی طرح کوئی بھی فلاسفر بیسویں صدی کے جگمگ ماحول اور سُتنکوں کے زمانہ میں یہ خواب تو لے سکتا ہے کہ بطن گیتی سے ایک عالمگیر انسانی سماج اُبھر رہا ہے۔ سائنس ایک عظیم جسم تیار کرنے میں مصروف ہے مختلف براعظم جس کے اعضاء ہیں۔ گوری، کالی، بھوری تمام قومیں دل، دماغ اور پھیپھڑے ہیں۔ تمام انسان اس جسم کے سیلز ہیں۔ ہوائی جہاز، ریڈیو، دُور بین، وائرلیس، ریل، راڈار اور راکٹ اس جسم کی شریانیں ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس عالمگیر جسم کا ظہور تاریخ کے تمام عوامل کو معطل کر دے گا۔ یعنی نسلی اور علاقائی رقابتیں ختم ہو جائیں گی۔ جنگ اور خونریزی کے اسباب باقی نہیں رہیں گے۔ فلسفی اپنے تخیل پر مسرور ہے۔ لیکن مورّخ کے نزدیک عالمگیر انسانی جسم کا تخیّل کوئی نئی چیز نہیں۔ کیا شیخ سعدی نے صدیوں پہلے یہ کہہ نہیں دیا تھا کہ ؏

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

مورّخ کے نزدیک سائنس کے اوزار استریاں نہیں چھُریاں ہیں جو ہمہ گیر انسانی سماج کے قدیم تخیل کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ ایک عظیم رہٹ ہے۔ اس رہٹ کی چرخی بالتواتر گھُوم رہی ہے۔ دُنیا کی سبھی قومیں اس چرخی کے ساتھ بندھی ہوئی ڈولچیاں ہیں۔ جو کبھی اُبھرتی ہیں۔ کبھی ڈوبتی ہیں۔ سقراط کی بیوی زینتھی پی (Xanthi-Pee) کا یہ خیال کچھ نادرست نہیں کہ "ماضی کے متعلق ہماری معلومات کا انحصار قیاسات پر ہے۔ ہمارے

مستقبل کی معلومات کا انحصار بھی قیاسات پر ہی ہوگا۔"

تاریخ کا مقصد کیا ہے؟ ایس۔ ایس۔ پرمار کے الفاظ میں "کچے مکانوں اور جھونپڑیوں
میں بسنے والی زندگی اور غریبانہ ماحول کے طریق ذکر و فکر اور روزمرے کھلے سماجی، اقتصادی
و ثقافتی پہلوؤں کی عکاسی ہی تاریخ کا بنیادی مقصد ہونا چاہیے۔ تاریخ کو بتانا چاہیے کہ دنیا
کی تاریخ پر نمودار ہونے والی عظیم شخصیتوں سے عام لوگوں نے کیا اثرات قبول کیے۔ ساری دنیا
میں ہنوز ایک بھی مورخ ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے عوامی زندگی کے جوار بھاٹے کو تاریخ اور
اپنی دماغی کاوشوں کا موضوع بنایا ہو۔ تاریخ ایک روداد ہے قتل و غارت اور چھینا جھپٹی
کی — یہ صرف غوریوں، ابدالیوں، غزنویوں اور نادر شاہوں کو ابھارتی ہے۔ تاریخ ان شہنشاہوں
اور بدمستوں کا نامۂ اعمال ہے جو سادہ لوح لوگوں کو دبانے، مسلنے اور اپنی عشرت کے لیے ان
کی رگوں سے لہو کا آخری قطرہ تک نچوڑنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ ہمارے مورخ ہمیشہ
ذات بادشاہوں کو خوش کرنے اور ان کی فتوح کو اجاگر کرنے کے لیے راستی کا منہ چڑاتے رہے
اور بہترین حقیقتوں کو کذب و افترا کا پیوند لگاتے رہے۔ اس طرح انہوں نے بیشتر
تحریروں میں اپنی مبالغہ آفرینیوں اور حاشیہ آرائیوں سے تاریخ کو مشکوک بنا دیا۔"

پرانے وقتوں میں شاعروں اور مورخوں نے یکساں طور پر قصیدہ کو اپنا شعار بنایا۔
اور مولانا شبلی کے الفاظ میں "اپنے ممدوحوں کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔
اکثر مدحیں ایسے لوگوں کی لکھی گئیں جو سرے سے مدح کے مستحق نہ تھے۔ یا تھے تو ان کے واقعی
اوصاف نہیں لکھے گئے۔ بلکہ تمام قوت مبالغہ اور غلو میں صرف کر دی گئی۔ عرفی، نظیری،
فیضی وغیرہ نے بادشاہوں کی شان میں سیکڑوں پرزور قصیدے لکھے لیکن معرکوں کا نام
تک کہیں نہ آیا۔ جن کے بیان سے مردہ دلوں میں جنبش پیدا ہو سکتی ہو۔" مورخ اور شاعر
پرانے وقتوں میں ایک ہی راستہ کے راہی تھے۔

ہندوستان میں بدقسمتی سے تاریخ کا لڑکھڑاتا رتھ آج بھی ایک ایسے راستہ پر دوڑ رہا
ہے جس کے امین پیدائش ہم خود نہیں بلکہ غیر ملکی حکمران تھے۔ اور انہوں نے ہی اپنی سامراجی
مصلحتوں کی بنا پر اس راستہ کی حدود اور سمتیں طے کی تھیں۔ برطانوی دور کی تربیت
نے ہمیں لامحالہ ایک ایسے ذہنی ماحول تک پہنچا دیا ہے جس میں داخل ہونے کے راستے
بہت ہیں لیکن باہر آنے کا راستہ کوئی نہیں۔ اس ماحول کی افسوں طرازی نے اتنی استعداد

بھی باقی نہیں رہنے دی کہ ہم ہندوستانی تہذیب اور ثقافت کی صحیح عمر یں معین کرسکیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو ڈسکوری آف انڈیا" میں ویدک ثقافت کی عمر پانچ چھ ہزار برس قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے لکھا ہے کہ پروفیسر ونٹرنٹز (Winternitiz) کے خیال میں یہ تہذیب دو ہزار برس قبل مسیح سے قدیم نہیں۔ اس کے برعکس لوکمانیہ تلک نے دس ہزار برس پرانے وید منتروں کا اشارہ دیا ہے۔ ڈاکٹر سمپورنانند لکھتے ہیں کہ رگوید کے دسویں منڈل کے ۸۶ ویں سُوکت کو ورشاکپی سُوکت کہتے ہیں جسے کئی ماہرین ۱۸ ہزار برس پرانا مانتے ہیں۔ اسی طرح رگ وید کے دسویں منڈل کے ۸۵ ویں سُوکت کا ۱۳ واں منتر ۱۷ ہزار سال پرانا ہے۔ بنیادی قضیہ یہ ہے کہ بائیبل کے مطابق یہ دُنیا آج سے ۸۵ سو برس پہلے وجود میں آئی تھی۔ اس لئے یورپی مورخ دُنیا بھر کی تاریخ کو اس دائرہ سے باہر لے جانا پسند نہیں کرتے۔ ایچ۔ جی۔ ویلز نے اگرچہ "اے شارٹ ہسٹری آف دی ورلڈ" میں اس دُنیا کی عمر دو ارب سال سے زیادہ قرار دی ہے لیکن اس کے باوجود وہ ویدک ثقافت کے معاملہ میں ۵۰۰ برس قبل مسیح سے آگے بڑھتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔ ہندوستانی ثقافت کی عمر کم ہو یا زیادہ یہ امر یقیناً وجہ صد امتنان ہے کہ کئی ایک بے تعصب یورپی علماء نے ہندوستان کی عظمت کو بے دریغ تسلیم کیا ہے۔ ایک برگزیدہ امریکی سکالر ول ڈیورانٹ (Will-Durant) کے یہ الفاظ قابلِ ذکر ہیں کہ :-

India was the mother-land of our race and Sanskrit the mother of our Philosophy; mother, through the Arabs, of much of our mathematics; Mother through the Budha, of the ideals embodied in christianity; mother, through the village community, of self government and democracy. Mother India is in many ways the mother of us all.

یعنی "بھارت ہی ہماری نسل کی ماں ہے اور سنسکرت ہماری فلاسفی کی جنم داتا۔ اس ماں نے اہلِ عرب کی وساطت سے ہمیں ریاضی دی بُدھ کی وساطت سے اس ماں نے ہمیں وہ آدرش دئے جو عیسائیت کی روح رواں ہیں۔ دیہاتی کمیونٹی کی وساطت سے اس ماں نے ہمیں جمہوریت اور سیلف گورنمنٹ دی۔ مادرِ ہند کئی

رشتوں سے ہم سب کی ماں ہے۔"

یوں تو جموں کی پہاڑیوں میں بھی ہندوستان کے دوسرے حصوں کی مانند زندگی ہمیشہ رواں دواں رہی۔ لیکن مقام استعجاب یہ ہے کہ آج تک کسی بھی دانشور کو ڈوگروں کی مقدس دھرتی کی دھڑکنیں قلمبند کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ نے تاریخ راجگان جموں لکھی۔ نام ہی سے ظاہر ہے کہ دائرہ محدود تھا۔ اب پہلی بار نرسنگداس نرگس نے راجاؤں کی نہیں، سرزمین جموں کی تاریخ قلمبند کی ہے۔ یہ نرگس ہی کی ہمت اور اس کا حوصلہ تھا کہ جموں کو ایک تاریخ دی اور ڈوگروں کو اُن کا ماضی یاد دلایا۔ یہ ایک کارِ عظیم تھا۔ نرگس "تیشۂ فرہاد" لے کر اُٹھا اور کوہ تجسس کے سینے میں شگاف ڈال کر جوئے شیر بہا لایا۔ اس کی تاریخ صرف راجاؤں اور امراء تک محدود نہیں۔ اور صدیوں جموں کے سنگلاخ رقبہ کو سیراب کرتی رہے گی۔ یہ تاریخ جموں کے ماحول میں یُوں اُتری ہے جیسے قاآنی کے الفاظ میں ع ہمچو بلقیس کہ بر صرح سلیمان گزرد۔

جموں کی پہاڑیوں کا ذکر سب سے پہلے ہمیں قدیم یونانی مورخ مہیا کرتے ہیں۔ اُنہوں نے دو مملکتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک ابھیسار (Abhisara) اور دوسرے کیتھی اوئی (Kathaioi)۔ ابھیسار وُہ مقام ہے جسے آج پونچھ کہا جاتا ہے۔ کیتھی اوئی دریائے راوی کے کنارے آباد تھا۔ اور اس کی راجدھانی سانکل (سیالکوٹ) تھی۔ سٹریبو نے کیتھی اوئی کو ایک عظیم گن تنتر قرار دیا ہے۔ جو دامن کوہ میں کنار راوی تک دُور دُور پھیلا ہُوا تھا۔

ابھیسار (پونچھ) کے راجہ نے سکندر اعظم کے مقابلہ میں شکست قبول کر لی لیکن کیتھی اوئی گن تنتر نے جھکنے سے انکار کر دیا۔ کیتھی اوئی اور کٹھوعہ صوتی اعتبار سے ایک ہی رقبہ کے دو نام ہیں۔ کیتھی اوئی کا محلِ وقوع بھی کٹھوعہ ہی کا محلِ وقوع ہے۔

ڈوگروں کے کیتھی اوئی گن تنتر میں ڈایوڈورس (Diodorus) کی رُوداد کے مطابق لڑکیاں لڑکے خود اپنا رفیقِ حیات منتخب کرتے تھے۔ جہیز کی چنداں اہمیت نہ تھی۔ صرف خدوخال اور قامت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ ذات پات پر خوبصورتی کو ترجیح دی جاتی تھی۔ خوبصورت اولاد کی بہت قدر تھی۔ سٹریبو (Strabo) نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا حکام کا فرض تھا کہ کون کون سے نوزائیدہ بچے حقِ زیست کے مستحق ہیں۔ پیدائش

Scanned with CamScanner

بعد دوسرے ماہ بچوں کی زندگی یا موت کا فیصلہ ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے سپارٹا اور کٹھوعہ کا ایک ہی دستور تھا۔ ایک ہی چلن تھا۔

میکرنڈل (McCrindle) نے "انویژن آف انڈیا بائی الیگزینڈر دی گریٹ" میں اس دستور پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ "کٹھی اوئی گن تنتر میں طبی معائنہ کے بعد حکام ہی یہ فیصلہ کرتے تھے کہ کون کون سے بچوں کو تلف کیا جانا چاہیے۔ لولے لنگڑے اپاہج اندھے یا دوسرے کسی بھی جسمانی نقص والے بچوں کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیا جاتا تھا۔ سٹریبو کے بیان کے مطابق بچوں کو تلف کئے جانے کا حتمی فتوے مجسٹریٹ کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ سٹریبو نے لکھا ہے کہ کٹھی اوئی گن تنتر میں خوبصورت ترین آدمی کو ملک کا سربراہ بنایا جاتا تھا۔ کٹھی اوئی گن تنتر کی فوج نے دامن کوہ میں "باسی لوئی" (Basilui) کے قریب (عجیب نہیں یہ کٹھوعہ ہی ہو) سکندر اعظم کا مقابلہ کیا۔ سٹریبو نے لکھا ہے کہ یہ لوگ شجاعت اور جوانمردی میں لاثانی تھے۔ وہ سکندر کے خلاف صف آرا ہونے سے پہلے ابھیسار (پونچھ، اور پورس کی مملکت (چناب اور جہلم کے درمیان جس میں موجودہ جموں و کشمیر کا کچھ حصہ بھی شامل تھا) کو شکست دے چکے تھے۔ انہوں نے سکندر اعظم کے مقابلہ میں شاکٹ ولیہیا جسے انگریزی میں Waggon-Formation کا نام دیا گیا ہے، وہ بہت بہادری سے لڑے اور ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس معرکہ میں ابھیسار، ٹیکسلا اور پورس کی فوجیں بھی سکندر کی کمان میں تھیں۔ کٹھی اوئی تک پہنچنے کے لئے سکندر اعظم نے راوی کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف سفر کیا۔ اور راستہ میں کئی ایک چھوٹے موٹے گن تنتروں کو تاخت و تاراج کر دیا۔ "باسی لوئی" کے قریب ایک شہر کے لوگوں نے جوہر کیا۔ مرد میدان جنگ میں شہید ہوئے عورتوں نے شہر کو آگ لگا دی اور بچوں سمیت اس آگ میں کود پڑیں۔ عجیب نہیں کہ جس شہر کے آثار قدیمہ کو "بہور" قرار دیا جاتا ہے، وہ ڈوگرہ جانبازوں کا وہی شہر ہو جنہے ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار سکندر اعظم کو بتا دیا تھا کہ ہندوستانیوں کے نزدیک غلامی کی زندگی سے موت ہزار بہتر ہے۔

سکندر اعظم کے زمانہ میں اور اس سے پہلے ڈوگروں کی دھرتی جو "ترگیرتوں — (Trigarttas) پر مشتمل تھی۔ یہ جمہوری ریاستیں تھیں جو "ہندو پولٹی" (Hindu Polity) کے نام سے مصنف کے نزدیک ہمالیہ کے دامن میں جموں اور کانگڑہ کے ساتھ ساتھ تھے

ہوتے تھے۔ ڈوگروں کے اس نرگرتا شنتھا" یعنی چھ گن تنتروں کی یونین کے ممبروں کے نام کسیکا (Kasika) کے مطابق یوں تھے ۔ (۱) کونڈو پارتھ۔ (۲) ڈنڈکی۔ (۳) کوشٹکی۔ (۴) جل منی۔ (۵) برہم گپتا۔ (۶) جلاکی ۔ ان چھ نرگرتوں میں ہر آدمی سپاہی تھا۔ اور ساری کی ساری قوم ایک منظم فوج تھی۔ ڈوگروں کے گن تنتر کیتھی اوئی اور سابھوتی (Sophytes) کی یونین کو دُوئی گرت کہا جاتا تھا۔ گرت گڑھے کو کہتے ہیں لیکن اس سے گھر شہر اور مملکت بھی مراد ہے۔ رُومی بھاشا کا "گراڈ" سنسکرت کے گرت ہی سے بگڑ کر بنا ہے۔ اور شہر کے معنوں میں مستعمل ہے۔ جیسے لینن گراڈ یا سٹالن گراڈ۔

یونانی مورخوں نے اُس زمانہ کے پنجاب اور گرد و پیش کے رقبہ میں صرف دو بادشاہتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک ابھیسار اور دُوسری پورس کی مملکت کیتھی اوئی اور سبھوتی کے ڈوگرہ گن تنتروں میں راجہ کا باقاعدہ چناؤ ہوا کرتا تھا۔ جنتا اُسے کسی بھی وقت گدی سے اُتار سکتی تھی۔ سکندرِ اعظم کے ساتھ سفر کرنے والے مورخوں کا کچھ ایسا ہی مشاہدہ تھا۔

سکندرِ اعظم کو چندر بھاگا کے آر پار ڈوگروں کے رقبہ میں یقیناً ناقابلِ بیان مشکلات پیش آئی ہوں گی۔ ویدک انڈیا کے مصنف ڈاکٹر زینا ئیڈی اے رگوزن (Zenaidea-ragozin) نے لکھا ہے کہ "پنجاب کی وسعتوں سے یونانی خوب آگاہ تھے۔ اور پنجاب میں بہنے والے دریاؤں کے جدا گانہ نام انہوں نے رکھے۔ مقامی ناموں کی تھوڑی سی جھلک ان یونانی ناموں میں ضرور موجود رہی۔ انتہائی مغربی دریا جہلم (ویدک وتستا) کو انہوں نے ہائیڈسپیز (Hydaspes) بنا دیا۔ دُوسرے درجہ پر چناب آتا ہے۔ ویدک نام آسکنی (Asikni)۔ یونانیوں نے اس کا نام ایکسینوسس (Akesions) رکھا۔ جہلم سے ملنے کے بعد یہ دریا مرُودوردھا[1] (Marudvridha) یعنی (The Wind Swelled) کہلاتا ہے۔ اس سے کافی نیچے ڈھلوانی رقبہ میں

---

[1] مرُودوردھا کے سوال پر "ویدک انڈیا" اور "آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا" کے نظریوں میں اختلاف ہے۔ "آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا" میں رگ وید کے ندی استوتر (X-75) کے کچھ منتروں کا ترجمہ یوں دیا گیا ہے :-

(بقیہ فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

اس کا سنسکرت نام چندر بھاگا (Chandra Bhaga) ہے۔ چندر بھاگا کو یونانیوں نے سینڈرو فاگس (Sandro-Phagus) قرار دیا۔ جس کے ساتھ سکندرِ اعظم کی مہم کی ایک کہانی وابستہ ہے۔ یونانی نام کا انگریزی ترجمہ ہے Devourer of Alexander جس کا مطلب ہے "سکندر کو کھا جانے والا۔ ہلاک یا فنا کر دینے والا۔ ہڑپ کرنے والا۔ جسے یونانیوں نے ایک بدشگونی قرار دیتے ہوئے واپس چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔"

(فٹ نوٹ گذشتہ صفحہ سے آگے):-

Attend to this my song of praise, O Ganga!
Yamuna, Sarawati, Porushri;
Together with Asikni, O Marudvridha, and with
Vitasta, O Arijikiya, listen-with Sashona.

ونسنٹ اے سمتھ نے لکھا ہے کہ اسکنی سے مراد چناب ہے۔ اور "مرود وردھا" ایک چھوٹی سی ندی ہے جو وادی "مرو" میں شمال سے جنوب کی طرف بہتی ہے اور کشتواڑ کے قریب شمالی تٹ سے چناب میں آ ملتی ہے۔ سمتھ نے مزید لکھا ہے کہ رگ وید میں "مرود وردھا" کا ذکر باعث صد استعجاب ہے کیونکہ یہ غیر معروف ندی اونچے اونچے پربتوں کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی ہے۔ اور ایک ایسی وادی سے گزرتی ہے جہاں عام لوگوں کی رسائی ممکن نہیں۔ اگر ونسنٹ سمتھ کے اس نظریے کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو یونانیوں کے ساتھ ڈوگرہ گن تنتروں کے تصادم کے نقوش اکھنور کے رقبہ سے اٹھ کر کشتواڑ کی ڈھلوانوں تک جا پہنچیں گے۔ غیر ممکن نہیں کہ ابھیسار (پونچھ) سے کشتواڑ تک کوئی راستہ یونانیوں نے ڈھونڈ نکالا ہو۔ "ارلی ہسٹری اینڈ کلچر آف کشمیر" (Early History and Culture of Kashmir) کے مصنف ڈاکٹر سنیل چندر رے نے لکھا ہے کہ سکندر کے حملہ کے زمانہ میں وادی کشمیر ابھیسار کے بادشاہ کی عملداری میں تھی جس نے یونانی سپاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ عجب نہیں کہ ابھیسار کے راجہ ہی نے سکندر کو مرود وردھا تک کا راستہ دکھایا ہو۔ تبھی سکندر نے واپسی کے وقت نہ صرف وادی کشمیر پر ابھیسار کا حق تسلیم کیا بلکہ ہزارہ (Arsaces) کا رقبہ بھی شاہ ابھیسار کی سپردگی میں دے دیا۔ ڈاکٹر سنیل چندر نے یہ بھی لکھا ہے کہ رگوید کی مناجات میں مرود وردھا کا ذکر موجود ہے۔ اور کئی علماء کے نزدیک یہ چھوٹی سی ندی "مرود وردھا" اسی نام سے کشتواڑ کے قریب چناب میں آ کر ملتی ہے۔

اور ہے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ زیادہ دشوار نہیں کہ چندر گپت کے زمانے میں سکندر اعظم ڈوگرہ زون کے ساتھ لڑتے لڑتے جاں بحق ہوا تھا۔ یونانی سپاہ اس کی لاش لے کر پیچھے ہٹی۔ ستلج اور بیاس کے سنگم سے سکندر کے پیچھے ہٹنے کی داستان یونانیوں نے خود اس لئے پھیلا دی ہوگی کہ ہندوستانیوں کو سکندر کی موت کا علم نہ ہو۔ غیر ممکن نہیں کہ بلوچستان کی سرحد تک انٹی اوکس (Antiochcus) یا سیلوکس (Seleucus) یا دوسرا کوئی یونانی جرنیل سکندر اعظم کا پارٹ ادا کرتا رہا ہو۔ پرانے وقتوں کا یہی دستور تھا۔ سنہ ۱۲۲۷ء میں جب چنگیز خان اڑسٹھ سال اور بارہ درندوں کی ساعت میں اچانک چین کی سنگ (Sung) راجدھانی کی طرف بڑھتے ہوئے اس جہان فانی سے چل بسا تو اس کے جسد فانی کو بھی اس احتیاط کے ساتھ صحرائے گوبی تک لے جایا گیا تھا کہ لوگوں کو اس کی موت کا علم نہ ہو۔ چنانچہ چنگیز خان کی لاش کے رتھ کی حفاظت کرنے والے جنگجو تاتاریوں نے صحرائے گوبی تک اپنے راستہ میں جس بھی انسان یا جاندار کو دیکھا اسے اپنے دیوتا کی موت کے گھاٹ اتار دیا اور ہر بستی کو مٹھی بھر خاکستر میں تبدیل کر دیا۔ ہیرلڈ لیمب (Harold Lamb) نے اپنی کتاب چنگیز خان (Genghis Khan) میں لکھا ہے کہ بادشاہ کی لاش کے ساتھ سفر کرنے والے سپاہیوں اور جرنیلوں نے اپنے آقائے نامدار کی موت پر آہ و زاری اس وقت شروع کی جب وہ صحرائے گوبی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ اس طرح عین ممکن ہے سکندر کی موت پر سے یونانی جرنیلوں نے بابل (Babylon) پہنچ کر پردہ اٹھایا ہو۔ اگر سکندر زندہ ہوتا تو اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ فوج کا ایک حصہ نیارکس —— (Nearchos) کی قیادت میں سمندر کے راستے یونان لوٹتا۔ دوسرا بلوچستان کی راہ پیچھے ہٹتا۔ اور ایک بہت بڑا لشکر بابل اور بلوچستان کے درمیان بھٹکتا ہوا رہ جاتا اور پھر چندر بھاگا کے ڈوگرہ زون کو Devourer of Alexandra کے نام سے یاد کرنے کی کوئی معقول وجہ تا حدِ نظر موجود نہ تھی۔

"ویدک انڈیا" میں زینائیڈی اے رگوزن نے اس امر کو بھی دائرۂ قیاسات سے بعید قرار نہیں دیا کہ مغربی ہمالیہ کی بلندیاں جس جگہ پہنچ کر معتدل آب و ہوا اور گھنے جنگلوں والی چھوٹی پہاڑیوں کو گلے لگاتی ہیں اور جن ڈھلوانوں سے آگے پنجاب کے میدان شروع ہوتے ہیں، وہ مقام یقیناً قدیم آریاؤں کی پہلی نسل کے لئے بہت دلکش اور باغ جنت کے

مترادف ثابت ہوا ہوگا۔ آریہ لوگ زیادہ سے زیادہ دیر یہاں آباد رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ زیادہ تر ویدی ادب رگیوزن کا رُوئے سخن جموں اور گنگا کی پہاڑیوں کی طرف ہے۔ کیونکہ یہی پہاڑیاں پانچ دریاؤں کی اس دھرتی سے ملحق ہیں جسے آریاؤں نے پنج ند —— (Pantchananda) کا نام دیا تھا۔ ان پہاڑیوں سے وہ کئی صدیوں میں پنجاب تک پہنچے ہوں گے اور پھر پنجاب سے انہوں نے وادیٔ گنگا کا رُخ کیا ہوگا۔ رگیوزن کی تحریروں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ دشوار نہیں کہ جب آریاؤں کو کانگڑہ اور جموں کی پہاڑیوں میں کچھ سکون نصیب ہوا تو انہوں نے ویدمنتروں کو ترتیب دی جو صدیوں سے نازل ہو رہے تھے اور جنہیں وہ اپنے سفر میں سینہ بہ سینہ لئے پھرتے تھے۔ گویا تمدن، شائستگی، نیکی اور راستی کی شمع سب سے پہلے اسی پتھریلی دھرتی پر روشن ہوئی تھی جس سے ہم سب ڈوگرے اُٹھے ہیں۔

ہیروڈوٹس کی ایک روداد کے مطابق تو جمہوریت کا تصور بھی جموں کی سنگلاخ دھرتی ہی سے یونان تک پہنچا۔ اور یونان سے دنیا کے دوسرے گوشوں نے حاصل کیا۔ ولادتِ مسیح سے ۵۱۷ برس قبل دارا اوّل نے ایک یونانی جرنیل سکائی لیکس (Skylax) کی قیادت میں ایک مہم ہندوستان بھیجی تاکہ وہ فارس کے لئے سمندری راستہ کا سُراغ لگائے اور تجارتی امکانات کا جائزہ لے۔ سکائی لیکس اور اُس کے ساتھی شمال کی طرف بڑھتے بڑھتے اُس جگہ پہنچے جہاں چندر بھاگا پہاڑوں سے میدانوں میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں سانپ بہت ہیں اور خوفناک قسم کے بچھو ہیں۔ انہوں نے دیکھا دریا کے کنارے ایک لاش جلائی جا رہی تھی اور ایک بڑھیا زار و قطار رو رہی تھی۔

سکائی لیکس۔ تم کیوں رو رہی ہو دیوی؟

بڑھیا۔ میرے اکلوتے بیٹے کو سانپ نے ڈس لیا اور وہ مر گیا۔ اس دُنیا میں اب میرا کوئی نہیں رہا۔

سکائی لیکس۔ اکلوتے بیٹے کو سانپ نے ڈس لیا؟ ہمارے یونان میں تو کبھی کوئی آدمی سانپ کے ڈسنے سے مرا نہیں۔ ہم نے فارس میں بھی پچھلے آٹھ برسوں میں ایسی کوئی بات سُنی نہیں۔

عورت۔ مگر ہمارے گاؤں میں سانپ بہت ہیں اور بہت زہریلے۔ پہلے میرے سسر کو

سانپ نے ڈسا تھا اور وہ مر گیا۔ پھر میرے شوہر کو۔ اور اب میرا جوان اکلوتا بیٹا۔

سکائی لیکس ۔ تب بہت خطرناک ہے یہ علاقہ۔ یہاں زیادہ تر لوگ سانپ کے ڈسنے سے ہی مرتے ہیں۔ تم نے اس رقبہ کو چھوڑ کیوں نہ دیا؟ بہت وسیع ہے تمہارا ملک۔ ہمارے مقدونیہ کی طرح چھوٹا سا نہیں۔

عورت ۔ اس لئے نہیں چھوڑا کہ یہاں جنتا کا اپنا راج ہے۔ یہاں ایک آدمی گڈریے کی طرح دُوسرے لوگوں کو نہیں ہانکتا۔ یہاں ہر آدمی اپنا راجہ آپ ہے۔ یہاں سب لوگ مل جُل کر قانون بناتے ہیں اور خود اس پر عمل کرتے ہیں۔

سکائی لیکس ۔ مگر یہ موت ۔۔؟ یہ قدم قدم پر رینگنے والی کالی موت ۔۔؟ کیا تمہیں اس سے ڈر نہیں لگتا؟ ہم نے خود راستہ میں کتنے ہی سانپ دیکھے ہیں۔

عورت ۔ ایک نہ ایک دن سب نے مرنا ہے جسے سانپ نہیں ڈسے گا، وہ کسی روگ سے تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ موت سے ڈر کر زندگی بھر کے لئے اپنی باگ ڈور کسی آدمی کے ہاتھ میں دے دینا اور خود بھیڑ بکریاں بن جانا تو عمر بھر کا روگ سہیڑنے کے مترادف ہے۔ دُنیا میں کہیں راجے ہیں۔ کہیں گن تنتر ہیں۔ کہیں دو راجانی —— (Do-Rajjani) یعنی دوعملی ہے ۔۔ ہمیں اپنا گن تنتر ہی پسند ہے جہاں کوئی کسی کا محکوم نہیں۔ جہاں سب برابر ہیں۔

سکائی لیکس سُن رہے ہو زیرٹیس (Xirtus) ؟ یہ دیوی کہتی ہے کہ فردِ واحد کی بُری حکومت زہریلے سانپ کے ڈنک سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ کاش یونان کے لوگوں کو بھی یہ راز معلوم ہوتا۔ ہم بھی تو ایک ایسے ہی حکمران کے ڈنک سے بچنے کے لئے اپنے ملک سے بھاگ نکلے تھے اور دارا اوّل کے دربار میں پناہ لی تھی۔

زیرٹیس ۔ اس دیوی نے ہمیں زندگی کا ایک نیا راستہ دکھایا ہے سکائی لیکس!

سکائی لیکس ۔ بے شک۔ ایک نیا راستہ ہے یہ۔ بالکل نیا راستہ۔ سنو دیوی۔ آج سے سکائی لیکس تمہارا منہ بولا بیٹا ہوا۔ تم ہمارے ساتھ ایتھنز چلو۔ اور یہی راز ہے یونانی بیٹیوں کو بتاؤ۔ گن تنتر کا راز۔ ایک نئی زندگی اور نئے راستے کا راز۔

ایسی ہی ایک داستان چین کے بزرگ عالم کنفیوشس (Confucius) سے منسوب کی گئی ہے جو [illegible] (Susanne Labin) نے اپنی تصنیف [illegible] ایک [illegible]

(Anthill) میں کیا ہے۔ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ داستان بھارت سے کب اور کیسے چین پہنچی۔ کیونکہ دارا اوّل (Darius Ist) سن ۴۷۹ - ۴۲۲ ق م قبل مسیح اور کنفیوشس ۴۷۹ - ۵۵۱ قبل مسیح میں کچھ زیادہ تفاوت نہ تھی۔ اور دو ملکوں کے درمیان فاصلہ بہت طویل تھا۔

مولانا قلندر علی خان پانی پتی نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہدِ حکومت میں منطق اور دیگر علوم لطیفہ پر ایک ضخیم کتاب ہدیہ مہاراج لکھی جو وِدیا وِلاس پریس جموں میں شائع ہوئی۔ مولانا کا نظریہ یہ ہے کہ ڈوگرہ اور راجستھانی پوشش، مصوری اور زیورات میں معمولی سی تفاوت بھی نہیں۔

شاید اسی بناء پر عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ راجستھان کے لوگ ہی غیر ملکی حملوں کے زمانہ میں راجستھان سے ہجرت کر کے جموں کے دشوار گذار رقبوں میں آباد ہو گئے ہوں گے لیکن اس کی تائید پرانے وقتوں کی رُوداد سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے برعکس پنجاب کے زرخیز حصوں سے لوگوں نے ہجرت کی اور راجپوتانہ میں جا آباد ہوئے تاکہ وہ اپنی آزادی اور ناموس کو محفوظ رکھ سکیں۔ ڈاکٹر کے۔ پی جیسوال (ہندو پولیٹی) کا نظریہ یہ ہے کہ گن تنتروں کے لوگ ناقابلِ تسخیر تھے۔ اُن کے نزدیک زمین، مکان اور مال و منال کی کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ اپنی سیاسی ہستی اور اپنی آزادی پر بآسانی اپنے گھر بار نچھاور کر دیا کرتے تھے۔ وہ صحراؤں اور سنگلاخ رقبوں میں آباد ہو سکتے تھے مگر انہیں اپنی آزادی اور اپنے جمہوری نظام سے دستکش ہونا گوارا نہ تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جہاں ہم ہیں وہیں ترگرت ہے۔ وہیں دوگرت ہے۔ وہیں ہمارا مالو ہے۔ وہیں ہمارا یاؤدھیا (Yaudheya) ہے۔ ہندوستانی سکوں کی جو رُوداد وی سمتھ نے تیار کی ہے، اُس کے مطابق چتوڑ کے قریب سے سِبی (SIBI)۔ ترگرت۔ مادھیمنکا (Madhyaminaka) گن تنتروں کی پہلی صدی قبل مسیح کے سکّے برآمد ہوئے۔ کئی ایک قدیم دستاویزوں میں ترگرت اور دوگرت کے لوگوں کو کشمیر اور کیکایا (Kekaya) دیس کی صف میں دکھایا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ راجستھان کے لوگ جموں کی پہاڑیوں میں آ کر آباد نہیں ہوئے۔ بلکہ ڈوگروں کے بہت سے قبیلوں اور پنجاب میں اُن کے نواحی اور اتحادی گن تنتروں کے لوگوں نے راجپوتانہ کے ڈستے ہوئے ویرانوں کو زندگی دی۔ یہی لوگ اپنی پوشش، اپنی ثقافت، اپنا ہنرمندی، اور وہ شجاعت اپنے ساتھ لے گئے جس پر قدیم راجستھان کو ناز تھا۔

یہ لوگ جب ایک بار اپنے ٹھکانوں سے اکھڑ گئے تو راجستھان ہی کیا ، دُنیا میں دُور دُور تک جا پہنچے۔ کرنل ٹاڈ نے "اینلز آف راجستھان" (Annal of Rajasthan) میں سر ولیم جونز (Sir William Jones) کے حوالے سے لکھا ہے :-

"اگر ہم قدیم یونانیوں ، ایرانیوں ، رومنوں ، مصریوں اور گوتھس (Goths) کے تیوہاروں کا باہم موازنہ کریں تو ہمیں اُن میں ہندوستانی تیوہاروں ہی کا عکس جمیل دکھائی دے گا۔ ایک حیران کن مشابہت ہے جس سے ہمیں پُرانے وقتوں کے مذہب اور تاریخ کا جائزہ لینے میں مدد ملتی ہے۔"

کرنل ٹاڈ لکھتا ہے کہ "پنکرٹن (Pinkerton) کا یہ نظریہ مجھے درست ہی دکھائی دیتا ہے کہ دریائے گنگا سے کیسپین ساگر تک ایک ہندو گیٹک (Getic) یا انڈو سیتھک (Indo-Scythic) سلطنت وجود میں آچکی تھی۔ پُران اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ یہ یونانی نژاد سیتھک قبائل ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے ہندو ہی تھے جو شو ، سورج یا وشنو کے پرچم لے کر دُنیا میں کہیں سے کہیں جا پہنچے۔ چنانچہ جو رسوم و رواج ہمیں راجپوتانہ میں دکھائی دیتے ہیں ، وہی سکینڈے نیویا کے ثقافتی گہوارے میں خوابیدہ ملیں گے۔"

مسز کمار متر اپنی "وژن آف انڈیا" (Vision of India) میں لکھتی ہے کہ "سکینڈے نیویا کے دریاؤں کے وہی نام ہیں جو پنجاب اور راجستھان کے نواح میں ہیں جیسے چندربھاگا ، یمنا ، سرسوتی ۔ یعنی انہی دریاؤں کے طاس سے یہ لوگ اُٹھے تھے جنہوں نے سکینڈے نیویا کے ویرانوں کو پُرانے وقتوں میں آباد کیا ہوگا۔"

سکندر اعظم خود سورج دیوتا (اپالو) کا پُجاری تھا۔ اسی سورج دیوتا کے نام لیواؤں کا مقابلہ اُسے چندربھاگا (سینڈرو فوگس) کے کنارے اور وادیٔ چناب میں کرنا پڑا۔ اس جگہ ڈوگروں کے ۲۶ کوٹ تھے جنہیں کچھ مورخوں نے "کٹھلے" لکھا ہے۔ ان ۲۶ کوٹلوں نے سکندر اعظم کے ساتھ لڑتے ہوئے آخری آدمی اور آخری تلوار یا بھالے کی موجودگی تک اپنا پرچم سرنگوں نہ ہونے دیا۔ وادیٔ چناب کی مٹی سے اُٹھے ہوئے لوگ ٹوٹنا جانتے ہیں جھکنا نہیں۔

سکندر اعظم کے ساتھ جو یونانی مورخ ہندوستان آئے تھے اُنہیں یوں محسوس ہوا جیسے وادیٔ چناب کے لوگ اسی انداز میں غلامی پر موت کو ترجیح دے رہے ہیں جس کی مثال یونان کا سحر طراز شاعر ہومر (Homer) ایلیڈ (Illiad) میں پیش کرتا ہے۔ ایسی ہی ایک مثال سکندر کے بعد کارتھیج (Carthage) کے محاصرہ سنہ ۱۴۶ ق م میں اہل دنیا نے دیکھی تھی۔

مولانا ابوالکلام کے الفاظ میں "رومیوں کا ایک جرار لشکر انتہائی استحکام [illegible] کر نکلا۔ اہلِ قرطاجنہ (کارتھیج) اپنے شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔ وہ اس شہر کے سب سے بڑے مندر میں جمع ہوئے، مقدس قسمیں کھا کر عہد کیا کہ جب تک آخری قطرۂ خون ہمارے جسموں میں باقی ہے ہم اپنے ہزاروں سالہ ملک کو مسمار نہ ہونے دیں گے۔ اور مر بھی گئے تو اس عالم میں کہ ہماری مضطرب لاشیں قرطاجنہ کی دیواروں کے نیچے تڑپ رہی ہوں گی...."

"اہلِ قرطاجنہ نے شہر کی تمام عمارتیں اپنے ہاتھوں سے مسمار کر دیں۔ اور مندروں کو جن کی دیواریں قلعوں کی طرح محکم اور جن کے احاطے فوجی میدانوں کی طرح وسیع تھے [illegible]۔ یہ قلعوں اور حصار کے استعمال کیا تاکہ غیروں کے ہتھیاروں کی لعنت سے ناپاک نہ ہوں۔ نجی عمارتوں میں جتنی چیزیں لوہے، تانبے اور دوسری دھاتوں سے تیار کی گئی تھیں، وہ سب پگھلا کر گلا دیں...."

"عورتیں، مرد اور بچے سب لوگ دن رات کام کرنے لگے۔ وہ گلی ہوئی دھاتوں سے تلواروں کے قبضے اور تیروں کے دستے بناتے۔ تمام عورتوں نے اپنے سروں کے گھنے بال کاٹ کر دے دیئے جن کی رعنائی جنسِ اناث کا بہترین سرمایہ ہے تاکہ ان کی ڈوریاں کو بٹ کر کمانوں کے مضبوط چلّے بنائے جائیں...."

"محاصرہ کو تین برس گزر گئے۔ رومن سپاہ شہر میں داخل ہو گئی۔ رومیوں نے شہر کے وسط میں لڑنا شروع کر دیا۔ عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور دشمن پر تیر برساتی رہیں۔ بچے کھڑکیوں سے پتھر پھینکتے رہے۔ ظفریابی کی امید نہ رہی تو اہلِ قرطاجنہ نے شہر کو آگ لگا دی جو چھ دن تک جلتی رہی۔ قرطاجنہ کا ایک غدار رہنما اسی محاصرہ میں رومیوں سے جا ملا تھا۔ ہیسڈروبال اس کا نام تھا۔ خاتمہ کے دن ہیسڈروبال کی بیوی نے قلعہ کی دیوار سے اپنے غدار شوہر سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تو نے اپنی قوم، اپنے مقدس وطن اور اپنے دیوتاؤں سے بے وفائی کی ہے۔ دیکھ! قرطاجنہ کی جلی ہوئی دیواروں کا ہر ذرہ تجھ پر لعنت بھیج رہا ہے۔ صد حیف کہ تو روٹی کے ایک ٹکڑے اور پانی کے ایک کوزے کے لئے غیر قوم کی ٹھوکروں میں چلا گیا!'

"اس کی بیوی نے ایک بار پھر جلتے ہوئے کھنڈروں کو جی بھر کے دیکھا۔ اس کے بعد اپنے دونوں بچوں کا گلا گھونٹ کر انہیں آگ میں ڈال دیا اور پھر خود بھی شعلوں میں کود گئی۔"

چناب کے کنارے کئی کوٹلوں میں ایسا ہی ہوا۔ لوگوں نے موت قبول کی اور یونانیوں کی ناپاک اطاعت کو ٹھکرا دیا۔ یعنی آخری دم تک دشمن کا مقابلہ کرنے اور پھر اپنے شہروں کو خاکستر کر دینے اور خود اپنے گھروں کی آگ میں جل مرنے کا رجحان بھی بھارت اور قدیم یورپ کی جذباتی اور تمدنی وحدت اور ہم رنگی ہی کی جھلکیاں پیش کرتا ہے۔ کیا یہ بھارت ہی کا راجپوتی انداز نہیں تھا جس کی جھلک کارتھیج کے محاصرہ کی یہ رُوداد پیش کرتی ہے کہ —

"شوہر اپنے سامنے اپنی عورتوں کو جلتا ہوا دیکھتے تھے تاکہ غیروں کا تسلط اُن کے ننگ ناموس کو بٹہ نہ لگا دے۔ مائیں اپنے بچوں کو چھاتی سے لگا کر شعلوں میں کُود تی تھیں تاکہ اُن کے بعد اُن کی نسل غیروں کی غلامی اور محکومی کے لئے باقی نہ رہے۔ وہ آگ میں کودتے وقت آواز لگاتے تھے جلنا منظور مگر ذلت اور غلامی منظور نہیں۔"

اس رُوداد کی جھلک راجپوتانہ اور ڈوگر دونوں پیش کرتے ہیں۔ جیسے وہ ایک ہی پھول کی دو پنکھڑیاں ہوں۔ ایک ہی پیڑ کی دو شاخیں۔ ایک ہی پربت کی دو چوٹیاں۔

قدیم وقتوں میں لوگ کہاں سے کہاں پہنچتے رہے۔ اس سلسلہ میں کرائٹ (Karait) لوگوں کی رُوداد بھی کچھ کم قابلِ ذکر نہیں۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا انہیں یہودیوں کا ایک گروہ اور سرزمینِ فلسطین کے قدیم آباد کار قرار دیتا ہے۔ لیکن ہیرلڈ لیمب (Harold Lamb) انہیں صحرائے گوبی میں قراقرم کے قریب مستقل مکانوں میں بڑے بڑے شہر اور قصبے بنا کر رہنے والے تجارت پیشہ لوگ ظاہر کرتا ہے۔ رنگ سفید، ناک باریک اور لمبی، آنکھیں نیلی، پُتلیاں کالی، پیشانیاں چوڑی، بیضوی چہرے۔ ہیرلڈ لیمب نے انہیں ترک اور سر ہنری ہاورتھ Sir Henry Howorth نے آریہ قرار دیا ہے۔ ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے۔ کہ وہ دیوار بند شہروں میں رہتے تھے۔ اُن کے پاس قیمتی جواہرات، سونا، چاندی، بہترین کپڑے، عمدہ ہتھیار اور سنہرے خیمے ہوا کرتے تھے۔ پہلی بار انہیں صحرائے گوبی کے مغربی قبائل نے اُن کے شہروں سے بھگا دیا۔ اس کے بعد کرائٹ لوگوں کو چنگیز خان کے ساتھ ایک جنگ میں خوفناک ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ قراقرم کو پار کر کے ہندوستان کی طرف بھاگے۔ ۱۲۲۲ء میں کرائٹ لوگوں کا تعاقب کرتے ہوئے چنگیز خاں وادیٔ کشمیر تک آ پہنچا۔

صدیوں بعد یا یدگار کرائٹ لوگوں کا سُراغ جموں اور سیالکوٹ کے نواح میں ملا جب لسانیت کے کئی ماہرین نے ڈوگری رسم الخط کو کرائٹ رسم الخط کا نام دیا۔ یعنی یہی تھے وہ

لوگ جنہوں نے ڈوگروں کو اُن کی صدیوں پُرانی زبان کے لئے ایک نئی رلپی دی۔ کرائٹ لوگ صحرائے گوبی میں گپتا بھی کہلاتے تھے۔ ہیرلڈ لیمب نے ان کے نام پر وہاں گپت ا رہل (Gupta Hill) کا ذکر بھی کیا ہے۔ چنگیز خان کے ایک مُنہ بولے بھائی گلدار (Guildar) نے منگولوں اور کرائٹوں کی ایک جنگ کے دوران گپتا ہل پر چنگیز خان کا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔ گلدار کی شجاعت کے گیت آج بھی صحرائے گوبی کے منگول قبائل میں بہت مقبول ہیں۔ کرائٹ لوگ نیپال میں بھی آباد ہیں۔ مگر وہاں وُہ خانہ بدوش تاجروں کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

اگرچہ ڈوگری بھاشا کو کرائٹ پناہ گزینوں کی بدولت تیرھویں صدی ہی میں ایک رلپی مل گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس رلپی میں کوئی کتاب دستیاب نہیں۔ گریرسن (Grierson) رپورٹ کے مطابق سیرام پور کے مشنریوں کی طرف سے ۱۸۲۶ء میں بائیبل کے نیو ٹیسٹامنٹ (New Testament) کا ترجمہ شائع کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر بوہلر (Dr. Buhler) نے ڈوگری زبان میں کچھ سنسکرت تراجم کا ذکر کیا ہے۔ جن میں ایک لیلاوتی (ریاضی پر ایک قدیم شاہکار) ہے۔

آر۔ سی۔ ارولڈ کی تصنیف "اِن دی لینڈ آف کشمیر، لداخ اینڈ گلگت (In the land of Kashmir, Ladakh and Gilgit) میں یہ درج ہے کہ سر اوریل سٹین (Sir Aurial Stein) نے ختن اور صحرائے لوب نور میں جو ریسرچ کی ہے۔ اُس کے مطابق قراقرم کی اُن ڈھلوانوں پر جہاں آبپاشی ہو سکتی ہے ہندوستانی نسل کے لوگ پُرانے وقتوں میں آباد تھے۔ ہیرلڈ لیمب نے بھی اپنی تصنیف "چنگیز خان" میں کرائٹ لوگوں کو قراقرم کے آبپاشی والے ڈھلوانی رقبوں کے آباد کار قرار دیا ہے۔ ایک قیاس کے مطابق ۱۲۰ء میں کنشک کی حکومت قراقرم کے پار مشرقی ترکستان میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ممکن ہے اسی دَور میں ہندوستان کے تجارت پیشہ قبیلے قراقرم کے آر پار آباد ہو گئے ہوں۔ اُنہوں نے دیوار بند شہر بنا لئے ہوں اور لگاتار ایک ہزار برس اس رقبہ میں اپنے اقتدار اور اپنے تموّل کا پرچم لہرانے کے بعد چنگیز خان کے زمانہ میں انہیں واپس بھارت آنا پڑا ہو اور وُہ اُسی دُرگرا (Durgra) یا دوِگرت (Dwigrata) میں آباد ہو گئے ہوں جسے اُنہوں نے کنشک کے زمانہ میں

پیدا ہوا۔ مگر یہ بھی نہ پوراند نے ڈوگرہ دیش کے ہی وہ تمام مستند قرار دئے ہیں۔ ڈوگرا اور ... دیلیہ ست ...

بھوں پرانت کی وادی بھدرواہ کی قدیم تہذیب کی جھلکیاں ہمیں شری ہرسشں کا "ناگا نندم" مہیا کرتا ہے۔ ناگا نندم میں جتنے بھی اہم کردار پیش کئے گئے ہیں، اُن کی مورتیاں بھدرواہ کے مندروں میں ملتی ہیں۔ اِن میں سے جیموت واہن، جیموت کیتو اور واسکیہ بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ ناگاؤں کے وِدیا دھر اور سِدھ ونش کے راجاؤں کے زیور، برتن اور ان کا اسلحہ آج بھی بھدرواہ کے کچھ مہاجن کنبوں میں موجود ہے، جن کے اجداد ناگ راجاؤں کے دیوان، وزیر یا معتمد تھے۔ اِن زیوروں کی فہرستیں دھرم ارتھ ٹرسٹ میں موجود ہیں۔ اس لئے استشہادی مواد کی آرائش کے بغیر یہ فتویٰ دیا جا سکتا ہے کہ ناگانند کی کہانی کا تعلق وادیٔ بھدرواہ کے ساتھ ہے۔ اور ناگانند کا مصنف تھانیسر کا نہیں، کشمیر کا ہرسشں تھا۔

بھدرواہ کی خصوصیات ناگانند کے مطابق یوں ہیں:-

۱۔ سام وید کا اتنا پرچار ہوتا ہے کہ اسے سُن سُن کر جنگلی طوطے بھی پیڑوں پر بیٹھے وید منتر بولتے ہیں۔

۲۔ باغوں میں ایسے مشینی فوارے لگے ہیں جن کا پانی پیڑوں سے بھی بہت اُوپر جا کر ننھے ننھے موتیوں کی مانند نیچے گرتا ہے۔

۳۔ ناگانند میں سِدھ ونش کی راجکماری کا نام ملیہ وتی یا ملیہ دیوی ہے۔ ملیہ دیوی کی پُوجا جموں کی پہاڑیوں میں آج ہر جگہ ہوتی ہے۔

۴۔ (یہ سارا علاقہ پُرانے وقتوں میں ملیہ پربت کہا جاتا تھا)۔ اِس جگہ ایک عظیم یونیورسٹی تھی جہاں دس ہزار ودیارتھیوں کے قیام و طعام، تعلیم اور اُن کی دُوسری تمام ضروریات کا انتظام تھا۔ منتظمِ اعلیٰ "کُل پتی" کہلاتا تھا۔ اِس یونیورسٹی کے کُل پتی کوڈنک تھے۔

۵۔ تہواروں پر اور میلوں میں لوگ شراب کی چھبیلیں لگاتے تھے۔ پہلے عورتیں کٹوریوں کو مُنہ لگاتی تھیں۔ پھر مرد پیتے تھے۔

۶۔ ملیہ وتی رتناکر ساگر سے پیدا ہوئی۔ (اسی طرح کی ایک اور کتھا کے مطابق وشنو دیوی بھی رتناکر ساگر سے پیدا ہوئی اور یہ دونوں بہنیں ہیں۔

۷. جیموت واہن کی سلطنت پر جب متنگ ناگ نے قبضہ کر لیا تو مہتر لبھو نے کہا۔

संघर्षेद्धि श्रमन्ताकृत सकल वियन्मार्ग यानैर्विमानैः
कुर्वाणाः प्रावृषीव स्थगितर श्रिरुपः श्यामतां वासरस्य।
एते यातारच मगस्तय भुवनमितः प्राप्य युद्धाय सिद्धाः
छिन्नच्छोद्धृत शत्रुक्षय मय विनमद्राजकं ते स्वराज्यम्॥

(ہمارے ومان یعنی ہوائی جہاز اتنی تعداد میں دشمن کی طرف لپکیں گے۔ کہ آسمان پر چمکنے والے سورج کی کرنیں دھرتی تک پہنچ نہیں سکیں گی۔ اور اندھیرا چھا جائے گا۔ جیسے کالی گھٹاؤں نے آکاش کو نگل لیا ہو۔ اور انجام کار آپ کو اپنا راج مل جائے گا)۔

ان الفاظ سے ڈوگرہ بھومی کی اُس تعلیمی، فوجی اور سائنسی ترقی کا بآسانی جائزہ لیا جاسکتا ہے جو اُسے ایک نامعلوم یُگ میں حاصل تھی۔ یہ ایک صدیوں پُرانی داستان تھی جو سینہ بسینہ سفر کرتی رہی۔ اور جب کشمیر کے شری ہرش تک پہنچی تو اس نے ایک ڈرامہ کی صورت اختیار کر لی۔

نرسنگداس نرگس نے جس ڈوگرہ دیش کی تاریخ جدید قلمبند کی ہے، یہ کہا نہیں جاسکتا کہ جغرافیائی اعتبار سے اس رقبہ میں سکندر اعظم کے زمانہ سے آج تک کیا کیا تبدیلیاں رُونما ہوئی ہوں گی۔ اس مدت میں کتنے دریاؤں نے اپنی گذرگاہیں تبدیل کیں، خوفناک بھونچالوں، سیلابوں اور تراٹوں کے سبب کتنی سُندر گھاٹیاں گہری کھائیوں میں بدل گئیں کتنے زرخیز رقبوں کو بحر ڈھلوانوں نے نگل لیا۔ اور دھرتی کی کتنی بوٹیاں طوفانی بارشوں سے دھل کر پنجاب کے میدانوں میں پہنچ گئیں اور نیچے سے پتھروں اور کنکروں کے ڈھانچے اُبھر کر اوپر آ گئے۔

دریاؤں کی صحیح گذرگاہوں کا تعین بھی نہیں ہو سکتا۔ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا کے مطابق کئی دریا ۵-۸ میل یا اس سے بھی زیادہ چوڑے رقبہ میں ادھر یا اُدھر اپنی گذرگاہیں تبدیل کرتے رہے ہیں۔ ۲۲۰۰ برس پہلے وہ کہیں اور تھے۔ اس جگہ نہیں جہاں آج بہتے ہیں۔ ویدک رشیوں نے جن دریاؤں کا ذکر کیا ہے، وہ بھی آج کے دریا نہیں۔ مٹی بہہ جانے سے دھرتی کی تاثیر بدل گئی۔ پانی کے عدم یا ظہور سے آب و ہوا

میں ایک انقلاب سا آ گیا۔ آب و ہوا کی تبدیلی سے نباتات کی وُہ پہلی ہیئت نہ رہی۔ آب و گِل، نباتات اور موسم کی تبدیلی سے اِنسانی عادات و اطوار اور ثقافت کی کیفیت بدل گئی۔ جن رقبوں میں ہریالی نمودار ہوئی، پانی کی بہتات کا عالم ہو پیدا ہوا۔ مرغزاروں میں خود رو پھول کھلے اور پرندے چہچہائے وہاں لوگوں کے جذبات میں رنگینی پیدا ہو گئی۔ دِلوں کے پیمانے چھلکنے لگے۔ اور جن رقبوں کو امتداد زمانہ نے سنگستان میں تبدیل کر دیا۔ وہاں ماحول نے لوگوں کو جفاکش اور خوف و ہراس سے بے نیاز بنا دیا۔ وہاں زندگی میں کوئی منزل عیش نہ رہی۔ سپاہیت اُبھری اور جنگ جُوئی اِنسانی مزاج کا طرۂ امتیاز بنی۔

شہروں کے محل وقوع بھی بدلتے رہے۔ یہ کہا نہیں جا سکتا کہ جس جگہ آج اکھنور آباد ہے وہاں کتنے شہر اس وقت تک زمین کی گہرائیوں میں دھنس چکے ہوں گے یا عالم وجود میں آنے کے بعد آغوشِ عدم میں چلے گئے ہوں گے۔ ہندوستان میں اتنی تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں کہ وِنسنٹ اے سمتھ کے الفاظ میں کئی ایک جرمن علماء بھی قدیم شہروں اور ثقافتی مراکز کی تلاش میں ٹھوکر کھا گئے اور سر کے بل کسی کھائی یا گڑھے میں گر گئے۔

جموں پرانت کے طول و عرض میں کتنے ہی قلعوں کے کھنڈر دکھائی دیں گے جو ماڈرن ٹیک میں کسی فوجی اہمیت کے حامل نہیں رہے۔ وہاں جھاڑیوں میں ٹڈے اُچھلتے ہیں۔ سانپ پھنکارتے ہیں یا بندروں کی ٹولیاں آنکھ مچولی کھیلتی ہیں لیکن بآسانی یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ پُرانے وقتوں میں یہ قلعے لا مثال گرمجوشی کے مراکز ہوں گے۔ وہاں راجاؤں کے دربار آراستہ ہوتے ہوں گے تلواریں کھنکتی ہوں گی۔ سپاہیوں کے موٹے چرمی جُوتوں کی آوازیں رات کے ماحول کا سنّاٹا توڑتی ہوں گی اور دربانیوں کی رسائی کے حلقوں سے پیچھے شاہی قیام گاہوں میں پازیبوں کی دلآویز جھنکاریں بلند ہوتی ہوں گی اور رانیوں کا دِل بہلانے کے لئے عورتوں کے گیت ایک میٹھی گونج اونچی اونچی محرابوں والے برآمدوں میں بلند کرتے ہوں گے۔ وِنسنٹ اے سمتھ کا یہ خیال یقیناً کسی وضاحت کا محتاج نہیں کہ ”یہ قلعے خواہ وُہ ہندوستان کے کسی بھی حصے میں ہوں، تندہی دشمن کی شجاعت اور جواں مردی کے سبب فتح ہوئے ہوں گے۔ ان قلعوں کی تسخیر ہمیشہ سے

غدار کی ہوسِ زر کی محتاج رہی ہے ۔"

جہاں تک قدیم ڈوگروں کی زبان کا تعلق ہے ، یقیناً سنسکرت ہی جموں کی پہاڑیوں میں اظہارِ خیال کا ذریعہ رہی ہوگی ۔ ڈوگری بھاشا سنسکرت ہی کی بیٹی ہے ۔ کئی لوگ سنسکرت کو دو ہزار برس سے زیادہ قدیم قرار نہیں دیتے ۔ لیکن زینا ئیڈی ریگوزن نے لکھا ہے کہ "وارن ہیسٹنگز کے زمانہ میں ہمیں ہندوستان کے ایک عظیم خزانہ کی کنجی دستیاب ہوئی ۔ ابتدائی طور پر ہمارا خیال یہ تھا کہ اِس خزانہ میں صرف دو ہزار برس کی دولت ہوگی لیکن تاریخ کی نئی ریسرچ اور ترتیب کے ساتھ ساتھ ہماری معلومات میں لگاتار اضافہ ہوا ۔ اور اسی اضافے کے ساتھ اِس بیش بہا خزانے کی قدامت کے متعلق بھی ہماری نظر کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا ۔ اب ہمیں اِس میں ۷ ہزار برس پہلے کی دماغی کاوشوں کے بہت سے گوہر پارے دکھائی دے رہے ہیں ۔ ہندوستانی علماء نے آج سے ہزاروں برس قبل ریاضی ۔ طب ۔ علم سیّارگان ۔ صرف و نحو اور فلسفہ کو جس انداز میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا ۔ اُس کی مثال دُنیا کی کوئی بھی نئی یا پُرانی قوم پیش نہیں کرتی ۔ اس کے بعد قانون اور سوشل سائنس کا مقام آتا ہے ۔ جس کے بہترین شاہکار ہیں مانو دھرم سُوتر اور گرہیہ سُوتر ـــــ فلسفہ کی چھ شاخیں ، پُران اور علم و ادب کے دُوسرے خزائن اِس کے علاوہ ہیں ۔ ڈرامہ بالخصوص قابلِ ذکر ہے ۔ ہندوستان کے اِس رُوحانی ورثہ کی تخلیق ، ترقی اور نشو و نما میں مُلک کے سبھی حصّوں کا مساوی ہاتھ ہے ۔"

سنسکرت کی جمیل ترین بیٹی "ڈوگری" ہیں صَوتی اعتبار سے جو بانکپن ، جو نفاست ، جو رنگینی ، جو شگفتگی اور سحر طرازی بھری پڑی ہے ، وُہ ڈاکٹر آر تھر رنیہ کے الفاظ میں فرانسیسی کے علاوہ دُنیا کی اَور کسی زبان میں دکھائی نہیں دیتی ۔ ڈاکٹر آرتھر رنیہ نے مٹھاس کے اعتبار سے ڈوگری ہی کو فرانسیسی سے دُوسرے درجے پر رکھا ہے ۔ لیکن نہ معلوم وُہ کون سی مصلحتیں تھیں اور کون سے تعصبات ـــــ جن کے تحت پُرانے وقتوں کے انگریز علماء نے بھاشائی سروے کے وقت ڈوگری کو پنجابی نژاد قرار دے دیا اور کشمیری کو شنا ۔ کھووار (Shina-Khowar) گروپ میں ٹانک دیا ۔ شاید اس بدسلوکی کے لئے ڈاکٹر گریرسن ذمہ دار تھا ۔ ۱۹۱۱ء کی رپورٹ مردم شماری (جموں وکشمیر) میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اہلِ کشمیر نے گریرسن کے فتوے کو جھٹلانے اور کشمیری کو سنسکرت نژاد

(

ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کی کہ اسلام قبول کرنے سے قبل وادیٔ کشمیر کی آبادی براہمنوں پر مشتمل تھی اور اُن کی زبان سنسکرت تھی۔ ۱۹۱۱ء کی رپورٹ مردم شماری میں اہل کشمیر کے اس نظریہ کو حق بجانب قرار دیا گیا۔ مگر ڈوگری بھاشا کو ایک خوبصورت گھنٹی کی طرح پنجابی کے گلے میں باندھے جانے کے خلاف جموں کی پہاڑیوں میں کوئی گونج پیدا نہ ہوئی۔ اور گریرسن کا وُہ فتوےٰ خاموشی کے ساتھ نگل لیا گیا جس کی تہ میں اینٹی ڈوگرہ جذبات اور زہر آلود تعصبات کار فرما تھے۔

جموں کی پہاڑیوں میں کُل پتی کوشنک کی جس یونیورسٹی کا سُراغ ناگا نند مہیا کرتا ہے وُہ یقیناً ہندوستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہوگی۔ کیونکہ اس میں ۱۰ ہزار طلباء کی تعلیم، رہائش اور خوراک کا انتظام تھا۔ جبکہ ڈاکٹر رادھا کمد مکھر جی نے یوآن چانگ (Yuan-Chang) اور ات سنگ (Itsing) کے زمانہ میں نالندہ یونیورسٹی میں طلباء کی تعداد صرف ۸ ہزار ۵ سو بیان کی ہے۔ نالندہ یونیورسٹی اپنے زمانہ میں بھارت کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی۔

جموں کی پہاڑیوں میں کئی اور یونیورسٹیاں بھی تھیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے جانشینوں نے تعلیم کی صدیوں پرانی روایتوں کو زندہ رکھا اور ریاست میں آج بھی چھوٹے پیمانہ پر ایسے تعلیمی ادارے موجود ہیں جہاں طلباء کی رہائش، خوراک اور تعلیم کا مفت انتظام ہے۔ جموں کا رگھوناتھ سنسکرت ودیالیہ ایسا ہی ایک ادارہ ہے اسی طرح اُترواہنی اور سری نگر میں بھی پرانے وقتوں کے تعلیمی نظام کی یاد دلانے کے لئے دو ادارے موجود ہیں۔

جموں کی یہ دھرتی اُس ہندوستان کا جزو لاینفک ہے جو دُنیا کے پانچویں حصہ پر پھیلا ہوا ہے۔ شمال میں دریائے سندھ کی گذرگاہ سے برہم پُتر تک ہمالیہ کی ۱۵۰۰ میل لمبی کمان اور وُہ مسحور کُن مناظر جن کی مثال ایلپس (ALPS) ہی مہیا کرتا ہے نہ کاکیشس (Caucasus)۔ ہمالیہ کا یہ سلسلہ اطالوی ایلپس سے دُگنا بلند اور قامت میں پانچ گنا۔ حتی کہ سپین، اٹلی اور یونان ایک قطار میں کھڑے ہو کر بھی ہمالیہ کے اس پہاڑی خطہ کی قامت کو نہیں پہنچتے۔

بابل اور مصر اگر اپنے دریاؤں کی تخلیق ہیں تو ہندوستان ہمالیہ کی فسوں کاری

Scanned with CamScanner

کا شاہکار ہے۔ انتہائی شمال سے انتہائی جنوب تک دو ہزار میل۔ انتہائی مشرق سے انتہائی مغرب تک ۱۸۵۰ میل۔ ایشیا کی دھرتی سے جدا کرنے کے لئے ۹۴۲۵ میل لمبی سرحد اور ۳۵۳۵ میل کی لمبائی میں سمندر کا نیلگوں پانی اس کے ساحل کا نازدار ہے کُل رقبہ ۱۲۶۱۴۱۱ مربع میل ہے۔

یہ پنجاب کے میدان۔ وہ دکن کی سطح مرتفع۔ یہ اراولی، ست پڑا، ونادھیا اور نیلگری کی اونچی اونچی دیواریں۔ وہ گنگا، جمنا، برہم پترا اور ان کے معاونوں کی سندر اور ہری بھری گھاٹیاں ـــ یہ ہے ہمارا ہندوستان ـــ نربدا، تاپتی، مہاندی، گوداوری، کرشنا، کاویری، ستلج، بیاس اور چندر بھاگا کا ہندوستان ـــ شاعر کے سپنوں اور صوفی کے تصورات سا اجلا اور رنگین ہندوستان ـــ بذات خود ایک مکمل دنیا ـــ جس کا بازوئے شمشیر زن ہے ہمارا ڈوگرہ دیش۔

بھارت اور جموں کی ایکتا میں تاریخ کا کوئی بھی دور آج تک خلل پیدا نہیں کر سکا۔ الگ الگ ریاستوں کا وجود، گوناگوں بھاشائیں اور مذہبی عقیدے۔ لباس۔ کھان پان یا موسمی حالات کا اختلاف اس امر کا ثبوت قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جموں کبھی ایک الگ تھلگ ملک تھا۔ اس سلسلہ میں آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا کے یہ الفاظ قابل ذکر ہیں۔

" ہندوستان کا سیاسی اتحاد کبھی پوری طرح قائم نہ ہو سکا۔ لیکن ہندوستانی عوام کی یہ تمنا صدیوں سے رہی ہے کہ ہندوستان ایک ہو۔ ناقابل تقسیم سنسکرت ادب میں جگہ جگہ پورے ہندوستان کی متحدہ حکومت یا چکرورتی راج کا ذکر آیا ہے کوروکشیتر کی جنگ میں ہندوستان کے سبھی حصوں کے جانباز شریک ہوئے۔ اس سے یہی ثبوت میسر آتا ہے کہ اس ملک کے لوگ حقیقی اتحاد کے رشتے میں منسلک رہے ہوئے تھے۔ دکن بھی اسی مالا کا ایک منکا ہے۔ ہر ایک کو دوسرے کے مفاد سے دلچسپی تھی۔ یہ بالکل سچی اور نکتہ رس بات ہے کہ کابل سے آسام تک اور ہمالیہ سے لنکا تک ہندوستان کا علاقہ ایک ملک سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کے لوگ جب اس ملک کی حکومت کا تصور کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں ایک حکمران اور ایک ہی نشان کا تصور ہوتا ہے۔ پچھلے دو ہزار برسوں سے ہندوستان کی یہ تمنا رہی ہے کہ وہ متحد اور سلامت رہے۔ رابطہ ہندوستان میں بہت گہرا بنیادی

اتحاد موجود ہے۔ یہ اتحاد خون، رنگ، لباس، عادات و اطوار اور فرقوں کے تمام اختلافات پر چھایا ہُوا ہے۔"

ڈوگرہ دیش یا ریاست کے دُوسرے حصّوں کو ہم اِس اتحاد کے دائرہ سے کسی بھی پہلو باہر رکھ نہیں سکتے۔ میگستھنیز (Megasthenes) نے چوتھی صدی قبل مسیح میں سُنا کہ بھارت میں ۱۱۸ بادشاہتیں تھیں۔ یعنی ہندوستان ۱۱۸ اعضاء والا ایک عظیم جسم تھا اور جموں یقیناً اس جسم کا سر ہوگا۔ کیونکہ جہاں تمام قدیم رسُوم و رواج حقیقی حالت میں برقرار رہے اور غیر مُلکی حملہ آوروں کا اثر ان میں کوئی بگاڑ پیدا کر نہ سکا۔ ایک کیتھولک مشنری L'Abbe Dubils نے ۱۷۷۲ء میں ایک کتاب لکھی۔ نام تھا Hindu Manners, Customs and Ceremonies ۔ ڈیوبیس نے اہلِ مغرب کو ہندوستان کے رسُوم و رواج سے آگاہ کیا۔ اُن کا نظریہ یہ ہے کہ "جموں کی پہاڑیوں کے ہندوؤں میں تاریخ سے غیر مانوس رسُوم مروّج ہیں۔ ان پر غیر مُلکی حملہ آوروں کی آمد کا بہت کم اثر ہُوا ہے۔ اور یہ رقبہ آج بھی پُرانے وقتوں کے ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔"

میکس مُولر (Max Muller) نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں مرنے والوں کا سر شمال کی طرف رکھا جاتا ہے۔ یعنی ہر ہندو سفر آخرت سے قبل شمال کو آخری "بندنا" کرتا ہے۔ جس سے یہ ثبوت میسّر آتا ہے کہ ہندوستان میں شمالی رقبہ کو علم و فضل کے اعتبار سے بھاری احترام حاصل رہا ہوگا۔ جموں بھی اسی شمال کا ایک حصّہ ہے۔ پوکاک نے انڈیا ان گریس (India in Greece) میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے کئی رقبوں سے شجاع اور جانباز قبائل اچانک لاپتہ ہو گئے۔ اور پھر وہ یونان میں نمودار ہوئے جہاں ہم نے اُنہیں ٹرائے (Troy) کے میدانوں میں مردانگی کے جوہر دکھاتے ہوئے پایا۔ جموں کی پہاڑیوں کے ایسے کئی قبائل کا ذکر پراچین کتابوں میں ملتا ہے جو آج موجود نہیں۔ ان میں سے ودیا دھر، سِدّھ، ملنسپ، میگھیار (مودی)۔ ناگ اور گرڑ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ میگھیار (مودی) (Magyar) لوگوں کا سُراغ اب ہنگری میں ملتا ہے۔ ہنگری کے لوگ میگیار ہی کہلاتے ہیں۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں میگیار اور مودی کو ہم معنی الفاظ قرار دیا گیا ہے۔

جموں کی پہاڑیوں میں مختلف قبیلوں اور گروہوں کی نقل و حرکت کب عمل میں آئی

اِس سے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ تاریخ کا بُنیادی قاعدہ یہ ہے کہ ہم "معلوم" سے "نامعلوم" ہی کی طرف بڑھتے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں ۶۵۰ برس قبل مسیح سے تاریخ وار واقعہ نگاری (Chronological History) کا آغاز ہوتا ہے۔ کئی حصّوں میں تو سکندرِ اعظم کے حملہ ۳۲۶ برس قبل مسیح سے پہلے بھی تاریخ وار واقعات کا کوئی سُراغ نہیں ملتا۔ اِس لئے جموں کی پہاڑیوں کے متعلق ۳۲۶ قبل مسیح سے پہلے ہی نہیں، بعد کی صدیوں میں بھی تاریخ کی مشعلیں جلا کر تاریک پگ ڈنڈیوں پر آگے قدم بڑھتا ہے۔ وِنسنٹ سمتھ نے تاریخ کے چھ مُستند ماخذوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱) شِلا لیکھ یا کُتبات سے میسّر آنے والی شہادت۔ (۲) سِکّے یا سِکّہ زنی سے تعلق رکھنے والی معلومات۔ (۳) عمارتیں۔ آرٹ کے شاہکار۔ تاریخی یادگاریں یعنی آثارِ قدیمہ۔ (۴) قدیم لٹریچر میں مندرج روایات (۵) قدیم تاریخی دستاویزیں جو معلوم تاریخوں کی ہمعصر ہیں ــــ یہ پانچ مقامی ماخذ ہیں۔ چھٹا ماخذ ہے غیر مُلکی سیاحوں کے تاثرات اور سفرنامے۔ لیکن مقامِ صد استعجاب ہے کہ جموں کا رشتہ ہندوستان کی تاریخِ قدیم کے کسی بھی دَور سے جوڑنے کے لئے ایسی کوئی بھی چیز موجود نہ تھی۔ جموں کی حقیقی تاریخ کا آغاز ۱۸۲۲ء میں ہوا جب مہاراجہ گلاب سنگھ کو جموں کا حقِ راجگی نصیب ہوا۔ اِس سے پہلے کا زمانہ ایک تاریک یُگ (Dark-millennium) ہے۔ یوں تو اِس امر کا سُراغ تاریخ مہیا کرتی ہے کہ اشوک نے ۲۵۰ قبل مسیح میں وادیٔ کشمیر پر اپنا پرچم لہرایا۔ اِس کے بعد ۱۲۵ عیسوی میں ہسک ۶۰ء میں کنشک اور ۱۸۵ء میں جنک کا تسلّط وادیٔ کشمیر پر رہا۔ ۶۳۸ء میں ہیون سانگ کشمیر پہنچا۔ چھٹی صدی میں سفید ہُنوں نے کشمیر پر حملہ کیا۔ لیکن اِس سارے دَور کی تاریخ کسی بھی جگہ جموں کی رُوداد مہیا نہیں کرتی۔ ہندوستان میں گھومنے والوں کو بھکشک کہتے ہیں۔ اِس دیش کی رُوحانی اور علاقائی ایکتا کا مقدّس جذبہ اپنے دِلوں میں لے کر کتنے ہی بھکشک راستے کی کٹھنائیوں اور دُشواریوں کے باوجود اِس مُلک کے طول و عرض میں گھومتے رہے۔ وہ اکثر پُکار اُٹھتے تھے ؎

پنتھ بھول نہ جانا پتھک کہیں

اُن کے پیچھے لاکھوں دُوسرے لوگ گھومتے تھے۔ شنکر آچاریہ ۱۵ برس گھومے۔ رامانج ۱۴ برس۔ ولبھ آچاریہ ۱۸ برس۔ شنکر دیو ۱۲ برس۔ نامدیو ۱۲ برس۔ گورونانک دیو

۲۰ برس۔ کبیر ۲۵ برس۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ ان میں سے کسی بھی مقدس ہستی نے کبھی جموں کی مقدس دھرتی پر قدم نہیں رکھا۔ عظیم شہنشاہوں، جرنیلوں، غیر ملکی سیاحوں اور مورخوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں بآسانی یہ جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ دیوان نرسنگداس نرگس نے جو کام اپنے ہاتھوں میں لیا، وہ کتنا دشوار تھا۔ نرگس نے غالباً واقعات اور تاریخوں کی کڑیاں جوڑنے اور مختلف ادوار کے ڈانڈے باہم ملانے میں اُس ماڈرن فن سے کام لیا ہے جسے تاریخ نویسی کی اصطلاح میں Synchronisim کہا جاتا ہے۔ مفہوم اس کا یہ ہے کہ مختلف زمانوں کا تعین معلوم تاریخوں سے کیا جائے۔ نظیر کے طور پر آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا کے یہ الفاظ پیش کئے جا سکتے ہیں کہ "سکندر کی آمد سے ہم چندر گپت موریہ کا زمانہ معین کرتے ہیں۔ اور پھر لنکا کے راجہ میگھ ورن کا عہد چوتھی صدی قبل مسیح سے اس لئے وابستہ کرتے ہیں۔ کہ وہ سمدر گپت کا ہمعصر تھا۔

دیوان نرسنگداس نرگس کو جدید ڈوگرہ تاریخ کی بدولت آنے والے وقتوں میں یقیناً وہی حیثیت حاصل ہوگی جو ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) کو "سلطنتِ روما کی داستانِ زوال" کی بدولت نصیب ہوئی تھی۔ گبن کی طرح نرگس نے بھی ماضی کے ایک ناپیدہ سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر وہ گہر پارے اہلِ عالم کو پیش کئے ہیں جن سے موجودہ یگ کا مورخ قطعی طور پر ناآشنا تھا۔ حتےٰ کہ ہندوستان کے آثارِ قدیمہ کے شعبہ کو بھی پچھلی دو صدیوں میں جموں کی دھرتی سے ایک بھی کوزہ، ایک بھی موتی اور ایک بھی ایسی اینٹ دستیاب نہیں ہوئی تھی جو ڈوگروں کی دھرتی کے کسی بھی دور کو تاریخی اہمیت کا حامل قرار دیتی ہو۔ اب ڈوگرہ جانبازوں کی سرزمین کو اگر بھارت کے اہلِ تاریخ حصص کی صفِ اول میں قدم رکھنا نصیب ہوا ہے تو نرسنگداس نرگس کی بدولت۔ ڈوگرہ قومی یقیناً نرگس کے اس احسان کو کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ کننگھم۔ فریڈرک ڈریو۔ لارنس۔ لطیف اور دوسرے کتنے ہی لوگوں نے کشمیر، لداخ اور پنجاب پر طبع آزمائی کی لیکن قدرت کو منظور یہی تھا کہ وہ جموں کے ماضی کی تخلیق کا کام نرگس پر چھوڑ دیتی۔ یہ کام درحقیقت اتنا دشوار تھا کہ آج تک کسی کو اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شمعیں جلانے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ دیوان نرسنگداس نرگس نے مولانا محمد حسین آزاد کی مانند "دربارِ شہرت"

عام و بقائے دوام" آراستہ کیا جس میں جامبو لوچن سے لے کر مہاراجہ ہری سنگھ تک کے زمانہ کے تمام اکابرین قطار اندر قطار چلے آ رہے ہیں۔ دیو قامت انسان ۔ جنہوں نے مختلف زمانوں میں ان ڈستی اور پھنکارتی ہوئی سنگلاخ پہاڑیوں کو اپنی عظمت اور شوکت کا نشیمن بنایا اور پھر چشم عالم سے اوجھل ہو گئے۔ اقبال مرحوم کے الفاظ میں ؎

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ رہگذر ۔۔ چشم کوہ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجور
اشکباری کے بہانے ہیں یہ اُجڑے بام و در ۔۔ گریۂ پیہم سے بینا ہے ہماری چشم تر
دہر کو دیتے ہیں موتی دیدۂ گریاں کے ہم ۔۔ آخری بادل ہیں اک گزرے ہوئے طوفاں کے ہم
ہیں ابھی صدہا گہر اس ابر کی آغوش میں
برق ابھی باقی ہے اس کے سینۂ خاموش میں

نرسنگداس نرگس بھی ایک گہرِ بے بہا ہے۔ جسے اس کی اس نادر تاریخی کاوش کے لئے صدیوں یاد کیا جائے گا۔ جموں کی دھرتی کے جن پامال گہر پاروں کو نرگس نے قعرِ گمنامی سے اُٹھا کر ۔ اور ناب دے کر آسمانِ شہرت دوام کی زینت بنا دیا ہے۔ وہی گہر پارے اب اپنے اس محسن اعظم کو اہل عالم کی نگاہوں سے کبھی اوجھل نہیں ہونے دیں گے اور اسے بے رنگ خلاؤں میں ہمیشہ اپنی جگمگاہٹوں کا محور بنائے رکھیں گے۔ نرگس کے دربارِ شہرت دوام میں راجے ہیں۔ مہاراجے ہیں۔ نواب ہیں۔ جرنیل ہیں ۔ دیوان اور وزیر ہیں علماء ہیں۔ مدبّر اور سیاستدان ہیں۔ شہید اور غازی ہیں مملکتوں کے بانی اور تلوار کے دھنی ہیں۔ مگر ایک نشست مجھے خالی دکھائی دے رہی ہے جس پر کالیداس کو موجود ہونا چاہئے تھا۔

نہ معلوم کیوں ۔ بنگال، گجرات اور کشمیر کے علماء میں یہ رُجحان پیدا ہو گیا ہے کہ وہ کالیداس کو بنگالی، گجراتی یا کشمیری ظاہر کریں۔ حالانکہ کالیداس کا نام ہی بنگال، گجرات اور کشمیر کے لئے یکساں طور پر غیر مانوس ہے۔ صوتی اعتبار سے یہ نام ان تینوں حصّوں میں انسانی ناموں کے مروّجہ اسلوب سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کالیداس کا نام پنجاب یا جموں کی دھرتی کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ ان رقبوں میں اسی نوع کے نام مقبول ہیں۔ پُرانے وقتوں میں کالی پُوجا جموں کی پہاڑیوں میں رُوحانی زندگی کا محور تھی۔ سینکڑوں ناجے تھے اور ہر قلعہ بھگوتی کالی کا مندر تھا ۔ اتنا ہی نہیں، کالیداس کے ڈراموں کا ماحول بھی پنجاب کے میدانوں کا ماحول نہیں۔ یہ ماحول یقیناً وادیٔ کشمیر کا ماحول بھی نہیں۔ یہ

...ٹیوں اور گھاٹیوں کا وُہ ماحول ہے جو یقیناً کالیداس کے زمانہ میں جموں اور اُس کے ...ت میں دُور دُور تک اِس شاعرِ اعظم کے لئے نظر نواز اور لازوال تخلیقات کا محرک ثابت ...تا ہوگا۔

کالیداس اور جموں کے درمیان ایک قریب ترین تعلق ہیروڈوٹس (Herodotus) نے قائم کیا ہے جس نے پالی کریٹس (Poly Krates) میں مچھلی اور انگوٹھی کی وہی کہانی دُہرائی ہے جو شکنتلا میں کالیداس نے پیش کی تھی۔ پالی کریٹس سیموس (Samos) کا راجہ تھا جس کا کردار راجہ دُشینت ہی کے کردار کا عکسِ جمیل ہے۔

چونکہ یُونانی سرزمین جموں تک پہنچے تھے، اِس لئے یہ کہانی یقیناً اسی رقبہ سے اُنہوں نے حاصل کی ہوگی کشمیر یا بنگال جانے کا اِتفاق اُنہیں ہؤا نہیں۔ اِسی طرح کالیداس کے شاہکار وکرم اُروشی کی کہانی کو چاسر (Chaucer) اور بوکاکیو (Boccaccio) کے پیش رَو اپولیس (Apuleius) نے ایروس اینڈ سائیکی (Eros & Psyche) کے جامہ میں پیش کیا ہے۔ اور بہت ہلکی سی تبدیلی کہانی کے ماحول اور کرداروں میں پیدا کی گئی ہے۔ اِسی طرح "لوہن گرین دی نائٹ آف دی سوین" (Lohengrin the Knight of the Swan) کی کہانی کی رُوح بھی وکرم اُروشی ہی کی کہانی سے ملتی ہے۔ یُونانیوں کا چونکہ بنگال اور کشمیر سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔ اِس لئے کالیداس کے ناٹکوں کا مواد وُہ یقیناً دوگرت دیش ہی سے اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے۔ مفہوم اِس کا یہ ہے کہ جموں کی دھرتی ہی کو کالیداس کی جنم بھومی کا فخر حاصل رہا ہوگا۔

کالیداس کے زمانہ کا حتمی تعین آج تک نہیں ہو سکا۔ زیگوزن نے اِسے اُجین کے وکرمادِتیہ کا درباری رتن قرار دیا ہے جو پانچویں صدی عیسوی میں ہؤا۔ جواہر لال نہرو نے اِس وکرمادِتیہ کا زمانہ ڈسکوری آف انڈیا (Discovery of India) میں چوتھی صدی عیسوی قرار دیا ہے۔ اِس کے برعکس ایف۔ جے۔ ہیوٹ (F. J. Hewitt) نے کالیداس کو دھارا نگری کے وکرماجیت کا درباری رتن ٹھہرایا ہے جس کی تاجپوشی ۵۷ قبل مسیح میں ہوئی تھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے خود اِس امر پر حیرانی ظاہر کی ہے کہ ۵۷ قبل مسیح میں وکرمی سمت شروع کرنے والے وکرم کا تعلق کس طرح چوتھی صدی عیسوی کے وکرمادِتیہ سے قائم کیا جا سکتا ہے؟ ہیوٹ نے دھارا نگری کا ذکر کیا ہے۔ ایک دھارا نگری جموں شہر کے بالمقابل

Scanned with CamScanner

توی کے اُس پار جنگل میں تھی۔ جہاں اب مہامایا کا مندر دکھائی دیتا ہے۔ نہ معلوم اِس شہر کو توی کی لہریں کب کھا گئیں اور کب اِس کا باقی ماندہ حصّہ کسی سیلاب یا بھونچال نے نگل لیا۔ بہرکیف بڑے بوڑھوں کو خوب معلوم ہے کہ توی پار کا سارا جنگل کسی زمانہ میں دھارا نگری کہلاتا تھا۔ عین اغلب نہیں کہ کالیداس اِسی دھارا نگری کے وِکرماجیت کا درباری رتن ہو۔ دھارا نگری کے وِکرماجیت کا زمانہ ۷۵ قبل مسیح ہے۔ اور یہی زمانہ کالیداس کی تخلیقات کے لئے مجھے زیادہ موزوں دکھائی دیتا ہے۔ کالیداس نے اپنے آپ کو سرزمین جموں سے منسوب نہیں کیا۔ آچاریہ دلویا کہتے ہیں کہ "جب بھارت میں ریل نہیں تھی اور آمد و رفت کے وسائل محدود تھے۔ ہم اُس زمانہ میں بھی الگ الگ صُوبوں کا نہیں صرف بھارت کا نام لیتے تھے۔" ایک ہی زمانہ میں دو عظیم انسان پیدا ہوئے۔ گجرات میں نرسی بھگت اور آسام میں شنکر دیو۔ اِن میں سے کسی نے بھی آسام یا گجرات کی مدح سرائی نہیں کی۔ دونوں نے یہی کہا کہ "جس نے بھارت میں جنم لیا اور بھگوان کا نام لیا وُہ دھنیہ ہے۔"

سرزمین جموں کے نامور سپُوت کالیداس کو بیرونی دُنیا میں اگر کسی نے اُجاگر کیا تو یہ سر ولیم جونز (Sir William Jones) تھا۔ سر ولیم جونز ۱۷۸۳ء میں بنگال کی سپُریم کورٹ کا جج مُقرر ہوُا۔ پہلے وُہ فارسی اور عربی ہی کا عالم تھا۔ ہندوستان پہنچ کر اُس نے سنسکرت پر عبور حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ وُہ ہندوستان کے قانون کا جائزہ لے سکے اور اِسے سمجھ سکے۔ اُس نے ہندو لاء کی کتنی ہی کتابوں کو انگریزی زبان میں منتقل کیا۔ جس میں منوسمرتی بھی شامل ہے۔ اپنی کڑی محنت کے گھنٹوں میں ذہنی سکون اور راحت کے لئے وُہ تھوڑا بہت وقت سنسکرت ادب کے مطالعہ کی نذر کیا کرتا تھا۔ اِسی دوران اُس نے ایک لفظ "ناٹک" کہیں پڑھا۔ اور اِسی ناٹک کی تلاش میں اُس نے کالیداس کا لافانی شاہکار "شکنتلا" ڈھونڈ نکالا۔ اِسے پڑھا۔ بار بار پڑھا۔ اور اِس سے وُہ اِتنا مسحُور ہوُا کہ زبان کی نفاست برقرار رکھنے کے لئے پہلے اِسے لاطینی زبان میں منتقل کیا۔ پھر لاطینی سے انگریزی میں اِس کا ترجمہ کیا۔ جب سر ولیم جونز کے ترجمہ کا ایک نسخہ گوئٹے (Goethe) کو ملا تو اُس نے لکھا :-

"Wouldst thou the young year' blossoms
and the fruits of its decline,

Acc No 7
NOT FOR ISSUE
07
Scanned with CamScanner

And all by which the soul is charmed,
enraptured, feasted, fed,
Wouldst then the earth and heaven itself
in one sole name combine?
I name thee, O Shnkuntala,
and all at once is said."

ایسا لطیف اور حیات پرور شاہکار انسانی نگاہوں نے اس سے پہلے کہیں دیکھا نہیں تھا۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ ایسا پھول صرف جموں ہی کی مٹی میں کھل سکتا ہے۔ یوں تو ہندوستان کے ہر گوشے کی مٹی میں لاکھوں رنگ سمائے ہوئے ہیں۔ اور کشمیر کی دھرتی پر تو موسم بہار میں پھولوں کے دریائے بے کنار کا گماں ہوتا ہے۔ رنگ ہی رنگ جیسے قوس قزح کی پریوں نے راس رچا رکھی ہو۔ لیکن جو مہک کسی پھول کی شہرت پر مہر دوام ثبت کر سکتی ہے، وہ جموں کے جغرافیائی ماحول سے باہر کسی بھی جگہ ملے گی نہیں۔ یہی وہ مہک تھی جو "شکنتلا" کے ساتھ ابھری اور گوئٹے پر وارفتگی کا عالم طاری کر دیا۔

نرگس کی تاریخ جدید بھی اپنی تمامتر معنوی اور صوری دلآویزیوں کے ساتھ کچھ اسی طرح رونما ہو گی جیسے ٹرائے میں ہیلن، جیسے وادی گلپوش میں موسم بہار کے پھولوں کا پہلا قافلہ، جیسے رادھا کے کانوں میں بانسری کی گونج، جیسے صبح بنارس کے آنچل میں مقدس منتروں کی شیرینی، جیسے ڈانٹے کی نگاہوں میں بیٹرس کا تصور، جیسے شام اودھ کی جمیل پیشانی پر ہلال عید کی نقرئی لکیر، جیسے کالیداس کے ذہن میں اپسراؤں کے گھنگھروؤں کی مدھ بھری جھنکار، جیسے جنت سے گرنے کے بعد آدم و حوّا کی آنکھوں کے سامنے ہماری اس دنیا کی سحر آفرینی کا ظہور۔ نرگس کی تاریخ جدید سرزمین جموں کی پہلی تاریخ ہو گی۔

نرگس نے اپنی تاریخ کا آغاز "انادی کال" سے کیا ہے۔ انادی سے مراد یقیناً وہ زمانہ ہے جسے تاریخ نویسی کی زبان میں Palaxeolithic Age یعنی ابتدائی دور کہا جاتا ہے۔ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا کے مصنف کا فتوے یہ ہے کہ آج سے ۵ لاکھ سال قبل اس کرہ زمین پر انسانوں کی کچھ نسلیں آباد تھیں۔ اس زمانہ میں انسانی ذہن اتنا خام اور راستے اتنے دشوار تھے کہ کم از کم اڑھائی لاکھ برس میں انسان نے پتھروں کو تراشنا سیکھا ہو گا۔ اس سے قبل راولپنڈی ڈسٹرکٹ میں دریائے سوان یا سوہان (Sohan

or Soan) میں ابتدائی دور کے پتھروں کے اوزار ملے تھے۔ اس صنعت نے دو مدارج حاصل کیے جنہیں ماہرین کی طرف سے سوہان انڈسٹری (Sohan Industry) اور صنعت قبل سوہان (Pre Sohan Industry) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس سرزمین جموں میں انسانی ارتقاء کی قدامت نے یکایک سوہان انڈسٹری کو پچھاڑ دیا ہے۔ چنانچہ یہ امر تاریخی اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ ۱۲ اگست ۱۹۶۶ء کو گورنمنٹ آف انڈیا نے اعلان کیا کہ جموں پرانت کے کٹھوعہ ڈسٹرکٹ میں پانچ مقامات سے زمانہ قبل از تاریخ کے سنگیں اوزار ملے ہیں جنہیں دھار والے اوزار (Flake Tools) اور نوکیلے اوزار (Pebble Tools) کہا جاتا ہے یہ اوزار آج سے تین یا چار لاکھ برس قبل تیار کیے گئے ہوں گے۔ وادی راوی کے جن مقامات سے یہ اوزار ملے ہیں ان کے نام ہیں کرُو (Kurro) ۔ پنیانی (Pinyani) ۔ ترّا (Tarra) ۔ ماہ (Mah) اور جگت پور (Jagatpur) ۔ ان مقامات سے کچھ چھوٹے چھوٹے فلیک ٹولز بھی ملے ہیں جو غالباً نازک تر مقاصد کے لیے استعمال کیے جاتے ہوں گے۔ ان اوزاروں کے ابتدائی معائنہ کے بعد انہیں طبق جدید (Pleistocene Period) سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس طرح جموں کی انسانی تاریخ کم و بیش چار لاکھ سال کی قدامت تک جا پہنچی ہے۔ اب یہ طے کرنا ماہرین کا کام ہے کہ اس دور کے بعد جموں کی پہاڑیوں میں انسانی تہذیب نے کس انداز میں ارتقاء کی منزلیں طے کی ہوں گی۔ نرسنگداس نرگس نے اپنی تاریخ جدید کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:-

"سرشٹی رچنے کے لیے برہما وجود میں آئے۔ برہما سے مریچی۔ مریچی سے انکری۔ پلست۔ پولار۔ کیرت۔ بھرگو۔ دکش اور وشسٹ نو پتر پیدا ہوئے۔ مریچی کے ہاں کشیپ پیدا ہوا جس نے دکش پرجاپتی کی پتری ادیتی سے شادی کی۔ ان کے ہاں دیو سورج پیدا ہوا جس کا دوسرا نام سوریہ ہے۔ اور اسی سورج کا خاندان آگے سورج ونش کے نام سے مشہور ہوا۔"

عجب نہیں کہ نرگس نے سرشٹی کی رچنا اور آریہ تہذیب کی جس تخلیق کا ذکر کیا ہے، اس کا واحد گہوارہ جموں ہی کی پہاڑیاں ہوں۔ "Women in the Vedic Age" میں شکنتلا راؤ شاستری نے اس مقام کا ذکر رگ وید کے ایک منتر کے حوالہ سے کیا ہے

Scanned with CamScanner

جہاں پنجاب کے نواح ہی میں کسی جگہ آریاؤں کا پہلا کارواں خیمہ زن ہوا تھا۔ وید منتر کا ترجمہ انگریزی میں اُس نے یُوں پیش کیا ہے :-

"There where the mountains down word slope,
There by the meeting of the streams,
The sage was manifest with song ;
Thence marking from his lofty place,
Downward he looks upon the sea,
And thence with rapid stir he moves."

[R.V. VIII. 6, 28, 29]

جموں ہی یقیناً وُہ مقام ہے جہاں پہاڑوں کی بلندیاں میدانوں کی طرف شفقت کا ہاتھ بڑھاتی ہیں۔ جہاں کال نئی اور نیرو گرجتے ہوئے آتے ہیں اور چناب میں سمو جاتے ہیں۔ جہاں سُورج پُتری توی بھی آگے بڑھ کر چناب میں کھو جاتی ہے۔ جہاں چندر اور بھاگا باہم ملتے ہیں۔ جہاں کتنی ہی ندیاں دریائے راوی کی معاون بنتی ہیں۔ اور یقیناً جموں ہی کی بلندیوں سے آریہ رشیوں نے پنجاب کے میدانوں میں چھنکارتے ہوئے سمندر کا جائزہ لیا ہوگا۔ جالندھر ڈسٹرکٹ کے Gazetteer میں بھی پدم پُران کے حوالہ سے یہ درج ہے کہ پنجاب کے سارے میدانی رقبہ میں ایک عظیم سمندر لہراتا تھا۔ اور اسی سمندر کے کسی ٹاپُو پر جالندھر راکشس پیدا ہوا تھا۔

"ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر" کے مطابق پنجاب کے میدانوں میں جو سمندر لہراتا تھا، اُسی میں رُونما شُدہ سیلاب کسی زمانہ میں شمال کے پہاڑوں کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ ایک مچھلی کی مدد سے منُو نے اِن پہاڑیوں پر پناہ لی اور اپنی کشتی ایک پیڑ سے باندھ دی۔ شمال کی اِنہی پہاڑیوں میں منُو نے اِدا (Ida) سے شادی کی۔ جس سے آریہ لوگ پیدا ہوئے۔ کالڈین بابل (Chalden Babylon) میں اِدا کو اِیا (Ea) کہا جاتا تھا۔ ممکن ہے یہ اِدا (Ida) اور اِیا (Ea) اُس آہوتی ہی کے دو بگڑے ہوئے نام ہوں جس کا ذکر نرگس نے ابتدائی الفاظ میں کیا ہے۔ یعنی طوفانِ منُو (The Deluge of Manu) کی اُس رُوداد سے بھی یہ تصدیق ہوئی کہ آریہ تہذیب جموں کی پہاڑیوں میں طلوع ہوئی۔ (یہ جُدا بات ہے کہ کچھ کتابوں میں اِس

طوفان کی کہانی کو مالابار اور کوہ ارارات سے وابستہ کیا گیا ہے۔ سنسکرت کے مشہور فرانسیسی عالم یوجین برنوف (Eugene Burnouf) کا نظریہ یہ ہے کہ ہندوستان نے اس کہانی کا ڈھانچہ بابل (Babylon) سے مستعار لیا تھا۔ مغربی جرمنی میں بھی مچھلی اور طوفان کی ایک ایسی کہانی سینہ بسینہ چلی آتی ہے)۔

ہیلیوڈورس (Heliodorus) جب سمراٹ کاشی پتر بھاگ بھدر کے دربار میں پیش ہوا تو بھاگ بھدر نے پوچھا "تم بھارت میں ہی میں ٹھہر گئے ہو یونانی؟ کیا تمہیں مقدونیہ کی یاد نہیں ستاتی؟" جواب میں ہیلیوڈورس نے کہا۔ مقدونیہ مجھے بھول گیا۔ ایسی دھرتی، ایسا آسمان، ایسے موسم، ایسے پہاڑ، ایسے دریا اور ایسے چہرے میں نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھے۔ ایسی سندر تہذیب نہیں دیکھی۔ اتنی نیکی، اتنا علم و فضل، اتنی راست روی، اتنی رواداری اور ایسی انسانیت پروری نہیں دیکھی۔ ہندوستان سچ مچ سورگ ہے۔ میں مقدونیہ کی مٹی سے اٹھا تھا۔ بھارت کی مٹی میں ایک ہندوستانی کے طور پر ملوں گا۔ میں نے اپنا نام بھگوت رکھ لیا ہے۔"

ایسے عظیم دیش کا ایک عظیم حصہ ہے یہ دوئیگرت۔ جہاں قدیم ڈوگروں نے اونچے اونچے مینار نہیں بنائے۔ ابوالہول اور اہرام کھڑے نہیں کئے جو تاریخ کی ترتیب میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ اور مورخوں کو کچھ مدد دے سکتے ہوں۔ لیکن انہوں نے اینٹ اور گارے چونے کے فانی تودوں کی بجائے انصاف اور شجاعت کی وہ لازوال اور تابندہ داستانیں ضرور باقی چھوڑیں جو اس دھرتی پر صدیوں سے ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں۔ یہ داستانیں ہمارے سامنے اُن دیو قامت انسانوں کو لا کھڑا کرتی ہیں جن کے مورثِ اعلےٰ بھگوان رام کے متعلق آچاریہ ونوبا نے بالمیک کے حوالہ سے کہا کہ "وہ سورج کی طرح اٹل اور سمندر کی طرح گہرا" تھا۔ یعنی ایک فرد ہی میں سارا بھارت ہمالیہ سے سیت سندھو تک سمایا ہوا تھا۔ یہی ایک ڈوگرے کی حقیقی تعریف ہے۔ نرگس نے جن بھولی بسری داستانوں کو یکجا کیا ہے، ان داستانوں کے الفاظ ہی ہمارے فلسفہ، ہمارے سماجی اور سیاسی نظام، ہمارے طریقِ ماند و بود، ہمارے اندازِ ذکر و فکر، ہماری اخلاقی قدروں، ہمارے احساسات اور جذبات کی بنیاد ہیں۔ یہ داستانیں اُن برتنوں، ٹوٹی پھوٹی مورتیوں، مہروں اور سکوں سے کہیں زیادہ اچھی اور حقیقی تصویریں ہیں

کرتی ہیں جو ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے اپنے بیلچوں اور گینتیوں سے ہڈیوں کا پیریڈ پہاڑ کر برآمد کئے ہیں۔

جس رفتار سے سامانِ نقل وحمل کے وسائل بڑھیں گے، جموں سے دور افتادہ پہاڑیوں اور اُس کی گھاٹیوں کو انسانی رسائی کے قابل بنایا جائے گا اُسی رفتار سے اس دھرتی کے تاریخی اسرار و آثار کی تلاش میں بھٹکنے والے عُلماء اور ماہرین کی تعداد بھی بڑھے گی۔ اور وُہ نسب نرگس کی تاریخ جدید کو اُسی عظمت کا حامل پائیں گے جو اہرامِ مصر کا طُرّۂ امتیاز ہے۔

برج بھاشا کے ایک شاعر نے کبھی کہا تھا کہ:-

"پرتھوی سے برہمانڈ بڑا ہے جس میں لاتعداد ایسی پرتھویاں سمائی پڑی ہیں۔ برہمانڈ سے بڑے ہری ہیں جن میں ایسے لاکھوں برہمانڈ بھٹک رہے ہیں۔ اور ہری سے بڑی رادھا کی آنکھیں ہیں جن میں ہری سمائے ہوئے ہیں۔"

اور کچھ اسی انداز میں نرگس کی تاریخ جدید کے اوراق میں دوگرت دیش کا ناپیمودہ ماضی اربابِ نظر کو خوابیدہ دکھائی دے گا۔

جالندھر۔ یکم جنوری ۱۹۶۷ء

دیا کرشن گردش

چیف ایڈیٹر

روزانہ "ہند سماچار" جالندھر

احوالِ واقعی

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے ایک بار کہا تھا کہ "مٹی میں مٹی کے لئے گہری کشش پروردگارِ عالم نے پیدا کی ہے"۔ شاید یہی وہ کشش تھی جس نے مجھے ایک مشکل ترین کام کو ممکن بنانے پر مائل کیا۔ ڈوگرہ دیس کے لئے میرے دل میں اتھاہ عقیدت ہے، پیار ہے، محبت کا ایک والہانہ جذبہ ابھی گہوارے میں نہ معلوم کب سے خوابیدہ ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس نے میری نگاہوں کے لئے ڈوگرہ دیس کی مٹی کے ہر ذرّے کو دیوتا بنا دیا ہے۔ اور میں اس سوچ میں پڑ جاتا تھا کہ کیسے ہوں گے وہ لوگ جنہوں نے کنٹیلی جھاڑیوں اور سنگزاروں کی اس دھرتی کو پہلے پہل اپنی بستیوں کے لئے منتخب کیا ہوگا۔ ہر نشیب کو فراز سے ملانے کے لئے ڈنگیاں بنائی ہوں گی۔ ندیوں کے کناروں کو باہم جوڑنے کے لئے رسّی یا لکڑی کے پل بنائے ہوں گے۔ روحانی سکون کی تلاش میں مندر تعمیر کئے ہوں گے۔ درندوں اور دشمنوں سے بچنے کے لئے گوناگوں ہتھیار تراشے ہوں گے۔ کھیتوں کی سیرابی کے لئے کوہلیں اور نہریں بنائی ہوں گی۔ میرا تصور بسا اوقات ان قدیم لوگوں کی تلاش میں بھٹکنے لگتا تھا۔ اور وہ کھو جاتا تھا ماضی کے دھندلکوں میں۔ اور کبھی کبھار میرے تصور کی نگاہیں بالیقین تھیں اُن لوگوں کو جنہوں نے آج سے سینکڑوں کیا ہزاروں، نہیں لاکھوں برس پہلے ایک اُجلی اور پاکیزہ ترین تہذیب کی بنیاد رکھی ہو گی اس دھرتی پر۔

بہت برس پہلے کی بات ہے ایک بھولی بسری کہانی۔ جب تحصیل بسوہلی کے دیہات میں میرے جوانی کے دن بسلسلہ ملازمت جاگیردار رامکوٹ کے مختارِ عام کی حیثیت سے بیت رہے تھے تو وہاں فرصت کے لمحوں میں جب کبھی ماحول کا سنّاٹا مجھے اپنی طرف کھینچتا تو میں قدم قدم پر غیر آباد مندر، نامعلوم شہیدوں اور ستی دیویوں کی سمادھیاں، پرانے زمانہ کے جانبازوں کی یادگاریں، عہدِ قدیم کے سنگتراشوں کے شہ پارے، اُجڑی ہوئی باؤلیاں اور کتنی ہی چیزیں دائیں بائیں آگے پیچھے بکھری ہوئی دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے یہ دھرتی نہیں، ایک ضخیم تاریخ ہو۔ ایک ایسی تاریخ جس کے اوراق ہوں اس رقبہ میں پھیلے ہوئے پتھر۔ اور ان پتھروں کے اڑوس پڑوس میں چرواہوں کو چھاؤں دینے والی جھاڑیاں

یا اُونچے اُونچے بوڑھے پیڑ۔ ان پیڑوں نے، اِن پتھروں نے، اِن چٹانوں نے بہت کچھ دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے۔ اور مَیں اکثر عالمِ تصوّر میں اِن سب سے پُوچھتا تھا کہ بتاؤ کیسی کیسی سُندر کہانیاں، کیسے کیسے مہتم بالشان واقعات، کیسے کیسے حیرت انگیز معرکے تمہاری سطور میں خوابیدہ ہیں۔ لیکن صد افسوس کہ وُہ تمام اوراق گونگے ثابت ہوئے۔ میرے کسی بھی سوال کا جواب دینے سے معذور۔ لیکن کچھ اشارے کچھ کنائے ضرور مَیں نے محسوس کئے۔ اور یہی تھا وُہ مقام جس نے میرے دِل میں ایک خلش اور ایک انوکھی سی کرید پیدا کی۔ کہ مجھے خود ماضی کے دُھندلے پردوں کو ہٹا کر سرزمین جموں کی اُس پارینہ عظمت کو بے نقاب کرنا چاہیئے۔ جس سے چشمِ عالم تو کیا، خود میرے ہموطن بھی آگاہ نہیں۔

وقت گزرتا گیا۔ مَیں ملازمت چھوڑ کر جموں میں آگیا۔ پریس کے کاروبار میں لگ گیا اور اخبار "چاند" شغل کے طور جاری کیا۔ لیکن وُہ خلش بدستور میرے دِل و دماغ پر طاری رہی۔

ایک بار سرینگر میں ایک غیر مُلکی صحافی سے مُلاقات کا اتفاق ہوگیا۔ تاریخ سے ایک گونہ لگاؤ پیدا ہونے کے سبب مَیں نے اُس سے پُوچھا کہ دُنیا کی کون سی تہذیب اُن کی نگاہوں میں قدیم ترین ہے۔ اپنے مشاہدے کو گواہ بنا کر اُس غیر مُلکی صحافی نے کہا کہ مصر کے اہرام کی قدامت کو دُنیا کے کسی بھی حصّہ کی کوئی تاریخی یادگار چھُوتی نہیں۔ یہ اہرام فرعونوں نے اُس زمانہ میں تعمیر کئے تھے جب یورپ کے لوگ آگ جلانا اور اناج بونا بھی نہیں جانتے تھے۔ مَیں مُسکرا اُٹھا۔ نہ معلوم کون سا خیال اور کون سا جذبہ اس کی تہ میں لہرا رہا تھا۔

"تم مُسکرا رہے ہو" اجنبی اخبار نویس نے پُوچھا۔ اور مَیں نے اُس سے کہا کہ تمہاری تہذیب اینٹوں، پتھروں اور گارے چُونے کی تہذیب ہے۔ وُہ مٹّی کے تودوں کی ہی زبان سمجھتی ہے۔ اور اسی لئے وُہ مٹّی سے اُوپر اُٹھ نہیں سکتی۔ ہندوستان کی تہذیب مادیّت میں یقین نہیں رکھتی۔ وُہ رُوحانیت کے گرد گھُومتی ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہندوستان کے دُوسرے حصّوں کی طرح اگر ڈوگروں کی دھرتی بھی اہراموں اور ابوالہولوں سے محروم ہے تو صرف اِس لئے کہ بھارت کے اِس گوشے میں بھی لوگوں کو گارے چُونے سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ اگر وُہ بھی مادہ پرست ہوتے تو شاید اتنے اُونچے اُونچے مینار کھڑے کر دیتے جن کے مقابلے میں مصر کے اہرام پر ننھے منّے بچّوں کا گمان ہوتا۔

ایک ڈوگرہ دیس کوہ شوالک کے دامن میں دُور دُور تک پھیلا ہُوا ہے۔ ایک اور

ڈوگرہ دیس میرے دل میں ہے۔ اسی نے کہا کہ اب دیس کی پہاڑیوں کو زیادہ دیر تک قعرِ گمنامی میں ہی دراز نہیں رہنا چاہیئے۔ یہ سپتنکوں کا زمانہ ہے۔ اِس دَور میں ڈوگرہ دیس کے ماضی کو کسی نہ کسی حد تک اُجاگر کیا ہی جانا چاہیئے تاکہ وہ ہندوستان کے دُوسرے حِصّوں سے پچھڑ نہ جائے۔ پیچھے نہ رہ جائے۔ مادیّت اور رُوحانیت میں ایک تناسب ناگزیر ہے۔ اِسے اب برقرار رکھنا ہی ہوگا۔ یہ تھا ایک خیال جو رفتہ رفتہ ایک بُنیاد بن گیا۔ اور اِسی بُنیاد پر کھڑے ہو کر مَیں نے آس پاس نِگاہ دوڑائی۔ اُن مُشکلات کا جائزہ لیا جو ڈوگرہ دیس کی تاریخ مرتب کرنے میں مزاحم تھیں۔ ایک طِلسمی اندھیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سُوجھتا تھا۔ روشنی کی کوئی ہلکی سی کرن اور باریک ترین شعاع بھی کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ پُرانے وقتوں کے ڈوگرے شاید اپنی کوئی بھی یادگار پیچھے چھوڑنے کے قائل نہیں تھے۔ کچھ کہانیاں لوک گیتوں میں چھپی ہوئی تھیں۔ کچھ دنت کتھائیں تھیں۔ اِس سے زیادہ کچھ نہیں۔ کوشش بسیار کے باوجود کوئی کتبہ کہیں دکھائی نہ دیا۔ کوئی شِلا لیکھ نہ ملا۔ پُرانے وقتوں کا کوئی سکّہ دستیاب نہ ہُوا۔ کوئی سفرنامہ اِس مُشکل کام کو آسان کرنے میں معاون نہ ہُوا۔ ابراہیم بیگ کشمیر پہنچا۔ ہیون سانگ آیا۔ برنیئر وارد ہُوا۔ کئی انگریز اور فرانسیسی سیاحوں نے وادیٔ گلپوش کا رُخ کیا لیکن میرے لئے حیرت کی بات یہ تھی کہ ان میں سے کسی نے بھی کوئی ایسی دستاویز پیچھے نہ چھوڑی جو ڈوگروں کے ماضی اور اُن کے سیاسی اور سماجی نظام پر کچھ روشنی ڈالتی ہو۔ ایسا تاریک ماحول تو ہندوستان کے دُوسرے کسی بھی گوشے کے حصّے میں آیا نہیں۔ آج مَیں لگاتار گیارہ برس کی جدوجہد کے بعد گیارہ صد سے اُوپر صفحات پر مشتمل ڈوگرہ دیس کی تاریخ اربابِ نظر کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہُوا ہُوں۔ تو اِسے ایک معجزہ ہی تصوّر کیا جانا چاہیئے۔ میرا نہیں، اُس قادرِ مطلق کا جس نے مجھے اِس کارِ عظیم کی تکمیل کے لئے منتخب کیا اور اپنا وسیلہ بنایا۔

جہاں تک حقائق کا تعلق ہے، ڈوگرہ دیس کی جدید تاریخ کا آغاز ۱۸۲۲ء سے مہاراجہ گلاب سنگھ کی تخت نشینی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اِس سے پہلے کچھ عجیب سی حالت تھی میرے ڈوگر کی۔ ڈاکٹر اقبال نے کبھی کہا تھا ؎

اُٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گُل نے

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اسی داستان کے انداز میں ڈوگرہ دیس بکھر گیا۔ کچھ انگریزوں نے اٹھا لیا۔ کچھ گورکھوں نے کچھ پنجاب نے۔ اور اس پھول کی باقی پتیاں ادھر ادھر بکھر گئیں۔ لاتعداد ریاستیں تھیں، ہزاروں قلعے چھوٹے بڑے خام پختہ مضبوط اور غیر مضبوط۔ پانچ پانچ، دس دس گاؤں کی ایک ایک مملکت اور ہر حکمران کے سینے میں ہمالیہ کا تناؤ۔ اور گردن میں قراقرم کی بلندی۔ شاید یہ علیحدگی پسندی قدرت ہی سے اس رقبہ کو ودیعت ہوئی تھی۔ ورنہ یہ کہاں ممکن تھا کہ جتنے راجے اور جتنی ریاستیں شوالک کے دامن میں ہوں گی، اتنی شاید ساری دنیا میں نہ ہوں گی۔ اس سے رقابت کے بگولے ابھرے۔ دشمنی کی آندھیاں اٹھیں۔ کدورتوں کے طوفان ماحول میں منڈلانے لگے۔ اور میری نگاہِ تجسس نے تو ایک ایسا دور بھی دیکھا ہے جب یہاں ڈوگروں کے خنجر ہی ڈوگروں کے سینے میں پیوست ہوتے تھے۔ ڈوگروں کے ہاتھوں ڈوگروں کی بستیاں راکھ کے ڈھیروں میں آناً فاناً بدل جاتی تھیں۔ ڈوگروں کی تلواروں سے ڈوگروں کی گردنیں کٹتی تھیں۔ خون کے فوارے چھوٹتے تھے۔ جب تخریب ہی ان لوگوں کی فطرتِ ثانی ہو کر رہ گئی تھی۔ اگر قدرت نے اس مٹی کے اجزاء میں یک جہتی اور محبت کی خو اور بو بھی شامل کی ہوتی تو نہ معلوم شوالک کی ان ہی پہاڑیوں کے لوگ دنیا کے کون کون گوشوں پر کون کون سے براعظموں، کون کون سے میدانوں اور کون کون سے صحراؤں اور جنگلوں پر اپنی عظمت کا پھریرا لہراتے۔ چنگیز خان نے دنیا کے تین براعظموں کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔ میرا یقین ہے کہ شوالک کی پہاڑیوں میں رہنے والے لوگ ڈوگرہ لوگ کسی طرح الٹائی کی پہاڑیوں سے آٹھے ہوئے تاتاریوں سے کہیں زیادہ بہادر اور جانباز تھے۔ اگر تاتاریوں کا اتحاد بھی قدرت نے انہیں دیا ہوتا تو دنیا کی تاریخ کسی اور ہی انداز میں لکھی جاتی۔ اور ہندوستان ہی نہیں ایک عالم کا سر پورے ادب و احترام کے ساتھ شوالک کے قدموں پر جھکتا اور دنیا کی بزدل اور ناکارہ قومیں بھی اپنی رگوں کے یخ بستہ خون میں حرارت پیدا کرنے اور اپنی اولادوں کو فلک گیر بنانے کے لیے اس مٹی کو اپنی پیشانی، اپنے کندھوں اور اپنے گھٹنوں پر لگاتیں۔

ڈوگرہ دیس آج بھی جغرافیائی طور پر بٹا پڑا ہے۔ آج بھی اس پھول کی پنکھڑیاں ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں۔ کچھ حصہ ہماچل میں شامل ہے، کچھ پنجاب میں، کچھ جموں و کشمیر میں۔ اندریں حالات ڈوگری بھاشا، ڈوگری تمدن، ڈوگرہ ثقافت اور دوسرے متعلقہ امور

کی بنا پر پرشوالک کے دامن میں پھیلی ہوئی ساری ڈوگرہ بھومی کی پوری تاریخ کا وجود میں لانا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔

پچھلے دو سو برس کی مدت میں سرزمین کشمیر کے متعلق کتنے ہی ادیبوں، مورخوں، سیاحوں اور سیاست دانوں نے اپنے تاثرات قلمبند کئے۔ اس سے پہلے کی صدیوں میں بھی کتنے ہی ملکی اور غیر ملکی اکابرین نے وادیٔ گلپوش کی تاریخ پر طبع آزمائی کر کے ان کو اپنے نام اور اپنے ذہن رسا کی شہرت کے دوام کا ذریعہ بنایا لیکن استعجاب کا مقام ہے کہ ڈوگرہ دیس کا ماضی ہمیشہ اونچے اونچے پربتوں اور گھنے گھنے جنگلوں کے درمیان چشم عالم سے پوشیدہ رہا۔ ایک سبب یہ تھا کہ ان جنگلوں میں دھاڑنے والے شیروں، پھنکارنے والوں اژدہوں اور بستیوں تک بیرونی قدموں کی رسائی کو ناممکن بنانے والی ڈھلوانوں اور دشوار گذار گھاٹیوں اور کٹھن بلندیوں نے بھی ان لوگوں کو اس طرف بڑھنے نہ دیا جو اس رقبہ کے ماضی کو تاریخ کے اوراق کی زینت بنا سکتا۔

یہ سنہ ۱۹۵۶ء جنوری کی بات ہے جب میں نے تاریخ ڈوگرہ دیس کی ترتیب کا کام شروع کیا تھا۔ اس مرحلہ سے میں نے تاریخ کے مطالعہ کی راہ پر قدم رکھا۔ میرے دن اور راتیں بوسیدہ کتابوں، قدیم ترین نسخوں کی ورق گردانی اور پرانے مسودوں کے ٹٹولنے میں گزرنے لگیں۔ اور جب ۲۱ اکتوبر سنہ ۱۹۵۹ء کو ریاست جموں و کشمیر کے بانی مہاراجہ گلاب سنگھ کا پہلی بار ڈوگرہ دیس کے لوگوں نے جنم دن منایا تو میں نے ڈوگرہ دیس کی اس تاریخ کا ایک حصہ یعنی سنہ ۱۷۷۶ء سے ۱۸۵۷ء تک کی تاریخ جموں و کشمیر موسومہ گلاب سنگھ پیش کی۔ تو عوام نے ہاتھوں ہاتھ لے کر منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے میرا حوصلہ بڑھایا۔ اس کے پانچ سال بعد جولائی سنہ ۱۹۶۴ء میں انیسویں صدی کے عظیم جرنیل وزیر زورآور سنگھ اور میاں ڈیڈو کی تاریخ پیش کی لیکن میری منزل تو کہیں اور تھی اور میرا ذہن کسی اور ہی افق کے لئے بھٹک رہا تھا۔ لگاتار گیارہ برس مجھے اس منزل تک پہنچنے کے لئے سفر کرنا پڑا۔ اس سارے سفر میں مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہے کہ "جن لوگوں نے سمندر کے دوسرے کنارے کو چھونا ہوا اور ملاحوں کے طور پر جنہوں نے اس منزل کو پانا ہو، انہیں طوفانوں کو لبیک کہنا ہی پڑتا ہے۔" تاریخ ڈوگرہ دیس کی تکمیل درحقیقت جوئے شیر لانے کے مترادف تھی۔ اس کام کی کٹھنائی اور اس کی صبر آزما نوعیت کا جائزہ اس بات سے بآسانی لیا جا سکتا

ہے کہ ۱۹۶۳ء میں مسودوں کی کتابت شروع ہوئی تھی۔ یہ کام پانچ برس سے جاری تھا۔ مسودوں کی ترتیب کے لئے ڈوگرہ دیس سے متعلق قدیم حوالے تلاش کرنا۔ نایاب کتابیں ڈھونڈ نکالنا اور پھر ان کتابوں کی کرم خوردہ تہوں سے صدیاں پرانے حقائق کا مواد اخذ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن میں نے مطالعہ، تحقیق و جستجو اور مختلف واقعات کی کڑیاں باہم ملانے اور ان چھوٹے بڑے واقعات کو ترتیب دینے کا سلسلہ پوری باقاعدگی سے جاری رکھا۔ حتیٰ کہ ڈوگرہ دیس کی تاریخ گیارہ صد صفحات سے بھی اُوپر ہو گئی۔ ان گیارہ صد صفحات نے میری عمر کے صرف گیارہ سال ہی چٹ نہیں کئے بلکہ اقتصادی تاب و توانائی کو بھی لپیٹ میں لپیٹ لیا۔ یہ ڈوگرہ دیس کی محبت تھی کہ میں نے اس چیز کو بار خاطر ہونے نہ دیا۔ اگر مجھے اپنی ساری عمر اس کام پر لگانا پڑتی تو بھی اس سے گریز روا نہ رکھتا۔ یہ عقیدت اور لگن کا سوال تھا۔ اس لگن کی ایک ہلکی سی جھلک ہمیں نامور مورخ گبن کی زندگی مہیا کرتی ہے جس نے چار جلدوں میں رومن ایمپائر کی تاریخ زوال مرتب کی تھی۔ اس تاریخ کا مسودہ پیرس میں کھو گیا لیکن گبن مایوس نہ ہوا۔ اس نے دوسری بار اپنے آپ کو چند برسوں کے لئے ایک کمرے میں بند کر لیا اور وہ اس تاریخ کا نقش ثانی تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھے یہ دعوےٰ تو نہیں کہ جو کچھ میں نے لکھ دیا ہے، یہ حرفِ آخر ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ میں نے ہزاروں برس پرانے ماضی تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ایک راستہ بنا دیا ہے۔ اب اسے زیادہ کشادہ بنانا۔ اس راستے کو گم گشتہ بستیوں سے ضمنی راہوں کے ذریعہ ملانا یا اس راستے کے کنارے پیڑ لگانا اور اسے خوبصورت بنانا آنے والے لوگوں کا کام ہے۔

مجھے جالندھر میں تاریخ کے ایک برگزیدہ معلّم سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا کہ ڈوگرہ حکمرانوں نے اپنی چار پشتوں میں ڈوگرہ دیس کی تاریخ مرتب کئے جانے کی طرف توجہ کیوں نہیں دی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ تو علم و فن کے ایک عظیم سرپرست تھے ان کے دربار میں ہندوستان بھر کے عالموں کو رسائی نصیب تھی۔ رگھوناتھ سنسکرت کالج میں سنسکرت کے جتنے بھی قدیم مسودے موجود ہیں، وہ سب مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں جمع کئے گئے تھے۔ اُن کے عہدِ اقتدار میں ودیا بلاس پریس کی مشینیں دن رات چلتی رہیں۔ مختلف علوم پر سینکڑوں کیا ہزاروں کتابیں طبع ہوئیں، جن میں سے کئی ایک کتابیں مہا بھارت سائز کے ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔ ایک ایسے روشن انور

میں ڈوگرہ دیس کی تاریخ کیوں وجود میں نہیں آئی؟ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور میں اُن کے وزیرِ اعظم دیوان کرپا رام نے بزبانِ فارسی "گلاب نامہ" مرتب کیا۔ لیکن یہ کتاب بھی ڈوگرہ دیس کے ماضی اور اس کی پوری تاریخ پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالتی۔ اور اس کی وسعتوں میں آں جہانی مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد اور جموں کے پُرانے راجگان اور جموں و کشمیر کے باہمی الحاق کی رُوداد، لاہور دربار کے ماحول کی عکاسی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ کننگھم نے اس زمانہ میں پنجاب ہی نہیں، پہاڑی ریاستوں کے خدوخال بھی پیش کیے ہیں لیکن لاہور دربار میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ کئی ایک سیاسی امور پر رقابت پیدا ہو جانے کے سبب اُس نے نہ صرف ڈوگروں کو نظر انداز کر دیا بلکہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے خلاف بھی جس حد تک اُس سے ممکن ہو سکا، اُس نے تاریخ نویسی کے تمام تر بُنیادی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے زہر چکانی کو ہی اپنا طرۂ امتیاز بنایا۔

یہ ۱۹۳۹ء کی بات ہے۔ جب میں نے ریاست جموں و کشمیر کے میدانِ صحافت میں قدم رکھا تھا۔ ڈوگروں کی یہ دھرتی اُس وقت بھی میرے دل و دماغ پر مسلط تھی۔ اور میں اسی دھرتی کی محبت کے زیرِ اثر ابتدائی دور میں مولا رام کوٹی کے اور پھر اُس کے بعد پریم منوہر کے مجازی جامہ میں روزمرہ کی زندگی میں ڈوگروں کو پیش آنے والی دشواریوں، اُن کی مجبوری اور بے بسی اور اُن کے سروں پر منڈلانے والے ظلم و استعمار کی طویل اور مختصر کہانیاں قلمبند کرتا رہا۔ اور اکثر اقبال کے ہی یہ الفاظ گونجتے تھے میرے ذہن میں ؎

دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا | لکھا کلکِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں | تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

رزم آرائیوں کا یہ سلسلہ تو آج بھی جاری ہے۔ کاش کہ ان رزم آرائیوں کا رخ ڈوگروں کی اس دھرتی سے نکبت، افلاس اور انتشار کی لعنتوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی طرف پھیر دیا جاتا تاکہ ایک نیا دور اس دھرتی پر طلوع ہوتا اور اس نئے دور کی تاریخ ایک نئے انداز میں لکھی جا سکتی۔ میں نے جس راستہ پر ۱۹۵۶ء میں سفر کا آغاز کیا تھا وہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ ڈوگروں کی تاریخ کے کئی پہلو ابھی ایسے ہیں جو شدت سے میری توجہ اور میرے دل و دماغ کا شعور بنے ہوئے ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جب اربابِ نظر ڈوگرہ دیس کے ماضی کے کچھ نئے پہلوؤں پر سے پردہ اُٹھتا ہوا دیکھیں گے۔

Scanned with CamScanner

اس تاریخ کی ترتیب میں کئی مراحل پر مجھے اپنے دوستوں سے بھی امداد ملی۔ شری گنیش داس شرما ڈائرکٹر انفارمیشن حکومت جموں و کشمیر نے مسودوں کی دیکھ ریکھ اور ترتیب میں میرا سب سے بڑھ کر ہاتھ بٹایا۔ شری بلدیو پرشاد شرما ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو جموں نے ضروری معلومات فراہم کیں اور پرانی کتابوں سے انگریزی اقتباسات کے تراجم بہم پہنچائے۔ کرنل ملوک سنگھ سلاتھیہ نے اپنی لائبریری میرے سپرد کئے رکھی۔ اور پروفیسر رام لال مہتہ نے تاریخ کو باتصویر بنانے میں اکثر تصویریں اور نقشے مہیا کئے۔ ان سب کا میں احسان مند ہوں۔ میں بریگیڈیئر گھنسار سنگھ پریذیڈنٹ دھرمارتھ ٹرسٹ جموں و کشمیر کا کس طرح شکریہ ادا کروں میرے پاس الفاظ نہیں۔ ان کا میں دل کی انتہائی گہرائیوں سے شکرگزار ہوں جنہوں نے اس تاریخ کی تکمیل میں میری سرپرستی فرمائی۔ کتنے ہی مراحل ایسے آئے جب میں ہمت ہار بیٹھا۔ اور اس کام سے دستکش ہونا ہی چاہتا تھا کہ بریگیڈیئر موصوف کی ذاتِ گرامی آڑے آئی۔ اور ابتدائی مرحلوں سے لے کر تاریخ کی آخری کاپی پریس میں دینے تک آپ نے بدستور اپنا دستِ شفقت میرے سر پر رکھا اور میں اس قابل ہو سکا کہ تاریخ ڈوگرہ دیس مکمل صورت میں عوام کے مطالعہ کے لئے پیش کر سکوں۔

میں ڈوگرہ دیس کی یہ تاریخ جموں و کشمیر کے گورنر مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ جی کو بھینٹ کر رہا ہوں کیونکہ وہی سرکاری اور عوامی زندگی میں یکساں طور پر برگزیدہ اور ممتاز ترین شخصیت ہیں۔ جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر کا ۱۸۴۶ء میں سنگِ بنیاد رکھا، اُس وقت شاید کسی بھی مدبّر، کسی بھی سیاستدان اور کسی بھی ماہر نجوم کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی ہو گی کہ جس طرح مہاراجہ گلاب سنگھ نے جموں و کشمیر میں ڈوگرہ شخصی راج کی بنیاد رکھی ہے، اُسی طرح ایک سو پانچ برس کے بعد اُن کے خاندان کا ایک نونہال اس ریاست کی جمہوریت کا پہلا سربراہ ہو گا۔ اور ایک نیا دور منسوب ہو گا اس ریاست میں اُسی کی شخصیت کے ساتھ۔ اس اعتبار سے میجر جنرل مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ گورنر جموں و کشمیر ہی واحد ایسی شخصیت ہیں جنہیں ڈوگرہ دیس کی پہلی تاریخ بصد صدق و خلوص بھینٹ کی جاتی ہے۔ ع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

۲۰ جنوری ۱۹۶۷ء

نرسنگھ داس نرگس

باب اوّل

ریاست جموں و کشمیر کا جغرافیہ

پردیش جموں و کشمیر ہندوستان کی شمالی سرحد پر واقع ہے جو کوہ ہمالیہ کے سلسلوں میں گھرا پڑا ہے۔ اور اس کی سرحدیں ہندوستان، پاکستان، صوبہ سرحد، مغربی پنجاب، افغانستان، روسی ترکستان، چینی ترکستان اور سطح مرتفع تبت سے ملتی ہیں۔ اس تمام سرحد کی لمبائی ۱۵۰۰ میل ہے جو ۳۵۰ میل پاکستان سے، ۲۵۰ میل ہندوستان سے، ۲۵۰ میل تبت سے، ۴۵۰ میل چین، بلتستان، گلگت اور روس کے علاقہ سے اور ۵۰ میل گلگت سے افغانستان کے ساتھ ملتی ہے۔ اس طرح یہ ریاست سوویت روس، چین، افغانستان، پاکستان اور ہندوستان کی مملکتوں سے گھری ہوئی ہے۔

رقبہ اور آبادی

ریاست جموں و کشمیر کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہے۔ جو ۳۲٫۱۷ سے ۳۶٫۵۸ عرض بلد اور ۷۳٫۲۶ اور ۸۰٫۳۰ طول بلد کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے یہ ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہے۔ تمام ریاست کی لمبائی شرقاً غرباً ۲۵۰ میل اور چوڑائی شمالاً جنوباً ۳۷۵ میل کے قریب ہے۔ سطح پہاڑی ہونے کی وجہ سے آبادی بہت کم ہے۔ اس ریاست کی کل آبادی ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۴۰۲۱۶۱۶ نفوس پر مشتمل ہے اور یہ ہندوستان کی ریاستوں میں چوتھی بڑی ریاست ہے جو قدرتی طور پر چار حصوں میں منقسم ہے۔ میدانی علاقہ، پہاڑی خطہ، کوہ ہمالیہ کا درمیانی اور پار کا علاقہ۔

میدانی علاقہ جنوب میں واقع ہے جو پنجاب اور ریاست کے پہاڑی علاقہ کے درمیان ہے جو سطح سمندر سے ایک ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ جہاں دریائے اوجھ اور دریائے توی بہتے ہیں۔ اس کے علاوہ دریائے چناب اور جہلم کا میدانی علاقہ ۷۰ میل پھیلا ہوا ہے جس میں منادر توی بہتی ہے۔ اس تمام حصے کا رقبہ ۳۶۰۹ مربع میل ہے جس میں جموں،

Scanned with CamScanner

رنبیر سنگھ پورہ۔ ہیرا نگر۔ کٹھوعہ اور اکھنور کے قصبے آباد ہیں۔ کُل آبادی ۸۱۴۰۲۸ ہے۔ گویا ساری ریاست کی آبادی کا پانچواں حصّہ اس علاقہ میں ہے جس کا رقبہ ریاست کے کُل رقبہ کا $\frac{1}{24}$ حصہ ہے۔

پہاڑی علاقہ کوہ ہمالیہ کی جنوبی شاخ پیر پنجال اور میدانی علاقہ کے درمیان ہے۔ جو مشرق سے مغرب کو اونچے پہاڑوں کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا ہے۔ اس کے جنوبی حصہ میں سانبہ۔ رام نگر۔ اودھم پور۔ راجوری۔ نوشہرہ اور شمالی حصہ میں بانہال۔ پونچھ۔ ریاسی۔ کشتواڑ۔ بھدرواہ۔ کوٹلی اور میرپور کے قصبے آباد ہیں جس کا رقبہ ۹۷۶۹ مربع میل اور آبادی ۱۱ لاکھ ۶۷ ہزار ۴۰۵ ہے۔ صوبہ جموں کے میدانی اور پہاڑی علاقوں کا رقبہ ۱۲۳۷۸ مربع میل اور اور آبادی ۱۹۸۱۴۳۳ ہے۔

کوہ ہمالیہ کے درمیانی علاقہ کی کئی شاخیں ہیں جو ۱۰ ہزار فٹ سے ۱۵ ہزار فٹ اونچی ہیں۔ پیر پنجال کو عبور کریں تو وادی کشمیر آتی ہے یہ ۸۴ میل لمبی اور ۲۵ میل چوڑی ہے۔ یہی علاقہ اصل کشمیر ہے۔ اس وادی کو دریائے جہلم۔ کشن گنگا اور نالہ سندھ کے پانی زرخیز بناتے ہیں۔ یہ علاقہ جو سطح سمندر سے ۵ ہزار فٹ بلندی پر ہے (کُل ۸۵۳۹ مربع میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے اور اس کی آبادی ۱۷۲۸۷۰۵ ہے۔

ہمالیہ کے پار کا علاقہ کوہ قراقرم اور کوہ ہندوکش کے درمیان واقع ہے۔ ایک حصہ لداخ اور دوسرا گلگت۔ لداخ کی بلندی ۱۰ ہزار سے ۲۲ ہزار فٹ تک ہے۔ گلگت کی بلندی لداخ سے کم ہے۔ دریائے سندھ اس سارے علاقے میں بہتا ہے۔ فوجی اور سیاسی لحاظ سے گلگت کی اہمیت زیادہ ہے جو ریاست جموں وکشمیر کی شمالی سرحد پر واقع ہے۔ اور یہاں سے ایک ہی راستہ ہے جو ہندوستان اور کشمیر کو ترکستان سے ملاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں تین بڑی سلطنتیں رُوس، چین اور تبت ملتی ہیں۔ بلکہ چھ بڑے ممالک کی سرحدیں یہاں ملتی ہیں۔ سرحدی علاقے میں نانگا پربت۔ کنچن جنگا۔ گاڈون آسٹن کی اُونچی چوٹیاں ہیں۔ اس کا رقبہ ۶۳۵۵۴ مربع میل اور آبادی بالکل کم یعنی ۵۰ اشخاص فی مربع میل ہے۔ کُل آبادی ۳ لاکھ ۱۱ ہزار ۴۷۸ ہے۔ ریاست جموں وکشمیر چار اکائیوں جموں۔ کشمیر۔ لداخ اور گلگت (سرحدی علاقوں) پر مشتمل ہے۔ جموں کی آبادی ۱۹۸۱۴۳۳، کشمیر کی ۱۷۲۸۷۰۵ اور سرحدی علاقوں کی ۳۱۱۴۷۸ ہے۔

ریاست[1] جموں و کشمیر میں ۱۴ ضلعے اور ۳۳ تحصیلیں ہیں۔ اِن میں دو شہر اور ۳۶ قصبے ہیں۔ صوبہ جموں میں اضلاع جموں۔ کٹھوعہ۔ اودھم پور۔ ریاسی۔ میرپور اور پونچھ (جاگیر) ہیں۔ صوبہ کشمیر میں بارہ مولہ۔ اننت ناگ اور مظفر آباد ہیں۔ اور سرحدی علاقہ جات لداخ۔ گلگت۔ استور اور گلگت ایجنسی (ہنزا۔ ناگیر۔ پونیال۔ اشکومان۔ یاسین۔ کُلی گھنیر اور چلاس) پر مشتمل ہیں جبکہ چنہنی جاگیر اس کے علاوہ ہے۔

ضلع جموں کی چار تحصیلیں جموں۔ رنبیر سنگھ پورہ۔ سانبہ اور اکھنور ہیں۔ آبادی ۴ لاکھ ۳۱ ہزار ۳۶۲ ہے۔ ضلع کٹھوعہ کی تین تحصیلیں کٹھوعہ۔ بسوہلی اور ہیرانگر اور آبادی ایک لاکھ ۷۷ ہزار ۶۷۲ ہے۔ ضلع اُودھم پور کی پانچ تحصیلیں اُودھم پور۔ رام بن۔ بھدرواہ۔ کشتواڑ اور رام نگر اور آبادی ۲ لاکھ ۹۴ ہزار ۲۱۷ ہے۔ ضلع ریاسی کی دو تحصیلیں ریاسی اور راجوری اور آبادی ۲ لاکھ ۵۷ ہزار ۹۰۳ ہے۔ ضلع میرپور کی تین تحصیلیں بھمبر۔ کوٹلی اور میرپور اور آبادی ۳۸۶۶۵۵ ہے۔ اور پونچھ جاگیر کی چار تحصیلیں حویلی۔ سدھنوتی۔ مینڈھر اور باغ ہیں اور آبادی ۴۲۱۸۲۸ ہے۔ اِس کے علاوہ چنہنی جاگیر کی آبادی ۱۲۷۹۶ ہے۔

ضلع بارہ مولہ کی تین تحصیلیں ہندواڑہ۔ پرتاپ سنگھ پورہ اور بارہ مولہ۔ آبادی ۶ لاکھ ۱۲ ہزار ۴۲۸۔ ضلع اننت ناگ کی چار تحصیلیں سرینگر۔ اننت ناگ۔ کولگام اور پلوامہ۔ آبادی ۸۵۱۶۰۶۔ ضلع مظفر آباد کی تین تحصیلیں مظفر آباد۔ اوڑی اور کرناہ۔ آبادی ۲۶۴۶۷۱۔ ضلع لداخ کی تین تحصیلیں لداخ۔ اسکردو اور کرگل۔ آبادی ۱۹۵۲۸۲۔ ضلع استور کی آبادی ۱۷۰۲۶ ضلع گلگت کی ۲۲۴۹۵ اور گلگت ایجنسی کی ۷۶۵۲۶ آبادی ہے۔

زبانیں اور پیشہ

ریاست جموں و کشمیر میں بسنے والے عوام آرین نسل سے ہیں جن کی ۱۳ مختلف زبانیں ہیں۔ اِن میں سے عام زبانیں کشمیری۔ ڈوگری پہاڑی۔ بلتستانی اور داردی ہیں۔ اِن میں کشمیری۔ ڈوگری اور تبتی لکھی جاسکتی ہیں۔ لیکن باقی زبانیں سب بولی جاتی ہیں۔ ہندوستانی ریاست کی عام اور درباری زبان ہے جو دو گونہ رسم الخط فارسی اور دیوناگری میں لکھی پڑھی جاتی ہے۔ کشمیری زبان کی پرانی لپی شاردا ہے۔ ڈوگری زبان کی اپنی لپی ڈوگری اور دیوناگری ہے۔ کشمیری بولتے

---

[1] ریاست جموں و کشمیر کی ضلع وار آبادی ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار پر مبنی ہے۔ آج کل اِس کے چند ایک اضلاع پر پاکستان نے ناجائز تسلط کر رکھا ہے۔

والوں کی تعداد ۱۵۴۹۴۶۰ اور ڈوگری پہاڑی بولنے والوں کی تعداد ۱۶۰۶۵۹۲ ہے اور باقی آبادی دوسری زبانیں بولتی ہے۔ ریاست میں عورتوں کی کل تعداد ۱۸ لاکھ ۹۱ ہزار ۴۴۷ ہے۔ جن میں ۹۴۷۰۲۳ صوبہ جموں، ۷۹۳۹۶۷ صوبہ کشمیر اور ۵۰۷۵۴ سرحدی علاقوں میں ہے۔

ریاست جموں و کشمیر میں ۹۳ فی صد لوگ دیہات میں بستے ہیں۔ زراعت اُن کا عام پیشہ ہے۔ تقریباً ۹۰ فی صد لوگ کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں۔

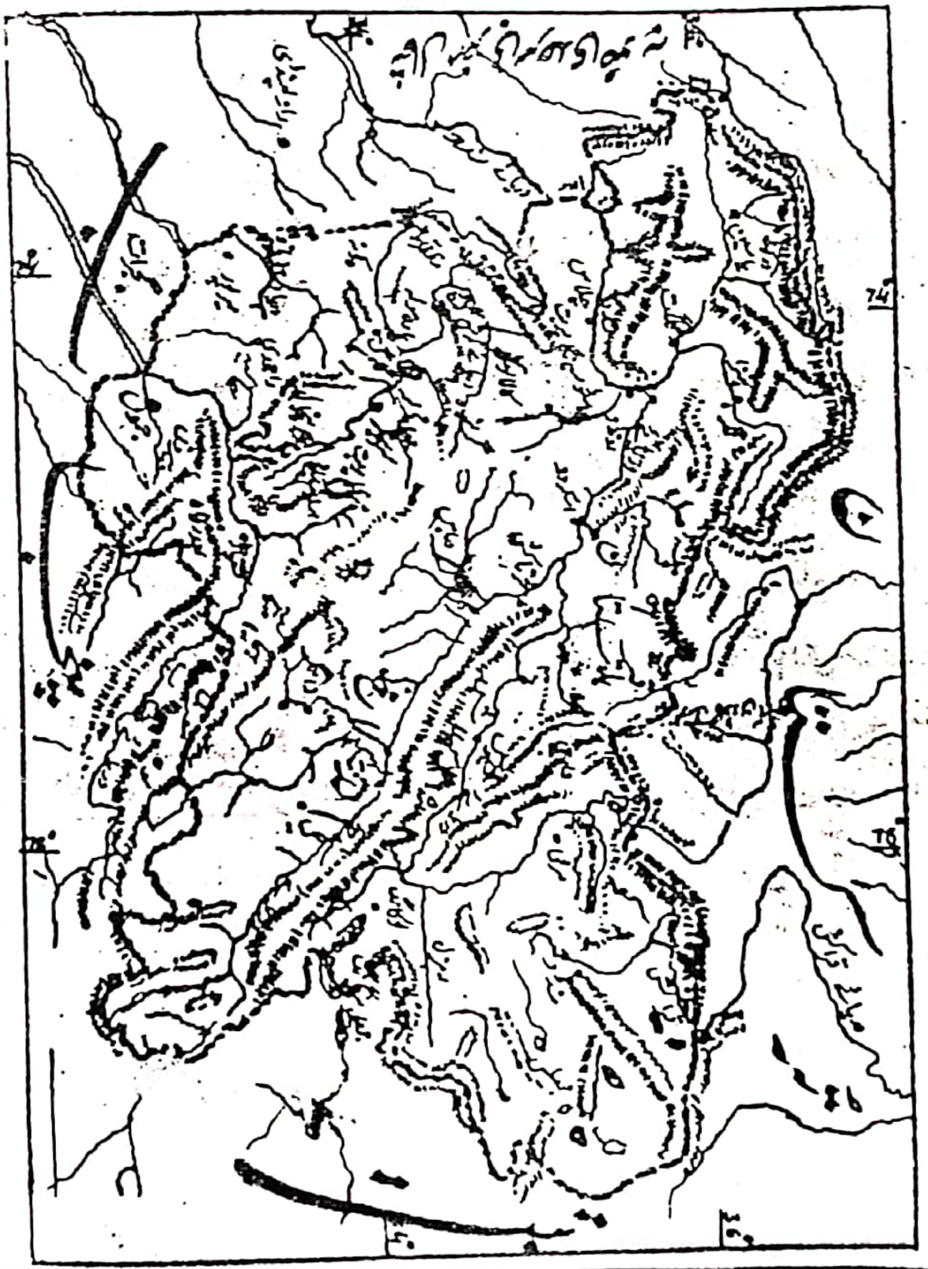

نقشہ ریاست جموں و کشمیر قبل از ۱۹۴۷ء

(۱م)

آغاز

بمطابق روایت ہندو دیو مالا سرشٹی رچنے کے لئے برہما عالم وجود میں آئے۔ اور برہما سے مریچی، آتری، انگری، پلست، پولد، کیرت، بھرگو، دکش اور وششٹ دو پتر پیدا ہوئے۔ مریچی کے ہاں کشیپ پیدا ہوا جس نے دکش پرجاپتی کی پتری آہوتی سے شادی کی مادر ان کے ہاں دیوسورن تولد ہوا جس کا دوسرا نام سورج ہے۔ اور اسی سورج کا خاندان آگے سورج ونش کے نام سے مشہور ہوا۔

قدیم کتب تاریخ رامائن، مہابھارت اور پرانوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سورج بنسی خاندان میں کئی راجے مہاراجے ہوئے جن میں مہاراجہ رگھو بڑے پرتاپی راجہ ہوئے۔ اور انہی رگھو کے نام پر سورج ونش کا دوسرا نام رگھو ونش پڑا۔ مہاراجہ رگھو سے چوتھی پیڑھی میں مہاراجہ دشرتھ ایودھیا کے حکمران ہوئے۔ جن کے ہاں وشنو بھگوان نے انسانی لباس میں رام کا اوتار لیا۔ شری رام چندر جی مہاراج کے لو اور کش دو بیٹے تھے۔ کش کے خاندان کا راج ایودھیا میں مہابھارت کے زمانہ کے بعد تک قائم رہا۔ اور اسی خاندان کا ایک راجہ برہدبل مہابھارت کی جنگ میں کوروں کا حمایتی تھا جو ارجن کے فرزند ویر ابھمنیو کے ہاتھوں مارا گیا۔ راجہ برہدبل کے مورث اعلےٰ سدرشن ایودھیا کے مہاراجہ تھے۔ اس کے ہاں دو بیٹے اگنی برن اور اگنی گر پیدا ہوئے۔ مہاراجہ سدرشن کی وفات پر بڑا بیٹا اگنی برن تخت نشین ہوا لیکن دونوں بھائیوں کی کشمکش اور نزاع بڑھتی گئی۔ اگنی برن مزاج کا سخت تھا اور اس کی سختیوں کے خلاف چھوٹا بھائی اگنی گر ناراض ہو کر سادھو ہو گیا۔ اور ایودھیا سے گنگا کے کنارے آ کر گوشہ نشین ہوا۔ چند ایک سال گوشہ نشینی میں گزرے تو اس تنہائی کی زندگی سے بھی تنگ آ گیا۔ اور سادھوؤں کے ایک قافلہ کے ساتھ پنجاب کی طرف چلا آیا۔ اور کوہستان شوالک کی مرکزی راجدھانی کانگڑہ میں پہنچا۔ اگنی گر عین عالم شباب میں تھا۔ راجہ کا بیٹا تھا لیکن فقیری بانا پہنا ہوا تھا۔ اس کے تیج اور تپ کو دیکھ کر لوگوں نے اسے راج رشی کے نام سے مشہور کر دیا۔ ہوتے ہوتے راج رشی کی خبر راج دربار میں بھی پہنچ گئی اور راجہ کانگڑہ (نگرکوٹ) نے اگنی گر کو

دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ چنانچہ دونوں کی ملاقات ہوئی اور راجہ نے اُس کا حسب و نسب دریافت کیا کہ اس طور جوانی میں یوگ لینے کا کیا مطلب؟ اگنی گر نے اپنی ساری داستان راجہ کانگڑہ کو سُنائی۔ اور راجہ کو یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ اگنی گر سورج بنسی خاندان کا روشن چراغ ہے۔ اور مہاراجہ ایودھیا کا راجکمار ہے جو اپنے بڑے بھائی کی سختیوں سے تنگ آ کر راج پاٹ تیاگ کر کے جوگ آیا ہے۔ راجہ کانگڑہ کی بیٹی بر پرایت تھی۔ اُس نے اگنی گر کو اپنی راجکماری بیاہ دی اور جہیز میں بہت سا علاقہ دے دیا۔ لیکن اگنی گر کو وہاں بھی چین نہ آیا۔ کانگڑہ راج کی اُس زمانہ میں دریائے راوی تک حد تھی۔ دو سال کے بعد اگنی گر نے کانگڑہ سے چل کر دریائے راوی کو پار کیا۔ اور کٹھوعہ کے چند ایک دیہات پر قبضہ کر کے خود مختار ریاست بنالی۔ اور کئی ایک برس راج کرنے کے بعد راہی ملک بقا ہوا۔

اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا بایو شرب حکمران ہوا جو کہ اپنی بہادری اور تدبر میں یکتائے زمانہ تھا۔ اُس نے علاقہ پڑول (کٹھوعہ) کے ایک راجپوت سردار کی لڑکی سے شادی کی۔ رانی کا نام ایراں دیوی تھا لیکن رانی کی زندگی نے وفا نہ کی۔ راجہ بایو شرب کو رانی کے پرلوک سدھارنے کا بے حد صدمہ ہوا۔ اُس نے ایراں وتی کی یاد میں ایراپتی نگر آباد کیا جسے آج کل ایرواں کہا جاتا ہے۔ ایرواں میں رانی ایراں وتی کی سمادھی آج بھی موجود ہے۔ اس سمادھی پر ہر سال بیساکھی کا میلہ لگتا ہے۔ اور دُور دُور سے لوگ میلے میں آ کر شامل ہوتے ہیں۔ آج بھی ایرواں میں پُرانے شہر ایراپتی کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ راجہ بایو شرب نے اپنے زورِ بازو سے دریائے اُوجھ تک اپنے راج کی حدود قائم کیں۔ اور جب اُس کا انتقال ہوا تو اپنے پیچھے خود مختار ریاست چھوڑ گیا۔

راجہ بایو شرب کے بعد اُس کا بیٹا پرمتر تخت نشین ہوا جس نے کافی دیر حکومت کی۔ اُس نے خاندان راٹھور میں بیاہ کیا تھا۔ اُس کا بیٹا پورن دیو ہوا جس نے بلاس پور کے راجہ کی راجکماری سے شادی کی تھی۔ اُس کا بیٹا راجہ لاکھو دیو ہوا۔ اس نے نیتی تال کی راجکماری سے بیاہ کیا۔ اُس کا بیٹا کھیات جوسن ہوا۔ اس راجہ نے پنجاب اور ہندوستان میں کئی مہمیں سر کیں اور مرہٹہ خاندان میں بیاہ کیا۔ اُس کا بیٹا اگنی گرب ثانی ہوا جو کہ بڑا شہزور اور بہادر حکمران ہو گزرا ہے۔ اس نے راجگان چندیل کی دو راجکماریوں سے شادی کی اور ایک شادی خاندان راٹھور میں ہوئی۔ راجہ اگنی گرب ثانی کے اٹھارہ پتر پیدا ہوئے۔ اس نے اپنے

بہادر بیٹوں کی امداد سے اپنے راج کو بہت زیادہ وسعت دی اور دریائے توی کے پار تک علاقے اپنے قبضہ میں کر لئے۔ راجہ اگنی گرب کی وفات کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ باہو لوچن حکمران ہوا۔ اس نے ایرواں سے اٹھ کر اپنے نام پر دریائے توی کے کنارے (بالمقابل موجودہ شہر جموں) قلعہ باہو بنوایا اور اپنے نام پر باہو نگر آباد کیا۔ اس نگر کو پہلے دھارا نگری کہتے تھے۔ یہ دھارا نگری صدیوں قائم رہی۔ آج بھی اس جنگل کا نام دھارا نگری مشہور ہے اور قلعہ باہو اپنی پراچین عظمت کی شہادت دے رہا ہے۔

راجہ باہو لوچن اپنے وقت کا ایک بڑا شہ زور حکمران ہو گزرا ہے۔ راجہ چندر ہاس والئی پنجاب سے سرحدی جھگڑوں کی بنا پر لڑائی ہو گئی اور گھمسان کی جنگ میں باہو لوچن مارا گیا اور اُس کی رانی پانچالی جو کہ راجہ سرہند کی بیٹی تھی، راجہ کی چتا میں کود کر ستی ہو گئی۔

جموں کیسے آباد ہوا

راجہ باہو لوچن لاولد تھا۔ اس لئے باہو کی ریاست اُس کے چھوٹے بھائی جامبو لوچن کو مل گئی۔ راجہ جامبو لوچن نے اپنے بڑے بھائی راجہ باہو لوچن کے خون کا بدلہ راجہ چندر ہاس سے لے کر پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ دریائے توی کے اس پار یعنی جموں شہر کی طرف کا سارا علاقہ اُس زمانہ میں لق و دق جنگل تھا اور جنگلی جانوروں کا مسکن تھا۔ ایک دن راجہ جامبو لوچن بغرض شکار اس ویرانہ میں آیا اور شکار کی گھات میں بیٹھا تھا کہ اچانک اُس کی نظر ایک تالاب پر پڑی جہاں کہ ایک طرف شیر اور ساتھ ہی چند قدم کے فاصلہ پر بکری پانی پی رہے تھے بکری کو شیر کا کوئی خوف نہ تھا۔ شیر اور بکری پانی پی کر اپنی اپنی راہ ہو لئے

یہ نظارہ دیکھ کر راجہ جامبو لوچن کو شکار کا خیال بھول گیا۔ وہ تالاب پر آیا اور اپنے ہمراہیوں کو بلا کر حکم دیا کہ یہ جگہ بے حد امن و امان کی ہے جہاں کہ شیر اور بکری بغیر کسی خوف اور طمع کے ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں۔ میں یہاں اپنا محل بنوانا چاہتا ہوں اور ایک نگر آباد کروں گا۔ چنانچہ راجہ جامبو لوچن نے جنگل صاف کرا کے اپنے نام پر جامبو نگر آباد کیا اور محلات تعمیر کرائے۔ بعد میں تغیر زبان اور کثرت استعمال سے یہی جامبو نگر "جموں" کے نام سے مشہور ہوا اور آج تک یہی نام چلا آرہا ہے۔

راجہ جامبو لوچن نے راجہ شلیہ کوٹ (سیالکوٹ) کی پتری بیاہی تھی جس کے بطن سے

راجہ پُورن کرن ہوا جس نے کہ اپنی راجدھانی پائیہ سے اُٹھا کر جموں قائم کی۔ اور یہ جموں کا پہلا راجہ مشہور ہوا۔

راجہ پُورن کرن کے دو بیٹے دیا کرن اور دھرم کرن تھے کہا جاتا ہے کہ اُس زمانہ میں کشمیر میں طوائف الملوکی کا دَور دَورہ تھا اور سخت ابتری پھیل چکی تھی۔ کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی کشمیر کے سرکردہ لوگوں نے راجہ پُورن کرن سے درخواست کی کہ وہ کشمیر کا راج سنبھال کر وہاں امن و امان قائم کریں تاکہ جنتا آرام کا سانس لے سکے اور امن و انصاف اُنہیں مل سکے۔ چنانچہ "گلاب نامہ" میں لکھا ہے اور تاریخ "راج ترنگنی" بھی اس اجمال کی شاہد ہے :-

"در تواریخ کشمیر مذکور است کہ در ابتدائے در کشمیر برہمناں ریاضت در یکساں صفت اندیشہ بود و باش می کردند۔ چوں از مخالفت طبائع عوام الناس دانستند۔ سررشتہ انتقام و استیناس انام بے مدبر یکہ فرمانفرما باشد را بانمے گیرد۔ پس پیش راجہ جموں کہ بعدل مشہور بود درخواستند کہ خلعت خود را بنا بر حکومت کشمیر تعین کنند۔"

راجہ پُورن کرن نے پہلے تو لیت ولعل کی۔ لیکن بعد میں مجبور ہو کر اپنے بڑے بیٹے دیا کرن کو بادل نخواستہ کشمیر بھیج دیا۔ جس نے کشمیر کی اقوام کو مسخر کیا اور طوائف الملوکی کو ختم کر کے لوگوں کو امن و امان کی حکومت دی اور ملحقہ کوہستانی راجگان کو اپنے مطیع کر لیا۔ دیا کرن کی اولاد نے پچپن پُشت کشمیر کا راج کیا۔

۵۵ پُشت کشمیر میں ڈوگرہ خاندان جموال کے راج کرنے کے بارے میں مورخین کو اختلاف سا ہے۔ مولوی حشمت اللہ مورخ "تاریخ جموں" نے اسے صرف تین پُشت تک محدود کیا ہے۔ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ نے ۵۵ پُشت لکھا ہے۔ اسی طرح "گلاب نامہ" میں بھی درج ہے مولوی حشمت اللہ اپنی تاریخ میں رقمطراز ہے کہ "ڈوگرہ حکومت صرف تین پُشت یعنی ۵۵ سال قائم رہی اور اُس کا خاتمہ ہو گیا۔ اور آخری راجہ سوم دت کی وفات کے ایک ہزار سال بعد کشمیر کی حکومت پھر خاندان جموں یعنی ڈوگروں کے ہاتھ آ گئی۔ لیکن اس مرتبہ بھی انقلاب زمانہ نے ۵۵ ہی کے بعد اس خاندان کو کشمیر سے رخصت کر دیا۔ تفصیل اس واقعہ کی اس طرح ہے کہ اسی راجہ دیا کرن کی اولاد میں سے گھمو کرن نام کے ایک انقلاب زدہ آدمی کو رؤسائے کشمیر نے اپنا راجہ تسلیم کیا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا پرہلاد راجہ کشمیر رہا۔ اس کے بعد اُس کا وزیر راجہ بن گیا۔

جس پر اِس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا"۔ مولوی حشمت اللہ نے آگے جا کر لکھا ہے کہ یہ تحقیق نہیں ہوسکا کہ ڈوگروں کے کرن سے راجہ کے زمانہ کا یہ واقعہ ہے"۔

تاریخ "راج ترنگنی" کے مصنف پنڈت کلہن اور "تاریخ راجگان جموال" کے مصنف ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ کے بھی اِس تعلق میں علیحدہ علیحدہ بیان ہیں۔ اور ان مورخین نے بھی ڈوگروں کی کشمیر پر حکومت کے متعلق کوئی خاص وضاحت یا تحقیق سے کام لیا معلوم نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ راجہ دیا کرن سے لے کر راجہ پرہلاد تک ۵۵ پُشت شمار کی گئی ہوں اور عرصہ ۱۸۰۰ سال میں کشمیر کئی ایک انقلابات سے دوچار ہوا ہو اور بیچ میں ڈوگرہ حکومت کا سلسلہ کٹ کر کسی دُوسرے خاندان سے وابستہ ہوگیا ہو۔ بہرکیف ڈوگروں نے کشمیر پر حکومت کی ـــــــ اور اِس واقعہ کو اِس لئے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ جموں کا ڈوگرہ شاہی خاندان جموال ہی جموں کشمیر کا قدیمی حکمران ہے۔ اور جو رشتہ جموں اور کشمیر کا راجہ دیا کرن کے آخری جانشین راجہ پرہلاد سے ٹوٹا تھا وُہ پھر سنہ ۱۸۴۶ء میں دوبارہ قائم ہوکر ۱۹۴۷ء تک چلتا رہا۔ اور جو ڈوگرہ خاندان جموال کے آخری مہاراجہ ہری سنگھ کے وقت میں ہندوستان کے انگریزوں کی غلامی سے نجات پاتے ہی ختم ہوگیا۔

راجہ پوُرن کرن کے بعد اُس کا چھوٹا بیٹا دھرم کرن جموں کا راجہ ہوا۔ اِس نے سندھو گل راج ونش میں بیاہ کیا۔ اُس کا بیٹا راجہ کیرت کرن تھا جس نے مارواڑ کی راج دُلاری بیاہی تھی۔ اُس کا بیٹا راجہ اگنی کرن ہوا۔ اور گڑھ رنتھمبور کے راجہ چوہان کی بیٹی سے شادی کی۔ اِس

راجہ شکتی کرن

کا فرزند راجہ شکتی کرن ہوا۔ یہ راجہ سنسکرت کا وِدوان تھا۔ اِس نے شاستر کے مطابق جموں میں آئینی حکومت کی۔ اسی لئے یہ راجہ شاستری کے نام سے مشہور ہوا۔ اِس نے پانہال پیر تک اپنی حکومت کو وسعت دی۔ اور ڈوگری رسم الخط بھی رائج کیا۔ اسی راجہ کا شاستری سمت بھی چلتا رہا۔

Stamped with Sidh

راجہ شکتی کرن کا عہد ایسا گزرا ہے جہاں سے تہذیب و تمدن کی کچھ جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اِس راجہ نے چمبہ میں بیاہ کیا تھا۔ اُس کا بیٹا راجہ شیو پرکاش بڑا شو بھگت تھا جس نے چندیل راجہ کی راجکماری سے شادی کی تھی۔ یہ راجہ ہمیشہ پوجا پاٹھ میں رہتا تھا۔ اس نے اپنے راج اور حکومت کی طرف پوری توجہ نہ دیتا تھا۔ نتیجۃً سیالکوٹ کے راجہ نے جموں کے کا بہت سا حصہ اپنے زیرنگیں کر لیا۔ اِس کے بیٹے شام پرکاش نے کوہ کمائیں کے راجہ کی

پترای سے شادی کی تھی۔ شام پرکاش کے، جیوتش پرکاش اور سرب پرکاش دو راجکمار ہوئے۔ جیوتش پرکاش سے پُشپ پرکاش ہوا۔ راجہ پُشپ پرکاش نے اپنے راج کا وُہ حصہ راجہ سیالکوٹ سے واپس لے لیا جو راجہ شوپرکاش کے عہد میں چھینا گیا تھا۔ اس نے پچاس سال تک جموں پر پُورے دبدبے سے حکومت کی۔ اس کا بیٹا رتن پرکاش، اُس کا بھوشن پرکاش اُس کا برہم پرکاش یکے بعد دیگرے راجہ ہوئے۔ راجہ برہم پرکاش کے عہد حکومت میں علاقہ پنجاب میں بہت بڑا سیلاب آیا۔ دریائے ستلج سے دریائے چناب تک سارا علاقہ زیر آب آ کر ایک بڑی جھیل کا منظر پیش کرنے لگا۔ جس سے کافی تباہی ہوئی۔ اس راجہ نے پنوار خاندان میں شادی کی تھی۔ اس کا بیٹا جام پرکاش ہوا۔ اس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے کشمیر، پنجاب اور سندھ تک اپنی حکومت کو وسعت دی۔ اس کے کشور اندر اور سندر اندر المعروف سندھو دیو دو بیٹے ہوئے۔ سندھو دیو نے ملتان کے راجہ کی بیٹی بیاہی۔ کشور اندر نے سورج ونشی مانڈہ راج کی راجکماری کو اپنے عقد میں لے لیا جس سے نریندر پیدا ہوا۔ اس نے پالم پور کے کٹوچ راجہ کی بیٹی سے شادی کی۔ اُس کا برج اندر، اُس کا ہرش چندر اور اُس کا ہرنیہ کمل یکے بعد دیگرے جموں کے راجہ ہوئے۔ ہرنیہ کمل نے کانگڑہ میں شادی کی۔ اُس کا بیٹا کمل برن ہوا۔ جس نے جوناگڑھ کی راج دلاری بیاہی۔ اُس کا بیٹا دیالو برن ہوا۔ اُس نے بٹل کے بھوٹا ونشی راجہ کی بیٹی سے شادی کی۔ اُس کے تیج برن و ہیم برن دو بیٹے ہوئے۔

راجہ تیج برن

تیج برن نے پہلے باس گُنڈ پر بھیر دریائے توی کے کنارے ورُن دیوتا کی آرادھنا کی۔ اور اُس سے خاندان جموال اُس مقام کو بھیڑ دیوتا مانتے اور پوجتے ہیں۔ اس مقام پر بڑی بڑی مچھلیاں ہیں اور دریائے توی میں اس مقام پر راجگان جموال کے عہد میں مچھلیاں مارنا حکماً ممنوع ہوئیں۔ یہ راجہ لا اولاد تھا۔ اس لئے جموں کی راج گدی اُس کے چھوٹے بھائی ہیم برن کے بیٹے بلی برن کو ملی جس نے راجہ قندھار کی بیٹی بیاہی۔ اُس کا بیٹا بودھ ارجن ہوا۔

راجہ بودھ ارجن

اس راجہ بودھ ارجن کے متعلق قصہ ہے کہ اس راجہ کے دربار میں دکھن کا کوئی مصوّر آیا جس کے پاس بڑے بڑے راجوں، مہاراجوں اور اُن کی رانیوں اور راجکماریوں کی تصویریں تھیں۔ یہ تصویریں لے کر وُہ ہندوستان میں جابجا اپنے فن کے مظاہرہ کے لئے گھومتا تھا۔

اور راج درباروں سے انعامات پاتا۔ جب وہ مصوّر جموں میں پہنچا اور راجہ بودھ ارجن کو
تصویریں دکھائیں تو جموں کا جوان سال راجہ سراندیپ کی شہزادی کی خوبصورت تصویر
دیکھ کر مبہوت ہو گیا۔ اور راج پاٹ اپنے وزیر کے سپرد کر کے سراندیپ کی تیاری کر لی
گئی۔ اور منزلیں طے کرتا کئی مہینوں کے بعد سراندیپ جا پہنچا اور اپنی آمد کی خبر سراندیپ کے
راجہ تک پہنچائی۔ راجہ سراندیپ نے جب سُنا کہ ڈوگرہ دیس کی جموں ریاست کا کوئی نوجوان
راجکمار میری راجکماری کا ناطہ اپنے لئے طلب کرنے آیا ہے تو وُہ بے حد برافروختہ ہُوا۔
لیکن راج محل کی رانیوں اور خود راجکماری نے راجہ بودھ ارجن کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔
اور اپنے راجہ کو خواہ مخواہ کی ناراضگی سے باز رکھا۔ اور جب بیرون راج محل بودھ ارجن
ڈیوڑھی پر پہنچا، رانیاں جھروکوں سے دیکھ رہی تھیں۔ راجکماری جس کے عشق میں راجہ
جموں گرفتار ہو کر اتنی مسافت طے کر کے پہنچا تھا، دیکھتے ہی پکار اُٹھی کہ میرا تو یہی جیون ساتھی
ہے۔ مَیں نے اسے کئی بار سپنے میں دیکھا ہے۔ اس طرح راجہ بودھ ارجن سراندیپ کی
شہزادی کو ڈولا لے کر باجوں سازوں کے ساتھ جموں واپس پہنچا۔ اس رانی کے بطن سے
کمل ناتھ پیدا ہُوا جس نے بنگال کے راجہ منگل سین کی بیٹی سے بیاہ کیا۔ اُس سے بجر بلبھ اور
سمندر بلبھ دو بیٹے ہوئے۔ بجر بلبھ کا بیٹا شِو بلبھ، اُس کے کلیج بلبھ اور کمل بلبھ ہوئے۔
اوّل الذکر دورانِ جنگ ستدھ مارا گیا۔ اس لئے راج گدی کمل بلبھ کو حاصل ہوئی۔ اُس نے
چندیل ونش میں بیاہ کیا۔ اس کا بیٹا راج بلبھ ہُوا جس نے خاندانِ راٹھور میں بیاہ کیا۔ اُس
کے ہرم بلبھ و ہیم بلبھ دو بیٹے ہوئے۔ ہرم بلبھ نے بیجا پور میں بیاہ کیا جس سے راج بلبھ
پیدا ہُوا۔ اس کے عہد میں راجہ منگل چند کٹوچ والئ کانگڑہ نے جموں پر حملہ کیا۔ اس جنگ
میں راجہ راج بلبھ کام آیا اور اُس کی رانی جو کہ خاندان پڑھیار سے تھی، اُس کے ساتھ ستی ہو
گئی۔ یہ راجہ لا ولد تھا۔ اس لئے اُس کے چچا زاد بھائی بھاگو بلبھ جو کہ ہیم بلبھ کا بیٹا تھا،
جموں کا راجہ بن گیا۔ اُس کا بیٹا سمندر جکھ، اُس کا ہرش جکھ ہُوا۔ اُس کی اولاد اپنی نالائقی
کے باعث ریاست کی حکمرانی سے محروم رہی اور راجہ بھانو جکھ کی اولاد میں سے سنگھ برن نے
اپنی حکومت قائم کی۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا مرگ برن، اُس کے بعد اُس کا بھائی دھرم برہما
راجہ ہُوا۔ اُس کا بیٹا جے کار، اُس کا دیو کار، اُس کا آدیتہ بادھ، اُس کا ابھے دت، اُس کا
[illegible] دت، اُس کا کرم دت، اُس کا کھیم دت، اُس کا [illegible] دت، اور اُس کا [illegible] دت کے بعد گیہ۔

راجہ ہوسے۔ نبھے دت چونکہ لاولد تھا، اُس کا جانشین راجہ بنبھے دت کے بھائی شام دت کا بیٹا دامودر چند قرار پایا۔ ان راجگان نے تکشلا میں راج کیا جس کے ماتحت جموں و کشمیر حتٰی کہ پنجاب کا بھی بہت زیادہ حصہ تھا۔ اُس کے بعد اُودے چند، مکھن چند، سمندر بھوکھن، جگت سنگھ، بھاگت سنگھ المعروف شکتی بھوکھن، گجے سنگھ، اجے سنگھ، دیو گپت، رام گپت، چندر گپت، نندی گپت سلسلہ وار راج کرتے رہے۔ اُن کی راجدھانی تکشلا میں تھی۔ چند ایک مورخین نے بغیر کسی تحقیق کے انہیں مختلف خاندان لکھ کر تاریخ کو خلط ملط کیا۔ درا صل ان راجگان میں سے چند ایک شہ زور راجے براستہ کشمیر قندھار تک پہنچے۔ اس لئے ان کے مختلف خاندان ظاہر کئے گئے۔ Taxila

نندی گپت کا بیٹا آذر راؤ تھا۔ اُس کا دیپہ راؤ ہوا۔ یہ راجہ واپس جموں آیا۔ اُس نے اپنے بیٹے کند ھرپ رائے کی شادی خاندان سلیریا میں بمقام سملہور کی تھی اور سملہور کا الحاق جموں سے کر لیا۔ اُس کے بیٹے راجہ قدم رائے نے کانگڑہ میں راجگان کٹوچ کے ہاں شادی کی۔ اُس کا کرم رائے ہوا۔ اُس کا کبیر رائے۔ اُس کا کھنکھر رائے۔ اُس کا سُندر رائے۔ اُس کا جگت رائے۔ اُس کا سندھو راؤ تھا جس نے سرمور میں بیاہ کیا اور رانی سرموری سے جگت رائے پیدا ہوا۔ اُس کا دُوذ راؤ تھا جس نے قنوج کے راجہ کی راجکماری بیاہی۔ اُس کا فرزند جوگ راؤ ہوا۔ بقول بہارستان و تاریخ سیالکوٹ اس راجہ کا زمانہ ۳۱۷ء کے قریب بتلایا جاتا ہے۔ اُس نے ریاست رام پور کے چوہان کُل میں بیاہ کیا۔ اُس کے ملن ہنس اور سورج ہنس دو راجکمار ہوئے۔ راجہ ملن ہنس بڑا طاقتور تھا۔ اُس کی بہت زیادہ اولاد ہوئی۔ اُس نے اپنے ہر ایک بیٹے کو جاگیر دی۔ اُس نے سیالکوٹ میں راج کیا۔ راجہ ملن ہنس کی اولاد نے برخلاف رسم و آئین راجپوتان جموال کھیتی باڑی کا کام شروع کیا اور اپنے ہاتھ سے ہل چلایا۔ چنانچہ اُس کی اولاد مواضعات پرگوال، چیراڑ اور کھنب میں آباد ہو گئی اور ملن ہنس اپنے بزرگ کے نام سے منہاس کہلائی۔ پرگوال اور کھنب تحصیل اکھنور کے نزدیک ہندوستان میں اور چیراڑ پاکستان کی تحصیل سیالکوٹ میں ہے۔ پاکستان بننے کے بعد چیراڑ کا خاندان منہاس اور دُوسرے ہندو نقل مکانی کر کے جموں شہر کے نزدیک یا پنجاب کے اضلاع ہوشیار پور اور گورداسپور میں جہاں کہ اُنہیں اراضیات الاٹ ہوئیں چلے گئے۔ 317 A.D.

تو راجہ سورج ہنس نے جموں کا راج کیا۔ اُس کا بیٹا گنگا دھر، اُس کا دیولا دھر اور

583 AD

سرکھیلا دھر نے ایک دوسرے کے بعد راج کیا۔

پیر روشن شاہ ولی

Peer Roshan Shah Wali

راجہ سرکھیلا دھر ایک دھرماتما راجہ ہو گزرا ہے۔ اُس کا زمانہ ۵۸۳ء کے قریب بتایا جاتا ہے۔ اسی راجہ کے عہدِ حکومت میں پہلا عرب فقیر جموں میں آیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس فقیر کا نام پیر روشن شاہ ولی تھا جو کہ عرب سے سیر کر سیاحت کرتا ہوا جموں میں پہنچا جو کہ صاحبِ کرامات تھا۔ اور جموں میں آکر گمٹ پہاڑی کے اُوپر جنگل میں اپنا ڈیرہ لگا دیا۔ راجہ سرکھیلا دھر کا اس فقیر کے پاس روزانہ جانے کا معمول رہا۔ اور اُس کی خدمت کرتا رہا۔ پیر روشن شاہ ولی مدت تک گمٹ میں رہا۔ اور جب اُس کا آخری وقت پہنچا تو اُس نے راجہ کو بلا کر کہا کہ تمہارا راج اٹل ہے۔ تھوڑے دنوں تک مسلمانوں کا لشکر ہندوستان کی تسخیر کے لئے آئے گا۔ لیکن اس سے جموں راجدھانی کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ یہ کہہ کر فقیر چل بسا۔ راجہ نے عقیدت کے طور اُس کا مزار بنایا جو کہ آج تک جموں میں گمٹ گیٹ کے نزدیک موجود ہے۔ اور زائرین اس کی زیارت کرتے ہیں۔ بلا تمیز مذہب و ملت پیر روشن شاہ ولی کے مزار پر لوگ منتیں مانتے ہیں اور ہر جمعرات کو چراغ روشن کرتے ہیں۔ اس پیر کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا قدآور تھا اور نوگزے پیر کے نام سے مشہور تھا۔ جموں میں اور آس پاس ہر جگہ اُسے اُس کے اصلی نام کی بجائے پیر نوگزے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ راجہ سرکھیلا دھر نے پیر کا مقبرہ پتھروں اور مٹی کا بنوایا اور اس کی سرکاری طور پر باقاعدہ نگہداشت رکھنے کے احکام جاری کئے۔ اور یہ مقبرہ صدیوں دارالمقدس خانہ کے طور پیروں فقیروں کی قیام گاہ رہا۔ جب مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنے عہد میں مندروں اور دیو استھانوں کی تعمیر محکمہ دھرم ارتھ کے ذریعہ کرائی تو پیر روشن شاہ ولی کے مزار کو بھی پختہ بنایا گیا اور اس کی نگہداشت مسلمان مجاوروں کے سپرد کر دی۔ اس مزار کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی گئی۔ آج کل یہ مزار مسلم اوقاف کمیٹی جموں کی سرپرستی میں ہے۔

ایک ہندی تحریر میں بزبان ڈوگری لکھا ہے کہ راجہ سرکھیلا دھر پیر روشن شاہ ولی کا بےحد عقیدت مند تھا۔ اس راجہ نے پچاس سال راج کر کے ۶۱۶ء میں وفات پائی۔
16 اُس کا بیٹا راجہ کیرتی دھر ہوا جس نے راجہ کاہلور کی راجکماری سے شادی کی اور ساٹھ سال راج کرنے کے بعد اس جہان سے رحلت کی۔ اُس کا راجہ اجے دھر ہوا۔ اُس نے کوہستان کانگڑہ کے ایک راجہ سونکا ہلا خاندان ... شادی کی اور ۵۹ سال حکومت کی ... کیا

راجہ نیجے دھر ہوا۔ اُس کا بجر لادھر ہوا جس نے پالم پور کے خاندان کٹوچ میں شادی کی اور ۵۳ سال راج کرنے کے بعد ۷۳۸ئہ میں پران دیئے۔ اُس کا بیٹا سورج دیو ہوا جس نے ۷۲ سال حکومت کی۔ اُس کا راجہ بھوج دیو ہوا۔ اس نے راجہ بنگال کی راجکماری رُوپ وتی سے شادی کی۔ راجہ اور رانی کی خوبصورتی کا چرچا مُدتوں تک چاردانگ عالم رہا۔ تاریخ چمبہ میں لکھا ہے کہ ۸۳۰ئہ میں راجہ بھوج دیو نے بامداد راجہ سوم پال سومبہٹر یا والئی سُمرتہ (تحصیل بسوہلی) ریاست چمبہ پر فوج کشی کی۔ لیکن راجگان بسوہلی اور نورپور (کانگڑہ) نے جب کہ فوجیں آمنے سامنے دریائے راوی کے پار کھڑی تھیں، آپس میں صُلح کرادی۔ راجہ جے پال والئ پنجاب سے راجہ بھوج دیو جموال نے پگڑی بدل کر دوستی کی تھی۔ اور دونوں راجوں کی بے حد محبت تھی۔ راجہ بھوج دیو بے حد دُور اندیش اور صاحبِ تدبیر راجہ تھا۔ اس کی رانی رُوپ وتی جتنی خوبصورت تھی اُتنی صاحبِ سیرت بھی تھی۔ وُہ اکثر راجہ بھوج دیو کے ساتھ زبردست

سبکتگین کا پنجاب پر حملہ

معرکوں میں ساتھ رہتی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب ۹۷۵ئہ میں ناصر الدین سُبکتگین نے غزنی سے اُٹھ کر ایک لشکر جرار کے ساتھ پنجاب پر حملہ کیا تو مہاراجہ جے پال نے اس حملہ کا مُنہ توڑ جواب دیا۔ راجہ بھوج دیو والئ جموں اپنے بیٹے اوتار دیو کو جموں کا راج سپرد کر کے ڈوگروں کی ایک بھاری جمعیت کے ساتھ میدان جنگ میں آکُودا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ڈوگرہ شُور بیروں کی جانبازی نے میدان جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور سُبکتگین کو صُلح کا جھنڈا بلند کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن اس محاذ پر ڈوگرہ نریش بھوج دیو حقِ دوستی ادا کرتا ہوا قربان ہو گیا۔

محمود غزنوی کا حملہ

مہاراجہ جے پال نے اپنے دوست راجہ بھوج دیو کے سپُتر راجہ اوتار دیو کو اپنے فرزندوں میں شمار کیا اور پنجاب اور جموں کے تعلقات یگانگت بڑھتے گئے۔ کہ سنہ ۱۰۰۱ئہ میں سلطان محمود غزنوی نے تسخیر ہندوستان کا ارادہ کیا اور براستہ پنجاب چڑھ دوڑا۔ مہاراجہ جے پال نے اُس کا راستہ روک لیا اور زبردست جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں جموں کی طرف سے راجہ اوتار دیو نے اپنے چھوٹے بھائی راجہ پہلاد دیو کو ایک زبردست فوج دے کر مہاراجہ جے پال کی امداد کو بھیجا۔ لیکن راجہ پہلاد دیو اور مہاراجہ جے پال دونوں اس جنگ میں مارے گئے اور سلطان محمود کے لئے ہندوستان کا راستہ کھل گیا۔ مہاراجہ جے پال کا بیٹا آنند پال جموں میں آکر مدتوں پناہ گزیں

رہا۔ اور اپنی بہن کی شادی راجہ اوتار دیو سے کردی۔ جس سے راجہ جس دیو ہوا۔

راجدھانی جسروٹہ

راجہ اوتار دیو نے ۱۰۱۹ء میں وفات پائی۔ اُس کے بعد راجہ جس دیو جموں کے تخت پر بیٹھا۔ اِس راجہ نے جموں سے ۴۵ میل مشرق دریائے اُوجھ کے کنارے اپنے نام پر ایک نگر جسروٹہ آباد کیا۔ جس کا محل وقوع بالکل جموں شہر کا تھا۔ جسروٹہ کا راج راجہ جس دیو نے اپنے چچا راجہ کرن دیو کو دے دیا جس کی اولاد جسروٹیہ مشہور ہوئی۔

805

رامکوٹ کی راجدھانی

ایک ہندی اتہاس میں لکھا ہے کہ راجہ بجرلادھر نے ۸۰۵ء میں بنیڑھ نام کا ایک قصبہ جموں سے شمال مشرق علاقہ پہاڑ (آج کل تحصیل بسوہلی) میں آباد کیا۔ اور اُس کے بعد راجہ بھوج دیو کے بڑے بیٹے کھرن دیو نے اپنی حکومت کو بنیڑھ سے سروئیں سر اور مانسر تک وُسعت دی۔ اور ایک علیحدہ ریاست ببر گڑھ یا بباپور نام سے قائم کی۔ آج کل تھلوڑہ کے قریب نھار اُدھم پور روڈ پر موضع منوال میں جو پُرانے مندروں۔ باؤلیوں کے نشانات ملتے ہیں، یہ اُسی ریاست کی عظمت کے کھنڈرات ہیں محکمہ آرکیالوجی ریاست اور ہند سرکار نے اس تعلق میں ریسرچ بھی کی ہے۔ راجہ کھرن دیو نے ببر ریاست کی راجدھانی بنیڑھ کا نام بدل کر منتی پور رکھا۔ لیکن بعد میں جب راجہ کھرن دیو کا پوتا راجہ مانک دیو تخت نشین ہوا تو اُس نے تالاب منتر کے کنارے ایک عالیشان قلعہ تعمیر کیا اور اپنی ریاست کی راجدھانی مانکوٹ قائم کی۔ جو بدل کر منکوٹ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اِس لئے راجہ مانک دیو کا خاندان منکوٹیہ راجپوت کہلایا۔ 1825 جب ۱۸۲۵ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے منکوٹ پر قبضہ کر کے اِس ریاست کو راجہ سوچیت سنگھ کو دے دیا تو اِس کا نام رامکوٹ بدل دیا۔ اب یہ رامکوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اِس راجدھانی اور خاندان کا حال کسی علیحدہ باب میں درج ہے۔

راجہ جس دیو والیٔ جموں نے راجہ سرمور کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اُس نے ۴۴ سال راج کر کے پران دئے۔ اور راجہ سنگرام دیو نے حکومت سنبھالی۔ اِس کا بیاہ راجہ گلیر کے ہاں ہوا تھا۔ اِس نے ۴۱ سال حکومت کی۔ اُس کا بیٹا لیسکر دیو ہوا جس کو چکدیو یا چکردھ بھی کہتے ہیں۔ راج ترنگنی میں اس راجہ کا نام بجردھر لکھا ہے۔

رانی پرملیشری کا تپ

راجہ بجردھر نے ۱۰۹۴ء میں جموں کی حکومت پائی۔ اِس 1094

راجہ کی فوجی طاقت کا شہرہ پنجاب اور دلی تک پہنچا تھا۔ اس نے جموں راج کو بہت وسعت دی۔ اس نے جموں کے آس پاس ہی رکوال خاندان میں شادی کی۔ اس رانی کا نام پرمیشری تھا۔ پھر اُسے دہلی کے آخری راجہ اننگ پال کی راجکماری سے شادی کا پیغام ملا۔ اور اُس نے نہایت دھوم دھام سے یہ شادی کی۔ لیکن راجہ نے اپنی پٹ رانی پرمیشری سے قطع تعلق کرلیا۔ پرمیشری پتی برتا دیوی تھی۔ وہ راجہ سے دُور دوسرے محل میں رہنے لگی۔ اُس کے پتی برت دھرم کے متعلق آج بھی لوک گیت اور لوک کہانیاں زبان زد عام ہیں۔ رانی اپنے راجہ کے تصور میں مگن رہتی اور اُس کی پوشاک سامنے رکھ کر صبح شام پُوجا کرتی۔ راجہ بجر دھر نے کئی برس حکومت کرنے کے بعد تیرتھ یاترا کی تیاری کی۔ اور پہلے سوامی جگن ناتھ کے درشنوں کے لئے عزم کیا۔ انتظامات روانگی مکمل کئے گئے۔ اور جس دن صبح تیرتھ یاترا کو روانہ ہونا تھا، اُس رات اُسے خواب میں سوامی جگن ناتھ کے درشن ہوئے جنھوں نے راجہ بجر دھر کو رانی پرمیشری سے لاپرواہ رہنے پر بہت سخت سُست کہا۔ کہ جس کے گھر میں رانی پرمیشری جیسی پتی برتا استری ہو، اُسے کسی بھی تیرتھ یاترا کی ضرورت نہیں۔ اگر تم نے میرے درشنوں کو آنا ہی ہے تو جب تک پرمیشری جیسی پتی برتا رانی تمہارے ساتھ نہ ہوگی، تمہیں درشن نہیں ہوں گے۔ راجہ کی آنکھ کھُل گئی۔ وُہ بے حد پریشان ہُوا اور اپنی غلطی پر پچھتانے لگا۔ چنانچہ رانی پرمیشری کو لے کر وُہ جگن ناتھ پہنچا اور کتنے ہی دن وہاں قیام کیا اور صبح شام جگن ناتھ کی پُوجا اور آرتی اُتارتے رہے۔ رانی پرمیشری دیوی نے جگن ناتھ مندر میں ہی سمادھی لے لی۔ جس کا انتم سنسکار کرکے راجہ بجر دھر واپس اپنے وطن پہنچا لیکن وُہ نہایت ملول تھا اور اِس خیال سے وہ سخت پریشانی اور ذہنی کوفت میں مبتلا رہنے لگا کہ وُہ اِس جہان سے لاولد جارہا ہے۔ اُس کا کوئی نام لیوا اور وارث خاندان نہیں ہے۔

ایک رات راجہ کو رانی پرمیشری کے خواب میں درشن ہوئے۔ اُس نے کہا کہ میرا مندر بنوا کر اُس کی باقاعدہ پُوجا کی جایا کرے تب جاکر آپ کی پریشانی دُور ہوگی اور اولاد بھی پیدا ہوگی۔ چنانچہ رانی پرمیشری دیوی کا مندر دریائے توی کے کنارے بنوایا گیا جس کی آج بھی پُوجا ہوتی ہے۔ مندر کا نام پرمیشری کا مندر مشہور ہے اور دریائے توی سے جو ڈھکی اِس مندر سے ہوتی ہوئی شہر جموں کو جاتی ہے، اُس کا نام پرمیشری کی ڈھکی مشہور ہے۔

راجگان جموں اور پرتھوی راج چوہان

راجہ ببر دھر نے ۷۰ سال حکومت کر کے ۱۱۶۴ء میں انتقال کیا۔ اس کے
1164
برج دیو اور رام دیو دو بیٹے تھے۔ برج دیو نے خاندان چوہان میں راجہ منڈل گڑھ اور راجہ آنا ساگر کی راجکماریوں سے شادیاں کیں۔ جب دہلی کے آخری مہاراجہ اننگ پال نے راج پاٹ تیاگ کر اپنے نواسے پرتھوی راج چوہان کو دہلی کا راج تلک دے دیا اور وہ تارک الدنیا ہو کر شری بدری نارائن کو چلا گیا تو برج دیو اور رام دیو دونوں مہاراجہ پرتھوی راج چوہان کے پاس پہنچے۔ آپس میں ماسی زاد بھائی ہونے کے رشتہ داری بھی تھی۔ برج دیو چوہان خاندان کا داماد تھا۔ اس لئے پرتھوی راج چوہان نے دونوں بھائیوں کا آدر سنکار کیا اور اُن کو اپنے دربار میں خاص مصاحب بنا لیا۔ راجہ برج دیو نے تیسری شادی خاندان چندیل میں کی تھی جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

جموں کے راجہ برج دیو اور رام دیو دونوں بڑے بہادر تھے۔ اور مہاراجہ پرتھوی راج چوہان کے ساتھ رہ کر انہوں نے کئی ایک معرکوں میں شجاعت دکھائی۔ تو پرتھوی راج نے کانگڑہ کی تسخیر کے لئے برج دیو کو حکم دیا۔ چنانچہ دونوں بھائیوں نے بکمال جرأت اور دانشوری کے کانگڑہ کو فتح کر کے اس کا الحاق دہلی سے کر دیا۔ لیکن پرتھوی راج نے کانگڑہ کی حکومت رام دیو کو سپرد کر دی۔ اور کانگڑہ کا بہت سا علاقہ جموں کے ساتھ ملا کر برج دیو کو دے دیا۔ پرتھوی راج راسہ میں راجہ برج دیو کی بہادری کے کارنامے نمایاں الفاظ میں لکھے ہیں۔ مہاراجہ پرتھوی راج نے جموں کے راجہ برج دیو کو ہاہوتی رائے ہمیر کی پدوی دی۔ اور اس طرح سے جموں کے راجہ کا نام ہمیر دیو یا ہمیر رائے مشہور ہو گیا۔ راجہ ہمیر دیو کی سپتری جو کہ رانی چندیل سے تھی، کا بیاہ مہاراجہ پرتھوی راج چوہان سے ہوا جس کا نام جمبوگری لکھا ہے۔ راجہ ہمیر دیو کے دو بیٹے نرسنگھ دیو اور دلمل دیو ہوئے۔ یہ دونوں مہاراجہ پرتھوی راج کے بھتیجے اپن سی کے مصاحبوں میں سے تھے۔ پرتھوی راج راسہ میں نرسنگھ دیو کو ناہر سنگھ لکھا گیا ہے۔ اور دلمل دیو کو پہاڑ سنگھ۔ کیونکہ یہ کانگڑہ پہاڑ میں پیدا ہوا تھا۔ اور برج دیو کے بھتیجے کے چھوٹے بھائی رام دیو کو نارائن دیو کہا جاتا تھا۔ اس طرح سے جموں راج کے راجوں اور دہلی کے مہاراجہ پرتھوی راج چوہان کی رشتہ داری اور تعلقات سے آپس میں واحد ہو گئے تھے۔

ایک دن پرتھوی راج چوہان کا دربار لگا تھا۔ راجپوت سردار اور امراء دربار میں بیٹھے تھے کہ بہادری کی بات چل پڑی۔ وہاں راجہ ہمیر دیو والئ جموں کی شجاعت اور بہادری کے کارناموں کی تعریف ہونے لگی۔ راجہ ہمیر دیو دربار سے غیر حاضر تھا کہ مہاراجہ پرتھوی راج چوہان کا ایک منظورِ نظر مصاحب جیت رائے پرمار نے ہمیر دیو کی تعریف کو برداشت نہ کیا اور جوش میں آکر رائے ہمیر کی شان میں سخت الفاظ کہے اور اُسے ایک کُتّے سے تشبیہہ دی۔ رائے ہمیر کو جب اپنی بے عزتی کا علم ہوا تو وُہ ناراض ہو کر بطرف کانگڑہ چلا آیا اور مہاراجہ پرتھوی راج سے تعلقات توڑ لئے کہ اُس نے اُس کی سر دربار ہتک کا کیوں کوئی نوٹس نہ لیا۔ مہاراجہ چوہان نے کافی کوشش کی کہ رائے ہمیر واپس دہلی آجائے لیکن وُہ نہ مانا۔ اور جب شہاب الدین محمد غوری نے دہلی پر دوبارہ چڑھائی کرنے کا عزم کیا تو رائے ہمیر اُس کا طرفدار بن گیا۔

مہاراجہ پرتھوی راج نے چاند رائے کوی کو کانگڑہ روانہ کیا اور خون کے رشتہ کا واسطہ دیا۔ اپنی غلطی کا پشچاتاپ بھی کیا۔ یہ بھی لکھا کہ ہمارا پچھلا کہا سُنا معاف کرو۔ اور آکر ہماری امداد کرو۔ چاند رائے کوی جب کانگڑہ پہنچا تو رائے ہمیر نے اُس کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ پرتھوی راج کا خط پڑھ کر جواب میں کہا کہ دہلی دربار میں مجھے کُتّا کہا گیا اور میری سخت ہتک کی گئی۔ کسی نے بھی اُس دریدہ دہن پرمار کو پُوچھا تک نہیں۔ ہماری خدمات کا یہ صلہ جس دربار میں ملا ہو۔ میں ہرگز وہاں جانے کے لئے تیار نہیں۔ رائے ہمیر نے یہ بھی کہا کہ میں نے محمد غوری سے نصف حصہ پنجاب کا لینا منظور کر لیا ہے اور اپنے وعدہ اور قول سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ پرتھوی راج راسہ میں لکھا ہے کہ کوی چاند نے رائے ہمیر کو منانے کے لئے بہت کوشش کی۔ آپس میں کافی سوال و جواب ہوئے لیکن رائے ہمیر اپنی بات پر اڑا رہا۔ اور دہلی جانے سے صاف انکار کر دیا۔

محمد غوری کی دہلی پر چڑھائی کی خبر رائے ہمیر کو مل چکی تھی۔ وُہ جموں۔ جسروٹہ۔ اکھنور۔ منکوٹ کے راجگان کو معہ اُن کی فوج کے جو چیدہ ڈوگرہ بہادروں پر مشتمل تھی لے کر محمد غوری کی فوج کو ملنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ دہلی میں پرتھوی راج کو جب چاند کوی نے رائے ہمیر کے ارادہ سے مطلع کیا تو اُس نے پاوس رائے پنڈیر کو فوج دے کر ہمیر رائے کو مارنے کے لئے مامور کیا۔ ہمیر رائے مُلتان کی طرف سے محمد غوری کی امداد کو جا رہا تھا۔

Scanned with CamScanner

دریائے چناب کے کنارے ہمیر رائے اور پاذس رائے پنڈیر کی زبردست ٹکر ہو گئی۔ دونوں طرف کے بہت سے بہادر اس جنگ میں کام آئے۔ اور رائے ہمیر جیت اور ہار کے فیصلے کے بغیر اپنی رہی سہی فوج کو نکال کر لے گیا۔ محمد غوری نے رائے ہمیر کا شاندار استقبال کیا۔ اور اسے فوج کا کمانڈر بنا کر پرتھوی راج پر زوردار حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنے کے لئے کہا۔ چاند رائے کوی نے اس جنگ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ کہ رائے ہمیر اور اس کی فوجوں نے پرتھوی راج کی فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ اور دہلی کی فوج کے کئی ایک سردار رائے ہمیر کی تلوار کی زد میں آکر ختم ہو گئے۔ اس جنگ میں چامنڈ رائے۔ دیو رائے بگی۔ ساکل رائے بھائی۔ پالن سنگھ لغندیار۔ بھنگ رائے راٹھور اور موریا رائے مارے گئے۔ پرتھوی راج کو اپنی فوج کی اس تباہی کا پتہ لگا تو اس نے پاذس رائے پنڈیر کو اپنے پاس بلایا اور ایک بھرپور حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ تاکید کی کہ پہلے رائے ہمیر کو مع اس کی فوج کے جو کہ سب سے آگے ہے ختم کرو۔ پھر غوری کی فوج سے ہم نپٹ لیں گے۔

پاذس رائے پنڈیر چوٹ کھائے ہوئے شیر کی مانند رائے ہمیر کی فوج پر پل پڑا اور ایسا دھاوا کیا کہ رائے ہمیر کے ہوش اڑ گئے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ رائے ہمیر (برج دیو) کا سر پاذس رائے پنڈیر نے تلوار کے ایک زبردست وار سے اڑا دیا اور اس کا بھائی نارائن دیو (رام دیو) سخت گھائل ہوا۔ ڈوگرہ فوج کو بے حد تباہی کا سامنا ہوا۔ پاذس رائے پنڈیر نے مہاراجہ پرتھوی راج کے حاضر ہو کر رائے ہمیر کا سر پیش کیا اور اس حلف کو پورا کیا جو کہ اس نے چوہان راج کے سامنے لیا تھا۔

رائے ہمیر کے مارے جانے پر محمد غوری کی فوجیں جن میں راجپوت فوجیں بہت زیادہ تھیں، نے پرتھوی راج پر حملہ کر دیا۔ راجہ چوہان نے میدان جنگ میں بے نظیر داد شجاعت دی۔ لیکن اقبال کا ستارہ نحس میں تھا۔ محمد غوری کی فوج غالب آ گئی۔ پرتھوی راج چوہان کے اکثر سردار مارے گئے اور خود چوہان زندہ پکڑا گیا۔ پر داستہ میں لکھا ہے کہ اس جنگ میں پرتھوی راج کا اپنا پتر کاہن کمار اور راجپوت رتن سنگھ۔ رائے سنگھ۔ تیج سنگھ۔ ارجن سنگھ۔ ساونت سنگھ۔ جام رائے۔ بلبھدر۔ ہر سنگھ۔ آجان باہو۔ آرج سنگھ راٹھور۔ ملین سنگھ روہیلہ۔ ولی رائے۔ یادو رائے انگری رائے۔ دیو رائے سولنگی۔ راول سمر سنگھ۔ گورو رام رائے۔ چامنڈ رائے برگ

یرٹ گو جب اور بہت سے سرداران کام آئے۔ اور دہلی کے محلات کی سینکڑوں بیرانیوں اور مہارانی سنجوگتا نے جوہر کی رسم ادا کی۔

مہاراجہ پرتھوی راج کو گرفتار کر کے غزنی لے جایا گیا۔ اور وہاں جا کر اُس کی آنکھیں نکلوا دی گئیں۔ گرفتار زنداں ہو کر مہاراجہ پرتھوی راج چوہان نے اپنے کئے ہوئے گناہوں اور غلطیوں کا جس قدر پشچاتاپ کیا ہے، اُسے کوی چاند نے پرتھوی راج راسہ میں نہایت ہی مؤثر الفاظ میں درج کیا ہے۔ پرتھوی راج چوہان اندھا ہو گیا تھا لیکن اُس کے سامنے اپنے ماضی کے تمام واقعات یکے بعد دیگرے آتے تھے۔ کیماس کا داسی کی آشنائی کی وجہ سے مروانا۔ چامنڈ رائے کو مست ہاتھی کے عوض بیڑی ڈال دینا۔ کاکا کہن کی آنکھوں پر پٹی باندھے رکھنا۔ دھیر پنڈیر کو جلا وطن کرانا۔ راج یگیہ میں پرتھوی کو دھوکہ دینا۔ ہمیر رائے کا دربار میں ترادر— غرضیکہ جتنے کم گناہ کئے تھے، وہ رہ رہ کر کے یاد آئے۔ کوی چاند رائے نے جس پیرایہ میں چوہان کی گریہ زاری لکھی ہے، اُسے پڑھ کر پتھر سے پتھر دل بھی رو اُٹھتا ہے۔ اور جو لوگ اہنکار میں آکر اپنی ہستی بھول جاتے ہیں، اُن کے لئے یہ ایک تازیانۂ عبرت ہے۔

جب یہ جنگ لڑی جا رہی تھی۔ کوی چاند رائے جالندھر میں بھگوتی کے مندر میں جاپ کر رہا تھا۔ اور چوہان راجہ کی تباہی سُن کر جب وہ دہلی آیا تو ۸۷ ہزار شلوک میں پرتھوی راج راسہ گرنتھ لکھ کر اپنے فرزند کے حوالے کیا اور خود غزنی میں جا کر اپنے مہاراجہ چوہان کو ملا۔ اور جس طریقہ سے پرتھوی راج کے تیر سے محمد غوری کو ختم کرایا اور خود اور پرتھوی راج کو شہید کرایا، اُس کا ذکر بھی پرتھوی راج راسہ میں بالوضاحت درج ہے۔ جس کا آخری حصہ چاند رائے کوی کے بیٹے جلن کوی نے مکمل کیا۔

پرتھوی راج چوہان کے بعد اُس کا بیٹا راجہ رین سی دہلی کے تخت پر بیٹھا اور اُس نے لاہور تک تمام علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ لیکن رائے ہمیر کے بیٹے راجہ نرسنگھ دیو والیٔ جموں نے شہاب الدین محمد غوری کے پس ماندگان کی امداد کی۔ اور مسلمانوں کا ایک بھاری حملہ دہلی پر ہوا جس میں چوہان خاندان کے امدادی باقی ماندہ تبیلیوں سردار اس جنگ میں مارے گئے۔ پرتھوی راج راسہ میں درج ہے کہ اس طرح دہلی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ راجہ نرسنگھ دیو والیٔ جموں نے پنجاب کا بہت سا حصہ جموں راج سے ملا

لیا۔ اس راجہ نے پنوار خاندان میں شادی کی۔ اور اُس کے تین بیٹے ارجن دیو، سیدو اور جھنگا دیو ہوئے۔ مؤخر الذکر دونوں بھائیوں کی اولاد منہاس راجپوت کہلائی۔ جن کی اولاد پرگنہ جنڈیال اور سمبا بجنہ میں آباد ہے۔ راجہ نرسنگھ دیو نے ۱۲۵۷ء میں وفات پائی۔ اور اس کا بڑا بیٹا راجہ ارجن دیو وارث ریاست جموں ہوا۔ اُس کا بیٹا راجہ جودھ دیو ہوا۔ جس نے کانگڑہ کے راجہ کنڈرچ کے ہاں شادی کی اور ۴۷ سال راج کر کے سورگ باش ہوا۔ اُس کے مال دیو اور کلیان دیو دو بیٹے ہوئے۔

راجہ مال دیو

۱۳۵۷ء میں راجہ مال دیو نے جموں کی حکومت سنبھالی۔ یہ راجہ بڑا بہادر ہوا۔ اُس نے کانگڑہ کے کوہستان کے تمام راجوں کو اپنا مطیع کیا۔ اور جموں راجدھانی کو ترقی دی۔ اس راجہ کے وقت جموں شہر کی آبادی دوگنی ہو گئی۔ راجہ مال دیو نے راجہ کیلاش پٹھانیہ والئ نورپور، جو کہ اُس کا بہنوئی تھا، سے اپنی بہن کی شکایت پر جنگ کی۔ ونشاولی جموال میں لکھا ہے کہ راجہ کیلاش اس لڑائی میں کام آیا اور رانی جموال راجہ مال دیو کی بہن اُس کے ساتھ ستی ہو گئی۔ قلعہ پٹھانکوٹ کو مسمار کر کے اُس کی اینٹیں بھی راجہ مال دیو جموں لے آیا اور اُن سے جموں میں اپنے محلات کے ساتھ بارہ دری بنوائی جو کہ آج بھی جموں کی پرانی منڈی میں اُس کی یادگار کے طور قائم ہے۔ اس بارہ دری میں راجہ مال دیو دربار کیا کرتا تھا۔ یہاں ہی راجگان جموال کو راج تلک دیا جاتا رہا۔ یہ راجہ بے حد شور بیر اور طاقت ور تھا جو دو بڑے وزنی پتھر اُٹھا کر دریائے توی سے جموں میں لے آیا تھا۔ ایک پتھر آج بھی کالی جن کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی کے نام پر جموں شہر میں ایک گنجان محلہ آباد ہے۔ دوسرا پتھر بازار بھابڑیاں میں ایک دوکان کے تھڑے کے نیچے پڑا ہے۔ پرانی منڈی کی بارہ دری میں جسے اب راج تلک کہتے ہیں، راجہ مال دیو کی پنڈی بطور شولنگ موجود ہے۔ جسے دیوتاؤں کی مانند راجگان اور تمام جموال راجپوتان پوجتے ہیں۔ یہاں لوگ چڑھاوا چڑھاتے تھے اور منتیں بھی مانتے تھے۔ آج یہ بارہ دری راجپوت ادکشتریہ سبھا، جس کے پریذیڈنٹ بریگیڈیئر گھنسار سنگھ صاحب جے پوریہ سابق گورنر گلگت اور موجودہ صدر دھرمارتھ کونسل ہیں، کی ملکیت میں ہے۔

راجہ مال دیو کے بیاہ کی بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ جب یہ برات لے کر راجگان جسوال کے ہاں جسوان (ضلع ہوشیارپور) میں گیا تو اس کی طاقت کی دھوم زمانہ میں تھی۔ دُور دُور سے لوگ ایسے طاقتور اور وجیہہ راجہ کو دیکھنے کے لئے آئے۔ کتنے ہی دن برات کا قیام جسوان میں رہا۔ راجہ جسوال جب اپنی راجکماری کو وداع کرنے لگا تو اُس نے اپنے داماد کی طاقت کا مظاہرہ لوگوں کے سامنے کرانے کے لئے ایک پل کا درخت اُوپر سے کٹوا کر ایک کِلّے کے طور کرا دیا۔ اور راجہ مال دیو دُولہا سے کہا کہ ہمارے ہاں دستور ہے کہ دُولہا سے نیزہ بازی کرائی جاتی ہے۔ اس لئے آپ اس ہماری دیرینہ رسم کو پُوری کر دکھائیں تاکہ ہماری رعایا اور دُوسرے لوگوں پر یہ نقش ہوسکے کہ ہم نے اپنی راجکماری ایک بہادر اور طاقتور راجہ کے لڑ لگائی ہے۔ راجہ مال دیو گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور گھوڑے کو دوڑا کر ایسا نیزہ مارا کہ پل کا درخت جڑھ سے اکھاڑ کر دُور پھینک دیا۔ راجہ کو تو ذرا موچ نہ آئی لیکن گھوڑا گر کر وہیں جاں بحق ہوگیا۔ راجہ نے جب پل کے درخت کو جڑھوں سمیت اُکھڑے دُور پڑے دیکھا تو اُس نے سوگند کھائی اور کہا کہ آئندہ میری نسل اور خاندان سے جو ہو وُہ خاندان جسوال میں ہرگز شادی نہ کرے۔ چنانچہ راجگان جموال مُدت تک راجگان جسوال کے ہاں شادی نہ کرنے کی سوگند پر قائم رہے۔ البتہ لڑکیوں کا ناطہ اس خاندان میں کر دیتے رہے۔

سنہ ۱۳۹۸ء میں تیمور لنگ نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ وُہ آندھی کی طرح آیا اور بگولے کی مانند سارے مُلک میں لُوٹ مار کرتا ہوُا واپس چلا گیا۔ ہسٹاریکل باب دوم سنہ ۱۹۱۵ء میں لکھا ہے کہ راجہ مال دیو نے اپنے آس پاس کے تمام راجگان کو لے کر کانگڑہ میں جا کر امیر تیمور کے حملے کو روکا اور زبردست لڑائی کی۔ اور لڑتے لڑتے امیر تیمور جموں تک پہنچ گیا۔ مال دیو کانگڑہ میں مارا گیا اور جموں پر تیمور کا قبضہ ہوگیا۔ مولوی حشمت اللہ کی تاریخ جموں میں درج ہے کہ راجہ مال دیو کا جموں پر قبضہ بحال رہا۔ ٹھیک طرح سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ امیر تیمور کی لڑائی میں راجہ مال دیو مارا گیا یا اُس نے امیر تیمور کو روک کر واپس کر دیا۔ یوں تو ڈوگرہ لوک گیتوں میں جو کہ جوگی اور گارڑی اپنی کنگوں پر گاتے ہیں اُن میں راجہ مال دیو کی بہادری اور امیر تیمور کی پسپائی کا ذِکر کیا جاتا ہے جس پر آج بھی اپنے ڈوگرہ راجہ مال دیو کی بہادری پر سر بلند کرنا اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔ بہر کیف مال دیو جموں کا ایک ایسا راجہ گزرا ہے جس نے اس ڈوگرہ دیس کی تاریخ بنائی۔

Scanned with CamScanner

رعایا اور لوگوں کو امن اور خوشحالی دی۔

راجہ ہمیر دیو

راجہ مال دیو کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ ہمیر دیو وارث تخت جموں ہوُا۔ یہ راجہ مُبارک شاہ والئ دہلی کا ہم عصر ہوُا ہے۔ دہلی کے بادشاہ نے راجہ ہمیر دیو فرزند راجہ مال دیو کو بائیس[۲۲] راجگان پہاڑ کا سرتاج تسلیم کیا اور ایک تانبے کا پٹہ شاہی مُہر لگا کر دیا۔ یہ پٹہ آج بھی موجود ہے۔ اِس میں درج ہے کہ راجہ ہمیر دیو کانگڑہ۔ منڈی۔ سکیت۔ کلو۔ جسوال۔ داتار پور۔ بھنگال۔ کہلور۔ سیبہ۔ کوٹلہڑ۔ پٹھانکوٹ۔ جموں۔ جسروٹہ۔ چمبہ۔ بلاور۔ بھدو۔ منکوٹ۔ بھوتی۔ چینینی۔ بندرالتہ۔ کشتواڑ اور بھدرواہ کا سرتاج ہے۔ اور دریائے راوی کے آر اور پار کے تمام راج اِس کے مطیع اور باجگذار ہیں۔ اول الذکر گیارہ ریاستیں دریائے راوی کے پار اور مؤخرالذکر گیارہ راجواڑے دریائے چناب اور راوی کے درمیان ہیں۔

طبقاتِ اکبری میں لکھا ہے کہ جب راجہ ہمیر دیو جموں سے دہلی دربار میں حاضر ہوُا تو بادشاہ مُبارک شاہ نے بائیس راجگان پہاڑ کا سرتاج بنا کر بھیم دیو کے نام سے موسوم ہونے کی سند عطا کی اور اُسے خلعت دے کر ایک باغی سردار اسمی شیخا کھوکھر کی سرکوبی کے لئے مامور کیا۔ بھیم دیو نے شیخا کھوکھر کو شکست دی۔ اور تاریخ فرشتہ کے مطابق کھوکھر کا بھائی جسرتھ مفرور ہو گیا۔ راجہ بھیم دیو نے تین شادیاں کی تھیں۔ اوّل خاندان چوہان میں۔ دوسری خاندان چندیل نالاگڑھ میں اور تیسری خاندان رکوال میں۔ راجہ بھیم دیو نے ۱۴۲۶ء میں وفات پائی۔ 1426

راجہ عجائب دیو

راجہ بھیم دیو کے عجائب دیو اور حاصل دیو دو بیٹے تھے۔ جموں کا راج عجائب دیو کو حاصل ہوُا اور راجہ حاصل دیو کو وزیری کا رُتبہ ملا۔

طبقاتِ اکبری اور گلاب نامہ میں راجہ عجائب دیو کی بہادری اور شجاعت کے بہت سے معرکے لکھے ہیں جنہیں اُس نے اپنے زورِ بازو سے سر کیا۔ اُس نے بامداد سلطان حسن شاہ

صوبہ کشمیر علاقہ بھمبر (ضلع گجرات مغربی پنجاب پاکستان) فتح کیا۔ اور بقول تاریخ فرشتہ اُس نے تاتار خان گورنر لاہور سے جنگ کرکے سیالکوٹ کا قلعہ فتح کرکے جموں کے ساتھ شامل کیا۔ راجہ عجائب دیو نے خاندان ڈڈھوال میں شادی کی تھی۔

پیر کھوہ اور پیر مٹھا

راجہ عجائب دیو کا عہد اس لئے بھی مشہور ہے کہ اسی زمانہ میں ایک ہندو جوگی سدھ غریب ناتھ گپھا موسومہ پیر کھوہ میں رہتا تھا۔ اور ایک مسلمان فقیر پیر مٹھا جموں شہر کے مشرقی جانب مست گڑھ کے نیچے رہائش پذیر تھا۔ دونوں سدھ فقیر الیشور تک پہنچے ہوئے تھے جنہوں نے کہ اپنی کراماتوں اور معجزوں سے لوگوں اور خود راجہ کو اپنا معتقد بنا لیا تھا۔ پیر مٹھا کا مزار بنام پیر مٹھا آج تک مشہور ہے اور مسلمانوں کی یہ زیارت گاہ ہے۔ اور پیر کھوہ کی گدی بھی آج تک ناتھ جوگیوں کی وراثت میں چلی آرہی ہے۔ اس پیر کھوہ میں شولنگ استھاپت ہے۔ صبح و شام سینکڑوں لوگ یہاں آتے ہیں اور شوراتری کے تیوہار پر یہاں دو دن بڑا بھاری میلہ لگا رہتا ہے۔ پیر کھوہ کا استھان بے حد پراچین ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ رامائن سے یہ گپھا چلی آرہی ہے جہاں کہ رشی منی تپ کیا کرتے تھے۔ دریائے توی کے کنارے جس پہاڑی پر شہر جموں آباد ہے، اُس میں یہ گپھا قابل دید ہے۔

باوا جتو

پندرھویں صدی کے آخیر میں کٹڑہ (ویشنو دیوی) کے نزدیک موضع اگھار میں ایک ساہ لور براہمن نامی جیت مل اپنے بھائی بندوں اور برادری کے مظالم سے تنگ آچکا تھا۔ اس غریب براہمن کو اپنی جدی وراثت زمین وغیرہ سے بھی محروم کر دیا گیا تھا۔ کہ اُس کی عورت عین عالم شباب میں جبکہ ابھی چند سال ہی شادی کئے ہوئے تھے، مر گئی۔ وُہ پہلے ہی اپنے شرکار کا ستایا ہوا تھا اُس نے اپنی چار سالہ لڑکی کو وہاں ہی کسی سمبندھی کے پاس چھوڑا اور اپنی جنم بھومی سے ہجرت کر کے جموں شہر کے نزدیک دس میل مغرب موضع چک شاماں کے باہر بنجر قدیم میں پناہ لی۔ اُس وقت راجہ عجائب دیو کے ماموں زاد برادران برج مل اور بیر سنگھ اس علاقہ کے جموں راج کی طرف سے منتظم تھے۔ اور اُنہیں مہتہ یا بمنزلہ تحصیلدار کی پدوی حاصل تھی۔ اُن سے جیت مل نے بنجر قدیم کو توڑ کرنے کی اجازت اس شرط پر حاصل کر لی کہ فصل کی پیداوار کا چوتھا حصہ مہتہ خاندان کو دے گا اور ¾ حصہ وُہ خود لے لے گا۔ چنانچہ جیت مل جسے جتو کہہ کر پکارا جاتا تھا، نے سخت محنت کر کے صدیوں

کے ویرانہ کو قابلِ کاشت بنا دیا۔ اور پہلی فصل گندم کی اُس میں بو دی۔ گندم کے پودے لہلہانے لگے
اور جب فصل پک کر تیار ہو گئی تو مہتہ برج مل اور مہتہ بیر سنگھ کی رال ٹپکنے لگی۔ اس تھوڑے
اُس لو نوڑ میں ہونی کہ علاقہ کی باقی کاشت شدہ اراضی سے فی گھماؤں پانچ گنا کا اندازہ ہو رہا ہے
اور سارے پرگنے میں بلکہ دُور دراز دھوم مچ گئی تھی کہ ایک پہاڑی براہمن نے کنڈی میں آکر تو
کیا اور اتنی فصل پیدا کی ہے کہ سارے علاقہ کی مجموعی فصل سے بھی اُس کے گیہوں کے انبار زیادہ
ہیں۔ مہتہ بیر سنگھ نے جت مل کو جا کر کہا کہ $\frac{1}{2}$ حصہ فصل تو لگان کے طور ہوا۔ لیکن سرکاری
مالیہ بھی اِسی سے پورا کرنا پڑے گا۔ اِس لئے بالمقطع $\frac{1}{2}$ حصہ تم لے لو اور $\frac{1}{2}$ حصہ ہمیں دے دو۔
جتو نے جواب دیا۔ مہتہ جی! ایشور سے ڈرو۔ میں نے بے حد محنت کی ہے۔ آپ بے انصافی
کر رہے ہیں جو نصف غلہ حقِ ملکیت بطور غلہ اٹھائی لگان مانگ رہے ہیں۔ آپ نے جو میرے
ساتھ اقرار کیا ہے، میں اُسی کے مطابق بخوشی $\frac{1}{4}$ حصہ کا غلہ دینے کو تیار ہوں۔ لیکن مہتہ
بضد رہا اور کہا کہ بھلا مانسی سے $\frac{1}{2}$ حصہ دے دو۔ ورنہ ہم زبردستی غلہ بھر لے جائیں گے۔ اس پر
جتو کو کرودھ آگیا۔ کہنے لگا۔ وہ دن یاد کرو جب کہ یہاں جنگل ہی جنگل تھا۔ صدیوں سے
زمین بے کار پڑی تھی۔ کسی نے اس کی طرف مُنہ نہیں کیا تھا۔ میں نے خون پسینہ ایک کر کے
یہاں سے فصل پیدا کی اور اِس فصل کو دیکھ کر تمہیں لالچ آگیا۔ اِس قدر انیائے آج تک
نہیں دیکھا۔ آپ لوگ دھرم سے بے دھرم ہو رہے ہو۔ لیکن میں اپنے پرن پر قائم ہوں۔
اگر آپ زبردستی ہی کریں گے تو $\frac{1}{2}$ تو کیا، سارے کا سارا غلہ لے جاؤ۔ یہ کہہ کر وہ غلہ کے انبار
پر بیٹھ گیا۔ بے چارا غریب براہمن پہلے ہی گھر سے تنگ آکر بھاگا تھا۔ وہاں بھی شریکوں نے
اُس کی ملکیتی زمین دبا لی تھی۔ یہاں آیا تو اُس سے زیادہ ظلم ہونے لگا۔ وہ اِسے برداشت
نہ لا سکا۔ اور یہ کہہ کر کہ "لو مہتہ جی۔ اِس غلہ کے ساتھ میرا مانس بھی کھاؤ" خنجر اپنے سینے
میں گھونپ لیا اور گندم کے ڈھیر پر اپنے پران دے دئے۔

جتو کے آتم گھات سے سارے علاقہ میں زبردست سنسنی پھیل گئی۔ غلہ کے ڈھیروں سے
خون بہنے لگا۔ مہتہ برج مل اور مہتہ بیر سنگھ جتو کی دردناک موت کو دیکھ کر سخت گھبرائے
اور برہم ہتیا کے خیال سے کانپنے لگے۔ اُنھوں نے جتو کی نعش جلا تو دی لیکن اُس کے سر
چمڑے میں مڑھوا کر ایک درخت سے لٹکا دیا۔ پھر جتنے بھی گندم کے انبار لگے تھے سب
دریائے چناب میں بہا دئے گئے۔

جب جتو کے گھر موضع اگھار میں ایسی آتم ہتیا کی خبر ملی تو اُس کی نوعمر بیٹی بوا کوڑی روتی پیٹتی چک شاماں میں پہنچی اور درخت سے لٹکے ہوئے اپنے باپ کے سر کو لے کر جل مری۔ اِس دُرگھٹنا کے جلد ہی بعد رکوال خاندان کو ہر دو باپ، بیٹی کی ہتیا نے پردلیش کیا اور اُن کا کُل نشٹ ہو گیا۔ اور اِس خاندان کے اکثر لوگوں نے اپنا نام تبدیل کر کے دُور کہیں جا کر پناہ لی۔ کہتے ہیں کہ جہاں جہاں وُہ گندم بکھر گئی یا گری، اور جس جس نے ایک دانہ بھی اُس کا چکھا، وُہ سب بمع اپنے پریوار کے ناچنے لگ پڑے۔ حتیٰ کہ جانور تک بھی ناچنے لگے۔ اُس جگہ کو اب باوا جتو کا جاڑ (جنگل) بولتے ہیں جہاں بُوا کوڑی کی بھی سمادھ ہے اور لوگ گڑیا پٹولے وغیرہ چڑھاتے ہیں۔ اِس لئے کہ جب جتو کی بیٹی بُوا کوڑی ستی ہوئی تو اُس کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ وُہ اپنی ہم عمر سہیلیوں کے ساتھ گڑیا پٹولے کھیلتی تھی۔ بُوا کوڑی کی سمادھ پر لوگ منتیں مانتے ہیں۔

مہاراجہ جموں کو بھی باوا جتو براہمن خواب میں تنگ کرنے لگا۔ تو اُس نے بکرمی سمت ۱۵۱۳ یعنی ۱۴۵۶ء میں اُس کا مٹھ شاماں چک کے نزدیک اُسی نو تور زمین میں بنوایا۔ اِس مندر میں ہر سال ماہ کاتک کی پُورنماشی کو بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔ دُور دُور سے لوگ یہاں آ کر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق اِس میلہ میں ایک لاکھ کے قریب لوگ اکٹھے ہوتے رہے ہیں۔ پانچ سو سال سے اُوپر عرصہ ہو گیا۔ باوا جتو اور اُس کی لڑکی کی سمادھ پر آج تک ہر سال میلہ لگتا ہے۔ یہ میلہ بدستور آٹھ یوم جاری رہتا ہے۔ آج کل اِس میلہ میں حکومت مال مویشی کی منڈی لگاتی ہے اور دنگل کشتیاں وغیرہ بھی کراتی ہے۔ اِس میلہ میں جوگی اور گارڑی لوگ ڈھول بجا کر باوا جتو کا آواہن کرتے ہیں اور اُس کی لوک کتھا گاتے ہیں۔ کتھا سُن کر چیلے ناچتے ہیں اور لوگوں کے پرشنوں کا جواب دیتے ہیں۔ عام خیال ہے کہ باوا جتو اور بُوا کوڑی کی رُوحیں ناچنے والے چیلوں میں پرویش کرتی ہیں اور چیلا لوگ غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ اِس میلہ کو جھڑی کا میلہ کہتے ہیں۔

اِس مقام پر جہاں کہ باوا جتو کا مٹھ اور بُوا کوڑی کی سمادھ ہے، ہر کوئی جا سکتا ہے لیکن خاندان رکوال میں سے کوئی بھی فرد جانے کی ہمت نہیں کرتا اور نہ ہی اُنہیں وہاں جانے کی اجازت ہے۔ اگر کوئی رکوال وہاں چلا بھی گیا تو کوئی نہ کوئی حادثہ ہو جاتا ہے۔ اُس دن سے جیت مل براہمن کا نام باوا جتو اور جس گاؤں کا وُہ رہنے والا تھا، اُس کا نام اگھار سے

بدل کر اکثر جتو کہا جاتا ہے۔
یہ عام روایت ہے کہ باوا جتو کا ایک ہری چند سنگھ ایسو بھی ساتھی تھا جس نے باوا جتو کے ساتھ دن رات اس بنجر قدیم کو آباد کرنے میں کام کیا تھا۔ ایسو باوا جتو کا کام ایک بھگت کے طور رضاکارانہ کیا کرتا تھا۔ جب باوا جتو نے آتم گھات کیا تو اس نے بھی اپنے پران تیاگ دیے۔ باوا جتو کا ایک پالتو کتا بھی تھا جو ہر دم تمام رقبہ کی رکھوالی کیا کرتا تھا اس نے بھی شرط وفا کو باوا جتو کی چتا میں کود کر پورا کیا اور جل کر راکھ ہو گیا۔

راجہ بیرم دیو اور وزیر حاصل دیو

وزیر حاصل دیو

سال ۱۴۵۷ء میں جب جموں نریش راجہ عجائب دیو کا انتقال ہوا ولی عہد سلطنت راجہ بیرم دیو کی عمر سولہ سترہ سال تھی اور وزیری کا د راجہ حاصل دیو کو حاصل تھا۔ حاصل دیو راجہ عجائب دیو کا چھوٹا حقیقی بھائی تھا جو جموں کا سپہ سالار بھی تھا اور وزیر بھی۔ چنانچہ جواں سال راجہ بیرم دیو کی تخت نشینی پر حاصل مدار المہامی کا رتبہ دیا جا کر سلطنت کا کام کاج ہونے لگا۔ تخت نشینی کے عین بعد را بیرم دیو کی شادی چندیری کے راجہ کی راجکماری سے ہوئی۔ بیرم دیو کی خوبصورتی کا سہ کوہستان جموں سے راجستھان بلکہ دلی دربار تک جا پہنچا۔ بھاٹ اور جوگی اپنی کنگ پر جموں راج اور اس کے راجہ بیرم دیو کی خوبصورتی کی تعریف گاتے۔ ڈوگرہ شہزاد حسن و جمال کی تعریف سے متاثر ہو کر بہلول لودھی بادشاہ دہلی نے بکمال اشتیاق بیرم دیو کو ملاقات کی دعوت دی۔ اور ایک سو پچیس سواروں پر مشتمل خاص دست بیرم دیو کی اردل کے لئے بھیجا جو کہ راجہ کو باحفاظت دہلی پہنچائے۔
شاہی احکام سے سارے پرگنہ جموں میں سنسنی پھیل گئی اور دریائے تو چناب کے درمیانی علاقہ اور اُن کے کنارے بسنے والے تمام جموال راجپوتوں برادریوں کے سرکردہ افراد نے جموں پہنچ کر شاہی احکام کی تعمیل نہ کرنے پر زور دیا حکم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ لیکن کافی سوچ و بچار کے بعد وزیر حاصل مسلمہ جہاندیدہ اور تجربہ کار جرنیل اور مدبر تھا اسے بھاری ذمہ داری راجہ کی حفاظت

کی اپنے پرلے ان اور سر دربار حلف لیا کہ راجہ بیرم دیو کی حفاظت اور صحیح وسلامت واپس لانے میں اپنی جان تک کی بازی لگا دے گا۔ چنانچہ راجہ بیرم دیو کا قافلہ شاہی دستہ کی حفاظت میں دہلی کی طرف عازم ہوا اور منزل بہ منزل دہلی جا پہنچا۔ شاہانہ خاطر و مدارات کے ساتھ راجہ جموں کا خیر مقدم ہوا۔

راجہ بیرم دیو کو دہلی میں قیام کیے دس بارہ یوم ہی ہوئے ہوں گے کہ بادشاہ ہزار جان سے اُس پر فریفتہ ہو گیا اور گھنٹوں اپنے پاس دربار میں بٹھلائے رکھتا۔ بلکہ شاہی محلات میں بھی راجہ کو آنے جانے کی کھلی اجازت تھی۔ بادشاہ اپنے ساتھ راجہ بیرم دیو کو لے جاتا تھا۔ اور ایک دن راجہ کو بادشاہ نے کہا "عزیزِ من! مَیں چاہتا ہُوں کہ تم میرے جگر کے ٹکڑے بنتے رہو۔ مَیں تمہیں کسی بھی طرح اپنے سے الگ کرنا گوارا نہیں کر سکتا۔" راجہ بیرم دیو نے دست لیتہ ہو کر پُوچھا "جہاں پناہ! مَیں سمجھ نہیں سکا۔" بادشاہ نے جواب دیا۔ "اگر میرا کہا مان لو تو سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ مَیں تمہیں اپنا اور بالکل اپنا حقیقی عزیز بنانا چاہتا ہوں۔ اگر تم قبول کر جاؤ۔ اور انکار کرنے کا سوال ہی کیا ہے اس میں۔ سنو! مَیں تمہارے ساتھ رشتہ کرنے کا خواہش مند ہُوں۔" راجہ نے جواب دیا "مَیں اپنے چچا جان وزیر حاصل دیو سے مشورہ کر کے آپ کے حکم کی تعمیل کے قابل ہو سکوں گا۔"

تو دربار میں آ کر وزیر کو تمام روئداد اور حقیقت سے آگاہ کیا گیا۔ وُہ دوزانو ہو کر بادشاہ سے معذرت خواہ ہوا کہ "راجہ ابھی نادان ہے۔ نہیں جانتا اپنی بھلائی بُرائی اور رموزِ سلطنت کی باتیں۔ اس لئے دو دن کی مہلت دی جائے۔ مَیں اسے سمجھا لُوں گا۔ اس سے زیادہ اور کیا خوش بختی اور عزت ہو سکتی ہے اس کی۔"

چنانچہ جب راجہ بیرم دیو معہ اپنے مدار المہام حاصل دیو کے اپنے کیمپ میں پہنچا تو حاصل دیو نے راجہ بیرم دیو کو راتوں رات معہ چند سواروں کے دہلی سے جموں کو روانہ کر دیا۔ اور تیسرے دن جب حاصل دیو خود شاہی دربار میں پہنچا تو بادشاہ کے استفسار

سلہ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ کی تاریخ راجگان جموال میں لکھا ہے کہ بادشاہ دہلی راجہ بیرم دیو کو اپنی دامادی میں لینے کے لئے مجبور تھا کیونکہ اُس کی شہزادی بیرم دیو کے عقد میں جانا چاہتی تھی۔ اور بادشاہ کا خیال تھا کہ اگر بیرم دیو مسلمان ہو جائے تو رشتہ منظور ہے۔

Scanned with CamScanner

پر جواب دیا "جہاں پناہ! وہ تو کل ہی آپ کے حضور میں آ گیا تھا۔ مجھے اُس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ علم نہیں۔"

بادشاہ برافروختہ ہو اُٹھا۔ حکم دیا کہ اِس ڈوگرے کی سرِ دربار کھال کھچوا دی جائے۔ تاکہ دُوسروں کو عبرت ہو کہ شاہی حکم عدولی کی ایسی سنگین سزا ہوا کرتی ہے۔

حاصل دیو کی زندہ کھال اُتار لی گئی۔ کیا مجال کہ ڈوگرہ مجاہد نے اُف کی ہو! اور راجہ بیرم دیو صحیح و سلامت اور بخیر و عافیت اپنے راج میں واپس پہنچ گیا۔

اسی راجہ بیرم دیو کے متعلق اِس سلسلہ میں اور بھی حکایتیں ہیں۔ لیکن تاریخ کی کسوٹی پر پُوری نہیں اُترتیں۔ راجہ بیرم دیو کا عہد بھی جموں کے لئے بہت خوشحالی کا دَور ہوا ہے۔ اُس نے ۲۲ سال حکومت کر کے ۱۴۵۴ء میں وفات پائی۔

وزیر حاصل دیو کے قتل ہونے کی خبر جب جموں میں پہنچی تو ایک کہرام مچ گیا اور اس کی اِس شرطِ وفا اور قربانی پر ڈوگرہ دیس کا ہر کہ و مہ عش عش کر اُٹھا۔ جموں راج کی طرف سے حاصل دیو کے وارثان کو کئی ایک دیہات پر مشتمل جاگیر ملی اور اُس کی اولاد حاصل دیو کے نام پر سلاتھیہ کہلائی۔

گوڑہ سلاتھیاں تحصیل سانبہ میں آج بھی حاصل دیو کی اولاد آباد ہے جہاں کہ سات آٹھ منڈیاں ہیں۔ اِس کے علاوہ نگروٹہ۔ کنڈولی۔ رام نگر۔ کانگڑہ اور کشمیر میں بھی اِس خاندان کے کئی گھرانے بُود و باش رکھتے ہیں۔ بانیٔ خاندان کے نام سے گوڑہ کو گوڑہ سلاتھیاں کہا جاتا ہے۔ اور ڈوگرہ دیس کا یہ ایک ایسا خاندان ہے جو کہ آج تک جموں راج کے لئے شرطِ وفا پر اپنے بزرگوں کی مانند قائم ہے اور اِس روایت کو چار چاند لگا رکھے ہیں جو اُن کے بڑے بزرگوں نے قائم کی تھی۔ چنانچہ راجہ رنجیت دیو۔ راجہ برج راج دیو۔ مہاراجہ گلاب سنگھ و اُن کے خاندان کی خدماتِ حسنہ میں قربانی دینے میں اِس خاندان کے افراد نے کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اِس خاندان کے بیشتر افراد کا اپنی روایت اور آن پر قائم رہنے سے آج گوڑہ سلاتھیاں کو "ڈوگر دیس کا چتوڑ گڑھ" کہا جاتا ہے۔

سدھ گوریا

ایک کہاوت یہ بھی ہے کہ راجہ بیرم دیو جب دہلی سے فرار ہو گیا اور حاصل دیو کی زندہ کھال کھچوا دی گئی تو بادشاہی فوج بیرم دیو کے تعاقب میں دہلی سے روانہ ہوئی۔ چنانچہ بیرم دیو شاہی دستہ کے نرغہ میں آ گیا اور اُسے قتل کر دیا گیا۔ اور ...

لاش بھی پہنچائی گئی ۔ ڈوگرہ دیس میں یہ حکایت جبر گی اور گاتھا جو کہ اس دور کی کتھا کو گلتے ہیں کی زبانی زبان زد نام ہے ۔ کہ راجہ بیرم دیو کی لاش کو جب شہزادی نے دیکھا تو اُس نے اُس کی قبر بنوائی اور خود زندہ درگور دفن ہو گئی ۔ اور پھر کافی عرصہ کے بعد لوگوں نے ایک نوزائیدہ بچہ قبر پر پڑے دیکھا ۔ جبکہ گورو گورکھ ناتھ کا وہاں آس پاس میں ڈیرہ تھا ۔ گورو گورکھ ناتھ نے اس بچہ کو اُٹھا لیا ۔ اور اسے پال پوس کر بڑا کیا اور اپنا چیلہ بنا لیا ۔ یہ بچہ بعد میں سِدھ گوریا کے نام سے مشہور ہوا اور گورو گورکھ ناتھ سے آگیا لے کر ڈوگرہ دیس بھوجی میں آیا اور موضع سوانکھ تحصیل سانبہ میں آکر ایک غریب براہمن اہمی گنتو کے گھر قیام کیا ۔ گنتو کی براہمنی کو اُس نے اپنی دھرم ماتا بنا لیا اور سوانکھ میں ہی آخری دم تک رہا ۔ اور وہیں اُس نے سمادھی لے لی ۔ سوانکھ میں تالاب کے ایک کنارے پر سمادھی موجود ہے ۔ اور یہی اُس سِدھ کا استھان ہے ۔ یہ ایک بھاری گدی جوگیوں کی ہے جس کے ساتھ کافی دھرم ارتھ زمینیں ہیں ۔ لوگ یہاں دُور دُور سے آکر چڑھاوے چڑھاتے ہیں ۔ منتیں مانتے ہیں اور ہر سال ماہ اساڑھ کے پہلے ایتوار کو یہاں میلہ لگتا ہے ۔ اِس لئے اِس جگہ کا نام سِدھ سوانکھ مشہور ہے ۔ یہاں آکر جن بھوتوں کے سایہ کے مریض تندرست ہو جاتے ہیں ۔

ایک ہندی تحریر میں اس کہانی کو مبالغہ آمیز قرار دیا گیا ہے ۔ اور یہ لکھا ہے کہ راجہ بیرم دیو کے زمانہ میں ایک سِدھ گوریا جوگی موضع سوانکھ میں آیا اور اُس نے یہاں آکر سمادھی لگائی تھی ۔ بہرکیف یہ سمادھی اور تالاب آج بھی سوانکھ میں موجود ہیں ۔ اور جوگیوں کی یہ بڑی بھاری گدی ہے ۔ گدی کا مہنت اپنے آپ کو سِدھ گوریا کا وارث قرار دیتا ہے ۔ اِس گدی کی دُور دُور تک مشہوری ہے اور دیہات کے لوگوں کی بے حد عقیدت ہے ۔

راجہ کپور دیو

راجہ بیرم دیو نے سنہ ۱۲۸۲ء میں اپنا قالب خالی کیا اور راجہ گھوگھر دیو جموں کے تخت پر بیٹھا ۔ اِس نے راجہ دولت پال والئ بسوہلی کی راجکماری سے شادی کی اور دوسری شادی خاندان پنوادیں کی ۔ راجہ گھوگھر دیو کے بعد اُس کے بڑے بیٹے راجہ کپور دیو کو جموں کا راج تلک ملا ۔ اِس راجہ نے گیارہ شادیاں مختلف خاندان راجگان کانگڑہ ۔

بھڈو - چینی، بسوہلی، چپالگ، دھنڈوال، پٹھانیہ، گلیریہ اور اکھنور میں کئیں جن سے بائیں فرزند ہوئے -

اکبر نامہ میں راجہ کپور دیو کا کئی جگہ ذکر آیا ہے - بروئے اقبال نامہ جہانگیری بادشاہ اکبر کے دوسرے سال ۵۸-۱۵۵۷ء میں راجہ کپور دیو شاہی دربار میں حاضر ہوا - لیکن وہاں سے آکر بادشاہی غلامی کی پنجالی اتار دی - چنانچہ بادشاہ اکبر کے آٹھویں سال میں راجہ کپور دیو نے بادشاہی فوج سے مقابلہ کیا لیکن صلح ہو گئی - اور راجہ شاہی دربار میں پہنچا تو راجہ کو گکھڑ قوم کو سر کرنے کے شاہی احکام دئے گئے جسے اُس نے بخوبی سر کر لیا - ۱۵۹۹ء میں پھر راجہ کپور دیو منحرف ہو گیا - اکبر نے مرزا قاسم و آصف خاں کو فتح کوہستان جموں و کانگڑہ پر مامور کیا - تو راجہ کپور دیو نے راجہ کانگڑہ، راجہ پٹھانیہ مئو، زمینداران لکھن پور، راجہ جسروٹہ - راجہ منکوٹ اور ڈوگرہ دیس کے باقی راجوں کو لے کر شاہی فوج کا زبردست مقابلہ کیا - شاہی فوج نے رام گڑھ، جسروٹہ - جموں، منکوٹ، اکھنور وغیرہ کے پرگنات مطیع کر لئے - اسی راجہ کے عہد میں شہزادہ سلیم کی بیگم سیر کوہستان جموں کے لئے آئی - راجہ کپور دیو نے جموں کے شمالی جنگل میں قلعہ رام نگر، جہاں کہ آج کل مہاراجہ کرن سنگھ صدر ریاست کے محلات ہیں، راجدھانی کی حفاظت کی خاطر بنوایا - اس قلعہ میں اکثر فوج رہتی تھی - یہ قلعہ بشکل گول برج کے تھا - اور راجہ کپور دیو کے پسر مان سنگھ عرف ڈنگہ مان کی قیام گاہ تھی - آج کل اس قلعہ کا کوئی نشان نہیں - بوجہ محلات ہونے کے جنگل میں منگل ہو گیا ہے - راجہ کپور دیو نے کپور گڑھ کے نام سے جموں سے ۱۶ میل شمال مشرق ایک قلعہ اپنی سرحد پر تعمیر کرایا تھا - قلعہ کے نشانات موضع ڈلنسال (کچا پنڈ) میں موجود ہیں - اور ایک قلعہ مست گڑھ درمیان شہر جموں کے بالمقابل قلعہ باہو تعمیر کرایا تھا - یہاں آج کل ایک گنجان محلہ مست گڑھ کے نام سے مشہور ہے - اس جگہ شاہان مغلیہ کے احترام میں ایک بڑی مسجد بھی بنوائی تھی جو کہ آج کل بھی موجود ہے -

راجہ سمیل دیو

راجہ کپور دیو نے ۷۰ سال حکومت کر کے اس جہان فانی سے کوچ کیا - اس راجہ کے اکثر بیٹوں نے شاہی دربار میں ممتاز مناصب پائے اور جاگیریں بھی انہیں عطا ہوئیں - سب سے بڑا بیٹا ولی عہد ریاست راجہ جگدیو اپنے باپ کی موت کے وقت بادشاہ اکبر

Scanned with CamScanner

کی طرف سے ہمرکاب سپہ سالار سعادت خان کسی مہم پر مامور تھا اور وُہ وہاں ہی لڑتا ہوا کام آیا۔ اِس لئے جموں کی حکومت راجہ کپور دیو کی پٹ رانی کے بیٹے راجہ سمیل دیو نے جو کہ راجہ کپور دیو کا دُوسرا بیٹا تھا، نے سنبھال لی۔

جموں سے باہو کی علیحدگی

راجہ جگدیو کے بیٹے پرسرام دیو نے چند ایک سال کے بعد بادشاہ کے پاس دہلی میں برخلاف راجہ سمیل دیو والئ جموں دعوے دائر کر دیا کہ جموں راج کا اصلی وارث وُہ ہے نہ کہ سمیل دیو۔ اکبر بادشاہ نے تمام معاملہ کے متعلق ہر دو کو دربار میں بُلا کر دریافت کیا۔ راجہ سمیل دیو نے اپنے حق میں یہ دلیل دی کہ میں راجہ کپور دیو کی سب سے بڑی رانی کے بطن سے ہوں۔ آئین اور رواج راجگان کے مطابق پٹ رانی کا بیٹا خواہ وُہ عمر میں چھوٹا کیوں نہ ہو، وارث راج گدی ہوتا آیا ہے۔ اور راجہ جگدیو کے بیٹے پرسرام دیو نے اپنے دعوے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ میرا باپ راجہ جگدیو راجہ کپور دیو والئ جموں کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور خاندان کا مورث اعلےٰ تھا۔ راج گدی کا حق ہمیشہ دلی عہد سلطنت یعنی مورث اعلےٰ کو ہی ملتا ہے۔ خواہ اُس کی والدہ اپنے خاوند کی دُوسری رانی ہی کیوں نہ ہو۔ راجہ کپور دیو کا مَیں سب سے بڑا پوتا اور راجہ جگدیو کا سب سے بڑا لڑکا ہوں۔ اِس لئے راج گدی پر میرا ہی حق فائق ہے۔

بادشاہ اکبر نے اِس معاملہ کو زیادہ طُول دینا مناسب نہ سمجھا اور اُس نے جموں کی ریاست کو تقسیم کر کے جموں اور باہو دو ریاستیں دریائے توی کی حد بست بنا کر قرار دے دیں۔ اِس طرح باہو کی ریاست راجہ پرسرام دیو کو مل گئی اور راجہ سمیل دیو جموں کی ریاست پر بدستور حکمران بنا رہا۔ اِس راجہ نے دو بیاہ کئے تھے۔

طبقاتِ اکبری میں لکھا ہے کہ جب سنہ ۱۵۸۹ء میں بادشاہ اکبر کشمیر سے واپس آتے لاہور میں قیام فرما ہوئے تو تمام راجگان پہاڑ جن میں جموں اور باہو کے راجے بھی تھے، نے بادشاہ کی حاضری دیتے ہوئے نذریں پیش کیں۔ طبقاتِ اکبری میں یہ بھی لکھا ہے کہ راجہ سمیل دیو کے وقت فتح خان گورنر کشمیر نے جموں پر چڑھائی کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ راجہ سمیل دیو کے تین بیٹے ہوئے۔ سب سے بڑا سنگرام دیو، دُوسرا نرائن دیو اور تیسرا شوبیل دیو۔ نرائن دیو کی اولاد نرائنیہ اور شوبیل کی شوبلیہ مشہور ہوئی۔

راجہ سنگرام دیو

راجہ سمیل دیو کی وفات کے بعد راجہ سنگرام دیو ۱۶۰۲ء میں جموں کا راجہ ہوا۔ اس نے چیبہ، کلہور اور بندرالتہ میں تین شادیاں کیں۔ شاہجہان نامہ میں راجہ سنگرام دیو کا کئی یا مذکر آیا ہے۔ ۱۶۲۳ء میں جب کہ شاہجہان کو سات سال سریر آرائے سلطنت ہوئے ہو گئے تھے، اسے بادشاہ کے حکم سے بہمراہی زمان خان بیجاپور کی مہم پر بھیجا گیا جہاں کہ وہ مارا گیا۔ تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ ۱۶۲۲ء میں راجہ سنگرام دیو کو خطاب راجگی معہ لقب ایک ہزاری ذات و پانصد سوار دیا گیا۔ اور اسی سال جہانگیر کی طرف سے راجہ سنگرام دیو کو حکم ملا کہ وہ کشتواڑ کے سرکش زمینداران کی سرکوبی کرے۔ کیونکہ وہ لوگ شاہی دربار کی اطاعت سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اور راجہ سنگرام دیو کا لقب ایک ہزاری سے ڈیڑھ ہزاری ذات اور ایک ہزار سوار کر دیا گیا۔ راجہ سنگرام دیو کے بھوپت دیو اور دلیپ دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دلیپ کی اولاد دلیپتیہ راجپوت ہوئی۔

راجہ بھوپت دیو

راجہ بھوپت دیو نے چار بیاہ کئے تھے۔ اس نے صرف تین سال راج کیا۔ اور شاہجہان نامہ کی رُو سے بھوپت دیو کو شاہ قلی خان فوجدار کانگڑہ جو کہ بادشاہ مغلیہ کی طرف سے وہاں مامور تھا، نے دھوکے سے مروا دیا۔

راجہ ہری دیو

راجہ بھوپت دیو کے سارنگ دھر دیو اور ہری دیو دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا سارنگ دھر دیو گھوڑے سے گر کر جاں بحق ہوا۔ اور وارث راج گدی جموں راجہ ہری دیو قرار پایا۔ ہری دیو نے راجہ سورسین والئ ریاست منڈی کی راجکماری سے شادی کی۔ دوسری شادی راجہ مان سنگھ والئ بھدرواہ کے ہاں کی۔ تیسری خاندان چب، چوتھی خاندان کٹوچ اور پانچویں خاندان گلیریہ میں۔ راجہ ہری دیو کے آٹھ بیٹے۔ گجے سنگھ، امر سنگھ، جسونت سنگھ، چھاتر سنگھ، دلیپ سنگھ، ہمتی سنگھ، پرتھی سنگھ اور سوجان سنگھ تھے جن سے الگ الگ خاندان چلے۔

اور شہر سے یہاں ان جن راجہ بھیونت سنگھ سے سوہل اگھند۔ تبا فر سنگھ سے انگور۔ دلیپ سنگھ سے تھپنی، مہتی سنگھ سے منتقل ہنسال۔ پرتھی سنگھ سے سہانو اور سوجان سنگھ سے تاڑہ جموں۔

ناگی کی باؤلی

راجہ ہری دیو کی ایک داسی جاٹ خاندان سے تھی جس کا نام ناگی تھا۔ ناگی راجہ ہری دیو کی بے حد محبوب نظر تھی۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سارے پہاڑ اور ڈوگر میں ناگی بے مثل خوبصورتی کی مالکہ تھی۔ راجہ ہری دیو اس کا شیدائی تھا۔ اور اکثر وقت وہ اسی داسی کے ساتھ گزارا کرتا تھا۔ اس پر راج محل کی تمام رانیاں اور دوسری داسیاں سب آتش رقابت سے جلتی تھیں اور ناگی کی حاسد تھیں جو ہر وقت اس تاک میں رہتی تھیں کہ کہیں ناگی اُن کے قابو میں آ جائے تو وہ اسے جان سے مار دیں۔ کئی بار ناگی کے خلاف سازشیں ہوئیں منصوبے بنائے گئے۔ لیکن راجہ ہری دیو نے کسی کی کوئی پیش نہ چلنے دی۔

بدقسمتی اُس کی ——— بادشاہ اورنگ زیب کشمیر جا رہا تھا کہ اُس نے جموں کے راجہ ہری دیو کو اس سفر میں اپنے ہمرکاب رہنے کا حکم دیا۔ اور راجہ ہری دیو بادشاہ کے ساتھ کشمیر چلا گیا۔ راجہ کی عدم موجودگی میں رانیوں نے وزیر دلیپ کو اپنے سانچے میں ڈھال کر ناگی کو ختم کرنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ ناگی کو جب اس منصوبہ کا علم ہوا تو وہ جان بچانے کے لئے راج پروہتاں کے گھر چلی گئی اور انہیں کہا کہ شرناگت کی لاج رکھئے اور بچا لیجئے۔ پروہت نے اُسے اپنے اندرونی حجرہ میں چھپا دیا۔ وزیر دلیپ کو پتہ چلا تو وہ پروہتوں کے گھر پہنچا۔ اور ناگی کو دھرم کا واسطہ دے کر لے آیا کہ اُس کا بال بیکا نہ ہوگا۔ لیکن رانیوں نے ناگی کو سخت اذیت دے کر جان سے مار دیا اور اُس کی نعش کو جلانے کی بجائے دفن کر دیا۔ جب راجہ ہری دیو کشمیر سے واپس آیا تو اُسے ناگی کے ہلاک کرنے کا سارا واقعہ معلوم ہوا۔ اس پر وہ سخت غمزدہ ہوا۔ کئی مہینے وہ محلات میں نہیں گیا اور اپنی رانیوں سے قطع تعلق کر لیا۔ آخر کورکشیتر میں جا کر بڑو براہمن کے ذریعہ اُس کا شرادھ وغیرہ کرایا۔ لیکن ناگی کی ہتیا نے وزیر دلیپ کو سخت تنگ کیا اور اُس نے اُس کی سمادھ بنوائی۔ اور ساتھ ہی ایک باؤلی تعمیر کرائی۔ سمادھ اور باؤلی کی پرتشٹھا کی۔ اور راجہ ہری دیو نے بڑو خاندان کے بڑے بزرگ پنڈت بیاس کو سمادھ کی پوجا سپرد کی۔ باؤلی ناگی کے نام سے معنون ہو کر "ناگی کی باؤلی" مشہور ہے۔ اور یہ باؤلی اور مندر دریائے توی کے کنارے جموں شہر کے شمال میں باغ بنتو کے نزدیک ہیں جہاں کہ آج بھی باقاعدہ پوجا ہوتی ہے اور بڑو براہمن اس کے پجاری ہیں۔

راجہ گجے سنگھ

راجہ ہری دیو سنہ ۱۶۷۲ء (1672) میں بادشاہ اورنگ زیب کی طرف سے دکن کی فوجی مہم میں مارا گیا۔ اُس کا بڑا بیٹا راجہ گجے سنگھ تخت نشین ہوا۔ راجہ گجے سنگھ کے عہد میں بادشاہ اورنگ زیب کا گورنر قلیل خان جموں میں آیا۔ اور اُس کے اعزاز میں راجہ گجے سنگھ نے اُس کے کیمپ کے ساتھ ایک بازار تعمیر کیا جسے آج کل راجندر بازار (اُردو بازار) کہا جاتا ہے نیز قلعہ مست گڑھ کی مسجد کو وسیع کیا۔ راجہ گجے سنگھ والیٔ جموں کے عہد کا ایک تاریخی واقعہ یہ بھی ہے کہ سکھوں کے دسویں گورو سری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج یہ منڈل میں آئے تو راجہ گجے سنگھ کی استدعا پر گورو صاحب جموں میں بھی آئے اور چند دن قیام کر کے شری ویشنو دیوی کے درشن کر گئے۔ واپسی پر بھی جموں سے ہوتے ہوئے پنجاب چلے گئے۔

راجہ گجے سنگھ کے راج تلک کی بھی ایک دلچسپ داستان ہے۔ راجہ ہری دیو کے انتقال کے بعد جب راج گدی پر راجہ گجے سنگھ متمکن ہوا اور راج چنور جھولانے لگے تو اُس کے چھوٹے بھائی راجہ جسونت دیو نے پُرانی منڈی کی بارہ دری (موجودہ راج تلک ہاؤس) میں بیٹھ کر اپنا چنور جھُولانا شروع کر دیا لیکن راجہ گجے سنگھ نے اِس پر کوئی اعتراض نہیں کیا بات دراصل یہ تھی کہ راجہ ہری دیو اپنے تیسرے بیٹے راجہ جسونت دیو سے بے حد پیار کرتا تھا۔ اور جسونت دیو کی صُورت اور سیرت کی وجہ سے اس پر مہربان تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جموں کا راج تلک جسونت دیو کو دیا جائے۔ چونکہ یہ بات خلاف آئین راجگان تھی اس لئے اس کی یہ خواہش پوری نہ آئی۔ اور نہ جموال برادری نے اسے مانا۔ اس لئے راجہ ہری دیو نے جسونت دیو کو اپنی حیات میں ہی ریاسی سے لے کر اکھنور اور بجوات (موجودہ پاکستان سیالکوٹ) اور گلاب گڑھ کی جاگیر اُس کے نام کر دی تھی۔ جسونت دیو پُرانی منڈی میں رہتا تھا۔ اس لئے اُس نے اپنے آپ کو بھی راجہ مشہور کر دیا۔ لیکن ایک دن راجہ کرپال دیو والیٔ باہو نے اپنے درباریوں میں طنزیہ کہا کہ جموں کا راج بھی عجیب ہے۔ ایک چنور تو راجہ گجے سنگھ اپنی نئی منڈی میں جھلاتا ہے لیکن دوسری طرف اُس کا چھوٹا بھائی جسونت دیو پُرانی منڈی کی بارہ دری میں چنور (بھی اپنے اوپر) کسی سے جھُلا رہا ہے۔ جسونت دیو کو راجہ باہو کے اس طعنہ کا علم ہوا تو جھٹ اپنے ۔۔۔ راجہ گجے سنگھ کے دربار میں حاضر ہو گیا اور اُسے نذر گزاری۔

نے اُسے وہاں سے اُٹھا کر پُرانی منڈی میں سے آیا اور بارہ دری میں لا کر اپنے ہاتھ سے راج تلک دے دیا۔ اُس دن سے جموں کے راج تلک دینے کی رسم خاندانِ جسونت دیو کو حاصل ہے۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ آخری تاجدار ریاست جموں وکشمیر کے راج تلک تک یہ رسم جاری رہی۔

راجہ گجے سنگھ کے عہد کا ایک اور اہم تاریخی واقعہ یہ تھا کہ بادشاہ اورنگ زیب نے گورنر لاہور قیام الدین خان کو جموں کے فوجدار کا منصب دیا جو کہ بمنزلہ پولیٹیکل ایجنٹ ہوتا تھا۔

راجہ گجے سنگھ نے تین شادیاں کی تھیں۔ اُس کے اندر دیو۔ دھرب دیو۔ ابھرائے سنگھ۔ گوپال سنگھ اور عزت سنگھ پانچ بیٹے ہوئے۔ اِندر دیو لاولد گزرا۔ ابھرائے سنگھ کی اولاد رائے پور یہ۔ گوپال سنگھ کی کاہنہ چکیئے اور عزت سنگھ کی پنجوڑ والے مشہور ہوئی۔

راجہ دھرب دیو

راجہ گجے سنگھ کے انتقال کے بعد ۱۷۰۳ء (1703) میں راجہ دھرب دیو تخت نشین جموں ہوا۔ اِس نے خاندانان کٹوچ، جرال اور پٹھانیہ میں تین شادیاں کیں۔ راجہ دھرب دیو نے پُرانی منڈی سے جموں راج کا دارالخلافہ تبدیل کیا اور دریائے توی کے کنارے مشرق کی طرف اپنے باپ کی تقلید میں محلات تعمیر کرائے۔ بعد میں یہ محلات دربار گڑھ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور اب اسے پُرانا سیکرٹریٹ کہا جاتا ہے۔ راجہ دھرب دیو اپنے وقت کا ایک زبردست اور انصاف پسند حکمران ہوا ہے۔ اِس کے انصاف اور رعایا پروری کی کئی ایک داستانیں زبان زدِ عام ہیں۔ اور لوک کہانیوں میں جن کا درجہ بہت اُونچا شمار ہوتا ہے۔ ڈوگرہ دیس کے تمام علاقوں میں کئی ایک فضول رسمیں اور توہمات سے پُر رواج جاری تھے اور عام لوگ انصاف حاصل کرنے کے لئے راجہ کے دربار میں رسائی کی غرض سے مرن برت رکھتے تھے۔ اکثر اشخاص جب انہیں اُن کی دادرسی نہ ہو تو سر پر دہکتی آگ کا ٹھیکرہ لئے راج محلات کے باہر پہنچ جاتے تھے۔ اور سر پر سے دھواں نکلتا دیکھ کر سمجھا جاتا تھا کہ یہ آدمی بے حد مظلوم ہے اور انصاف پانے کے لئے آیا ہے۔ اکثر دن کے وقت ہاتھ میں مشعلیں لیکر

راجہ برج راج دیو

میاں موتا سنگھ

راجہ رنجیت دیو

راجہ جیت سنگھ

راجہ جیت سنگھ کی رانی بندرائی

راجہ دھروب دیو

شری سمپورت دیو

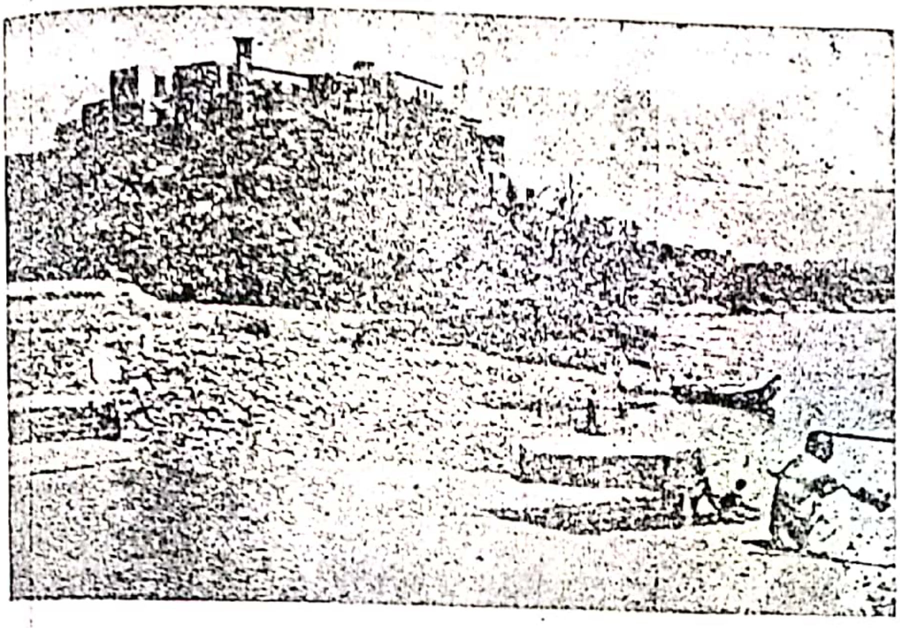

اکھنور میں چناب کے کنارے راجہ گلاب سنگھ کے پہلے دربار کا چبوترا۔

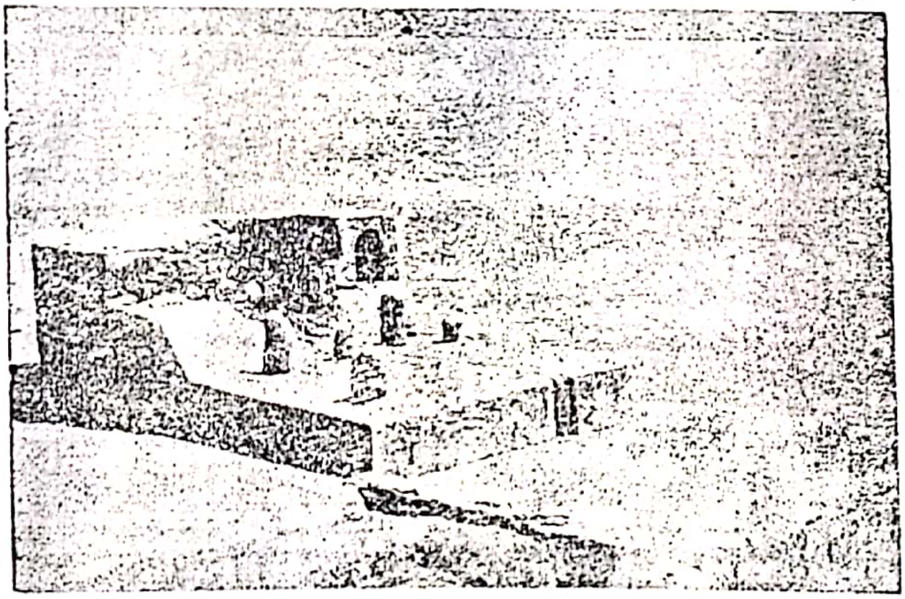

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جہاں گلاب سنگھ کو تلک دیا۔

Scanned with CamScanner

فریادی کہا ڈیپ دھار کر راجہ کے ہاں رسائی حاصل کرتے تھے۔ براہمن فریادی تو پیپل کے درخت پر اُلٹا لٹک جاتے تھے اور کھانا پینا چھوڑ دیتے۔ جب راجہ کو علم ہوتا کہ فلاں آدمی فلاں مقام پر اُلٹا لٹکا ہے یعنی پارڈے پڑا ہے تو اُسے بلا کر پوچھا جاتا کہ اُس کے ساتھ کیا سختی ہے اور وہ کیا چاہتا ہے۔ ڈوگرہ دیس میں پارڈہ پڑنے کی رسم صدیوں سے رائج تھی۔ پارڈہ پڑنے والے کو فریادی کہا جاتا تھا۔ آج بھی جو لوگ اپنی بات منوانے کے لئے بڑے بڑے حاکموں اور لیڈروں کے دروازوں پر جا کر مرن برت رکھتے ہیں اور حکومت وقت سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے بھوک ہڑتال کر دیتے ہیں یا جلوس اور جلسوں میں اپنے ساتھ ہو رہی بے انصافیوں کے خلاف مظاہرے کرتے ہیں، یہ بھی تو پارڈہ رسم کی ہی دُوسری شکل ہے۔ اگر پارڈہ پڑنے والے شخص کی دادرسی ہو جاتی تو وہ راجہ کو دعائیں دیتا واپس گھر لوٹ جاتا۔ اگر دادرسی نہ ہوتی تو وہاں ہی اپنے سینے میں خنجر گھونپ کر خودکشی کر لیتا یا آگ میں کود کر ظالم کو بد دُعا دیتا جاں بحق ہو جاتا۔

راجہ دھرب دیو کے وقت کی ایک براہمن کی کہانی عام طور پر بیان کی جاتی ہے کہ جس نے دھرب دیو کے دربار میں حاضر ہو کر فریاد کی۔ جب یہ براہمن گھر سے جموں کو چلا۔ تو اُس نے اپنے گھر والوں کو ہدایت کی کہ اگر اُس کے ساتھ انصاف نہ ہوا اور راجہ کے ہاں اُس کی شنوائی نہ ہوئی تو وہ خودکشی کر جائے گا۔ تو شور سُن کر تم سب نے بھی آگ میں اپنا آپ بھسم کر لینا ہو گا۔ راجہ دھرب دیو نے براہمن کی فریاد سُن لی اور اُسے پُورا انصاف مل گیا۔ تو وہ خوشی خوشی اپنے گھر کو واپس ہوا کہ اسی دوران شہر میں ایک مکان کو آگ لگ گئی۔ چاروں طرف دہائی مچ گئی۔ لوگ آگ بجھانے کو دوڑے۔ براہمن کے گھر والوں نے شور و شر سُن کر سمجھا کہ اُسے انصاف نہیں ملا۔ تو اُنہوں نے اپنے مکان کو آگ لگا دی اور سارے کا سارا کنبہ اُس میں بھسم ہو گیا۔ براہمن گھر پہنچا تو اپنی تباہی کا دردناک منظر دیکھ کر برداشت نہ کر سکا۔ اور اُس نے بھی خنجر اپنے سینے میں گھونپ کر جان دے دی۔

راجہ دھرب دیو نے بائیس سال حکومت کی۔ اپنی حکمت عملی، انصاف پسندی اور بہادری کی وجہ سے سارے پرگنہ جموں میں بے حد مقبول ہوا۔ اور دُوسری پڑوس کی ریاستوں میں اس کی عملداری اور انتظام کی مثالیں پیش کی جاتیں۔ راجہ دھرب دیو نے جموں راج کو زیادہ وُسعت تو نہ دی لیکن اپنے دادا راجہ ہری دیو کے وقت کے تمام علاقے اور راجواڑے جو اُس

مطیع کر رکھے تھے۔ اور راجہ گجے سنگھ کے وقت چند ایک جموں راج کی اطاعت سے منحرف ہو گئے تھے، سب کو اپنا باجگذار بنا لیا تھا۔ راجہ دھرب دیو کے چار بیٹے رنجیت دیو گھنسار دیو، سورت دیو اور بلونت دیو ہوئے۔ گھنسار دیو کی اولاد چانڈی (تحصیل ہیرا نگر) اور پنگرائیں بھلوال (تحصیل جموں) میں ہے۔ سورت دیو سے مہاراجہ گلاب سنگھ بانی ریاست جموں و کشمیر کا خاندان ہوا۔ اور بلونت دیو سے سروئیں سرا (تحصیل جموں) والے ہوئے۔

راجہ رنجیت دیو

راجہ دھرب دیو نے ۱۷۲۵ء میں وفات پائی۔ اور اس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ رنجیت دیو جموں کے تخت پر متمکن ہوا۔ راجہ پیدائشی بہادر، ذہین اور دُور اندیش تھا۔ دُور دُور تک اس کی بہادری کی شہرت پھیل گئی تھی۔ دس بارہ سال ہو گئے ہوں گے اسے تخت نشین ہوئے کہ راجہ اگر دیو دائی یا ہُو کی سازش سے نواب لاہور کے زیرِ عتاب آ گیا۔ نواب لاہور نے رنجیت دیو کو جموں سے بُلا کر حکم دیا کہ وُہ جنوبی ہند کے چند علاقے مغل شہنشاہ کے لئے فتح کرے۔ راجہ رنجیت دیو نے اپنی مجبوری ظاہر کی اور کہا کہ مجھے اس مہم کی تیاری کے لئے وقت درکار ہے۔ گورنر لاہور نے حکم عدولی کی بناء پر راجہ جموں کو نظر بند کر دیا۔ اور جموں کو براہِ راست لاہور کی ماتحتی میں لانے کے لئے فوج بھیج دی جس نے کہ جموں کا محاصرہ کر لیا۔ موضع پاوڑہ (جموں سے تین میل شمال مغرب) کے قریب گھمسان کی جنگ ہوئی۔ خوب تلوار چلی۔ راجہ رنجیت دیو کی نظر بندی کے دوران جموں کی حکومت گھنسار دیو اور سورت دیو نے سنبھال لی تھی۔ میاں رتن دیو منڈی والا سپہ سالار جموں تھا۔ اور میاں چندن دیو سوہل والا بھی جموں کی فوج میں جرنیل کا رُتبہ رکھتا تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے جوہرِ مردانگی دکھلانے میں راجپوتی شان اور آن کو قائم رکھ کر نواب لاہور کی فوج کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ لاہور کی فوج کثیر التعداد میں ماری گئی۔ جب اس ذلت آمیز پسپائی کی خبر نواب لاہور تک پہنچی تو وُہ بذاتِ خود ایک جرار لشکر لے کر جموں پر چڑھ دوڑا۔ جموں سے میاں گھنسار دیو اور سورت دیو نے بامداد میاں رتن دیو اور میاں چندن دیو سپہ سالاران اپنی فوج لے کر میر الصاحب کے مقام پر شاہی فوج کا راستہ روک لیا اور میدانِ جنگ جموں راج کے ہاتھ رہا۔ بلکہ نواب

لاہور کا بہت سا سامانِ حرب جموالوں کے قبضہ میں آگیا۔ چونکہ راجہ اگر دیو باہو والا نواب لاہور کا امدادی تھا۔ اِس لئے اُس کی ریاست کا بھی بہت سا حصہ اِس لڑائی کے دوران گھنسار دیو نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔

نواب لاہور کو شکست دینے کے بعد جموں پرگنہ کے تمام سرداروں اور آس پاس کی ریاستوں کے راجگان کی ایک کانفرنس جموں میں ہوئی۔ جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ راجہ رنجیت دیو کو نواب لاہور کی نظربندی سے چھڑانا ضروری ہے۔ خواہ اِس کے لئے لاہور پر حملہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اور کوہستان کے نزدیک و دُور کے تمام راجواڑوں میں اتحادی کانفرنس کا فیصلہ ( ) بجا ڈھول کی آواز پر نشر کیا۔ میاں گھنسار دیو اور صورت دیو خود راجگان راجوری کے پاس پہنچے اور حقیقتِ حال سے واضح کیا۔ راجہ راجوری نے جب راجہ رنجیت دیو کی نظربندی کا حال سُنا تو اُس نے بھی نواب لاہور کے خلاف سرکشی کر دی۔ اسی طرح رتن دیو اور چندن دیو نے سانبہ، جسروٹہ، کھنڈ وا اور بلاور کے راجگان کے ہاں جا کر نواب لاہور کے خلاف اُنہیں فوج کشی کے لئے آمادہ کر لیا۔ لیکن حادثہ یہ ہوا۔ کہ راجہ اگر دیو والئ باہو نے جموں کی راجدھانی کو خالی دیکھا تو اُس نے ایک زبردست حملہ کر کے جموں پر قبضہ کر لیا۔ اور جموں اور باہو دونوں راجواڑوں کا مالک و مختار بن گیا۔ جب گھنسار دیو اور صورت دیو کو معلوم ہوا تو وُہ سخت پشیمان ہوئے اور اُن کا منصوبہ لاہور کے خلاف فوج کشی کا دھرا کا دھرا رہ گیا۔ پھر چند ایک سال کے بعد میاں چندن دیو کو نواب لاہور کے پاس اِس درخواست کے ساتھ بھیجا گیا کہ باہو کے راجہ نے جموں کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ جموں کا راجہ رنجیت دیو آپ کی نظربندی میں ہے۔ اور یہ بڑی سخت بے انصافی ہے۔ کیونکہ مُغل شہنشاہ اکبر کے ایک پٹہ کے مطابق جموں اور باہو دونوں الگ الگ راج ہیں۔ اور ایک کو دُوسرے کے راج میں مداخلت کا کوئی حق نہیں۔ چونکہ جموں کا راجہ ہمیشہ ہی دہلی دربار کا اطاعت گذار اور وفادار رہا ہے۔ اِس لئے ہم راجہ رنجیت دیو کی طرف سے نواب لاہور کو یقین دلاتے ہیں۔ اور عہد کرتے ہیں کہ اگر آپ جموں کے راجہ رنجیت دیو کو رہائی دے دیں تو بدستور اطاعت گذار رہ کر ہر فرمان کی تعمیل کریں گے۔ میاں چندن دیو نے راجہ رنجیت دیو سے بھی ملاقات کی اور اُسے تمام حالات سے آگاہ کیا اور نواب لاہور سے کہا کہ جونہی راجہ رنجیت دیو جموں پہنچتا ہے آپ کا خراج بہت جلد بھیج دیا جائے گا۔

رنجیت دیو کی رہائی

نواب لاہور چونکہ دہلی دربار کی طوائف الملوکی سے سخت پریشان تھا۔ اور اُسے اپنی پوزیشن بھی غیر یقینی نظر آرہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ کوہستان جموں کے راجگان کو اس وقت اپنی حمایت میں کرلینا وقت کی ضرورت ہے۔ اس لیے اُس نے راجہ رنجیت دیو کو نظر بندی سے آزاد کر دیا۔ اور خلعت وغیرہ بلکہ ایک فوجی دستہ دے کر جموں کو واپس بھیجا۔ بارہ سال کی نظر بندی سے رہائی کے بعد جب راجہ رنجیت دیو لاہور سے جموں کی طرف آیا تو اُس نے میران صاحب کے مقام پر ڈیرہ ڈالا۔ اور خود ایک اکیلا بھیس بدل کر جموں پہنچا۔ جموں کی حالت ہی دگرگوں تھی۔ اُس نے سوچا کہ مختصر سی سپاہ کے ساتھ جموں کو قبضہ میں کرنا ان حالات میں مشکل ہے۔ گھنسار دیو اور سُورت دیو راجوری میں تھے۔ تو وہ جموں سے دُور علاقہ بھاگ (تحصیل اکھنور اور ریاسی کا پہاڑی علاقہ) میں دو تین ہمراہیوں کے ساتھ چلا گیا۔

پرنڈ کی بڑھیا

علاقہ بھاگ اُس کی ذاتی جاگیر تھی۔ وہ وہاں جاکر پناہ گزین ہوگیا۔ اور بے بسر و سامانی کی حالت میں دن رات جموں راج کی واپسی کے منصوبے باندھنے لگا۔ چند ایک ماہ اُسے بھاگ میں دربدر ہوتے بیت چکے تھے کہ ایک دن موضع پرنڈ (علاقہ بھاگ) سے گزر رہا تھا۔ لوگ سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ جموں کا راجہ جا رہا ہے جو کہ دشمنوں سے رُوپوش ہو کر ہمارے علاقہ میں آبیٹھا ہے۔ تو ایک بُڑھیا نے اپنے برآمدے سے رنجیت دیو کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔ اُس کا آدر سنکار کیا۔ اور پھر پُوچھا "یہاں کیسے آئے ہو؟ آپ تو جموں کے راجہ ہیں۔" رنجیت دیو خاموش۔ بڑھیا نے ذیل کا گیت ایسے مؤثر انداز میں گایا کہ رنجیت دیو کی آنکھیں کھل گئیں۔

جموں[1] نوائی دِلی آ تُیدا ماڑے پرنڈ کھلار
تے راجہ آسے تے جموآں گچھو مارے پتر نُو
ہور ساری چھیڑ لواؤ تے جموؤں گھنول
تا بھوا راجہ ـــ

یعنی کہ تم جموں کا راج دِلی والوں کو دے آئے ہو اور خود ہمارے گاؤں پرنڈ کھلاڑ

---

[1] اکثر ایک آج موضع پرنگل کی اس بڑھیا کے لوک گیت کو راجہ گلاب سنگھ سے منسوب کرتے

میں دربدر ہو رہے ہو۔ یہ تمہیں زیب نہیں دیتا۔ اگر تمہارے پاس فوج نہیں تو میرے ساتوں بیٹے سب سے پہلے اپنی فوج میں بھرتی کرو۔ اور جموں پر حملہ کرکے اپنا راج واپس لے لو۔ علیٰ ہذا القیاس۔

رنجیت دیو نے بڑھیا کے اِس گیت کو اپنے لئے پیغامِ الٰہی جانا اور جموں پر حملہ کرنے کے لئے جو قومی فوج بھماگ سے بنانا شروع کی، اُس میں اُس بڑھیا کے سات بیٹے سب سے پہلے بھرتی ہوئے۔ اتنے میں رنجیت دیو کے بھائی گھنسار دیو اور صورت دیو (مہاراجہ گلاب سنگھ کے پڑدادا) اُسے تلاش کرتے کرتے پہنچ گئے اور وُہ بھی رنجیت دیو کے ساتھ حملہ میں شامل ہو گئے۔ بھماگ سے چل کر رنجیت دیو نے اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ جہاں جہاں بھی قیام کیا وہاں کے نوجوان راجہ رنجیت دیو کی حمایت پر کمربستہ ہوتے گئے۔ اور جب رنجیت دیو نے غاصب راجہ اگر دیو باہو والے پر جموں میں حملہ کیا تو رنجیت دیو کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں جوان شامل تھے جنہوں نے راجہ اگر دیو کو مار بھگایا اور جموں کی حکومت سنبھال لی۔ راجہ اگر دیو شکست کھا کر لاہور کی طرف بھاگ گیا ہوا ہوگا

ہیں۔ اِسی طرح ایک دُوسرا گیت "بائی راج پہاڑ دے وِچ جموں آسر جار۔ رکھی لاج پہاڑی گلاب سنگھ جیا راج" بھی مہاراجہ گلاب سنگھ سے منسوب ہے۔ لیکن رنجیت دیو نے اپنے عہد میں بائیس راجگان پہاڑ مطیع کیے ہوئے تھے۔ اُس کا نام اِس دُوسرے گیت میں بھی کہیں نہیں آتا۔ اگر ہم دونوں لوک گیتوں کو تاریخ کی کسوٹی پر جانچیں تو پتہ چلتا ہے کہ گلاب سنگھ ۱۶ برس کا تھا تو گھر سے نکل گیا۔ اور وہاں لاہور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ملازم ہو گیا۔ بچپن کے سولہ سالہ عرصہ میں ہسٹری ہمیں کہیں نہیں بتاتی کہ اُس نے دشت نوردی کی ہو اور وُہ بے سروسامانی کی حالت میں کہیں پناہ گزیں رہا ہو۔ اگر بالفرض سولہ سال کی عمر تک گلاب سنگھ نے دشت نوردی کی ہے تو یہ کہیں نہیں پایا جاتا کہ وُہ علاقہ بھماگ کے موضع پرنڈ میں کبھی پہنچا ہو یا علاقہ بھماگ اُس کی ذاتی جاگیر رہی ہو۔ اور پھر وُہ تو ۱۶ برس کی عمر میں جموں کا راجہ نہیں تھا۔ جموں کا راجہ تو اُس وقت رنجیت دیو کا پوتا جیت سنگھ تھا۔ گلاب سنگھ کو جموں کا راج ۱۸۲۲ء میں ملا۔ اُس کے بعد اُس کے اقبال کا ستارہ دن بدن چمکا۔ اندریں حالات اور واقعات کی روشنی میں پرنڈ کھاڑ والا گیت لوک گیت رہا ہے جو آج بھی پہاڑی علاقہ میں رَسے سے گایا جاتا ہے۔ لیکن اِس گیت کو گلاب سنگھ سے منسوب

راج گھنسار دیو کو دے دیا گیا۔ لیکن اگر دیو نے نواب لاہور سے جاکر فریاد کی اور اپنی اطاعت گذاری کا واسطہ دیا تو نواب لاہور نے بیچ بچاؤ کر کے راجہ اگر دیو کو باہو کا راج دلا دیا تھا۔ کچھ حصہ باہو شامل جموں کر لیا گیا۔ راجہ اگر دیو نے راجہ رنجیت دیو کی ماتحتی بھی قبول کر لی۔ راجہ گھنسار دیو کو علاقہ بھلوالتہ (اودھم پور) جاگیر دی گئی۔ ہسٹاریکل سوسائٹی پنجاب ۱۹۱۵ء اس امر کی شہادت ہے کہ راجہ رنجیت دیو نے جموں کے تخت پر بحال ہو کر اپنے تدبّر اور فہم و فراست سے جموں راج کو بہت زیادہ توسیع دی۔ مہاراجہ رنجیت دیو نے راجگان پہاڑ میں سربلندی حاصل کی اور مہاراج کی پدوی پائی۔ اس نے دو بیاہ خاندان کٹوچ میں اور ایک خاندان سلہریا میں اور ایک خاندان رکوال میں کیا تھا۔ مہاراجہ رنجیت دیو کی بڑی رانی کٹوچ سے راجہ برج راج دیو اور دوسری رانی سے دلیل دیو اور دو بیٹیاں تھیں۔ ایک کی شادی بسوہلی کے راجہ امرت پال سے ہوئی تھی اور دوسری راجہ پرتھی سنگھ والئی نورپور سے بیاہی تھی۔

مہاراجہ رنجیت دیو کے دربار میں کئی ایک وِدوان پنڈت تھے اور یہ عالموں کی قدر

کرنا تاریخ کے سراسر خلاف ہے۔

آٹھ نو سال ہوئے۔ لسانیات کے ماہر ڈاکٹر سدھیشور ورما جنہوں نے ریاست کا چپہ چپہ دیکھا ہے۔ اور ڈوگرہ دیس کے رسم و رواج، کلچر، تمدن اور مختلف زبانوں، بولیوں اور بھاشا سے پوری طرح آگاہ ہیں، نے بھی ڈوگری میگزین "نمی چیتنا" میں ایک مضمون کے دوران "The song which inspired Maharaja Gulab Singh" کا حوالہ دیا ہے۔ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں عار نہیں کہ علاقہ بھاگ میں آج بھی جا کر لوک گیت گانے والوں سے دریافت کرو تو وہ یہی جواب دیں گے کہ یہ گیت مہاراجہ گلاب سنگھ کو یہاں کی ایک بڑی بڑھیا نے سُنا کر بیدار کیا تھا۔ اور شاید اسی بناء پر ڈاکٹر سدھیشور ورما نے اس گیت کو گلاب سنگھ سے منسوب کر دیا ہو کہ بھاگ کے لوگ ایسا کہتے ہیں۔ لیکن تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بھاگ میں مہاراجہ رنجیت دیو پناہ گزیں ہوئے تھے نہ کہ گلاب سنگھ۔ چونکہ مہاراجہ رنجیت دیو کی حکومت کو دو سو سال کے لگ بھگ ہو گئے ہیں اور مہاراجہ گلاب سنگھ کو ایک سو سال، اس لئے دو صدی پرانے گیت اور سچے واقعہ کو ایک صدی کے قومی ہیرو مہاراجہ گلاب سنگھ سے منسوب کیا جاتا ہے۔

کرتا تھا ـــــــ خاندان راجگان بھدرواہ کا ایک پروہت دیودت المعروف کوی دتو تھا جو کہ ہندی کا عظیم شاعر تھا جس نے مہاراجہ رنجیت دیو کے کہنے پر ۱۷۶۱ء میں مہابھارت کا دروں پرب موسومہ بیربلاس سنسکرت سے ہندی میں منظوم ترجمہ کیا۔ اس کے کبت اور چھند اُس زمانہ کی شاعری کا ایک نمونہ ہیں۔

ریاست جموں کی ترقی

اٹھارھویں صدی ریاست جموں کی تاریخ میں ایک اہم تبدیلی کا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ راجہ رنجیت دیو نے صحیح معنوں میں سن ۱۷۵۰ء سے ۱۷۸۱ء تک حکومت کی۔ اور اُس کا یہ عہد جموں میں خوشحالی اور امن کا تھا۔ ان ایام میں ہندوستان اور پنجاب میں انتشار اور بدنظمی کا دور دورہ تھا۔ یعنی وہ زمانہ تھا جبکہ مغل سلطنت زوال کے تھپیڑوں میں تہ و بالا ہو رہی تھی اور اُس کا شیرازہ بالکل بکھر چکا تھا۔ بیرونی حملوں کی سختی اور اندرونی بغاوتوں نے اسے برائے نام حکومت بنا دیا تھا۔ اور اس سلطنت کے تمام ہندوستان میں ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے جانشینوں کی نااہلیت مغل سلطنت کی پائمالی کا سبب بن

لوگوں کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اُن کے علاقہ میں کون جموں کا راجہ پناہ گزیں ہوا تھا کہ جس نے اُن سے فوجی بھرتی لے کر جموں کو واپس اپنے قبضہ میں لیا تھا۔ چونکہ گلاب سنگھ سپاہی سے ترقی کر کے مہاراجہ بنا۔ علاقہ بھماگ کے لوگوں نے اپنے لئے یہ فخر اور سربلندی سمجھی کہ شاید گلاب سنگھ ہی ہمارے علاقہ میں پناہ گزیں رہا ہو۔ مہاراجہ رنجیت دیو اُنہیں یاد نہیں۔ کیونکہ وہ دو صدی پہلے ہوا۔ اور جس کے بعد ریاست جموں میں کتنا اُتھل پتھل ہوا اور کیا کیا انقلاب آئے۔ رنجیت دیو کے خاندان کی حکومت ختم ہو گئی۔ اُنہیں مہاراجہ گلاب سنگھ یاد رہا جو کہ اس صدی میں ہو گزرا اور جس کے خاندان کی حکومت آج بھی مہاراجہ کرن سنگھ صدر ریاست جموں و کشمیر کے رُوپ میں قائم ہے۔ گلاب سنگھ کی شخصیت کے ساتھ ریاست کے ہر گاؤں اور علاقہ میں بے شمار حکایات اور داستانیں وابستہ ہیں جو کہ زبان زد عام ہیں۔ ان حکایتوں کی مانند یہ گیت بھی جو رنجیت دیو کی ترقی اور حکمرانی کا سبب بنا، گلاب سنگھ سے وابستہ کیا گیا ہے۔ مہاراجہ رنجیت دیو کے بعد اُس کی اولاد اس پایہ کی نہ ہوئی کہ حکومت اُس کے ہاتھ رہتی لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ کے بعد جموں و کشمیر ریاست کی حکومت اُس کے ہی خاندان میں رہی۔ اس لئے پرنالہ کلداڑ والا لوک گیت

ٹھکی تھی۔ ایک طرف مرہٹے اقتدار حاصل کر رہے تھے تو دوسری طرف دکن میں نظام شاہی کا بول بالا ہو رہا تھا۔ بنگال ایک افغان سردار کی ماتحتی میں خود مختار ہو گیا تھا۔ اسلامی حکومت کے زوال سے پنجاب میں سکھ اُبھر رہے تھے۔ پنجابی علاقوں میں بدحالی، بدنظمی اور اقتصادی بدتری زوروں پر تھی۔ یہاں تک کہ عوام کو روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی کا میسّر آنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ پروفیسر گوردھن سنگھ جموال کے الفاظ میں جو مغل سلطنت سولھویں صدی میں بابر کی قوتِ عمل اور انتظامی صلاحیت سے وجود میں آئی تھی، اب موت کی ہچکیاں لے رہی تھی۔ افغانستان کی ہندوستانی میدانوں سے علیحدگی کے بعد وسطی ایشیا کے حملہ آوروں کے لئے دروازے کھل گئے۔ اورنگ زیب کی وفات کے تیس سال بعد نادر شاہ نے دہلی کو غارت کیا۔ اُس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے افغانستان سے اُٹھ کر ہندوستان پر حملہ کیا اور ۱۷۴۸ء۔۱۷۶۷ء کے درمیان سارے پنجاب پر تسلط جما لیا۔ لیکن ابدالی کے جانشین سکھ مثلوں کے اُبھرتے ہوئے اقتدار کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ اُسی وقت جبکہ سکھ افغانوں اور مغلوں کے خلاف فیصلہ کن لڑائیاں لڑ رہے تھے تو راجہ رنجیت دیو جموں کی جدید ریاست کی طرح ڈال چکے تھے۔ مہاراجہ رنجیت دیو نے ڈوگرہ دیس کے بائیس راجواڑوں کو اپنا مطیع کیا۔ چنانچہ بسوہلی، منکوٹ، چنینی، کشتواڑ اور بھدرواہ کی ریاستوں کے علاوہ کوہستان کے تمام راجواڑوں میں اُس کا علم لہرانے لگا۔

برج راج پنجاسکہ

مہاراجہ رنجیت دیو کے بڑے بیٹے راجہ برج راج دیو نے ریاست چمبہ کی راجکماری سے شادی کی تھی۔ ایک دن

یا بائی راج پہاڑ دے یا دوسری کہانیاں سب مہاراجہ گلاب سنگھ سے وابستہ ہوئیں ۔۔۔ "بائی راج پہاڑ دے زیچ جموں آ سردار" والا گیت مہاراجہ گلاب سنگھ کی شان میں گایا گیا۔ اور آج بھی ڈوگرہ دیس میں ہر جگہ گایا جاتا ہے۔ کہانیاں اور حکایتیں اُن سے وابستہ سمجھنا درست ہے لیکن پرنالہ والا لوک گیت ہرگز ہرگز مہاراجہ گلاب سنگھ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ گیت مہاراجہ رنجیت دیو کے ساتھ وابستہ کرنا حقائق اور تاریخ کی صحیح ترجمانی ہے۔ ہم مہاراجہ گلاب سنگھ کے عروج کے متعلق تمام واقعات اس جلد میں کسی آئندہ باب میں درج کر رہے ہیں جن کے مطالعہ سے ہمارے مندرجہ بالا خیال کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

Scanned with CamScanner

راجہ رائے سنگھ والیٔ چمبہ نے مہاراجہ رنجیت دیو کو لکھا کہ ہمارا قلعہ پٹھیار راجہ گھمنڈ چند کٹوچ والیٔ کانگڑہ نے زبردستی اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ اس پر مہاراجہ نے اپنے بڑے بیٹے والیٔ چمبہ کے داماد برج راج دیو کو اس مہم پر جانے کا حکم دیا کہ وہ چمبہ کا قلعہ واپس دلاکر راجہ کانگڑہ کو امن و آشتی سے رہنے کا درس دلائے۔ چنانچہ مہاراجہ رنجیت دیو کے احکام سے راجہ عظمت دیو منکوٹیا، شمشیر چند والیٔ چنینی، امرت پال راجہ بسوہلی، راجہ رتن دیو جسروٹیہ، راجہ جے سنگھ بندرال ولیعہد جموں برج راج دیو کی حمایت میں اکٹھے ہوئے۔ اور میاں رتن دیو پرانی منڈی والا کو تمام فوجوں کا سپہ سالار بنا کر کوچ کا حکم دیا۔ اس مہم کو تفصیل سے راج کوی پنڈت دتو جی نے اپنی کتاب "برج راج پنجاسکہ" میں اس پیرایہ سے ہندی نظم کیا ہے کہ انتہائی بزدل اور کائر بھی اسے ایک بار پڑھ لیں تو تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ لیں۔ برج راج پنجاسکہ میں مہم کانگڑہ کا آنکھوں دیکھا حال کوی دتو نے بیان کیا ہے کہ برج راج دیو نے جموں سے کوچ کر کے پہلا ڈیرہ ہرمندر میں کیا۔ وہاں سے دوسرے دن دریائے راوی کے کنارے مقام کیا۔ جہاں سواروں نے گھوڑوں پر ہی دریا عبور کیا۔ اور پاپیادہ فوج کو کشتیوں کے ذریعہ پار اتارا۔ وہاں سے ماچھی بھون جا کر ڈیرے لگائے۔ اس جگہ راجہ پرتھی سنگھ والیٔ نورپور بھی آملا۔ وہاں سے تالاب راجہ پر مقام کیا۔ وہاں گلیر کا راجہ گوردھن چند حاضر آیا اور اطاعت قبول کی۔ وہاں سے مقام ہری پور گلیر کی راجدھانی میں آئے۔ اور جب کانگڑہ کی حد شروع ہوئی تو پٹھانوں کی فوج کو جو کہ ہمرکاب تھی، لوٹ مار کا حکم دے دیا۔ جنہوں نے جی بھر کر کانگڑہ کے دیہات اور قصبوں کو لوٹا اور جلایا۔ لوگ بھاگ نکلے۔ اسی وقت راجہ رائے سنگھ والیٔ ریاست چمبہ آگیا۔ کانگڑہ پرگنہ کو لوٹ اور جلا کر دریائے بان گنگا (بنڈیر) کو عبور کیا۔ وہاں سے جوالامکھی جا کر ڈیرہ لگایا۔ اس جگہ راجہ گوپی چند راجہ ڈھڈوال نے حاضر آکر نذر گزاری۔ راجہ کٹوچ نے نادون سے بھاگ کر کلیشور کے مقام پر پناہ لی۔ برج راج دیو نے چنور، گہاسن، گلیر سے اندر پالم پور کا علاقہ معہ قلعہ پٹھیار کے راجہ چمبہ کو دیا۔ نادون میں اس نے اپنے ایک اہلکار کو بٹھا دیا اور محل موریاں کا علاقہ راجہ دلیپ چند والیٔ گھلور کو دے دیا۔ پھر کلیشور سے ہو کر کوٹلہڑ پر دھاوا کیا اور وہ علاقہ بھی راجہ دلیپ چند کو دے دیا۔ پھر سیبہ پر قبضہ کیا۔ راجہ نرائن چند نے اطاعت قبول کر لی جس کے راج سے ہو کر پرتھوی پور

Scanned with CamScanner

راجہ گوبند چند ڈھنڈوال کو دیا گیا۔ وہاں سے گراسن کی راہ مقام ڈیرہ گوپی پور میں گیا۔ اور راجہ ابھیرام سنگھ والئ ریاست جسوال کو جس کے علاقہ میں راجہ گھمنڈ چند نے جا کر پناہ لی تھی، خط لکھا کہ یا تو گھمنڈ چند کو وہاں سے نکال دو یا ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار رہو۔ راجہ ابھیرام سنگھ نے خط پڑھا اور دست بستہ راجہ برج راج دیو کی خدمت میں آ کر معذرت کی۔ راجہ برج راج دیو نے اُس کا خیر مقدم کیا۔ اسی اثناء میں راجہ گھمنڈ چند بھی آ کر خواستگار معافی ہوا اور اطاعت قبول کر کے اپنا علاقہ واپس لیا۔ اس طرح جالندھر تک راجہ برج راج دیو پہنچا اور وہاں اپنا جھنڈا گاڑ کر واپس ہوا۔ اور ڈیرہ گوپی پور میں پہنچ کر سب راجوں کو اپنے اپنے راجواڑوں میں واپس کیا۔ راجہ گھمنڈ چند کا بیٹا تیغ چند جموں سے آ کر رخصت ہوا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۷۶۳ء کا ہے۔

کوی دتو

مہاراجہ رنجیت دیو کے عہد میں پنڈت دیو دت المعروف کوی دتو جموں میں وارد ہوتا ہے۔ وہ بھنڈو (تحصیل بسوہلی) کے رہنے والا تھا۔ اور وہاں کے راجگان ہنڈوال کے گوڑ پروہتوں کے ایک گھرانے کا روشن چراغ تھا۔ بھنڈو میں اُس وقت پرتھوی پال راج کرتا تھا۔ اور جموں کے ولی عہد برج راج دیو میں دوستانہ تعلقات اور کافی محبت تھی۔ اور ان دونوں راجاؤں نے مل کر کوی دتو کو مہابھارت کا درون پرب سنسکرت سے ہندی بھاشا میں منظوم کرنے کے لئے کہا۔ چونکہ راجہ رنجیت دیو کے دربار میں ودوانوں کی بڑی قدر تھی، اس لئے کوی دتو بھنڈو چھوڑ کر اپنے راجہ پرتھوی پال کی منشاء سے جموں چلا آیا تھا۔ اور یہاں آ کر ولی عہد برج راج دیو کے درباریوں میں ممتاز درجہ حاصل کر لیا۔ کوی دتو نے درون پرب کا ہندی میں منظوم ترجمہ سنہ ۱۷۶۱ء میں شروع کیا اور سنہ ۱۷۶۶ء میں ختم کیا۔ اور اس کا نام ہندی میں "ویر ولاس" رکھا۔ اور یہ ترجمہ ایسے دلکش انداز میں کیا کہ کہیں بھی اصل شلوک کے مفہوم سے بھٹکنا نہیں پڑتا۔ ویر ولاس کی زبان برج بھاشا ہے لیکن ہے بہت آسان۔ الفاظ کے چناؤ میں بناوٹ معلوم نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی قوتِ گویائی بڑی روانی سے جاری ہے۔ صاف ظاہر پڑتا ہے کہ کوی دتو کو سنسکرت اور ہندی دونوں زبانوں پر کمال عبور حاصل تھا۔ مثلاً درون پرب کا ترجمہ سپہ گری کا نمونہ ویر ولاس کے ردیپا میں دیکھئے۔

بھبردں کو جھید ابھاس ہے اک سورن کو انگ ہی سٹ کھدائی

سائیک واری ترنگ رنترنگ مست گھبنکنی کے جن پھالی
میں بجے کرتال سکھپ بھرسے مردنگ مرور شہنائی
یوں ودھ سوہنت کی سرینا یم کے پور کو دھوج راج بھائی

دلو کوی کو جتنا عبور سنسکرت اور ہندی پر تھا، اتنا ہی انہیں اپنی زبان ڈوگری کی نظم پر تھا۔ ڈوگری نظم کا نمونہ بھی دیکھیے۔ جب کانگڑہ کے لوگوں نے سنا کہ برج راج دیو کی فوج آپہنچی ہے تو وہ کہنے لگے ؎

کدان دی بجھو را بھاوں ہمیں ٹلیا کھسیا پٹھارا مت کیتی جے گوالاں دی
گاہنے ہی لنگھی بنتا ندی بری ماری ہن۔ ماچھی بھون آئی ہندے فوج جھوالاں دی
ایجے کلے منج ملی نین سال گلیریاں جہ بوسی پن چال اوہاں کیہیں ڈھڈوالیاں نی
بیڑے اسانے بڑا جور پاسے کی جاگے بولیا بوتیر کیا چڑھ جسوالاں دیا

اوپر کے کبت میں کانگڑی اور ڈوگری بھاشا کو ملا کر نظم میں جو روانی اور مٹھاس پیدا کی تھی وہ دلو کوی کا ہی حصہ ہے۔ اسی طرح جب برج راج دیو نے کانگڑہ اور جالندھر کے بعد واپس آکر ہیرمندر پہنچا جہاں سے جموں صرف ایک پڑاؤ رہ گیا تھا، تو آپ ڈوگری میں لکھتے ہیں کہ اب بسیا ہیوں کو جموں توی کا گرم پانی کیسے اچھا لگے گا۔ فوجیوں کی بہادر عورتیں طعنے دیتی ہیں کہ برسات آگئی گھر پہ ہیں تم سے ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے ؎

ٹھنڈے ٹھنڈے پانی جنیں پینے برفانی بھلو — توی آدا پانی ہن چیتے کسی آوندا
بٹے مٹے چوپے جنیں امرنتیاں پنجلے نے — کہنیاں خربوزہ ہن ہندے من بھاوندا
لکھی لکھی نکھے نین پکے راہ دکھی دکھی — دس بجینے ایہہ کھیل جھوٹری کن آوندا
پیئی برسانت بھری انہندے من سانت — بھلو اس بکھی کیسکی تساڈا من آوندا

ڈوگرہ دیس کو جب تک یہ دنیا قائم ہے، ہندی بھاشا اور ڈوگری کے اس عظیم شاعر پر بجا طور پر ناز رہے گا۔

راجہ راجان کا خطاب کانگڑہ کی فتوحات کے بعد سب سے اہم مہم کشمیر کی تھی۔ کہ صوبہ دار لاہور جو کہ احمد شاہ ابدالی کی طرف سے وہاں متعین تھا، نے مہاراجہ رنجیت دیو کو لکھا کہ راجہ سکھ جیون نے افغان اطاعت سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ کشمیر میں جا کر اس کی سرکوبی کی جائے۔ چنانچہ

Scanned with CamScanner

اس مہم میں جموں کی فوجوں کے قابلِ ذکر سپہ سالار میاں رتن دیو منڈی والا، وزیر کاہنوں سلاتھیہ اور گھنوق بھلوال تھے جنہوں نے ایک ہی حملہ سے راجہ سکھ جیون کی فوجوں کو شکست دے کر اُسے گرفتار کر لیا۔ اور پابہ زنجیر لاہور پہنچایا گیا۔ احمد شاہ ابدالی نے ڈوگرہ افواج کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے رنجیت دیو کو راجۂ راجان کے خطاب سے نوازا۔ اور سالانہ ساٹھ خروار پیدا کرنے والی جاگیر عطاء کی جس کی قیمت سوا لاکھ روپیہ ہوتی ہے۔ اسی سال لاہور کا صوبہ دار کابلی مل سکھوں کے دباؤ سے تنگ آکر جموں میں پناہ گزیں ہوا۔

رنجیت دیو کا نظم و نسق

ایک وسیع اور مالا مال ریاست قائم کرکے رنجیت دیو نے انصاف، انسانیت اور رواداری کے اصولوں پر حکومت کی بنیادیں استوار کرنے کی طرف توجہ دی۔ اُس نے عام انتظامیہ سے متعلق افسروں کے رویے پر کڑی نگرانی شروع کی۔ کہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اُس کی نگاہ سے پوشیدہ نہ رہتی تھیں۔ جن افسروں کے خلاف رعایا پر ظلم کرنے اور انہیں تنگ کرنے کا جُرم ثابت ہوتا تھا، اُنہیں سخت سزا دی جاتی تھی۔ بلکہ اُنہیں ملازمت سے برطرف کیا جاتا تھا۔ اُس نے زمین کی کاشت اور مالیہ کی وصولی کے نظام میں اصلاحات رائج کیں۔ مالیہ کے علاوہ کاشت کاروں کو قانونگو، نمبردار اور چوہدری کے لئے جو قانونی ٹیکس دینا پڑتے تھے، اُنہیں ختم کر دیا گیا۔ اہلکاروں کو اُن کی تنخواہ باقاعدہ ملنے لگی اور اُنہیں سخت ہدایت کی گئی کہ وُہ کسی قسم کی رشوت یا بے قاعدگی سے گریز کریں۔ ساہوکاروں کے لئے ایک دستور العمل بنایا گیا کہ وُہ قرض دی گئی رقم پر زیادہ سے زیادہ اُس کا نصف حصہ بطور سُود لے سکتے ہیں لیکن قرضہ کی بناء پر قرضدار کے کنبہ سے مُفت خدمت نہیں لے سکتے۔

سماجی اصلاحات

مہاراجہ رنجیت دیو نے ستی کی رسم پر پابندی عاید کی۔ اُس نے اپنی رانیوں کو سمجھایا کہ وُہ اُس کی وفات پر اُس کے ساتھ ستی نہ ہوں۔ چنانچہ جب رنجیت دیو کا انتقال ہوا تو اُس کی دو رانیاں اُس کی چِتا میں بھسم نہ ہوئیں۔ اُس نے بڑے بڑے راجپوت گھرانوں میں لڑکیوں کے پیدا ہوتے ہی دفن کرنے کی بُری رسم کو بند کرنے کے احکام جاری کئے۔ اور پہلی مثال اپنے گھر میں قائم کی۔ کہ اُس نے اپنی دو لڑکیوں کو دفن کرنے کی بجائے بڑے ناز و نعم سے پالا اور اُن کی شادیاں بسوہلی اور نور پور کے راجوں سے کیں۔

Scanned with CamScanner

کالے جادو اور ڈائنوں کے جادو ٹونے کو وہ بالکل فضول اور بے بنیاد سمجھتا تھا اور وہ ان توہمات سے بالاتر تھا۔ اس سلسلے میں اس سے پہلے جن عورتوں پر جادو ٹونے کرنے کا الزام ہوتا، انہیں منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرا کے پھرایا جاتا تھا۔ یہ پرانی رسم بھی ٹھکا بند ہو گئی۔ اس کے علاوہ ڈوگرہ دیس کی اس پرانی رسم کو جسے "پاڑہ پڑنا" کہتے تھے ختم کر دی گئی۔ "پاڑہ کی رسم جس کا پہلے بھی ذکر آیا ہے۔ کہ جب مظلوم کی کہیں داد رسی نہ ہوتی تھی تو وہ شخص راجہ کو اپنی فریاد سنانے کے لئے پیپل کے درخت پر الٹا لٹک جاتا تھا۔ اور اگر راجہ کے ہاں سے بھی اسے انصاف حاصل نہ ہو تو وہ اپنے پیٹ میں خنجر گھونپ کر خودکشی کر لیتا تھا۔"

سیاسی و اقتصادی استحکام

مہاراجہ رنجیت دیو کی سیکولر اور انصاف پسند پالیسی کافی تعداد میں دولت مند سوداگروں، ہنرمندوں اور مختلف عقیدہ اور مذہب کے لوگوں کو جموں میں کھینچ لائی۔ پرنسیپٹ (PRINCEPT) لکھتا ہے کہ "اس زمانہ میں جموں کا شہر بہت ہی خوشحال اور پُرامن تھا۔ کیونکہ پنجاب کی اتھل پتھل سے گھبرا کر بہت سے دولت مند تاجر یہاں پناہ لینے آتے تھے۔ یا انہوں نے اپنی فرموں کی شاخیں یہاں قائم کی تھیں۔ اس غرض کے لئے جموں کا محل وقوع بڑا موزوں تھا۔ اور رنجیت دیو کے عہد میں اس قسم کے لوگوں کو امن اور حفاظت سے رہنے کی ضمانت ملتی تھی۔"

اُس وقت اس شہر کے سب سے دولت مند لوگوں میں لالہ پنڈی داس جوالا داس، شہزادہ مل، ملکھی شاہ اور بہار شاہ قابلِ ذکر ہیں۔ فاسٹر اپنا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اُس نے بنارس میں لی ہوئی ہنڈی پر بنارس کے کشمیری لال کے بھتیجے جموں کے جوالا داس کی دوکان سے نقد رقم وصول کی۔

پنجاب کے سب سے زیادہ قابلِ ذکر خاندان، جنھوں نے جموں میں پناہ لی، راجے مہاراج راجہ گورانند مل اور لاہور کے ہندو گورنر راجے کابلی مل تھے۔ پنجاب کے مغل گورنر میر منو کی بیگم ثریا بھی جموں میں آ کر قیام پذیر ہوئی۔ مسلمان صوفیوں میں جو لوگ جموں آئے، اُن میں صوفی شاہ اور کبیری شاہ قابلِ ذکر ہیں۔ اُن کے مقبرے بھی پیر مٹھا جموں میں واقع ہیں۔ مہاراجہ رنجیت دیو کی حکمرانی کی داد دیتے ہوئے جارج فاسٹر لکھتا ہے:-

Scanned with CamScanner

راجہ رنجیت دیو ہر لحاظ سے ایک دانشمند اور انصاف پسند حکمران تھا جس نے جموں کی اہمیت اور دولت میں سب سے زیادہ حصّہ لیا۔ اُس نے سمجھ لیا تھا کہ مسلمان تاجروں کے شہر میں قیام کے کیا فائدے ہیں۔ چنانچہ وہ اُن کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اور اُن کے ساتھ نہایت باعزت برتاؤ کرتا تھا۔ مسلمانوں کے لیے اُس نے شہر کا ایک حصّہ مخصوص کر دیا تھا جس کا نام مُغلپورہ رکھ لیا گیا۔ کسی قسم کی امتیاز کی بُو ختم کرنے کے لیے اُس نے اس حصہ میں ایک مسجد بنوائی۔"

مُسلمان[1] رعایا کا اُسے اعتماد حاصل تھا۔ وہ اُن کے مذہبی جذبات کا بے حد احترام کرتا تھا۔ جب مُسلمان عبادت میں مصروف ہوتے۔ اور وہ جب اُس راستے گھوڑے پر سے گزرتا تو وہ اپنا گھوڑا روک لیتا جب تک کہ نماز ختم نہ ہو لے۔ ایک دفعہ ہندوؤں نے اپنے راجہ سے شکایت کی کہ شہر کے تمام کنوئیں مُسلمانوں کے برتنوں کی وجہ سے صاف نہیں رہتے۔ لہٰذا مسلمانوں کو صرف دریا کا پانی ہی پینے کی اجازت دی جانی چاہئے۔ اُس نے یہ شکایت فوراً مسترد کر دی اور کہا کہ پانی ایک پوتر شے ہے جو انسانیت کے عام استعمال کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اور یہ کسی فرقے یا طبقہ کے مَس سے ناپاک نہیں ہوتی۔

راجہ رنجیت دیو کے عہد میں جموں ایک بڑا بھاری تجارتی مرکز بن گیا جس کی مثال شمالی ہند کے کسی شہر میں اُس وقت نہ مِل سکتی تھی۔ کیونکہ یہاں ہر قسم کی حفاظت اور خوشحالی میسّر تھی۔ راجہ رنجیت دیو کے عہد میں جہاں جموں راج میں ودوان پنڈت سنسکرت کے کوی اور ہندی کے شاعر۔ فارسی کے عالم اور فاضل۔ دولتمند سوداگر اور ماہر ہنرمند آکر بود و باش اختیار کی وہاں اُس کے دربار میں فنِ مصوّری کے ماہر آرٹسٹ بھی آکر شامل ہوئے۔ چنانچہ ایک مصوّر نین سُکھ کا نام لیا جا سکتا ہے جو کہ اپنے چار آرٹسٹ بیٹوں کے ساتھ یہاں آیا اور جس نے راجہ رنجیت دیو کے چھوٹے بھائی راجہ بلونت دیو کی کئی ایک تصویریں بنائیں جو آج بھی لاہور اور لنڈن کے عجائب گھروں کی زینت ہیں۔ ایسے ہی آرٹسٹوں کی آمد سے جموں آرٹ کے مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اور راجہ رنجیت دیو کی سرپرستی میں پہاڑی مصوّری کا جموں سکول مشہور ہوا۔

---

[1] تاریخ جموں کا سنہری باب از پروفیسر گوردھن سنگھ ممبوال۔

مُغلانی بیگم

راجہ رنجیت دیو نے مسلمانوں کے لئے شہر میں ایک خاص محلہ مغل پورہ یا محلہ افغاناں مخصوص کر دیا تھا اور اس کی مذہبی رواداری کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ پنجاب میں حالات خراب تھے مُغلی دبدبہ اُٹھ چکا تھا اور پنجاب کے گورنر میر منّو کی بیگم ثریا جو مغلانی کے نام سے مشہور تھی، اپنے لئے کوئی محفوظ اور پُرامن مقام ڈھونڈ رہی تھی جہاں کہ وُہ اپنی دربدری سے نجات حاصل کر کے بقیہ زندگی چین سے گزارے۔ چُنانچہ جب وُہ بٹالہ میں تھی تو اُسے جموں کی خوشحالی اور سیاسی استحکام کا حال معلوم ہوا۔ اور راجہ رنجیت دیو کی رعایا پروری اور مذہبی رواداری کی کئی داستانیں اُس نے سُنیں۔ تو اُس نے جموں شہر کا رُخ کیا۔

اس بیگم کا حال یہاں تفصیل سے لکھنا پڑے گا کیونکہ اُس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ڈوگرہ دیس میں گزارا ہے۔ مُغلانی بیگم ۱۷۵۹ (1759) سنہ میں جموں میں وارد ہوئی۔ اس بیگم کا اصلی نام ثریا بیگم تھا۔ سسرال میں جاکر یہ مُراد بیگم کے نام سے مشہور ہوئی۔ جموں میں یہی مُراد بیگم مغلانی بیگم کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اور تاریخ بھی اُسے اسی نام سے یاد رکھے ہوئے ہے۔

مُغلانی بیگم ایک مشہور بیگم کی لڑکی تھی جس کا نام عمدہ بیگم تھا جو جانی خان کی بیوی اور عبدالصمد جو کہ سنہ ۱۷۱۳ سے ۱۷۲۶ تک پنجاب کا مغل صوبیدار تھا، کی لڑکی تھی۔ مُغلانی بیگم کے خاوند کا نام معین الملک تھا جو پنجاب کی تاریخ میں میر منّو کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سنہ ۱۷۴۸ سے ۱۷۵۳ تک پنجاب کا گورنر رہا۔ سکھ تاریخ میں اس گورنر کا نام خاص طور پر مشہور رہا ہے۔ اس کا باپ نواب قمر الدین خان تھا جو سنہ ۱۷۲۴-۴۸ تک دہلی میں مُغل بادشاہوں کا وزیرِ اعظم تھا۔ اس طرح یہ مغلانی بیگم اپنی ماں کی جانب سے اور خاوند کے خاندان کی جانب سے بھی اُس وقت کے حکمرانوں سے نزدیکی تعلق رکھتی تھی۔

مُغلانی بیگم ۱۸ سال کی تھی کہ اُس کا خاوند میر منّو وفات پا گیا اور اس کا کم عمر لڑکا محمد امین خان اس کی سرپرستی میں پنجاب کا گورنر سنہ ۱۷۵۳-۵۴ میں رہا۔ اصل میں مُغلانی بیگم ہی پنجاب کی صوبیدار تھی۔ اس طرح پنجاب کے ایک صوبیدار کی نواسی، دوسرے صوبیدار کی بیوی، تیسرے صوبیدار کی ماں اور چوتھی خود پنجاب کی صوبیدار رہی۔ مغلانی بیگم کی ایک لڑکی عمدہ بیگم تھی۔

احمد شاہ دُرانی نے پنجاب اور دہلی پر کئی حملے کئے اور سنہ ۱۷۵۶ میں جو سب سے بڑ

حملہ کیا۔ اُس کے بلانے والی یہی مغلانی بیگم تھی۔ اس نے احمد شاہ کو دہلی کے شاہی خاندان اور امیروں وزیروں کے گھروں کے حالات بتا کر اُن کے خزانے اور دفینے نکلوا کر دُرانی کو دیئے۔ اور شاہی حرم اور امیر خاندانوں کی حسین اور حُور شمائل دوشیزاؤں کے حاصل کرنے میں امداد دی۔ بلکہ خود بھی ہیرے جواہرات کے تھال بھر کر دُرانی کی نذر کیئے۔ مُغلانی بیگم پر احمد شاہ دُرانی اتنا خوش ہوُا کہ اُس نے اُسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اور "سُلطان مرزا" کا خطاب عطا کیا۔ بلکہ اپنا کُلہ کلغی اور اپنی زیب تن پوشاک و زیورات سب کے سب مغلانی بیگم کو پہنا کر مردانہ بھیس کرا دیا۔ احمد شاہ نے مغلانی بیگم کی لڑکی عمدہ بیگم کو غازی عماد الملک سے بیاہ کر دہلی میں شاہی وزیر مقرر کیا۔ یہ عماد الملک بانئ ریاست حیدر آباد نظام الملک آصف جاہ کا پوتا تھا۔ احمد شاہ نے عماد الملک داماد مغلانی بیگم کو مجبور کیا کہ وُہ عمدہ بیگم کو اپنی سب سے بڑی بیگم قرار دے۔ عماد کو "فرزند خان" کا خطاب عطا کیا۔ دو لاکھ روپیہ۔ دو ہاتھی اور چالیس گھوڑے جہیز کے طور بھی دئیے۔ اور عماد الملک کی پہلی بیوی گنّا بیگم کو عمدہ بیگم کے حوالے کر دیا کہ اُس سے اپنی خادمہ کا کام لے۔ مغلانی بیگم نے متھرا اور آگرہ کی لُوٹ میں بھی شاہ کا ساتھ دیا۔ جس کے معاوضہ میں احمد شاہ نے اُسے جموں، جالندھر اور کشمیر کی جاگیریں بخش دیں اور اُسے پنجاب کا گورنر اپنے ماتحت بنا دیا۔

مغلانی بیگم نے کشمیر کی جاگیر حاصل کر کے خواجہ ابراہیم خان کو کشمیر کا گورنر مقرر کیا۔ اور راجہ رنجیت دیو کو جموں کا راجہ تسلیم کر کے ادینہ بیگ کو دوآبہ جالندھر کا حاکم تعینات کیا۔ مگر زندگی ایک چکر ہے۔ نہ اچھے دن ہمیشہ رہتے ہیں نہ بُرے۔ جب پاپ کا پیالہ بھر جاتا ہے تو یہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جس احمد شاہ نے مغلانی بیگم کو اس قدر اُبھارا اور اُس سے کام لیا، اُسی نے واپس لوٹتے ہوئے کشمیر، جموں اور پنجاب وغیرہ کے تمام علاقوں کا صوبیدار اپنے لڑکے تیمور شاہ کو مقرر کر دیا۔ مغلانی بیگم کی ہزار منت بھی اُسے بدل نہ سکی۔ احمد شاہ نے مغلانی کو کہا کہ اب تمہارا بھائی ہی تو گورنر ہے۔ اب اس جاگیر کو تم کیا کرو گی۔ اس طرح مغلانی بیگم خالی ہاتھ جہلم سے واپس آ گئی اور اتنی بڑی جاگیر کا خواب آنکھ کھلتے ہی ہوا ہو گیا۔

وُہ اپنے نوکروں کے ساتھ سرائے حکیم لاہور میں رہنے لگی۔ پنجاب اور دکن سے سکھوں اور مرہٹوں نے مل کر احمد شاہ دُرانی کی حکومت ختم کر دی۔ لاہور میں ادینہ بیگ

حاکم ہو گیا۔ جس نے مرہٹوں کو ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ دینا کیا اور لاہور چھوڑ کر بٹالہ میں رہنا شروع کیا۔ وہ مغلانی بیگم کو بھی اپنے ساتھ بٹالہ میں لے آیا۔ یہاں اُس کے گذارہ کے لئے دو ہزار روپیہ ماہانہ اور پچاس روپیہ یومیہ خوراک اور ایک عالیشان مکان اُس کے حوالے کیا۔ جو روپیہ ادینہ بیگ نے بیگم سے لے کر خرچ کیا تھا، وہ بھی واپس مغلانی کو مل گیا۔ مگر ایک سال بعد ہی ادینہ بیگ کی موت واقع ہو گئی اور مغلانی بیگم بٹالہ چھوڑ کر جموں میں چلی آئی۔

مُغل شہزادوں کی مانند مغلانی بیگم بھی اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکتی تھی۔ چنانچہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اُس کے خوبصورت اور نوجوان ملازمین ہمیشہ اُس کی نظر میں رہتے۔ اس سے نہ صرف بدنامی ہوتی بلکہ کئی بار ایسے حالات پیدا ہو جاتے رہتے جن پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ گھریلو ملازمین کی وفاداری، خدمت اور سزا میں بہت کم وقت کا فرق رہتا تھا۔ جو ملازم آج مہربانی کا مستحق سمجھا جاتا تھا، ایک ہی رات کے بیتنے پر دوسری صبح سزا وار ٹھیرایا جاتا تھا۔ یہ حالات تھے جنہوں نے مغلانی بیگم کو مجبور کیا کہ وہ اپنے لئے جموں کو جائے پناہ بنا لے۔

مہاراجہ رنجیت دیو نے جموں میں مغلانی بیگم کے پہنچتے ہی اُس کی خاندانی وجاہت کے پیش نظر اُس کی آؤ بھگت کی۔ اُسے وزیر اودھو کے مکان کے پاس ہی مکان دلوا دیا۔ چونکہ یہ مکان ناکافی تھا۔ اس لئے کوتوال مکرم کو حکم دیا گیا کہ بیگم کے لئے نیا مکان تیار کرایا جائے۔ جس نے دریائے توی کے کنارے ایک خوبصورت باغ اور ایک حویلی تعمیر کرا دی۔ راجہ نے ایک ہزار روپیہ ماہوار گذارہ بھی لگا دیا۔ مگر بیگم نے گذارہ لینا قبول نہ کیا۔ راجہ رنجیت دیو ہفتہ میں دو بار مغلانی سے ملنے جایا کرتے تھے۔

مغلانی بیگم شاہی ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے لگی۔ لاہور کے بہت سے اُمراء اور بیوپاری جموں آ بسے تھے۔ اُن کو دو شالے عطا کرتی۔ دو صد کے قریب اپنے ملازمین تھے۔ اپنا خرچ بھی شان کے مطابق تھا۔ نتیجتاً دو تین سال میں ہی سب اثاثہ ختم ہو گیا۔ وفادار نوکروں نے بیگم صاحبہ کے دئے ہوئے موتی آپس میں اکٹھے کر کے چند دن تک لنگر کا خرچہ چلایا۔ مگر یہ حالات کب تک چل سکتے تھے۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب کہ کشمیر کا صوبیدار سکھ جیون احمد شاہ دُرانی سے خود مختار ہو گیا تھا۔ اُس کے چند درباری سکھ جیون کے خلاف تھے۔ چنانچہ سکھ جیون

اور درباریوں نے اپنے اپنے ہاں مغلانی بیگم سے مل کر احمد شاہ تک رسائی کی تدابیر سوچیں۔ سکھ جیون کو یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ کہیں مخالف درباری سکھ کنٹ پر مغلانی احمد شاہ کو پھر یہاں نہ لے آئے۔ اور درباری چاہتے تھے کہ مغلانی کشمیر میں آجائے تو ہم اُس کی مدد کریں گے۔ سکھ جیون نے اُسے جموں میں رہنے اور کشمیر نہ آنے کے لئے ماہانہ دینے کی پیشکش کی۔ درباریوں نے مغلانی کو کشمیر آکر اور لیڈر بن کر کشمیر پر قبضہ کرنے کی مصلاح دی کہ ہے کہ احمد شاہ درانی سے امداد حاصل کرنے کے لئے اس معاملہ میں مداخلت کی درخواست کی۔ لیکن مغلانی نے درباریوں کی بات نہ مان کر سکھ جیون سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن جب سکھ جیون کو یہ معلوم ہو گیا کہ مغلانی کشمیر میں نہ آئے گی تو اس نے بھی ماہانہ کی رقم دینے سے صاف انکار کر دیا۔

مغلانی تنگ دست تھی۔ اپنے غالیچے وغیرہ فروخت کرکے اُس نے دو ہزار روپیہ جمع کیا۔ پانچ سو جوان بھرتی کرکے اپنے وفادار نوکر مسکین کو درباریوں کی امداد کے لئے کشمیر بھیجنے کی تیاری کی۔ مگر ایک مولوی نے یہ جھانسہ دے کر کہ وہ اُسے ایک دبا ہوا خزانہ بتا سکتا ہے۔ اُس سے دو ہزار روپیہ زر پیشگی لے لیا اور نو دو گیارہ ہو گیا۔ مغلانی بیگم ہاتھ ملتی رہ گئی اور اپنا غصہ نوکروں پر نکال کر خاموش بیٹھ گئی۔ ان حالات میں کئی ایک نوکر اُس کی ملازمت چھوڑ کر چلے گئے۔ مگر دو ترک ملازموں عمر یابیگ اور بیروز بیگ نے ایک رات مغلانی پر حملہ کرکے اُسے پلنگ سے نیچے گرا دیا اور سخت زد و کوب کیا اور اپنی تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ نہیں تو جان سے مار دینے کی دھمکی دی۔ بیگم نے اُنہیں اپنے زیور دے دینے کا بہانہ کرکے اُن سے خلاصی کرائی۔ بعد میں شور مچا کر اُنہیں گرفتار کرا دیا۔ جموں کے کوتوال مکرم نے دونوں کو سخت سزا دی۔

۱۷۶۰ء میں احمد شاہ دُرانی نے پنجاب پر پھر حملہ کر دیا۔ مغلانی بیگم کی قسمت چمک اُٹھی۔ وہ جموں سے دہلی جا پہنچی۔ احمد شاہ سے ملاقات کی اور سیالکوٹ ضلع کی بتیس ہزار کی جاگیر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ مگر یہ کاغذی جاگیر تھی۔ وہاں کے حاکم نے چارج دینے سے انکار کر دیا۔ پھر بھی تیس ہزار سالانہ کی اس جاگیر سے مغلانی بیگم نے پندرہ ہزار وصول کر لیا۔

۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں نے احمد شاہ درانی سے شکست

شکست کھائی۔ اور جب دُرانی واپس چلا گیا تو سکھ فتنے اُبھرنے لگیں اور ذہن سے ذہن اُڑ کر پکڑنی گئیں یہاں تک کہ مغلانی بیگم کے نام نہاد ایجنٹ حاکم سیالکوٹ کو بھی سکھ گرفتار کر کے لے گئے۔ اِس سے بیگم کی حالت اَور بھی پتلی ہوگئی اور وُہ اپنے ایک خوبصورت ملازم شاہباز خان کی محبت میں پھنس گئی۔ جموں میں جا بجا اِس عشق و محبت اور تعلقات کے چرچے ہونے لگے۔ مغلانی کا جموں میں رہنا مشکل ہوگیا۔ اُس نے جموں چھوڑ دیا اور سانبہ میں جاکر شاہباز خان سے شادی کر لی۔ اور اپنی عمر کے آخری ۱۸ سال گمنامی میں گزار کر سنہ ۱۷۷۹ء میں وُہ پھر جموں میں آ گئی۔ اور ایک سال کے بعد اُس کی اپنی حویلی بیگم جموں میں موت ہوگئی۔

اِسی مُغلانی بیگم کے نام سے آج حویلی بیگم کا ایک گنجان محلہ جموں شہر میں آباد ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ حویلی بیگم کا نام کب تک چلے جہاں کہ آج کل آل انڈیا ریڈیو کا جموں سٹیشن قائم ہے۔

باجگذار علاقے اور راجواڑے

راجہ رنجیت دیو بائیس راجگان پہاڑ کا سرتاج تسلیم ہو چکا تھا۔ شمالی ہندوستان میں اسلامی حکومت کے پاؤں اُکھڑنے کے غیر یقینی زمانہ میں جموں ریاست میں خوشحالی اور امن و امان تھا۔ رنجیت دیو نے اپنے تدبّر و دانش اور سیاسی قابلیت کی وجہ سے شمالی ہند کی پہاڑی ریاستوں میں نامور پوزیشن حاصل کر لی تھی۔ بقول "گلاب نامہ" اور "بہارستان" سوجان سنگھ و مہر سنگھ راجگان کشتواڑ۔ شمشیر چند راجہ چینی۔ راجہ عظمت دیو منکوٹ۔ راجہ بہادر سنگھ کرمچی۔ راجہ دیا پال بھدرواہ۔ راجہ پرتھی پال بھنڈو۔ راجہ امرت پال بسوہلی۔ راجہ رائے سنگھ چمبہ۔ دیوان اندر دیپ بندرالتہ (رام نگر)۔ رانا ہاٹے ڈیننگ بیٹل۔ راجہ کرم اللہ خان راجوری۔ راجہ پرتھی سنگھ نور پور۔ اصالت خان و نسیم خان راجگان بھمبر۔ دیوان غلام علی خان حیدر علی خان گکھڑ راجگان میر پور چومک —— راجگان کھڑی کھڑیالی۔ مسو خان ملکانال وغیرہ علاقہ جات دولت نگر۔ کرڑیاں و الارعالم گرد مہرو شاہ ماڑی کھو کھراں۔ ٹانڈہ موٹا۔ بہلول پور۔ پسرور۔ ظفروال اور ونڈے خیل چناری وغیرہ علاقے بھی اُس کے باجگذار تھے۔

جموں کے راج تلک کا جھگڑا

ایشیائی اقوام میں سلطنتوں کی جانشینی ایک

تمام بیماری ہے۔ اکثر مثالیں موجود ہیں کہ قابل اور دُور اندیش حکمران بھی اپنی جانشینی کے سلسلہ میں بعض اوقات ایسے تنازعوں سے اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہے۔ یہی مثال جموں پر بھی حاوی ہوئی کہ مہاراجہ رنجیت دیو کے دو بڑے بیٹے برج راج دیو اور دلیل دیو بڑی رانی اور چھوٹی رانی سے تھے۔ بڑی رانی وفات پا چکی تھی اور چھوٹی رانی دلیل دیو کی ماں مہاراجہ کی محبوب نظر تھی۔ برج راج دیو راج گدی پر بڑا ہونے کی حیثیت سے اپنا حق فائق سمجھتا تھا لیکن دلیل دیو کی ماں، جس پر مہاراجہ رنجیت دیو بے حد مفتون تھا، چاہتی تھی کہ راج تلک اپنی زندگی میں مہاراجہ اُس کے بیٹے کو دلا دے تاکہ بعد میں تخت نشینی کا کوئی تنازعہ نہ رہے۔ مہاراجہ کو اس تعلق میں بڑی مشکل پیش آئی۔ وہ اپنے بڑے بیٹے کو راجہ محروم نہ کر سکتا تھا۔ دونوں بھائیوں میں کشمکش بڑھ گئی۔ تو دلیل دیو کی ماں مہارانی جموں نے اکھنور کے راجہ تیغ سنگھ، جو کہ مہاراجہ رنجیت دیو کا خاص دوست تھا، سے کہا کہ وہ جموں کی راج گدی اُس کے بیٹے دلیل دیو کو دلا دے۔ لیکن اُس نے صاف انکار کر دیا کہ وہ ایسا کام جو کہ آئینِ راجگان کے خلاف ہو نہیں کرا سکتا۔ رانی نے ایک دن موقع پا کر جب کہ رنجیت دیو اور تیغ سنگھ کھانے پر بیٹھے تھے، تیغ سنگھ کے کھانے میں اپنی ایک خادمہ کے ذریعے زہر ملا دیا۔ لیکن خوش قسمتی سے اُن دنوں ایک سادھو سنیاسی جو کہ پُرانی منڈی جموں میں قیام پذیر تھا، نے زہر کا اثر اپنی جڑی بوٹیوں سے اُتار دیا۔ مہاراجہ رنجیت دیو اس واقعہ پر سخت برافروختہ ہوا اور تیغ سنگھ سے اپنی رانی کو معافی دلا دی۔ لیکن رانی اور دلیل دیو کا تیغ سنگھ کے لئے من صاف نہ تھا۔ جموں کی راج گدی اُن کے لئے سوہانِ رُوح بنی تھی۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مہاراجہ رنجیت دیو کے اس مشیر کو ختم کر دیا جائے۔ جو کہ اُن کی راہ میں کانٹا بنا ہوا ہے۔ اور ایک دن جبکہ دلیل دیو اور راجہ تیغ سنگھ کھمن پور کی طرف بغرضِ شغلِ شکار گئے ہوئے تھے تو دلیل دیو نے سوئے ہوئے راجہ تیغ سنگھ کے پیٹ میں خنجر گھونپ کر کام تمام کر دیا۔ مہاراجہ رنجیت دیو کو جب تیغ سنگھ کے قتل کا علم ہوا۔ کہ اُس کے اپنے نورِ نظر نے اُس کے دوست کے ساتھ ایسا دھوکا کیا ہے تو اُس نے دلیل دیو کو اپنی نظروں سے دُور کر دیا۔ اور اُس کو مع اُس کی ماں یعنی اپنی چہیتی رانی کے علاقہ جنگانوں کی جاگیر دے کر جموں سے نکال دیا۔ لیکن اس سے ریاست میں ایک

زبردست شورش پیدا ہو گئی۔ جموال برادری کے بڑے بڑے سرداروں نے بھی سخت بُرا منایا۔ اور راجہ برج راج دیو نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کر دی۔

باپ بیٹے میں لڑائی

راجہ برج راج دیو نے سردار چڑت سنگھ سکر چکیا (مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دادا) اور سردار جے سنگھ کنہیا کی امداد سے اپنے باپ رنجیت دیو پر حملہ کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۷۷۴ء اپریل کا ہے۔ مہاراجہ رنجیت دیو نے بھنگی مثل کے سردار جھنڈا سنگھ کی امداد طلب کی۔ سکر چکیا اور کنہیا مثلوں کی فوجیں راجکمار برج راج دیو کی امداد کے لئے ندی بسنتر (مفصل سانبہ) کے کنارے آ جمیں۔ جموں کی طرف سے مہاراجہ رنجیت دیو نے اپنے مطیع کوہستانی علاقوں کے راجگان (نورپور۔ بسوہلی، منکوٹ وغیرہ) کی فوجوں کو بھنگی مثل کی فوج کے ساتھ حملہ روکنے کے لئے مستعد کیا۔ مہاراجہ رنجیت دیو کا حمایتی بھنگی مثل کا سرگروہ سردار جھنڈا سنگھ تھا۔ وہ سکر چکیا مثل کے سردار چڑت سنگھ کا جانی دشمن تھا۔ فوجیں آمنے سامنے ندی بسنتر کے آر پار ڈیرہ ڈالے تھیں۔ کہ سردار چڑت سنگھ سکر چکیا نے اپنے حمایتی سردار جے سنگھ کنہیا کو کہا کہ یہ جو سردار جھنڈا سنگھ بھنگی ہے، خواہ مخواہ ہمارے خلاف آکھڑا ہوا ہے۔ اس نے ہمارے کام و مفاد میں مداخلت کی ہے۔ کسی طرح موقعہ پا کر اسے یہاں ہی ختم کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ سردار جے سنگھ نے بھنگی مثل کے ایک فوجی سکھ زنگر بینا سنگھ کو رشوت دے کر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے سردار جھنڈا سنگھ بھنگی کو قتل کر دے گا۔ اور اسی شام جب کہ سردار جھنڈا سنگھ اپنے خیمہ کے باہر ٹہل رہا تھا، گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اور اس طرح بھنگی مثل کی فوج مہاراجہ رنجیت دیو کو میدانِ جنگ میں ہی چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ لیکن جنگ کا پانسہ پھر بھی مہاراجہ رنجیت دیو کے ہی ہاتھ رہا۔ ایک خونریز لڑائی ہوئی۔ کوہستانی راجگان کی ڈوگرہ فوجوں نے سکر چکیا اور کنہیا مثل کی فوجوں کے چھکے چھڑا دئے۔ اور اتفاق یہ بھی ہوا کہ سکر چکیا سردار چڑت سنگھ بندوق کی نالی پھٹ جانے سے مر گیا۔ برج راج دیو کے حمایتی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ڈوگروں نے ظفروال تک ان کا پیچھا کیا۔ اس شکست سے برج راج دیو بھی کہیں روپوش ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے پنجاب میں سکر چکیا مثل کے سردار مہاں سنگھ (مہاراجہ رنجیت سنگھ کے باپ) کے پاس پناہ گزیں رہا۔ اور اس کے ساتھ پگڑی بدل کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں برابر کا ساتھی بننے کا عہد کر لیا۔ اور دونوں بڑے گہرے دوست بن گئے۔ ۔ جنکہار

برج راج دیو دو تین سال پنجاب میں دشت نورد رہا - اور ۱۷۷۹ء میں اپنے حقیقی چچا راجہ میہنت دیو کے پاس آکر رہنے لگا - کیونکہ مہاراجہ رنجیت دیو نے اُسے اُس کی ناخلفی کی وجہ سے تا زندگی منہ لگانا بھی منظور نہ کیا اور ۱۷۸۱ء میں راجہ راجگان پہاڑ مہاراجہ رنجیت دیو بڑی وسیع ریاست چھوڑ کر اپنی اولاد کی ناخلفی اور رانی کی حماقت سے تنگ آکر پریشانی کی حالت میں اپنی عمر طبعی بھوگ کر اس جہانِ فانی سے رحلت کر گیا۔

راجہ برج راج دیو

میاں دلیل دیو کا قتل

مہاراجہ رنجیت دیو کے بعد جموں کا راج تلک، راجہ برج راج دیو کو ملا - جس ریاست کو مہاراجہ رنجیت دیو نے اپنے زورِ بازو، تدبر و دانش اور رعایا پروری کے اوصاف سے بائیس راجگان پہاڑ میں اقتدار و شہرت پر پہنچایا تھا - اور اپنے حُسنِ انتظام اور رموزِ حکمرانی کی پنجاب اور ہندوستان میں دھوم مچا دی تھی - اس کی آنکھ بند ہوتے ہی زوال آنا شروع ہو گیا - اور جموں ریاست پنجاب کی سکھ مثلوں کی رقابت کا شکار ہونے لگی - راجہ برج راج دیو اور اُس کے بھائی میاں دلیل دیو کی کشمکش نے اسے بہت زیادہ دھکا دیا - برج راج دیو تخت پر بیٹھتے ہی دلیل دیو کو مارنے کے منصوبے باندھنے لگا - چنانچہ اُس نے میاں زور آور سنگھ (مہاراجہ گلاب سنگھ کے دادا) جو کہ اُس کا چچازاد بھائی تھا، سے کہا کہ وہ دلیل دیو کو ختم کر دے تو اُسے علاقہ ڈنسال کی جاگیر سے دی جائے گی - لیکن اُس نے صاف انکار کر دیا - پھر میاں موٹا سنگھ برادر اصغر میاں زور آور سنگھ کو مجبور کیا کہ وہ اس کام کو کرے تو معاوضہ میں اُسے جاگیر دی جائے گی - چنانچہ میاں موٹا سنگھ رضامند ہو گیا - اور اُس نے راجہ عالم سنگھ والیٔ اکھنور کو اپنے ساتھ ملا لیا - جس کے باپ راجہ تیغ سنگھ کو دلیل دیو نے چند سال پہلے سوتے میں خنجر چبھویا تھا - اُسے باپ کا بدلہ لینا مقصود تھا - اس لئے دونوں موقعہ کے منتظر رہے کہ کب دلیل دیو کو ختم کر دیا جائے - اور ایک دن جب کہ اُنہیں معلوم ہوا کہ میاں دلیل دیو اپنے دونوں بیٹوں بھگوان سنگھ اور جیت سنگھ کو ساتھ لے کر ویشنو دیوی جا رہا ہے تو کٹڑہ اور ترکتا کی راہ میں میاں موٹا سنگھ اور عالم سنگھ اکھنوریہ نے اُنہیں جا لیا - دلیل دیو اور اُس کے

بڑا بیٹا بھگوان سنگھ ان کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور اس کا چھوٹا بیٹا جیت سنگھ بھاگ گیا۔

جموں کا زوال

برج راج دیو اپنے باپ کے وقت اپنی بہادری اور ذہانت کی وجہ سے جتنا مشہور تھا اور اسے فاتح کانگڑہ کا خطاب حاصل تھا اتنا ہی وہ تخت پر بیٹھتے ہی کمزور اور نا اہل ثابت ہوا۔ اس کے علاقے سکھ مثلوں کے سردار دبانے لگے۔ جموں کی خوشحالی اور امن گرنے لگا۔ برج راج دیو نے اپنی کھوئی ہوئی پوزیشن کو واپس حاصل کرنے کے خیال سے کنہیا مثل سے مدد کی درخواست کی کہ وہ جموں کے جو علاقے بھنگی مثل کے تحت چلے گئے تھے، واپس دلا دے۔ چنانچہ راجہ جموں نے سردار حقیقت سنگھ کنہیا مثل کا باجگذار رہنا منظور کر لیا اور سالانہ تیس ہزار روپیہ ادا کرنا مان لیا۔ تھوڑے وقت تو یہ عمل رہا۔ لیکن جب کنہیا مثل نے دیکھا کہ جموں پر بھنگی اور سکر چکیا مثلوں کی نظریں لگی ہوئی ہیں اور وہ جموں کی دولت لوٹنے پر تلے ہیں۔ تو اس نے جموں کی باجگذاری کو ختم کر کے اسے مکمل طور پر فتح کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور یہ بہانہ بنا کر کہ جموں سے خراج کی رقم پہنچنے میں ڈھیل ہو رہی ہے، اس لئے ہم کسی ایسی شرط پر قائم رہنے کے لئے تیار نہیں۔ کنہیا مثل نے جموں پر حملہ کرنے کا مکمل ارادہ کر کے سردار مہاں سنگھ سکر چکیا کی مدد طلب کی۔ سردار مہاں سنگھ جسے تاریخ میں شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کا باپ کہا جاتا ہے، کو اپنی رشتہ داری کے وعدے بھول گئے۔ اور برج راج دیو کے مقابلہ میں اس نے کنہیا مثل کو امداد دینا تسلیم کر لیا۔ مگر جو شخص اپنے حقیقی دوست، جس کے ساتھ پگڑی تبدیل کی ہو اور ایک تھالی میں کھانا کھایا ہو، کے عہد دوستی پر قائم نہ رہ سکا، اس سے کسی قسم کی یہ توقع رکھنا کہ وہ عارضی اتحاد میں کام دے گا، فضول سی بات نظر آتی ہے۔ چنانچہ پیشتر اس کے کنہیا سردار جموں پر چڑھائی کرے، خود مہاں سنگھ نے اپنے دوست راجہ برج راج دیو کے باپ راجہ رنجیت دیو کی ماتم پرسی کے بہانے جموں پر حملہ کر دیا اور جموں کی تمام دولت اور محلات میں رنجیت دیو کے وقت کا جمع کیا ہوا خزانہ دل کھول کر لوٹا۔ مالِ غنیمت سے لدا ہوا سردار مہاں سنگھ جب اپنے علاقہ کو واپس ہوا تو راجہ برج راج دیو کو جموں کے نظم و نسق تک محدود کر گیا۔ جموں کی لوٹ مار نے اس کی آزادی کو توڑ پا لیا اور دوسری سکھ مثلوں کے سرداروں نے بھی اس طرف آنکھ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ جموں کے خزانہ میں باقی کیا رہ گیا تھا۔ جو کچھ تھا وہ تو سردار مہاں سنگھ سمیٹ کر لے گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی جموں کو اپنے حال پر رہنے دیا۔ اس طرح سے

جموں کے اردگرد علاقوں اور کوہستان کی دُوسری چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر جموں راج کا سِکہ مِٹ گیا تو برج راج دیو کی حکومت صرف جموں شہر تک محدُود رہ گئی اور کوہستان ڈوگرہ دیس کے اندرُونی علاقے جموال برادری کے مختلف سرداروں کے قبضہ میں رہے۔

راجہ برج راج دیو کے پانچ چھ سالہ عہد حکومت میں جموں کی جنوبی سرحد پر پنجاب کے جو علاقے واقع ہیں، اُن پر سکھ مثلوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور یہ حکومت جُدا جُدا خود مختار سرداروں تک محدود تھی۔ کوئی باضابطہ نظم و نسق نہ تھا۔ جیتے جیتے راج کی صورت تمام ڈوگرہ دیس میں اور جنوبی سرحد پر پیدا ہو گئی تھی۔

1784
چمبہ گزٹ میں لکھا ہے کہ راجہ رائے سنگھ نے ۱۷۸۴ء میں راجہ برج راج دیو کو لکھا کہ بھلائی، رچونڈہ، بھاندل، کہار اور ڈیور کے دیہات مُدت مدید سے ہمارے علاقے میں شامل تھے۔ لیکن بسوہلی کے راجہ بجے پال سپتر راجہ امرت پال نے اپنے قبضہ میں کر لئے ہیں۔ انہیں واپس دلایا جائے۔ تو یکم بھادوں ۱۷۸۴ء کو راجہ بسوہلی کے نام ایک فرمان ان دیہات کی واپسی کا جاری کیا گیا۔ لیکن راجہ بسوہلی نے اس حکم کی تعمیل کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور راجہ برج راج دیو مُنہ دیکھتا رہ گیا۔ کیونکہ اُس وقت راجہ برج راج دیو کی غفلت اور نااہلیت کی وجہ سے ڈوگرہ دیس کے تمام راجواڑے اپنی اپنی جگہ خود مختار ہو چکے تھے اور جموں راج کا جُوا اُتار پھینکا تھا۔

برج راج دیو کی موت

۱۷۸۸ء (1788) میں سردار مہاں سنگھ سکرچکیا پنجاب کا بہت سا علاقہ اپنے قبضہ میں کر کے پہاڑی راجوں کو بھی اپنے ماتحت کرنے لگا۔ اور جموں پر ایک لشکر جرار بھیج دیا۔ اس پر راجہ برج راج دیو کے ساتھ میاں عالم سنگھ اکھنوریہ، میاں زورآور سنگھ اور موٹا سنگھ نے سکھوں کی افواج کو کتنے ہی دن روکے رکھا۔ اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ سکھ جموں پر قبضہ نہ کر سکے اور انہیں واپس جانا پڑا۔ لیکن راجہ برج راج دیو لڑتے ہوئے مارا گیا اور اس کے ہمراہی اُس کی لاش جموں میں لے آئے۔ اُس کی رانی چمپالی اُس کی چتا میں ستی ہو گئی۔

راجہ سمپورن دیو

راجہ برج راج دیو کی وفات کے بعد اُس کا اکلوتا لڑکا سمپورن دیو جو کہ ایک سال کا

Scanned with CamScanner

تھا۔ جموں کے تخت پر میاں موٹا سنگھ کی سربراہی میں بٹھایا گیا۔ خاندان کے ایک بزرگ کی حیثیت سے میاں موٹا سنگھ نے جموں کا راج کاج سنبھال لیا۔ میاں موٹا سنگھ اپنی دانشمندی اور روایتی بہادری کے سبب کافی مشہور تھا اور اسے جموں کے نزدیکی پہاڑی علاقوں کی اپنی جموال برادری کے سرداروں میں بھی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ جموں کی طرف کسی دوسری برادری یا راجہ نے آنکھ نہ اٹھائی تھی۔ راجہ سمپورن دیو دس سال زندہ رہا اور ۱۷۹۸ء (1798) کے آغاز میں برائے نام حکومت کر کے اس دارِ ناپائیدار سے چلتا بنا۔

راجہ جیت سنگھ

تو جموں کی حکومت کے لئے سوائے جیت سنگھ فرزند دلیل دیو فرزند اصغر راجہ رنجیت دیو کوئی نزدیکی وارث نہ رہا تھا۔ جموال برادری کے سرداران نے میاں موٹا سنگھ کو بدستور مدارالمہامی کا رتبہ دے کر جیت سنگھ کو جموں کی راج گدی پر بٹھا دیا۔ راجہ جیت سنگھ ایک کند ذہن اور دائم المریض تھا۔ البتہ اُس کی رانی بندرال نہایت ذہین اور سمجھدار تھی۔ اُس نے دستارِ حکمرانی اپنے سر پر رکھ لی۔ میاں موٹا سے اُس کی ان بن قدرتی تھی کہ میاں موٹا نے اُس کے خسر راجہ دلیل دیو کو قتل کیا تھا۔ رانی بندرالی میاں موٹا کی بالادستی کو دربارِ جموں کے سر سے اُتارنے کے لئے طرح طرح کی سازشوں میں مصروف ہو گئی۔ الغرض انتظام بگڑ گیا اور جموں میں سخت گڑبڑ پیدا ہو گئی۔

P- 108 (1) (پہلا باب ختم شد)

(2) 128

130

158

175

باب دوم

بائیس راج

اُنیسویں صدی کے ابتدائی سالوں تک ڈوگرہ دیس چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ گاؤں گاؤں میں علیحدہ علیحدہ راج تھا۔ ہر گاؤں کا اپنا کوٹ تھا۔ کوٹ پہاڑی قلعہ کو کہتے ہیں۔ ایسی اَن گنت ریاستیں جو ڈوگرہ دیس کے سینہ پر صدیوں غیر یقینی اور طوائف الملوکی کے حالات میں اُبھری رہیں۔ اِن کی سرحدیں ندی نالے۔ جنگل۔ پہاڑی دھاریں، باؤلیاں یا چشمے ہوا کرتی تھیں۔ جو برادری زبردست ہوئی جس کے کسی سرکردہ آدمی نے موٹا سا پگڑ سر پر باندھ لیا اور ہاتھ میں لمبی ڈانگ لے لی، اُسی نے گاؤں کے گاؤں آگے لگا لیئے۔ وہی سردار کہلانے لگا۔ اور اُس کے نام پر ہی ریاست قائم ہو گئی۔ اِن ریاستوں میں چند ایک ریاستیں مثلاً جموں، کشتواڑ، راجوری اور بسوہلی ایسی تھیں جن پر صحیح ریاستوں کا گُمان ہو سکتا تھا۔ لیکن بیشتر راجواڑے ایسے تھے جن کے حکمران جابر، علاقہ پرست اور عوام دشمن ہوتے تھے۔ اُن میں سے کوئی بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا جس نے کہ ماسوائے اپنی ذات اور خاندان کے عوام کی خوشحالی کا اہتمام کیا ہو۔ آئینی حکومت یا عوام کو امن و امان سے رکھنے کے کسی قانون اور حکم کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اور اُن میں سے شاید ہی کوئی فوجی اعتبار سے اس حد تک مضبوط ہو کہ اپنی ریاست میں نئی وسعت پیدا کر سکتا۔ آج ایک راجہ نے دُوسرے راجہ کے علاقہ کا کچھ حصہ یا کوئی قلعہ اپنے قبضہ میں کر لیا تو کل دُوسرا غالب آ گیا۔ اُس نے اپنا قلعہ اور علاقہ کا حصہ ہی واپس نہیں لیا بلکہ فالبقی اور غالب راجہ کو مار بھگا کر ساری ریاست پر قبضہ کر لیا۔ ہر وقت آپس میں لڑائی جھگڑے بنے رہتے۔ کسی راجہ، رانا یا سردار نے باقاعدہ فوج نہیں رکھی تھی۔ بلکہ ضرورت پڑنے پر اپنی رعایا کے لوگوں کو اکٹھا کر کے غیر کا حملہ روکنے یا دُوسروں پر چڑھائی کرنے کا دستور اور رواج تھا۔

ڈوگرہ دیس کی اس آپ راجی کی تاریخ کے بیشتر اوراق گُم ہیں۔ اور چند ایک جو بکھرے پڑے ہیں، اُن سے کچھ کچھ پتہ ضرور لگتا ہے بلکہ سینکڑوں کہانیاں اب تک سینہ بسینہ چلی آرہی ہیں۔ جب منکوٹیوں (رام کوٹ) نے بندرالوں (رام نگر) پر حملہ کرکے سامنا بنچ پہاڑی (تحصیل رام نگر کا صحت افزا مقام) پر قبضہ کرلیا۔ اس تعلق میں ایک لوک گیت آج تک زبان زد عام ہے ؎

سامنا بنچ بندرالیں دا بنّاں — ماریا منکوٹی ایں روندیاں رنّاں

جب بھڈوالوں (بھدو تحصیل بسوہلی) نے جسروٹہ راج (تحصیل کٹھوعہ) کے وادی اُوجھ کے علاقہ پر قبضہ کرلیا۔ اور جب راجہ باہو نے اپنے دُوسرے بھائی جموں راج کے چند دیہات پر اپنا تسلط جمالیا۔ غرضیکہ آپ راجی کے وقت کی یہ عام باتیں تھیں۔ خیال کیجیے اُن دنوں کا جب لوگ دن رات کی محنت کرکے فصلیں لگا چکے ہوتے، تو کسی رات کو ساتھ والے کسی دُوسرے گاؤں کی برادری کا جتھہ چڑھ آتا، فصلیں اُجڑ جایا کرتیں۔ مال مویشی ہانک لئے جایا کرتے، کئی لوگ مارے جاتے اور بستی ہوئی بستیوں میں کہرام مچ جایا کرتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ڈوگرہ دیس کی بعینہ حالت پندرھویں صدی کے انگلستان کی تھی جب ٹیوڈر خاندان نے برسر اقتدار آکر انگلستان سے اس قسم کی طوائف الملوکی کو ختم کیا۔

ہم کوشش کریں گے کہ آئندہ کسی باب میں اِن آپ راجیوں کے متعلق تفصیل سے لکھیں۔ اور تاریخی مثالیں دے کر ثابت کریں کہ ڈوگرہ دیس کے بائیس راجگان کے وقت عوام کسمپرسی اور مصائب کے دَور سے گزر رہے تھے۔ چنانچہ جموں راج جو راجواڑوں کا سرتاج مانا گیا تھا اور جموں کے راجہ ہمیر دیو کو مبارک شاہ والیٔ دہلی نے ۱۴۱۹ء میں بائیس راجگان پہاڑ کی سرداری کا پٹہ عطا کیا۔ اُن کی تفصیل مطابق "طبقاتِ اکبری" ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

(۱) کانگڑہ (۲) منڈی (۳) سکیت (۴) کُلو (۵) جسوال (۶) داتارپور (۷) چمبہ (۸) گُلیر (۹) سیبہ (۱۰) کوٹلہڑ (۱۱) پٹھانکوٹ (۱۲) جموں (۱۳) جسروٹہ (۱۴) باہو (۱۵) بلاور (۱۶) بھدو (۱۷) بھدرواہ (۱۸) منکوٹ (۱۹) بھُوتی کرمچی (۲۰) چنینی (۲۱) بندرالتہ اور (۲۲) کشتواڑ۔

اوّل الذکر گیارہ راجواڑے دریائے راوی کے پار اور موخرالذکر گیارہ دریائے راوی اور چناب کے درمیان ہیں۔ لیکن جب ۱۸۴۶ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے جس ریاست 1846

جموں وکشمیر کی بنیاد ڈالی، جو چوراسی ہزار مربع میل رقبہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۴۶ء کا معاہدہ گلاب سنگھ اور انگریزوں کے مابین ہوا تھا۔ اس تاریخی عہد نامہ کی رو سے دریائے راوی کے پار کے گیارہ راجواڑے بے کانگڑہ منڈی وغیرہ انگریزی علاقہ میں شامل ہو گئے۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کو دریائے راوی اور چناب کے درمیانی علاقہ کے جن راجواڑوں اور چناب کے پار پونچھ تک کی ریاستوں کی خودمختاری ملی۔ حسن اتفاق سے یہ علاقہ بھی بائیس 22 راجگان پہاڑ پر ہی مشتمل تھا۔ چنانچہ جموں، باہو، سانبہ، جسروٹہ، منکوٹ، رکھڈو، بسوہلی، لکھن پور، بھدرواہ، کشتواڑ، چینینی، بھوتی کرمچی، ریاسی، نزکوٹی، اکھنور، دلیپ پور، راجوری، پونچھ، کوٹلی، میرپور، بھمبر اور کھڑی کھڑیالی کو گلاب سنگھ نے اپنے زور بازو اور لامثال تدبر سے متحد کیا۔ اور اس کے بعد سنہ ۱۸۴۲ء (1842) میں لداخ اور بلتستان اور سنہ ۱۸۴۶ء میں وادی کشمیر کو شامل کر کے ایک وسیع ریاست جموں وکشمیر کے نام سے قائم کی۔ ریاست جموں و کشمیر کے ڈوگرہ پرانت کے بائیس راجواڑوں کی علیحدہ علیحدہ تاریخ ذیل میں درج کی جا رہی ہے تاکہ تاریخ کا سلسلہ ٹھیک طرح سے چل سکے۔

بھمبر

بھمبر کا موجودہ قصبہ جو تقسیم ہند تک راجگان چب ریاست بھمبر کا دار الخلافہ رہا ہے، ضلع گجرات (مغربی پاکستان) کے صدر مقام گجرات سے ۲۸ میل شمال مغرب ایک پہاڑ کے دامن میں آباد ہے۔ جب یہاں تھکیال راجپوت راجہ سری پت کی حکومت تھی۔ تو کانگڑہ کے راجہ پرتاپ چند کٹوچ کا بیٹا راجہ نرائن چند کٹوچ اپنے چار بیٹوں چب چند، دھرم چند، انبو چند اور راجی چند کو لے کر چند ایک نوکروں کے ساتھ کوہستان جموں کی نچلی وادیوں سے ہوتا ہوا یہاں پہنچا۔ یہ تیرھویں صدی کے وسط کی بات ہے جب جموں میں راجہ مال دیو حکومت کرتا تھا۔

راجہ نرائن چند کا سلسلہ نسب کانگڑہ کے کٹوچ راجوں سے ملتا ہے۔ چندر بنسی خاندان کے راجہ بھومی چند کی ۲۳۴ ویں پشت میں راجہ سشرما چند پیدا ہوا جو مہابھارت کی جنگ میں ارجن کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ یہ راجہ کورو پتر دریودھن کا ہمنوا تھا۔ اس نے

نگر کوٹ کا قلعہ بنا کر اپنی راجدھانی قائم کی جو بعد میں کانگڑہ کے نام سے مشہور ہوئی نگر کوٹ کی ہی نسبت سے کانگڑہ کے راجگان کو کٹوچ کہا جاتا ہے۔ آج بھی اِس خاندان کی ایک چھوٹی سی ریاست کوہ کانگڑہ میں لمبا گاؤں کے نام سے چلی آ رہی ہے۔

راجہ سُشرم چند کی ۲۰۴ پُشت بعد راجہ لچھمن چند ہوا جس کے دو بیٹے راجہ پدم چند اور راجہ پورب چند ہوئے۔ دُوسرے بیٹے راجہ پورب چند کی اولاد راجگان جسوال والی ریاست جسواں (ضلع ہوشیار پور) کہلائی اور راجہ پدم چند کی سولھویں پُشت میں راجہ میگھ چند کٹوچ کانگڑہ نریش ہوا۔ اِس میگھ چند کے چار بیٹے ہری چند، کرم چند، پرتاپ چند اور پراگ چند ہوئے۔ بڑے بیٹے ہری چند نے ریاست گلیر (ضلع کانگڑہ) قائم کی اور قلعہ ہری پور تعمیر کرایا۔ دوسرے بیٹے راجہ کرم چند کو اپنی موروثی ریاست کانگڑہ ملی۔ تیسرے بیٹے راجہ پرتاپ چند کے فرزند راجہ نارائن چند نے ریاست کہلور میں اپنے وطن کانگڑہ کو ترک کر کے قسمت آزمائی کے لیے کہلور سے چار میل مشرق کی طرف موضع مخلورہ میں پہنچ کر مسافروں کی مانند ڈیرہ ڈالا۔ اور غریب الوطنی کی زندگی معہ اپنے کُنبہ کے بسر کرنے لگے۔

ایک دن راجہ نارائن چند نے اپنے ایک ملازم کو اپنا ایک قیمتی زیور دیکر ٹھکیال راجدھانی میں بھیجا تاکہ وُہ سامان رسد خوراک وغیرہ لے آئے۔ لیکن دوکاندار اُس زیور کی قیمت نہ ڈال سکے اور رپورٹ راجہ سری پت کے ہاں کر دی کہ ایک مسافر ایک بڑا قیمتی زیور فروخت کر رہا ہے جو کہ سوائے آپ کے کوئی خرید نہیں سکتا۔ راجہ ٹھکیال نے راجہ نارائن چند کے ملازم کو بُلایا اور حسب نسب پُوچھ کر زیور خرید لیا کہ وُہ اپنی ضروریات پوری کرے۔ ساتھ ہی اُسے تاکید کی کہ وُہ اپنے راجہ نارائن چند کو جا کر پیغام دے کہ ٹھکیال راجہ اُس سے ملنا چاہتا ہے۔ چنانچہ راجہ سری پت اور راجہ نارائن چند کی ملاقات کے بعد کٹوچ راجہ ٹھکیال راجہ کے ہاں مہمان کے طور رہنے لگا۔ راجہ سری پت ٹھکیال کی اولاد ایک ہی اکلوتی لڑکی تھی جس کی شادی راجہ نارائن چند کے بڑے لڑکے جب چند سے نہایت دھوم دھام کے ساتھ کی گئی۔ اور راجہ سری پت نے اپنی راجکماری کو جہیز میں ریاست کی جائداد

سلہ ٹھکیال راجدھانی آدھی ڈھک کے نیچے جھنگر کے نام سے آباد تھی۔ آج بھی اُس کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ یہ قصبہ اُن دنوں بڑا پُررونق تھا۔

اور چند دیہات دے ۔ شادی کے عین بعد راجہ نارائن چند انتقال کر گیا اور اس کے بیٹے چیپ چند نے واپس اپنے وطن میں جانے کی بجائے وہاں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور اپنے پرانے وطن کے نام پر ایک گاؤں آباد کیا جس کا نام کانگڑہ رکھا۔ آج تک یہ گاؤں کانگڑہ کے نام سے ہی بھمبر کے نزدیک آباد ہے۔ جہیز میں حاصل کئے گئے دیہات کو اپنی جاگیر بنایا۔ اور اپنی رانی تھکیال کے ساتھ راجہ چیپ چند وہاں راج کرنے لگا۔ لیکن قدرت راجہ چیپ چند کو صحیح معنوں میں ایک ریاست کا مالک بنانے کے لئے اٹل تھی تو راجہ سری پت اس جہان سے چل بسا جس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ راجہ کے نزدیکی وارثوں نے کوشش تو کی کہ ریاست پر اُن کا قبضہ قائم رہے۔ لیکن راجہ چیپ چند اور اس کی رانی تھکیال نے کسی کی پیش نہ چلنے دی۔ آخر راجہ چیپ چند نے اپنے سسر کی ریاست پر قبضہ کر لیا۔ راجہ چیپ چند جہاں پیدائشی بہادر تھا وہاں وہ رموز حکمرانی سے بھی پورا واقف تھا۔ تھکیال راجپوتوں نے راجہ چیپ چند کی اطاعت قبول کر لی۔ وہ ریاست کا واحد مالک قرار دیا گیا۔ تو تھکیال راجگان کے پروہتوں نے ایک دن راجہ چیپ چند کے دربار میں آ کر فریاد کی۔ کہ آپ کے سسر راجہ سری پت کے ہم پروہت ہیں۔ ہماری پرورش راجہ تھکیال کرتے آئے ہیں۔ اُن کی جگہ آپ کو حاصل ہوئی ہے۔ لیکن ہم آپ کے پروہت نہیں ہیں۔ ہمیں اب اپنی روزی کے لئے در بدر ہونا پڑے گا۔ تو راجہ نے جواب دیا۔ جب ہم اس ریاست کے راجہ ہیں ——————— تو اس ریاست کے جو راج پروہت ہیں وہی ہمارے پروہت ہوں گے۔ بلکہ میرا یہ وعدہ یا پرن مجھ تک ہی محدود نہیں بلکہ میری اولاد بھی آپ کی اولاد کو اپنے کُل پروہتوں کا درجہ دے رکھے گی۔ ہم نے یہاں آ کر نیا جنم لیا ہے۔ اس لئے پروہت بھی نئے اور ذات بھی نئی۔ اب ہمارا کانگڑہ یا کٹوچ پروہتوں سے دور کا واسطہ ہے۔ چنانچہ اُس دن سے راجہ چیپ چند بانی چیپ خاندان سے منسوب ہوا اور اس کی اولاد چیب راجپوت مشہور ہوئی جو کہ کانگڑہ کے کٹوچ خاندان کی ہی ایک شاخ ہے۔

راجہ دھرم چند

(۱)

راجہ چیپ چند نے اپنی ریاست بھمبر کی ترقی کے لئے کافی کوشش کی اور اپنی عمر طبعی بھوگ کر وفات پائی۔ اس کے بعد راجہ کلس چند۔ اس کا راجہ روپال چند۔ اس کا راجہ

اجان چند - اُس کا بھبیری چند - اُس کا شانتی چند اور اُس کا راجہ گوگا چند یکے بعد دیگرے
بھمبر کے راجے ہوئے - راجہ گوجا چند کا بیٹا راجہ دھرم چند ہوا - اُس وقت دہلی میں ابراہیم
لودھی حکمران تھا - سولھویں صدی کے آغاز کا زمانہ تھا اور مذہب اسلام ترقی پر تھا -
راجہ دھرم چند کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی عجیب اور دلچسپ کہانی ہے -

یہ راجہ دھرم کا پابند، متلون مزاج اور تلوار کا دھنی تھا - اس نے بھی تھکیال راجپوتوں کے ہاں شادی کی تھی - رانی تھکیال کے دان پُن اور برت کی آج بھی علاقہ بھمبر میں کہانیاں زبان زدِ عام ہیں - کہا جاتا ہے کہ ایک سوداگر بھمبر کی راہ کشمیر جا رہا تھا کہ اُس نے خلاف رواج اور دستور راجہ دھرم چند کو تحائف پیش نہ کئے اور پروانہ راہداری حاصل نہ کیا - تو راجہ کے اہلکاروں نے سوداگر کو گرفتار کر کے اُس کا تمام مال و سامان ضبط کر لیا - سوداگر پریشان حال در بدر ہونے لگا - ایک دن ایک سادھو مہاتما جو پنج پیر کے نام سے مشہور تھا، کا گزر اُدھر سے ہوا - تو اُس نے سوداگر کو روتے دیکھ کر پوچھا کہ کیا ماجرا ہے سوداگر نے رو رو کر مہاتما کو اپنے غم کی ساری داستان سُنائی - تو مہاتما نے ترس کھا کر اُسے اپنے ساتھ لیا اور راجہ دھرم چند کے دربار میں آ گیا - راجہ نے سادھو کا اُٹھ کر استقبال کیا اور اپنے پاس ہی گدّی پر لا بٹھایا - اور دست بستہ عرض کی کہ مہاراج! کیا حکم ہے؟ مہاتما بولا - مجھے دودھ پلاؤ - لیکن میں تازہ دودھ پینا چاہتا ہوں جو تم اپنے ہاتھ سے دوہ کر لاؤ - اور راجہ کی منڈی میں ایک بندھی ہوئی بھینس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اِس بھینس کا دودھ پیوں گا - بھینس بانجھ تھی - راجہ شش و پنج میں پڑ گیا اور با دلِ نخواستہ اُس نے بھینس کو دوہنا شروع کیا - تو ایک پیالہ دودھ کا بھر کر اُس نے مہاتما کو پیش کیا - مہاتما نے پیالہ مُنہ سے لگا کر نصف دودھ پی لیا اور باقی نصف راجہ کو دے کر کہا کہ تم پی جاؤ - راجہ سوچ میں پڑ گیا معلوم نہیں کہ یہ مہاتما کس قوم کا ہے - اس کا جھوٹا دودھ پی لوں یا نہ - کہ مہاتما بول اُٹھا - تم نہیں پیتے - پیالہ واپس کر دو - اور باقی کا نصف دودھ بھی مہاتما غٹا غٹ چڑھا گیا - پیالہ واپس کرتے ہوئے راجہ کے دائیں پاؤں کا انگوٹھا مہاتما کے پاؤں سے چھو گیا - تو دودھ پی کر مہاتما بولا - اگر دودھ پی جاتا تو امر ہو جاتا - مگر اب یہ بر دان تمہیں دے سکتا ہوں کہ تمہارے دائیں پاؤں کا انگوٹھا جو میرے ساتھ چھو گیا ہے، اگر تم کسی پھوڑے پر جو کہ بچوں کے کان کے پیچھے

کالس ← ڈوبال ← اجان چند ← بھبیری چند ← شانتی چند ← گوجا چند ← دھرم چند - 1533 - 400

~~1500-1400~~ 1350-75
1480-1500 1450-80.

ہوتا ہے، لگاؤ گے تو اُسے شفا مل جائے گی۔ بلکہ یہ شفا تمہاری اولاد میں بھی موجود رہے گی۔ اور چند ایک ٹوٹکیاں اور بھی راجہ دھرم چند کو بتائیں جو کہ ہر قسم کے زخم کو مندمل کرنے کے لئے کار آمد تھیں۔ راجہ نے ہاتھ جوڑ کر پھر مہاتما سے پوچھا کہ میرے لائق کوئی اور حکم ہو تو بخوشی قبول کروں گا۔ مہاتما نے سوداگر کو آگے کر کے کہا کہ اس غریب کا مال و سامان اس کے حوالے کر دیا جائے جو کہ آپ کے اہلکاروں نے ضبط کر رکھا ہے۔ اس نے ناواقفیت کے عالم میں یہ غلطی کی ہے جو کہ قابل معافی ہے۔ راجہ نے سوداگر کا تمام مال واپس کرا دیا اور اُسے خلعت وغیرہ دے کر کشمیر کی طرف باحفاظت بھیجنے کا انتظام بھی کر دیا۔ اسی اثناء میں مہاتما آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

راجہ دھرم چند کا اسلام قبول کرنا

روایت ہے کہ جب وُہ سوداگر کشمیر کے میووں سے لدا ہؤا واپس دہلی پہنچا۔ تو بادشاہ ابراہیم لودھی ایک مُہلک پھوڑے کی بیماری میں مُبتلا تھا۔ علاج معالجے کافی کرائے گئے لیکن کچھ فائدہ نہیں ہؤا۔ سوداگر نے بادشاہ سے کہا کہ دُور پہاڑ میں کشمیر کی راہ پر ایک ریاست جمبر ہے جس کے راجہ دھرم چند کے ہاتھ میں ایسے پھوڑوں کو ختم کرنے کی برکت ہے جو کہ اُسے ایک مہاتما سے حاصل ہوئی تھی۔ راجہ دھرم چند کو بُلانے کے لئے قاصد معہ فوجی دستہ کے بھیج دیا گیا۔ راجہ دھرم چند اپنی اس طلبی پر فکر مند ہو اُٹھا اور اُس نے اپنی رانی تھکیال سے مشورہ کیا۔ آخر راجہ دھرم چند شاہی دستہ کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وُہ دہلی پہنچا تو چند روز میں بادشاہ کو پھوڑے سے چھٹکارا مِل گیا۔ راجہ دھرم چند شاہی مہمان کے طور دہلی میں رہنے لگا۔ کچھ دن پا کر اُسے اپنے وطن اور تخت کی یاد آئی تو بادشاہ سے رخصت کا طالب ہؤا۔ لیکن

سلہ ٹھاکر میجر سنگھ چیب اپنی تاریخ جبھال میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی چیب راجپوت اپنے دائیں پاؤں کا انگوٹھا کن پیڑوں کی بیماری والے بچے کے کانوں پر سات دفعہ دم کر کے لگائے تو اُسے آرام ہو جاتا ہے۔ وُہ اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ جب میں جموں میں سکول ماسٹر تھا تو بہت سی عورتیں ایسے بچوں کو اُٹھائے میرے ڈیرے پر آتی تھیں اور میں یہ عمل کرتا تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ اُن کو آرام ہوتا تھا یا یوں ہی دیکھا دیکھی سلسلہ جاری تھا۔ مگر ایسا کرنا تجربہ مزید سے مُفید ثابت ہؤا ہے۔ ؛

بادشاہ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں تمہیں ابھی ہرگز واپس جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ کے لئے یہاں ہی سکونت اختیار کر لو۔ راجہ دھرم چند نے ہر چند منت سماجت کی لیکن ابراہیم لودھی نے یہ کہہ کر کہ اب تمہاری شادی کا یہاں ہی بندوبست کیا جا رہا ہے، واپس جانے کا خیال ترک کر دو، راجہ کو سخت پریشان اور افسردہ کر دیا۔ لاچار قہر درویش بر جانِ درویش کے مصداق اپنی قیام گاہ پر خاموش بیٹھا رہتا۔ کئی کئی دن باہر بھی نہ نکلتا۔ آخر ایک دن بادشاہ نے اُسے اپنے دربار میں بلا کر اپنے ایک افغان سردار کی بیٹی سے شادی کا پیغام دے دیا۔ اور چند دنوں کے بعد راجہ دھرم چند کو راجہ شاداب خان نومسلم کا نام دے کر اپنے سردار کی بیٹی سے شادی بھی کر دی۔ ایک محل انہیں رہنے کو دے دیا۔ اور راجہ وہاں مجبوراً بے بسی کی حالت میں رہنے لگا۔ اس خیال سے کہ کہیں راجہ تنگ آ کر فرار نہ ہو جائے، بادشاہ نے ہیبت خان قندھاری کو اُس کی نگرانی سونپ دی۔ اس طرح نظربندی کی زندگی میں راجہ دھرم چند کے دن بیتیت ہونے لگے۔

رانی تھکیال کا خط

پانچ سات سال گزر گئے۔ راجہ کی مسلمان بیگم سے دو لڑکے بھی پیدا ہوئے۔ راجہ کو اکیلے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ اگر کہیں سیر و شکار کو جاتا بھی تو ہیبت خان قندھاری معہ مسلم فوجیوں کے اس کے ساتھ رہتا۔

اُدھر رانی تھکیال کی آنکھیں اپنے راجہ کے انتظار میں رو رو کر پک گئی تھیں۔ رانی تھکیال سے اُس کے دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا سادہ طبیعت کا تھا اور چھوٹے نے ابھی ہوش سنبھالا نہ تھا۔ اُن میں کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ دہلی پہنچ کر اپنے باپ کا پتہ کرے۔ ریاست کا انتظام ابتر ہو رہا تھا۔ آخر رانی نے ایک روز ایک تیلی کو بلایا جو راجہ

لہ تاریخ جھپیال میں لکھا ہے کہ راجہ دھرم چند کی جبراً مُسلم امیر کی بیٹی سے شادی کرنے کا ذکر کسی مُسلمان مورخ کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ کیونکہ ایسے واقعات مسلمان بادشاہوں کے عہد میں تسلیم کرنے کی اجازت نہ تھی۔ مگر جھپیال کا بچّہ بچّہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ راجہ دھرم چند کی شادی بادشاہ کے ایک امیر کی بیٹی سے ہوئی تھی۔

دھرم چند کے بچپنے کا ساتھی تھا اور جو اپنی سُریلی آواز سے چنکارہ بجا کر راجہ کو گانا سُناتا تھا۔ رانی نے اُس تیلی کو دہلی کے لئے تیار کیا۔ اور راجہ کے نام خط لکھا جس میں اپنی حالتِ زار اور ریاست کی ابتری کے تمام حالات درج کیے۔ تیلی ایک پُرانا وفادار ملازم تھا۔ وُہ خط لے کر منزل بہ منزل راجہ کو ملنے کے لئے دہلی پہنچ گیا اور راجہ کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرنے لگا۔ لیکن اُس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر اُس نے دہلی کے گلی کوچوں اور محل ماڑیوں کے باہر دشت نوردی شروع کی۔ چنکارہ بجا کر میٹھی لَے میں گاتا اور لوگ اُس کے گانے سے خوش ہو کر روپوں پیسوں سے اُس کی جھولی بھر دیتے۔ ایک دن ایک محل کے نیچے سے گزر رہا تھا۔ اسی محل میں راجہ دھرم چند نظر بند تھا۔ وہ چنکارہ بجا کر اپنی لَے میں گانے لگا۔ تو راجہ دھرم چند چونک اُٹھا۔ راجہ کے کان اپنے ملازم کے چنکارہ کی آواز سے مانوس تھے۔ وُہ جھروکے میں آ کھڑا ہوا۔ چنکارہ سُننے لگا تو تیلی کی نظر اپنے راجہ پر پڑی۔ راجہ کو دیکھتے ہی اُس نے سر جُھکا دیا راجہ نے اشارہ میں اُسے سمجھایا کہ پہرہ دار کی نظر بچا کر اندر آ جاؤ۔ اور جب تیلی موقعہ پا کر محل کے اندر پہنچا تو راجہ دھرم چند نے اُسے ایک کمرے میں چھپا دیا تاکہ اُس کی مُسلم بیوی کو پتہ نہ لگے۔ اور رات کے وقت جب تیلی نے اپنے راجہ کو رانی تھکیال کی چٹھی دی تو وُہ چٹھی کا دردناک مضمون پڑھ کر رو اُٹھا۔ اور پھر کچھ سوچ سمجھ کر اپنے وطنِ عزیز کو واپسی کی تیاری کر لی۔ اور تیلی کو کہا کہ تم مُنہ اندھیرے کل صبح یہاں سے نکل جاؤ۔ مَیں شکار کے لئے دہلی سے باہر پہنچوں تو میرا پیچھا کرو۔ ہم شکار کے بہانے سپاہیوں کی نظر بچا کر فرار ہو جائیں گے۔ آگے جو ایشور کو منظور۔

راجہ دھرم چند کا فرار اور قتل

دُوسرے دن راجہ دھرم چند نے شکار کی تیاری کر لی۔ اور اتفاق یہ کہ اُس دن جو فوجی دستہ اُس کی نگرانی کے لئے مامور ہوا، اُس کا افسر ہیبت قندھاری کسی دُوسرے کام پر مامور تھا۔ اس فوجی دستہ کے ساتھ راجہ دہلی کے آس پاس ہی جنگل میں شکار کھیلنے لگا اور نگران سپاہیوں سے جُدا ہو گیا۔ اس موقعہ کو غنیمت جانا اور اپنے کالے گھنّے اور تیلی کے ساتھ واپس وطن کو روانہ ہوا۔ پندرہ دن کا راستہ سات دنوں میں طے کر کے اپنی ریاست کی سرحد میں داخل ہو رہے تھے کہ پیچھے شاہی فوجی دستہ ہیبت خان قندھاری کی سرکردگی میں آ پہنچا۔ قندھاری نے بلند آواز میں راجہ کو کہا کہ یہ راجپوت کا شیوہ نہیں کہ

کسی کی لڑکی کو بیاہ کر چھوڑ جائے۔ راجہ یہ سُن کر ٹھہر گیا اور گھوڑے کو پیچھے موڑ کر ہیبت خان قندھاری کے مقابلہ پر آ کھڑا ہوا۔ پھر بولا کہ پہلا وار کرنا تمہارا حق ہے کیونکہ تم دُور سے آئے ہو۔ چنانچہ پہلا وار تلوار کا ہیبت خان قندھاری نے کیا۔ لیکن اُسی لمحہ راجہ دھرم چند کی تلوار بھی حرکت میں آ چکی تھی۔ نتیجتہً بیک وقت دونوں کی تلواریں ایک دُوسرے کی گردنوں کو کاٹ کر تی پار ہو گئیں۔ راجہ کا سر دھڑ سے الگ ہو کر زمین پر آ رہا اور ہیبت خان قندھاری کا سر دھڑ سے لٹکتا رہا۔ ہیبت خان قندھاری کا گھوڑا دہلی کی طرف دوڑنے لگا اور راجہ کا گھوڑا بے سر تن کو لے کر بھمبر کی طرف بھاگنے لگا۔ اُس وقت ریاست بھمبر کی حد جھنگی متصل گجرات تھی۔ موضع فتح پور ہرانی کے پاس ہیبت خان قندھاری کا جسم گھوڑے پر سے گر پڑا۔ وہاں اُس کی خانقاہ بنی ہوئی ہے اور پیر قندھاری کے نام سے مشہور ہے۔ جب راجہ کا گھوڑا بے سر کے جسم کو اُٹھائے ہوئے راج محلات کے پاس پہنچا تو محل کے سامنے راجہ کی لاش بھی گھوڑے پر سے گر پڑی۔ رانی نے دیکھا تو سر پیٹ لیا۔ اپنے بال نوچ ڈالے۔ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ راجہ کے انتم سنسکار کی تیاری کرنے لگے۔ لیکن اس اثناء میں شاہی دستہ بھمبر میں پہنچ گیا تھا جس نے اس بات پر زور دیا کہ راجہ اسلام قبول کر چکا ہوا ہے۔ اس لئے اس کی لاش کو جلانے کی بجائے دفنایا جائے گا۔ لیکن راجہ کا سر ندارد۔ سر کی تلاش ہونے لگی۔ آخر کالے کُتے نے راجہ کے ملازمین کی رہبری کی اور وہ اُس جگہ پر پہنچ گئے جہاں کہ کالے کُتے نے راجہ کا سر گرتے ہی زمین کھود کر دبا دیا تھا۔ آخر شاہی فوجی دستہ نے زبردستی راجہ کی لاش کو دفنا دیا اور اہلِ اسلام کے مطابق تمام رسُوم ادا کیں۔

راجہ دھرم چند (شاداب خان) کے ماتم میں رانی تھکیال بے حد غمگین اور افسردہ رہنے

لہ ٹھاکر سمبر اسنگھ جب مؤلف تاریخ چبھال کے الفاظ میں رانی راجہ کے مرنے کے بعد خوش و خرم اور بناؤ سنگھار سے رہنے لگی جس پر اُس کے رشتہ داروں، اہلکاروں اور راجہ کی والدہ نے سخت اعتراض کیا۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ دھرم چند اپنی رانی تھکیال کے پاس ہر رات آ کر چوپٹ کھیلتا تھا لیکن اس راز کو فاش کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب اُسے طعن و تشنیع سے مجبور کیا گیا تو رانی نے اپنی ساس سے کہہ دیا کہ کون کہتا ہے کہ میں بیوہ ہوں۔ میرا راجہ تو ہر روز میرے پاس آتا ہے۔ رانی کے اس راز کو افشاء کرنے پر راجہ نے اُس کے پاس آنا چھوڑ دیا۔

لگی۔ وُہ راجہ کی دائمی جُدائی برداشت نہ کرسکی۔ اور ایک دن راجہ کی قبر پر جاکر آہ وزاری کرنے لگی اور دست بستہ ملتجی ہوئی کہ اگر مَیں پتی برتا ہوں تو آپ اپنے پاس مجھے بُلا لیجئے۔ میری زندگی آپ کے بغیر بے کار ہے۔ روایت ہے کہ اُسی وقت قبر میں شگاف پڑ گیا اور رانی قبر میں سما گئی۔

راجہ اور رانی کا مزار قصبہ بھمبر سے ۵ میل دُور پہاڑی پر واقع ہے جسے آدھی ڈھاک کہتے ہیں۔ یہ مزار ایک مربع شکل کا چبوترہ ہے جو پتھروں اور کچی اینٹوں سے بنا ہوا ہے جو ایک کپڑے سے ڈھکا رہتا ہے۔ مُدت تک ہندو اور مُسلمان چب راجپوت اپنے بچوں کے مُونڈن سنسکار اِسی چبوترے پر آکر کرتے رہے۔ ہندو اسے بسدھ شاہی اور مُسلمان اِس کو باوا شادی شہید کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ دھرم چند اور اُس کی رانی تھکیال کا جہاں مزار ہے، اُس کے پاس ہی رہائشی محلات تھے۔ لیکن اب صرف کھنڈرات کے مدھم سے نشان ملیں گے۔ اب صرف دو تالاب اور چند مکانات مزار کے مجاوروں کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ یہ مجاور اپنے آپ کو کھوکھر راجپوت کہتے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ راجہ دھرم چند کا وزیر کھوکھر تھا جو راجہ کے شہید ہونے کے بعد یہاں سے بھاگ گیا تھا۔ مگر جب واپس آیا تو وُہ مُسلمان ہو چکا تھا۔ اس کی اولاد راجہ کے مزار کی مجاور یا پُجاری بنی۔ کھوکھر بھی چندر بنسی راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ لیکن تمام کی تمام حلقہ بگوش اسلام ہو چکی ہوئی ہے۔ راجہ رانی کے اِس مزار کی علاقہ بھر میں مانتا ہے۔ بلکہ دُور دُور سے ہندو اور مُسلم چب راجپوتوں کے علاوہ غیر راجپوت ہندو اور مُسلمان آکر منتیں مانتے ہیں۔ مُدت تک ہندو اور مسلمان چبوں کا طریقہ و رسم مُوتراشی ایک ہی رہا۔ مُوتراشی ہندو چب بچوں کی اور مسلمان چب بچوں کی اِسی خانقاہ پر آکر ہُوا کرتی تھی۔ اور بانئ خاندان راجہ چب چند نے جو راجہ تھکیال کے پروہت اپنے بنائے تھے، اُن پروہتوں کی اولاد ہی یہ رسم ادا کراتی تھی۔ مونڈن سنسکار پر بکرا ذبح کرنے کی رسم تھی جو مزار پر بھینٹ کیا جاتا تھا۔ اِس ذبح شدہ بکرے کا کچھ حصہ مجاور رکھ لیتے اور باقی بکرا چڑھانے والے لے جاتے۔ لیکن آج کل ہندو راجپوت چبوں میں بکرا ذبح کرنے کی رسم نہیں ہے۔ (کشمیر کے علاقہ پر جہاں کہ یہ خانقاہ موجود ہے، پاکستان کا قبضہ ہے) یہ لوگ اب اپنے

بچوں کے مونڈن سنسکار اپنے گھروں میں ہی کرتے ہیں۔ آج تک ہندو اور مسلمان چِب راجپوتوں میں بیاہ شادیوں کے موقعوں پر تیلی اور کلے گتے کو راجہ مہرم چند سے اُن کی وفاداری کی یاد میں روٹی دینے کا رواج ہے۔

مُدت تک ہندو راجپوت چبھیل اور مسلمان چِب خاندانوں میں بیاہ شادیاں اور دُوسری رسمیں ایک سی ہوتی رہیں۔ پروہت دونوں طرف موجود رہتا تھا بلکہ آپس میں بیاہ شادیاں بھی ہوتی رہیں۔ تاریخ چبھال میں لکھا ہے کہ مُسلم راجگان بھمبر نے شاہانِ دہلی کی مذہب اسلام پھیلانے میں کافی امداد دی۔ اِس زمانہ میں اکثر ہندو راجپوت اپنی لڑکیاں مسلمان راجگان کو مجبوراً دے دیتے تھے۔ اور اِسی طرح آہستہ آہستہ اسلام کا دائرہ ہندو راجپوتوں میں دن بدن وسیع ہوتا گیا۔ جب شاہانِ دہلی اِس طرف سے گزرتے تو نومُسلم خاندانوں کی حوصلہ افزائی کرتے۔ اِس طرح دُوسرے سال اور بھی بہت سے خاندان اسلام قبول کر لیتے۔ کسی ہندو کو مسلمان عورت کے ساتھ شادی کر کے اُسے ہندو بنانے کی اجازت نہ تھی۔ البتہ ایک ہندو مسلمان عورت کے ساتھ شادی کر کے مُسلمان ہو سکتا تھا۔ شاہجہان نامہ میں درج ہے کہ ایک دفعہ جب بادشاہ دہلی اِس علاقہ سے گزرا تو مسلمانانِ علاقہ نے درخواست کی کہ اکثر ہندو مسلمان عورتوں سے شادی کر لیتے ہیں۔ اور جب وُہ مر جاتی ہیں تو اُن کو جلا دیتے ہیں۔ اِس پر بادشاہ نے بھمبر میں حکم دیا کہ آئندہ کوئی ہندو کسی مسلمان عورت کو ہندو بنا کر نہ جلائے۔ غرضیکہ چبھال میں اِسلام کچھ تو شاہانِ دہلی کے زور سے اور کچھ راجگان بھمبر کی دو رنگی پالیسی سے اور کچھ ہندو راجپوتوں میں رشتہ داریوں کی کمی کی وجہ سے مسلمان عورتوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے سے پھیلا۔ اور سوائے چند گھر براہمنوں کے جو اُس وقت راجپوتوں کے پروہت تھے، باقی تمام اقوام راجپوت اور جاٹ، جھیور، ٹھکر وغیرہ داخلِ اسلام ہو گئیں۔

ٹھاکر میہرا سنگھ چِب اپنی تاریخ میں رقمطراز ہے کہ صرف راجگان ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے نومسلم اکثر اپنے پُرانے ہندو راجپوت اور دُوسری ذاتوں کے ہاں شادیاں کرتے رہے۔ کیونکہ اُن مسلم خاندانوں کے رسم و رواج اور رہنے سہنے کے

طریقے بالکل ہندوؤں جیسے تھے۔ اس لئے اکثر ہندو اُن کو اپنی لڑکیاں دے دیتے۔ مسلمان راجہ کے گھر بیاہی ہوئی ہندو لڑکی اپنے آپ کو تو ہندو ہی سمجھتی تھی مگر اُس کی اولاد مسلمان کہلاتی تھی۔ اور یہ سلسلہ راجہ گھنی خان سے لے کر آخری راجہ سلطان خان تک جاری رہا۔ جب مسلمان راجپوتوں نے آپس میں شادی کرنا شروع کی۔

راجہ بھُوپ چند

راجہ دھرم چند کی وفات کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ بھُوپ چند بھمبر ریاست کا وارث قرار دیا گیا۔ راجہ دھرم چند کے دو بیٹے بھُوپ چند اور رُوپ چند ہندو رانی تھکیال سے اور دو بیٹے مل خان اور گُل محمد خان مُسلم بیگم سے تھے۔ جس کی وجہ سے راج گدّی کا تنازعہ پیدا ہو گیا۔ تو ریاست بھمبر کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مشرقی حصّہ راجہ بھُوپ چند کو اور نالہ بھمبر کے پار مغربی حصہ راجہ مل خان کو مل گیا۔ گُل محمد خان نے راجہ مل خان سے اپنا حصہ علیحدہ کرا لیا اور گڑھی کھاریاں میں اُس نے سکونت اختیار کر لی تو راجہ رُوپ چند راجہ بھُوپ چند سے حصہ لے کر بڑھنگ میں آباد ہو گیا۔

راجہ بھُوپ چند یا بھُوم چند (مسلمان اسے بھوم خان کہتے ہیں) اپنی ریاست پر حکومت کرنے لگا۔ اگرچہ بادشاہ دہلی کی طرف سے ہر چند مجبور کیا گیا کہ وہ مُسلمان ہو جائے لیکن اُس وقت افغانی سلطنت یعنی لودھی خاندان کا چراغ ٹمٹما رہا تھا جسے جلد ہی بابر نے ابراہیم لودھی کو ختم کر کے بالکل بجھا دیا۔ راجہ بھُوپ چند نے اپنے نام پر بھوم پور شہر آباد کیا جو بعد میں بگڑ کر بھمبر ہو گیا۔ اور آج تک ریاست بھمبر کے جموں میں مدغم ہونے پر بھی یہی نام چلا آ رہا ہے۔ ریاست جموں و کشمیر میں بھمبر ضلع میرپور کی ایک تحصیل کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اور اب جبکہ پاکستان نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا ہے، یہ علاقہ بھمبر کے نام سے ہی مشہور ہے۔

راجہ بھُوپ چند کی وفات پر راج گدّی کا جھگڑا

راجہ بھوپ چند کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام گھگی اور چھوٹے کا نام گھنی چند تھا۔ بھوپ چند کے مرنے کے بعد بھمبر کی راج گدّی کے لئے پھر جھگڑا

بپا ہو گیا۔ راجہ دھرم چند کے مسلمان بیٹوں نے بادشاہ بابر کے پاس دعوٰے دائر کر دیا۔ تو بادشاہ نے فیصلہ دیا کہ بھمبر کا راجہ اُس کو بنایا جائے گا جو اسلام کا پرستار ہو گا۔ بھوپ چند کے بڑے بیٹے گھگی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے چھوٹے بھائی گھنی چند کو کہا کہ اپنے باپ کی وراثت اپنے پاس اسی طرح رہ سکتی ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی مسلمان ہو جائے۔ نہیں تو یہ ریاست اپنے دادا کے مسلمان بیٹوں کو مل جائے گی۔ گھنی چند کی ہندو بیوی سے تین بیٹے امبو، مالو اور جوگا جبت خورد سال تھے۔ جنہیں گھگی خان نے اپنے ساتھ لے لیا، اور بنڈالہ میں جا کر رہنے لگا۔ تو گھنی چند نے اسلام قبول کر کے راجہ گھنی خان کے نام سے بھمبر کی راج گدی حاصل کر لی۔ اس راجہ گھنی خان کی مسلم رانی سے جو اولاد ہوئی، اُس سے راجگان بھمبر ہوئے۔ اور اُس کی ہندو بیوی سے تینوں بیٹوں کے خاندان گھڈالہ، مغلورہ، شیخ پور اور کھادکناں وغیرہ میں آباد ہو گئے۔ اور گھگی کی اولاد انبڑیالہ میں آباد ہے۔ گھگی کے دو بیٹے کھندرو اور بھرو تھے۔ کھندرو کا بیٹا تخنی چند ہوا۔ اس تخنی چند کی اولاد دلوا بٹالہ میں آباد ہوئی۔ جن کا ذکر کسی آئندہ باب میں درج ہو گا۔

بھوپ چند
گھنی خان
جمشید خان

راجہ اسمٰعیل خان

راجہ گھنی خان کی وفات کے بعد راجہ جمشید خان بھمبر کا حکمران ہوا۔ اُس کا راجہ ظفر خان، اُس کا راجہ شاہ محمد خان، اُس کا راجہ لاو خان اور اُس کا راجہ اسمٰعیل خان ہوا۔ راجہ گھنی خان سے لے کر راجہ اسمٰعیل خان تک جتنے بھی بھمبر کے راجہ ہوئے، سب کے سب دہلی کے شاہان مغلیہ کے اطاعت گذار ہوئے اور اپنے علاقہ میں اسلام پھیلانے میں انہوں نے کافی کام کیا۔ لیکن رعایا کی اقتصادی حالت میں کوئی قابل ذکر ترقی کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ کیونکہ بھمبر کی ریاست سیاسی طور پر دہلی کے نشیب و فراز میں تہ و بالا ہوتی رہی۔ اسمٰعیل خان اورنگ زیب کے عہد میں بھمبر کا راجہ تھا۔ اور پیچھے کی طرف دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ اکبر کے زمانہ میں دہلی سے دو حقیقی بھائی کھتری ذات کے، کوہلی اننت چند اور پرمانند بھمبر میں آ کر آباد ہوئے اور راجہ ٹوڈر مل کی سفارش سے راجہ بھمبر کے

کاردار مقرر ہو گئے۔ لیکن بعد میں راجہ بھمبر کے کاردار ہونے کی رعایت سے انہیں مہتہ کا خطاب مل گیا۔ ساتھ ہی مہتہ اوتم چند کو بھمبر میں اور مہتہ پرمانند کو نوشہرہ میں اپنے مکانات بنوا کر آباد ہونے کا شاہی پروانہ مل گیا۔ بادشاہ اکبر اُن دنوں کشمیر کی فتح کے لئے تیاری کر رہا تھا۔ اُس نے راجہ بھمبر اور مہتہ اوتم چند کو فرمان جاری کیا کہ اُن کی فوجیں براستہ بھمبر کشمیر پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ اِس لئے بھمبر میں ایک عالیشان سرائے بنائی جائے جس کا نصف خرچ شاہی خزانہ سے دیا جائے گا۔ اور رعایا میں سے جو بھی شخص اِس سرائے کے ساتھ دوکان یا مکان بنائے، اُس کو بھی خزانہ شاہی سے نصف خرچ کی امداد ملے گی۔ چنانچہ چند ماہ کے عرصہ میں سرائے اور کئی مکانات آس پاس تیار ہو گئے۔ جس سے بھمبر کی رونق کو چار چاند لگ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ جب بادشاہ اکبر ایک دفعہ بھمبر میں آئے تو چند روز یہاں قیام کیا۔ سرائے کے ساتھ باغات۔ باؤلیاں۔ مسجدیں اور حمام بھی تعمیر کرائے۔ لیکن آج کل یہ آثار قدیمہ کھنڈروں کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ بادشاہ اکبر نے بھمبر کا نام بدل کر اپنے نام پر اکبر آباد رکھا۔ لیکن اکبر کے بعد یہ قصبہ پھر بھمبر کے نام سے مشہور ہو گیا۔

*

راجہ اسمٰعیل خان کے وقت مہتہ خاندان کا ایک فرد گلاب رائے دہلی میں بادشاہ[۵] اورنگ زیب کا میر منشی تھا۔ وہ اپنے گھر بھمبر میں دہلی سے رخصت پر آ رہا تھا کہ گجرات کے ایک نورنگ رائے وڈیرا نے جس کی مہتہ گلاب رائے سے کسی رشتہ کے لین دین کی بناء پر دشمنی تھی، راجہ اسمٰعیل خان سے مشورہ کر کے راستے میں قتل کر دیا۔ راجہ اسمٰعیل خان کو خیال تھا کہ مہتہ گلاب رائے اُس کی تمام زیادتیاں اور حرکتیں بادشاہ کو پہنچا دیتا ہے۔ جب مہتہ گلاب رائے کے قتل کی خبر دہلی میں پہنچی تو اورنگ زیب نے راجہ اسمٰعیل خان کے نام نورنگ رائے کو گرفتار کر کے دہلی بھیجنے کا حکم بھیجا لیکن راجہ نے اِس حکم کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ بادشاہ تک یہ خبر بھی پہنچ گئی تھی کہ مہتہ گلاب رائے کے قتل میں راجہ اسمٰعیل خان کا ہاتھ ہے۔ اِس لئے وہ حکم عدولی کر رہا ہے۔ چنانچہ شاہی فوج کے ایک دستہ نے بھمبر کو آ کر گھیر لیا اور راجہ اسمٰعیل خان کو معہ نورنگ رائے گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں دہلی پہنچایا۔ راجہ اسمٰعیل خان کو جب اپنی موت سامنے نظر آئی تو اُس نے نورنگ رائے پر ہی سارا الزام عاید کر دیا اور خود معافی کا طلبگار ہوا۔ نورنگ رائے کو شاہی

حکم سے نیشہ کی سزا دے دے کر بُری طرح قتل کیا گیا اور راجہ جان سلامت لے کر واپس بھمبر آگیا۔

راجہ نعیم خان 1733ء

راجہ اسمٰعیل خان کے بعد راجہ نعیم خان تک راجہ جک جنت خان، راجہ رحمت اللہ خان، راجہ کریم اللہ خان۔ راجہ شیر صفدر خان اور راجہ ماجھی خان پانچ راجے یکے بعد دیگرے بھمبر کی حکمرانی کرتے رہے۔ راجہ اسمٰعیل خان کی چھٹی پشت میں راجہ نعیم خان جب بھمبر کا راجہ ہوا تو اُس وقت جموں میں مہاراجہ رنجیت دیو کے انصاف، تدبر اور انتظام حکومت کا شہرہ دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ دہلی کے تخت پر محمد شاہ متمکن تھا۔ بادشاہ کی عیاشی اور رنگ رلیوں میں سلطنت کمزور ہو رہی تھی کہ راجہ نعیم خان نے اپنے جد راجہ اسمٰعیل خان کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے مہتہ گلاب رائے کے خاندان کے مہتہ سیتل داس کی تمام جائداد اور زمین وغیرہ ضبط کر لی۔ محمد شاہ نے جائداد کی واپسی کے لئے متواتر احکام بھیجے۔ لیکن محمد شاہ رنگیلے کی اُس وقت کون پرواہ کرتا تھا۔ راجہ نے مہتہ کا مال و اسباب واپس نہ کیا۔ آخر بادشاہ نے مہتہ سیتل داس کی بحالی کے لئے اُس کے بیٹے مہتہ بہادر سنگھ کو کشمیر کے گورنر سکھ جیون کے مشیر خاص کا رُتبہ دے کر کشمیر بھیج دیا۔ لیکن جلد ہی بعد احمد شاہ ابدالی کے لئے مہاراجہ رنجیت دیو والی جموں نے کشمیر کو فتح کر کے سکھ جیون کو گرفتار کر لیا۔ تو مہتہ بہادر سنگھ نے راجہ رنجیت دیو کے حضور میں حاضر ہو کر خوشنودی حاصل کر لی اور اپنے گھر بھمبر چلا آیا۔ احمد شاہ ابدالی کے حکم سے چبھال کا علاقہ معہ بھمبر مہاراجہ رنجیت دیو نے جموں سے ملحق کر لیا۔ اور راجہ نعیم خان والی بھمبر نے مہتہ بہادر سنگھ کو اپنا وکیل بنا کر دربار جموں میں با دل نخواستہ بھیجا۔ راجہ نعیم اللہ خان کو بھی مہتہ خاندان سے پُرانی دُشمنی تھی۔ ایک دفعہ جب مہتہ بہادر سنگھ جموں سے اپنے گھر بھمبر آیا تو راجہ نعیم اللہ خان نے اُسے جب کہ وہ رات کو راجہ سے ہو کر واپس گھر جا رہا تھا، اپنے آدمیوں کو کہہ کر قتل کرا دیا۔ مہتہ بہادر سنگھ کے لڑکے مہتہ سوجان سنگھ نے راجہ نعیم اللہ خان کے خلاف اپنے باپ کے قتل کے

مقدمہ مہاراجہ رنجیت دیو کے دربار میں دائر کیا۔ مہاراجہ رنجیت دیو کو مہتہ کے قتل کا خود بھی بے حد افسوس تھا۔ اُدھر مقدمہ قتل بہادر سنگھ دائر تھا، اِدھر راجہ نعیم اللہ خان اچانک وفات پا گیا۔ مہاراجہ رنجیت دیو کے دربار میں راجہ بھمبر کے مرنے کے بعد اُس کا وارث راجہ سلیمان خان بہادر سنگھ کے قتل کی جوابدہی کے لئے بُلایا گیا۔ جس نے کہ قتل مذکورہ کی بابت سوگند کھا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اور عرض کی کہ قتل تو میرے باپ کے عہد میں ہوا ہے، میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ پھر بھی میں معافی کا طلبگار ہوں۔ اس طرح راجہ سلیمان خان کو مہاراجہ رنجیت دیو نے معافی دی اور قاتلوں میں سے دو کو بھمبر کے بازار میں پھانسی دینے کے لئے راجہ سلیمان کو بھمبر واپس کیا۔ اور کہ یہ بھی حکم صادر کیا کہ مہتہ بہادر سنگھ کا لڑکا مہتہ سوجان سنگھ ریاست بھمبر کی وزیری کے عہدے پر ممتاز کیا جائے۔

چنانچہ راجہ سلیمان خان نے اپنے وزیر سوجان سنگھ کے ساتھ ریاست کا نہایت عمدگی سے انتظام اور کاروبار چلایا۔ رعایا کو امن و امان کا سانس نصیب ہوا اور راجہ سلیمان خان کی حکومت تھوڑے ہی عرصہ میں مقبولِ عام اور ہر دلعزیز ہو گئی۔ 1767

لیکن ۱۷۶۷ء میں راجہ سلیمان خان اپنی پانچ سالہ حکومت کے بعد اس دارِ فانی سے چل بسا اور اُس کی جگہ اُس کے نوجوان اور ذہین فہم بیٹے راجہ سلطان خان نے سنبھالی۔

راجہ سُلطان خان

راجہ سُلطان خان اپنے باپ کے وزیر سوجان سنگھ کے مشورہ سے حکومت کرنے لگا۔ ابتدا میں ہی اس راجہ نے اپنے تدبر اور زورِ بازو کی دھاک باندھ دی۔ ریاست بھمبر کو وہ عروج دیا کہ اس کی سرحدیں مشرق سے برنالہ تک اور جنوب کی طرف تحصیل کھاریاں اور گجرات کا بہت سا حصہ اس میں شامل کر لیا۔ نوشہرہ، میرپور اور کوٹلی پر بھی اپنا قبضہ جما لیا۔ بھمبر سے دس میل شمال کی طرف قلعہ امرگڑھ کو اپنا گرمائی ہیڈ کوارٹر بنایا۔ قلعہ کے نیچے ایک صاف و شفاف پانی کی جھیل ہے جسے باغ سر کہتے ہیں۔ راجہ سلطان خان کے پاس تنخواہ دار فوج برائے نام ہی تھی۔ صرف

ایک آدھ پلٹن باقاعدہ تنخواہ پاتی تھی۔ لیکن بہ ضرورت تمام رعایا ہی فوج کا کام دیتی تھی۔ یہ راجہ سال میں دو دفعہ اپنی ریاست کا دورہ کر کے رعایا کے حالات معلوم کرتا، اور لوگوں کی عرض و معروض سن کر انصاف کرتا۔ اپنے علاقہ کے ہر ایک قلعہ میں اُس کے معتبر کام کرتے تھے جو غلہ کی فراہمی کے انتظام کے علاوہ چھوٹے موٹے مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔ ابتداء میں چند ایک سال تو راجہ سلطان خان کے انصاف کی دھوم مچ گئی۔

سلطان خان کا انصاف

سلطان خان کا بڑا لڑکا جو پہلی رانی سے تھا، بڑا عیاش نکلا۔ اُس نے آدھی ڈھک پر ایک بُرج تعمیر کر کے رہائش اختیار کر لی تاکہ اپنے باپ سے دُور رہ کر رنگ رلیاں منا سکے اور عیش اُڑائے۔ اُس نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ جب کوئی برات دُلھن کو لے کر اُس پہاڑ پر سے گزرتی تو بلاتمیز مذہب و ملت اُسے روک لیتا اور دُلھن کو زبردستی اپنے آدمیوں کے ذریعہ اُٹھوا کر بُرج میں لے جاتا۔ اور رات گزار کر دوسری صبح دُلھن کو بُرج سے نکال باہر پھینکتا۔ اسی طرح کئی ہندو و مسلمان عورتوں کو اُس کی ایسی وحشیانہ حرکت اور بدمعاشی کا شکار ہونا پڑا۔ لیکن چونکہ راجہ کا بیٹا تھا اس لئے اُس کے خلاف کسی کو شکایت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ایک دفعہ ایک براہمن کا اکلوتا لڑکا شادی کر کے واپس آیا۔ جب آدھی ڈھک پر معہ برات پہنچا تو راجکمار کے آدمیوں نے برات کو روک لیا اور کہاروں کو کہا کہ دُلھن کا ڈولا آگے لے جانے کی بجائے ٹکہ صاحب کے بُرج میں لے جایا جائے۔ براہمن کے بیٹے دُولھا نے جواب دیا۔ "دُلھن تو میری ہے، راجہ کے بیٹے کی نہیں۔" اور وہ دُلھن کی ڈولی کے ساتھ تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ سرکاری سپاہیوں نے اُسے گھیرے میں لے کر تلوار کے گھاٹ اُتارا اور زبردستی دُلھن کو اُٹھا کر بُرج میں لے گئے۔ برات کے آدمی خوف کے مارے جان بچا کر بھاگ گئے جنہوں نے دُولھا کے بوڑھے باپ کو اِس دُرگھٹنا کی خبر دی۔ بوڑھا یہ المناک سانحہ سُن کر بے ہوش ہو گیا۔ اور جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے مشعل جلائی اور راج محل کی طرف چل پڑا۔ راستے میں جو کوئی اُسے پوچھتا تو وہ جواب دیتا کہ "میں اندھا ہو گیا ہوں۔ میرے بڑھاپے کی لاٹھی لُوٹ گئی ہے میری

آبرو اور عزت کو راجہ کے بیٹے نے تباہ کر دیا۔ مجھے بتاؤ کہ راجہ سلطان خان کہاں ہے؟ مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ چلتا گیا۔ لوگ اُس کے ساتھ ہوتے گئے۔ اور صبح صبح ہی بھمبر کے راج محل کے سامنے ایک مجمع لگ گیا۔ راجہ سلطان خان کو خبر ہوئی کہ اُس کی رعایا میں سے ایک براہمن دن کے وقت مشعل جلائے اُسے تلاش کر رہا ہے۔ تو وہ براہمن کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میں ہوں راجہ سلطان خان۔ کہو جو کچھ کہنا چاہتے ہو۔ تو براہمن بولا، "تم ہو سلطان خان! تمہارے راج میں ایسی اندھیر گردی کہ تمہارے بیٹے نے میرے اکلوتے بیٹے کو قتل کر کے اُس کی دلھن کو گھر میں ڈال لیا۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے راج میں تمہارے ہی محل کا کوئی فرد اس طرح کی مار دھاڑ اور رعایا کی بہو بیٹیوں کی عصمت سے کھیلے اور تم چپ چاپ اُس کی حرکتوں کو دیکھتے رہو!" راجہ سلطان خان براہمن کی اس لعنت ملامت بھری فریاد سے غضبناک ہو اٹھا۔ اور اُس نے اپنے بیٹے کو گرفتار کر کے دربار میں لانے کے لئے سپاہی بھیج دیئے۔ اور جب ٹکا صاحب کو اُس کے باپ راجہ سلطان خان کے حضور میں لایا گیا تو براہمن کے سامنے اُسے پوچھا گیا۔ وہ سر جھکائے خاموش ایسا جواب دیتا۔ تب راجہ نے اپنے بدکردار بیٹے کو ایک علیحدہ مکان میں محبوس کرنے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ میں زندگی بھر اس ناہنجار کی شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔ اسے ایسا بند کرو کہ اس کی لاش ہی میرے سامنے آئے۔ ٹھاکر میجر اسنگھ کی تاریخ چھال میں لکھا ہے کہ دوسری صبح راجہ کے بیٹے کی لاش اُس مکان سے برآمد ہوئی جہاں کہ اُسے قید کیا گیا تھا۔ راجہ سلطان خان کے اس نوشیروانی انصاف کی دھوم سارے زمانہ میں مچ گئی اور وہ اپنی ہندو و مسلمان رعایا میں اور زیادہ مقبول ہوتا گیا۔

بھمبر کی خود مختاری

مہاراجہ رنجیت دیو کی آنکھ بند ہوتے ہی جموں میں ابتری پھیل گئی۔ کیونکہ رنجیت دیو کے جانشین اپنے باپ کی وسیع سلطنت کو سنبھال نہ سکے۔ تمام راجواڑے جو مہاراجہ رنجیت دیو کے ماتحت اور باجگذار تھے، سب کے سب جموں سے آزاد ہو گئے۔ ان میں راجہ سلطان خان والی بھمبر بھی تھا۔ ایسا ذہین اور عقلمند راجہ کب جموں کی آپا دھاپی کا فائدہ اُٹھانے سے چوک سکتا تھا۔ اُس نے ۱۷۸۵ء میں جموں سے اپنی ریاست کا الحاق توڑ لیا اور بھمبر

1785

کا خود مختار راجہ ہو گیا۔ اس وقت اُس کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی۔ خود مختار ہو کر اُس نے بھمبر راج کو اور زیادہ وُسعت دی۔ اُس کا وزیر مہتہ سوجان سنگھ نہایت عقلمند اور دُور اندیش تھا۔ اُس کے مشورہ سے بھمبر کا نام ڈوگرہ دیس کی تمام ریاستوں میں ممتاز ہونے لگا۔ کہ قدرت کو اس راجہ کی مزید ترقی اور شہرت منظور نہ تھی۔ کہ اُس نے ایک اخلاق باختہ عورت جو کہ پرلے درجہ کی حسین تھی ۱۸ سالہ دوشیزہ حیات بیگم کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اور اُس پر ایسا لٹو ہوُا کہ اُسے ریاست کے کاروبار کی بھی سُدھ نہ رہی۔ حیات بی بی سرکار مختار بن گئی۔ جو وُہ کہتی راجہ سے کروا لیتی تمام امیر وزیر بالخصوص وزیر سوجان سنگھ اور سپہ سالار برہان خان راجہ اور حیات بیگم کی حرکتوں سے پریشان ہو گئے۔ اُنھوں نے راجہ سلطان خان کو سمجھایا۔ ریاست کی ابتری اور مخدوش حالات سے آگاہ کیا۔ منت سماجت بھی کی لیکن سلطان خان پر حیات بی بی کے عشق کا بھُوت سوار تھا۔ اُس نے اپنے وزیروں کی ایک نہ سُنی۔ اُلٹا اُن پر ناراض رہنے لگا۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ راجہ کو وزیر سوجان سنگھ کے خلاف بھڑکا کر اُسے قید کرا دیا۔ اور پنڈت کرم چند کی سفارش کر کے اُسے وزیری کا رُتبہ دلا دیا۔

سُلطان خان کی گرفتاری اور رہائی

پنڈت کرم چند برائے نام وزیر تھا۔ صحیح معنوں میں حیات بی بی ہی ریاست کے سیاہ و سفید کی مالک تھی۔ چند ایک سال بعد وزیر سوجان سنگھ کسی طرح قید سے فرار ہو کر لاہور پہنچا۔ جہاں راجہ رنجیت سنگھ کا طوطی بول رہا تھا کہ وزیر نے دربار لاہور میں رسائی حاصل کر کے راجہ سلطان خان کے خلاف مہاراجہ کو آمادہ کر لیا اور بھمبر پر حملہ کرتے ہیں سکھ افواج کی رہنمائی کی۔ جب سکھ افواج کے حملہ کا راجہ سلطان خان کو علم ہوُا۔ تو وُہ بھاگ کر راجہ اکبر خان والئی راجوری کے ہاں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ سکھوں نے بھمبر پر قبضہ کر کے ایک شخص اختیار خان کو راجہ اور مہتہ سوجان سنگھ کو وزیر بنا کر حکومت اُن کے سپُرد کر دی۔ سکھ فوجیں چند ماہ قیام کر کے واپس لاہور چلی گئیں۔ تو راجہ سلطان خان نے سکھوں کی واپسی کی خبر سُن کر چھالیوں کو اکٹھا کر کے راجہ اختیار خان پر حملہ کر دیا اور اُسے قتل کر کے

بھمبر پہ اپنا راج بحال کر لیا اور وزیر سوچان سنگھ کو راجہ راجوری کے ہاں نظر بند کرا دیا۔ لیکن وزیر سوچان سنگھ پھر کسی طرح رہا ہو کر لاہور جا پہنچا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس راجہ اختیار خان کے قتل کی رپورٹ کی۔ تو مہاراجہ نے دیوان کشن سہائے کو آٹھ ہزار فوج دے کر چبھال پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ بیر بڈلیسر پر سکھوں کو راجہ سلطان خان نے شکست فاش دی اور سکھ فوج کو ایک ایسے راستے پر دھکیل دیا۔ جو کہ ایک پہاڑی پر جا کر ختم ہوتا تھا۔ رات کو جب سکھ سپاہ آگے جانے کا راستہ نہ پاکر ڈیرا ڈالے تھی تو رات کی اندھیاری میں راجہ سلطان خان کی فوج نے سکھوں پہ زبردست حملہ کیا۔ سکھ فوج قابو میں آ گئی۔ بہت سے سکھ فوجی پہاڑی سے گر کر ختم ہو گئے۔ اور باقیوں کو چبھالیوں نے تہ تیغ کر دیا۔ جب سکھ فوج کی اس المناک تباہی کی خبر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ملی تو اُس نے ایک لشکر جرار زیر کمان سردار رام سنگھ راجہ سلطان خان کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا۔ سکھوں نے بھمبر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ راجہ کے پاس سوائے گرفتاری دینے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ سردار رام سنگھ راجہ سلطان خان کو گرفتار کر کے لاہور لے گیا۔ اور مہاراجہ نے اُسے شیخوپورہ کے قلعہ میں معہ اُس کے عیال کے قید کر دیا۔ اور وزیر سوچان سنگھ سکھ حکومت کی طرف سے حاکم چبھال مقرر کیا گیا۔ راجہ سلطان خان کو سات سال کی قید کے بعد اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کشمیر پر قبضہ کرنا مقصود تھا کہ وہ اس حملہ میں سکھ فوجوں کی امداد کرے گا۔

میاں گلابو سلطان خان کی ملازمت میں

رہائی کے بعد راجہ سلطان خان پھر اپنی محبوبہ کے مشورہ سے حکومت کرنے لگا۔ لیکن اُس کا پہلا سا دبدبہ ختم ہو چکا تھا۔ ان ہی دنوں ۱۸۰۹ء میں جموں کے شاہی خاندان کا نوجوان میاں گلابو (مہاراجہ گلاب سنگھ) اپنے دادا کے طعنہ پر گھر سے فرار ہو گیا جو کہ امیر کابل شاہ شجاع کی فوج میں بھرتی ہونے جا رہا تھا کہ دریائے سندھ پر ہمراہیوں نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ تو مجبوراً واپس آ کر سردار نہال سنگھ اٹاری والے کے ہاں ملازمت اختیار کر لی۔ اسی اثناء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے سردار نہال سنگھ کو وادی جہلم کے ایک قلعہ کی تسخیر کے لئے اپنا فوجی دستہ بھیجنا پڑا۔

جس میں گلاؤ بھی شامل تھا لیکن راستہ میں ہی چند ایک سپاہیوں سے لفظ "ڈوگرہ" پر تکرار ہوگئی۔ اور وہاں سے بھاگ کر بھمبر میں آکر راجہ سلطان خان کے پاس بہ زمرہ سپاہیاں ملازم ہوگیا۔ راجہ سلطان خان نے گلاؤ کے چہرے بُشرے سے بہادر اور کام کا آدمی سمجھ کر قلعہ کوٹلی میں بھیج دیا کہ وُہ کار دار کا وہاں کے انتظام میں ہاتھ بٹائے میاں گلاؤ ہر مہینے بھمبر میں راجہ سلطان خان کے پاس تنخواہ لینے کے لئے آتا تھا۔ اور جب بھی راجہ کے پاس حاضر ہوتا تو حیات بی بی اُسے مذاق کرتی تھی۔ ایک دن حیات بی بی نے ڈوگروں پر ہتک آمیز الفاظ میں پھبتی کسی تو گلاؤ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ لیا اور کہا کہ تم راجہ کی چہیتی ہو، نہیں تو ابھی مزا چکھا دیتا۔ حیات بی بی نے راجہ سلطان خان کو بھی بُرا بھلا کہا۔ یہ بھی ڈوگرہ بنا ہؤا ہے۔ مٹی کا مادھو! سلطان خان سُن کر خاموش ہوگیا لیکن میاں گلاؤ یہ کہہ کر کہ جہاں میری قوم کی اِس قدر توہین ہو، وہاں ملازمت کرنا گناہ خیال کرتا ہوں۔ لیکن اب میں بقول حیات بیگم کچا ڈوگرہ نہیں پکا ڈوگرہ بن کر آؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دیا اور حیات بیگم کی من مانیاں بڑھتی گئیں

سلطان خان کی موت اور بھمبر کا خاتمہ

813 ۱۸۱۳ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ سلطان خان کو لکھا کہ وُہ بہ نفسِ نفیس کشمیر پر چڑھائی کر رہے ہیں۔ اس لئے سکھ فوج کی امداد کے لئے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ تیار رہو اور اِن کی رہنمائی کرو۔ مہاراجہ کو خیال تھا کہ راجہ سلطان خان اب کوئی شرارت نہیں کرے گا۔ لیکن جب سکھ فوجیں دیوان محکم چند کی سرکردگی میں کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے بھمبر پہنچیں تو راجہ بھمبر اُن کی رہنمائی کے لئے پہلے راجوری پہنچ گیا۔ اور جا کر راجہ راجوری کو کہا کہ اب وقت ہے سکھوں سے بدلہ لینے کا۔ اُسے سمجھایا کہ سکھ افواج میرے پیچھے پیچھے آرہی ہیں۔ لیکن تم ایسا کرو کہ جب وُہ یہاں پہنچ کر آگے بڑھنے کے لئے راستہ معلوم کریں تو اُنہیں گمراہ کر دو۔ چنانچہ سکھ افواج کو مدد دینے کی بجائے ایسے تنگ و دشوار راستہ میں پھنسا دیا کہ سکھ فوج کی بہت زیادہ تباہی ہوئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی کشمیر فتح کرنے کی مہم راجگان بھمبر، راجوری اور پونچھ کی سازش سے ناکام ہوگئی۔ بلکہ بہت زیادہ نقصان اُٹھایا۔ اور جب ۱۸۱۹ء میں کشمیر کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے فتح کر لیا تو مہاراجہ نے راجہ گلاب سنگھ کو راجوری، بھمبر اور پونچھ کے راجگان کو گرفتار کرنے کے لئے

احکام صادر کئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو راجہ سلطان خان ایک سے زیادہ عداوت کا موقعہ دے چکا تھا۔ اور اُس کی ہر بار کی سرکشی نے اُسے سخت ناراض کر رکھا تھا۔ راجہ گلاب سنگھ نے راجگان پونچھ اور راجوری کو گرفتار کر لیا۔ لیکن راجہ سلطان خان بھمبر والے کو اس خیال سے چھوڑ دیا کہ وہ موقعہ پا کر اُسے سمجھا لے گا۔ شاید گلاب سنگھ کے دل میں یہ خیال ہو کہ وُہ اُس کا چند ایک ماہ نمک خوار رہا ہے۔ بہر کیف دن گزرتے گئے اور جب گلاب سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۲۲ء میں جموں کا راج تلک دے دیا تو راجہ گلاب سنگھ کے نام پھر لاہور دربار کا حکم پہنچا کہ علاقہ چبھال کا نظم و نسق براہِ راست لاہور دربار کے ماتحت کرنے کے لئے راجہ سلطان خان والیٔ بھمبر کو گرفتار کر لیا جائے۔ تو ۱۸۲۵ء میں راجہ سلطان خان کو جموں میں بُلا کر گرفتار کر لیا جو ۸۰ سال کی عمر میں قید خانے میں ہی مر گیا۔ اور ریاست بھمبر اس طرح ختم ہو کر شامل خالصہ سرکار کر لی گئی۔ راجہ سلطان خان کی اولاد کا کیا بنا، یہ کسی آئندہ باب میں درج کیا جائیگا۔

کھڑی کھڑیالی

راجہ دھرم چند (شاداب خان یا شادی خان) کی وفات کے بعد ریاست بھمبر کی راج گدی کا جھگڑا اُس کے چار بیٹوں میں، جن میں دو ہندو رانی سے اور دو مسلمان بیگم سے تھے، بپا ہو گیا۔ لیکن ریاست کے سرکردہ اہلکاروں اور لوگوں نے اس جھگڑے کا فیصلہ ریاست کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر کے نپٹا لیا۔ چنانچہ نالہ بھمبر حد مقرر کی گئی۔ ہندو بیٹے راجہ بھوپ چند کو بھمبر میں گدی نشین کر دیا گیا اور مسلمان بیٹے راجہ مل خان کو کھڑی کھڑیالی کا علاقہ دے دیا۔ راجہ مل خان بھمبر سے اُٹھ کر پنڈی جھونجہ میں آ کر بسا اور وہاں ہی اُس نے راج تلک لیا۔ راجہ مل خان کا بڑا بیٹا راجہ اغلش خان ہوا جس کی اولاد ڈھوکھہ رائے بہادر میں آباد ہو گئی۔ راجہ اغلش خان کے چار بھائی ڈھوڑ خان۔ جبک خان۔ دربار خان اور نادر خان تھے۔ جن کی اولاد علاقہ بھمبر کے مواضعات اور تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں چلی گئی۔ راجہ اغلش خان اپنے باپ دادا

کی وراثت پر متمکن رہا۔ اور پنڈی تھوونجہ سے موضع کرتوبلانی میں سکونت اختیار کرلی۔ یہ گاؤں شاہراہ مغل پر واقع تھا۔ راجہ اغلش خان کا بڑا لڑکا راجہ ملک خان نے بٹھوکھٹہ سے ایک میل مغرب کی طرف ایک اونچے ٹیلے پر مکانات بنوا کر رہائش اختیار کی۔ اس کا رائے راول خان، اس کا رائے غزنی خان، اس کا رائے مان شاہ، اس کا رائے بہادر خان ہوا جو کہ چوراسی دیہات کا تعلقہ دار تھا۔ بادشاہ اورنگ زیب نے کشمیر جاتے ہوئے اسے رائے بہادر خان کا خطاب دیا۔ اسی طرح اس خاندان کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس کا رائے ننجاول خان اس کا رائے باز خان ہوا جس نے ایک اہلکار مغل دربار کو قتل کر دیا جس کی پاداش میں وہ وراثت آبائو اجداد سے محروم ہو گیا اور دہلی میں نظربند کر لیا گیا۔ جب نظربندی سے رہا ہوا تو ۲۲ گاؤں کی بجائے ۲۲ گاؤں کا پروانۂ شاہی اُسے مل گیا۔ رائے باز خان کی دس پُشت بعد رائے دلاور خان کے جب اقوام کے گوت کھنیال گھگیال۔ روپال۔ ملکال۔ جرال۔ جیکال وغیرہ کے سرکردگان نے اکٹھے ہو کر قشقہ راجگی دیا۔ اس خاندان کے بہت سے گھرانے اور افراد انگریزی علاقہ میں اچھے اچھے جنگی اور ملکی عہدوں پر ممتاز رہے اور جاگیردار ہیں۔ راجگان پوٹھی کی علاقہ انگریزی میں کافی شہرت رہی۔ صاحب جائداد اور ان کا تعلق بھی کھڑی کھڑیالی کے خاندان سے تھا۔

کھڑی کھڑیالی کی کتنی ہی منڈیاں آباد ہیں۔ راجہ اغلش خان کے بیٹے راجہ بڈھا خان کے دوسرے لڑکے سے بھمبر ریاست کا مشہور خاندان کس گماں چلا آ رہا ہے۔ اس خاندان کے رکن اعلیٰ مشہور جاگیردار جنرل راجہ فرمان علی خان ہوئے جو کہ بہت مدت تک ریاست جموں و کشمیر کی افواج میں جرنیل رہے۔ آپ کو ڈوگرہ قوم سے بے حد اُنس تھی۔ جو بلالحاظ ذات پات ہندو اور مسلمان جموں کی ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ آپ ریاست کی پہلی نمائندہ سیاسی جماعت ڈوگرہ سبھا جموں کے دو سال تک پریذیڈنٹ بھی رہے۔ پنشن لینے کے بعد آپ نے ضلع میرپور میں ایک زمیندار سبھا بھی قائم کی۔ آپ کے بھائی راجہ مردان علی خان کے پسران راجہ ولایت خان مہاراجہ بہادر ہری سنگھ والئی جموں و کشمیر کے خاص مصاحب۔ اور اس سے چھوٹے راجہ محمد افضل خان ریاست کے ہوم منسٹر کے عہدہ پر ممتاز رہے۔

کھڑی کھڑیالی ریاست کے متعلق مہاراجہ رنبیر سنگھ والئی جموں و کشمیر آن جہانی کے

وزیر اعظم دیوان اننت رام نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ کھڑی پر جب راجپوتوں کی حکومت تھی اور یہ علاقہ چبھال کا ایک حصہ تھا۔ جن کا تعلق راجگان بھمبر سے ہے ۱۸۱۰ء میں سکھوں نے کھڑی پر قبضہ کر لیا اور راجگان کو چار ہزار روپیہ کی جاگیر عطا کی۔ اس خاندان کی بہت سی شاخیں پنجاب کے علاقہ گجرات اور دوسرے ضلعوں میں آباد ہیں۔

کھڑی کھڑیالی اور بھمبر علاقہ چبھال مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ دھیان سنگھ کو جاگیر میں دیا جس کا تمام نظم و نسق پونچھ اور راجوری کی مانند مہاراجہ گلاب سنگھ کے سپرد تھا۔ ۱۸۴۶ء کے معاہدہ کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے علاقہ چبھال کی حکومت راجہ جواہر سنگھ پسر دوم راجہ دھیان سنگھ کو دے دی لیکن وہ اس علاقہ کی حکومت سنبھال نہ سکا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے اسے ریاست جموں و کشمیر میں شامل کر لیا۔ 1846

1750

بسوہلی

ڈوگرہ دیس کی بائیس ریاستوں میں بسوہلی کی ریاست ممتاز درجہ کی مالک ہے جو ڈیڑھ ہزار برس سے اوپر عرصہ سے چندر بنسی راجپوت بلاوریہ کے قبضہ میں رہی۔ ریاست بسوہلی کے شمال میں بھدرواہ اور رام نگر (بندرالتہ) کی ریاستیں جنوب میں ریاست نورپور، مشرق میں ریاست چمبہ اور مغرب میں رام کوٹ (منکوٹ) اور جسروٹہ کی ریاستیں تھیں۔ یہ ریاست ایک ہزار سات صد پچاس مربع میلوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا طول ۳۵ میل نالہ تاہنی گجرو نگرو ٹہ موجودہ درگاپور) تک تھا۔ اور عرض ریاست بھدرواہ کی حدود دھار چھتر تک ۵۰ میل تھا۔ بسوہلی ۴۷ دیہات کی مجموعہ تھی اور اس کی آبادی ایک لاکھ اور آمدنی ساٹھ ہزار روپیہ تھی۔

بلاور

بسوہلی ریاست کے آباد کرنے والے راجہ لان شکیہ سے آٹھ پشت پہلے اس کے بزرگ راجہ بھوگ پال جو چندر ونش کی شاخ تومر راجپوت سے تھا۔ پہلے پہل اپنی راجدھانی

المورہ سے چل کر بلاور میں آیا۔ بلاور کا قصبہ بسوہلی سے ۲۲ میل مغرب ہے۔ راجہ بھوگ پال کا سلسلہ نسب پانڈو سے متعلق ہے۔ بلاور میں بود و باش کرنے سے راجہ بھوگ پال کی اولاد بلاوریہ کہلائی۔ جب راجہ بھوگ پال براستہ ہری دوار، جوالامکھی اور نورپور بلاور میں پہنچا تو اُس وقت بلاور ایک ویرانہ تھا۔ صرف ایک مندر مہا دیو کا تھا جسے پانڈو نے اپنے بن باس میں تیار کیا کہا جاتا تھا۔ ہر چہار اطراف جنگل ہی جنگل تھا۔ کہیں کہیں آبادی نظر پڑتی تھی۔ گدی لوگ بھیڑ بکریاں چرا کر شکم پری کرتے تھے۔ سیول اور درلیو وغیرہ اناج کی پیداوار تھی۔ اور یہی اُس وقت یہاں کے لوگوں کا کھانا دانہ تھا۔ جب راجہ بھوگ پال کو معلوم ہوا کہ مہادیو کا مندر اُس کے بزرگوں پانڈو پتروں کا بنایا ہوا ہے تو اُس نے اس جگہ کو متبرک جان کر اپنے ڈیرے ڈال دیئے۔ اور اپنے مستقل قیام کی صورت اختیار کر لی۔

قصبہ بلاور کی وجہ تسمیہ

راجہ بھوگ پال (۱) نے اپنے حسن تدبر اور میل ملاپ سے ایک گاؤں آباد کیا۔ چونکہ یہاں بل کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں اور بل کے پتے مہا دیو پر پوجا کے سمے چڑھانا متبرک خیال کیا جاتا ہے، اس لئے اُس نے اس گاؤں کا نام بل کے درختوں کی وجہ سے بلور رکھا جو کہ بگڑ کر بلاور ہو گیا۔ بلاور ایسے مقام پر واقع ہے جہاں کہ تین طرف نالے اور کھڈیں اور چوتھی طرف آبادی اور جنگل ہے۔ راجہ بھوگ پال نے دُور دُور تک دیہات اپنے قبضہ میں کر لئے اور بلاور میں اپنے محلات وغیرہ بنا کر ایک خود مختار ریاست قائم کر لی۔ راجہ بھوگ پال کے بعد اُس کا بڑا بیٹا ناگ پال اُس کے بعد راجہ سنبھ پال ہوا۔

راجہ بھوج پال

راجہ سنبھ پال کے وفات پانے کے بعد اُس کا فرزند راجہ بھوج پال حکمران ہوا جس نے اپنے زور بازو اور حسن لیاقت سے اپنے بزرگوں کی بنائی ہوئی ریاست کو توسیع دی۔ علاقہ بلاور کے ساتھ علاقہ کھڈو کو شامل کیا۔ پھر بنی پنیالگ اور بھدرواہ کے علاقے بھی ماتحت کر لئے۔ راجہ بھوج پال کے دو بیٹے سنتیا پال اور راد ھک سنگھ تھے۔ یہ دونوں اپنے باپ کے ساتھ ملک گیری میں شامل رہے۔ اور راجہ بھوج پال نے اپنی زندگی میں

بلاور کے راج کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ بلاور کی ریاست اپنے بڑے بیٹے ستیادیک کو اور بھدرواہ کی الگ ریاست بناکر اپنے چھوٹے بیٹے رادھک کو دے دی اور خود تیرتھ یاترا کو چلا گیا۔

راجہ بھوج پال کے بعد سنیا دھک راس کے بعد راجہ لکھمن پھر اُس کا بیٹا راجہ شکیہ پال یکے بعد دیگرے بلاور کے تخت پر حکمران رہے۔ راجہ شکیہ پال کے دو بیٹے مان شکیہ اور سوم پال ہوئے۔ راجہ شکیہ پال نے اپنے جیتے جی راج گدی اپنے بڑے بیٹے مان شکیہ کو سپرد کر دی۔ اور چھوٹے بیٹے سوم پال کو دریائے اوجھ کے پار کا مغربی علاقہ جاگیر کے طور دے دیا جس نے اپنے نام پر قلعہ سمرتہ تعمیر کر کے علیحدہ حکومت قائم کرلی۔ اس سے اس علاقہ کا نام سمرتہ مشہور ہوا اور سوم پال کی اولاد سومبڑیہ کہلانے لگی۔

راجہ مان شکیہ

راجہ مان شکیہ نے بھیانی ندی کے کنارے اپنے نام پر مہان پور گاؤں آباد کیا۔ اور پھر پندرہ میل آگے مشرق کی طرف دریائے راوی کے کنارے بسوہلی کو اپنی راجدھانی بنالیا۔ اور بلاور سے اُٹھ کر بسوہلی میں آکر آباد ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ مہابھارت کے زمانہ میں وشوکرما نام کے ایک ماہر تعمیرات نے یہ قصبہ آباد کیا تھا۔ اور اُس نے اپنے نام پر بسو ستھلی اس کا نام رکھا جو کہ کثرت استعمال سے بسوہلی مشہور ہوا۔ جب راجہ مان شکیہ جو کہ سیر و شکار کا بے حد شائق تھا، ایک دفعہ شغل شکار کے لئے یہاں آیا تو اُسے راوی کے کنارے یہ مقام بے حد پسند آیا۔ چونکہ یہ مقام غیر آباد تھا، اس لئے اُس نے اپنے محلات وغیرہ یہاں آکر بنوائے۔ اب اُس کے بنائے ہوئے محلات کا کہیں نشان نہیں۔ کیونکہ وہ دریا برد ہو چکے ہیں۔ اِلہ اُس کی پٹ رانی کی سمادھی کا تھڑہ اب بھی دریائے راوی کے پار موجود ہے۔ راجہ مان شکیہ نے ریاست بسوہلی کو کافی وسعت دی اور چالیس سال راج کر کے راہی مُلک بقا ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا راجہ ذلو شکیہ۔ پھر بھوگ شکیہ۔ راجہ اپر شکیہ۔ راجہ گن شکیہ۔ راجہ انرکوک شکیہ۔ راجہ کلش پال ایک دوسرے کے بعد پشت در پشت حکمران ہوئے۔

راجہ تونگ پال

1043 راجہ کلش پال کے دو بیٹے ہوئے۔ بڑا راجہ تونگ پال جو کہ وارث راج گدی ہوا۔ اور چھوٹا توکھ پال جس نے اپنے باپ کی ریاست کے نصف حصہ کے لیے ۱۰۴۳ء میں بڑے بھائی کے خلاف حاکم لاہور کے پاس دعویٰ دائر کردیا۔ لاہور اُس وقت مسلم عملداری میں تھا۔ حاکم لاہور نے بلاور پر آکر دھاوا بول دیا اور بلاور کے پراچین مندر کی مورتیاں توڑ ڈالیں۔ اُس نے بلاور میں بیٹھ کر توکھ پال کو بھدو کا علاقہ دے دیا۔ اس طرح بسوہلی اور بھدو دو الگ الگ ریاستیں قائم ہو گئیں۔ اس یک طرفہ فیصلہ پر راجہ تونگ پال نے قسم کھائی کہ آئندہ میرے ونش میں چھوٹا بھائی جدی وراثت کا حقدار نہیں ہوگا۔ اگر وہ صلح صفائی سے بڑے بھائی کی اطاعت میں رہے تو گزارہ، رہائشی مکان اور سواری کے لئے اسپ وارثِ ریاست سے لینے کا حقدار ہو سکے گا۔

راجہ تونگ پال کے بعد راجہ تھکن پال۔ جہی پال۔ ارن پال۔ راجے پال۔ پرتھی پال۔ جہی پت پال۔ ہری پال۔ بینی پال۔ اوڈے پال۔ سدھ پال۔ بھاگ پال۔ جے اتم پال۔ اچل پال اور بھوال پال چودہ راجے ہوئے۔

راجہ دولت پال

راجہ بھوال پال کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ دولت پال بسوہلی کا حکمران ہوا۔ راجہ موسم گرما میں بلاور اور بنی میں رہتا تھا اور موسم برسات میں ہٹ کے مقام پر رہائش رکھتا جہاں کہ اعلےٰ قسم کے آموں کا باغ لگوایا تھا اور بارہ دری بنوائی تھی۔ تذکرہ میں ہٹ کے راج باغ کے آم نہایت ہی لذیذ اور شیریں مشہور ہیں۔ راجہ دولت پال کے نو بیٹے تھے۔ اُس کے قالب تہی کرنے کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ گجیندر پال تخت نشین ہوا۔ جس نے اپنے آٹھ بھائیوں کی فرمانبرداری اور زورِ بازو پر چالیس برس حکومت کی۔ اور اپنے سب بھائیوں کو وزیری کا خطاب دے کر اتحاد اور اتفاق کی مثال قائم کی۔

راجہ گجیندر پال پرلوک سدھار گیا تو اُس کا بڑا بیٹا راجہ جس پال بسوہلی کی راج گدی کا مالک ہوا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ راجہ کشن پال۔ گوردھن پال۔ بدھی پال اور سند پال۔

...نے بڑے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے بسوہلی کا راج تلک دیا اور گوردھن پال کو ریاست کا وزیر بنایا۔ تیسرے بیٹے بدھی پال کو ساندر اور چوتھے بیٹے سندر پال کو سلو کے علاقے جاگیر میں دئے۔ خود راجہ جگر پال نے راج پاٹ تیاگ کر بھگوت بھجن میں باقی عمر بسر کی۔

33 راجہ کشن پال

مغل بادشاہ جہانگیر کے وقت میں راجہ کشن پال بسوہلی کا راج کرتا تھا۔ ایک دفعہ جہانگیر اور نورجہان بغرض سیر و شکار (نور)پور میں آئے جہاں کہ تمام راجگان پہاڑ اور ڈوگرہ دیس نے اُن کے حضور میں پیش ہو کر نذریں گذاریں۔ اور چند ایک دن شاہی کیمپ معہ تمام راجوں کے نورپور میں رہا۔ ایک دن بادشاہ اور ملکہ نورجہان معہ تمام راجگان کے شکار میں مصروف تھے کہ ایک شیر نکلا۔ جسے دیکھ کر شکاریوں کو لرزش آ گئی۔ شیر دہاڑ رہا تھا اور کسی کو ہمت نہ پڑتی تھی کہ اُس پر اپنے ہتھیاروں سے وار کرے۔ کہ بسوہلی کے راجہ کشن پال نے مچان سے کود کر شیر پر حملہ کر دیا اور اپنا تیز بھالا اس پھرتی سے شیر کے پیٹ میں گھونپا کہ شیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ ملکہ نورجہان اور بادشاہ جہانگیر نے راجہ کشن پال کو خوش ہو کر کیسر پال کا خطاب دیا۔ اور یہ راجہ کیسر پال کے نام سے مشہور ہوا۔ سنسکرت میں کیسر پال شیر کو کہتے ہیں۔ ساتھ ہی مغل بادشاہ نے اس بہادری کے صلہ میں شاہ پور کنڈی کا علاقہ راجہ کشن پال کو دے کر ریاست بسوہلی کے ساتھ شامل کر دیا۔ یہ علاقہ دراصل بسوہلی کے ہی ساتھ تھا۔ لیکن راجہ جگت سنگھ نورپوریہ نے زبردستی اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔ راجہ کشن پال پر ملکہ نورجہان بے حد مہربان تھی۔ جب بھی یہ راجہ دلی جاتا تو ملکہ نورجہان کے خاص مہمان کا درجہ ملتا۔ راجہ کشن پال کا ایک ہی بیٹا بھوپت پال ہوا جس کا جنم تاریخ بسوہلی کے مطابق ۱۵۷۳ء ہے۔ 1573

34 راجہ بھوپت پال 1573 A.D.

راجہ بھوپت پال اپنے باپ کی وفات کے بعد بسوہلی کا گدی نشین ہوا۔ یہ راجہ بڑا طاقتور ہو گزرا ہے۔ جسمانی لحاظ سے قد آور اور قوی ہیکل بھی تھا۔ ایک ہندی تحریر کے مطابق اس کی یومیہ غذا ۱۶ سیر چاول اور ایک بکرا تھی۔ جب یہ راجہ جوان ہوا

Scanned with CamScanner

تو اُس نے بھدرو ریاست پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اور بھدرواہ کے راجہ کو بھی اپنا باجگذار بنا لیا۔ اور ریاست کشتواڑ کو اپنا مطیع کر کے بھدرواہ کے ساتھ الحاق کر لیا۔ راجہ بھوپت پال نے ہی نیل کنٹھ مہادیو کی مورتی[1] کشتواڑ سے بسوہلی میں لا کر استھاپن کی۔ یہ مورتی نیل کنٹھ مہادیو کے نام سے مشہور ہے اور اس کی پوجا ہونے لگی۔ بسوہلی میں نیل کنٹھ مہادیو کی دوہائی آج بھی دی جاتی ہے۔ جب کبھی بارش نہیں ہوتی تو اس مورتی کو مندر سے نکال کر چوگان میں لوگ رکھ دیتے ہیں اور براہمن اس کے سامنے بیٹھ کر جاپ کرتے

سلہ نیل کنٹھ مہادیو کی مورتی کے متعلق آج بھی یہ کہاوت زبان زد عام ہے کہ چندر بنسی راجہ بھوری شریا جس کا بازو دوران جنگ مہابھارت ارجن نے کاٹا تھا۔ یہ بات مہابھارت کے دروَن پرب میں درج ہے کہ جب راجہ بھوری شریا ساتکی یادو کا سر تن سے جدا کیا چاہتا تھا کہ ارجن نے راجہ بھوری شریا کا اپنے تیر سے وہ بازو کاٹ دیا جس ہاتھ میں تلوار تھی۔ راجہ بھوری شریا کے کٹے ہوئے بازو پر مورتی مہادیو کی بطور نگینہ لگی تھی۔ اور اس کٹے ہوئے بازو کو ایک چیل لے اُڑی۔ چونکہ بازو وزنی تھا۔ اس لئے یہ بازو کہیں کسی کنوئیں میں گر پڑا۔ کچھ وقت پا کر اُس چیل نے ایک جھیور کے ہاں کشتواڑ میں لڑکی کے رُوپ میں جنم لیا۔ جب لڑکی جوان ہوئی تو ایک دن وہ پانی لینے کے لئے کشتواڑ کے چوگان سے گزر رہی تھی تو اُس نے دیکھا کہ آکاش میں ایک چیل مُردہ سانپ کو لے کر اُڑ رہی ہے۔ اُس کے دیکھتے ہی سانپ چیل سے گر پڑا اور وہ لڑکی ہنسنے لگی۔ حُسنِ اتفاق یہ کہ اُس وقت کا راجہ کشتواڑ بھی چوگان میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کو بلاوجہ ہنستے دیکھ کر اپنے پاس بلایا۔ اور پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ پہلے تو لڑکی مُسکرا کر خاموش رہی پھر بولی۔ ”سرکار! مجھے اپنا پچھلا جنم اِس مُردہ سانپ کو دیکھ کر یاد آگیا جو چیل کے پنجوں سے نیچے گر پڑا ہے۔ پچھلے جنم میں جب مہابھارت کی لڑائی لڑی جا رہی تھی، مَیں بھی چیل کے رُوپ میں تھی۔ تو مَیں نے اُس میدانِ جنگ سے کسی راجہ کا کٹا ہوا بازو اُٹھایا تھا جس میں کوئی ادبھت نگینہ لگا ہوا تھا۔ چونکہ بازو وزن دار تھا، وہ اسی طرح مجھ سے گر پڑا تھا جس طور کہ یہ مُردہ سانپ اُڑتی ہوئی چیل سے گر پڑا ہے۔ وہ بازو کورکشیتر کے کنوئیں میں پڑا ہے۔“ چنانچہ راجہ کشتواڑ اُس لڑکی کی بات کو تصدیق کرنے کے لئے کشتواڑ سے کورکشیتر آیا اور اُس کنوئیں سے اُس نگینہ کو نکالا جو کہ شیولنگ کی شکل میں تھا۔ راجہ اُس مورتی کو کشتواڑ میں لے آیا (باقی صفحہ ۱۳۶ پر)

ہیں اور بارش ہوتی ہے۔ اور ایک بڑا بھاری یگیہ کر کے مورتی کو واپس مندر میں لے جاتے ہیں۔ اس مورتی کی سارے علاقہ میں مہانتا ہے۔ لوگ اسے کُل دیوتا کے طور پر مانتے ہیں۔ اس مورتی میں پچھلے جنم کی شکل دکھانے کا کشتواڑ کی رانی کی غلطی سے وہ چمتکار تو نہیں۔ لیکن جو لوگ عقیدت اور شردھا سے اس مورتی کی پرستش کرتے ہیں، وہ اپنے من کی مرادیں پا لیتے ہیں۔

کشتواڑ کی تسخیر کے بعد راجہ بھوپت پال نے ریاست چمبہ کو بھی فتح کر لیا اور اپنا نام قائم رکھنے کی غرض سے چمبہ میں چیل کے درخت اور کشتواڑ میں دیودار کے درخت اُلٹے گاڑے۔

بارہ سال کی نظر بندی

ایک دفعہ راجہ بھوپت پال کو دہلی دربار میں بُلایا گیا۔ وہاں راجہ جگت سنگھ والیٔ نور پور بھی حاضر تھا جو کہ بادشاہ کی طرف سے صوبیدار بنگال کے منصب پر مامور تھا۔ جگت سنگھ اور بھوپت پال کی بوجہ نور پور اور بسوہلی کے سرحدی تنازعہ اندرونی رنجش تھی۔ لیکن دہلی دربار میں جب آپس میں دونوں پہاڑی راجے بغلگیر ہوئے تو راجہ بھوپت پال نے راجہ جگت سنگھ کو اس زور سے دبایا کہ اُس کا دم گھٹنے لگا۔ تو بھوپت پال نے اُسے چھوڑ دیا۔ اگرچہ راجہ جگت سنگھ بظاہر یہ بات ہنسی میں ٹال گیا لیکن اندرونی دشمنی زیادہ تیز ہو گئی اور اُس

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۳۵) اور اُس کی پوجا کرتا رہا۔ اُس شولنگ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں انسان کو اپنے پچھلے جنم کی شکل دکھائی دیتی تھی۔ یہ مورتی راجہ کشتواڑ کے محلات میں مدتوں رہی اور کشتواڑ کا شاہی خاندان اسے پوجتا رہا۔ اس خاندان کی ایک رانی نے جب اپنا چہرہ اس شولنگ میں دیکھا تو اُسے اپنی شکل بندریا کی نظر آئی۔ رانی شرمسار ہوئی لیکن غضبناک ہو کر اس مورتی کو اُس نے دہکتی آگ میں پھینک دیا جہاں کہ مورتی جھلس کر سیاہ ہو گئی۔ پہلے شولنگ کا نیلم کی مانند رنگ تھا۔ پھر بالکل سیاہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ رانی کی اس کرتوت پر کشتواڑ میں قحط پڑ گیا۔ کتنے سال سے بارش نہیں ہوئی جس سے لوگ بھوکوں مرنے لگے اور کشتواڑ سے ہجرت اختیار کرنے پر بدامنی پھیل گئی۔ راجہ بھوپت پال والیٔ بسوہلی کو مورتی نے خواب میں درشن دئے تو اُس نے کشتواڑ پر چڑھائی کر کے اسے فتح کر لیا اور کشتواڑ کی راجکماری سے شادی کر کے مورتی کو بھی اپنے ساتھ بسوہلی لے آیا۔

نے راجہ بھوپت پال کو ختم کرنے کی سازش شروع کر دی۔ اور ایک دن بادشاہ جہانگیر سے چغلی کھائی کہ بسوہلی کا راجہ بھوپت پال آپ کے حفظِ مراتب کی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ بادشاہ نے بلا سوچے سمجھے راجہ بسوہلی کو نظر بند کر کے قلعہ دان گلی میں بھیج دیا اور بسوہلی راجہ جگت سنگھ نورپوریہ کے قبضہ میں دے دی۔ راجہ بھوپت پال کے خاندان کو گزارہ لگا دیا۔ تو راجہ بھوپت پال کا چچا راجہ گوردھن پال جو کہ ریاست کا وزیر تھا، سارے خاندان کو لیکر بسوہلی سے دُور دیہات میں چلا گیا۔ چودہ سال کے بعد راجہ بھوپت پال نظر بندی سے فرار ہو کر بلاور میں آ گیا اور اپنے راج پاٹ کی واپسی کا ماحول نہ دیکھ کر سخت پریشان ہوا۔ مجبوراً بستی کو چھوڑ کر جنگلوں میں گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اس دشت نوردی میں اُس کے پاؤں کا جوتا بھی ٹوٹ گیا۔ تو ایک دن کشن پور بلاور کی بستی میں آ کر چماروں کا گھر تلاش کیا۔ اور چمار کے مکان کی دیوار سے باہر کھڑے کھڑے چمار کو آواز دی کہ وہ اُس کا جوتا بنا دے۔ چمار نے جواب دیا کہ ذرا گھوڑے سے اُتر کر پاؤں کا ناپ دیجئے۔ راجہ نے کہا بھئی میں گھوڑے پر سوار نہیں بلکہ پا پیادہ ہوں۔ تو چمار سخت حیران ہوا اور کہا کہ ایسے قدآور شخص کے لئے اُس کے پاس پاپوش کا سامان نہیں۔ جب شام کو چمار کا باپ گھر آیا تو اُس کے بیٹے نے اُسے سُنایا کہ ایک بڑا لمبا آدمی آج جوتا بنوانے کے لئے آیا تھا لیکن میں نے اُسے جواب دے دیا تھا کہ تمہارے پاؤں کے جوتے کے لئے میرے پاس سامان نہیں۔ بوڑھا چمار فوراً سمجھ گیا کہ ان دنوں راجہ بھوپت پال اِن جنگلوں میں بے سروسامانی کی حالت میں پھر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہی اپنا جوتا بنوانے کے لئے ہمارے ہاں آیا ہو۔ کیونکہ وہی ایک لمبا اور قدآور شخص ہمارے دیس میں ہے۔ تو وہ چمار راجہ کو تلاش کرنے لگا۔ دوسرے دن ایک گھنے جنگل میں راجہ کو جا ملا۔ اپنے بیٹے کی گستاخی کے لئے معافی کا خواستگار ہوا۔ راجہ کے برہنہ پاؤں میں نیا جوتا پہنایا۔ راجہ بھوپت پال نے اُس چمار سے اپنے متعلقین اور خاندان کے افراد کو بُلانے کے لئے کہا اور اپنے ہاتھ سے چٹھی[1] لکھ کر دی کہ وہ بسوہلی جا کر اُس کی برادری کے تمام لوگوں کو پتہ دے دے کہ راجہ بھوپت پال بلاور کے نزدیک موضع مُسکرال میں دیوی کی آرادھنا کر رہا ہے۔ سب لوگ وہاں آ جائیں تاکہ بسوہلی پر دھاوا کر کے اپنا راج پاٹ واپس لیا جائے۔ بسوہلی اور تمام علاقہ میں راتوں رات مشہور ہو گیا کہ راجہ

---

[1] ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ کی "تاریخ راجپوتان پنجاب" میں درج ہے کہ یہ چٹھی اُن کے مندرجات (باقی ص ۱۳۸ پر)

بھوپت پال بادشاہ دہلی کی قید سے رہائی پاکر سنگراں میں آیا ہؤا ہے تو تمام علاقہ کے سرکردہ لوگ سنگراں میں جوق در جوق راجہ کے درشنوں کے لئے پہنچنے لگے اور راجہ کے جدی بندلو احقیق دنیال دکلانیہ ،جندر وٹیہ ۔ پرہال اور کھگروٹیہ بھی نیز دن تلواروں سے میں آگئے ۔ اور دُوسرے دن خاصی جمعیت کے ساتھ بسوہلی پر حملہ کر دیا ۔بسوہلی کے لوگ نورپوری حاکموں سے پہلے ہی بیزار تھے ۔ اُنہوں نے بھی نورپوریوں کے خلاف بغاوت اختیار کرکے اپنے راجہ کا خوشی خوشی سواگت کیا ۔ نورپوری حاکم اپنی جان بچاکر بھاگ گئے ۔ اور بسوہلی پر پھر راجہ بھوپت پال کا راج قائم ہوگیا ۔ بسوہلی کی گدی پر بحال ہوکر راجہ بھوپت پال نے اپنے تمام علاقوں کو پھر سے بسوہلی میں شامل کرلیا ۔ چمبہ اور نورپور پر دھاوا کرکے لوٹ لیا اور شاہ پور کنڈی میں اپنا تسلط جما لیا ۔ راجہ بھوپت پال کی عمر ۵۵ سال تھی کہ اُس کے ہاں رانی کشتواڑی سے ۱۶۲۸ء (1628) میں لڑکا پیدا ہؤا جو کہ بے حد خوبصورت تھا ۔ چونکہ رانی کشتواڑی کو راجہ کشتواڑ سے سنگرام کرنے کے بعد شادی کرکے لیا گیا تھا ، اس لئے اُس سنگرام جیتنے کی یاد میں لڑکے کا نام سنگرام پال رکھا گیا ۔ اور اُس کے پانچ سال بعد دُوسری رانی انتھال کے بطن سے لڑکا تولد ہؤا جس کا نام ہندال پال رکھا گیا ۔

بسوہلی کی تعمیر

راجہ بھوپت پال نے اس خیال سے کہ بسوہلی کی راجدھانی نورپور اور چمبہ کی ریاستوں کی سرحد پر ہے اور اِس وجہ سے دشمنوں کا خطرہ بنا رہتا ہے تو اُس نے بسوہلی کا نیا شہر دریائے راوی سے تین فرلانگ اُوپر جنگل کٹوا کر تعمیر کروایا ۔ ایک ہندی تحریر کے مطابق ۱۶۳۰ء میں بسوہلی کو موجودہ مقام پر آباد کیا اور اپنے محلات بنوائے جو کہ علاقہ پہاڑ اور ڈوگرہ دیس کی ریاستوں میں اپنی نظیر آپ تھے ۔

راجہ بھوپت پال کا قتل

۱۶۴۲ء میں راجہ بھوپت پال دربار دہلی میں شاہجہان بادشاہ کی سلام کے لئے گیا تو بادشاہ نے راجہ کو

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۳۷) کے پاس محفوظ ہے جس پر ۱۰ ساون سمت ۱۶۸۴ تاریخ لکھی ہے یعنی ۱۶۲۷ء کے جولائی میں راجہ بھوپت پال نے اپنے خاندان کے افراد کو اپنی آمد اور بے سرو سامانی سے مطلع کیا ۔

خلعتِ فاخرہ عطا کر کے دربار میں کرسی دی اور بڑی عزت سے پیش آیا۔ دو ایک ماہ وہاں رہتے ہو گئے تھے کہ ایک دن بادشاہ نے کسی بھوپت خان مسلمان افسر کے قتل کا فرمان شاہی صادر کیا۔ راجہ جگت سنگھ نورپوریہ دربار میں کافی ممتاز تھا۔ اور بسوہلی کے راجہ بھوپت پال سے اُس کی پُرانی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ چنانچہ اُس نے بھوپت خان کو تو دہلی سے فرار کرا دیا اور اُس کی جگہ متعلقہ افسروں سے سازش کر کے راجہ بھوپت پال کو قتل کرا دیا۔ بادشاہ کو علم ہوا تو اُس نے راجہ جگت سنگھ کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے احکام نافذ کئے۔ لیکن راجہ جگت سنگھ کی دربار کے علاوہ شاہی حرم تک رسائی تھی۔ اُس کا بیٹا بھاؤ سنگھ جو کہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکا تھا اور اُس کا رشتہ بھی شاہی خاندان میں ہو گیا تھا۔ اِس لئے وُہ بچ تو گیا لیکن بادشاہ کی نظروں میں کھٹکتا رہا۔ اور بادشاہ نے اُسے مع اُس کے بیٹے بھاؤ سنگھ کے کابل کی مہم پر بھیج دیا جو کہ وہاں برف کا شکار ہو گیا۔

35

راجہ سنگرام پال

1643

راجہ بھوپت پال کی ہلاکت کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ سنگرام پال ۱۶۴۳ء میں جب کہ اُس کی عمر ۱۳ سال کی تھی، بسوہلی کا راجہ بنا۔ اُسے بسوہلی کا راج سنبھالے ابھی تین چار سال ہی ہوئے تھے کہ مغل شہنشاہ شاہجہان کے دربار میں اُس کی خوبصورتی کا شہرہ جا پہنچا۔ ایک دن ڈوگرہ دیس کے جوگی گارڑیوں کے ایک طائفہ نے مغل دربار میں سارنگی کی دُھن پر ڈوگروں کی بیرتا اور جانبازی کے لوک گیت سُنائے۔ جوگیوں کی جوشیلی کاروں .... میں ایسا جادُو اور ولولہ تھا کہ بادشاہ تخت پر بیٹھا جھومنے لگا۔ شاہجہان نے دریافت کیا کہ ڈوگرہ دیس میں بھی راجستھان کی مانند اپنی آن پر مر مٹنے والے جانباز اور بہادر جنم لیتے ہیں؟ اور وہاں بھی راجپوتانے کی مانند بیر رانیاں اور مہارانیاں اپنے شوہروں کی چتاؤں میں بیٹھ کر جل مرنے کی رسم ادا کرتی ہیں؟ تو حاضر باش بندرالتہ اور منکوٹ کے راجگان نے عرض کیا "جہاں پناہ! راجستھان کی مانند نہیں۔ اس سے بڑھ کر۔ ڈوگرے پیدائشی جنگجو اور جانباز سپاہی ہیں اور ان کی بہادری کی مثال دُنیا میں کہیں بھی ملنا مشکل ہے۔"

بادشاہ نے جوگیوں کی طرف دیکھا اور فرمایا "آج ما بدولت تمہارے ہی دیس کے لوک گیت سُننا پسند کریں گے۔" تو جوگیوں نے بسوہلی کے راجہ سنگرام پال کی خوبصورتی کا تذکرہ اپنی گیتوں میں کیا "سولہ سال کی عمر کا بسوہلی کا راجہ خوبصورتی اور بہادری میں یکتائے روزگار ہے۔ اُس کے دیدار کے لئے تو دیوتا بھی آکاش سے جھانکتے ہیں۔ اس لوک کی تو بات ہی کیا ہے۔ دیولوک اور برہم لوک میں بھی ایسا سُندر راجہ کہیں دیکھنے میں نہ آئے گا۔ جتنا وہ خوبصورت ہے اُتنا ہی سیرت مند، عقیل اور بہادر بھی۔ سولہ سال کی عمر میں ہی اپنا راج پاٹ سنبھال رکھا ہے، جنتا اُسے بھگوان کا رُوپ سمجھ کر پُوجتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسوہلی راج میں آج کل چوری چکاری، رقابت، بے انصافی اور بے دھرمی کا کہیں نام نہیں۔ لوگ اپنی نیند سوتے اور اپنی نیند جاگتے ہیں۔ امن و آشتی کا دَور دَورہ ہے۔ بڑے بڑے ودوان، مدبر، بہادر، جیوتشی، حکیم اور چترکار وہاں موجود ہیں۔ راجہ سنگرام پال نے تو اپنی دھرتی کو سوَرگ بنا رکھا ہے"۔

شہنشاہ نے دربار میں حاضر راجہ چمبہ کی طرف دیکھ کر دریافت کیا "کون ہے یہ سنگرام پال؟" اُس نے جواب دیا کہ بسوہلی کے راجہ بھوپت پال کا لختِ جگر ہے جس بھوپت پال کو پانچ سال پہلے شہنشاہ کے دربار میں ہی ایک سازش کے تحت اپنی دیرینہ دشمنی کا بدلہ چکانے کے لئے راجہ جگت سنگھ نور پوریہ نے قتل کروا دیا تھا"۔

بادشاہ نے خاص پروانہ جاری کیا جس میں سنگرام پال کو دلی پہنچنے کی تاکید کی گئی تھی۔ شاہی ایلچی بسوہلی پہنچا اور شہنشاہ کا فرمان راجہ سنگرام پال کو دیا۔ تمام علاقہ میں اس خبر سے ایک ہیجان بپا ہو گیا کہ پہلے راجہ بھوپت پال کو دلی دربار میں قتل کرا دیا گیا تھا اب اُس کے نونہال سنگرام پال کو بلایا گیا ہے معلوم نہیں کیا حشر ہو ہمارے راجہ کا۔ لوگ جوق در جوق بسوہلی کے راج محل کے باہر چوگان میں آنے لگے۔ اور ہر کوئی شاہی فرمان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے لگا۔ ایک کہرام سا ساری ریاست میں مچ گیا۔ مرد عورتیں، بچے بوڑھے غرضیکہ بسوہلی کا ہر کہ و مہ اپنے راجہ کو دلی جانے سے روکنے پر آمادہ ہو گیا۔ براہمنوں نے کٹاریاں لے کر واویلا شروع کر دیا کہ ہم اپنا سینہ پھاڑ دیں گے لیکن راجہ سنگرام پال کو اپنے سے جُدا نہ کریں گے۔ راجپوتوں نے اپنی تلواریں سنگرام پال کے سامنے پھینک دیں کہ پہلے ہمیں ختم کرو تو ہم

آپ کو جانے دیں گے۔ رذیلشوں نے کہا کہ ہمارا دھن دولت جو بھی ہے، بادشاہ ہم سے لے لے لیکن ہمارے پیارے نریش کو وہاں نہ بُلائے۔ اور شُودروں نے اپنا بوریا بستر سنبھال کر بسوہلی کے چوگان میں ڈیرہ لگا دیا کہ جہاں ہمارے راجہ جائیں گے ہم اُن کے ساتھ جا کر اُن کی سیوا کریں گے۔ ہم اپنے پرانوں کی آہوتی دے ڈالیں گے لیکن اپنے ہردے سمراٹ پر جیتے جی آنچ نہ آنے دیں گے۔" کتنے ہی دن شاہی ایلچی بسوہلی میں بیٹھا رہا اور یہ ماجرا دیکھتا رہا۔ آخر علاقہ بھر کے بُوڑھے بُلائے گئے اور اُن سے علاج مشورہ کے بعد طے پایا کہ راجہ سنگرام پال کے ساتھ بسوہلی کے چیدہ بہادروں کی ایک سَو نفری دلی جائے جو راجہ کی حفاظت کے لئے جان پر کھیلنے کے لئے تیار رہیں۔

آخر راجہ سنگرام پال والیٔ بسوہلی ایک نیک ساعت میں نیک شگونوں کے ساتھ دلی کی طرف روانہ ہوا اور بادشاہ کے حضور میں مُجرا بجا لایا۔ بادشاہ راجہ سنگرام پال کو دیکھ کر از حد محظوظ ہوا اور بے اختیار زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ جیسا سُنا تھا ویسا دیکھ لیا۔ راجہ کو اُس کی خوبصورتی کے لئے پنج ہزاری کا خطاب عطا کیا گیا۔ مہمان خاص کا رُتبہ دے کر خاطر مدارات پر اپنے فرزند اکبر دارا شکوہ کو مامور کیا۔ چند دنوں میں ہی دارا شکوہ اور سنگرام پال حقیقی بھائیوں کی مانند گھُل مل گئے۔ سنگرام پال کی خوبصورتی کی دھُوم مچ گئی۔ گھر گھر میں چرچے ہونے لگے کہ دُور پہاڑ کا ایک بے حد حسین راجکمار بادشاہ سلامت نے بُلایا ہے جو آتے ہی اتنا منظورِ نظر ہو گیا کہ بادشاہ اُس کے بغیر کوئی کام یا بات بھی نہیں کرتا۔ دُور دُور سے لوگ سنگرام پال کو دیکھنے آنے لگے۔ یہاں تک کہ شاہی حرم سرا میں بھی سنگرام پال کی مردانہ وجاہت اور سُندرتائی کی بھنک جا پڑی۔ اور دارا شکوہ کو وہاں سے تاکید ہوئی کہ ہم بھی تمہارے دوست پہاڑی راجکمار کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ تو راجہ سنگرام پال کو حرم سرا کے باہر دارا شکوہ نے آ کر پیش کر دیا۔

شاہی محلات کے جھروکوں سے جب ساکنانِ حرم سرا نے دیکھا تو ... راجکمار کو اندر بھیج دو۔ دارا شکوہ کے اختیار میں یہ بات نہ تھی۔ مُغل حرم ... شاہ کی اجازت کے بغیر پرندہ بھی پر مارنے کی مجال نہ رکھتا تھا۔ دارا شکوہ نے ... کہ بادشاہ سلامت کی منظوری کے بغیر سنگرام پال کو حرم سرا میں ... محال ہے ...

تیمار سے درخواست کی گئی تو بادشاہ نے فرمایا کہ سنگرام پال کو بے شک اندر لے جاؤ لیکن آنکھوں پر پٹی باندھ کر تاکہ وہ بیگمات کو دیکھ نہ سکے۔ دارا شکوہ جب سنگرام پال کو حرم سرا میں شاہی منظوری سے لے جانے لگا اور محل سرا کے بڑے داخلی دروازہ پر پہنچ کر اپنے رومال سے اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھنے لگا تو اوپر سے آواز آئی نہ لے جاؤ واپس اِس اپنے نمونہ کو۔ انسان کی خوبصورتی تو آنکھوں میں ہوتی ہے جب اِن پر ہی پٹی باندھی جا رہی ہے تو ہم اسے کیا دیکھیں گی۔

بادشاہ کے حضور میں پھر رپورٹ ہوئی تو شاہ جہان نے فرمایا کہ پٹی کے بغیر ہی راجکمار کو اندر بھیج دو۔ حرم سرا میں جب سنگرام پال کو دارا شکوہ لے کر گیا تو حرم سرا کی ہر کہ و مہ اُسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوئیں اور اُسے بے شمار جواہرات دے کر واپس کیا۔

راجہ سنگرام پال شاہی دربار میں تین سال مہمان خاص رہا اور بسوہلی سے شادی کا بلاوا آنے پر بادشاہ نے اُسے سونے چاندی سے لاد کر واپس بھیجا۔ ساتھ ہی تانبہ کے پٹہ جات بھی عطاء کئے جن میں درج تھا کہ ریاست بسوہلی مع علاقہ شاہ پور کنڈی و بھدو پُشت در پُشت خاندان سنگرام پال میں واگزار ہیں تاریخ راجپوتان پنجاب مؤلفہ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ میں لکھا ہے کہ راجہ سنگرام پال نے اپنی دانش مندی، حسنِ تدبر اور قوت بازو سے بسوہلی کی ریاست کو بہت وسیع کیا۔ اور شاہ جہان کے عطاء کردہ پٹہ میں یہ بھی درج تھا کہ اگر خدانخواستہ خاندان راجہ سے کوئی نرینہ اولاد نہ رہے تو اُس کی برادری سے جو شخص حقدار ہو، اُسی طرح راجہ سمجھا جائے۔ غرضیکہ تمام شرائط اُن پٹہ جات میں درج تھیں۔ لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ یہ پٹہ جات و سندات خاندانی پروہت اسمی لُڑڈو نے معمولی لالچ میں آ کر تلف کر دیں۔

راجہ سنگرام پال کے وقت ریاست بسوہلی کی وسعت دُور دُور تک چلی گئی۔ بھدو اور سمرتہ بھی اس کے ماتحت تھے۔ اور ۱۲۸ گاؤں پر یہ ریاست مشتمل ہو گئی۔ اس کے علاوہ راجہ سنگرام پال نے گلیر، کھلور، نور پور، چمبہ ریاستوں پر یکے بعد دیگرے ۲۲ حملے کئے اور ہر ایک پر فتح پائی۔ اور ان ریاستوں کے والیان کی لڑکیوں سے شادیاں کیں بسوہلی کے محلات کو بھی راجہ سنگرام پال نے بہت زیادہ وسعت دی۔ اس کے وقت میں ریاست

بسوہلی پر ایک بڑی ریاست کا گمان ہوتا تھا۔ غرضیکہ تاریخ شاہد ہے کہ سترھویں صدی عیسوی میں ڈوگرہ دیس کی کوئی ریاست بسوہلی راج کا کسی بھی شعبہ میں مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ راجہ سنگرام پال کے دربار میں بڑے بڑے ودوان پنڈت۔ جیوتشی حکیم۔ بہادر جرنیل اور منتظم تھے جنہیں راجہ کے نو رتن کہا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں بسوہلی کا آرٹ چتر کاری اور سنگ تراشی کا فن عروج پر ہوا۔ ایسے ایسے حکیم شاہی دربار میں تھے جو ہندوستان بھر میں ماہر نبض مانے جاتے تھے۔ اور ہاتھ سے ریشمی یا سوتی تار باندھ کر بیماری بتا دیتے تھے۔ جب راجہ سنگرام پال نے اس جہانِ فانی سے کوچ کیا تو اس کی عمر ۵۴ سال تھی۔ اس نے ۳۲ سال حکومت کی اور دنیا میں نام پایا۔ لیکن لا اولاد رہا۔ اور جب اس کی ارتھی نذرِ آتش کی جانے لگی تو اس کی سات رانیاں اس کے ساتھ ستی ہوئیں۔

36 راجہ ہندال پال

راجہ سنگرام پال کے مرنے کے بعد اس کا کوئی لڑکا تو نہ تھا۔ اس لئے مطابق شاہی فرمان اور برادری کے فیصلہ کے اس کے چھوٹے بھائی راجہ ہندال پال کو بسوہلی کا راج تلک دیا گیا۔ یہ راجہ صرف پانچ سال حکومت کر سکا۔ اس کے عہد کی کوئی خاص بات نہیں۔ راجہ سنگرام پال کی بنائی ہوئی ریاست کی وسعت کم ہونے لگی۔ بھدو اور بھدرتہ اس سے علیحدہ ہو گئے۔ چمبہ اور نورپور کے علاوہ دوسری ریاستوں نے خراج دینا بند کر دیا۔ ہندال پال بھی ۵۴ سال کی عمر میں پرلوک سدھار گیا۔

37 راجہ کرپال پال

ہندال پال کے بعد اس کا بیٹا راجہ کرپال پال بسوہلی پر تخت نشین ہوا۔ اس نے بندرالتہ (رام نگر)۔ منکوٹ (رام کوٹ) میں دو شادیاں کیں۔ یہ راجہ سنسکرت کا ودوان تھا۔ اور اس راجہ کے عہد میں بسوہلی کے ایک ودوان پنڈت پادھہ سری کنٹھ نے چرک اور سشرت ویدک پستک لکھی۔ اس پستک پر سمت ۱۷۴۵ (1745) بکرمی لکھا ہے۔ یعنی یہ پستک ۱۶۸۸ء (1688) میں تیار ہوئی جو کہ بسوہلی کے پادھہ گنج لال کے

خاندان میں موجود تھی ۔ معلوم نہیں ایسی نادر کتاب اب کہاں پڑی ہے ۔ اس پستک کے آخر میں لکھا ہوا تھا کہ راجہ کرپال پال دھرم شاستر و بچارنے والا ۔ وشنو کا بھگت اور آشا پوری کرنے والا اور دشمنوں کو مارنے والا ہے ۔ راجہ کرپال پال کے دو بیٹے ہوئے ۔ بڑا بیٹا دھیرج پال ۱۶۷۰ سنہ میں اور دوسرا بیٹا رتن پال ۱۶۷۳ سنہ میں پیدا ہوا ۔ راجہ کرپال پال صرف پندرہ سال حکومت کر سکا ——— اور ۳۴ سال کی عمر میں اس نے اپنا قالب خالی کیا۔ 1670

38 راجہ دھیرج پال

راجہ کرپال پال کے بعد اُس کا بڑا بیٹا دھیرج پال بسوہلی کا حکمران ہوا ۔ یہ راجہ بھی اپنے باپ کی مانند سنسکرت کا عالم تھا ۔ اس نے عوام کی بہبودی اور فلاح کے بہت اچھے کام کیئے ۔ اس کے ہاں ایک بیٹا ۱۶۹۵ سنہ میں پیدا ہوا ۔ اور راجہ دھیرج پال راجہ اوگر سنگھ والی ریاست چمبہ کے ہاتھ سے میدان جنگ میں مارا گیا۔ اور راجہ چمبہ نے اپنے پسند ایک گاؤں جو کہ مدت سے شامل ریاست بسوہلی تھے ، واپس چمبہ ریاست میں شامل کر لیئے ۔

39 راجہ میدنی پال

جب راجہ دھیرج پال میدان جنگ میں مارا گیا تو اُس کا بیٹا راجہ میدنی پال آٹھ سال کا بچہ تھا ۔ ریاست کا کام و انتظام اُس کے چچا میاں رتن پال سیری والا نے سنبھالے رکھا ۔ اور جب میدنی پال جوان ہوا تو اُس نے ریاست چمبہ پر چڑھائی کی اور راجہ اوگر سنگھ کو مار کر اپنے باپ کا بدلہ لیا ۔ اور جو دیہات اُس نے شامل ریاست چمبہ کر لئے تھے ، وُہ واپس بسوہلی ریاست کے قبضہ میں لے لیے ۔ راجہ میدنی پال نے ۳۳ سال راج کیا اور ۴۱ سال کی عمر میں راہیٔ ملک بقا ہوا ۔

40 راجہ اجیت پال

راجہ میدنی پال کے پرلوک سدھارنے کے بعد اُس کا بیٹا راجہ اجیت پال بسوہلی کا راجہ ہوا ۔ یہ بڑا بہادر اور دُور اندیش حکمران ثابت ہوا ۔ اس نے بسوہلی

سے علیحدہ ہوئی ریاست بھدڑو کو اپنے زور بازو سے پھر بسوہلی میں شامل کر لیا اور بھدڑو سے راجہ کو گزارہ لگا دیا۔ اس کے دو بیٹے راجہ امرت پال اور بکرم پال ہوئے اجیت پال نے ۴۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور ۲۱ سال راج کیا۔

۴۱ راجہ امرت پال

راجہ اجیت پال کے انتقال کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ امرت پال بارہ سال کا تھا کہ ۱۷۵۷ء میں تخت نشین ہوا۔ اور چودہ سال کی عمر میں مہاراجہ رنجیت دیو والی ریاست جموں کی راجکماری سے شادی کی۔ یہ راجہ بڑا داتی اور مانی ہو گزرا ہے۔ اس نے ریاست بھدڑو جو کہ اس کے باپ راجہ اجیت پال نے راجگان بھدڑوال سے بزور شمشیر چھین لی تھی، واپس راجہ پرتھی پال بھدڑوال کو دے دی۔ اور اپنے سسر مہاراجہ رنجیت دیو کی امداد سے لکھن پور ریاست کا علاقہ بسنت پور بسوہلی میں شامل کر لیا۔ راجہ امرت پال نے دوسری شادی راجہ ایجے چند کٹوچ کے ہاں کی جن سے ایک لڑکا نیجے پال پیدا ہوا۔ اور اس کے ایک سال بعد رانی جموال جو کہ مہاراجہ رنجیت دیو کی دُختر تھی، سے بھی ایک لڑکا جیونت پال ہوا جو کہ پانچ سال کی عمر میں ہی مر گیا۔ راجہ امرت پال بسوہلی کا ایک مشہور حکمران تھا۔ جس کے دربار میں راجہ سنگرام پال کے دربار کی مانند بڑے بڑے ودوان پنڈت حکیم اور بہادر تھے۔ بلاور کا سری ناتھ پنڈت اسی راجہ کے دربار میں ہوا جو کہ ایک متبحر عالم جیوتشی ہوا۔ جس نے ایک ایسا جنتر ایجاد کیا تھا جس کی مدد سے معمولی سنسکرت دان بھی ایک دن میں سال تمام کی جنتری تیار کر سکتا تھا۔ راجہ امرت پال کے عہد میں ہی بلاوری پتری جاری ہوئی جو کہ مُدت تک لاہوری پتری کے ساتھ ساتھ شائع ہوتی رہی۔ بلاوری اور لاہوری پتری میں بعض وقت بکرمی سال کی تاریخ میں ایک دن کا فرق پڑ جاتا تھا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر سنکرانت کا پرویش بُدھوار کی رات کو ہو تو لاہوری پتری میں برہسپت وار کی تاریخ لگائی جاتی تھی اور بلاوری پتری میں اُسی دن اس علاقہ کے پنڈت عموماً بلاوری پتری کا ہی استعمال کرتے تھے۔

راجہ امرت پال جموں میں بھی اکثر رہا کرتا تھا۔ جب مہاراجہ رنجیت دیو کے

نوٹ تمہ .... راجہ برج راج دیو نے اپنے سسر راجہ چمبہ کی شکایت پر کانگڑہ پر حملہ کیا تو راجہ امرت پال اِس مہم میں تمام اتحادی راجوں میں اپنی بہادری اور سپاہ گری کی قابلیت کی وجہ سے پیش پیش تھا۔ راجہ امرت پال کا عہد ریاست بسوہلی کے لئے امن اور شانتی کا تھا۔ اِس راجہ کو پنڈت سری ناتھ جیوتشی نے اُس کی موت کا دن اور تاریخ پہلے ہی بتا دئے تھے۔ اور وُہ اِس طرح کہ ایک دن راجہ نے سری ناتھ سے دریافت کیا کہ پنڈت جی آپ کی آیُو کس قدر ہوگی۔ تو اُس نے جواب دیا سرکار اِبھی ایک سال کے بعد فلاں وقت پر اپنے مکان واقع بلاور کے صحن میں تلسی کے چبوترہ پر دُنیا چھوڑ جاؤں گا۔ تو راجہ نے اپنی عمر کی نسبت دریافت کیا۔ پنڈت نے جواب میں راجہ کو ٹالنا چاہا۔ لیکن راجہ کے اصرار پر اُسے کہنا ہی پڑا کہ آپ کا دیہانت کاشی جی میں گنگا کے کنارے فلاں دن اور تاریخ پر ہوگا۔ راجہ نے آزمائش کے طور پنڈت پر خفیہ نگرانی رکھ دی کہ وُہ ایک سال تک بسوہلی سے کہیں باہر نہ جائے۔ اور اتفاق یہ کہ جب پنڈت کے مرنے میں دو ایک دن رہ گئے تو اُسے گھر سے سندیس ملا کہ اُس کی ماتا سخت بیمار ہے اور وُہ اُس کا مُنہ دیکھنے کے لئے تڑپ رہی ہے۔ پنڈت نے راجہ سے اجازت طلب کی۔ راجہ امرت پال اُس وقت شغل شکار پر جا رہا تھا۔ اُس نے اجازت دے دی۔ اُسے یاد نہیں رہا کہ پنڈت کے مرنے کا بتایا ہوا دن نزدیک ہے۔ پنڈت بسواری پالکی بسوہلی سے بلاور چلا گیا۔ اور جب راجہ شکار کے دہانہ پہ بیٹھا تھا تو اُسے یاد آیا کہ پنڈت سری ناتھ کو اُس نے بلاور جانے کی اجازت دے کر غلطی کی۔ اور اُسی وقت خاص سپاہی پنڈت کو بلاور سے واپس لانے کے لئے مامور کئے۔ پنڈت اپنے گھر بلاور میں پہنچ چکا تھا۔ اور جب راجہ کے سپاہی بلاور میں پہنچے تو پنڈت جی کا سوُرگباس ہو چکا تھا۔

راجہ امرت پال کو پنڈت کے مرنے کی خبر ملی تو وُہ حکومت سے دِل برداشتہ ہو گیا اور اُسے اپنی موت کا پُورا یقین ہو گیا کہ پنڈت سری ناتھ کا بتایا ہوا وقت دو سال تک آنے والا ہے۔ اُس نے راج پاٹ تیاگ دیا۔ جیتی ولندی کا فی دان کیا۔ اور اپنے بیٹے راجہ نے پال کو بسوہلی کا راج تلک اپنے ہاتھ سے دے کر تیرتھ یاترا کو چلا گیا۔ جب تیرتھوں پر گھومتے کچھ عرصہ گزرا اور اپنے مرنے کی تاریخ میں ایک سال

پانی پیا تو وہ کاشی جی میں آ کر مقیم ہو گیا۔ اور ہزاروں روپیہ کا دان کیا۔ جب انتم دن آیا تو گنگا جی کے کنارے آ کر زمین پہ فرش کرا کر لیٹ گیا۔ اور پرانایام کر کے پرماتما کے چرنوں میں دھیان لگا کر اپنا قالب خالی کر دیا۔ راجہ کی رانی جموال اس کے ہمراہ تھی جو کہ اپنے خاوند کی چتا میں ستی ہوئی۔ راجہ امرت پال نے ۱۹ سال حکومت کر کے ۳۲ سال کی عمر میں اس دنیائے ناپائدار کو خیرباد کہا۔

42 راجہ بجے پال

1222 سمت کے ماہ اپریل میں راجہ بجے پال مسند نشین ہوا۔ یہ راجہ بکرم ثانی ہو گزرا ہے۔ سناتن دھرم کا پابند اور دیوی کا بھگت تھا۔ راجہ بجے پال نے اپنے عہد میں براہمنوں کو جتنی اراضیات دان کر کے معافیات کے طور دیں، اس سے پہلے بسوہلی کے کسی راجہ نے اتنی اراضیات دان نہیں کی تھیں۔ اسی راجہ کے عہد میں بہت سے کشمیری پنڈت خاندان کشمیر سے ہجرت کر کے بسوہلی میں آ کر آباد ہوئے اور انہیں مکانات وغیرہ بنوا کر دئے۔ اور اراضیات عطا کیں۔ اس راجہ نے تین شادیاں کیں۔ جن میں سے ایک جموں کے راجہ دلیل دیو کی بیٹی تھی۔ اس کے بطن سے ۱۷۸۴ء میں ایک لڑکا مہندر پال۔ اور بعد میں تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ راجہ بجے پال نے ۳۰ سال حکومت کی اور ۴۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

43 راجہ مہندر پال

بسوہلی کے راجہ مہندر پال کا عہد بھی نہایت شانتی اور امن کا ہوا ہے۔ اسی راجہ کے وقت میں بسوہلی کے راج محلات میں رنگ محل اور شیش محل کا اضافہ ہوا۔ بسوہلی کے راج محلوں کے متعلق مشہور ہے کہ دوسرے ممالک کے سیاحان خاص طور پر انہیں دیکھنے کے لئے یہاں آئے اور اپنے روزنامچوں میں ان محلات کو ایشیا میں تعمیر کا ایک نادر نمونہ درج کیا۔ رنگ محل میں ہر ایک قسم کی نائکہ کی تصویریں مطابق کوک شاستر و شنگار رس موجود تھیں۔ اسی راجہ کے عہد میں مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی لاہور کے ایماء پر اس کی فوجوں میں ریاست بسوہلی کے سینکڑوں جوان بھرتی ہوئے۔ اور ان میں سے اکثر نے ڈیرہ چار ہزاری میں

بڑے بڑے جرنیلوں کا رتبہ پایا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ڈوگرہ دیس کے چار ہزار چیدہ ڈوگرہ جوانوں کا خاص رسالہ اپنا باڈی گارڈ رکھا تھا اور اس فوج کا نام ڈیرہ چار ہزاری مشہور تھا۔ راجہ مہندر پال لے راجہ عجیب سنگھ والئ جسروٹہ کی راجکماری سے شادی کی تھی۔ جس کے بطن سے ۱۸۰۶ء مارچ میں راجہ بھوپندر پال کا جنم ہوا۔ راجہ مہندر پال ۱۸۱۳ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار کی حاضری سے واپس بسوہلی آرہا تھا کہ ادرت سر میں تپ محرکہ کے عارضہ سے انتقال کر گیا۔ اس راجہ نے صرف سات سال حکومت کی۔

راجہ بھوپندر پال ۶۶

سات سال کی عمر تھی کہ بھوپندر پال کو اپنے باپ کی موت پر بسوہلی کا راج تلک ملا۔ ریاست کا راج کاج اُس کی ماتا رانی جسروٹی نے چار وزیروں پر مشتمل کونسل بنا کر سنبھال لیا۔ عدالت کا کام وزیر ظالم سنگھ (کاہن سنگھ بلاوریہ مؤلف تاریخ راجپوتاں پنجاب کے دادا)۔ خزانہ کا وزیر دیا سنگھ بٹاڑیہ۔ ملکی انتظام وزیر جنگی اور وزیر ملتان سنگھ رنیال کے سپرد تھا۔ جب بھوپندر پال چودہ سال کا ہوا تو اُس کی شادی ڈوگرہ دیس کے مشہور جرنیل رائے کیسری سنگھ کاہنہ چکیا کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ دوسری شادی بھوتی کرمچی کے راجہ کی بیٹی سے اُدھم پور میں ہوئی۔ راجہ بھوپندر پال جوان ہو کر بڑا شور بیر اور عقلمند حکمران ثابت ہوا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ لاہور میں اکثر اُسے بلا لیتا تھا۔ اور جب بھی کوئی مہم علاقہ پہاڑ میں دشوار ترین سمجھتا تو راجہ بھوپندر پال کی ڈیوٹی لگا دی جاتی۔ جب ڈوگرہ دیس کا عظیم شورویر میاں ڈیڈو جموں میں سکھ راج کے خلاف برسرِ بغاوت تھا اور سرکاری ڈیرے لوٹ لیتا تھا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ روز روز کی شکایتوں سے تنگ آ گیا۔ چنانچہ اُس نے کئی بار سکھ جرنیل اور ماہر فوجی افسران میاں ڈیڈو کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجے۔ لیکن وہ اُن کے ہاتھ نہیں آیا۔ اور اسی دوران میں میاں ڈیڈو اور اُس کی جانباز پارٹی نے جموں کے سکھ تھانے دار کا قافیہ تنگ کر دیا تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ بھوپندر پال کو بسوہلی سے لاہور بلایا اور بھاری خلعت سے سرفراز کر کے ڈیڈو اور اُس کے ساتھیوں میاں دلوانوں۔ میاں دھرم سنگھ اور جھفو رائے پوریہ کو گرفتار کرنے کی ہدایت کی۔ اور ساتھ ہی راجگان منکوٹ (رامکوٹ)۔ بندرالتہ (رام نگر) اور کرمچی کے نام احکام جاری

سکیں کہ وہ راجہ بھوپندر پال کو زیادہ سے زیادہ جوانوں کے ساتھ اس مہم میں امداد دیں۔
راجہ بھوپندر پال نے برسر دربار اس مہم کا بیڑا اٹھایا۔ اور اس خیال سے کہ بسوہلی پہنچ کر علاقہ بھر کے چیدہ جوانوں کو ساتھ لوں گا اور منکوٹ کے راستہ منکوٹ۔ بھدرواہ اور کرمچی کے راجگان کی کمک لے کر دھاوا کیا جائے گا)۔ لاہور سے چل پڑا۔ لیکن امرت سر پہنچ کر سخت بیمار ہوگیا۔ اور اسی مقام پر جہاں کہ اس کے باپ راجہ مہندر پال کا انتقال ہوا تھا، بھوپندر پال بھی اس جہانِ فانی سے ۲۷ سال کی عمر میں چل بسا۔ رانی بھنیال حاملہ تھی۔ اور راجہ بھوپندر پال کے مرنے کے ڈیڑھ ماہ بعد اس کے بطن سے کلیان پال کا جنم ہوا۔ بھوپندر پال کے راہی ملک عدم ہونے کے بعد راج کاج پھر اس کی والدہ رانی جسرو ٹی نے سنبھال لیا۔ اور اس مہارانی نے بڑے رعب و داب سے حکومت چلائی۔ لیکن علاقہ چمبہ کے دیہات بسوہلی سے الحاق توڑ گئے اور نورپور کے راجہ بیر سنگھ نے بھی علاقہ شاہ پور کنڈی پر اپنا قبضہ کر لیا۔ ریاست کا تمام کاروبار ڈوگری زبان اور ڈوگری رسم الخط میں ہوتا تھا۔ مگر دربار لاہور سے خط و کتابت فارسی زبان میں رائج تھی۔ اس کے لئے مسمی ٹھاکر داس کھتری جو فارسی خوان تھا، ریاست نورپور سے لاکر بسوہلی میں آباد کیا گیا۔ جو خاندان آج تک بسوہلی میں آباد ہے۔

ٹکا کلیان پال

65

راجہ بھوپندر پال کے وفات پانے کے ڈیڑھ ماہ بعد اس کی بڑی رانی بھتیال کے بطن سے بمقام رہن ۱۶ دسمبر ۱۸۳۴ء کو ٹکا کلیان پال پیدا ہوا۔ رانی بھتیال ایک ماہ سے موضع رہن[1] میں بخانہ وزیر ملتان سنگھ رینیال رہ رہی تھی۔ اس خیال سے کہ محلات بسوہلی میں جگہ ٹھیک نہیں اور ابھی بسوہلی کا محل ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔ بس تھے رانی جسرو ٹی والدہ راجہ بھوپندر پال نے اپنی بڑی بہو کو وہاں بھیج دیا۔ اور جب رانی جسرو ٹی کو ٹکا کے پیدا ہونے کی خوشخبری ملی تو بسوہلی کے محلات میں نوبت بجنے لگی۔ اور رانی جسرو ٹی کو اپنے جواں سال بیٹے راجہ بھوپندر پال کی موت کا غم بھول گیا۔ ٹکا کلیان پال

[1] موضع رہن قصبہ بسوہلی سے سات آٹھ میل کی دوری پر واقع ہے۔

بیٹی والدہ رانی بھتیال کے ایک سال تک موضع رہن میں رہا۔ ریاست کا راج کاج رانی جسروٹی بمشورہ وزیر ظالم سنگھ اور وزیر جنگی کر رہی تھی۔ لیکن وہ عورت ذات جلد ہی مفاد پرست اور خود غرض اہلکاروں کے بہکاوے میں آگئی۔ چنانچہ اِن لوگوں نے رانی جسروٹی کو یہ کہہ کر کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ڈوگرہ دیس کے تمام راجگان کے راج چھین کر اپنے قبضہ میں کر رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بسوہلی پر بھی قبضہ کر لے اور آپ کو دربدر ہونا پڑے۔ اِس لئے ضرورت ہے کہ آپ اپنے ہیرے جواہرات اور زیورات کہیں محفوظ مقام پر رکھ دیں تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئیں اور اس طرح راجہ بھوپیندر پال کے گورو پنڈت سوداگر کشمیری نے جو کہ رانی کا بھی بہت زیادہ معتمد تھا، ریاست پٹیالہ میں جہاں کہ اُس کشمیری کے رشتہ دار تھے، منتقل کرنے شروع کر دیئے اور کچھ زیورات اور جواہرات بسوہلی کے پاہدہ خاندان میں جو کہ راج وئید تھے، امانت کے طور رکھ دیئے۔ ایک سال بعد جب رانی بھتیال ٹکا کلیان پال کو لے کر محلات بسوہلی میں آئی تو سخت افراتفری مچی ہوئی تھی اور اہلکاروں نے لوٹ کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ رانی جسروٹی کے خیرخواہ وزیروں نے ہرچند رانی کو سمجھایا لیکن وہ مفاد پرستوں کے ہتھے چڑھی ہوئی تھی۔ کسی کی بھی اُس پر کوئی نصیحت اور نیک مشورہ کارگر نہ ہوا۔

ٹکا کلیان پال کے یک جدّی بزرگوں نے میاں لاجان کو جو کہ رشتہ میں راجہ بھوپیندر پال کا چچا لگتا تھا، کو دربار لاہور میں بھیجنے کا مشورہ کیا۔ اور جب میاں لاجان نے بسوہلی سے آکر مہاراجہ رنجیت سنگھ والئ لاہور کو اپنی آمد کی غرض و غایت سُنائی اور ریاست بسوہلی کی تباہی اور بدانتظامی کے متعلق رپورٹ پیش کی۔ تو مہاراجہ نے میاں لاجان کو خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کر کے اُس کے نام ریاست بسوہلی کی کارمختاری کے احکام تابلوغت ٹکا کلیان پال جاری کر دیئے۔ اور ایک خاص پروانہ کے ذریعے رانی جسروٹی کو ہدایت کی گئی کہ وہ ریاست کے انتظامات کو بحال کرنے میں میاں لاجان کی خدمات سے فائدہ اُٹھائے۔ لیکن رانی جسروٹی اس پروانہ کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گئی۔ اور اُس کے منظورِ نظر اہلکاروں نے اُسے میاں لاجان کے خلاف اور زیادہ بھڑکا دیا کہ اب ٹکا کلیان پال کی خیر نہیں۔ میاں لاجان مہاراجہ رنجیت سنگھ سے ساز باز کر کے بسوہلی کا راج اپنے لئے لکھوا لایا ہے۔ اہلکاروں کو یہ فکر کھانے لگی کہ اب تک جو کچھ اُنہوں نے من مانیاں کیں اور دونوں ہاتھوں سے رانی

کو لوٹا ہے وہ سب کچھ اُگلنا پڑے گا ۔ تو انہوں نے راجہ نورپور اور راجہ چمبہ سے جا کر سازش کی کیونکہ میاں لاجاں نے بسوہلی پہنچتے ہی جو دیہات راجہ بھوپندر پال کے مرنے کے بعد ان دونوں ریاستوں کے تسلط میں چلے گئے تھے انہیں واپس لینے کے احکام جاری کر دئے ۔ تو ان ہر دو راجگان کو بھی میاں لاجاں کے خلاف رانی کے کان بھرنے کا موقعہ ہاتھ آ گیا اور انہوں نے میاں لاجاں کے متعلق رانی جسروٹی کو لکھا کہ میاں لاجاں آپ کا دشمن نمبر ایک ہے ۔ یہ کسی نہ کسی دن آپ کے پوتے کلیان پال کو ہلاک کر دے گا اور بسوہلی کے راج پر اپنا قبضہ جما لے گا ۔ ایسے آدمی کی فوری طور پر گوشمالی کرنی لازمی ہے ۔

ایک دن جبکہ میاں لاجاں ہلاست سے باہر چوگان بسوہلی میں دربار لگا کر معمول کے مطابق ریاست کے کاروبار میں مصروف تھا تو رانی جسروٹی نے اپنے دس بارہ بندوقچی میاں لاجاں کو گرفتار کرنے کے لئے بھیج دئے ۔ میاں لاجاں نے جب انہیں ہتھیار بند آتے دیکھا تو جھٹ اپنی تلوار میان سے نکال لی ۔ دربار میں بھگدڑ مچ گئی ۔ جہاں کسی کو جگہ ملی جا چھپا ۔ اور ان بندوقچیوں کو بھی بھاگتے بنی جو کہ رانی کے حکم سے میاں لاجاں کو پکڑنے آئے تھے ۔ رانی کو اپنے سپاہیوں کی ناکامی کا پتہ چلا تو وہ اور بھی تلملا اُٹھی ۔ اور اُس نے سارے واقعہ کو میاں لاجاں کی گستاخی پر محمول کیا اور اُس کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئی ۔

تو ایک دن اپنے راج پروہت ہربھج کو بلا بھیجا ۔ یہ پروہت میاں لاجاں کا بچپن کا دوست تھا اور ہر کے طور آپس میں پگڑیاں تبدیل کی ہوئی تھیں ۔ رانی نے اُسے کہا کہ پروہت اپنے ججمانوں کی مصیبت میں ہمیشہ کام آتے ہیں ۔ اب میرے پوتے کلیان پال کے راجہ بننے کی ساری اُمیدیں ختم ہو چکی ہیں ۔ کیونکہ ریاست پر میاں لاجاں کا قبضہ ہو گیا ہے اور اُسی کا حکم چلتا ہے ۔ میاں لاجاں تمہارا دوست ہے ۔ اگر تم اُسے محلات میں لے آؤ تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گی ۔ پروہت ہربھج لالچ میں آ گیا ۔ اور دوسرے دن صبح جب میاں لاجاں پوجا پاٹھ میں مگن تھا تو پروہت اُس کے گھر پہنچا ۔ میاں لاجاں اپنے متر کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور پوجا سے فارغ ہو کر اُس نے پروہت کا آدر ستکار کیا اور پوچھا کہ کیا حکم ہے میرے لئے ۔ صبح صبح میرے ہاں آپ کا آنا کیسے ہوا ؟ تو ہربھج بولا کہ تم لوگ بھی عجیب ہو ۔ خواہ مخواہ رانی

کو ناراض کر لیا ۔ عورت ذات کا کیا ۔ ذرا سی خوشامد کی تو خوش ہو گئی ۔ مجھے چونکہ تم سے پیار ہے ، اِس لئے مناسب نہیں سمجھتا کہ تم دونوں کی کشمکش رہے ۔ تم تو بڑے مانی ، دانی اور گیانی پُرش ہو ۔ ٹِکا کلیان پال کے متعلق تمہارے خلاف کافی باتیں ہو رہی ہیں لیکن مَیں نہیں سمجھتا کہ تمہارے دِل میں کوئی بے ایمانی ہو ۔ تم بسوہلی راج کے ازلی وفادار ہی نہیں بلکہ بزرگ ہو ۔ لازم ہے کہ رانی جسروٹی کے پاس چل کر تمام غلط فہمی دُور کر لی جائے ۔ میاں لاجاں کا من پروہت کی باتیں سُن کر پسیج گیا ۔ اور پروہت خطرونا کو بھول کر اپنے سادہ لوح مِتر کو محلوں میں لے آیا ۔ اور میاں لاجاں پروہت کے ساتھ گردن جھکائے محلات کی ڈیوڑھی پر آ پہنچا ۔ میاں لاجاں کا چھوٹا بھائی مان سنگھ بھی اُس کے ساتھ تھا ۔ ڈیوڑھی میں پہنچ کر پروہت کہنے لگا کہ مَیں کل ہی رانی صاحبہ سے ملا تھا ۔ مَیں نے اُنہیں بھی کہا ہے کہ میاں کی نیت بُری نہیں بلکہ وُہ ریاست کا خیر خواہ ہے ۔ اور بادشاہ لاہور سے وُہ راجہ کلیان پال کے لئے بہت عمدہ شرائط لکھوا لایا ہے ۔ دراصل رانی صاحبہ کو محض چند نمک حراموں نے دھوکا دیا ہے جس کی تلافی مَیں نے کر لی ہے ۔ اب رانی صاحبہ کے پاس جانا ہے تو پاسِ ادب کا تقاضا ہے کہ وہاں سر جھکا کر چلا جائے نہ کہ ہتھیار بند ہو کر ۔ آپ تلوار چھوڑ دیں ۔ مَیں ساتھ رہوں گا اور آپ کا بال تک بیکا نہ ہونے دُوں گا ۔

اُس سچے اور سیدھے سادے راجپوت نے تلوار رکھ دی اور پروہت ہربھج کی طرف دیکھنے لگا ۔ تو پروہت ہربھج نے اپنے جنیئو اور نر کی قسم کھا کر اُسے مطمئن کر دیا ۔ اور ساتھ لے کر جوں ہی ڈیوڑھی کے اندرونی دروازہ میں داخل ہوا ، دروازہ بند ہو گیا ۔ اور رانی کے سپاہیوں نے میاں لاجاں اور اُس کے بھائی مان سنگھ دونوں کو پکڑ لیا اور محلات کے بُرج پر لے جا کر ایک اندھیرے خشک کنوئیں (دُرگ) میں ڈال دیا ۔ اور ایسی ایسی اذیتیں دی جانے لگیں کہ تھوڑے دِنوں میں ہی میاں لاجاں کو تڑپا تڑپا کر دُرگ میں ہی مار دیا ۔

دریائے راوی پر میاں لاجاں کا مُردہ جلا دیا گیا ۔ اور جب لوگ میاں لاجاں کے انتم سنسکار کے بعد واپس گھروں کو آئے تو پروہت ہربھج نے اپنے گھر کی ڈیوڑھی پر پہنچ کر اپنی عورت کو آواز دی اور کہا "پروہتانی جی متھا ٹیکنا"۔

بسوہلی پینٹنگ

Scanned with CamScanner

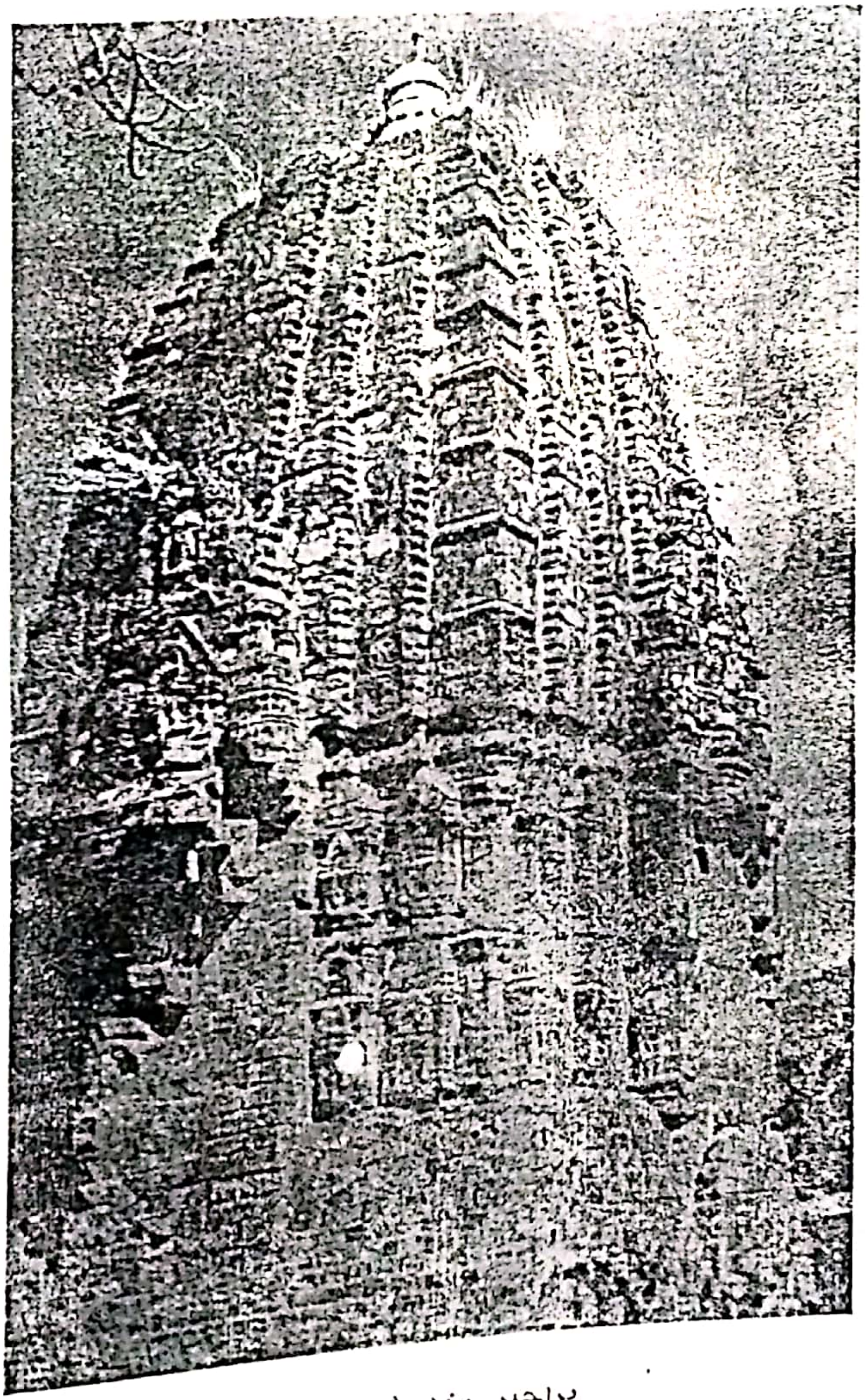

پراچین مندر شوجی بلاور

پروہت کی بیوی سمجھ گئی کہ اُس کو ہتیا نے پرویش کر لیا ہے۔ بجواب کہنے لگی "اے ججمان آپ نے بہت جلدی کی۔"

پروہت ہر بیچ پاگل ہو گیا۔ گلی کوچوں میں سے گندگی اُٹھا اُٹھا کر کھانے لگا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد ہمیشہ کے لئے چلتا بنا۔ اُدھر رانی کو بھی ہتیا نے پرویش کر لیا تھا۔ وہ جب کھانا کھانے لگتی اور ملازمائیں اُس کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے سے بھرپور تھال رکھتیں تو وہ اُنہیں گالیاں دیتی کہ میرے تھال میں چاول کی بجائے کیڑے پروس کر لا رہی ہو۔ میاں لاجاں کی ہتیا سے رانی کی حالت دن بدن بدتر ہونے لگی۔ تو بڑے بڑے سیانے بُلائے گئے۔ اور ٹکا کلیان پال کی والدہ رانی بھتیال نے خاندان کے بزرگوں سے کہا کہ جو بھی پرائشچت ہو سکتا ہے کراؤ۔ اور اِس مصیبت سے ہمیں نجات دلاؤ۔ تو میاں لاجاں کا مندر بنوانے کا فیصلہ ہوا۔ اور پنڈتوں سے اُس کی باقاعدہ پرتشٹھا کروا کر اُس کی پُوجا کی جانے لگی۔ لیکن میاں لاجاں کی ہتیا بسوہلی راج کے خاتمہ کا سبب بنی اور تھوڑے دنوں میں ریاست سے خاندان بلاوریہ کا سکہ اُٹھ گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں میاں لاجاں کی موت اور اُس کے بھائی میاں مان سنگھ کے دُرگ میں پڑنے کی رپورٹ ہوئی۔ تو اپنے خاص آدمی بسوہلی بھیج کر اُسے دُرگ سے آزاد کرایا اور ایک خاص فرمان سے مئی ۱۸۳۶ء میں ریاست بسوہلی راجہ ہیرا سنگھ فرزند راجہ دھیان سنگھ وزیر اعظم لاہور کو جاگیر کے طور عطا کر دی۔ فرمان حسب ذیل ہے:۔

"بفضل سری اکال پُرکھ

(مہر)

درج شدہ سمت ۱۸۹۳ بکرمی

اہلکاران راجہ بسوہلی ملتان سنگھ دھیان سنگھ و دیا سنگھ و جاگیرداران بایدکہ بورود پروانہ والا شمایان عمل دخل بر معاملہ و جاگیرات و سائر وغیرہ معتبران نور چشم بلند بخت خجستہ اختر برخوردار اقبال آثار فرزند خاص راجہ ہیرا سنگھ جی در بسوہلی کنایندہ دہند و ادائے معاملہ بپیش اد جل دیدار مہتاب سنگھ معتبر راجہ موصوف کنایندہ دہند و میاں کلیان پال را صلاح دادا و در محل ہائے باید نشانید و آنکہ بُرج اند آدماں را از آنجا بدر نمایند۔ دریں باب ہرگز تفاوت نکردہ احدے کس را بدراہی

تبایدداد گر احدے یکسے بدراہی باید داد یا شرارت کرداو را از ملک بدر و سزا خواہد شد۔ با عزت و آبرو بخانہ ہائے نشستہ باشند۔ ہرگاہ معتبران راجہ موصوف مد کاغذ معاملہ بجناب والا حاضر خواہند شد۔ بموجب مناسب وجہ گذران عطا خواہد شد۔

(مہر نشانی ملاحظہ سازند۔ ۲ر جیٹھ سمت ۱۸۹۳

پروانگی حضوری باغ "

اس کے ساتھ ہی راجہ ہیرا سنگھ، جسے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ریاست بسوہلی جاگیر کے طور پر دی تھی، نے اپنا معتبر میاں مہتاب سنگھ ترکوٹیہ کو بسوہلی پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا اور اہلکاران بسوہلی کے نام حسب ذیل فرمان بصحی خود جاری کیا:۔

" اوحل دیدار میاں ملتان سنگھ۔ دیا سنگھ۔ مہان سنگھ و پیشکار ریاست بسوہلی ٹھاکر داس۔

دریں وقت لبشما تحریر مے گردد کہ شما عمل دخل بہ میاں مہتاب سنگھ برتمام معاملہ وسائر وغیرہ کنایندہ دہند بدراہی و کوتاہ اندیشی ہرگز نخواہند ساخت حضور والا بعد ملاحظہ کاغذ جمعی وجہ گذران بہر یک خواہند بخشید با عزت و آبرو خواہند ماند و از برج ہائے آدمان بیرون نمایند کہ برج ہا خالی بمانند و رانی ہائے درمحل نشستہ باشند و اگر رعایا را بدراہی نمود و درعمل دخل حجت خواہد نمود از ملک بدر خواہند شد و تقصیر دار خواہند گشت۔ تحریر ۲ر جیٹھ سمت ۱۸۹۳ ڈیرہ لاہور رو درحق شما ہمیں مناسب است کہ رانی را ہمیں صلاح باید داد کہ بہ مناسب درمحل ہا نشستہ باشند و اگر کسے در دل شرارت دارد بیرون نمودہ سزاوار خواہند گردید۔"

مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی لاہور اور راجہ ہیرا سنگھ کے احکام کی روشنی میں راجگان بسوہلی کے اہلکاران میاں ملتان سنگھ۔ دیا سنگھ وغیرہ اور دربار بسوہلی کے پیشکار لالہ ٹھاکر داس کو ہدایات کی گئی تھیں کہ وہ راجہ ہیرا سنگھ کے معتبر میاں مہتاب سنگھ ترکوٹیہ کا ریاست کے نظام اور عمل دخل میں امدادی رہیں۔ جن کے گذارے مناسب ملتے رہیں گے ٹھکاکلیان پال اور تمام رانیوں کو محلات میں ہی عزت و آبرو کے ساتھ رکھا جائے اور تمام قلعوں اور محلات کے برجوں سے آدمیوں کو نکال دیں تاکہ میاں مہتاب سنگھ اپنی مرضی کے مطابق انتظام کر سکیں۔ اور اگر کسی شخص نے عمل دخل میں رکاوٹ ڈالنے

کی کوشش کی تو اُسے ملک بدر کیا جائے گا۔ اور مناسب سزا دی جائے گی۔

چنانچہ بسوہلی پر راجہ ہیرا سنگھ کا عمل دخل ہو گیا۔ ٹکا کلیان پال کی عمر دو سال کی تھی۔ اُس کی اپنی دادی رانی جسروٹی۔ والدہ رانی بھتیال اور سوتیلی والدہ رانی جموال کی دیکھ ریکھ میں پرورش ہونے لگی لیکن کچھ مدت کے بعد راجہ ہیرا سنگھ کے فرمان کے مطابق سب کو بسوہلی سے جسروٹہ میں بُلا لیا گیا۔ اور جسروٹہ کے نزدیک موضع باختہ (موجودہ تحصیل کٹھوعہ) میں اُن کی رہائش کے انتظامات کر دیئے گئے۔ دو سال کے بعد ٹکا کلیان پال کی سوتیلی والدہ کے بھائی رائے کیسری سنگھ کاہنہ چکیا نے ٹکا کلیان پال کو معہ سارے ڈیرے کے رام کوٹ میں بُلا لیا جہاں کہ کلیان پال کی والدہ رانی بھتیال کا سورگباش ہو گیا۔ تو تمام ڈیرہ کو کاہنہ چک میں رائے کیسری سنگھ اپنے ہاں لے گئے جہاں کہ ٹکا کلیان پال کو پانچ ہزار روپیہ سال تمام نقدی برائے اخراجات خزانہ جموں اور جسروٹہ سے ملتے رہے۔

لاہور کی طوائف الملوکی میں

مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی لاہور جون ۱۸۳۹ء میں وفات پا گیا۔ اور مہاراجہ کھڑک سنگھ کے تخت پر بیٹھتے ہی سلطنت لاہور کا زوال شروع ہو گیا۔ افراتفری مچ گئی اور دو تین سالوں میں یکے بعد دیگرے مہاراجوں اور وزیروں کا قتل ہونے لگا۔ چنانچہ مہاراجہ کھڑک سنگھ کے مرنے کے بعد اُس کا وارثِ تخت کنور نونہال سنگھ اُسی دن جب کہ وہ اپنے والد کھڑک سنگھ کا انتم سنسکار کر کے واپس آ رہا تھا، ڈیوڑھی کی چھت گرنے سے جاں بحق ہو گیا۔ اُس کے ساتھ اُدھم سنگھ فرزندِ اکبر مہاراجہ گلاب سنگھ کا بھی دیہانت ہو گیا۔ پھر مہاراجہ شیر سنگھ، راجہ دھیان سنگھ، راجہ سوچیت سنگھ، راجہ ہیرا سنگھ، سوہن سنگھ، کیسری سنگھ لاہور دربار کی طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے اور ریاست لاہور پر رانی جنداں کا عمل دخل ہو گیا۔

بسوہلی پر گولی منگلا کا قبضہ

رائے کیسری سنگھ کے لاہور میں راجہ سوچیت سنگھ کے مارے جانے کے بعد رانی جسروٹی اور رانی جموال ٹکا کلیان پال کو بلاور میں لا کر قیام پذیر ہو گئیں۔ رامن سکھا شاہی کے زمانے میں دوآبہ جالندھر کے حاکم سردار رنجودھ سنگھ نے بامداد وزیر شاماں نور پوریہ نے حملہ کر کے بسوہلی

پر قبضہ کر لیا۔ اور مہارانی جنداں نے اپنی خاص کنیز منگلا کو بسوہلی کی ریاست جاگیر کے طور عطا کر دی جس کے معتبران نے آ کر یہاں اپنا عمل دخل کر لیا۔ لیکن گولی منگلا کا قبضہ بھی بسوہلی پر زیادہ دیر تک نہ رہ سکا۔

رسم زنار بندی

ٹکا کلیان پال کے حمایتی بلاوریہ راجپوت جو کہ بسوہلی کے شاہی خاندان سے تھے، اُن میں سے چند ایک بزرگ ٹکا کلیان پال کو ساتھ لے کر دربار لاہور میں آئے اور جموں کے راجہ گلاب سنگھ سے مل کر ریاست بسوہلی کی واپسی کے لئے چارہ جوئی کرنے لگے۔ دربار لاہور میں اُس وقت سخت فتور مچا ہوا تھا۔ راجہ گلاب سنگھ کو سکھوں اور انگریزوں کے درمیان سمجھوتہ کرانے کے بدلے میں سے مہارانی جنداں نے ملا کر وزارت عظمےٰ کے اختیارات سپرد کیئے تھے۔ ٹکا کلیان پال نے راجہ گلاب سنگھ سے مل کر داد فریاد کی تو ٹکا کلیان پال کو تعلقہ پٹھانکوٹ میں سے موضع جنڈوال کا پٹہ لکھ کر دیا گیا کہ وہ فی الحال جنڈوال میں اپنی رہائش رکھے اور پانچ ہزار روپیہ سال تمام گذارہ حاصل کرے۔ جونہی ملک میں امن اور شانتی ہوتی ہے تو ریاست بسوہلی کی واپسی کے متعلق غور کیا جائے گا۔ ٹکا کلیان پال نے معہ اپنے سارے خاندان کے جنڈوال میں رہائش اختیار کر لی اور جنڈوال میں کلیان پال کی زنار بندی کی رسم بارہ سال کی عمر میں ادا ہوئی۔

بسوہلی میں واپسی

زنار بندی کی رسم کے بعد ٹکا کلیان پال کو بسوہلی کے سرکردہ لوگ جنڈوال پہنچ کر بسوہلی میں لے آئے اور تمام علاقہ میں راجہ کلیان پال کی دوہائی پھیر دی۔ اور بخانہ وزیر جنگی قیام رکھ کر سکھوں کو بسوہلی سے نکال باہر کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ قلعہ چینجلو جو کہ بسوہلی کے عقبی جنگل میں ایک اونچے ٹیلے پر ہے، وہاں توپیں گاڑ دیں۔ اُدھر قلعہ اور محلات بسوہلی میں مقیم سکھ فوجیوں نے بھی بندوقیں سنبھال لیں۔ جب محلات میں محصور سکھ فوجی تنگ آ گئے تو اُنہوں نے توپ گاڑ کر گولہ باری شروع کر دی۔ محلات میں بارود کا ذخیرہ نہ تھا اور نہ ہی باہر سے اُنہیں کوئی کمک پہنچنے کی اُمید تھی۔ اِس لئے محصورین نے اپنا قافیہ تنگ جان کر صلح کا جھنڈا بلند کر دیا۔ یوں بھی لاہور کی افراتفری کی خبریں سن سن کر وہ سخت پریشان تھے۔ آخر سکھ تھانیداروں نے درخواست کی کہ وہ خود ہی محلات خالی

کہ راجہ کلیان پال صاحب بمقام جسروٹہ ہمارے سے ملاقات کریں۔اسی گنڈا سنگھ متھاس تھانیدار کے ذریعہ مندرجہ بالا اشتہار بسوہلی میں سرکار انگلشیہ کی طرف سے مشتہر کیا گیا۔

راجہ کلیان پال کو ارکان ریاست بسوہلی نے مشورہ دیا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ سے اصرار کرنا مناسب نہیں۔ چونکہ خاندان بلاوریہ سے تعلقات دوستی اور رشتہ داری قدیم الایام سے جموں کے راجگان جموال کے ساتھ چلے آتے ہیں، اس لئے ریاست کا عمل دخل تھانیدار گنڈا سنگھ کو دے دینا چاہیئے۔اور بسوہلی کے پرانے وزیر دیا سنگھ بھان سنگھ اور وزیر جنگی مہاراجہ گلاب سنگھ کے بھیجے ہوئے تھانیدار گنڈا سنگھ کے ساتھ انتظامات بسوہلی میں شامل ہو گئے۔ راجہ کلیان پال اپنی دادی رانی جسروٹی کے ساتھ مہاراجہ گلاب سنگھ کی ملاقات کے لئے اُن کے حکم کے مطابق جسروٹہ میں حاضر ہؤا۔ تو رانی جسروٹی نے بسوہلی ریاست کی واپسی کے لئے مہاراجہ صاحب سے کافی اصرار کیا۔مہاراجہ گلاب سنگھ نے فرمایا کہ کلیان پال ہمارا بچہ ہے۔ یہ ابھی نابالغ ہے۔ انتظامات اہلکاران نے ہی کرنے ہیں۔ پہلے ہی اس کی نابالغی میں آپ کی سب جائداد خُرد بُرد ہو گئی ہے۔ اس لئے وقت کا انتظار کرو۔ جُوں ہی امن ہوتا ہے اور گڑبڑ پر قابُو پا لیا جاتا ہے، ہم خود ہی کلیان پال کو بسوہلی کا راج تلک دیں گے۔ رانی جسروٹی بعد اطمینان کلیان پال کو لے کر واپس بسوہلی آ گئی۔اور مہاراجہ صاحب کی طرف سے جموں کے خزانہ سے پانچ ہزار روپیہ سالانہ مقرری ملنے لگی۔

کلیان پال کی شادی ۱۶ سال کی عمر میں راجہ کلیان پال کی شادی سمت ۱۹۰۷ بکرمی کے آغاز میں نہایت دُھوم دھام سے ریاست سرموڑ کی راجکماری سے ہوئی۔ شادی کے تمام انتظامات مہاراجہ گلاب سنگھ کی طرف سے تھانیدار گنڈا سنگھ نے کئے۔ لیکن دو سال کے بعد رانی سرموری کا انتقال ہو گیا۔ راجہ کلیان پال کی رانی سے بے حد محبت تھی۔ رانی کی موت کا راجہ کو بے حد صدمہ ہؤا اور وُہ غمگین رہنے لگا۔

دُوسری شادی رانی سرموری کی موت کے پانچ چھ ماہ بعد راجہ کلیان پال کی شادی راجہ چھتر سنگھ منکوٹیہ جو کہ رام کوٹ سے سانگڑوی میں ہجرت کر گیا

کر کے نکل جاتے ہیں۔ اتنی مہربانی کریں کہ ہمیں دریائے راوی کے پار پہنچا دیں۔ راجہ کلیان پال کے اہلکاروں نے سکھ فوجیوں اور تھانیدار کو صحیح و سلامت دریا کے پار کرنے میں امداد دینے کا وعدہ کیا۔ اور اس طرح سے بسوہلی پر راجہ کلیان پال کا قبضہ ہو گیا۔ رانی صاحبان کو جنڈ دال سے بلا لیا گیا۔ اور راج محلات بسوہلی میں راجہ کلیان پال کو راج گدی پر بیٹھا کر راج چنور جھولنے لگا۔ ایک دربار عام منعقد کیا گیا۔ جس میں بسوہلی اور قرب و جوار کے سرکردہ لوگوں نے بلا امتیاز مذہب و ملت راجہ بسوہلی کو نذریں پیش کیں۔

ریاست جموں و کشمیر کی قائمی اور بسوہلی کا خاتمہ

اسی دوران میں دربار لاہور اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مابین معاہدہ لاہور ہوا۔ اور معاہدہ امرتسر کی رُو سے مارچ سنہ ۱۸۴۶ء میں ریاست جموں و کشمیر کا خود مختار اور آزاد حکمران مہاراجہ گلاب سنگھ کو سکھ حکومت لاہور اور انگریزوں نے تسلیم کر لیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے بسوہلی کی ریاست بھی جموں و کشمیر کے ۸۴ ہزار مربع میل میں پھیلے ہوئے رقبہ کی تمام ریاستوں کی مانند ختم ہو گئی۔

بسوہلی کا ادغام

جب مہاراجہ گلاب سنگھ ریاست جموں و کشمیر کا خود مختار حکمران ہو گیا تو ایک اشتہار بزبان فارسی فلک اقتدار کمپنی صاحب انگریز بہادر کی طرف سے شائع ہو کر تمام ریاست میں جا بجا تقسیم کیا گیا جس میں لکھا تھا کہ ساکنان ملک کوہستان و زمینداران و راجگان گرد و نواح و میاں ہائے اور تمامی خلائق کو واضح کیا جاتا ہے کہ خطہ کشمیر اور ملک پہاڑ سرکار فلک اقتدار کمپنی صاحب انگریز بہادر نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو سپرد کر دیا ہے۔ لازم ہے کہ ہر شخص مہاراجہ صاحب کا خیر خواہ رہے تاکہ اُن کی گذران بدستور بحال اور برقرار رہے۔ اگر کسی نے مہاراجہ صاحب کے انتظامات اور دستور العمل میں مداخلت کی یا احکام سے سرتابی کی تو وہ قرار واقعی سزا کا مستوجب ہوگا۔ یہ اعلان ۲ راسوج سمت ۱۹۰۳ کا جاری کردہ ہے۔

تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے گنڈا سنگھ نہاس کو بسوہلی کا تھانیدار بنا کر بھیج دیا۔ اور کہا کہ بسوہلی کا انتظام اُس کے ماتحت کر دیا جائے اور تا قبضہ مالیہ خزانہ جموں میں داخل ہوا کرے۔ باغات و عمارات بدستور واگذار رہیں۔ ساتھ ہی حکم دیا۔

تھا، کی راجکماری سے ہوئی۔ چونکہ راجکماری کی عمر بوقت شادی سات سال تھی۔ اس لئے ڈولا ساتھ نہیں لایا گیا۔ اور ایک سال بعد جب ڈولا محلات بسوہلی میں داخل ہونے لگا تو اندرونی محلات کی سامنی دیوار اچانک گر پڑی۔ جیوتشیوں نے یہ شگن نیک نہ پایا۔ اگرچہ بدشگونی کے اثرات سے بچنے کے بہت سے اُپائے، پرلوگ، پاٹھ وغیرہ کرائے گئے۔ لیکن ساعت نحس ٹل نہ سکی۔ اور راجہ کلیان پال اکثر بیمار رہنے لگا۔ ایک رانی سرموری کا غم، دُوسرے ریاست بسوہلی کا ہاتھ سے نکل جانا، تیسرے خیرخواہ اہلکاران اور برادری کے بزرگان کا یکے بعد دیگرے پرلوک سدھارنا، چوتھے رانی جسروٹی کا بیمار ایسے صدمات اُس کے لئے ناقابلِ برداشت تھے۔

تیسری شادی راجہ کلیان پال دو سال تک بسوہلی سے باہر نہیں گیا۔ غمزدہ صُورت اور آشفتہ حال کلیان پال سارا سارا دن محلات میں گزار دیتا۔ اُس نے سیروشکار بھی چھوڑ دیا۔ ۱۸۵۵ء کے ماہ مئی میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے بلاوے پر وُہ سرینگر میں حاضر ہُوا۔ تو اُسے کہا گیا کہ وُہ راجہ گمبھیر دیو باہو والا کی لڑکی سے شادی کرے۔ لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ کیونکہ رانی سرموری کی موت کے صدمے سے وُہ نڈھال رہتا تھا۔ دُوسری شادی بھی اُس کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی۔ اب تیسری شادی کرکے وُہ اپنی زندگی کو اور زیادہ اجیرن کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کلیان پال کے انکار پر چندے کبیدہ خاطر ہو گئے۔ اور کلیان پال جب دربار میں آئے، اُس سے بات کرنا تو درکنار، اُس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ کلیان پال اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ آخر مہاراجہ گلاب سنگھ کی خوشنودی کی خاطر اُس نے راجہ باہو کی دُختر سے شادی کرنے کے لئے رضامندی دے دی۔ اور مہاراجہ نے کشمیر میں راجہ باہو کی دُختر کا ڈولا منگوا کر کلیان پال سے شادی کرا دی اور اُنہیں واپس بسوہلی بھیج دیا۔ اگرچہ راجہ کلیان پال نے رانی سرموری کی وفات کے بعد دو بیاہ کئے۔ لیکن رانی سرموری کی دائمی جدائی کا صدمہ اُسے گھُن کی طرح کھا رہا تھا۔ اُس کے دِل کی کلی کسی بھی طرح کھِل نہ سکی۔ اس حالت میں اُسے ریاست بسوہلی کی بحالی کا بھی خیال بھُول گیا۔

کلیان پال کی موت اگست ۱۸۵۷ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کا کشمیر میں انتقال ہو گیا۔ جب یہ خبر راجہ کلیان پال نے بسوہلی میں

تھی۔ خدا اس کی رہی سہی اُمیدیں بھی پاش پاش ہوگئیں۔ اور اُس کی طبیعت اور زیادہ ناساز ہوگئی۔ اور ایسی ناساز ہوئی کہ وُہ بستر سے اُٹھ نہ سکا۔ آخر ماہ مارچ ۱۸۵۸ء میں ڈیڑھ ہزار برس کی قائم شدہ ریاست بسوہلی کے شاہی خاندان بلاوریہ کا آخری چراغ کلیان پال کی موت سے گُل ہوگیا۔ اور بسوہلی پہ حکمرانی کا دعوےٰ کرنے والا کوئی نہ رہا۔ کلیان پال کی عمر بوقت پرلوک سدھارنے ۲۳ برس کی تھی جوکہ لا اولاد گزرا۔ اِس خاندان نے راجہ بھوگ پال سے کلیان پال تک ۴۵ پُشت راج کیا۔ اِس خاندان سے ہی بھدّو، شیرتہ اور بھدرواہ میں علیحدہ علیحدہ راج قائم ہوئے۔

ریاست بسوہلی کا مُلکی نظام

راجگان بلاوریہ کے عہد میں بسوہلی کی ریاست ۱۳ تھڑوں پر مشتمل تھی۔ تھڑہ بمنزلہ موجودہ رواج کے حلقہ پٹوار کے مطابق ہوتا تھا۔ کسی حلقہ میں سات، کسی میں چار علیٰ ہذالقیاس دیہات ہوتے تھے۔ اِن تیرہ تھڑوں کا نقشہ صفحہ ۱۶۱ پر دیا گیا ہے۔ جس سے اُس وقت کی ریاست بسوہلی کی تمام حدُود کا بخوبی پتہ چل سکتا ہے۔ ہر ایک گاؤں کا ایک مقدم ہوا کرتا تھا جسے آج نمبردار بولتے ہیں۔ اِس مقدم کو نقد تنخواہ یا بنجوترہ نہیں ملتا تھا بلکہ کسی قدر اراضی مُعاف ہوتی تھی۔ اور وجے دشمی کے تیوہار پر ہر سال حکمران ریاست سے سرد پا عطاء کیا جاتا تھا۔ ہر ایک گاؤں میں گرایکہ یا بٹوال ہوتا تھا جسے آج چوکیدار کہا جاتا ہے۔ اُسے بھی تنخواہ کی بجائے زمین معاف کی جاتی تھی۔ اور ہر ایک تھڑہ یا حلقہ کا ایک مہتہ ہوتا تھا جسے معمولی تنازعات وغیرہ کے فیصلہ کرنے کے اختیارات حاصل تھے۔ اور جو بھی وُہ فیصلہ کرتا تھا، اُس کی رپورٹ بذریعہ وزیر راجہ کے پاس کرنا پڑتی تھی۔ چند ایک تھڑوں یا حلقوں پر ایک وزیر ہوتا تھا جوکہ اپنے تحت حلقوں کے ہر قسم کے مقدمات کا فیصلہ اور لوگوں کے امن و آسائش کے انتظامات کرتا تھا۔ اُن دنوں قانونی بندوبست اراضی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ متعلقہ اہلکار اپنے قدموں سے زمین ماپ کر غلہ بٹائی یا لگان مقرر کیا کرتے تھے۔ کیونکہ نقدی مالیہ کا رواج نہ تھا۔ راجہ کے پاس باقاعدہ فوج نہ ہوتی تھی بلکہ تمام لوگ وقت پڑنے پر فوج کا کام دیتے تھے جو معہ سامان حرب ڈھال تلوار لے کر میدان جنگ میں اپنے دیش کی رکشا کے لئے کُود پڑتے تھے۔ بہادروں کو جاگیریں اور انعامات کے علاوہ رسد اخراجات

نقشہ قدیم کٹھڑہ والا | ۱۴۱ | ریاست

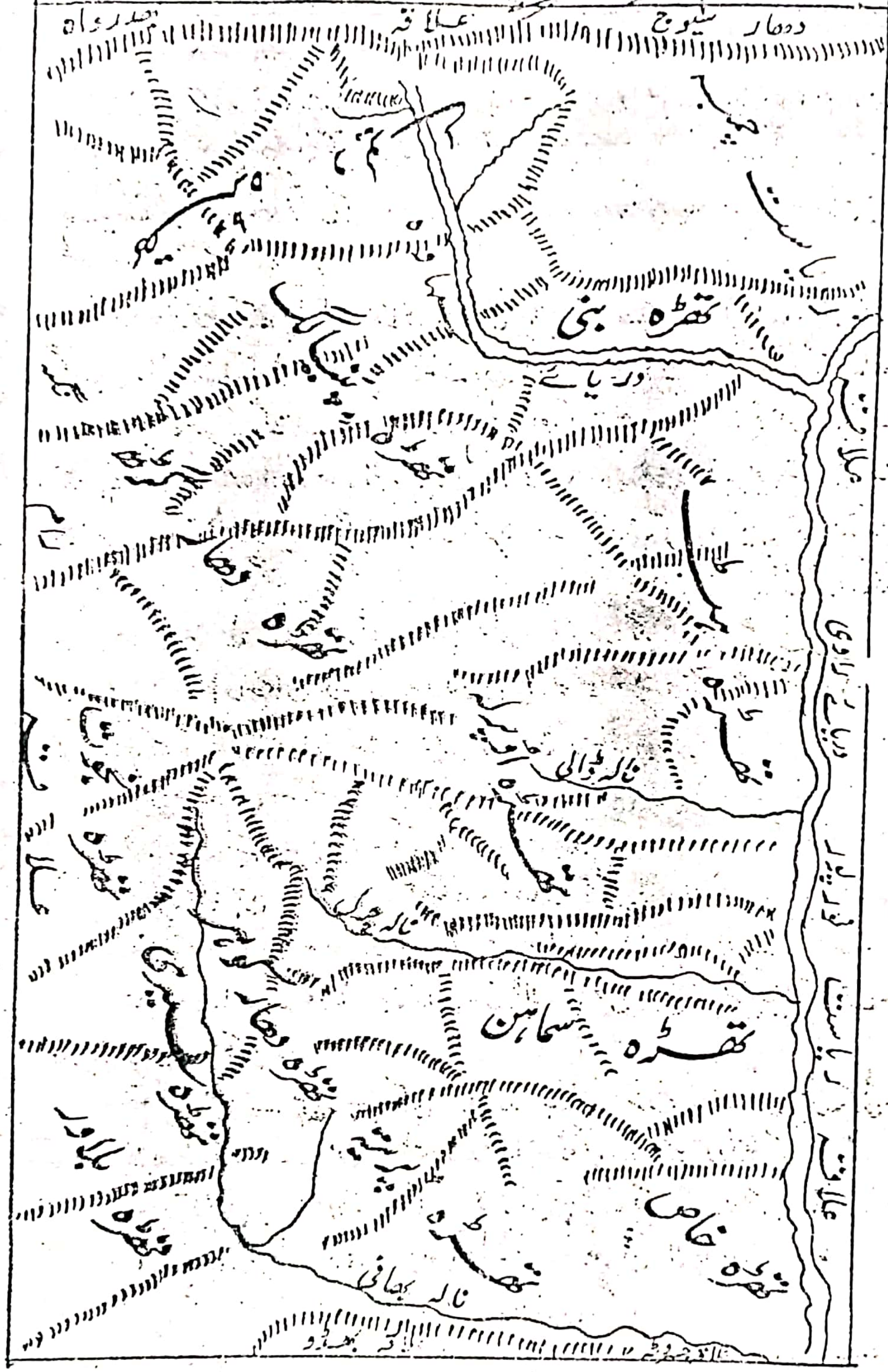

منقرر تھے ۔

بسوہلی کے علاقہ جات کی عام پیداوار شروع شروع میں جب یہ ریاست ڈیڑھ ہزار برس پہلے قائم ہوئی، صرف مکی اور کوہدرا تھے۔ پھر جوں جوں ترقی ہونے لگی اور راجگان بلاوریہ نے ریاست کے لوگوں کی حالت بہتر بنانے اور اناج کی پیداوار کے فروغ میں دلچسپی لی تو ہر قسم کا اناج پیدا ہونے لگا۔ علاقہ پریتہ کی گندم۔ بنی پنیالگ کی مکی، علاقہ ہٹ و دھار کوہر کے چاول۔ علاقہ بلاور کی کپاس مشہور ہے۔ بسوہلی کا پہاڑی علاقہ گچھیاں۔ اخروٹ۔ کوڑ، دھوپ، بنفشہ اور سونٹ کے علاوہ عمارتی لکڑی کے لئے بہت زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ بسوہلی سے بھدو اور شمرتہ علیحدہ ہوئے تو بسوہلی ریاست کے ۹۲ دیہات تھے۔ اور جب بسوہلی کے علاقے ریاست جموں و کشمیر میں شامل ہو گئے اور بسوہلی کو تحصیل کا درجہ دیا گیا، بھدو، شمرتہ اور رام کوٹ کی ریاستیں بھی موجودہ ریاست میں مدغم ہو گئیں۔ تو تحصیل بسوہلی ۱۴۴ دیہات پر مشتمل قرار دی گئی جس کی حدود تحصیلات کٹھوعہ، رام نگر، سانبہ، کٹھوعہ اور ہیرانگر سے ملتی ہیں۔

تیرہ تھڑے راجگان بلاوریہ کے وقت بسوہلی کے ۱۳ تھڑے تھے جن کے دیہات کی تفصیل حلقہ وار ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

تھڑہ خاص — بسوہلی۔ پلاہی۔ رہن، منڈلہ۔ کوٹھی۔

تھڑہ پریتہ — پریتہ۔ پلاکھ۔ پلاسی۔ بروٹ۔

تھڑہ سماہن — سماہن۔ جھنکھر۔ دھار۔ کھگروڑ۔ سماندر۔

تھڑہ ہٹ — ہٹ۔ درتن۔ کھڈی۔ سبارہ۔ کروڑہ۔ چلہ۔ دھرود۔ ڈھنہ۔

تھڑہ بالا — بھونڈ۔ جندرالی۔ ڈوڈلا۔ بانجل۔ سیالگ۔ کچھیڑ۔ گھوٹل۔ نگالی۔ جانون۔ بھکڑ۔

تھڑہ بنی — بنی۔ سیتی۔ گتی۔ فتح پور۔ بھنڈار۔ سندھی۔ سندرون۔ چلوگ۔ کوٹی۔

تھڑہ پنیالگ — سرجن۔ باڑی۔ کانتھل۔ ڈوگن۔ رولکا۔ دولکا۔ کہدر۔

تھڑہ ڈیولی — اسوہ۔ لوانگ۔ کلوڑ۔ بہوتہ۔ بھکوگا۔ دلانگل۔ ملاڑ۔

تھڑہ دھار گرڑھ — ملہار۔ سرمقون ڈونگ۔ دھمان۔ لاہڑی۔

تھڑہ نجوٹ — نجوٹ۔ بلونہ۔ جھیڑی۔ باتھری۔ بگن۔

کھنڑہ بلاوڑ ـــ بلاوڑ - مالتی - دھیولی - ٹلہ -
کھنڑہ لوہ ـــ دھونہ - دھار ڈوگنوں -
کھنڑہ سیری ـــ مونی - سیری - پھلل -

مندرجہ بالا دیہات میں سے اب کئی ختم ہو چکے ہیں۔ اور بلیبیوں نئے ناموں سے اُبھرے ہیں۔ اِن دیہات کے ایک ایک گاؤں کے کئی کئی موہڑہ جات بھی ہوتے تھے۔ جن کے نام بباعث طوالت یہاں درج نہیں کیے جا سکے۔

راجگان بسوہلی کے محلات کی تعمیر متواتر دس پُشت چلتی رہی۔ راجہ بھوپت پال سے لے کر راجہ مہندر پال تک یہ محلات مکمل ہوئے۔ جن کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں۔ افسوس کہ محکمہ آثار قدیمہ نے مشرق کی ایسی لاثانی تعمیرات کو محفوظ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

راجگان بلاوڑیہ کے وقت قصبہ بسوہلی کی آبادی بارہ ہزار سے بھی اُوپر تھی۔ جہاں کہ صرف پانچ سو دوکانیں شالباقوں کی تھیں جو پشمینہ کی چادروں اور کشیدہ کاری اور زردوزی کا بہترین کام کرتے تھے۔ اسی طرح یہاں مٹی کے ہر قسم کے برتن اور پیتل کے ظروف ایسے خوشنما بنتے تھے جو اپنی صفائی اور دلکشی کے لحاظ سے کاریگری کا ایک مثالی درجہ رکھتے تھے۔ لیکن آج اِن چیزوں کی صرف کہاوتیں رہ گئی ہیں۔ اور جب تک دُنیا رہے گی، یہ کہاوتیں چلتی رہیں گی۔

بسوہلی چیتر کلا

چیتر کلا یا مصوری کے فن نے بھی بسوہلی کو دُنیا بھر میں بلند درجہ دے رکھا تھا۔ اور اِس تعلق میں بسوہلی کا نام ایک خاص مقام حاصل کر چکا ہے۔ دُنیا بھر کے مشہور عجائب گھروں اور آرٹ گیلریوں میں بسوہلی کی بنی ہوئی تصویروں کو اہم جگہ دی گئی ہے۔ چاہے وہ لنڈن کا وکٹوریہ البرٹ میوزیم ہے یا فرانس کا لُوور یا امریکہ کا بوسٹن آرٹس میوزیم۔

بسوہلی کلا سکول کی ابتداء کب ہوئی اور کس طرح ہوئی ـــ ماہرین آرٹ اور ریسرچ سکالر اپنی اپنی رائے رکھتے ہیں۔ بعضوں کا خیال ہے کہ راجہ کرپال پال کے عہد میں بسوہلی میں چیتر کلا عروج پر تھی۔ اور یہ زمانہ ۱۶۷۸ء سے ۱۶۹۳ء تک کا ہے۔ لیکن راجہ سنگرام پال کے بسوہلی راج کی جب کیفیت سامنے آتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ راجہ سنگرام پال

جب شاہجہان کے دربار میں بلایا گیا۔ تو اُس نے بادشاہ کے حضور میں تحفے تحائف نذر کیے۔ جن میں اپنے باپ راجہ بھوپت پال کی دو ایک رنگ برنگی شوخ تصویریں بھی تھیں۔ پھر سنگرام پال جب تین سال کے بعد دلی سے واپس بسوہلی آیا تو اُس نے اپنے ساتھ مغل دربار کے ایک چترکار کو بسوہلی میں لا کر مستقل طور پر آباد کیا، اور چترکلا اُس کے باپ راجہ بھوپت پال کے وقت بسوہلی میں بے قاعدگی سے موجود تھی اُسے ترقی دینے کے لئے اُس نے انتہائی دلچسپی لی۔ راجہ سنگرام پال کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی راجہ ہندال پال حکمران ہوا۔ وہ چار پانچ سال راج کر سکا۔ اُس کے بعد راجہ کرپال پال جب مسند نشین بسوہلی ہوا تو اُس نے بسوہلی چترکلا کی سرپرستی میں کمال کر دکھایا۔ یہ راجہ دلی دربار میں اکثر جایا کرتا تھا اور وہاں سے مغل کلا کی نزاکت اور جدت کو لا کر اُس نے بسوہلی چترکلا کو دلکش طور پر نکھارا جس سے یہ کلا ایک نئے رنگ اور انداز میں چمک اُٹھی۔

بسوہلی چترکلا کے متعلق شری ملک راج آنند نے ایم۔ ایس۔ رندھاوا کی کتاب "بسوہلی پینٹنگ" میں لکھا ہے "یہ ہو سکتا ہے کہ جب سے بسوہلی کے راجاؤں نے مغل دربار میں جانا شروع کیا اور وہاں اُن کی واقفیت مغل چترکاروں سے ہوئی ہوگی، اُس سے بہت پہلے ہی اُن راجاؤں نے اپنے دربار میں اپنے علاقہ کے پہاڑی چترکاروں کو بھی رکھا ہوگا۔ بسوہلی چترکلا کی طرف سرسری طور پر دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ اُس کی بنیادیں لوک کلا پر قائم ہیں جب کہ ابھی وہاں مغل اثرات کا سایہ تک نہ پڑا تھا۔"

شری آنند کا خیال ہے کہ بسوہلی چتر ولی میں جو تُندی بہت نمایاں طور پر جھلکتی ہے، وہ لوک کلا کی ہی نشانی ہے۔ ایک اور خیال یہ بھی ہے کہ بسوہلی منی راجستھان مصوری کے اثر سے وجود میں آئی۔

ڈوگرہ دیس (جموں) کے نامور جرنلسٹ شری سورج صراف نے ایک مضمون میں "بسوہلی چترکلا" پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بسوہلی چترکلا کے شوخ اور جذباتی رنگ، تند اور وحشیانہ جذبات سے لبریز آنکھیں اور جسم میں ایک عجیب تناؤ دل کو اپنی طرف مائل کئے بغیر نہیں رہتے۔ ان تصاویر میں کوئی اُلجھے اور پیچ دار جذبات نہیں

ہیں بلکہ وُہ نہایت سادہ ہیں۔ اور بالواسطہ طور پر تصویر کا تھیم (THEME) ظاہر کرتی ہیں۔ وُہ ماڈرن پینٹنگ کی طرح نہیں ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے خود آرٹسٹ کو ہی بُلانا پڑے۔"

شری صراف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "راجہ کرپال پال کے بعد راجہ دھیرج پال اور میدنی پال کے عہد میں بسوہلی کلا اپنے عروج پر رہی اور راجہ جیت پال (۱۷۳۶ء سے ۱۷۵۷ء تک) کے زمانہ میں بھی۔ لیکن ۱۷۵۰ء کے لگ بھگ بسوہلی چتروں میں ایک نمایاں تبدیلی ہونے لگی۔ شوخ اور جذباتی رنگوں کے مقابلتاً ہلکے رنگ استعمال ہونے لگے۔ تند اور وحشیانہ آنکھوں میں مستانہ پن آنے لگا۔ جسم میں تناؤ کی جگہ ملائمت آنے لگی غرضیکہ کلاکار زیادہ "مہذب" ہونے لگا اور اُس نے اپنے چتروں میں تاثرات پیدا کرنے کی بجائے اُن میں جسمانی خوبصورتی کی تلاش شروع کر دی۔ اپنی چترکلا کی اندرونی طاقت کو تلانجلی دے کر آرٹسٹ ظاہری حُسن کو ترجیح دینے لگا اور چتروں کے اصلی اثر کو چھوڑ کر وُہ اُن کی باہری سجاوٹ سے دیکھنے والوں کی نظروں سے تحسین حاصل کرنے لگا۔ اِس سے اُس کے چتر زیادہ نازک اور زیادہ مہذب تو ضرور بن گئے لیکن ساتھ ہی اُس کا زوال بھی شروع ہو گیا۔ اور شروع کے چند سالوں کو چھوڑ کر بعد کے اُس زمانہ میں بسوہلی چترکاروں کا کوئی بڑا کارنامہ نہیں ملتا۔ بعد میں سکھوں کے پہاڑی علاقوں میں پے در پے حملوں کی وجہ سے اِس زوال کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔

اِس سارے عرصہ کا ایک عظیم واقعہ یہ بھی ہے کہ راجہ مہندر پال (۱۸۰۶ء سے ۱۸۱۳ء تک) نے بسوہلی کے عظیم الشان محلات میں، جنہیں راجہ بھوپت پال (۱۵۹۸ء سے ۱۶۳۵ء تک) تعمیر کرایا تھا، اِک شیش محل اور ایک رنگ محل کا اضافہ کیا۔ رنگ محل کی دیواروں پر اُس نے نہایت عمدہ چترکاری کروائی۔ وُہ دیواروں پر بنے چتر اگر آج موجود ہوتے تو دُنیا بھر سے لوگ اُن کو دیکھنے آتے۔ لیکن رفتارِ زمانہ نے تو اُس عظیم الشان محل کا بھی نشان تقریباً مٹا دیا ہے۔ جسے دیکھ کر ۱۸۳۵ء میں ایک مغربی سیاح نے کہا تھا "مَیں نے سارے مشرق میں اِس قسم کی بہترین عمارت نہیں دیکھی ہے۔"

بسوہلی کے چتروں میں زیادہ تر رُوحانی اور جسمانی محبت یعنی (کا) رادھا اور کرشن کے

پریم کی صورت میں ایسا نہایت دلآویز ملاپ دکھایا ہے۔ رادھا اور کرشن کے پریم ہی میں انھوں نے اُس عظیم عشقیہ ادب کو بھی جذباتی رنگوں اور لائنوں میں سمو دیا ہے جو کہ ہندوستان میں بارھویں سے سولھویں صدی تک لکھا گیا۔ اور جس کی ابتداء جے دیو کے گیت گوبند سے ہوئی۔ بسوہلی کلا میں رادھا اور کرشن کی صورتوں میں بھی اُس زمانہ کی دیہاتی زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ بسوہلی کلا اُس زمانہ کی دھارمک رسا ماجک اور روزمرہ کی زندگی کی پوری طرح آئینہ دار ہے۔

بلاوریہ خاندان اور اُس کی شاخیں

آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے ایک شخص راجہ بھوگ پال کے نام سے الموڑہ سے چل کر بلاور میں آیا اور اُس نے اپنی حکومت قائم کر کے بلاور میں راج کرنا شروع کیا۔ بعد میں اُسی خاندان کے ایک مورث اعلیٰ نے بلاور سے اپنی راجدھانی بسوہلی میں منتقل کی۔ اور راجگان بلاوریہ کی ریاست بسوہلی مشہور ہوئی۔ اِس بلاوریہ خاندان کے ہی راجگان نے بھدو اور بھدرواہ کی ریاستیں اور سُمرتہ کی جاگیریں قائم کیں۔ اور اُن میں سے ہی بلاوریہ۔ بھڈوال۔ رشومیر ٹیے۔ بھدرواہیئے۔ رنیال۔ ماہر تیال۔ کھنگھو ٹیہ۔ جندروٹیہ۔ بڈیٹیہ۔ گھوٹیتیہ۔ اوتو۔ باسو۔ پرہال۔ کلانیہ۔ بٹاریہ۔ سندریال اور جھکلوڑیہ وغیرہ کتنے ہی خاندان ہوئے۔ اور آج ہزاروں کی تعداد میں کٹھوعہ اودھم پور۔ ڈوڈہ اور کانگڑہ کے اضلاع میں جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ ڈوگرہ دیس کی تاریخ بنانے اور اپنی جاتی کا نام روشن کرنے میں اِن خاندانوں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔

بلاوریہ شاہی خاندان کا خاتمہ

ٹِکا کلیان پال کی وفات سے ہی راجگان بلاوریہ کا خاتمہ ہو گیا۔ کلیان پال کی دو رانیاں باہو والی اور بھنکوٹی کے علاوہ اُس کی سوتیلی والدہ رانی کاہنہ جک والی زندہ تھیں جنھیں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے سات صد روپیہ ماہوار گذارہ لگا دیا۔ کلیان پال کی سوتیلی والدہ بھی اُس کے مرنے کے چند ماہ بعد سورگباش ہو گئی۔ جب کلیان پال کو سورگباش ہوئے چار سال ہو گئے اور آخری رسوم چاربرسی کی اُس کی بیوہ رانیوں نے کی تو اُنھوں نے مہاراجہ رنبیر سنگھ سے

تیرتھ یاترا پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ مہاراجہ صاحب نے ہر دو رانیوں کی تیرتھ یاترا کے انتظامات کر دیئے۔ اور ایک سو کے قریب ملازمین کے ساتھ رانیاں ہردوار، متھرا، برندابن اور کاشی کی یاترا کر کے دو سال کے بعد واپس بسوہلی میں آ گئیں۔ اس کے بعد رانی باہو والی کا انتقال ہو گیا تو رانی منکوٹی کو گذارہ مہاراجہ جموں و کشمیر کی طرف سے تین صد روپیہ ملتا رہا۔ رانی باہو والی کی وفات کے بعد رانی منکوٹی بہت اداس رہنے لگی۔ اور اپنے خاندان کا اپنی آنکھوں کے سامنے خاتمہ دیکھ کر دنیا سے دل برداشتہ ہو گئی۔ تو اُس نے مہاراجہ صاحب سے درخواست کی کہ اُسے ہردوار پر جا کر بقیہ زندگی گزارنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ مہاراجہ صاحب نے پونچھ اور کشمیر حویلیوں کے سامنے ہردوار میں رانی منکوٹی کے لئے حویلی بنوا دی۔ اور وہ ہردوار میں جا کر رہنے لگی۔ جہاں کہ اُس نے ۱۸۸۶ء کے اپریل میں اپنے پران تیاگ دیئے۔ اور خاندان راجگان بلاوریہ کی اس ٹمٹماتی جوت کے بجھنے سے اس قدیم خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ ہردوار میں وہ حویلی آج بھی بسوہلی ہاؤس کے نام سے موجود ہے اور محکمہ دھرم ارتھ جموں و کشمیر کی ملکیت میں ہے۔

ریاست بھدرواہ

راجہ بھوگ پال بانیٔ خاندان بلاوریہ کی چوتھی پشت میں راجہ بھوج پال وارث ریاست بلاور ہوا۔ جس کے دو بیٹے تھے۔ بڑا ستیادھک جسے بلاور راج کا تلک ملا۔ اور دوسرا رادھک جسے بھدرواہ کا علاقہ ملا۔ اور اُس نے بھدرواہ کو وسعت دے کر خود مختار ریاست کا درجہ دیا۔ اسی راجہ نے بلاور سے آ کر یہاں بھگوتی بھدرکالی کا مندر بنوایا۔ راجہ رادھک کے ہاں جب فرزند پیدا ہوا تو اُس نے بھدرکالی بھگوتی کے نام پر اس کا نام بھدرپال اور اپنی راجدھانی کا نام بھدر رکھا۔ جو کہ بعد میں بھدرواہ مشہور ہو گیا۔ بھدرواہ کا قصبہ دریائے نیرو کے اوپر واقع ہے۔ نیرو کملاش پہاڑ کی ایک جھیل ہوسومر یا شنگھ کنڈ سے نکلتا ہے۔

برسات کے موسم میں پورنماشی کو یہاں ہر سال میلہ لگتا ہے۔ اس پہاڑ پر کئی جھیلیں ہیں۔ علاوہ باشک کنڈ کے یہاں ناگ کنڈ بھی ہے جہاں پہنچنے کے لئے راستہ سخت دشوار گذار ہے۔ موسم گرما میں بھیڑ بکریاں چرانے والوں کو ناگ کنڈ میں سانپ نظر آتے ہیں جو کہ زہریلے نہیں ہوتے۔

کوہ کملاش سے مشرق کی طرف سے دریائے سیاوہ، جنوب کی طرف سے دریائے اوجھ، مغرب کی طرف سے دریائے توی اور شمال کی طرف سے دریائے نیرو نکلتے ہیں۔ دریائے سیاوہ علاقہ بنی پنیا لگ (تحصیل بسوہلی سے گزرتا ہوا دریائے راوی میں متصل ہٹ گرتا ہے۔ اس جگہ کا نام سنگم مشہور ہے اور یہاں بسوہلی اور چمبہ کی حدود بھی ملتی ہیں۔ دریائے اوجھ بلاور تحصیل بسوہلی اور رام نگر کے علاقہ ڈوڈو بسنت گڑھ سے گزر کر جسروٹہ اور بھڈو کی نچلی وادیوں کو سیراب کرتا ہوا گورداسپور کے نزدیک دریائے راوی سے جا ملتا ہے۔ دریائے توی رام نگر اور چینینی کے علاقوں سے ہوتا ہوا جموں شہر کے نیچے بہتا ہے اور موضع مکوال تحصیل جموں کے نزدیک دریائے چناب میں جا گرتا ہے۔ دریائے توی تحصیل جموں کے میدانی علاقہ کو سیراب کرتا ہے اور دریائے نیرو قصبہ بھدرواہ کے نیچے سے گزرتا ہوا ڈوڈہ کے متصل دریائے چناب میں ملتا ہے۔

بھدرواہ کا علاقہ موسمی لحاظ سے بے حد سرد ہے۔ موسم سرما میں تو چند ماہ اکثر راستے بند رہتے ہیں۔ یہاں ہر قسم کے میوے سیب، ناشپاتی اور خوبانی وغیرہ بافراط پیدا ہوتے ہیں۔

باسک کنڈ

باسک کنڈ کا ذکر قدیم شاستر کی کتب میں آیا ہے۔ اور راجہ واشکی ناگ کی کہانی یوں بیان کی گئی ہے کہ جب گرڑ قوم کا سربراہ گرڑ بھگوان (جسے جانور سے تشبیہہ دی جاتی ہے) ناگ قوم کے راجہ واشکی پر حملہ آور ہوا۔ تو واشکی ناگ بھاگتا ہوا بھدرواہ کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو گیا۔ لیکن گرڑ بھگوان نے اس کا تعاقب جاری رکھا اور جہاں جہاں واشکی ناگ گیا وہاں ہی اس کا پیچھا کیا۔ آخر ایک دشوار گذار پہاڑ پر واشکی ناگ آ کر بیٹھ گیا۔ وہاں وہ رونے لگا اور گریہ و زاری کرتا ایشور کو یاد کر رہا تھا کہ گرڑ نے

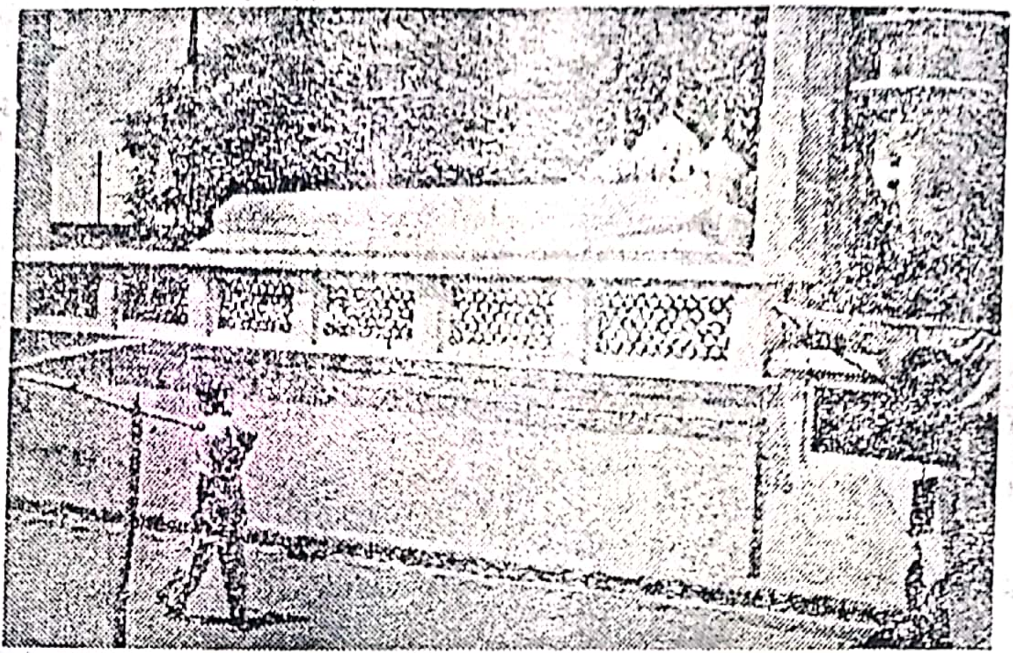

مزار پیر روشن شاہ ولی گمٹ گیٹ جموں

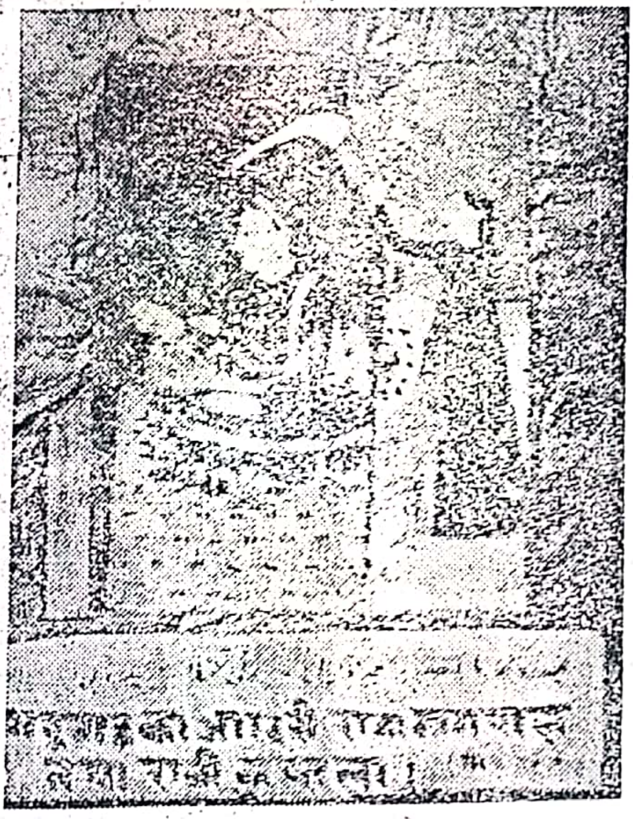

بھدرواہ کا راجہ ناگ پال اور رانی کنڈلا

کشتواڑ کا آخری راجہ
محمد تیغ سنگھ

مہتہ بستی رام

Scanned with CamScanner

اُسے وہاں آکر دبوچنا چاہا تو واسکی ناگ جھیل میں کود پڑا۔ گرڑ بھگوان نے جھیل کا ایک کنارا توڑ دیا اور جھیل کا پانی خشک ہونے لگا۔ تب واسکی ناگ نے سرسوتی دیوی کی آرادھنا کی جس کا کنڈ باشک کنڈ سے اوپر ہے۔ سرسوتی نے اپنے کنڈ کو ایک طرف سے توڑ دیا جس کے پانی سے باشک کنڈ بھر گیا۔ اور گرڑ بھگوان کو ناکام واپس ہونا پڑا۔ اُس دن سے اِس کنڈ کا نام جہاں کہ واسکی ناگ نے کود کر گرڑ بھگوان سے اپنی جان بچائی تھی، باشک کنڈ مشہور ہوا۔ اِس قسم کی کئی ایک کہانیاں میں اِس باشک کنڈ کے متعلق مشہور ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بھدرواہ میں قدیم ایام میں ناگ راجپوت قبیلہ کی حکومت تھی۔ اور گرڑ قوم کے سردار نے اِس قبیلہ کو ختم کرنے کے لئے حملہ کیا تھا۔

سونے کی باؤلی

بھدرواہ سے دس میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہمیشہ برف سے لدا رہتا ہے۔ یہاں ایک "سن بان" یعنی سونے کی باؤلی ہے۔ ماہ ہاڑ کی پورنماشی کو ہر سال یہاں میلہ لگتا ہے اور یہ مقام ایک تیرتھ کے طور مانا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہاڑ کی پورنماشی کو تیسرے پہر یہاں ایک پانی کی لہر نکلتی ہے۔ سوائے اُس دن کے پھر پانی کبھی نہیں آتا۔ اِس پانی میں لوگ اشنان کرتے ہیں اور پتری شرادھ وغیرہ لکھواتے ہیں۔ یہ کہاوت علاقہ بھر میں زبان زد ہے کہ یہاں پہاڑی کے نیچے ایک باؤلی تھی جو سونے کی اینٹوں سے تیار کی گئی تھی۔ اِس باؤلی کے پاس ایک زمینداروں کا گھر تھا۔ ایک دن زمیندار کی بیوی جو کہ نئی نئی بیاہی آئی تھی، باؤلی پر پانی لینے گئی۔ تو لالچ میں سونے کی اینٹ اکھاڑنے لگی۔ کہ اُسی دم پہاڑ گر پڑا اور وہ عورت معہ باؤلی کے وہاں ہی دب گئی۔

راجہ بھدر پال

راجہ رادھک کے بعد جب کہ دہلی ساتویں اننگ پال کی حکمرانی میں تھی۔ راجہ بھدر پال بھدرواہ کی ریاست کا راجہ بنا۔ یہ زمانہ ۳۴۲ء کے قریب قریب بیان کیا جاتا ہے۔ اُس کے ہاں راجہ پرتھوی پال پیدا ہوا جو کہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد وارث ریاست بھدرواہ ہوا۔ اِس پرتھوی پال کے دو بیٹے ہوئے بڑا اجے پال اور

چھوٹا برہم چند۔ برہم چند کی اولاد موضع چکہ تحصیل بھدرواہ میں آباد ہے۔ راجہ پرتھوی پال کے بعد راجہ اجے پال اُس کے بعد راجہ کیلاش پال۔ اُس کا راجہ کشن پال۔ اُس کا راجہ جہاں پال یکے بعد دیگرے بھدرواہ کے خودمختار راجے ہوئے۔ راجہ جہان پال مغل بادشاہ اکبر اور کبسوہلی کے راجہ دولت پال کے زمانہ میں ہوًا۔

راجہ ناگ پال

راجہ ناگ پال کی پیدائش کے متعلق ذیل کی داستان زبان زدِ عام ہے اور پُرانی کُتب تواریخ سے بھی اِس کی شہادت پائی جاتی ہے کہ راجہ جہاں پال بوڑھا ہو گیا لیکن اُس کی گود ہری نہ ہو سکی تو اُس نے ناگ دیوتا کی پرستش شروع کی۔ علاقہ بھدرواہ میں ناگ کی پرستش عام ہے۔ اور سانپ کی شکل میں اُس کی پُوجا کی جاتی ہے اور راجہ جہاں پال نے ناگ دیوتا کی منت مانی۔ ایک رات راجہ کو خواب میں ناگ دیوتا کے درشن ہوئے تو دیوتا نے راجہ سے کہا کہ تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جس کی پُشت پر سانپ کی دُم ہماری نشانی کے طور ہوگی۔ کہتے ہیں کہ ناگ دیوتا کی بات پُوری ہوئی اور راجہ کے ہاں ایک خوبصورت بچے نے جنم لیا۔ اُس کی پُشت پر واقعی سانپ کی دُم کا نشان تھا۔ راجہ نے اُس کا نام ناگ پال رکھا۔ راجہ جہاں پال اپنے بیٹے ناگ پال کی خوردسالی میں ہی پرلوک سدھار گیا۔ تو ناگ پال بھدرواہ ریاست کا وارث ہوًا۔ یہ عام مشہور ہو گیا کہ بھدرواہ کا راجہ سانپ کی دُم والا ہے۔ بادشاہ اکبر نے سُنا تو اُس نے راجہ ناگ پال کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ اور جب [illegible] راجہ ناگ پال شاہی دربار میں حاضر ہوًا تو کہتے ہیں کہ بادشاہ کو اُس کے سر پر سانپ[1] دکھائی دیا۔ چند ماہ

---

[1] بھدرواہ میں میلہ پٹ بادشاہ اکبر اور راجہ ناگ پال کی مُلاقات کی یادگار کے طور منایا جاتا ہے۔ یہ میلہ تین دن رہتا ہے۔ اور ہر سال ماہ بھادروں یعنی ماہ اگست ستمبر میں یہ میلہ لگتا ہے اور تمام علاقہ کے مرد و زن اِس میلہ میں شامل ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ اکبر کے بُلاوے پر جب بھدرواہ کا راجہ ناگ پال دِلی دربار میں حاضر ہوًا تو اُس نے دستور کے مطابق شہنشاہ اکبر کو آداب بجا لانے میں اپنا سر نہیں جُھکایا۔ اِس پر بادشاہ نے ناراض ہو کر اُسے سر جُھکانے پر مجبور کیا (باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۷۱)

راجہ ناگ پال بادشاہ کے حضور میں رہا۔ بادشاہ نے اُسے خلعت وغیرہ دے کر واپس کیا تو واپسی پر راجہ ناگ پال نے بھدرواہ میں ایک مندر بنوایا جو کہ باسک دہرہ یعنی باسدیو کے مندر سے مشہور ہوا۔ بھدرواہ میں یہ مندر باسک ناگ کا ہے۔ اس میں پتھر کی دو بڑی بڑی مورتیاں ہیں۔ ایک باسک ناگ کی دوسری راجہ ناگ پال کی جو دونوں انسانی شکل کی ہیں۔ راجہ ناگ پال ناگ دیوتا کا بہت زیادہ عقیدت مند گزرا ہے۔ اس کے وقت میں سارے علاقہ بھدرواہ میں باسدیو کی دوہائی پھرنے لگی جو آج تک برابر جاری ہے۔ راجہ ناگ پال کے دو بیٹے شمبر پال اور بھاگیرتھ ہوئے۔ بھاگیرتھ کی اولاد موضع کورساڑی ڈرنگہ تحصیل بھدرواہ میں آباد ہے۔

راجہ ناگ پال کے متعلق مشہور ہے کہ اُس نے ریاست بھدرواہ کو کافی وسعت دی اور اُس نے ایک سو سال راج کر کے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا شمبر پال اُس کے بعد راجہ بھگت پال پھر راجہ دُھرب پال بھدرواہ کے تخت نشین ہوئے۔

راجہ دُھرب پال

تاریخی کتب میں لکھا ہے کہ راجہ دُھرب پال دھرتری پال کے نام سے مشہور ہوا۔ بسوہلی کے راجہ بھوپت پال نے کشتواڑ پر حملہ کرنے سے پہلے اس راجہ کو اپنا باجگذار بنایا۔ اور اُس نے کشتواڑ کو اپنے زیرنگیں کر کے کشتواڑ کے چند ایک دیہات بھدرواہ میں شامل کر دیئے۔ راجہ دُھرب پال کے دو بیٹے ہوئے۔ بڑا ابھے پال دُوسرا چھجورائے۔ جس کی اولاد موضع سرول باغ تحصیل بھدرواہ میں آباد ہے۔ راجہ دھرب پال کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ ابھے پال وارث راج گدی بھدرواہ ہوا۔ اُس کے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۷۰) تو راجہ ناگ پال کی دستار سے چار سروں والا سانپ نکل کر بادشاہ کی طرف لپکا۔ تب بادشاہ نے خود ہی سر جھکا دیا۔ اور راجہ ناگ پال کو سونے کا چھتر اور خلعت دے کر اپنے ملک کو روانہ کیا۔ یہ میلہ اس واقعہ کی یاد میں پچھلے چار سو سال سے لگتا ہے اور سرکاری طور پر تین دن تعطیل تمام بھی علاقہ میں ہوتی ہے۔

بعد راجہ میدنی پال پھر راجہ سمنت پال اور اُس کا راجہ فتح پال یکے بعد دیگرے ریاست بھدرواہ کے راجے ہو گزرے ہیں۔ راجہ فتح پال کا ایک ہی بیٹا راجہ دیا پال ہوا۔

راجہ دیا پال

راجہ فتح پال کے بعد راجہ دیا پال بھدرواہ کی ریاست کا راجہ ہوا۔ لیکن یہ راجہ ریاست جموں کے مہاراجہ رنجیت دیو کا باجگذار ہو گیا۔ اِس راجہ کے اولاد نہ ہوئی اور لاولدی کی حالت میں اُس نے کوچ کیا۔ ریاست بھدرواہ اور ریاست چمبہ کی آپس میں دوستی اور رشتہ یگانگت پندرھویں صدی سے چلا آ رہا تھا۔ اور بھدرواہ کا راجہ چمبہ کے راجہ کا باجگذار تھا۔ لیکن راجہ دیا پال نے اٹھارھویں صدی میں بھدرواہ کا الحاق ریاست جموں سے کر لیا۔ راجہ دیا پال کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ اِس لئے اُس کی وفات کے بعد راجہ دیا پال کے چچازاد بھائی پہاڑ چند کو بھدرواہ کا راجہ تسلیم کیا گیا۔ راجہ پہاڑ چند کے راجہ بننے پر چمبہ کے راجہ نے اپنا دیرینہ حق خراج لینے کا راجہ بھدرواہ سے طلب کیا لیکن راجہ پہاڑ چند نے باجگذار بننا منظور نہ کیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ریاست جموں مہاراجہ رنجیت دیو کے بعد زوال پذیر ہو چکی تھی۔ رنجیت دیو کے وارثان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ بھدرواہ کو اپنے زیر نگیں رکھ سکتے۔ اِس لئے راجہ پہاڑ چند کے لئے جموں راج کو خراج دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ لیکن اُس نے راجہ چمبہ کی تابعداری بھی قبول نہ کی۔

۱۸۲۰ء میں راجہ چمبہ کے حکم سے اُس کے وزیر نتھو نے بھدرواہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن راجہ پہاڑ چند نے زبردست مدافعت کی اور حملہ آور فوج کو شکست دے کر مار بھگایا۔ وزیر نتھو نے شکست کھا کر واپس چمبہ جانا مناسب نہ سمجھا۔ اور اُس نے لاہور پہنچ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے امداد طلب کی اور سکھ فوج کے ساتھ دوبارہ بھدرواہ پر حملہ کر دیا۔ راجہ پہاڑ چند اس حملہ کی تاب نہ لا سکا اور امرتسر کی طرف بھاگ گیا۔

۱۸۲۱ء میں بھدرواہ پر راجہ چمبہ کا قبضہ ہو گیا۔ اور راجہ چمبہ کا بھائی زورآور سنگھ 1821

نقشہ ریاست بھدرواہ

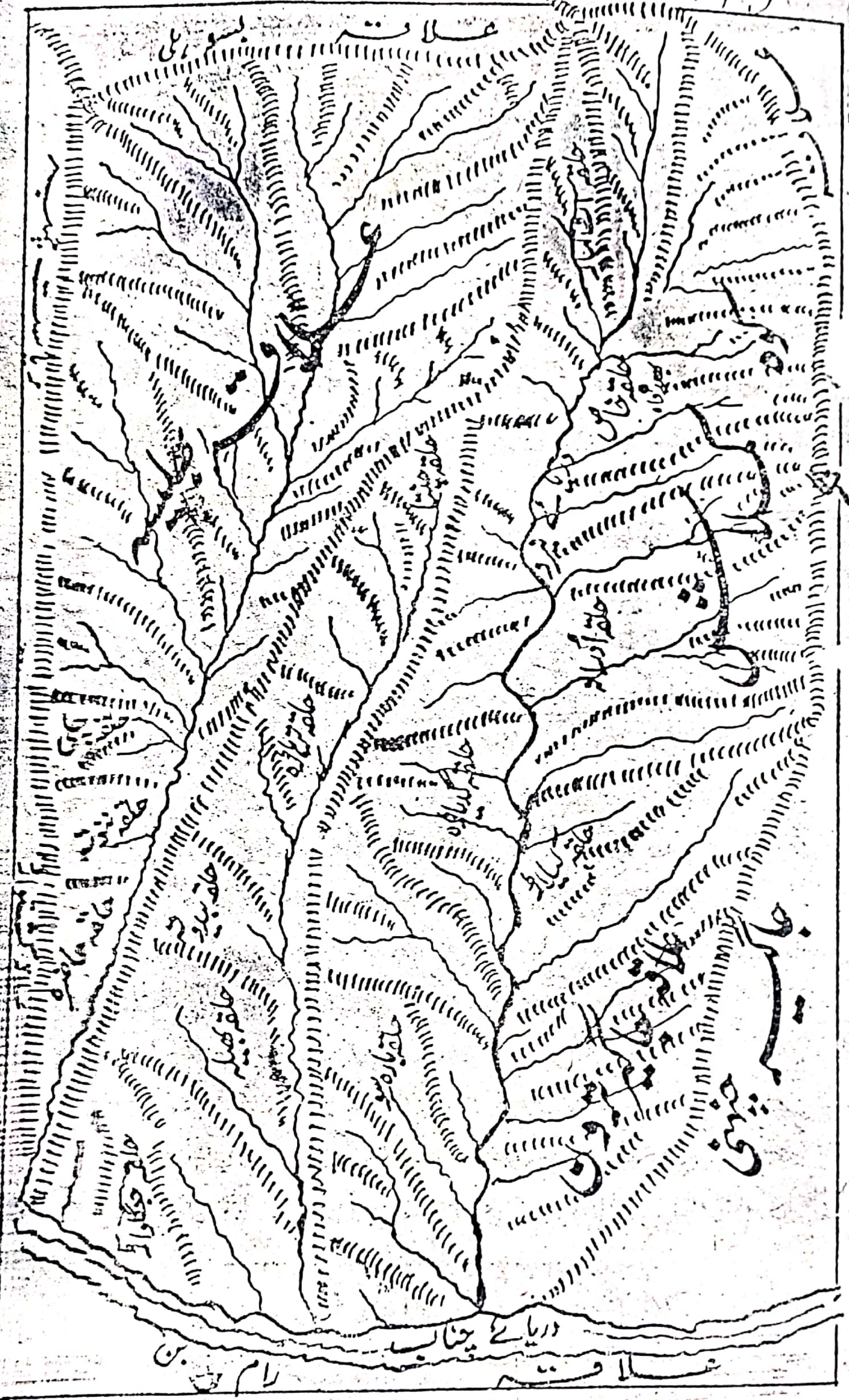

بھدرواہ کا گورنر بن کر حکومت کرنے لگا۔ پھر سنہ ۱۸۳۶ء میں جموں کے راجہ گلاب سنگھ کے جرنیل وزیر زورآور سنگھ نے بھدرواہ کو جموں کے ساتھ ملانے کے لئے حملہ کر دیا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا اور جب سنہ ۱۸۴۴ء میں راجہ چڑھت سنگھ والئی ریاست چمبہ کا انتقال ہوا تو ڈوگرہ فوج نے بھدرواہ پر حملہ کر کے جموں کے زیرنگیں کر لیا۔ اس کے بعد جب معاہدہ امرتسر کی رو سے سنہ ۱۸۴۶ء میں ریاست جموں و کشمیر کے خودمختار حکمران مہاراجہ گلاب سنگھ قرار پائے تو چمبہ اور بھدرواہ جموں کے ماتحت آ گئے۔ لیکن راجہ چمبہ نے بھدرواہ اور چمبہ کے لئے انگریزوں کے پاس دعوے کر دیا تو فیصلے کے مطابق چمبہ تو جموں و کشمیر ریاست سے آزاد ہو گیا لیکن بھدرواہ کا الحاق ریاست جموں سے بنا رہا۔ اور جب حد بندی ریاست کی تعیین ہوئی تو ریاست بھدرواہ ضلع اودھم پور کی ایک تحصیل بنائی گئی۔ آج کل بھدرواہ ضلع ڈوڈہ کی تحصیل چلی آ رہی ہے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے تحصیل بھدرواہ جاگیر کے طور اپنے تیسرے بیٹے راجہ امر سنگھ کو دے دی۔ راجہ امر سنگھ کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ والئی جموں و کشمیر کے عہد میں بھدرواہ کی جاگیر سورگباشی مہاراجہ ہری سنگھ فرزند راجہ امر سنگھ جو کہ اُن دنوں ریاست جموں و کشمیر کا ولی عہد تھا، کو اپنی پدری وراثت کے طور مل گئی۔ اور جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے جو کہ لاولد تھا، اس دنیا سے کوچ کیا تو ریاست جموں کشمیر کا راج تلک مہاراجہ ہری سنگھ کو ملا۔ اور سمت ۱۹۸۲ میں جاگیر بھدرواہ پھر دوسری بار ریاست جموں و کشمیر میں مدغم ہو گئی۔ بھدرواہ کے راجپوت راجگان کی اولاد تحصیل بھدرواہ کے اکثر مقامات پر آباد ہے۔ جن میں اُدرانہ، گورساڑی، رچیکہ، ڈرنگہ، سردل باغ، ڈھونڈہ اور چھتردہ وغیرہ کے دیہات مشہور ہیں۔

بھدرواہ کے پرانے راجگان کے عہد میں ریاست بھدرواہ پندرہ تھڑوں (حلقوں) پر مشتمل تھی۔ جن میں تھڑہ خاص، تھڑہ کیلاڑ، تھڑہ کھیلہ، تھڑہ جنگواڑ، تھڑہ باندہ بہ قابل ذکر ہیں۔ بعد میں علاقہ بھلیس بھی ریاست بھدرواہ میں شامل ہو گیا +

ریاست بھدو

حالات راجگان بلاور یہ سے واضح ہے کہ راجہ بھوگ پال بانی ریاست بلاور کی چودھویں پشت میں راجہ کلش پال والی ریاست ہوا جس کے دو بیٹے تونگ پال اور توکھ پال تھے۔ جب راجہ کلش پال انتقال کر گیا تو بڑے بیٹے تونگ پال کو بسوہلی کی راج گدی ملی۔ اور دوسرے بیٹے توکھ پال کو موضع ہٹیر جاگیر میں ملا۔ لیکن توکھ پال نے اپنے بڑے بھائی راجہ بسوہلی کے خلاف بغاوت کر دی اور بسوہلی کے نصف راج کا دعوے دار بن بیٹھا۔ اور اکثر دیہات پر قبضہ کر لیا۔

دونوں بھائیوں میں جنگ

راجہ تونگ پال بلاوریہ اپنے چھوٹے بھائی کی اس حرکت پر سخت غضبناک ہوا اٹھا اور موضع ہٹیر پر چڑھائی کر کے لوٹ مار کی اور سارا گاؤں جلا دیا۔ میدان جنگ میں دونوں بھائیوں کا زبردست مقابلہ ہوا۔ راجہ توکھ پال کی پشت پر سو مرے راجپوت تھے۔ مگر تونگ پال کی جمعیت زیادہ تھی۔ توکھ پال کو اس معرکہ میں شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر لاہور چلا گیا۔ اور اس نے پرن کیا کہ جب تک بلاور کو فتح نہ کر لوں تب تک دائیں ہاتھ سے کھانا نہیں کھاؤں گا اور نہ ہی داڑھی اور سر کے بال کٹواؤں گا۔

لاہور پر محمد غوری کے نائب السلطنت ایک مسلمان حاکم کی عملداری تھی۔ توکھ پال نے لاہور میں جا کر اس کے درباریوں سے میل ملاپ کر لیا۔ اور صوبے دار لاہور سے ایک فرمان بنام حاکم دینا نگر حاصل کر لیا جس نے توکھ پال کی امداد کے لئے بلاور پر چڑھائی کر دی۔ راجہ توکھ پال لاہوری فوج کو لے کر براستہ نالہ بھیانی راتوں رات بلاور آ پہنچا۔ اور بلاور کے قصبہ کو جلا دیا اور بلاور پر قبضہ کر لیا۔ جب راجہ توکھ پال بلاور کے چوگان میں بیٹھ کر حجامت بنوا رہا تھا، لاہوری فوج نے لوٹ مار شروع کر دی اور بلاور کے پراچین مندر ہری ہر مہادیو میں داخل ہو کر سونے چاندی کا جس قدر سامان تھا، لوٹ لیا۔ اور چند ایک مورتیوں کو بھی نقصان پہنچایا۔ راجہ توکھ پال خود شیو اپاسک تھا۔ وہ مندر کی بے حرمتی دیکھ کر سخت گھبرا گیا۔ اتنے میں بسوہلی سے راجہ تونگ پال بھی اپنی سپاہ کے ساتھ

آگیا۔ اور معرکۂ کارزار گرم ہو گیا۔ خوب تلوار چلی۔ آخر راجہ توکھ پال اور تونگ پال کی صلح صفائی کرانے کے لئے دیناں نگری حاکم درمیان میں آگیا۔ اور طے یہ پایا کہ بسوہلی ریاست کو تقسیم کر لیا جائے۔ دو حصوں پر بڑا بھائی راجہ تونگ پال قابض رہا اور تیسرا حصہ جو کہ ۳۶ گاؤں پر مشتمل تھا، راجہ توکھ پال کے قبضہ میں آگیا۔ کہتے ہیں کہ جب دیناں نگری حاکم لاہوری فوج کے ساتھ واپس جانے لگا تو رات کو اچانک ایسا حادثہ ہوا کہ اس فوج نے سمجھا کوئی غنیم ان پر چڑھ آیا۔ تو تمام فوج آپس میں ہی کٹ مری۔ اس ہنگامہ اور تقسیم مملکت کے بعد راجہ توکھ پال اپنے بڑے بھائی راجہ تونگ پال کے پاس جا کر بسوہلی میں خواستگار معافی ہوا اور دونوں بھائیوں نے آپس میں بغل گیر ہو کر ہمیشہ کے لئے صلح و آشتی سے رہنے کا پرن کر لیا۔

بھڈو کی وجہ تسمیہ راجہ توکھ پال نے اپنے ۳۶ دیہات پر قبضہ کر کے راجدھانی کے لئے موضع ہٹیر کے پاس ایک چھوٹی سی پہاڑی کو منتخب کیا۔ جہاں کہ اس نے ایک نگر کی بنیاد ڈالی اور اپنے محلات تعمیر کرائے۔ چھوٹی پہاڑی کی وجہ سے اس نگر کا نام پہاڑو رکھا گیا جو کہ بگڑتے بگڑتے بھڈو کے نام سے مشہور ہوا اور بھڈو میں رہنے سے راجہ توکھ پال کا خاندان بھڈوال کہلایا۔

بھڈو کی ریاست جن ۳۶ دیہات پر مشتمل تھی، ان کے نام سامنے دئے گئے نقشہ میں درج کئے گئے ہیں جو کہ سب کے سب اب تحصیل بسوہلی میں شامل ہیں۔

راجہ نردھن پال

راجہ توکھ پال کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بکرم پال وارث راج بھڈو ہوا۔ اس کے دولت پال اور نردھن پال دو بیٹے ہوئے۔ دولت پال نے بال برہمچاری ہونے کی وجہ سے اپنے چھوٹے بھائی نردھن پال کو اپنے ہاتھ سے راج تلک دیا اور خود موضع ہٹیر میں ایک کٹیا بنا کر تپ کرنے لگا۔ راجہ نردھن پال نے ہٹیر میں ایک مندر اور دھرم شالہ بھی بنوائی اور سدا برت جاری کیا۔ دولت پال اسی مقام پر بہت مدت تپسیا کرنے کے بعد پرلوک سدھار گیا۔ جسے بھڈوال راجپوت اپنا کل دیو

نقشہ
۱۶۶
علاقہ سمرقند

سے چلے آ رہے ہیں۔ راجہ نردمن پال کے بعد راجہ گوار پال ہوا جس نے موضع سبار اپنے دوسرے بیٹے سنبھوک پال کو جاگیر کے طور دیا۔ اور تیسرے بیٹے لون پال کو موضع کورگ کی جاگیر دی۔ راجہ گوار پال کے راجہ دھرم پال ہوا۔ جن کے دو بیٹے اوتم پال اور تھان پال ہوئے۔ راجہ اوتم پال وارث تخت بھڈو ہوا۔ اور تھان پال کی اولاد مواضعات جلہاٹ متصل بھڈو تحصیل بسوہلی اور موضع گاٹی متصل جسروٹہ تحصیل کٹھوعہ میں آباد چلی آ رہی ہے۔ اسی خاندان سے میاں ٹہل سنگھ بھڈوال ایک مشہور آدمی ہوا ہے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا خاص مصاحب تھا اور بعد میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے اُسے اپنی مصاحبت میں لے لیا تھا۔

راجہ دھرم پال کے بعد راجہ اوتم پال اُس کا دکھن پال اُس کا اندود پال اُس کا نگودر پال اُس کا کریدھم پال پھر اننت پال اور بعد میں راجہ جے ان پال ایک دوسرے کے بعد بھڈو راج کے تخت نشین ہوتے رہے۔

راجہ ابھمان پال

راجہ جے ان پال کے بعد بھڈو کا راجہ ابھمان پال ہوا۔ بسوہلی کے راجہ بھوپت پال نے اسی راجہ کے عہد میں بھڈو پر قبضہ کر لیا۔ اور بعد میں بسوہلی کا باجگذار بن گیا۔ راجہ ابھمان پال کے دو بیٹے راجہ مان سنگھ اور دوسرا مہان سنگھ ہوئے۔ راجہ مان سنگھ نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد بھڈو کا راج سنبھالا۔ اور دوسرے بیٹے مہان سنگھ کی اولاد مہان سنگھیہ مشہور رہے۔ جو مواضعات رام گڑھ۔ رامارٹہ۔ ڈوڈارہ تحصیل بسوہلی موضع سہار تحصیل کٹھوعہ میں آباد ہے۔ اور ماہرٹہ کے اسی خاندان میں اُس مہادیوی نے جنم لیا تھا جسے خاندانی رواج کے مطابق پیدا ہوتے ہی دفن کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں کسی پنڈت نے اس کے گرہ دیکھ کر اُسے گڑھے سے نکلوایا تھا۔ جب مہادیوی تیرہ سال کی ہوئی تو جموں کے شاہی خاندان سے وابستہ میاں کشور سنگھ جموال سے اُس کی شادی ہوئی جس کے بطن سے انیسویں صدی کے عظیم سیاست دان اور بلند مرتبت جرنیل بانی ریاست جموں و کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ نے جنم لیا تھا۔

راجہ ابھمان پال کا راجہ مان سنگھ ہوا۔ راجہ مان سنگھ کی وفات کے بعد بھڈو کا راج اُس کے فرزند راجہ چھتر سال کے سپرد ہوا۔

راجہ چھتر سال

راجہ چھتر سال کے دو بیٹے اُدے پال اور صوبا پال ہوئے۔ اُودے پال وارث بھڈو ہوا۔ اور صوبا پال کی اولاد موضع رسول واقع رام پور تحصیل بسوہلی میں آباد ہے اور چند ایک کُنبے موضع مہان پور تحصیل بسوہلی اور موضع بھلار تحصیل کٹھوعہ میں آباد ہیں۔ خاندان رسول والا میں مشہور ڈوگرہ جرنیل میاں ہوشیارا ہوا۔ جس کی بہادری کی دھاک آج تک گلگت کی کھوٹہ قوم میں ہے۔ جرنیل ہوشیارا کا فرزند میاں سوبھا سنگھ کوارٹر ماسٹر صوبیدار فوج ریاست جموں وکشمیر ہوا۔ جس کا منجھلا ٹھاکر اننت سنگھ ہے جو کہ جنگلات کا ٹھیکیدار ہے۔

راجہ اُودے پال کا راجہ پورن پال ہوا جس کے عہد میں بسوہلی کے راجہ اجیت پال نے بھڈو کو بسوہلی راج میں شامل کر لیا۔ پورن پال کا ہست پال اور اُس کا راجہ پرتھوی پال ہوا۔

راجہ پرتھوی پال

راجہ پرتھوی پال والئ ریاست بھڈو ریاست بسوہلی کے راجہ امرت پال کا ہم عصر ہے۔ راجہ امرت پال نے بھڈو کی ریاست واپس راجہ پرتھوی پال کو دے دی اور بھائیوں کی مانند آپس میں سلوک رکھا۔ مہاراجہ رنجیت دیو والئ جموں کا بھی یہ راجہ بڑا دوست تھا اور مہاراجہ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ راجہ پرتھوی پال نے خود مختار حکومت کی۔ اسی راجہ کے عہد میں پنڈت دیو دت المعروف کوی دتو ہوا جس نے مہا بھارت کے دروَن پرب کا برج بھاشا میں منظوم ترجمہ موسومہ ویر بلاس کیا۔ اور برج راج پنچاسکہ ہندی نظم لکھی۔ ڈوگرہ دیس کو ہندی اور ڈوگری کے اپنے اس عظیم شاعر پر ہمیشہ ہی ناز رہے گا۔ راجہ پرتھوی پال کے تین بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے راجہ جے سنگھ کو بھدرو کا راج ملا جس نے مہاراجہ رنجیت دیو کے بھائی میاں گھنسار دیو جموال جانڈی والا کی پوتی یعنی میاں کرتار دیو کی دختر سے شادی کی جس کے بطن سے تین بیٹے راجہ اجنار سنگھ۔ بیر سنگھ۔ گلاب سنگھ اور ایک بیٹی ہوئی۔ راجہ جے سنگھ نے اپنی لڑکی کی شادی راجہ لال دیو والئ جسروٹہ سے کی۔ جس

کے لطن سے راجہ بھوری سنگھ جسروٹیہ ہوا۔ راجہ پرتھوی پال نے اپنے نام پر نگروٹہ پرتھی پال مہان پور اور بھڈو کے درمیان جموں بسوہلی کی شاہ راہ میں آباد کیا اور نگروٹہ مارکور میں ٹھاکر دوارہ بھی بنوایا۔

راجہ ابتار سنگھ

راجہ جے سنگھ کی موت کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ ابتار سنگھ بھڈو کا مسند نشین ہوا۔ ریاست بھڈو کا یہ آخری راجہ تھا۔ ابتار سنگھ ایک بہادر اور شہ زور راجہ ہوا ہے۔ یہ ایسے وقت میں راجہ بھڈو ہوا جب کہ پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا طوطی بول رہا تھا اور کہ علاقہ پہاڑ اور کوہستان ڈوگرہ دیس کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جموں میں مدغم اور متحد کرنے کا بیڑا راجہ گلاب سنگھ نے اُٹھا رکھا تھا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھڈو کی ریاست جاگیر کے طور راجہ سوچیت سنگھ برادر مہاراجہ گلاب سنگھ کو لکھ دی تو راجہ ابتار سنگھ نے اپنی ریاست کا قبضہ دینے سے صاف انکار کر دیا اور پڑوسی ریاستوں کے راجوں اور سارے علاقہ کے سرکردہ لوگوں کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے معتبر جرنیل راجہ گلاب سنگھ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے چٹھیاں لکھیں۔ ان چٹھیوں کی عبارت سے جو ڈوگری بھاشا میں ہیں، صاف مترشح ہوتا ہے کہ راجہ ابتار سنگھ کے دل میں اپنی ریاست بھڈو کو خود مختار اور آزاد رکھنے کا کتنا جذبہ موجود تھا۔ اور وُہ جیتے جی نہیں چاہتا تھا کہ اُس سے اُس کی ریاست چھین لی جائے۔

جب راجہ گلاب سنگھ نے منکوٹ فتح کر کے سُمرتہ کی طرف اپنی فوجوں کو کوچ کا حکم دیا اور گلاب سنگھ کی فوجیں قلعہ سُمرتہ پر حملہ آور ہوئیں تو راجہ ابتار سنگھ نے بھڈوالوں، جسروٹیوں، بلاوریوں، سومبڑیوں اور منکوٹیوں کو پیغام دیا کہ اکٹھے ہو کر حملہ آور فوج کو مار بھگایا جائے تا کہ ہم سب کی آزادی برقرار رہ سکے۔ لیکن سُمرتہ کا جموں سے الحاق ہو گیا۔ اور اُس کے کئی سالوں بعد جب بھڈو، بسوہلی اور جسروٹہ وغیرہ کا الحاق ریاست جموں سے کیا جانے لگا تو مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوجوں سے مقابلہ کے لئے جو تیاریاں کی گئیں، ذیل کے ڈوگری ہندی خطوط سے اُس وقت کے حالات پر روشنی پڑ سکتی ہے کہ بھڈوالوں اور جسروٹیوں نے اپنی ریاستیں بحال رکھنے کے لئے کتنی جدوجہد کی۔ ایک ڈوگری خط میں

راجہ ابتار سنگھ نے ابنو بلی کے وزیر جنگی اور مہاں سنگھ کو جو راجہ کلیان پال کے معتبران تھے ، لکھا ہے :۔

(۱) " سری مہاں سری وزیر جنگی مہاں سنگھ دے بسدسیں سری ۱۰۸ راجہ ابتار سنگھ کھڈو والے ۔ لبعد سماچار۔ تساڈی مدد کوئی نہیں آئی پھر فوج دھرم سنگھ چڑھ آئی تساں بلور خط لکھنا کہ فوج بھیجنی ۔ فرق نہیں رکھنا۔ فوج بھجے تاں گل چنگی اسے راج آدمی کوہگا دا آیا ہے۔ پلٹن دا ڈیرہ بیتر کی گیا ۔ گلاندے جے کل سویرے بلور لٹنا تسیں کی بلگے کرنے ہاں ۔ جے ساڈی بیچھ کرنی ہووے تاں شتابی فوج پوچانی"۔

ایک اور خط میں راجہ ابتار سنگھ لکھتا ہے :۔

(۲) " ۲۶ پھگن وقت رات کہ آدمی سُمرتہ دا آیا معلوم ہوا جے مصر روپ لال کنے دھرم سنگھ ۲۶ پروشٹیں دو گھڑی دن رہے کوچ کرنگن ۔ آپ بلور کو بتاکید خط لکھیں کہ ہمارے پاس فوج پہنچے"۔

(۳) " خط راجہ ابتار سنگھ بنام جہتہ لکھی معتبر راجہ کلیان پال ۔ ۲۶ پھاگن گت کہ مصر روپ لال اور دھرم سنگھ نے سُمرتہ سے کوچ کیا ۔ وقت ۳ گھڑی رات گزرے قلعہ کوہگ فتح کرلیا ۔ تس فوج لئی کوہگ بجھو"۔

(۴) " خط راجہ ابتار سنگھ بنام جنگی ۔ اس نساں کی دکھدے رہے ۔ جس دے بھی گلاں کردے رہے ۔ ساڈا قلعہ کوہگ چھٹ گیا ۔ ہن دکھنے دا وقت نہیں ۔ جس بیلے او نہاں دا چیڑا سی بھی جاگ کچھ نہیں ہونا ۔ ہن بالکت صلاح نہیں وتس دانا ہو"۔

(۵) " خط راجہ ابتار سنگھ بنام مہاں سنگھ وجنگی کہ بلاور لکھ دیا جائے کہ فوج ہمارے پاس بھیج دیں ۔ ہم فوج پہنچنے پر کوہگ کوچ کریں گے ۔ جب یا مقدم ہم نے مہان پور روک لیا ہے ۔ اس پر اعتراض نہ کریں"۔

(۶) " خط ۲۵ پھاگن از جانب جہتہ لکھی بخدمت راجہ کلیان پال ۔ کہ ہم ۲۴ پھاگن سمت ۱۹۰۲ بکرمی بلاور پہنچے ۔ آج کل فصل تیار نہیں ۔ رسد بھی نہیں پہنچی ۔ سپاہی برائے فراہمی مردمان مامور ہیں ۔ جلد ہی نفری جمع

جائے گی۔ کمیدان دھرم سنگھ اور راجہ ابتار سنگھ کے خط جو ملے ہیں
وُہ ہمراہ ملاحظہ ارسال ہیں۔ مناسب حکم دیا جائے۔ راجہ ابتار سنگھ
بھڈوال بجانہ براہمناں موضع بنھوڑ اُترا ہے۔ کچھ فوج ساتھ ہے اور
کچھ نالہ بھینی کے کنارے اُتری ہے۔ مسٹر رُوپ لال کا ڈیرہ سمرتہ میں ہے۔
راجہ ابتار سنگھ صاحب کہتے ہیں کہ اپنی فوج اکٹھا کر دوارہ میں اُتاریں ہم
آپ سے حکم کے منتظر ہیں۔ راجہ صاحب ابتار سنگھ کے پاس سنزری کوٹ
سے آدمی جمع ہیں۔ اور سپاہی بھرتی ہو رہے ہیں۔ علاقہ بلاور اور دھار
گڑھ سے لوگ بسوہلی چلے آئے ہیں۔ اُن کو بلایا جائے۔"

(۷) "خط کمیدان دھرم سنگھ واقع ۲۳ پھاگن سمت ۱۹۰۲ از جانب دھرم سنگھ
بنام وزیر جنگی کہ ہم نے آپ کا علاقہ محفوظ رکھا ہے۔ ہم کو منظور نہیں کہ ہم
آپ کا حق چھین لیں۔ ہم تو آپ کے حق پر ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ راجوں
کے حق راجوں پر ہیں۔ راجہ ابتار سنگھ بھڈوال کو بھی لکھا تھا۔ اِلّا اُنہوں
نے نہ مانا۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ بھی حملہ کرنے پر تیار ہیں۔ یہ کہاں
تک سچ ہے۔"

(۸) "خط راجہ ابتار سنگھ بنام مہاں سنگھ وجنگی۔ کہ اب کام ختم کر لیا ہے۔ اور
دھرم سنگھ سمرتہ میں اُترا ہے۔ اُس کو دھار کے باہر نکالنا ہے۔ آپ نے بھی
فوج بھیجنی جسے ہم ہمراہی رکھیں گے۔ اور بیس روپیہ ارسال ہیں۔ بارُود
حسب پسند خرید کر بھیج دیا جائے۔ ۲۰ تاریخ سے بوجہ بارش دھموارہ
مقام رہا۔ جب کوچ ہوگا لکھا جائے گا۔ ہمارا ڈیرہ بنھوڑ جاتا ہے۔
۱۲ پھاگن"

(۹) "خط راجہ بھوری سنگھ جسروٹیہ
سری مہاں سری راجہ صاحب بھوری سنگھ جی جہتہ لکھی کی رام رام سنبھالی۔
اوپرنت کا کل تساڈا پُجا۔ حقیقت معلوم کیتی۔ بھوری جی پھگن پروشٹہ ۲۵
اسیں سکھاں کنے لڑائی ہوئی۔ سکھ ۲۰-۲۵ مارے گئے۔ اتے ہتھ
بزار رسالہ دے اجیٹن ۱ رسالدار ۱ مارے ہم جیندے پکڑ لیتے۔

ہور لسی گئے۔ بندوق جسروٹہ دے اوار پار چلا کردی ہے تسیں
بھڈوالیں کی گلاں ناجے اُہن فرق نہیں کرنا - ایہہ بیلا ہتھ نہیں آؤناں -
تسیں نتھفا بھڈوالیں کٹھے ہوئی سمبڑتہ چڑھی آؤنا ۔

پھاگن ۲۴ جسروٹہ لکھیا"

(۱۰) خط راجہ بھوری سنگھ بنام جنگی - کہ شمشیر سنگھ[1] صاحب ادت سرگئے امید
آپ بھی اپنا معتبر بھیج دیں۔ سُنا ہے کہ جسروٹہ پر مہاراجہ گلاب سنگھ کی
پلٹن آئی ہے - آپ اپنی فوج بھیجیں - کیونکہ اس جگہ بدولت سب جگہ
باغی ہے - ۵ رچیت سمت ۱۹۰۲ بکرمی -

ان خطوط سے جو ڈوگری اور ہندی میں راجہ بھوری سنگھ جسروٹیہ اور راجہ ابتار سنگھ بھڈوال کی طرف سے لکھے گئے ہیں، صاف واضح ہوتا ہے کہ بھڈوالوں اور جسروٹہ والوں نے بالخصوص راجہ ابتار سنگھ بھڈوال نے اپنے علاقے آزاد رکھنے اور حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی جدوجہد کی - لیکن بسوہلی کے راجہ کلیان پال اور اُس کے معتبران نے اُن کی کوئی امداد نہیں کی - راجہ ابتار سنگھ بھڈوال نے ہر جگہ معرکوں میں شکست کھائی - اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ ان راجگان کے اپنے علاقوں میں رہنے سے ہمیشہ گڑبڑ بنی رہے گی اور امن مخدوش رہے گا ...... انہیں اپنی ریاستیں چھوڑنے پر مجبور کر دیا - اور سرکار انگریزی سے بھڈوال راجگان کو موضع نلوک پور ضلع کانگڑہ میں آباد ہونے کے لئے جگہ دلا دی - تب سے خاندان بھڈوال موضع نلوک پور میں بس رہا ہے - اور گذارہ کے طور سالانہ پانچ ہزار روپیہ نقد راجہ ابتار سنگھ اور اُس کے وارثان کو ملتا رہا - راجہ ابتار سنگھ کا راجہ اُمید سنگھ اُس کا راجہ بجراج سنگھ اُس کا راجہ بھوپال سنگھ اُس کا راجہ عطر سنگھ ہوئے - اور آج تک نلوک پور میں بھی اس خاندان کا سلسلہ چلا آرہا ہے - خاندان بھڈوال کی رشتہ داریاں یاسنتور جموں - چمبہ - نور پور اور دوسری ریاستوں کے راجپوت خاندانوں سے چلی آرہی ہیں -

---

[1] راجہ عجیب دیو جسروٹیہ کے تین بیٹے راجہ لال دیو، شمشیر سنگھ اور بشن سنگھ تھے - راجہ لال دیو کا راجہ پرتھوی سنگھ ہوا - یعنی شمشیر سنگھ راجہ بھوری سنگھ کا چچا تھا -

مہاراجہ پرتاپ سنگھ والیٔ ریاست جموں و کشمیر کے متبنیٰ راجہ جگت دیو سنگھ ہو کر اپنے بڑے بھائی راجہ سکھ دیو سنگھ کی وفات کے بعد راجہ پونچھ ہوا ۔ انہوں نے بھی موضع تلوک پور میں ہی بھڈوال خاندان کے ہاں شادی کی تھی ۔ پونچھ کی بیوہ رانی بقید حیات ہے اور اُس کے بطن سے راجکمار شو رتن دیو سنگھ ڈیرہ دون میں رہائش رکھتے ہیں ۔

پنچ تیرتھی

بھڈو سے ڈیڑھ میل نیچے مشرق کی جانب ایک مقام پنچ تیرتھی ہے جہاں کہ پانچ دریا اُوجھ، بھینی، تلہنی، ناج اور کھنڈ آکر ملتے ہیں ۔ یہاں صدیوں سے چیت چودش کو ہر سال میلہ لگتا ہے ۔ اس وجہ سے اُوجھ مہاتم کے نام کی ایک پستک پانچ صدی پہلے اِسی علاقہ کے ایک پرسدھ پنڈت نے لکھی تھی ۔ یہ پستک اب تو نایاب ہے ۔ البتہ اُس کے اکثر شلوک کسی کسی کو سینہ بسینہ یاد چلے آ رہے ہیں ۔ راجگان بھڈوال اور اُن کی رانیاں پنچ تیرتھی کے استھان پر سال میں اکثر تیوہاروں پر اشنان کرنے آتی تھیں اور دان وغیرہ کرتی تھیں ۔

۱؎ سال سمت ۱۹۸۱ بکرمی چیت یعنی مارچ ۱۹۲۴ء کا ذکر ہے جب کہ مجھے جاگیر رام کوٹ میں دو ایک سال ملازم ہوئے ہو گئے تھے ۔ مسری بُوا رانی صاحبہ جسوال دُختر راجہ رگھو ناتھ سنگھ جسوال والیٔ رامکوٹ جاگیر (جموں) اور جسواں (ہوشیار پور) کے ہمرکاب بہ حیثیت کیمپ آفیسر پنچ تیرتھی کے مقام پر آنا پڑا ۔ اور تین دن یاترا ۔ مہا یاترا اور تاریخ یعنی چیت چودس، اماوس اور پہلے نوراترہ کو بُوا رانی صاحبہ موصوفہ کے کیمپ کا انتظام کیا ۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ والیٔ ریاست جموں و کشمیر کا زمانہ تھا ۔ مہاراجہ صاحب کے حکم سے تحصیلدار بسوہلی بخشی جسونت رائے خاص طور پر انتظامی سہولیات بہم پہنچانے کے لئے وہاں پہنچے تھے ۔ شام کو بُوا رانی کا حکم ملا کہ صبح جب اشنان سے فارغ ہوں گی تو دان کے لئے ایک من میدہ کی پوریاں (سچیاں) اور کڑاہ براہمنوں اور غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے تیار ہونا چاہیئے ۔ تحصیلدار نے کرشن پور بھڈو کے ایک سرکردہ مہاجن دوکاندار جس کا نام غالباً منسا رام تھا اور جو کیمپ میں رسد اور دوسری اشیاء ضروریہ کی قیمتاً بہم رسانی کے لئے بلایا گیا تھا اُس کو کہا کہ دن چڑھنے سے پہلے دان کی یہ چیزیں پک کر تیار ہو جانی چاہئیں ۔ چیت چودس کی (آگے فٹ نوٹ صفحہ ۱۸۵ پر)

(آگے فٹ نوٹ صفحہ ۱۸۵ پر)

کھنڈروں پر مندر

راجگان بھدرواہ کے محلات اب کھنڈروں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب اِس جگہ ہائی سکول (ودیا مندر) کی شاندار بلڈنگ بن چکی ہے۔ اِس سکول بلڈنگ کے نزدیک ہی ایک مندر ہے جہاں کہ بھدرواہ ریاست کے ایک راجہ اور اُس کے اہلکاروں کے ظلم و ستم اور جور و جبر کے خلاف ایک مظلوم ابلا نے صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ اور اپنے بیٹے کی لاش کو گود میں لے کر جل مری تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اُس ستی دیوی کے نوجوان بیٹے کو جو بالکل بے گناہ تھا، راجہ کے حکم سے مروا دیا گیا تھا۔ یہ مندر اُس آتم بلیدان کی یاد دلاتا ہے۔ بھدرواہ کے راجے بسوہلی کے راجگان کی مانند علم دوست اور بیدار مغز نہیں تھے اور نہ ہی اُس قدر عوام دوست تھے۔ اُن کی جہالت، بے دردی اور بے انصافی کے کئی ایک قصے مشہور ہیں۔ ایک راجہ نے اپنے ایک وزیر سے کہا کہ میں نے اسّی ہزار روپیہ اپنی آنکھوں سے آج تک نہیں دیکھا، میری اس خواہش کو اگر تم پوری کر جاؤ تو تم سے اچھا آدمی اور میرا خیر خواہ کوئی نہ ہوگا۔ وزیر نے جواب دیا کہ اگر سرکار مجھے پورے اختیارات دے دیں تو اسّی ہزار روپیہ دیکھنے کی خواہش...

رننگ نوٹ صفحہ ۱۸۴ سے آگے) صبح آئی۔ میں اپنے ساتھی ملازمین کو لے کر دریا کے کنارے قناتیں اور سائبان وغیرہ لگوا رہا تھا تاکہ رانی موصوفہ کے اشنان کے لئے پردہ کیا جا سکے۔ کہ دیکھتا کیا ہوں۔ وہ دوکاندار گنگے میں اپنے سر کا صافہ ڈالے روتا ہوا آ رہا ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر پوچھا "کیا ہو گیا شاہ صاحب!" تو وہ کہنے لگا "جناب! تحصیلدار نے مجھے ایک سو روپیہ جرمانہ کر دیا ہے اور یہ سزا اس لئے دی گئی ہے کہ سارے علاقے میں راتوں رات گھوم کر بھی ایک من میدہ پورا نہیں کر سکا ہوں۔ بھدرواہ اور کشن پور کی دو تین دکانوں سے صرف ۲۰ سیر میدہ اکٹھا ہوا ہے۔ تحصیلدار کہتا ہے کہ ایک من میدہ کی پوریاں بنا کر مہیا کرو۔ میں مجبور ہوں۔ بسوہلی یہاں سے بیس بائیس میل دور ہے۔ اگر دو دن پہلے علم ہوتا کہ کیمپ میں اتنا میدہ درکار ہے تو وہیں سے ہی لا رکھتا۔ جناب تحصیلدار مجھے نہیں چھوڑے گا۔ جس طرح بھی ہو مجھے بچاؤ!" میں تحصیلدار کے پاس گیا تو اُس نے کہا کہ "اگر یہ دوکاندار کیمپ میں اشیاء کی بہم رسانی نہیں کر سکتا تو اُس نے ذمہ کیوں لیا تھا۔ میں کیا کروں۔ مہاراجہ صاحب سُنیں گے کہ میں یوراج رانی کے کیمپ میں ضروری چیزیں مہیا کرنے کا انتظام نہیں کر سکا تو میں زیرِ عتاب آ جاؤں گا۔ میں پنشن پر چلنے والا ہوں۔ (آئندہ صفحہ ۱۸۶)

146

ولف مین پنڈت کی معاشی حیثیت ... مہاراجہ نے اُسے تاکید کر دی ت دیا کہ تم جس طرح چاہو روپیہ اکٹھا کر کے میرے سامنے لاؤ۔ کہا جاتا ہے کہ وزیر نے کئی طرح کے حیلے بہانوں سے روپیہ فراہم کرنا شروع کر دیا۔ جس کسی کو سفید کپڑے پہنتے دیکھا، اُس پر فضول خرچی کا الزام لگا کر بھاری جرمانہ عاید کرتا۔ جو میلے کچیلے کپڑوں میں ہوتا، اُسے کنجوس کہہ کر دھر لیا جاتا۔ مہان پور کے ایک مہاجن سے، جس کا خاندان آج بھی موجود ہے، روپیہ کا مطالبہ کیا۔ لیکن مہاجن نے صاف انکار کر دیا۔ تو اُسے گرفتار کر لیا گیا اور اذیتیں دی جانے لگیں۔ اُس کے رشتہ داروں نے جب بہت سارا روپیہ دیا تو اُسے چھوڑا گیا۔

بھدرواہ کے لوگوں کی جانبازی اور بہادری کے قصے آج بھی زبان زد عام ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا زمانہ تھا۔ راجہ سوچیت سنگھ نے منکوٹ سے اُٹھ کر بھدرواہ پر حملہ کر دیا۔ تو راجہ بھدرواہ کے معتمد خاص ٹلکھا ٹھاکر کو گرفتار کر کے سامنے لایا گیا۔ اُس نے تعظیماً سر نہ جھکایا۔ اور خود کو کلہاڑیوں سے کاٹا جانا قبول کر لیا۔ لیکن سوچیت سنگھ کو جے دیا نہیں بلائی۔

(فٹ نوٹ صفحہ ۱۸۵ سے آگے) کہیں پنشن سے ہی ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔" میں خاموش ہو گیا۔ اور یہ سوچا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ سچے ہیں۔ تحصیلدار کو ڈر ہے کہ کہیں گورانی صاحبہ ناراض ہو کر اُس کے خلاف مہاراجہ صاحب کو نہ لکھ دیں۔ اور دوکاندار رو رہا ہے کہ اُسے خواہ مخواہ ایک سو روپیہ جرمانہ کر دیا گیا ہے۔ جو چیز ہی علاقے میں نایاب ہو، وہ کہاں سے لائی جائے۔ میں واپس کیمپ میں آیا اور ایک ملازمہ کے ذریعہ سری گورانی صاحبہ کی خدمت میں عرض کی کہ سرکار! ایک من میدہ کی پوریاں تیار نہیں ہو سکی ہیں۔ کیونکہ سارا علاقہ دوکاندار نے چھان مارا ہے۔ صرف بیس سیر میدہ ملا ہے۔ اور تحصیلدار نے اُسے ایک سو روپیہ جرمانہ کر دیا ہے۔ بے چارہ دوکاندار رو رہا ہے۔" گورانی صاحبہ نے سنا تو نرمی سے بولیں کہ میں تیرتھ استھان پر آئی ہوں۔ جتنا بھی میدہ ملتا ہے اُتنا ہی کافی ہے۔ میری وجہ سے کسی پر ہرگز ظلم نہیں ہونا چاہیئے۔ تحصیلدار کو کہہ دو کہ دوکاندار کا جرمانہ معاف کر دے۔ میدہ کی پوریوں کی بجائے ہم چاول غریبوں اور براہمنوں میں تقسیم کر دیں گی۔ لیکن یاد رہے کہ اس تیرتھ استھان پر کسی بھی شخص پر خواہ وہ مزدور ہے، دوکاندار ہے یا کوئی اور۔ جو میرے کیمپ میں کام کے لئے بلایا گیا ہے، جبر یا تشدد (آگے فٹ نوٹ صفحہ ۱۸۷ پر)

ضلع کا صدر مقام جب ریاست جموں و کشمیر کی تشکیل عمل میں آئی تو پہلے جموں کے مشرقی علاقہ کے ضلع کا صدر مقام بھدرو قرار پایا۔ پھر یہاں سے ضلع کے دفاتر جسروٹہ میں منتقل ہو گئے اور بھدرو کو تحصیل کا درجہ حاصل ہوا۔ بعد میں مہنت سوہنوں کشتواڑی تحصیلدار بھدرو کی رپورٹ پر کہ بسوہلی کا قصبہ علاقہ انگریزی اور ریاست چمبہ کی سرحد پر واقع ہے اور اکثر لوٹ مار کا شکار ہوتا ہے، تحصیل کا ہیڈکوارٹر بسوہلی میں منتقل ہو گیا۔ اور بھدرو زوال کے منہ میں چلا گیا۔

بھدرو کا ایک تحصیلدار میاں موہر سنگھ بلاوریہ بھی ہوا ہے جو کہ بالکل ناخواندہ تھا۔ میاں موہر سنگھ کی لڑکی سے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے شادی کی تھی۔ یہ لڑکی بعد میں مہارانی بلاوری کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کی بنوائی ہوئی کئی عمارتیں اور مندر آج بھی ڈوگرہ دیس میں موجود ہیں۔ میاں موہر سنگھ کو ڈوگری حروف میں دستخط کرنا سکھانے کے لئے مہاراجہ جموں و کشمیر کے خاص حکم سے مہان پور کے ایک خاندانی مہاجن چوہدری کنہیا لال کو مقرر کیا گیا تھا۔ جو میاں صاحب کو پگڑی باندھنا اور آداب مجلس کی تعلیم دیتا رہا۔

بھدرو کے ساتھ چند ایک نامور ہستیوں کے نام بھی وابستہ ہیں۔ جنرل ہوشیارا کھاڑوال فاتح گلگت کا جنم اگرچہ موضع بیرہ نزد ماتو دھار روڈ ہوا تھا مگر پرورش بھدرو کے ہی نزدیک موضع رام پور میں پائی تھی۔

رفٹ نوٹ صفحہ سے آگے رنہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح تو ہمارا دامن بھی خیال جائے گا اور ہماری دنیا میں بدنامی ہو گی۔ لوگ کہیں گے کہ اچھی گبرانی یہاں آئی کہ تیرتھ پر آکر لوگوں کو برملنے کرا دیے۔" تحصیلدار سے دیکھا نداز کی خلاصی ہو گئی اور سری گبرانی صاحبہ رامکوٹ کے دان اُن کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ اس کے بعد میں دوران ملازمت کئی بار پنج تیرتھی کے سنگھان پر گیا۔ نہایت ہی رنگین مقام ہے۔ آج جبکہ ملک کے چپہ چپہ میں ڈیم بجلی پراجیکٹ اور آبپاشی کے لئے پنج سالہ پلانوں کے تحت بڑے بڑے باندھ باندھے جا رہے ہیں، اگر پنج تیرتھی تحصیل بسوہلی کے مقام پر جہاں کہ پانچ دریاؤں کا سنگم ہے، اگر ڈیم بنایا جائے تو ہیرانگر اور سانبہ کے بالائی کنڈی کے علاقے تا عہد راہوں تک سرسبز و شاداب ہو سکتے ہیں۔ اور ڈیم سے پیدا شدہ بجلی کی رو سے فیکٹریوں اور کارخانوں کے علاوہ گھریلو دستکاری میں کافی فائدہ ہو سکتا ہے۔ اور جموں کنڈی کے دیہات بجلی کی روشنی کی وجہ سے بقعہ نور بن سکتے ہیں۔

پنڈت سنت رام پا ہدہ ریاست کا پہلا گریجویٹ تھا۔ اُس کے والدین راجگان پٹیالہ کی فوجی خدمات انجام دیتے تھے۔ وہاں ہی پنڈت سنت رام نے تعلیم پائی تھی۔ جب مہاراجہ جموں و کشمیر کو اُس کی تعلیمی قابلیت کا پتہ چلا تو اُسے ریاست کے محکمہ بندوبست اراضی میں اعلےٰ مرتبہ دیا۔ لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ اور وہ سری نگر میں سائیکل حادثہ سے انتقال کر گیا۔ آپ کی لکھی ہوئی انگریزی کتاب TRIBAL CUSTOMES OF KASHMIR آج بھی موجود ہے۔ آپ کی خدمات حسنہ کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے بیوی بچوں کی پرورش اور تربیت سرکاری طور پر ہوتی رہی۔ اور بچوں کو تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سرکاری عہدے دئے جاتے رہے۔

نامور ہندی ڈوگری کوی دِتّو کا جنم ستھان اگرچہ موضع کھلڑ تھا مگر پرورش اپنے ننھال بھدرواہ میں ہی پائی تھی اور وہاں ہی اُس کی شاعری پروان چڑھی تھی۔ زمانہ حال میں اس جگہ کا بلدیو شاستری علم جیوتش کا ماہر ہوا ہے اور پنڈت ڈاسد لوجن جی دو سال پہلے سو سال کی عمر پا کر مرتیو ہوئی ہے اُن کو تعلیمی ریفارمر کا بجا طور پر درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اس کی ہی کوشش اور جدوجہد سے یہ علاقہ تعلیم میں دلچسپی لینے لگا۔ اور اب بھدرواہ کے نوجوان تعلیمی میدان میں دن بدن ترقی کر رہے ہیں۔

علم طب میں بھدرواہ، بلاور اور بسوہلی نے انتہائی ترقی کی منزلیں طے کی تھیں۔ کئی ایک خاندان تو ختم ہو چکے ہیں مگر کشن پور نزد بلاور کا ایک خاندان اب بھی اپنے کمالات کے لئے مشہور ہے۔ اس خاندان کو کئی ایک پٹے اور معافیاں راجگان بھدرواہ اور بلاور سے ملی تھیں۔ یہ خاندان اٹھارہ اُنیس پشتوں سے ویدک طریقہ علاج سے عوام کی خدمت کرتا آرہا ہے۔ وید کنج لال اب عمر رسیدہ ہو چکا ہے۔ مگر طب کے میدان میں ایک درخشندہ ستارہ ہے۔

مہاتما لکھی رام

علاقہ بھدرواہ میں ایک گاؤں برنالہ پر تھوی پال ہے جہاں کہ باوا لکھی رام ایک پرسدھ یوگی ہوا ہے۔ یہ مہاتما برنالہ میں دوکاندار تھا۔ اُس آپ داجی کے زمانہ میں جسروٹہ تجارتی مرکز تھا۔ جسروٹہ سے لکھو براہمن نمک کا بوجھ اُٹھا کر لایا۔ جب دوکان پر لا کر تولا تو وزن بڑھ گیا۔ چنانچہ وہ پھر نمک اُٹھا کر

جسروٹہ میں آگیا۔ جب وہاں نمک کا وزن کیا تو وزن پورا تھا۔ گھر پر آکر جب پھر وزن کیا تو پہلے کی مانند زیادہ نکلا۔ غصہ میں آکر تول کا بٹہ کنوئیں میں پھینک دیا۔
جب لوگوں نے اُس تول بٹہ (پتھر) کو پانی پر تیرتے دیکھا تو ہر جگہ چرچا ہونے لگا کہ یہ براہمن سے باوا لکھی رام مشہور ہوا۔ باوا کی کرامات کی کئی ایک کہانیاں زبان زد عام ہیں۔
مہاتما لکھی رام کی کُنّی یعنی ہانڈی ایک ضرب المثل بن چکی ہے۔ خواہ کتنے بھی آدمی اس سے کھانا کھائیں، کبھی ختم ہی نہ ہوتا تھا۔

مہان پور

تحصیل بسوہلی میں ایک اہم اور تاریخی قصبہ مہان پور ہے۔ جو بسوہلی سے پندرہ میل مغرب ایک خوشنما وادی میں بسا ہوا ہے۔ مہان پور کو آج سے بارہ سو سال پیشتر راجہ مان شنکر بلاوریہ نے آباد کیا تھا۔ جب ریاست بسوہلی دو بھائیوں بلاوریہ اور بھدوال میں تقسیم ہو گئی تو مہان پور ریاست بھدو میں آگیا۔ اگرچہ اس وقت کی کوئی عمارت موجود نہیں۔ تاہم زمین دوز کھنڈرات آج بھی کہیں کہیں ملتے ہیں۔
یہاں بھگوتی درگا کا ایک چھوٹا سا مندر ہے جس پر سمت ۱۵۵۲ ڈوگری حروف میں لکھا ہے۔ اور یہ کتبہ اب تک موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت عام کاروباری زبان ڈوگری تھی۔ یہ قصبہ اُس پرانی شاہراہ پر واقع ہے جو کہ زمانہ قدیم میں جموں سے منکوٹ۔ بسوہلی۔ نورپور۔ کانگڑہ اور ریاست چمبہ کو جاتی تھی۔ مہان پور کے ہی میاں ملتان سنگھ ہوئے ہیں جنہیں لاہور دربار سے خلعت اور تانبے کے پٹے ملے تھے اور اراضیات معاف تھیں۔ ملتان سنگھ نے جب ایک بار شہر لاہور میں شیر داخل ہوا اور لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے ایک ہی وار میں شیر کو ڈھیر کر دیا۔ اور اس ڈوگرہ بہادر کی دھاک لاہور دربار میں بیٹھ گئی۔ ریاست میں جب بندوبست اراضی ہوا تو ملتان سنگھ کے خاندان سے وہ تمام پٹے انگریز مشنر نے واپس لے لئے۔

مہان پور میں بانی ریاست مہاراجہ گلاب سنگھ کی ماتا مہا دیوی بھتوال کی یادگار ایک عالیشان باؤلی۔ شوجی کا مندر اور دھرم سالہ موجود ہیں۔ مہا دیوی جی کا سلسلہ نسب مہا سنگھیہ خاندان ماہر ٹنیال سے ملتا ہے۔ اُس دیوی نے ماشتہ گاؤں جو بسوہلی سے چار میل شمال مغرب میں ہے، میں جنم لیا تھا۔ ایک مندر نرسنگھ جی کا

مندروں پرانا یہاں موجود ہے۔

ہمان پور میں ایک معزز مہاجن خاندان صدیوں سے آباد ہے جو بسلسلہ حکمرن وضیابت غالباً جنگھالوں تحصیل اودھم پور سے نقل مکانی کر کے آیا تھا۔ اس خاندان کے ایک بزرگ چودھری کنہیا لال مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ جنہوں نے ریاست میں سب سے پہلے زمین کی پیمائش کے سلسلہ میں ڈوگری زبان میں ایک کتاب لکھی تھی۔ اس خاندان میں کئی ایک نسخہ جات حکمت آج تک چلے آ رہے ہیں۔ اس خاندان کے افراد نے تعلیمی ترقی کے لئے اور چھوا چھات کے خلاف اُس وقت کام کیا جبکہ عوام ان باتوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ شری رام چند گپتا بی۔ اے۔ بی۔ ٹی اسی مہاجن خاندان کے روشن چراغ آج کل بلاک ڈویلپمنٹ افسر ہیں۔ ڈاکٹر اُوتم چند گپتا آیورویدک کالج جموں میں پروفیسر ہیں۔ اور دوسرے برادران ڈاکٹر جیالال محکمہ شیپ بریڈنگ، شری لچھمن داس گپتا محکمہ ٹیلیگرات اور شری برجموہن گپتا نمائندہ پریس صاحب اثر اور بارسوخ ہیں۔

علاقہ بھڈو کا زرخیز خطہ

ڈونگاڑہ اس علاقہ کا زرخیز ترین خطہ ہے اور چھوٹا سا گاؤں ہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے سمت ۱۹۳۵ بکرمی میں جب اس علاقہ کا دورہ کیا تو نہر بنوانے کا کام شروع کرایا۔ اور پنجاب سے بیلدار منگوا کر اُن کو یہاں آباد کیا تھا۔ جب مہاراجہ صاحب بھڈو سے گزرے تو تمام گاؤں گندگی کا ایک ڈھیر دکھائی دیا۔ اس پر مہاراجہ صاحب نے فرمایا کہ اس گاؤں کو جلا کر کسی دوسری جگہ آباد کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مہاراجہ کے ارشاد کی تعمیل میں بھڈو کے ایک مہاجن مفلو چودھری نے جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں کو آگ لگا دی۔ ہر طرف دھواں چھا گیا اور مہاراجہ کو دکھایا گیا کہ اُن کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے۔

دلوہی سکرال [۱]

بلاور سے پانچ میل اور بھڈو سے آٹھ میل شمال دلوہی ککھگوتی مل کا پرانا مندر ہے جسے دیوی کے پجاریان چار سو سال پرانا بتلاتے

---

۱ سکرال کے اس پراچین مندر کے متعلق ککھگوتی مل دیوی کے پجاری (آگے فٹ نوٹ صفحہ ۱۹۱ پر)

ہیں۔ اور اِس مندر کی تعمیر کو راجہ اُمید سنگھ والیٔ ریاست چمبہ سے منسوب کرتے ہیں۔ بھگوتی مل کا اتہاس نہایت دلچسپ ہے۔ آج سے ۲۷۵ سال پہلے پنڈت ملوک رام اور پنڈت مہادیو سنسکرت کے بڑے ودوان اُس علاقہ میں ہو گزرے ہیں۔ اُن کے پتا جب کاشی سے تعلیم حاصل کرکے اپنے وطن میں واپس آئے تو بسوہلی اور بھدرواہ کے راجوں کو اپنی رُوحانی طاقت کے کئی کرشمے دکھلائے۔ جن کے بارے میں کئی کہانیاں چلی آرہی ہیں۔ تو اپنے پتا کی موجودگی میں پنڈت مہادیو بلاور میں اور پنڈت ملوک رام بسوہلی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اور راجہ میدنی پال والیٔ بسوہلی جن کا زمانہ سنہ ۱۷۰۳ء سے ۱۷۳۶ء تک ہوا ہے نے پنڈت مہادیو کے لڑکے پنڈت شونندن کو شکرال جنگل بطور معافی عطا کیا۔ تو اسی جنگل سے پنڈت شونندن کو بھگوتی مل دیوی کی پنڈی شیر کی سواری پر پڑی نظر آئی۔ تو اُس نے دیوی بھگوتی کی استھاپنا وہاں کر دی۔ اور روزانہ بھگوتی پوجا کے لئے بلاور سے آنا اُس کا معمول بن گیا۔

روایت ہے کہ ریاست چمبہ کا راجہ اُمید سنگھ بادشاہ دہلی کی حاضری کے لئے وہاں گیا ہوا تھا تو اُس کی عدم موجودگی میں اُس کے چھوٹے بھائی راجہ شیر سنگھ نے وزیروں اور اہلکاران ریاست سے مل کر ریاست پر قبضہ کر لیا۔ جب راجہ اُمید سنگھ دہلی سے واپس آیا اور اُسے اپنے راج پر چھوٹے بھائی کے تسلط کا علم ہوا۔ تو وہ چمبہ میں داخل نہ ہوا۔ اور دربدر ہوتا بھدرواہ اور بلاور کے علاقہ میں آکر مقیم ہو گیا۔ ایک دن وہ شکرال جنگل میں شکار کھیلنے کے لئے آ نکلا۔ تو اُس نے ڈیرہ ہوشو کے قریب اِس جنگل سے بجڑول (جنگلی بکرے) کا شکار کیا۔ لیکن جب وہ شکار سے واپس بلاور میں پہنچا تو بیمار پڑ گیا۔ کافی علاج معالجہ ہوا لیکن بیماری کا غلبہ دن بدن بڑھتا گیا۔ اور کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ آخر پنڈت شونندن کو بُلایا گیا تو اُس نے بھگوتی مل کے چیلے ہیرو ٹھکر ساکن جانٹو کو بلا بھیجا۔ اور وہ چیلہ ناچتے ناچتے بولا کہ بھگوتی مل راجہ اُمید سنگھ پہ ناراض ہے کہ اُس نے اُس

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۹۰) کہتے ہیں کہ یہ مندر چار سو سال پُرانا ہے اور اس مندر کو راجہ اُمید سنگھ والیٔ چمبہ نے بنوایا تھا۔ چمبہ کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ اُمید سنگھ اٹھارھویں صدی کے وسط میں چمبہ کا حکمران ہوا۔ تو اس حساب سے یہ مندر شکرال میں آج سے سوا دو سو سال پہلے تعمیر ہوا نہ کہ چار سو سال پہلے۔

سکے جنگل میں شکار کھیلا ۔جب تک وہ اس جنگل میں بھگوتی کا مندر تعمیر نہ کرے گا ، اسے بیماری سے شفا نہ ہو گی ۔ اسے چاہیئے کہ چمبہ جاکر وہاں سے عمارتی سامان پتھر چونا پانی وغیرہ لاکر مندر بنوائے ۔ تب جاکر کلیان ہوگا ۔

راجہ اُمید سنگھ تڑپ رہا تھا ۔ چیلے سے کہنے لگا کہ وہ بیمار ہے اور اُس کا چمبہ میں داخلہ بھی بند ہے ۔ تو بھگوتی نے چیلے کی زبانی حکم دیا کہ وہ فوراً چمبہ چلا جائے ، وہ تندرست ہے اور اُسے وہاں جانے سے کوئی روک نہیں سکتا ۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ اُمید سنگھ دُوسرے دن بالکل صحت ور ہو گیا ۔ اور جب وہ چمبہ کی طرف روانہ ہوا ۔ تو راستے میں ہی اُسے خبر مل گئی کہ اُس کا چھوٹا بھائی راجہ شیر سنگھ غاصب ریاست سورگباش ہو گیا ہے اور اُس کی جگہ اُسے چمبہ کی راج گدی مل گئی ہے ۔ چنانچہ جب وہ چمبہ پہنچا تو راج سنگھاسن پر برادری اور ریاست کے اہلکاروں نے اُسے بٹھا دیا ۔ وہ راج کاج میں مصروف ہو گیا اور عیش و عشرت میں پڑ کر دیوی کا مندر بنوانا یاد نہیں رہا ۔

دو ایک سال بیت گئے ۔ ایک رات راجہ اُمید سنگھ اپنے محلات میں محوِ خواب تھا کہ وہ پلنگ سے نیچے گر پڑا ۔ محل میں ہاہاکار مچ گئی ۔ راجہ کے پاؤں تلے کی زمین سرکنے لگی ۔ اور اُسے یاد آیا کہ وہ بھگوتی کا مندر بنوانے کا وعدہ بھُلا بیٹھا ہے ۔ اور جب صبح ہوئی تو راجہ اور رانی اپنے اپنے کندھوں پر پتھر چونا وغیرہ کی کڑاہیاں لے کر سکرال جنگل کی طرف پاؤں پاؤں چل پڑے ۔ اور اُن کے پیچھے ہزاروں نر ناریاں رعایا ریاست چمبہ پتھر ، اینٹ ، چونا اور سامان متعلقہ اپنے اپنے کندھوں اور پشت پر اُٹھائے ایک قافلہ کی صورت میں چل پڑے ۔ سکرال پہنچ کر مندر کی تعمیر شروع کرا دی گئی ۔ اور ایک عالیشان مندر تیار ہو گیا ۔ جس میں جگت جننی راج راجیشوری بھگوتی مل دیوی ۔ مہا لکشمی مہا کالی اور مہا سرسوتی کی یادگاریں بنوائیں ۔ آج تک یہ مندر بھگوتی مل کا سکرال میں چلا آ رہا ہے ۔ سکرال کا جنگل آباد ہو کر بستی کا رُوپ دھار گیا ۔ اور اب جہاں کہ یہ مندر ہے ، اُس گاؤں کا نام سکرال مشہور ہے ۔ علاقہ چمبہ کے خصوصاً اور دُور دراز علاقوں پنجاب ، کانگڑہ اور ہماچل پردیش کے ہزاروں یاتری بھگوتی کے چرنوں میں بھینٹ بلیدان کر آتے ہیں اور اپنے من کی مُرادیں پاتے ہیں ۔ بھگوتی سکرال کی یاترا سارا سال

پجاری رہتی ہے۔ اشٹمی اور چیت کے نوراتروں میں یہاں کافی رونق ہوتی ہے۔ راجہ اُمید سنگھ نے مندر کے ارد گرد [illegible] سے میٹھے پانی کی باؤلیاں بھی تعمیر کرائیں۔ آج کل اُسی پنڈت شونندن کی اولاد میں سے پجاری لوگ مندر کے نواح میں بود و باش رکھتے ہیں اور اپنی باری پر کوگدنی کی پوجا کرتے رہتے ہیں۔

موجودہ حکومت نے یہاں موٹر روڈ تعمیر کرنے کا پلان بنا لیا ہے۔ اور یاتریوں اور سیاحوں کے قیام کے لئے ایک سرائے بھی تعمیر کی ہے۔ یہ جگہ قابل دید ہے۔

چھنیا پنڈت جو بسوہلی جنتر کلا کا آخری نمائندہ کہا جا سکتا ہے بھی اسی علاقہ کا رہنے والا تھا۔ اس کا جنم ستھان کرشن پور بلاور میں ہے۔ اور آج سے تیس سال پیشتر اس نے اس جہان فانی سے کوچ کیا۔

نرسنگھ جی کا مندر

تحصیل بسوہلی میں ایک گاؤں کوہگ ہے۔ یہاں راجگان بھڈو نے ایک قلعہ سترھویں صدی میں تعمیر کرایا تھا جو کہ بلاور سے پانچ میل شمال مغرب بلاور اور بھڈو کی سرحد کا کام دیتا تھا۔ کوہگ دھار [illegible] روڈ کے نزدیک ہی نرسنگھ جی کا ستھان ہے۔ صدیوں سے ایک ہری جن میگھ خاندان اس کا پجاری ہے۔ ہر سال اس ستھان پر میلہ لگتا ہے۔ کوہگ کے مندر نرسنگھ جی کی کتھا بھی دلچسپ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کوہگ میں آج سے تین سو سال پہلے ایک میگھ جولاہے کا کام کرتا تھا۔ وہ بڑا ایشور بھگت تھا۔ لوگوں سے سوت وغیرہ لے کر کپڑا بُن کر معمولی اُجرت پر دیتا اور اپنی گذر کرتا تھا۔ ایک دن گاؤں کا دوکاندار اُس سے کپڑا لے گیا اور گھر جا کر کپڑے کو تولا تو جتنا سوت دیا تھا اُس سے وزن میں کم نکلا۔ وہ [illegible] آیا اور کپڑا بُننے والے سے پوچھا۔ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ تو ہری جن نے پھر اس [illegible] کو دوکاندار کے سامنے تولا اور دوکاندار سے کہا کہ تم بھی خود تول لو۔ دوکاندار نے [illegible] جتنا سوت دیا تھا اتنا ہی کپڑا نکلا۔ لیکن جب وہ گھر میں آکر پھر تولنے لگا تو [illegible] کا وزن کم نکلا۔ اُس نے بھڈو کے راجہ کے پاس شکایت کی کہ فلاں میگھ نے میرے [illegible] کا پورا کپڑا نہیں بنایا ہے۔ راج دربار میں میگھ کی طلبی ہوئی تو میگھ نے [illegible] کہ سرکار! میں نے کپڑا دوکاندار کو پورا کر کے دے دیا تھا۔ میں نے سوت کا ایک [illegible] اس میں سے ضائع نہیں کیا ہے۔ [illegible] کپڑا تولا گیا تو دوکاندار سچا نکلا۔ میگھ نے کہا کہ [illegible]

نیر نے سینے تول بٹے سے تول کر لیا تھا اور اُسی بٹے سے تول کر کپڑا بنا کر دیا ہے۔"
دوکاندار نے ہاتھ جوڑ کر راجہ سے کہا "سرکار! یہ جولاہا جھوٹا ہے اِسے بے ایمانی کی سزا ملنی چاہیے۔" تو راجہ نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ "میگھ کو گرفتار کر کے دُرگ (اندھیرے کنوئیں) میں ڈال دو۔" کہا جاتا ہے کہ اُسی رات راجہ کو خواب میں ایک شیر نے جو کہ بالکل نرسنگھ کا رُوپ تھا پنجوں میں دبا لیا اور کہا کہ "میرے بھگتوں کو بغیر سوچے سمجھے تم کنوئیں میں پھینکتے ہو۔ اب تمہاری خیر نہیں۔" راجہ نے ہاتھ جوڑے۔ منت ماجرا کیا اور کہا "میں آپ کے بھگت میگھ کو چھوڑ دُوں گا۔ آپ مجھ پر دیا کریں۔" تب شیر نے راجہ کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ "میگھ کا تول بٹہ پُورا ہے۔" اور راجہ نے دیکھا کہ شیر غائب ہے اور شیر کی بجائے اُس میگھ کا تول بٹہ اُس کے سامنے چمک رہا ہے۔ راجہ کی آنکھ کھلی تو وہ سخت خوفزدہ تھا۔ اُسی وقت میگھ کو کنوئیں سے نکلوانے کا حکم دیا۔ اور دُوسری صبح اُسے پالکی میں سوار کر کے کوہگ پہنچا دیا کہ یہ میگھ بڑا ایشور بھگت ہے اور نرسنگھ جی کا سچا سیوک ہے۔

میگھ نے کوہگ پہنچ کر کپڑا بُننے کا کام ترک کر دیا۔ اور تول بٹے کو نرسنگھ کی مورتی مان کر اپنے مکان میں ستھاپت کر کے پُوجا کرنے لگا۔

کوہگ کے نرسنگھ ستھان سے اور بھی کئی کہاوتیں وابستہ ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ سارے ہندوستان میں یہ ایک ایسا ستھان ہے جس کے ہری جن پُجاریوں کے ہاتھ سے بڑے بڑے سناتنی ہندو اور اُونچی ذات کے لوگ بھی چرنامرت لیتے ہیں۔ اور یہ چرنامرت اُس وقت سے بٹتا آیا ہے جب کہ ہندوؤں میں چھوا چھوت دھرم کے طور رائج تھی۔ اِس ستھان پر ہر سال میلہ لگتا ہے۔

جاگیر سُمرتہ

جس طرح کہ خاندان بھلد واہیہ اور بھڈوال راجگان بلاور سے علیحدہ ہوئے، اسی طرح خاندان سُومبرٹیہ بھی بلاور یہ خاندان کی ہی ایک شاخ ہے۔ راجہ شکیہ پال

نقشہ علاقہ سُمرتہ

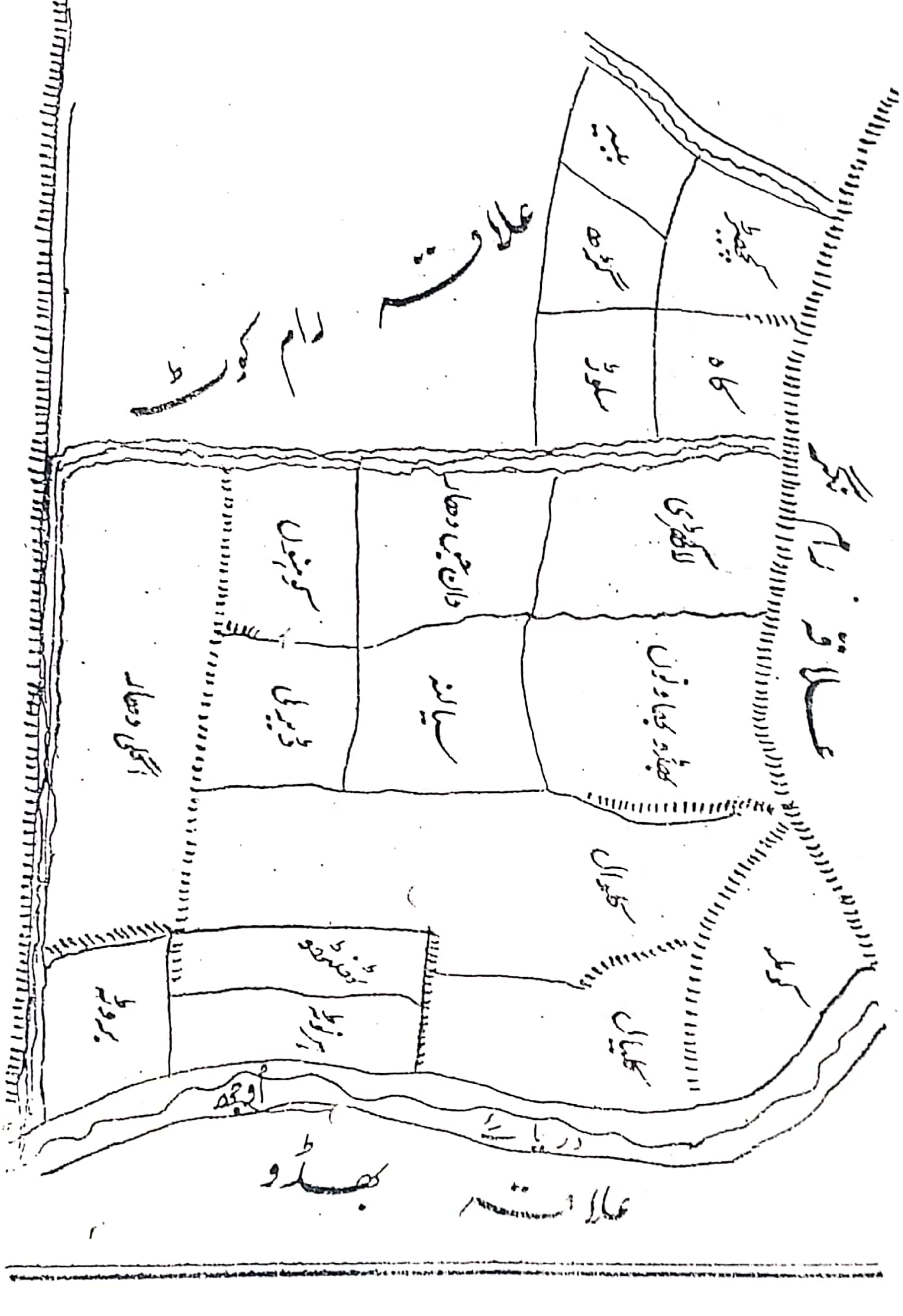

جب والیٔ ریاست بسوہلی کے دوسرے بیٹے راجہ سوم پال کو دریائے اُوجھ کے پار کا علاقہ جاگیر کے طور پر ملا۔ تو اُس نے موضع تھرڑہ کٹوال (تحصیل بسوہلی) میں اپنے نام پر قلعہ شمرتہ بنایا۔ اور ارد گرد کے ۱۸ مواضعات پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنی جاگیر کا نام بھی شمرتہ رکھا۔ اگرچہ خاندان سومبرڑیہ کی خود مختار حکومت رہی لیکن باقاعدہ ریاست نہ بن سکی۔ کبھی سومبرڑیہ جاگیردار بلاوریہ راجگان کے ساتھ ہو جاتے کبھی بھڈوالوں سے مل جاتے۔ خاندان بندرال اور رامکوٹیہ سے ان کا اکثر جھگڑا بنا رہتا۔ اور سرحدی تنازعوں کی وجہ سے آپس میں لڑائی فساد ہوتا رہتا۔ جب جموں کے راجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ دیس کی ریاستوں کا الحاق جموں سے کر رہے تھے تو ~~۱۸۲۵ء~~ 1825ء میں خاندان سومبرڑیہ نے بغاوت اختیار کر لی۔ اور راجہ گلاب سنگھ نے خود رامکوٹ کے قلعہ میں پہنچ کر اپنی فوج تین حصوں میں تقسیم کر کے شمرتہ پر چڑھائی کرائی۔ اس لڑائی کا مفصل حال آئندہ صفحوں میں درج ہوگا۔ اگرچہ سومبرڑیہ راجپوتوں نے بامداد بھڈوال راجپوتاں اور جسروٹیاں کافی مردانگی دکھائی۔ لیکن آخر قلعہ شمرتہ پر راجہ گلاب سنگھ کی فوجوں کا قبضہ ہو گیا اور سومبرڑیے شکست کھا کر بھاگ گئے۔ پھر بزمانہ سکھا شاہی بچے کھچے سومبرڑیہ سرداروں نے راجہ انبار سنگھ بھڈوال کی امداد کے لئے شورش کر دی۔ لیکن اس دفعہ بھی ناکامی اُٹھانا پڑی۔ اور اپنے گھر بار چھوڑ کر جدھر کسی کے سینگ سمائے جانا پڑا۔

آج کل سومبرڑیہ راجپوت ضلع کانگڑہ تحصیل بسوہلی اور بھدرواہ کے علاقوں میں آباد ہیں۔ علاقہ شمرتہ ۱۸ دیہات پر مشتمل تھا۔ جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ یہ دیہات اب تحصیلات رام نگر اور بسوہلی میں شامل ہیں:۔

(۱) کوملہ۔ (۲) کاہیال۔ (۳) ہرنوٹہ۔ (۴) ٹھنوٹھو۔ (۵) پردانٹہ۔ (۶) اگلی دھار۔ (۷) کلوال۔ (۸) بھڈو بھادنوں۔ (۹) سیالنہ۔ (۱۰) ڈیرلی۔ (۱۱) کوہنول۔ (۱۲) دان جن دھار۔ (۱۳) لاکھڑی۔ (۱۴) کاٹھ۔ (۱۵) کچھیرڑ۔ (۱۶) بٹھیہ۔ (۱۷) گرلاہ اور (۱۸) سلوڑ۔

آج کل علاقہ شمرتہ کے بیچوں بیچ دھار اُودھم پور موٹر سڑک گزرتی ہے۔ شمرتہ دھان۔ گندم۔ مکی کے لئے جموں پرانت کا ایک بہترین زرخیز خطہ ہے۔

بُوا بھاگاں

ننمرتہ علاقہ کی ایک ستی دلیوی بُوا بھاگاں کی سمادھ موضع کلوال میں ہے جہاں کہ ہر سال اس ستی کی یاد میں میلہ لگتا ہے۔ جس نے راجگان بھنڈال سے ظلم و جبر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی اور زمین کے لگان میں اضافہ کے حکم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سولھویں صدی میں جب علاقہ ننمرتہ کے جاگیردار نے راجہ بھڈو کے کہنے پر اپنے علاقہ میں کسانوں سے زیادہ لگان وصول کرنے کا اعلان کیا تو بُوا بھاگاں نے جو کہ ایک براہمن خاندان سے تھی اور جو اپنی ملکیتی اراضیات کی کاشت ہری جن ڈوموں سے کراتی تھی، اپنے مزارعان کو سابقہ مقررہ لگان ہی دینے کی تاکید کی۔ اور انہیں کہا کہ اگر کوئی بھنڈوالوں کو زیادہ لگان دے گا تو وہ میرا ماس کھائے گا۔ اس سوگند سے ہری جن مزارعان نے راجہ بھڈو اور جاگیردار ننمرتہ کے پیادوں کو لگان دینے سے صاف انکار کر دیا۔ سرکاری آدمیوں نے ہری جنوں کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی۔ اور چند ایک کو گرفتار کر کے بُوا بھاگاں کو پکڑنے کے لئے گاؤں میں آ گئے۔ بُوا بھاگاں کو جب پتہ چلا کہ اس کے مزارعان پر ظلم ہو رہا ہے تو وہ نہایت جرأت مندی سے سرکاری سپاہیوں کے پاس آ کر کہنے لگی۔ کہ غریبوں کو پکڑتے اور ان کی مشکیں باندھتے تمہیں شرم نہیں آتی؟ وہ تو بالکل بے دوش ہیں۔ زمین میری ملکیت ہے۔ وہ میرے کاشتکار ہیں۔ میں نے انہیں کہہ رکھا ہے کہ بھنڈوالوں کو لگان جتنا کہ پہلے دیتے آئے ہیں، اتنا ہی دو۔ زیادہ دینا ہمیں منظور نہیں۔

سرکاری سپاہی بُوا بھاگاں کی اس جرأت اور طعن و تشنیع پر آگ بگولا ہو گئے۔ اور ایک سپاہی آگے بڑھ کر بھاگاں کو پکڑنے لگا تو بھاگاں نے کٹار ہوا میں لہرا کر کہا۔ کہ اگر میرے نزدیک آئے اور مجھے ہاتھ لگایا تو یہ کٹار اپنے سینے میں مار لوں گی۔ پیچھے رہو۔ اس پر سب سپاہیوں نے بھاگاں کو گھیرے میں لے لیا۔ اور بھاگاں نے یہ کہہ کر کٹار اپنے پیٹ میں گھونپ دی کہ "مجھے مرنا قبول ہے لیکن تم جیسے دُشٹ پاپیوں کے ہاتھوں میں پڑنا منظور نہیں۔ اور نہ ہی اپنے جیتے جی برداشت کر سکتی ہوں کہ جنہوں نے اپنا خون پسینہ ایک کر کے زیادہ غلہ پیدا کرنے کے لئے جس زمین کو سنوارا ہے اس کا لگان زیادہ ادا کیا جائے۔"

بھاگاں نے اپنا کلیجہ تھام لیا۔ خون کی دھارا بہہ رہی تھی۔ سپاہی [illegible] ہو کر

پیچھے ہٹ گئے۔ اور بھاگاں دوڑتی ہوئی اپنے مکان میں داخل ہو گئی جہاں کہ اُس کی خورد سالہ لڑکی سوئی ہوئی تھی۔ اُس نے اندر سے اپنے مکان کا دروازہ بند کر لیا اور ڈرتے ڈرتے چُولھے کی آگ سے مکان کو آگ لگا دی اور دونوں ماں بیٹی اُس میں جل مریں۔

بھاگاں کی اِس آتم ہتیا سے جاگیردار سُمرتہ اور راجہ بھڈوال سخت گھبرا گئے۔ لوگوں نے لگان دینے سے صاف انکار کر دیا۔ بھڈو سے لے کر کلوال تک سارے علاقہ میں بھڈوال شاہی کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے۔ سُمرتہ کے جاگیردار نے راجہ بھڈوال کے پاس جا کر کہا کہ جب سے بھاگاں جل مری ہے، لوگوں نے میری سرداری کو چیلنج کر رکھا ہے۔ بلکہ میری اپنی آتما ڈانواڈول ہے۔ دِل و دماغ پر ایک خوف سا طاری رہتا ہے۔ تو راجہ بھڈوال نے اپنی ریاست اور علاقہ سمرتہ میں زیادہ وصُولی لگان کا حکم واپس لے لیا۔ لیکن جلد ہی وُہ خود ایک مہلک بیماری میں مُبتلا ہو گیا۔ علاج معالجے ہوئے تو ویدوں نے مرض کو لاعلاج قرار دیا۔ علاقہ بھر کے بڑے بڑے سیانے بُلائے گئے۔ چیلے بچلائے گئے۔ سب نے یہی رائے دی کہ یہ بیماری بُوا بھاگاں کی آتم ہتیا کی وجہ سے ہے۔ جب تک اُس کی سمادھ بنا کر باقاعدہ پرتِشٹھا نہ ہو گی، یہ بیماری دُور نہیں ہو سکے گی۔ چنانچہ راجہ بھڈو اور جاگیردار سُمرتہ نے بُوا بھاگاں کی دہری بنوائی جہاں کہ صدیوں سے ہر سال میلہ لگتا ہے۔ اور سارے علاقہ میں بُوا بھاگاں کی سوگند چلتی ہے۔ تو جس نے کاشتکاروں کو سرکاری جبر اور ٹیکس کی وصُولی سے اپنی جان دے کر نجات دلائی، آج بھی میلہ کے دِن اکٹھے ہو کر اُس ستی دیوی کی یاد سارے علاقہ کے بچے بُوڑھے مرد اور عورتیں مناتے ہیں۔ بُوا بھاگاں کی دہری موضع تھڑہ کلوال تحصیل بسوہلی میں ہے۔

جواہر سنگھ سومبڑیہ

سومبڑیہ خاندان میں میاں جواہر سنگھ سومبڑیہ ایک بہادر راجپوت ہُوا ہے۔ بھڈو راج کی طرف سے ۱۲ ونڈ (تین صد ایکڑ اراضی) کا پٹہ پُشت در پُشت ملا تھا۔ لیکن یہ جاگیر سُمرتہ اور بھڈو کے زوال پر ضبط ہو گئی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ ریاست کے دورہ میں جب بسوہلی آئے تو اُنہیں میاں جواہر سنگھ سومبڑیہ کی خودداری اور مجبوری کا علم ہُوا تو اُسے بُلا کر نظامت بھڈو میں ایک اعلےٰ عہدہ پر سرفراز کر دیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اِن علاقوں کی بھڈوال اور سومبڑیہ برادری کے علاوہ عام لوگوں کی مکمل اعتماد اور وفاداری حاصل کر لی گئی۔

ریاست بندرہالتہ

ڈوگرہ دیس کی ریاست بندرہالتہ کے متعلق تاریخ کی پرانی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ دو ہزار سال پہلے ریاست چمبہ کا بانی مبانی راجہ بنیتر کا فرزند راجہ ہماندری ہوا۔ اور اُس کی ۱۹ ویں پُشت میں راجہ شیل ورما چمبہ کا حکمران ہوا۔ اِس راجہ شیل ورما کی پانچویں پُشت میں راجہ بلی راج المعروف ڈوڈاک ورما ہوا جس کے دو بیٹے ہوئے۔ بڑا راجہ بچتر دیو وارث تخت چمبہ ہوا اور چھوٹا راجہ بہتر دیو بانیٔ ریاست بندرہالتہ اور خاندان بندرہال ہوا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سمت ۳۴۲۷ کلجگ مطابق سمت ۱۸۳ بکرم جہاں آج کل رام نگر آباد ہے، اِس علاقہ میں گاؤں گاؤں کا علیحدہ راج تھا۔ اور رانا کے خطاب سے زبردست شخص کی حکومت چلتی تھی۔ رگھورو نامی ایک زمیندار کی اولاد میں سے یہ رانے تھے۔ آج کل گھورو کی اولاد گھوران ٹھکر مشہور ہے۔ اِن ہی راناؤں کے مظالم سے تنگ آکر اکثر دیہات کے سرکردہ لوگوں نے راجہ چمبہ بچتر دیو کے پاس جاکر فریاد کی (کیونکہ اُن دنوں ڈوگرہ دیس کے پہاڑی علاقوں میں راجہ بچتر دیو والیٔ چمبہ کے انصاف اور بہادری کی دھوم مچی تھی) کہ "رانا لوگوں کی لوٹ مار سے لوگ سخت تنگ آگئے ہیں اور عوام کا جینا دوبھر ہو چکا ہے۔ اِن راناؤں کی جرص درازی اور ہوس پرستی سے جنتا کی عزت وآبرو اور جان ومال تباہ ہو رہے ہیں۔ ایشور کے واسطے اُن سے بچایا جائے۔" تو راجہ بچتر دیو نے اپنے چھوٹے بھائی بہتر دیو کو کافی فوج دے کر بھیجا۔ جس نے راناؤں کو مار بھگایا۔ اور جہاں آج کل رام نگر آباد ہے وہاں اپنی راجدھانی قائم کی اور راج کرنے لگا۔ بہتر دیو سے پہلے اِس جگہ کا نام نگر تھا۔ لیکن اُس نے قصبہ خاص یعنی نگر کے ساتھ علاقہ کا نام بندرہالتہ رکھا اور اُس کے ہی نام سے اُس کی اولاد بندرہال راجپوت مشہور ہوئی۔

راجہ بہتر دیو کا فرزند راجہ بھوج دیو ہوا۔ اُس کے تین بیٹے سلطان دیو، مکند دیو اور پرتھم دیو ہوئے۔ سلطان دیو بندرہالتہ کا راجہ ہوا۔ مکند دیو کی اولاد موضع لانگہ میں رہنے سے لانگال۔ پرتھم دیو کی موضع بگوہدر رہنے سے بگوہدریہ مشہور ہوئی۔

راجہ سلطان دیو کے بھی تین بیٹے کیپ راج۔ رام دیو اور لال دیو ہوئے۔ رام دیو کی اولاد موضع فرول میں رہنے سے فرولیہ۔ لال دیو کی تھنی رہنے سے تھنیال مشہور ہے۔ راجہ کیپ راج کے پرتاپ دیو۔ سندر دیو۔ گھوگڑ دیو تھے۔ سندر دیو کی اولاد سندریال موضع ملان میں رہتی ہے۔ گھوگڑ دیو نے گھوگڑ مڑہ کا ٹھاکر دوارہ بنوایا۔ اُس کی اولاد وہاں آباد ہے۔ اور گھوگڑہ کہلاتی ہے۔ راجہ پرتاپ دیو کے حکم دیو۔ صورت دیو۔ اندر دیو ہوئے۔ صورت دیو کی اولاد موضع کرنین میں کنیان کہلاتی ہے۔ اور اندر دیو کی اولاد موضع اودک رہنے سے اودگال مشہور ہے۔

راجہ حکم دیو کے بھیم دیو۔ سوریہ دیو اور واسدیو تھے۔ سوریہ دیو کی اولاد موضع کستوری میں راسلے سریہ کہلاتی ہے اور واسدیو کی موضع کھیڑ میں چلی آرہی ہے جنہیں ٹھنڈال کہا جاتا ہے۔ راجہ بھیم دیو کا فرزند جگ دیو تھا جس کے تین فرزند ناہر دیو۔ یگ راج دیو اور ہیرا دیو تھے۔ ہیرا دیو کی اولاد موضع مجوہ میں رہنے سے مجوال مشہور ہے۔ راجہ ناہر دیو کے تین بیٹے لکھمن دیو۔ گوبند دیو اور گنگ دیو تھے۔ گوبند دیو کی اولاد گوبندیال مواضعات جندروہڑ۔ تھناڑہ اور ہیبتلی میں آباد ہے۔

راجہ لکھمن دیو کے ترپر دیو۔ بھاگ دیو اور سکھ دیو ہوئے۔ بھاگ دیو کی اولاد موضع ماہڑتہ دریکہ میں ہے۔ راجہ ترپر دیو کا بیٹا چھتر سال اُس کا کیلاش پت اور اُس کا اندر دیو یکے بعد دیگرے بندرھالتہ کے راجے ہوئے۔ راجہ اندر دیو کو دہلی کے بادشاہ نے دیوان کا خطاب عطا کیا تھا۔ یہ راجہ دیوان اندر دیو کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مہاراجہ رنجیت دیو والئ ریاست جموں کا باجگذار تھا۔ دیوان اندر دیو نے اپنے چھوٹے فرزند راجہ جے سنگھ کو مہاراجہ رنجیت دیو کی ہدایت پر اُس کے ولی عہد راجہ برج راج دیو کے ساتھ کانگڑہ فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ جے سنگھ نے اس مہم میں بڑی بہادری دکھلائی اور نام پایا۔ اُس کا ذکر گلاب نامہ میں نمایاں طور پر آیا ہے۔ دیوان اندر دیو کے چار بیٹے راج پت۔ عظمت دیو۔ اوتم دیو اور جے سنگھ تھے۔

راجہ جے سنگھ کی اولاد موضع ڈینگوان تحصیل پٹھانکوٹ میں آباد ہے۔ اُسے وہاں ہی جاگیر ملی تھی۔ راجہ راج پت اپنے باپ دیوان اندر دیو کی وفات کے بعد بندرھالتہ کا راجہ ہوا۔ اُس کا راجہ بھگونت سنگھ اُس کا راجہ جگت سنگھ اُس کا بھوپ سنگھ اور اُس

کا فرزند راجہ چندر دہر دیو ہوا۔

راجہ چندر دہر دیو کے وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بندرہالتہ پر قبضہ کر لیا۔ اور یہ ریاست راجہ سوچیت سنگھ برادر اصغر مہاراجہ گلاب سنگھ کو ۱۸۲۲ء جولائی میں جاگیر کے طور عطا کر دی گئی۔ تو راجہ چندر دہر دیو اپنے خاندان کے ساتھ بندرہالتہ سے ہجرت کر کے شاہزاد پور ضلع انبالہ میں جا آباد ہوا۔ اور سرکار انگلشیہ سے مقرری حاصل کرنے لگا۔

راجہ سوچیت سنگھ نے بندرہالتہ کا نام بدل کر رام نگر رکھا۔ راجگان بندرہال کے محلات رام نگر کی نچلی چوری میں تھے۔ اب اُن کا نام و نشان بھی مٹ چکا ہے۔ راجہ سوچیت سنگھ نے اپنے محلات یہاں قصبہ کے جنوب مشرق میں ایک اونچی جگہ پر بنوائے۔ ساتھ ہی راجہ سوچیت سنگھ کے معتمد جرنیل رائے کیسری سنگھ کا ہمہ جا تعلیہ کے مکانات تعمیر ہوئے۔ اور محلات کے سامنے رام نگر کے چوگان میں ایک قلعہ بھی بنوایا گیا۔ راجہ سوچیت سنگھ کے حالات آئندہ صفحوں میں مکمل طور پر درج ہیں۔

بندرہالتہ ریاست کا تمام علاقہ پہاڑی ہے۔ اِس ریاست کے مشرق میں راجگان بلاوریہ کی ریاست بسوہلی اور کھڈ شال راجوں کی ریاست کھنڈو ... حدود ملتی تھیں۔ جنوب میں منکوٹیہ راجگان کی ریاست منکوٹ (رام کوٹ) تھی۔ مغرب کی طرف بھوتی، کرمچی اور چینینی کی ریاستوں کی ... ملتی تھیں۔ اب یہ ریاستیں جموں و کشمیر سٹیٹ میں مدغم ہیں۔ اور ضلع اُودھم پور ... تحصیلات کا درجہ رکھتی ہیں۔ راجگان بندرہال کا شاہی خاندان نواب ... انبالہ میں اور باقی تمام خاندان اور گھرانے ضلع کانگڑہ، ضلع جموں تحصیل ... تحصیل کٹھوعہ اور ضلع اُودھم پور میں آباد ہیں۔

نوٹ۔ بائیس راجگان کے عنوان سے صفحہ ۱۰۸ پر جموں کی بائیس ریاستوں کے نام لکھتے ہوئے سہو سے بندرہالتہ کا نام درج نہیں ہوا۔ ان بائیس راج پہاڑ میں بندرہالتہ ریاست بھی اپنے وقت میں ایک اہم درجہ رکھتی تھی۔ میرپور اور کوٹلی کو اسی سطر میں علیحدہ علیحدہ ظاہر کیا معلوم ہوتا ہے۔ دراصل یہ ایک ہی علاقہ تھا۔

ریاست بھوتی

اودھم پور قصبہ سے چھ میل شمال دھار لدھا کے دامن میں بائیں طرف بھوتی کرمچی کا علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ جس راجہ نے کرمچی کا نگر آباد کیا، اُس کا نام کیچک تھا۔ آج کل کرمچی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ لیکن نالہ دیوک کے کنارے کھنڈرات اس امر کے شاہد ہیں کہ کسی وقت یہاں ایک راجدھانی تھی جس میں بہت سے مندر تھے اور بڑی پُر رونق بستی تھی۔ آج بھی یہاں تین چار بڑے مندر موجود ہیں جن کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مندر بہت پرانے زمانہ قبل از مسیح کے ہیں۔ ان مندروں میں سے ایک مندر جو سب سے بڑا ہے، اُس کا کچھ حصہ قابل تیاری رہ گیا ہوا ہے۔ ان مندروں کا اندرونی حصہ جس میں چند ایک مورتیاں موجود ہیں، سطح زمین سے قریباً دو فٹ گہرائی میں ہے۔ یہ مندر نالہ دیوک کے پار کی طرف اور موجودہ موضع کرمچی نالہ کے اس پار ہے۔ یہاں ایک اونچے ٹیلے پر بھوتی کے راجگان کے ایک پرانے قلعہ کے نشان پائے جاتے ہیں۔ قلعہ کی گرتی دیواریں موجود ہیں۔ قلعہ کی چار دیواری کے اندر ایک خاصہ میدان ہے جہاں کہ راجگان بھوتی کے محلات کے کھنڈرات پڑے ہیں۔

ایک ہندی تحریر کے مطابق خاندان راجگان بھتیال کا تعلق راجہ دیا کرن والئی کشمیر سے ہے۔ راجہ دیا کرن اپنے باپ راجہ پورن کرن والئی جموں کے حکم سے کشمیر کے لوگوں کی فریاد پر کشمیر گیا تھا۔ اور وہاں امن قائم کر کے وہاں کا حکمران بن گیا۔ تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ دیا کرن کی اولاد نے پچپن پشت کشمیر پر راج کیا۔ راجہ دیا کرن کی اولاد سے راجہ سوم پت اور راجہ بھاؤ دیو کا پوتا مختلف وقتوں میں کشمیر سے جموں کی طرف چلے آئے۔ راجہ سوم پت کشمیر سے علاقہ ٹھل میں آیا۔ اور اس کے بعد علاقہ بھوتی میں کرمچی کو راجدھانی بنا کر خود مختار ریاست قائم کر لی اور بھتیال راجپوتوں کا بانی قرار پایا۔ اور جب راجہ بھاؤ دیو کے پوتے رائے سرن دیو کو راجہ گودھر نے کشمیر سے نکال دیا تو اُس نے جموں کے نزدیک دریائے توی میں بہارن کے گاؤں کو راجدھانی بنا کر قریب دونوں کے بہارن پر قبضہ کر کے خود مختار ریاست قائم کر لی۔

اور اپنے دادا کے نام پر اُس کی اولاد کہاڑ راجپوت مشہور ہوئی۔ راجہ بھاؤ دیو کی اولاد سے متعلق کسی آئندہ باب میں مفصل لکھا جائے گا۔ یہاں صرف راجہ سوم پت والئ ریاست بھوتی کا ذکر مقصود ہے۔

راجہ سوم پت نے بھوتی کے علاقہ میں لاندر وغیرہ علاقے اس میں شامل کر لیے۔ اُونچی جگہ پر قلعہ تعمیر کر کے اُس کے اندر اپنے محلات بنوائے۔ اور کافی مدت راج کر کے سورگباش ہوا۔

راجہ سوم پت کے بعد اُس کا بیٹا دیا ڈھاتا، اُس کا مان ڈھاتا، اُس کا بجے پال، اُس کا سکھی پال، اس کا استھان پال، اُس کا دل گپان سُت، اُس کا پت راج، اُس کا اجیبین، اُس کا بلوچن، اُس کا ترلوچن، اُس کا اتمر، اُس کا ناہر گشپت در گشپت بھوتی کے راجے ہوئے۔

راجہ ناہر کے چار بیٹے نند، اودری، لودری اور نیل سی ہوئے۔ اودری کی اولاد باگل راجپوت، لودری کے مانڈلہ اور نیل سی کی اولاد ڈنگھ بھل کے راجان ہیں۔ راجہ نند تخت نشین بھوتی ہوا۔ اُس کے بعد ڈیٹھ سری، جیت، سنہو یکے بعد دیگرے بھوتی کے حکمران ہوئے۔ راجہ سنہو کے تین بیٹے اتبار سنگھ، رتن سی اور اپکارسی تھے۔ راجہ اتبار سنگھ نے بھوتی کا راج سنبھالا۔ اور دونوں چھوٹے بیٹوں نے موضع کنسال اور موضع کوٹھسٹر تحصیل اودھم پور میں رہائش اختیار کر لی۔ جہاں کہ اُن کی اولاد آج بھی موجود ہے۔

راجہ اتبار سنگھ کے بعد راجہ نیل سنگھ اُس کا جیو پال، اُس کا قتلار سنگھ ہوا۔ قتلار سنگھ کے تخت سنگھ، رگھو، بشمبر اور بھیو چار بیٹے تھے۔ تخت سنگھ نے راج گدی سنبھالی۔ اور باقیوں کی اولاد مواضعات ہمیرٹہ، سوریپ اور کوٹلہ تحصیل اودھم پور میں آباد ہے۔

راجہ تخت سنگھ کا پہاڑ سنگھ اُس کا اودے سنگھ ہوا۔ پہاڑ سنگھ کے دوسرے بیٹے بھگت سنگھ نے اپنے نام پر بھگتارہ گاؤں آباد کیا۔

راجہ اودے سنگھ کا دان سنگھ اور اُس کا مان سنگھ ہوا۔ راجہ مان سنگھ نے اپنے نام پر مان سر گاؤں نزدیک کرمچی آباد کیا۔ راجہ مان سنگھ کے چھ بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا راجہ جھجر سنگھ ہوا۔ اور باقیوں نے کاشتکاری کا دھندہ اختیار کر لیا۔

Scanned with CamScanner

راجہ چھتر سنگھ کے ابھے سنگھ و ہمت سنگھ دو بیٹے ہوئے۔ ہمت سنگھ کی اولاد موضع مان سر میں آباد ہے۔ راجہ ابھے سنگھ کا بہادر سنگھ ہوا۔ راجہ بہادر سنگھ کا زمانہ مہاراجہ رنجیت دیو والئ جموں کا ہے۔ راجہ بہادر سنگھ کا فرزند راجہ جے سنگھ ہوا۔ راجہ جے سنگھ کے بعد اُس کا فرزند ہمت سنگھ بھوتی کا راجہ بنا۔ تو اُس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ والئ لاہور ڈوگرہ دیس کی تمام ریاستوں کو مطیع کر کے جاگیروں کے طور مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے بھائیوں راجہ دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ اور دھیان سنگھ کے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ کو عطا کر رہا تھا۔ چنانچہ راجہ ہمت سنگھ اپنی ریاست بھوتی سے بحکم مہاراجہ رنجیت سنگھ راجہ گلاب سنگھ نے بے دخل کر دیا۔ اور اُسے موضع ملہوڑی متصل جموں جاگیر دے دی گئی۔ اِس طرح سے راجگان بھنبیال کی ریاست بھوتی کا خاتمہ ہو گیا۔

بھوتی کے راجگان نہایت ہی صلح کُل، دُور اندیش اور امن پسند ہوئے ہیں۔ ان راجگان نے اپنی ریاست کی وُسعت میں نہ تو کوئی اضافہ کیا اور نہ ہی اِس کا کوئی علاقہ یا گاؤں کسی پڑوسی ریاست نے چھینا۔ عام طور پر راجگان بھوتی ریاست جموں کے باجگزار رہے اور دو ہزار روپیہ سالانہ باج ادا کرتے تھے۔ ۱۸۳۴ء میں راجہ گلاب سنگھ نے بھوتی سے باج لینا بند کر دیا اور اِس کا الحاق جموں سے کر لیا۔

ریاست باہو

ابتداء میں جموں اور باہو ایک ہی ریاست تھی۔ جموں کے راجہ کپور دیو کا جب ۱۵۹۲ء میں انتقال ہو گیا تو اُس کا بڑا بیٹا راجہ جگدیو بادشاہ اکبر کی طرف سے دکن کی مہم پر مامور تھا۔ وہ اُس مہم میں مارا گیا تو راجہ کپور دیو کے چھوٹے بیٹے راجہ سمیل دیو نے جموں کی حکومت سنبھال لی۔ راجہ جگدیو کا بیٹا راجہ پرسرام دیو جب جوان ہوا تو اُس نے ریاست جموں کے حصول کے لئے بخلاف راجہ سمیل دیو بادشاہ اکبر کے پاس دعوے کر دیا۔ تب اکبر نے ریاست جموں کو دو حصوں میں بانٹ کر جموں کا راج

سمیل دیو کو اور باہو کا راج پرسرام کو دیا۔ دونوں ریاستوں کی حد بسبب دریائے توی قرار پائی۔ چنانچہ توی کے آر شمال مغربی علاقہ ریاست جموں میں شامل ہؤا اور توی کا جنوبی علاقہ ریاست باہو میں آ گیا۔ لیکن دونوں ریاستوں کے والیان کے درمیان کشمکش بنی رہی۔ باہم جنگ وجدل بھی ہوئے۔ کبھی باہو کے علاقہ کے دیہات جموں والے دبا لیتے کبھی جموں کے دیہات باہو کے ساتھ شامل کر لئے جاتے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اگر کوئی جموں کا رہنے والا توی کے پار جاتا تو اُسے لوٹ لیا جاتا یا قتل کر دیا جاتا۔ اور اگر باہو کا کوئی آدمی توی پار کر کے جموں میں چلا آتا تو اُس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا۔ آخر آپس میں ایک زبردست جنگ ہوئی۔ کافی کشت وخون کے بعد باہمی صلح وامن سے رہنے کا فیصلہ ہو گیا۔ لیکن دل سے کدورت نہ جا سکی۔

راجہ پرسرام دیو والئی باہو پر بادشاہ اکبر بہت زیادہ مہربان تھا۔ تاریخ اکبر جلد سوم میں راجگان پہاڑ میں سے راجہ پرسرام دیو کو بادشاہ اکبر کا معتمد کہا گیا ہے۔ پرسرام دیو کا وزیر اوچھب چارک تھا۔ جو کہ اپنے وقت کا بہادر سپہ سالار ہؤا ہے۔ اُس نے بزورِ شمشیر سیالکوٹ تک کا علاقہ باہو میں شامل کر لیا تھا۔ پرسرام دیو کے چھوٹے بھائیوں شفی دیو۔ صاحب دیو اور کرن دیو نے بھی اپنے بڑے بھائی کی ریاست کو وسعت دینے کے لئے کافی امداد کی۔ اُن کی اولاد سے خاندان مکڑالیہ جموال اور منہاس علیحدہ ہوئے۔ طبقاتِ اکبری میں درج ہے کہ جب تاتار خان نے سیالکوٹ فتح کیا تو راجہ پرسرام دیو بھاگ کر کشمیر چلا گیا جہاں کہ جہانگیر بادشاہ مقیم تھا۔ بادشاہ نے اُسے اپنے ہمرکاب رکھا اور خلعت وغیرہ سے نوازا۔

راجہ پرسرام دیو کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا راجہ کرشن دیو وارث راج باہو ہؤا۔ کرشن دیو کے عظمت دیو۔ پرتھی چند اور کرپال دیو تین بیٹے تھے۔ کرشن دیو کے بعد راجہ باہو عظمت دیو ہؤا۔ لیکن وہ تین سال راج کر کے لاولد گزرا۔ اور باہو کا راج اُس کا چھوٹا بھائی راجہ کرپال دیو کرنے لگا۔

راجہ کرپال دیو

راجہ کرپال دیو اپنے وقت کا بڑا دانی اور طاقتور راجہ ہؤا ہے۔ جوگی لوگ

Scanned with CamScanner

پنجی کہانیوں میں راجہ کرپال دیو کو کرن کرپال سے یاد کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شری بلاس پور کی پرانی ڈھکی اسی راجہ نے بنوائی تھی۔ راجہ کرپال دیو نے اپنی ریاست کو بہت زیادہ وسعت دی۔ یہ راجہ تلوار بندوق اور دوسرے جنگی ہتھیاروں کا بڑا شوقین تھا۔ جہاں سے اچھے اور عمدہ ہتھیار ملتے، وہ انہیں حاصل کر لیتا۔ اُس کا وزیر میاں ناتھ پسر جے سنگھ دلیپنیہ تھا۔ میاں ناتھ اپنے وقت کا مایۂ ناز بہادر تھا۔ اور میاں ناتھ کی بدولت راجہ کرپال دیو باہو والے کا پہاڑی ریاستوں میں بہت زیادہ دبدبہ تھا۔ ایک دن میاں ناتھ ایک خوبصورت تلوار اپنے گاترے میں لٹکائے راجہ کرپال دیو کے پاس آیا۔ تو راجہ کرپال دیو نے تلوار دیکھتے ہی کہا۔ "میاں جی! یہ تلوار تو کمال کی ہے۔ یہ تلوار ہمارے ولی عہد ٹکہ نند دیو کے گاترے میں خوب سجے گی۔ اسے ہمارے کہنے موجب اُسے دے دو۔" تو میاں ناتھ کی بھویں تن گئیں۔ تلوار لہرا کر بولا۔ "آج آپ میری یہ عمدہ تلوار دیکھ کر للچا گئے ہو اور اس کی فرمائش کر رہے ہو۔ کل کو ہماری عورتوں اور لڑکیوں کو خوبصورت کہہ کر مانگنے لگ پڑو گے۔ ایسے راجہ کے پاس رہنا میں اپنی کسرِ شان سمجھتا ہوں۔ اس تلوار کا مزہ آپ کو اور آپ کے بیٹوں کو ضرور چکھاؤں گا۔" یہ کہا اور دربار سے چل دیا۔ جب اپنے گھر پہنچا تو اُس کے والد میاں جے سنگھ دلیپنیہ اور دوسرے لواحقین نے سمجھایا کہ اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ راجہ کرپال دیو کو ناراض کرنا درست نہیں لیکن وہ بہت کا پکا تھا۔ وہ گھر سے بھی نکل گیا اور سیدھا راجہ دھُرب دیو والیٔ جسروٹہ کے دربار میں چلا گیا۔ اور سارا ماجرا اُسے بیان کر دیا۔ اُن دنوں جسروٹہ راج اور باہو راج کی سرحد کا تنازعہ تھا۔ راجہ دھُرب دیو نے میاں ناتھ ایسے بہادر کا اپنے پاس آنا نیک فال خیال کیا اور اُس کا معقول گذارہ لگا کر اپنی مصاحبت میں لے لیا۔

چند دنوں کے بعد سرحدی تنازعہ کی بناء پر ہیرانگر کے نزدیک جانڈی کے مقام پر جسروٹہ اور باہو کی فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ آس پاس کی ریاستوں کے راجگان نے دونوں کو سمجھایا کہ آپس میں کٹ مرنا عقل کی بات نہیں لیکن دونوں کے سر پر جنگ کا بھوت سوار تھا۔ چنانچہ میدانِ جنگ میں لوہے سے لوہا بجنے لگا۔ وہ تلوار چلی کہ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ اس جنگ میں راجہ کرپال دیو کے دونوں لڑکے نند دیو اور گھمنڈ دیو اور سینکڑوں شورِ بیر مارے گئے۔ خود میاں ناتھ بھی اس لڑائی میں کٹ مرا۔ میاں ناتھ

بھی ڈوگرہ دیس کے بہادر جرنیلوں کی صف میں ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ میاں ناتھ کی بار (منظوم لوک کتھا) ڈھاڈی اور جوگی لوگ گاتے ہیں۔ میاں ناتھ کی غیرت، خودداری اور بہادری کی داستان کا ایک کتابچہ بھی شائع ہوا تھا جو کہ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ مؤلف تاریخ راجگان جموال کا قلمی تھا۔ اس میں لکھا ہے کہ راجہ کرپال دیو نے میاں ناتھ کی جگہ میاں سمدالون رام گڑھیہ جموال کو اپنا وزیر بنا لیا۔ چنانچہ راجہ دھرب دیو جسروٹیہ اور کرپال دیو باہو والا کی جنگ میں جب فریقین میں تلوار چلی تو میاں ناتھ کے ہاتھ سے میاں سمدالون کے دونوں بھائی گینڈا اور کرم دیو مارے گئے۔ اور گینڈا کے چار بیٹے بھی تہ تیغ ہو گئے۔ اس پر میاں سمدالون نے ایک بھرپور حملہ جسروٹیوں پر کیا اور میاں ناتھ کو بیچ میدان ڈھیر کر دیا۔ میاں ناتھ کے بعد میاں امر سنگھ چندراہیہ نے جسروٹیوں کی کمان سنبھال لی۔ میاں امر سنگھ چندراہیہ راجہ دھرب دیو کا پرم متر اور بڑا بہادر تھا۔ امر سنگھ کی تلوار نے راجہ کرپال دیو کے چھکے چھڑا دیے۔ تو میاں سمدالون خود امر سنگھ کے مقابلہ میں آ کھڑا ہو گیا اور ایک دوسرے پر وار ہونے لگا۔ امر سنگھ کی تلوار کے دو ٹکڑے سمدالون نے کر دیے۔ اس پر امر سنگھ نے برچھی مار کر سمدالون کو گھوڑے پر سے گرا دیا اور وہ زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ جسروٹہ اور باہو کی اس جنگ میں ڈوگرہ دیس کے اتنے بہادر اور شور بیر مارے گئے کہ ایسا معلوم ہونے لگا دنیا بہادروں سے خالی ہو گئی ہے!

راجہ کرپال دیو کے پرلوک سدھارنے پر راجہ اگر دیو باہو کے تخت پر بیٹھا۔ جب مہاراجہ رنجیت دیو والیٔ جموں کو نواب لاہور نے نظر بند کر دیا تو اس نے جموں پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر بارہ سال کی نظر بندی کے بعد سنہ 1765 میں رنجیت دیو آزاد ہو کر جموں آیا تو راجہ اگر دیو جموں پر حکومت کر رہا تھا۔ رنجیت دیو نے مصلحتاً جموں میں داخل ہونا مناسب نہ سمجھا۔ اور اپنی ذاتی جاگیر بھاگ نرگتا کی پہاڑیوں میں چلا گیا۔ جہاں سے اس نے فوجی بھرتی کر کے اپنے چھوٹے بھائیوں میاں گھنسار دیو اور میاں سورت سنگھ کی امداد سے جموں پر دھاوا کر دیا۔ اگر دیو شکست کھا کر بھاگ گیا اور لاہور میں جا کر پناہ لی۔ رنجیت دیو نے ریاست باہو پر بھی قبضہ کر لیا اور باہو کا راج میاں گھنسار دیو کو دے دیا۔ لیکن نواب لاہور نے چند ماہ بعد باہو کا راج اگر دیو کو واپس دلا دیا تو اس نے رنجیت دیو کی ماتحتی بھی قبول کر لی۔

راجہ رتن دیو

راجہ اگر دیو ۱۷۴۵ء میں وفات پا گیا اور حکومت باہو اُس کے بیٹے راجہ رتن دیو نے سنبھالی۔ راجہ اگر دیو کی ایک بیٹی بھی تھی۔ اِس راجکماری کی شادی کانگڑہ کے راجہ تیغ چند سے کی گئی تھی۔ اِس باہو والی رانی کا نگڑہ سے راجہ سنسار چند پیدا ہوا جس کی دھوم زمانے میں تھی۔ اور اسے پہاڑ بادشاہ کا خطاب حاصل ہوا تھا۔ راجہ رتن دیو کے وقت ہی ریاست باہو کو زوال آ گیا تھا۔ جموں اور باہو سکھ مثلوں کی زد میں آ گئے تھے۔ اور عملاً باہو پر جموں کی حکومت ہو گئی تھی۔ راجہ رتن دیو کی موت پر اُس کے تین بیٹے سنگھاسن دیو، رشوراج دیو اور گنجار دیو دس، آٹھ اور چھ سال کے تھے۔ سنگھاسن دیو اور گنجار دیو رشتہ داری کی وجہ سے کانگڑہ میں راجہ سنسار چند کے پاس چلے گئے جس نے اُن کی تعلیم و تربیت اور پرورش میں خاصی دلچسپی لی اور اُنہیں اپنی مصاحبت میں لے لیا۔ باہو کے دونوں راجکمار راجہ کانگڑہ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ کانگڑہ کی ریاست سے دونوں کو راجہ سنسار چند نے تین تین ہزار روپیہ کی جاگیریں لگا دیں۔ یہ جاگیریں تحصیل ہمیر پور ضلع کانگڑہ میں تھیں۔ ریڑہ سوجانپور اور علاقہ محل موریاں کے کامل اختیارات مع خطاب راجگی انہیں حاصل ہو گئے۔

۱۸۱۸ء میں راجہ سنسار چند نے مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی لاہور نے ریاست کلہور (بلاسپور) پر فوج کشی کا حکم دیا۔ عمدۃ التواریخ (روزنامچہ دربار لاہور) میں لکھا ہے کہ راجہ سنسار چند نے اپنے ماموں زاد بھائی راجہ سنگھاسن دیو جموال کو، جو کہ راجہ اگر دیو باہو والا کا پوتا تھا، اِس مہم کی کمان سپرد کی جس نے کہ قلعہ جھنجار کو فتح کر لیا۔ اِس گھمسان کی لڑائی میں راجہ سنگھاسن دیو نے کلہور والوں کے چھکے چھڑا دیے اور کئی جوانوں کو تہ تیغ کرتا خود بھی مارا گیا۔ راجہ سنگھاسن دیو کا بیٹا برج راج دیو ہوا۔ سکھوں کے آخری دور میں باہو والے خاندان کی جاگیر جو کانگڑہ میں تھی چھین لی گئی۔ اور وہ اپنے رشتہ دار راجوں کی ملازمت میں بسر اوقات کرنے لگے۔ اِس طرح راجہ اگر دیو کی اولاد کانگڑہ اور منڈی ریاست میں جا کر آباد ہو گئی۔ اور اُن کی رشتہ داریاں، لڑکوں لڑکیوں کے ناطے

راجگان کوہستان کانگڑہ - نینی تال شملہ اور ٹیہری گڑھوال وغیرہ سے ہوئے - راجہ اگر دیو کی ساتویں پُشت میں میاں نریندر دیو ہوا - میاں نریندر دیو پسر حکیم میاں رام رتھ جموال کی شادی مہاراجہ جے چند والئ لمبا گاؤں (کانگڑہ) کی بڑی راجکماری سے ۱۹۲۹ء میں (1929) ہوئی - یہ میاں نریندر دیو پرنس آف ویلز کالج جموں میں کچھ مدت پڑھتا رہا بلکہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ والئ جموں کے حضور میں بوساطت مہاراجہ لمبا گاؤں اپیل بھی کی گئی کہ ان کے بزرگوں کی ریاست باہو بطور جاگیر اُسے بحال کی جائے - کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ہاں بھی کر دی - اس کے کاغذات ریاست کی انتظامیہ کونسل میں بھیج دئے جہاں اس اپیل کو بدیں وجہ مسترد قرار دے دیا گیا کہ "معاملہ زائد المیعاد ہو چکا ہے - اس لئے قانونی نقطۂ خیال سے میاں نریندر دیو مورث اعلیٰ خاندان راجہ اگر دیو کو باہو کی جاگیر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" بعد میں میاں نریندر دیو کو مہاراجہ پٹیالہ نے اپنی مصاحبت میں لے لیا اور کئی ایک ذمہ داریاں اُس کے سپرد ہوئیں - میاں نریندر دیو کے باپ حکیم میاں رام رتھ جموال کو مہاراجہ لمبا گاؤں نے اپنی لڑکی کی برات لانے کے لئے جو خط لکھا تھا وہ ذیل میں حرف بحرف درج کیا جاتا ہے :-

"مہاراج نگر (لمبا گاؤں) - ۳ر دسمبر ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر میاں صاحب رام رتھ جموال جی ست ہے دیا -

مَیں نے اپنی بڑی لڑکی کا ناطہ میاں نریندر دیو کو دے دیا ہے - آپ کے خاندان سے ہمارا پہلے ہی سے تعلق تھا جو مَیں نے اب تازہ کر دیا ہے ۲۹ر پرویشٹہ کو یہاں ہی نریندر دیو کا ساہا سعوت ہوگا - اس لئے آپ برات لے کر ۲۸ر پرویشٹہ کی شام کو آ جائیں - لگن ۲۹ر پرویشٹہ کی صبح کو جب روہنی نکشتر لگے گا، قرار پایا ہے - باقی تمام رسومات شادی سنکرانت کے روز عمل میں آ کر سماپت ہو جائیں گی - پرماتما ہمارے اس چھوٹے سے یگیہ کو بخیر و خوبی انجام دے - نریندر دیو میاں پہلے بھیج دیا جائے -

فقط - الراقم جے چند مہاراجہ لمبا گاؤں

(نشان ۱۷ ڈوگرہ)

راجہ بسنت دیو

راجہ اگر دیو کا خاندان تو کانگڑہ اور ریاست منڈی میں چلا گیا۔ لیکن اگر دیو کا بھائی راجہ بسنت دیو باہو میں نام بنام راجہ کے طور رہ گیا۔ اور وہ جموں والوں کے آدھین رہ کر سکھ سرداروں کی جموں پر یورش کے زمانہ میں لڑتا بھڑتا رہا۔ راجہ بسنت دیو کا دیہانت ہو گیا۔ اس کے شاہزادہ دیو اور کندن دیو دو بیٹے ہوئے۔

شاہزادہ دیو کے بعد باہو کا راجہ بنام راجہ گھمبیر دیو ہوا۔ یہ باہو کا آخری راجہ تھا۔ اس نے اپنی شادی خاندان موضع ساہوال تحصیل اکھنور میں بیاہ کیا تھا۔ اس کے سنسار دیو، سوہن سنگھ اور ٹھاکر سنگھ تین بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔ راجہ گھمبیر دیو سکھوں سے لڑتا ہوا مارا گیا اور باہو پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ گھمبیر دیو کے لڑکے سنسار دیو اور ٹھاکر سنگھ کانگڑہ چلے گئے اور سوہن سنگھ اپنے ننہال ساہوال میں پرورش پانے لگا۔ لیکن راجہ گھمبیر دیو کی لڑکی کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس کے بھائیوں کے ساتھ جانے نہ دیا بلکہ اپنی بیٹی کے طور اسے بسوہلی کے راجہ کلیان پال کے ساتھ بیاہ دیا۔ اور کافی جہیز اور نقدی وغیرہ اسے دی۔ سوہن سنگھ کی اولاد جو کہ تحصیل اکھنور میں آباد ہے، خاندان باہو والا راجگان کی اس علاقہ میں نشانی موجود ہے۔

باہو کا قلعہ اور گاؤں

آج کل باہو تحصیل جموں میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے یہ گاؤں جہاں کہ ریاست کے بانی باہو لوچن کا بنوایا ہوا پرانا قلعہ ہے، جموں شہر کے بالکل دریائے توی کے مشرقی کنارہ کی ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ قلعہ باہو کی صرف دیواریں رہ گئی ہیں۔ اس کے اندر کے محلات وغیرہ سب ختم ہو گئے ہیں۔ جموال خاندان کی کل دیوی کنگوتی کالکا کا مندر اس قلعہ میں ہے بھگوتی کالی کی اس سارے علاقہ میں بڑی مہانتا ہے۔ ہر منگلوار اور ایتوار کو یہاں میلہ لگتا ہے۔ اور ماہ اسوج اور ماہ چیت کے نوراتروں میں بھی ہر سال آٹھ دن میلہ رہتا ہے۔ قلعہ کے اندر پانی کے ذخیرہ کے لئے اندرونی صحن اور بیرونی صحن میں دو تالاب ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس قلعہ کو وسعت دے کر بہت زیادہ

محفوظ اور پختہ کیا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے ماہ اگست اور اس کے دو تین ماہ بعد تک یہاں فوج اور پولیس کا پہرہ رہتا تھا۔ اور یہاں روزانہ صبح ۴ بجے، رات کے ۱۰ بجے اور دوپہر ۱۲ بجے توپ چلتی تھی۔ اب یہ پہرہ وغیرہ اٹھا لیا گیا ہے۔ صرف بھگوتی کالی کے شردھالوؤں کی آمد و رفت سے یہاں رونق ہے۔ ورنہ ویرانی کے آثار ہویدا ہو چکے ہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ نے ڈوگرہ کے شاندار ماضی کے اس نشان کو محفوظ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ قلعہ باہو ۳۵۰۰ برس قبل مسیح راجہ باہو لوچن نے اپنے نام پر تعمیر کرایا تھا۔ جب کہ اس جگہ کا نام دھارا نگری تھا۔ قلعہ باہو کے باہر ایک میدان ہے جہاں کہ سولھویں صدی کے آخر میں راجہ کشن دیو فرزند راجہ پرسرام دیو بلنے خاندان باہو والا نے بتقریب سیاحت بادشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں مسجد بنوائی تھی۔ لیکن بادشاہ اور ملکہ یہاں تشریف نہ لا سکے۔ اس لئے بعد میں یہ عمارت راجگان باہو کے بارود کے گودام کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ اب یہ مسجد بھی ویرانی کا منظر پیش کرتی ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ سے مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد تک حکومت کے باغیوں کو قلعہ باہو میں نظر بند رکھا جاتا تھا۔

ریاست جسروٹہ

1019

جموں کے راجہ جس دیو نے ۱۰۱۹ء میں جموں سے ۴۵ میل مشرق دریائے اوجھ کے کنارے اپنے نام پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام جسروٹہ رکھا گیا۔ اور اسے خود مختار ریاست کے طور اپنے چچا راجہ کرن دیو کو دے دیا۔ جسروٹہ کی ریاست کی سرحد دریائے راوی تک تھی۔ جسروٹہ رہنے سے کرن دیو کی اولاد جسروٹیہ کہلانے لگی۔ راجہ کرن دیو ایک بہادر اور صاحب تدبیر حکمران تھا جس نے دریائے اوجھ کے کنارے جہاں کہ آج کل محکمہ انہار کا ریسٹ ہاؤس ہے، کے مغربی ٹیلہ پر اپنے محلات تعمیر کرائے اور محلات کے نیچے میدان کو چھاؤنی کے نام سے موسوم کیا جو کہ فوجی پریڈ کا کام دیتا تھا۔

ریاست بھی شامل ہے۔

راجہ پرتاپ دیو کے سات بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا جتار دیو تھا جسے اپنے باپ کی وفات کے بعد جسروٹہ کی راج گدی ملی۔ باقی بھائیوں کی اولاد جسروٹہ کے ہی نواحی دیہات سنورہ۔ دھلوٹی۔ امالہ۔ ہیرانگر وغیرہ میں آباد ہے۔

راجہ جتار دیو کے عطر دیو اور لسبار دیو دو بیٹے تھے۔ عطر دیو نے جسروٹہ کی حکمرانی پائی اور لسبار دیو کی اولاد کٹھوعہ میں آباد ہوئی۔ راجہ عطر دیو کے پانچ بیٹے سلطان دیو، پھتو، مھوں۔ الو، سہھو تھے۔ سہھو کی اولاد موضع گھگوال تحصیل ہیرانگر اور رام کوٹ میں آباد ہو گئی۔ باقیوں کی اولاد ملوٹ، کٹھلی اور سہسوال کے دیہات میں آباد ہے۔

راجہ سلطان دیو بادشاہ اکبر کے وقت میں ہوا۔ اس راجہ کو دہلی دربار سے خان کا خطاب ملا تھا۔ اس سے وہ سلطان دیو کی بجائے سلطان خان مشہور ہوا۔

راجہ سلطان خان کے بعد راجہ سنگت دیو اس کا دولت دیو اور اس کا بھجو یکے بعد دیگرے جسروٹہ کے راجے ہوئے۔ بادشاہ شاہجہان نے راجہ بھجو کو خطاب اور خلعت سے نوازا۔ راجہ بھجو کے بعد اس کا بڑا بیٹا راجہ بھوج دیو وارث تخت جسروٹہ ہوا۔ باقی بھائیوں کا من دیو، سنگرام، بل بھدر کی اولاد موضع ... اور کٹھلی میں آباد ہے۔

راجہ بھوج دیو کے بعد اس کا بڑا بیٹا راجہ فتح خان جسروٹہ کا تخت نشین ہوا۔ اس کا شب دیو اس کا جگ دیو اس کا سکھ دیو پشت در پشت جسروٹہ کا راج کرتے رہے۔ راجہ جگ دیو کے بعد اس کا بڑا بیٹا راجہ دھرب دیو جسروٹہ کا تخت نشین ہوا۔

راجہ دھرب دیو

راجہ دھرب دیو نے اپنے محلات جسروٹہ کے شمالی جنگل کو صاف کرا کر سے محل وقوع پر تعمیر کرائے جو کہ بمثل جموں شہر تھا۔ جس طرح جموں شہر کے نیچے مشرق میں دریائے توی بہتا ہے، اسی طرح جسروٹہ کو جس پہاڑی پر نئے سرے سے تعمیر کیا گیا اس کے مشرقی جانب نیچے دریائے اُجھ بہتا ہے۔ جموں میں داخلی دروازہ ... ہے تو نیا جسروٹہ کے داخلی دروازہ کا نام دلی دروازہ رکھا گیا۔ جب جسروٹہ ... جنگل

صاف ہو کر لوگوں کے مکانات اور محلات تعمیر ہونے لگے۔ تو راجہ دھرُب دیو نے ودوان جیوتشیوں سے سنگِ بنیاد رکھنے کا مہورت نکلوایا۔ اور مہورت کے موجب نیک ساعت میں راجہ کے اہلکار اور پروہت جب شہر کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے دلی دروازہ پر پہنچے تو کہا جاتا ہے کہ اُس طرف سے ایک ہری جن ڈوم کی ارتھی آ رہی تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے اِسے بدشگونی سمجھا اور واپس چلے آئے۔ راجہ نے دریافت کیا کہ کیا بات ہوئی۔ تو راج پروہت نے جواب دیا کہ شگون اچھا نہیں ہوا۔ کیونکہ دلی دروازہ میں داخل ہوتے ہی ایک ڈوم کی ارتھی سے ہماری بھینٹ ہو گئی۔ تب جیوتشی جس نے کہ مہورت نکالا تھا اور راجہ کے پاس بیٹھا تھا پکار اُٹھا کہ ارتھی کا سامنے سے ملنا ہی نیک شگون تھا۔ یہ تم لوگوں نے کیا کیا۔ تم نے نیک ساعت گنوا دی ہے۔ اگر اُس ساعت میں سنگِ بنیاد رکھا جاتا تو ہزاروں سال تک اس شہر کی آبادی میں فرق نہ پڑتا۔ اور دن بدن ترقی ہوتی۔ افسوس کہ وقت گزر گیا۔ اب یہ نیک ساعت ایک ہزار سال تک بھی نہیں آ سکتی۔ پھر بھی اگر راجہ صاحب منظور کریں تو ابھی دو گھڑی یہ نکشتر اور ٹل رہا ہے۔ اگر اس کے اندر سنگِ بنیاد رکھا جائے تو اس شہر کو ایک سو سال تک کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا لیکن اس کے بعد لازمی طور پر یہ اُجڑ جائے گا اور یہ جنگلی جانوروں کا مسکن بن جائے گا۔

راجہ دھرُب دیو نے اپنے آدمیوں کو کہا کہ ابھی جا کر سنگِ بنیاد رکھ دو۔ سو سال کس نے دیکھے ہیں۔ میری اچھیا ہے کہ میں نئے محلات اور نیا شہر بسا کر راج کروں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ دس سال میں نیا جسروٹہ کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اور جب راجہ دھرُب دیو نے اپنے محلات میں پرویش کیا تو اُسے یہ محسوس کر کے مسرّت حاصل ہوئی کہ اُس کا پلان کامیاب رہا۔ اور جسروٹہ پر بالکل جموں شہر کا گمان ہوتا ہے۔ اُسی طرح کی دریائے اُوجھ تک آنے جانے کے لئے ڈھکیاں (راستے) ہیں۔ اسی طرح کے بازار بنے ہیں۔ اور پانی کے ذخیرہ کے لئے جا بجا بڑے بڑے تالاب بنے ہیں۔ اور مندروں کے کلس جموں کی مانند ہی چمک رہے ہیں۔ راجہ اپنے محلات میں کھڑے ہو کر جب دریائے اُوجھ کے پار میدانوں اور بے آب و گیاہ پہاڑیوں میں منتشر بستیوں کو دیکھتا ہے تو اُسے ایسا لگتا ہے کہ وُہ جسروٹہ میں نہیں بلکہ جموں کے راج محلوں میں کھڑا محوِ نظارہ ہے۔ راجہ دھرُب دیو نے جسروٹہ کو علاقہ پہاڑ کا تجارتی مرکز بنایا۔ اور یہاں سے تمام اشیاء درآمد برآمد پہلے

Scanned with CamScanner

سے بھی زیادہ ہوتے گئیں۔

نیا جسروٹہ میں آباد ہونے کے تھوڑی مدت بعد ہی جانڈی کے مقام پر راجہ دھرب دیو اور باہو کے راجہ کرپال دیو کی سرحدی تنازعہ پر لڑائی ہوئی جس میں کہ ڈوگرہ دیس بالخصوص جموال خاندانوں کے بڑے بڑے بہادر کام آئے تھے۔ راجہ دھرب دیو اپنے وقت کا بڑا انصاف پسند، رعایا پرور اور بہادر راجہ ہو گزرا ہے۔

راجہ دھرب دیو کے بعد اس کا بیٹا کیرت دیو وارث جسروٹہ ہوا۔ یہ راجہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر مشہور رہا۔

راجہ رتن دیو

راجہ کیرت دیو نے جب اپنا قالب خالی کیا تو اس کا بڑا بیٹا راجہ رتن دیو تخت نشین ہوا۔ گلاب نامہ میں لکھا ہے اور اس کی شہادت بجرات پنجاب کے مصنف کی رو سے بھی ملتی ہے کہ راجہ رتن دیو نے کانگڑہ کی جنگ میں راجہ برج راج دیو فرزند مہاراجہ رنجیت دیو والئی جموں کے ہمرکاب بہادری دکھا کر راجگان پہاڑ ڈوگرہ دیس میں ممتاز درجہ حاصل کیا تھا۔ راجہ رتن دیو کا راجہ بھاگ سنگھ ہوا۔ اس کا راجہ عجیب دیو اور اس کے تین بیٹے لال دیو، شمشیر سنگھ اور رتن سنگھ اور ایک بیٹی رانی جسروٹی ہوئی جو کہ راجہ مہندر پال بلاوریہ والئی بسوہلی سے بیاہی گئی جس کے بطن سے راجہ بھوپندر پال پیدا ہوا۔

راجہ لال دیو کے دو بیٹے رندھیر سنگھ اور بھوری سنگھ ہوئے۔ رندھیر سنگھ لاولد گزرا اور جسروٹہ کا راج راجہ بھوری سنگھ کو ملا۔ راجہ بھوری سنگھ نے بشمول راجہ انتار سنگھ بھڈوال عبار راجہ گلاب سنگھ کی فوجوں اور سکھا شاہی کے زمانہ میں سکھوں کی فوج کے ساتھ زبردست لڑائیاں کیں اور اپنی ریاست بچانے کے لئے کافی جدوجہد کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور جسروٹہ پر دربار لاہور کا قبضہ ہو گیا تو دربار لاہور سے راجہ ہیرا سنگھ فرزند راجہ دھیان سنگھ مدار المہام لاہور دربار کو جسروٹہ کی ریاست جاگیر کے طور مل گئی۔ اور راجہ بھوری سنگھ کو کسی قدر نقد مواجب لگا کر اس کے خاندان کی سکونت جسروٹہ سے منتقل کر دی گئی اور اسے جموں کے متصل موضع خانپور میں آباد ہونے کے لئے جگہ دے دی گئی۔

شمشیر سنگھ اور لشن سنگھ جو راجہ بھوری سنگھ کے حقیقی چچا تھے کو جسروٹہ سے بدر کر دیا گیا۔ اور وُہ نورپور ضلع کانگڑہ میں آباد ہو گئے۔ اُنہیں بھی کسی قدر گزارہ سرکار سے لگا دیا گیا۔

خاندان جسروٹہ سے راجہ فتح سنگھ اور دلیپ سنگھ خان پور کے علاقہ میں قابل احترام اور ہر دلعزیز شمار ہوتے رہے۔

جسروٹہ کا خاتمہ

راجہ ہیرا سنگھ کو جب جسروٹہ کی حکمرانی مل گئی تو وُہ دربار لاہور میں بادشاہوں کی بچی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اُس کا اقتدار اور رسوخ اتنا زیادہ تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی لاہور کی اولاد بھی اُس کے سامنے خم کھاتی تھی۔ جسروٹہ کا راج پا کر وُہ بے حد خوش ہؤا اور اُس نے حکم دیا کہ جسروٹہ شہر سے نصف میل اُوپر اُس کے لیے محلات تعمیر کرائے جائیں۔ راجگان جسروٹہ کے محلات میں ریاست کے دفاتر اور فوج وغیرہ رکھی جائے۔ چنانچہ راجہ ہیرا سنگھ کے محلات تھوڑے عرصہ میں ہی تعمیر مکمل ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ وُہ ایک بار ہی دو تین دن کے لیے اِن محلات میں رہائش پذیر ہؤا۔ اُس کے بعد لاہور کی طوائف الملوکی میں اُسے ایک دن کے لیے بھی لاہور سے غیر حاضر ہونے کی فرصت نہ مل سکی۔ اور اِس طوائف الملوکی کا وُہ خود بھی شکار ہو گیا۔

راجہ ہیرا سنگھ کے بعد جسروٹہ کے زوال کے حالات آئندہ حصّہ میں تفصیل سے درج کیے جا رہے ہیں۔ جسروٹہ میں راجہ ہیرا سنگھ نے وزیر بچنا کو جسروٹہ کی تھانیداری (گورنری) سپرد کی تھی جو کہ بعد میں سکھوں سے مل کر غدار ثابت ہؤا۔ جب معاہدہ امرتسر کی رُو سے مہاراجہ گلاب سنگھ ۱۸۴۶ء میں ریاست جموں و کشمیر کا خود مختار حکمران ہؤا تو جسروٹہ کی خود مختارانہ حیثیت ختم ہو گئی اور اِسے موجودہ ریاست میں مدغم کر لیا گیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے وقت اور بعد میں مہاراجہ رنبیر سنگھ تک جسروٹہ کی رونق بدستور قائم رہی۔ جسروٹہ کو ضلع کا درجہ دیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں جسروٹہ سے ضلع کے ہیڈ کوارٹر کٹھوعہ میں منتقل کر دیے گئے۔ اور جسروٹہ — جہاں کہ کبھی سینکڑوں گھرانے کشمیری شالبافوں کے آباد تھے، جہاں کہ تجارت پیشہ لوگوں کی بہتات تھی، جو کہ علاقہ پہاڑ کا زبردست تجارتی مرکز تھا، جہاں کہ ڈوگرہ فوج کا پُورا بریگیڈ رہتا تھا اور جہاں

تک بازاروں میں چلنے سے کندھے سے کندھا چھلتا تھا۔ خود جسروٹہ دن بدن اجڑنے لگا۔
اور راجہ دھرب دیو کے جیوتشی کی بات پوری ہونے لگی کہ یہ شہر ایک سو سال کے بعد
لازماً اجڑ جائے گا۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں جسروٹہ میں آبادی کا نام و نشان نہیں رہا۔ بازار موجود ہیں۔ دو رویہ دوکانیں کھڑی ہیں۔ حویلیاں اور بڑے بڑے مکانات اور عظیم الشان محلات آکاش کو چھو رہے ہیں لیکن آدمی نہ آدم زاد۔ حسرت برس رہی ہے۔ اور معلوم ایسا ہوتا تھا کہ مانو اس بستی کے بسنے والے کہیں پر لگا کر اڑ گئے ہیں۔ صرف دو ایک مندر باقی رہ گئے تھے جہاں کہ پوجاری لوگ نیچے کی بستی سے آکر صبح و شام ٹھاکروں کی پوجا کرتے تھے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے انتقال کے بعد گورنمنٹ جموں و کشمیر کے محکمہ مال نے مکانوں کے چھتوں کی لکڑی اور دروازے وغیرہ ۱۹۲۳ء میں نیلام کر دئے تو باقی صرف دیواریں کھڑی رہ گئیں۔ اور آج نہ تو بازار ہیں اور نہ دوکانیں اور محلات کی دیواریں۔ کہیں کہیں کوئی کھنڈر نظر آ جائے گا۔ اور جسروٹہ جہاں کہ کبھی ہزاروں اشخاص آباد تھے آج جنگلی جانوروں کا مسکن ہے۔

لہ ۱۹۲۲ء میں مؤلف راکوٹ جاگیر میں سری بوا رانی صاحب رام کوٹ کی ملازمت میں نیا نیا داخل ہوا تھا۔ تو مجھے پہلی بار جسروٹہ میں جانے کا اتفاق اس طرح ہوا کہ وہاں موضع [illegible] میں سری بوا رانی صاحبہ کی ملکیتی اراضی تقریباً ایک صد گھماؤں کے فصل کا کنکوت کرنا تھا۔ میرے ساتھ ایک کنوئی مسمی کشورا ٹھکر اور چوہدری ملو کا تحویلدار توشہ خانہ سری بوا رانی صاحبہ بھی تھے۔ [illegible] میں سات آٹھ یوم اس کام کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ تو ایک دن چوہدری ملو کا نے کہا چلو جی [illegible] اجڑا ہوا شہر اور شاہی محلات دیکھ آئیں۔ ہم نے چوکیدار اور نمبردار دیہہ کو بھی ساتھ لیا [illegible] پانچ اشخاص آدھ گھنٹہ میں جسروٹہ کے بازار سے گزر کر محلات کے پاس جا پہنچے۔ جسروٹہ کی ویرانی دیکھ کر سخت متاثر ہوئے۔ مجھے جسروٹہ سے اس لئے بھی زیادہ دلچسپی تھی کہ میرے پڑدادا دیوان [illegible] کبھی وہاں وزیر وزارت (ڈپٹی کمشنر) اور میرے دادا دیوان [illegible] رام وہاں تحصیلدار کے عہدہ پر فائز رہے تھے۔ اور ہمارے خاندان کے رہائشی مکانات بھی وہاں تھے جن کو میں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا۔ ہمارے ساتھ جو جاگیر [illegible] کا سربراہ نمبردار تھا۔ اس کا نام [illegible] جولاہا اور موضع [illegible]

ریاست لکھن پور

بارھویں صدی کے اخیر میں جب جسروٹہ کا راجہ کرم دیو وفات پا گیا تو جسروٹہ کا راج اُس کے بڑے بیٹے راجہ پرتاپ دیو کو ملا۔ لیکن چھوٹے بیٹے راجہ سنگرام دیو نے جھگڑا کر دیا۔ اور بنصف راج جسروٹہ پر اپنے حق کا اعلان کر دیا۔ دونوں بھائیوں میں کشمکش اور نزاع بڑھنے لگی۔ تو پڑوس کی ریاستوں بھدو اور بسوہلی کے راجگان اور جسروٹیوں کی برادری نے آپس میں سمجھوتہ کرا دیا۔ اور جسروٹہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دریائے اُوجھ حد بست مقرر کر دی۔ یعنی اُوجھ سے مغربی علاقے راجہ جسروٹہ پرتاپ دیو کے تحت اور اُوجھ کے مشرقی دیہات دریائے راوی تک راجہ سنگرام دیو کو دیئے جانے قرار پائے۔ راجہ سنگرام دیو نے لکھن پور کے نام سے ریاست کی بنیاد ڈالی اور دریائے راوی کے کنارے ایک قلعہ

(فٹ نوٹ صفحہ ۲۱۷ سے آگے) بلوٹ کا رہنے والا تھا۔ وہ اپنی عمر ایک سو برس بتاتا تھا۔ اُس نے ہمیں یہ بھی کہا کہ اُس کے دانت دوسری بار نکلے ہیں۔ اس عمر میں بھی وہ کافی تندرست اور صحت مند تھا۔ میں نے اُس سے دریافت کیا کہ ہمارے بزرگوں کے مکانات بھی یہاں تھے۔ تو وہ جواباً بولا کہ آپ کے پڑدادا دیوان دیوی دتہ مل کا نوکر میں ادنیٰ رہا ہوں۔ میں نے مہاراجہ گلاب سنگھ کا زمانہ دیکھا ہے۔ ایک بار تو مہاراجہ صاحب بھی یہاں آئے تھے۔ میں اُس وقت جوان تھا۔ اس نے وہ کھنڈرات ہمیں دکھائے جو کہ میرے بزرگوں کے مکانوں کے تھے۔ میں دُنیا کی بے ثباتی پر رو اُٹھا۔ اور جب ہم راج محلات کے باہر ڈیوڑھی میں آئے تو چوہدری ملوکا نے کہا کہ جس طور آج کل ہم رامکوٹ کے راج محل کی ڈیوڑھی میں بیٹھ کر اندر سے کسی ملازم کو بلانا ہو تو آواز دیتے ہیں۔ اسی طرح اس ڈیوڑھی سے جو ملازم ہوتے ہوں گے، رانی نوکروں کی ملازماؤں کو آوازیں دیتے ہوں گے۔ تو جواب ملتا ہوگا "آئی جی"۔ اس پر حسنا جولاہے کہا کہ آواز دے کر دیکھو تو شاید کوئی بول ہی پڑے۔ یہ بات اُس نے تو مذاقاً کہی تھی لیکن چوہدری ملوکا نے باآواز بلند پکار کر کہہ ہی دیا "بٹیانی جی!" (کھانا بنانے والی ملازمہ)۔ محلات کے اندر تک آواز گونج گئی۔ اور صدائے بازگشت میں ہم نے سنا کہ جواب میں کوئی کہہ رہا ہے "آئی جی!" (باقی آگے صفحہ پر)

تعمیر کیا۔ اس پرانے قلعہ کے کھنڈر آج بھی ایک ٹیلے پر پائے جاتے ہیں۔ لکھن پور میں آج جو قلعہ موجود ہے وہ اٹھارھویں صدی کا تعمیر شدہ ہے۔ راجہ سنگرام دیو سے لکھن پور یہ خاندان شروع ہوا۔

راجہ سنگرام دیو کے چار بیٹے ہوئے جنھوں نے اپنے اپنے نام پر یعنی بیرم دیو نے بروال اور بمبہ نے بمیال کے مواضعات آباد کئے۔ راجہ سنگرام دیو کے مرنے کے بعد اُس کا بڑا بیٹا سیدو لکھن پور ریاست کا وارث ہوا۔

سیدو کو بادشاہ دہلی کی طرف سے رائے کا خطاب ملا اور وہ رائے سیدو کے نام سے مشہور ہوا۔ رائے سیدو کے دو بیٹے جھوجار دیو اور ملھو ہوئے جھوجار دیو کا فرزند تو وارث ریاست ہوا لیکن چھوٹے لڑکوں کی اولاد مواضعات ترکوٹہ، کھروٹہ، جگلوٹ وغیرہ میں آباد چلی آرہی ہے۔ خاندان ترکوٹہ کے ٹھاکر بھوری سنگھ اور رتن سنگھ کو ریاست کی طرف سے کبھی پانچ صد روپیہ کی جاگیر عطا تھی۔ اس خاندان کے ایک مشہور اہلکار میاں متاب سنگھ ہوئے ہیں جنھیں مہاراجہ رنجیت سنگھ والئے لاہور کے ارشاد سے راجہ

(فٹ نوٹ صفحہ ۲۱۸ سے آگے) اس آواز پر ہم سب کے دل دہل گئے اور ہم سب کے سب سر پر پاؤں رکھ کر نیچے کو بھاگ گئے۔ مطلب یہ کہ اُجڑے ہوئے محلات اور مکانات کا منظر ہی ایسا تھا کہ ہم یہ نہ سوچ سکے کہ یہ آواز ہماری ہی صدائے بازگشت ہے یا کسی بھوت یا چڑیل کی نہیں۔ اس کے بعد میں کئی بار جسروٹہ کے اس اُجڑے ہوئے عالم کو دیکھنے کے لئے سیر و شکار کے بہانے جاتا رہا۔ ایک بار میں راجکمار ہری دیو سنگھ اور سری بڑا رانی صاحبہ کے ساتھ بھی وہاں گیا۔ تو راج محلات جو کہ بغیر چھتوں کے کھڑے تھے، اُن کی سفید پتھر کی دیواروں پر کوئلہ کی سیاہی سے دُنیا کی بے ثباتی پر مختلف اشعار جا بجا لکھے تھے جو کہ ہماری باندیاں جسروٹہ کے ماضی کی شاندار عظمت دیکھنے کے لئے آنے والوں نے لکھے ہوں گے۔ مجھے اُن میں سے ایک شعر آج بھی یاد ہے ؎

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے

ہیرا سنگھ فرزند راجہ دھیان سنگھ مدار المہام دربار لاہور کا معتبر بنا کر ریاست بسوہلی کا قبضہ لینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ خاندان جگدیو سے ٹھاکر بختاور سنگھ ایک نامور جرنیل ہو گزرا ہے۔ رسالدار میجر پرکاش سنگھ بھی اسی خاندان سے تھا۔ اور شیخ عبداللہ کے عہدِ حکومت میں میجر پیارا سنگھ بھی کافی مشہور ہوئے۔ اور جب بخشی وزارت ریاست میں برسراقتدار آئی تو انہیں ڈپٹی منسٹر بنا لیا گیا۔ آپ تحصیل کٹھوعہ کے عوام کے نمائندہ کے طور ممبر اسمبلی منتخب ہوئے تھے اور آپ کو حکمران پارٹی نیشنل کانفرنس نے ٹکٹ دیا تھا۔

لکھن پور کی بہت زیادہ اہمیت اس لئے تھی کہ یہ ایسے مقام پر واقع ہے کہ جہاں اُس وقت کی کئی ریاستوں مثلاً نور پور (کانگڑہ)، بسوہلی، بھدو اور چمبہ کی سرحدیں پڑتی تھیں۔ پھر دریائے راوی کے کنارے واقع ہونے سے یہ مقام اس لئے بھی اہم تھا کہ دریائے راوی کے پار کے گیارہ اور دریائے راوی کے آر کے گیارہ یعنی بائیس راج پہاڑ کے درمیان واقع ہے۔

اٹھارھویں صدی کے وسط میں لکھن پور ریاست نور پور کے قبضہ میں چلا گیا۔ اور جب ریاست جموں و کشمیر عمل میں آئی تو معاہدہ امرتسر کے بعد علاقوں کے تبادلہ کی صورت میں علاقہ لکھن پور مہاراجہ گلاب سنگھ کو مل گیا۔ اور اس طرح لکھن پور کی ریاست کا ادغام ریاست جموں و کشمیر میں کر لیا گیا۔

سنہ ۱۸۴۶ء سے سنہ ۱۹۴۷ء تک لکھن پور ایک گمگشتہ مقام رہا۔ یہاں صرف ایک کسٹم چوکی تھی۔ جگہ اُجاڑ اور بیابان تھی۔ کٹھوعہ سے بسوہلی جانے والی سڑک یہاں سے گزرتی تھی۔ اور کوئی شاہراہ یا سڑک نہیں تھی جہاں کہ انسانی آمد و رفت یا چہل پہل ہو۔ اور جب ہندوستان کو آزادی ملی اور پاکستان وجود میں آیا تو ریاست کو ہندوستان سے ملانے والی سڑک لکھن پور سے گزری۔ اور لکھن پور کو اہمیت حاصل ہوئی۔ اب تو لکھن پور کے نزدیک ہی گوبند سر کے مقام پر ریلوے سٹیشن بن رہا ہے۔ لکھن پور کو بجا طور پر ریاست میں داخل ہونے کے دروازہ (باب کشمیر) کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اور جہاں کبھی آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ پرانے راجگان کے بوسیدہ قلعہ پر اُلّو بولتے تھے۔ آج وہ رونق اور چہل پہل ہے کہ کسی اچھے قصبہ کا گمان ہوتا ہے۔

ریاست سانبہ

خاندان رگھن پوریہ کے راجہ سنگرام دیو کے دوسرے بیٹے کا نام ملہو تھا جو کہ دہلی میں ملازم ہو گیا۔ اور وہاں بادشاہ کی نظر عنایت پا کر خان کے خطاب سے نوازا گیا اور مل خان کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے سانبہ کے گھونترہ راجپوتوں کے ہاں شادی کی۔ اور اپنے سسرال والوں کو زبردستی سانبہ سے بے دخل کر دیا۔ اس طرح اس علاقہ میں اپنی علیحدہ حکومت بنا لی۔ یہ تیرھویں صدی کا آخری دور تھا۔ مل خان کے ہاں ۲۲ بیٹے ہوئے جن کے نام پر علیحدہ علیحدہ منڈیاں اور محلے مشہور ہیں۔ منڈی سنگوالی منڈی خیری۔ منڈی نھلوڑہ۔ منڈی کوٹلی۔ منڈی پکی۔ منڈی ڈلنال۔ منڈی نھتوال۔ منڈی کٹلی۔ اس کے علاوہ اور بھی نشانیاں اور محلے ہیں۔ یہ تمام منڈیاں سانبہ کے شمال مشرق اور جنوب میں اونچے ٹیلوں پر واقع ہیں۔ ہر ایک منڈی میں ایک ایک تالاب اور مٹھا کنواں بھی ہے۔ یہ تمام منڈیاں آپ راجی کے وقت کی ہیں جب کہ لوٹ مار عام تھی۔ سانبہ سے مغرب تالہ بسنتر ہے۔ آپ راجی کے وقت ان منڈیوں میں بسنے والے سرکردہ راجپوت ہی نگرانی کرتے تھے اور قصبہ میں رہنے والے لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔

مل خان کے چار بیٹے دولت دیو۔ ہمار دیو۔ بھیل دیو اور بھارت دیو جو صاحب اولاد ہوئے۔ ہمار دیو کو بادشاہ دہلی کی طرف سے خان کا خطاب ملا تھا جو دیو کی بجائے ہمار سے خان کے نام سے مشہور ہوا۔ ہمار سے خان کے خاندان سے ہی بہادر زمانہ جرنیل دھرم سنگھ ہوا۔ جس نے مہاراجہ گلاب سنگھ اور رنبیر سنگھ کے عصر میں بہادری کے کافی جوہر دکھائے تھے۔

سانبہ کے راج تلک کی کہاوت

کہا جاتا ہے کہ راجہ مل خان کے خاندان سے ایک گوکل سنگھ ہوا جو شاہی دربار جس میں باعزت اہلکار شمار ہوتا تھا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اُسے سانبہ کی ریاست بخش دی۔ اور جب اُس کا بیٹا گورسین ملتان کا صوبہ دار بادشاہ کا نائب السلطنت مقرر ہوا تو بادشاہ

نے سانبہ کے راج تلک دینے کے احکام بھی جاری کر دیے۔ اور بادشاہ کے خاص ملازم راجہ گورسین کے ساتھ سانبہ میں اسے تخت نشین کرنے کے لئے آئے تو وہ ہاتھی پر سوار تھے۔ راجہ گورسین کے ایک نزدیکی برادر نے جو کہ بوجہ تنگ دستی معمولی لباس میں تھا، جب گورسین کو ہاتھی پر دیکھا تو اس نے اس خیال سے کہ اگر وہ زمین پر سے اپنے بھائی کو جے دیو! کہے گا تو یہ کسرِ شان ہوگا۔ چنانچہ وہ ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا۔ سواری کا ہاتھی اُس درخت کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ وہ باآواز بلند پکارا: "اے بھائی گورسین! جے دیو!" شاہی اہلکار جو گورسین کو راج تلک دینے کے لئے آیا تھا نے مہاوت کو کہا: "ہاتھی واپس کر دو۔ ہمارا دیا ہوا راج تلک یہاں مشکل سے ہی مانا جائے گا۔ گورسین کی برادری کے لوگ بڑے بخت معلوم ہوتے ہیں جو گورسین سے بھی اونچی جگہ پر چڑھ کر جے دیو پکارتے ہیں۔ اور اس سے نیچے رہنا اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ ایسی برادری گورسین کو راج نہیں کرنے دے گی۔"

خاندان سمیال کو سانبہ کا راج تلک نہ ملنے کی یہی وجہ مشہور ہے۔ راجہ گورسین کے وقت کے بہت سے پٹے جات اور ارشادات اُس خاندان میں موجود تھے۔

سانبہ کا راج مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ سوچیت سنگھ کو، جو کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کا چھوٹا بھائی تھا، اُس وقت دیا جب کہ جموں کا راج تلک گلاب سنگھ کو اکھنور کے مقام پر دیا گیا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں درج ہے۔ سمیال راجپوتوں کو کشمیر میں بھی جاگیریں ملی تھیں۔ تحصیلات سانبہ، رام نگر اور کانگڑہ وغیرہ علاقوں میں سمیال راجپوتوں کی بہت زیادہ تعداد آباد ہے۔ جن کی اکثریت فوج میں ملازم چلی آ رہی ہے۔ اس خاندان سے بڑے بڑے نامور کرنیل جرنیل ہوئے ہیں۔ حال ہی میں جرنیل کشور سنگھ کے خاندان کے ایک نوجوان کنور ساگر سنگھ کو اسٹیٹ منسٹری ملی ہے جو سانبہ کے اس حلقہ سے منتخب نمائندہ ہے اور سال ۱۹۵۱ء سے عوامی عہد کی لیجسلیٹو اسمبلی کا ممبر چلا آ رہا ہے۔ راجہ سوچیت سنگھ کے لاہور میں مارے جانے کے بعد سانبہ کا علاقہ براہِ راست اُن کے بڑے بھائی مہاراجہ گلاب سنگھ کے ماتحت آ گیا۔ راجہ سوچیت سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے میاں رنبیر سنگھ (جو بعد میں جموں و کشمیر کا مہاراجہ ہوا) کو گود لیا ہوا تھا۔ ریاست جموں و کشمیر کے وجود میں آنے پر ریاست سانبہ کو بھی دوسری ریاستوں اور جاگیروں کی

مانند مادعم ریاست ہو کر تحصیل کا درجہ حاصل ہوا ؛

ریاست منکوٹ

ریاست منکوٹ خاندان جموال راجگان جموں کی ہی ایک شاخ نے آباد اور قائم کی تھی۔ اس کے متعلق ہم تاریخ کے حصہ اوّل میں لکھ چکے ہیں کہ راجہ بجر لادھر نے ۸۰۵ء میں بنیڑوہ نام کا ایک گاؤں جموں سے ۳۲ میل شمال مشرق (آج کل تحصیل بسوہلی) میں آباد کیا۔ اور اس کے بعد راجہ بھوج دیو والی جموں جو ۹۷۵ء میں بہ ہنگامہ امیر سبکتگین بہمراہی راجہ جے پال والی پنجاب مارا گیا۔ اُس کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑا راجہ کھرن دیو جموں کی حکومت سے اپنے چھوٹے بھائی راجہ اوتار دیو کے حق میں دستبردار ہو گیا اور بنیڑوہ میں چلا آیا۔ یہاں سے اُس نے اپنی حکومت سرزمین سیر اور مانسر تک وسعت دی۔ اور ایک علیحدہ ریاست ببر گڑھ یا ببا پور اپنے بیٹے راجہ ببر دیو کے نام پر قائم کی۔ (آج کل تھنورہ کے قریب دھار اُدھم پور روڈ پر موضع منوال میں جو پرانے مندروں اور باؤلیوں کے نشانات ملتے ہیں۔ یہ اُسی ریاست کی عظمت کے کھنڈرات ہیں۔ محکمہ آرکیالوجی ریاست جموں و کشمیر اور ہند سرکار نے اس تعلق میں ریسرچ بھی کی ہے۔ ایک ہندی اِتہاس میں لکھا ہے کہ راجہ کھرن دیو نے ببا پور ریاست یعنی ببیور کا نام بدل کر ہنی پور رکھا لیکن بعد میں جب راجہ کھرن دیو کے بیٹے راجہ ببر دیو اور اُس کے بیٹے کالو دیو المعروف کرپال دیو اور اُس کے ولی عہد راجہ اجُل دیو کے بیٹے راجہ مانک دیو نے حکومت سنبھالی تو اُس نے اپنے نام پر قلعہ مان کوٹ بنایا۔ یہ راجہ جموں کے راجہ نرسنگھ دیو کا ہمعصر تھا۔ چنانچہ قلعہ مان کوٹ "منکوٹ" کہا جانے لگا۔ اور اسی نام سے یہ ریاست جو کہ سولہ سترہ دیہات پر مشتمل تھی مشہور ہوئی۔ اور راجہ مانک دیو ببر سے اُٹھ کر منکوٹ راجدھانی میں رہنے لگا۔ منکوٹ کی حدود مشرق نالہ تھین اور مغرب مانسر جھیل تک تھیں۔ راجہ مانک دیو نے اس ریاست کو جموں سے آزاد کر کے خود مختار بنایا اور منکوٹ میں رہنے سے جموال خاندان کی اس شاخ کو منکوٹیہ کہا جانے لگا۔ راجہ مانک دیو نے اپنے حُسن تدبر اور انصاف سے اُس وقت کے پہاڑی راجگان میں امتیازی نام پایا۔ اُس کے عہد میں منکوٹ ریاست خوشحال تھی۔ چوری چکاری کا نام نہ تھا۔ اور اُس کے انصاف کی دھوم زمانہ میں تھی۔ وہ ساٹھ

سال راج کرنے کے بعد اُس کا انتقال ہوا۔

راجہ مانک دیو کے بعد اُس کا بڑا بیٹا اودے دیو تخت نشین ہوا۔ اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا نورنگ دیو ہوا جو کہ راجہ سنگرام دیو والئی جموں کا ہمعصر تھا۔ راجہ نورنگ دیو کے بعد فرزند راجہ آدیم دیو اُس کا ہرچند اُس کا اندر دیو اُس کا کلاس دیو یکے بعد دیگرے منکوٹ کا راج کرتے رہے۔ کلاس دیو کا زمانہ راجہ کپور دیو والئی جموں کا تھا۔

Akbar

راجہ کلاس دیو کا بیرم دیو اور اُس کا شور بیر دیو ہوا۔ راجہ شور بیر دیو کے مرنے کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ پرتاپ دیو تخت نشین منکوٹ ہوا۔ راجہ کپور دیو والئی جموں سے اُس کی دوستی تھی۔ دونوں نے آپس میں پگڑیاں تبدیل کی ہوئی تھیں۔ ریر دہلی دربار کی لئی ایک مہموں میں راجہ کپور دیو کے ساتھ دادِ شجاعت دیتا رہا۔ جب راجہ کپور دیو سن 1599ء میں بادشاہ اکبر کو خراج دینے سے منحرف ہو گیا تو اکبر نے مرزا قاسم اور فتح خان کو کوہستان کانگڑہ اور جموں کو فتح کرنے کے لئے مامور کیا۔ اُس وقت راجہ کپور دیو کی سرکردگی میں راجہ کانگڑہ، راجہ چنبہ، راجہ لکھن پور، راجہ جسروٹہ کے علاوہ ڈوگرہ دیس کے اکثر راجگان کو لے کر شاہی فوجوں کا زبردست مقابلہ کیا۔ اُس وقت ڈوگرہ افواج کی کمان راجہ پرتاپ دیو منکوٹیہ کے ہاتھ میں تھی۔

40 yrs

1599

راجہ پرتاپ دیو کی جموال راجگان میں بڑی عزت تھی۔ راجہ کپور دیو کے مرنے کے بعد جب جموں کی وراثت کا جھگڑا راجہ کپور دیو کے چھوٹے بیٹے راجہ سمیل دیو اور راجہ کپور دیو کے بڑے بیٹے جگ دیو کے لڑکے پرسرام دیو کے درمیان پیدا ہوا اور راجہ پرسرام دیو نے اپنے چچا راجہ سمیل دیو کے خلاف اکبر کے دربار میں نالش کی تو بادشاہ اکبر نے اس جھگڑے کو نپٹانے کے لئے بے حد کوشش کی۔ اور راجہ پرتاپ دیو منکوٹیہ کو بلا کر جموال راجگان کے دستور وراثت اور رسم و رواج کے متعلق دریافت کیا تو اسی راجہ کے مشورہ سے ریاست جموں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور باہو کو جموں سے علیحدہ کر کے باہو کا راج راجہ پرسرام دیو کو دے دیا۔ راجہ پرتاپ دیو نے چالیس سال حکومت کی۔ اس کے بعد اُس کے لڑکے راجہ ارجن دیو نے منکوٹ کا راج تلک لیا۔

راجہ سینتل دیو

Blind Raja

راجہ ارجن دیو کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ سینتل دیو حکمران ہوا جو مادر زاد نابینا تھا۔

اس اندھے راجہ نے منکوٹ کا راج سنبھالتے ہی اسے پنچایتی راج میں تبدیل کر دیا۔ جتنے بھی ریاست کے دیہات تھے اُن میں پانچ پانچ سرکردہ اشخاص کی پنچایت قائم کی۔ ہر ایک گاؤں سے براہمن سرپنچ، کشتری، ویش، شودر اور ہری جن چار چار پنچ بنائے گئے۔ اور ریاست کے ۱۶ دیہات کی پنچایتوں سے ایک ایک نمائندہ پنچ لے کر منکوٹ راجدھانی میں مرکزی پنچایت مقرر کی۔ یہ پنچایت سولہ پنچوں اور راجہ سرپنچ پر مشتمل تھی جس کے سپرد منکوٹ کا تمام راج کاج تھا۔ راجہ سینل دیو کے وقت کی کہانیاں آج بھی اُس علاقہ میں زبان زدِ عام ہیں۔ راجہ سینل دیو کے پنچایتی راج نے چوری اور اغوا کی سنگین سزا مقرر کی تھی۔ چور کے ہاتھ اور بدچلن عورت کی ناک کاٹنے کا دستور تھا۔ راجہ سینل دیو پالکی میں بیٹھ کر تلوار اور زرہ بکتر سے لیس فوجی مہموں پر جاتا تھا۔

راجہ سینل دیو کا زمانہ راجہ ہری دیو والیٔ جموں کا ہے۔ اُس وقت ہندوستان پر مغل بادشاہ شاہجہان کا سکہ تھا۔ راجہ سینل دیو ۱۶۵۷ء میں اس جہانِ فانی سے رحلت کر گیا۔ اُس کا بیٹا مہی پت دیو منکوٹ کا حکمران ہوا۔ اُس کا ڈھوٹا دیو ہوا اور اُس کا راجہ نرپتی سنگھ ہوا جو کہ راجہ دھرب دیو والیٔ جموں کا خاص دوست تھا۔ راجہ نرپتی سنگھ کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے اپنے ایک پروہت کھجوریہ کو کہا کہ تم منکوٹ قلعہ پر چڑھ کر آواز لگاؤ۔ جہاں تک تمہاری آواز جائے گی وہاں تک ساری زمین اور علاقہ تمہیں دے دیا جائے گا۔ چنانچہ کھجوریہ پروہت کی آواز پر سلینکڑوں ایکڑ اراضی اُسے پُشت در پُشت معافی دے دی گئی۔ اور بھی کئی کہانیاں ہیں جو کہ منکوٹ کے اس راجہ سے وابستہ ہیں۔ راجہ نرپتی سنگھ کو دلی دربار میں

سلہ مؤلف کو رامکوٹ جاگیر میں جس کا پہلا نام منکوٹ تھا، بسلسلہ ملازمت کافی عرصہ رہنا پڑا۔ جب بھی جاگیر میں دیہات کے دورہ پر جاتا، اس علاقہ کے پرانے راجگان منکوٹ کی کوئی نہ کوئی کہانی دیہات کے بوڑھوں سے سُن کر اپنے ذہن میں لے آتا۔ موضع کاہ تحصیل بسوہلی نیابت بلاور جو کہ رامکوٹ سے چار میل شمال مشرق میں ہے، کے ایک زمیندار کی زمین میں ایک آم کا درخت تھا جس کے آم اپنی لذت اور مٹھاس کے لحاظ سے موجودہ وقت کے مالدہ اور دسہری آموں سے بھی اچھے ہیں۔ آم کا یہ بوڑھا پیڑ آج بھی اُس گاؤں میں موجود ہے۔ اس کے متعلق مؤلف نے وہاں سُنا ہے کہ جب آموں کا موسم آتا تھا، راجہ منکوٹ کی طرف سے اس پر پہرہ بٹھا دیا جاتا تھا اور سارے کا سارا پھل راجہ کے محلوں میں چلا جاتا۔ زمیندار اور اس کے بچے مُنہ دیکھتے رہ جاتے ــــ اسی علاقہ میں رامکوٹ سے مغرب میں دو میل دُور نالہ بسنتر کے پار (باقی اگلے صفحہ پر)

بادشاہ اورنگ زیب نے دوہزاری کا خطاب دیا تھا۔ اور اُسے ایک مہم کے سر کرنے کے صلہ میں علاقہ تحصیل تری جاگیر کے طور دیا جہاں کہ اُس کا قبضہ قلیل سا عرصہ رہا۔ راجہ نرپدی سنگھ کے بعد اُس کا بیٹا راجہ عظمت دیو ہوا۔ منکوٹ کا یہ راجہ مہاراجہ رنجیت دیو والیٔ جموں کا باجگذار تھا۔ جب رنجیت دیو کے بڑے بیٹے راجہ برج راج دیو نے کانگڑہ پر حملہ کیا تو راجہ عظمت دیو والیٔ منکوٹ بھی اس حملہ میں اُس کا دستِ راست تھا۔ راجہ عظمت دیو کا ذکر گلاب نامہ اور بجرت دیو چیا سکہ میں آیا ہے۔ راجہ عظمت دیو نے مہاراجہ رنجیت دیو کے مرنے کے بعد جموں کا جوا منکوٹ راج پر سے اُتار پھینکا اور خود مختار ہو گیا۔ راجہ عظمت دیو اپنی آخری عمر میں گھوڑے پر سے گر کر مر گیا اور منکوٹ راج پر اُس کا بیٹا راجہ دلیل سنگھ اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا راجہ تجیت سنگھ منکوٹ کا حکمران ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ جموں کا راجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ دیس کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جموں ریاست میں مدغم کر رہا تھا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کے چھوٹے بھائی راجہ سوچیت سنگھ کو بندرالتہ ریاست جاگیر کے طور دی۔ تو سنہ ۱۸۰۵ء میں راجہ گلاب سنگھ نے راجہ سوچیت سنگھ کو لکھا کہ منکوٹ پر جتنی جلدی ہوسکا

(فُٹ نوٹ صفحہ ۲۲۵ سے آگے) ایک گاؤں امواله ہے جس میں چار پانچ کنال اراضی کا ایک رقبہ ہے جس میں کہ باسمتی چاول آج بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس سارے علاقے میں باسمتی کے چاول اور کہیں بھی پیدا نہیں ہوتے۔ موٹے چاول مثلاً پرمل یا سکوداس اور بیگمی یا منجی کی کاشت ہوتی ہے۔ راجہ نرپدی سنگھ کے پاس ایک دن رپورٹ ہوئی کہ موضع امواله کے موہڑہ سرے آکے ایک کسان نے ایسے چاول اپنی زمین سے پیدا کئے ہیں کہ جن کی خوشبو میلوں بکھر جاتی ہے۔ راجہ نے اپنے پیادے دوڑائے اور باسمتی کے چاول جن کا وزن ڈیڑھ من سے زیادہ نہ تھا، جس مٹی کے پنڈولو میں رکھے ہوئے تھے، اُس پنڈولو کو اُٹھا کر لے آئے۔ اور آئندہ کے لئے وُہ زمین جس میں باسمتی کے چاول پیدا ہوتے تھے بحق سرکار ضبط قرار دے دی گئی۔ اور زمین کے مالک کسان پر یہ فرض عاید کر دیا گیا کہ وُہ اور اُس کی اولاد ہر سال اِس زمین سے ایسی باسمتی پیدا کر کے راج محلات میں بلا معاوضہ نذر کے طور دیا کرے۔ اور یہ دستور تب تک جاری رہا جب تک کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اِس علاقہ کو اپنے قبضہ میں نہ کر لیا۔ راجگان منکوٹ کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ لیکن وُہ زمین موضع امواله تحصیل بسوہلی میں آج بھی اُسی طرح باسمتی کے چاول پیدا کرتی آ رہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ راجہ کی بجائے فصل کا مالک اب خود کسان ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

Scanned with CamScanner

قبضہ کرلے تاکہ اس مقام سے بھڈو وشمرتہ ،جسروٹہ کی راجدھانیوں کا جموں سے الحاق کا منصوبہ مکمل ہو سکے ۔ تو راجہ سوچیت سنگھ نے اپنے وزیر رائے کیسری سنگھ کا ہنہ چکیئے کو منکوٹ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا ۔ منکوٹ کے راجہ چھپتر سنگھ نے بغیر کسی مزاحمت کے راجہ سوچیت سنگھ کی اطاعت قبول کرلی ۔ لیکن رائے کیسری سنگھ نے اس اطاعت کی یقین دہانی کے لئے پانچ صد روپیہ بطور خراج طلب کیا ۔ راجہ چھپتر سنگھ نے جواب میں کہا کہ "ہمارے پاس روپیہ کہاں ؟ تھوڑے سے گاؤں راج کے باقی ہیں ۔ جو لگان وغیرہ آتا ہے اُس سے اپنی گذر ہوتی ہے ۔" اس پر رائے کیسری سنگھ بولے "تو میں یہ کہنے کے لئے مجبور ہوں کہ آپ کو یہ جگہ چھوڑنی پڑے گی ۔ کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم کے تابع راجہ سوچیت سنگھ کو بندرالتہ کے ساتھ منکوٹ بھی عطا ہو گیا ہے ۔ جس طور بندرالتہ کے راجے وہاں سے چلے گئے ہیں آپ کو بھی اپنا کہیں دور ٹھکانہ کرنا ہوگا ۔" اس پر راجہ چھپتر سنگھ منکوٹیہ طیش میں آ گیا اور کہنے لگا ۔ "تم کون ہو مجھے یہاں سے نکالنے والے ؟ میں نے کوئی جھگڑا نہیں کیا ۔ تمہارے سے حملہ کی مزاحمت نہیں کی ۔ تمہارے ساتھ دنگہ فساد نہیں کیا ۔ میرا یہ گھر ہے ۔ میرے بزرگوں کی کئی صدیوں سے یہ منکوٹ راجدھانی ہے ۔ یہ دھرتی میری ماں ہے ۔ ماں سے بچے کو اگر تم جدا کر سکتے ہو تو کر لو ۔ جب میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں راجہ سوچیت سنگھ کے خلاف کسی منصوبہ میں نہیں آؤں گا ۔ تو تم مجھے یہاں رہنے بھی نہیں دیتے ۔ عجیب انصاف ہے تم لوگوں کا ! لیکن یاد رکھو ۔ میں مر جاؤں گا پر منکوٹ کو نہیں چھوڑوں گا ۔ تمہاری جو مرضی کر لو ۔" اس پر رائے کیسری سنگھ نے راجہ چھپتر سنگھ

(فٹ نوٹ صـ ۲۲۶ سے آگے) اور اپنی ملکیت کی پیداوار وہ خود استعمال میں لا رہا ہے ۔

رامکوٹ سے شمال میں دو میل کی دوری پر ایک گاؤں آباد ہے جس کا نام آلی ہے ۔ آلی اس وجہ سے اس کا نام پڑا کہ ایک وقت راجہ نرپتی سنگھ والی منکوٹ اپنے ایک پروہت پر بے حد خوش ہوا ۔ تو اس نے پروہت سے کہا کہ رامکوٹ کے قلعہ پر کھڑے ہو کر تم آلا مارو (آواز لگاؤ) ۔ جہاں تک تمہارا آلا (آواز) سنا جائے گا ، اتنا رقبہ تمہیں پشت در پشت معاف کیا جائے گا ۔ چنانچہ اس نے آواز لگائی اور جہاں تک آواز پہنچی وہ تمام کی تمام زمین اس پروہت کو دے دی گئی ۔ اور اس آلا (آواز) کی وجہ سے اس گاؤں کا نام "آلی" چلا آتا ہے ۔ موضع مکوال تحصیل بسوہلی میں موضع آلی کی اراضیات آج بھی اس پروہت کے خاندان کی ملکیت چلی آ رہی ہیں ۔"

کو باندھ کر رام کوٹ کی پرانی منڈی میں کھڑا کر دیا۔ اور چلچلاتی دھوپ میں اُس کے سر پر ایک بڑا وزنی پتھر رکھا اور کہا "جب تک تم ہماری شرط پوری نہ کرو گے اسی طرح کھڑا رہنا پڑے گا۔ اس سے بہتر سزا حکم عدولی کی میرے پاس تمہارے لئے نہیں"۔

راجہ چھتر سنگھ جب کافی دیر پتھر سر پر رکھے کھڑا رہا۔ لوگ آتے جاتے اُسے دیکھتے۔ وُہ جو کل اُن کا مالک تھا، آج مجرم کی حیثیت میں سر پر پتھر رکھے کھڑا ہے۔ وُہ پسینہ میں شرابور ذہنی کوفت کے علاوہ پتھر کے بوجھ سے اُس کا سر چکرانے لگا۔ اُس میں کھڑا رہنے کی سکت نہ رہی اور اُس کے آنسو نکل آئے۔ کہ اُس کا پروہت[1] اُس کے پاس آگیا اور ہاتھ جوڑ کر گویا ہوُا کہ "سرکار! اکشتری ہو کر آنسو نکالنے کا مطلب؟ اگر آپ فرمائیں تو پانچ صد روپیہ میں کہیں سے لا کر رائے کیسری سنگھ کو دے دیتا ہُوں"۔ راجہ چھتر سنگھ کو اپنے پروہت کے الفاظ ذہر میں بجھے ہوئے تیر کی مانند لگے۔ اُس نے اپنا سر ہلایا اور پتھر دُور جا پڑا۔ اور جوش میں بولا "سنیئے پروہت جی! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں نے جو آپ کو وقتاً فوقتاً نقد یا جنس کی صورت میں دان دیا ہے، اُسے واپس لے کر اپنی جان بچانے کے لئے استعمال میں لاؤں؟ میں ابھی اس قدر بے غیرت اور ادھرمی نہیں ہوُا کہ جو دان ایک ہاتھ سے دیا ہے، دُوسرے ہاتھ سے واپس لے لُوں۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! پروہت جی مجھے اپنی جنم بھُومی چھوڑنا گوارا ہے لیکن تمہیں دیا ہوُا دان واپس لے کر نرلج اور بے شرم کہلوانا منظور نہیں۔ جاؤ کیسری سنگھ سے جا کر کہہ دو کہ میرے لئے ایسے راج میں جہاں کہ تم جیسے لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے، ایک پل بھی رہنا ناقابلِ برداشت ہے۔ اور تم میں سے جو بھی میرا ساتھ دینا پسند کرتا ہے، وُہ بھی تیار ہو جائے۔" چنانچہ راجہ چھتر سنگھ اپنے عیال و اطفال اور پروہت کے ساتھ منکوٹ سے ہجرت کر گیا۔

منکوٹ کا نیا نام رامکوٹ

جب رائے کیسری سنگھ نے منکوٹ پر قبضہ کر لیا تو منکوٹ کا نام بدل کر رامکوٹ رکھا گیا۔ جس طور کہ راجہ

---

[1] یہ پروہت بھی راجہ چھتر سنگھ کے ساتھ منکوٹ چھوڑ کر چلا گیا۔ اُس کے خاندان سے آج بھی رامکوٹ میں دو تین گھرانے ہیں جنہیں بیری والے پروہت کہا جاتا ہے۔ ان میں سے آج کل ایک شری منگو رام کھجوریہ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول کٹھوعہ میں سیکنڈ ماسٹر ہیں۔

سوچیت سنگھ نے بندرالنہ کی جاگیر پاکر اُس کا نام رام نگر رکھا تھا۔ ۱۸۲۵ء سے منکوٹ رامکوٹ کے نام سے مشہور چلا آرہا ہے۔

راجہ چھتر سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے پانچ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر ریاست گلیر میں عطا کر دی گئی۔ لیکن مہاراجہ مذکورہ کی وفات کے بعد راجہ چھتر سنگھ کے بڑے لڑکے راجہ پورب سنگھ کو علاقہ کہلور میں جاگیر دے دی گئی۔ اگرچہ راجہ پورب سنگھ نے اپنی ریاست منکوٹ (رامکوٹ) کی واگذاری کے لئے بڑی جدوجہد کی لیکن بے نتیجہ رہی۔ آخر سنہ ۱۸۴۶ء شروع عملداری سرکار انگلشیہ میں منکوٹیہ خاندان کو پندرہ صد روپیہ نقد سالانہ مقرری ملنے لگی۔

راجہ پورب سنگھ کی اولاد کی راجہ کہلور سے کچھ ناراضگی ہو گئی۔ تو وہ مع اہل و عیال سنہ ۱۸۵۱ء میں موضع سلانگڑی ریاست کوٹلہڑ میں آگیا۔ اور وہاں ہی رہائش پذیر ہو گیا۔ اور اُس کی اولاد میں مقرری کا روپیہ بٹنے لگا۔ اور اس خاندان کے اکثر لوگ سرکار انگریزی کے تحت فوج میں اچھے عہدوں پر ملازمت کرنے لگے۔

راجہ سوچیت سنگھ کے مرنے کے بعد رامکوٹ کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے شامل ریاست جموں کر لیا۔ علاقہ رامکوٹ بڑا زرخیز ہے۔ جہاں ہر قسم کا غلہ چاول، گندم، ماش، نخود اور مکی وغیرہ افراط سے پیدا ہوتا ہے۔

جاگیر رامکوٹ

راجگان منکوٹیہ کے چلے جانے کے بعد رامکوٹ کا قصبہ ویرانی کے منظر میں بدلنے لگا۔ اور ایک ریاست کی راجدھانی کے نام آثار مٹنے لگے۔ رامکوٹ کا چند صد سال پرانا قلعہ جہاں کہ راجگان منکوٹیہ کے محلات تھے۔ سب کھنڈرات کی شکل اختیار کرنے لگے۔ قلعہ کی چار دیواری اور ڈیوڑھی قائم تھی۔ قلعہ کے اندر ایک بڑا حوض تالاب نما جو کہ ساکنان محلات کے لئے پانی کے ذخیرہ کا کام دیتا تھا، وہ بھی سوکھنے لگ گیا۔

منکوٹیوں کے بعد راجہ سوچیت سنگھ کے وقت یہ قلعہ رائے کیسری سنگھ نے بنا چکیا نے اپنی رہائش کے لئے استعمال کیا جہاں کہ رائے کیسری سنگھ نے بسوہلی کے راجہ کشن پال اور اُس کی والدہ رانی بنتیال۔ دادی رانی جسرو ٹی اور سوتیلی والدہ جو کہ رائے کیسری سنگھ کی سگی بہن تھی، کو پناہ دی۔ راجگان بسوہلی کا یہ خاندان چند ایک سال یہاں سے کر لئے

کیسری سنگھ کے ہاں کاہنا چک چلا گیا۔ اُس کے بعد یہ نگر اُجڑنے لگا۔ رائے کیسری سنگھ نے تھام سے نیچے منڈی میں ایک بڑی بارہ دری بنوائی جہاں کہ وُہ اپنا دربار لگایا کرتا تھا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کا انتقال سنہ ۱۸۵۷ء میں ہوا۔ اور ریاست جموں و کشمیر پر مہاراجہ رنبیر سنگھ راج کرنے لگے جن کی عمر اُس وقت ۲۷ سال تھی۔

ریاست جموں و کشمیر میں رامکوٹ کی ریاست مدغم ہو چکی تھی۔ رامکوٹ راجدھانی سے اُتر کر ایک گاؤں کی شکل اختیار کر گیا۔ راجوں کے وقت کی تمام رونقیں ختم ہو گئیں۔ اور سارا ٹھاٹھ باٹھ جاتا رہا۔ لوگ بسلسلہ کاروبار رامکوٹ چھوڑ گئے۔ یہاں کے ایک مہاجن خاندان کا نوجوان مہتہ موتی رام بتلاشِ ملازمت جموں پہنچا اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے پرائیویٹ عملہ میں ڈوگرہ خزانہ منشی تعینات ہو گیا۔ آدمی ذہین تھا۔ جلد ہی مہاراجہ صاحب کی مہربانی اور خوشنودی حاصل کر گیا۔ اور مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اُسے اپنے پرائیویٹ خزانہ کا افسر بنا لیا۔ مہتہ کی بجائے دیوان پکارا جانے لگا۔ اِس شخص کے دل میں ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ کسی طرح اُس کا گاؤں رامکوٹ پھر سے وہی رونق اختیار کر جائے جو کہ راجوں کے وقت تھی۔ اور اگر اِسے تحصیل کا رُتبہ مل جائے تو یہ پھر سے آباد ہو سکتا ہے۔ کئی بار اُس نے مہاراجہ رنبیر سنگھ سے کہا بھی کہ رامکوٹ تحصیل بسوہلی کے تحت ہے جو کہ رامکوٹ سے چالیس میل دُور ہے۔ لوگوں کے اپنے تنازعات اور جھگڑوں کو نپٹانے کے لئے اتنا لمبا سفر اختیار کرنا سخت مصیبت کا باعث ہے۔ لیکن مہاراجہ صاحب کو اُس کی درخواست کچھ جچتی نہیں تھی اور وُہ خاموش رہتے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے راج تلک کے دو سال بعد سنہ ۱۸۵۹ء میں ولی عہد ریاست مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی زنار بندی کی رسم نہایت دھوم دھام سے ہوئی۔ لاکھوں روپے خرچ ہوئے۔ تمام انتظامات تقریبات دیوان موتی رام کے ہاتھ تھے اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے پرائیویٹ عملہ میں دیوان موصوف کو مختار عام کہا جاتا تھا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے دیوان موتی رام کے ذمہ ڈیوٹی لگائی کہ وُہ اُن کی بڑی راجکماری (مہری بوا رانی صاحبہ) کے لئے کسی خاندانی راج گھرانے میں ناطہ تلاش کرے۔ اور خود ہی یہ بھی کہہ دیا کہ قلعہ الموڑہ میں راجگان جسوال کا خاندان اسیرِ سلطانی ہے اور جسوال کے راجہ رن سنگھ کا راجکمار جو کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ قلعہ الموڑہ میں نظر بند ہے کو

Scanned with CamScanner

دفرونر جاکر دیکھے۔ اور تمام حالات کا جائزہ لے کر رپورٹ کرے کہ کیا وہ راجکمار میری لڑکی (ڈوارانی) کا بر ہونے کے قابل ہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے موتی رام کو اس لئے بھی یہ تاکید کی کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے پڑدادا زور آور سنگھ کے بھائی میاں موٹا کی رانی جسوال[1] نے مرتے وقت کہا تھا کہ میری آخری خواہش اگر پوچھی ہے تو میں یہ کہوں گی کہ میرے بھائی راجہ جے سنگھ جسوال کا خاندان انگریزوں نے قید کر رکھا ہے۔ اگر ہو سکے تو انہیں اس قید سے چھڑا کر اور میرے برادرزادہ راجہ رن سنگھ کے بیٹے سے اپنی بڑی لڑکی بیاہ دیں۔

چنانچہ دیوان موتی رام سرکارِ انگلشیہ کی منظوری سے ضلع المَوڑہ میں جاکر راجہ رن سنگھ اور اُس کے راجکمار رگھوناتھ سنگھ سے ملا۔ راجکمار نہایت ہی ذہین، سمجھدار اور شکل مند تھا۔ دیوان نے واپس آکر مہاراجہ سے عرض کیا کہ ایسا لائق، ہونہار اور قبول صورت راجکمار ملنا آج کے زمانہ میں نہایت مشکل ہے لیکن راجکمار اپنے باپ راجہ رن سنگھ کے ساتھ اسیرِ سلطانی ہے۔ راجکمار قید خانہ میں ہی پیدا ہوا تھا۔ خاندان نہایت اونچا اور کلنک کے بغیر ہے۔ لیکن ہے مفلس اور تنگدست۔ آپ سے ہمسری عرش اور فرش کی سی ہے۔ سرکارِ انگریزی نے اُس کے خاندان کو بغاوت کے جرم میں غیر معین عرصہ تک نظربند کر رکھا ہے۔ راجکمار کے باپ راجہ رن سنگھ اور اُس کے دادا راجہ جے سنگھ اور اُس کے باپ راجہ اُمید سنگھ جسوال، جو کہ ریاست جسوان کے حکمران تھے، نے ۱۸۴۵ء میں جبکہ پنجاب کی تمام پہاڑی ریاستوں کو کمپنی کی حکومت نے مطیع کر لیا تھا، اطاعت قبول کرنے سے انکار کر کے انگریزی فوج سے ٹکّر لے لی تھی۔ آپ اگر کمپنی بہادر سے سفارش کر کے اُنہیں چھڑا سکیں اور اُن کی پرورش کا ذمہ اپنے پر لے لیں تو اِس سے بہتر رشتہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

چنانچہ گورنر جنرل ہند سے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے مل کر راجہ رن سنگھ کو اُس کے راجکمار رگھوناتھ سنگھ معہ سارے کٹمب اور اُن کے پروہتوں کے نظربندی سے آزاد کرا لیا۔ اور جب وُہ قلعہ المَوڑہ سے جموں میں لائے گئے تو اُن کی خاطر تواضع میں

---

[1] میاں موٹا کی رانی جسوال میاں بجر دیو کی دادی تھی جو کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے قتل کی سازش میں گرفتار ہوا تھا۔ اسی رانی نے جو کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے اندرون محلات میں رہتی تھی، اس سازش کا انکشاف کیا تھا۔

کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جموں کے قیام میں راجہ رن سنگھ سے مہاراجہ صاحب نے لڑکی کے ناطہ کی بات چیت کی اور رضامندی حاصل کر لی۔ ساتھ ہی یہ بھی انہیں یقین دلایا کہ "وقت آنے پر آپ کو آپ کی ریاست بھی دلا دی جائے گی۔ فی الحال آپ ریاست جموں میں ہی قیام کریں۔ آپ کی رہائش اور تمام ضروریات کے انتظامات میرے ذمہ ہیں۔"

راجہ رن سنگھ کو چند یوم جموں میں ٹھہرا کر جسروٹہ میں بھیج دیا گیا۔ اور جسوال خاندان کے تمام افراد محلات جسروٹہ میں راجسی ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے لگے۔ دیوان موتی رام کو جسوال کیمپ کے تمام انتظامات کا افسر تعینات کیا گیا۔ ایک سال کے بعد مہاراجہ رنبیر سنگھ نے راجہ رن سنگھ کو لکھا کہ اگر آپ کو جسروٹہ پسند آ گیا ہے تو یہاں ہی مستقل رہائش اختیار کر لیں۔ اور یہاں سے ہی رگھوناتھ سنگھ کی شادی کے انتظامات کئے جائیں۔ اگر نہیں تو تحصیل بسوہلی کے علاقوں میں سے کسی مقام کو پسند کر لیں۔ چنانچہ دیوان موتی رام جو کہ رام کوٹ کا رہنے والا تھا اور اپنی جنم بھومی کو پھر سے بارونق دیکھنا چاہتا تھا، نے راجہ رن سنگھ کو رامکوٹ میں لے جا کر راجگان منکوٹیوں کے محلات اور قلعہ دکھایا۔ اور بارہ دری میں راجہ رن سنگھ کو ٹھہرایا۔ راجہ رن سنگھ کو یہ جگہ بے حد پسند آئی اور وہ تمام کنبہ قبیلہ کے ساتھ جسروٹہ سے آ کر رام کوٹ میں رہائش پذیر ہو گیا۔

سنہ ۱۸۷۰ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنی لڑکی کی شادی نہایت دھوم دھام سے راجہ رگھوناتھ سنگھ پسر راجہ رن سنگھ جسوال سے کی۔ ہر دو اطراف کے شاہانہ اخراجات اپنے پرائیویٹ خزانہ سے برداشت کئے۔ اپنے داماد راجہ رگھوناتھ سنگھ کو جاگیر رامکوٹ جس میں سات دیہات رامکوٹ، رجوالتہ، کونہوں، ڈیرلی تحصیل بسوہلی۔ ڈینگہ امب۔ کٹلی اور چیلنج تحصیل کٹھوعہ اور کشمیر پرانت سے کرناہ کا علاقہ کل جمعی ۹ ہزار عطا کئے۔ اس کے علاوہ اپنی راجکماری سری بوا رانی جی کو پانچ دیہات کادھ، چھپڑ، سلوڑ تحصیل بسوہلی سے اور بلیٹہ اور گڑھ سامنا بنچ تحصیل رام نگر سے جہیز میں دئے۔ سری بوا رانی کے دیہات کی کل سالانہ آمدنی ساڑھے چار ہزار روپیہ تھی جو کہ سری بوا رانی اور ان کے تمام

سلہ سوانح حیات مہاراجہ رنبیر سنگھ مؤلفہ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ۔

زن و مرد ملازمین کے سامان رسد وغیرہ کے اخراجات کے لئے تھی۔ ان اخراجات کے علاوہ اپنے پرائیویٹ خزانہ سے چھ سات صد روپیہ ماہوار متفرق بھی لگا دی۔ کوئی پچاس کے قریب ملازمین مستقل طور پر جموں سے رامکوٹ میں بھیجے گئے۔ افسر محلات سے لے کر دربان تک سب جموں سے نقل مکانی کر آئے۔ سری بوا رانی کے ساتھ بچپن سے جن لڑکیوں نے سہیلیوں کی مانند پرورش پائی تھی اور جنہوں نے راجہ رگھوناتھ سنگھ کے ساتھ سری بوا رانی کے ہمراہ ایک ایک پھیرا بیاہ منڈپ میں لیا تھا، ان کے علاوہ دس پندرہ داسیاں بھی رامکوٹ کے محلوں کی رونق بن گئیں۔ جہیز میں نقد جنس۔ مال مویشی۔ ہاتھی گھوڑے۔ بھیڑ بکریاں۔ زیورات۔ ہیرے جواہرات اور قیمتی پارچات دیئے گئے۔ اُن کی قیمت کا اندازہ آج لگ نہیں سکتا۔ کہتے ہیں کہ اس شادی پر مہاراجہ رنبیر سنگھ نے بارہ لاکھ روپے خرچ کئے اور جموں شہر میں ایک عالیشان حویلی بھی پنج تیرتھی میں اپنے محلات منڈی مبارک کے نزدیک دی جو بعد میں رامکوٹ ہاؤس کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ حویلی میاں مٹھو داسی پتر مہاراجہ گلاب سنگھ کی تھی جسے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے قتل کی سازش کے جرم میں حبس دوام کی سزا دے کر قلعہ گجیت میں بند کیا گیا تھا اور جس کی ساری جائداد سرکار جموں نے ضبط کر لی تھی۔ اس طرح سے رامکوٹ کا آٹھ صد سالہ پرانا قصبہ پھر ایک بار راجدھانی کا روپ دھار گیا اور یہاں چہل پہل ہو گئی۔ راجہ رگھوناتھ سنگھ نے رامکوٹ کے قلعہ میں نئے مکانات بنوائے۔ منڈی کی بارہ دری کو مرمت کرا کے نو بنو کر دیا اور صبح و شام وہاں دربار لگنے لگا۔

خودداری اور راجپوتی آن کا مظاہرہ

ایک بات قابل ذکر یہ بھی ہے کہ جب راجہ رگھوناتھ سنگھ کی برات رامکوٹ ہاؤس سے چڑھ رہی تھی تو منڈی مبارک میں مہاراجہ رنبیر سنگھ اپنے امیروں وزیروں اور ہزاروں اشخاص کے جھمگٹے میں برات کے استقبال کے لئے کھڑے تھے اور اپنے سمدھی راجہ رن سنگھ سے ملنے کیلئے بیتاب تھے۔ برات کی آمد آمد کا ہر کوئی منتظر تھا لیکن برات آنے میں کافی دیر لگ گئی۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ تو مہاراجہ رنبیر سنگھ نے دریافت کیا کہ برات کے آنے میں کون سی رکاوٹ درپیش ہے۔ ایک خادم صاحب دوڑا گیا اور واپس آ کر اس نے پتہ دیا کہ راجہ رن سنگھ کہہ رہا ہے کہ میں برات میں

نہیں ... گا۔ کیونکہ میں نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ساتھ ملنی کرنی ہے اور راجپوت کا جو گہنا ... ہی میرے پاس نہیں۔ مجھ سے سرکار انگریزی نے میری تلوار چھین رکھی ہے۔ اس گہنے کے بغیر اپنے ساتھی کے ساتھ ملنی کرنے میں مجھے شرم آتی ہے جب تک تلوار میرے کمر بند میں نہ لٹک رہی ہوگی، میں ملنی نہیں کروں گا۔ مہاراجہ صاحب نے مجھ پر مہربانی کی۔ مجھے قید سے چھڑایا اور میرے لڑکے کو اپنا عزیز بنا لیا۔ یہ احسان میں ... زندگی بھول نہیں سکتا۔ لیکن بغیر تلوار کے ملنی کی رسم ادا کرنا ایک خوددار راجپوت کی آن ... شان کے خلاف ہے۔"

مہاراجہ نے سُنا تو ریاست کے مدار المہام دیوان جوالا سہائے کی طرف دیکھا۔ تب دیوان نے خود جا کر راجہ رن سنگھ کو تلوار پیش کر کے کہا کہ "اب یہ تلوار آپ سے کوئی واپس نہیں لے سکتا۔ ہم سرکار انگریزی سے بعد میں بات چیت کر لیں گے۔ لیکن اب تو اُٹھئے۔ برات لے چلئے۔ مہاراجہ صاحب آپ کے خیر مقدم کے لئے کب سے کھڑے ہیں۔" شادی کے بعد جلد ہی سرکار انگریزی کی طرف سے راجہ رن سنگھ پر سے ہتھیار رکھنے کی پابندی اُٹھانے کی منظوری آ گئی۔

دُوسری راجکماری کی شادی

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنی دُوسری راجکماری کی شادی بھی راجہ رگھوناتھ سنگھ سے ہی تین چار سال بعد کر دی۔ ... اس شادی پر بھی اُتنا ہی روپیہ خرچ کیا گیا۔ جہیز میں جاگیر وغیرہ نقد جنس، ہاتھی گھوڑے اور مرد و زن ملازمین اسی طرح دیئے جس طرح کہ اپنی بڑی راجکماری کو دیئے تھے۔ لیکن اس راجکماری کی عمر نے وفا نہ کی اور وُہ شادی کے تین چار سال بعد راہیِ ملکِ بقا ہوئی۔

... نوٹ راجکوٹ میں ملازم تھا۔ ۱۹۲۳ء کے آغاز میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے حکم سے پنڈت رادھے ... گور تو جموں وہاں جاگیر اور پرائیویٹ توشہ خانوں کے حساب کتاب دیکھنے اور تحقیقات کے لئے آئے۔ کیونکہ توشہ خانہ میں بوجہ پارٹی بازی اہلکاران دو ایک لاکھ روپیہ کا غبن اور چوری بھی ہوئی تھی۔ پولیس نے تفتیش کے بعد رپورٹ کی تھی کہ چوری ہوئی ہی نہیں۔ اس تحقیقات کے دوران جب سورگیہ رانی جموال (چھوٹی لڑکی مہاراجہ رنبیر سنگھ) کے توشہ خانہ کی پڑتال ہونے لگی تو رانی جموال کی وزیری

بڑے یُوا رانی صاحبہ جموال کے بطن سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بڑی لڑکی کی شادی ۱۸۸۲ء میں راجہ شام سنگھ والئی چمبہ سے ہوئی۔ اس شادی کے تمام انتظامات مہاراجہ رنبیر سنگھ نے کیے تھے اور برات چمبہ سے ایک ہزار کے قریب اشخاص کی آئی تھی۔ راجہ شام سنگھ شادی کر کے اپنی دُلہن (سری یُوا رانی صاحبہ جموال) کو رامکوٹ میں ہی چھوڑ گیا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی سات سال کی تھی۔ جب چار سال کے بعد راجہ شام سنگھ خود آ کر رامکوٹ سے اپنی رانی کو لے گیا تو رانی کے ساتھ سات آٹھ سہیلیاں بھی تھیں۔ جن کی بھی شادی ایک پھیرے کے طور راجہ مذکور سے ہوئی تھی۔ یہ سب سہیلیاں جوان تھیں۔ راجہ شام سنگھ نے پہلے بھی دو شادیاں کی ہوئی تھیں۔ سری یُوا رانی رامکوٹ سے وہ سرد مہری اور بے التفاتی برتنے لگا۔ اور یہ طور طریقے آپس میں سخت ناچاقی میں بدل گئے۔ اور وہ اپنی اس نوخیز رانی پر ظلم کرنے لگا۔ رانی کی جو سہیلیاں جوان اور خوبصورت تھیں، وہ سب راجہ سے مل گئیں۔ صرف دو ایک داسیاں رہ گئیں جن کی خط و کتابت سے رامکوٹ میں سری یُوا رانی جموال کو اپنی بیٹی پر ظلم و جبر کی اطلاعات ملیں۔ اور اُنہیں یہ بھی پتہ لگا کہ اسے کھانے کو بنجی (موٹے چاول) ملتے ہیں۔ کیونکہ ایک لفافہ خط میں دو تین دانے بنجی کے بھی برآمد ہوئے تھے۔ رانی جموال اپنی بیٹی کی دردناکیاں سُن کر بیحد پریشان

جو کہ بقیدِ حیات تھی، نے ہمیں سُنایا کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ اپنی چھوٹی لڑکی کی شادی کرنے کے خواہاں نہیں تھے۔ کیونکہ جیوتشیوں نے اُس کا زائچہ ولادت دیکھ کر بتایا ہوا تھا کہ اس راج کنیا کی الپ آیو ہے اور آغازِ شباب میں ہی مر جائے گی۔ جب بڑے یُوا صاحبہ کی شادی ہو گئی تو دو ایک سال بعد ہم سب سہیلیاں چھوٹے یُوا صاحبہ کے ساتھ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے پاس بیٹھی ہنس کھیل رہی تھیں کہ چھوٹے یُوا صاحبہ نے مہاراجہ سے کہہ دیا کہ "باپو جی! لوگ کہتے ہیں کہ جو کنوارا مر جائے تو سدگتی پراپت نہیں کرتا بلکہ بھوت بن جاتا ہے۔" مہاراجہ صاحب نے جواب دیا کہ لوگ اسی طرح کہتے ہیں لیکن یہ بات سچ نہیں۔ مہاراجہ صاحب اُٹھ کر چلے گئے۔ لیکن دل میں اُنہوں نے محسوس کیا کہ میری لڑکی کا خیال ہے کہ میں اس کی شادی کر کے لاکھوں روپیہ کا زیر بار ہونا نہیں چاہتا کیونکہ اس کی آیو کے دن بہت تھوڑے ہیں۔ تو مہاراجہ صاحب نے دیوان موتی رام رامکوٹیا کو بلا کر حکم دیا کہ چھوٹے یُوا صاحبہ کی شادی کے انتظامات کیے جائیں اور راجہ رگھوناتھ سنگھ کو بھی شادی کا پیغام دیا جائے۔ اس خیال سے بھی کہ یُوا رانی نے تو زندہ رہنا نہیں! کیوں نہیں رگھوناتھ سنگھ سے اس کا بیاہ کر کے اس کے خاندان کو پوری طرح جڑ کاٹ دیا جائے۔

Scanned with CamScanner

رہنے لگی اور سوچنے لگی کہ کسی نہ کسی طرح اپنی مظلوم بیٹی کو بلا جائے۔ لیکن گھرانے کا رواج ایسا تھا کہ جب ایک بار لڑکی بیاہ دی جائے تو اُسے پھر واپس اپنے پاس بلایا نہیں جاتا تھا۔
مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو جموں میں اپنی بہن رانی جموال کی پریشانی اور کوفت کا علم ہوا تو وہ بہت بے چین ہوئے۔ اُنہوں نے راجہ شام سنگھ چمبہ کو پیغام بھیج کر ماں بیٹی کی ملاقات کا انتظام کرا دیا کہ بسوہلی میں دریائے راوی کے درمیان کشتیوں پر ملاقات کرائی جائے۔ اس طرح وہ رواج بھی قائم رہے گا کہ ایک بار لڑکی بیاہی ہوئی واپس اپنے ملک کی حدود میں نہیں آ سکتی۔ دریائے راوی کے پار چمبہ کا علاقہ پڑتا ہے اور دریائے راوی کے اس پار بسوہلی کا قصبہ پڑتا ہے جو جموں پرانت میں ہے۔ چنانچہ رامکوٹ سے چار پانچ پالکیاں بھیجی گئیں۔ اُدھر چمبہ سے سری لُبّا صاحبہ جموال یعنی رانی چمبہ معہ اپنی دو تین داسیوں کے پالکیوں میں فوجی دستہ کی نگرانی میں آ گئیں۔ جب دریائے راوی کے درمیان دونوں طرف سے کشتیاں پالکیاں لیکر پہنچیں تو چمبہ کی رانی معہ اپنی تین داسیوں کے رامکوٹ سے بھیجی ہوئی پالکیوں میں آ بیٹھیں اور ایک گھڑی کے بعد کشتیاں اپنی اپنی طرف واپس ہو گئیں۔ جب چمبہ والے کہار اپنی پالکیاں اُٹھا کر واپس چمبہ کی طرف چلنے لگے تو پالکیاں خالی تھیں۔ چمبہ والے ہاتھ ملتے رہ گئے کہ اُن سے دھوکا ہوا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ سری لُبّا صاحبہ کی عمر چودہ سال تھی جب وہ چمبہ کو خیرباد کہہ کر رامکوٹ میں آئیں اور پھر زندگی بھر واپس چمبہ میں نہ گئیں۔ راجہ شام سنگھ کثرتِ شراب نوشی سے دماغ کھو کر راہیِ ملکِ بقا ہوا۔ اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی بہن لُبّا رانی صاحبہ جموال نے اپنی ساری جائداد اور جاگیر کا وارث اپنی بیٹی سری لُبّا صاحبہ جموال کو قرار دیا۔ چنانچہ جب سری لُبّا رانی صاحبہ جموال نے نومبر ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا۔ تو مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اُن کی بیٹی سری لُبّا رانی صاحبہ جموال کے نام پر ایک پٹہ لکھ دیا۔ کہ جو بھی حق حقوق جاگیر اور جائداد مقرری کے اُن کی بہن کو حاصل تھے، وہ اب سری لُبّا رانی صاحبہ جموال کو حاصل رہیں گے۔ اور اس میں میرے خاندان میں کسی کو کوئی اعتراض و عذر نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ پٹہ آج بھی راجکمار ہردلیپ سنگھ جموال کے پاس موجود ہے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی لڑکیوں سے راجہ رگھوناتھ سنگھ کے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی اس راجہ نے چار مزید شادیاں لوہنگتہ ضلع کانگڑہ۔ داتار پور اور کوٹلہڑ ضلع ہوشیار پور میں کیں۔ رانی کوٹلہڑی سے پچھمن سنگھ، بسنت دلیپ سنگھ اور بشو دلیپ سنگھ پیدا ہوئے اور لوہنگتہ

نے تاجہ رامکوٹ چھوڑ کر رامکوٹ کے والی رانی سنڈ کھالی سے ہر دیو سنگھ بنام راجہ رگھوناتھ سنگھ ۔ رہائش اختیار کی ۔ توشہ خانہ جات مشرقی جنگل ہنتھیپڑ میں اپنے محلات بنوائے اور وہاں رہائش اختیار کی ۔ توشہ خانہ جات اور نفیس بلکہ خاص خزانے قلعہ میں ہی محفوظ رکھ دیئے گئے ۔ راجہ رگھوناتھ سنگھ کے وقت رامکوٹ راجدھانی کی رونق کو چار چاند لگ گئے ۔ چھوٹے بڑے سب ملازمین اور باشندے جوکہ جموں سے آکر یہاں آباد ہوئے ، کی تعداد تین سو سے اوپر تھی ۔ اور ایک خاص محلہ تالاب جوگ دھیان ایسے ملازمین کے لئے آباد ہو گیا ۔ تالاب جوگ دھیان ایک پراچین تالاب ہے ۔ اور رامکوٹ کے باسیوں کا واحد ذریعہ آب ہے ۔ اس تالاب کا پانی سردیوں اور گرمیوں میں اتنا خنک رہتا ہے کہ ایک منٹ بھی اس پانی میں ہاتھ رکھیں تو سُن ہو جاتا ہے ۔ یہ تالاب آج سے تین سو برس پہلے راجہ منڈی کے اندرون محلات کی ایک وزیرنی نے بنوایا تھا ۔ ریاست جموں و کشمیر میں بعہد مہاراجہ پرتاپ سنگھ جب پہلا بندوبست اراضی عمل میں آیا تو رامکوٹ کے اس تالاب کے یادگاری پتھر کا عکس لیا گیا جس پر ڈوگری حروف میں اڑھائی صد برس پہلے کی تاریخ لکھی تھی ۔

راجہ رگھوناتھ سنگھ بے حد ذہین حساب کتاب کا پکا اور سنسکرت ہندی کا ودوان و ڈوگری کا ماہر تھا ۔ چھ شادیوں کے علاوہ اس نے ایک دیہاتی عورت سے بھی چادر اندازی کی تھی ۔ جس کے بطن سے تین لڑکے اندر سنگھ ۔ بھاگ سنگھ اور کرشن سنگھ ہوئے ۔ آخر الذکر بچپن میں ہی مر گیا ۔ ٹھاکر اندر سنگھ جسوال آج کل ہماچل پردیش میں انسپکٹر جنرل ہیں اور ٹھاکر بھاگ سنگھ جسوال انڈین آرمی میں کرنیل کے عہدہ پر فائز ہیں ۔

پشتینی جاگیر کی واگذاری

جب راجہ رگھوناتھ سنگھ کی دوسری شادی مہاراجہ رنبیر سنگھ کی دوسری لڑکی سے ہوئی تو لڑکی کو وداع کرنے کے لئے مہاراجہ صاحب معہ امیروں وزیروں کے جموں کی دھونتھلی ڈھکی کے اوپر شیر والے دروازہ میں آئے ۔ اور مہاراجہ نے راجہ رن سنگھ سے معذرت چاہی کہ ہم نے آپ کی کوئی سیوا نہیں کی ۔ تب راجہ رن سنگھ بولا ۔ آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ جو کچھ آپ نے دیا دلایا ، سب اپنی لڑکیوں اور داماد کو دیا ۔ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ۔ آپ نے مجھے تلوار ضرور دلائی لیکن میں وراثت سے بالکل محروم ہوں ۔ اس پر مہاراجہ رنبیر سنگھ بولے " راجہ صاحب ! یہ بھی دے دیں گے "

چنانچہ شادی کے تین چار ماہ بعد سرکارِ انگلشیہ نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کی سفارش پر جاگیر ... کے ... پندرہ دیہات واگذار کر دیئے۔ جہاں کہ راجہ رگھوناتھ سنگھ کے راج تلک کی رسم ادا ہوئی۔ اور سرکار انگریزی نے رگھوناتھ سنگھ کو راجہ کے خطاب سے بھی نوازا۔ اور راجہ رگھوناتھ سنگھ نے اپنے جدی محلات واقع راجپورہ تحصیل آنند ضلع ہوشیارپور کی مرمت وغیرہ کروائی۔ اور ... اس میں محلات وغیرہ بنوا کر سردیوں کے دو تین ماہ آکر رہنے لگا۔ راجہ رگھوناتھ سنگھ کے لڑکوں میں سے راجہ لچھمن سنگھ اور راجکمار شیو دیال سنگھ نے چیفس کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ اور راجکمار ہردیو سنگھ جسے سری لُبا رانی صاحبہ جموال نے گود لے لیا تھا۔ پرائیویٹ ٹیوشن رکھ کر پڑھتا رہا۔

راجہ رگھوناتھ سنگھ رامکوٹ جاگیر میں ۵۲ سال حکومت کر کے راہیٔ ملکِ بقا ہوا چونکہ اُس کی اولاد نرینہ میں سے کوئی بھی لڑکا سنِ بلوغت کو نہیں پہنچا تھا اس لئے گورنمنٹ جموں و کشمیر نے ... اور گورنمنٹ پنجاب نے اس جاگیر کو اپنے تحت کورٹ آف وارڈز میں لے لیا۔ اور ... کے وارثان کو ... متفرق لگا دی۔ راجہ رگھوناتھ سنگھ کی جاگیر رامکوٹ کا منیجر کورٹ آف وارڈز ... کوتوال شیو لال جو کہ سری لُبا صاحبہ کا ڈیوڑھی افسر اور اُن کی جاگیر ... کا ... مقرر کیا گیا۔ لیکن دو تین سالوں میں ہی بد انتظامی اور پارٹی بازی کا دور دورہ ہو گیا۔ ... سری لُبا رانی صاحبہ کے خزانہ اور توشہ خانہ میں، جو کہ قلعہ رامکوٹ میں تھا ... ہو گئی۔ اور ایک لاکھ سے بھی اُوپر مالیت کے زیورات اور نقدی کا نقصان ہوا۔ اور ... راجہ پرتاپ سنگھ نے ۱۹۲۴ء کے اکتوبر میں پارٹی بازی کے تینوں سرغنوں ... رام ... کوتوال شیو لال اور لالہ رام چند ٹیوٹر راجکمار ہردیو سنگھ کو رام کوٹ بدر کر دیا۔ ... کرشن سنگھ اکھنوریہ جو کہ نائب تحصیلداری کا اُمیدوار تھا، کو منیجر کورٹ آف وارڈز بنا کر رامکوٹ بھیج گیا۔ جس کے اختیارات کورٹ آف وارڈز کے انتظامات تک ہی محدود رکھے گئے اور سری لُبا رانی صاحبہ کی جاگیر ڈیوڑھی رام کوٹ اور پرائیویٹ عملہ کے انتظامات براہِ راست صاحبہ موصوفہ کے پاس رہے۔

یہاں بیان ... ہو گا کہ راجہ رگھوناتھ سنگھ نے اپنی دوسری لڑکی جو کہ لُبا رانی جموال صاحبہ کی ... چمبہ کے راجہ بھوری سنگھ کے بڑے لڑکے راجہ رام سنگھ سے کی۔ یہ شادی مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ہی ۱۹۱۱ء میں کرائی تھی کہ دو رنجش جو کہ دونوں

خاندانوں میں دیر سے چلی آ رہی ہے ختم ہو جائے ۔ کیونکہ راجہ رگھوناتھ سنگھ کی بڑی لڑکی بھری بُوا صاحبہ جو کہ چمبہ سے آ کر رامکوٹ میں ہی اپنی والدہ رانی جموال کے پاس بوجہ سرد مہری اپنے خاوند راجہ شام سنگھ چلی آئی تھیں سے چمبہ والوں کا بہت گلہ تھا ۔ تو اس شادی سے ایتی بُوا صاحبہ رامکوٹ نے اپنی چھوٹی بہن کو چمبہ میں اپنے دیور کے لڑکے رام سنگھ ، جو کہ ولیعہد ریاست چمبہ تھا ، سے بیاہ کر آپس میں پھر مفاہمت اور یگانگت پیدا کر لی ۔

جب راجہ رگھوناتھ سنگھ کی دوسری لڑکی رانی جموال کی شادی ہوئی اور بیاہ منڈپ میں پھیرے ہو رہے تھے تو دُلہن کی سہیلیاں بھی دُولہا کے ساتھ پھیرے لینے کے لئے پیش قدم ہوئیں ۔ مگر دُولہا راجہ رام سنگھ نے اُن کو اپنے ساتھ پھیرے لینے سے انکار کر دیا اور اپنے خسر راجہ رگھوناتھ سے کہنے لگا کہ پہلے جو تلخ تجربہ آپ کو اور ہمارے بزرگوں کو ہوا تھا ۔ اُسے پھر سے دوہرانا کہاں تک درست ہے ۔ ایسی ہی داسیوں کی وجہ سے جنہوں نے تائی جی (راجہ رگھوناتھ سنگھ کی بڑی لڑکی) کے ہمراہ تایا جی راجہ شام سنگھ والیٔ چمبہ کے ساتھ پھیرے لئے تھے ، تائی جی کو ساری عمر یہاں رہنا پڑا ہے ۔ میں تو ہرگز ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے اِن بے چاریوں کو یہاں ہی رہنے دیجئے ۔ میں ساتھ نہیں لے جاؤنگا ۔ اگر ضرور کوئی خدمتگار رانی صاحبہ کے ساتھ بھیجنا ہی ہے تو دو تین ایسی عورتیں بھیج دیجئے جو ملازماؤں کے طور وہاں جا کر رہیں نہ کہ رانی صاحبہ کی ہمسری کا دعوے کرنے والی ہوں ۔ اس طرح صدیوں کی پُرانی رسم جو کہ راجگان کے ہاں لڑکیوں کے ساتھ ہم عمر لڑکیاں ایک پھیرا لے کر تا عمر بھیجنے کی تھی ، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی ۔

رامکوٹ کے چھوٹے بُوا صاحبہ جموال نے چمبہ میں ہر ہائینس رانی صاحبہ چمبہ کا درجہ پا کر اپنے حسن سلوک ، تدبر اور خداداد دانشمندی اور سخاوت کی وجہ سے نیک نامی حاصل کی ۔ اُن کے بطن سے سنہ ۱۹۲۳ء میں راجہ لچھمن سنگھ پیدا ہوا ۔ جو ریاست چمبہ کے ہماچل پردیش میں مدغم ہونے کی وجہ سے سالانہ مقررہ بطور گزارہ گورنمنٹ آف انڈیا سے حاصل کرتا ہے ۔ اس طرح آپ کی راج ماتا بُوا صاحبہ جموال کو بھی مناسب ماہانہ ملتا ہے ۔

راجہ لچھمن سنگھ پسر راجہ رگھوناتھ سنگھ جب فارغ التحصیل ہوا اور سن بلوغت کو پہنچا تو گورنر جموں نے رامکوٹ کا کورٹ آف وارڈز اٹھا لیا ۔ لیکن لچھمن سنگھ اپنی عادات کے لحاظ سے کچھ اچھا ثابت نہیں ہوا ۔ گورنمنٹ پنجاب نے اب جاگیر جموال پر بدستور کورٹ

نقشہ قدیم نالہ ڈمنکوٹ یعنی رام کوٹ

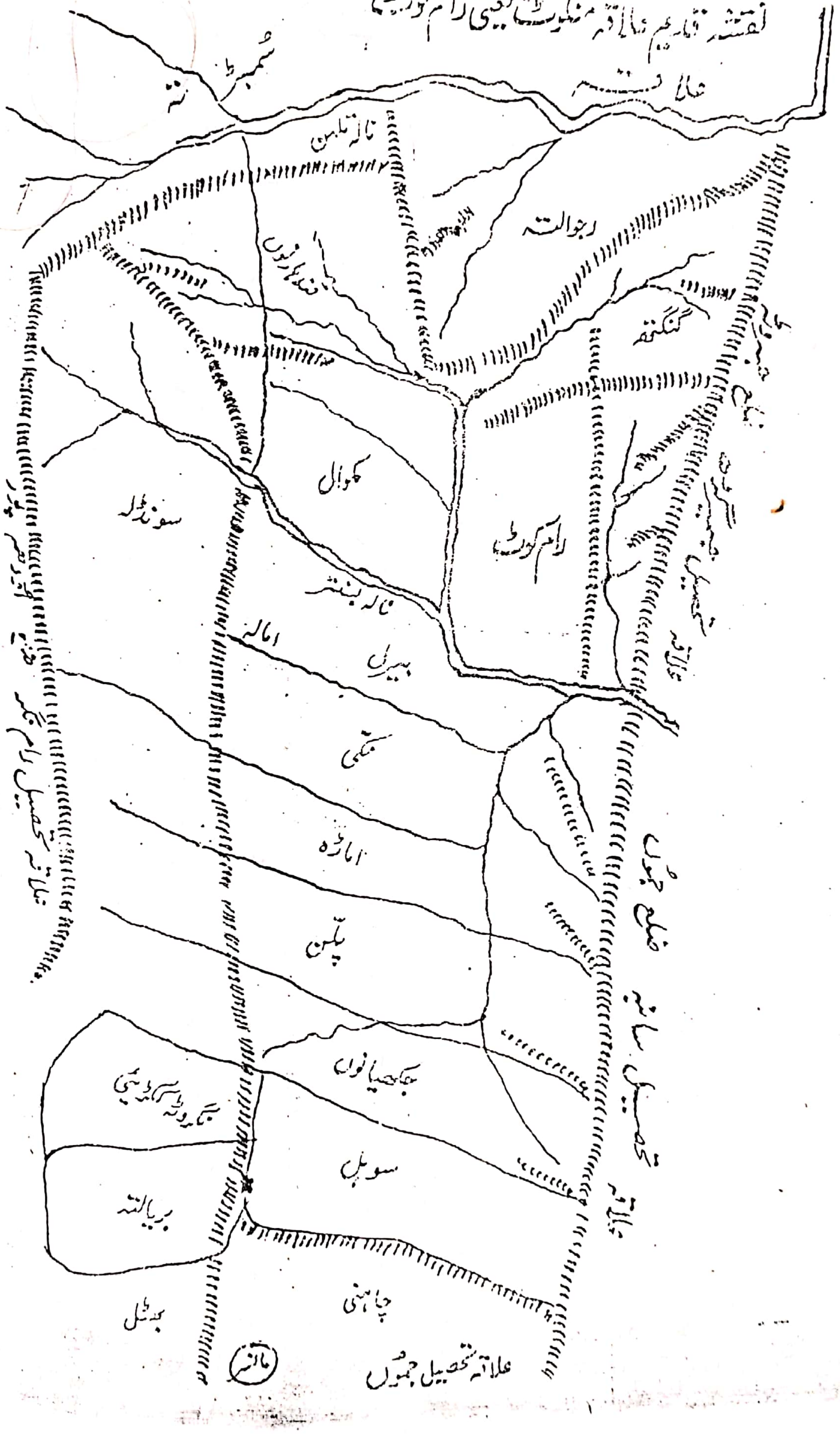

راجہ رن سنگھ جسوال

راجہ رگھوناتھ سنگھ جسوال خانیدار
رامکوٹ (جموں) اور انب (ہوشیارپور)

آف وارڈز رہنے دیا۔ اُسے شراب کی لت پڑ گئی۔ شب و روز مخمور رہ کر اس نے اپنی صحت بگاڑ لی۔ اور ابھی ۲۴ سال کی عمر تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اُس کا دیہانت ہو گیا۔ اُس کا چھوٹا بھائی راجکمار ہر دیو سنگھ تو بدستور سری گُوا صاحبہ کی خدمت گذاری میں تھا۔ تیسرے بھائی راجکمار شو دیو سنگھ نے کالج سے تعلیم پا کر ولایت میں جا کر ایڈمنسٹریشن کی ٹریننگ مہاراجہ ہری سنگھ والئی جموں و کشمیر کے حکم سے حاصل کی۔ اور چوتھا بھائی سنت دیو سنگھ بچپن سے ہی فاتر العقل تھا جو کہ راجکمار شو دیو سنگھ کے ساتھ رہتا تھا۔

راجہ لچھمن سنگھ کے مرنے کے بعد اُس کا بڑا لڑکا ٹکا چین سنگھ جو ڈیرہ دون کالج کا فارغ التحصیل ہے، جوان ہو چکا تھا۔ گورنمنٹ پنجاب نے کورٹ آف وارڈز اٹھا لیا۔ اور رام کوٹ جاگیر کا تو اپنے باپ کے بعد وہ خاندان کے مورثِ اعلیٰ کی حیثیت سے وارث ہی تھا۔ لیکن ضلع ہوشیار پور میں جاگیر کے علاوہ جدی جائداد اراضیات اور مکانات وغیرہ اور کورٹ آف وارڈز کے وقت کی جمع شدہ نقدی پر اپنے چچاؤں راجکمار شو دیو سنگھ اور راجکمار ہر دیو سنگھ سے جھگڑا چل رہا ہے۔ راجکمار شو دیو سنگھ تو ریاست جموں و کشمیر میں فنانشل کمشنر کے عہدہ پر سرفراز ہیں اور راجکمار ہر دیو سنگھ ہوشیار پور شہر میں ایک کرایہ کے مکان میں اپنی اولاد کی غور و پرداخت اور تعلیم و تربیت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

رامکوٹ جاگیر کا خاتمہ

سنہ ۱۹۴۷ء کی شورش میں ٹکا چین سنگھ معہ اپنے قبائل کے رامکوٹ چھوڑ کر اپنی جاگیر انب ضلع ہوشیار پور میں چلا آیا۔ اور سری گُوا صاحبہ بھی معہ راجکمار ہر دیو سنگھ اپنے محلات کو مقفل کر کے رام کوٹ سے انب چلے آئے۔ شیخ محمد عبداللہ کی ایمرجینسی حکومت جموں و کشمیر نے سنہ ۱۹۴۸ء کے ماہ اپریل میں ریاست سے جاگیرداری سسٹم کا خاتمہ کر کے رام کوٹ کو ریاست میں مدغم کر دیا۔ اور رام کوٹ کا قصبہ راجگان جسوال کے جانے سے بے رونق ہو گیا اور ایک اُجڑا دیار دکھائی دینے لگا۔ جسوال راجوں کے محلات گر رہے ہیں۔ اور آدھ صد سالہ پرانا قلعہ منکوٹ بھی کھنڈرات کا منظر پیش کر رہا ہے۔ اب رام کوٹ کے در و دیوار پر حسرت برس رہی ہے۔ سری گُوا رانی صاحبہ جنہیں رام کوٹ

کے علاقہ میں لکشمی کا اوتار مانا جاتا تھا جن کی دوہائی اس علاقہ میں پھرتی تھی بعمر ۷۲ سال ایک شفقت مآب دیوی کی زندگی بسر کر کے سنہ ۱۹۴۹ء کے ماہ فروری میں بمقام انب پرلوک سدھار گئیں ۔

ریاست چنہنی

راجہ شنتو پال چندر بنسی خاندان سے تھا اور چندیری کا حکمران تھا۔ پراچین اتہاس جو کورو پانڈو سے متعلق ہے، میں اس کا ذکر نمایاں حروف میں آیا ہے۔ اس کی چھبیسویں پشت میں راجہ ہری ہر چند ہوا جس کا زمانہ سنہ ۸۰۰ء بیان ہوتا ہے۔ راجہ ہری ہر چند چندیری کا راج اپنے بڑے بیٹے کو دے کر جوالا مکھی کے درشنوں کو آیا۔ اس کے ساتھ اس کے چار بیٹے اور کچھ فوج بھی تھی۔ جوالا مکھی سے ہو کر وہ راجہ کا مہمان ہوا۔ جہاں کہ اس کا چھوٹا بیٹا سبیر چند نیزہ بازی کرتا مر گیا اور ہری ہر چند کی اسی بناء پر راجہ کانگڑہ سے لڑائی ہو گئی۔ راجہ ہری ہر چند اور راجہ کانگڑہ ہر دو جنگ میں کام آئے اور پانسہ ہری ہر چند کے لڑکوں کے ہاتھ رہا۔ تو اس کے بیر چند، گمبیر چند اور کبیر چند تینوں بیٹوں نے بلاسپور (کہلور)، نالہ گڑھ (ہنڈور) اور کام بن (کماؤں) پر اپنا علیحدہ علیحدہ راج قائم کر لیا۔ اسی زمانہ میں مان نامی علاقہ چنہنی کے میگھ راجہ نے راجہ بیر چند والئے بلاسپور کی شہرت سن کر استدعا کی کہ وہ راجپوت راناؤں کے خلاف اس کی امداد کرے۔ کیونکہ راناؤں نے میگھ راجہ کا جینا اجیرن کر رکھا تھا۔ اور ان کی روز بروز کی مار دھاڑ اور نفرت و حقارت کے سلوک سے وہ تنگ آ چکا تھا۔ چنانچہ راجہ بیر چند نے

۱؎ مؤلف سنہ ۱۹۲۳ء میں سری لُوا صاحبہ رام کوٹ کی ملازمت میں داخل ہوا اور سنہ ۱۹۳۹ء تک بعہدہ سیکرٹری اور ان کی ذاتی جاگیر کے مختار عام کی حیثیت سے کام کیا۔ میرا اپنا بھی مشاہدہ ہے کہ سری لُوا صاحبہ کے پاکیزہ خیالات۔ ایشور بھگتی، دان ویرتا، غریب پروری اور بلا لحاظ مذہب و ملت ہر محتاج اور مستحق کی آڑے وقت پر امداد کی داستانیں رہتی دنیا تک زبان زد عام رہیں گی۔

اپنے چھوٹے بھائی راجہ گمبیر چند کو کافی فوج دے کر منگیہ راجہ کی امداد کے لئے بھیجا جس نے علاقہ چینیی میں پہنچ کر رانا ؤں کو مار بھگایا اور اپنی خود مختار ریاست قائم کر لی اور مان تلائی کے مقام پر اپنی راجدھانی بنا لی۔

مان تلائی شُدھ مہادیو کے نزدیک علاقہ جھنی میں ایک چھوٹا سا تالاب ہے اور مہادیو کا مندر بھی وہاں موجود ہے کہتے ہیں کہ راجہ ہماچل اسی پہاڑ کا راجہ تھا اور یہاں ہی اُس نے اپنی پُتری پاربتی کا بیاہ مہادیو سے کیا تھا۔ اس مان تلائی کے مقام پر بیدی اور ہون کُنڈ بنایا گیا تھا۔ آج بھی اس کے آس پاس سے زمین کھودی جائے تو مٹی کے کھلونے وغیرہ نکلتے ہیں جو کہ شو جی اور پاربتی کے بیاہ کے وقت کے ہیں۔

چونکہ علاقہ جھنی زیادہ تر برفانی ہے اور سنسکرت میں برف کو "ہیم" کہتے ہیں اسی لئے اس سارے علاقہ کا نام ہمت یا ہونت پڑ گیا تھا۔ اور راجگان چناہن جو جتنی ہیں چندیل راجوں کی ایک شاخ سے وابستہ ہیں۔ اس علاقہ میں آنے سے ہنتال اور اور ہمتال کہلائے۔

راجہ گمبیر چند کو جب کچھ وقت حکومت کرتے ہو گیا تو اُس نے اپنے خاندانی نام چندیل پر ایک قصبہ آٹھویں صدی کے آغاز میں آباد کیا جس کا نام چناہن رکھا گیا جو بگڑتے بگڑتے جھنی ہو گیا۔ راجہ گمبیر چند کا بیٹا سنسار چند اُس کا ابھیر چند بھر پورپ چند۔ بھوپ چند۔ نرسنگھ پال۔ اگم پال۔ سِدھ پال پشت در پشت جھنی ریاست کے خود مختار راجے ہوئے۔ راجہ سِدھ پال کا راجہ منھی پال اُس کا گیان پال اُس کا ابھے پال اور بعد میں سبھی پال۔ دھرم پال۔ دیوی پال۔ دریودھن پال۔ جندھ چند۔ ہری چند۔ بجر چند۔ بھاگ چند۔ سوشیل چند۔ ہمیر چند۔ بھول چند۔ اُودے چند ایک دوسرے کے بعد حکمت جینیی ہوئے۔ راجہ اودے چند کے ترلوک چند۔ بھگت چند اور سنگم چند تین بیٹے ہوئے۔ راجہ ترلوک چند کے بعد دیپ چند۔ گنگا چند۔ آجی چند۔ گنپے چند۔ ابیر چند۔ مدن چند۔ انگے چند۔ سو کھن چند۔ سمیر چند اور میر چند یکے بعد دیگرے راجے ہوئے۔

راجہ رام چند (1580-1610)

راجہ رام چند اپنے باپ میر چند کے مرنے کے بعد والئی ریاست جھنی ہوئے

راجہ چیت سین کے وقت سدھ مہادیو ایک تیرتھ کے طور مشہور ہوا کیونکہ اس راجہ نے سدھ مہادیو کے مقام پر گاڑے ہوئے مہادیو کے ترشول کو کھودنا چاہا تھا۔ سدھ مہادیو کی وجہ

سدھ مہادیو

تسمیہ یہاں بیان کی جانی ضروری ہے۔ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں جب یہاں شوجی مہادیو نے راجہ ہماچل کی بیٹی پاربتی سے بیاہ کیا، ایک سدھ نامی دیت یہاں رہتا تھا جو اکثر لوٹ مار کرتا اور لوگوں پر جبر و ظلم کرنے کا عادی تھا۔ مہادیو نے اپنے ترشول سے اسے کیفر کردار کو پہنچایا اور اس پہاڑ کے رہنے والوں کو سکھ کا سانس دلایا۔ اس طرح سدھ دیت کے سنگھار ہونے پر سدھ اور مہادیو کے نام سے اس جگہ کا نام سدھ مہادیو یا سدھ مہادیو مشہور ہو گیا۔ سدھ مہادیو جسے سدھی بھی پکارتے ہیں یہاں ہر سال ماہ اساڑھ کی پورنماشی کو میلہ لگتا ہے۔ دور دور سے لوگ یہاں یاترا کے لئے آتے ہیں۔ یہ میلہ تین دن رہتا ہے۔ آج کل سدھ مہادیو تک موٹر سڑک بھی جاتی ہے اور جاتریوں کے لئے سفر کی صعوبت آسانی میں بدل دی گئی ہے۔ اس جگہ شوجی مہاراج کا ترشول زمین سے چھ فٹ اونچا صدیوں سے نصب ہے اور عین مندر کے سامنے ہے۔ اور قریب ہی ایک لمبی گدا گاڑی ہوئی ہے جسے بھیم سین کی گدا کہتے ہیں۔

راجہ رام چند والئ چنبہ نے آزمائش کے طور سدھ مہادیو کا ترشول کھودنے کا حکم دیا تاکہ پتہ لگ سکے کہ کتنی گہرائی تک ہے۔ دو دن تک متواتر کھدائی جاری رہی مگر سرا برآمد نہ ہوا۔ اسی رات راجہ رام چند کو خواب میں دیو بانی سنائی دی کہ کل صبح ترشول کی چوٹی پر سے ایک لوہے کا ٹکڑا گرے گا۔ جس میں سے سالگرام ٹھاکر کی مورتی نکلے گی۔ جس کی پوجا کیا کرنا اور لوہے کی تلوار بنا کر استعمال میں لانا۔ اس تلوار میں یہ خاصیت ہوگی کہ جب کبھی جنگ کا موقعہ آئے تو اس تلوار کو تمام اسلحہ کے نیچے رکھ دینا۔ اگر وہ خود بخود اوپر آ جائے تو اپنی کامیابی کی فال سمجھنا۔ ورنہ سراسر ناکامی اور شکست ہوگی۔ سالگرام کی مورتی کے علاوہ ایک شولنگ بھی نکلے گا جسے یادگار کے طور یہاں ہی استھاپن کر دینا۔

چنانچہ خواب کی حسب ہدایت جب ترشول کی چوٹی پر سے لوہے کا ٹکڑا گرا تو راجہ رام چند نے آئندہ کھودنا بند کرا دیا۔ اور مندر بنوا کر شولنگ کو استھاپن کیا۔ مندر سدھ مہادیو آج سے ساڑھے چار صد سال پہلے راجہ رام چند والئ چنبہ نے بنوایا۔ سالگرام کی مورتی محلات چنبہ میں لا کر رکھی گئی اور باقاعدہ پوجا ہونے لگی۔ لوہے کے ٹکڑے کی تلوار

بنوائی گئی۔ اِس مندر میں ایک دُھونی مدت سے جل رہی ہے جو ایک جوگی سروپ ناتھ نے جلائی تھی۔ اِس کی آگ بُجھنے نہیں دی جاتی۔ اگر بُجھ جائے تو بدشگونی سمجھی جاتی ہے۔ اور ایشوری کوپ کا خدشہ بن جاتا ہے۔

راجہ رام چند تیس سال راج کر کے پرلوک سدھار گیا اور اُس کے بڑے فرزند راجہ جلال چند نے راج گدی سنبھالی اور اپنے باپ راجہ رام چند کی ریاست چنہنی جسے بہت زیادہ توسیع ملی تھی، میں اور زیادہ علاقوں کا اضافہ کیا۔ راجہ جلال چند کا انرودھ چند
اُس کا گوپال چند۔ اُس کا سین چند اُس کا بچے چند اُس کا سنگے چند ہوا۔ راجہ گگے چند بڑا صاحب اولاد تھا۔ اُس کے پانچ بیٹوں کے علیحدہ علیحدہ خاندان ہوئے۔ اُس کا بڑا
37 بیٹا راجہ بھوپال چند باپ کے انتقال کے بعد وارث راج چنہنی ہوا۔

1763 راجہ شمشیر چند ۳۸ (1760–)

چنہنی کے راجہ بھوپال چند کے پرلوک سدھارنے کے بعد اُس کا فرزند اکبر راجہ شمشیر چند راج گدی پر متمکن ہوا۔ اِس راجہ کی بہادری کی داستانیں آج بھی زبان زدِ عام ہیں۔ اِس راجہ کے پاس راجہ رام چند کے وقت کی وُہ تلوار تھی جو شدھ مہادیو کے گڑے ہوئے ترسول کے لوہے کے ٹکڑے سے بنوائی گئی تھی اور جسے ایک کراماتی تلوار سمجھا جاتا تھا۔ جب مہاراجہ رنجیت دیو کے بیٹے راجہ برج راج دیو نے ۱۷۶۳ء میں کانگڑہ پر حملہ کیا تو راجہ شمشیر چند والیٔ چنہنی بھی اُس کا اتحادی تھا۔ اور تسخیر کانگڑہ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ اور تلوارِ آبدار، جو راجہ رام چند کے وقت کی پُشتنی درپُشت اُس کے پاس چلی آئی تھی، اور مورتی سالگرام کو ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ سب اِن پراچین تحائف کی برکت ہے کہ جس لڑائی میں وُہ جاتا ہے، فتحیاب ہو کر آتا ہے۔ اِس تلوار اور مورتی سالگرام کا چمتکار سب راجگان پہاڑ پر ظاہر ہو چکا تھا۔ چنانچہ راجہ پرتھی سنگھ نورپوریہ جو کہ مہاراجہ رنجیت دیو کا داماد تھا اور جو فتح کانگڑہ میں برج راج دیو کے ساتھ تھا، نے متا پکایا کہ کسی طرح یہ دونوں چیزیں راجہ شمشیر چند سے چھین لی جائیں۔ اور جب فتح کانگڑہ سے راجہ شمشیر چند واپس جموں پہنچا اور مہاراجہ رنجیت دیو سے رخصت ہو کر چنہنی کو آ رہا تھا تو راجہ پرتھی سنگھ نورپوریہ نے اُس پر حملہ کر دیا۔ راجہ

شمشیر چند متصل چند راہ نالہ ڈابڈہ میں سالگرام کی پوجا میں مصروف تھا۔ اُس نے اپنی پراچین تلوار سے
فال دریافت کی مگر تلوار اسلحہ کے نیچے سے اوپر نہ آئی۔ تو وُہ یہ سمجھ کر کہ اب جان کی خیر نہیں۔
اس لئے لڑائی فضول ہے، وُہ پوجا میں بدستور مصروف رہا۔ راجہ پرتھی سنگھ نورپوریہ نے موقعہ
پر پہنچ کر راجہ شمشیر چند کو قتل کر دیا اور مورتی سالگرام اور وُہ تلوار اپنے ساتھ لے گیا۔ اس تلوار
کے متعلق آگے چل کر بسوہلی راج کی ہندی ونشاولی میں لکھا ہے کہ راجہ پرتھی سنگھ نورپوریہ
نے وُہ تلوار اپنے ہم زلف راجہ امرت پال والی بسوہلی کو دے دی۔ اس کے بعد اس تلوار
کا پتہ نہیں چلا کہ امرت پال نے تلوار کسی کو سنکلپ کر دی یا کہاں کھو گئی۔

راجہ شمشیر چند کے اس طرح کے قتل کئے جانے پر ہنتال قوم کے تمام راجپوت راجہ
پرتھی سنگھ نورپوریہ سے انتقام لینے کے لئے مرنے مارنے پر تُل گئے اور تمام علاقہ پہاڑ
میں لام بندی کا اعلان کر دیا۔ لیکن مہاراجہ رنجیت دیو والی جموں جو کہ اس وقت نہایت
طاقت ور اور بارسوخ حکمران کہلاتا تھا، نے ڈوگرہ دیس کی اس کھلبلی کو پسند نہیں کیا۔
اور اُس نے اپنے داماد راجہ پرتھی سنگھ نورپوریہ قاتل راجہ شمشیر چند کو منہ لگانا چھوڑ دیا کہ
اُس نے ایک بے گناہ اور اپنے ہمدرد دوست راجہ کو بزدلی سے وار کرکے مار دیا چنانچہ
ہنتال راجپوتوں نے مہاراجہ رنجیت دیو کے سمجھانے پر کشت وخون سے گریز کیا۔ لیکن
اُس مندر میں نہ جانے کی قسم کھالی جہاں کہ مورتی سالگرام کو لے جا کر رکھا۔ آج تک یہ قطع تعلق، چلا آرہا ہے۔

۳۹ - راجہ دیال چند

راجہ شمشیر چند کی دو رانیوں میں سے راجہ کشور چند، جھگڑ چند، بہادر چند اور
باران چند چار بیٹے تھے۔ جن میں سے بڑا بیٹا راجہ کشور چند راجہ ہوا۔ کشور چند کا بیٹا تیغ چند
ہوا جس کی صرف ایک لڑکی تھی اور اولادِ نرینہ کے بغیر راہی عالم ہوا۔ راجہ تیغ چند کی
بیوہ رانی کی خواہش تھی کہ وارث راج گدی اُس کی بیٹی قرار دی جائے۔ جس کا مددگار
اُس کا چچا فرزند بدن چند میاں بسو تھا۔ لیکن راجہ دیال چند فرزند راجہ جھگڑ چند
نے بسو کو تہ تیغ کر دیا اور چنہنی کی حکومت خود سنبھال لی۔ راجہ دیال چند کو علاقہ
مارتند کشمیر میں بھی ڈیڑھ لاکھ کی جاگیر احمد شاہ ابدالی کی طرف سے ملی تھی۔ یہ جاگیر اُسے

راجہ سنگھ جیون والئ کشمیر پر فتح حاصل کرنے کے عوض ملی تھی۔ مہاراجہ رنجیت دیو نے احمد شاہ ابدالی کے لئے اپنے راجکمار برج راج دیو کو کشمیر فتح کرنے کے لئے مامور کیا تھا۔ برج راج دیو کا زبردست امدادی چبھنی کا راجہ شمشیر چند تھا۔ راجہ شمشیر چند نے اپنے بھائی جھگڑا چند کے لڑکے راجکمار دیال چند کو برج راج دیو کے ہمرکاب کیا تھا۔ جہاں کہ راجہ دیال چند نے اپنی تلوار کے جوہر دکھا کر راجہ سنگھ جیون کو پابجولاں کر دیا۔ جب راجہ دیال چند ریاست چبھنی کا حکمران بن گیا تو جاگیر مارتنڈ علاقہ کشمیر اُس کے قبضہ سے نکل گئی۔ راجہ بھوتی کرمچی نے علاقہ مرمت چودرگلہ میں راجہ چبھنی کے خلاف محاصرہ کیا۔ قلعہ میں چبھنی کے تیس آدمی تھے جو سب کے سب مار دیئے گئے۔ اور قلعہ پر راجہ بھوتی کرمچی نے قبضہ کرلیا۔

راجہ دیال چند کے عہدِ حکومت میں ہی راجہ سوچیت سنگھ والئ ریاست رام نگر نے چبھنی ریاست کا موضع مرونتھی شامل رام نگر کر لیا جس پر راجہ دیال چند نے راجہ سوچیت سنگھ کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ راجہ سوچیت سنگھ کو خبر ہوئی تو اُس نے خالصہ فوج کو لے کر ریاست چبھنی پر حملہ کر دیا۔ شاہی فوج سے مقابلہ کی تاب نہ لاکر راجہ دیال چند مع عیال و اطفال قلعہ شب گڑھ میں جا چھپا اور موقعہ پاکر دربار لاہور میں فریاد کرنے کے لئے پہنچ گیا۔ راجہ سوچیت سنگھ نے چبھنی کے راج محلات جلا دئے اور چبھنی کو شامل رام نگر کر لیا۔

راجہ دیال چند کی فریاد پر مہاراجہ رنجیت سنگھ والئ لاہور نے راجہ گلاب سنگھ کو حکم دیا کہ ریاست چبھنی کو واگذار کیا جائے۔ اور راجہ دیال چند نے جموں پہنچ کر راجہ گلاب سنگھ کی اطاعت قبول کر لی۔ اور گلاب سنگھ نے سوچیت سنگھ کو سمجھا بجھا کر آپس میں صلح صفائی کرادی۔ اس طرح علاقہ کوٹلی شامل رام نگر اور علاقہ اُودھم پور و بٹوت تحت جموں ہو گیا۔ اور باقی علاقہ چبھنی میں رہا۔ اور اس ریاست کو جموں کے ماتحت ایک جاگیر کا درجہ دے دیا گیا۔

راجہ دیال چند کے وقت کی ریاست چبھنی کا نقشہ اگلے صفحہ پر دیا گیا ہے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے جب کشتواڑ کو فتح کرنے کا عزم کیا تو ضروری تھا کہ پہلے راجہ دیال چند والئ چبھنی کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔ کیونکہ دریائے چناب کو بذریعہ کشتی عبور کرنے کا مقام ریاست چبھنی میں پڑتا تھا اور راجہ دیال چند گلاب سنگھ کے اس ارادہ کے خلاف تھا۔ اور اُس کی امداد کے لئے ہچکچاتا تھا۔ چنانچہ راجہ گلاب سنگھ نے

پنے تخمین تدبیر کو بروئے کار لاکر راجہ دیال چند کے وزیر جرانندھ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جس سے راجہ دیال چند راجہ گلاب سنگھ کی فوجوں کو راستہ دینے کے لئے مجبور ہو گیا۔ راجہ دیال چند ۵۵ سال حکومت کر کے اس جہان فانی سے رحلت کر گیا۔

نقشہ قدیم ریاست چناہن یا چھنی

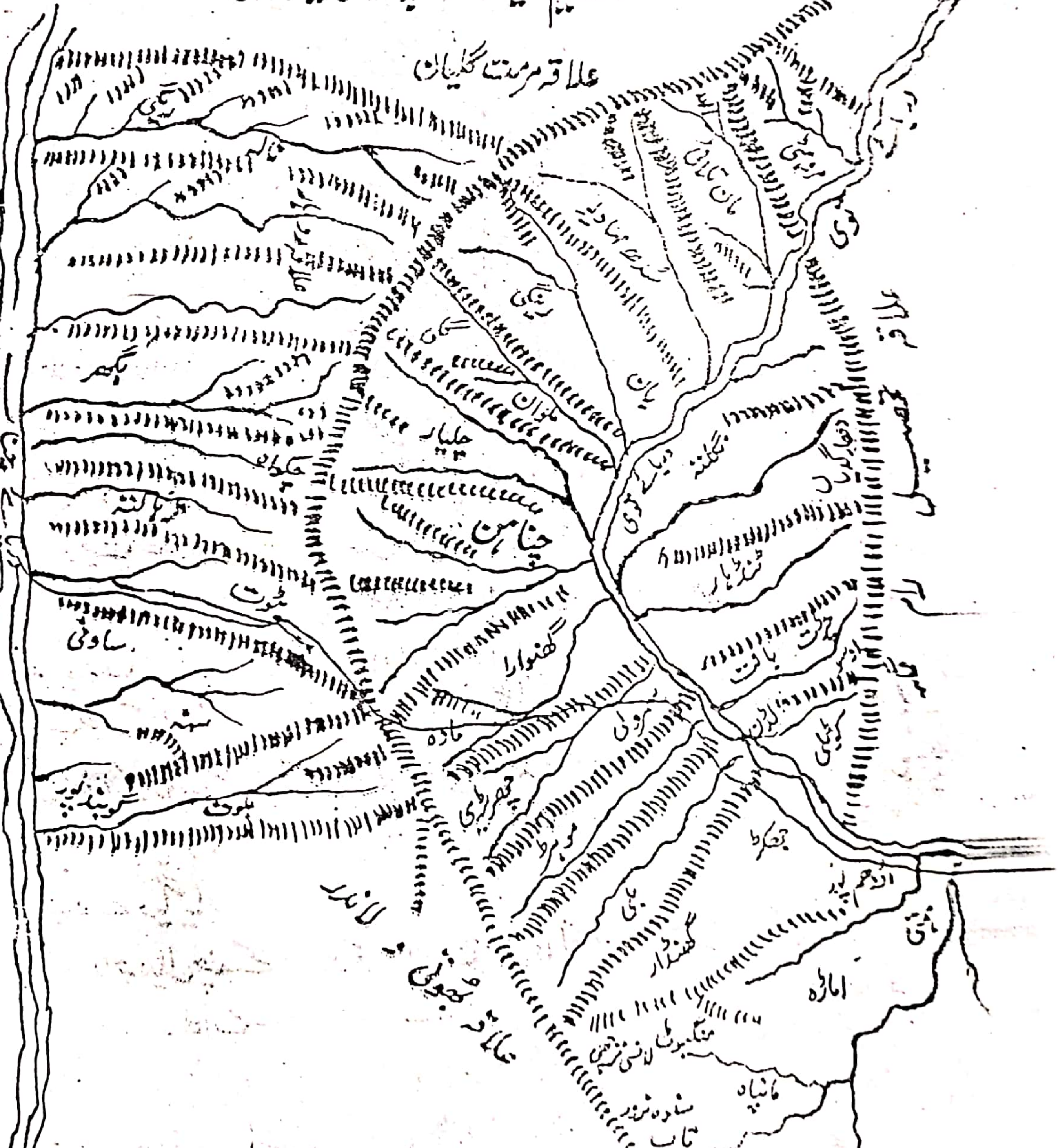

راجہ کیدار چند

راجہ دیال چند کے انتقال کے بعد اُس کا بڑا لڑکا راجہ گجیندر چند والیٔ چنہنی قرار دیا گیا۔ جس کے دو لڑکے راجہ بدری چند اور راجہ کیدار چند ہوئے۔ راجہ بدری چند ۱۸۷۲ء میں لاولد گزر اتو راج گدی اُن کے چھوٹے بھائی راجہ کیدار چند کو ملی۔ راجہ کیدار چند نے ریاست جموں و کشمیر کے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے چھوٹے بھائی راجہ رام سنگھ والیٔ رام نگر کی بڑی لڑکی سے شادی کی۔ راجہ کیدار چند کے سن بلوغت کو پہنچنے تک جاگیر چنہنی کورٹ آف وارڈز کے تحت رہی۔ جب کورٹ آف وارڈز اُٹھایا گیا تو راجہ صاحب کو اپنی جاگیر میں مالی و ملکی کُلی اختیارات سپرد کیے گئے اور ریاست جموں و کشمیر کے تحت اُسے فوجداری مجسٹریٹ درجہ اوّل اور دیوانی منصف درجہ اوّل کے اختیارات حاصل تھے جن کے فیصلوں کی اپیلیں ریاست جموں و کشمیر کی عدالتہائے عالیہ میں ہوا کرتی تھیں۔ راجہ کیدار چند نے ایک اچھے منتظم اور منصف مزاج جاگیردار ثابت ہوئے۔ آپ نے اپنے محلات کو بھی وُسعت دی۔

راجہ کیدار چند کے ہاں راجہ رام سنگھ کی راجکماری کے بطن سے راجہ رام چند۔ راجکمار جے چند اور راجکمار تیرتھ چند تین لڑکے پیدا ہوئے۔ اور ایک لڑکی تھی۔ جس کی شادی رانکوٹ جاگیر کے راجہ لچھمن سنگھ سے ہوئی چنہنی کے اِن راجکماروں کی تعلیم و تربیت مہاراجہ پرتاب سنگھ والیٔ جموں و کشمیر کی طرف سے ایک خاص ٹیوٹر کے ذریعہ ہوئی۔

راجہ کیدار چند کے بعد بڑا لڑکا راجہ رام چند وارث جاگیر ہوا اور دو چھوٹے لڑکے کشمیر سرکار کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ راجکمار جے چند مہاراجہ ہری سنگھ کے اے ڈی سی اور راجکمار تیرتھ چند فوج میں میجر کے عہدہ پر رہے۔ راجہ رام چند نے جاگیر کی آمدنی اور اپنی ذاتی اراضیات میں کافی ترقی دی۔ راجہ بڑا محنتی اور بیوپاری ثابت ہوا۔ اِس کے عہد میں جاگیر چنہنی کی آزادی کے لئے عوام نے جد و جہد کی۔ پہلے اِس جد و جہد کو ہندو سبھا جموں چلاتی رہی۔ اِس کے بعد نیشنل کانفرنس نے جاگیر چنہنی کے عوام کا یہ کاز اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جموں پرانت میں نیشنل کانفرنس کا سنگ بنیاد

چنہنی میں ہی رکھا گیا تو بے جا نہ ہوگا چنہنی کے عوام نے اپنے مقامی لیڈران کامریڈ دینا ناتھ کپلا، شری دیا رام مہاجن، رحیم بخش اور شریمتی نرمالو کی سرکردگی میں گرفتاریاں دیں۔ کئی ایک بیوپاری اور دوکاندار چنہنی سے ہجرت کر کے جموں میں آ کر اپنا کاروبار کرنے لگے۔ آخر شیخ عبداللہ کی ایمرجینسی حکومت نے جاگیرداری سسٹم کو منسوخ کیا تو ۱۹۴۸ء اپریل میں جاگیر چنہنی کو ریاست جموں و کشمیر میں مدغم کر لیا اور یہاں تحصیل نیابت قائم ہو کر اودھم پور کے ضلع میں اسے شامل کر لیا گیا۔ اور اس طرح ایک بارہ سو سال کی قائم شدہ ریاست اور جاگیر کا خاتمہ ہو گیا۔ اب راجہ رام چند کو ریاست جموں و کشمیر سے معمولی مقرری سالانہ ملتی ہے۔

چنہنی کے ساتھ ابتداء میں بہت بڑا علاقہ تھا جیسا کہ نقشہ سے واضح ہوگا جاگیر کی شکل میں چھوٹے چھوٹے اڑتالیس گاؤں رہ گئے۔ چنہنی کے شمال دریائے چناب تحصیل رام بن، مشرق کی طرف نالہ ریگی، تحصیلات اودھم پور و بھدرواہ، جانب جنوب نالہ توی اور دھار گدیاں علاقہ رام نگر۔ جانب مغرب دھار لدھا۔

جاگیر چنہنی میں سدھ مہادیو کا مشہور تیرتھ ہے۔ یہاں سے دیوک ندی نکلتی ہے اسے گپت گنگا بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ دیوک دوسری ندیوں کی مانند مسلسل نہیں بہتی۔ سدھ مہادیو سے نکل کر تھوڑی دور دریائے توی میں جا کر مل جاتی ہے۔ سدھ مہادیو سے تین میل شمال مغرب ایک چشمہ گوری کنڈ ہے جو کہ پاربتی کے اصلی نام گوری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سدھ مہادیو کے تیرتھ پر آنے والے یاتری اس گوری کنڈ میں اشنان کرنا بڑا مہاتم مانتے ہیں۔ سدھ مہادیو چنہنی سے موٹر روڈ کے راستے ۱۳ میل مغرب ہے۔ اس علاقہ کی سب سے اونچی پہاڑی جو برف سے لدی رہتی ہے، سطح سمندر سے ۹۵۵۸ فٹ بلند ہے۔ اس علاقہ میں بے شمار چراگاہیں ہیں چنہنی بانہال کارٹ روڈ کے کنارے پر واقع ہے۔ جاگیر کا کُل رقبہ ۹۷ مربع میل تھا۔ اس جاگیر میں پہاڑی راستے دشوار گذار تھے۔ یہاں کے زن و مرد پٹو کا لباس پہنتے ہیں اور پیٹھ پر بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اس جاگیر کی کُل آمدن مالیہ اور جنگلات وکاہچرائی پچاس ہزار روپیہ تھی یہاں کی پیداوار مکی اور چاول ہے۔ زمین زیادہ تر آبی اور بے حد زرخیز ہے۔ اناج کے علاوہ یہاں گچھیاں، بنفشہ، انار دانہ، شہد اور سونٹ بکثرت پیدا ہوتی ہیں۔ سیب، ناشپاتی،

[illegible] اور اخروٹ بھی یہاں کے [illegible] کی پیداوار ہے۔ [illegible]

[illegible]

بھی اور اخروٹ بھی یہاں کے اکثر مقامات کی پیداوار ہے۔ عمارتی لکڑی دیودار اور چیل کے جنگلات یہاں بہت زیادہ ہیں۔

ریاست کشتواڑ

سمرتھ گڑھ

کشتواڑ کی سطح مرتفع جہاں کہ کشتواڑ کا قصبہ اور آس پاس کے دیہات آباد ہیں، سطح سمندر سے تقریباً ۵۴۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ سطح مرتفع ایک میدان کی شکل ہے جو شمالاً جنوباً ۶ یا ۷ میل اور شرقاً غرباً اڑھائی میل کے قریب ہے جموں سے قصبہ کشتواڑ ایک صد بیس (۱۲۰) میل کی دوری پر واقع ہے۔ اِس سطح مرتفع کے شمال مغرب میں شمال سے آتا ہوا دریائے مڑوا کے ساتھ دریائے چھاترو مل کر دریائے چناب میں گرتے ہیں۔ ابتدا ازمانہ میں کشتواڑ کا نام سمرتھ گڑھ تھا۔

گوبردھن سر

کشتواڑ کے ابتدائی حالات کے متعلق کئی روایتیں ہیں۔ ایک روایت جو زبان زد عام ہے، کے مطابق کشتواڑ کو سمرتھ گڑھ کہا جاتا تھا۔ جب کہ یہاں دیودار کا گھنا جنگل تھا اور آبادی برائے نام تھی۔ یہ جنگل انسانوں کی بجائے جنگلی جانوروں کا مسکن تھا۔ اُس کے بعد قدرت کی طرف سے ایک ایسا انقلاب آیا کہ پہاڑوں اور جنگلات کا نام و نشان مٹ گیا اور یہ علاقہ ایک جھیل میں تبدیل ہو گیا اور اِس کا نام گوبردھن سر مشہور رہا۔ کچھ مدت بعد پھر انقلاب آیا اور وہ پہاڑ جس نے اِس جھیل کے پانی کو روک رکھا تھا پھٹ گیا اور گوبردھن سر کا پانی ختم ہو کر میدان کی شکل اختیار کر گیا۔

مہاکال گڑھ

ایک وقت یہاں سے رشی پال کا گذر ہوا جس نے اِس جگہ کو ایکانت اور ایشور بھگتی کے لئے مناسب جان کر یہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ اور اِس جگہ مندر تعمیر کر کے مہاکال کی پرستش میں محو ہو گیا۔ رشی پال کی شہرت دُور دُور تک جا پہنچی۔ لوگ آ آکر رشی سے مُنہ مانگی مرادیں پاتے اور اِس مندر کے آس پاس مستقل سکونت اختیار کرنے لگے۔ کئی سال گزرنے کے بعد یہ مقام ایک قصبہ کی صورت اختیار کر گیا اور اسے مہاکال گڑھ کہا جانے لگا۔ جب یہاں کافی آبادی ہو گئی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بیس ہزار کے

مت بگڑ گئی تو رشی پال کے پیروؤں کے آپس کے تنازعات اور پارٹی بازی سے دو فرقے ہو گئے ایک فرقہ تو رشی کی اطاعت سے بھی منکر ہو گیا اور دوسرا بدکاری اور عیاشی میں مبتلا ہو گیا۔ رشی نے تنگ آکر بد دعا دی اور قدرتی قہر کے نازل ہونے سے مہاکال گرڈھ کا بارونق نگر تباہ اور برباد ہو گیا۔

مان تھر گرڈھ

عرصہ دراز تک کشتواڑ کا موجودہ میدان غیر آباد اور بنجر پڑا رہا۔ تو ایک براہمن آہنگ پت نامی یہاں وارد ہوا۔ اس کے تین بیٹے رام داس۔ رگھو ناتھ اور مرش دھر تھے۔ آہنگ پت کا گذارہ بھیڑ بکری پر تھا۔ بھیڑ بکری کے گلہ کو کشتواڑی زبان میں لیوہ کہتے ہیں۔ چنانچہ آہنگ پت کے گھر کا نام لیوہی مشہور ہوا۔ لیکن آہنگ پت نے اس آبادی کا نام مان تھر گرڈھ رکھا۔ اور آہنگ پت کی اولاد بڑھتے بڑھتے ایک قبیلہ بن گئی۔ اور بھی بہت سے لوگ یہاں آکر آباد ہو گئے۔ ان سب لوگوں کا رہن سہن اور گذران بھیڑ بکری پالنے پر تھا اور دن بدن خوشحالی اور فارغ البالی میں جھومنے لگ گئے یعنی کشمیر اور کشتواڑ کی سرحد کے لوگوں کے لئے بوجہ حسد ان کی خوشحالی ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ ڈانبر ناگ کے فرقہ نے آہنگ پت کے خاندان پر حملہ کیا اور ایک ایک کو چن چن کر ہلاک کر دیا اور خود یہ فرقہ یہاں آکر آباد ہو گیا۔ ڈانبر ناگ فرقہ کے لوگ محنتی اور جفاکش تھے۔ انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں تمام علاقہ کو لہلہاتی کھیتیوں میں بدل دیا۔

سوسج گرڈھ

روایت ہے کہ اسی زمانہ میں کشیپ رشی معہ اپنے تین چیلوں نند۔ کول اور جتا نامی کے یہاں وارد ہوئے اور یہاں قیام کر کے انہوں نے اس کا نام سوسج گرڈھ رکھا۔ کچھ مدت کے بعد ان کے چیلوں میں فساد اور لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔ ان کے اعمال ٹھیک نہ رہے۔ رشی نے انہیں بد دعا دی کہ تم ہمیشہ دانہ پانی کی تکلیف میں رہو گے۔ یہاں کے لوگوں کا خیال ہے کہ کشتواڑ میں جو خشک سالی اور اناج کی کمی رہتی ہے وہ کشیپ کی بد دعا کا نتیجہ ہے۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ پانچ پانڈو بحالت بن باس کبھی آئے تھے۔ اور پانڈو پتر بھیم سین نے آبادی کی بنیاد ایک مندر معہ نیل کنٹھ تعمیر کر کے رکھی تھی۔ یہاں گپت گنگا بنوائی۔ پتھریلی زمین سے پانی برآمد کیا اور پتھر کے چوکھٹے پر حروف

ملہ تاریخ حشمت اللہ لکھنوی۔

...کھنڈ کرکے اشنان کیا۔

چھیر ہاڑ

پھر ایک زمانہ آیا کہ کشمیری قوم کے دو فرقوں رونتر اور گنائی نے یہاں سکونت اختیار کی۔ اور اپنی قیام گاہوں پر ہاڑی کے درخت کافی تعداد میں لگائے۔ جس سے یہ میدان ہاڑی کے درختوں کا باغ بن گیا اور اس کا نام چھیر ہاڑ ایک مدت تک مشہور رہا۔

بھوٹ نگر

کشمیر کے رونتر اور گنائی فرقے جب یہاں مستقل طور پر امن و امان سے بود و باش اختیار کر گئے تو بدمستی اور عیاشی نے انہیں گھیر لیا اور اپنے پرائے کی تمیز بھی آنکھوں سے اُڑ گئی۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر بھوٹ کے راجہ گیالپو نے بھوٹ کول کے راستہ چھیر ہاڑ پر حملہ کر کے ٹھاٹھری تک تمام علاقہ کو فتح کر لیا اور چھیر ہاڑ کو اپنی راجدھانی بنا کر اس کا نام بھوٹ نگر رکھا۔

کشتواڑ

گیالپو خود بھوٹ نگر سے ٹھاٹھری تک تمام علاقہ فتح کر کے واپس اپنی راجدھانی میں چلا گیا۔ لیکن اس کی حکومت یہاں قائم نہ رہ سکی کیونکہ سابق حکمرانوں رونتر اور گنائیوں نے پھر اپنا اقتدار بحال کر لیا۔ اسی زمانہ میں پنجاب سے ایک خانہ بدوش فرقہ پنج ساسی نے یہاں کے لوگوں سے رابطہ قائم کر لیا جو کہ یہاں سے جڑی بوٹیاں اور دوائیاں پنجاب لے جا کر فروخت کرتے تھے۔ اپنی تجارت کو فروغ دینے کی خاطر ہاڑی کے پوست کو خشک کر کے پنجاب لے جانے لگے۔ بھوٹ نگر میں ہاڑی کے درخت بکثرت تھے۔ اس کے پوست کو پنجاب میں کشٹہ کہتے تھے اور وہاں کے لوگ احاطے ہیں۔ اس مناسبت سے بھوٹ نگر کی بجائے اس مقام کو جہاں کشٹہ پیدا ہوتا ہے کشٹہ واڑ کہا جانے لگا جو کثرت استعمال سے کشتواڑ مشہور ہوا۔

پنج ساسیوں کی حکومت

پنج ساسیوں نے رونتر و گنائیوں سے دوستی پیدا کر کے کشتواڑ کی ساری تجارت پنجاب سے قائم کر لی۔ اور تھوڑے عرصہ بعد پنج ساسیوں نے رونتر گنائیوں پر غلبہ حاصل کر کے بزور شمشیر اپنی حکومت کشتواڑ پر قائم کر لی۔ لیکن رونتر و گنائیوں نے بھی انہیں چین لینے نہ دیا۔ پنج ساسی فن سپاہ گری میں بھی پورے ماہر تھے۔ کشتواڑ کا علاقہ مسلسل جنگی کیمپ میں بدل گیا۔ کبھی [illegible] پنج ساسی [illegible] رونتر گنائیوں کے [illegible] کشتواڑ [illegible] جنگوں کے بعد [illegible] کشتواڑ پر قابض ہو گئے اور رونتر [illegible] یہاں سے نکال دیا۔

راجہ کاہن پال

کہا جاتا ہے کہ پانچویں صدی کے وسط میں راجگان گوڑ بنگالہ والی اُجین کے راجہ بکرما جیت کے بیٹے راجہ بھوج کے فرزند راجہ ہری پال کا پوتا راجہ کاہن پال پسر راجہ مہاک پال شری امرناتھ سوامی کی یاترا کے لئے اپنے ملک سے مع فوج کے کشتواڑ کی راہ سے گزر رہا تھا کہ اُسے دریائے چناب کی یہ وادی بے حد پسند آئی اور یہاں ہی مستقل رہائش پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن یہاں پنج ساسی جو کہ زبردست لڑاکے تھے اور جو کسی بھی وقت زیب تن اسلحہ اپنے سے الگ نہ کرتے تھے، حکومت کر رہے تھے۔ راجہ کاہن پال نے کشتواڑ کے اندرونی حالات معلوم کرنے کے لئے اپنے ایک ہوشیار اور مکار سپاہی کو سادھو کے بھیس میں جاسوس کے طور کشتواڑ بھیجا جو کہ پنج ساسوں کی ایک عورت کو دھوکا دے کر اپنے ساتھ راجہ کے پاس لے آیا۔ کاہن پال نے اس عورت کی خاطر و مدارت کر کے اسے اپنے سانچے میں ڈھال لیا۔ اور وہ راجہ کاہن پال کے بہت نزدیک آ گئی۔ اور اُس نے اپنی قوم کے تمام حالات بتا دیئے کہ پنج ساسی ہر وقت مرنے مارنے کو تیار رہتے ہیں۔ صرف سال بھر میں ایک دن ایسا آتا ہے جسے تہوار کہتے ہیں۔ اُس دن کشتواڑ میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ لوگ اسلحہ کو اپنے بدن سے الگ کر دیتے ہیں اور علے الصباح چشمہ ہوڈری پر بغرض اشنان و پوجا کے جمع ہو جاتے ہیں۔ اُن پر حملہ کرنے کا یہی ایک موقعہ ہے۔ تب ہی کامیابی ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

راجہ کاہن پال کو پنج ساسی عورت کی یہ تجویز بے حد پسند آئی اور وہ اُس تہوار کا جو کہ ماہ پھاگن کی پورنماشی کو آتا ہے، انتظار کرنے لگا۔ تین ماہ بعد جب وہ تہوار آیا تو راتوں رات کے وقت حملہ کرنے کی خاطر چشمہ ہوڈری کو گھیر لے کے لئے اپنی فوج کو حکم دے دیا۔ اُس رات کشتواڑ میں شدید برف باری ہوئی جس سے راجہ کاہن پال کی فوج کو سخت مصیبت کا سامنا ہوا۔ لیکن بہادر فوجی اپنے راجہ کی کمان میں ڈٹے رہے اور اپنی اپنی ڈھال کے سہارے برف باری میں گھات میں لگے رہے۔ علے الصباح جب پنج ساسی دستور کے مطابق اشنان اور پوجا کے لئے چشمہ پر بے ہتھیار جمع ہوئے تو کاہن پال نے اپنی فوج کو حملہ کا حکم دے دیا۔ اور ایک ایک پنج ساسی کو تہ تیغ کر کے ختم کر دیا۔ اب راجہ کاہن پال کے لئے کشتواڑ میں اپنے

راجہ کو مستقل طور پر قائم کرنے کے لئے راستہ صاف تھا۔ چنانچہ سنہ ۴۷۰ء میں اُس نے کشتواڑ اور
اُس کے آس پاس کے دیہات کو ختم کر کے کشتواڑ سے الحاق کر لیا۔ غرضیکہ راجہ کاہن پال کی
اطاعت تمام راجوں نے، جن میں ما تھیاں کشتواڑ اور راجہ اوڈیل سرکردہ سمجھے جاتے تھے، قبول
کر لی۔ اس طرح کشتواڑ ایک خود مختار ریاست قائم ہو گئی۔ اور راجہ کاہن پال نے اندرونی نظام
درست کر کے اپنے انصاف کی دھاک باندھ دی۔ راجہ نے اپنی فتوحات کو ایشور کا عطیہ
سمجھ کر مندر نیل کنٹھ کے متصل محتاجوں اور غریبوں کے لئے جنس و نقد دان وغیرہ کا بھنڈاری
انتظام کیا۔ جس سے اُس کی شہرت اور اقتدار کو اور چار چاند لگ گئے۔
راجہ کاہن پال نے کشتواڑ کی پہاڑی پر اپنے محلات بنوائے اور تئیس سال حکومت
کر کے سنہ ۵۰۰ء میں پرلوک سدھار گیا۔

راجہ گندھرپ سین

راجہ گندھرپ سین اپنے باپ کی موت کے بعد کشتواڑ کا راجہ ہوا جس نے سنہ ۵۰۰ء سے
سنہ ۵۴۶ء تک حکومت کی۔ پنڈت دینا ناتھ کی ہندی تاریخ کشتواڑ میں لکھا ہے کہ گندھرپ
سین نے کشمیر پر چڑھائی کی اور بارہ یوم کی لڑائی کے بعد کشمیر کو فتح کر لیا۔

راجہ مہا سین

راجہ گندھرپ سین کے بعد اُس کا بڑا لڑکا راجہ مہا سین تخت نشین ہوا۔ اُس نے
کے علاقے پر حملہ کر کے اُس کا کشتواڑ سے الحاق کیا۔ اُس نے اسّی سال حکومت کی اور
فوت ہو گیا۔ اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا چندر سین کشتواڑ کا حکمران ہوا جس نے ریاست
پر حملہ کیا اور لوٹ مار کر کے واپس آ گیا۔ اُس کے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہ ہوئی اور
میں راہی ملکِ بقا ہو کر کشتواڑ کا تخت اپنے چھوٹے بھائی راجہ نریندر سین کے سپرد کر گیا
جس نے پانچ سال حکومت کی۔ اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا رام سین، اُس کا بیٹا
مدن سین اور اُس کا بیٹا برہم سین ہوا جو کہ سنسکرت کا وِدوان اور شاعر تھا۔ کشتواڑ کی آبادی
میں اُس کے زمانہ میں کافی ترقی ہوئی۔

راجہ پرتھو دلیہ

راجہ برہم سین کے بعد اُس کا بیٹا اودت دلیہ بعد میں اُس کا بیٹا راجہ پرتھو دلیہ ۸۲۰ء میں کشتواڑ کا حکمران ہوا۔ اس کے زمانہ میں کشتواڑ اور ناگ سین کے درمیان پہاڑ پر ایک دلیہ رہا کرتا تھا جو کہ لوگوں کو بہت تنگ کرتا تھا اور بدامنی مچا رکھی تھی۔ اس پر راجہ نے دیوی ماتا کی ارادھنا کی۔ اور کہا جاتا ہے کہ اٹھارہ بھجی دیوی کا ظہور ہوا۔ اس نے راجہ کی زبان سے دلیہ کو ہلاک کر کے ملک میں امن کیا۔ اٹھارہ بھجی دیوی کا مندر سرتھل میں بنایا اور اُس کے ساتھ سینکڑوں گھماؤں زمین اور جنگل لگوایا۔ دیوی کی ماننا اس علاقہ میں ہی نہیں بلکہ دُور دُور سے لوگ اس پر چڑھاوے چڑھانے کے لئے آتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔ لوگوں کو اس درجہ عقیدت ہے کہ اگر کوئی شخص دیوی کی جھوٹی قسم کھائے تو اسے ضرور سزا ملتی ہے۔

راجہ پرتھو دلیہ ۹۲۸ء میں راہی ملک عدم ہوا۔

راجہ رائے راج

پرتھو دلیہ کے بعد اُس کا بیٹا راجہ گنگا دلیہ والئی کشتواڑ ہوا جس نے بیس سال حکومت کی۔ اُس نے علاقہ ناگ سین پر قبضہ حاصل کیا۔ اُس کے بعد ۹۴۸ء میں اُس کا بیٹا گوڑ سنگھ اُس کا ساگر دلیہ اُس کا رگھو دلیہ اُس کا آنند دلیہ اُس کا اوتار دلیہ پُشت در پُشت کشتواڑ کے حکمران ہوئے۔ اور اوتار دلیہ کا بیٹا راجہ رائے راج تخت پر بیٹھا۔ اُس نے پاڈر پر حملہ کر کے اور چوبیس ہزار روپیہ اور ہزاروں کی تعداد میں گائے بیل بھیڑ بکری بھی لے آیا۔ اسی راجہ کے عہد میں پنچ رناسیوں نے پھر سر اُٹھایا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ راجہ رائے راج کے زمانہ میں کشتواڑ کی آبادی کافی بڑھی۔ یہاں تک کہ بیس ہزار لوگ کشتواڑ میں آباد تھے۔ ایک ہزار کے قریب تو دکانیں تھیں۔ یہ راجہ ساٹھ سال حکومت کر کے سورگباش ہوا۔

راجہ لچھمن دلیہ

رائے راج کے بعد اُس کا بیٹا گوڑ دلیہ اور اُس کا بیٹا راجہ ... تک

راج کر کے چل بسے۔ اور راجہ بھوپ دیو لیہر راجہ اگر دیو سن ۱۱۷۰ء تک حکومت کرتا رہا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا راجہ لچھمن دیو وارث ریاست ہوا۔ جس نے دچھن وادی کو فتح کر کے کشتواڑ سے الحاق کیا۔ یہ راجہ تیس سال حکومت کر کے سن ۱۲۰۰ء میں راہی مُلکِ بقا ہوا۔ اور اُس کا بیٹا راجہ سنگرام سنگھ اور اُس کے بعد اُس کا راجہ جگت سنگھ ہوا۔ جس نے سن ۱۲۶۰ء تک راج کیا . . . .

. . . . راجہ جگت سنگھ نے علاقہ سراج، پوگل اور منڈھی کو فتح کر کے کشتواڑ کے ساتھ ملا لیا۔ اُس کے مرنے کے بعد اُس کے بیٹے راجہ بھاگ سنگھ نے سن ۱۳۰۰ء تک راج کیا۔ جس نے موضع بھاگواہ اپنے نام پر آباد کیا۔ بعد میں نرپ شنگار، میگھ ناد اور ڈوڈو لونسنگھ یکے بعد دیگرے کشتواڑ کے حکمران ہوئے۔

راجہ راج سنگھ

راجہ ڈوڈو سنگھ کے بعد اُس کا بڑا بیٹا رائے راج ثانی سن ۱۴۵۰ء میں وارث راج کشتواڑ ہوا۔ اُس نے جھالا اور ملوانا کی بغاوتیں فرو کر کے تمام ریاست کا انتظام درست کیا۔ یہ راجہ بڑا دانی ہو گزرا ہے۔ اُس کے بعد بڑا بیٹا راجہ سلھن سنگھ سن ۱۵۰۰ء سے سن ۱۵۴۰ء تک کشتواڑ کا حکمران ہوا۔ اُس نے علاقہ سرور رانا رنپت کو فتح کیا۔ اور ٹھٹھنہ سے کولی گڑھ تک سارا علاقہ کشتواڑ میں شامل کیا۔ اُس نے اپنے نام پر موضع سلانہ آباد کیا۔ اُس نے بوجہ اولاد نہ ہونے کے علاقہ سرور کی ایک حسین و جمیل دوشیزہ جو کہ کولی ذات سے تعلق رکھتی تھی، اپنے حرم خانہ میں داخل کر لی۔ جس سے دو بیٹے رائے بھان اور سورج بھان ہوئے۔ اور اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ راج سنگھ وارث کشتواڑ ہوا۔ جس نے سن ۱۵۶۰ء تک حکومت کی۔ اُس نے علاقہ چھاترو پر حملہ کیا اور چھاترو (علاقہ راج ٹبال) کو کشتواڑ میں شامل کر لیا۔ راجہ راج سنگھ کے عہد میں میرزا حیدر گورگان نے کشمیر پر قابض ہو کر کشتواڑ پر حملہ کیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ میرزا حیدر کشتواڑ پر حملہ کی خاطر اپنی فوج کے ساتھ موضع چھاترو جو کشتواڑ سے ایک پڑاؤ کی دوری پر واقع ہے، پہنچا۔ اور دوسرے دن دریائے مڑوا کے کنارے موضع ڈھڈرپٹ میں اُس کی فوج دھاوا کے لئے صف آرا ہو گئی۔ راجہ راج سنگھ مرزا کے اس حملہ سے باخبر تھا۔ اُس کی فوج دریائے مڑوا کے اُس پار مدافعت کے لئے تیار بر تیار تھی۔ دونوں فوجیں دریائے مڑوا

کے آر پار کھڑی تھیں کہ مرزا حیدر کے فوجیوں نے موضع دھار کے راستہ کشتواڑ میں داخل ہونے کے لئے مارچ کیا لیکن باد و باراں کا اس قدر تیز طوفان آیا کہ راستہ تاریک ہو گیا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ دھار کے لوگوں نے طوفان کے تھمنے پر مرزا کی فوج پر حملہ کر کے مار بھگایا۔ مرزا کا قابل جرنیل کوکا ہلاک کر دیا اور کافی فوج ماری گئی۔ بچے کھچے سپاہیوں نے چھاترو میں پہنچ کر مرزا حیدر گورگان کو اس تباہی کی خبر دی۔

کشتواڑ کی ہندی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب کشتواڑ کے راجہ کو اس حملہ کی خبر ہوئی۔ تو وہ بہت خوفزدہ ہوا۔ اور اس نے اپنے وزیروں اور درباریوں سے مشورہ کیا کہ اس حملہ کو روکنے کی کیا تدبیر کی جائے۔ چنانچہ ایک بڑھی جادوگرنی (ڈین) نے ذمہ لیا کہ وہ تن تنہا اس بلا کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ صرف ایک نیزہ ہاتھ میں لے کر وہ مغل میدان سے تقریباً ایک میل پر مغرب کی جانب پگڈنڈی پر چلی گئی اور راستہ میں ایک محفوظ جگہ پر بیٹھ گئی۔ جہاں سے منڈ کا رخ سیدھی چھاترو میں اترتی ہے۔ اس جگہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ ایک ایک کر کے آدمی بمشکل گزر سکتا تھا۔ اس گھاٹی میں چھپ کر وہ غنیم کی منتظر رہی۔ اور جونہی کہ ایک شخص اس کے سامنے آیا، اس نے اس کو نیزے سے گرا دیا۔ وہ موقع ایسا تھا کہ اگلے آدمیوں پر جو کچھ گزری، پچھلے آدمیوں کو اس وقت تک اس کا حال معلوم نہ ہو سکا جب تک کہ بہت سے آدمی مارے نہیں گئے۔ جب یہ راز کھلا تو مرزا کی فوج میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ اور وہ منہ کی کھا کر واپس ہوئے۔ کشتواڑ کا لشکر بسرکردگی وزیر نرائن پڈھیار بلندیوں پر جما ہوا تھا۔ اس نے اوپر سے پتھر برسائے۔ دوسروں نے تعاقب کیا۔ گو کہ مغلوں نے بڑی جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور کشتواڑ کے بھی فوجی سردار چند ایک مارے گئے۔ تاہم مغل فوج کا اکثر حصہ ہلاک ہو گیا اور ان کے سردار بھی مارے گئے۔ مغلوں کے مردے جن کی تعداد بہت زیادہ بلکہ ہزاروں تک تھی، ایک گڑھے کے اندر وہاں ہی دبا دیئے گئے۔ اس لئے اس جگہ کا نام مغل مزار چلا آتا ہے جسے اب مغل میدان کہا جاتا ہے۔

راجہ بیجے سنگھ

راجہ راج سنگھ کے بعد اس کا بیٹا راجہ بیجے سنگھ حکمران کشتواڑ ہوا۔ اس کے وقت میں علاقہ سراج کے لوگوں نے بغاوت کی راہ اختیار کی۔ ۲۴ روز کی جنگ کے بعد بغاوت

قلع قمع کر دی گئی۔ اس موضع پر راجہ بجے سنگھ نے ایک قلعہ تعمیر کیا اور ایک گاؤں بھی آباد کیا۔ جس کا نام بجارنہ رکھا گیا۔ اور اُس نے اپنی سکونت علاقہ سرور موضع بدھات میں اختیار کی یہاں کے لوگوں نے بھی راجہ کے خلاف بغاوت کی۔ اور ایک رات جب کہ راجہ بجے سنگھ محوِ خواب تھا کہ اُس کے محل میں دو آدمی گاگ اور جالال نامی داخل ہوئے۔ جنہوں نے راجہ کو سوتے میں قتل کر دیا۔ راجہ بجے سنگھ کا بیٹا بہادر سنگھ اُس وقت سات سال کا تھا۔ جس نے بھاگ کر گنائیوں کے گھر میں کشتواڑ پہنچ کر پناہ لی۔ راجہ کے خاندان کے تمام لوگ دشمن کے ہاتھ سے مارے گئے۔ مگر راجکمار بجے سنگھ بوجہ گمنامی کے بچ گیا۔ کیونکہ وہ اپنی دھرم کی ماں کے ہاں خفیہ طور پر پناہ گزیں تھا۔ اور گنائیوں کے لڑکے کے طور پرورش پا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ کشتواڑ کے سرکردہ لوگوں کی اصلیت کا پتہ لگ گیا اور انہوں نے کشتواڑ کے راج گھرانے سے عقیدت کے طور راج پتر بہادر سنگھ کو گنائیوں کے گھر سے نکال کر کشتواڑ کا راج تلک دیا اور وہ کشتواڑ کا راجہ بن کر حکومت کرنے لگا۔

راجہ بہادر سنگھ

راجہ بہادر سنگھ ۱۵۷۰ء میں کشتواڑ کا گدی نشین ہوا۔ اُسے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا تھا۔ چنانچہ راجہ بجے سنگھ کے خلاف جو علاقہ کے لوگوں نے بغاوت کی تھی اُس علاقہ کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک آگ لگا کر (موضع سلنہ سے ڈنڈی تک) تمام دیہات پھونک دئے۔ راجہ بہادر سنگھ کے وقت ۱۵۷۲ء میں کشمیر کے حکمران علی شاہ چک نے کشتواڑ پر حملہ کیا۔ راجہ حملہ کی تاب نہ لا سکا اور گھبرا کر ہتھیار ڈال دئے۔ بلکہ اپنی ہمشیرہ شنکر دیوی کو علی شاہ چک کے پوتے یعقوب خاں سے بیاہ دیا اور سالانہ خراج دینا بھی قبول کر لیا۔ لیکن بعد میں وہ اس معاہدہ پر قائم نہ رہا اور کشمیر کی فوج نے اُس پر حملہ کر کے اطاعت قبول کرا لی۔ اور اپنے بڑے بیٹے نرائن سنگھ کو یرغمال کے طور کشمیر بھیج دیا۔ اور ساتھ ہی اپنی لڑکی علی شاہ کی زوجیت میں دے دی۔ جو بعد میں فتح خاتون کے نام سے مشہور ہوئی۔ یعقوب شاہ چک جسے بہادر سنگھ نے اپنی بہن شنکر دیوی کو بیاہ دیا تھا کشمیر کے مغل حکومت کے قبضہ میں آنے سے کشتواڑ میں آکر رہنے لگا اور یہاں ہی فوت ہو گیا۔ اُس کی بیوہ شنکر دیوی نے اپنے شوہر کی یادگار میں ایک نہر پہاڑ کو نگن برن اور [illegible]

سے ناگ مندر نیل کنٹھ تک کشتواڑ میں پہنچائی۔ لیکن اب یہ نہر برباد ہو چکی ہے۔ بشنکر دیوی نے ایک بچہ تالاب بھی اسی مندر کے متصل بنوایا تھا۔ اُس کے بھائی راجہ بہادر سنگھ والیٔ کشتواڑ نے ایک مزار کے قریب ماٹی کے نلکے تیار کرائے اور مندر نیل کنٹھ سے سارے قصبہ میں ان نلکوں کے ذریعے پانی پہنچایا۔ راجہ بہادر سنگھ کشتواڑ میں ہر دلعزیز اور نیک نام راجہ ہوا ہے جس نے عرصہ دراز تک حکومت کرکے ١٦٠٥ء میں اپنا قالب خالی کیا۔ اور اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا پرتاپ سنگھ کشتواڑ کا حکمران ہوا۔

راجہ پرتاپ سنگھ

راجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں مغل بادشاہ جہانگیر نے ایک لشکر مرزا محمد خان کی سرکردگی میں کشتواڑ کے لئے بھیجا۔ یہ فوج درہ مربل کو عبور کرکے سنگھ پور میں وارد ہوئی۔ اور جب نیچے کی طرف بڑھنے لگی تو کشتواڑیوں نے پہاڑوں کے درمیان ایک تنگ راستہ میں مغل مزار کے پاس بادشاہی فوج کو روک دیا اور اُوپر سے پتھر برسا کر ساری فوج کو تباہ کر دیا۔ اور مرزا محمد خان کا بھی کام تمام کر دیا۔ مرزا محمد خان کی بیوہ مغلانی کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو پیچ و تاب کھانے لگی۔ اور اُس نے عہد کیا کہ جب تک کشتواڑیوں کے خون سے اپنے ہاتھ لال اور کشتواڑ کو دریا میں بُرد نہ کر لوں تب تک اپنے پر زندگی حرام ہے۔ چنانچہ بادشاہ جہانگیر سے امداد لیکر وہ ایک بڑے بھاری لشکر کے ساتھ کشتواڑ پر حملہ آور ہوئی۔ کشتواڑیوں نے دریائے چناب کا جھولا (کھروئی) جو بھنڈار کوٹ میں تھا، کاٹ دیا اور مغلانی کو مجبوراً باغ برنجہ میں دریائے مڑوا اور چندر بھاگا کے میدان میں ڈیرے ڈالنے پڑے۔ اُس نے یہاں چار ماہ قیام کیا اور ایک قلعہ تعمیر کیا جسے مغلانی کوٹ کہا جاتا تھا۔ ایک تالاب اور ایک باغ بھی بنوایا۔ اور موضع پوچھال کے لوگوں کو جو بھنڈار کوٹ میں جھولے کے محافظ تھے، رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا جنھوں نے ایک نیا جھولا دریائے چناب پر تیار کیا اور اُن کے بتائے ہوئے راستے سے رات کو دریائے چناب عبور کرکے کشتواڑ کے میدان چوگان بازی میں پہنچ گئی۔ راجہ پرتاپ سنگھ مقابلہ کے لئے آیا لیکن مغلانی کی فوج نے کشتواڑیوں کی سخت تباہی کی۔ اور راجہ پرتاپ سنگھ نے معہ اپنے قبائل کے فرار ہو کر بھدرواہ کے راجہ واسک کے پاس جا پناہ لی۔

مغلانی نے کشتواڑ میں اپنی فوج کے چند دستے تعینات کئے اور واپس جس راہ سے آئی تھی چلی گئی۔ پرتاپ سنگھ کو بھدرواہ میں کشتواڑ کے حالات اور مغلانی کی واپسی کا علم ہوا تو وہ راجہ واسک سے امداد لے کر کشتواڑ آیا اور مغلانی کی فوج کو مار بھگایا۔ اس طرح وہ کشتواڑ پر پھر سے بحال ہو گیا اور اپنے بیٹے راجہ گوڑ سنگھ کو راج تلک دے کر گوشہ نشین ہو گیا۔

راجہ گوڑ سنگھ

گوڑ سنگھ کی عمر اپنے راج تلک کے وقت ۳۰ سال تھی۔ ۱۶۱۸ء میں یہ کشتواڑ کی مسند راجگی پر بیٹھا۔ اس زمانہ میں کشمیر کا مغل گورنر دلاور خان تھا۔ جہانگیر نے اُسے لکھا کہ کشتواڑ کا نظم و نسق درست کیا جائے۔ چنانچہ دلاور خان دس ہزار سپاہ لے کر کشتواڑ کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا اور کشتواڑیوں سے مسلسل چار ماہ کی لڑائی کے بعد اور اپنی فوج کا بہت سا حصہ تباہ کر کے راجہ گوڑ سنگھ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اُسے کشمیر میں لے جا کر بادشاہ جہانگیر کے دربار میں پیش کر دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ راجہ گوڑ سنگھ اپنے فرزندوں کو ہمارے ہاں حاضر کرے تو اُسے قید سے آزاد کیا جا سکے گا۔ اور آئندہ چھ آنہ فی روپیہ خراج خزانہ شاہی میں ادا کیا کرے۔ راجہ گوڑ سنگھ کے اپنے بھائی اور بیٹے بھگوان سنگھ کو یرغمال کے طور بادشاہی دربار میں دے دیا۔ اور ریاست کشتواڑ سلطنت مغلیہ کے ماتحت ہو گئی۔

تزک جہانگیری میں کشتواڑ کی کیفیت اس طرح درج ہے :-

"کشتواڑ بسمت جنوب کشمیر واقع ہے۔ کشمیر کی آبادی سے وہ جگہ جہاں حاکم کشتواڑ کی سکونت ہے، ساٹھ کوس مسافت پیمائش کی گئی ہے۔ اس ملک میں گیہوں۔ جو۔ مسور۔ ماش اور چنا بہت پیدا ہوتا ہے۔ برخلاف کشمیر شالی (دھان) کم ہوتا ہے۔ کشتواڑ کی زعفران کشمیر سے بہتر ہے۔ نارنج۔ ترنج اور تربوز وافر اور اعلےٰ ملتے ہیں۔ خربوزہ اس ملک کا ایسا ہی ہے جیسا کہ کشمیر میں ہوتا ہے۔ دیگر میوہ جات جیسے کہ انگور۔ خوبانی۔ آڑو اور امرود ترش ہوتے ہیں۔ اگر پیوند کیا جائے تو ممکن ہے کہ اچھے ہو جائیں سہنسی نام روپیہ حکام کشمیر کی طرف سے سکوک ہوتا ہے۔ ڈیڑھ سہنسی ایک روپیہ کے برابر ہے۔ پندرہ سہنسی کی عبارت دس روپیہ سے ہے۔ ایک

مہر بادشاہی کے برابر حساب میں آتی ہے۔ ہندوستان کے دو سیر وزن کو یہاں ایک من بولا جاتا ہے محصول زراعت سے راجہ کا خراج لینے کی رسم نہیں ہے۔ بلکہ فی گھر سالانہ چھ بہنی یعنی چار روپیہ لبطور خراج راجہ وصول کرتا ہے۔ کل علاقہ میں زعفران کی حفاظت بذریعہ ایک جماعت راجپوتاں اور سات سو نفر تو بچی کے درمیان جو قدیم سے نوکر ہیں تقسیم کرکے کرائی جاتی ہے۔ اور بالآخر بوقت فروخت زعفران خریدار سے فی من یعنی فی دو سیر چار روپیہ لبطور رسوم لیا جاتا ہے۔ راجہ کی کُل آمدنی کا انحصار جرمانہ پر ہے۔ خفیف قصور پر کُل روپیہ لے لیتا ہے۔ اور جیسے متمول اور صاحب حیثیت وجمعیت دیکھتا ہے، آیاب نہ ایک حیلہ و بہانہ بنا کر جو کچھ اُس کے پاس ہے، سب لے لیتا ہے۔ تمام وسائل سے اُس کی آمدنی تخمیناً ایک لاکھ روپیہ ہوگی۔ لڑائی کے موقعہ پر چھ سات ہزار پیادے جمع ہوتے ہیں۔ گھوڑا اس مُلک میں کم ہے۔ راجہ اور اُس کے عمائد کے درمیان صرف پچاس گھوڑے ہوں گے"۔

جب شاہجہان اپنے باپ کے بعد حکمران ہوا تو راجہ گوڑ سنگھ خراج لے کر حاضر دربار ہوا۔ اور مغل بادشاہ نے گوڑ سنگھ کے بیٹے جگت سنگھ کو ولیعہد تسلیم کر لیا۔ راجہ نے اس خوشی میں لبطور صدقہ ایک لاکھ روپیہ نقد اور مویشی اور کپڑے محتاجوں میں کشتواڑ واپس آکر تقسیم کئے۔ راجہ گوڑ سنگھ نے عالیشان محلات تعمیر کرائے اور دیوانِ عام ۲۷ فٹ لمبا اور ۱۸ فٹ چوڑا تیار کرایا جو کشتواڑ کے لئے اُس زمانہ میں ایک انوکھی چیز تھی۔ اُس نے بھنڈار کوٹ میں بھی اپنا محل تعمیر کیا اور ۱۶۲۹ء میں اِس جہانِ فانی سے رخصت ہوا۔

راجہ جگت سنگھ

راجہ گوڑ سنگھ کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ جگت سنگھ تخت نشین ہوا جس نے بھدرواہ پر حملہ کیا۔ اور وہ راجہ بھدرواہ کے ساتھ جنگ میں اُلجھا ہوا تھا کہ بسوہلی کے راجہ بھوپت پال اور اُس کے وزیر کنڈک نے پہاڑ کے راستہ کشتواڑ پر دھاوا بول کر اس پر قبضہ کر لیا۔ راجہ جگت سنگھ کو کشتواڑ پر بسوہلی کے راجہ کا قبضہ ہونے کی خبر ملی تو وہ اپنی فوج کے ساتھ واپس کشتواڑ آیا اور راجہ بھوپت پال والی بسوہلی سے سخت بھڑ گئی لیکن اُس کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ آخرش راجہ نے اپنی بہن جو کہ خوبصورتی میں یکتائے عالم تھی راجہ بھوپت پال کی زوجیت میں دے کر بسوہلی کی فوجیں کشتواڑ سے واپس کیں اور بسوہلی کا

راجہ ڈھولن لقاروں کے ساتھ بسوہلی چلا گیا لیکن اپنے ساتھ کشتواڑ کے مندر سے نیل کنٹھ کا چتکارک لنگ بھی لے گیا جو کہ آج بھی بسوہلی کے مندر میں ستھاپت ہے۔ اس مورتی کے متعلق راجگان بسوہلی کے حالات میں تفصیل سے درج کیا گیا ہے۔ راجہ بھوپت پال نے کشتواڑ میں اُلٹے سر و لٹکائے۔

راجہ بھگوان سنگھ

راجہ جگت سنگھ کے بعد اُس کا بھائی راجہ بھگوان سنگھ جو دہلی میں یرغمال کے طور رہ رہا تھا، کشتواڑ کا حکمران ہوا۔ دہلی سے اُس کے ساتھ جیون سین اور کاہن سین دو بھائی وزیری کا عہدہ دے کر بادشاہ نے بھیجے۔ اور کشتواڑ کی طرف سے غیاث الدین وکیل کا بیٹا ابو القاسم اپنے باپ کی جگہ دربار دہلی میں وکیل تھا، کو بھی کشتواڑ بھیجا گیا۔ جیون سین اور کاہن سین کو کشتواڑ میں وزیری کا عہدہ موروثی ملا تھا۔ اُن کی اولاد بھی وزیر ہوتی آئی۔ وزیر بھاگ جو جسے موضع چیرلی میں جاگیر ملی تھی، جیون سین کے خاندان سے تھا۔ اور آج بھی اُس کی اولاد کشتواڑ میں موجود ہے۔ ابو القاسم کشتواڑ پہنچا تو راجہ بھگوان سنگھ نے اسے قاضی کا رتبہ دیا۔ اور اس کی اولاد بھی پشت در پشت کشتواڑ میں ہی سکونت پذیر ہو گئے۔ کاہن سین کی اولاد مسلمان ہو گئی جو کہ معمولی حیثیت کے زمیندار ہیں۔

راجہ بھگوان سنگھ نے ڈوڈہ سے کاستی گڑھ پر حملہ کیا اور وہاں اپنا قلعہ تعمیر کیا۔ جہاں سے اُس نے کنھٹی کے علاقہ کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اُس کے بعد ڈینگ جبلی کا کشتواڑ کے ساتھ الحاق کیا۔ پھر پرستان کو فتح کیا اور کافی عرصہ تک حکومت کر کے راہی مُلکِ بقا ہوا۔

راجہ مہا سنگھ

راجہ بھگوان سنگھ کے بعد اُس کا بڑا بیٹا مہا سنگھ المعروف مہاجان کشتواڑ کا راجہ ہوا جو کہ نہایت انصاف پرور اور دانی تھا۔ وہ سنسکرت اور فارسی کا عالم اور شاعر تھا۔ اُس کے عہد میں کشتواڑ کی آبادی میں خوب ترقی ہوئی۔ اُس کے عدل و انصاف کا شہرہ سن کر کشمیر سے مسلمانوں کی ایک جماعت نے کشتواڑ میں وارد ہو کر مستقل سکونت اختیار کی۔ بادشاہ دہلی کے حکم سے ملا بہادر اور ملا حسین کشمیری یہاں آئے جنھوں نے کشتواڑ کے

وسط میں مسجد تعمیر کی۔ جنہیں بادشاہ کی طرف سے جاگیر اور نقدی بطور گذارہ ملتی تھی۔

کہتے ہیں کہ راجہ مہاجان جو کہ اپنے وقت کا دان ویر کرن مشہور ہوا، کے دربار میں ایک بھاٹ اُس کی شہرت سُن کر آیا جس نے راجہ سے خیرات کی درخواست کی۔ تو راجہ نے ایک لاکھ روپیہ کا انبار لگا کر اُسے دان دیتے ہوئے کہا کہ میرے جیسا کوئی بھی راجہ تم نے تمام ملک پہاڑ میں اپنی آنکھ سے دیکھا ہے؟ بھاٹ نے راجہ کی شیخی سُن کر لاکھ روپیہ کے ڈھیر پر پیشاب کر دیا اور کہا کہ میرے جیسا بھی کوئی محتاج تم نے آنکھوں سے آج تک دیکھا ہے جو لاکھ روپیہ پر پیشاب کرتا ہے؟ یہ کہا اور روپیہ چھوڑ کر چلا گیا۔ راجہ مہاسنگھ کے عہد میں ریاست کشتواڑ اور آس پاس کے علاقوں میں بارش نہ ہوئی۔ خشک سالی سے توبہ الامان پکار اُٹھے تو راجہ مہاسنگھ نے ننگے پاؤں مندر نیل کنٹھ میں جا کر پرارتھنا کی۔ جو کہ ایشور نے منظور کی اور بارش ہونے سے تمام علاقہ سرسبز ہو گیا۔ راجہ مہاسنگھ نے ۱۶۵۰ء سے ۱۶۵۶ء تک راج کیا اور کشتواڑ کی گدی اپنے بڑے لڑکے جے سنگھ کے لئے خالی کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

راجہ جے سنگھ

راجہ مہاجان کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ جے سنگھ کشتواڑ پر حکومت کرنے لگا۔ راجہ نے اپنے چھوٹے بھائیوں رام سنگھ اور سردار سنگھ کو اپنا وزیر اور سپہ سالار بنایا۔ لیکن جلدی بعد دہلی دربار میں رام سنگھ کو بطور یرغمال بھیجنا پڑا۔ سردار سنگھ سے بھی اُسکی چپقلش ہو گئی۔ اور سردار سنگھ دہلی میں اپنے بڑے بھائی کے خلاف فریاد لے کر پہنچا۔ راجہ جے سنگھ نے اپنے بیٹے کیرت سنگھ کو دہلی بھیجا تا کہ سردار سنگھ کی مخالفت کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس خانگی کشمکش کے باوجود راجہ جے سنگھ نے نہایت عقلمندی اور تدبر سے رعایا کو خوشحال رکھا اور انصاف دیا۔ کہا جاتا ہے کہ خاص قصبہ کشتواڑ کی آبادی پانچ ہزار تک ہو گئی۔

راجہ جے سنگھ کے وقت میں ہی یہاں ایک مسلم بزرگ سید محمد فرید الدین قادری اپنے چار مریدوں کے ساتھ کشتواڑ میں آئے۔ جنہوں نے اشاعت اسلام میں بہت دلچسپی لی۔ یہاں تک کہ راجہ جے سنگھ نے بھی شاہ محمد فرید الدین کے ہاتھ پر مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ شاہ محمد فرید الدین کا بڑا بیٹا شاہ اسرار الدین اپنے والد کی حیات میں ہی فوت ہو گیا جس کا مزار

میدان چوگان بازی کشتواڑ میں ہے۔ اِس خانقاہ سے عام لوگوں بالخصوص مسلمانوں کو بعید عقیدت ہے۔

راجہ جے سنگھ نے مسلمان ہونے پر اپنا نام بختیار خان رکھ لیا اور ۱۷۶۱ء میں اِس جہانِ فانی سے رحلت کر گیا۔

راجہ کیرت سنگھ المعروف سعادت یار خان

راجہ کیرت سنگھ کا وزیر اُس کا چچا راجہ رام سنگھ المعروف دیندار خان بادشاہ اورنگ زیب کے حکم سے وزیر مقرر ہوا۔ اور جب بادشاہ ۱۷۶۸ء میں کشمیر میں آیا۔ تو کیرت سنگھ کے خلاف اُس کے چچا رام سنگھ المعروف دیندار خان وزیر ریاست نے شکایت کی کہ اُس کا برادر زادہ کیرت سنگھ مسلمانوں کو بہت تنگ کرتا ہے۔ اِس کے باپ نے مذہب اسلام اختیار کیا تھا لیکن یہ ہندو ہے۔ یا تو اِسے بھی مسلمان کیا جائے یا اِسے ریاست کی راجگی سے معزول کیا جائے۔ تو بادشاہ کے حکم سے کیرت سنگھ کو مسلمان کیا گیا۔ اور اُس کا نام سعادت یار خان رکھا گیا اور یہ اقرار نامہ لکھوایا گیا کہ:-

(۱) اہلِ اسلام سے کسی قسم کی رسوم وصول نہ کی جائیں گی۔

(۲) مذہب اسلام کے قبول کرنے میں کسی شخص کے ساتھ کوئی مزاحمت نہ کی جائیگی۔

(۳) مسلمانوں کو پنج وقتہ نماز باجماعت۔ نماز جمعہ اور نماز عیدین میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے گی۔ اور تعمیر مساجد میں ہر طرح کی سہولیت بہم پہنچائی جائے گی۔

(۴) اہلِ اسلام کے درمیان جو تنازعات از قسم دیوانی ہوں، وہ مطابق شرع بذریعہ قاضی فیصل کئے جائیں گے۔

(۵) کوئی مسلمان عورت کافر کی زوجیت میں نہ رہنے پائے۔

مندرجہ بالا اقرار نامہ ۱۶۶۴ء بہ ثبت مُہر راجہ کیرت سنگھ و مُہر حافظ ابو القاسم قاضی کشتواڑ بادشاہ اورنگ زیب کے پاس داخل کیا گیا۔ اور ریاست کشتواڑ میں مطابق شرع اسلام معاملات چلے پانے لگے جب۔ لوگوں کو اس قسم کے اقرار نامہ اور فیصلہ کا پتہ چلا تو ایک ہمہ گیر بغاوت کی لہر دوڑ اُٹھی کشمیر کے مغل گورنر نے بغاوت کو فوج بھیج کر سختی سے دبا دیا۔ اور جب کیرت سنگھ بادشاہ کی حاضری سے واپس کشتواڑ پہنچا تو اُس کی دیکھا دیکھی سینکڑوں

اشخاص نے مذہب اسلام قبول کرلیا۔ اسی زمانہ میں بادشاہ اورنگ زیب کا اپنے شہزادہ محمد شاہ کے لئے کشتواڑ کی راجکماری کو بھیجنے کا کیرت سنگھ کے نام ارشاد پہنچا تو اُس نے اپنی بہن بھوپ کماری کو اپنے چھوٹے بھائی میاں محمد خان کے ساتھ دہلی روانہ کیا جو کہ شہزادہ محمد خان کے نکاح میں لائی گئی اور اس شہزادی کو ذاتی جاگیر کشمیر میں آٹھ دیہات پر مشتمل دی گئی۔

کیرت سنگھ فارسی کا عالم اور شعر و سخن میں بدرجہ کمال پر تھا۔ اُس نے ۴۷ سال حکومت کی۔ اس کے عہد میں کشتواڑ میں اسلام کا پرچار کافی سے زیادہ ہوا۔ اور خاندانوں کے خاندان مسلمان بنائے گئے۔ بالآخر ایک دن جبکہ کیرت سنگھ المعروف سعادت یار خان گلاب باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ کرشنا پڈھیار نے اچانک پہنچ کر تلوار سے اُس کے دو ٹکڑے کر دئے اور کشتواڑ پر قبضہ کر لیا لیکن قاضی ابوالقاسم کا بیٹا عنایت اللہ دہلی جا کر شاہی فوج لے آیا اور کرشنا پڈھیار کو شکست ہوئی۔

نتیجتہً کیرت سنگھ کا بیٹا املوک سنگھ سعادت مند خان کے لقب سے ۱۷۲۳ء میں کشتواڑ کا راجہ قرار پایا جس نے اپنی مسند نشینی پر دس ہزار روپیہ کے قریب محتاجوں اور غریبوں کو دان دیا اور بادشاہی فوج کو انعام و اکرام دے کر واپس کیا۔ املوک سنگھ کے بعد اُس کا بیٹا مہر سنگھ سعید مند خان ۱۷۷۱ء میں تخت نشین کشتواڑ ہوا۔ جو کہ تھوڑے دنوں میں ہی فاتر العقل ہو گیا۔ اور بسوہلی کے راجہ نے کشتواڑ پر حملہ کر دیا۔ اور مہر سنگھ کے چھوٹے بھائی دلیل سنگھ نے راجہ راج سنگھ والئی چمبہ کے پاس جا کر پناہ لی اور ولیعہد چمبہ راجکمار اجیت سنگھ نے کشتواڑ پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ بھدرواہ کے راستہ سے کیا گیا۔ کیونکہ راجہ بھدرواہ فتح پال اُس وقت ریاست چمبہ کا باجگذار تھا۔ اور راجہ فتح پال نے اپنے بھائی بھوپ چند کی کمان میں اپنا لشکر دے کر چمبہ کی فوج کی امداد میں کشتواڑ بھیجا۔ جب چمبہ اور بھدرواہ کی فوجیں کشتواڑ کے نزدیک پہنچیں تو بسوہلی کی فوج لوٹ مار کرتی واپس ہو گئی۔ اور چمبہ والوں نے کشتواڑ پر قبضہ کر کے ایک شخص کندن سنگھ کو جو راجہ فتح پال والئی بھدرواہ کے خاندان سے تھا کشتواڑ کا راج تلک دے دیا۔ لیکن وہ تھوڑے دن ہی راج کر سکا اور اُسے چمبہ والوں نے معزول کر دیا۔ اسی اثناء میں مہر سنگھ کا بھائی سوجان سنگھ جموں سے فوج لے کر کشتواڑ میں آ گیا اور اپنا راج

بحال کر لیا۔ راجہ محمد سوجان سنگھ اپنے باپ کی مانند علوم عربی فارسی پر کافی عبور رکھتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ نہایت ہی صالح اور پرہیزگار تھا۔ اور ریاست کی آمدن عام طور پر یتیموں، غریب رعایا اور بیوگان پر خرچ کرتا تھا۔ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا تھا۔ ۱۷۸۲ء میں وُہ علاقہ سراج میں دَورہ پر تھا کہ بیمار ہو کر رحلت کر گیا۔ اُس کے مرنے کے بعد مہر سنگھ خاتر العقل اصل راجہ کشتواڑ کے طرفداروں نے اُس کے جعلی پُتر پرتھی سنگھ کو کشتواڑ کا راج سونپ دیا۔ اُسے چھ مہینے حکومت کرتے ہوگئے کہ اجیت سنگھ چچا زاد بھائی راجہ سوجان سنگھ نے اُسے بھنڈار کوٹ کے نزدیک دریائے چناب کے پُل پر سے دھکا دے کر گرا دیا اور خود کشتواڑ کی گدّی سنبھال لی۔

راجہ اجیت سنگھ نہایت ظالم اور جابر راجہ ہو گزرا ہے۔ اُس وقت سوجان سنگھ کا لڑکا عنایت اللہ سنگھ چونکہ یرغمال کے طور مہاراجہ رنجیت دیو کے پاس جموں میں تھا۔ تو مہاراجہ نے اپنے آخری وقت اکثر قیدیوں اور نظر بندوں کو آزاد کر دیا۔ اور عنایت اللہ سنگھ کو بھی خلعت وغیرہ دے کر کشتواڑ جانے کے لئے حکم دیا۔ لیکن وُہ بولا کہ مَیں سرکار کا نمک خوار ہوں۔ ابھی جلدی کیا ہے۔ پُورا حق نمک ادا کر کے لکڑی دینے کے بعد چلا جاؤنگا۔ اس پر عنایت اللہ سنگھ کو قلعہ باہُو میں قید کر دیا گیا۔ جب رنجیت دیو کا انتقال ہُوا تو سراج اور کنتھی کے کوتوال جموں پہنچے اور ایک رات خفیہ طور عنایت اللہ سنگھ کو قلعہ باہُو سے نکال کر سراج میں لے آئے۔ کشتواڑ میں اجیت سنگھ کے بعد ایک جابر شخص لال دیو کی حکومت تھی۔ لال دیو نے عنایت اللہ سنگھ کی گرفتاری کے لئے سپاہی بھیجے تو کنتھی اور سراج کے لوگ اکٹھے ہو کر کشتواڑ آ گئے اور لال دیو سے تاج راجگی چھین کر اُسے دیس نکالا دے دیا۔

راجہ عنایت اللہ سنگھ

۱۷۸۴ء میں راجہ عنایت اللہ سنگھ پسر راجہ محمد سوجان سنگھ کشتواڑ کا گدی نشین ہُوا تو ریاست کشتواڑ میں اُس کی دُہائی پھرنے لگی۔ ڈینگ بٹل۔ بانہال۔ پاڈر۔ پرستان چھوجھنڑ۔ بھالہ۔ برسالہ۔ کنتھ واڑہ۔ سرتھل کے تمام لوگوں نے بلالحاظ مذہب و ملت اُس کی اطاعت قبول کی۔ اور ایک سال کے بعد اُس نے پاڈر پر حملہ کر کے اپنے مطیع کیا۔ بھ

جندرواہ پر حملہ کر کے جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا، اپنے لوگوں میں بانٹ دیا۔

ایک دن وُہ اپنے محل کے برآمدہ میں امیروں وزیروں اور پیرزادہ نورالدین شاہ کے ساتھ بیٹھا خوش گپیوں میں معروف تھا کہ سامنے مکان کی چھت پر اُسے نورالدین کی بیوی کھڑی نظر آئی۔ راجہ نے نورالدین سے مخاطب ہو کر کہا کہ ؎

چشم ستمگرت کہ بخوں درکمیں نشست تیغ کشیدہ سرمژداں دیں نشست

بار بے آتشیں جو گذشتی بہ بوستان گُل زار انفعال عرق بر جبیں نشست

نورالدین سُن کر آگ بگولا ہو گیا کہ اُس کی بیوی پر راجہ نے رُباعی چُست کی۔ وُہ اس وقت مصلحتاً خاموش رہا۔ دُوسرے دن پیرزادہ نورالدین نے عنایت اللہ سنگھ کے چچا گلاب سنگھ سے مل کر راجہ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور راجہ کے خاص ملازم کانشی رام پڈھیار کے ساتھ سازش کر کے نشی اشیاء کی معجون راجہ کو دلوانا شروع کیں۔ حتےٰ کہ اِس معجون نے راجہ کے دماغ کو ماؤف کر دیا۔ ایک شام یہ لوگ اُسے ہواخوری کے بہانے میدان چوگان بازی میں لے آئے اور اُس پر تلوار کا وار کیا۔ راجہ رونے چلّانے لگا تو گلاب سنگھ نے بھرپور وار کر کے اپنے برادر زادہ کو ہمیشہ کی نیند سُلا دیا۔

عنایت اللہ سنگھ کے قتل کے بعد گلاب سنگھ نے کشتواڑ کی حکومت سنبھال لی۔ اور اُس نے پیرزادہ نورالدین کو اپنا وزیر اور دُوسرے سازشیوں کو مصاحب بنا لیا۔ ابھی چالیس روز ہی حکومت کرتے نہیں ہوئے تھے کہ لوگوں نے گلاب سنگھ کو معہ وزیر نورالدین اور مصاحبوں کے قتل کر دیا۔

راجہ محمد تیغ سنگھ

سنہ ۱۷۹۱ء میں راجہ محمد تیغ سنگھ سیف اللہ کے لقب سے بعمر سات سال کشتواڑ کی راج گدی پر متمکن ہوُا۔ پنڈت نند رام مدار المہام کے طور ریاست کا انتظام بہ احسن و خوبی کرنے لگا۔ رعایا میں وُہ بے حد مقبول اور ہر دلعزیز مشہور ہوُا اور خورد سالہ راجہ ۲
محمد تیغ سنگھ اُس کی تربیت اور نگہداری میں ایک مثالی درجہ حاصل کر گیا۔ لیکن گلاب سنگھ کے پسران رتن سنگھ اور الور سنگھ نے اُس کے مقابلہ کی ٹھان رکھی تھی۔ وُہ کشمیر پہنچے اور وہاں سے خدا دوست کی سرداری میں فوج لے کر کشتواڑ پر حملہ آور ہوئے۔ نند رام کو مقابلہ کی تاب

نہ تھی۔ نند رام آدھی رات کو مع راجہ محمد تیغ سنگھ اور اُس کے کنبہ کے بھیس بدل کر کشتواڑ سے بھدرواہ کی طرف چلا گیا۔ خدا دوست کی فوج کشتواڑ میں بے حد تباہی مچا کر واپس ہوئی۔ تو رتن سنگھ نے کشتواڑ کا راجہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور اپنے بھائی انور سنگھ کو اُس نے ڈوڈہ کی حکومت سپرد کر دی۔ لوگوں نے مجبوراً دونوں بھائیوں کو کشتواڑ اور ڈوڈہ کے راجے تسلیم کر لیا۔ لیکن ایک سال کے عرصہ میں ہی ساری رعایا اُن سے بے زار ہو گئی۔ اور ہر دو برادران کے خلاف سازشیں ہونے لگیں۔ پنڈت نند رام نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر راجہ بھدرواہ سے امداد کی درخواست کی۔ اور بھدرواہی فوج کے ساتھ راجہ محمد تیغ سنگھ کو لے کر ڈوڈہ میں آ دھمکا۔ انور سنگھ بھاگ گیا اور کشتواڑ پہنچ کر اپنے بھائی رتن سنگھ سے تمام ماجرا کہہ سنایا کہ ڈوڈہ پر تیغ سنگھ کا قبضہ ہو گیا ہے۔

تیغ سنگھ کی ڈوڈہ میں آمد اور قبضہ کی خبر آگ کی مانند سارے علاقہ میں پھیل گئی۔ اور کنٹھی سے لے کر بانہال تک تمام علاقوں کے لوگ اظہارِ عقیدت کے لئے تیغ سنگھ کے پاس ڈوڈہ میں پہنچ گئے۔ ان سب کے ساتھ راجہ اور وزیر نند رام نے مشورہ کر کے رتن سنگھ کو کشتواڑ میں ایک خط لکھوایا کہ تم دونوں بھائی ڈوڈہ میں آجاؤ۔ کشتواڑ کی حکومت تیغ سنگھ اور تم دونوں بھائیوں رتن سنگھ اور انور سنگھ کو نصف نصف کر دی جائے گی۔ یہ خط پڑھ کر دونوں بھائی بے حد خوش ہوئے۔ اور وہ تیغ سنگھ کے پاس چلے آئے۔ جب رات کو سب لوگ محوِ خواب تھے۔ رتن سنگھ اور انور سنگھ بھی سوئے پڑے تھے تو آدھی رات کو انہیں قتل کر دیا گیا۔ اس پر ان دونوں بھائیوں کی اولاد اور سارا خاندان چمبہ کی طرف بھاگ گیا اور مستقل طور پر وہاں ہی سکونت اختیار کر گیا۔ آج بھی اُس خاندان کے لوگ چمبہ میں موجود ہیں۔

راجہ محمد تیغ سنگھ بلا شرکتِ غیرے اب کشتواڑ کا راجہ تھا۔ اُس نے حکومت سنبھال کر اُن لوگوں اور خاندانوں کو انعام و اکرام دیئے جنہوں نے اُس کی امداد کی تھی۔ تیغ سنگھ جلد ہی اپنے حسنِ انتظام سے رعایا میں مقبول ہو گیا۔ اسی اثناء میں پنڈت نند رام دُنیا سے چل بسا اور اُس کی جگہ لکھپت کو اپنا وزیر بنا لیا۔ جس کی وفاداری اور خیر خواہی کی بدولت کشتواڑ کو بہت زیادہ ترقی نصیب ہوئی۔ اور محمد تیغ سنگھ کے عہد میں رعایا کو آرام و سکون نصیب ہوا۔ اسی راجہ کے عہد میں شاہ شجاع کابل کا معزول بادشاہ مہاراجہ رنجیت سنگھ والیٔ لاہور کی قید سے فادہ کی بدرزو کے راستہ فرار ہوا۔ دریائے راوی کو تیر کر عبور کیا اور سوداگر کے بھیس

میں جموں اور سیالکوٹ سے گزرتا ہوا ۱۸۱۵ء کے جون میں کشتواڑ پہنچا اور ایک سال سے اُوپر عرصہ محمد تیغ سنگھ کا مہمان رہا۔ اور اُس کی امداد لے کر شاہ شجاع نے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ اُس وقت کشمیر کا افغان گورنر محمد عظیم خان تھا۔ شاہ شجاع کا خیال تھا کہ اگر تختِ کابل پر وُہ بحال نہیں ہو سکتا، کشمیر پر ہی قبضہ ہو جائے تو غنیمت ہے۔ لیکن شاہ شجاع کو بوجہ موسم کی خرابی کے زبردست شکست کھانا پڑی۔ اور وُہ اِس شکست سے اِس حد تک مایُوس ہُوا کہ کشتواڑ سے براستہ مڑوا واڑون، سورو، زنسکار پہنچا۔ اور وہاں سے کُلّو کی راہ ماہ ستمبر ۱۸۱۶ء کو لدھیانہ میں سرکارِ انگلشیہ کی پناہ میں آگیا۔ جہاں کہ اُسے معقول مقرری ملنے لگی اور اُس کے بعد اُس کی اولاد کو بھی ملتی رہی۔ کشتواڑ سے شاہ شجاع کے بھاگنے کا یہ بھی سبب تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشتواڑ کے راجہ محمد تیغ سنگھ سے اُس کی حوالگی کا مطالبہ کر رکھا تھا۔

راجہ محمد تیغ سنگھ نے معزولِ شاہِ کابل شاہ شجاع کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اور دونوں میں دوستی اور محبت اِس حد تک بڑھ گئی کہ ایک دُوسرے سے ایک پل بھی جُدا رہنا گوارا نہ تھا۔ تیغ سنگھ فارسی کا قادر الکلام شاعر تھا اور شاہ شجاع بھی فارسی کا مانا ہوا شاعر تھا۔ کشتواڑ کی تعریف و توصیف میں اُس کے اشعار قابلِ داد ہیں اور یادگار کے طور آج بھی سینہ بسینہ عوام کی زبان پر چلے آتے ہیں۔

ایک دن راجہ تیغ سنگھ اور شاہ شجاع باغ شاہی میں محوِ خرام تھے۔ شاہی محل کی ایک طرحدار، نوخیز، بلند و بالا خوبصورت کنیز باغ میں ایک سیب کے درخت پر چڑھ کر لال لال سیب اُتار رہی تھی کہ اچانک راجہ اور شاہ شجاع اُدھر آنکلے۔ اب اُس کے لئے پائے رفتن نہ جائے ماندن والی بات بن گئی۔ چُپ سادھے درخت پر پتّوں کی اوٹ میں موقعہ کی منتظر رہی۔ راجہ اور شاہ دونوں اپنی دُھن میں محوِ گفتگو عین اُس درخت کے نیچے سے گزر گئے۔ حواس باختہ کنیز درخت سے اُترنے لگی۔ لیکن زمین پر پہنچنے سے پہلے اُس کا پاؤں پھسلا اور وُہ دھم سے نیچے گر پڑی۔ لیکن گرتے ہی پھر اُٹھی اور یہ جا وُہ جا۔ دھم کی آواز پر شاہ اور راجہ چونک اُٹھے۔ اُنھوں نے مُڑ کر دیکھا تو اُنہیں ایک شعلہ جوالا دکھائی دیا۔ ایک بجلی تھی جو نظروں میں کوندی اور غائب ہو گئی۔ شاہ شجاع نے برجستہ مصرع موزوں کیا اور باآواز بلند پڑھا۔ ع

برسرِ ماہ تاباں دیدم کہ ندیدہ بُودم!

(میں نے سرو کے درخت پر چمکتا ہوا چاند دیکھا جسے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا)۔

راجہ نے فی البدیہہ دوسرا مصرع چسپت کیا۔ ع

شمشاد را خراماں دیدم کہ نہ دیدہ بودم!

(میں نے شمشاد کے درخت کو ٹہلتے دیکھا جیسا کہ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا)۔

شاہ شجاع کے کشتواڑ سے جانے کے بعد راجہ محمد تیغ سنگھ کے رعایا پروری کے طور طریقے بدل گئے۔ وہ شراب خوری اور بدچلنی کی عادات میں مبتلا ہوگیا۔ اور عیش و عشرت میں پڑ کر حکومت سے لاپرواہ ہوگیا۔ لیکن ایک قابل اور خیرخواہ وزیر لکھپت رائے کی وجہ سے اس کی بد اعمالیوں پر پردہ پڑا رہا۔

اس وقت جموں کا راج گلاب سنگھ کو اجارہ پر مل چکا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر پر قبضہ کر کے افغانوں کو وہاں سے نکال دیا تھا۔ شاہ شجاع کے واقعہ کی وجہ سے مہاراجہ رنجیت سنگھ پہلے ہی راجہ تیغ سنگھ سے ناراض تھا۔ راجہ گلاب سنگھ پیر پنچال کے اس طرف کے تمام علاقوں اور ڈوگرہ دیس کی ریاستوں کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام پر اپنی جاگیر میں شامل کرنے کے درپے تھا۔ اس لئے اس نے یہ موقعہ غنیمت سمجھ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے کشتواڑ کو فتح کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔

راجہ گلاب سنگھ نے کشتواڑ پر حملہ کا منصوبہ بنایا اور وہاں کے اندرونی حالات اور نظم ونسق کے متعلق اطلاعات حاصل کر لیں کہ راجہ محمد تیغ سنگھ جو کہ عیاش طبع آدمی ہے کی بدعنوانیوں کی وجہ سے جہاں لوگ اپنے راجہ کی بدمستیوں اور من مانیوں سے نالاں ہیں۔ وہاں اس کے وزیر لکھپت کے حسن سلوک اور منصف مزاجی کے بے حد معتقد ہیں۔ جب تک وزیر لکھپت کشتواڑ میں موجود ہے، کشتواڑ کا فتح ہونا مشکل ہے۔ چنانچہ گلاب سنگھ نے وزیر لکھپت کو حکومت کشتواڑ سے توڑنے کی خاطر وہی سیاسی چال چلی جو اورنگ زیب نے اپنے باغی شہزادے اکبر کو راجپوتوں کی سیاسی جتھہ بندی سے علیحدہ کرنے کے لئے اختیار کی تھی۔ راجہ گلاب سنگھ سے وزیر لکھپت کی اس سے پہلے واقفیت نہ تھی۔ غائبانہ تعارف صرف اس حد تک تھا کہ وہ لکھپت کو وزیر کشتواڑ اور لکھپت گلاب سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا معتمد جرنیل جو ڈوگرہ دیس کی پہاڑی ریاستوں کو یکے بعد دیگرے دربار لاہور کی باجگذار بنا رہا تھا، کے طور جانتا تھا۔

گلاب نامہ میں لکھا ہے کہ راجہ گلاب سنگھ نے وزیر لکھپت کو ایک خط لکھا کہ تمہاری عرضی ملی۔ حالات مندرجہ سے آگاہی پائی۔ لازم ہے کہ تم اس طرح خدمات حضور میں دل و جان سے حاضر رہ کر مصروف رہو اور عنایات والا شامل حال خود جانو"۔ اس خط کا مدعا صاف تھا کہ راجہ محمد تیغ سنگھ والیٔ کشتواڑ کے دل میں اپنے وزیر لکھپت کے لئے بدگمانی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ خط متعلقہ کسی جاسوس کے ذریعہ وزیر کی بجائے راجہ کشتواڑ کو پہنچا دیا گیا۔ راجہ نے خط پڑھا تو وُہ آگ بگولا ہو گیا۔ اور اپنے وزیر لکھپت کو بلا سوچے سمجھے اور بغیر تحقیق کے ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا۔

راجہ محمد تیغ سنگھ نے اپنے ذاتی مشیران احمد شاہ اور حکیم جمیل شاہ کے مشورہ سے ایک پٹھان کو لکھپت کا کام تمام کرنے کے لئے اپنا خاص خدمتگار مقرر کیا اور اُسے کہا کہ تمہاری صرف یہ ڈیوٹی ہے کہ جس شخص کے لئے ہم اشارہ کریں، اُسے تلوار سے ختم کر دو۔ چنانچہ ایک روز تیغ سنگھ اپنے باغ میں بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا کہ وزیر لکھپت خیمہ میں چند ایک ضروری کاغذات لے کر داخل ہوا۔ ابھی اپنی نشست پر بیٹھا ہی تھا کہ راجہ نے اُس روہیلے کو جو اردلی کے طور حاضر تھا، اشارہ کیا۔ اُس نے وزیر لکھپت پر تلوار کا وار کیا۔ پہلا وار خیمہ کی چوب پر لگنے سے خالی گیا۔ دُوسرا وار کندھے پر ہلکا سا لگا اور لکھپت زخمی ہو گیا۔ تیسرے وار سے ہاتھ کی اُنگلیاں کٹ گئیں۔ وزیر لکھپت کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور اُس نے راجہ محمد تیغ سنگھ سے مخاطب ہو کر باآواز بلند کہا کہ "دھن مہاراج! سرکار کی خدمت میں سرکار کے رُوبرو میری زندگی ختم ہو گئی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خدمت مجھ سے ہو سکتی تھی"۔ راجہ نے اپنی تلوار وزیر لکھپت کے سر پر رکھ دی اور اُسے بچا لیا۔ لیکن لکھپت کے شور و فریاد کرنے پر درباری جمع ہو گئے۔ جنہوں نے اُس روہیلے کا وہیں خاتمہ کر دیا۔ اور وزیر کو اُس کے رشتہ دار اُس کے گھر واقع ہڑیال میں لے گئے۔ جہاں وزیر لکھپت نے کچھ عرصہ قیام کیا۔ اور جب زخم اچھا ہوا تو وُہ معہ اپنے قبائل کے کشتواڑ کے علاقہ سے ہجرت کر کے بونجواہ میں چلا گیا۔ بعد میں راجہ چمبہ کے گورنر بھدرواہ نے اُسے بونجواہ سے بلا کر سروباغ بھدرواہ میں جاگیر دے کر آباد کیا۔ ایک عرصہ کے بعد وُہ جموں میں راجہ گلاب سنگھ کے پاس چلا آیا۔ راجہ گلاب سنگھ کو کشتواڑ کے حالات کی خبر لمحہ بلمحہ مل رہی تھی اور وزیر لکھپت کے واقعہ کا اُسے پوری طرح علم تھا۔ اُس نے وزیر کو اپنے خاص

مصاحبوں میں جگہ دی۔

راجہ محمد تیغ سنگھ کو وزیر لکھپت کے جموں پہنچنے اور گلاب سنگھ کی ملازمت میں داخل ہونے کی خبر ملی تو اُس نے راجہ گلاب سنگھ کے پاس وزیر کے خلاف شکایت کی۔ اس کے جواب میں محمد تیغ سنگھ کو لکھا گیا کہ اگر تم فوج کے بغیر جموں آجاؤ تو تمہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں عزت مل جائے گی اور تمہاری حکومت بھی برقرار رہے گی۔

راجہ گلاب سنگھ نے وزیر لکھپت کو اعتماد میں لے کر کشتواڑ کی فتح کا ارادہ کر لیا۔ اور سنہ ۱۸۲۰ء میں اس مہم پر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ روانہ ہوا۔ اُدھم پور کے آگے ریاست چنہنی پڑتی تھی جس کے راجہ دیال چند نے گلاب سنگھ کو راستہ دینے میں تامل کیا۔ تو گلاب سنگھ نے اُس کے وزیر جراسدہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس پر راجہ دیال چند والیٔ چنہنی دست بستہ امداد کے لئے تیار ہو گیا اور گلاب سنگھ بلا روک ٹوک ٹھکیلی کے مقام پر دریائے چناب کو بذریعہ کھرولی[1] عبور کر کے ڈوڈہ میں وارد ہو گیا۔

وزیر لکھپت کے کشتواڑ سے جانے اور راجہ محمد تیغ سنگھ کی بدعادات کی وجہ سے ریاست میں کافی فتور مچا ہوا تھا۔ راجہ محمد تیغ سنگھ کو جب گلاب سنگھ کے ڈوڈہ پر قابض ہونے کی اطلاع ملی تو وہ سخت گھبرایا۔ عوام کی مخالفت کی وجہ سے وہ مزاحمت کا کوئی انتظام نہ کر سکا۔ چنانچہ راجہ گلاب سنگھ کے پاس ڈوڈہ میں پہنچ کر اُس نے اطاعت قبول کر لی۔ راجہ گلاب سنگھ اُس سے بے حد التفات اور مہربانی سے پیش آیا اور اُسے دربار لاہور میں پہنچا دیا۔ اس طرح بلا مزاحمت کے گلاب سنگھ کا ریاست کشتواڑ پر قبضہ ہو گیا۔ اور کشتواڑ میں گلاب سنگھ نے اپنا پہلا گورنر میاں چاین سنگھ کو تعینات کر دیا۔

راجہ محمد تیغ سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں حاضر ہوا۔ وہ خوش گفتار اور مردانہ حُسن کی دلکش تصویر تھا۔ مہاراجہ نے اُس کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اپنی خداداد

---

[1] کھرولی ایک قسم کا جھولا ہوتا ہے جو رسّہ کے ساتھ لٹکایا جاتا ہے۔ اس رسّہ کو دریا کے آر پار مضبوطی سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اس رسّہ کو ایک ڈھول کے خول کے اندر سے گزارتے ہیں اور خول کے ساتھ یہ جھولا چھینکا باندھ دیتے ہیں۔ اس میں آدمی بیٹھ جاتا ہے۔ خول میں رسیاں ... آر پار بندھی ہوئی ہیں۔ جب چھینکے کو چھوڑا جائے تو رسّہ کی سلامی کی حد تک پھسلتا دریا کے پار تک پہنچ جاتا ہے۔

ذہانت سے مہاراجہ کی اِس حد تک خوشنودی حاصل کر لی کہ اُسے اپنی ریاست واپس ملنے کی اُمید بندھ گئی۔ لیکن بد قسمتی یہ ہوئی کہ راجہ دھیان سنگھ وزیر اعظم لاہور سے اَن بن ہو گئی۔ اور دربار لاہور میں دھیان سنگھ کے جو ازلی حاسد تھے، اُن درباریوں نے دھیان سنگھ کے خلاف راجہ محمد تیغ سنگھ کو استعمال کرنا چاہا۔ اِس پارٹی بازی نے راجہ محمد تیغ سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زیرِ عتاب کر دیا۔ اور تیغ سنگھ اِس بدسلوکی سے سخت مایوس ہی نہیں ہوا بلکہ اپنا دماغ تک کھو بیٹھا۔ اُس نے خود اپنی قبر تیار کرائی۔ اور بحالتِ جنون اپنے دونوں بازوؤں کی فصد کھلوا دی۔ سقہ کے ذریعہ اپنے اُوپر مشک کی دھار چھڑوائی۔ اور اِس طرح خودکشی کر کے اپنے آپ کو ختم کر دیا۔

راجہ محمد تیغ سنگھ کے تین بیٹے زور آور سنگھ، جے مل سنگھ اور دلاور سنگھ تھے۔ تیغ سنگھ کی وفات کے بعد وُہ لاہور میں دربدر ہوئے۔ زور آور سنگھ عیسائی ہو گیا اور جے مل سنگھ فقیر کا بھیس بنا کر اپنے وطن کشتواڑ پہنچ گیا۔ اور ایک دن جب وُہ ڈوڈہ میں آیا ہوا تھا، ایک شخص یوسف خان نے، جو کہ کبھی تیغ سنگھ کا خاص ملازم اور خدمت گار رہا تھا، اُسے پہچان لیا۔ اور جے مل سنگھ کے پاس جا کر شاہی طریق سے سلام کیا "جے دیوا مہاراج!" جے مل سنگھ نے یوسف خان سے کہا کہ یہ "جے دیوا" کیسی؟ تو وُہ بولا "ہم آپ کو خوب پہچانتے ہیں۔" اِس پر جے مل سنگھ نے کہا کہ "پہچانتے ہو تو جو کچھ مرضی ہے کر لو۔" یوسف خان اُسے دیوان سرب دیال حاکم ڈوڈہ کے پاس لے گیا جس نے اُسے قید کر کے جموں بھیج دیا۔ لیکن وہاں پہنچ کر بھی وُہ قید سے رہائی حاصل کرنے میں لگا رہا۔ اور ایک دن جب حاکمانِ جموں کو اِس کی شرارتوں کا علم ہوا تو اُسے چارپائی سے باندھ کر اکھنور کے مقام پر لے جا کر دریائے چناب میں ڈبو دیا گیا۔ لیکن قسمت اچھی تھی۔ بچ گیا اور وُہ چارپائی کے ساتھ بہتا ہوا دریا کے کنارے لگ گیا اور دھوبیوں نے اُسے پکڑ کر پھر جموں پہنچا دیا۔ یہاں اُسے دوبارہ قید کر لیا گیا۔ زور آور سنگھ جو کہ عیسائی ہو گیا تھا، اُسے اپنے چھوٹے بھائی کی حالتِ زار کا علم ہوا تو اُس نے لدھیانہ سے سرکار انگریزی سے درخواست کی۔ اور اِس طرح جے مل سنگھ کو قید سے نجات ملی اور دونوں بھائیوں کو سرکار انگلشیہ کی طرف سے وظیفہ ملتا رہا۔ دونوں نے شادی نہیں کی تھی۔ اِن دونوں کی زندگی کے خاتمہ پر راجہ محمد تیغ سنگھ کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ راجہ محمد تیغ سنگھ کا تیسرا لڑکا دلاور سنگھ تھا جو

راجہ کی ایک داشتہ عورت کے بطن سے تھا۔ وہ کشمیر میں جاکر رہنے لگا۔ اور اُس نے علاقہ سراج کے لوگوں سے ساز باز کی۔ اور لوگ اُسے سراج میں لے آئے۔ اور یہاں اُس کی حکومت کا اعلان کر دیا گیا۔ جس سے دلاور سنگھ کی سرکردگی میں اس علاقہ کے لوگوں نے جموں کے خلاف بغاوت کر دی۔ وزیر لکھپت نے جموں سے آکر اس بغاوت کو فرو کیا۔ اور دلاور سنگھ فرار ہوکر نور پور ضلع کانگڑہ میں آباد ہو گیا۔ جہاں کہ اُس کی اولاد کو سرکار انگریزی کی طرف سے معقول وظیفہ ملتا رہا۔ اور اس طرح سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی قائم شدہ خود مختار ریاست کشتواڑ کا پہلے جموں میں اور بعد میں ریاست جموں وکشمیر میں ادغام کر لیا گیا۔ اور اب یہ ایک تحصیل کے طور ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہے۔

۱۹۴۷ء تک تحصیل کشتواڑ ضلع اودھمپور میں شامل تھی لیکن ۱۹۴۸ء میں شیخ عبداللہ کی حکومت نے ایک نیا ضلع ڈوڈہ کے نام سے قائم کرکے تحصیل کشتواڑ کے ساتھ رامبن اور بھدرواہ کی تحصیلوں کو اس میں شامل کر دیا۔ اور ضلع اودھم پور تحصیلات اودھم پور، رام نگر اور ریاسی پر مشتمل بنا دیا۔ اس طرح ضلع اودھمپور ہندو اکثریت اور ڈوڈہ مسلم اکثریت کے اضلاع شمار ہونے لگے۔ کشتواڑ کے راجگان کے خاندان کی ریاست میں آخری نشانی میاں محمد خان جو کہ انجمن اسلامیہ کشتواڑ کا چپراسی تھا، نومبر ۱۹۶۳ء میں فوت ہوا جس کا جنازہ اسکی عمر بھر کی خودداری کی بدولت بڑی دھوم سے نکلا۔

ریاست ریاسی

بائیس راج پہاڑ میں ریاسی بھی ایک چھوٹی سی ریاست مشہور تھی۔ مہاراجگان اودے پور میواڑ سے ریاسی کے بانی کا سلسلۂ نسب ملتا ہے۔ راجہ اگنی برن دوم کی اکہترویں پشت میں مہارانا راجی راول والئی میواڑ تھا جس کا دوسرا بیٹا منو مان بوجہ خاندانی کشمکش اور نزاع کے میواڑ سے ہجرت کر آیا اور دشت نوردی کرتا راجہ جوگ راؤ والئی ریاست جموں کے پاس آکر ملازم ہو گیا۔ اس راجہ کا زمانہ ۳۱۷ء بنشاولی راجگان جموں میں درج ہے۔ منو مان نے اپنی قابلیت اور بہادری کی بدولت جموں کے راجہ جوگ راؤ کی خوشنودی حاصل کر لی اور اُسے راجہ نے جموں کے نزدیک ہی چند دیہات جاگیر میں دے دئے۔ منو مان کی سترھویں پشت میں رانا بجے دلیہ[1] ہوا جس نے جموں کے راجہ چکر دیو

[1] راج ترنگنی میں راجہ چکر دیو کو راجہ بجر دھر لکھا گیا ہے۔ اور یہ راجہ چکر دھر کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس کا زمانہ ۱۰۹۴ء ہے

427 A.D.

کے وقت جموں شہر سے مشرق دریائے توی کے پار چار میل کے فاصلہ پر بجیالتہ گاؤں اپنے نام سے آباد کیا۔ رانا بجے دیو کے تین بیٹے سیس پال۔ ڈی پال اور رسپال تھے۔ جب راجہ جگ دیو کے بعد اُس کا بیٹا راجہ برج دیو (ہمیر رائے) پرتھوی راج چوہان کے ہنگامہ میں مارا گیا تو یہ تینوں جموں راج سے خودسر ہو گئے۔ سیس پال نے بجیالتہ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اور رسپال نے بجیالتہ سے نکل کر جموں سے پینتیس ۳۵ کوس شمال مغرب وشنو دیوی کے پہاڑ کے مغرب میں دریائے چناب کے نزدیک آ کر ایک گاؤں آباد کیا جس کا نام اپنے نام پر ریاسی رکھا۔ اور یہاں آباد ہو کر آس پاس کی بستیوں اور علاقے کو اپنے ماتحت کر لیا۔ اور ایک خودمختار ریاست بارھویں صدی کے اخیر میں قائم کر لی۔ رانا بجے دیو کا منجھلا بیٹا ڈی پال راجگان بھنیال والئی بھوتی کرمچی کے ہاں جا کر وزیر بن گیا۔ اُس کے پوتے رانا بلو نے اپنے نام پر بلوالتہ گاؤں آباد کیا جسے آج کل اُودھم پور کہا جاتا ہے۔ اور یہ تمام علاقہ بھلوالتہ کے نام سے پرسدھ ہے۔

رانا رسپال کی اولاد ریاسی میں حکومت کرتی رہی۔ سلال۔ گلاب گڑھ اور اکھنور کا بہت سا پہاڑی علاقہ ریاسی کی ریاست میں شامل تھا۔ چنانچہ رسپال راناؤں نے اس علاقہ پر سترھویں صدی تک حکومت کی اور جموں ریاست کے کبھی باجگذار اور کبھی اس سے خودمختار ہو کر اپنی ریاست قائم رکھی۔ اس ریاست کے متعلق آج بھی یہ لوک گیت زبان زد عام ہے جس میں ریاست ریاسی کا سارا علاقہ آتا ہے سہ

جیڑی۔ جنبڑی بنال۔ بڈا جڈا ہنور سلال بھبھر بھبوں پناسہ باڑی۔ ریاسی بسے خلقت ساری

ریاسی جاگیر

راجہ ہری دیو والئی جموں نے اپنی ریاست کو سارے علاقہ پہاڑ تک وسعت دی۔ اور رسپال کے راناؤں کو ریاسی سے نکال کر اپنے تیسرے بیٹے راجہ جسونت دیو کو ریاسی سے لے کر اکھنور اور بجوات (علاقہ پاکستان تحصیل سیالکوٹ) تک اور سلال گلاب گڑھ۔ ارناس وغیرہ جاگیر کے طور دے دیا۔ جسونت دیو جموں کے راجہ گجے سنگھ کا چھوٹا بھائی تھا۔ اُس نے اپنی رہائش جموں پرانی منڈی کے محلات میں ہی رکھی۔ اور اپنے کارداروں کے ذریعہ جاگیر ریاسی کا انتظام کرتا رہا۔ جسونت دیو کے بعد اُس کا بڑا بیٹا میاں رتن دیو مہاراجہ رنجیت دیو کے عہد میں ریاست جموں کا سپہ سالار ہوا اور ریاسی بدستور اُس کی جاگیر رہی لیکن اکھنور اور بجوات کا علاقہ کٹ کر جاگیر کے

طور رتن دیو کے چھوٹے بھائی میاں چندن دیو کو مل گیا۔ میاں رتن دیو کے بعد اُس کا بیٹا میاں مان سنگھ اور اُس کا بیٹا جنگ بہادر سنگھ ریاسی کے جاگیردار رہے۔ جنگ بہادر سنگھ کا بیٹا میاں دیوان سنگھ جو اپنے وقت کا ایک شہ زور اور بہادر راجپوت تھا، اپنے باپ کے مرنے کے بعد ریاسی۔ سلال اور گلاب گڑھ وغیرہ علاقوں کا بطور جاگیردار حاکم قرار پایا۔ اور اُس نے اپنی مستقل رہائش بھی قلعہ ریاسی میں رکھی۔ راجہ جیت سنگھ والیٔ جموں (مہاراجہ رنجیت دیو کا پوتا) کا وُہ منظورِ نظر مصاحب بھی تھا۔ راجہ جموں کی رانی بندرالی جس نے اپنے کُند ذہن اور دائم المریض شوہر کی وجہ سے دستارِ حکمرانی اپنے سر پہ رکھی تھی، کا وُہ اندرُونی رشتہ دار تھا اور رانی سے اُس کی سازباز تھی جو اپنے شوہر کی بجائے دیوان سنگھ پر زیادہ دارومدار رکھتی تھی۔ اس وقت ریاست جموں کا مدارالمہام میاں موٹا سنگھ (مہاراجہ گلاب سنگھ کے خاندان کا بھائی) تھا۔ رانی بندرالی کے لئے میاں موٹا کی بالادستی ناقابلِ برداشت تھی۔ تو میاں دیوان سنگھ سے مِل کر رانی بندرالی نے میاں موٹا کا کام تمام کرا دیا۔ میاں موٹا کے قتل کی رپورٹ جب دربار لاہور میں پہنچی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے میاں دیوان سنگھ منڈی والے کو موٹا کے قتل کی سازش میں گرفتار کر لیا اور ریاسی کی جاگیر کا پروانہ اپنے منظورِ نظر کمان افسر میاں گلاب سنگھ کو لکھ بھیجا۔ گلاب سنگھ اُس وقت جموں میں دربار لاہور سے چھُٹی پر آیا ہؤا تھا۔ گلاب سنگھ پروانہ لے کر ریاسی پہنچا۔ تو ریاسی کے لوگوں نے تالاب کے کنارے گلاب سنگھ کے پاس آکر اطاعت قبول کی اور گلاب سنگھ نے لوگوں سے نذریں حاصل کیں۔ مگر میاں دیوان سنگھ کے بیٹے میاں بھوپ دیو نے جو کہ علاقہ ارناس میں تھا، گلاب سنگھ کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ گلاب سنگھ ریاسی سے اُس کی سرکوبی کے لئے سلال اور رختال پر چڑھ دوڑا۔ بھوپ دیو سلال میں قلعہ بند ہو چکا تھا۔ لیکن گلاب سنگھ نے مختصر سی لڑائی کے بعد قلعہ سر کر لیا اور بھوپ دیو فرار ہو گیا۔ گلاب سنگھ نے واپس ریاسی پہنچ کر قلعہ بھیم گڑھ کی تعمیر و تکمیل کے لئے اپنے سرکار دار دیوان امیر چند کو مامور کیا اور خود دربار لاہور میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر آگئے۔

تاریخ جموں کے مطابق سنہ [illegible] میں گلاب سنگھ نے ریاسی پر قبضہ کیا۔ میاں بھوپ دیو سلال سے بھاگا تو لاہور میں آ کر دم لیا۔ اور دربار لاہور کے اہلکاروں سے مِل کر

اپنے باپ کو آزاد کرا لیا۔ اور دونوں باپ بیٹا لاہور سے ریاسی کے علاقہ میں آ گئے۔ اور اپنے دو ایک سو حمایتیوں کو لے کر قلعہ بھیم گڑھ پر حملہ کر دیا۔ قلعہ میں گلاب سنگھ کی مختصر سی سپاہ تھی اور وزیر زورآور سنگھ جو بعد میں فاتح لداخ اور بلتستان ہوا، نیا نیا گلاب سنگھ کی ذاتی فوج میں بھرتی ہوا تھا، ریاسی کے قلعہ میں موجود تھا۔ جس نے نہایت ہی بہادری اور جوانمردی کا ثبوت دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کی ہمت بندھا کر قلعہ سے ہی محاصرین کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اور دو یوم کے بعد وزیر زورآور سنگھ اور میاں جواہر سنگھ اگورہ اپنے دس پندرہ ساتھیوں کو لے کر قلعہ سے باہر نکل آئے اور بھوپ دیو اور دیوان سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔ نتیجۃً دونوں باپ بیٹا اپنے ساتھیوں سمیت بھاگ گئے۔

جب بھوپ سنگھ اور اُس کے باپ دیوان سنگھ کی اس حرکت کا علم دربار لاہور کو ہوا تو وہاں سے گلاب سنگھ کو ریاسی بھیجا گیا جس نے ریاسی کے سارے علاقہ کا دورہ کیا۔ جہاں جہاں گلاب سنگھ پہنچا، لوگوں نے اطاعت قبول کی لیکن سلال کے مقدم منور جو نے جو کہ بھوپ دیو کا ساتھی اور فسادی عناصر کا سرغنہ تھا، گلاب سنگھ کی ایک نہ مانی۔ اُسے امن و امان سے رہنے کے لئے سمجھایا گیا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ آخر اُسے ایک درخت کے ساتھ باندھ کر عبرتناک موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ اس طرح سے ریاسی پر ہمیشہ کے لئے گلاب سنگھ کا تسلط ہو گیا۔ دیوان سنگھ اور بھوپ سنگھ ریاسی سے بھاگے تو انہیں کہیں پناہ نہیں ملی۔ آخر وہ لاہور دربار میں پہنچے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ سے معافی مانگ کر گذارہ کے طور ماہانہ رقم حاصل کرتے رہے۔ دیوان سنگھ کے مرنے کے بعد بھوپ سنگھ نے پھر درباریوں سے مل کر سازش کی۔ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اُسے تا دوام حبس کی سزا دے کر قید میں ڈال دیا۔ اس قید سے اُس کی خلاصی تب ہوئی جبکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ بستر مرگ پر تھے اور خیرات اور دان وغیرہ ہو رہا تھا۔ قیدی چھوڑے جا رہے تھے۔ بھوپ دیو کو قید سے آزاد کر کے دربار لاہور نے مہاراجہ کھڑک سنگھ کے حکم سے علاقہ پٹھانکوٹ میں چند ایک دیہات کی جاگیر دی۔ عمدۃ التواریخ روزنامچہ دربار لاہور میں لکھا ہے کہ بھوپ دیو کو جاگیر مل گئی۔ اس کے گذارہ کے لئے آمدنی کافی تھی۔ لیکن وہ لاہور میں ہی رہتا تھا۔ اس کی تائید ایک خط سے بھی ہوتی ہے جو کہ بزبان ڈوگری بسوہلی کے ایک راجپوت خاندان میں موجود ہے۔ اس خط کی تاریخ سنہ ۱۸۳۹ء مئی کی ہے۔ اس میں میاں مہان سنگھ بلاوریہ کماندار

گھوڑ چڑھا چار یاری نے اپنے گھر لکھا ہے کہ "مہاراجہ رنجیت سنگھ بیمار ہیں۔ سادھو سنتوں کو دان دیا جا رہا ہے۔ میاں بھوپ دیو جموال کو بھی قید سے چھوڑ آگیا ہے۔ اُس کی بانہہ شاہزادہ کھڑک سنگھ کو پکڑائی ہے۔ دو ہزار کی جاگیر برائے گذارہ لگا دی ہے اور ایک روپیہ روز تنخواہ بل رہی ہے اور اُس کی رہائش کے لئے ایک حویلی بھی دی گئی ہے"۔

میاں بھوپ دیو کا انتقال لاہور میں ہی ہوا۔ اُس کی رانی اُس کی چتا میں بیٹھ کر ستی ہوئی۔ اُس کے بعد اُس کی اولاد مستقل طور پر موضع ڈمثال متصل سپھانکوٹ آباد ہو گئی۔ جہاں کہ نزدیک ہی جموں کے راجہ جیت سنگھ کی اولاد موضع کھڑوٹہ میں رہائش پذیر ہوئی۔ جموں میں صرف ایک گھر پرانی منڈی میں اس خاندان سے موجود ہے اور باقی خاندان موضع رائپور تحصیل سانبہ اور کشمیر میں رہتے ہیں۔

۱۸۱۶ء میں گلاب سنگھ کو ریاسی کا پرگنہ ذاتی طور پر ملکیت ملا۔ اور جب ۱۸۲۲ء کو میں جموں کا راج تلک پا کر گلاب سنگھ راجہ بنا تو ریاسی کو مستقل طور پر جموں میں مدغم کر لیا گیا۔ ریاسی کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے ایک گاؤں سے ایک قصبہ میں تبدیل کر دیا۔ یہ قصبہ علاقہ پہاڑ کا تجارتی مرکز ہے۔ ۱۹۴۷ء تک ریاسی راجوری اور ریاسی کی دو تحصیلوں پر مشتمل ضلع کا ہیڈ کوارٹر رہا۔ ریاسی اس لئے بھی زیادہ تر مشہور ہے کہ یہاں ۱۸۵۰ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے پوتے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا جنم ہوا تھا۔ آج کل ریاسی کو ایک تحصیل بنا کر ضلع اُدھم پور میں مدغم کر لیا گیا ہے۔

شیخ عبداللہ کی ایمرجنسی حکومت نے ۱۹۴۸ء میں ریاسی کے ضلع کو ختم کر کے ضلع پونچھ راجوری کی داغ بیل ڈالی۔ ریاسی کے لوگوں نے کشمیر سرکار کے اس اقدام کے خلاف آواز بلند کی اور ریاسی ضلع کے درجہ کو برقرار رکھنے کے لئے جدوجہد کی لیکن اُن کی یہ آواز صدائے بصحرا ہو کر رہ گئی۔

ریاسی کی تحصیل کوئلہ، لوہا، جست، کنکر یا مٹی وغیرہ کی کانوں کے لئے مشہور ہے۔ ان دنوں بھارت سرکار کی امداد سے ایسی کانوں کو کھودنے کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ ریاسی تحصیل میں سلال اور دھیان گڑھ کے مقام پر جہاں دریائے چناب نے تینوں طرف ایک پہاڑی کو گھیر رکھا ہے، حکومت ڈیم بنا کر بجلی پیدا کرنے کیلئے سرگرمی کر رہی ہے۔ اگر یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو لاکھوں کلو واٹ بجلی پیدا ہو سکے گی۔ ریاسی تحصیل اس لئے زیادہ تر مشہور ہے کہ یہاں قلعہ ریاسی کے نزدیک موضع بھیم پور میں انیسویں صدی کے عظیم جرنیل وزیر زور آور سنگھ نے اپنی اور اپنی آل اولاد کی مستقل رہائش کے لئے مکانات تعمیر کئے تھے۔

ریاست ترکُٹا

ڈوگرہ دیس کے بائیس راجواڑوں میں ترکُٹا ریاست بھی شامل ہے۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کو دریائے راوی اور چناب کے درمیان کے جن علاقوں اور چناب کے پار پونچھ تک کی ریاستوں کی خودمختاری حاصل ہوئی، اُن میں ترکُٹا کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ جموں و کشمیر انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ ترکُٹا کے علاقہ میں سورج بنسی خاندان کی حکومت تھی جس کا سلسلہ نسب جموں سے ملتا تھا۔ اور یہ علاقہ ۱۸۲۰ء کے بعد جموں کے راجہ گلاب سنگھ نے فتح کر کے اپنے ماتحت کر لیا۔ اور جب ۱۸۴۶ء کے معاہدہ کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر کی تشکیل کی تو ترکُٹا کا علاقہ اس ریاست میں مدغم کر لیا گیا۔

مؤلف نے اس ریاست ترکُٹا کے قیام اور کون راجے یہاں حکمران تھے اور ان کی خودمختاری کے حالات کے متعلق کافی چھان بین کی۔ اِس علاقہ میں خود جاکر بڑے بوڑھوں اور دوسرے لوگوں سے دریافت کیا تو ایسے کسی خاندان یا راجے رانے کا پتہ نہیں چلا جس نے کبھی اِس سارے علاقے پر حکومت کی ہو۔

وُہ دشوار گذار اور پہاڑی علاقہ جو ترکُٹا کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے، دھار ویشنو دیوی کے شمال میں ترکنٹھ پہاڑ کے پیچھے مہو منگت اور پیر پنچال تک چلا گیا ہے۔ اِن دشوار گذار گھاٹیوں میں صرف لاندر کا علاقہ ایسا ہے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ بھوتی کرمچی ریاست میں واقع ہوگا۔ اِس علاقہ کا ذکر اس سے پہلے ریاست بھوتی کے بیان میں آچکا ہے۔ اور کہ علاقہ لاندر میں اب تک پُرانی بھوتی کے نام سے ایک گاؤں موجود ہے جس میں صدیوں پُرانے درخت کے نیچے ایک دیوستھان ہے جہاں کرمچی اندگرمی کے پٹیال راجپوت مذہبی رسومات ادا کرنے کے لئے آتے ہیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترکوٹی ریاست میں کٹڑہ ویشنو دیوی کے ارد گرد کے علاقہ کے علاوہ بھاگ مکوت (موجودہ تحصیل اودھم پور و ریاسی) کے علاقے شامل ہوں گے۔ اِن علاقوں کے لوک گیتوں۔ قصے کہانیوں اور کوٹوں (چھوٹے قلعے) کی تواریخی تفاصیل کا جائزہ

لینے سے اس ریاست کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔ بلکہ آج سے چند سو سال پہلے جب شری ویشنو دیوی ایک دیوکنیا کے رُوپ میں نالہ بہی کی گھاٹی میں پرگٹ ہوئیں[1]۔ اُس وقت بھی یہ علاقہ کسی باقاعدہ خودمختار ریاست کے ماتحت نہ تھا۔ بلکہ گاؤں گاؤں کی برادریاں اور لوگ آپ راجیوں کی شکل میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک معتبر تاریخی شہادت اس امر کی بھی مظہر ہے کہ آج سے اڑھائی سو سال پہلے راجہ دھرب دیو والئی جموں نے اپنے بیٹوں کو جو جاگیریں عطا کی تھیں۔ اُن جاگیروں میں ایک جاگیر بھاگ (شری ویشنو دیوی دھار کے شمالی جانب کا علاقہ) ولی عہد ریاست جموں راجہ رنجیت دیو کو دی گئی تھی کہ وہ راجہ دھرب دیو (والد خود) کی حیات میں اپنے پرائیویٹ اخراجات اور گذارہ کے لئے اس علاقہ کی آمدنی استعمال میں لائے۔ اسی علاقہ میں راجہ رنجیت دیو نے جب لاہور کے افغان گورنر سے بارہ سال قید کے بعد مخلصی پائی، آکر پناہ لی تھی۔ کیونکہ جموں پر ریاست باہو کے راجہ نے قبضہ کر لیا تھا۔ راجہ رنجیت دیو کو اسی علاقہ کے موضع پرنڈ کی ایک بڑھیا نے ذیل کا ایک گیت گا کر ادائیگی فرض اور پاس ذمہ داری کے لئے بیدار کیا تھا ع

"جموان لیائی دلیا تیںدا مہاڑے پرنڈ کھلاڑ"

---

[1] روایت ہے کہ کوٹلی۔ چھپاڑہ۔ بھانگل۔ سیری اور پڑتھل مواضعات (تحصیل ریاسی) کے منیوتر سے اور دروہڑے ٹھکر راجپوتوں کی لڑکیاں مال مویشی چراتے نالہ بہی کی گھاٹی میں آیا کرتیں تو ان کے ساتھ ایک اور لڑکی شامل ہو جایا کرتی۔ اور کبھی کبھار وہ کنیا ان لڑکیوں کو انواع و اقسام کے بھوجن پدارتھ کھلایا کرتی۔ ایک دن کسی لڑکی نے اپنے گھر جا کر یہ ماجرہ سُنا دیا۔ تو یہ لوگ اس دیوکنیا کے چند چکروں سے بھگوتی کا گمان کر کے اس کی تلاش میں چل نکلے تو بھگوتی گپھا میں چلی گئیں۔ دروہڑوں اور منیوتروں میں ویشنو دیوی کے اس دیو ستھان کے چڑھتل کے استحقاق کی نسبت جھگڑا ہو گیا اور نوبت باقاعدہ لڑائی تک پہنچ گئی۔ دروہڑے ٹھکروں کی یلغار سانجھی چھت تک بڑھ آئی تھی اور وہ منیوتروں کو پیچھے دھکیل رہے تھے کہ منیوتروں کی امداد کے لئے علاقہ بھاگ کے لوگ آ پہنچے۔ اور جھینی کیرڑے کے وزدے تیر کمان چلا کر دروہڑوں کو سانجھی چھت کے پرے پھینک دیا۔ تب سے ویشنو دیوی کی چڑھتل کی باری دو برس دروہڑوں کو آتی ہے اور تیسرا سال منیوتروں اور بھاگ کے باری داروں میں بٹتا ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق محکمہ مال کے کاغذات اور موضع دھار ویشنو دیوی کی مثل حقیت میں اندراج چلا آ رہا ہے۔

یعنی "تم جموں ریاست کو تو دلی کے قبضہ میں دے آئے ہو اور ہمارے گاؤں میں آکر کیا ڈھونڈ رہے ہو ؟ اگر تم اکیلے ہو اور اس وجہ سے اپنی وراثت واپس لینے کی جرأت تم میں موجود نہیں تو میرے سات بیٹوں کو لے جاؤ۔ اور فوج بنا کر جموں پر حملہ کر کے غاصبوں کو باہر نکال دو تمہیں تمہاری ریاست تمہیں مل جائے گی"۔ یہ روایت ہے کہ اس بڑھیا کے آشیرواد سے راجہ رنجیت دیو نے جو قومی فوج تیار کی، اُس میں سب سے پہلے اُسی بڑھیا کے بیٹے بھرتی کئے تھے۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علاقہ اور یہاں کے لوگ ریاست جموں کو وقت بے وقت امداد دیا کرتے تھے۔ راجہ رنجیت دیو کے نام یہ جاگیر ایک تکلف سے زیادہ درجہ نہ رکھتی تھی۔ ایک تو رنجیت دیو اپنی شہزادگی کے زمانہ میں کبھی یہاں نہیں پہنچا۔ اور نہ ہی اس علاقہ کے لوگوں نے کبھی ریاست جموں کو خراج دیا۔ جموں کی تابعداری اور ماتحتی ترکُٹا کے علاقہ یا ریاست میں صرف اِس حد تک تھی کہ جب کبھی راجہ جموں کو ریاست کے باہر حملہ کرنے یا مہم پر جانے اور بیرونی حملہ کی مزاحمت درپیش ہوتی تو اس علاقہ کے لوگوں کی امداد طلب کی جاتی تھی جو مختلف برادریوں، قبیلوں اور کولوں میں بٹے ہوئے اپنی اپنی جگہ خود مختار تھے۔ راجہ رنجیت دیو ایک ہی دفعہ اس علاقہ میں آیا۔ اور وُہ اِس لئے کہ یہ علاقہ اُس کے نام جاگیر کے طور سمجھا جاتا تھا۔ وُہ بھاگ میں ایک جاگیردار یا راجہ کے طور نہیں آیا بلکہ ایک پناہ گزین کی حیثیت میں پہنچا تھا جب کہ اُس کی اپنی ریاست جموں سے اُسے دیس نکالا مل چکا تھا۔ تو اُس کی برائے نام جاگیر پر اُس کا دبدبہ کہاں تک تسلیم کیا جاسکتا تھا۔

ریاست جموں کو امداد دینے کی ایک اور مثال ہمیں پُرانے اتہاس سے ملتی ہے کہ جب بارھویں صدی میں جموں کے راجہ برج دیو المعروف ہیم راج نے پرتھوی راج چوہان والئ دہلی کے حکم سے کانگڑہ کو فتح کرنے کی خاطر حملہ کا منصوبہ بنایا تو اُس وقت بھی "ترکوٹی راج" باقاعدہ مسلط نہ تھا اور نہ ہی اِس خطہ میں کوئی خود مختار ریاست تھی۔ کیونکہ ترکُٹا کے علاقہ کے اردگرد سے جن لوگوں کو راجہ برج دیو کی یلغار میں سپاہیوں اور مزدوروں کو بطور بیگاری لیا گیا، اُن میں موجودہ قصبہ کٹڑہ (ویشنو دیوی) سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ایک مقام کا ایک میگھ (ہری جن) بھی تھا جو مہینوں کے بعد جب واپس گھر آیا تو جمبہ کا ایک ننھا پودا اپنے مکان کے باہر لگانے کے لئے ساتھ لے آیا تھا۔ لیکن اُس کی بدقسمتی کہ جب وُہ واپس گھر پہنچا تو اُس کے بال بچے بدنظمی اور کسمپرسی کا شکار ہو چکے تھے۔ اور جب وُہ

چمبہ کا پودا اُکھاڑنے لگا تو وہ بھی فرطِ غم سے دم توڑ گیا۔ اِس چمبہ کے درخت کے نیچے ہر سال ماہ اساڑھ کی پورنماشی، جبکہ سُدھ مہادیو اور اگھار باداجتو میں میلہ ہوتا ہے، کے دُوسرے دن یہاں میلہ لگتا ہے۔ اور اسی اعتبار سے جہاں کہ چمبہ کا درخت گاڑا گیا، اُس مقام کا نام چمبہ مشہور ہوا۔ اور اسی جگہ پیریالاکا دیوستھان قائم ہوا جسے وہاں کے لوگ بلالحاظ مذہب و ملت مانتے آ رہے ہیں۔ راجہ برج دیو والیٔ جموں کے وقت سے پیریالاکا دیوستھان کٹڑہ سے ایک میل کی دوری پر موضع کُن دردڑیاں کے پنچایت گھر کے عقب میں واقع ہے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کو جن بائیس راجگان پہاڑ کا سرتاج مانا گیا ہے، اُن کی باقاعدہ حدبندی آج کل کی طرح تو نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کے بیچ کئی علاقے سُونے پڑے رہتے تھے۔ کوئی طاقتور راجہ ہوا تو وہ ایسے علاقوں کے سرداروں سے باج وصول کر لیا کرتا۔ اور جب راج کمزور ہاتھوں میں پڑ جاتا تو ایسے علاقے بالکل ہی آزاد ہو جاتے۔ روپشتو وادی کی بیلوڑ بیل کے نیچے کے ترکُٹا کے علاقوں میں ذاتوں اور قبائل کے حسب و نسب کی بات دریافت کرنے پر یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ لوگ اپنے دھرم اور عزت کو بچانے کے لیے اِن علاقوں میں آتے رہے اور وہ جنگل جھاڑ صاف کر کے نئے دیہات بساتے رہے۔ ہر گاؤں اور برادری کا اپنا اپنا دیوتا ہوتا۔ اور جب اِن دیوتاؤں کے قصّے کہانیاں سُنی جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر تو اِن ہی ذات برادریوں کے مورثِ اعلےٰ تھے جو اپنی ریاضت، تپسیا اور عیالی کی وجہ سے دیوتاؤں کا درجہ پا گئے۔ اور دُوسرے دیوتے وہ تھے جو اِن ذات برادریوں کے اصل ماخذ اور منبع سے تعلق ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ چنانچہ دیوتاؤں کے منانے اور پُوجنے کے لئے مروجہ رسم و رواج سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اِن برادریوں کے مورثِ اعلےٰ باہر سے ہی یہاں آئے تھے۔ چنانچہ دشوار گزار پہاڑوں نے اِس علاقہ کی قدرتی فصیل کا کام دیا اور اسے بیرونی دُنیا کی تند ہواؤں سے بچائے رکھا۔

ترکوٹی کے دامن اور گھاٹیوں میں پھیلے ہوئے علاقوں پر جسے ہم بجا طور پر ترکُٹا کا علاقہ کہہ سکتے ہیں، کبھی کسی بڑے راجہ کی حکومت نہ تھی اور نہ ہی اِس علاقے کے کسی قبیلہ، ذات اور برادری نے کبھی کسی کو خراج دیا۔ اور نہ ہی یہ کبھی ریاست یا راجواڑہ کے زیرِ نگیں رہے۔ اس علاقہ کا اندرونی نظم و نسق کیسے چلتا تھا، اس کا پتہ جا بجا بنے کوٹوں سے چل سکتا ہے۔ ہر برادری کا اپنا کوٹ یعنی قلعہ ہوتا تھا۔ آپسی راجی کے دنوں میں برادری کے سبھی لوگ اپنے اپنے

کوٹ میں رہتے تھے ۔ اور اس علاقہ میں آپ راجی اور طوائف الملوکی کا دور مہاراجہ گلاب سنگھ کے عین پہلے تک رہا ۔ ان گرانوں میں رہنے والے قبیلے آپس میں لڑتے بھڑتے تھے ۔ کلیں چڑھا کرتی تھیں ۔ مراد یہ کہ ایک برادری کا حملہ دوسری برادری پر ہو جایا کرتا تھا ۔ اکثر اوقات چند شرائط پر باہمی صلح ہو جاتی ۔ اور کبھی کبھار جابر برادری کمزور قبیلہ کو بھگا کر اُس کے علاقہ پر قابض ہو جاتی تھی ۔ جیسے کہ اس علاقہ ترکٹا کے ایک قبیلہ بتن کے گاؤں بسنوت پر کلس قبیلہ قابض ہو گیا ۔ رتن ذات کے گاؤں رتنوت کو ساہڑی والوں نے ہتھیا لیا ۔ اندرونی کشمکش کے باوجود لوگوں کے مابین کچھ مسلمہ اخلاقی قدریں بھی رائج تھیں ۔ مثلاً خطہ بھاگ میں ذات بیری کی ایک عورت اپنے بھائی سے رُوٹھ گئی اور قدرتی موت مر گئی ۔ تو اُس کے لیماندگان کو نہ صرف ایک بڑا عرصہ اُس عورت کے بھائی کی اولاد سے چھنا (ہمیشہ کے لئے قطع تعلق) کرنا پڑا بلکہ اپنی بزرگ ماتا کی دہری (سماد ھ بشکل چھوٹے مندر کے) بنانا پڑی ۔ اور آج تک اس خاندان کے لوگوں کو نئے فصل کے تیار ہونے پر اس دہری میں چڑو دینا[1] پڑتا ہے ۔ اُس کے بعد وہ اس اناج کو استعمال کر سکتے ہیں ۔ اگر ایسا نہ کریں تو کوئی نہ کوئی آفت اُن پر آجاتی ہے ۔ اب تک دہری کے پجاری کے مرنے پر یہ دہری دُوسرے کو خود ہی پکڑ لیتی ہے ۔ اسی طرح ساہڑی گاؤں کی ایک عورت کے شوہر کو کسی نے ناحق مروا دیا تو وہ عورت معہ اپنے گتے کے ستی ہو گئی ۔ اُس کے پسماندگان نے ستی کی دہری بنوائی جس میں اُس عورت اور گتے کے موہرے[2] رکھے گئے جو کہ اب تک موجود ہیں ۔ اور ستی کا خاندان باقاعدہ اُسے مانتا چلا آ رہا ہے ۔

ساہڑی کے گاؤں میں گُساسی نام کا ایک دیوستھان ہے ۔ اور یہ اُس وقت کی یادگار ہے جب ساہڑی کے ایک بزرگ نے یہ علاقہ ناانصافی سے صاف کرایا اور دینے کی ایک لکڑی جو پھینکی تو موضع اڑھوگ میں جا پڑی جہاں وہ صدیوں سے آج بھی موجود ہے اور پُوجی جاتی ہے ۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کی عملداری قائم ہوئی تب کہیں جا کر اس علاقہ کے لوگوں کو قانونی

---

[1] ڈوگرہ پہاڑی ریاست میں دیوتا کو ہر چھ مہینے کے بعد فصل تیار ہونے پر اپنے استعمال سے پہلے نذرانہ کے طور پر چڑھایا جانے والا اناج ۔ [2] ایک فٹ مربع سے بھی کم پتھر پر تراشیدہ سورگباسی کی مُورتیاں جو دہری (سمادھی) میں برائے پرستش رکھی جاتی ہیں ۔

Scanned with CamScanner

حکومت ملی ۔ وزیر زورآور سنگھ نے ان علاقوں کے نظم[1] و نسق کو مستحکم کر کے صدیوں کی آپ راجی اور جابجا پھیلی ہوئی طوائف الملوکی کو ختم کیا ۔

ان پہاڑی علاقوں میں، جو کہ ریاست ترکٹا سے منسوب کئے جاتے ہیں، کبھی کسی راجہ کی باقاعدہ حکومت نہیں تھی ۔ یہ علاقہ کم و بیش آزاد علاقہ تھا ۔ اس کا تاریخی مواد اس علاقہ کے دیتاؤں کے ماخذ کے مطالعہ، دوسرے موجودہ کوٹوں کے ساتھ وابستہ قصے کہانیوں، تیسرے دہرلوں اور چھنے کی روایتوں کی چھان بین سے ہی نکل سکتا ہے ۔ جس کی کئی ایک مثالیں اور واقعات درج کئے گئے ہیں ۔

ڈینگ کھٹل کا علاقہ

جب ہم ترکٹا کے علاقہ اور اس کے آس پاس اور پڑوس کے علاقوں کی اور زیادہ چھان بین کرتے ہیں تو دھار وشنو دیوی سے پیر پنجال اور سرکنڈھ مہومنگت تک کے رقبہ میں دو علاقے ڈینگ کھٹل اور تیرہ کوٹ کے بھی

---

[1] وزیر زورآور سنگھ کے احکام کی تعمیل اکثر روہیلے سپاہی کراتے تھے ۔ ایک بار موضع ماڑی (تحصیل ریاسی) کے موجودہ نمبردار شب رام کے ایک بہادر بزرگ نے وزیر کے روہیلے سپاہی کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا ۔ جو کہ لقایا مالیہ کی وصولی کے لئے آیا ۔ روہیلے سپاہی نے ماڑی کے اس بزرگ کو ایک بڑی مذہبی قسم دے دی تھی جب کہ وہ کھانا کھا رہا تھا ۔ روہیلے نے قسم دے کر کہا کہ کھانا پھر کھانا پہلے مالیہ ادا کرو ۔ اس پر اس خود دار بزرگ نے روہیلے کو وہاں ہی ڈھیر کر دیا اور بھاگ کر اپنے ننھیال سیر سنڈھواں میں جا چھپا ۔ وزیر نے ایسے قاتل کی گرفتاری کے لئے انعام مقرر کر دیا ۔ تب اس بزرگ کے ماموں نے لالچ میں آ کر اپنے بھانجے کو دھوکے سے مار کر اس کا سر وزیر زورآور سنگھ کے پیش کر دیا ۔ وزیر نے یہ کہہ کر کہ "ہمیں ایسے خود دار اور غیرت مند بہادر کی زندہ ضرورت تھی ۔ تم نے تو وشواس گھات کیا اور معمولی انعام کی خاطر اپنے بھانجے کی ہتیا کر ڈالی ۔ اگر زندہ گرفتار کر لاتے تو انعام پاتے ۔ لیکن اس وشواس گھات کی سزا تمہیں ملنی چاہیئے ۔" اور اُسے ریاسی کی پریڈ گراؤنڈ میں زندہ گاڑ کر کتوں کی نذر کر دیا ۔ اُس دن سے آج تک سیر سنڈھواں اور ماڑی کے ان خاندانوں کے درمیان چھنا (قطع تعلق) ہے ۔ اور کہا جاتا ہے کہ اگر ماڑی کے اس خاندان سے کوئی فرد سیر سنڈھواں کا پانی بھی پی لے تو اس کے جسم پر چھالے اور آبلے پڑ جاتے ہیں ۔ اس طرح تاریخی واقعات کو سمیٹے ہوئے ہتیا اور چھنوں کے یہ سلسلے اب تک اس علاقہ میں چل رہے ہیں ۔

ملتے ہیں۔ ڈینگ بھٹل کے علاقہ کی قدرتی حد ایک طرف دریائے چناب نے قائم کی ہے۔ شمال کی طرف نالہ اسلہڑی کے اس طرف واقع کیج مستہ سے لے کر سرکنڈھ تک کا سلسلہ کوہ، مغرب میں مرگلہ کی دھار اور جنوب میں اسیری لینڈہ کی دھار اس علاقہ کی حد فاصل رہے ہیں۔ ڈینگ بھٹل کا علاقہ عام طور پر علیحدہ راج کی صورت میں ہی رہا۔ بھٹل کے علاقہ میں جو پہلا راجہ کشمیر سے آیا، وہ راجہ دیاکرن جموال والیٔ کشمیر کی اولاد سے تھا۔ اس کا نام سوم پات تھا۔ سوم پات نے بھوتی کی ریاست آباد کی۔ اسی سوم پات کی بارھویں پشت میں راجہ ناہر والیٔ بھوتی ہوا، جس کے چوتھے بیٹے نیل سی کی اولاد نے "رائے" کے خطاب سے ڈینگ بھٹل کے علاقہ پر حکومت کی۔ ڈینگ بھٹل کے رائیاں اپنی خود مختار حیثیت رکھتے تھے۔ یہ اُس وقت کبھی کسی دوسری ریاست کے مطیع نہیں ہوئے جب کہ کشتواڑ والوں کے ہاتھوں ڈینگ بھٹل والوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ ڈینگ بھٹل میں مدتوں اُس سورج بنسی خاندان کا راج رہا جن کے افراد کو آج بھی "رائے" کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ ڈینگ بھٹل میں گھوڑاگلی اور دوسری جگہوں پر بے شمار گھوڑ سواروں کے بُت ہیں۔ اور یہ اُن معرکوں کی یاد میں ہیں جو اس علاقہ کے لوگوں نے بیرونی یلغاروں کی روک تھام میں کیے۔ کشتواڑ کے راجہ کے ساتھ معرکہ میں جو کشت و خون ہوا، اُس سے آبادی میں کافی کمی واقع ہوگئی۔ اور کشمیر میں وقتاً فوقتاً قحط ہونے کی وجہ سے وہاں کے لوگ ہجرت کر کے اس علاقہ میں آباد ہوتے گئے۔ پھر بھی یہاں کُنڈ۔ دھرم کُنڈ۔ کیج مستہ۔ کلی مستہ۔ بھیم واسہ۔ سنگلدان۔ سنگلکنڈی۔ بسیری پورہ۔ مولکوٹ۔ نرسنگدھا کے نام۔ جا بجا پتھروں پر کی گئی مصوری کے نشان پہلے وقتوں کی تہذیب اور تمدن کے آثار مہیا کرتے ہیں۔

تیرہ کوٹ کا علاقہ

ڈینگ بھٹل کے بعد ہم اگر تیرہ کوٹ کے علاقہ کی طرف آئیں، جو اسی خطہ میں واقع ہے، تو پتہ چلتا ہے کہ اس خطہ میں ٹھاکراکوٹ، جج کوٹ، نران کوٹ، کینٹھی کوٹ، کھلوکوٹ، نارکوٹ، پران کوٹ، ڈھکی کوٹ، گاری کوٹ اور چلوال کوٹ وغیرہ کی صورت میں تیرہ بڑے کوٹ تھے۔ جنوب کی طرف چلی کی وہ اُونچی دھار واقع ہے جس کے عین اوپر پتھر کے سینکڑوں گھوڑ سوار بُت۔ پتھر کا ہی ساز و سامان اب تک موجود ہے اور ہر سال یہاں میلہ اس روایت سے لگتا ہے کہ کسی زمانہ میں سیالکوٹ کے راجہ سالباہن کی فوج یہاں پیل پتھر ہوگئی تھی۔ اور پتھر کے سینکڑوں گھوڑ سواروں سے یہی

تصور کیا جاتا ہے کہ یہ بجوہی سِل پتھر ہُوا لشکیہ ہے۔ جنوب مشرق میں دریائے چناب مشرق میں
دریائے اُنس۔ شمال میں چھپاٹی۔ ماکھی اور پنجی کی دھاریں اور مغرب میں گودا کو ٹلہ سلی بنہ
جانے والی دھار رنیرہ کوٹ سے اِس علاقہ کی قدرتی سرحدیں رہی ہیں۔ پچھلے تین چار سو سال کے
عرصہ میں ہی اس علاقہ کے موضع گوندالی میں ننھو نام کا ایک براہمن شہید ہُوا تھا جو مرنے کے
بعد بیدھ کا درجہ اختیار کر کے گاڑی میں پرگٹ ہُوا اور اب علاقہ بھاگ نگوت کے مختلف
مقامات پر بھی ستھاپت کیا گیا ہے۔ رنیرہ کوٹ کے علاقہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ سے پہلے کبھی
کوئی باقاعدہ راج مسلط نہ تھا۔ اور ہر کوٹ کی برادری اپنی جگہ حکمران اور خود مختار تھی۔

ترکُٹا کے سارے علاقہ کے بنے کوٹوں کی اب وسیع صورت اور جامع حیثیت تو ختم ہو
چکی ہوئی ہے (صرف ایک ڈیڑھ کے کوٹ مثلاً لڑہ کرھان کے کوٹ میں ابھی تک وسیع عمارت،
ڈھول نقارے وغیرہ اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں)۔ مگر ان کوٹوں میں دیوتا نگ کے کمرے
ابھی تک محفوظ رکھے گئے ہیں۔ ہر سال اِن کوٹوں میں یاترا ہوتی ہے۔ گڈ (پہاڑی ناچ) ہوتا ہے۔
دیوتا کے چِنھ کے سامنے جب ڈھول بنسری پر مخصوص وار لگتا ہے تو پران اور پوشکی
(پجاری اور پروہت) پر بھار (سایہ) سا پڑتا ہے۔ وہ جھومنے اور ناچنے لگتا ہے اور
لوگوں کی پچھوں (سوالوں) کا جواب دینے لگتا ہے۔ اس کے بعد لنگر عام کھولا جاتا ہے اور
کھانا کھانے کے بعد ساری رات دیوتا کو رجھانے کے لئے گڈ ناچ اور گیت بھجن ہوتے رہتے
ہیں۔ اس طرح آج بھی یہ کوٹ اُس زمانہ کی یاد دلاتے رہتے ہیں جب اپنی برادری کا
راج تھا۔ اور یہی کوٹ دن سے دن بدلتے جا رہے نظام حقوق اراضی اور بدلتے ماحول میں
یاد دلاتے ہیں کہ ساہڑی۔ رنگوت کے سڑھیال رلوٹ بھلوال رکوٹھڑی کے مندو ایک ہی
خاندان سے ہیں۔ اور پانگن دیوتا کی یاترا کے لئے پہلے ڈگسر کوٹ سے دیالوں کے ڈھول
بجانے جانے سے یہ یاد تازہ ہو جاتی ہے کہ پانچ چھ دیہات میں بسنے والی اِن برادریوں کا منبع
اعلے یہاں سے ہی اُبھرا۔ آگے بڑھا اور مختلف دیہات پر چھا گیا۔

موضع ساہڑی کے عین درمیان لینر اور دیوتی ٹھیر کے دو چکوک یہ واضح کرتے ہیں کہ
ساہڑی سے بیرلیت کے رہنے والوں کو دھکیل دیا گیا تھا۔ اور چونکہ انہوں نے ایک مشتاسی
گھاٹی کو آباد کیا تھا، اس لئے آباد ہوئی گھاٹی میں نئے گائں کا نام دھنگی دھار بیریت پڑا۔
کھوڑگ گلی میں سینکڑوں سال کا بُوڑھا کوُ کا درخت۔ اس امر کی یاد دلاتا ہے کہ کھوت۔

Scanned with CamScanner

بسنوت، رنالی نکا، ددبی گلی، لالی، دمنوت، ددھنوت اور پرنڈ کے آٹھ دیہات میں بسنے والے کلسی، دمن، رودھن اور برمس چار برادریوں کا بزرگ ایک ہی تھا۔ اور اُس نے اپنی موٹی کو دبا کر کہا تھا کہ اِس مرکز کے اِردگرد میری آل اَولاد پھلے پھُولے گی۔

علاقہ بھاگ ننگوت

گو علاقہ بھاگ ننگوت جو ریاست ترکٹا سے وابستہ کیا جاتا ہے، میں ایک راج مہاراجہ گلاب سنگھ کے پہلے کبھی نہیں رہا پھر بھی اس کی اپنی وحدت ایک یا دُوسرے طور پر مسلمہ تھی۔ (نالہ) پہاڑی علاقے میں ایک گھاٹی میں بسے گاؤں کو کہتے ہیں۔ اور بائیس نالے علاقہ بھاگ کے مشمول ہیں۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کی عملداری قائم ہوتے ہی علاقہ بھاگ ننگوت اور موجودہ پٹوار جبڑہ (تحصیل ریاسی) کے نو دیہات کا علیحدہ چکلہ دار برقرار رکھا گیا۔ اور جب قلعہ دیوی گڑھ کو عین اس علاقہ کے درمیان تعمیر کیا گیا جہاں سے ریاسی کے قلعہ بھیم گڑھ میں سگنل دیئے جاتے تھے۔ اور اس قلعہ کی پہرہ داری کے لئے ریاست گلیر (ضلع کانگڑہ) سے ایک کنبہ لایا گیا تو سول ایڈمنسٹریشن بدستور چکلہ دار لالی کے پاس رہی۔ جہاں لوگوں کو گرفتاری کی صورت میں ہاڑی میں بند کر دیا جاتا تھا۔ (ہاڑی) نام کا یہ شکنجہ عموماً کو درخت کے سالم تنے کو چھید کر تیار کیا جاتا تھا۔ جس میں مجرم کے ہاتھ پاؤں کس دیئے جاتے تھے۔ اگر کسی کو اس سے زیادہ سخت سزا ہوا کرتی تو اُسے قلعہ دیوی گڑھ میں بند کر دیا جاتا تھا۔

علاقہ بھاگ کے بائیس دیہات میں موجود تین پٹوار حلقہ ہائے لوٹ ساہڑی تحصیل ریاسی لڈہ اور لسنوت تحصیل اُودھم پور کے مواضعات۔ لڈہ، کیکھڑی، ممی، مالی، پنجر، کلوت، جھلکا بگ، مونگری، لسنوت، ددبی گلی، نالی، نکا، لالی، بیرلوت، دمنوت، ددھنوت، پرنڈ، تھنہ کوٹ، ساہڑی، رتنوت، سروٹ کوٹ، چڑالہ کوٹ، ڈنگہ کوٹ، پھگوڑی، دھرنگلی، لوٹ، گھنڈہ اور ٹھلوال واقع ہیں۔

جونہی ان علاقوں میں آپ راجی ختم ہوئی اور ریاست جموں وکشمیر کی تشکیل کے ساتھ نظم ونسق کی مرکزیت آگئی۔ تو امن وامان کی صورت یقیناً بہتر ہو گئی۔ قانون کا ایک ضابطہ بندھ گیا اور ہر شخص نذرانہ کا ایک چلکی روپیہ دے کر مہاراجہ گلاب سنگھ سے انصاف حاصل کر سکتا تھا۔ اور اُس کی مقرر کردہ عدالتوں میں پیش ہو سکتا تھا۔ لیکن اس مرکزیت کی وجہ سے چالاک اور جابر اشخاص نمبرداروں اور ذیلداروں کی صورت میں حکومت وقت

سے ایجنٹ ضرور بن گئے لیکن صدیوں کے غیر یقینی حالات اور آپ راجی کے جبر و ظلم سے چھٹکارا حاصل ہو گیا۔ اور ریاست ترکٹا کی پھیلی ہوئی بستیوں کے عوام کا یہ اندیشہ یکسر ختم ہو گیا کہ اُن کے بھر پور کھلیان، لہلہاتے کھیت اور ہری بھری بستیاں اُن کی اپنی ملکیت نہیں۔ اب کوئی شخص موٹا سا پگڑ باندھ کر یا ہاتھ میں لمبی ڈانگ لے کر اُنہیں اپنی جگہوں سے نکال نہیں سکتا۔ اور جس کی وراثت، ملکیت یا جائیداد کے وُہ وارث اور مالک ہیں۔ اُن کی اولاد بھی ویسے ہی مالک رہے گی۔ اور اُن کے موروثی حقوق قائم و دائم رہیں گے۔

ریاست جموں و کشمیر کے بننے اور اُوپر لکھے علاقوں کے اِس ریاست میں مدغم ہونے سے لوگوں کو سُکھ کا سانس ملا۔ اور صدیوں کی نا انصافی، جبر اور تشدد سے نجات مل گئی۔

تری وشنو دیوی

ترکٹا یا ترکوٹی ریاست جہاں کہ کبھی کوئی واحد حکمران یا راجہ رانا نہیں ہوا جہاں کہ مختلف برادریوں کا اپنے اپنے کوٹوں میں راج تھا۔ یہ سارا علاقہ ترکوٹی کے نام سے اِس لئے مشہور ہوا کہ جس پربت یا پہاڑ کے دامن اور گھاٹیوں میں یہ علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ اِس کی تین چوٹیاں یا کنگرے ہیں۔ اور اِسے پُورانک کتھاؤں کے مطابق ترکوٹہ پربت کہتے ہیں اور رتنی پربت بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ پربت انیک پرکار کی کانیں اپنے سینے میں مدفون کئے ہے۔ ایک سنسکرت گاتھا کے مطابق اسکنی ندی اِس پربت کی پرکرما کر کے اِس کے چرنوں کا جل اپنے میں سمیٹتی ہوئی میدانی علاقہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ اُس کے آگے پیچھے دائیں بائیں بائیس نالے ہیں جنہیں گھاٹیاں کہا جاتا ہے۔ اِس پربت کی تینوں چوٹیاں دُور میدانوں سے دکھائی دیتی ہیں۔ بائیں طرف کی چوٹی کے درمیان سطح سمندر سے ۵۳۰۰ فٹ اُونچی ایک اتینت سُندر اور رمنیک گپھا ہے۔ جہاں کہ مہالکشمی۔ مہاسرسوتی اور مہاکالی تینوں شکتیاں دُرگا بھگوتی کے رُوپ میں وشنو دیوی کے نام سے باس کرتی ہیں۔ ایسے پوتر دیو ستھان کی مہابھارت کے کونہ کونہ میں ورتن کی جاتی ہے۔ عام لوگ دیوی بھگوتی کو وشنو دیوی ترکٹا کے نام سے پکارتے ہیں۔ چونکہ یہ دیو ستھان جس پہاڑ کے درمیان میں واقع ہے اُس کی تین چوٹیاں ہیں۔ اور یہ پہاڑ اپنی چوٹیوں کی وجہ سے ترکٹا پہاڑ کے نام سے مشہور ہے، اِس لئے وشنو دیوی کا پوتر نام بھی اِسی پہاڑ کے نام سے ترکٹا پرسدھ ہوا۔ اور اِس پہاڑ کے سارے علاقوں اور دشوار گذار گھاٹیوں کو اِسی نام کی مناسبت

سے ترکوٹی ریاست کا نام دیا گیا۔ جہاں کہ مختلف برادریوں کے لوگ بسے ہوئے تھے اور یہ برادریاں اپنے اپنے مورثِ اعلیٰ کو دیوتا مان کر اپنے اپنے کوٹوں میں راج کرتی رہیں۔ جو آپس میں ضرور لڑتی رہتی تھیں لیکن کسی بیرونی طاقت کو اپنے علاقوں میں اقتدار جمانے کی اجازت دینا اُن کے لئے زندگی اور موت کا سوال بن جاتا تھا۔ وُہ برادریاں اور قبیلے اپنے اپنے بزرگوں جنہیں وُہ دیوتا کے طور مانتے تھے، کے قائم کردہ راستوں اور بنائے ہوئے رسم و رواج پر چل کر ہی اپنی سماجی اور سیاسی زندگی کی بہتری سمجھتے تھے۔ اُن قبیلوں کی آپس میں دشمنی اور اختلاف بنا رہتا تھا۔ بعض اوقات ایک برادری دُوسری برادری کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اُس کے کوٹ پر قبضہ کر لیتی۔ بلکہ ایک دُوسرے کے دیوتا کو ہٹا کر اپنا دیوتا ستھاپت کر لیتی تھی۔ لیکن جہاں تک ترکُٹا دیوی کی عظمت کا تعلق ہے اس کے سب لوگ اس پر اَگادھ وِشواس رکھتے تھے۔ بلکہ وِشنو دیوی کو اپنے دیوتاؤں سے بھی اُونچا درجہ دے کر اسے ایشوری شکتی کے طور اپنے سارے علاقوں میں دیوی بھگوتی کا راج تسلیم کرتے تھے۔ اس اعتبار سے ڈوگرہ دیس میں ترکُٹا کی ریاست ایک ایسی آزاد ریاست تھی جہاں کہ شری وِشنو دیوی کا راج تھا۔ اور آس پاس کے کسی راجہ یا رانا کو ہمت نہ پڑتی تھی کہ وُہ اِن علاقوں پر یورش کر کے قبضہ کر لے۔ جہاں کہ وِشنو دیوی کا استھان ہے۔ اور جہاں وِشنو دیوی بہ نفسِ نفیس حکمران ہے۔

ترکُٹا ریاست کے شمال میں ڈینگ بھٹاں کی خود مختار ریاست قائم تھی مغرب میں راجوری اور ریاسی کی ریاستیں تھیں۔ مشرق میں بھُوتی کرمچی اور چنینی کی ریاستیں قائم تھیں اور جنوب میں جموں اور اکھنور کی ریاستیں تھیں۔ لیکن اِن ریاستوں کے کسی بھی راجہ یا حکمران نے کبھی کسی زمانہ میں ترکُٹا ریاست جو مختلف قبیلوں اور کوٹوں میں بٹی ہوئی تھی، کو زیرِ نگیں لانے کا خیال تک نہ کیا۔ بلکہ یہ تمام راجے وقتاً فوقتاً اپنی مُرادوں اور منوکامناؤں کو پانے کے لئے وِشنو دیوی کے دربار میں برہنہ پاؤں آکر منتیں مانتے رہے۔ گویا ترکُٹا ریاست شری وِشنو دیوی کی بدولت ایک ایسا مقدس خطہ تصوّر کیا گیا تھا جس پر کسی قسم کی دستبرد وِشنو دیوی کے ایمان کے مترادف تھی۔

ترکوٹہ پہاڑ میں بسے ہوئے عوام کا زیادہ تر تعلق جموں ریاست کے راجگان اور جموال راجپوتوں سے صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ترکوٹی کا علاقہ اور

اُس کے عوام جموں ریاست کے لئے ایک ریزرو فوج اور محفوظ بنیاد تھی تو بجا رہے گا کیونکہ جب کبھی جموں کے راجوں کو بیرونی حملہ کی مزاحمت یا دُوسری ریاستوں پر حملہ اور لام بندی کی ضرورت پڑی، علاقہ ترکوٹی کے لوگوں نے بھرپور امداد کی۔ ڈوگرہ کے عظیم گوریلا جرنیل میاں ڈیڈو کی سوانح حیات اس امر کی شاہد ہے کہ وہ ترکٹا کی ان ہی پہاڑیوں میں عام طور پر گھومتا تھا۔ اور یہاں سے ہی نکل کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑتا تھا جب لاہور دربار کی فوجیں اُسے گرفتار کرنے کے لئے چھاپہ مارتیں تو ڈیڈو ترکٹا دیوی کی پہاڑیوں میں انڈر گراؤنڈ ہو جاتا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ ڈوگرہ دیس کی تاریخ راجاؤں اور رانیوں سے کہیں زیادہ ڈوگرہ عوام نے بنائی ہے۔ اگر کبھی کسی راجہ نے غیر ملکی طاقت سے جوڑ توڑ کرنا چاہا[1] تو ڈوگرہ عوام "میاں ڈیڈو" جیسے مقامی لیڈر کی رہنمائی میں اپنی آن بچانے کے لئے منظم ہو گئے۔ اور ڈوگر کی سنگلاخ زمین۔ ترچھی اور عمودی گھاٹیوں، دُشوار گذار پہاڑیوں اور گھنی خاردار جھاڑیوں نے اُنہیں گوریلا طرز کی لڑائی سے غیر ملکی دشمن کو اس دیس میں پنپنے کا موقعہ ہی نہ رہا۔ اتنا ہی نہیں۔ ڈوگر کے چند دشوار گذار پہاڑی علاقوں نے (جن میں ریاست ترکٹا کا بھی خاص طور پر نام لیا جا سکتا ہے) اُن وقتوں میں جب کھمبر کے راجے اور لوگ اپنا راج کاج اور مُلک کی سالمیت برقرار رکھنے کے لئے حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے، کئی ایک سخت جان قبائل اور لوگوں کو اپنا مذہب، عزت اور آبرو بچانے کے لئے پناہ دی۔ ایسے دشوار گذار پہاڑی علاقے صدیوں آزاد علاقوں کی صُورت میں رہے۔ جن پر کسی راجہ مہاراجہ کی کبھی حکومت نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی وُہ علاقے کبھی کسی ریاست میں شامل ہوئے۔

وشنو دیوی کا ظہور

ایک پُورانک کتھا کے مطابق جب ترتیا یُگ میں دھرتی کے اتیاچاروں اور سینہ زوریوں سے دُکھی تھی۔ اور بڑے بڑے دیوتا پریشان ہو اُٹھے۔ اور پرتھوی پر دھرم کا ناش ہو رہا تھا۔ بے انصافی اور نحوست بڑھ

---

[1] جب [illegible] میں مہاراجہ رنجیت دیو کے پوتے راجہ جیت سنگھ کے زمانہ میں میاں [illegible] تمام ریاست جموں اور اکھنور کے راجہ عالم سنگھ نے لاہور دربار سے جوڑ توڑ کرکے ۳۷ ہزار روپیہ سالانہ خراج پر سمجھوتہ کر لیا۔ تو میاں ڈیڈو نے اس سمجھوتہ کے خلاف علم بلند کرکے جموں پر سے لاہور دربار کا قبضہ ختم کرنے کا پرن لیا تھا۔

چکے تھا تب تمام دیوتاؤں نے پرتھوی ماتا کو لے کر وشنو بھگوان سے پکار کی کہ دنیا میں امن و نقصان اور دھرم کی مریادا بھنگ ہو رہی ہے۔ راکششوں نے دیوتاؤں کو تنگ کر رکھا ہے اور نیکی پر بدی کا غلبہ ہو چکا ہے۔ اس لئے ہے پربھو! پرتھوی کے سنکٹ اور کشٹ دُور کرنے کا کوئی اُپائے کرو۔ تو وشنو بھگوان نے فرمایا کہ میں جلد ہی ایودھیا کے راجہ دشرتھ کے گھر رام اوتار دھارن کروں گا۔ تم سب دیوگنوں کو بھی پرتھوی کا دُکھ ہرنے کے لئے انسانی رُوپ میں میری سہایتا کے لئے آنا ہوگا۔

اِس کتھا میں آگے چل کر لکھا ہے کہ جب وشنو لوک کے اِس فیصلہ کے مطابق سب دیوتاؤں نے پرتھوی پر انسانی رُوپ میں جنم لیا اور وشنو بھگوان بھی رام اوتار لے چکے تو ایک دِن برہم لوک میں سرسوتی، ساوتری اور گایتری ہر سہ شکتیاں بھگوان کے اِس کرتیہ پر محوِ گفتگو تھیں تو سرسوتی نے اپنی سکھیوں سے کہا کہ جب خود وشنو بھگوان اور بڑے بڑے دیوتا بھی اپنے اپنے لوک چھوڑ کر بھارت ماتا کو مصائب سے نجات دلانے کے لئے مات لوک میں پہنچ چکے ہیں تو ہمیں بھی کچھ نہ کچھ حصّہ اِس کاریہ میں ڈالنا چاہئے۔ چنانچہ تینوں مہا شکتیوں نے اِس پر فقرے بچار کیا اور طے پایا کہ ہم ایک ایسی ادبھت شکتی دُنیا پر پرگٹ کریں جو پتی برت دھرم اور بھگتی میں اپنی مثال آپ ہو۔ اور رام کی قائم کردہ مریادا کی صحیح طور پر پالن کرنے والی ہو۔ چنانچہ تینوں سکھیاں بیک زبان منتر اُچارن کرنے لگیں اور اپنی مایا سے انہوں نے ایک سُندر اور من موہنی کنیا کو پرگٹ کیا۔ اور اُسے کہا کہ بھارت کے دکشن دیس میں ایک رتناکر ساگر نام کا براہمن ہے جو ہم تینوں کا اُپاسک ہے۔ ہماری یہ اِچھیا ہے کہ تم اُس کے گھر جا کر جنم لو اور منش رُوپ دھارن کر کے اپنی عجیب و غریب لیلاؤں سے پرتھوی کے سنکٹ اُتار کر امر ہو جاؤ۔ ہم نے تم کو ہر ایک گُن اور شکتی کے ساتھ وشنو بھگتی بھی دے دی ہے۔ اور اسی مناسبت سے تمہارا نام ویشنو کل سرشٹی میں ازل تا ابد مشہور رہے گا۔

رتناکر ساگر دکھن دیش میں مہا شکتی کا اُپاسک تھا۔ اُس کے گھر مہا شکتیوں کے آشیرواد سے پیدا کی ہوئی دیوی نے اوتار دھارن کیا۔ اور بال اوستھا میں ہی وہ ادبھت کوتک اور وچتر لیلائیں رچنے لگی جس سے رتناکر ساگر نے جان لیا کہ جو کنیا اُس کے گھر جنمی ہے یہ تو ساکشات ویشنو دیوی ہے۔ چنانچہ وہ اُسے اپنی لڑکی کے طور نہیں بلکہ

مہادیوی کے طور پُوجنے لگا۔ لوگوں میں اِس بات کا چرچا ہوُا کہ رتناکر ساگر کے ہاں ایسی دیوی نے جنم لیا ہے جس کی لیلائیں نیاری ہیں۔ رتناکر ساگر کے گھر میں رشیوں مُنیوں اور نر ناریوں کا تانتا لگا رہتا۔ اور ایک دن ویشنو دیوی نے رتناکر ساگر سے کہا کہ دُنیا کے اِن ہنگاموں سے مَیں کہیں دُور جا کر رہنا چاہتی ہوں تا کہ میری رام بھگتی اور تپسیا پُورن ہو سکے۔ اور میری سمادھی بھنگ نہ ہو۔ اِس پر اپنے دُنیاوی پتا سے اجازت لے کر ویشنو دیوی نے سمندر کے کنارے آکر ایک کُٹیا میں نواس کیا اور پربھو بھگتی اور بھجن میں لین ہو گئی۔

بھگوان رام سے بھینٹ

ایک دن کسی مُسافر نے دیوی سے آکر کہا کہ بھگوان رام نے اپنی پتنی سیتا کو چھڑانے کے لئے لنکا کے راجہ راون پر چڑھائی کی ہے اور آج وُہ اپنی سینا سمیت اِسی راہ سے گزر رہے ہیں۔ دیوی نے سُنا تو جامے میں پھُولی نہ سمائی اور بے تابانہ بھگوان رام کے سواگت میں مگن ہو گئی۔ بھگوان رام کے بیٹھنے کے لئے ایک پتھر کی شِلا صاف کر کے کُٹیا میں رکھ دی۔ پھل پھُول اور قند مول۔ دھُوپ دیپ کنول کے پتّوں میں سجا دئے کہ بھگوان آئیں تو اُن کی آرتی اُتاری جائے۔ اور راہ میں آنکھیں بچھائے رام کا انتظار کرنے لگی۔ اِتنے میں دیکھتی کیا ہے کہ بھگوان رام لکشمن اور ہنومان کے ساتھ کُٹیا کے سامنے آرہے ہیں۔ تو ویشنو دیوی نے آگے بڑھ کر اُن کے سواگت میں ہاتھ جوڑے اور اُنہیں اپنی کُٹیا میں لاکر شِلا پر بِٹھا دیا۔ نہایت شردھا سے بھگتی پُوروک بھگوان رام کی آرتی اُتاری تو رام نے اُس کا حسب نسب پُوچھا۔ اور یہ بھی کہا کہ اِس اکیلے بن میں ایسے جنگل میں رہنے کا مقصد؟

ویشنو دیوی نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا کہ "مَیں رتناکر ساگر براہمن کی پُتری ہُوں۔ اور اِس دنڈک بن میں آپ کی بھگتی اور سمرن کے لئے مدت سے بیٹھی ہوں ہے رام! مَیں آپ کے پریم میں سنسار کے تمام سُکھوں کو تیاگ چکی ہوں اور بال اوستھا سے آپ کو اپنا سوامی مان کر اِس حالت کو پہنچی ہُوں۔ اب کرپا کیجئے۔ آئے ہیں تو داسی کو اپنے چرنوں میں جگہ دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داسی بنا لیجئے۔" یہ کہہ کر ویشنو سر جھکائے رام کے چرنوں میں بیٹھ گئی۔ جب ویشنو کی یہ بات بھگوان نے سُنی تو وہ سخت پریشان ہوئے۔ اور بولے "ہے دیوی! تمہیں اپنی پتنی بنا لُوں، یہ ناممکن سی بات ہے۔ مَیں پہلے ہی شادی شدہ ہُوں اور پتنی برتا دھارن کیا ہوا ہے۔ اِس لئے مجھے اپنا یہ پرن توڑنا گوارا نہیں اور

میں اپنے دھرم کو ہرگز چھوڑ بھی نہیں سکتا۔" تو وشنو بولی "جو آپ فرما رہے ہیں بجا ہے لیکن میں بھی تو اپنا پرن ٹال نہیں سکتی۔"

رگھونندن نے وشنو کی طرف بغور دیکھا اور کہا "سن دیوی! تم ایک ان ہونی بات کہہ رہی ہو۔ اور سنسار کے موہ میں پھنس کر اپنے جپ تپ اور بھگتی کا سارا پھل گنوا رہی ہو۔ اس لئے تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم میری پتنی بننے کا خیال چھوڑ کر ایشور پریم میں مگن رہو۔ کیونکہ میں اپنی پتنی کی موجودگی میں تمہیں کبھی نہیں بر سکتا۔ اس لئے مجھے معاف کرو اور اپنی بھگتی اور شردھا کا مذاق نہ اڑاؤ۔"

اس پر وشنو دیوی بوکھلا اٹھی اور غصہ سے لال پیلی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا کہ بھگوان نے اس کا اپمان کیا اور اس کے پوتر پریم کی توہین کی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور غصہ سے بولی "مجھے آپ کے ایسے اپدیشوں کی ضرورت نہیں۔ میں تو کئی برسوں سے آپ کو اپنا سوامی بنائے بیٹھی ہوں اور پرتگیا کر چکی ہوں کہ اگر بیاہ کروں گی تو رام سے لیکن آپ تو مجھے باتوں میں پھسلا کر میری بھگتی، پریم اور شردھا کو ٹھکرا رہے ہیں اور مجھے دھتکار رہے ہیں۔ یہ سراسر میرا اپمان ہے۔ ذرا سوچئے کہ کیا کوئی ستیہ وتی اپنے سے کی گئی ایسی بدسلوکی کو کبھی برداشت کر سکتی ہے؟ اور سن لیجئے پربھو! اگر آپ مجھے اپنی داسی نہ بنائیں گے تو میرے شاپ کی جوالا سے بھسم ہو جاؤ گے!"

وشنو کا پشچاتاپ

شری رام نے جب وشنو کے غصہ بھرے الفاظ میں شاپ کے الفاظ سنا تو سکانپ اٹھے۔ لیکن مسکرا کر کہنے لگے کہ "دھیرج اور شانتی کرو دیوی! گیانی جن موہ کے وش میں ہو کر اپنے تپ بل اور بھگتی شکتی کو بھنگ نہیں کیا کرتے۔ میں تیرا مہمان ہوں۔ اور مہمان بھی وہ جسے تم اپنا سوامی مان چکی ہو جس کی آرتی اتار رہی ہو۔ جس کی یاد اور سمرن میں برسوں تم نے گزار دیئے۔ اب آپ سے ہی اپنے شاپ کی جوالا سے بھسم کرنے پہ اتر آئی ہو؟ سوچو تو کہ یہ تیرا کرتویہ کہاں تک درست ہے۔ تم موہ ممتا میں پھنس کر راستے سے بھٹک گئی ہو اور تمہیں ابھیمان ہو گیا ہے جو کہ کسی بھی طرح اس دیوی کے لئے واجب نہیں جو اپنے آپ کو ستیہ وتی کہتی ہو۔"

شری رگھونندن کے ان میٹھے بچنوں کا وشنو پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ کھڑی نہ رہ سکی اور جھٹ سے رام کے چرنوں میں گر کر کشما مانگنے لگی۔ "ہے پربھو! مجھ سے گھور اپرادھ

ہوا۔ مَیں مُورکھ ہوں۔ مجھے دھرم اور ادھرم کا گیان نہیں رہا۔ اور اپنے تپ کی تشنی کے ابھیمان میں آکر ایسا کچھ آپ کو کہہ گئی جس سے میری آتما مجھے خود دھتکار رہی ہے۔ بھگوان! میرا ابھیمان ٹوٹ گیا ہے۔ مجھ پر دیا کرو۔ اور اب اِس گھور پاپ کا پراشچت کرنے کے لئے مجھے جل مرنے کی آگیا دیجئے تاکہ مجھے سنسار کے موہ سے چھٹکارا مل جائے۔" اور وشنو کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

بھگوان رام کا وعدہ

رگھونندن نے جب وشنو کی ایسی حالت دیکھی تو اُسے کہنے لگے۔ "تم کیا کہہ رہی ہو؟ اپرادھ کس لئے کشما مانگ رہی ہو اور پھر آتم گھات کا دُوسرا اپرادھ کرنے کی تیاری کر رہی ہو؟ یاد رکھو گیان وان کبھی ایسا بچار اپنے دِل میں لانا بھی پاپ سمجھتے ہیں۔ تم نے جو کچھ مجھے کہا، مَیں نے سُن لیا۔ اور اب جبکہ تمہارے گیان چکشو کھل گئے ہیں تو مَیں بھی تمہارا اپرادھ دِل سے معاف کر چکا ہوں۔ اور سُنو! مَیں تمہاری شردھا اور بھگتی سے خوش ہو کر یہ بچن دیتا ہوں کہ مَیں تمہیں ملنے کے لئے ایک بار پھر اِس کُٹیا میں آؤں گا لیکن بھیس بدل کر۔ اگر تم نے اُس وقت مجھے پہچان لیا تو مَیں تجھے اپنی پتنی مان لُوں گا۔"

اور بھگوتی اپنے آشرم میں رام کی یاد اور انتظار میں محو ہو گئی۔

رام راجیہ

برسوں بیت گئے۔ شری رام چندر راون کو مار کر اور لنکا کا راج بھبھیکشن کو دے کر واپس ایودھیا میں اپنی دھرم پتنی مہارانی سیتا کے ساتھ آ گئے تھے۔ رام راجیہ میں لوگ خوشحالی کے دن بتانے لگے۔ تو ایک رات شری رام کو خواب میں وشنو دیوی دکھائی دی جو سُوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی اور رام رام جپتے بھگتی اور پریم کے اُس درجہ پر پہنچ گئی تھی جہاں آتما اور پرماتما کا بھید مٹ جاتا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ بھگوتی وشنو کو تو اپنے آپ کی بھی سُدھ نہیں۔ اگر کچھ ہے تو ہونٹوں پر رام کا نام اور آنکھیں کُٹیا کے باہر رام کی آمد کے انتظار میں بچھی ہوئی ہیں۔ بھگتی اور پریم کا ایک ایسا مجسمہ اُنہیں نظر آیا کہ وشنو پر خود ہی رشک کھانے لگے۔

رام کی وشنو کُٹیا میں آمد

صبح ہوئی تو رام چندر جی نے لکشمن کو ساتھ لیا اور وشنو کے آشرم کو چل دئیے۔ آشرم کے نزدیک پہنچے۔ لکشمن کو ایک طرف چھوڑا اور خود ایک کوہڑی سادھو کے رُوپ میں وشنو کے دوار پر کھٹکھٹا

کے لیے صدا لگائی۔ ویشنو نے اُٹھ کر اُس کی جھولی میں قند مُول ڈال دئے اور سادھو مُسکراتا ہوا ویشنو کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ویشنو کو خیال آیا کہ کہیں رام تو نہیں ہے جو اِس سادھو کے رُوپ میں اپنا وعدہ پُورا کرنے آئے تھے۔ اپنی بھُول پر پشیمان ہو رہی تھی کہ لکشمن جی بھگوان کو تلاش کرتے ویشنو کی کٹیا میں آ گئے۔ اور آتے ہی بولے "شری رگھونندن تو آپ کے پاس آئے تھے۔ شاید آپ اُنہیں پہچان نہیں سکیں۔ وہ کہاں گئے ہیں؟" اِس پر ویشنو دیوی کا سر چکرا گیا اور وہ دھڑام سے دھرتی پر گر کر بے ہوش گئی۔ بھگوان رام وٹ میں کھڑے اپنی لیلا دیکھ رہے تھے۔ اُن سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ جھٹ سے اپنے اصلی رُوپ میں آ کر بھگوتی کو ہوش میں لانے لگے۔ جب بھگوتی ہوش میں آئی تو اُس نے بھگوان کو نمسکار کی۔ چرن چھُوئے اور کہا "بھگون! آپ جیتے مَیں ہاری۔ مَیں پریکشا میں پُوری نہ اُتر سکی۔ اب داسی پر دیا کیجئے اور شرن پڑے کی لاج رکھئے تا کہ میرا اُدھار ہو سکے۔"

ویشنو کو بَردان

رام بولے "اے دیوی! وہ کون سا گُن ہے جو تمہارے پاس نہیں۔ تیرا اُدھار تیرے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم نے پرتگیا پالن کرنے کا اُپائے پُوچھا ہے تو سُن! بھارت ورش کے اُتر میں ایک ترکوٹ پربت ہے۔ جسے منی پربت بھی کہتے ہیں۔ اِس پربت میں ایک وِشال گُپھا ہے۔ اُس میں جا کر تو تپ کر۔ جب کل یُگ آئے گا اور مَیں کلکی اوتار دھارن کروں گا تو اُس وقت مَیں تمہیں اپنی پتنی بنا لُوں گا۔" تو ویشنو دیوی نے سوال کیا۔ "ہے پربھو! مَیں اُس وقت تک کیسے زندہ رہوں گی اور اُس اکیلے بن میں میرا کون رکشک ہو گا اور کیسے معلوم ہو گا کہ یہ ویشنو کون ہے؟"

رگھُوور نے جواب دیا کہ جب منی پربت پر جا کر تُو سمادھی لگائے گی۔ مَیں تجھے بَردان دیتا ہوں کہ تُو اُسی وقت امر ہو جائے گی۔ اور بھارت کا بچّہ بچّہ تجھے ویشنو دیوی کے نام سے یاد کرے گا۔ اور تیرے دربار میں بھگتوں سنتوں اور نیک لوگوں کی بھیڑ رہے گی اور تیری آرادھنا کر کے اپنی منو کامنا پائیں گے۔"

تب سے اپنے رام بھگوان کی آگیا مان کر ترتیا یُگ سے ویشنو دیوی ترکٹا پربت پر براج رہی ہیں۔ ترتیا کے بعد دواپر آیا۔ مہا بھارت کے زمانہ کے بعد سرشٹی میں کئی اُتھل پتھل

ہوتے۔ زمانہ کہیں سے کہیں جا پہنچا۔ صدیاں بیت گئیں۔ دُنیا نے کیا کیا رنگ بدلے۔
لیکن بھگوتی ویشنو کے تئیں لوگوں کی شردھا میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ
لوگ ویشنو دیوی کے ستھان پر آتے ہیں اور یہاں آکر ماتا کے درشنوں سے فیض
پانا اپنا دھرم مانتے ہیں۔ ویشنو اپنے بھگوان رام کے بردان سے ترکٹا پربت کی وشال
گپھا میں سمادھی لے کر امر ہو چکی ہے۔ بھگوتی کا یہ ستھان ریاست جموں و کشمیر کی سرمائی
راجدھانی جموں سے چالیس میل شمال میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دواپر میں پانچوں بھائی
اپنے بن باس کے ایام میں بھگوتی ویشنو دیوی کے درشنوں کے لئے یہاں آئے اور اپنی
کامیابی کے لئے پرارتھنا کر کے بردان حاصل کیا۔

پنڈت شری دھر کو دیوی کے درشن

مہابھارت کے زمانہ کے بعد صدیوں یہ ستھان لاپتہ رہا اور ساتویں صدی
میں موضع ہنسالی (تحصیل ریاسی) کے پنڈت شری دھر کو ویشنو دیوی نے کنیا کے رُوپ
میں درشن دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ شری دھر پنڈت لاولد تھا۔ وہ اولاد کی خواہش لئے
موجودہ قصبہ کٹڑہ کے بھونیشوری دیوی کے بھومکا مندر میں نوراتروں کے دنوں میں
ہر روز کنیا پُوجن اور دیوی بھگوتی کا پاٹھ کیا کرتا تھا۔ ان کنیاؤں میں بھگوتی ویشنو
دیوی بھی کنیا کے رُوپ میں آتی تھی جو دوسری لڑکیوں کو مٹھائی اور پھل وغیرہ دیا کرتی
تھی۔ نوراتروں کے خاتمہ پر جب شری دھر ہون وغیرہ کر کے کنیا پُوجن کر چکا، تمام
لڑکیاں اپنے گھروں کو چلی گئیں، تو شری دھر نے کنیا کے بھیس میں آئی ہوئی ویشنو کو اپنے
پاس بٹھا لیا اور حسب نسب پُوچھا۔ تب بھگوتی نے اُسے کہا کہ پہلے تم بھوجن کرو۔ پھر
سب کچھ معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آتی ہوں۔ لیکن شری دھر بضد
رہا کہ جب تک تمہارا ٹھور ٹھکانہ معلوم نہ ہوگا، میں ہرگز کھانا نہ کھاؤں گا۔ تو دیوی بولی
کہ کہو کیا کھانے کی اچھیا ہے۔ میں وہی کچھ لا دیتی ہوں۔ چنانچہ بھگوتی نے شری دھر کو
وہاں ہی بیٹھے بٹھا۔ لے سالوک بھوجن کا ایک تھال پروس دیا۔ اس کے بعد دیوی نے
شری دھر سے کہا کہ تمہاری منو کامنا سپھل ہو گی۔ لیکن تم پرتگیا کرو کہ ترکوٹ پربت کی
بائیں چوٹی کے درمیان گپھا میں جو میرا ستھان ہے، اُس کی پُوجا کیا کرو گے اور تمہارے بعد
تمہاری اولاد بھی میری پُوجا کا فرض ادا کرے گی۔ شری دھر نے ہاتھ جوڑ کر دیوی کو بچن

دیا۔ اور وشنو دیوی نے کہا کہ تمہارے ہاں چار لڑکے ہوں گے اور تمہارا خاندان پھلتا پھولتا رہے گا۔ چنانچہ وشنو دیوی کی پوجا آج تک شری دھر کے خاندان کے افراد میں اپنی باری پر چلی آتی ہے۔

وشنو ستھان کا انتظام

شری دھر ترکٹا کی گپھا میں پہنچ کر ہر روز پوجا کرنے لگا۔ آس پاس کے لوگوں کو جب شری دھر کی زبانی وشنو دیوی کے پرگٹ ہونے کا علم ہوا تو وہ اس مقدس گپھا کی نگہبانی کرنے لگے اور عام لوگوں کی آمد و رفت بھی دیوی درشنوں کے لئے بڑھنے لگی۔ دیوی کی پنڈی پر چڑھاوا ہونے لگا۔ اور اس چڑھاوے کے روپیہ پر پہلے تو مقامی راجپوت برادریوں میں دنگا فساد ہوا، پھر سمجھوتہ ہو گیا۔ جس کے مطابق درووڑے، کھس اور مینوترے اس چڑھاوے کے حصہ دار قرار پائے جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔

راجگان ڈوگرہ دیس کی عقیدت

ساتویں صدی کے وسط میں جموں کے راجہ کرتی دھر نے ترکٹا پربت میں اپنی کسی غلطی کے لئے وشنو دیوی کی گپھا میں آکر پرائشچت کیا اور وشنو کی مورتی حاصل کر کے اپنے محلات میں روزانہ پوجا کے لئے رکھی تھی۔ اور جموں کے راجہ جس دیو بانئ جسروٹہ نے گیارھویں صدی کے آغاز میں وشنو دیوی کے درشن کر کے منت مانی تھی۔

راجہ کرپال دیو والیٔ ریاست باہو نے اٹھارھویں صدی کے وسط میں وشنو ستھان پر ننگے پاؤں آکر پوجا کی۔ اور کٹڑہ میں درشنی دروازہ، بھومیشوری اور چرن پادکا کے مندر جو خستہ حال ہو چکے تھے، دوبارہ تعمیر کرائے۔ بال گنگا سے لے کر وشنو دیوی کے دربار تک ڈھکی بنوائی جو آج بھی یاتریوں کے آنے جانے کا راستہ ہے۔

اٹھارھویں صدی کے اخیر میں جموں کے راجہ رنجیت دیو نے وشنو گپھا کا بیرونی دروازہ اور آدکماری کا مندر تعمیر کرایا۔ اور ڈوگرہ دیس کا عظیم گوریلا جرنیل میاں ڈیڈو تو ہر سال نوراتروں کے دنوں سے پہلے گپھا تک آنے والے راستوں کی مرمت کرواتا تھا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ لاہور دربار کی ملازمت سے پہلے اور دوران کئی بار یہاں آکر منتیں مانتا رہا۔ اور جب ریاست جموں و کشمیر کی تشکیل کر کے خود مختار حکمران بنا اور

ڈوگرہ دیس کی ریاستیں، جن میں ترکٹا ریاست بھی شامل تھی، اپنی وسیع ریاست میں مدغم کرلیں تو سب سے پہلے اُس نے ویشنو ستھان کی تعمیرات پر توجہ دی۔ سونے کی ایک بڑی مُورتی بنوا کر بھگوتی کو بھینٹ کی۔ یاتریوں کے ٹھہرنے کے لئے ایک وشال دھرم شالہ بنوائی۔ ویشنو دربار میں ایک اٹکا بھی رکھ دی تاکہ دانی لوگ اپنے دان کی رقم اس بہی پر اپنے دستخطی درج کریں۔ اٹکا کی ایسی رقومات ویشنو دیوی کی عمارات پر خرچ کی جاتی رہیں۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے کئی بار یہاں آکر ویشنو دیوی کے درشن کئے۔ یاتریوں کی رہائش کے لئے عمارات میں اضافہ کیا اور زیر آرٹیکل نمبر ۲۲ مورخہ ۲ نومبر ۱۸۸۴ء شری ویشنو دیوی پیٹھ کا اہتمام دھرم ارتھ ٹرسٹ کے آئین کے تحت کر دیا۔ یہ ٹرسٹ انسانی بھلائی ہندو دھرم کے پرچار اور مستحق غرباء کی امداد کے لئے اپنے ذاتی دان کردہ دھن دولت سے قائم کیا تھا۔ دھرم ارتھ ٹرسٹ کا پہلا مہتمم گنپت شاہ براہمن مقرر کیا۔ ہندوستان کے دیگر دیوستھانوں پر جاری کردہ سدابرتوں کی مانند ویشنو دیوی پیٹھ میں بھی سدابرت ۶ ستمبر ۱۸۷۰ء میں زیر نگرانی کھڑو شاہ مہتمم دھرم ارتھ جاری کیا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ والئی جموں و کشمیر شری ویشنو دیوی کے سچے بھگت تھے۔ آج کل مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ سول ٹرسٹی دھرم ارتھ ٹرسٹ ویشنو دیوی ستھان کی تعمیرات میں انتہائی دلچسپی لے رہے ہیں۔

آج کل پوتر گپھا اور اس کا بازار اور ساری عمارتیں بجلی کی روشنی سے جگمگا رہی ہیں۔ پنجاب اور ہندوستان کے اکثر دانیوں نے کٹڑہ سے لے کر ویشنو دربار تک یاتریوں کی سہولیت کے لئے اپنی بساط کے مطابق کام کرائے ہیں۔ ریاست کی حکومت نے کٹڑہ سے ویشنو دربار تک گھوڑ سواری کی سڑک تعمیر کرائی ہے جس سے راستہ کی تمام دشواریاں اور دم توڑ چڑھائی کی سختیاں دُور ہو گئی ہیں۔ یاتریوں کو اس سے آنے جانے میں بہت آسانی ہو گئی ہے۔

گورو گوبند سنگھ کی ویشنو یاترا

یہ امر یہاں قابل ذکر ہے کہ بھگوتی ویشنو کے درشنوں کے لئے ۱۶۷۲ء میں سکھوں کے دسویں گورو سری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج آئے اور وہ جموں میں راجہ گجے سنگھ والئی جموں کے مہمان رہے۔ اُنہوں نے ویشنو دیوی کی گپھا میں جا کر دھرم یدھ میں کامیابی کے لئے منّت مانی۔ اسی طرح ڈیرہ بندہ بیراگی جو کہ کٹڑہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ڈیرہ بابا بندہ کے نام سے ستھان

ہے۔ وہاں سے وُہ بھی اکثر ولیشنو درشنوں کے لئے آیا کرتا تھا۔

حقوق ملکیت کا ریکارڈ

۱۹۰۳-۰۴ء میں دوران بندوبست اراضی دیوستھان ولیشنو دیوی کے حقوق کا ریکارڈ ذیل کے واقعات پر مرتب کیا گیا:-

(۱) شری ولیشنو دیوی کی کُل چڑھتل اوسطاً پندرہ سولہ ہزار روپیہ سالانہ تصوّر کی گئی۔[۱]

(۲) شری ولیشنو دیوی کی مقدس گپھا اور رکیری سے نیچے تمام جنگل جو کہ نالہ جھجر اور پبھی کے واٹر شیڈ کے درمیان ہے، ولیشنو دیوی کی ملکیت تصوّر ہو کر درج ریکارڈ ہوا اور دیوستھان کے انتظامات اور جنگل کا ذمہ دار دھرم ارتھ ٹرسٹ منصوّر ہوا۔ صرف سات مرلے زمین گپھا کے باہر باریداران کی معرفت ولیشنو دیوی کی ملکیت درج ہوئی۔ شری دیوی ترکٹا کی چڑھتل کی تمام آمدن پرانے باریداران کھس۔ درووڑے اور ہنیترون کا حق ریکارڈ کیا گیا۔ مگر وُہ سادھوؤں کے سدا برت۔ دھوئی کی لکڑی بکٹوشالہ کے اہتمام۔ پجاریوں کے خرچ۔ لوچا سامگری۔ نئی وید۔ اکھنڈ جوت کے تیل کا خرچ متواتر چلانے اور گپھا کی حفاظت کے نااہل سمجھے گئے اور ان اخراجات کے لئے اکیس صد روپیہ سالانہ دھرم ارتھ ٹرسٹ کو ادا کرنے کے ذمہ دار قرار دئے گئے۔ یہ باری داران اپنی اپنی باری پر ولیشنو دیوی کی گپھا کے اندر کی چڑھتل کے حقدار منصوّر ہوئے۔ اس دیوستھان کے پہرہ کے لئے مناسب نفری زیر ہدایت دھرم ارتھ رکھنا بھی ان ہی باری داران کا فرض منصبی قرار دیا گیا۔ اور پہرے داروں کی وردیوں کے لئے رقم بھی باری داران سے ہی وصول کرنے کا فیصلہ طے پایا۔ ولیشنو دیوی کے اس مقدس ستھان کی ڈوگرہ دیس میں خاص اہمیت اور عظمت ہے۔ جہاں کہ پہلے وقتوں میں صرف تین ماہ کی یاترا چلتی تھی؛ اب سارے سال کی یاترا ہو گئی ہے۔ اور اسی یاترا کی بدولت ولیشنو دیوی کے چرنوں میں واقع قصبہ کٹڑہ کی رونق کو چار چاند لگے ہیں۔ اور اس کٹڑہ کو ماڈل ٹاؤن بنانے کی سکیم حکومت کے زیرِ غور ہے۔

---

[۱] لیکن آج کل اس چڑھتل کی رقم کا اندازہ تین لاکھ سے بھی اُوپر خیال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر سال دو لاکھ کے قریب یاتری یہاں درشنوں کو آتے ہیں۔

ریاست اکھنور

ریاست اکھنور بھی ڈوگرہ دیس میں ایک پُرانی ریاست ہے۔ اسے اگنی کل کے ایک راجہ نے، جو پرمار خاندان سے تھا، آباد کر کے اپنی خود مختار حکومت قائم کی تھی۔ ٹاڈ راجستھان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مہاراجہ اگنی کے کُل کے متعلق ہند ایک رشی جب بھی اَبو پہاڑ پر یگیہ اور ہون کرنے لگتے، راکشش آ کر اُن کا یگیہ بھنگ کر دیتے جس سے رشی لوگ سخت تنگ آ گئے۔ تو انہوں نے آپس میں بچار کیا کہ اگر کوئی کشتری شنور بیر یگیہ کی حفاظت کرنا مان لے تو ہمارا یگیہ سمپورن ہو سکتا ہے۔ چنانچہ چار کشتری نوجوانوں نے رشیوں کے یگیہ کی حفاظت کا بیڑا اُٹھایا اور رشیوں نے مشہور کر دیا کہ یہ نوجوان آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور پہلا نوجوان جو یگیہ کی حفاظت کے لئے مامور ہوا، جب یگیہ ہون ہونے لگا اور راکشسوں نے یگیہ شالا کو اپوتر کرنے کی ٹھانی تو اس محافظ نوجوان نے "مار مار" کے الفاظ باآواز بلند پکارے تو اُس کا نام پرمار[1] پڑ گیا۔ اور آگ سے پیدا شدہ کشتری نوجوانوں کی اولاد پرمار یا پنوار مشہور ہو گئی۔

اسی نوجوان کی ایک سو چھیالیسویں پُشت میں مہاراجہ بکرماجیت والئے اُجین ہوا۔ جس نے دہلی کی حکومت کا الحاق بھی اُجین سے کر لیا۔ بکرمی سمت اسی مہاراجہ نے رائج کیا اور بکرماجیت کی بیسویں پُشت میں یعنی اُس کے سمت ۱۱۲۱ میں مہاراجہ بھوج پیدا ہوا۔ مہاراجہ بکرماجیت کے حالات کی کتاب بیتال پچیسی اور مہاراجہ بھوج کے حالات کی کتاب سنگھاسن بتیسی مشہور کتابیں ہیں۔ اور کوی کالیداس جو کہ مہاراجہ بھوج کے زمانہ میں ہوا ہے نے اِس خاندان کے حالات بزبان سنسکرت لکھے ہیں۔ اِس خاندان، پنوار یا پرمار کی مکمل تاریخ لکھنے کے لئے وقت درکار ہے۔ لیکن چند ایک مورخین اِس خاندان کو اگنی بنس کی بجائے چندر بنس سے وابستہ سمجھتے ہیں۔

خاندان پرمار کی ۳۵ شاخیں جا بجا ہندوستان میں پھیل گئیں۔ مہاراجہ بکرماجیت

[1] "پرمار" کی وجہ تسمیہ ہمیں ایک ہندی ونشاولی سے ملی ہے۔ کہ جب رشیوں نے (باقی فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر)

کی ۱۲ویں پشت میں بتاچ نام ہوا۔ پنجاب میں آیا۔ جب مہاراجہ پرتھوی راج چوہان دہلی کا تخت نشین تھا۔ تو اس کی اولاد ضلع ہوشیارپور جالندھر اور کپورتھلہ میں پھیل گئی۔ دوسرا خاندان بھاتاڑ کے دوآبہ میں آیا۔ یہ ہر دو خاندان تھتہ راجپوت پرمار نامزد ہیں۔ تیسرا خاندان ڈوڈ ہے جو کہ گڑھ دانسوال میں جاگیردار ہے۔

اسی خاندان پرمار سے ایک خاندان موسومہ انبارائیاں ریاست جموں وکشمیر کی تحصیل اکھنور میں آباد ہے۔ شجرہ نسب خاندان پرمار سے پایا جاتا ہے کہ مہاراجہ بھوج والئے اجین کی ستھویں پشت میں راجہ جگدیو لوار (پرمار) ہوا۔ یہ راجہ خاندان پرمار کے مورث اعلیٰ راجہ اودے دت کے چھوٹے بھائی ننگ کا بڑا پوتا تھا۔ جو دھارا نگری اجین سے ہجرت کرکے اکھنور کے مقام پر آکر آباد ہوا۔ یہ زمانہ بارھویں صدی کے آغاز کا ہے۔ جس نے یہاں آکر اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ اور اکھنوریہ راجگان جنہیں اب انبارائیاں کہا جاتا ہے، کا بانی مشہور ہوا۔ لوار (پرمار) خاندان نے اکھنور میں چھ سو سال حکومت کی۔ خاندان اکھنوریہ کے بانی راجہ جگدیو نے اکھنور سے بجانب مغرب پانچ میل دور گڑھی کا قلعہ تعمیر کرکے اپنے محلات بنوائے تھے۔ یہ قلعہ اب نیست و نابود ہو چکا ہے اور اس کی جگہ موجودہ وقت کے تعظیمی سردار راؤ بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ سابق فائینس منسٹر جموں وکشمیر کے مکانات ہیں۔ 1100 AD

اکھنوریہ راجگان انبارائیاں نے اکھنور ریاست میں چھ صدی کے قریب حکومت کی۔ اس ریاست کے حکمرانوں کے تعلقات راجوری اور جموں کے راجگان سے نہایت

(فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سے آگے) اپنے یگیہ کو سمپورن کرنے کے لئے اگنی کل کے چار کشتری جوانوں کی خدمات حاصل کیں اور انہوں نے راکشسوں کو مار بھگا کر رشیوں کے یگیہ سمپورن کرا دیئے تو یگیہ کے خاتمہ پر رشیوں نے ان جوانوں کو "پرم آریہ" کا اعزاز دیا۔ جس طرح کہ آج کل بہادری اور جانبازانہ کارناموں کے لئے ویر چکر، مہاویر چکر اور پرم ویر چکر دیئے جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں رشیوں کے یگیوں اور راکشسوں سے ستائی گئی پرجا کی رکھشا کرنے والے بہادر ویروں کے لئے آریہ، مہا آریہ اور پرم آریہ کے اعزازات مروج تھے چنانچہ پرماروں کی وجہ تسمیہ "پرم آریہ" کے نام سے صداقت پر مبنی اور قابل یقین سمجھی جاتی ہے۔ پرم آریہ کے کثرت استعمال سے پرمار نام مشہور ہو گیا اور ان رشیوں کے یگیہ کی رکھشا کرنے والے چار جوانوں میں سے پہلے جوان کی اولاد سے جو خاندان چلا وہ پرمار کہلایا۔

631 17
943 370 20

دوستانہ تھے۔ بیرونی حملہ آوروں کے خلاف ایک دوسرے کے اتحادی رہتے تھے۔ راجگان پوار انبارائیاں کو یہ فخر تھا کہ اُن کے خاندان کا مورث اعلےٰ مہاراجہ بکرماجیت اپنے وقت کا انصاف پسند، دانی، سخی اور دُور اندیش حکمران ہو گزرا ہے۔ جس کا بکرمی سمت ہندوستان بھر میں پرچلت ہے۔ پرمار خاندان کے راجگان اکھنور پر کوئی بیس پچیس پشت اکھنور میں حکمران رہے ہیں۔ ان میں اکثر راجگان بڑے بہادر اور انصاف پسند بھی ہوئے ہیں۔ اس خاندان کا آخری راجہ بجے پال ہوا ہے۔ اس راجہ کے عہد اٹھارہویں صدی کے وسط ۱۷۴۵ء میں رام گڑھیا جموالوں نے دریائے چناب عبور کر کے اکھنور پر حملہ کیا اور راجہ بجے پال پوار شکست کھا کر علاقہ بجوات کی طرف بھاگ گیا اور اکھنور کی حکومت پر رام گڑھیا جموالوں کا قبضہ ہو گیا۔

رام گڑھیا جموال

راجہ کپور دیو والئے جموں کے چھوٹے فرزند بھوج دیو کو تعلقہ رام گڑھ جاگیر میں ملا تھا۔ اور اُس نے قلعہ رام گڑھ جو کہ دریائے چناب کے کنارے ایک پہاڑی کے دامن (تحصیل اکھنور) میں واقع ہے، اپنے محلات وغیرہ بنا کر رہائش اختیار کی اور آس پاس کے کئی ایک دیہات پر قبضہ کر کے اس علاقہ کا نام تعلقہ رام گڑھ رکھ لیا۔ رام گڑھ میں رہنے سے بھوج دیو کی اولاد رام گڑھیا جموال مشہور ہے۔ بھوج دیو کا بیٹا میاں پرتاپ دیو تعلقہ رام گڑھ کا ایک بہادر اور صاحبِ اقتدار جاگیردار ہو گزرا ہے۔ اُس کا بیٹا میاں بشمبر دیو تھا جو راجہ کشن دیو والئے ریاست باہو کا منظورِ نظر مصاحب تھا۔

باوا کاہن کا ڈیرہ

میاں بشمبر دیو کے تین بیٹے سمدا لون، کرم دیو اور گنڈا تھے۔ جب بشمبر دیو مر گیا تو ایک برہمن مسمی کاہن اُس کے بیٹوں کے پاس آیا اور کہا کہ تمہارے باپ میاں بشمبر دیو نے کسی وقت اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے میرے باپ سے روپیہ قرض لیا تھا جو بھی بر واجب ہے۔ اس لئے اُس کی وصولی کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ لیکن بشمبر دیو کے تینوں بیٹوں نے اُس براہمن ساہوکار کی بات پر مطلق کان نہ دھرا۔ تو کاہن براہمن پاڑہ پڑنے کے لئے ایک پیپل کے درخت پر

چڑھ گیا اور مرن برت رکھ لیا۔ پھر بھی سمدانوں وغیرہ نے براہمن کے اس خوفناک اقدام کی پرواہ نہ کی۔ اور تیسرے دن کاہن بھوک اور پیاس کی تاب نہ لا کر پیپل سے گر پڑا اور گرتے ہی جاں بحق ہو گیا۔ جب کاہن کی بیوی کو اپنے شوہر کی موت کی خبر ملی تو وہ اپنی شیر خوار بچی کو اٹھائے کاہن کی نعش جہاں پڑی تھی وہاں آ پہنچی اور وہاں ہی چیتا بنا کر معہ اپنی بچی کے اپنے خاوند کے ساتھ ستی ہو گئی۔ کاہن براہمن کی موت اور اس کی عورت اور بچی کا اس کے ساتھ جل مرنے کے واقعہ سے سارے علاقہ میں دہشت اور ہراس طاری ہو گیا اور بشمبر دیو کے بیٹے سخت گھبرائے کہ برہم ہتیا ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے کاہن اور اس کی بیوی کی سمادھی بنوائی اور انہیں اپنا کل دیوتا مان کر پرائشچت کیا۔ سمادھی میں کاہن، اس کی عورت اور بچی کی مورتیاں بنوا کر ستھاپت کیں اور ایک پجاری پوجا کرنے کے لئے مقرر کیا اور تینوں بھائیوں نے گلے میں کپڑا اور منہ میں گھاس کے تنکے لے کر مورتیوں کے سامنے دو زانو ہو کر اقرار کیا کہ "ہم اور ہماری اولاد میں سے جو کوئی ہوگا وہ باوا کاہن کو اپنا کل دیوتا مان کر پرستش کیا کرے گا۔ اور صبح شام ہر روز ہمارا پروہت پجاری کے طور پر اس دہرہ کی پوجا کرتا رہے گا۔ شادیوں کے موقعہ پر رام گڑھ کے جوال دہرہ میں چڑھاوا چڑھا کر دولہا دلہن سے دہرہ کی پرکرما کرایا کریں گے۔ اور فصل کی تیاری پر نیا اناج پہلے باوا کاہن کے نام رکھ کر پھر اپنے استعمال میں لائیں گے"۔

سمدانوں وغیرہ نے باوا کاہن کا دہرہ بنوا کر پرائشچت بھی کر دیا۔ لیکن ان کا من رام گڑھ کی دھرتی سے اچاٹ ہو گیا۔ اور وہ اپنی رہائش کے لئے کوئی دوسرا مقام تلاش کرنے لگے۔ سمدانوں، کرم دیو اور گنڈا تینوں بھائیوں نے راجہ کرپال دیو والئے باہو کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور میاں سمدانوں نے بہ حیثیت سپہ سالار ریاست باہو اپنی تلوار کے وہ جوہر دکھائے کہ آج بھی ڈھاڈی درویش لوک جوگی اس کی بہادری کے گیت گاتے ہیں۔ چنانچہ ریاست جسروٹہ کے باب میں راجہ دھرب دیو والئے جسروٹہ اور راجہ کرپال دیو والئے باہو کی لڑائی کا حال لکھا جا چکا ہے جہاں یہ تینوں بھائی اور ان کے چند فرزندان لڑتے ہوئے کام آئے۔

اکھنور پر قبضہ اٹھارھویں صدی کے وسط کا زمانہ تھا کہ اکھنور میں راجہ بجے پال

کے وقت سخت گڑبڑی اور فتور مچا ہوا تھا۔ تو سملانوں کی اولاد میں سے اُس کے لڑکوں
میاں جے سنگھ اور بیجے سنگھ نے بشمولیت میاں بدھ منالیہ جو کہ اپنے وقت کا زبردست
شور بیر تھا، اکھنور پر حملہ کر دیا۔ راجہ بیجے پال تو شکست کھا کر علاقہ بجوات کی طرف بھاگ
گیا۔ لیکن جے سنگھ اور بیجے سنگھ دونوں بھائی جنگ میں مارے گئے۔ چنانچہ اکھنور کی
حکومت راجہ کی پدوی اختیار کر کے راجہ بھی پرکاش فرزند میاں جے سنگھ رام گڑھیا
جموال نے سنبھال لی۔ اور اِس حکومت کا وزیر اپنے چھوٹے بھائی ہرکھا کو اور سپہ سالار
میاں بدھ منالیہ کو بنا لیا۔ اور ریاست اکھنور کا دارالخلافہ موضع گڑھ میں جہاں کہ
قلعہ تھا، قائم کیا۔ ابھی یہ حکومت قائم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ راجگان اکھنوریہ
اور اُن کی برادری نے اکٹھے ہو کر اکھنور کی واپسی کی جدوجہد شروع کر دی اور سینکڑوں
جوانوں کو لے کر اکھنور پر زبردست حملہ کر دیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اکھنور کا
قابض راجہ بھی پرکاش اِس جنگ میں مارا گیا اور حکومت اکھنور پر اُس کا بڑا بیٹا راجہ
بُدھی سنگھ مسند نشین ہوا۔ اور اُس نے حکومت پر قدم رکھتے ہی سوگند کھائی کہ وہ
ہر روز جب تک خاندان اکھنوریہ انبارائیاں کا ایک فرد قتل نہ کرے گا، کھانا نہ کھائیگا
چنانچہ انبارائیوں کے افراد یکے بعد دیگرے ہر روز اِس ظالم راجہ بدھی سنگھ کے ہاتھوں
ہلاک ہونے لگے۔ اِس قتلِ عام سے انبارائیاں راجپوت اکھنور چھوڑ کر بھاگ گئے اور
اِن میں سے اکثر اپنا کام دھندا دُوسری نچلی برادریوں میں مدغم ہو کر کرنے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ راجہ بُدھی سنگھ کو اُس کے وزیروں بدھ منالیہ وغیرہ اور اُس کے
چچا وزیر ہرکھا نے سمجھایا کہ اب تو انبارائیاں برادری کا کوئی بھی آدمی ملنا مشکل ہو رہا ہے
اِس لئے جو سوگند انبارائیوں کے قتل کی کھائی ہے وہ اِس طرح قائم رہ سکتی ہے کہ آپ
روزانہ ایک آم کا درخت خاندانِ انبارائیاں کی ملکیت سے کٹوا کر کھانا کھایا کریں۔
چنانچہ جس دن کوئی آدمی اُس خاندان سے نہ ملے تو آم کٹوا کر راجہ بدھی سنگھ کھانا کھاتا۔
اِس طرح راجہ بدھی سنگھ کے ظلم سے ساری ریاست کانپ اُٹھی۔ اور اکثر لوگوں نے اکھنور
سے ہجرت کرنے پر کمر باندھ لی کہ کسی وقت اُن کی گردن زدنی کی نوبت نہ آجائے۔ اِدھر
یہ کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اُدھر دربار دہلی سے بوساطت نواب لاہور میاں جندان دیو جموال
کو جیسے مغل بادشاہ کی طرف سے راجہ سعادت خان والئے ریاست کھڑی کھڑیالی کی

سرکوبی کے لئے مامور کیا تھا اور میاں چندن دیو اس مہم میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس بہادری کے صلہ میں چوراسی گاؤں از علاقہ جموں اور سولہ گاؤں اکھنور کی جاگیر کا فرمان مل گیا۔

میاں چندن دیو اور راجہ اکھنور

جموں کے راجہ ہری دیو کے تیسرے بیٹے جسونت دیو کو ریاسی گلاب گڑھ اکھنور کے چند ایک دیہات اور علاقہ بجوات کی جاگیر ملی تھی۔ یہ بڑا خوبصورت اور عقلمند راجکمار تھا اور راجہ ہری دیو کی اس سے بہت زیادہ محبت تھی۔ راجہ ہری دیو چاہتا تھا کہ جموں کا راج تلک اپنے بڑے بیٹے راجہ گجے سنگھ کی بجائے اسے دے دیا جائے لیکن اصول راجگی کی پابندی حائل تھی۔ جب راجہ ہری دیو جہانِ فانی سے رحلت کر گیا تو جسونت دیو اپنی جاگیر میں نہیں گیا بلکہ پُرانی منڈی جموں میں ہی رہنے لگا۔ اور جب اُس کے ہاتھ سے اپنے برادرزادہ راجہ دھرب دیو کو جموں کا راج تلک دیا گیا تو جسونت دیو کو ریاست کے سپہ سالار کی پدوی دی گئی جسونت دیو بڑا عہدہ دار، ہٹ کا پکّا اور بہادر تھا۔ اُس نے خاندان بلاوریہ میں بمقام بسوہلی شادی کی تھی اُس کی رانی بلاوری سے رتن دیو، چندن دیو، عظمت دیو، ملاگر دیو، الیشور دیو اور اُودار دیو پیدا ہوئے۔

رانی سے علیحدگی اور دُوسری شادی۔ ایک دن رانی بلاوری اپنے چھ بچوں کو لئے بیٹھی تھی۔ جن میں تین چار اُس کے اردگرد اُس کی گھیرے دار پشواز کے دامن پر بیٹھے تھے اور دو ایک بچے گود میں تھے کہ جسونت دیو اتفاقاً اندرونِ محلات میں آ گیا۔ بچوں کے جُھرمٹ میں رانی گِھری ہوئی تھی۔ وُہ تعظیماً اُٹھ نہ سکی۔ تو جسونت دیو کی بھویں تن گئیں اور غصہ میں بولا کہ اس عورت کو اپنی اولاد کا گھمنڈ ہو گیا ہے۔ یہ کہا اور محلات سے باہر چلا گیا۔ منڈی میں آ کر پنڈت کو بُلایا اور اُس سے اپنی دُوسری شادی کی ساعت پُوچھنے لگا پنڈت نے جنتری دیکھ کر کہا کہ سرکار! شبھ ستارہ غروب ہے۔ اس لئے فی الحال مہورت نہیں نکلتا۔ پنڈت کے جواب پر جسونت دیو اور زیادہ غصہ میں آ گیا اور اُسے اپنے ہاں آنے کے لیئے جواب دے دیا۔ اور دُوسرے پنڈت کو بُلایا۔ پنڈت نے جسونت دیو کی دِل جوئی کرتے ہوئے کہا کہ مہاراج! اگر ایک ستارہ است ہے تو دُوسرے سب ستارے چمک رہے ہیں۔ اُس پنڈت کی ڈیوٹی لگ گئی کہ وُہ اچھا گھر اور لڑکی دیکھ کر شگن لے آئے جسونت دیو کی عمر پچاس سے اُوپر تھی۔ اس لئے نسگائی کرنے میں مشکل پیش آئی۔ آخر موضع چک شاماں

(تحصیل جموں) میں ایک راجپوت خاندان لنگیہہ میں جہاں لڑکی کا ناطہ مل گیا اور جسونت دیو نے دوسری شادی کہہ کے نئی بیاہتا رانی کو علیحدہ مکان میں لا رکھا۔ اور جب تک زندہ رہا پہلی رانی کے محل میں نہیں گیا۔ دوسری رانی سے دو لڑکے گمان دیو اور مبارک دیو پیدا ہوئے۔

دودھ کی لاج

جسونت دیو کی پہلی رانی بلاوری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب جسونت دیو کا دوسرا بیٹا چندن دیو ڈیڑھ سال کا شیرخوار بچہ تھا تو اس کی والدہ رانی بلاوری اسے جھولنے میں چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے اپنے دوسرے مکان میں گئی تو اس کی عدم موجودگی میں چندن دیو رونے لگا۔ پاس کھڑی خادمہ نے سمجھا کہ اسے بھوک لگی ہے سو اس نے چندن دیو کو اپنا دودھ پلا کر چپ کرا دیا۔ رانی نے واپس آکر خادمہ کی گود میں بچہ کو دیکھا تو پوچھا "کیا بات ہے؟" خادمہ نے جواب دیا "کنور صاحب بھوک کے سبب رونے لگے تو میں نے اپنا دودھ پلا کر چپ کرا دیا"۔ رانی نے خادمہ کو سخت سست کہا اور ناراضگی سے بولی کہ "تم نے میرے بچہ کو اپنی چھاتی کا دودھ پلا کر ایسا گناہ کیا ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ بچہ کی زندگی اور خاندانی روایت پر اس کا برا اثر پڑے گا" اور یہ کہہ کر اس نے چندن دیو کو چھت میں رسہ ڈال کر الٹا لٹکا دیا تو اس کے پیٹ سے خادمہ کا پیا ہوا دودھ نکل آیا۔ رانی کو یہ خدشہ تھا کہ دودھ کی ملاوٹ سے بچہ بڑا ہو کر اپنے باپ دادا کی بہادری اور جانبازی کو داغ لگا دے گا اور میرے دودھ کی لاج بھی نہ رکھ سکے گا۔

سکھوں کے دسویں گورو شری گورو گوبند سنگھ جی جب شری ویشنو دیوی کی یاترا پر آئے تو وہ جموں کے راجہ گجے سنگھ کے پاس پرانی منڈی میں ٹھیرے اور جب آپس میں تعارف ہوا تو جسونت دیو نے اپنے دو بیٹوں میاں رتن دیو اور میاں چندن دیو کو پیش کیا۔ گورو جی نے ان بچوں کو آشیرواد دی اور گود میں بٹھا کر پیار کرتے ہوئے کہا کہ یہ دونوں بڑے بہادر ہوں گے۔ گورو جی نے میاں رتن دیو کو ایک تلوار اور میاں چندن دیو کو ایک برچھی اور کڑا عطا کیا جو کہ اب بھی اُن کے خاندان میں بطور یادگار موجود ہیں۔

بہادر چندن دیو

جسونت دیو کی وفات کے بعد میاں رتن دیو اور چندن دیو کو جموں کے مہاراجہ رنجیت دیو کے دربار میں سپہ سالار اوّل و دوم کی پدوی حاصل تھی۔ اور مہاراجہ رنجیت دیو کو جب نواب لاہور نے بلا کر قلعہ میں

نظر بند کرایا تو اُس کی غیر حاضری میں جموں راج کا کام چلانے میں یہ دونوں بھائی مہاراجہ رنجیت دیو کے چھوٹے بھائی گھنسار دیو کی امداد کرتے رہے۔ چنانچہ ایک بار جبکہ مہاراجہ رنجیت دیو کو جموں کا راج تلک ملے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا، نواب لاہور نے اپنی فوج کی کمان خود لے کر جموں پر حملہ کر دیا۔ جموں کے نزدیک پالا دڑہ کے نیچے گھمسان کا جنگ ہوا۔ چندن دیو نے مُغل فوج کے چھکّے چھڑا دیئے اور دو مُغل بھائیوں کو جو کہ فوج میں سرداری کا رُتبہ رکھتے تھے، معہ سینکڑوں جوانوں کے تہِ تیغ کر کے نواب لاہور کو بھگا دیا۔ اِس جنگ میں چندن دیو کو اکیس سے اُوپر زخم آئے۔ اور زخم تو آہستہ آہستہ ٹھیک ہو گئے لیکن ٹانگ پر ایسا زخم کاری آیا تھا جس سے چندن دیو تا زندگی لنگڑا کر چلتا رہا۔ اُن دونوں مغل بھائیوں کی ماں اپنے بچوں کی موت سُن کر لاہور سے جموں آئی اور راجہ جموں کے ذریعہ چندن دیو کو بلا کر دیکھا اور کہا کہ "شکر ہے میرے بچے کسی گیدڑ کے ہاتھ سے تو نہیں شہید ہوئے۔ آخر ایک شیر مرد نے ہی اُنہیں مار گرایا ہے۔ اب میرے دل میں اپنے بچوں کی جُدائی کا مطلق غم اور افسوس نہیں"۔

جب مہاراجہ رنجیت دیو نواب لاہور کی قید سے رہا ہو کر جموں میں اپنا راج کاج کرنے لگا تو میاں رتن دیو اور چندن دیو دونوں بھائی دربار دہلی میں جا پہنچے اور اپنی بہادری اور مردانگی کی وجہ سے دربار میں اعلےٰ سرداروں کی پدوی پائی۔ ایک دن ایک مغل سردار نے چندن دیو کے لنگڑے پن کا مذاق اُڑایا تو رتن دیو اِس بھونڈے مذاق کو برداشت نہ کر سکا اور اُس سردار کو تلوار کے ایک ہی وار سے ختم کر دیا۔ دربار شاہی میں شکایت ہوئی تو بادشاہ نے یہ کہہ کر مُعاف کر دیا۔ "آخر غیرت مند اور بہادر راجپوت ہیں۔ بلاوجہ مذاق کو کیسے برداشت کرتے"۔ اِن ہی دنوں کھڑی کھڑیالی کا راجہ سعادت خان باغی ہو گیا تو دربار دہلی کی طرف سے اُس کی سرکوبی کرنے کے لئے چندن دیو کو بھیجا۔ اور اُس کی قبول اطاعت پر چندن دیو کو ریاست اکھنور کی راجگی کا پروانہ بادشاہ نے عطا کیا۔

میاں رتن دیو اور چندن دیو دونوں بھائی دہلی سے واپس آ گئے اور پروانہ شاہی کے مطابق اکھنور پر قبضہ کرنے کے لئے تیاری کرنے لگے۔ اُس وقت اکھنور میں راجہ بدھی سنگھ رام گڑھیا جموال کے ظلم و جبر سے اکھنور کے لوگ گھبرائے ہوئے تھے۔ جب اکھنور کے سابق راجگان انبا رائیاں پرمار کی برادری کو پتہ چلا کہ چندن دیو کو اکھنور کی ریاست پر حکمرانی کا شاہی فرمان مل گیا ہے تو وہ اکٹھے ہو کر چندن دیو کو دریائے چناب کے اِس پار آ ملے اور شتہ یوں

کے بیڑے بنا کر دریائے چناب عبور کر کے اکھنور پر حملہ کر دیا۔ اُس وقت اکھنور میں دریا کے کنارے صرف ایک بُرج ہوتا تھا جہاں کہ راجہ بدھی سنگھ کی تھوڑی سی فوج نگرانی کے طور رہتی تھی۔ اور راجہ بدھی سنگھ کا سپہ سالار سدھ منالیہ ہرسندر کے مقام پر دریائے چناب کے کنارے رہتا تھا۔ بُرج پر تو چندن دیو نے قبضہ کر لیا اور بدھی سنگھ کے آدمی بھاگ گئے۔ لیکن سدھ منالیہ سے متواتر چھ یوم جنگ رہی اور سدھ منالیہ مارا گیا۔ اکھنور پر چندن دیو نے قبضہ کر لیا اور دُوسرے دن گڑھ پر چڑھائی کی جہاں کہ راجہ بدھی سنگھ رام گڑھیا جوال رہتا تھا۔ راجہ بدھی سنگھ نے چندن دیو کا زبردست مقابلہ کیا۔ وُہ ایک پہاڑی پر جو کہ کالی دھار کا سلسلہ ہے، چڑھ گیا۔ اور کپہ گلہ (جو کہ پہاڑی کا تنگ درّہ ہے) کے مقام پر برابر چھ ماہ تک لڑائی جاری رکھی۔ آخر راجہ بدھی سنگھ دولت نگر کی طرف بھاگ گیا اور چندن دیو نے اکھنور پر بلا شرکت غیرے قبضہ کر لیا۔ اور اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔

چندن دیو کا بڑا بھائی میاں رتن دیو اپنی جاگیر ریاسی میں چلا گیا۔ لیکن اُسے جلد ہی مہاراجہ رنجیت دیو نے بُلا کر اپنی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ عمدۃ التواریخ (روزنامچہ دربار لاہور) میں لکھا ہے کہ جب مہاراجہ رنجیت دیو نے اپنے ولی عہد برج راج دیو کو احمد شاہ ابدالی کی امداد کے لئے کشمیر میں بھیجا تو اُس وقت اس کی افواج کا سپہ سالار میاں رتن دیو تھا جس نے راجہ سُکھ جیون والیٔ کشمیر کو قید کیا تھا۔ میاں رتن دیو کشمیر سے واپس آکر جموں میں مختصر سی علالت کے بعد مر گیا۔ میاں رتن دیو کی اولاد کا بیان "ریاست ریاسی" میں آچکا ہے۔

راجہ چندن دیو

میاں رتن دیو کے چھوٹے بھائی یعنی میاں جسونت دیو کے دُوسرے فرزند چندن دیو نے ۱۷۶۰ء کے قریب ریاست اکھنور کی خود مختار حکومت قائم کی اور لوگوں کو اپنے حُسنِ تدبر اور رعایا پروری کے اوصاف سے آرام پہنچایا۔ تین چار سال حکومت کرتے ہوگئے تھے کہ علاقہ دولت نگر کی حدود کا تنازعہ راجہ بدھی سنگھ رام گڑھیا سے اُٹھ کھڑا ہوا جس نے کہ ایک بھاری جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس جنگ میں دونوں طرف کے اکثر بہادر کٹ مرے۔ خود چندن دیو اور بدھی سنگھ بھی جانبر نہ ہو سکے لیکن میدان چندن دیو کی فوج کے ہاتھ رہا اور کرڈیا نوالہ تک کا سارا علاقہ چندن دیو کی اولاد کو مل گیا۔

راجہ تیغ سنگھ

راجہ چیدکن دیو کے بعد اُس کا بڑا بیٹا تیغ سنگھ جس کی عمر ۱۲ سال تھی ریاست اکھنور کا مسند نشین ہوا۔

قلعہ اکھنور کی تعمیر

راجہ تیغ سنگھ نہایت ذہین، مدبّر اور بہادر زمانہ مشہور ہوا ہے یہ راجہ پرلے درجے کا دانی بھی تھا۔ اس نے اکھنور میں اپنی راجدھانی قائم کی۔ تیغ سنگھ نے ریاست کا کام اس شان سے چلایا کہ دُور و نزدیک کی ریاستوں کے حکمران اور راجے انگشت بدندان رہ گئے۔ اس کے عہد میں ایک بار ملک میں سخت قحط پڑا۔ اُس وقت تیغ سنگھ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اُس نے دریائے چناب کے کنارے ایک قلعہ اور اپنے محلات تعمیر کرانے شروع کئے۔ اور جو لوگ بھوک سے تنگ آگئے تھے اُن کے لئے اعلان کیا کہ انہیں روزانہ فی کس ایک سیر پختہ رسد اور دال نمک دیا جائے گا۔ اس طرح لوگ جوق در جوق قلعہ کی تعمیر میں جُٹ گئے۔ اس طرح قلعہ اور محلات دو ایک سال میں تعمیر ہو گئے اور لوگ بھی قحط سے بچ گئے۔

اُسی زمانۂ قحط کی بات ہے کہ ایک بیراگی سادھوؤں کی جماعت شری امرناتھ جی کی یاترا کو جاتے ہوئے موضع بکور کے ٹھاکر دوارا میں آکر اُتری۔ اُن کے پاس سامان رسد وغیرہ نہیں تھا۔ بیراگیوں کو پتہ لگا کہ اکھنور کے راجہ کا غلہ اُونٹوں اور قاطروں پر جا رہا ہے تو بیراگی سادھوؤں نے وہ غلہ لُوٹ لیا۔ جب راجہ تیغ سنگھ کو اکھنور میں اطلاع ملی کہ سادھوؤں کی ایک جماعت نے سرکاری غلہ جو کہ اکھنور آ رہا تھا، لوٹ لیا ہے تو وہ اکھنور سے چل کر بکور میں پہنچا اور سادھوؤں سے بنتی کی کہ میری ریاست میں آکر رسد اناج تو لنگر کے لئے آپ کو مل چکا ہے لیکن دال نمک نہیں ملا۔ اس کے لئے پانچ سو روپے میری طرف سے بھینٹ قبول کر لیجئے۔ اور سادھوؤں نے راجہ تیغ سنگھ کی جے جے کار بلائی۔

متھرا کے پنڈتوں کی رہائی

۱۷۶۷ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے دلی اور پنجاب پر دوسری بار حملہ کیا اور لوٹ مار مچائی، راستہ میں جو قصبہ یا شہر آیا، لوٹتا گیا۔ سرکردہ لوگوں کو گھروں سے نکال کر لاکھوں روپے وصول کئے لیکن متھرا کے پنڈتوں نے اُسے روپیہ دینے سے مجبوری ظاہر کی تو متھرا کے چودہ سو پنڈت اُس

نے گرفتار کر کے اپنے کیمپ میں بیگار کے طور سامان اُٹھانے کے لئے لگا لئے اور وہاں سے مار دھاڑ کرتا کشمیر کی طرف تاراج کرنے لگا۔ جب مُغل روڈ پر ریاست اکھنور کی سرحد کے نزدیک سے اُس کی فوجیں گزرنے لگیں تو راجہ تیغ سنگھ کو معلوم ہُوا کہ احمد شاہ ابدالی کی افواج کے ساتھ متھرا کے چودہ سو پنڈتے روپیہ نہ ادا کرنے کے جُرم میں بیگاری پکڑے گئے ہوئے ہیں اور وہ بیچارے سامان اُٹھا کر کیمپ کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ تو وہ ابدالی کی افواج کے کانڈر کو سرحد پر جا کر ملا اور بیس ہزار روپیہ متھرا کے پنڈتوں کا معاوضہ دے کر اُنہیں چھڑا لیا اور فی کس سات روپیہ سفر خرچ دے کر متھرا کو واپس کیا۔

زہر خوردنی کا حادثہ

راجہ تیغ سنگھ نے تیس سال حکومت کی اور اپنے عہد میں اُس کے انصاف، عوام پروری اور بہادری کی دھوم مچی۔ جموں کے مہاراجہ رنجیت دیو کا سب سے بڑا سہارا اور دوست یہی راجہ تیغ سنگھ تھا اور آپس میں اِن دونوں کی محبت اور یگانگت اِس قدر تھی کہ رنجیت دیو تیغ سنگھ کو اپنے سے جُدا نہ کرتا تھا۔ تیغ سنگھ عمر میں راجہ رنجیت دیو سے تیس[۳۰] سال چھوٹا تھا لیکن مہاراجہ رنجیت دیو کو اُس کی رائے کا بہت زیادہ احترام رہتا۔ رنجیت دیو اپنی چھوٹی رانی جو کہ اُس کی محبوب نظر تھی، کے بیٹے دلیل دیو کو راج تلک دینا چاہتا تھا۔ لیکن راجہ تیغ سنگھ نے رنجیت دیو کو اِس ارادہ سے باز رکھا۔ کیونکہ سلطنت جموں کا ولی عہد رنجیت دیو کی بڑی رانی کا بڑا بیٹا برج راج دیو تخت کا حقدار تھا۔ تیغ سنگھ نے رنجیت دیو کو سمجھایا کہ یہ آئین و دستور راجگانِ جموال کے خلاف ہے۔ اس پر مہاراجہ رنجیت دیو کی رانی یعنی دلیل دیو کی ماں سخت برافروختہ ہوئی۔ اور ایک دن جبکہ رنجیت دیو اور تیغ سنگھ کو کھانا پروس کر علیحدہ علیحدہ تھالوں میں بھیجا تو تیغ سنگھ کے کھانے میں اُس نے زہر ملا دیا۔ تیغ سنگھ کھانا کھا گیا اور اُسے زہر سرایت کر گیا مگر ایک سادھو نے جو کہ پُرانی منڈی جموں کے باہر دھُونی رمائے تھا، اپنے منتر کے زور سے تیغ سنگھ کا زہر اُتار دیا۔ مہاراجہ رنجیت دیو کو اپنی رانی کی اس کمینہ حرکت پر سخت غصہ آیا اور اُس نے دلیل دیو اور اُس کی ماں یعنی اپنی چہیتی رانی کو منہ لگانا چھوڑ دیا۔

تیغ سنگھ کی ہلاکت

جب دلیل دیو نے دیکھا کہ ہمارا یہ تیر بھی خالی گیا ہے اور جب تک تیغ سنگھ زندہ ہے اُس کا باپ مہاراجہ رنجیت دیو کبھی اُس کے حق میں راج تلک کا فیصلہ نہ دے گا تو اُس نے تیغ سنگھ سے یارانہ گانٹھ لیا۔

تیغ سنگھ ایک شریف النسل اور سچا بہادر راجپوت تھا۔ اُسے یہ بھولے سے بھی خیال نہ آیا کہ دلیل دیو اُسے دھوکا دے گا۔ ایک دن لکھن پور کی طرف شکار کے شغل میں دونوں گئے تھے اور قلعہ لکھن پور میں مقیم تھے کہ رات کو جب تیغ سنگھ محوِ خواب تھا، دلیل دیو نے اُٹھ کر اپنا خنجر اُس کی چھاتی میں گھونپ دیا۔ جب مہاراجہ رنجیت دیو کو تیغ سنگھ کی ہلاکت کی خبر ملی تو وہ رو اُٹھا۔ اور اپنے بیٹے کی اس شرمناک اور بزدلانہ حرکت سے اُسے سخت صدمہ ہوئی۔ اُس نے دلیل دیو اور اُس کی ماں کو جنگالوں کی جاگیر دے کر اپنے سے الگ کر دیا۔

راجہ عالم سنگھ

راجہ تیغ سنگھ کی ہلاکت کے بعد اکھنور کی راج گدی اُس کے بڑے بیٹے راجہ عالم سنگھ کو ملی۔ لیکن عالم سنگھ کا زمانہ نہایت پُر آشوب رہا۔ اکھنور ریاست کے لئے ہی نہیں بلکہ ڈوگرہ دیس کی تمام ریاستوں، جن میں جموں سب سے اوّل ہے، کی حالت سخت ناگوار بنی رہی۔ یہ وُہ زمانہ ہے جب کہ سکھ مثلیں ڈوگرہ دیس کے مختلف علاقوں میں چھا رہی تھیں اور لُوٹ مار کرتی واپس چلی جاتی تھیں۔ راجہ عالم سنگھ نے اپنے باپ کی موت کا بدلہ بشمول میاں موتا مدار المہام ریاست جموں، دلیل دیو اور اُس کے بڑے بیٹے بھگوان سنگھ کو قتل کر کے لے لیا۔ دورانِ حکومت راجہ عالم سنگھ علاقہ کرڈیا تو الہ سکھوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ ۱۷۸۰ء میں سردار مہاں سنگھ چکر سکیہ جب جموں کو لُوٹ کر واپس منا ور کے راستہ وزیر آباد جا رہا تھا کہ اُس نے اکھنور کے راجہ عالم سنگھ سے بھی اطاعت قبول کرائی۔ اور بعدازاں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۰۷ء میں ایک فوج سردار صاحب سنگھ کی سرکردگی میں منادر سے بھیج کر اکھنور پر حملہ کرایا اور ریاست اکھنور کو سلطنت لاہور میں شامل کر لیا۔ صرف سولہ گاؤں راجہ عالم سنگھ کے پاس رہنے دئے جو آج تک جاگیر سولہ کے نام سے موسوم چلے آتے ہیں۔ راجہ عالم سنگھ کی وفات کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ اتبار سنگھ جانشین ہوا۔ اس کے ہاں ہی سے میاں گلاب سنگھ ایک معمولی سپاہی کی حیثیت میں قسمت آزمائی کے لئے گھر سے بھاگا تھا۔ راجہ اتبار سنگھ نے ہی گلاب سنگھ کی شادی موضع بھدلوڑ تحصیل جموں کے راجپوت رکوال خاندان میں کرائی تھی جس کا ذکر آئندہ صفحوں پر درج ہے۔ راجہ اتبار سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے باپ راجہ کشور سنگھ کو جو کہ بے سروسامانی کی حالت

312 - D

راؤ بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ

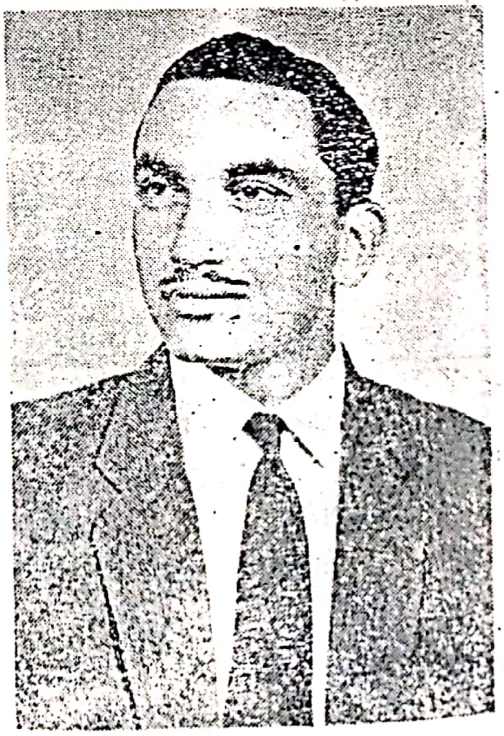

کنور دیواکر سنگھ

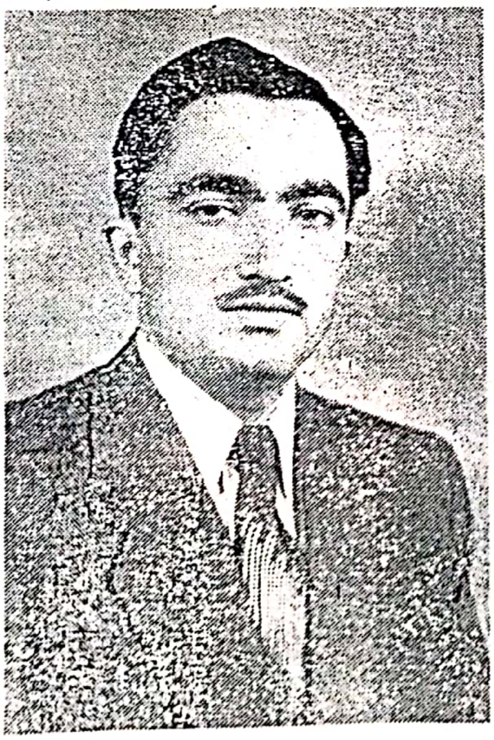

میجر دگوجے سنگھ

جرنیل پنجاب سنگھ (اکھنور)

میجر ایشری سنگھ

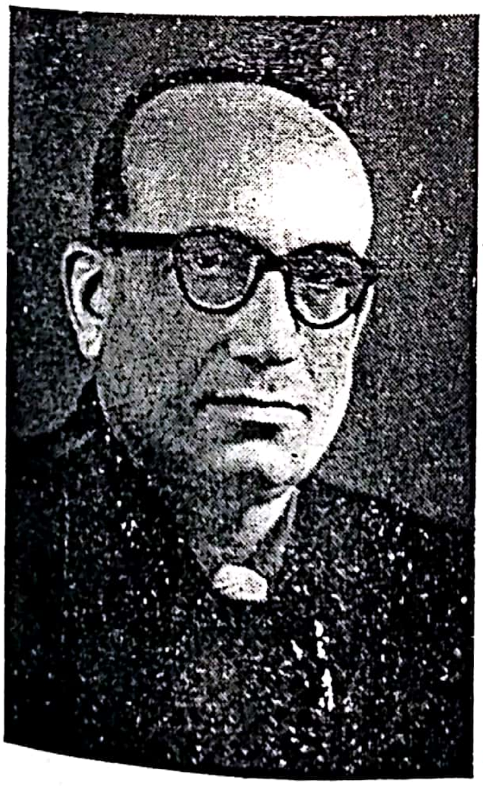

کنور نریندر سنگھ

میں تھا، اپنے قلعہ اکھنور کے ایک برج میں پناہ لے رکھی تھی۔ یہ برج آج بھی کشور سنگھ کے برج سے مشہور ہے۔ اور پھر حسنِ اتفاق یہ کہ راجگان جموال اکھنور کے قلعہ میں دریائے چناب کے کنارے ہی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جموں کا راج تلک گلاب سنگھ کو دیا۔ اور اس تلک کی تصدیق مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ اتبار سنگھ کے فرزند راجہ نہال سنگھ سے خون کا ٹیکا لگوا کر کرائی۔ راج تلک کی تقریب راجہ عالم سنگھ کے تعمیر کردہ مندر موسومہ ہر مندر میں انجام پائی اور جس بڑی شِلا پہ گلاب سنگھ کو بٹھا کر راج تلک دیا گیا، وہ آج بھی ہر مندر میں موجود ہے اور ایک رسم بن چکی ہے کہ جب مہاراجہ گلاب سنگھ کے بعد اُس کے جانشین مہاراجہ رنبیر سنگھ اُس کے بیٹے مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور اُس کے وارث مہاراجہ ہری سنگھ کی تاجپوشی کی رسم منائی جاتی رہی تو سب سے پہلے اکھنور میں جا کر مذکورہ مندر کی اِس تاریخی شِلا پہ راج تلک خاندان جموال اکھنور کے مورثِ اعلیٰ سے لازمی طور پر لیا جاتا رہا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کی جب فروری ۱۹۲۵ء میں رسم تاجپوشی ہوئی تو ٹھاکر پورن سنگھ سوہلیہ پوتا راجہ نہال سنگھ نے راج تلک دیا تھا۔ راجہ نہال سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سوہل سے ملحقہ ۲۲ مواضعات کی پُشت در پُشت سرداری عطا کی۔

راجہ نہال سنگھ کا فرزند دوم ٹھاکر پنجاب سنگھ تھا جو ڈوگرہ فوج کا ایک مشہور اور بہادر جرنیل ہوا۔ جرنیل پنجاب سنگھ کے فرزند رائے بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ نے اپنی خداداد قابلیت اور فطری ذہانت کے سبب ڈوگرہ دیس میں نام پایا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور مہاراجہ ہری سنگھ کے زمانہ میں ٹھاکر کرتار سنگھ ریاست کی ایڈمنسٹریشن میں اونچے عہدوں پر مامور رہا۔ یہاں تک کہ ایک معمولی سب رجسٹرار کی پوسٹ سے ترقی کر کے ریاست جموں کشمیر کے وزیر خزانہ کی کرسی پر کئی سال فائز رہ کر ریٹائر ہوا۔ ٹھاکر کرتار سنگھ کو مہاراجہ ہری سنگھ نے اُس کی اعلیٰ خدمات کے صلہ میں رائے بہادر اور تعظیمی سردار کا خطاب دیا اور کشمیر میں کئی ایک دیہات پر مشتمل جاگیر بھی عطا کی۔

شیخ محمد عبداللہ نے جب سنہ ۱۹۳۰ء میں مسلم کانفرنس کی قیادت سنبھال کر حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن کی تو ٹھاکر کرتار سنگھ کو اس ایجی ٹیشن سے نپٹنے کے لئے خاص طور پر گورنر کشمیر کا عہدہ دیا گیا۔ سنہ ۱۹۳۰ء لغایت ۱۹۳۵ء کرتار سنگھ کی گورنری کے زمانہ کو حکومت کے مخالف عناصر اکثر کشمیری مسلمان نہایت ہی خوفناک تصور کرتے رہے اور

Scanned with CamScanner

کرتار سنگھ کے متعلق یہ نعرہ زبان زد عام تھا "کرتار سنگھ س بھول۔ خدا ایان گول" یعنی "کرتار سنگھ کا بیج ناش ہو۔"

اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد آج کل جموں وکشمیر بالخصوص ڈوگرہ دیس کی پبلک لائف میں رائے بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ کو نمایاں پوزیشن حاصل ہے۔ آپ کے تین فرزندان نریندر سنگھ، دیواکر سنگھ اور میجر دگو جے سنگھ ہوئے۔ نریندر سنگھ کو اعلےٰ ایڈمنسٹریٹو سروس کی تعلیم ولایت سے دلوائی۔ اور وہ ریاست کی ریونیو کمشنری کے فرائض سے عہدہ برآ ہو رہا تھا کہ اچانک ۴۵ سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ کنور دیواکر سنگھ ایک نہایت سمجھدار، بارسوخ اور اعلےٰ کیریکٹر کا نوجوان ہے جو اپنے کاروبار زمینداری، ٹرانسپورٹ بزنس اور پولٹری فارم وغیرہ میں منہمک ہے۔ اور تیسرے لڑکے دگو جے سنگھ کو، جسے مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ کے بچپن کا ساتھی ہونے کا فخر حاصل ہے، آج کل فوج میں میجر کا درجہ حاصل ہے۔

خاندان سوہل ڈوگرہ دیس کی تاریخ میں ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اور یہ بڑا با اقتدار رہا ہے۔ دوران حکومت خاندان مغلیہ کئی ایک مہمات میں اِن کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ احمد شاہ دُرانی اور افغانوں کے عہد میں اس خاندان نے اپنے ملک کو بچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جب ۱۸۲۲ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو جموں ریاست کا راج تلک ملا تو ریاست اکھنور جو کہ دربار لاہور کی باجگذار تھی، جموں ریاست میں مدغم کر لی گئی۔[1]

راناران خاندان پوار

پوار اگنی کُل راجپوت ہیں اور یہ راجپوتوں کی اُن چار نسلوں سے اوّل ہیں جن کے متعلق سمرتی اور پُرانوں میں ذکر آیا ہے کہ وہ اگنی کُنڈ سے پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے اگنی کُل راجپوتوں کو اگنی دیوتا کی اولاد بتلایا جاتا ہے جیسا کہ دُوسرے سُورج بنسی یا چندر بنسی ہیں۔

[1] ریاست اکھنور کی تاریخ کا مسودہ بغرض تکمیل پریس میں دیا جا چکا تھا کہ کرنیل کنول سنگھ کمانڈنٹ جموں وکشمیر رائفلز رجمنٹل سنٹر معہ بار کینٹ گوالیار کی طرف سے ذیل کے حالات (باقی دیکھیں فٹ نوٹ صفحہ ۳۱۵)

اگنی کل چار ہیں ۔ (۱) پوار (پرمار) ۔ (۲) پری ہار ۔ (۳) چالوک یا سالونیکا ۔ (۴) چوہان ۔

پراچین اتہاس اور تواریخ سے پتہ ملتا ہے کہ اگنی کل راجپوتوں کو براہمنوں نے اپنی سخت ریاضت کے ذریعہ اگنی کنڈ سے اگنی دیوتا سے حاصل کیا تاکہ وُہ براہمنوں کے دشمنوں سے لڑائی کر کے میدان کارزار میں اپنی فتح کا علم نصب کریں اور اپنی دھاک بٹھائیں ۔

جہاں تک تواریخ کا تعلق ہے ، کچھ کتابیں جب بدھ مت کا زور ہوا تو پالی زبان میں لکھی گئیں جن میں ان راجپوتوں کے متعلق ذکر آیا ہے کہ یہ "توشٹا" یا "تکشاک" کی اولاد ہیں ۔ اِن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگنی کل راجپوت بھی اُن آریہ لوگوں کی نسل سے ہیں جنہوں نے دو سو سال قبل از مسیح ہندوستان پر حملہ کیا تھا ۔ یہ وہی زمانہ تھا جب کہ "پارسوا" نام کا ۲۳ واں بدھ ہندوستان میں ظاہر ہوا تھا ۔ جس کا نشان " ناگ " یا " سانپ " تھا ۔

شاستروں کے مطابق " اگنی " کا اشٹ دیو " سورج " ہے جو کہ جوش ، طاقت اور شکتی کا منبع ہے ۔ اس لئے اِن اگنی کل راجپوتوں کی پیدائش کا کارن یہ تھا کہ وُہ دیت اور ناشکوں کا قلع قمع کریں اور آستکوں کی رکشا کریں ۔

" مونٹ آبو " یا " آربودھا " جس کو راجستھان کا دیو تخت کہتے ہیں اور بدھ مت والے اس کو " آدناتھ " مانتے ہیں ۔ براہمن اس جگہ کو ایشور کا سنتھان یعنی رہنے کی جگہ مانتے ہیں ۔ یہاں یہ زمانہ قدیم کا اگنی کنڈ جس سے مذکورہ بالا اگنی کل راجپوت پیدا ہوئے آج تک موجود ہے ۔

یہ چار اگنی کل خاندان محض اس لئے پیدا ہوئے کہ وُہ ناشکوں کا خاتمہ کریں ۔ اور

(فٹ نوٹ ۳۱۴ سے آگے) تاریخ اکھنور کے ملنے ۔ کرنیل صاحب اُس خاندان انباراں سے تعلق رکھتے ہیں جس نے صدیوں ریاست اکھنور پر حکومت کی ۔ اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس دستاویز کو من وعن درج کر دوں ۔ کیونکہ ریاست اکھنور کے حالات کرنیل صاحب نے کافی کھوج کے بعد لکھے ہیں ۔ اور یہ ایسی تاریخ خاندان انباراں بانی ریاست اکھنور کی ہے جس کی سچائی اور تاریخی حقیقت پر کوئی شُبہ نہیں ہو سکتا ۔ میں ذاتی طور پر کرنیل کنول سنگھ انباراٹیہ کا ممنون ہوں جنہوں نے تاریخ کے ضمن میں میرا ہاتھ بٹایا ۔ ریاست اکھنور پر حکمران خاندان پنوار یا پرمار کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جو اصل میں پوار ہے اور انباراں خاندان کا مورث اعلےٰ اگنی کل کی پوار شاخ سے ہے ۔

اُس وقت جو ہندوستان میں بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، اُس کو درست حالت پر لاکر امن و امان پیدا کریں۔ اگنی کُل راجپوت راجاؤں سے بہت سے راجپوت راجے مسلمانوں کے حملہ سے پہلے بُدھی بن گئے تھے اور بُدھ مذہب اختیار کر لیا تھا۔

پوار خاندان

پوار خاندان اگنی کُل راجپوتوں میں سب سے زیادہ جنگ جُو رہا ہے اور اس خاندان کی اس نسل میں اگنی دیوتا کی شکتی زیادہ ہونے کے کارن پوار راجپوت جوشیلے اور لڑاکے تھے۔ اِن کی ۳۴ شاخیں تھیں جن میں بہت سے مشہور راجے ہوئے ہیں۔

تواریخ میں لکھا ہے کہ تمام علاقہ پرمار (پوار) کا ہے۔ اِس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ ہندوستان کا بہت بڑا حصہ اُن کے قبضہ میں تھا۔ تمام ملک ستلج سے لے کر سمندر تک اُنہوں نے ۹ حصوں میں بانٹا ہوا تھا۔ جیسا کہ پُرانے اتہاس اور تواریخ دھار سے ثابت ہوتا ہے۔ ہندوستان کے مندرجہ ذیل حصّے تھے۔

مہاشو۔ دھارا۔ مانڈو۔ اوجین۔ چنار بھاگا۔ چتواڑ۔ آبُو۔ چندرہتی۔ ماؤ مدنیہ۔ پادم ہتی۔ اُمرا کوٹ۔ بھکر۔ لوہتا اور پوکھن ـــ یہ سب مشہور راجدھانیاں تھیں جو کہ اُنہوں نے یا تو فتح کیں یا بسائیں۔

تواریخ کی اوراق گردانی سے عیاں ہوتا ہے کہ پوار خاندان نے اتنی دولت اکٹھی نہیں کی جتنی کہ آلواودل کے سالونیکی راجاؤں نے کی یا چوہانوں کی طرح نشان وشوکت دکھلائی۔ مگر اِن سب سے پہلے اُنہوں نے اپنی حکومت کو وسیع کیا اور دُوسرے اگنی کُل راجاؤں کی نسبت بہت عرصہ تک حکومت کی۔

مہاشو جو کہ قدیم "بلبسا" بادشاہوں کی جگہ تھی، پوار خاندان کے راجاؤں کی اوّل راجدھانی تھی۔ اِس کے بعد اُنہوں نے "دھارنگ دھارا" (سوراشٹر) اور مانڈو جو کہ بندھیاچل میں ہے، اِس کے بعد اوجین جس کو ہندو قوم کا "گہوارہ" کہتے ہیں اور جہاں مہاراجہ بکرماجیت پوار نے حکومت کی۔ اپنی گورنمنٹیں قائم کیں۔ ابھی تک چھان بین اور ریسرچ جاری ہے۔ کیونکہ اِن کے عہد کے حالات پالی زبان کی کتابوں میں درج ہیں جو کہ ابھی تک اچھی طرح سے پڑھی نہیں گئی ہیں اور اُن کو صرف نشانیاں ہی سمجھا جا رہا ہے۔ اگر صحیح ترجمہ ہو گیا تو تواریخ ہند کے سُنہری اوراق اُن کے حالات کو اور زیادہ واضح کر دیں گے۔

راجہ بھوج جو کہ مُنج کا بیٹا تھا، اُس کے عہد کے واقعات سے چتوڑ کے قدیم پوار راجگان کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ جس نے وہاں "جے لوٹا" خاندان کے راجاؤں کو میدان کارزار میں شکست دے کر اُن کے علاقہ کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ نربدا پر بھی پواروں کی حکومت تھی۔ راجہ رام دیو پوار نے اپنی عدالت اعلےٰ تلنگانہ میں رکھی ہوئی تھی چوہان راجگان بھی اُس کو اپنا مہاراجہ ادھیراج یعنی شہنشاہ مانتے تھے۔ اُس کی موت کے بعد تمام راجے خود مختار ہو گئے۔ نیز اسی طرح مدت گزرنے کے بعد "جے لوٹا" راجاؤں نے دوبارہ چتوڑ پر قبضہ کر لیا۔

زمانہ سلف کی تواریخ میں راجہ بھوج پوار اور اُس کے نورتنوں کا ذکر آیا ہے جو کہ اپنے ہُنر میں یکتائے زمانہ تھے اور ہر علم از قسم وگیان۔ فلاسفی۔ حکمت۔ راج نیتی میں رہبرانِ اعظم تھے۔ ان نورتنوں میں سے تین پوار تھے۔

چندر گُپت جو کہ موریہ خاندان سے تھا، جس نے سکندرِ اعظم کا مقابلہ کیا اور یونانی افواج پر ہندوستان کے بہادروں کا سکہ بٹھایا، وُہ موری نسل سے تھا جو کہ پوار خاندان کی ایک شاخ ہے۔

پوار خاندان کی شاخیں

ان کی ۳۵ نسلیں تھیں۔ ان میں بھیل نسل بھی کافی مشہور رہی ہے۔ اِن کے راجاؤں نے اراولی پربت میں چندراوتی نام کی ریاست میں حکومت کی بُنیاد ڈالی۔ پوار خاندان کی ۳۵ شاخیں حسب ذیل ہیں:۔

موری۔ اس میں مہاراجہ چندرگپت ہوئے "جے لوٹز" سے پہلے کے راجگان جو کہ چتوڑ پر قابض تھے۔

سوڈا۔ جس کے متعلق سکندرِ اعظم نے اپنی تواریخ میں "سوگڈی" لکھا ہے۔ ریاست "دھات" کے حکمران جو کہ ریگستان میں ہے۔

مانکلا۔ یوگل اور مارواڑ کے سردار۔

کھیر۔ جس کا دارالخلافہ کھروالہ تھا۔

کومرا۔ سومرا۔ زمانہ قدیم میں ریگستان میں رہتے تھے۔ بعد میں مذہب اسلام قبول کر لیا۔

بجسیل۔ راجگان چندرامنی (چندراوتی)۔
ماہی پاورت۔ میواڑ میں دجولی کے حکمران۔
بلہر۔ ریگستان کے شمالی حصہ میں رہتے ہیں۔
کابہ۔ زمانہ سلف میں سوراشٹر میں آباد ہو گئے۔ ان میں سے چند سرد ہی نہیں ہیں۔ امت وار کے راجگان جو کہ مالوہ میں ہے اور وہاں پر بارہ پشت تک رہے۔ "امت وار" کا سب سے بڑا حصہ اُن کے پاس تھا۔
رہر۔ دوہندا (دھوندا)۔ سوڑھا۔ کھر۔ مالوہ میں چھوٹے چھوٹے جاگیردار تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے نامعلوم ہیں۔ جن میں چھاندا۔ کھر۔ سوگرا۔ بھور کوٹ۔ پونی۔ سم پال۔ وجیا۔ سالپور۔ کل موہ۔ کھولہ۔ پوپا۔ کہوریہ۔ ڈھونڈا۔ دبہ۔ دریلور۔ جیوپا۔ پومرا۔ ڈیلونٹھا۔ ری کنبھا اور ٹاکا ہیں۔ ان میں بہت سے مسلمان ہو گئے۔ اور بہت دُور تک سندھ میں آباد ہیں۔ مندرجہ بالا شاخیں آج بھی ہندوستان و پاکستان میں مختلف مقامات پر آباد ہیں اور پھل پھول رہی ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر میں آمد

خاندان پوار (پرمار) کے مہاراجہ دھار انگری (دھار سٹیٹ) مدھیہ پردیس کا وزیر اعظم

رائے جگدیو پوار اپنے مہاراجہ سے اختلافی خیالات کی وجہ سے ملازمت چھوڑ کر گجرات (کاٹھیاواڑ) میں قیام پذیر ہوا۔ وہاں اُس نے دیوی "جگدمبا" کمالی بھگوتی کی گھور تپسیا کی۔ روایات کے مطابق مہاکالی نے بھاٹ کے روپ میں آکر رائے جگدیو سے وچن مانگا۔ اُس کی بھگتی کا امتحان لینے کے لئے اُس کا شیش (سر) مہاکالی کی بھینٹ کے لئے مانگا۔ رائے جگدیو پوار نے اپنی تلوار اپنا سر کاٹنے کو اُٹھالی اور وار کر دیا۔ مگر مہاکالی بھگوتی نے خود درشن دے کر اُس کا آدھا کٹا ہوا سر پھر وہیں جوڑ دیا۔ اور رائے جگدیو کا بال بیکا بھی نہیں ہوا۔ مثل مشہور ہے۔ جو پوار رائے جگدیو کے خاندان سے ہیں، اُن کی گردن اکثر معمولی ٹیڑھی سی رہتی ہے۔ اور شاہی بھاٹ بھی اُس دن سے لے کر آج تک رائے جگدیو کی نسل سے جو پوار ہیں، اُن سے ہٹ نہیں کہتے ہیں۔
چند سال گجرات میں قیام کرنے کے بعد رائے جگدیو نے کچھ ہمراہیوں کو ساتھ لے کر شمال کا رُخ کیا۔ اور سمت ۱۱۵۱ بکرمی مطابق ۱۰۹۴ء میں یہ چھوٹا سا قافلہ قصبہ المصور

سے جو اُس وقت دراٹ نگری کے نام سے مشہور تھا، دو میل شمال مشرق کی طرف رہائش پذیر ہوا۔ اُس مقام کو اُنہوں نے امبارائے کا نام دیا۔

وجہ تسمیہ ۔ رائے جگدیو امبا (ماتا) مہا کالی بھگوتی کا پُجاری تھا۔ اور "رائے" چونکہ اُس کا خاندانی خطاب تھا (جو آج بھی دھارا سٹیٹ کے مہاراجہ اور دیگر پوار راجگان استعمال کرتے ہیں۔ جیسے آنند رائے پوار وغیرہ) اس لئے جس مقام پر رائے جگدیو نے قیام کیا، اُسے "امبارائے" کے نام سے موسوم کیا گیا جو بگڑ کر "انباراں" کے نام سے پکارا جانے لگا اور رائے جگدیو کی آنے والی نسل کے لوگ امبارائیہ کے نام سے پکارے جانے لگے۔

پچاسی گراں اندرون توی انباراں سے لے کر کانجلی کے گاؤں تک دریائے چیند بھاگا کے ساتھ اور توی کے درمیان کا علاقہ رائے جگدیو نے اپنے زیرِ تسلط کر لیا اور امباراں میں اپنی راجدھانی قائم کر لی اور اپنی باقاعدہ فوج جو کہ وقت کے مطابق کیل کانٹے سے لیس تھی، رکھ لی۔ صدیوں تک یہ علاقہ پواروں کے زیرِ حکومت رہا۔ بدقسمتی سے اس عرصہ قدیم کے تاریخی اوراق سے جنگ وفنون اور نظامِ مُلک کے حالات یا اور کچھ تاریخی مواد مہیا نہیں ہے۔ صرف چند سالوں سے راجدھانی انباراں میں پُرانے کھنڈرات کھودے جا رہے ہیں۔ اور بہت کچھ معلومات زیرِ تحقیق محکمہ آثارِ قدیمہ جموں و کشمیر سٹیٹ ہیں۔

زوال خاندان پوار اٹھارھویں صدی کے وسط میں رائے بجے پال خاندان پوار کا حکمران ہوا۔ یہ راجہ اپنا زیادہ وقت پُوجا پاٹھ میں گزارتا اور حکومت کی باگ ڈور موقعہ کے اہلکاروں کے ہاتھ میں تھی جو کہ حالات کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے رہتے تھے۔

اِسی اثناء میں رام گڑھیا خاندان کے راجہ جے سنگھ اور بجے سنگھ نے اکھنور پر حملہ کر دیا۔ اکھنور کے مقام پر برابر ایک ماہ لڑائی جاری رہی۔ اس میں پوار رانا کی ہار ہوئی۔ اور رائے بجے پال بجوات کی طرف جانے پر مجبور ہوا۔ اس لڑائی میں رام گڑھیا راجہ کو سخت نقصان ہوا اور دونوں بھائی جے سنگھ اور بجے سنگھ بھی کام آئے۔ اور بجے سنگھ کا لڑکا مہی برہ کاش حکمران مقرر ہوا جس نے اپنا دار الخلافہ گڑھ قائم کیا۔

چند سال کے بعد دوبارہ رائے بجے پال نے اپنی افواج کو اکٹھا کر کے اکھنور پر

Scanned with CamScanner

حملہ کیا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں سینکڑوں فوجی کام آئے۔ راجہ پوار کو کامیابی نہیں ہوئی۔ راجہ مہی پرکاش بھی مارا گیا اور اس کے لڑکے بُدھی سنگھ نے اکھنور کی حکومت سنبھالی۔

اکھنوری راج[1]

یہ وُہ موقعہ تھا جب اکھنور اور اس کے گرد و نواح میں افراتفری مچ گئی۔ راجہ بُدھی سنگھ نے حکومت پر قدم رکھتے ہی اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کی سوگندھ کھائی اور عہد کیا کہ وُہ پوار خاندان کے ایک فرد کو روزانہ قتل کر کے کھانا کھائے گا۔ یہ عہد چند ہفتوں تک چلا۔ بعد میں آدمی کی بجائے راجہ بُدھی سنگھ کی سوگندھ روزانہ ایک آم کا بڑا درخت یا چھوٹا پودا ہی کاٹ کر کھانا کھانے پر آ گئی۔ اور پھر آم کی ٹہنی میں تبدیل ہو گئی۔ اور آخرکار یہ آم کا ایک پتّا ہی اُتارنے تک قائم رہی۔ راجہ آم کا پتّا اُتارنے کے بعد ہی کھانا کھاتا تھا۔

راجہ بُدھی سنگھ کے ظلم و ستم سے ریاست اکھنور کانپ اُٹھی۔ اس زمانہ کو "اکھنوری راج" سے موسوم کیا گیا ہے۔ جرم کرنے والے کے خاندان کے سب سے لمبے آدمی کو پھانسی دی جاتی تھی۔ اگر کسی کا مال مویشی یا دیگر اشیاء چوری ہو جاتیں تو سُناروں کو گمشدہ مال کی تلاش کرنے کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ مال مویشی چرواہے چراتے تھے مگر اُن کی بجائے روٹیاں گھروں سے نائی اکٹھی کرتے تھے۔

"باراں ہیٹھے تیراں لاگی" کی کہانی اِس طرح سے مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز لیکر بازار میں فروخت کے لئے آتا تھا تو نذرانہ اور نمونہ میں ہی سارا مال اُڑ جاتا تھا۔ اور جس ترنگڑ یا بوری میں مال باندھ کر لایا گیا ہوتا، اُس سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ کیونکہ مُفت خوروں کی فیس نذرانہ پُورا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اِسی طرح "رانی خاں کا سالا" کی کہانی مشہور ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی ترنگڑ میں باندھ کر کچھ سامان برائے فروخت اکھنور لایا۔ جب اُس کا سارا سامان مندرجہ بالا طریقہ سے اُڑ گیا اور آخری آدمی اُس کا ترنگڑ ہی لے کر چلا گیا تو اُس نے سوچا یہ کیسا راج ہے۔ آدمی چالاک تھا۔ اُس نے فوراً ایک

---

[1] ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ مصنف تواریخ "راجپوتانِ ملک پنجاب" میں "اکھنوری راج" کو راجگان اندرایاں سے موسوم کیا ہے۔ لیکن خاندان اندرایاں کی تاریخ اور تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ "اکھنوری راج" دراصل رام گڑھیا جموال خاندان سے منسوب ہے جبکہ ریاست اکھنور راجہ بدھی سنگھ رام گڑھیا جموال کے ظلم و ستم سے کانپ اُٹھی تھی۔

راجہ بلدیو سنگھ

راجہ سکھدیو سنگھ

راجہ شوورتن دیو سنگھ

Scanned with CamScanner

ڈوگر کا بوڑھا جرنیل

لالہ ہنسراج

Scanned with CamScanner

تجویز سوچی اور شمشان گھاٹ واقع ہری مندر کے پاس دریائے چندر بھاگا (چناب) پہ اپنا آسن جما کر بیٹھ گیا۔ جو کوئی مُردہ جلانے کے لئے اُدھر آتا، وہ سوا روپیہ لے لیتا۔ کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو "رانی خاں کا سالا" مشہور کر دیا تھا۔

اِسی طرح جب کافی عرصہ گزر گیا تو راجہ رام گڑھیا کے کسی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا۔ وہ اُسے اُٹھا کر شمشان گھاٹ پر لے گئے۔ مُردہ جلائے جانے سے پہلے حسبِ معمول اُس نے اپنا لگ یعنی فیس مانگی۔ راجہ صاحب نے دے دی۔ جب مُردہ جلانے کے بعد راجہ اپنے محل میں واپس آیا تو رانی نے پُوچھا۔ کیا بات ہے جو کچھ سمیہ زیادہ لگ گیا۔ راجہ نے فرمایا کہ تمہارا سالا راستے میں کھڑا تھا۔ اور جب تک مَیں نے اُسے سوا روپیہ لگ نہیں دیا، اُس نے راستہ روک رکھا تھا۔ رانی سمجھ دار تھی۔ اُس نے پُوچھا کہ "اے بھولے راجہ! کبھی عورتوں کے بھی سالے ہوتے ہیں؟" راجہ کو بات سمجھ میں آ گئی۔ فوراً سپاہی بھیج کر اُس آدمی کو پکڑ کر دربار میں بُلایا اور اُس سے پُوچھا کہ تم کون ہو اور یہ کیا ڈھونگ بنا رکھا ہے؟ اُس نے جاں بخشی کی اجازت پا کر جو قصہ اُس کے ساتھ گزرا تھا، راجہ کو سُنایا اور کہا کہ مہاراج! جو روپیہ مَیں نے اِس طرح سے کمایا ہے، وُہ رکھا ہے۔ جس طرح سے حکم ہو خرچ کیا جائے۔ راجہ نے قصور معاف کر دیا۔ اُس آدمی نے اکھنور میں ایک بازار پکا بنوایا جس کا نام "پکا ڈھنگہ" رکھا۔

ترپتا کھگنی کا کوپ

جب رائے کشور پوار انباراں میں حکمران تھا تو ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ انباراں برادری کا پروہت اُس کا وزیر تھا۔ اُس کے خلاف راج دربار کے چند ایک منظورِ نظر درباری اکثر رائے پوار کے کان بھرتے تھے۔ جب وزیر اعظم اپنا مکلاوہ لانے کے لئے زیلا ایتالہ جہاں کہ اُس نے شادی کی ہوئی تھی، گیا ہوا تھا تو باقی درباری جو کہ اُس کی مخالف پارٹی سے تعلق رکھتے تھے، اُنہوں نے وزیر کے خلاف سازش کی اور رائے پوار سے کہا کہ "آپ کے وزیر صاحب راجگان چبھال سے ملاقات کے لئے گئے ہیں تاکہ وُہ اُن کی مدد سے خود برسرِ اقتدار آسکے۔" یہ سُن کر رائے پوار کچھ بدظن ہو گیا اور حکم دیا کہ جب وزیر آئے تو فوراً دربار میں حاضر ہو۔

بدقسمتی یہ کہ وزیر بھی کچھ دن دیر سے پہنچا۔ اس سے راجے پوار کا خیال یقین میں

بدل گیا۔ اِس لئے اُس نے مناسب کارروائی کرنے کا عہد کر لیا۔

درایں عرصہ جب وزیر انباراں پہنچا تو اُسے بھی حالات کا پتہ چل گیا۔ اُس نے اپنی دُلھن کو ہدایت کی کہ چونکہ رائے پوار مجھ سے کچھ ناراض ہے، آج مجھے راج دربار میں جاتے کچھ خوف معلوم ہو رہا ہے اور خطرۂ جان ہے۔ اِس لئے جب دربار کی جانب شور و غل ہو تو تم سمجھ لینا کہ رائے پوار نے مجھے مروا دیا ہے اور تم نے ستی ہو جانا۔

جب راج پروہت (وزیر) دربار میں پہنچا تو رائے پوار نے اُس کی غیر حاضری بار کی وجہ دریافت کی۔ پروہت نے مناسب جواب دے کر رائے پوار کو مطمئن کر دیا۔

جس وقت دربار میں یہ باتیں ہو رہی تھیں، درایں عرصہ شاہی توپ خانہ سے ایک خچر مُنہ زور ہو کر بھاگ نکلی۔ جس کی دیکھا دیکھی باقی کی خچریں بھی اصطبل سے مُنہ زور ہو کر بھاگ نکلیں۔ چاروں طرف پکڑو پکڑو کا شور بلند ہوا۔ جب اِس شور کی آوازیں وزیر کی نوبیاہتا دھرم پتنی کے کانوں میں پہنچیں تو اُس نے حسب ہدایت اپنے پتی کے متعلق سمجھ لیا کہ اُن پر کوئی مصیبت آ گئی ہے۔ اِس لئے اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً بجائے چتا کے تمام مکان کو آگ لگا دی۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے، شور مچ گیا۔ رائے پوار، اُس کا وزیر اور دیگر اہلکار موقعہ پر پہنچے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ آن کی آن میں بلند شعلے اور تیز ہوئے اور ستی کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ آگ پر قابو پا لیا گیا مگر ستی کی زندگی نہ بچا سکے۔ ستی کی زندگی کی آہوتی رائے پوار کے خاندان پر ایک ہنیا کی صورت میں نازل ہو کر ایک بہت بڑی رُوحانی اذیّت ثابت ہوئی۔ کافی تعداد میں پوار انباراں چھوڑ کر گجرات، سیالکوٹ واقع پاکستان اور پٹھانکوٹ کی طرف چلے گئے۔ کچھ شمال میں بھدرواہ، کشتواڑ، ریاسی کی طرف پہاڑوں میں چلے گئے اور جو باقی بچے، اُنھوں نے وزیر کی دھرم پتنی جس کا نام ترپتا تھا، کو "بُوا ترپ" کے نام سے اپنا کُل دیو مان لیا۔ اور باقاعدہ مورتی بنا کر اُس کی پُوجا شروع کر دی جو آج کل بھی پوار خاندان میں ہو رہی ہے۔ "تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے" کے مقولہ کے مطابق ٹھیک جس طرح سے ماتا جگدمبا مہا کالی نے رائے جگدیو پوار مورثِ اعلےٰ خاندان پوار واقع انباراں (ریاست جموں کشمیر) کو بردان دیا، اُسی طرح سے "ترپتا" کے نام سے پرگٹ ہو کر خاندان کا زوال شروع کیا۔

اِس زوال کے بعد رائے پوار کی نابالغ اولاد رہ گئی۔ آج بھی موضع انباراں میں نزد تیا بھگوتی ستھان بنا ہؤا ہے۔ پھلل پر بیاہ شادیوں پر کچھ رسومات ادا کی جاتی ہیں اور بھگوتی کی یاد میں ماہ چیت کے نوراتروں میں جب سوموار آتا ہے تو ایک بڑا بھاری میلہ لگتا ہے جس میں دُور و نزدیک کے تمام پوار خاندان کے لوگ معہ اپنے عیال کے جمع ہوتے ہیں اور تی کی پوجا کرتے ہیں۔ اور جاترہ وغیرہ بھی ہوتی ہے۔

ریاست جموں وکشمیر کے قائم ہونے پر پوار خاندان کے ۸۴ مواضعات میں سے صرف چار گاؤں انباراں۔ بروہال سگندھاروان اور سونگل انباراں خاندان کے پاس رہ گئے۔

۱۸۵۰ء میں کرنل نجے سنگھ پوار واقع بیان تحصیل اکھنور نے انہی میں سے سات گاؤں جو کہ اُس کی ونڈ کے حصہ میں آتے تھے، کی بسوی داگذار کرالی۔ اِس طرح سے کل گیارہ گاؤں پوار (انبا رائیہ) کے پاس آئے۔ باقی کے متعلق وقتاً فوقتاً چارہ جوئی کی گئی مگر حکومتِ وقت کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ اِس طرح یہ چھوٹی سی پوار ریاست ایک وشال سلطنت جموں وکشمیر میں گھل مل گئی جو آج ایک وسیع ملک ہندوستان کا حصہ ہے۔

رائے پوار کی فوج کے ہتھیار جمع کر کے باہو قلعہ میں رکھ لئے گئے اور پُرانی وضع کی توپیں موضع انباراں میں رہنے دی گئیں۔ جو کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہدِ حکومت میں ناکارہ کر کے دریائے چناب میں پھینک دی گئیں۔

موجودہ وقت میں خاندان پوار انباراں کے جو اصحاب اپنی خاندانی نیک روایات کو قائم رکھتے ہوئے مُلک وقوم کی ترقی میں کوشاں ہیں، ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

گنڈہاروں:۔ ٹھاکر ملوک سنگھ نمبردار۔ کرنل کنول سنگھ موجودہ کمانڈنٹ جموں اینڈ کشمیر رائفلز رجمنٹل سنٹر۔ ٹھاکر شب سنگھ ذیلدار۔ ایم۔ ایل سی جے اینڈ کے لیجسلیچر۔ لیفٹیننٹ پرس دیپ سنگھ اے۔ ایس سی۔ سنگل:۔ ٹھاکر سنسار سنگھ نمبردار۔ ٹھاکر ہری سنگھ نمبردار۔ صوبیدار کپور سنگھ۔ لہڑ:۔ ٹھاکر سنسار سنگھ نمبردار۔ جمعدار وکیل سنگھ جے اینڈ کے رائفلز۔ جمعدار کرشن سنگھ گرنیڈیئر۔ ٹپر گوال:۔ ٹھاکر رچھپال سنگھ نمبردار۔ بمروہال کلاں:۔ صوبیدار باری سنگھ پنشنر۔ ٹھاکر لوچن سنگھ نمبردار۔ ٹھاکر ٹھاکرا سنگھ نمبردار۔ انباراں:۔ صوبیدار وریام سنگھ پنشنر۔ ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نمبردار۔ سنبل:۔ ٹھاکر ٹھاکرا سنگھ نمبردار۔

پیٹن: ٹھاکر لچھمن سنگھ نمبردار۔ ٹھاکر البیلی سنگھ ملگاڑہ۔ ٹھاکر کمل سنگھ نمبردار۔
بڑمنگی: ٹھاکر ملوک سنگھ نمبردار۔ موڑہ گروڑا (اکھنور) ٹھاکر شنکر سنگھ نمبردار۔
ننش (اکھنور): صوبیدار پرتیم سنگھ ہیڈ کلرک جے اینڈ کے رائفلز رجمنٹل سنٹر۔

شجرہ نسب ۔ شجرہ نسب خاندان پوار انبارال حسب ذیل ہے:۔

۱۱۵۱ (۱۰۹۴ء)

راجہ جگدیو (بانی ریاست اکھنور)
راجہ مچھ دیو
راجہ کلا چند
راجہ بھوگ چند 1544 A.D
راجہ سرگیان
راجہ دھیان
راجہ پادا 1094 / 450 / 1544
راجہ گربھ سین
راجہ بھی پت
راجہ بھوپت
راجہ ہیت رائے
راجہ سمبت رائے
راجہ پرتھم رائے
راجہ لبت رائے
راجہ تیج رائے
راجہ گنپت رائے
راجہ گوبند رائے A.D 1400
راجہ چھلک رائے
راجہ بلج رائے
راجہ سندرپال رائے

رائے پرتھمی
رائے کور دیو
رائے متل سی
رائے دودرا
رائے عالم 25
رائے بھیکم
رائے بھوانی
رائے بری
رائے توکا
رائے بھرو 30
رائے سبدر
رائے گوبچا
رائے جمیل
رائے رگھپت
رائے چھترسال 35
رائے دھیرج
رائے پورو
رائے جگڑ سنگھ
رائے کشورا 1832 39

رائے کشورا نے ۱۸۰۰ء میں ریاست انبارال مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس بطور امانت رکھ دی۔

1094 / 738 765 / 38 18 18 / 306

ریاست پونچھ

ڈوگرہ دیس کی بائیس ریاستوں میں پونچھ کی ریاست کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ والیٔ لاہور کی زندگی میں ہی اس ریاست کا الحاق ڈوگرہ دیس سے ہوگیا تھا۔ جب کہ مہاراجہ لاہور نے اپنے وزیر اعظم راجہ دھیان سنگھ برادر اصغر مہاراجہ گلاب سنگھ کو اس ریاست کا تاج پہنایا۔ عملی طور پر تمام انتظامات اور ایڈمنسٹریشن ریاست پونچھ راجہ دھیان سنگھ کے نام سے اُس کا بڑا بھائی گلاب سنگھ ہی چلاتا تھا۔ اور جب ریاست جموں و کشمیر کی تشکیل ہوئی اور دربار لاہور کی طوائف الملوکی کے آخری دور میں ۱۸۴۶ء کا معاہدہ انگریزوں، مہاراجہ دلیپ سنگھ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے مابین ہوا تو ریاست پونچھ ریاست جموں وکشمیر میں مدغم ہوکر ایک زبردست انگ اس نئی ریاست کا بن گئی۔

پونچھ کا علاقہ ایک نہایت ہی سرسبز اور شاداب خطہ ہے اور یہ خوشنما وادی کشمیر کے عین جنوب میں واقع ہے جو پیر پنجال کے دامن میں پُرکیف قدرتی مناظر کی حامل ہے۔

یہ ریاست پونچھ کا رقبہ ۱۶۰۰ مربع میل اور آبادی تین لاکھ ستاسی ہزار افراد پر مشتمل تھی۔

یہ ریاست کب سے پونچھ کے نام سے موسوم ہوئی۔ بسیار کھوج اور تحقیق کے باوجود بھی پتہ نہ چل سکا۔ راج ترنگنی میں پونچھ کا ذکر آیا ہے اور اس کا نام پرنتس لکھا گیا ہے۔ کہ اس سارے علاقے کی دارالحکومت لوہر کوٹ کے راجگان کے ہاتھ میں مدتوں رہی۔ چونکہ ہندو راجپوت تھے اور کشمیر کے ہندو راجگان کے برابر کی چوٹ سمجھے جاتے تھے۔ لوہر کوٹ کا قلعہ اور راج محلات آج بالکل کھنڈرات نظر آتے ہیں لیکن اس کی عظمت کے متعلق زبان حال سے پکار رہے ہیں کہ کبھی یہ جگہ ایک بڑی ریاست کی مرکزی راجدھانی تھی۔ آج اس وادی کو لوہرن کہا جاتا ہے جو کہ ایک معمولی گاؤں ہے۔ اس لحاظ سے یہ ریاست صدیوں پرانی ہے۔ پونچھ پر مدتوں مختلف حکومتیں برسر اقتدار رہیں۔ لیکن ہندوؤں کی حکمرانی کا عرصہ بہت لمبا ہے۔ اور جب ریاست کشمیر مسلمانوں کی حکمرانی میں آئی تو یہ علاقہ اُن کے اقتدار میں آگیا۔ ایک اندازے کے مطابق پونچھ پر پانچ سو سال کے قریب مسلمانوں نے حکومت کی اور اٹھارھویں صدی کے وسط میں پونچھ کا سارا علاقہ

مختلف اقوام نے حصے بخرے کر لیا۔ اور دیہات میں سُدھن۔ ڈولی۔ ملدیال۔ تھکیال۔ فیروزال۔ راٹھور۔ گکھڑ اور ڈھونڈ مسلمان اپنے اپنے علاقوں میں چھا گئے۔ چنانچہ علاقہ تھکیالہ کو تھکیال اور ڈوال مسلم راجپوتوں نے مساوی بانٹ لیا۔ تحصیل مینڈھر کے زیریں علاقہ پر ڈولی قابض ہو گئے اور شمالی حصہ میں پیروزال اور گوجر قوموں نے اپنی طاقت مضبوط کر لی۔ سوہرن کے علاقہ پر گوجر اور علاقہ منڈی کے ۴۲ دیہات پر کاشمیری مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اسی طرح تحصیل سدھونتی میں سُدھن اور بُدھن قوم کے مختلف قبیلوں نے اپنی اپنی سرداریاں قائم کر لیں۔ تحصیل باغ کا وہ حصہ جو کوہالہ اور چکار کے ساتھ ہے، ڈھونڈ خاندان کے حصہ میں آگیا۔ باقی علاقہ پر تیزیال اور ملدیال چھا گئے۔ پونچھ کے قریب تحصیل حویلی میں جھاترہ اور اس کے اردگرد کے دیہات کا شمس خان ملدیال راجہ بن گیا۔ گویا پونچھ ریاست مختلف سرداریوں میں بٹ کر آپ راجی کی شکل اختیار کر گئی۔ غرضیکہ ہر گاؤں میں متعدد راجے اور ہر گھر میں کئی مقدم تھے جن کا پیشہ لوٹ مار تھا اور خانہ جنگیوں اور باہمی فسادات میں اُلجھے رہنا اُن کا معمولی شغل تھا۔

پونچھ کا ذکر راج ترنگنی۔ گلاب نامہ۔ طبقات اکبری۔ تاریخ فرشتہ اور کشمیر کی تواریخ میں کہیں کہیں ضرور آیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس ریاست کی کوئی بھی مستند اور حقائق پر مبنی تاریخ نہیں ہے۔ منڈی سے دس میل شمال مشرق کی طرف موضع لوہرن لوہرن یا لورن ایک سرد مقام ہے۔ پونچھ کے ہندو راجگان کے زمانہ میں اس مقام کو بڑی شہرت اور اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہ لوہر کوٹ کے نام سے کافی مشہور تھا۔ کشمیر کے مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں بھی اس مقام کی شہرت بہت حد تک موجود تھی۔ محمود غزنوی نے جب دسویں صدی کے آخر میں دوسری بار کشمیر پر حملہ کیا تو وہ اسی لوہر کوٹ کے راستے آیا تھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ لوہر کوٹ کا قلعہ ایسا مضبوط اور بلند تھا کہ محمود چند ماہ تک اس کا محاصرہ رکھنے کے باوجود اس کو سر نہ کر سکا۔ اور آخر کثرت برف و باراں سے پریشان ہو کر ناکام غزنی کی طرف واپس چلا گیا۔

16th C. چند ایک تواریخ کے اوراق اُلٹنے سے پتہ چلتا ہے کہ سولھویں صدی کے اخیر میں پونچھ میں جو خاندان حکمران ہوا، اُس کے پہلے راجہ کا نام سراج الدین خان تھا جو کہ نو مسلم تھا اور جس کا ہندو نام سُرجن سنگھ راٹھور تھا۔ چوہدری کے نام سے موسوم ہونے پر

راٹھور راجہ کو گجر خاندان سے چند ایک تواریخ میں لکھا گیا ہے۔ مصنف تاریخ شاہان گجر اور مصنف تاریخ "واقعات کشمیر" میں پونچھ کے حکمران خاندان راٹھور چوہدریوں کو گجر لکھتے ہیں۔ اور تاریخ اقوام پونچھ کا مصنف مولوی محمد دین فوق رقمطراز ہے کہ "پونچھ کے خاندان چوہدریاں راٹھور کا بانی سراج الدین خان گوجر نہیں تھا بلکہ وہ راٹھور راجپوت تھا جو کہ پونچھ کے ایک گجر رئیس کا داماد تھا۔ چونکہ خانہ داماد ہونے کی وجہ سے اس کا جانشین بھی تھا۔ اس لئے گجر مشہور ہو گیا۔ تاریخوں میں اس قسم کی صدہا مثالیں موجود ہیں کہ کئی خاندان دوسرے خاندانوں میں شادیاں کر کے عورت کے خاندان سے مشہور ہو گئے لیکن اصل میں اُن کا اپنا خاندان ایک علیحدہ خاندان تھا۔"

ٹاڈ راجستھان میں لکھا ہے کہ ۱۵۹۶ء میں راجہ اودے سنگھ راٹھور والئ جودھپور سترہ بیٹے اور سترہ بیٹیاں چھوڑ کر انتقال کر گیا جس کے دسویں بیٹے جسونت سنگھ کا فرزند مان سنگھ تھا۔ اس مان سنگھ کا ایک فرزند سُرجن سنگھ تھا۔ سُرجن سنگھ نے معہ اپنی رانی کے ایک مسلمان فقیر کی ہدایت سے اسلام قبول کیا اور اپنے چند ملازموں اور رانی کے ساتھ راجپوتانہ سے ہجرت کر کے لاہور سے ہوتا ہوا کشمیر میں پہنچا۔ کچھ مدت کشمیر میں رہ کر پونچھ کی طرف چلا آیا اور کہوٹہ میں آ کر آباد ہو گیا۔ پادری ہیچن پنجاب ہسٹاریکل جرنل کے صفحہ ۱۲۶ پر لکھتا ہے کہ "مسلمان ہونے پر راجہ مان سنگھ کے بیٹے سُرجن سنگھ کا نام سراج الدین خان رکھا گیا۔ وہ جودھ پور کے اعلیٰ خاندان سے تھا۔" پھر اسی جرنل میں لکھا گیا ہے "مغل شہزادہ سلیم نے کشمیر جاتے ہوئے کہوٹہ کے مقام پر اس کے انتظام و انصرام پر نگاہ کی اور یہ بھی معلوم کیا کہ سراج الدین خان جودھ پور کے اعلیٰ خاندان سے ہے تو پونچھ کا علاقہ اُسے عطیہ میں دے دیا۔" ہسٹری آف ہل سٹیٹ اور مولوی عبداللہ شاد کی غیر مطبوعہ تاریخ راجگان سدھروں سے بھی مندرجہ صدر بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

راٹھور خاندان کے حکمران پونچھ

پونچھ شہر کے شمال کی جانب درہ پیر پنجال کے دامن اور تحصیل اوڑی کے جنوب میں سدھروں اور کہوٹہ کا علاقہ واقع ہے۔ کہوٹہ کا ایک سرکردہ رئیس حبیب چوہان گجر تھا جو کہ اپنے علاقہ کا چوہدری تھا۔ چوہدری حبیب اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ اُس کی ایک

... لڑکی تھی جو کہ بے حد حسین تھی۔ اتفاق یہ کہ جب سراج الدین خان معہ اپنی رانی کے کشمیر سے چل کر کھوٹہ میں آکر ٹھیرا تو چوہدری حبیب نے اُس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اور اسے اپنے ہاں قیام کرنے کے لئے رضامند کر لیا۔ سراج الدین کی ذاتی وجاہت شرافت اور خاندانی حالات سے متاثر ہو کر چوہدری نے اپنی بیٹی کی شادی اُس سے کرنا چاہی۔ جب سراج الدین کی پہلی بیوی موجود تھی۔ اُس نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ لیکن بعد میں علاقہ کے دوسرے سرکردہ لوگوں کے کہنے پر یہ شادی ہو گئی۔ اور چوہدری حبیب کی وفات کے بعد سراج الدین خان بلا شرکت غیرے اپنے مرحوم خسر کی جائداد اور املاک کا مالک بن گیا اور چوہدری کے نام سے مشہور ہو گیا۔

چوہدری سراج الدین نے شہزادہ سلیم کے کیمپ شاہی کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے کیا۔ جب شہزادہ اپنے باپ بادشاہ اکبر کے پاس کشمیر جا رہا تھا تو اُس نے چوہدری کی خدمات سے خوش ہو کر اُسے پونچھ کا علاقہ عطا کر کے راجہ کے خطاب سے نوازا۔ راجہ سراج الدین خان نے ۱۵۹۴ء سے ۱۶۴۵ء تک ۵۰ سال پونچھ پر حکومت کی۔ راجہ کی پہلی رانی جو اُس کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئی تھی، کے بطن سے راجہ فتح محمد خان پیدا ہوا۔ جس کو مورخوں نے عبدالفتاح لکھا ہے۔ دوسری رانی، جو کہ چوہدری حبیب چوہان کی بیٹی تھی، سے دو لڑکے نور محمد خان اور خان محمد خان ہوئے۔

1594-1645

راجہ فتح محمد خان 1645-1700

راجہ سراج الدین خان کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ فتح محمد خان ریاست پونچھ کا حکمران ہوا۔ صحیح معنوں میں اسی راجہ کے عہد میں پونچھ کا بہت سا علاقہ زیر اقتدار آیا۔ اس راجہ نے اوڑی کے راجگان کھکھہ سے اوڑی اور پونچھ کی حد بندی کا معاہدہ کیا۔ اس کی عمر کا کافی حصہ اندرونی بغاوت کو فرو کرنے اور مغل صوبیداران کشمیر سے لڑائی ہنگامہ میں گزرا۔ لیکن بدقسمتی اس کی کہ اس کے خلاف جالوں خان ملدیال نے بغاوت کی اور اس شورش میں وہ مارا گیا۔ راجہ فتح محمد خان نے ۱۶۴۶ء سے ۱۷۰۰ء تک ۵۴ سال حکومت کی۔

راجہ عبدالرزاق خان

راجہ فتح محمد خان کے بعد راجہ عبدالرزاق خان پونچھ کا راجہ ہوا۔ اور اُس کے چھوٹے بھائی راجہ محمد معظم خان

کو کھوئیرٹہ اور سدھنوں کا علاقہ جاگیر کے طور ملا۔ یہ علاقہ ۶۸ دیہات پر مشتمل تھا اور اس کا رقبہ ۶۰ مربع میل تھا۔ راجہ عبدالرزاق خان نے پونچھ کی آبادی کو وسعت دی۔ پونچھ کا قلعہ اسی راجہ کا تعمیر کردہ ہے۔ اور اس نے میرپور، کوٹلی اور چبھال کے علاقوں کے دیہات بھی اپنے زیرِ اثر کر لئے۔ بلکہ اوڑی تک بھی جا پہنچا۔ پونچھ میں علاقہ پنجاب، ہندوستان سے سینکڑوں ہندو، مسلمان اور سکھ گھرانے اسی کے عہد میں آ کر آباد ہوئے۔

راجہ عبدالرزاق کو بھی اپنے باپ کی مانند کشمیر کے مغل گورنروں سے کئی بار برسرِ جنگ ہونا پڑا۔ اور اکثر دفعہ اُن کی مدد بھی اُس نے حتے المقدور کی۔ لیکن زندگی میں اُسے ایک جگر خراش صدمہ بھی کشمیر میں ہوا۔ جب کہ اُس کے دو نوجوان شہزادے محمد زمان خان اور ولی محمد خان معہ اُس کے نامور مشیر دیا رام کے پانچ سو فوجیوں کے ساتھ سری نگر میں قتل کر دئے گئے۔ اس راجہ کے دو اور بیٹے زبردست خان اور لعل گوہر خان تھے۔ زبردست خان کو حکومت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ علی گوہر خان ابھی بچہ ہی تھا کہ عبدالرزاق فوت ہو گیا اور اُس کے وزیر لطیف اللہ ترکھان نے پونچھ پر قبضہ کر کے اختیارات راجگی خود سنبھال لئے۔ علی گوہر خان کی ماں اپنے بچے کو لے کر رُوپوش ہو گئی۔ اور جب پونچھ کے اس انقلاب اور وزیر لطیف اللہ کی غداری کا حال صوبیدار کشمیر کو معلوم ہوا تو اُس نے راجہ کشتواڑ اسلام یار خان کو لطیف اللہ کی سرکوبی کے لئے پونچھ بھیجا جس نے راٹھور خاندان کی شاخ دوم سدھنوں و کھوئیرٹہ کے حکمران راجہ بقا محمد خان کو ساتھ لے کر لطیف اللہ کو قتل کر کے کیفرِ کردار کو پہنچایا اور پونچھ پر راجہ اسلام یار خان گیارہ سال تک حکمران رہا۔

راجہ رستم خان

جب راجہ علی گوہر خان جوان ہوا تو اُس نے افغان صوبیدار کشمیر سے اپنے موروثی حق حکومت پونچھ کے لئے استدعا کی اور وہ پونچھ کی حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ علی گوہر خان رستم خان کے نام سے، جو کہ اُسے ایک لاہوری درویش نے دیا ہوا تھا، حکومت پونچھ پر متمکن ہوا۔ اُس نے تخت پر بیٹھتے ہی عوام کے مسائل، مشکلات اور تکالیف پر توجہ دی۔ بے جا ٹیکسوں اور سختی و تشدد سے لوگوں کو نجات دلائی۔ اور ایک خدا ترس اور عوام دوست حکمران کی مانند اُس نے رعایا کی بہتری اور ترقی کے لئے لاثانی کام کر دکھایا۔

اور اپنے وقت کا حاتم طائی اور نوشیرواں ثانی مشہور ہؤا۔ چنانچہ راجہ رستم خان کے عہد میں پونچھ شہر کی کافی ترقی ہوئی۔ اور اُس نے اپنی ریاست کو خوشحال بنا دیا۔ اُس نے صنعت کاروں اور عالم لوگوں کو دُور دُور سے لاکر اپنے شہر میں آباد کیا اور اُن کی قدر افزائی کی۔ اور اُس نے پونچھ کو بارونق بنا کر اِس کا نام اپنے نام پر رستم نگر رکھا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ سارے ہندوستان میں افراتفری کا عالم تھا اور پنجاب اقتصادی بدحالی اور سکھ مثلوں کی من مانیوں میں پامال ہو رہا تھا۔ تو جموں میں مہاراجہ رنجیت دیو حکمران تھا۔ اور پونچھ میں راجہ رستم خان کے انصاف اور عوام پروری کی مثالیں زبان زد عام تھیں۔ اِس کے وقت میں بھی ہر مذہب اور فرقہ کے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے۔ مولوی محمد دین فوق نے اپنی تاریخ اقوام پونچھ میں لکھا ہے کہ "راجہ رستم خان کی نیک نامی سُن کر دُور دُور کے لوگ جوق در جوق پونچھ میں آکر آباد ہو گئے۔ رعایا کے تمام طبقے ایک جسم کے اعضا متصوّر ہوتے تھے۔ اِس بیسویں صدی میں بھی اٹھارھویں صدی کے راجہ پونچھ رستم خان کی پونچھ کے ہر فرقہ کے لوگ اور بچہ بچہ تعریف کرتے ہیں۔ پونچھ کی حکومت اگرچہ ازل سے حکومتِ کشمیر کے زیرِ اثر رہتی تھی اور حریف ہونے کے خیال سے کبھی کبھی باہمی تصادم بھی ہو جاتا رہا۔ لیکن راجہ رستم خان کے عہد میں بالکل آزادانہ طور پر بادشاہ کابل سے حکومتِ رستم نگر کا تعلق رہا ہے۔ مشہور ہے کہ میرپور کوٹلی۔ نوسہ میدان۔ کھڑی۔ بھمبر۔ اوڑی وغیرہ ریاستوں کے راجے اس راجہ کے زیرِ نگیں تھے۔"

۱۷۸۵ء میں جب افغان گورنر کشمیر نے کابل کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو امیر کابل نے راجہ رستم خان کو اِس بغاوت کے فرو کرنے کی تائید کی۔ چنانچہ رستم خان نے افغان گورنر آزاد خان کو کشمیر کا محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا اور امیر کابل تیمور شاہ کو اپنی اِس مہم کی کامیابی سے مطلع کیا۔ بادشاہ کابل ہر سال راجہ رستم خان کے لئے ایک راس اسپ اور خلعتِ فاخرہ اور بہت سی رقم نقد بھیجتا تھا اور اُسے ذیل کے خطاب سے مخاطب کرتا تھا "عالی جاہ رفیع الجائے گاہ عمدۃ الخوانین الفطام اخلاص و عقیدت فرجام راجہ رستم خان صاحب راجہ رستم نگر۔"

آخر ۲۸ سال حکومت کر کے ۱۷۸۷ء میں اپنے پیچھے تین فرزند شہباز خان۔ جنگباز خان اور خان بہادر خان چھوڑ کر راہیٔ ملک بقا ہؤا۔ راجہ رستم خان کے عہد میں پونچھ کے

مشہور وزیر روح اللہ کا باپ مسمی مٹھا مظفر آباد سے آکر پونچھ میں آباد ہوا۔ اور روح اللہ راجہ رستم خان کے حقہ برداروں میں ملازم ہوا تھا۔

راجہ شہباز خان

رستم خان کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ شہباز خان حکومت پونچھ پر متمکن ہوا۔ یہ راجہ قرآن مجید کا حافظ تھا۔ اس کے عہد میں راجہ کرم اللہ خان والئ راجوری نے پونچھ پر حملہ کیا۔ تو اسے سخت ہزیمت اُٹھانا پڑی۔ یہ راجہ پانچ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۹۲ء میں موت کی آغوش میں چلا گیا۔

راجہ خان بہادر خان

راجہ شہباز خان کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی راجہ خان بہادر خان رستم نگر کا راجہ قرار پایا۔ اس کے زمانہ میں رستم خان کے حُقہ بردار رُوح اللہ نے یہاں تک ترقی کر لی تھی کہ محمد خان کھینتر کے بعد قلمدان وزارت روح اللہ کو مل گیا۔ اور وزیر روح اللہ کے زمانہ میں راجہ خان بہادر خان کو عبد اللہ خان الکوزئی صوبیدار کشمیر نے کشمیر میں بُلا کر وزیر کی سازش سے زہر دلوا کر ہلاک کر دیا۔ وزیر روح اللہ نے جب میدان خالی دیکھا تو اپنے بیٹے امیر خان کو راجہ پونچھ بنا کر خود حکومت کرنے لگا۔

راجہ امیر خان

خان بہادر خان کی ہلاکت کے بعد وزیر روح اللہ گجر جو گجروں کی ساگمو ذات سے وابستہ تھا اسکا بیٹا امیر خان پونچھ کا راج کرنے لگا۔ اور روح اللہ اپنے بیٹے کی وزیری کا کام چلانے لگا۔ لیکن راجہ شیر باز خان والئ سدھروں اند کھوٹہ نے شیر محمد خان مختار الدولہ صوبیدار کشمیر کی مدد سے حکومت پونچھ حاصل کر کے روح اللہ کو پونچھ سے نکال دیا۔ لیکن راجہ چونکہ مدت سے بیمار چلا آتا تھا، اس لئے اُس نے اپنے چھوٹے بھائی چوہڑ خان کو اپنا عارضی جانشین مقرر کیا۔ چوہڑ خان آرام طلب اور اُس کا وزیر منگی خان نااہل تھا۔ تب روح اللہ نے اپنی پارٹی کے ساتھ مل کر صوبہ کشمیر سے سازش کی۔ مختار الدولہ واپس

سکابل چلا گیا تھا۔ اُس کے جانشین صوبہ کشمیر نے روح اللہ کی مدد کی اور راجہ جوہڑ خان پر جو اس حملہ سے بالکل بے خبر تھا، اچانک حملہ کر دیا۔ راجہ بھاگ گیا اور حکومت پونچھ پھر روح اللہ اور اُس کے بیٹے راجہ امیر خان کے ہاتھ آگئی ۱۸۱۳ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ والیٔ لاہور نے کشمیر پر چڑھائی کی۔ اور پونچھ کے راجہ امیر خان اور اُس کے باپ وزیر روح اللہ نے اُس کا راستہ روک لیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پونچھ کو تباہ کرنے کا حکم دیا لیکن روح اللہ کے تدبر اور بہادری سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج کا بہت زیادہ نقصان ہوا اور مہاراجہ ۳۰ جولائی ۱۸۱۴ء کو پونچھ کا محاصرہ چھوڑ کر منڈی کی طرف بھاگ گیا۔

تاریخ اقوام پونچھ میں لکھا گیا ہے کہ سانگو قوم کے گجر وزیر روح اللہ کے بیٹے راجہ امیر خان اور پوتے راجہ میر باز خان نے پونچھ میں شاندار حکومت کی ہے۔ روح اللہ ۱۸۱۹ء میں مر گیا۔ اور اُس کے چار سال بعد اُس کا فرزند راجہ میر خان انتقال کر گیا۔ پھر امیر خان کا بیٹا میر باز خان پونچھ کا راجہ بنا۔ اِس زمانہ میں راجہ گلاب سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حسب ہدایت پونچھ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور راجہ دھیان سنگھ وزیر اعظم لاہور نے اپنا قائمقام مقرر کر دیا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ میر باز خان کو لاہور میں بلا لیا جہاں کہ ایک مسلم راجپوت حبیب پیر بخش نے پرانی عداوت کے باعث اُسے قتل کر دیا۔ اِس طرح پونچھ سے چوہدری راٹھور خاندان اور اُس کے بعد سانگو قوم گجر کے عروج و اقبال کا خاتمہ ہو گیا۔

آپ راجی کے چند عبرت انگیز واقعات

اٹھارھویں صدی کی ابتداء میں جب اندرونی افراتفری اور بدنظمی کے باعث پونچھ کی مرکزی حکومت کا اقتدار جاتا رہا تو تمام ریاست مختلف سرداریوں میں منقسم ہو گئی ہر چند کہ پونچھ کشمیر کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا اور کشمیر کے ماتحت تھا اور اس کا حکمران بھی نامزد ہوتا تھا، گاؤں گاؤں میں چوہدری، مقدم اور راجے بن گئے۔ دو چار گاؤں کا ایک سردار اپنے آپ کو راجہ سمجھا کرتا اور دوسرے سرداروں سے لڑائیاں ہوتیں۔ غرضیکہ ایسے خود ساختہ سردار لوٹ مار کرتے۔ جتھوں کی شکل میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں پر چڑھ دوڑتے اور تباہی مچا دیتے۔ اور ہنستی ہوئی کھیتیاں اُجاڑ دی جاتیں۔

Scanned with CamScanner

آپس کے فسادات اور ہنگاموں میں وہ خون خرابہ ہوتا کہ جس کی کہیں بھی کوئی شنوائی نہ تھی۔
اس آپ راجی کے وقت پونچھ کی تحصیل پلندری کے موضع بھان تنی میں ساسن (سارسوت)
براہمن خاندان بڑا مشہور ہوا ہے۔ یہ خاندان کشمیر میں بہت عرصہ رہا۔ اور اس کا مورث اعلےٰ
کشمیر سے ہجرت کر کے بھان تنی میں آکر آباد تھا۔ اس خاندان میں ایک شخص دیوا نامی بڑا
بہادر اور نامور ہو گزرا ہے۔ جس نے آپ راجی کے دور میں مسلمان سرداروں سے مل کر ایک
جتھہ قائم کیا تھا۔ یہ جتھہ یا تو دشمن کے علاقہ پر خود ہی حملہ کیا کرتا تھا یا دشمن کے حملہ سے
اپنے علاقہ کی حفاظت میں جان لڑا دیتا تھا۔ ہندو مسلم ایسے جتھوں میں بلا تمیز و تفریق شامل
رہا کرتے۔ دیوا کے جتھے کا نام دیو پال مشہور تھا۔ اس کے بھاٹ ڈھوڑیا نے اس
خاندان کے بزرگوں کے جنگی کارناموں کی بار بنائی تھی جو کہ دو تارے کی لے پر بجا کر
گاتا تھا۔

دیو پال کی احسان شناسی

ایک مرتبہ دیو پال خاندان کے چالیس جوان اپنے دشمن سردار کے نرغے میں پھنس گئے جنہیں اُس نے
رسّوں سے جکڑ کر اپنے مکان کے اندر باندھ دیا۔ دشمن سردار نے اپنے ساتھیوں کو
کہا کہ ان سب دیو پالوں کو صبح ہوتے ہی ختم کر دیا جائے۔ لیکن سردار کی بیوی جو کہ
کسی اُونچے گھرانے کی لڑکی تھی، کے کان میں دیو پالوں کے قتل کی بھنک پڑ گئی۔ تو
وُہ بجلی کی مانند اپنے کمرے سے نکل کر اُس جگہ آن پہنچی جہاں کہ سردار اور اُس کے ساتھی
کھڑے تھے۔ اور دیو پال جتھہ کے جکڑے ہوئے جوان تڑپ رہے تھے۔ وُہ
تحکمانہ آواز میں بولی "نہیں نہیں۔ ایسا نہ ہوگا۔ مَیں ہرگز ہرگز اپنے گھر میں دیو پالوں کو
قتل نہ ہونے دوں گی۔ مَیں نے آج تک یہاں بہت خون ہوتے دیکھے ہیں لیکن آج
مَیں اس طرح کا ظلم اور وحشیانہ قتل دیکھنے کی روادار نہیں ہو سکتی۔ پہلے مجھے قتل کر لو۔
پھر انہیں قتل کر لینا۔ مَیں اپنے جیتے جی دیو پالوں کا خاتمہ نہیں دیکھ سکتی۔" اس پر سردار
نے اپنی بیوی کو بازو سے پکڑ کر کہا۔ "بہت اچھا صبح دیکھا جائے گا۔"

رات ہوئی سردار اور اُس کے ساتھی اپنے اپنے ہاں جا کر سو گئے۔ دیو پال جتھہ
موت کی گھڑیاں گننے لگا۔ دیو پالوں کا سردار جو کہ علاقہ بھر کے ہندو مسلمانوں میں ہر دلعزیز
تھا جس کی بہادری، دیا اور دھرم کا عام لوگوں پر اثر تھا اور جس کے گیان دھیان کی

وجہ سے ہندو مسلم سب اُس کا احترام کرتے تھے، اپنی اور اپنے ساتھیوں کی موت سے بے پرواہ ایشور کی یاد میں مگن تو تعجب کہ اُس کے باقی ساتھی موت کے خوف سے سسک رہے تھے۔ آدھی رات کو قدرت کا معجزہ جو ہؤا تو دیو پال سردار کے خود بخود بند کھل گئے، وہ اُٹھا اور سیدھا اپنے دشمن سردار کے کمرے میں جاکر اُس کے سرہانے تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ "اُٹھو اور بتاؤ کہ تمہیں کیفر کردار تک پہنچاؤں یا نہ، لیکن سوچتا ہوں کہ اگر میں تمہیں موت کے گھاٹ اُتار دوں تو تمہاری بیوی جو کہ ایک نیک اور خدا ترس خاتون ہے۔ اور جس نے میرے اور میرے ساتھیوں کی جان بچانے کے لئے تمہیں پکارا تھا، وہ بیوہ اور اُس کے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ اور میں ایسا فعل کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ کیونکہ میں احسان ناشناس کہلانا پسند نہیں کرتا۔ اگر تمہیں یقین نہیں تو دیکھو کہ میرے تمام ساتھی رسّوں سے جکڑے پڑے ہیں۔ اگر میں تمہاری تباہی چاہتا تو ان سب کو پہلے کھول دیتا اور تمہارے سرہانے اکیلا کھڑا نہ ہوتا۔ لیکن میں نے اپنی بہن جو کہ تمہاری بیوی ہے، کے سُہاگ کی خاطر تمہیں معاف کر دیا۔ اب تم جو چاہو کر لو۔ کیونکہ جب تک میرے ساتھی یہاں بندھے پڑے ہیں، میں یہاں سے جا نہیں سکتا۔" دشمن سردار کی عقل ٹھکانے آ گئی۔ وہ اُٹھا اور دیو پال کو گلے لگا لیا۔ اور اُس کے تمام ساتھیوں کو قید سے رہا کر دیا۔

جھتہ مست رام اور حسن علی خان

اسی خاندان دیو پال سے جھتہ مست رام لوچھ کے ایک سرکردہ اور بارسوخ زمیندار ہوئے ہیں۔ یہ وہی جھتہ مست رام ہے جس نے شمس خان ملدیال کے مقابلہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو رسد وغیرہ کی مدد دی تھی۔ اور اس خدمت کے عوض میں اُسے چار گاؤں بھان تنی۔ منجھاڑ۔ کلوٹ اور لہر جاگیر میں ملے تھے۔ آپ راجی کے زمانہ میں جھتہ مست رام کا زبردست دشمن ایک مسلمان سردار حسن علی خان تھا۔ ایک دفعہ وہ جنگل سے جھتہ مست رام کے آدمیوں کا بہت سا مال مویشی زبردستی چھین کر لے گیا تو جھتہ کا جتھہ بدلہ لینے کی تاک میں رہا۔ ایک سال کے بعد جب حسن علی خان موضع پرل میں گیا جو لہر سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر ہے تو جھتہ مست رام کا ایک جتھہ جو بارہ[۱۲] جوانوں پر مشتمل تھا اور جس کا سرگروہ جھتہ کا ایک چھوٹا بھائی تھا، اُس پہاڑ کی اوٹ میں

گھات لگا کر بیٹھ گیا تاکہ جب وہ واپس آئے تو اُسے مار دیا جائے۔ اٹھارہ یوم تک یہ جتھہ رسد وغیرہ کا سامان لے کر حسن علی خان کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ آخر جب مخبروں نے اُس کے آنے کی خبر دی اور موت حسن علی خان کو جتھے کے سامنے لے آئی تو گولیوں کی بوچھاڑ نے اُسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ اس کے بعد دونوں فریقوں میں بہت دنوں تک کشت وخون کا بازار گرم رہا۔

نیاز بی بی کا انتقام

ایک اور واقعہ اسی علاقہ کا پانچ سات سال بعد کا ہے جس زمانہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ دیس کی ریاستوں کو متحد کر کے اپنی حکومت کی بنیاد مضبوط کر رہا تھا، پونچھ میں محمد عالم خان اور نیاز بی بی کا قصہ لوک گیت کے طور عوام کی زبان پر تھا۔ محمد عالم خان ایک بہادر اور شہ زور شخص موضع لہر کے مغرب میں ایک گاؤں کوٹلی میں رہتا تھا۔ اس کا ایک بھائی تھا جس کی بیوی نہایت ہی خوبصورت اور نازک اندام تھی۔ یہ عام مشہور تھا کہ ایسی حسین وجمیل عورت دنیا کے پردہ پر خال خال ہی ہوگی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام منصور تھا۔ یہ اوائل عمر میں ہی بڑا جانباز اور بہادر ہو گیا۔ محمد عالم خان کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی کہ اُس کی موجودگی میں اُس کا برادر زادہ جو کہ ابھی بچہ ہی تھا لوگوں کی نظروں میں بہادر کہلائے اور اُس کی تعریف ہو۔ اس حسد سے محمد عالم خان اس قدر پاگل ہو گیا کہ ایک دن جب کہ منصور اور اُس کا باپ دونوں روزے سے تھے اُنہیں قتل کرنے کے لئے محمد عالم تلوار ہاتھ میں لے کر گھر سے نکل آیا اور اپنے بھائی کو جب کہ وہ اپنے مکان کی چھت پر یادِ الٰہی میں مصروف تھا، تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور نیچے آکر منصور کے ٹکڑے ٹکڑے اُس کی ماں کے سامنے کر کے چلتا بنا۔ نیاز بی بی اپنے شوہر اور اپنے لختِ جگر بہادر فرزند کے قتل سے پاگل ہو اُٹھی لیکن عورت ذات کیا کرتی، رو دھو کر چپ ہو رہی۔ چند ماہ بعد محمد عالم نے نیاز بی بی کو شادی کا پیغام دیا جسے نیاز بی بی نے منظور کر لیا اور دونوں میاں بیوی کے طور ہنسی خوشی سے دن گزارنے لگے۔ لیکن نیاز بی بی کے سینے میں اپنے پہلے خاوند اور بیٹے کی موت کے انتقام کی آگ ایک پل مدھم نہ ہو سکی۔

چند ایک سال بعد نیاز بی بی اپنے میکے جانے لگی تو محمد عالم نے کہا کہ مجھے تمہاری

گئی۔ ایک پل گوارا نہیں۔ تو نیاز بی بی نے اُسے بھی ساتھ لے لیا۔ چنانچہ محمد عالم اپنی جھینتی بیوی نیاز بی بی کو لے کر اُس کے میکے آ گیا۔ نیاز بی بی کے بھائیوں نے اپنی بہن سے دریافت کیا کہ "یہ تم نے کیا کیا؟ جس شخص کو ہم نے تمہیں بیاہ دیا تھا اور منصور جیسا بہادر بیٹا تمہاری کوکھ سے پیدا ہوا۔ اِن دونوں کے قاتل سے تم نے شادی کر لی!" تب نیاز بی بی نے اپنے بھائیوں کو شادی کی اصل غرض سے آگاہ کیا اور کہا کہ جو کچھ بھی میں نے کیا، درست سمجھ کر کیا۔ خون کا بدلہ خون سے لینا ہے۔ اور اسی لئے میں اسے ساتھ لے کر یہاں آئی ہوں۔

چنانچہ رات کو نیاز بی بی کے بھائیوں نے مل کر جب محمد عالم خان کو تلوار کے وار سے نیم جان کر دیا تو نیاز بی بی نے کہا کہ بس اب باقی کام میرے لئے چھوڑ دو۔ اور کلہاڑی کا ایک بھرپور وار نیم بسمل محمد عالم خان پر کر دیا تو اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ اُس کی چہیتی بیوی نیاز بی بی اُسے ذبح کر رہی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ اپنے خاوند اور بیٹے کا بدلہ لے رہی ہے۔ اِس کے بعد نیاز بی بی نے کلہاڑی کے کئی وار کر کے اُس کے زخموں پر نمک اور اُبلتا ہوا تیل چھڑک دیا اور وہ سسک سسک کر مر گیا۔ اور اِس طرح اُس ظلم رسیدہ خاتون نے اپنے انتقام کی آگ بجھا کر بقیہ زندگی اپنے میکے میں گزار کر ایک نیک خاتون کا درجہ پایا۔

راجہ شمس خان ملدیال

پونچھ کی تاریخ میں راجہ شمس خان ملدیال کا نام کافی مشہور ہے۔ اِس کا ایک بزرگ مرزا مولود بیگ مغل بادشاہ جہانگیر کے عہد میں کشمیر آیا تھا اور وہاں اُس نے حکمران قوم مغل ہونے کے ناطے اچھی پوزیشن حاصل کر لی۔ لیکن روز روز کے فسادات اور کشمیریوں کی مغلوں سے چپقلش اور حکومت کشمیر کے خلاف شورشوں سے تنگ آ کر وہ کشمیر سے چل کر براہ گلہ کے راستے پونچھ آیا اور تحصیل حویلی کے علاقہ ڈیگوار میں اقامت گزیں ہوا۔ اور یہاں درہ دولیاں کے ایک سردار کے ہاں شادی کی جس سے چار فرزند پیدا ہوئے۔ اِن چاروں کے کافی اولاد پیدا ہوئی اور اپنے باپ کے نام پر ملدیال مشہور ہوئے۔ اور یہ خاندان اتنا پھلا پھولا کہ پونچھ کی چاروں تحصیلوں میں اِس کی آبادی پھیل گئی۔ ملدیال قوم کی وجہ تسمیہ چند ایک تاریخوں میں مختلف روایتوں اور عجیب وغریب

کہانیوں پر مبنی لکھی گئی ہے۔ ایک کتاب بحر الجہاں میں تو اس قوم کی پیدائش ایک ہندو راجہ مل دیو کی لڑکی کے بطن سے ظاہر کی گئی ہے جس سے مغل بادشاہ شاہجہان کے بیٹے محمد شجاع نے پونچھ میں آکر شادی کی تھی۔ لیکن وہ راجہ مل دیو کس ریاست کا تھا۔ اس کا کوئی پتہ ٹھکانہ نہیں دیا۔ اور محمد شجاع پونچھ میں کس لئے آیا اور دلی سے آنے ہجرت کرنے کی کیا ضرورت ہوئی۔ اس کے متعلق بھی کچھ نہیں لکھا۔ اس روایت کو خود ملدیال قوم کے سرکردہ لوگ بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اُن کا بیان ہے کہ وُہ مغل نسل سے ہیں۔ اور مرزا مولود بیگ مغل ان کا جد امجد ہے۔ اور یہ بیان بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مرزا مولود بیگ کشمیر سے چل کر پونچھ کے علاقہ میں پہنچا تو اسے آپ راجی ملکے کے ذور کے کئی چھوٹے چھوٹے سرداروں سے لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ آدمی بہادر اور جنگ جُو تھا۔ اُس نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ مرزا مولود بیگ کی اولاد کی تعداد پونچھ میں بہت زیادہ ہے۔ اس قوم ملدیال کے اکثر افراد بہت نامور ہوئے ہیں جو کہ اپنے اپنے وقتوں میں سرکردہ رئیس بلکہ حکمران ہوئے۔ اور تحصیل حویلی پونچھ کے علاقہ دیگوار میں تو ان کی مدتوں حکومت رہی۔

۱۸۱۹ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر کو فتح کرکے پونچھ کے راجہ میرباز خان کو جو کہ وزیر روح اللہ کا بیٹا تھا گدی سے اُتار کر پونچھ کا الحاق لاہور دربار سے کر لیا تو اُس کے چند سالوں بعد جب راجہ دھیان سنگھ وزیر اعظم لاہور کو چھال اور پونچھ کا علاقہ جاگیر کے طور عطا کیا تو راجہ دھیان سنگھ نے سیاسی مصلحت اس بات میں سمجھی کہ پونچھ کے علاقہ کا کوئی ذی عزت اور سرکردہ رئیس اپنے مختار کار دیوان دلباغ رائے کے ساتھ لگا کر حکومت پونچھ کو ٹھیک طرح سے چلایا جائے۔ اس وقت موضع چھانزہ علاقہ دیگوار تحصیل حویلی میں راجہ شمس خان ملدیال کا بڑا اثر اور رعب تھا اور پونچھ کے اردگرد دیہات میں بھی اُس کا دبدبہ تھا۔ چنانچہ دیوان دلباغ رائے مختار پونچھ کو حکم دیا گیا کہ وہ راجہ شمس خان ملدیال کے صلاح و مشورہ سے حکومت کا کام چلائے۔ شروع شروع میں دیوان دلباغ رائے اور شمس الدین خان کے باہمی اتفاق اور اشتراک سے پونچھ کا نظم و نسق ٹھیک طرح سے چلنے لگا۔ لیکن چند ماہ کے بعد مفاد پرستوں اور چغل خور اہلکاروں نے دونوں سربراہوں کے درمیان ناچاقی پیدا کر دی اور دیوان دلباغ رائے نے راجہ گلاب سنگھ والئ ریاست جموں جو کہ اصل حکمران حکومت پونچھ تھا کو دانستہ

شمس خان اسکے خلاف رپورٹ کی کہ پونچھ میں فساد اور بغاوت کا خدشہ بڑھ رہا ہے اور اُس سمامشیر شمس خان در پردہ شورش کو ہوا دینے پر تُلا ہے۔ گلاب سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو تمام حالات سے مطلع کیا۔ تو وہاں سے ناظم کشمیر کو حکم دیا گیا کہ وُہ فوج لے کر پونچھ میں جائے اور حالات کو قابو میں کرے۔ لیکن ناظم کشمیر کو وہاں کے مسائل اور سیاسی امُور کی وجہ سے فُرصت نہ تھی۔ تب راجہ گلاب سنگھ نے بحکم مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے ولی عہد میاں اُودھم سنگھ کو براستہ کوٹلی پونچھ بھیجا۔ اور اُس کے ساتھ میاں لعب سنگھ اور وزیر زور آور سنگھ کو ملٹری ایڈوائزر کے طور پر مامور کیا۔ جنہوں نے دریائے جہلم کو ٹنگلا کے مقام سے عبور کر کے پونچھ کی طرف کُوچ کیا اور قلعہ منک پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا۔ راجہ شمس خان نے جب دیکھا کہ دیوان دلباغ رائے نے محض ذاتی مخالفت اور درباری شاطروں کے بہکاوے میں آکر خواہ مخواہ اُس کے خلاف جھوٹ کا طوفان کھڑا کیا ہے تو اُس نے اپنی بریّت کی معقول وجوہات دیکر اور بشرط زندگی وفادار رہنے کے لئے ایک مفصل عرضداشت دربار لاہور میں بھیجی۔ لیکن اُس کی کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ تب اُس نے اپنی جان اور آبرو بچانے کے لئے اعلانیہ بغاوت کا علم بلند کر کے ریاست پونچھ کے قرب وجوار کے کئی قلعے ڈوگرہ اور خالصہ افواج سے چھین لئے۔

راجہ گلاب سنگھ کو جب راجہ شمس خان اور اُس کے حمایتیوں کی ہمہ گیر سرکشی اور بغاوت کی خبر پہنچی تو وُہ ایک لشکر جرّار لے کر پونچھ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن راجہ شمس خان کا کہیں پتہ نہ چلا۔ تب ملدیال قوم کے لوگوں پر سخت تشدّد کیا گیا۔ مولوی محمد دین فوق مؤلف تاریخ اقوام پونچھ نے لکھا ہے کہ ڈوگرہ فوج نے ملدیالوں کے رہائشی مکان جلا دئے اور اُن کا ساز و سامان اور کاغذات اور قدیمی پٹہ جات اور سندات خاک سیاہ کر دی گئیں۔ اِس دوڑ دھوپ میں راجہ شمس خان کے دو ساتھی اور مشیر ملّی خان و سبز علی خان گرفتار کر لئے گئے۔ اور اُن دونوں کی کھالیں اُتروا کر اور اُن میں بھوسہ بھر کر لوگوں کی عبرت کے لئے درختوں پر لٹکا دی گئیں۔ ساتھ ہی پونچھ کے دیہات میں ڈھنڈورہ پٹوایا گیا کہ شمس خان اور اُس کے برادر زادہ راج علی خان کو جو کوئی گرفتار کریگا اُسے انعام کثیر دیا جائے گا۔ لیکن ہر دو چچا بھتیجے کا کہیں پتہ نہ ملا۔ راجہ گلاب سنگھ متواتر تین ماہ علاقہ پونچھ کو سر کرنے میں مصروف رہا۔ آخر مخبروں نے خبر دی کہ راجہ

شمس خان اور راج ولی دونوں راجہ شیرباز خان سدھروں والے کے پناہ گزین ہیں۔ تو گلاب سنگھ نے سدھروں کے رئیس شیرباز خان کو خط لکھا کہ " خالصہ سرکار کے دونوں باغیوں کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ ورنہ علاقہ سدھروں کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا" ادھا بھی سدھروں پر حملہ کرنے کی تیاری کی جا رہی تھی کہ اکبر خان اور محمد خان تیزلواہ قوم کے دو نوجوانوں نے انعام کی خاطر دھوکا و فریب سے شمس خان اور راج ولی خان کو قتل کر دیا۔ اور ان کے سر کاٹ کر راجہ شیرباز خان کے پیش کر دیئے اور شیرباز خان نے راجہ گلاب سنگھ کے پاس بھیجوا دیئے۔ اور اُس نے دربار لاہور میں شمس خان کے مارے جانے اور پونچھ کی بغاوت فرو ہونے کی اطلاع بھیجی۔ راجہ گلاب سنگھ نے شمس خان کے خاتمہ کے بعد اُس کی قوم کے بعض ملدیالوں کو اُن کی خدمات کا معاوضہ چھوٹی چھوٹی جاگیریں دے کر ادا کیا۔ اور صحیح بات یہ بھی کہ پونچھ کی کسی قوم میں اتنے جاگیردار اور نمبردار نہیں جتنے کہ ملدیال قوم کے۔ یہ قوم خالص زمیندار پیشہ ہے۔ اور پونچھ کے ڈوگرہ راجگان کی وفادار رہی ہے۔ ملدیال خالصتاً مُغل نسل سے ہیں اور ملدیال کے نام پر پونچھ میں کئی دیہات آباد ہیں۔

پونچھ کی سُدھن قوم

راجہ شمس خان ملدیال کی سرکوبی کے لئے جب راجہ گلاب سنگھ اپنی فوج کے ساتھ پونچھ پر حملہ آور ہوا تو پونچھ کی جس قوم نے اُس کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور نہایت حوصلہ اور صبر سے اپنے جوانوں اور نونہالوں کی موت کو برداشت کیا، وہ قوم سُدھن ہے۔ جس کی سخت جانی اور جفاکشی اور مردانگی و شجاعت ایک عالم میں مشہور ہے۔ سُدھن افغانوں کی سدوزئی شاخ سے وابستہ ہیں۔ پونچھ کی تحصیل سدھنتی میں سُدھن بکثرت آباد ہیں۔ اور اس تحصیل کا نام سدھنوں کی وجہ سے سدھنتی مشہور ہے۔ لیکن اس قوم کے حسب و نسب کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے۔ راقم الحروف نے تاریخ گلاب سنگھ لکھنے سے پہلے اس قوم کو چندربنسی راجپوتوں کی نسل سے سمجھتا تھا جو کہ دلی کے مسلمان بادشاہوں کے زیر اثر مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن اب جبکہ زیر نظر تاریخ کی ترتیب کے دوران مجھے بہت زیادہ تواریخی کتب کا مطالعہ کرنا پڑا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ پونچھ کے سُدھن افغان نسل سے ہیں اور سدوزئی افغان قبیلہ سے وابستہ ہیں۔

ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ نے تاریخ راجگان جموں و کشمیر میں "جغرافیہ ریاست جموں و کشمیر" کے بیان میں لکھا ہے کہ "ریاست پونچھ خاندان سدھن چندربنسی کی راجدھانی تھی جو کہ آج کل مسلمان ہو چکے ہیں"۔ اور تاریخ راجپوتاں پنجاب میں لکھا ہے کہ راجہ گوڑ سین کا فرزند سدھ سین تھا جو کہ سدھن قوم کا بانی ہے۔ اور یہ قوم تمام کی تمام مسلمان ہو چکی ہے۔ اور سدھنوں میں کوئی بھی ہندو نہیں"۔ آگے چل کر اسی تاریخ میں سدھنوں کو راجگان کشتواڑ یہ چندربنسی گوڑ سے ملایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ "گوڑ سین جس کا اصلی نام ہمیر سین تھا راجہ روپ سین بانی قصبہ روپڑ (پنجاب) کا تیسرا بیٹا تھا۔ جو کہ سنیاسی سادھوؤں کے ایک قافلہ کے ساتھ شری امرناتھ جی کے درشنوں کے لئے ملک کشمیر میں آیا۔ اور واپسی پر جب میدان کشتواڑ میں ڈیرہ لگایا۔ اس کو وہاں کی آب و ہوا پسند آئی۔ مدت تک سادھوؤں کے بھیس میں رہ کر کشتواڑ کے لوگوں سے راہ و رسم پیدا کر کے وہاں کا راجہ بن گیا اور اپنا نام خاندان گوڑ چندربنسی سے وابستہ ہونے سے گوڑ سین مشہور کیا۔ اس گوڑ سین کے پوتے کا نام صورت سین تھا جس کے دو بیٹے سجن سین اور سدھ سین ہوئے۔ سجن سین کا چھوٹا بھائی سدھ سین کشتواڑ سے ہجرت کر کے پونچھ میں چلا آیا جس نے اپنے نام پر علاقہ سدھنتی آباد کیا اور اس کی اولاد سدھن مشہور ہوئی"۔ آگے چل کر لکھا ہے کہ "سجن سین کی چھٹی پشت میں کشتواڑ کا راجہ رحیم اللہ سنگھ ہوا جس نے مغل بادشاہوں کے عہد میں اسلام قبول کر لیا۔ اس کا بیٹا عنایت اللہ سنگھ ہوا جس کے دو بیٹے سوجان سنگھ اور گمان سنگھ ہوئے۔ اُن کا زمانہ مہاراجہ رنجیت دیو والئی جموں کے وقت اٹھارھویں صدی کے وسط کا ہے"۔ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ ایسے مشہور تاریخ دان اور مؤلف، جس نے بے حد تحقیق اور محنت کے بعد راجپوتاں ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ لکھی ہے اور اُن کے شجرہ نسب خاندان وار دئے ہیں، نے کشتواڑ کے راجگان چندربنسی کے شجرہ نسب میں سخت غلطی کھائی ہے جس پر حیرانی کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ کشتواڑ کے راجگان گوڑ خاندان سے وابستہ ضرور ہیں لیکن کشتواڑ میں آ کر جس راجہ نے پہلے پہل اپنی خود مختار حکومت قائم کی ہے وہ راجہ کاہن پال ہے۔ جو راجہ ماناک پال والئی گوڑ بنگال اُجین کا بیٹا تھا نہ کہ ہمیر سین راجہ روپ سین کا

فرزند - اور ہمیر سین (گوڑ سین) کے پوتے صورت سین کے دو بیٹوں سجن سین اور سدھ سین
کا جو نام دیا گیا ہے، سجن سین کے نام سے کوئی بھی راجہ کشتواڑ میں نہیں ہوا۔ بلکہ راجہ
کاہن پال کا پوتا راجہ مہاسین ہوا جس کے چندر سین اور نریندر سین دو بیٹے ہوئے۔
چندر سین ۷۴۶ء میں راہی ملک بقا ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بھائی نریندر سین کشتواڑ
کے تخت پر بیٹھا۔ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ کے مرتب شدہ شجرہ نسب کے مطابق گوڑ سین
کے پوتے صورت سین کے بڑے بیٹے سجن سین کی چھٹی پُشت میں راجہ رحیم اللہ سنگھ ہوا
جس نے اسلام قبول کیا۔ لیکن کشتواڑ کے جس راجہ نے اسلام قبول کیا وُہ جے سنگھ تھا
جو راجہ نریندر سین کی ۳۳ ویں پُشت میں تھا اور ۱۷۶۳ء میں وُہ مسلمان ہوا۔ کشتواڑ
میں راجہ گوڑ سنگھ ایک راجہ ضرور ہوا ہے جس کی مسند راجگی ۱۶۱۸ء میں ہوئی۔ اس
طرح کاہن سنگھ بلاوریہ نے کشتواڑ کے راجگان کا جو سلسلہ نسب دیا ہے، وُہ
سرتاپا غلط ہے۔ اور سدھ سین جس کے نام پر سدھونتی کی آبادی کو منسوب کیا
گیا ہے، اس نام کا کوئی راجہ یا کسی راجہ کا بھائی اور بیٹا نہیں ہوا۔ سُدھن قوم
کی ابتدائی تاریخ کے متعلق جو کچھ بھی تاریخ راجپوتاں پنجاب میں درج کیا گیا ہے،
اُس سے صداقت کا مطلق واسطہ نہیں اور اسے محض خیالی قرار دیا جاسکتا ہے۔
مولوی محمد الدین فوق مصنف تاریخ اقوام پونچھ نے سُدھن قوم کو افغان نسل سے
لکھا ہے۔ اور کئی ایک تاریخوں اور واقعات کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ
سُدھن قوم افغانستان کے سدوزئی قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ چنانچہ تاریخ "حیات
افغانی" کے حوالے سے فوق صاحب نے لکھا ہے کہ بادشاہ اکبر کے وقت افغانوں
کی پوپل زئی شاخ میں عمر ابدالی کے دو بیٹے ملک صالح اور ملک اسداللہ پیدا
ہوئے۔ اسداللہ بچپن سے ہی سیدو کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اسی سیدو کی
چھٹی پُشت میں احمد شاہ ابدالی سدوزئی ہوا۔ جس نے پنجاب کو سرہند اور دہلی
تک کئی بار پامال کیا۔ اور جس کے پوتے شاہ زمان نے شاہی سند لکھ کر رنجیت سنگھ
کو لاہور پر قبضہ کرنے کا اختیار دیا تھا۔ جب نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی
۱۷۴۷ء میں تخت نشین ہوا تو اُس کی عمر صرف ۲۳ سال تھی۔ اُس نے ابدالی اور
سدوزئی دونوں نام بدل کر اپنا نام دُرانی رکھا۔ کیونکہ اُس کے مرشد صابر شاہ

مجذوب نے اُسے دُرِ دوراں کے نام سے پکارا تھا یعنی زمانہ بھر کا موتی۔ احمد شاہ نے دُرِ دوراں کو دُرِ دُرّاں سے تبدیل کر دیا یعنی موتیوں کا موتی۔ اس لفظ نے رفتہ رفتہ دُرانی کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ احمد شاہ سے آوپر اس کی قوم کے افراد ابدالی اور سدوزئی کہلاتے ہیں اور احمد شاہ کی اولاد دُرانی کے نام سے مشہور ہے۔

سدوزئی قوم افغانستان کے پہاڑی علاقوں کے علاوہ پشاور۔ لاہور وغیرہ میں آباد ہیں۔ اور اس کے چند ایک گھرانے کشمیر میں بھی موجود ہیں۔ اور پونچھ میں اس کی بہت زیادہ تعداد سدھنوں کے نام سے چلی آ رہی ہے۔ اصل نام بانیٔ قوم کا سدّو ہے۔ زئی اولاد یا نسل کو کہتے ہیں۔ اس لئے سدّو سے سدھن بن جانا تعجب انگیز نہیں بلکہ اسے حقیقت سمجھا جا سکتا ہے۔

پونچھ کے سدھنوں کی قومی روایات اور عادات و خصائل افغان اقوام سے بڑی حد تک مشابہ ہیں۔ جس طور افغانستان کے پہاڑی علاقوں کے پٹھان پشاور اور گرد و نواح میں محنت مزدوری کرتے ہیں اور فوجی سپاہیوں میں بکثرت بھرتی ہوتے ہیں۔ اسی طرح سدھن بھی اپنے علاقہ میں پیداوار کی کمی کے باعث محنت مزدوری کے لئے راولپنڈی، کوہ مری اور لاہور تک چلے جاتے ہیں۔ اور ملٹری میں تو ہزاروں کی تعداد میں سدھن موجود ہیں۔ افغانستان میں کئی ایسی اقوام جن میں سدوزئی اور دُرانی بھی ہیں، روپیہ جنس لے کر لڑکیوں کا ناطہ دیتی ہیں۔ اور پونچھ کے سدھنوں میں ناطہ و شادی میں روپیہ اور جنس لینے کا رواج کثرت سے ہے۔ اس رسم کو ختم کرنے کے لئے صوبیدار خان محمد خان ممبر اسمبلی (پرجا سبھا) جموں و کشمیر نے ایک بل مہاراجہ ہری سنگھ کے وقت اسمبلی میں پیش کیا تھا۔ افغانستان میں شجاعت۔ جہالت اور انتقامی جذبہ کی کمی نہیں۔ اور یہی سب باتیں پونچھ کے سدھنوں میں موجود ہیں۔ اور ان کا ثبوت ان کے آئے دن کے دنگہ فسادات اور عدالتی مقدمات سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو امیر ہے وہ تو امیر ہی ہے لیکن جو غریب ہے، وہ بھی اپنے آپ کو احمد شاہ دُرانی سے کم نہیں سمجھتا۔ اپنی خاص عادات کی وجہ سے سدھن قوم پونچھ کی دوسری قوموں سے بالکل مختلف اور علیحدہ معلوم ہوتی ہے۔ تعلیم کی کمی۔ خون کا جوش۔ باہمی تنازعات۔ قومی تفاخر۔ جہالت اور بربریت اور لڑکیوں کے ناطہ لینے دینے میں

روپیہ اور جنس لینے کا رواج اور ان سب باتوں کے باوجود مہمان نوازی کا وصف یہ سب امور افغانی خصائل سے ملتے جلتے ہیں اور سدھنوں کی شکل و صورت۔ قد و قامت اور خد و خال غرضیکہ معاشرت کا تعلق افغانستان سے دور دراز پونچھ کے علاقہ میں رہنے سے اب تک اُن کے افغانی نسل ہونے کا ثبوت ہے۔

پونچھ میں ایک قوم سودن بھی ہے جو ہندو براہمن ہیں۔ راجپوت نہیں جنہوں سے سُدھنوں کی دُور کی بھی مناسبت نہیں۔ سُدھن مُسلم ہیں اور سُودن ہندو براہمن۔ گو دونوں کے نام ایک سے ہیں۔ شاید اسی لئے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ سُدھنوں میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ پونچھ کے راجہ بلدیو سنگھ کے وقت پونچھ کا گورنر خان محمد سردار محمد اشرف تھا جو پوپل زئی شاخ کے ایک قبیلہ سے تھا۔ اُس کے بیان کے مطابق "سُدھن قوم افغان ہے جو سدوزئی قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں سدھن افغانوں کے نزدیک ہیں۔ اور اُن کی فطرت سدوزئیوں سے ملتی ہے۔ اُن کے چہرے، اُن کی آنکھیں اور وضع قطع اُن کے افغان ہونے کا یقین دلاتی ہیں۔ جنگ یورپ ۱۹۱۴-۱۹ء میں ہزارہا سُدھن پونچھ کے علاقہ سے بھرتی ہوئے۔ اور اپنے شجاعانہ کارناموں کی بدولت سدھن قوم ہندوستان کی جنگ جُو و جنگ آزما قوموں میں شمار ہو رہی ہے۔"

سدوزئی شاخ کا ایک سرکردہ رئیس جلّبی خان اپنے تین فرزندوں کے ساتھ خانگی تنازعات کی وجہ سے چارسدّہ سے نکل کر پہلے پہل تحصیل کہوٹہ (راولپنڈی) کے ایک گاؤں سلہٹ میں آیا۔ اور بعد میں تحصیل کوٹلی کے گاؤں نڑالہ میں آگیا جہاں کہ اُس نے کئی ایک دیہات پر قبضہ کر لیا اور بعد میں پلندری کی طرف رُخ کیا جدھر قدم اُٹھایا، کامیابی حاصل کی۔ اُس کی اولاد تحصیل سدھنتی میں پھیل گئی۔ اور اس کے علاوہ تحصیل حویلی، مینڈھر اور باغ میں بھی اِس خاندان نے اپنا اثر قائم کر لیا۔

سدھن قوم نے سدھنتی میں جو اِنہی کے نام پر پونچھ کا ایک مشہور مردم خیز علاقہ ہے، کئی دیہات اپنے قبضہ میں کر لئے۔ اُن کی طرز حکومت افغان قبائل کی مانند تھی۔ ایک ایک قبیلہ کا ایک ایک خان یعنی سردار ہوتا تھا۔ ہر ایک بڑے سردار نے اپنے علاقہ میں کوئی نہ کوئی قلعہ بنوا رکھا تھا۔ اُس زمانہ میں قلعہ کو ڈہلی کہتے تھے۔

سردار شمس خان سدھن

جب راجہ گلاب سنگھ شمس خان ملدیال کے خلاف صف آرا تھا تو پونچھ کے سدھنوں نے بڑی بہادری اور بے جگری سے مقابلہ کیا اور اپنی آزادی کی خاطر اور موہن وطن کے لئے بڑی بھاری قربانیاں دیں۔ چنانچہ سدھنوں نے اپنی اپنی ڈھیریاں میں مورچے لگا کر گلاب سنگھ کی افواج کی زبردست مدافعت کی۔ راجہ گلاب سنگھ کے حملہ پونچھ کے وقت پونچھ میں حیدر خان۔ رگھالہ میں ملی خان و سبز علی خان۔ منگ میں جموں خان۔ پلنگی میں بلند خان۔ ریہوٹہ میں سکندر خان۔ درار میں یوسف خان اور دوسری کئی ایک ڈھیلیوں میں بڑے بڑے سردار تھے لیکن ان سب میں جس سردار کو امتیاز حاصل تھا، وہ سردار شمس خان سدھن علاقہ پرل کی ڈھیلی دھمنی کا تھا جس نے سب سرداروں کو گلاب سنگھ اور اُس کی فوجوں کا جی توڑ مقابلہ کرنے کی پکار کی تھی۔ اور اپنے اپنے علاقہ کو تادم زلیست آزاد رکھنے کا تہیہ کیا تھا۔ غرضیکہ سدھن بچوں، عورتوں اور بوڑھوں تک نے سینہ سپر ہو کر ڈوگرہ افواج کے مقابلہ میں شجاعت اور مردانگی کا پرچم بلند رکھا۔

راجہ گلاب سنگھ، میاں لعب سنگھ۔ وزیر زور آور سنگھ اور میاں اُدھم سنگھ ولی عہد جموں اپنی فوجوں کے ساتھ علاقہ پلندری میں چھا گئے۔ اور اُنہوں نے راجہ شمس خان ملدیال کے جی دو مشیران ملی خان و سبز علی خان کی کھالیں اُتروائی تھیں، وہ سدھن سردار ہی تھے۔ بلکہ ان کے علاوہ بہت سے سدھنوں کو سزائیں دیں اور انکی ڈھیلیاں مسمار کر دیں اور بڑے بڑے سرداروں کو قتل کیا۔ اور آخر میں سردار شمس خان سدھن اور راجب علی خان کو موت کے گھاٹ اُتار کر پونچھ کے علاقہ کی تمام شورش اور فساد کو ختم کیا۔ اس لڑائی میں جن سدھن سرداروں نے ڈوگرہ افواج کی مدد کی، اُنہیں فوج میں اچھے اچھے عہدے دئے۔ اُن میں سرداران کالا خان، ملا خان بھنجرا، جموں خان اور راجہ ولی خان کے نام قابل ذکر ہیں۔ اور باقی سرداروں کو کہا کہ وہ اپنے بھائی بیٹے فوج میں بھرتی کرائیں تاکہ آئندہ شورش کا سدباب کرنے کے لئے وہ ذمہ دار ہوں۔ پونچھ کے سدھنوں نے اپنی آزادی کی خاطر ایک خود دار اور غیرت مند قوم کی مانند اپنی

جانیں قربان کیں لیکن جب انہیں اپنی ناکامی کا یقین ہوگیا تو ایک وفادار اور بہادر
قوم کی طرح ڈوگرہ حکومت کے تسلّط کو قبول کیا۔ اور جب مہاراجہ گلاب سنگھ کے حکم سے
گلگت پر حملہ کیا گیا تو ڈوگرہ افواج میں بیشتر سُدھن جوان بھی شامل تھے۔ اور گلگت
کی فتح میں سُدھنوں کا نمایاں حصّہ تھا۔ چنانچہ راجگان گلگت کو مطیع کرنے کے بعد مہاراجہ
گلاب سنگھ نے سُدھن قوم کے دو سرداروں راج ولی خان اور سردار بہادر علی خان کو طلائی
کڑے اور کرڑوں کے علاوہ موخر الذکر کو ایک قیمتی ہار بھی انعام کے طور دیا۔

راجہ گلاب سنگھ اور ڈوگرہ افواج نے جب تحصیل سدھنتی (پونچھ) میں سُدھنوں
کا قتل عام کیا۔ تو سدھن زن و مرد کی معقول تعداد قیدیوں کی صورت میں جموں لائی گئی۔ ان
میں سردار شمس خان سُدھن کی بیوہ مسماۃ پھولاں اور اُس کے تین نابالغ بچّے بھی تھے۔ اور
ان کے علاوہ سُدھن لڑکیاں فضل بی بی۔ بی بو۔ فضل زبانیہ۔ پیپو۔ چراغ بی بی۔ روشنائی۔
شمسال۔ لوٹی۔ مکھو بھی قیدیوں میں تھیں۔ شمس خان سُدھن کے تینوں بچوں کے قتل کی
تجویز ہو گئی تھی لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ نے بچوں کا قتل منظور نہ کیا۔ اور مسماۃ پھولاں
اور اُس کے بچوں کو خیری تحصیل رنبیر سنگھ پورہ میں ایک سو ایکڑ اراضی اور ایک سو روپیہ
نقد کی جاگیر دی۔ شمس خان کے تینوں بچے مراد خان۔ کالا خان اور بیر ولی خان بڑے ہو کر
علاقہ کے سرکردہ زمیندار شمار ہوئے۔ اور ان کی اولاد خیری میں آباد ہے اور خوشحال ہے
مراد خان کے پوتے حاکم خان۔ اور نواب خان تھے۔ [illegible] خان سے مؤلف کی شناسائی تھی
سُدھن لڑکیاں جو قیدیوں کے طور جموں لائی گئی تھیں۔ ان کی شادیاں مہاراجہ گلاب سنگھ
نے جموں میں ہی کرا دیں۔ چنانچہ فضل زبانیہ کی شادی جموں ار فراش خان جیون خان جرال سے
ہوئی۔ اور بی بو کا نکاح سردار عبداللہ خان [illegible] سے ہو گیا جن کے بطن سے سردار
محمد اکبر خان وزیر وزارت (ڈپٹی کمشنر) گلگت اور سردار یار محمد خان کرنل ہوئے۔ سردار
محمد کرم خان ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر پریذیڈنٹ [illegible] کمیٹی جموں سردار محمد اکبر خان کے
ہی فرزند تھے۔ کرنل سردار یار محمد خان کے سات بیٹے تھے محلہ افغاناں جموں کا یہ مشہور
خاندان ہوا۔ سردار عبدالحکیم خان درانی بار ایٹ لا د چیئرمین پاکستان سروس کمیشن . . . . . .
کیپٹن عبدالمجید خان اور کیپٹن عبدالحمید خان انہی میں سے تھے۔ اسی
طرح دوسری لڑکیوں کی بھی شادیاں ہوئیں لیکن روشنائی، شمسال، اور لوٹی نے کسی کے ساتھ

نکاح قبول نہ کیا۔ اور وہ تا دم زیست جموں ہیں ہی رہیں۔ انہیں سرکاری وظیفہ ملتا رہا اور طبعی عمر گزار کر اپنا اپنا قالب تہی کیا۔

عالمگیر جنگ یورپ میں سُدھن قوم کے سینکڑوں نوجوانوں نے افواج میں بھرتی ہو کر اپنے سپاہیانہ جوہر دکھائے اور کیپٹن۔ لیفٹیننٹ صوبیدار میجر صوبیداری اور جمعداری تک کا درجہ پایا اور اعزانات اور خطابات حاصل کیئے۔ مؤلف کو سُدھن قوم کے ملٹری جوانوں کی ایک فہرست ملی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ ایک صد بیس[120] افراد آرمی کے آفیسر تھے اور بیسیوں اصحاب خطاب یافتہ تھے۔ سپاہیوں کی تعداد تو ہزاروں تک تھی جنہیں حکومت پونچھ اور حکومت ہند کی طرف سے اُن کی ملٹری خدمات کے صلہ میں اراضیات کی صورت میں جاگیریں اور نقدی سالانہ ملتی تھی۔ سُدھن ایک پیدائشی جنگی قوم تسلیم ہوئی جبکہ سُدھن جوانوں نے عالمگیر جنگ یورپ کے دوران عراق۔ بصرہ۔ دڑہ دانیال۔ بغداد۔ کوئٹہ اور صوبہ سرحد میں اپنے جانبازانہ کارناموں اور بہادری سے جوہر دکھائے۔ اور دُنیا کے مختلف ممالک میں پونچھ جیسے گمنام پہاڑی علاقہ کی شہرت پہنچائی۔ ملٹری کے علاوہ سُدھن کافی تعداد میں سِول ملازمت سے بھی وابستہ ہوئے۔ چنانچہ محکمہ مال محکمہ تعلیم محکمہ جوڈیشل محکمہ کسٹم محکمہ پولیس اور دیگر محکمہ جات میں بہ کثرت سے ملازم رہے۔ پونچھ کے ڈوگرہ راجگان سے جو وفاداری اور خیر خواہی اس قوم نے دکھائی وہ اپنی مثال آپ تھی۔ تاریخ اقوام پونچھ میں لکھا ہے کہ پونچھ کے راجہ بلدیو سنگھ کو سُدھنوں کی جنگی سپرٹ اور بہادری کی بدولت ہی حکومت ہند نے میجر کا خطاب عطاء کیا بلکہ سات توپ کی سلامی بھی راجہ پونچھ کو ملی۔

دارد ابھیسار

تواریخ قدیم آریہ ورت مصنفہ ٹھاکر نگینہ رام پرہار میں لکھا ہے کہ ریاست پونچھ جس کی پراچین راجدھانی لوہر کوٹ تھی اسکو دارد ابھیسار کہا جاتا تھا۔ اور یہ ریاست ابتداء سے ہی کشمیر میں چلی آتی تھی۔ راجگان بلخ بخارا کابل۔ قندھار کے ساتھ اِس ریاست کے حکمرانوں کے تعلقات رشتہ داری تھے۔ یہ اُس زمانہ کی بات ہے جبکہ مذہب اسلام ان ریاستوں میں نہیں پہنچا تھا۔ ریاست دارد ابھیسار کا راجہ سنگرام جو کہ راجہ نر کے بیٹے راجہ نرباہن کی پانچویں پشت میں تھا، نے افغانستان کے حکمران بھیم شاہی کی راجکماری سے شادی کی جس کے بطن سے راجکماری وِدا پیدا ہوئی۔ اس کی شادی کشمیر کے راجہ شیم گپت سے ہوئی۔ اس رشتہ داری نے دارد ابھیسار کو یکایک گمنامی سے اُٹھا کر شہرت کے بام پر پہنچا دیا۔ تواریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ

دارد ابھیسارہ کا صدر مقام لوہر کوٹ ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ تھا۔ اور ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں دشمن کی رسائی کسی طرح بھی ممکن نہ تھی۔ جب کشمیر کا راجہ کشیم گپت مرگیا تو اُس کی رانی وِدا نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو بھی جو کہ کشمیر کے اصلی وارث تھے ختم کر دیا اور کشمیر کی حکومت خود سنبھال لی۔

کشمیر پر لوہر خاندان کی حکومت

کشیم گپت کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا ابھمنیو رانی وِدا کی سرپرستی میں کشمیر کا حکمران ہوا۔ رانی وِدا نے وزیر نرواہن کی مدد اور مشورہ سے آئے دن کی بغاوتوں اور درباری سازشوں کو فرو کیا۔ لیکن چند ایک سالوں کے بعد رانی وِدا اور وزیر نرواہن میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اسی اثناء میں راجہ ابھمنیو مرگیا۔ اُس کے بعد اُس کے بیٹے نندی گپت، تربھوان اور بھیم گپت یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے جو اپنی دادی رانی وِدا کے اقتدار کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہے لیکن رانی کے ہاتھوں مارے گئے۔ جب تخت کشمیر کا کوئی بھی وارث نہ رہا تو رانی وِدا نے حکومت کا تاج خود پہن لیا اور وزیر تنگ کے مشورہ سے حکومت چلانے لگی۔ رانی کا بھائی راجہ وِگرہ راج لوہر کا حکمران تھا۔ اُس نے کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے حملہ کر دیا۔ لیکن وزیر کی دانائی سے ناکام واپس ہوا۔ اس کے عین بعد راجپوری (راجوری) کے راجہ پرتھوی پال نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تو وزیر تنگ نے کشمیر سے چل کر اُسے شکست دے کر مطیع کر لیا۔ رانی وِدا نے کشمیر میں ۲۳ سال حکومت کی اور اپنے بڑھاپے کے ایام میں دارد ابھیسارہ (لوہر) کے حکمران اُدے راج کے بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور بہت سے سیب زمین پر پھینک کر کہا کہ تم میں سے جو کوئی زیادہ سیب اکٹھے کرے گا، اُسے کشمیر کی حکومت دی جائے گی۔ چنانچہ سیب حاصل کرنے کے لئے راجہ لوہر کوٹ کے بیٹے آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اور رانی نے دیکھا کہ اُس کے بھتیجے سنگرام راج کے پاس سب سے زیادہ سیب ہیں۔ اور اس ہاتھا پائی میں اُسے چوٹ بھی نہیں آئی ہے جب کہ دوسروں کو چوٹیں بھی آئی ہیں اور سیب بھی کم ملے ہیں۔ چنانچہ رانی نے سنگرام راج کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ رانی وِدا کے آخری ایام میں سلطان محمود غزنوی نے کشمیر پر حملہ کیا تھا لیکن لوہر کوٹ کے مقام پر آکر اُسے ناکام واپس ہونا پڑا تھا۔

مہارانی وِدا کی وفات کے بعد لوہر خاندان کا راجہ سنگرام راج کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔

سنگرام راج کے بعد اُس کا بیٹا ہری راج حکمران ہوا۔ لیکن اُس کی ماں نے بائیس دن کے بعد خود حکومت کرنے کے لالچ میں اسے مروا دیا۔ اور جب وہ تخت نشینی کی خاطر شاہانہ لباس زیب تن کرنے سے پہلے غسل کرنے لگی تو اسی عرصہ میں ہری راج کے سوتیلے بھائی ساگر نے اُس کے بیٹے اننت کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد اننت کے چچا وگرہ راج والئی لوہر کوٹ کشمیر پر حملہ آور ہوا۔ وہ لوہر کوٹ سے کوچ کرتا ہوا اڑھائی دن کے اندر کشمیر کی راجدھانی میں داخل ہو گیا اور لوٹھکا متھ میں اپنا کیمپ لگایا۔ لیکن رات کو کشمیر کی افواج نے کیمپ کو آگ لگا دی اور وگرہ راج معہ اپنی فوج کے جل کر فنا ہو گیا۔ وگرہ راج کے بعد لوہر کوٹ کا راج اُس کا بیٹا کشتی راج کرنے لگا۔ لیکن اُس کے بیٹے بھولا راج نے اپنے باپ کو بہت دِق کر دیا جو کہ تنگ آ کر کشمیر کے راجہ اننت کے بیٹے راجہ کلش کی پناہ میں چلا گیا جہاں کہ اُس نے راجہ کلش کے شیر خوار بیٹے اُتکرش کو اپنا راج دے دیا۔ اور اُس کا سرپرست تنوتنگ کو مقرر کیا۔ تنوتنگ نے لوہر کوٹ کی ریاست کو خوب رونق دی۔ اور جب اُتکرش بالغ ہوا تو وہ ریاست کا انتظام اُتکرش کو سپرد کر کے واپس کشمیر چلا گیا۔

اس کے بعد کشمیر کے راجہ کلش اور اُس کے بیٹے ہرش میں فساد پیدا ہوا تو ارکانِ سلطنت نے ہرش کو قید کر کے کلش کے مرنے پر لوہر کوٹ کے راجہ اُتکرش کو کشمیر کا راجہ بنایا۔ اور وہ کشمیر اور دارد ابھیسار دونوں ریاستوں پر حکومت کرنے لگا۔ کچھ مدت بعد ہرش کے طرفداروں نے بغاوت کر دی اور اُتکرش کو تخت و تاج سے بے دخل کر کے ہرش کے ہاتھ میں عنانِ حکومت دے دی۔ یہ راجہ بھی کشمیر اور دارد ابھیسار دونوں کا مالک بن گیا۔

ہرش کے مرنے کے بعد اُس کے بیٹوں اچل اور سسل میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اور یہ جھگڑا کافی دیر چلتا رہا۔ آخر اچل کشمیر کا راجہ اور سسل لوہر کوٹ کا حکمران مقرر ہوا۔ اس طرح یہ دونوں ریاستیں پھر جُدا جُدا ہو گئیں۔ لیکن کشمیر کا راجہ اچل سازش کا شکار ہو کر ختم ہو گیا تو سسل نے کشمیر پر اپنا قبضہ کر لیا۔ پھر کچھ مدت بعد ہرش کے پوتے بھکشاچر نے کشمیر سے سسل کو بھگا کر عنانِ حکومت ہاتھ میں لے لی اور سسل لوہر کوٹ میں بھاگ آیا۔ بھکشاچر نے ایک جرار فوج لوہر کوٹ پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کی لیکن اُسے منہ کی کھانا پڑی۔ اُدھر بھکشاچر کے خلاف عوام نے بغاوت کر دی اور سسل کو پھر کشمیر میں اقتدار پانے کا موقعہ مل گیا اور اُس نے اپنے بیٹے جے سنگھ کو لوہر کوٹ سے بُلا کر کشمیر کے تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن دو

ایک سال کے بعد باپ بیٹے میں سخت فساد پیدا ہو گیا اور آپس میں جنگ کی نوبت آ گئی۔ اس جنگ میں سسل مارا گیا اور جے سنگھ بے کھٹکے کشمیر میں راج کرنے لگا۔

سسل نے لوہر کوٹ میں جن راجوں اور شہزادوں کو قید کر رکھا تھا، اُن میں سے ایک لوتھن نامی نے سپاہیوں سے مل کر رہائی حاصل کر لی اور تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ لوتھن لوہر کوٹ پر قبضہ کر کے راجہ کے خطاب سے حکومت کرنے لگا۔ جب راجہ جے سنگھ والئ کشمیر کو اپنی آبائی ریاست پر ایک غیر شخص کے قبضہ کی اطلاع ملی تو اُس نے لوہر کوٹ پر اپنا قبضہ بحال رکھنے کے لئے زبردست فوج بھیجی تاکہ لوتھن کو لوہر سے مار بھگایا جائے لیکن اس فوج کو راستے میں ہی راجہ راجوری کی فوجوں نے روک کر تباہ کر دیا۔ چند سال حکومت کرنے کے بعد لوتھن کو اپنی افواج کی بغاوت کا سامنا ہوا جنہیں ایک سرکردہ شخص ملارجن نے منظم کیا تھا۔ اس بغاوت میں لوتھن کو لوہر کوٹ کی حکومت سے ہاتھ دھونے پڑے اور ملارجن لوہر کوٹ کا راجہ بن گیا۔ ملارجن نے چند ایک سال ریاست دارو ابھیسار پر حکومت کی ہو گی کہ کشمیر کے راجہ جے سنگھ نے پھر لوہر کوٹ پر حملہ کی خاطر فوجیں بھیجیں اور ملارجن کو شکست دے کر لوہر کوٹ پر اپنا تسلط بحال کر لیا۔ اور اپنے بیٹے گلہن کو جس کی عمر صرف سات سال کی تھی، جداگانہ طور پر لوہر کا حکمران بنا دیا۔ اس کے بعد کے حالات ریاست دارو ابھیسار سے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ اور گردشِ زمانہ سے کشمیر کے پایہ کی وہ ریاست جسے دارو ابھیسار کہا جاتا تھا اور جس کی دارالحکومت لوہر کوٹ تھی اور لوہر کوٹ کا قلعہ جو کہ شمالی ہند میں ایک ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا، آج وہ لوہر کوٹ کھنڈروں کا ڈھیر ہے۔ اس لوہر کوٹ کی عظمت کے اب قصّے اور روایتیں ہی رہ گئی ہیں۔

دارو ابھیسار کے علاقہ کے راجگان، جن میں سے کئی ایک نے کشمیر پر بھی حکومت کی، کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے:- (۱) نر۔ (۲) نرباہن۔ (۳) پھلل۔ (۴) سات باہن۔ (۵) چندر۔ (۶) چندو راج۔ (۷) سنگرام راج۔ (۸) اُدے راج۔ (۹) وگرہ راج۔ (۱۰) کشتی راج۔ (۱۱) اُت کرش۔ (۱۲) ہرش۔ (۱۳) سسل۔ (۱۴) لوتھن۔ (۱۵) ملارجن۔ (۱۶) جے سنگھ۔ (۱۷) گلہن۔

پونچھ کا ڈوگرہ دیس میں ادغام

مہاراجہ رنجیت سنگھ والئ لاہور نے اپنے وفادار دستوں میں متعلم راجہ دھیان سنگھ برادرِ اصغر

مہاراجہ گلاب سنگھ کو اُس کی خدمات سے خوش ہو کر ۱۳ اپریل ۱۸۲۷ء کے بیساکھی کے مبارک دن پر علاقہ بھمبر و چبھال کا راج تلک راجہ راجگان کے خطاب کے ساتھ دیا۔ اور اس کے ایک سال بعد ۱۸۲۸ء کی بیساکھی کو ریاست پونچھ اور ریاست جسروٹہ کی حکمرانی دھیان سنگھ کے بڑے لڑکے راجہ ہیرا سنگھ کو پشت در پشت عطاء کر دی۔ راجہ دھیان سنگھ کے بڑے اور چھوٹے بھائیوں مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ اور اُن کے والد راجہ کشور سنگھ کے حالات آئندہ باب میں مفصل درج کئے گئے ہیں۔ اسی طرح راجہ دھیان سنگھ کے فرزند اکبر راجہ ہیرا سنگھ وزیر اعظم لاہور کے متعلق بھی تفصیل سے لکھا گیا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ، راجہ دھیان سنگھ، راجہ سوچیت سنگھ اور اُن کے باپ راجہ کشور سنگھ اور دھیان سنگھ کے بڑے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ نے لاہور دربار میں کس طرح ترقی کی۔ سپاہیوں سے اُٹھ کر راجے مہاراجے بنے اور عروج پایا۔ اور ریاست پونچھ کی حکمرانی ڈوگرہ راجہ دھیان سنگھ اور اس کے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ کو مل جانے پر اس ریاست کا ڈوگرہ دیس سے الحاق بلکہ ادغام کر لیا گیا۔

راجگان دھیان سنگھ و ہیرا سنگھ

۱۸۲۰ء میں جب جموں کا راجہ جیت سنگھ (پوتا مہاراجہ رنجیت دیو) اس دار فانی سے رحلت کر گیا۔ اُس وقت جموں پر دربار لاہور کا قبضہ تھا اور جگٹی کے میاں ڈیڈو اور اُس کی جانباز پارٹی نے خالصہ حکومت کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا تو لاہور دربار کی طرف سے جموں میں جو گورنر مقرر تھا، اُس نے رپورٹ کی کہ جموں کے لوگ بہت سخت ہیں۔ مالیہ نہایت مشکل سے وصول ہوتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس علاقہ کو متاجری پر دے دیا جائے۔ چنانچہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ دھیان سنگھ کو جموں کا متاجر بنانے کی بجائے جموں کا راجہ بنانے کا خیال ظاہر کیا۔ راجہ دھیان سنگھ نے مہاراجہ لاہور کو اپنی دیانت دارانہ خدمات اور غیر متزلزل وفاداریوں سے اس قدر گرویدہ کر لیا تھا کہ اُس نے دھیان سنگھ کو بلا کر اپنے ارادہ سے آگاہ کیا۔ تو دھیان سنگھ نے اپنے آقائے نامدار مہاراجہ رنجیت سنگھ سے استدعا کی کہ اپنے والد میاں کشورا کی موجودگی میں مجھے کہاں تک جموں کی حکومت سنبھالنا زیب دیتا ہے۔ اس پر مہاراجہ لاہور نے ایک خاص ارشاد کے ذریعہ میاں کشورا کو راجگی کا خطاب اور جاگیر جموں کی متاجری دے دی۔ اور میاں کشورا راجہ کشور سنگھ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ واقعہ ماہ دسمبر ۱۸۲۰ء کا ہے۔ اسی تاریخ سے راجہ دھیان سنگھ کے

لئے حکم ہوا کہ کوئی بھی درخواست اُس کی وساطت کے بغیر براہ راست مہاراجہ کے پیش نہ ہو۔ اور فرامین شاہی میں "اجل دیدار نرمل بُدھ خیر خواہ بالا اشتباہ مختار مطلق مدار المہام خاص" کا لقب دھیان سنگھ کے لئے تحریر ہونے لگا۔

راجہ کشور سنگھ کا انتقال ۱۸۲۲ء مئی میں ہوا۔ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جموں کی متاجری ختم کرکے اس کا راج مستقل طور پر راجہ دھیان سنگھ کو دینا چاہا۔ مگر راجہ دھیان سنگھ نے اپنے بڑے بھائی راجہ گلاب سنگھ کے ہوتے جموں کی مسند راجگی سنبھالنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کو جموں کا راج اور اُس کے چھوٹے بھائی راجہ سوچیت سنگھ کو راجہ دھیان سنگھ کی استدعا پر بندرالتہ (رام نگر) کا راج تلک دیا۔

مولوی محمد الدین فوق تاریخ اقوام پونچھ کے صفحہ ۳۹ پر رقمطراز ہے کہ راجہ دھیان سنگھ سا فرزند کسی باپ کو اور راجہ دھیان سنگھ سا بھائی کسی خوش نصیب کو ہی مل سکتا ہے جس نے اپنے باپ میاں کشورا کو راجہ کشور سنگھ بنایا اور اپنے بھائی راجہ گلاب سنگھ کو جموں کا راج دلایا۔ راجہ دھیان سنگھ کو اپنے خاندان۔ اپنے بھائیوں اور باپ کے لئے جو ہمدردی، سعادت مندی اور عقیدت کیشی تھی، اُس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بہت زیادہ متاثر کر لیا تھا۔ مہاراجہ کو دھیان سنگھ سے اس قدر محبت تھی کہ ایک بار وُہ گھوڑے پر سے گر کر معمولی سا زخمی ہو گیا۔ تو مہاراجہ اس قدر فکرمند اور بے قرار ہوا کہ بہ نفسِ نفیس دوڑا دوڑا دھیان سنگھ کی رہائش گاہ پر مزاج پرسی کے لئے پہنچا اور نقد و جنس کی صورت میں دان کرایا اور سینکڑوں روپیہ سروارنا کیا۔

راجہ دھیان سنگھ نے چار شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی رکوال خاندان میں۔ دوسری سلہریا خاندان میں۔ تیسری ضلع کانگڑہ کے ڈاکٹہ سیبہ راجگان کے ہاں اور چوتھی نور پور ضلع کانگڑہ کے پٹھانیہ خاندان میں۔ جموں میں رانی کے تالاب کے نام سے جو مشہور تالاب ہے اور جسے اب دھرم ارتھ ٹرسٹ جموں وکشمیر نے ملبہ وغیرہ ڈال کر میدان بنا دیا ہے اور کرایہ پر دے رکھا ہے، یہاں سبزی اور فروٹ وغیرہ نیلام ہوتا ہے۔ یہ تالاب رانی سلہری کا ہی تعمیر کردہ تھا۔

راجہ دھیان سنگھ کے تین بیٹے ہیرا سنگھ، جواہر سنگھ اور موتی سنگھ تھے۔ ہیرا سنگھ

Scanned with CamScanner

بے حد خوبصورت اور شجاعت مردانگی کا مجسمہ تھا۔ اسے ڈوگرہ خاندان کا ہیرا موسوم کیا جاتا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اُس سے بے حد محبت اور خاص پیار تھا۔ اسے "فرزند خاص الخاص" کا خطاب حاصل تھا۔ اور عام طور پر وُہ "بادشاہوں کی پچّی" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ دربار میں صرف تین کرسیاں لگائی جاتیں۔ ایک مہاراجہ کے لئے، دُوسری کنور نونہال سنگھ کے لئے اور تیسری راجہ ہیرا سنگھ کے لئے۔

۱۸۲۸ء کے دربار دسہرہ کے موقعہ پر پہلے مہاراجہ، پھر شہزادہ کھڑک سنگھ ولیعہد سلطنت اور اُس کے بعد راجہ ہیرا سنگھ لوگوں سے نذرانہ لیتے تھے۔ عمدۃ التواریخ (روزنامچہ لاہور دربار) میں لکھا ہے کہ ۱۸۳۰ء کے دربار بیساکھی میں جبکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ امرتسر میں تھا، راجہ ہیرا سنگھ نے بجائے مہاراجہ کے نذریں حاصل کیں۔ ایک دفعہ راجہ ہیرا سنگھ بیمار ہو گیا، تو مہاراجہ رنجیت سنگھ خود بیمار پُرسی کے لئے حویلی راجہ دھیان سنگھ میں آیا۔ اور گیارہ سو روپیہ نقد اور ۲۰۰ من غلہ دان کرایا۔ مہاراجہ کو ہیرا سنگھ کی جُدائی ایک پل گوارا نہ تھی۔ ہیرا سنگھ کے نام پر آج بھی لاہور کی ہیرا منڈی مشہور ہے جو راجہ دھیان سنگھ کی حویلی سے ملحق ہے۔ راجہ ہیرا سنگھ کا اقتدار اس قدر بڑھا ہُوا تھا جس کے متعلق مسٹر لیپل ایچ گریفن اپنی کتاب رئیسان پنجاب میں رقمطراز ہے کہ "مہاراجہ شیر سنگھ اور سندھانوالیہ سرداروں کے قتل کے بعد دلیپ سنگھ کو ٹھکانے لگا دیا جاتا تو غالباً راجہ دھیان سنگھ سلطنت لاہور کا نائب السلطنت بن جاتا اور اپنے فرزند راجہ ہیرا سنگھ کو پنجاب کے تخت پر بٹھا دیتا۔"

نومبر ۱۸۳۱ء کا مشہور دربار جو کہ نواب گورنر جنرل ہند کی تشریف آوری پر لاہور میں منعقد ہوا، اُس دربار میں صرف انگریز اور گورنر جنرل اور مہاراجہ رنجیت سنگھ معہ شہزادگان کھڑک سنگھ لونہال سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ کرسیوں پر بیٹھے۔ باقی تمام اہلکار اور راجے فرش پر۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد لاہور دربار میں جو طوائف الملوکی اور افراتفری مچی، اُس کے شکار راجہ دھیان سنگھ، راجہ سوچیت سنگھ، راجہ ہیرا سنگھ، کنور لونہال سنگھ مہاراجہ شیر سنگھ، میاں اُدھم سنگھ اور سوہن سنگھ پسران مہاراجہ گلاب سنگھ ہوئے۔ اس نفسا نفسی کے عالم میں وُہ لوگ جنہوں نے لاہور دربار سے جاگیرات حاصل کی تھیں اور

ریاستیں بنائی تھیں، وُہ تین گروہوں میں بٹے تھے۔ ایک وُہ تھے جو اپنے علاقہ کو بچانے کے لئے سکھوں کے خلاف انگریزوں کے حلقہ بگوش بن رہے تھے۔ دُوسرے وُہ جو بالکل غیر جانبدار رہ کر اِس اُمید پر خاموش تھے کہ شاید سکھ حکومت سنبھل جائے۔ تیسرے وُہ تھے جو سکھوں کے ساتھ تھے۔ اور لُوٹ مار میں حصہ دار بن کر خالصہ سرکار کی کامیابی پر یقین رکھتے تھے۔ نابالغ مہاراجہ دلیپ سنگھ اور اُس کی والدہ مہارانی جنداں بے مہار سکھ سرداروں کی سرکشی اور سینہ زوری سے خائف ہو کر اپنی جان بچانے کی فکر میں تھے۔ خالصہ افواج ڈسپلن سے بے نیاز ہو کر یلغاروں اور لُوٹ مار پر اُدھار کھائے تھیں۔ ایسے وقت میں راجہ گلاب سنگھ جیسا مدبّر، بہادر اور منتظم حکمران سکھ حکومت کے تاریک انجام سے بے بہرہ نہ تھا۔ اُس نے ہر چند کوشش کی کہ مہارانی جنداں ریجنٹ دربار لاہور اور اُس کے منظورِ نظر سردار راجہ لال سنگھ وغیرہ راہِ راست پر آ جائیں لیکن اُن کی پیش نہ چلی۔ وُہ جموں میں اپنے بھائی راجہ دھیان سنگھ کی سعادت مندی سے ذاتی طور پر حکمران تھا۔ راجہ ہیرا سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ لاولد مر گئے تھے۔ راجہ دھیان سنگھ بھی موجود نہ تھا۔ اُن سب کی جائداد اور مقبوضات راجہ گلاب سنگھ کے پاس تھے۔ شمالی پنجاب کے پہاڑی علاقہ اور ڈوگرہ دیس کے کوہستان کے زبردست رئیس سے برٹش گورنمنٹ بگاڑ پیدا کرنا اپنے مفاد کے خلاف سمجھتی تھی۔ اِس لئے جبکہ انگریزوں اور سکھوں کے مابین جنگ کے بعد باہمی سمجھوتہ کی گفت و شنید ہوئی تو انگریزوں نے مہاراجہ دلیپ سنگھ والیٔ لاہور کے ساتھ معاہدہ لاہور کیا۔ اور اِسی معاہدہ کی ایک دفعہ کے مطابق معاہدہ امرتسر معرضِ وجود میں لایا گیا۔ جس کی رُو سے گلاب سنگھ کو جموں و کشمیر کا خود مختار مہاراجہ تسلیم کیا گیا۔

راجہ دھیان سنگھ کی اولاد

راجہ دھیان سنگھ کے دو بیٹے جواہر سنگھ اور موتی سنگھ یتیم رہ گئے۔ جنہوں نے شہزادوں کی مانند ناز و نعم میں پرورش اور تربیت پائی تھی۔ یہ اُس نامور باپ کے راجہ راجگان مدار المہام سلطنت پنجاب کے فرزند تھے جس نے اپنے باپ میاں کشور سنگھ اور بڑے بھائی میاں گلاب سنگھ کو اپنا آبائی مُلک جو سکھوں نے چھین رکھا تھا، واپس دلا کر از سرِ نو مسند راجگی دلائی۔ اور اپنے چھوٹے بھائی میاں سوچیت سنگھ کو چھوٹی عمر میں ہی ایک وسیع علاقہ رام نگر کا راجہ بنا

دیا ۔اور جس کے سلام اور جس کی حضوری کے لئے پنجاب کے ہندو ، سکھ ، مسلمان والیان ریاست اور بڑے بڑے وزراء اور رئیس دست بستہ حاضر رہتے تھے ۔ لیکن فلک کجروی رفتار نے حالات یہاں تک بگاڑ دیئے کہ اُس عظیم اِنسان کے بچّوں کو اپنے حقوق و مطالبات اور اپنے باپ راجہ دھیان سنگھ ۔ بھائی راجہ ہیرا سنگھ اور چچا راجہ سوچیت سنگھ کی جاگیرات کے لئے برطانوی حکومت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا ۔ چنانچہ جواہر سنگھ اور موتی سنگھ کی طرف سے ۲۸ اپریل ۱۸۴۸ء کو سر فریڈرک کری بارنٹ صاحب ایجنٹ گورنر جنرل ممالک شمال و مغرب و ریزیڈنٹ لاہور و کشمیر اعلےٰ مابین دریائے جمن و بیاس کے اجلاس میں مندرجہ ذیل عنوان سے دعوےٰ دائر کیا گیا :-

میاں جواہر سنگھ و میاں موتی سنگھ پسران راجہ دھیان سنگھ مدعیان

بنام

مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب ولد راجہ کشور سنگھ مدعا علیہ

(۱) دعوےٰ جاگیر راجہ دھیان سنگھ صاحب والد خود علاقہ چبھال و بھمبر وغیرہ آمدنی تخمیناً چار لاکھ پچاس ہزار روپیہ سالانہ ۔

(۲) جاگیر راجہ ہیرا سنگھ صاحب برادر خود جسروٹہ و پونچھ وغیرہ آمدنی پانچ لاکھ روپیہ سالانہ ۔

(۳) نصف جاگیر و جائداد راجہ سوچیت سنگھ چچا خود (مدعیان) بلا تعداد نقد و جنس متعلقہ جموں آمدنی تخمیناً تین لاکھ روپیہ سالانہ ۔

اِس مقدمہ کا فیصلہ پندرہ یوم کے اندر ۱۲ مئی ۱۸۴۸ء کو ریذیڈنٹ لاہور نے یہ حکم دے کر کیا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ ضرور تم دونوں کی قدر کریں گے ۔ اُن سے صُلح و صفائی کر لینی چاہیئے ۔ دونوں بھائی خاموش ہو گئے ۔ اور مہاراجہ دلیپ سنگھ والیٔ لاہور نے ۱۹ مئی ۱۸۴۸ء کو راجہ جواہر سنگھ اور راجہ موتی سنگھ دونوں بھائیوں کو ملاقات کا شرف بخشا ۔ ہر دو برادران نے مہاراجہ کی خدمت میں نذر پیش کی اور سروار نا کیا ۔ حکومت لاہور نے اُنہیں ۲۱ ہزار روپیہ ۔ دو گھوڑے معہ سامان زین وغیرہ خلعت کے طور دیئے ۔ اس کے بعد ۳۰ مئی ۱۸۴۸ء کو سرکار انگلشیہ (ایسٹ انڈیا کمپنی) نے راجہ جواہر سنگھ اور موتی سنگھ کو ایک ایک پستول انگریزی ساخت کا عطا کیا ۔ اور اُس کے بعد دونوں بھائی دیوان جوالا سہائے

وزیر اعظم جموں وکشمیر کے ساتھ جموں میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس آگئے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے سن ۱۸۵۰ء میں راجہ جواہر سنگھ کو کوٹلی نوشہرہ اور راجہ موتی سنگھ کو پونچھ کا علاقہ معہ خطاب راجگی عطا کیا۔ اور دونوں بھائی اپنی اپنی ریاستوں کا چارج لینے کے لئے جموں سے روانہ ہوئے تو راستہ میں ہی دونوں کی کسی بات پر رنجش ہو گئی اور دونوں یکے بعد دیگرے واپس مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس آکر ایک دوسرے کے خلاف شکایت کرنے لگے۔ مہاراجہ نے اپنے بھتیجوں کو بہت کچھ سمجھایا۔ لیکن اُن کی صلح صفائی نہ ہو سکی۔ آخرش فیصلہ ہوا کہ راجہ موتی سنگھ پونچھ میں حکومت کرے اور جواہر سنگھ کو اُس کی جاگیر سے ½ حصہ آمدنی ملا کرے۔ اُس کا حکومت سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ اس طرح کوٹلی اور چھبال کا علاقہ بحق مہاراجہ گلاب سنگھ ضبط ہو کر ریاست جموں وکشمیر میں مدغم کر لیا گیا۔ اور راجہ موتی سنگھ پونچھ میں حکومت کرنے لگا۔

راجہ موتی سنگھ

جب راجہ موتی سنگھ پونچھ میں حکومت کرنے کے لئے وارد ہوا تو پونچھ کا شہر ایک معمولی قصبہ سے زیادہ درجہ نہ رکھتا تھا۔ اس کی آبادی دو ہزار کے لگ بھگ تھی۔ صرف تین محلوں پر پونچھ کا قصبہ مشتمل تھا۔ بازار میں پچاس ساٹھ دوکانیں تھیں جن میں بیشتر ویرانی کے عالم میں تھیں۔ دو ہزار کی آبادی بھی دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی — پرانی پونچھ اور نئی پونچھ — محلہ کھوڑی ناڑ، محلہ قصاباں اور محلہ شیخہ — ان تین محلوں کے علاوہ جنگل ہی جنگل تھا۔ اُس وقت مہاراجہ گلاب سنگھ اور لاہور دربار کی طرف سے پنڈت جنار دھن زتشی پونچھ کا کارمختار تھا۔ حکومت کو لگان بھی وصول نہ ہوتا تھا۔ راجہ موتی سنگھ کے ساتھ کمیدان بلونت سنگھ چاڑک، سید مہر شاہ، مرزا حیدر بیگ اور جواہر جیت رام آئے تھے۔ راجہ موتی سنگھ نے پونچھ کے ویران خطہ کو انسانوں کی بستی بنانے کے لئے ٹھیکی لی۔ وُہ اپنے ساتھ دو تین سو فوجی سپاہی اور ادنیٰ ملازم بھی لایا تھا۔ چنانچہ کمیدان بلونت سنگھ کو افسر فوج مقرر کر کے مزید بھرتی کا حکم صادر کیا۔ مرزا حیدر بیگ کو افسر جیل اور سید مہر شاہ کو مشیر خاص بنا کر توشہ خانہ، فراش خانہ، اصطبل خانہ وغیرہ کا اختیار دیا۔ اور اپنے ماموں میاں گلاب سنگھ کو قلمدان وزارت سپرد کیا۔ پنڈت جنار دھن زتشی کو دیوانی معاملات کا

آفیسر بنا کر والی اور ملکی انتظام شروع کیا۔ اور اپنے تمام اہلکاروں اور عملہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے عیال و اطفال اور عزیز و اقارب کو بلا کر پونچھ میں مستقل رہائش اختیار کریں۔ جنگل صاف ہونے لگا۔ آبادی بڑھنے لگی۔ ہر پیشہ اور صنعت کے لوگوں کو پونچھ میں لا کر بسایا گیا اور لوگوں کو لکڑی مفت اور تعمیرات کے لئے روپیہ بھی آسان قسطوں پر قرض دیا۔ تجارت کو فروغ ملنے لگا۔ سردار ہارڈا سنگھ کو موضع دہالی ضلع جہلم سے لا کر مال کی درآمد برآمد اور تجارت کا مختار کل بنا کر کسٹم کا ٹھیکہ دیا گیا۔ سردار ہارڈا سنگھ نے راولپنڈی، چکوال، پنڈدادنخاں اور وہاں کے کئی کھتری گھرانے لا کر پونچھ میں آباد کئے۔ جن کے ہاتھ تجارتی کاروبار دے دیا گیا۔ اور یہ گھرانے آج تک مستقل طور پر پونچھ میں آباد چلے آ رہے ہیں۔

اُس وقت غلہ ارزاں تھا۔ انسانی آبادی کم تھی لیکن پیدا وار زیادہ تھی۔ غلہ کی ارزانی کی وجہ سے روپیہ معدوم تھا۔ اور پونچھ کے دیہات پر تخمیناً بلا پیمائش لگان مقرر ہو کر تمام کے تمام دیہات اہلکاروں اور سرکردہ لوگوں اور نمبرداروں کو ٹھیکہ (مستاجری) پر دے دئے گئے۔ پرائیویٹ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو شخص چار کتابیں بھی پڑھ لیتا، اُسے ملازم رکھ لیا جاتا۔ ڈوگری حروف اور فارسی دفتری تحریریں منظور ہوئیں۔ خزانہ کی معموری اور عوام کی سہولیت کی خاطر بڑے بڑے اہلکاروں کو لاکھوں روپیہ معمولی سود پر بطور قرض دیا گیا۔ نمبرداروں کی تقرری کے لئے نذرانہ مقرر ہوا۔ مالیہ میں نقدی کی بجائے جنس وصول کرنے کا اصول تھا تاکہ عوام کو تکلیف نہ ہو۔ خوش خرید کے لئے اہلکاروں کو روپیہ دیا جاتا۔ تاکہ فروختگی جنس سکے لئے عوام کے پاس بھی روپیہ موجود رہے۔ اور یہ فراہم شدہ غلہ سرکاری ملازموں کو رسدوں کی صورت میں تنخواہ کے طور پر کچھ معمولی نقدی کے ساتھ ماہوار دیا جاتا۔

عوام سے مقدمات یا شکایات کے فیصلہ کے لئے درخواستیں لی جاتیں جن پر حکومت پونچھ کا سٹیمپ لگنا ضروری قرار دیا گیا۔ یونانی شفاخانہ جاری کیا گیا۔ جس کا انتظام حکیم پیر نور شاہ، حکیم قطب الدین اور حکیم سردار و جراح کو سپرد کیا گیا۔ اور رفتہ رفتہ عدالت ہائے جوڈیشیل بھی قائم کی گئیں اور لوگوں کو انصاف ملنے لگا۔ اور راجہ موتی سنگھ نے پونچھ کو صحیح طور پر ایک نمونہ کی ریاست بنا دیا۔

پونچھ کے قلعہ کی، جو مسلمان راجگان کے زمانہ کا تعمیر شدہ تھا، از سر نو مرمت

کرائی اور اس میں عالیشان عمارتوں کا اضافہ کیا۔ اس میں باغات اور فوارے لگائے۔ اور شیعہ مسلمانوں سے پریڈ کا قبرستان لے کر عین وسط میں سڑک نکالی۔ اور پریڈ کے ایک طرف منڈی کی عمارت تعمیر کرائی جس طرف زیادہ قبریں تھیں وہاں پلٹن کی چھاؤنی، جیل اور سیکریٹریٹ وغیرہ کی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ باغ کی عالیشان اور اونچی ڈیوڑھی راجہ موتی سنگھ کی یادگار ہے۔ اور اس طرح اس نے پونچھ کو ازسرِ نو آباد کر کے جنگل میں منگل کی مثال قائم کی۔

راجہ موتی سنگھ کا ماموں میاں گلاب سنگھ جب بوڑھا ہو گیا تو وزارتِ پونچھ کا قلمدان سردار ہارڈا سنگھ کو دیا گیا۔ اس کے بعد میاں نظام الدین کو وزیر پونچھ بنایا گیا۔ میاں نظام الدین کے باپ کا نام سبحی محمد تھا جو کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے جرنیل زوراور سنگھ کی فوج میں جمعداری کے عہدہ پر تھا اور وسط تبت میں مان تلائی (مانسرور) کی سرحد پر تبتیوں سے لڑتا ہوا کام آیا تھا۔ میاں نظام الدین یتیمی کی حالت میں ریاسی سے تلاشِ معاش کے لئے پونچھ پہنچا۔ اور ایک معمولی سپاہی کے طور فوج میں بھرتی ہوا اور اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے چند ایک برسوں میں راجہ موتی سنگھ کی مہربانی والا بن گیا۔ اور اسی دوران میں اس نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ پہلے پرائیویٹ سیکرٹری اور بعد میں پونچھ کا گورنر مقرر ہوا۔ اور جب سردار ہارڈا سنگھ وزیر پونچھ کا انتقال ہوا تو میاں نظام الدین کو وزارت کا قلمدان دے دیا گیا۔ اور وہ اپنی انتظامی قابلیت اور معاملہ فہمی کے سبب آج تک پونچھ میں مشہور ہے۔ اسی میاں نظام الدین کی وزارت جلیلہ میں اکھنور، جموں، ریاسی، پونی، بھارکھ کے اکثر ہندو دوکاندار ملازمت یا دوکانداری کی خاطر پونچھ آ کر آباد ہوئے اور میاں نظام الدین نے انہیں ہر طرح سے سہولیات بہم پہنچائیں۔

راجہ موتی سنگھ خوبصورت۔ گندم گوں مائل بہ سرخی و سفیدی تھے۔ میانہ قد، خندہ پیشانی۔ آواز نرم لیکن بارعب۔ وہ ہردلعزیز، منکسر المزاج اور فقیر دوست تھا۔ پونچھ کے لوگوں کی بہتری کا بلا لحاظ مذہب و ملت تادمِ زیست خیال رہا۔ وہ موسم سرما کے چھ ماہ پونچھ ہاؤس جموں میں رہا کرتا تھا۔ جموں میں قیام کے دوران اس کے اور اس کے ملازمان کے اخراجات گورنمنٹ جموں و کشمیر برداشت کرتی تھی۔

راجہ موتی سنگھ اپنے جنم دن پر ہر سال دربار لگاتا۔ اس کے علاوہ بسنت پنچمی اور دسہرہ کے دربار بھی ہوتے۔ تمام علاقہ کے جاگیردار، نمبردار اور سرکردہ اشخاص آکر دربار میں نذریں گزارتے۔ عام لوگ اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی اشیاء لاکر تحفہ کے طور پیش کرتے۔ ترکھان لکڑی کی چیزیں بنا کر لاتے۔ لوہار لوہے کی اور موچی چار پایوش اور چمڑے کا سامان پیش کرتے۔ یہاں تک کہ زمیندار کسان سبزی وغیرہ ڈالی کے طور لاتے۔ راجہ یہ تمام چیزیں اہلکاروں کو تقسیم کر دیتا۔ اور جیب خاص سے کاریگروں اور اہل حرفہ کو انعام دیتا۔ روزانہ لوگوں سے ملنے اور ریاست کے انتظامات کی اہلکاروں سے رپورٹ اور عوام کو سستا انصاف بہم پہنچانے کے لئے صبح و شام دربار عام ہوتا جہاں کہ والئ پونچھ راجہ موتی سنگھ ہر ایک سے بات چیت کرتا۔

راجہ موتی سنگھ کے ہاں ۱۸۶۴ء میں فرزند تولد ہوا۔ جس کی پیدائش پر غرباء اور مساکین پر داد و دہش کے دروازے کھول دئے۔ ۱۸۸۸ء کے ماہ فروری میں جب کہ راجہ موتی سنگھ کا جموں میں قیام تھا تو مرض ذیابیطس کا عارضہ لاحق ہوا۔ علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ لیکن مرض مرض الموت بن کر راجہ موتی سنگھ کو اس جہانِ فانی سے لے گیا۔ اس کے ماتم میں جموں و کشمیر اور پونچھ کے دفاتر تیرہ یوم تک بند رہے۔

راجہ بلدیو سنگھ

1888 A.D – 1918 A.D

راجہ موتی سنگھ کے انتقال کے بعد راجہ بلدیو سنگھ کو پونچھ ریاست کا راج تلک پرانی منڈی جموں میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ والئ جموں و کشمیر نے دیا۔ راجہ بلدیو سنگھ راجہ موتی سنگھ کا اکلوتا فرزند تھا۔ اس کے عہد میں پونچھ نے بہت ترقی کی۔ بلدیو سنگھ کے وقت عالمگیر جنگِ یورپ میں پونچھ کے علاقہ سے، جس کی آبادی پونے چار لاکھ تک تھی، پچیس ہزار رنگروٹ بھرتی ہوئے جنہوں نے اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دی۔ راجہ بلدیو سنگھ نے چودہ لاکھ چوالیس ہزار پانصد ستانوے روپیہ امدادِ جنگ کے طور برٹش گورنمنٹ کو دیا۔ راجہ بلدیو سنگھ زمانہ کا بہادر مشہور تھا۔ شیر کو دست بدست مقابلہ کر کے مار گراتا تھا۔ راجہ بلدیو سنگھ کے بعد پونچھ میں ہائی سکول قائم ہوئے۔ دیہات میں جا بجا

Scanned with CamScanner

مدارس جاری ہوئے۔ ایلوپیتھک ہسپتال اور زنانہ شفاخانہ قائم کیا گیا۔ پونچھ کی ترقی تعلیمی تمدنی، اقتصادی اور معاشرتی بہتری خاص طور پر راجہ بلدیو سنگھ کے عہد میں ہوئی پنجاب اور ہندوستان کے علاقوں سے چوٹی کے وکلاء کو بُلا کر سٹی جج۔ چیف جج۔ صدر جج۔ حاکم اعلےٰ مقرر کیا تاکہ لوگوں کو اپنے مسائل کے حل کرنے میں آسانی ہو۔ اسی طرح پولیس کا محکمہ بھی منظم کیا گیا۔ راجہ بلدیو سنگھ کے وقت ہی جموں وکشمیر اور پونچھ کی سرحدات کا تصفیہ ہوا اور بندوبست اراضی کا محکمہ قائم کر کے اس کی باگ ڈور مسٹر گوڈانیعت کے سپرد کی۔ اور سینکڑوں پٹواری شجرہ کش منصرم، گرداور عملہ بندوبست کے دفتر کے لئے اہلکار براہِ راست پنجاب سے لاکر مقرر کئے گئے۔ دیہات میں شفاخانے جاری کئے۔ اور ویٹرنری ہسپتال بھی جاری کیا۔ نیز ریاست پونچھ کے لئے علیٰحدہ انگریز ریذیڈنٹ لاکر گورنمنٹ ہند سے براہِ راست تعلقات قائم کر لئے۔

راجہ بلدیو سنگھ کے ہاں چار بیٹے شکھدیو سنگھ۔ جگت دیو سنگھ۔ پدم دیو سنگھ اور چتر دیو سنگھ پیدا ہوئے۔ جگت دیو سنگھ کو مہاراجہ پرتاپ سنگھ تاجدار جموں وکشمیر نے بوجہ اولاد نرینہ نہ ہونے کے گورنمنٹ ہند کی منظوری سے متبنےٰ بنا لیا۔ اور وُہ اوائل عمر سے ہی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے پاس آگیا۔ راجہ بلدیو سنگھ نے گورنمنٹ ہند کی معرفت لاہور سے اکونٹنٹ جنرل منگوا کر صیغہ حساب اور وزارت کا دفتر اعلےٰ پیمانہ پر قائم کیا۔ اور درجنوں آفیسر اپنی ریاست میں گورنمنٹ ہند سے مستعار منگوائے محکمہ تعمیرات کے لئے انگریز انجنیئر بھی پنجاب سے براہِ راست لے کر مقرر کیا۔ راجہ پونچھ کو تعمیرات کا بے حد شوق تھا چنانچہ لاہور میں ایک شاندار کوٹھی جو کہ لاہور میں سب سے رفیع الشان تعمیر ہوئی تھی اُس نے پونچھ ہاؤس کے نام سے تعمیر کرائی۔ خاص پونچھ میں اپنی رہائشی کوٹھی۔ انگریز ریذیڈنٹ کے لئے ریذیڈنسی۔ سٹیٹ انجنیئر کا بنگلہ۔ چیف فارسٹ آفیسر ہاؤس چیف جج کا بنگلہ ریسٹ ہاؤس۔ چیف ریونیو آفیسر کی کوٹھی وغیرہ درجنوں اور کئی ایک دفاتر کی عالیشان بلڈنگیں تعمیر کر کے پونچھ شہر کو نہایت خوبصورت راجدھانی بنا دیا۔

راجہ بلدیو سنگھ نہایت ہی وجیہہ مضبوط بدن اور متوسط القامت تھا۔ اپنے باپ راجہ موتی سنگھ کی مانند مرض ذیابیطس کا شکار ہوا۔ اِس مرض نے اُس کے پھیپھڑوں پر اثر کیا اور آخر ۹ ستمبر ۱۹۱۸ء کو بعمر ۵۴ سال اس دارِ فانی سے چل بسا۔

راجہ بلدیو سنگھ کے بعد ریاست پونچھ پر اُداسی اور سراسیمگی کی گھٹائیں چھا گئیں۔ وہ مرنے پیچھے چار نابالغ بچے چھوڑ گیا۔ بڑا بیٹا سکھدیو سنگھ اجمیر کالج میں زیرِ تعلیم تھا اور حکومتِ پونچھ کا انتظام مسٹر جے۔ ایچ۔ اینڈرسن سپیشل اسسٹنٹ ریذیڈنٹ اور چوہدری محمد دین وزیر پونچھ کے سپرد رہا۔ اور باپ کے مرنے کے چار سال بعد راجہ سکھدیو سنگھ نے تحصیلِ تعلیم ہو کر ۱۹۲۲ء میں پونچھ کی عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ اُس کی شادی مبارک ۱۹۲۲ء میں ہوئی جس پر کئی لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ ولایت کی سیر سے واپسی پر راجہ سکھدیو سنگھ نے پونچھ میں موتی محل تعمیر کرایا۔ اور عین عالمِ شباب میں لداخ اور اسکردو کی سیاحت کے بعد پونچھ میں نمونیہ کی مرض نے آن گھیرا۔ اور ابھی ۲۶ سال ہی عمر پائی تھی سن ۱۹۲۷ء کے ماہ اکتوبر میں ابدی نیند سو گیا۔

راجہ سکھدیو سنگھ لاولد تھا۔ اُس کے بعد پونچھ کی گدی اُس کے چھوٹے بھائی مہاراجکمار جگت دیو سنگھ جو کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ والیٔ جموں و کشمیر کا متبنیٰ تھا کو ملی۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ حکمران جموں و کشمیر کے ارشاد سے راجہ جگت دیو سنگھ کو پونچھ کی جاگیر کا حکمران بنایا گیا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی وفات کے بعد راجہ جگت دیو سنگھ نے بوجہ متبنیٰ ہونے ریاست جموں و کشمیر کی گدی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن گورنمنٹ انڈیا نے فیصلہ دیا کہ راجہ جگت دیو سنگھ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا آخری سنسکار اور مذہبی رسومات ادا کرنے کے لئے متبنیٰ بنایا گیا تھا۔ ریاست کی گدی کا جائز حقدار مہاراجہ ہری سنگھ ہے۔

راجہ سکھدیو سنگھ کے بعد پونچھ کی ایڈمنسٹریشن براہِ راست ریاست جموں و کشمیر کے تحت آ گئی تھی۔ اور اب جاگیردار پونچھ براہِ راست گورنمنٹ ہند سے فرمان منظور نہیں لیتا تھا۔ مہاراجہ جموں و کشمیر کے تحت پونچھ کو جاگیر کا درجہ مل چکا تھا اور اس جاگیر کی تمام ایڈمنسٹریشن پر ریاست کشمیر کا کنٹرول تھا۔

راجہ جگت دیو سنگھ ۱۶ جنوری ۱۹۰۵ء میں راجہ بلدیو سنگھ کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ ۲۲ سال کی عمر تھی کہ ۱۹۲۷ء میں پونچھ کا راج ملا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے جگت دیو سنگھ کی شادی راجگان بھلدال کے خاندان میں موضع ترلوک پور ضلع کانگڑہ میں کرائی تھی۔ یہ خاندان ۱۸۲۵ء میں اپنی قدیم راجدھانی بھدو (بسوہلی) سے ہجرت کر کے ترلوک پور

میں آباد ہؤا تھا جبکہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھڈو کی ریاست کو جموں ریاست میں مدغم کر لیا۔
جگت دیو سنگھ کے ہاں سنہ ۱۹۲۴ء ماہ جون میں راجکمار شوورتن دیو سنگھ نے جنم لیا۔ ان دنوں جموں و کشمیر میں مسلم کانفرنس نے تحریک آزادی کشمیر کے نام پر سخت شورش بپا کی تھی۔ اس شورش سے، جسے عوام کی سیاسی بیداری کا نام دیا جاتا تھا، ریاست کے مسلم اکثریت کے علاقوں میں سخت ہنگامے ہوئے۔ پونچھ کا علاقہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا لیکن یہ راجہ جگت دیو سنگھ کا ہی تدبر اور سیاسی قابلیت تھی کہ جس نے فرقہ وارانہ عناد و فساد کی آگ کو زیادہ مشتعل ہونے نہ دیا۔ اور معزز و سرکردہ مسلمانوں کے وظائف مقرر کر کے ۳۴ شکارگاہوں کا ایک ہزار ایکڑ رقبہ آبادکاری کے لئے دے دیا۔ انجمن اسلامیہ پونچھ کو پانچ سو روپیہ ماہوار مقرر کی اور سکول کے لئے کمرے بنوا دیے۔ ایک ہزار روپیہ کی امداد بھی دی۔ عمارتی لکڑی دے کر امام باڑہ اور مسجد کی تعمیر کرائی۔ راجہ جگت دیو سنگھ پونچھ کے ہندو و مسلمانوں میں ہر دلعزیز تھا۔ راجہ موصوف نے ایک لاکھ روپیہ خرچ کر کے بجلی کا محکمہ قائم کیا۔ بجلی کی مشینیں منگوا کر پونچھ شہر کو بجلی کی روشنی سے منور کیا۔ موٹر سڑک بھی اسی کے عہد میں پونچھ آئی اور واٹر ورکس کا انتظام ہؤا۔ پونچھ کے سارے علاقہ میں موٹر روڈز کا جال بچھائے جانے کی تجویزیں ہوئیں۔ پونچھ اوڑی۔ پونچھ علیا باد۔ پونچھ دھرمسال ہنڈڈھر۔ پونچھ راولاکوٹ اور باغ۔ پونچھ سے منڈی اور پونچھ سے سوہرن کوٹ تک سڑکیں بنانے کے لئے سرکاری سطح پر فیصلے ہوئے تاکہ عوام کو آنے جانے کی سہولتیں ہوں۔ راجہ جگت دیو سنگھ کی رانی بھڈوال نے پونچھ کے باغ خوبانی نزد ریسٹ ہاؤس پونچھ میں زنانہ پارک بنوایا جسے زنانہ تفریح گاہ کا درجہ حاصل ہؤا۔
غرضیکہ جگت دیو سنگھ کے عہد میں پونچھ نے کافی ترقی کی۔ راجہ جگت دیو سنگھ دھرم کا پابند، ملنسار اور مخلص حکمران تھا۔ ۳۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

7401

راجہ جگت دیو سنگھ کا بیٹا راجکمار شوورتن دیو سنگھ نابالغ تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے خان بہادر شیخ عبدالقیوم کو پونچھ کا ایڈمنسٹریٹر اور کرنل بلدیو سنگھ پٹھانیہ کو نابالغ راجکمار کی ذاتی جائداد کا گارڈین مقرر کیا اور پونچھ کا وارث راجکمار شوورتن دیو سنگھ کو ایک شاہی اعلان کے ذریعہ قرار دے کر راجہ کا خطاب دیا۔
راجہ جگت دیو سنگھ کے دوسرے بھائی راجکمار پدم دیو سنگھ جو سنہ ۱۹۰۵ء میں پیدا

ہوا تھا چیفس کالج لاہور اور ٹیچرز کالج اجمیر کا تعلیم یافتہ تھا۔ جسے ریاست جموں و کشمیر میں وزیر وزارت (ڈپٹی کمشنر) کی پوسٹ پر مہاراجہ ہری سنگھ کے حکم سے مقرر کیا گیا۔ اُس نے فوجی اور محکمہ مال کی ٹریننگ بھی حاصل کی تھی۔ راجہ جگت دیو سنگھ کا چوتھا اور سب سے چھوٹا فرزند راجکمار رجیندر دیو سنگھ سنہ [illegible] میں پیدا ہوا۔ اُس نے بھی چیفس کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔

راجہ جگت دیو سنگھ کے وقت ریاست پونچھ کی آبادی چار لاکھ کے قریب تھی۔ جس میں ۹۵ فی صد مسلمان، دو فی صد سکھ اور تین فی صد ہندو تھے۔ راجہ موتی سنگھ کے عہد میں پونچھ کے علاقہ میں جموال راجپوتوں سے کئی گاؤں بسائے گئے۔ پنجاب اور جموں کے علاقوں کے سینکڑوں ہندو سکھوں کو بھی آباد کیا گیا۔ اس علاقہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ جن میں گوجروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مغل، افغان، سُدھن، کشمیری اور مُسلم راجپوت صدیوں سے آباد چلے آ رہے ہیں۔ ہندوؤں سے بھی دس پندرہ خاندان مسلمان بادشاہوں کے وقت سے چلے آ رہے ہیں۔ آج کل پونچھ کا دو تہائی حصہ تحصیلات سدھنوتی اور باغ سالم اور کچھ حصہ تحصیل مینڈھر پاکستان کے ناجائز قبضہ میں ہے۔

پونچھ میں گلیریہ، پٹھانیہ، جموال راجپوت راجہ موتی سنگھ کے وقت کے ہیں۔ لیکن راٹھور راجپوت اور سُودن، سارسوت، بھگیال، سہاسن اور موہیال براہمن خاندان ایک ہزار سال پہلے کے یہاں آباد ہیں۔ اسی طرح بھلہ اور ووہرہ کھتری بھی ڈوگرہ حکومت سے پہلے کے ہیں۔

پونچھ میں سکھوں کی آبادی

پونچھ میں سکھ مت کے پرچار کی ابتدائی عملی طور پر گورو ارجن دیو کے زمانہ میں ہے جب کہ ہندوستان پر مغل بادشاہ جہانگیر حکمران تھا۔ گورو ارجن دیو نے مادھو جی سوڈھی کو اس علاقہ میں پرچار کے لئے بھیجا۔ گورو ارجن دیو کے بعد جب کہ چھٹے پادشاہ گورو ہرگوبند گدی پر براجمان ہوئے تو وہ کشمیر براستہ پونچھ گئے۔ اور اس علاقہ میں سکھی پرچار کرتے گئے۔ دسویں پادشاہ گورو گوبند سنگھ نے ۱۶۹۹ء میں خالصہ پنتھ کی بنیاد رکھی تو سنت بھائی پھیرو سنگھ، سنت بھائی پنجاب سنگھ اور سنت بھائی رنچا سنگھ کو پونچھ اور کشمیر میں خالصہ پنتھ کے پرچار کے لئے بھیجا۔ بھائی پھیرو سنگھ نے ضلع ہزارہ اور مظفر آباد میں پرچار جاری کر کے بھائی پنجاب سنگھ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ جس نے موضع گھگر کلاس

میں گدّی قائم کی اور اپنی طرف سے اپنا جانشین بھائی روچا سنگھ کو مقرر کر کے پونچھ روانہ کیا جو سنہ ۱۸۰۳ء میں بمقام راولاکوٹ ۱۱۵ برس کی عمر میں سورگباش ہوئے۔ آپ کی سمادھ پر جو ویری صاحب کے نام سے مشہور تھی، ہر سال یکم بیساکھ کو میلہ لگتا تھا۔ اور میلہ لگنے کا سلسلہ ۱۳ اپریل سنہ ۱۹۴۷ء تک قائم رہا۔

بھائی روچا سنگھ کے بعد سنت بھائی میلا سنگھ نے پرچار کا کام سنبھالا۔ آپ موضع کوٹھیڑی تحصیل باغ میں پیدا ہوئے۔ اور آپ نے پرچار کے لئے موضع ننگالی میں جو سنت پورہ ننگالی صاحب کے نام سے موسوم ہے، گوردوارہ قائم کیا۔ اس گوردوارہ میں سنہ ۱۹۴۷ء کے اگست تک عام لنگر جاری رہا۔

سکھوں کے قبضہ کشمیر و پونچھ کے زمانہ ہی سے اس گوردوارہ کے ساتھ جاگیرات لگائی گئیں۔ اور جب راجہ گلاب سنگھ سنہ ۱۸۲۸ء میں پونچھ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے تحصیل باغ میں وارد ہوا تو سنت بھائی میلا سنگھ کے درشن کر کے پونچھ سے پانچ اور کشمیر سے تین گاؤں بطور جاگیر اس گوردوارہ کے ساتھ لگائے۔ اس گوردوارہ اور اس کے گدی نشین سنت کی مسلمان جاگیردار اور مسلم راجگان پونچھ بھی اکثر اوقات امداد کرتے رہے۔ سنت بھائی میلا سنگھ کے وقت اس گوردوارہ کی بعہد راجہ موتی سنگھ کافی ترقی ہوئی۔ بھائی میلا سنگھ کے بعد بھائی منا سنگھ پھر بھائی منگل سنگھ پھر بھائی رتن سنگھ پھر بھائی اوتار سنگھ پھر بھائی بچن سنگھ دوم اور بھائی موہر سنگھ یکے بعد دیگرے گدی نشین ہوئے۔ بھائی موہر سنگھ کے وقت سنت پورہ ننگالی صاحب کی عمارتوں میں بہت زیادہ توسیع ہوئی۔ ہندو مسلمان سب سنت جی کا احترام کرتے تھے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور راجہ بلدیو سنگھ آپ کی بے حد عزت کرتے تھے۔ سنت موہر سنگھ کے بعد بھائی منگل سنگھ دوم گدی نشین ہوئے۔ یہ سنت کھان تنی کے سارسوت برہمن خاندان سے تھا۔ جب اس کی گدی نشینی کی رسم ادا ہوئی تو پونچھ کے سرکاری دفاتر میں تعطیل منائی گئی۔ اور حکومت پونچھ نے پانچ سو روپیہ گوردوارہ میں نذر کیا۔ پونچھ میں گورمکھی [illegible] کا انتظام اسی گوردوارہ کے اہتمام میں جاری ہوا۔ چنانچہ گوردوارہ ننگالی صاحب میں جو [illegible] گورمکھی [illegible] حاصل کرتے تھے، اُن کے تمام اخراجات گوردوارہ سے ہی پورے کئے جاتے تھے۔

[illegible] سلسلہ سنہ ۱۹۴۷ء تک چلتا رہا۔

اس گدی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جو کوئی مہنت مقرر ہوتا تھا، اس کا

شادی شدہ ہونا ضروری تھا۔ اور یہ گدی موروثی یا پشت نشینی نہ تھی بلکہ جو کوئی سینت لائق اور روحانیت کا پرستار ہوتا تھا، اُسے یہ پدوی ملتی تھی۔ اس گوردوارہ میں شراب اور مانس کی سخت ممانعت تھی۔ اور اس کے ماتحت کئی گدیاں اور دھارمک ستھان تھے۔ چنانچہ کھنڈرو صاحب واقع امرتسر، مظفر آباد، بھنیارڈہ، ٹونہ، کھیل، شاکوٹ، راولاکوٹ اور بھونہڈ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پونچھ اور اس علاقہ کے دیہات میں سکھوں کی آبادی جگہ بجگہ پھیلی تھی اور کئی ایک سکھ خاندانوں کے نونہالان اور سرکردگان سرکاری ملازمتوں میں اعلےٰ عہدوں پر تعینات رہے۔ کمیٹی کے ممبر، ایڈوکیٹ، معلم اور سبھا سوسائیٹیوں کے نمائندے مشہور تھے۔ گوردوارہ ننگالی صاحب کے انتظامات کے لئے مختار عام بھی سکھ ہی لیا جاتا تھا۔ اس طرح ریاست پونچھ کے سیاسی اور غیر سرکاری شعبوں میں سکھوں کو اچھا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ۱۹۴۷ء کے رُوح فرسا حادثہ میں، فرقہ دارانہ شورش اور پاکستانی جنون کے زیر اثر پونچھ کی تحصیل پلندری، راولاکوٹ، باغ وغیرہ کی ہندو سکھ آبادی ہر طرح کا مالی و جانی نقصان اُٹھا کر اپنی جنم بھومی سے ہجرت کر کے جموں کے علاقہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ اور اس طرح سے متبرک ستھان گوردوارہ ننگالی صاحب کی تمام روایات اور فرقہ دارانہ مقبولیت بھی ختم ہو گئی۔ آج یہ دھارمک ستھان پاکستان کے قبضہ میں ہے۔

پونچھ کا نرائنہ جموال خاندان

مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں بوقت اوائل تعمیر ریاست جموں و کشمیر نرائنہ جموال خاندان جو موضع مہوری تحصیل ریاسی میں آباد تھا اُس کے مورث اعلےٰ ٹھاکر دھیان سنگھ نرائنہ کو بحکم مہاراجہ گلاب سنگھ تحصیل پلندری کے قلعہ بارل میں تھانے دار مقرر کیا گیا۔ جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ مہوری سے ہجرت کر کے بارل میں آ کر آباد ہوا۔ اُن دنوں کا تھانہ دار کا عہدہ موجودہ ڈپٹی کمشنر کے مانند تھا۔ ٹھاکر دھیان سنگھ کے بعد ٹھاکر خزان سنگھ نرائنہ چالیس سال تک تھانیدار بارل رہا۔ اس نرائنہ خاندان کو راجہ موتی سنگھ اور راجہ بلدیو سنگھ نے بھی پونچھ میں زمین کے بیشتر قطعات عطا کئے جو کہ اس خاندان کے پشت در پشت علاقہ بارل کی مانند ملکیتی تھے۔ اس خاندان کے اکثر افراد مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں سول اور ملٹری کے اُونچے عہدوں پر ممتاز رہے۔

علاقہ بارل کی آبادی زیادہ تر مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ اور اُن مسلمانوں کے ساتھ خاندان نرائنہ کے تعلقات بھائیوں کی مانند تھے۔ آپس کے دُکھ سُکھ کے شریک تھے بیاہ شادیوں میں ایک دُوسرے کو جِنس اور نقدی کی شکل میں ورتن دینے کا رواج تھا لیکن ۱۹۴۷ء کی فرقہ پرست ہوا میں یہ علاقہ بُری طرح ملوّث ہؤا۔ پچاس فی صد سے زائد افراد خاندان نرائنہ کے قلعہ بارل میں محصور ہوئے۔ اور آخر جب زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تو پہلے بچّوں اور عورتوں کو اپنی بندوقوں کا نشانہ بنایا اور پھر خود لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ اور جو تھوڑے افراد بچے، وُہ بحالت بے سروسامانی رفیوجی کیمپ نگروٹہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ ان میں سے چند افراد کو محکمہ بحالیات کی طرف سے جموں کے نزدیک زمین الاٹ ہوئی ہے جو کہ اُس منقولہ و غیر منقولہ جائداد واقعہ علاقہ بارل اور پونچھ کے عشر عشیر بھی نہیں۔ اس خاندان کے بچے کچھے افراد اب جموں شہر اور اس کے گرد و نواح میں اور چند ایک اپنے آبائی گاؤں تھوری تحصیل ریاسی میں آباد ہیں۔ ٹھاکر دھیان سنگھ نرائنہ کے چار بیٹے روپ سنگھ خزان سنگھ۔ سادھو سنگھ اور گوچر سنگھ تھے۔ خزان سنگھ کے دلیپا سنگھ۔ رویل سنگھ۔ بساوا سنگھ۔ کونا سنگھ۔ مہنت سنگھ اور بیتر سنگھ ہوئے۔ دلیپا سنگھ کی اولاد جموں میں آباد ہے۔ رویل سنگھ لاولد ہؤا۔ بساوا سنگھ کے لوچن سنگھ اور پریم سنگھ تھے۔ لوچن سنگھ قلعہ بارل میں شہید ہؤا اور اُس کی اولاد ۱۹۴۸ء میں موضع تھوری میں آکر بحال ہو گئی۔ ٹھاکر پریم سنگھ کے دو لڑکے حقیقت سنگھ اور کرم سنگھ ہیں۔ ٹھاکر حقیقت سنگھ محکمہ انکم ٹیکس میں اور ٹھاکر کرم سنگھ رنبیر گورنمنٹ پریس جموں میں فورمین کے عہدہ پر تعینات ہے۔ ٹھاکر کور سنگھ اور اُس کے تین لڑکے نثیر سنگھ۔ نین سنگھ اور راج سنگھ قلعہ بارل میں پاکستانی گولیوں کا شکار ہوئے۔ ٹھاکر وکیل سنگھ جو لفٹننٹ کرنل کے عہدہ سے ریٹائر ہے، آج کل معہ اپنے فرزندوں کے جموں کے نزدیک تالاب تلّو میں آباد ہے۔ اسی طرح ٹھاکر کور سنگھ کے بیٹے نصیب سنگھ۔ بھاگ سنگھ اور ساگر سنگھ بھی یہاں ہی آباد ہیں۔

ریاست پُونچھ کے دو تہائی حصہ پر آج کل پاکستان نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور ۱۹۴۷ء میں شیخ عبداللہ کی حکومت نے پونچھ کے باقیماندہ حصہ کو تحصیل راجوری کے ساتھ ملا کر ایک ضلع کا درجہ دیا۔

ریاست راجوری

راجوری کا قدیمی نام راجپوری ہے۔ تواریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسے حویلی کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا رہا۔ اور مرزا ظفر اللہ خان جرال کی تاریخ راجور میں لکھا ہے کہ جب نومسلم راجہ نورالدین خان جرال کلانور (پنجاب) سے اٹھ کر اس علاقہ کا حکمران بنا تو اس نے اس کا نام راج ور رکھا جو راج ور سے راجور کہا جانے لگا اور پھر راجور سے راجوری مشہور ہوا۔ راجوری اور پونچھ کے علاقہ کا نام دارو ابھیسار تھا جو کشمیر کا ایک حصہ شمار ہوتا تھا۔ اس دارو ابھیسار کے علاقہ لوہر کوٹ (پونچھ) اور راجوری کی دو ریاستیں مشہور تھیں جو کشمیر کے ماتحت تھیں۔ تاریخ کشمیر اور راج ترنگنی کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ لوہر کوٹ اور راجوری کشمیر کی بڑی ریاستیں تھیں جن سے حکمرانوں کی آپس میں رشتہ داری بھی تھی۔ اور یہ کشمیر کی باجگذار تھیں۔ جہاں لوہر کوٹ (پونچھ) کا نام مشہور تھا وہاں راجوری راجپوری کے نام سے موسوم تھی۔ ۶۳۲ء میں جب چینی سیاح ہیون سانگ کشمیر میں دو سال رہ کر واپس ہوا تو وہ توسہ میدان سے گزر کر پونچھ پہنچا اور پونچھ سے راجوری کے راستے اکھنور سے ہوتا ہوا دریائے چناب عبور کر کے سیالکوٹ کی طرف چلا گیا۔ ہیون سانگ نے راجوری کے متعلق اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ”وہ کشمیر سے واپسی پر (لوہر کوٹ) پرنتس (پونچھ) میں آیا۔ اور وہاں سے راجاپوری (راجپوری) نگر میں وارد ہوا۔ راجپوری اور پرنتس (پونچھ) دونوں ریاستوں پر کشمیر کا غلبہ ہے۔“[1]

راجپوری کی ریاست راجگان پال نے آباد کی تھی۔ جن کا سلسلہ نسب پانڈو سے ملتا ہے۔ اس ریاست پر صدیوں پال راجگان کی حکومت رہی۔ راجوری سے اس حکمران خاندان کی تاریخ ہر چند کھوج کے بعد بھی نہیں مل سکی لیکن تاریخ کشمیر میں راجوری کے پال راجاؤں کا کہیں کہیں ذکر آیا ہے۔ ان میں راجہ سنگرام پال، پرتھوی پال،

---

[1] تاریخ راجور مصنفہ مرزا ظفر اللہ خان مرحوم مؤلف کو مرزا محمد خان جرال رہاتی نے نوٹ ۳۶۷ پر)

مدن پال اور چندر پال کا نام مشہور ہے۔ پال خاندان سے راجوری کے آخری راجہ کا نام
امنا پال تھا جو ۱۱۹۴ء میں ریاست راجوری کا حکمران تھا۔
تاریخ اقوام پونچھ میں لکھا ہے کہ راجہ جیسر راؤ کی پانچویں پشت میں راجہ
صاحب سینھ ہوا۔ جیسر راؤ نے اپنے نام پر اپنا خاندان جرال چلایا۔ راجہ جیسر راؤ
راجہ نکھ والئے کلالور (پنجاب) برادر اصغر راجہ پریکھت والئے ہند کی آٹھویں پشت
میں تھا۔ راجہ پریکھت مہابھارت کے مشہور پانڈو پتر ارجن کا پوتا تھا۔ راجہ صاحب سینھ
جرال معہ اپنے فرزند راجہ نیل سینھ اور دوسرے متعلقین کے سلطان محمد غوری کے زمانہ میں مسلمان
ہو گیا۔ محمد غوری نے راجہ سینھ کا اسلامی نام شیر افگن خان اور اس کے فرزند نیل سینھ کا نام
نور الدین خان رکھا۔ ۱۱۹۴ء میں راجہ نور الدین خان افغان حملہ آوروں کی متواتر یورشوں
کے خوف سے اپنا مال و ملک چھوڑ کر اپنے اہل و عیال اور ایک مختصر سی جماعت لے کر
کوہستان راجوری میں آیا۔ راجوری کے راجہ امنا پال نے اس کی شاہانہ طریق پر خاطر تواضع
کی۔ اور اپنے دربار میں اونچی کرسی دے کر اس کا رتبہ بلند کیا۔ نور الدین خان عرف نیل سینھ
نے راجوری کے لوگوں سے واقفیت اور راجہ سے دوستانہ میل ملاقات پیدا کر لیا۔ ایک
رات جبکہ راجہ امنا پال محو خواب تھا، اس نے راجہ کو قتل کر دیا۔ راجہ امنا پال کو اپنے معزز
مہمان راجہ نور الدین خان سے اس بات کی ہرگز توقع نہ تھی۔ امنا پال کے خاندان کے
ممبروں اور اس کے لواحقین پر سخت مصیبت اور تباہی نازل ہو گئی۔ ان میں سے اکثر تلوار کے
گھاٹ اتار دئے گئے۔ اور چند ایک نور الدین خان نے مطیع کر کے راجوری کے تخت پر
قبضہ کر لیا۔ 1194

راجہ نور الدین خان عرف نیل سینھ راجوری پر بلا شرکت غیرے حکومت کرنے لگا۔
اس نے (راجوری) کے علاقہ کو بہت زیادہ وسعت دی۔ اور اپنی رہائش کے لئے دلپسند
محلات اور مکانات تعمیر کرائے۔ محلات کے علاوہ دیوان خاص، دیوان عام، حمام

وقت ۱۹۶۶ء سے آگے تحصیلدار بدتحل (راجوری) کی وساطت سے دستیاب ہوئی ... ہندو ... کے زمانے کے ابتدائی ... صفحات ختم کر دئے گئے ہیں۔ اور ... جہاں سے مسلمان ... شروع ہوتا ہے۔ یہ تاریخ مؤلف کے مطالعہ میں آئی۔ اور زیر نظر تاریخ میں اس سے بہت کچھ لیا گیا۔

مسجدیں تیار ہو گئیں۔ ایک فصیل پختہ گرد شہر قلعہ کے طور تعمیر کرائی گئی۔ ندی سے پار ایک شالامار باغ نہایت خوبصورت بنایا گیا۔ اور اس میں بارہ دری اور دیگر عمارات کھڑی کی گئیں۔ دیوان خانہ کے متصل ایک باغیچہ بھی شہر میں لگایا گیا۔ جس میں فواروں کے لئے ایک نہر بہت دور سے لائی گئی۔ دور سے شاہی محلات کا منظر عجیب لطف اور شہر کی عظمت دکھاتا ہے۔ راجوری کے شمال میں بہرام گلہ۔ جنوب میں نوشہرہ۔ مشرق میں ارناس، مغرب تھپکانہ واقع ہیں۔ راجوری میں حسب ذیل تعلقات تھے:۔

راجور معروف حویلی۔ تھنہ۔ بگلہ عظیم گڑھ۔ دہرال۔ بھروٹ۔ چنگس اور نگروٹہ۔ نگروٹہ دو میل جانب جنوب مشرق۔ کنڈل ۸ میل مشرق۔ بھروٹ ۷ میل جانب شمال تھنہ ۱۴ میل جانب شمال۔ دہرال ۱۲ میل جانب گوشہ شمال۔ ناریاں ۷ میل جنوب۔ مرادپور دو میل جنوب۔ کریاں ۴ میل مغرب۔

آمدنی محاصل راجوری کے متعلق مسٹر الیگزنڈر کننگھم نے کتاب تاریخ پنجاب میں ۱۸۴۶ء کی آمدنی ریاست ہائے جو صفحہ ۲۴۲ ضمیمہ ۳۸ میں لکھی ہے۔ اس میں راجوری کی آمدنی مالیہ ایک لاکھ روپیہ درج ہے۔ محصولات و دیگر محاصل اس کے علاوہ تھے۔ فریڈرک ڈریو نے اپنے روزنامچہ میں لکھا ہے کہ راجوری کی ریاست شمال اور مشرق کی طرف ۲۰ میل اور جنوب مغرب کی طرف ۳۰ میل تک پھیلی ہوئی تھی۔

راجوری کی آب و ہوا نہایت صحت بخش ہے۔ مگر موسم برسات کے بعد دھان کی بُو پھیلتی ہے تو موسمی بخاروں کی شدت ایک دو ماہ تک پورے جوبن پر رہتی تھی۔ لیکن آج کے سائنسی دور میں اس قسم کے بخارات کا بھی قلع قمع ہو چکا ہے۔ راجوری نہ تو زیادہ گرم ہے نہ سرد۔ موسم اکثر خوشگوار اور صحت بخش رہتا ہے۔ گرمیوں میں کبھی لُو نہیں چلتی۔ سردی میں گاہ بگاہ برف بھی پڑتی ہے۔ راجوری نہایت ہی زرخیز خطہ ہے۔ جہاں کہ ہر قسم کا اناج پیدا ہوتا ہے۔ اسے اناج کے ذخیرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ راجوری کا علاقہ اناج میں خود کفیل ہی نہیں بلکہ بہت سا وافر اناج دوسرے علاقوں میں برآمد ہوتا رہا ہے۔

جموں کے راجہ سے دوستی

تاریخ راجور مصنفہ مرزا ظفراللہ خان جرال میں لکھا ہے کہ جب راجہ نورالدین خان نے راجوری کا راج سنبھالا اور اپنی ریاست کے تعلقات پڑوس کی ریاستوں سے قائم کئے تو جموں کے راجہ جیون دیو

سے دوستانہ راہ و رسم پیدا کی اور اُس کی ملاقات کے لئے جموں گیا۔ راجہ جس دیو بڑی محبت اور تپاک سے پیش آیا اور دس روز تک مہمان نوازی کرتا رہا اور بڑی عزت سے رخصت کیا۔ اس آمد و رفت سے راجوری اور جموں کے والیان کے دوستانہ تعلقات بہت گہرے ہو گئے۔ راجہ جموں ہر ایک موقعہ پر راجہ راجور کی اعانت اور امداد کرتا رہا جس سے راجہ نورالدین خان نے علاقہ راجور کو بہت وسیع کر لیا۔ گرد و نواح اور مضافات راجور کے خودسروں کو اپنا مطیع بنایا۔"

راجہ نورالدین خان والئ راجوری اور راجہ جس دیو والئ جموں کی دوستی کا ذکر جو تاریخ راجور میں میرزا ظفر اللہ خان نے کیا ہے، وہ تواریخ راجپوتان جموال مصنفہ کاہن سنگھ بلاوریہ اور تاریخ جموں مصنفہ حشمت اللہ اور گلاب نامہ کے مطابق پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ راجہ جس دیو اپنے باپ راجہ اوتار دیو کی وفات کے بعد سنہ ۱۰۱۹ء میں جموں کا راجہ بنا۔ اور ۳۳ سال راج کر کے سنہ ۱۰۵۲ء میں راہئ ملک بقا ہوا۔ راجہ نورالدین خان نے راجہ امنا پال والئ راجوری کو قتل کر کے راجوری کی ریاست پر خود مختار حکومت سنہ ۱۱۹۴ء میں قائم کی۔ اس لئے مرزا ظفر اللہ خان کی تاریخ دوستی راجگان جموں اور راجوری غلط معلوم ہوتی ہے۔ سنہ ۱۱۹۴ء میں تو جموں کا حکمران راجہ چک دیو (چکردھر۔ بقول راج ترنگنی چکردھر) کا بیٹا راجہ برج دیو تھا جسے پرتھوی راج چوہان نے بمطابق پرتھوی راج راسہ رائے ہمیر کا خطاب دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۱۹۴ء میں راجوری کے راجہ نورالدین کی دوستی جموں کے راجہ سے ہوئی۔ لیکن جموں کا راجہ اُس وقت راجہ جس دیو نہیں تھا بلکہ راجہ برج دیو تھا۔

راجہ نورالدین خان ۶۵ سال کی عمر میں ۲۷ سال راجوری کا راج کر کے عالم بقا کو سدھارا۔ اور اُس کے بعد اُس کا اکلوتا بیٹا راجہ بہاؤ الدین خان عرف بھاگ سینہہ مسند نشین ہوا۔ یہ راجہ علم نجوم کا ماہر تھا۔ اس نے راجوری کے گرد و جوار کے علاقے بزور شمشیر اپنے قبضہ میں لئے۔ اور ۳۱ سال راج کر کے بعارضہ سرسام ۵۶ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ انور خان عرف اورون سینہہ راجوری کا راجہ بنا جس نے ۱۴ سال حکومت کی۔ اور ۴۸ سال کی عمر بھوگ کر سنہ ۱۲۶۶ء میں اس جہاں سے چل بسا۔ اُس کے بعد راجہ ہیبت خان عرف ہیبت سینہہ اُس کا راجہ سردار خان معروف ایں سینہہ اُس کا راجہ شہسوار خان عرف سنسار سینہہ اُس کا راجہ دولت خان عرف دولت سینہہ یکے بعد دیگرے

Scanned with CamScanner

راجوری کے حکمران ہوئے۔

راجہ شاہزمان خان عرف جگ سینہہ

۱۳۷۸ء میں راجہ شاہزمان خان فرزند راجہ دولت خان کو راجوری کا راج تلک ملا۔ اس راجہ نے ملک کی آبادی کی طرف توجہ دی اور کئی دیہات آباد کئے۔ راجوری سے مشرق دو گاؤں پونی اور بھارکھ (تحصیل ریاسی) اسی راجہ کے آباد کردہ ہیں۔ راجہ شاہزمان خان کے تین لڑکے تھے۔ شہاب الدین خان ولی عہد تھا۔ اور اس سے چھوٹے دونوں کو پونی اور بھارکھ کی دس دس ہزار روپیہ کی علیحدہ علیحدہ جاگیریں رائے کا خطاب دے کر عطا کیں۔ جنہوں نے اپنی رہائش پونی اور بھارکھ میں اختیار کی۔

راجہ شاہزمان خان کے زمانہ میں کشمیر کا سلطان سکندر بت شکن تھا۔ جب سلطان سکندر بت شکن نے تبت خورد پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو راجہ راجوری کی امداد لی گئی۔ والیٔ راجوری نے اپنے ولی عہد شہاب الدین خان کو دو ہزار جوان دے کر اس مہم پر امداد کے لئے روانہ کیا۔ راجہ شاہزمان خان ۸۵ سال کی عمر میں راہیٔ ملک بقا ہوا تو اس کا بڑا فرزند راجہ شہاب الدین خان عرف سکار سینہہ راجوری کا مالک ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی مانند آبادیٔ ملک پر زیادہ توجہ دی اور دو گاؤں کانگڑی اور بھجوال آباد کئے اور اپنے دو چھوٹے بیٹوں کو رائے کا خطاب دے کر اس علاقہ کا جاگیردار بنایا۔ شہاب الدین خان کے بعد اس کا بیٹا راجہ بہرام خان عرف بہرام سینہہ اس کا راجہ برہان الدین خان عرف بیرم سینہہ اس کا راجہ علی خان اور اس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی راجہ بہادر خان عرف بہادر سینہہ یکے بعد دیگرے راجوری کے تخت نشین ہوئے۔

راجہ مست خان ولی

راجہ بہادر خان کے بعد اس کا بڑا بیٹا راجہ مست خان ولی والیٔ راجور ہوا۔ اس راجہ کو بچپن سے ہی فن سپہ گری کا شوق تھا۔ تیر اندازی شمشیر چلانا اور نیزہ بازی میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ تیر کمان لے کر شکار کھیلتا تھا۔ دلاور اس قدر تھا کہ فیل مست اور شیر ببر کو تلوار کے گھاٹ اتارنا اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ اپنے راج میں ظلم و عدل اور رعیت کی خوشحالی

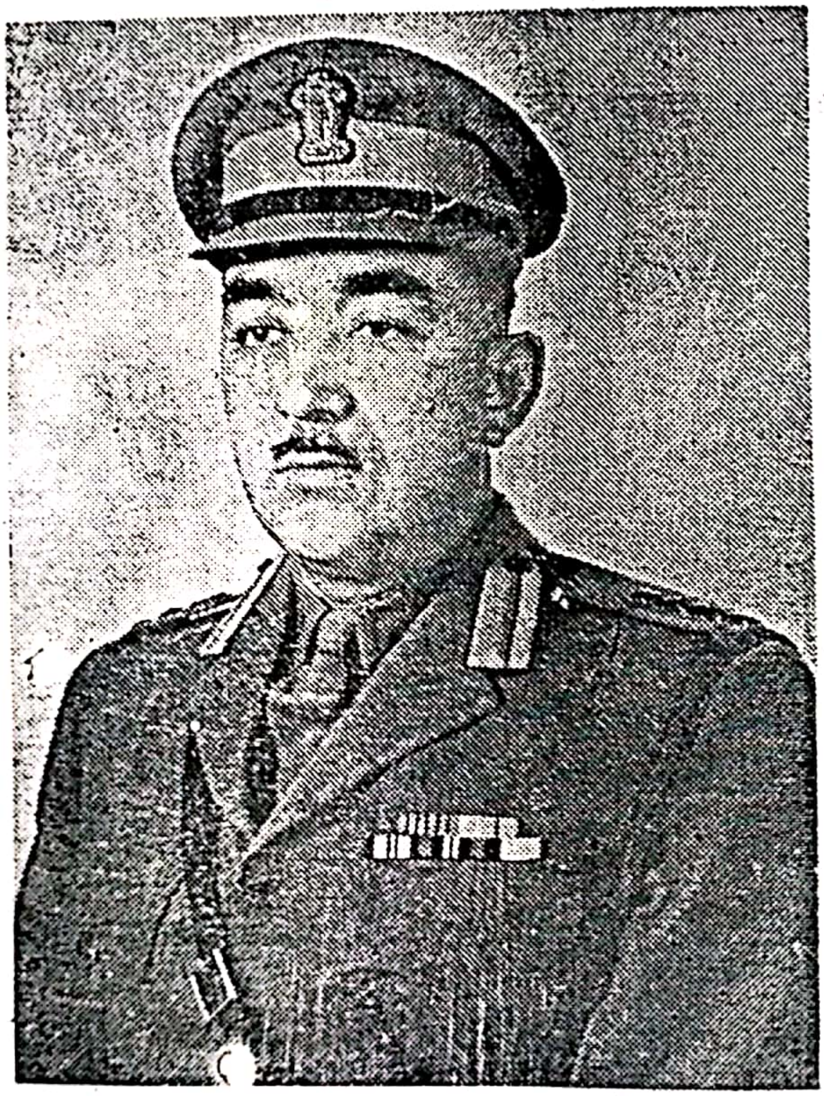

کرنل کمانڈنٹ کندول سنگھ پوار اسبارائیہ

جرنیل باج سنگھ

← راجہ جواہر سنگھ

راجہ مرتی سنگھ →

راجہ جگت دیو سنگھ آف ریاست پونچھ

اور نارضامندی کے لئے خفیہ طور پر رات کو اکیلا شہر میں گھومتا۔ چور کو پہلی بار معمولی سزا۔ دوسری بار قدرے سخت اور اگر تیسری بار بھی چوری سے باز نہ آئے تو اُس کے ہاتھ کٹوا دیتا تھا۔

587 ۱۵۸۷ء میں جب مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے تسخیر کشمیر کا ارادہ کیا اور اپنے مشہور جرنیل محمد قاسم خان میر بحر کابلی کو کثیر فوج دے کر کشمیر پر حملہ کے لئے بھیجا تو جرنیل نے مناسب سمجھا کہ کشمیر کے مضافات کے راجگان سے مصالحت کر کے امداد حاصل کی جائے۔ چنانچہ محمد قاسم خان جرنیل نے ایک قاصد راجہ مست خان ولی والئی راجور کے دربار میں بھیجا اور لکھا کہ ہم لشکر جرار لے کر براستہ راجور کشمیر پر حملہ کے لئے آ رہے ہیں۔ اس لئے ہماری خواہش ہے کہ آپ ہماری ہر قسم کی امداد کریں۔ راجہ راجور نے شاہی قاصد کی ہر طرح سے خاطر مدارات کی اور دوسرے دن راجہ مست خان ولی تحفے تحائف لے کر جرنیل میر قاسم خان کو جا ملا۔ جس نے راجہ راجور کو خلعتِ فاخرہ سے نوازا اور کہا کہ کشمیر فتح ہو جائے تو ہم بادشاہ اکبر سے آپ کو جاگیر دلائیں گے۔ چنانچہ راجہ مست خان ولی نے شاہی افواج کے لئے رسد رسانی اور بار برداری کا انتظام کیا اور کشمیر پر حملہ کی رہنمائی کی۔ راجہ جب اپنے ولی عہد کو لے کر خود جرنیل کے ہمراہ کشمیر کے حملہ میں اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور تنگ و دشوار گھاٹیوں اور پگڈنڈیوں کو عبور کر کے قلعہ درہال کے چند کوس آگے ڈیرے ڈال دئے۔ یہاں سے شاہی فوج کو سیدھے راستہ سے جانے کا مشورہ دیا اور اپنی فوج اپنے ولی عہد کی کمان میں دوسرے راستہ شوپیاں کی طرف بھیجی۔ شاہی فوج ابھی پچھلے پڑاؤ پر تھی کہ راجوری کی فوج نے راتوں رات کشمیر کی راجدھانی پر یلغار کر دی۔ اور صبح ہوتے کشمیری فوج پر جو کہ راجدھانی کی حفاظت کے لئے مامور تھی، ٹوٹ پڑی کشمیر کا سلطان اور اُس کی فوج گھبرا گئی اور بلا مدافعت کے بھاگ کھڑی ہوئی۔ کشمیر پر مغل فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس فتح کی خوشی میں جرنیل محمد قاسم خان میر بحر کابلی نے راجہ مست خان ولی کو ۵۰ ہزار روپیہ کی جاگیر کے دیہات مغل بادشاہ اکبر سے پشت در پشت کیلئے کشمیر میں عطا کرا دئے۔ یہ دیہات بٹ گام۔ درب گام۔ گنی پورہ۔ پنجرٹہ۔ شوپیاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ درب گام میں راجہ راجور نے عالیشان عمارتیں تعمیر کیں جو کہ جاگیر کے مختار اور عملہ کے اہلکاران اور بار دار کی رہائش کے لئے مدتوں استعمال ہوتے رہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے وقت میں اس عمارت میں ریشم کا کارخانہ بھی جاری ہوتا تھا۔

محمد جلال الدین اکبر جب دہلی سے پہلی بار براستہ راجوری کشمیر کی سیاحت کے لئے آیا تو راجور میں اُس کی خاطر تواضع اور شاہی کیمپ کے انتظام وغیرہ میں راجہ مست خان ولی نے کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ بادشاہ راجہ کے اس حسن سلوک اور تواضع پر بے حد خوش ہوا۔ اور راجہ کی بجائے مرزا کا خطاب عطا کیا لیکن راجہ نے اپنے لئے یہ خطاب قبول نہ کیا اور عرض کیا کہ اس علاقہ میں نوابی اور مرزا کے نام کو کوئی نہیں جانتا یہاں راجگی ہی اعلےٰ خطاب ہے جو کہ میرے لئے موزوں رہے گا۔ اگر ارشاد ہو تو مرزا یا نواب کا لقب میرے خاندان اور اولاد کے لئے اعزاز اور امتیاز کا موجب ہوگا۔ چنانچہ راجوری کے حکمران آخر دم تک راجہ کے خطاب سے مخاطب ہوتے رہے اور مرزا کے نام سے راجہ کے بھائی بند اور چھوٹے فرزند منسوب کئے جاتے رہے۔

مغل بادشاہ کے حکم سے نوشہرہ میں قلعہ کی تعمیر زیر نگرانی راجہ راجور ہوئی۔ اور اس قلعہ میں شاہی فوج کا ایک دستہ رہا کرتا تھا جو پنجاب سے کشمیر تک کی راہ کی حفاظت کرتا تھا۔ راجہ مست خان ولی کا ایک ہی فرزند راجہ تاج الدین خان ہوا جو کہ بڑا بہادر اور زور ہوا۔

راجہ تاج الدین خان عرف چتر سنیہہ

۱۵۹۲ء میں راجہ مست خان ولی کی موت کے بعد راجہ تاج الدین خان عرف چتر سنیہہ راجوری کا وارث قرار پایا۔ اس راجہ نے گجرات سے کشمیر تک جابجا چوکیاں قائم کیں۔ اور مغل شاہراہ کشمیر کو درست اور محفوظ رکھنے میں کافی خدمات بجا لائیں۔ اور اپنے پوتے مرزا عنایت اللہ خان کو قلعہ نوشہرہ میں تعینات کیا تاکہ وہ اس قلعہ کو زیادہ مضبوط اور مستحکم کرے۔ راجہ چتر سنیہہ عمر بھر مغل دربار کا ہوا خواہ رہا۔ ۱۶۲۰ء میں جہانگیر بادشاہ جب کشمیر جاتے ہوئے نوشہرہ پہنچا تو راجہ چتر سنیہہ نذرانہ لے کر حاضر ہوا۔ جہانگیر نے اُسے حفاظت راہ کشمیر کی مکرر تاکید کی اور حکم ہوا کہ نوشہرہ سے کشمیر تک کے راستہ اور چوکیوں کی نگرانی راجہ راجور کے ذمہ ہے۔ نواح راجور اور راجو کے لوگ آئے دن حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اور پچھلے کئی سالوں سے علاقہ راجور میں مذہب اسلام کا عمل دخل عام لوگ قبول کر رہے تھے۔ تاہم کچھ ایسی رسمیں بھی موجود

تھیں کہ ستی کی خاطر جوان عورت کو اُس کے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں بدستور رشتہ داری تھی اور آپس میں شادیاں ہوتی تھیں مسلمان ہندوؤں کو اور ہندو مسلمانوں کو لڑکیاں دیتے تھے۔ توزکِ جہانگیری میں لکھا ہے کہ بادشاہ جہانگیر نے راجہ تاج الدین خان عرف چتر سینہہ کو حکماً ہدایت کی کہ اس قسم کی بدعتوں اور بُری رسموں کو ختم کر دیا جائے اور آئندہ کوئی عورت زندہ دفن نہ کی جائے اور کسی ہندو کو مسلمان لڑکی سے شادی کرنے کی اجازت نہ دی جائے لیکن ہندو کی لڑکی اگر کوئی مسلمان بیاہنا چاہے تو اُسے روکا نہ جائے۔

راجہ چتر سینہہ کے ہاں دختر کی تولیدگی

راجگانِ راجوری کے ہاں دختر کشی کی رسم قدیم سے چلی آتی تھی۔ راجہ اور اُس کے قریبی رشتہ داروں کے گھر جو لڑکی پیدا ہوتی تھی، اُسے مار ڈالتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ راجوری کے جرال مسلم راجپوت کسی دوسرے مسلمان خاندان کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے تھے جس میں لڑکی کا ناطہ دے سکتے۔ اور وہ اپنے خاندان میں لڑکیوں کا ہونا کسرِ شان اور خلافِ عزت خیال کرتے تھے۔ راجہ چتر سینہہ ایسے بُرے رسم و رواج کا دل سے خلاف تھا اور بادشاہ دہلی کے حکم سے بھی سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ اُس کے ہاں دختر نیک اختر تولد ہوئی۔ خاندانی رواج کے مطابق لڑکی کو ختم کرنے کے مشورے ہونے لگے۔ تو راجہ نے کہا۔ اِسے ختم کرنے سے پہلے مجھے اپنے مُرشدِ کامل پیر شاہدولہ سے ہدایت لینے دو۔ اور اتفاق یہ کہ پیر شاہدولہ اُن دنوں گجرات (پاکستان) سے راجوری میں قیام پذیر تھا۔ پیر شاہدولہ کو راج گھر میں لڑکی کے تولد ہونے کی خبر پہنچی تو اُس نے بروئے کشف راجہ کو ہدایت کی کہ یہ لڑکی بے حد خوش نصیب ہے اور اِس کے بطن سے بادشاہ پیدا ہوں گے۔ اِسے ختم کرنے کے گناہِ کبیرہ سے احتراز کیا جائے۔ چنانچہ یہ لڑکی نازونعمت سے پرورش پانے لگی اور اِس کا نام راج بانو رکھا گیا۔ اور جب راج بانو جوان ہوئی چند آفتاب چندے ماہتاب اِس کی خوبصورتی کا شہرہ شاہجہان کے دربار میں جا پہنچا۔ گرمیوں میں حسبِ معمول راجوری کے راستے بادشاہ معہ اپنے شہزادہ محی الدین اورنگ زیب کے کشمیر جا رہا تھا کہ راجہ راجوری کا مہمان ہوا۔ اور راجہ چتر سینہہ نے اپنے اندرونِ محلات میں بادشاہ اور اُس کے شہزادہ کو ٹھہرایا۔ شاہجہان کئی روز تک راجوری میں رہا اور راجہ

چتر سنیہہ سے اُس کی راجکماری راج بانو کا اپنے شہزادہ اورنگ زیب کے لئے ناطہ طلب کیا۔ اگرچہ اورنگ زیب کی پہلے شادی بھی ہو چکی تھی۔ راجہ چتر سنیہہ کو کیا اعتراض تھا۔ یہ تو اُس کی عزت افزائی تھی کہ اُس کی راج بانو مغل شہزادہ کے حرم کی رونق بنے چنانچہ راجوری کے قیام میں ہی شہزادہ اورنگ زیب اور راج بائی کا نکاح پڑھا یا گیا۔ اور بڑی شان سے رسوم ادا ہوئیں۔ اِس واقعہ کا ذکر کرامت نامہ پیر شاہ دولہ میں نمایاں طور پر کیا گیا ہے۔ یہ کرامت نامہ زبانِ فارسی میں ہے۔ شاہ دولہ کا مزار گجرات میں ایک مشہور مقام ہے۔ راج بانو (راج محل بیگم) کے بطن سے بہادر شاہ۔ سلطان محمد اور معظم شاہ پیدا ہوئے۔ مرزا شہاب الدین عم زاد برادر بہادر شاہ بادشاہ دہلی نے اپنی تاریخ میں اِس راج محل بیگم (راج بانو) کا نام راجو لکھا ہے۔ راجہ چتر سنیہہ کے پوتے مرزا عنایت اللہ خان جو قلعہ نوشہرہ کی حفاظت پر تعینات تھا، کو دہلی دربار سے منصب پنج ہزاری خلعت فاخرہ معہ ہفت زنجیر فیل اور علاقہ منادر۔ پونچھ۔ بھمبال بطور جاگیر عطا ہوئے۔ راجہ تاج الدین خان عرف چتر سنیہہ نے ۴۵ سال راج کیا اور ۷۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا راجہ حیات اللہ خان اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا راجہ عنایت اللہ خان راجوری کا مسند نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں راجہ جموں سے سرحدی تنازعہ پر اس کی لڑائی تک نوبت جا پہنچی اور کافی کشت و خون ہوا۔ راجہ عنایت اللہ خان کے بعد ہدایت اللہ خان اس کے بعد عظمت اللہ خان پشت در پشت راجوری کے حکمران ہوئے۔

راجہ عظمت اللہ خان

راجہ عظمت اللہ خان کو جب راجوری کے تخت پر بٹھایا گیا تو اُس کی عمر چار سال تھی۔ حکومت اُس کا چچا مدار المہام کے طور کرنے لگا۔ ریاست کا وزیر مہتہ عجب سنگھ تھا جو کہ راجہ ہدایت اللہ خان کے وقت سے چلا آرہا تھا۔ راجہ عظمت اللہ خان کے چچا مرزا رفیع اللہ خان نے حکومت سنبھال کر پہلے مہتہ عجب سنگھ کو حکومت کے کاموں میں بے دست و پا کر دیا۔ پھر اُس نے خورد سال راجہ عظمت اللہ خان اپنے برادر زادہ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنا لیا اور اپنی رانی بیگم سے اِس کا ذکر کیا۔ تو وہ نیک نہاد رانی اپنے شوہر کے سفاکانہ ارادہ

دل کانپ اُٹھی! اُس نے اُسے سمجھایا کہ یہ سراسر سفاکی ہے۔ کمسن عظمت اللہ خان جو کہ یتیم ہے اور اپنے مرحوم بھائی کی نشانی ہے، رحم و پرورش کا مستحق ہے نہ کہ اُسے قتل کر کے دین دُنیا میں اپنا مُنہ سیاہ کر لیا جائے۔ لیکن مرزا رفیع اللہ خان نے اُس کی ایک بھی بات نہ مانی اور وہ اپنے ارادہ پر اٹل رہا۔ رات کو جب مرزا محوِ خواب تھا تو اُس کی رانی بیگم اپنے محل سے راجہ عظمت اللہ خان کی والدہ کے محل میں آئی اور اپنی جیٹھانی کو حقیقتِ حال سے واقف کیا۔ عظمت اللہ خان کی والدہ نے فوری طور پر مہتہ عجب سنگھ کو بُلایا اور اُسے تاکید کی کہ وہ خورد سال راجہ کو راتوں رات یہاں سے لے کر دہلی کی طرف روانہ ہو جائے۔ اور وہاں اُس کی پھوپھی راج بائی (راج محل بیگم شہنشاہ اورنگ زیب کی ملکہ) کی پناہ میں عظمت اللہ خان کو پہنچا دے۔ چنانچہ مہتہ عجب سنگھ چند ایک ملازمین کے ساتھ خورد سال راجہ کو لے کر راجوری سے نکل گیا۔ اور دہلی پہنچ کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ راجہ عظمت اللہ خان محلاتِ شاہی میں اپنی پھوپھی راج محل بیگم کے زیرِ سایہ شہزادوں کی مانند پرورش پانے لگا۔ اور مہتہ عجب سنگھ خورد سال راجہ کے گارڈین کے طور حاضر رہا۔ جب عظمت اللہ خان تعلیم و تربیت حاصل کر کے جوان ہوا، وہ علوم مرسومہ و مروجہ اور فنونِ سپہ گری پر پورے طور ملکہ رکھتا تھا۔ بادشاہ نے اُسے واپس راجوری بھیجنے اور قشقہ راجگی کے لئے اُس کے چچا مرزا رفیع اللہ خان کو لکھا کہ راجوری کے تخت کا اصل وارث بالغ ہو چکا ہے۔ ہم اُسے راجوری بھیج رہے ہیں اور اپنے ہاتھ سے راجوری کا راج تلک لگا رہے ہیں۔ اِس لئے اُس کی حکومت جو کہ بطور امانت تمہارے پاس ہے، اُسے بغیر کسی توقف کے دے دی جائے۔" چنانچہ فرمانِ شاہی کی تعمیل میں مرزا رفیع اللہ خان نے سر جھکا دیا۔ اور جب اُس کا برادر زادہ راجہ عظمت اللہ خان بصد عزت و شان معہ حشم و خدم راجوری میں وارد ہوا تو اُس نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور راجوری کا راج اُسے سپرد کر کے خود علیحدگی اختیار کر لی۔

بادشاہ اورنگ زیب نے راجہ عظمت اللہ خان کو جب اپنی بارگاہ سے راجوری کے لئے وداع کیا تو گرانبہا خلعت سے اُسے نوازا۔ راجگان راجوری کے ذاتی ریکارڈ کی ایک فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ پانچ ہاتھی اور یارقندی نسل کے ایک سو گھوڑے، گیارہ ہزار ایک سو ایک روپیہ نقد، زیورات اور جواہرات کے علاوہ پارچات کمخواب، زربفت اور

دو شالہ ہائے زری و پشمینہ راجہ عظمت اللہ خان کو دے کر رخصت کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اُس کی پھوپھی راج بیگم نے بھی اپنی طرف سے بڑا قیمتی شاہی سامان وغیرہ عطا کیا تھا۔

دہلی سے راجہ عظمت اللہ خان کے ساتھ بہت سے لوگ آئے۔ جن میں عالموں، فاضلوں اور ہنرمندوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اِس طرح راجوری کی ریاست کی ایڈمنسٹریشن شاہی نمونہ کے مطابق کی گئی محکمہ جات دیوانی۔ فوجداری۔ مال وغیرہ قائم کئے گئے۔ ساری ریاست کا سرسری بندوبست کرایا اور شاہراہوں پر چوکیاں مقرر کیں۔ درآمد و برآمد مال پر محصول لگائے گئے محاسب و خزانچی مقرر ہوئے۔ دربارِ عام اور دربارِ خاص کے لئے جُدا جُدا محل تعمیر کئے گئے۔ دربار میں ہر قسم کے اہلِ کمال جمع کئے گئے۔ اور یہ پہاڑی ریاست ایک بار پھر بے مثال اور بے نظیر ہو گئی۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد اُس کے ہر دو فرزندان معظم شاہ اور اعظم شاہ تخت نشینی کے لئے آپس میں اُلجھ پڑے اور نوبت جنگ و جدل تک پہنچ گئی۔ تو راجہ عظمت اللہ خان نے راجوری سے جا کر اورنگ زیب کے ولی عہد معظم شاہ کی ہر معرکہ میں امداد کی۔ اعظم شاہ مارا گیا اور معظم شاہ مالک تخت و تاج قرار پایا۔ جب عظمت اللہ واپس راجوری ہوا تو بادشاہ معظم شاہ نے ہاتھی گھوڑے، بے شمار ہیرے جواہرات اور خلعتِ فاخرہ کے ساتھ پرگنات پونچھ اور بھمبر کے پٹہ کے علاوہ علاقہ جات سالہ، جلال پور اور تعلقہ براہ دھرت کی جاگیریں عطا کیں۔

راجہ عظمت اللہ خان کے وقت راجوری ریاست کی آمدن تین لاکھ روپیہ کی تھی۔ بھمبر۔ پونچھ۔ جلال پور وغیرہ کی آمدن اِس سے علاوہ تھی۔ اِس آمدن کے متعلق تاریخ راجوری مصنفہ مرزا ظفر اللہ خان جرال میں درج ہے کہ آمدنی مالی راجوری دو لاکھ ۷۷ ہزار سات سو ۹۹ روپیہ تھی۔ بھمبر ۳۳ ہزار۔ پونچھ ۳۳ ہزار۔ سالہ جلال پور براہ ۲۰ ہزار۔ جاگیر کشمیر ۵۰ ہزار۔ جرال خاندان میں آج کل بھی یہ بات مشہور ہے کہ راجوری ریاست چار لاکھ ۳۶ ہزار روپیہ کی تھی۔

راجہ عظمت اللہ خان نے بھمبر اور پنجاب کی سرحد پر ایک قلعہ مناور کے نام پر تعمیر کرایا اور شہر راجوری کے گرد قلعہ نما فصیل پختہ تیار کرائی۔ کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوجوں نے لاہور سے قلعہ شکن توپ لا کر فصیل کو اُڑا دیا جب کہ راجہ

اگر خان والئ راجور نے کشمیر پہ حملہ آور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوجوں کا راستہ روک لیا تھا۔

بندہ بیراگی

بندہ بیراگی کا جنم خاص راجوری ڈڈاں والی باں کے اوپر واقع پہاڑی میں ہوا تھا اُس کا اصلی نام لچھمن سنگھ تھا اور یہ ایک راجپوت گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔

لچھمن سنگھ جنم سے ہی بہادر سپاہی تھا۔ ایک دن وُہ شغلِ شکار میں مصروف تھا کہ اُس کے تیر سے ایک ہرن (جنگلی بکری) گھائل ہو گئی جو کہ حاملہ تھی اور جس کے پیٹ سے تین بچے باہر نکل آئے جنہیں تڑپتا دیکھ کر وُہ برداشت نہ کر سکا۔ اور اِس سے متاثر ہو کر اُس نے عین عالمِ شباب میں فقیری بانا پہن لیا اور گھر بار تیاگ کر بیراگی سادھو ہو گیا۔ اور گھر سے دُور دکن میں نربدا ندی کے کنارے ایک آشرم میں رہ کر ایشور بھگتی کرنے لگا۔ جب سکھوں کے دسویں بادشاہ سری گورو گوبند سنگھ پنجاب میں لوگوں پر ہو رہے شاہی ظلم و تشدد سے دُکھی ہو کر نربدا کے کنارے اِس آشرم میں پہنچے اور انھوں نے لچھمن سنگھ بیراگی کو اُس کی بہادری اور ماتری بھومی پر ہو رہے اتیاچار کا واسطہ دے کر فقیری بانا چھوڑ کر ظلم کے خلاف لڑنے کے لئے تلوار اُٹھانے کی اپیل کی تو لچھمن سنگھ بیراگی یہ کہہ کر کہ "میں آپ کا بندہ ہوں"[1] گورو جی کے حکم پر میدانِ جنگ میں کود پڑا۔ اور چند ہی دنوں میں اپنی بہادری اور شہزوری کی دھاک بٹھا دی۔ چنانچہ سری گورو گوبند سنگھ کے امر ہونے کے بعد مغل حکومت کے خلاف سکھوں کے جہاد کی رہبری بندہ کے سپرد ہوئی۔ جب بندہ بیراگی کے حسب نسب کے متعلق بادشاہ دہلی کو علم ہوا تو اُس نے راجوری کے راجہ عظمت اللہ خان کے نام فرمان جاری کیا کہ وُہ اپنی فوج لے کر معہ زمینداران جموں وغیرہ بندہ کی سرکوبی کے عازم ہوں۔ شاہی فوجوں پر بندہ کی دہشت طاری تھی اور بندہ کا نام سُنتے ہی فوجی کانپ اُٹھتے تھے۔ دہلی کا بادشاہ بہادر شاہ خود پنجاب کی طرف روانہ ہوا اور فیروز خان اور مہابت خان کو فوج کی کمان دے کر اپنے سے پہلے بطرف پنجاب بھیج دیا۔ بازید خان افغان پانی پت سے اُس کا برادر زادہ شمس الدین خان دو آبہ جالندھر سے فوج شاہی کے ساتھ ہو لیا۔ شاہی لشکر سرہند میں جمع ہوا اور بندہ

---

[1] گورو جی لچھمن سنگھ بیراگی کی انکساری اور وفاداری پر اتنے خوش ہوئے کہ آئندہ وُہ اُسے "بندہ" کے ہی نام سے پکارنے لگے اور اِس طرح لچھمن سنگھ کا نام "بندہ بیراگی" مشہور ہو گیا۔

قلعہ لوہ گڑھ میں محصور ہو گیا۔ تین ماہ تک ہنگامہ گرم رہا۔ شاہی فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے گئے۔ اور جب قلعہ والوں کو رسد رسانی کا کوئی ذریعہ نہیں رہا، شاہی فوج نے تمام ناکے بند کر دیئے اور سکھ فوجی بھوک کے مرنے لگے تو بندہ نے مصلحت فرار میں سمجھی لیکن شاہی فوجوں کے نرغہ سے بچ کر نکلنا بھی محال تھا۔ آخر اُس کا ایک جاں نثار بندہ کا بھیس بنا کر قلعہ سے باہر نکلا جسے بندہ سمجھ کر گرفتار کر لیا گیا۔ اور اُس مصنوعی بندہ کو لوہے کے پنجرے میں بند کر کے دہلی لایا گیا۔ بادشاہ اپنی اس کامرانی پر نازاں دہلی میں داخل ہوا تو اُسے اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ یہ تو بندہ بیراگی نہیں۔ اسی دوران اصلی بندہ قلعہ سے رُوپوش ہو کر ریاست سرمور میں پہنچ گیا۔

حسب الحکم بادشاہ دہلی راجہ عظمت اللہ خان معہ اپنی فوج کے راجوری سے چل کر جموں پہنچا۔ اور پہاڑ پہاڑ گزرتا ہوا سرمور میں داخل ہوا۔ بندہ کی ہر چند تلاش کی گئی لیکن اُس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ چند ایک روز کے بعد بہادر شاہ مغل بادشاہ دہلی سے لاہور پہنچتے ہی وفات پا گیا۔ جس کے بعد اُس کا بیٹا جہاندار شاہ تخت نشین ہوا جسے سات ماہ کے بعد اُس کے برادر زادہ فرخ سیر نے قتل کر کے دلّی کا تاج اپنے سر پر رکھ لیا۔

تاریخ راجوری کا مؤلف رقمطراز ہے کہ راجہ عظمت اللہ خان مُغل دربار دلی کے اس انقلاب میں اپنے سپاہیوں کو سرمور میں بندہ کی تلاش میں چھوڑ کر خود واپس اپنی ریاست راجوری میں آ گیا۔ جوں ہی فرخ سیر نے دلی کی حکومت سنبھالی، بندہ نے پہاڑ سے اُتر کر میدان کا راستہ لیا۔ سرہند میں آ کر شہر کو آگ لگا دی۔ بلا تمیز زن و بچہ کا قتل عام کیا اور شہر کو خاک میں ملا دیا۔ پھر ستلج پار ہو کر جہاں بندہ گیا، تلوار اور آگ سے کام لیا۔ شہروں اور دیہات کو تاراج کرتا بٹالہ میں آیا۔ بٹالہ پر شیخ العہد صوبیدار تھا جسے اُس نے قتل کر کے بٹالہ پر قبضہ کر لیا۔ جب فرخ سیر کو دہلی میں بندہ کی ایسی زیادتیوں کی خبر پہنچی تو اُس نے کشمیر کے گورنر نواب عبد الصمد خان دُرانی کو پنجاب کی صوبیداری پر مامور کر کے حکم دیا کہ وُہ بندہ اور اُس کی سکھ فوجوں کی گوشمالی کرے۔ بقول میلکم صاحب بندہ کے پاس ۳۵ ہزار فوج تھی۔ اور فاسٹر صاحب اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ بیس ہزار سکھ اُس کی قیادت میں مرنے مارنے کو تیار بر تیار رہتے تھے۔

لیکن ایک اور فارسی تحریر کے مطابق بندہ کی کمان میں اُس وقت پچاس ہزار کے قریب ہندو سکھ تھے۔

بندہ کی گرفتاری اور انجام

نواب اپنی افغان فوج کے ساتھ کشمیر سے براہ راجوری بٹالہ پر حملہ کی خاطر آیا اور راجوری سے اُس نے راجہ عظمت اللہ خان کو معہ اُس کی کثیر فوج کے ہمرکاب لیا۔ بٹالہ میں نواب اور بندہ کی مٹھ بھیڑ میں سکھوں کو زبردست شکست ہوئی اور بندہ بھاگ کر گورداسپور میں آیا جہاں کہ اُسے نواب کی افواج نے معہ بہت سکھوں کے گرفتار کر لیا گیا۔ تاریخ راجور کے مطابق بندہ کو آہنی پنجرے میں بند کر دیا گیا۔ اور سب گرفتار شدگان کو اونٹوں اور گدھوں کی ننگی پیٹھوں پر سوار کیا گیا جب کہ اُن کے سروں پر کاغذ کی ٹوپیاں، پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ اور دلی میں لے جا کر ان سب کو سخت اذیتیں دے کر نہایت بے رحمی سے ہلاک کر دیا گیا۔

راجہ عظمت اللہ خان کی مخبوط الحواسی

راجہ عظمت اللہ خان اپنی عمر کے تیسرے حصّہ میں کثرت شراب نوشی سے مخبوط الحواس ہو گیا۔ اور ریاست کا سارا نظام اُس کی زندگی میں ہی بگڑ گیا۔ عیاشی، مے خوری اور ناچ مجرا راگ رنگ میں ہر وقت مخمور رہنے سے کاروبار ریاست اہلکاروں پر چھوڑ دیئے گئے۔ اور ریاست میں وہ افراتفری اور دو عملی مچی کہ جتنے بھی علاقہ جات شاہ دہلی کے فرمان سے ملے تھے، سب کے سب ریاست سے نکل گئے۔ علاقہ منادر جموں میں شامل ہو گیا۔ پونچھ، ساہلہ، جلالپور، علاقہ چھچھال وغیرہ پر سے قبضہ اقتدار جاتا رہا۔ بھمبر پر اُس کے اصلی حکمران چِب راجگان کا دبدبہ بحال ہو گیا۔ غرضیکہ راجہ عظمت اللہ خان کا عہد ریاست راجوری کے لئے ترقی اور تنزل کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اِس کے ابتدائی عہد میں راجوری نے وہ ترقی کی کہ یہ ریاست ترقی کا نمونہ بن گئی۔ اور آخری عہد ایسا آیا کہ اِس ریاست کا معمار ہوش و حواس کھو بیٹھا اور اپنی بد انتظامیوں سے راجوری برائے نام کی ریاست رہ گئی۔

کشمیر پر درانی کے حملہ میں امداد

احمد شاہ درانی نے جب کشمیر پر حملہ کیا تو راجہ عظمت اللہ خان والیٔ راجوری سے

امداد طلب کی کشمیر اُس وقت مغل سلطنت میں تھا اور مغلیہ خاندان سے راجہ عظمت اللہ خان کی رشتہ داری تھی۔ اُس راجہ نے اپنے پھوپھی زاد برادر بادشاہ دہلی کے لطف و عنایات سے راجوری کو زبردست ترقی دی تھی۔ بلکہ کھویا ہوا راج واپس آیا تھا لیکن سردار عبداللہ خان ایشک نے بحکم احمد شاہ درانی کشمیر پر حملہ کیا تو راجہ عظمت اللہ خان والئی راجور کے نام اُس نے امداد کے لئے خط لکھا۔ راجہ راجور نے اس خیال سے کہ اب سلطنت دہلی چراغ سحری کی مانند ٹمٹما رہی ہے اور یہ دن بدن زوال پذیر ہے۔ اس لئے ایسے ڈھلتے سورج کے لئے اُبھرتے ہوئے آفتاب شاہ کابل کے ساتھ بگاڑ کرنا عقلمندی نہیں۔ چنانچہ اُس نے اپنے ولی عہد مرزا رحمت اللہ خان کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ احمد شاہ درانی کی افواج کی امداد میں کشمیر پر چڑھائی کے لئے بھیج دیا۔ چنانچہ مغل کشمیری اور افغان افواج کے درمیان دو تین معرکے ہوئے اور کشمیر پر افغانوں نے قبضہ کر لیا۔ فتح کشمیر کے عین بعد مرزا رحمت اللہ خان مرض اسہال خونی سے سرینگر میں ہی وفات پا گیا۔ راجہ راجوری کو جب اپنے ولی عہد کے وفات پا جانے کی خبر ملی تو یہ سینہ توڑ اور جگر خراش صدمہ برداشت نہ کر سکا۔ اور جواں مرگ بیٹے کی مفارقت بے وقت اُسے بھی ۱۷۵۳ء کے ماہ ستمبر میں موت کی آغوش میں لے گئی۔

راجہ عظمت اللہ خان کے بعد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُس کے بڑے بیٹے مرزا رحمت اللہ خان کا بڑا بیٹا راجہ عزت اللہ خان راجوری کا مسند نشین ہوا۔ اس نے پانچ سال حکومت کی اور اچانک وفات پا گیا۔ راجہ عظمت اللہ خان کے نو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کی اولاد وارث ریاست قرار پائی۔ باقیوں کو آس پاس جاگیریں دی گئیں جہاں کہ اُن کی اولاد رہائش پذیر ہوگی۔

راجہ کرم اللہ خان

راجہ عزت اللہ خان لاولد فوت ہوا۔ اور ریاست راجوری کا راج تلک اُس کے تیسرے بھائی راجہ کرم اللہ خان جو کہ بڑا مدبر اور منتظم تھا، وارث ریاست قرار پایا۔ اس راجہ نے ہر چند کوشش کی اور کئی ایک لڑائیاں قرب و جوار کے راجوں سے لڑیں۔ یہاں تک کہ علاقہ مناور کو واپس راجوری میں لینے کے لئے ریاست جموں پر بھی

چڑھائی کی۔ لیکن ہر جگہ منہ کی کھانی پڑی۔ ریاست راجوری کو جموں کے راجہ رنجیت دیو کی باجگذار ہونا پڑا۔ آخر ناکامی و شکست خوردگی کی حالت میں اس جہان سے چل بسا۔

راجہ اگر خان

راجہ کرم اللہ خان کے بعد اُس کا بڑا بیٹا راجہ اگر خان جو کہ ہندو راجپوت سورج بنسی خاندان کی رانی کے بطن سے تھا، راجوری کا حکمران ہوا۔ اسے راج تلک دینے کی اپنے خاندان میں ہی سخت مخالفت ہوئی کیونکہ راجہ کرم اللہ کی مُسلم رانی جو کہ اُسی خاندان جرال یعنی اُس کی عمہ زاد تھی، کے بطن سے مرزا رحیم اللہ خان پیدا ہوا تھا جسے اہل خاندان راجوری کا راجہ دیکھنا چاہتے تھے۔ چونکہ راجہ کرم اللہ اپنے باپ کا سب سے بڑا لڑکا تھا، اس لئے راجوری کے عوام نے اُس کا حق فائق اور موروثی سمجھ کر راج تلک دلایا۔ لیکن خاندان میں آپسی کشمکش جاری ہو گئی۔ راجہ اگر خان ۱۸۰۹ء میں ریاست کا مسند نشین ہوا اور رحیم اللہ خان کو دس ہزار کی جاگیر دے دی گئی۔ جہاں کہ اُس نے اپنے محلات تعمیر کرکے اُس مقام کا نام عظیم گڑھ رکھا۔ اپنے بڑے بھائی راجہ راجور سے اختلافات کی وجہ سے مرزا رحیم اللہ خان نے اپنی رہائش عظیم گڑھ میں ہی رکھی۔

راجہ اگر خان کو اپنے چھوٹے بھائی مرزا رحیم اللہ خان پر بدگمانی کا چند بار موقعہ ملا اور یہ بدگمانی آخر میں کدورت اور دشمنی میں بدل گئی۔ چنانچہ اُسے اپنی جاگیر سے اُٹھا کر گورنر کشمیر کے دربار میں حاضر رہنے کے لئے بھیج دیا تاکہ راجہ کی جو مخالفت اپنے ہی خاندان اور چھوٹے بھائی کی طرف سے ہو رہی تھی، وہ کسی حد تک ختم ہو سکے۔ اور اگر خان خود بلا شرکت غیرے آرام و سکون سے حکومت کرے۔ ۱۸۱۰ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی لاہور نے کشمیر پر براہ بھمبر اور راجوری حملہ کیا لیکن اُس کی افواج کو کشمیر پہنچنے سے پہلے ہی راجگان بھمبر اور راجوری نے کھدیڑ دیا اور اپنے علاقوں سے گزرنے نہ دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجوری کے راجہ اگر خان کو ۱۸۱۲ء میں ایک خط کے ذریعہ وارننگ دی کہ اگر تم نے ہماری فوجوں کا راستہ کشمیر جاتے ہوئے روکا تو اس کا انجام تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ چنانچہ

سکھوں نے پہلے بھمبر کو فتح کر لیا۔ اور اُس کے بعد براہ راجوری عازم کشمیر ہوئے تو راجہ اگر خان والئ راجوری نے لاہوری فوجوں کو راستہ سے بھلا دیا۔ سکھ افواج کا ایک حصہ پونچھ پہنچ چکا تھا اور دُوسرا حصہ براستہ بہرام گلہ جا رہا تھا کہ راجوری کے راجہ نے دھوکا دے کر وہ مصیبت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی افواج پر برپا کی کہ سینکڑوں سپاہی لقمۂ اجل ہو گئے اور بربادی و تباہی کے وُہ سامان سکھ افواج کے لئے بنا دئے گئے کہ پونچھ اور راجوری کے راستے کشمیر پر چڑھ دوڑنے والے سپاہیوں کو جان کے لالے پڑ گئے۔ اگر اس موقعہ پر گلاب سنگھ (جو مہاراجہ کشمیر ہوئے) کی رجمنٹ نمایاں حصہ نہ لیتی تو شاید ایک بھی آدمی بچ کر نہ نکل سکتا۔ تاریخ پنجاب میں لکھا ہے کہ "مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ اگر خان والئ راجوری کے مشورہ پر اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ فوج کا مہاراجہ رنجیت سنگھ کی کمان میں پونچھ کے راستے آگے بڑھا اور دُوسرا دستہ دیوان رام دیال کے تحت بہرام گلہ کی راہ سے روانہ ہوا۔ سکھ فوج کی یہ تقسیم سخت نقصان دہ اور مہلک ثابت ہوئی۔ کشمیر کے افغان گورنر نے رام دیال کی فوج کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ سکھوں کے تعاقب میں لوگوں نے بھی حملہ شروع کر دیا۔ ایسے خطرناک حالات میں گلاب سنگھ نے منتشر اور بھاگتی ہوئی فوج کو اپنی رجمنٹ کو آگے کر کے پھر اکٹھا کر لیا۔ اور ساری فوج صحیح و سلامت واپس لانے میں بڑی بہادری اور حوصلہ کا ثبوت دیا۔"

جب مہاراجہ رنجیت سنگھ شکست کھا کر واپس لاہور پہنچا تو راجہ سلطان خان والئ بھمبر نے لاہور دربار کے خلاف پھر بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ اور جتنے بھی لاہوری فوجی اور دُوسرے اہلکار اس کی ریاست میں تعینات تھے، سب کو مار مار کر اپنی ریاست سے بھگا دیا یا ختم کر دیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ اس صورتِ حال سے سخت پریشان تھا۔ پونچھ اور راجوری کے راجگان کی دھوکا دہی اور راجہ بھمبر کی بغاوت سے وُہ سخت بوکھلا اُٹھا تھا۔ اُس نے ۱۸۱۵ء میں ایک زبردست تازہ دم فوج کشمیر پر حملہ کی خاطر آزمودہ کار اور بہادر جرنیلوں کی سرکردگی میں بھیجی۔ اور اس بار مہاراجہ کی فوجوں نے بھمبر، راجوری اور پونچھ کی ریاستوں کو تہ و بالا کر دیا۔ اور کشمیر کو فتح کر کے دربار لاہور کا جھنڈا سرینگر میں جا گاڑا۔ راجہ سلطان خان والئ بھمبر۔ راجہ اگر خان والئ راجوری اور وزیر

Scanned with CamScanner

ثروح اللہ حکمران پونچھ کو معزول کر کے براہِ راست لاہور دربار کے ماتحت کر لیا گیا۔

راجہ اگر خان والیٔ راجوری بھاگ کر کوٹلی کے کسی گاؤں میں پناہ گزیں ہو کر گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اور مہاراجہ نے اُس کے چھوٹے بھائی مرزا رحیم اللہ خان کو راجوری کا پٹہ عطا کر کے راجہ بنا دیا۔ جب راجہ اگر خان کو خبر ملی کہ اُس کا راج اُس کے شریک بھائی مرزا رحیم اللہ خان کو دے دیا گیا ہے تو وُہ پھر قسمت آزمائی کے لئے باہر نکل آیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وُہ کوئی ہنگامہ یا فساد کر سکے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے راجہ گلاب سنگھ نے ۱۸۲۰ء میں اُسے گرفتار کر لیا۔ راجہ اگر خان کی گرفتاری سے ایک طرح صدیوں کی قائم شدہ ریاست راجوری کا خاتمہ ہو گیا۔ راجہ رحیم اللہ خان راجوری کا حکمران تحت لاہور دربار رہا۔ اور اس ریاست پر پہلے دربار لاہور اور بعد میں دربار جموں کا غلبہ رہا۔ آخر میں جب ۱۸۴۶ء میں کشمیر کو تاوان جنگ کے طور مہاراجہ دلیپ سنگھ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیوہ مہارانی جنداں نے دینا منظور کر لیا اور اس تاوان کی رقم امرت سر معاہدہ کی رُو سے جموں کے راجہ گلاب سنگھ نے دے کر ریاست جموں و کشمیر کی خود مختار حکمرانی حاصل کی تو اُس وقت راجوری کے راجگان کو راجوری سے ہجرت کرنا پڑی جو کہ موضع رہلو ضلع کانگڑہ اور وزیر آباد (پاکستان) میں رہائش پذیر ہوئے۔ جموں کے نام سرکار کی طرف سے معقول وظائف ملنے لگے۔ راجوری کے اس جرال خاندان کے اکثر نفوس سرکارِ انگریزی کے وقت ہندوستان اور پنجاب کے کئی مقامات پر سول ملازمت میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ چنانچہ راجہ رحیم اللہ خان والیٔ راجوری کے لئے سولہ ہزار روپیہ سالانہ منظور ہوا جو کہ اس کے خاندان میں مُدتوں بٹتا رہا۔

ریاست راجوری کے جرال راجپوت

تاریخ راجپوتاں پنجاب میں ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ مؤلف نے لکھا ہے کہ ریاست راجوری پر راجپوت جرال خاندان کی صدیوں حکومت رہی۔ اور محمد غوری کے ہندوستان پر حملہ کے دوران جرال خاندان مسلمان ہو گیا۔ یہ ریاست مُدتوں کشمیر کے ماتحت رہی۔ آج کل راجوری جموں پرانت کے ضلع ریاسی کی ایک تحصیل ہے۔ جرال راجپوت مُغل بادشاہوں کے زمانہ میں ۹۰ فی صد کے قریب مسلمان ہو گئے۔ تاہم ان کی چند شُبعات اہلِ ہنود سے ملتی ہیں۔

Scanned with CamScanner

بعض خاندانوں میں جہاں مرد مسلمان ہے، اُس کی عورت ہندو ہے۔ مگر اب یہ نہیں۔ مؤلف تاریخ راجپوتاں پنجاب اپنا ذاتی مشاہدہ تاریخ میں درج کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ اُس نے تحصیل راجوری میں دو ایک خاندانوں میں ایسی بیوگان دیکھی ہیں جو برابر پوجا پاٹھ کرتی تھیں اور براہمن کے سوائے کسی دوسرے کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا نہیں کھاتی تھیں۔ حالانکہ اُن کے شوہر مذہب اسلام سے وابستہ تھے۔ اگر شوہر مسجد میں نماز پڑھتے تھے تو اُن کی عورتیں ٹھاکروں کی پوجا پاٹھ کرتیں اور سنکھ بجایا کرتی تھیں۔ راجوری کی خود مختار ریاست کا آخری راجہ ملک بدر ہو کر وزیر آباد میں آباد ہے۔ اُن کی برادری میں سے رائے سوکال سی بڑا جاگیر دار ہے جو مقام تھنہ رکھ اپنی جاگیر میں رہتا ہے۔ اُس کو آنریری منصف و مجسٹریٹ کے اختیارات حاصل تھے۔ مگر آج کل اختیارات ضبط ہو چکے ہیں۔ اور آزادی ہند کے بعد ریاست جموں و کشمیر کی وزارت عظمیٰ جب شیخ محمد عبداللہ کو ملی تو یہ تحصیل راجوری ضلع ریاسی سے الگ کر کے پونچھ کے ساتھ علیحدہ ضلع بنا دی گئی۔

ریاست سہارن

اس سے پہلے بائیس راجگان پہاڑ کے باب میں لکھا گیا ہے کہ ڈوگرہ دیس کی بائیس ریاستوں میں ایک ریاست دلیت پور نام کی بھی تھی۔ جس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا جموں و کشمیر کے صفحہ ۱۶ پر لکھا گیا ہے کہ یہ ریاست وادی توی میں واقع تھی۔ جس کی بنیاد راجپوت جموال خاندان نے تیرھویں صدی میں رکھی تھی۔ اور کچھ بھی اس ریاست کے متعلق نہیں لکھا گیا۔ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ دلیت پور کو کس جموال راجہ نے قائم کیا اور کون کون سے راجے یا حکمران یہاں ہوئے۔ اور وہ کون سا دریائے توی ہے جس کی وادی میں یہ ریاست واقع تھی۔ کیونکہ جموں پرانت میں دو تین دریا توی کے نام سے موسوم ہیں۔

تواریخ گلاب نامہ۔ راج درشنی۔ تاریخ راجپوتاں پنجاب۔ تاریخ راجگان

Scanned with CamScanner

جموال۔ تاریخ چھبال۔ تاریخ جموں و کشمیر اور تاریخ پنجاب کے کسی مصنف نے اِس ریاست دلپت پور کے متعلق اپنے صفحات میں کہیں بھی روشنی نہیں ڈالی۔

چنانچہ جب کہ راقم مؤلف نے دلپت پور کے محل وقوع کی کھوج کیلئے دریائے چناب کے پار کے علاقہ جات راجوری۔ پونچھ۔ نوشہرہ اور اکھنور کا دورہ کیا تو وہاں ایک ایک گاؤں دلپت بھنور کے نام سے معلوم ہؤا۔ اُس علاقہ کے بڑے بوڑھوں اور سرکردہ اشخاص سے بات چیت ہوئی۔ تو پتہ چلا کہ دلپت بھنور ایک قدیم گاؤں ہے جو کہ راجگان بھاؤ راجپوت سہارن والوں کے وقت کافی بارونق تھا۔ اسی گاؤں کے ساتھ ایک گاؤں موسومہ بھاؤ چک ہے۔ اِس نام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گاؤں بھی بھاؤ خاندان کے کسی سرکردہ شخص نے آباد کیا تھا۔ اور یہاں بھاؤ برادری کثرت سے آباد ہے۔ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ تواریخ راجپوتاں ملک پنجاب (جلد اول) میں رقمطراز ہے کہ ڈوگرہ دیس کے بائیس راجگان پہاڑ میں ایک ریاست سہارن بھی خود مختار تھی جو کہ رائے سرن دیو نے کشمیر سے ہجرت کر کے جموں کے نزدیک دریائے توی کے کنارے آباد کی تھی۔ تو یہ رائے سرن دیو کشمیر کا وہ جاگیردار ہے جس کے خاندان نے ۵۵ پُشت کشمیر پر حکمرانی کی اور جسے راجہ گودھر کی اولاد نے کشمیر سے نکال دیا۔

ٹھاکر نگینہ رام پرمار مصنّف تواریخ قدیم آریہ ورت اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۲۳ پر لکھتا ہے کہ "اِکشواکو خاندان کے آخری راجہ بھاؤ دیو کے پوتے سارن دیو نے اپنے نام پر جموں کے نزدیک کشمیر سے آکر سارن پور آباد کر کے اپنی ریاست قائم کر لی۔ اُس کی اولاد بجائے راجہ کے راؤ کہلانے لگی۔ اور سارن پور کے آس پاس کے دیہات قبضہ میں کر کے حکومت کرنے لگا۔ سارن دیو کی پندرھویں پُشت میں رائے جبر دیو ایک مشہور اور طاقت ور راجہ ہو گزرا ہے۔ جس نے علاقہ تلیلہ اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اور اُس کی ریاست ۸۴ دیہات پر مشتمل خود مختار رہی۔ اسکی اولاد نسلاً بعد نسلاً یہاں قابض رہی۔"

مندرجہ بالا تاریخی حقائق سے اور علاقہ کے بڑے بوڑھوں کی زبانی پتہ چلتا ہے کہ سہارن ریاست ڈوگرہ دیس کی دوسری ریاستوں کی مانند خود مختار تھی اور دلپت بھنور

Nagina Ram Parmar Thakur, Tawarikh Qadim Aryavarta (?), Lahore, p. 523

ایک گاؤں اِس ریاست میں تھا جہاں کہ کلیٹھ کے بھاؤ راجگان وقتاً فوقتاً آ کر رہائش رکھتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہی دلیپت بھور کا گاؤں دلیپت پور ریاست مشہور آ رہا ہو۔

سہارن ریاست کو آباد کرنے والے خاندان کا سلسلہ نسب جموں کے شاہی خاندان جموال سے ملتا ہے۔ جس راجہ جموال نامی دیا کرن پسر راجہ پورن کرن جموال نے جموں سے جا کر پہلے پہل کشمیر میں حکومت قائم کی اور وہاں مستقل طور پر راجہ بن کر رہنے لگا۔ وہ راجہ دیا کرن سہارن ریاست کے راجوں کا بزرگ تھا۔ جس کی اولاد نے متواتر ۵۵ پُشت کشمیر پر حکمرانی کی۔ گلاب نامہ جو کہ جموال خاندان کی مستند تاریخ ہے اور جسے بسیار تحقیق و کھوج کے بعد دیوان کرپا رام وزیر اعظم مہاراجہ رنبیر سنگھ والیٔ ریاست جموں و کشمیر نے فارسی زبان میں لکھا اور اُس وقت کی حکومت جموں و کشمیر نے شائع کیا، اُس میں لکھا ہے کہ جموں کے راجہ پورن کرن جو کہ بانیٔ ریاست جموں راجہ جامبولوچن کا فرزند اوّل تھا اور جسے جموں کا پہلا راجہ کہنا درست ہے، کے دو بیٹے دیا کرن اور دھرم کرن تھے۔ اس زمانہ میں کشمیر ریاست میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی۔ کشمیر کے سرکردہ عوام کی درخواست پر راجہ پورن کرن نے اپنے بڑے بیٹے دیا کرن کو کشمیر میں امن و امان قائم کرنے کے لئے کافی فوج دے کر بھیجا۔ جس نے کشمیری عوام کی نااتفاقی اور فسادات کو دُور کر کے اپنی حکومت وہاں قائم کر لی۔ اور راجہ دیا کرن کی اولاد پشت در پُشت حکمرانی کرنے لگی۔ چنانچہ جموں کے خاندان راجپوت جموال نے کشمیر میں ۱۲۹۰ قبل مسیح سے لے کر ڈیڑھ ہزار سال کے قریب ۵۵ پُشت تک حکومت کی۔ جموال شاہی خاندان جسے ٹھاکر نگینہ رام پریار نے اگّا کو خاندان لکھا ہے، کی کشمیر میں مدت حکومت کے متعلق تاریخ نویسوں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جموں کے خاندان راجگان جموال کی بنشاولی اور شجرہ نسب شاہد ہے کہ ۵۵ پُشت حکومت کی بات درست اور صحیح ہے۔

تاریخ جموں کے مصنف مولوی حشمت اللہ کے مطابق جموال خاندان جموں نے پہلی بار ۵۵ سال یعنی صرف تین پُشت حکومت کی اور اُس کے بعد ایک بار پھر کشمیر کی حکومت کا اقتدار اِس خاندان کو مل گیا۔ اور اتفاق یہ کہ دُوسری دفعہ بھی اِس خاندان نے ۵۵

سال ہی حکومت کی۔

پنڈت کلہن نے اپنی کتاب راج ترنگنی میں کشمیر کی حکومت سے متعلق لکھا ہے کہ کشمیر پر سب سے پہلے جس راجہ نے حکومت قائم کی، اُس کا نام راجہ گونندو تھا لیکن یہ نہیں لکھا گیا کہ یہ راجہ گونندو کون تھا۔ کہاں سے کشمیر میں آیا۔ یا وُہ کشمیر کا ہی رہنے والا تھا۔ کشمیر کا پہلا راجہ دیاکرن جموال تھا جو کہ جموں کے راجہ پُورن کرن کا بڑا بیٹا تھا۔ پنڈت کلہن مصنف راج ترنگنی نے کشمیر کا راجہ گونندو المعروف اوگر نند کو فرمانروائے کشمیر لکھا ہے۔ اگر جموال راجپوتوں کی بنشاولی کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ راجہ دیاکرن کے بڑے بیٹے کا نام اوگرنند تھا۔ اس طرح یہ بات کسی حد تک پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ کشمیر میں سب سے پہلے جموں کے جموال راجہ دیاکرن نے حکومت قائم کی جس کے بیٹے اوگرنند کو راج ترنگنی میں حکمران کشمیر تسلیم کیا گیا ہے۔

ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ نے اپنی تاریخ راجپوتاں پنجاب میں لکھا ہے کہ "مصنف راج ترنگنی نے زمانہ مہابھارت کو کلجگ سمت ۶۵۳ میں بتایا ہے اور اُسی دِن سے اُس نے گونندو المعروف اوگرنند کو فرمانروائے کشمیر لکھا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ اُس کو اور اُس کے بیٹے دامودر کو بلرام اور شری کشن دیو نے جنگ میں یکے بعد دیگرے قتل کیا۔ چونکہ کشن دیو اور بلرام کا زمانہ جنگِ مہابھارت کے قریب قریب تھا، اس لئے ضروری تھا کہ مہابھارت کے زمانہ کو جو آخر دواپر میں ہُوا، کلجگ میں گھسیٹ لایا جاتا۔ مگر بھاگوت اور مہابھارت ایسے مستند گرنتھوں کو رد کرنے کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیئے۔ ممکن ہے کہ یہ گونندو اور دامودر (جس کا پرمان نہ معلوم کہاں سے ملا؟) کسی اور خاندان سے اُس زمانہ میں ہُوا ہو۔ اس شک کو رفع کرنے کے لئے کُرسی نامہ خاندان جموال بلاشُبہ ایک سند کا درجہ رکھتا ہے۔ اِس کرسی نامہ کا سلسلہ مہاراجہ سُومتر تک کئی پراچین اور متقدس گرنتھوں میں ملتا ہے۔

گلاب نامہ اور دُوسری تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ مہاراجہ کُرش کی تیسویں[30] پُشت میں برہدبل ہُوا جو کہ ابھمنیو پسر ارجن کے ہاتھ سے مہابھارت میں مارا گیا گویا مہابھارت کا زمانہ راجہ برہدبل کے وقت تھا۔ اسی برہدبل کی تیسویں[30] پُشت میں مہاراجہ سُومتر ہُوا۔ جس کی ۹۹ ویں پُشت میں راجہ پُورن کرن جموال تھا جس نے

فرزند اور پوتے کو راج ترنگنی اور تاریخ کشمیر میں زمانہ مہابھارت میں بتایا گیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ شری کرشن جی اخیر دواپر میں ہوئے، اُن کے ہم عصر بدھل کی ایک سو اکتیس پُشت تک حیات تھے اور وُہ معہ بلرام جنگِ مہابھارت کے ۳۶ برس بعد پرلوک نہ سدھار گئے تھے؟

مہابھارت اور پُورن کرن جموال راجہ جموں کا زمانہ ایک نہیں ہو سکتا۔ تاریخ کشمیر کے مصنّف نے نہ معلوم کس بناء پر یہ لکھ دیا ہے کہ دیا کرن کا پوتا سوم دت جس کے والد کا نام معلوم نہیں ہو سکا، جنگِ مہابھارت میں مارا گیا جو بالکل دُرست نہیں۔ جس سوم دت کا ذکر مہابھارت میں آیا، وُہ خاندانِ یادو سے تھا نہ کہ خاندانِ راجگانِ کشمیر سے۔

راجہ دیا کرن والیٔ کشمیر کا فرزند اوگہ نند راج ہوا جس کا فرزند داموذر تھا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اس کے فرزند کا نام اُودے دت تھا جسے راج ترنگنی میں گونرو دم اور تاریخ کشمیر میں دیال کو نند لکھا ہے۔ یہ بعد وفات اپنے والد کے اُس کی حاملہ رانی سے پیدا ہوا تھا۔

راجہ اُودے دت کے بعد بھومی دت۔ ہری دت۔ گیان دت۔ تارا دت۔ مانک دت۔ سنسار دت۔ گنپت ناتھ۔ لوچن پرکاش۔ نجے ناتھ۔ بھیہ دت۔ جوتی سروپ۔ دیو دھیان۔ ہنس راج۔ بلی کرن۔ بخت مل۔ بھرت ناتھ۔ اکھیہ راج۔ پال دھاتا۔ جتر سین۔ جے مل۔ بھوپت۔ پرتھی پت۔ بل بھدر۔ لِشوا دیو۔ نرائن دیو۔ ارجن دیو۔ کرن دیو۔ شام دیو۔ دھیان دیو۔ کنول دیو۔ رُوپ دیو۔ سورج دیو۔ بکرم دیو۔ نچن دیو۔ بھون میہ۔ گرڈ دیو۔ کنکم دیو۔ ببہ لوچن۔ بھوج دیو۔ چندر دیو۔ شیل دیو۔ کرپال دیو۔ سنسار دیو۔ اجمیدھ۔ نریندر۔ کاش برم۔ بیدمتر۔ شمبھو دیو۔ شریت دیو۔ [illegible] دیو پُشت بہ پُشت فرمانروائے کشمیر ہوئے۔

۵۲
تاریخ کشمیر اور راج ترنگنی میں ان راجگان کا کہیں ذکر نہیں۔ راج ترنگنی میں باون راجاؤں کا کہیں کوئی حال نہیں لکھا جنہوں نے کشمیر پر ایک ہزار برس راج کیا۔ پنڈت کلہن نے تین راجگان ابتدائی اور کچھ مابعد کا پتہ لگایا۔ مگر ۳۵ راجاؤں کا اُسے پتہ ہی نہ ملا جن کا زمانہ وُہ ۶۷۸ سال بتلاتا ہے۔ اس لیے اُس نے اپنی تاریخ میں ان زمانہ

پنہ چھوڑ دیا۔

مصنف تاریخ کشمیر نے اس زمانہ کو جسے راج ترنگنی میں ۶۷۸ برس لکھا ہے ۹۹۴ سال درج کیا ہے جو کہ درست معلوم ہوتا ہے۔

اگر تاریخ کشمیر اور راج ترنگنی کو گلاب نامہ کے بالمقابل رکھ کر دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ یہ وہی باون راجگان ہیں جن کا راج ترنگنی اور تاریخ کشمیر کے مصنفین کو پتہ نہ چلا۔ گلاب نامہ اور تاریخ راجپوتان پنجاب میں جموال خاندان کی مکمل بنشاولی درج ہے۔ جس سے راجہ پورن کرن جموال کے دو بیٹوں راجہ دیا کرن کشمیر اور راجہ دھرم کرن جموں والے کی اولاد کے حالات صاف طور پر واضح ہو جاتے ہیں۔

اس بنشاولی سے کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی جس میں اودے دت سے سونتھ دیو تک اگر راجگان کا شمار کیا جائے تو ٹھیک باون ہوتے ہیں۔ راج ترنگنیوں اور تاریخ کشمیر کے مصنفین کو ان راجگان کا پتہ بھی کیسے لگ سکتا۔ کیونکہ جس زمانہ میں وہ تاریخیں لکھی گئیں، خاندان راجہ دیا کرن کشمیر چھوڑ کر گمنامی کی حالت میں تھا۔ اور وہ زمانہ بھی اس قابل نہ تھا کہ دورہ کر کے کوئی مصنف حالات فراہم کر لیتا۔ اس وقت ایک ملک سے دوسرے ملک یا صوبہ میں جانا تو درکنار، ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں والوں کا پتہ لگانا محال تھا۔ تاریخ گلاب نامہ اور بنشاولی خاندان راجگان جموال میں صاف درج ہے کہ راجہ دیا کرن جموال کی اولاد نے پچپن ۵۵ پشت کشمیر کا راج کیا۔ مصنف تاریخ کشمیر نے اس خاندان کا راج بجائے ۵۵ پشت کے ۵۵ برس لکھ دیا ہے۔ کیونکہ اس مصنف کو خاندان دیا کرن کی آئندہ بنشاولی نہیں ملی جس سے خاندان جموال راجگان کی کشمیر پر مدت حکومت کے بارے میں شدید غلط فہمی پیدا کر دی گئی۔

راجہ بھاؤ دیو

راجہ سونتھ دیو جو راجہ دیا کرن کی پچپن پشت بعد گزرا، اپنے پیچھے اپنا خورد سالہ لڑکا سبل دیو نامی چھوڑ گیا اور قندھار کے راجہ لویالسب نے کشمیر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اس راجہ نے اپنے نام پر علاقہ لولاب آباد کیا۔ اور سونتھ دیو کے بیٹے سبل دیو کے

Sonth Dev → Subal Dev → Jankhar Dev →
Mumesh Dev → Bhau Dev → کنٹر دیو → برن دیو

قبضہ میں محلہ رعنا واڑی اور چند ایک دیہات رہ گئے۔ اور اُس نے ایک جاگیردار کی سی شکل اختیار کر لی۔ سُبل دیو کا فرزند جنگھر دیو اُس کا بیٹا نیل دیو اور اُس کا پسر راجہ بھاؤ دیو ہوا۔

راجہ بھاؤ دیو جاگیردار رعنا واڑی (کشمیر) کی لڑکی سُندر پربھا نہایت ہی خوبصورت اور قابلِ شادی تھی۔ لیکن راجہ بھاؤ دیو کو اپنی راجکماری کے لئے بر نہیں مل رہا تھا۔ اور نہ ہی آس پاس کوئی ریاست تھی جس کے راجکمار سے اپنی راجکماری کی شادی کر دے۔ حُسنِ اتفاق یہ کہ جموں کے راجگان جموال کا ایک راجکمار خاندانی کشمکش اور اپنی حق تلفی کی وجہ سے پریشان حال ہو کر جموں سے ہجرت کر گیا اور وُہ دشت نوردی کرتا سادھوؤں کے بھیس میں رعنا واڑی میں آ پہنچا۔ یہ راجکمار راگ وِدیا کا ماہر تھا۔ اور اُس نے کشمیر میں آکر جہاں قیام کیا، وہ جگہ رعنا واڑی میں راجہ بھاؤ دیو کے محلّات کے عین سامنے تھی۔ کُٹیا میں ہر وقت راگ ہوتا رہتا۔ سادھو راجکمار کی خوش الحانی اور سُریلی سُر اندرونِ محلات بھاؤ دیو بھی جا پہنچی۔ راجکماری سُندر پربھا سادھو کی مترنم آواز سُنتی تو وُہ خود بخود چونک اُٹھتی اور اپنے محل کے جھروکے میں آکر کھڑی ہو جاتی۔ اور اُس سادھو کو دیکھتی رہتی۔ ایک دن راجہ بھاؤ دیو سے اُس کی رانی نے کہا ہم کب تک اپنی کنیا کے لئے بر کی تلاش کرتے رہیں گے۔ اب تو اِس کے سوائے کوئی چارہ نہیں کہ ہم راجکماری کا سوئمبر رچا کر اِسے بیاہ دیں۔ بھاؤ دیو نے رانی کے مشورہ سے سوئمبر کا اعلان کر دیا۔ جب سوئمبر کا مُبارک دن آیا، بیس پچیس کے قریب شہزور راجگان، خوبصورت راجکمار اور کئی امیر سردار اور بہادر آن بان سے اکٹھے ہوئے۔ تو جموال راجکمار بھی جو سادھو کے بھیس میں ایک گوَیّے کے طور مشہور تھا اور جسے اپنے حسب نسب اور خاندانی وجاہت پر فخر تھا، سوئمبر کا نظارہ لینے کے لئے سوئمبر کے پنڈال میں چلا آیا۔ جب سندر پربھا اپنی سہیلیوں کے ساتھ زرق برق لباس پہنے جے مالا ہاتھ میں لئے آئی اور منڈپ میں خراماں خراماں ایک سرے سے دُوسرے سرے تک گھوم گئی لیکن جے مالا کسی بھی راجکمار یا راجے کے گلے میں حمائل نہ کی تو راجہ بھاؤ دیو کے خاندانی پروہت نے راجکماری کو کہا کہ "ہے دیوی! ایک بار اور منڈپ میں گھوم کر قسمت آزمائی کیجئے"۔ جب راجکماری دُوسری بار گھومی تو اُس نے جے مالا سادھو

کے گلے میں ڈال دی جو کہ ایک کونے میں دُبکا بیٹھا تھا۔ اس پر منڈپ میں کھلبلی مچ گئی اور راجہ بھاؤ دیو پر آوازے شروع ہو گئے کہ راجوں مہاراجوں کو چھوڑ کر اس بنر یچی لڑکی نے جے مالا سادھو کے گلے میں ڈال دی جس کی ذات برادری کا کوئی پتہ نہیں۔ اگر سادھو سے پہلے ہی راجکماری کی آشنائی تھی تو سوئمبر رچانے کا ڈھونگ؟ راجکماری سُندر پربھا سادھو کو جے مالا پہنا کر اُس کے پہلو میں کھڑی تھی کہ سادھو نے منڈپ کے درمیان آ کر کہا۔ "میں ایک کُلین خاندان سے ہُوں۔ میں بھی ایک ریاست کا راجکمار ہُوں خاندانی نزاع اور اپنی حق تلفی کی وجہ سے میں اپنے وطن جموں سے ہجرت کے لئے مجبور رہتا اور یہ بھیس بنا رکھا ہے۔ میں ریاست جموں کا جموال راجکمار ہُوں۔"

راجہ بھاؤ دیو نے جو کہ اس بات سے فکر مند تھا کہ اپنے ہی خاندان جموال میں لڑکی کا رشتہ ہو جانا اچھی بات نہیں۔ دُوسرے دن کشمیر کے وِدوان پنڈتوں کو بُلا کر اُن کے سامنے اپنی راجکماری اور جموال راجکمار کے رشتہ کا مسئلہ پیش کیا کہ لڑکی اور لڑکے دونوں کا کُل ایک ہے۔ سوئمبر کی وجہ سے اِن کا بیاہ ہو گیا ہے۔ اس اتفاق کا کیا پرائشچت کیا جائے۔ تو پنڈتوں نے ایک رائے ہو کر راجہ بھاؤ دیو کو کہا۔ کہ آپ دونوں کا کُل ضرور ایک ہے۔ لیکن پچپن پُشت سے بھی اُوپر عرصہ ہو گیا۔ آپ دونوں کے خاندانوں کو علیحدہ ہوئے۔ اِس لئے اِس شادی میں کوئی دوش نہیں۔ کیونکہ شاستر کی مریادا کے انوسار کم سے کم گیارہ پُشت سے علیحدہ ہوئے خاندانوں میں بھی آپس میں بیاہ شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ آپ کی علیحدگی کی مُدت تو بہت لمبی سترہ اٹھارہ سو سال تک ہو چُکی ہے۔ چنانچہ اُس دن سے راجہ دیاکرن جموال اور راجہ دھرم کرن جموال دونوں حقیقی بھائیوں کی اولاد آپس میں بیاہ شادیوں کے رشتہ میں منسلک ہو گئی۔ اور راجہ بھاؤ دیو نے اپنے خاندان کا جموال نام چھوڑ کر اپنے نام پر اپنا خاندان بھاؤ چلاؤ۔ چنانچہ اُس دن سے راجہ بھاؤ دیو اور اُس کی اولاد جموال کی بجائے بھاؤ راجپوت مشہور ہوئے۔ جموال کی بجائے بھاؤ راجپوت بن جانے کا زمانہ چھٹی صدی عیسوی کا ہے۔

اس رشتہ کے بعد راجکمار مذکور اپنے سُسرال کے ہاں رعنا واڑی (کشمیر) میں

رہنے لگا۔ اور چند سالوں بعد راجہ لوکا پوتا راجہ سوریندر لاولد مر گیا۔ تو راجہ بھاؤ دیو اس کے لڑکے گندھرب دیو اور بھاؤ دیو کے داماد جموال راجکمار نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ لیکن راجہ بھاؤ دیو سوریندر کے وارثان سے مقابلہ میں دادِ شجاعت دیتا ہوا میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ تاہم کشمیر پر گندھرب دیو کا قبضہ ہو گیا۔ راجہ بھاؤ دیو کے فرزند راجہ گندھرب دیو نے کشمیر کی حکومت سنبھال کر اپنے حسنِ تدبّر کا سکہ بٹھا دیا۔ تواریخ راجپوتاں پنجاب کے ۵۰۰ صفحہ پر فٹ نوٹ لکھا ہے کہ راجہ گندھرب دیو جو کہ گندھرب کپل کے نام سے مشہور تھا، کی راجکماری کی شادی راجہ گج والیٔ غزنی سے ہوئی تھی۔ اور اسی کے بطن سے مشہور زمانہ راجہ سالباہن پیدا ہوا تھا۔

گندھرب کپل اپنے نام سے راجہ کا خطاب ہٹا کر راؤ کے طور مشہور ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا راؤ سرن دیو کشمیر کا راجہ ہوا۔

ریاست سہارن کی قائمی

راؤ سرن دیو نے کشمیر کی حکومت سنبھالی ہی تھی کہ راجہ گودھر کی اولاد نے کشمیر سے بزورِ شمشیر اس کے خاندان کو نکال دیا اور وہ بمعہ عیال و اطفال کشمیر سے دربدر ہوتا جموں سے گیارہ میل مغرب دریائے توی کے کنارے آ ٹھیرا۔ جس نے یہاں اپنے نام پر سہارن گاؤں بسایا اور قریب قریب کے دیہات قبضہ میں کر کے ایک علیحدہ ریاست کی بنیاد ڈالی۔

راؤ سرن دیو کے بعد اس کا فرزند رائے بھرادر۔ اس کا رائے بھرتدہ۔ اس کا رائے سمبھو۔ اس کا رائے لوتھڑا یکے بعد دیگرے اس چھوٹے سے علاقہ پر قابض رہے۔ اور رائے سرن دیو کی اولاد خوب پھلی پھولی کتنے ہی گھرانے اس خاندان کے اس علاقہ میں آباد ہوتے چلے گئے۔ اور راجپوت بھاؤ برادری کا شہرہ سارے جموں پرگنہ اور سانگڑہ دیس میں پھیل گیا۔ رائے لوتھڑا کے دو بیٹے بھاگی اور ناگی ہوئے۔ ناگی کی اولاد بھاؤ برادری کو چھوڑ کر جاٹ ہو گئی۔

رائے بھاگی کا فرزند رائے انج اس کا رائے کھمبہ اس کا رائے لدھا اس کا رائے بھرن اس کا رائے چمن دیو اس کا رائے جبر دیو ہوا۔ یہ رائے بڑا ہی شہزور اور مدبّر ہو گزرا ہے۔ اس نے سہارن سے اٹھ کر علاقہ کلیٹھ اور ۸۴ دیہات پر قبضہ کر کے

خود مختار حکومت قائم کرلی۔ کلیٹھ کے علاقہ پر اُس وقت تھکیال راجپوتوں کی حکومت تھی۔ اُس نے اپنے چھوٹے بھائی کی شادی تھکیال راجہ والئ کلیٹھ کی راجکماری سے کی۔ اور اُسے ختم کرکے کلیٹھ پر قبضہ کرلیا۔ رائے جبر دیو کے اٹھارہ بیٹے تھے۔ یہ عام کہاوت اُس علاقہ میں آج بھی ہے کہ رائے جبر دیو نے اپنی آبائی راجدھانی سہارن میں رہنا گوارا نہ کیا۔ اور وُہ اپنی آل اولاد کے ساتھ موضع بھاڈ چک (موجودہ تحصیل اکھنور) میں آگیا اور اُس کے نزدیک اپنی راجدھانی کی دلپت بھور میں بنیاد ڈال کر حکومت کرنے لگا۔

رائے جبر دیو کے فرزندان کی اولاد علاقہ سمرالہ اور برنھالہ وغیرہ میں آباد ہے۔ جن میں سے پاپالوالہ اور کوٹ میرا کے مشہور بھاؤ خاندان چلے آرہے ہیں۔ اس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا رائے اودے دیو اُس کا رائے مردان اُس کا رائے بھوپال اُس کا رائے بھونند اُس کا رائے لاڈم اور اُس کا رائے سنگھر ہوا۔

رائے سنگھر کے فرزند رائے تخت مل نے کلیٹھ میں کچی دیواروں کا قلعہ بنوایا جس کے کھنڈر آج تک موجود ہیں۔ اور رائے تخت مل کے فرزند رائے سمیل نے کلیٹھ کے قلعہ کو پختہ بنا کر رہائش اختیار کرلی۔ چنانچہ اُس دن سے بھاؤ راجگان کی ریاست کلیٹھ مشہور ہوئی۔ رائے سمیل کا فرزند رائے سولکھن اُس کا رائے سیکھن اُس کا رائے مان دھاتا ہوا جو کہ کلیٹھ کے راجہ کے طور کافی مشہور ہے۔ رائے مان دھاتا کا فرزند رائے راج روپ ہوا جس کی راجکماری کی

1690 A.D. شادی راجہ گجے سنگھ والئ جموں سے ہوئی۔ اس کے بطن سے راجہ دھرب دیو ایسا مشہور راجہ جموں کا ہوا۔

راج روپ کے بعد رائے ادوار سنگھ ہوا۔ اُس کے دو بیٹے دیا سنگھ اور پارس سنگھ ہوئے جو کہ بڑے بہادر تھے۔ اُن کے زمانہ میں ریاست اکھنور کے خاندان سوہل والا سے سرحدی تنازعہ پر جنگ ہوئی۔ جب کہ رائے ادوار سنگھ مارا گیا اور پارس سنگھ بھی جانبر نہ ہوسکا۔ دیا سنگھ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور کلیٹھ کے اکثر دیہات پر سوہل والوں نے قبضہ کرلیا۔ اُس دن سے سوہل والوں سے بھاؤ راجپوتوں نے رشتہ ناطہ ترک کر دیا۔

رائے دیا سنگھ کے فرزند رائے گھمنڈ سنگھ نے مہاراجہ رنجیت دیو والئ جموں کی امداد سے قلعہ کلیٹھ تو واپس لے لیا۔ لیکن بہت سا علاقہ ہاتھ سے نکل گیا۔ گھمنڈ سنگھ کے

لاج سنگھ اور گڑاہ سنگھ دو بیٹے تھے۔ رائے لاج سنگھ کے وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ والیٔ لاہور کی افواج نے اکھنور، منا ور اور کلیٹھ وغیرہ پر حملہ کیا گیا۔ رائے لاج سنگھ جی توڑ کر سکھ افواج سے لڑا۔ آخر خراج دینا تسلیم کر کے اپنی ریاست چھڑا لی۔ اور اُس کے عین بعد خاندان سلاتھیہ جموال منگلہ والہ سے حدود کے تنازعہ پر سخت خونریز جنگ ہوئی جس میں

1810 رائے لاج سنگھ مارا گیا۔ اور کلیٹھ کے راج گھرانہ کا اُس دن سے منگلہ والوں کے ساتھ سوشل بائیکاٹ یعنی چھنا ہو گیا۔

رائے لاج سنگھ کے بعد ٹکہ بھاؤ خاندان یعنی مورث اعلےٰ کی اولاد چلتی رہی۔ گڑاہ سنگھ کی لڑکی مہاراجہ گلاب سنگھ کے بڑے لڑکے راجہ اُدھم سنگھ نے بیاہی تھی۔ مہاراجہ موصوف کے عہد میں جب ڈوگرہ دیس کی تمام چھوٹی ریاستیں یک جا کر لی گئیں۔ تو علاقہ کلیٹھ یعنی ریاست سہارن (دلیپت بھور) جموں میں شامل کر لی گئی۔

گڑاہ سنگھ تو جموں میں ہی اپنی عمر طبعی بھوگ کر چل بسا۔ اور پارس سنگھ کی اولاد ساہمواں اور چنڈ میں آباد ہو گئی۔ پارس سنگھ کا بیٹا ملھان سنگھ اور اُس کا بیٹا پھولا سنگھ ہوا۔ بھاؤ راجوں کے خاندان میں یہ پہلا شخص تھا جس نے راجگی اور جاگیر داری کے خطاب ترک کر کے زمینداری میں قدم رکھا۔ ٹھاکر پھولا سنگھ کے بچتر سنگھ۔ نجے سنگھ۔ شب رام سنگھ۔ پریم سنگھ۔ گلاب اور رگھو ناتھ سنگھ چھ بیٹے تھے۔ ٹھاکر پھولا سنگھ نے زمینداری میں کافی ترقی کی اور چند ایک دیہات ساہمواں۔ چرپال۔ تروٹی۔ ڈگیر۔ ڈھلوڑی۔ سچوٹ میں سینکڑوں ایکڑ اراضی خرید کر اپنی زمینداری کو بڑھا دیا۔ ٹھاکر پھولا سنگھ کی ایک لڑکی بھی تھی۔ جس کی سگائی ولی عہد ریاست مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے کرائی۔ لیکن جلد ہی اختلافات اور چند ایک غلط فہمیوں کی وجہ سے یہ رشتہ سرے نہ چڑھ سکا۔

ٹھاکر پھولا سنگھ کے تمام فرزندان لائق اور بہادر تھے۔ لیکن جو اقبال اور ترقی سب سے چھوٹے لڑکے ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے پائی، وہ لائق رشک تھی۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ والیٔ جموں و کشمیر نے اُسے اپنا آفیسر خزانہ بنایا۔ اور وہ جتنی دیر دربار میں رہا، اُسے وزیر خاص کا رتبہ حاصل رہا۔ رگھوناتھ سنگھ نے جموں اور رنبیر سنگھ پورہ کی تحصیلات میں کافی اراضی خریدی اور بھاؤ راجپوت سبھا کی بنیاد رکھی۔

ٹھاکر پھولا سنگھ کے بیٹوں کی اولاد بہت زیادہ پھولی پھلی جنہوں نے سول اور

ملٹری کی ملازمتیں کیں۔ رگھوناتھ سنگھ کے چمیل سنگھ، رگھبیر سنگھ، راجندر سنگھ اور ہنومان سنگھ چار لڑکے ہوئے۔ چمیل سنگھ سکول ماسٹر سے ریٹائر ہے۔ رگھبیر سنگھ ملٹری میں ملازم تھا جو کہ دوران ملازمت مارا گیا۔ راجندر سنگھ ملٹری کی ملازمت چھوڑ کر زمینداری میں لگ گیا۔ اور اراضیات کی دیکھ بھال میں سارے خاندان کا مختار عام بن گیا۔ پھر شیخ عبداللہ کے وقت پرجا پرلیشد کی ایجی ٹیشن میں تحصیل اکھنور کا آرگنائزنگ سیکرٹری ہوا اور ۹ ماہ جیل کاٹ کر گھر آیا۔ اس کے بعد ناگ بنی میں مہاراجہ ہری سنگھ آں جہانی کے پرائیویٹ فارم میں ڈیوٹی جمعدار ہو گیا۔ ان تینوں بھائیوں کی آئندہ اولاد زمینداری اور ملٹری میں ملازمت کر رہی ہے۔

ٹھاکر نگینہ رام پرمار تواریخ قدیم آریہ ورت کے پہلے صفحہ میں ریاست سہارن کے باب میں لکھا ہے کہ اگرچہ سہارن کے بھاؤ راؤ چنداں طاقت ور نہ ہوئے اور نہ ہی انہوں نے سیاست کے میدان میں کوئی معرکہ سر کیا۔ بلکہ ان کی ریاست ایک تحصیل سے زیادہ نہ بڑھ سکی، تاہم سلسلہ حسب و نسب نہایت قدیم سے ہے۔ اس خاندان کے بھاؤ راجپوت علاقہ جموں میں دور نزدیک آباد ہیں۔ ان کی رگوں میں جانبازی اور بہادری کے کارنامے اور مہمات کو سر کرنے کا خون موجود ہے۔ اور ان کی شکل و جسمانی بناوٹ یا خط و خال جموں کے ڈوگرہ اور پنجابیوں سے نہیں بلکہ ترکوں سے مشابہ ہے۔

راج ترنگنی، تاریخ کشمیر اور تاریخ جموں مصنفہ مولوی حشمت اللہ میں راجہ دیا کرن کی اولاد کے متعلق جو غلط فہمی پیدا کر دی گئی ہے اور مندرجہ بالا مؤلفان کرام کو ایک ہزار سال کے عرصہ کے راجگان کشمیر کے متعلق پتہ ہی نہیں چلا۔ اور انہوں نے جموں کے جموال خاندان کی کشمیر پر ابتداء میں صرف پچپن سال حکومت تسلیم کی ہے اور پچپن پشت کو نادرست قرار دیا ہے۔ ہم اگلے صفحہ پر ان راجگان جموال کے نام دے رہے ہیں جو کہ راجہ دیا کرن کی اولاد سے تھے اور جنہوں نے کشمیر پر حکومت کی اور جن کا عہد حکومت متذکرہ بالا تاریخوں میں نامعلوم قرار دیا ہے۔

شجرہ نسب خاندان جموال حکمران کشمیر

۱۔ راجہ دیاکرن	۲۰۔ راجہ بھرت ناتھ	۳۹۔ راجہ گرڑ دیو
۲۔ راجہ اوگر نند	۲۱۔ راجہ اکھیہ راج	۴۰۔ راجہ کنکم دیو
۳۔ راجہ دامودر	۲۲۔ راجہ مان دھاتا	۴۱۔ راجہ بیہ لوچن
۴۔ راجہ اودے دت	۲۳۔ راجہ چترسین	۴۲۔ راجہ بھوج دیو
۵۔ راجہ بھومیہ دت	۲۴۔ راجہ [illegible] مل	۴۳۔ راجہ چندر دیو
۶۔ راجہ ہری دت	۲۵۔ راجہ بھوپت	۴۴۔ راجہ شیل دیو
۷۔ راجہ گیان دت	۲۶۔ راجہ پرتھی پت	۴۵۔ راجہ کرپال دیو
۸۔ راجہ تارا دت	۲۷۔ راجہ بلی بھدر	۴۶۔ راجہ سنسار دیو
۹۔ راجہ مانک دت	۲۸۔ راجہ بشوا دیو	۴۷۔ راجہ اجیڈہ
۱۰۔ راجہ سنسار دت	۲۹۔ راجہ نرائن دیو	۴۸۔ راجہ نریندر
۱۱۔ راجہ گپت دت	۳۰۔ راجہ کرن دیو	۴۹۔ راجہ کاک فدم
۱۲۔ راجہ لوچن پرکاش	۳۱۔ راجہ شام دیو	۵۰۔ راجہ وید متر
۱۳۔ راجہ بجے ناتھ	۳۲۔ راجہ دھیان دیو	۵۱۔ راجہ شمبھو دیو
۱۴۔ راجہ بھیہ دت	۳۳۔ راجہ کمل دیو	۵۲۔ راجہ شربت دیو
۱۵۔ راجہ جوتی سروپ	۳۴۔ راجہ روپ دیو	۵۳۔ راجہ سونتھ دیو
۱۶۔ راجہ دیودھیان	۳۵۔ راجہ سورج دیو	۵۴۔ راجہ سبل دیو
۱۷۔ راجہ ہنسراج	۳۶۔ راجہ سنگرام دیو	۵۵۔ راجہ جنکھر دیو
۱۸۔ راجہ بلی کرن	۳۷۔ راجہ کنچن دیو	۵۶۔ راجہ لیش دیو
۱۹۔ راجہ بخت مل	۳۸۔ راجہ بھون میہ	۵۷۔ راجہ بھاڈ دیو

مندرجہ بالا شجرہ نسب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ دیاکرن سے لے کر راجہ جنکھر دیو تک ۵۵ پشتیں خاندان جموال راجپوتوں کی ہیں جنھوں نے یکے بعد دیگرے پشت در پشت کشمیر پر حکومت کی۔ راجہ دامودر کے بعد جنکھر دیو تک ۵۲ راجے ہوتے ہیں۔ راج ترنگنی اور تاریخ کشمیر میں ان راجگان کے زمانے کے متعلق لکھا گیا ہے کہ ان راجگان

کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ ۹۷۸ برس تک کس خاندان یا کس راجہ مہاراجہ نے کشمیر پر راج کیا۔ بنشاولی جموال خاندان۔ گلاب نامہ اور تاریخ راجپوتانِ پنجاب اس امر کی معتبر شہادتیں ہیں جہاں کہ راجہ دیاکرن کی اولاد کے نام اور شجرہ نسب مکمل طور پر درج کیے گئے ہیں جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ جموں کے راجہ پورن کرن جموال کے بڑے بیٹے راجہ دیاکرن جموال کے خاندان نے متواتر ۵۵ پُشت کشمیر پر حکومت کی ہے نہ کہ صرف ۵۵ سال۔ اور وُہ زمانہ جوکہ نامعلوم راجگان کا دکھایا گیا ہے، وہی راجگان راجہ دیاکرن کی اولاد سے ہیں جوکہ زمانہ قبل مسیح سے لے کر چھٹی صدی کے وسط تک حکمران کشمیر رہے۔ جن تاریخ نویسوں کو راجگان کے شجرہ نسب کا بھی علم نہ ہو، اُنہیں کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ فلاں راجہ نے اور فلاں خاندان نے فلاں زمانہ میں حکومت کی۔ اُنھوں نے یہ لکھ کر کہ ۹۷۸ برس کے زمانہ میں کون راجے کشمیر میں ہوئے، اِن کا پتہ نہیں لگ سکا تاریخ سے اپنا پلہ چھڑا لیا۔ لیکن اُس خاندان اور راجگان سے سخت بے انصافی کی ہے جنھوں نے کشمیر پر لمبے عرصہ تک حکومت کی۔ اور اُن کے متعلق یہ لکھ کر کہ خاندان دیاکرن نے صرف ۵۵ سال کشمیر میں راج کیا، ایسی غلط بیانی کی ہے جس کی تلافی ہونا قدرے مشکل ہے۔

ٹھاکر نگینہ رام پرمار مصنف تواریخ قدیم آریہ ورت نے کشمیر پر اکشواکو بنش کی حکومت کے خاتمہ کی تاریخ ۵۶۲ء دی ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ اکشواکو خاندان جس کا نسلی تعلق ایودھیا کے سورج بنسی خاندان سے ہے، نے ہُون دیس ترکستان کا وُہ حصہ جو کشمیر کے شمال میں یارقند اور خیوا کے علاقوں پر مشتمل ہے، پر حکومت کی۔ قدیم زمانہ میں ہُون دیش کے نام سے شہرت پذیر تھا۔ اور یہاں کے باشندے ہُون کے نام سے مشہور تھے۔ یہاں قدیم الایام میں آریوں کی ایک زبردست سلطنت تھی۔ پُرانوں میں سب سے پہلے اِس مُلک کا ذکر مہاراجہ رگھو والیٔ ایودھیا کے حالات میں آیا ہے۔ اِس خاندان کے ایک فرد نے ایودھیا سے اُٹھ کر جموں، کشمیر اور ہُون دیش پر حکومت کی۔ اور اُس کی آٹھویں پُشت میں پورن کرن جموال نے اپنی وسیع مملکت دونوں بیٹوں میں تقسیم کر دی۔ دھرم کرن کو جموں کا مُلک دیا اور دیاکرن کو کشمیر اور ہُون دیش کا حکمران بنایا۔ دیاکرن کی اولاد پُشتوں تک کشمیر اور ہُون دیش پر حکمران رہی۔ جب اِس خاندان سے مُلک کی حکومت جاتی رہی تو یہ خاندان اکشواکو شمالی پنجاب میں آ کر

آباد ہو گیا ۔ ریاست جموں میں اب بھی یہ جموال خاندان حکمران موجود ہے ۔
راجگان خاندان جموال جو صدیوں سے جموں پر حکمران رہے، کے شجرہ نسب کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پورن کرن جموال جموں کا زمانہ ۱۲۹۰ قبل مسیح تھا۔ اور دیا کرن کو اُس نے ۱۲۶۰ ق م میں کشمیر کے فسادات مٹانے کے لئے بھیجا جو کہ کشمیر میں امن قائم کر کے وہاں کا ہی ہو رہا۔ اور اپنی خود مختار حکومت قائم کر کے راج کرنے لگا۔ اُس کے بعد اُس کی اولاد ۵۵ پشت تک حکمران رہی مسلسل حکمرانی اس خاندان کی کشمیر پر تو تواریخ سے پتہ نہیں چلتا ۔ البتہ تواریخ سے پایا جاتا ہے کہ اکشواکو خاندان نے کشمیر پر پہلی بار پانچ پشت حکومت کی ۔ اس خاندان سے پانڈو خاندان نے حکومت چھین لی اُس کے بعد پرمار خاندان حکمران ہوا۔ اُس کے بعد گودھر خاندان پھر اکشواکو خاندان تین پشت ۔ اس کے بعد گودھر خاندان ۔ پھر اکشواکو خاندان ۲۳ پشت ۔ اس کے بعد پرمار خاندان ۔ پھر اکشواکو خاندان ۱۹ پشت حکمران رہا جس کے بعد کرکوٹک خاندان۔ پھر نامعلوم خاندان بعد پھر نامعلوم خاندان ۔ پھر لوہر خاندان ۔ پھر مسلمان فرمانروایان پھر خاندان چک ۔ پھر مغلیہ خاندان ۔ پھر درانی خاندان ۔ پھر خالصہ سرکار اور اُس کے بعد پھر اکشواکو خاندان یعنی جموال فرمانروایان جموں و کشمیر جس کا مورث اعلیٰ مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ موجودہ وقت میں گورنر جموں و کشمیر ہے ۔

حصّہ دوم

گلاب سنگھ سے پہلے

اٹھارھویں صدی کے آخری سالوں میں جب کہ ڈوگرہ دیس میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ ابھی مہاراجہ گلاب سنگھ بانیٔ ریاست جموں و کشمیر کا ظہور نہیں ہُوا تھا۔ جموں ریاست مہاراجہ رنجیت دیو کے یکے بعد دیگرے جانشینوں کی کم عقلی اور نا دُور اندیشی کی وجہ سے اپنا وقار بہت حد تک کھو چکی تھی۔ جموں کے اکثر علاقے اِس سے کٹ چُکے تھے۔ اور کوہستانِ جموں کے اندرُونی علاقہ جات چھوٹے چھوٹے جاگیرداروں نے جو راجگان جموال خاندان کے نزدیکی بھائی بند اور برادری کے تھے، سنبھال لئے اور مہاراجہ رنجیت دیو کے خاندان کا سِکہ اِرد گرد کے علاقہ پر سے مفقود ہو گیا۔ ریاست جموں کے راجہ کا دبدبہ اور حکمرانی صرف جموں شہر تک ہی محدُود ہو کر رہ گئی نتیجہ یہ ہُوا کہ جموں کے جنوبی میدانی تعلقہ جات پر چھوٹے چھوٹے سِکھ سردار جاگیردار قابض ہو گئے۔ ان تعلقہ جات کے متعلق دیوان ارجن مل گوندلیہ نے اپنے فارسی روزنامچہ میں لکھا ہے کہ تعلقہ منادر جاگیر شہزادہ کھڑک سنگھ۔ تعلقہ چپراڑ جاگیر باوا صاحب سنگھ بیدی۔ تعلقہ بجھاٹھ جاگیر جمعدار خوشحال سنگھ۔ تعلقہ تھوب جاگیر سردار امریک سنگھ وزیر آبادی۔ تعلقہ بڈھیال براہمناں جاگیر مائی سنبھو سردارنی بھائی دل سنگھ اکال گڑھیہ۔ تعلقہ سلہڑ جاگیر سردار سندر سنگھ۔ تعلقہ رکبر پنڈ پٹھانا نوالی جاگیر سردار شام سنگھ جس کا صدر مقام موضع جاوڑہ (موجودہ تحصیل رنبیر سنگھ پورہ) میں تھا۔ اُس وقت سردار شام سنگھ ان تعلقہ جات کے سِکھ جاگیرداروں کا سرگروہ سمجھا جاتا تھا۔

جموں کے شمالی۔ مغربی اور مشرقی سلسلہ کوہ میں جگٹی۔ چنانی۔ بنیتھل۔ سردُمن سر۔ چندراہ۔ جنگھانوں۔ ڈلنسال۔ ریاسی۔ کٹڑہ ہٹھالی۔ رائے پور۔ کوٹ بھلوال کاہنہ چک اور اگور وغیرہ کے جموال راجپوتوں نے جموں راج کا جُوا اُتار پھینکا تھا۔ اور ایک ایسی طوائف الملوکی کا ماحول بن چکا تھا جس طور کہ اورنگ زیب کے بعد اُس کے

جانشینوں کی نااہلیت مُغل سلطنت کو لے ڈوبی اور اُس عظیم سلطنت کے تمام ہندوستان میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے تھے۔

جہاں مہاراجہ رنجیت دیو کے دُوسرے بھائیوں کی اولاد اور برادری کے سرکردہ سردار جموں راج کو تہ و بالا ہوتے دیکھ کر بھی خاموش تماشائی بنے بیٹھے تھے، وہاں مہاراجہ رنجیت دیو کے تیسرے بھائی میاں صورت دیو کے فرزندان میاں زورآور سنگھ اور میاں موٹا سنگھ رنجیت دیو کے جانشینوں کا ریاست کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے رہے۔ میاں زورآور سنگھ تو اپنی جاگیر سمبل پور کے موضع دیون (نزد پرمنڈل) میں رہتا تھا۔ لیکن اس کا چھوٹا بھائی میاں موٹا سنگھ جموں راج کی مدار المہامی پر فائز تھا۔ اور یہ میاں موٹا کا ہی اثر و رسوخ اور بہادری تھی کہ جموں کے اندرونی علاقوں کی جموال برادری میں سے کسی نے بھی جموں کی طرف آنکھ اُٹھانے کی جرأت نہ کی۔

میاں زورآور سنگھ کی مالی حالت چنداں اچھی نہ تھی۔ اُس کا اکلوتا بیٹا میاں کشورا تھا جو بوجہ تنگ دستی اکھنور کے راجہ عالم سنگھ کے پاس جاکر قلعہ اکھنور کے ایک بُرج میں رہنے لگا اور وہاں کے راج گھرانہ کے افراد کو شکار وغیرہ مار کر لا دیتا جس سے اُس کی روزی چلتی تھی۔

تو یہ حالات تھے اُس وقت ریاست جموں کے جس کے متعلق پہلے باب میں لکھا گیا ہے کہ مہاراجہ رنجیت دیو کے پوتے راجہ جیت سنگھ کے زمانہ میں اُس کی رانی بندرالی کی سازشوں سے جموں میں سخت گڑبڑ پیدا ہوگئی۔ اور ڈوگرہ دیس کی مرکزی ریاست جموں جو مہاراجہ رنجیت دیو کے وقت شمالی ہندوستان میں اپنے سیاسی اقتصادی استحکام، خوشحالی اور پُرامن حیثیت کی وجہ سے مثالی درجہ رکھتی تھی۔ اُس کے پوتے راجہ جیت سنگھ کے تحت سکھ مثلوں کی مار دھاڑ اور یورشوں کی آماجگاہ بن گئی تھی۔ جموں کا دبدبہ ڈوگرہ دیس کی دُوسری ریاستوں بسوہلی۔ اکھنور۔ بھدو۔ رام نگر۔ جسروٹہ۔ منکوٹ۔ بندرالہ۔ بھوتی۔ آبور بھنبر بدواہ وغیرہ سے مکمل طور پر اُٹھ گیا تھا۔ اور جموں کے واحد وارث راجہ جیت سنگھ کی رانی بندرال نے دستارِ حکمرانی سر پر رکھ کر اس ریاست کو تباہی اور زوال کے دہانہ پر لا کھڑا کر دیا۔

بھادیوی کا جنم

۱۷۷۶ء میں بسوہلی کی ریاست راجگان بلاوریہ راجپوت کے زیرنگیں تھی - اور وہاں راجہ امرت پال حکومت کر رہا تھا۔ اُس وقت بسوہلی سے صرف چھ میل مغرب ماہڑتہ کے گاؤں میں ایک بھڈوال راجپوت خاندان آباد تھا۔ اس خاندان کے ایک بزرگ رانا ٹھاکر داس کو راجہ امرت پال کے دادا راجہ میدنی پال نے جو کہ اپنے عہد میں بکرم ثانی ہو گزرا ہے، بھڈو سے لا کر ماہڑتہ کا گاؤں جاگیر کے طور دے کر بسایا تھا۔ ماہڑتہ میں آنے سے رانا ٹھاکر داس بھڈوال کا خاندان ماہڑتیال کہلایا۔ اور راجہ امرت پال والئی بسوہلی نے اس ماہڑتیال خاندان کو اپنے دادا کے نقشِ قدم پر چل کر تین چار گاؤں موضع ماہڑتہ کے پاس جاگیر کے طور مزید عطاء کئے۔ راجہ امرت پال کے وقت ماہڑتہ میں رانا کشن پال بھڈوال پوتا رانا ٹھاکر داس جاگیردار تھا جو ایک بہادر اور نڈر راجپوت تھا۔ راجہ امرت پال اسے اپنا دایاں بازو سمجھتا تھا۔ جنگی مہموں پر راجہ امرت پال کے کارناموں کی کافی دھوم تھی۔ اور رانا کشن پال بھڈوال ان کارناموں میں پیش پیش تھا۔ موضع ماہڑتہ میں رانا کشن پال نے اپنے شاندار مکانات بنوائے تھے۔ ایک باغ بھی لگایا تھا۔ ٹھاٹھ باٹھ راجوں سا تھا۔ نوکر چاکر خدمت کے لئے تیار رہتے۔ اور اپنے خاص کارندے بھی جاگیر کے انتظامات کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ خود تو وہ راجہ بسوہلی کے دربار میں حاضر رہتا۔ اپنے لوگوں میں ہردلعزیز اور بارسوخ تھا اور اُن تمام رسم و رواج کا پابند تھا جو کہ راجگان بھڈو اور بسوہلی کا طرۂ امتیاز تھے جب کہ بارھویں صدی میں محمد غوری کے حملوں سے راجپوتی تسلط دلی اور پنجاب وغیرہ میں پائمال ہو چکا تھا اور مسلم حملہ آوروں نے ہندوستان کے پایۂ تخت دلی کو تاراج کیا اور اکثر حملہ آوروں نے لوٹ مار مچا کر دلی پر قبضہ کر لیا اور دلی کی حکومت راجپوتوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔ تو اپنی عزت اور آن کو بچانے کے لئے پردہ سسٹم، جوہر اور دختر کشی کا رواج راجستھان، دلی اور پنجاب کے معزز اور سرکردہ راجپوت گھرانوں میں پیدا ہوا اور دلی کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں اور پہاڑی بستیوں کے راناؤں اور جاگیرداروں میں بھی یہ رواج صدیوں چلتا رہا۔ چنانچہ بارھویں صدی

سے لے کر اُنیسویں صدی کے وسط تک اِس رسم و رواج پر سختی سے عمل ہوتا رہا۔ رسم جوہر اور ستی کی رسم ادا کرنے والیاں بیر رانیاں اور دیویاں تو اپنا نفع و نقصان، آن اور عزت سب کچھ سمجھتی تھیں لیکن اُن معصوم بچیوں کو جنہیں پیدا ہوتے ہی دفن کر دیا جاتا تھا، اُنہیں کیا پتہ کہ کس جنم کے گناہِ عظیم کی پاداش میں زندگی کی رعنائیوں اور لطافتوں سے ہمکنار ہونا اُن کے نصیب میں نہیں لکھا۔ اُن کا سب سے بڑا یہی گناہ تھا کہ اُنہوں نے ایک معزز اور کھاتے پیتے راجپوت گھرانے میں جنم لیا۔ اِس طرح راجپوتوں میں لڑکی کا پیدا ہونا ایک بدشگونی خیال کیا جاتا تھا اور یہ ایک خاندانی رسم بن چکی تھی۔ چنانچہ جب کسی معزز راجپوت گھرانے میں لڑکی جنم لیتی تو گھر کے مردوں کو پتہ کئے بغیر ہی گھر کی بڑی بوڑھیاں اور دُوسری عورتیں زچہ کی رضامندی سے بچی کو پیدا ہوتے ہی ایک رسم ادا کر کے افیون وغیرہ چٹا کر گھر کے عقبی جنگل میں دفن کرا دیتیں۔ بچی کا باپ یا دُوسرے مرد لواحقین اِس معاملہ میں غیر جانبدار اور خاموش رہتے بلکہ اُن سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ جمّوں میں اُس وقت مہاراجہ رنجیت دیو حکمران تھا۔ بسوہلی میں راجہ امرت پال اور بھدرو کے راجہ پرتھوی پال بھدروال تھے۔

ایسے رسم و رواج کے دَور میں ایک دن بسوہلی دربار سے رانا کشن پال اپنے گھر ماہڑتہ میں آیا تو گھر کی داسی نے عرض کی کہ "رانا صاحب مبارک ہو۔ بڑی رانی اُمید سے ہیں۔ تھوڑے دنوں تک ہمارے ہاں خوشیوں کے نقارے اور نوبت بجے گی"۔ رانا کشن پال نے یکے بعد دیگرے چار شادیاں کی ہوئی تھیں۔ پہلی رانی کے بطن سے لڑکے کے پیدا ہونے کے خیال سے وُہ جامے میں پھولا نہ سمایا اور اپنے کُل کے پنڈت کو بُلا کر کہا کہ کوئی ایسا پرلوگ، جپ یا اُپائے کیجئے کہ ہمارے ہاں جو بچہ جنم لے وُہ خوش بخت ہو۔ کہیں لڑکی کے رُوپ میں جنم نہ لے لے۔ پنڈت نے "ستیہ بچن" کہہ کر جپ تپ کرنے کی سامگری وغیرہ اکٹھی کی اور دُوسری صبح سے پرلوگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

ماہ فروری ۱۷۷۶ء کا کرشن پکش بیت چکا تھا، شکل پکش بھی نکل گیا۔ اور جب مارچ کا کرشن پکش آیا تو اِس پکش کی ایکادشی کی آدھی رات بیت گئی۔ گھر میں سب چھوٹی بڑی عورتیں اور رانا کشن پال کی ساری رانیاں خوشی میں کھلکھلا رہی تھیں کہ کب روشنی کی کرن نمودار ہوتی ہے اور ہماری ڈیوڑھی میں مُبارکباد کی شہنائی بجنے لگے۔ تو پَو پھٹتے ہی رانا کشن پال کے اندرُونی صحن کے مشرقی دالان کے حجرہ میں بچہ کے رونے چلانے کی آواز آنے لگی۔ اور دیوان خانہ میں رانا کشن پال اپنے بھائی بندوں کے ساتھ اِس ساعت کے انتظار میں گمن تھا۔ اُس نے پنڈت کو بُلانے کے لئے

آدمی بھیجا۔ دالان میں بیٹھی ہوئی عورتوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ دایہ نے آکر کہا "کنیا جنمی ہے۔ کیا کرنا ہے؟"

بڑی بوڑھیاں اُٹھیں اور زچہ کے پاس جاکر اُسے کہنے لگیں "افسوس کی ضرورت نہیں۔ تم دونوں میاں بیوی کی جوڑی سلامت رہے۔ لڑکا پھر پیدا ہو جائے گا۔ اِس وقت اِس بچی کو رسم ادا کر کے ٹھکانے لگانے کی کرو۔"

زچہ رونے لگی کہ اِس معصوم بچی نے ہمارا کیا گنوایا ہے کہ تم لوگ مجھ سے میرے جگر کے ٹکڑے کو چھین کر گلا گھونٹنے لگے ہو۔" تو ایک بوڑھی نے کہا "نہیں رانی ایسی بات نہیں۔ یہ قسمت کی بات ہے ہم تو سمجھے بیٹھے تھے کہ لڑکا پیدا ہوگا لیکن ایشور کو جو منظور وہی ہونا تھا۔ اِس بچی

سلہ نومبر ۱۹۳۰ء کی بات ہے۔ اپنی ملازمت کے دوران جب کہ مؤلف رام کوٹ جاگیر میں مختار عام کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ راجکمار ہر دیو سنگھ جموال کی شادی پر اُن کی بڑی بہن ہر ہائینس رانی صاحبہ ریاست چمبہ کہ جو کہ اپنے شہزادہ راجہ لچھمن سنگھ کے ساتھ رام کوٹ آرہی تھیں، کے کیمپ کا انتظام کرنے کے لئے رام کوٹ سے بسوہلی روانہ ہوا۔ راستے میں مجھے ایک رات موضع مہان پور میں بسوہلی سے ۱۵ میل اِس طرف ٹھہرنا پڑا۔ اور اتفاق یہ کہ اُس مندر اور باؤلی پر قیام کیا جو مہاراجہ گلاب سنگھ کی والدہ ماجدہ رانی بھڈوال کے نام سے راہ عام میں وقف ہیں مدات زیادہ گزر چکی تھی اور ہم کھانا کھا کر سونے لگے کہ مندر کے پجاری نے آکر میرے کیمپ کلرک سے بات چیت شروع کر دی اور کہنے لگا "یہ باؤلی اور مندر اُس مہا دیوی کی یادگار ہیں جسے خاندانی رواج کے مطابق پیدا ہوتے ہی زمین دوز کر دیا تھا۔ لیکن جن کو راکھے سائیاں مار نہ سکے کوئی اُس دیوی کو کُل پنڈت کے کہنے پر پھر سے گڑھا کھود کر نکالا گیا تو وہ زندہ نکلی۔ یہ مہا دیوی جدیں بڑی ہو کر مہاراجہ گلاب سنگھ کی پیدائش کا سبب بنی۔" میرے کان میں جب اس بات کی بھنک پڑی تو میں نے پجاری کو اپنے پاس بلا کر پوچھا "کیا کہہ رہے ہو؟" تو اُس نے پھر وہی کہانی دہرائی۔ وقت گزر گیا بات آئی گئی ہو گئی مجھے کبھی بھولنے سے بھی اِس بات کا خیال نہ آیا۔ جب میں نے آج سے چھ ماہ پہلے گلاب سنگھ کی سوانح حیات کتابی صورت میں شائع کرنے کا اعلان کیا تو جو نقانہ تحصیل کٹھوعہ کے پرائمری سکول کے مدرس پنڈت شنکر داس ساکنہ رامکوٹ ایک دن دفتر چاند میں آئے تو کہنے لگے کہ "میں نے چاند میں پڑھا ہے کہ آپ تاریخ "گلاب سنگھ" نکال رہے ہیں لیکن ایک واقعہ جو کہ ابھی تک ہسٹری کی زینت نہ بن سکا اور جو کہ سو فیصد درست اور سچ ہے۔ اگر آپ نے "گلاب سنگھ" میں نہ دیا تو یہ تاریخی کتاب نامکمل رہے گی۔" میں نے حیرانی سے پوچھا "کون سا واقعہ؟" تو کہنے لگے "مہاراجہ گلاب سنگھ کی ماتا کی پیدائش کا۔" مجھے اُسی دم مہان پور والے پجاری کی تیس سال پہلے کی سنائی ہوئی کہانی (باقی اگلے صفحہ پر)

نے معلوم نہیں پچھلے جنم میں کون سا پاپ کیا تھا کہ یہ ہمارے ہاں آ پیدا ہوئی۔ جہاں کہ لڑکیوں کا پیدا ہونا نحوست اور بدشگونی خیال کیا جاتا ہے۔ ہم صدیوں سے اس رسم کے پابند ہیں پس اب دیر نہ کرو رانی! کہو ہاں کہیں بھی اسے۔ رہتا جا رہا ہے۔ یا اہر مردوں کو پتہ لگ گیا تو پھر کیا ہوگا۔ اور تم نہیں جانتیں کہ لڑکی کے بچپن سے اس کی جوانی تک کتنی پریشانی خاندان کو رہے گی ہم کہاں اسے چھپاتی پھریں گی۔ اور جب یہ جوان ہو گئی تو کہاں اسے لے جائیں گے کتنی مصیبت ہم پر طاری رہے گی۔ اگر اس کی کسی حرکت کی وجہ سے اپنی ناک کٹ گئی تو پھر کیا بنے گا؟ اُس وقت جو پچھتانا ہے کہ ہم نے اسے پیدا ہوتے ہی کیوں نہ زہر دے کر مار دیا۔ آج ہی اس سے اپنی خاندانی رسم کے مطابق نپٹنا اچھا رہے گا۔ بالفرض ہم اسے اس کی جوانی یا بچپن میں بیاہ ہی دیں۔ پھر بھی تو اس کا منہ زندگی میں دیکھنا ہمارے لئے گوارا نہ ہوگا۔ اُس وقت جو پال پوس کر زندہ لاش کو گھر سے نکالنا ہے۔ آج ہی کیوں نہ کام تمام کر لیا جائے تاکہ کوئی یہ کہنے والا نہ ہو کہ فلاں رانا کی لڑکی بڑی خوبصورت ہے اور اس کی خوبصورتی کی شہرت اگر کسی جابر راجہ یا نواب تک جا پہنچے تو اُس وقت سارے خاندان کو جان پر کھیلنا ہوگا۔ ہم کوئی بڑے آدمی نہیں۔ ہم راجہ مہاراجہ نہیں۔ ہمارے کوئی خاص ذرائع نہیں۔ اس لئے میں کہتی ہوں کہ تم کہہ دو کہ ہاں اس بچی کو میری نظروں سے دُور لے جاؤ۔"

زچہ مجبور ہو گئی اور لاجواب ہو کر اُس نے ٹھنڈی آہ بھر کر بچی کو سینہ سے بھینچ کر لگایا اور

رفٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے آگے) یاد آ گئی۔ میں نے ماسٹر شنکر داس کو جواب دیا کہ "واقعہ سو فیصد درست فرود ہے۔ میں پہلے بھی جانتا ہوں لیکن اس کی تصدیق چاہیئے۔" وہ کہنے لگے "یہ آپ کا کام ہے میرا نہیں"۔ کچھ دنوں کے بعد ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ سومبڑیا ساکنہ سیار تحصیل بسوہلی جو کہ میرے پرم مِتر ہیں اور جن کا تاریخ "گلاب سنگھ" کی ترتیب اور تیاری میں کافی ہاتھ ہے، مجھے ملنے کے لئے آئے۔ تو میں نے اُن سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے اس کی پوری تصدیق کی اور کہا کہ "ہمارے علاقہ میں یہ واقعہ زبان زد عام ہے"۔ میں نے کہا تو پھر مفصل پتہ لیتا چلے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے نانا کا کیا نام تھا۔ ماموں کا نام تو ٹھاکر شام سنگھ بھڈوال ہسٹری میں لکھا ہے لیکن اُن کے والد کا نام نہیں ملتا۔ آخر انہوں نے کافی محنت اور عرق ریزی سے اب نام ڈھونڈ نکالا اور ضلع کٹھوعہ کے محافظ خانہ سے جاگیر ماہڑتہ کی مثل وغیرہ دیکھ کر رانا کشن پال کا نام لے لیا۔ ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ سومبڑیا بھی بھڈوال راجگان کی ایک شاخ سے وابستہ ہیں۔ یقیناً مہادیوی کی پیدائش کا واقعہ راجگان ریاست جموں کشمیر کے صدیوں پرانے رسم و رواج کا ایک پہلو ہے جسے یہاں لکھنا قارئین کی تاریخی معلومات میں اضافہ کے لئے ازبس ضروری تھا۔

Scanned with CamScanner

منہ چوم کر پرے پھینک دیا۔ پھر گستر کی عورتوں نے رسم ادا کی۔ انہوں کی ایک کتی چٹائی اور اپنے مکان کے عقبی جنگل میں دو تین سو گز دور ایک درخت کے نیچے گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔

رانا کشن پال نے پنڈت کو بلایا تھا۔ پنڈت کے پاس جب آدمی پہنچا تو اُس نے سمجھا کہ میرے پریوگ کرنے کا پھل رانا صاحب کو مل گیا ہے۔ وہ پہلے ہی حسب معمول ضروریات سے فارغ ہو کر رانا کے ہاں پریوگ کے لئے آنے کو تیار تھا۔ دوڑتا ہوا رانا کشن پال کے پاس پہنچا۔ مبارکباد کہہ کر سنسکرت میں خاندانی مدح کے شلوک بولنے ہی لگا تھا کہ رانا کشن پال بول اُٹھا "پنڈت جی! بُوئی (کنیا) پیدا ہوئی تھی جسے ٹھکانے لگا آئے ہیں"۔ پنڈت نے اپنی بغل سے بلاوری[1] پتری نکالی اور دفن شدہ بچی کے گرہ دیکھنے لگا۔ بچہ ولادت بتایا۔ دیکھا اور اُٹھ کر کہنے لگا "چلئے رانا صاحب!" رانا نے پوچھا "کہاں؟" پنڈت نے کہا "جہاں بچی کو آپ لوگوں نے دفن کر رکھا ہے۔ آپ نے اتلینت انرتھ کیا ہے! اس بچی نے نہایت ہی نیک ساعت میں جنم لیا ہے۔ اسے ایسا راج یوگ پڑا ہے کہ یہ ایک بہت بڑے راج کی بنیاد بنے گی۔ یہ تو کوئی مہا دیوی ہے جس نے آپ کے گھرانے کو پوتر کیا ہے۔ چلو جلدی اُٹھو۔ کہیں وہ اب تک ختم نہ ہو گئی ہو۔ اگر بچ گئی تو ہم سمجھیں گے کہ راجہ جنک نے سیتا کو ایک کھیت میں دفن شدہ مٹی کے برتن سے حاصل کیا تھا۔ تو آپ نے اپنی ہی دفن کردہ لڑکی کو پھر سے پا لیا۔ یہ مہا دیوی سیتا، ساوتری اور دروپدی سے بلحاظ اپنے گنوں کے کسی بھی صورت کم نہیں"۔ چنانچہ رانا کشن پال اور اور دُوسرے لوگوں کے ساتھ پنڈت نے جا کر دفن شدہ بچی کو زمین سے نکالا جو کہ نیم مُردہ حالت میں اپنے ہونٹوں پر انگوٹھا رکھے تھی۔ وہ لوگ بچی کو واپس گھر لے آئے۔ تب رانا کشن پال نے سب بھائی بندھوؤں اور عورتوں سے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ "اس بچی کی پیدائش کے حالات کو کسی پر ظاہر نہ کیا جائے تاکہ خاندانی لاج پر حرف نہ آئے"۔

شام تک بچی ہوش میں آ کر زچہ کا دودھ پینے لگی۔ پھر دن گزرتے گئے۔ پال پن بیتا۔ اور تیرھویں برس میں قدم رکھا ہی تھا کہ سنہ ۱۷۸۱ء میں اس مہا دیوی کی شادی جموں کے شاہی

---

[1] پنڈت سری ناتھ کی تیار کردہ بلاوری پتری جو کہ پہلے بیتی لکھی جاتی تھی اور بسوہلی، جموں، جسروٹہ اور رام نگر کے راج پروہتوں کی پہچانی تھی، جو کہ اُس پتری کے مطابق راج دربار میں گرہ مہورت دکھاتے تھے۔ رانا کشن پال کے کل پنڈت کے پاس یہی پتری تھی جسکو دیکھ کر مہا دیوی کی جنم کنڈلی بنائی گئی تھی۔ بلاوری پتری کے موجد کے متعلق ریاست بسوہلی کے باب میں لکھا جا چکا ہے۔

خاندان جموال کی ایک نزدیکی شاخ کے مورث اعلےٰ میاں کشور سنگھ سے ہو گئی۔ اس طرح اس مہا دیوی کا رشتۂ حیات خاندان راجگان بلبڈوال سے کٹ کر راجگان جموال سے ہوا اور اُس نے ایسے ویر پُرشوں اور بہادروں کو جنم دیا جنہیں تاریخ مہاراجہ گلاب سنگھ، راجہ دھیان سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کا نام دیتی ہے۔ اور جو ایسے فاتح اعظم، سیاستدان اور بہادر ہو گزرے ہیں کہ سرزمین ڈوگرہ آج تک ایسے لال پیدا نہ کر سکی۔

سکھوں کا ظہور

وہ سنگستانی سرزمین اور اُس کے ساتھ سلسلہ وار پہاڑی خطہ جو پنجاب کے میدانوں اور کشمیر جنت نظیر کی وادی کے درمیان واقع ہے اور جسے آج کل جموں پرانت (ڈوگرہ دیس) کہا جاتا ہے، اٹھارھویں صدی کے اخیر تک کبھی کسی واحد حکمران کے زیر نگیں متحد نہیں ہوا۔ اور ہم جس زمانہ کا ذکر کر رہے ہیں یہ وہی غیر یقینی دور ہے جبکہ جموں پر راجہ جیت سنگھ کی برائے نام حکومت تھی اور شمالی ہندوستان سے دہلوی حکومت کے پاؤں بالکل اُکھڑ چکے تھے۔ ابھی رنجیت سنگھ کی سکھ سلطنت پوری طرح وجود میں نہ آئی تھی۔ پنجاب میں بڑے بڑے سکھ سرداروں نے سیاسی اور ملکی اہمیت حاصل کرنے کے لئے تگ و دو شروع کر رکھی تھی۔ سکھوں کی بھنگی، کنہیا اور سکرچکیا مثلوں کا غلبہ بڑھ رہا تھا۔

تو واقعات ڈوگرہ دیس اور اس کی ریاستوں کے متحد ہونے کے بیان سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سکھوں کے ظہور اور عروج کا مختصر حال بیان کر دیا جائے تاکہ ریاست جموں و کشمیر کی تشکیل کے متعلق حالات سمجھنے میں سہولیت ہو۔ کیونکہ خاندان قدیم جموں (جس کا آخری وارث راجہ جیت سنگھ تھا) کی حکومت کا زوال اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے خاندان کا عروج سکھوں کی حکومت پنجاب کے عروج و زوال کے ساتھ وابستہ ہے۔

سکھ مذہب کے بانی گورو نانک جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں بے حد ہر دلعزیز تھے اور جنہوں نے ہر مذہب کے لوگوں کو صلح و آشتی اور پریم ملاپ کا سندیش دیا۔ اور جن کی عمر عزیز فقیروں، سادھوؤں اور مہاتماؤں کے ست سنگ میں گزری۔ اُن کے بعد بابا نانک کے جانشین بھی پچاس ساٹھ سال تک اُن کی تعلیم کا پرچار کرتے رہے۔ لیکن ۱۶۰۶ء میں جب گورو ارجن دیو کا بیٹا گورو ہرگوبند گدی نشین ہوا تو اُس نے اپنی فقیرانہ

وضع کو سپاہیانہ زندگی میں بدل لیا۔ گورو تیغ بہادر کا زمانہ آیا تو پانچ سات سو سپاہی، گھوڑے، ہاتھی، نقارہ ۔ لوبت نشان سکھ پنتھ کے گدی نشینوں کے پاس تھے۔ گورو تیغ بہادر نے مُغل بادشاہ اورنگ زیب کی ہندوؤں پر سختیوں اور جور و جبر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اپنی جان عزیز قربان کر دی۔ پھر گورو گوبند سنگھ اُن کے فرزند میدان عمل میں آئے جو کہ مجسّم قربانی ہو گزرے ہیں۔ اُنھوں نے اورنگ زیب کی شاہی افواج سے ٹکر لی۔ جان نثاری۔ بہادری اور تنظیمی قابلیت اور جہاد و عمل کی وہ مثال قائم کی۔ کہ مُغل شہنشاہیت لرز اُٹھی! اس جہاد میں اُن کے چاروں بیٹے جو کہ سات، نو، گیارہ اور چودہ سال کے تھے، شہید ہو گئے۔ گورو گوبند سنگھ کے بعد اُن کے بہادر جرنیل بندہ بیراگی نے بھی مغل حکومت کے خلاف جہاد و عمل کا وہی راستہ اپنایا جو کہ گورو صاحب موصوف نے اختیار کر رکھا تھا۔ آخر بندہ کو مُغل بادشاہ فرخ سیر نے گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بندہ کے بعد سکھوں نے لُوٹ مار اور ڈاکہ زنی اختیار کر لی۔ چند ایک لوگ سردار بن گئے۔ بھنگی، کنہیا اور سکر چکیا مثلیں قائم ہو گئیں۔ اور برسوں کی خونریز لڑائیوں کے بعد اُنہوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم کر لیں۔ احمد شاہ ابدالی نے کئی بار پنجاب پر افغانستان سے آ کر لُوٹ مار کی لیکن جب بھی وُہ واپس جاتا تو سکھ بدستور اپنی خود مختاری کا علم بلند کر دیتے۔ ان میں رنجیت سنگھ کا پردادا نودھ سنگھ تھا جو سردار گلاب سنگھ بھبیڑہ ضلع امرتسر کے ایک معزز زمیندار کا داماد تھا۔ وُہ اپنی برادری اور سرکردہ سکھ سرداروں میں کافی عزت مند تھا۔ نودھ سنگھ نے ناموری اور شہرت لُوٹ مار اور غارت گری کی وجہ سے حاصل کی۔ اِس کا باپ بُڈھا سنگھ تھا جو کہ ایک زبردست ڈاکو ہو گُزرا ہے۔ وُہ تو لوگوں کا مال مویشی بھی نہ چھوڑتا تھا۔ اپنے خاندان میں اسی بُڈھا سنگھ نے سب سے پہلے سنہ ۱۶۷۰ء میں امرتسر کے مقام پر سکھ مذہب اختیار کیا۔ بُڈھا سنگھ نے سنہ ۱۷۱۶ء میں وفات پائی اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا نودھ سنگھ سنہ ۱۷۴۲ء میں چل بسا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ

سنہ ۱۷۶۲ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے راجہ سُکھ جیون ناظم کشمیر کو مہاراجہ رنجیت دیو کی

امداد سے سرزد سے کر وزیر کابلی مل کو گورنر لاہور مقرر کیا۔ اور خود واپس افغانستان چلا گیا۔ تب سکھ مثلوں نے ایک دُوسرے کے اتحادی بن کر زین خان حاکم سرہند کو قتل کر کے لاہور اور سرہند پر قبضہ کر لیا۔ ان ہی دنوں دہلی میں مُغل سلطنت آپس کی خانہ جنگیوں میں تباہ و برباد ہو رہی تھی۔ بلکہ سلطنت کا شیرازہ بالکل بکھر چکا تھا اور پنجاب سکھ مثلوں کی مار دھاڑ کی وجہ سے بدامنی میں گھر گیا تھا۔ چنانچہ سکر چکیا مثل کے سردار چڑت سنگھ نے گوجرانوالہ میں ایک قلعہ تعمیر کیا جو کہ خواجہ عابد صوبہ لاہور کے حملوں سے مسمار ہو گیا لیکن گوجرانوالہ کی سرداری چڑت سنگھ کے ہاتھ میں بحال رہی۔

سردار چڑت سنگھ جموں کے قریب ایک معرکہ میں مارا گیا۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا سردار مہاں سنگھ ۹ سال کا تھا لیکن اُس کی والدہ جو کہ فہمیدہ تھی اپنے دو ایک سرداروں کے ساتھ کاروبار سرداری چلانے لگی۔ جب مہاں سنگھ جوان ہوا تو اُس نے اپنی بہادری اور شجاعت کی وجہ سے گوجرانوالہ کے دُور و نزدیک علاقوں میں چھاپے مارنے شروع کیے۔ سردار مہاں سنگھ کی شادی راجہ جگجیت سنگھ والئ ریاست جیند کی لڑکی سے ہوئی۔ اُس کے بعد مہاں سنگھ نے قلعہ رسول نگر کو جو وزیرآباد کے نزدیک ہے چار مہینے کے محاصرہ کے بعد قبضہ میں کر لیا۔ اس قلعہ کی فتح نے اُس کی طاقت میں اضافہ کیا۔ اور بھنگی مثل کے سرداروں پر بھی اُس نے اپنا اثر و رسُوخ برت کر انہیں مطیع کر لیا۔ سنہ ۱۷۸۰ء میں اُس کے ہاں وُہ اقبال مند فرزند پیدا ہوا جس نے اپنے وقت میں ڈکیتی غارت گری اور چھاپہ مار حملوں کو ختم کر دیا۔ اور ایک صحیح حکمران کے طور و طریقوں کو اپنا کر اپنی سلطنت کو مستحکم کرنا شروع کیا۔ سردار مہاں سنگھ نے اپنے بیٹے کا نام رنجیت سنگھ رکھا۔ رنجیت سنگھ ابھی پانچ سال کا تھا کہ اُسے اس شدت سے چیچک نکلی کہ بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی۔ اس تکلیف سے تو نجات پالی لیکن ایک آنکھ جاتی رہی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اُس کی ظاہری آنکھ کے پھُوٹ جانے سے اُس کی باطنی آنکھ کھُل گئی۔ اور اُس نے وُہ کارنامے دکھائے اور اس قدر عروج پایا کہ آٹھ سو سال بعد پنجاب کو پھر اپنا پنجابی حکمران نصیب ہوا کہ جس نے پنجاب کا نام روشن کیا۔

جب رنجیت سنگھ بارہ سال کا ہوا تو اُس کے باپ سردار مہاں سنگھ کا سایہ اُس کے سر سے اٹھ گیا۔ چار پانچ سال اُس کی والدہ کاروبار حکومت انجام دیتی رہی۔ اور جب رنجیت سنگھ

سترہ سال کو پہنچا تو اُس نے اپنی والدہ کو زہر دلا کر مار ڈالا۔ کیونکہ اُس کی شہرت چلن اچھی نہ تھی۔ رنجیت سنگھ معمولی نوشت و خواند کا مالک تھا۔ لیکن شجاعت، و جوانمردی میں یکتائے روزگار تھا۔ اُس نے اپنی اِس عمر میں ہی آس پاس کے دیہات اور علاقوں پر اپنا قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اِن ہی دنوں کنھیا مثل کی سردارنی سدا کور کی لڑکی کے ساتھ رنجیت سنگھ کی شادی دھوم دھام سے ہوئی۔

۱۷۹۸ء میں امیر کابل شاہ زمان پنجاب سے اپنے وطن کابل واپس جا رہا تھا۔ تو دریائے جہلم میں زبردست سیلاب آیا ہوا تھا۔ اِس وجہ سے اُس کی بارہ توپیں جہلم میں رہ گئی تھیں شاہ زمان نے رنجیت سنگھ کو لکھا کہ ہماری توپیں دریائے جہلم سے نکلوا کر بحفاظت ہمارے پاس پہنچا سکو۔ تو ہم اِس کے معاوضہ میں تمہیں لاہور پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دیں گے جس کے لئے تم نے بارہا استدعا کی ہے۔ رنجیت سنگھ نے شاہ زمان والئے کابل کے اِس پروانہ کو امدادِ غیبی سمجھا۔ اور بارہ توپوں میں سے آٹھ توپیں نکلوا کر اُس کے پاس پہنچا دیں۔ شاہ زمان بہت خوش ہوا۔ اور رنجیت سنگھ کے نام لاہور کا پروانہ لکھ کر دے دیا۔ اُس وقت لاہور کے تین حاکم سردار جیت سنگھ۔ گوجر سنگھ اور صاحب سنگھ تھے۔ لوگ اِس سہ عملی سے سخت تنگ آئے ہوئے تھے۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ رنجیت سنگھ اُن کی قسمت کا مالک بننے والا ہے۔ اور وہ اب لاہور کا خود مختار حکمران بن جائے گا۔ تو اُنہوں نے بے حد خوشی منائی اور اُس کا ساتھ دینے پر تیار ہو گئے۔ لاہور کے تینوں حکمران پرلے درجے کے عیاش۔ بزدل اور کم ہمت تھے۔ اِس قماش کے سرداروں پر رنجیت سنگھ جیسے جفاکش۔ بہادر اور جرأت مند شخص کا فتح مند ہونا کوئی مشکل بات نہ تھی۔

رنجیت سنگھ نے اپنی ساس سردارنی سدا کور کی فوج کی امداد سے بغیر کسی مقابلہ یا لڑائی کے لاہور پر قبضہ کر لیا اور ۱۷۹۹ء کے ماہ مارچ میں لاہور میں داخل ہو گیا۔ اور اُس کے بعد سلطنت لاہور کو دور دراز پھیلانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ مقامی مسلمان سرداروں خصوصاً قصور کے پٹھانوں سے کافی لڑائیاں ہوئیں۔ اُنہیں مطیع کیا۔ اکال گڑھ کے سردار دل سنگھ کو بھی تہ تیغ کیا۔ راج بڑھتا چلا گیا۔ نیلی بار کے جانگلی مطیع کر لئے۔ جھنگ ... کو اپنا حلقہ بگوش بنایا۔ سیالکوٹ پر قابض ہونے کے بعد رنجیت سنگھ کو راجہ کا خطاب حاصل ہوا۔ اور جب راجہ رنجیت سنگھ کی عمر بائیس برس کی تھی۔ ۱۸۰۳ء میں اُس نے ... پر حملہ کر کے

شہر کو فتح کر لیا۔ اس وقت سکھ مثلوں کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ جبکہ ۱۸۱۱ء میں انگریزوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے صلح نامہ کیا۔ تو مثلوں کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ انگریزوں نے رنجیت سنگھ کے وجود میں ایک طاقتور سرحدی حکمران کا مشاہدہ کیا۔ جو کسی وقت اپنی شخصی حکومت کے ماتحت خالصہ افواج کو جمع کرے گا۔ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنی پوزیشن کو آئے دن مضبوط کرنے لگا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ حملہ آور چھاپہ مار کی فتوحات کے ساتھ ساتھ حکمرانی کے جوہر بھی دکھا رہا تھا۔ وہ چیدہ اور فہمیدہ لوگوں کو اپنے دربار میں مشیر اور جرنیل بنانے لگا۔ دیوان دینانا تھ۔ دیوان رتن چند۔ دیوان محکم چند۔ سردار ہری سنگھ نلوہ۔ فقیر عزیز الدین۔ سندھ مانوالئے اور مجیٹھئے سرداروں کو دربار میں نورتنوں کا رتبہ دیا۔

ایسے وقت میں جموں سے گلاب سنگھ کو بلا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۰۹ء میں اپنی فوج میں جگہ دے کر سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

گلاب سنگھ کی پیدائش

جب راجہ برج راج دیو والئے جموں کا ۱۷۸۷ء میں انتقال ہوا۔ اس کا بیٹا راجہ سمپورن دیو ایک سال کا تھا۔ تو راجپوت جموال برادری نے مہاراجہ رنجیت دیو کے برادرزادہ میاں موٹا سنگھ کو جو کہ راجہ برج راج دیو کا چچا زاد بھائی تھا۔ ریاست جموں کا مدار المہام بنا کر خورد سال راجہ سمپورن دیو کو جموں کا راج تلک دیا۔ سمپورن دیو ۱۷۹۸ء تک زندہ رہا۔ اس دوران میں میاں موٹا نے اپنا اثر و رسوخ ڈوگرہ دیس کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے راجگان سے بہت اچھا رکھا۔ آپس میں رشتہ داریاں بھی تھیں۔ بالخصوص بسوہلی کے بلاوریہ راجگان اور ان کی برادری سے جموں والوں کے رشتے ناطے عام تھے۔ میاں موٹا سنگھ اپنے برادرزادہ میاں کشور سنگھ کے ناطے کے لئے فکرمند تھا۔ جو کہ اس وقت چوبیس پچیس سال کی عمر میں جا رہا تھا۔ ادھر راجہ ویسے پال والئے بدوہی سے بانٹہ سہارا نا اکشن پال

بھڈوال اپنی لڑکی کے ناطہ کے لئے کہہ رہا تھا۔ کہ کسی اچھے راجپوت گھرانے میں بات چیت کی جائے۔ چنانچہ میاں موٹا سنگھ مدار المہام جموں اور راجہ جیسی پال والئے بسوہلی نے شادی کا بندوبست کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور میاں کشور سنگھ کی شادی بسوہلی کے نزدیک موضع باہرتہ میں رانا کشن پال بھڈوال کی لڑکی مہا دیوی سے ہوئی۔ میاں کشور سنگھ ایک بہادر سپاہی تھا۔ گو مالی حالت سرسبز نہ تھی۔ لیکن جموں کے شاہی خاندان سے وابستہ تھا۔ اُس وقت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کے راجاؤں اور راناؤں یا اُن کی برادری کے لوگوں کے ذرائع ہی کتنے ہوتے تھے سا ایک ہی وصف ہر جگہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ فلاں آدمی بڑا بہادر اور غیرت مند ہے۔ میاں کشور سنگھ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وُہ اپنے باپ میاں زورآور سنگھ کے پاس موضع دیاؤن (متصل پرمنڈل تحصیل سانبہ) میں کم ہی رہتا تھا۔ اور اُس کی بُود و باش اکھنور کے پُرانے قلعہ کے ایک بُرج میں تھی۔ یہ بُرج اُس کے باپ میاں زورآور سنگھ کے نام سے زورآور کا بُرج مشہور تھا۔ میاں کشور سنگھ ایک بہادر سپاہی کے علاوہ زبردست شکاری بھی تھا۔ جنگلی درندوں مثلاً چیتوں اور ریچھوں کے شکار کرنے میں نامور مانا جاتا تھا۔ شادی کے بعد وُہ اپنے باپ میاں زورآور سنگھ کی خدمت میں رہنے لگا۔ اور قدرت جب مہربان ہوئی تو ۱۷۹۲ء کے ماہ اکتوبر کی ۱۲ تاریخ کو صبح ۸ بجکر ۴ منٹ پر اُس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ گھر میں خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے کُل پنڈت نے نومولود کی جنم کنڈلی بنا کر میاں زورآور سنگھ کو ایک گلاب کا پھول پیش کیا اور کہا "میاں جی یہ بالک بہت ہی بڑا بھاگوان اور اقبال مند ہوگا یا ایشور مہربانی کرے۔ اس کے گرہ تو کسی چکرورتی راجہ سے کم نہیں ہیں۔" زورآور سنگھ نے اپنے پوتے کا نام گلاب کے پھول سے منسوب کر کے گلاب سنگھ رکھا اور پنڈت نے کہا کہ "جس طرح اس پھول کی خوشبو سے آپ کا صحن اس وقت مہک رہا ہے اسی طرح گلاب سنگھ اپنے خاندان کا نام دُنیا میں ایک وقت روشن کرے گا" بچپن میں ماں باپ اور تمام سمبندھی گلاب سنگھ کو گالُو کے نام سے پُکارنے لگے۔ چار سال بعد ۱۷۹۶ء میں میاں کشور سنگھ کے ہاں ایک اور لڑکے نے جنم لیا جس کا نام دھیان سنگھ رکھا گیا۔ اور پھر میاں کشور سنگھ کے

سلہ دراصل یہ جنم کنڈلی موضع دیاؤن کے پنڈت نے بنائی تھی جس کا خاندان آج بھی دیاوںئے پنڈت کے نام سے مشہور ہے۔ اس پنڈت کا خاندان گلاب سنگھ کے دادا میاں زورآور سنگھ کے پروہتوں میں تھا۔

ان سنہ ۱۸۰۱ء میں تیسرا بیٹا سوچیت سنگھ پیدا ہوا۔

گلاب سنگھ کا بچپن

بچپن کے ابتدائی ایام میں گلاب سنگھ اپنے دادا زور آور سنگھ کے پاس رہنے لگا جو کہ اس وقت اپنی جاگیر موضع دیاؤں میں رہا کرتا تھا۔ اُس زمانہ میں سارے دیش میں کوئی باقاعدہ سکول یا پاٹھ شالہ نہ تھی۔ اگر کوئی بچہ پڑھتا بھی تھا تو اپنے کُل پنڈت یا پروہت کے پاس پڑھتا تھا۔ اسی طرح گلاب سنگھ نے بھی ڈوگری زبان میں پڑھنا لکھنا سیکھا۔ لیکن زور آور سنگھ نے جو کہ ایک بوڑھا اور سخت جنگ جُو تھا، اپنے پوتے کو بہادری کی تمام مردانہ صفات میں تاک کرنا شروع کیا۔ اس طرح سے دس سال کی عمر میں گلاب سنگھ گھوڑ سواری اور تیر کمان چلانے میں ماہر ہو گیا۔

باوا پریم داس

گلاب سنگھ کی عمر دس گیارہ سال کی تھی۔ ایک دن وُہ اپنے باپ میاں کشور سنگھ کے ساتھ سروئیں سر اپنی برادری کے کسی گھرانے میں شادی کی تقریب پر شمولیت کے لئے گیا۔ وہاں اُن دنوں ایک ویراگی سادھو باوا پریم داس نے سروئیں سر کے عین کنارے اپنی دھونی لگائی ہوئی تھی۔ یہ ویراگی باوا راجستھان سے شری امرناتھ جی کی یاترا کے لئے آیا تھا اور یاترا سے واپسی پر سروئیں سر میں آکر ٹھیرا تھا گلاب سنگھ تیر کمان ہاتھ میں لئے اُس ویراگی سادھو کے دوسرے لوگوں کی مانند درشنوں کی خاطر گیا تو باوا پریم داس نے دیکھتے ہی اُسے پوچھا "بیٹا! کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں راجپوت ہوں اور موضع دیاؤں میں رہتا ہوں" گلاب سنگھ نے جواب دیا۔

"راجپوت کا مطلب کہ تم راجہ کے بیٹے ہو" سادھو نے پھر پوچھا۔

گلاب سنگھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا "راجہ کا بیٹا تو نہیں البتہ راجہ کے بھائی بندھوؤں سے ہوں۔"

سادھو نے مسکرا کر کہا "تو پھر تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم ایک بہادر قوم کے نونہال ہو۔ لیکن یہ جو تیر کمان سے پرندے مارتے ہو، یہ تمہیں زیب نہیں دیتا۔ بہادر تو دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں اور لڑائیوں میں نام پاتے ہیں۔ ادھر ککشی مارنے سے تمہیں کیا حاصل ہوتا ہے۔ جاؤ کہیں کسی راجہ یا نواب کی فوج میں بھرتی ہو کر اپنی بہادری کے جوہر دکھاؤ۔ تمہاری پیشانی سے مجھے یہ دکھائی دیتا ہے کہ تم ایک دن بڑے آدمی بن جاؤ گے کسی ریاست کے راجہ بنو گے لیکن یہ چھوٹے چھوٹے پرندے مارنے کا کام چھوڑ دو۔"

گلاب سنگھ وہاں سے واپس آیا اور گھر آکر اپنے باپ کو سادھو کی بات سُنائی۔ میاں کشور سنگھ سُن کر اُسی سادھو کے پاس پہنچا اور اُس سے گلاب سنگھ کے متعلق دریافت کیا "کیا سچ مچ میرا گلاب سنگھ اتنا بہادر اور بڑا آدمی بن جائے گا؟"

سادھو نے جواب دیا "ایشور کو جو منظور۔ اُس کی قسمت ہے بُشرے سے تو وہ بڑا آدمی دکھائی دیتا ہے۔ اُسے لاہور، کابل یا کشمیر کہیں بھیج دو تاکہ اُس کے اندرونی جوہر باہر نکل آئیں"۔

اُن دنوں ڈوگرہ دیس کے عام لوگ دُور دیس میں جا کر فوجی ملازمت کرتے تھے۔ اور کوئی گھر ایسا نہ ہوگا جس کے دو یا تین آدمی باہر کہیں نوکری پہ نہ ہوں۔ چنانچہ راجگان کوٹلی، راجوری، لاہور، کابل اور کشمیر تک ڈوگرے تلاشِ معاش کے لئے چلے جاتے تھے۔ شادی کے بعد میاں کشور سنگھ گلاب سنگھ کے ساتھ واپس اپنے گھر آ گیا اور وہاں سے اکھنور چلا آیا۔ گلاب سنگھ بھی اکثر اپنے باپ کے پاس اکھنور آ کر رہنے لگا اور اکھنور کے راجہ عالم سنگھ اور اُس کے خاندان کے بچوں کا ہم جولی بنا رہتا۔ گلاب سنگھ یہاں اپنے ہمجولیوں کے ساتھ مصنوعی لڑائیوں کے کھیل کھیلتا۔ سارا سارا دن نیزہ بازی، تلوار چلاتا اور گھوڑ سواری کا میدان گرم رہتا۔ اکھنور کے بوڑھے بوڑھے جوان مرد اور عورتیں بچوں کے اس کھیل سے خوش ہوتے۔ اور جب یہ پندرھویں سال میں تھا تو گھوڑے کی سواری کسی ماہر رسالہ کے سوار کی مانند کرتا اور اپنی تلوار پُورے وار کے ساتھ چلا سکتا تھا۔ نشانہ بازی میں اتنا تاک ہو گیا تھا کہ اس کا نشانہ کبھی خطا نہ جاتا تھا۔ اب اِسے یہی دُھن سوار تھی کہ کسی طرح اپنی بہادری کے جوہر عملی طور پر دُنیا کو دکھا سکے۔ اُسے دن رات یہی خیال رہتا کہ وُہ کسی پلٹن کا افسر بن کر اپنا نام پیدا کر سکے۔

جموں کا راجہ بننے کا خواب

جموں میں گلاب سنگھ کے دادا کا بھائی میاں موٹا سنگھ راجہ جیت سنگھ کا وزیر تھا۔ انتظام ریاست سارا اُسی نے سنبھال رکھا تھا کیونکہ سمپورن دیو کے بعد جیت سنگھ کو ورثہ میں جموں کا راج ملا تھا۔ راجہ سیدھا سادہ تھا۔ گلاب سنگھ کا دادا اپنی جاگیر پر رہتا تھا۔ گلاب سنگھ کبھی اکھنور میں اپنے باپ کے پاس، کبھی دیاؤں میں دادا زورآور سنگھ کے پاس اور کبھی جموں میں میاں موٹا سنگھ کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ اور جب کبھی جموں سے اکھنور آتا جاتا تو

باوا پریم داس جو کہ سروئیں پرسے کہا ہنہ چرما کے پاس موضع شوئی میں آکر رہنے لگا تھا اُس کے بھی ہاں گلاب سنگھ آکر کئی کئی دن گزارتا۔ اُس کی سیوا کرتا۔ اُس کی دھونی کے لئے جنگل سے لکڑیاں چن کر لے آتا۔ اُسے کھانا بنا دیتا۔ اُس کے برتن مانجھتا۔ گلاب سنگھ نے باوا پریم داس کو اپنا روحانی گورو مان لیا تھا۔

ایک دن جب وہ جموں سے اکھنور ایک اونٹ چاولوں اور گُڑ کا لاد کر آرہا تھا جو کہ اُسے راجہ اوتار سنگھ[1] فرزند راجہ عالم سنگھ کے ہاں لے جانا مقصود تھا۔ تو اُسے خیال آیا کہ شام ہو چلی ہے کیوں نہ باوا پریم داس کے پاس رات کو رہا جائے اور اپنے گورو کے درشن کرتے

---

[1] کہا جاتا ہے کہ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کو دریائے چناب کے کنارے ۱۸۲۲ء میں راج تلک دیا تو راجہ گلاب سنگھ نے پہلا راج دربار ہر مندر کے ٹھوڑے پر اکھنور میں ہی کیا۔ دربار سے فارغ ہو کر اپنے ہمراہیوں کو تو سیدھا جموں بھیج دیا اور خود موضع سُوئی میں اپنے گورو کے پاس آکر جھک کر پرنام کیا اور کہا۔ "کہ آپ کی آشیرواد سے میں ایک معمولی آدمی سے راجہ بن گیا ہوں آپ کی آگیا انوسار بارہ برس کے بعد آپ کے چرنوں میں آیا ہوں۔ سب کہیئے میرے لئے کیا حکم ہے؟ میں کیا سیوا آپ کی کروں؟" تو گوروجی نے کہا "مجھے یہاں اس کُٹیا کی جگہ پر ٹھاکروں کا ایک مندر بنوا دو۔ تاکہ میری بقیہ عمر ٹھاکروں کی پوجا میں بسر ہو۔" چنانچہ راجہ گلاب سنگھ کے احکام سے ایک عالیشان مندر اور کئی ایک مکانات پختہ تعمیر کرائے گئے اور مندر کے ساتھ ہزاروں گھماؤں اراضی معافی لگا دی۔ اس مندر میں بیک وقت تین چار سو سادھو اور مسافر ٹھہرتے رہے سارے علاقہ میں مندر کی مانتا رہی۔ اور جب باوا پریم داس ایشور کو پیارے ہو گئے تو باوا پریم داس کے چیلوں میں گدی کا جھگڑا پیدا ہو گیا اور یہ مقدمہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے حضور میں پیش ہوا۔ کہتے ہیں کہ مہاراجہ صاحب بہ نفسِ نفیس موضع سوئی میں آئے اور مندر کی تمام جائداد اور معافیات کو دھرم ارتھ میں اپنے ماتحت ٹرسٹ کے طور لے لیا اور باوا پریم داس کے دونوں چیلوں کو مہنت اور وزیر کی پدوی دے دی۔

[2] مجھے راؤ بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ سابق فائننس منسٹر ریاست جموں و کشمیر نے مہاراجہ گلاب سنگھ کی شادی کے متعلق دلچسپ واقعہ لکھ کر دیا ہے کہ جب گلاب سنگھ اپنے باپ میاں کشور سنگھ کے ساتھ قلعہ اکھنور کے برج میں رہا کرتا تھا اور اکھنور کے راجہ اوتار سنگھ کے ذریعہ اُن کے خورد و نوش کا انتظام تھا تو راجہ اوتار سنگھ نے گلاب سنگھ کی شادی کھدر روڈ تحصیل جموں کے راجپوت وکرال خاندان میں طے کی۔ اس شادی کے تمام اخراجات وغیرہ راجہ اوتار سنگھ نے برداشت کئے۔ (باقی نوٹ اگلا صفحہ)

چلیں۔ چنانچہ وہ رات کو موضع سوئی میں اپنے گورو کی کٹیا میں پہنچا۔ گورو نے دیکھا تو ہنس کر کہنے لگے "گلاب سنگھ! تمہارا یہ کام تو نہیں کہ ساربانوں یا مزدوروں کی مانند اونٹ کی مہار پکڑ کر مارے مارے پھرو۔ تم تو ایک سپاہی ہو"۔ گلاب سنگھ کہنے لگا "گورو جی! اگر آپ کی آشیرواد ہوئی تو وہ وقت بھی آجائے گا۔"

رات کو گلاب سنگھ باوا پریم داس کی کٹیا میں رہا۔ اور کھانا وغیرہ کھا کر وہاں ہی فرش پر گورو جی کے چرنوں میں سو گیا۔ صبح ہوئی تو گورو اپنی پوجا پاٹھ سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس نے دیکھا کہ دن چڑھنے لگا ہے اور یہ شخص ابھی تک لمبی تان کر سویا پڑا ہے۔ گورو نے اپنے پاؤں سے گلاب سنگھ کے پاؤں کو ٹھوکر دی اور کہا "غافل آدمی! اٹھو۔ نیند تیاگو اور یہاں سے جہاں

(نوٹ از گزشتہ صفحہ سے آگے) جب گلاب سنگھ شادی کر کے دلھن کے ساتھ واپس اکھنور آیا تو گلاب سنگھ کا باپ میاں کشور سنگھ اپنے رہائشی برج کے باہر کھڑا ہو گیا اور دلھن کا سواگت کر کے اسے برج کے اندر بھیج دیا۔ لیکن جو جہیز کا سامان وغیرہ دلھن کے ساتھ گلاب سنگھ سسرال سے لایا تھا اور لاگی مزدوروں نے اٹھایا ہوا تھا، ان لاگیوں کو کشور سنگھ نے کہا کہ یہ سامان راجہ اوتار سنگھ کی ڈیوڑھی میں لے جا کر ان کی نذر کرو۔ جب سامان راجہ اوتار سنگھ کے پاس پہنچایا گیا تو اس نے پوچھا "یہ کیا معاملہ ہے"؟ تو لاگیوں نے کہا کہ "سرکار! یہ میاں کشور سنگھ نے بھیجا ہے"۔ راجہ موصوف نے کشور سنگھ کو بلایا تو اس نے آ کر کہا "سرکار! گلاب سنگھ کی شادی آپ نے کرائی ہے۔ آپ نے ہی سب کچھ خرچ کیا ہے۔ اس لئے دلھن کو تو ہم اپنے برج میں لے گئے ہیں لیکن جو جہیز کا سامان وغیرہ ہے، اس پر آپ کا حق ہے، ہمارا نہیں۔ کیونکہ شادی پر جو خرچ کرے سامان اس کا ہوتا ہے"۔ اس پر راجہ اوتار سنگھ نے ہنس کر کہا کہ گلاب سنگھ کو ہم نے اپنے بچوں کی مانند اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ اپنے بچے کی میں نے شادی کرائی ہے، کسی غیر کی نہیں۔ اس لئے یہ جہیز جو اس کی دلھن کا ہے، اس پر میرا یا تمہارا کسی کا حق نہیں۔ یہ سب کچھ دلھن کا ہے۔ جہاں دلھن ہے وہاں ہی جہیز کا سامان لے جاؤ"۔ یہ دلچسپ کہانی اس امر کی شاہد ہے کہ گلاب سنگھ کا بچپن کس قدر افلاس اور نکبت میں بتیت ہوا تھا۔ اور یہ دونوں باپ بیٹا حقیقی معنوں میں راجہ اکھنور کے پاس پناہ گزین تھے۔

جب تم وہاں پہنچو گے اکھنور والے تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" گلاب سنگھ کھو کر گئے سے بیدار ہوا اور آنکھیں ملتے ہوئے کہنے لگا۔ "گورو جی! بہت بُرا ہوا آپ نے مجھے جگا دیا۔ میں تو سپنے میں جموں کا راجہ بن گیا تھا اور راج مکٹ پہنے فوجوں کو حکم دے رہا تھا کہ پیر پنجال کے پار جا کر کشمیر پر حملہ کر دو۔" باوا پریم داس نے گلاب سنگھ کی بات سُنی تو وہ مسکرا اُٹھے اور کہا: "گلاب سنگھ! تم واقعی جموں کے راجہ ہو بلکہ مہاراجہ بن جاؤ گے۔ یہ سپنا جو تم نے دیکھا ہے، یہ سب میری کرامات ہے۔ تمہیں بشارت ملی ہے کہ تم فوراً اپنے دیس سے دور چلے جاؤ اور وہاں جا کر قسمت آزمائی کرو۔ میں نے تمہارے ماتھے میں پہلے دن ہی بہت کچھ دیکھ لیا تھا لیکن تم میری بات مانتے ہی نہیں۔ اور پھر پھرا کر میرے پاس آ جاتے ہو۔ اب یہاں سے جاؤ اور مجھے تب تک اپنا منہ نہ دکھانا جب تک کہ تمہیں کوئی بڑی پدوی نہ مل جائے۔ میری آشیرواد تمہارے ساتھ ہے۔ تم جدھر نکل جاؤ گے، وجے پراپت ہوتی چلی جائے گی۔"

گلاب سنگھ ابھی تک عجیب اور دلچسپ خواب کے سرور میں تھا۔ اُس نے گورو جی کے چرن چھوئے اور اُونٹ لے کر اکھنور کی طرف چلا گیا۔

گلاب سنگھ میدانِ عمل میں

۱۸۰۸ء 1808 کے آغاز میں جموں کے حالات ابتری کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ راجہ جیت سنگھ والیٔ جموں کی رانی بندرالی نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال رکھی تھی۔ میاں موٹا سنگھ مدار المہام جموں رانی بندرال کی سازشوں سے تنگ آ کر انتظامِ حکومت سے کنارا کشی کر چکا تھا اور جموں اور اس کے اندرونی علاقوں کے انتظام میں گڑبڑ پیدا ہونے لگی۔ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھائی حکماں سنگھ چمنی کو جو کہ جموں کی جنوبی سرحد اور میدانی علاقوں کا منتظم تھا، حکم دیا کہ وہ جموں پر حملہ کر کے کوہستانِ ڈوگرہ دیس کی مرکزی راجدھانی جموں کو تحویل میں لے کر اس کا الحاق سکھ ریاست سے کر دے۔ چنانچہ لاہور سے مصر دیوان چند کی سرکردگی میں ایک لشکرِ جرار بھی بھائی حکماں سنگھ کی امداد کے لئے بھیجا گیا۔ خالصہ فوج نے دریائے توی کے آر پار اپنا کیمپ آن لگایا۔ خالصہ افواج کی آمد اور چڑھائی کی خبر جب جموں پہنچی تو راجہ جیت سنگھ کو میاں موٹا سنگھ کی یاد آئی اور اُسے بُلا کر بزرگی کا واسطہ دیا کہ جس طرح بھی ہو جموں کے علاقہ کو اس آئی بلا سے محفوظ رکھنے کے لئے تیاری کی جائے۔ پہلے تو میاں موٹا سنگھ نے ٹالی

416 — 1

مہاراجہ گلاب سنگھ

اُنیسویں صدی کی عظیم شخصیت

بانئے ریاست جموں و کشمیر

☞ شری زور آور سنگھ

☞ راجہ کشور سنگھ

بندرال کی بدعنوانیوں اور سازشی حرکات کی وجہ سے انکار کر دیا۔ لیکن پھر سوچا کہ ایسے موقعہ پر جبکہ مصیبت مُنہ کھولے سارے ڈوگرہ دیس کو ہڑپ کرنے کے لئے آ رہی ہے اور غلامی کی زنجیریں ہمارے سروں پر کھنک رہی ہیں، اپنے اندرُونی جھگڑے اور گھریلو اختلافات کو سامنے رکھنا درست نہیں۔ رانی بندرال کی خودسری کو بعد میں بھی ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ پہلے ہمیں بیرونی دشمنوں سے نپٹنا لازمی ہے۔ چنانچہ میاں موٹا سنگھ نے جموں کی اپنی برادری کے چیدہ چیدہ راجپوت سواروں کو بُلایا اور وطن کی آن پہ مر مٹنے کا پیغام دیا اور راتوں رات اکھنور، جندراہ، سروئیں سر جگیٹی، باہو اور آس پاس کی بکھری ہوئی بستیوں میں تیز رفتار گھوڑسوار بھیج کر لوگوں کو بیدار کیا کہ وُہ جموں کی حفاظت کے لئے صبح صبح ہی گمٹ کے دروازہ پر پہنچ جائیں۔ اِدھر جموں کے اندرُونی علاقہ کی پہاڑیاں ڈھولوں، سنکھوں، نرسنگھوں اور جنگی باجوں سے گونجنے لگیں۔ کسی بستی کا کوئی ٹیلہ یا اُونچی پہاڑی ایسی نہ تھی جس پر رات بھر مارُو ڈھول نہ بجتا رہا۔ مارُو ڈھولوں کی آواز پر ڈوگرے گرجنے لگے۔ بستیوں کے ہجوم در ہجوم لوگ پاپیادہ اور گھوڑوں پر سوار تلواروں اور ڈھالوں سے آراستہ گھروں سے باہر نکل آئے۔ جس کے ہاتھ میں جو ہتھیار آیا، اُسے ہی لے کر وُہ چل پڑا۔ غرضیکہ لمبی اور وزنی ڈانگوں، درانتوں، کلہاڑیوں، نیزوں اور بھالوں کو اُچھالتے ہوئے کُودتے پھاندتے ڈوگرے رات کی اندھیاری میں "جے بھگوتی" "جموں چلو" کے نعروں کے ساتھ گمٹ کے دروازہ پر جوق در جوق صبح ہوتے ہوتے پہنچ گئے جہاں میاں موٹا سنگھ اپنے سفید گھوڑے پر سوار زرہ بکتر پہنے ہاتھ میں ننگی تلوار لئے گمٹ کے مورچہ کی دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ جب اُس نے اپنی پشت پر دیس باسیوں کے انبوہِ کثیر کو دیکھا تو بلند آواز سے "پکارا"۔ میرے دیس کے شور بیرو! ماتری بھُومی کے بہادرو اور جانباز سپُوتو! آج تمہارے امتحان کا دن آن پہنچا ہے۔ دُشمن ہماری غیرت کو للکار رہا ہے۔ بغیر کسی وجہ کے ہم پر دانت چبانے لگا ہے۔ تم لوگوں پر آج اپنے پیارے وطن کی عزت اور آن کی حفاظت کا فرض آ پڑا ہے۔ تم پیدائشی بہادر ہو۔ تم اس دھرتی کے لال ہو۔ اپنے دیس کی لاج اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ آج کا دن ہے کہ ہم اپنے سامنے کھڑے دشمن کو بتا دیں کہ ڈوگروں سے لوہا لینا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔ یہ وقت پھر نہ آئے گا۔ یہی موقعہ ہے ماتری بھُومی کا قرض چُکانے کا...!

میاں موٹا سنگھ یہاں تک کہہ پایا تھا کہ ڈھولوں اور نرسنگھوں کی آوازوں سے آسمان

گونجنے لگا۔ جنگی بگل بج اٹھا۔ ہتھیار بند ڈوگرے تلواریں سونت کر قطار در قطار گمٹ کی پہاڑی کے نیچے اتر آئے۔ توی کے پار بھائی ہکماں سنگھ چمنی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا۔ جوں ہی میاں موٹا سنگھ کی کمان میں ڈوگرہ سپاہ کو اس نے گمٹ کی پہاڑی سے اترتے دیکھا تو اس خیال سے کہ یہ ہم پر ٹوٹ نہ پڑے، اس نے اپنی فوج کو پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ دریائے توی سے لے کر گمٹ کے نیچے تک ان دنوں میلوں لق و دق جنگل تھا۔ اور توی کے پار بھی اسی طرح کی کیفیت تھی۔ سکھوں کے حملہ کو ڈوگروں نے بڑی جی داری سے روکا۔ مقابلہ کی تلوار چلنے لگی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کی ندی بہنے لگی۔ اور پہلے حملہ میں تو جنگ کا پانسہ ڈوگروں کے ہاتھ میں رہا۔ تب دشمن کی ایک بندوق بند رجمنٹ نے بندوقیں تان لیں۔ ڈوگروں کے پاؤں گولیوں کی بوچھاڑ سے اکھڑنے لگے کہ ڈوگرہ گلاڑیوں وڈھاڑیوں نے اپنی سارنگیوں اور کنگیوں پر جوشیلے سُروں میں میاں ناتھو کی بہادری کے گیت الاپے۔ اس گیت کے بعد انہوں نے راجہ مال دیو کی بہادری کا منظوم قصہ دہرایا جب کہ کانگڑہ میں جموں سے بھاگ کر راجہ مالدیو نے اپنے ڈوگرہ بیروں کو لے کر تیمور کی فوجوں کے چھکے چھڑا دئے تھے۔ اس جنگی گیت نے ڈوگروں میں ایک ایسی روح پھونک دی کہ ڈوگرے بپھرے ہوئے شیروں کی مانند دشمن کی بندوق بند رجمنٹ پر ٹوٹ پڑے اور دست بدست ہو کر تمام بندوقیں چھین لیں۔ لیکن دوپہر کو سکھ فوج نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ ڈوگرہ صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ ڈوگرہ سپاہ بھاگنے لگی۔ کہ ایک طرف سے ایک نوجوان سرخ دستار پر کلغی لگائے ڈھال تلوار سے آراستہ سیاہ گھوڑے پر سوار نیزہ گھماتے آ پہنچا۔ اور بکھری ہوئی سپاہ کو للکارا کہ جنگ سے بھاگنا مردوں کا کام نہیں۔ گھر پہنچو گے تو عورتیں طعنے دیں گی۔ چلو! آؤ میرے پیچھے۔ اور ایک بار صرف ایک ہی بار جنگ میں ہار جیت کا فیصلہ کر لو۔ اس نوجوان پر ہر دو اطراف کی نظریں جم گئیں۔ میاں موٹا سنگھ نے بلند آواز میں کہا "گلاب سنگھ! تم کہاں؟" گلاب سنگھ نے جواب دیا "یہاں ہی صرف تماشا دیکھنے آیا ہوں!" یہ کہہ کر وہ میدان جنگ میں گھوڑا دوڑانے لگا۔ جس طرف گیا، نیزے پر دشمن کے سروں کو اچھالنے لگا۔ جنگ کا پانسہ بدل گیا۔ سردار حکماں سنگھ چمنی نے توی پار کی فوج کو بلانے کا حکم دیا۔ مگر اسے جلد ہی پتہ لگ گیا کہ دریائے توی کے پار کی سکھ فوج کو ایک ڈوگرہ جوان میاں ڈیڈو اور اس کے ساتھیوں نے بھگا دیا ہے اور وہاں میدان بالکل صاف ہے۔ بلکہ سکھ سپاہ کی توپیں بھی

Scanned with CamScanner

ڈیڈو نے چھین لیں۔ یہ سنتے ہی بھائی حکماں سنگھ اور مصر دیوان چند کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ شام ہو چلی تھی۔ سکھ سپاہ اس خیال سے بھاگنے لگی کہ پھر کسی دن پورے زور کے ساتھ جموں کی اینٹ سے اینٹ بجائی جائے گی۔

میدان جموں کے ہاتھ رہا۔ میاں ڈیڈو شام ہوتے توی پار کر کے اپنے ہمراہیوں سمیت میاں موٹا سے آملا۔ اور ڈھول نقاروں کے ساتھ گلاب سنگھ اور ڈیڈو گھوڑوں پر سوار میاں موٹا سنگھ کے دائیں بائیں ایک جلوس کی شکل میں جموں شہر میں داخل ہوئے۔ گلاب سنگھ کی عمر اس وقت سولہ سال کی تھی۔ اس نے نبرد آزمائی میں بڑے بڑے راجپوت سرداروں کے سامنے اپنے آپ کو ممتاز ثابت کیا۔ دوسرے دن جموں شہر اور آس پاس کی بستیوں میں ہر فرد کی زبان پر گلاب سنگھ اور ڈیڈو کی بہادری کا چرچا تھا جنہوں نے کہ اپنی عالی ہمتی اور جانبازی سے دیس کو غیر کی غلامی سے بچا لیا۔

چنانچہ دوسرے دن دوپہر جموں کی پرانی منڈی میں راجہ جیت سنگھ کے سامنے راجپوت برادری کے تمام سرداروں کا ایک اجلاس ہوا۔ اور میاں موٹا سنگھ اور اکھنور کے میاں اوتار سنگھ کو اختیار دیا گیا کہ وہ سکھ سپاہ کے کمانڈروں مصر دیوان چند اور بھائی حکماں سنگھ جمی سے دوستی کا معاہدہ کر لیں۔ تاکہ روز بروز کی لڑائیوں سے جموں کو چھٹکارا حاصل رہے۔ پچھلے ۲۴ برسوں میں سکھوں کا جموں پر یہ پانچواں حملہ تھا اور ہر حملہ میں جموں کے لوگوں کو کافی مالی اور جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

میاں موٹا سنگھ اور میاں اوتار سنگھ اکھنور یہ حملہ کے تیسرے دن بعد بہادر پور میں جا کر سکھ کمانڈروں سے ملے اور انہیں اپنی دوستی کا معاہدہ کرنے کے لئے شرائط پیش کیں۔ سوانح حیات مہاراجہ گلاب سنگھ مصنفہ کاہن سنگھ بلاوریہ اور گلاب نامہ میں دیوان کرپا رام نے لکھا ہے کہ مصر دیوان چند سکھ کمانڈر نے میاں موٹا سنگھ سے تابع منظوری سرکار خالصہ اقرار کیا۔ اور بعد میں جب کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ڈسکہ کو فتح کر کے سیالکوٹ میں آیا۔ تو میاں موٹا سنگھ راجہ جیت سنگھ کو لے کر حاضر ہوا اور وہاں جموں کی آزادی برقرار رکھنے کی شرائط طے ہوئیں۔ جیت سنگھ نے لاہور دربار کو ۲۷ ہزار روپیہ سالانہ نذرانہ دینا تسلیم کر لیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے میاں موٹا سنگھ کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ اسی مقام پر مصر دیوان چند نے گلاب سنگھ کی بہادری کی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس بے حد تعریف کی۔

گلاب سنگھ لاہور دربار میں

اُدھر راجہ جیت سنگھ نے میاں موٹا سنگھ اور میاں اوتار سنگھ کو لے کر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے سیالکوٹ میں ملاقات کی اور سالانہ نذرانہ دینا تسلیم کر کے جموں اور لاہور کی دوستی طے کی۔ اِدھر ایک دن میاں گلاب سنگھ میاں موٹا سنگھ کی سواری کا خاص گھوڑا اصطبل سے بغیر اجازت لے کر سیر و شکار کو نکل گیا۔ اور جب شام کو واپس آکر گھوڑا داروغہ اصطبل کے سپرد کیا تو وہ لنگڑا رہا تھا۔ میاں موٹا سنگھ کے پاس داروغہ نے رپورٹ کی کہ آج گلاب سنگھ نے آپ کا گھوڑا لنگڑا کر دیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب نے کافی تیز دوڑایا ہے اُسے۔ میاں موٹا سنگھ سُن کر سخت ناراض ہوُا اور بحالت ناراضگی گلاب سنگھ کو بلا کر طنزاً کہا کہ "باپ دادا کے مال کو اِس بے دردی سے خراب کرنا آسان ہے۔ جب اپنا گھوڑا خریدو گے تو قدر معلوم ہوگی۔" گلاب سنگھ نے اپنے دادا کا یہ طعنہ سُنا تو اُسے سخت ناگوار گزرا۔ اُس نے سخت پیچ و تاب کھایا اور اُسی وقت گھر آکر اپنی ماں سے زیورات لئے۔ اور رات کو اپنے چند ہمراز ساتھیوں کے ساتھ جن میں میاں جے سنگھ ڈھڈھ والی اور میاں شام سنگھ بھڈوال ماموں خود شامل تھے، گھر سے کابل کے لئے روانہ ہوگیا۔ میاں گلاب سنگھ کی اصل منشاء شاہ شجاع کی فوج میں بھرتی ہو جانے کی تھی جو کہ اُن دنوں نئی فوج بھرتی کر رہا تھا۔ دریائے سندھ کے کنارے پہنچے تو ہمراہیوں نے کابل جانے سے اِنکار کر دیا۔

کابل پہنچنے کے ارادہ میں ناکام ہو کر واپسی پر سکھو چک پہنچے جو کہ اُن دنوں سردار نہال سنگھ اٹاری والے کی جاگیر میں تھا۔ اُس وقت اِس علاقہ کے لوگ سردار نہال سنگھ کے معتبر دیوان خوش وقت رائے زرگر سے بگڑ گئے تھے۔ خود گلاب سنگھ کہا کرتا تھا کہ خوش وقت رائے کے پاس ایک جمعدار تھا جو کسی زمانہ میں اُس کے دادا زورآور سنگھ کے پاس ملازم تھا۔ اُس جمعدار نے گلاب سنگھ کے خاندان کا ذکر دیوان سے کیا اور دیوان نے اُسے اپنی سپاہ میں بھرتی کر لیا۔ سکھو چک کے لوگوں کے دیوان خوش وقت رائے سے بگڑنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ موضع سانگ میں قلعہ بنانا چاہتا تھا اور زمیندار بنانا نہ دیتے تھے۔ گلاب سنگھ نے تلوار کے زور سے قلعہ بنوا دیا۔ اور دیوان خوش وقت رائے نے دادِ مردانگی دے کر گلاب سنگھ کو اٹاری بھیجا۔ اسی اثناء میں سردار نہال سنگھ اٹاری والے کو بحکم مہاراجہ رنجیت سنگھ وادیٔ جہلم کے ایک قلعہ کو فتح کرنے کے لئے اپنی فوج بھیجنا پڑی۔ لیکن راہ میں ہی فوج کے چند ایک سپاہیوں سے گلاب سنگھ کی تکرار ہو

گئی اور وہاں سے بھاگ کر ریاست بھمبر میں آکر راجہ سلطان خان چیب کے پاس بذمرہ سپاہیاں ملازم ہو گیا۔ میاں موٹا سنگھ نے اگرچہ پدرانہ لہجہ میں گلاب سنگھ کو سخت سست کہا تھا مگر جب گلاب سنگھ کے فرار ہونے کے متعلق سُنا تو محبت نے سخت جوش مارا اور اُس کی تلاش کے لئے اپنے چند معتبران مامور کئے جو کہ لاہور، اٹاری اور سیالکوٹ میں تلاش کرتے رہے۔ آخر انہوں نے گلاب سنگھ کو قلعہ کوٹلی میں معلوم کر کے میاں موٹا سنگھ کی بے تابی کا ذکر کیا۔ مگر گلاب سنگھ نے واپس جموں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ کافی منت سماجت کے بعد اِس بات پر رضامند ہوا کہ وُہ اب میاں موٹا سنگھ کے پاس جموں میں نہ رہے گا بلکہ اپنے والد کے پاس رہے گا۔ اور آکر اکھنور میں رہنے لگا۔ ابھی دو تین دن ہی کوٹلی سے آئے ہوئے تھے کہ گلاب سنگھ کی جوانمردی کا شہرہ بذریعہ سردار نہال سنگھ اٹاری والا مہاراجہ رنجیت سنگھ تک پہنچا۔ اِس پر مہاراجہ نے میاں موٹا سنگھ کو لکھا کہ گلاب سنگھ کو میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔ اُن دنوں مہاراجہ رنجیت سنگھ ڈسکہ کے مقام پر کیمپ لگائے تھا۔ جو کہ سیالکوٹ کے ضلع میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ میاں کشور سنگھ نے اپنے ایک ساہوکار ڈولو شاہ سے کچھ روپیہ قرض اور ایک گھوڑا لے کر گلاب سنگھ کے ساتھ دھیان سنگھ کو بھی جس کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی، مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پیش گاہ میں بھیج دیا۔

مسٹر کننگھم اور اُس کے بعد بہت سے انگریز مصنفین لکھتے ہیں کہ گلاب سنگھ کو دربار لاہور میں ایک پیادہ کے طور بھرتی کر لیا گیا۔[1] مگر یہ بیانات قابلِ قبول نہیں ٹھیر سکتے۔ سردار

---

[1] چند ایک انگریز اور دُوسرے مصنفین نے جن میں انگریز مورخ کننگھم سب سے آگے ہے گلاب سنگھ کے خاندان سے تنفر اور تعصب کی بناء پر مہاراجہ گلاب سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ایک معمولی پیادہ کے طور بھرتی کرنا دکھایا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ گلاب سنگھ مع اپنے بھائیوں کے ایک ہی وقت میں دربار لاہور میں بذمرہ سپاہیاں بھرتی ہوئے۔ ایک پنجابی مورخ تو یہاں تک لکھ گیا ہے کہ صرف دس بارہ روپے ماہوار تنخواہ پر سب ملازم تھے۔ ملازم ہونے کے ایک سال بعد جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جموں کا گرد و نواح بسوہلی کے بھرتی شدہ رنگروٹوں کی حاضری لی تو سرکار نے ان چار باپ بیٹوں کو اپنی اردل میں رہنے کا حکم دیا۔ تھوڑے دنوں بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بہ نفسِ نفیس سرحدی علاقہ کی ایک مہم میں جانا پڑا۔ اور ایک مدت جبکہ مہاراجہ کا کیمپ دریائے اٹک کے نزدیک رتیلے میدان میں لگا ہوا تھا، اس قدر باد و باراں کا طوفان آیا کہ جس سے بڑے بڑے تناور درخت بھی گر پڑے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج جن خیموں میں تھی اڑا لے گئے ...

کے۔ایم پانیکر گلاب نامہ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ گلاب سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں ۲۷۵ روپیہ ماہوار پر ایک رجمنٹ کے کمانڈر کی حیثیت سے بھرتی کیا گیا تھا۔اور یہ بات اِس لئے بھی قابلِ قبول ہے کہ مصر دیوان چند اور سردار حکماں سنگھ جمنی نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے گلاب سنگھ کی بہادری، جو کہ اُس نے محاصرہ جموں میں دکھائی تھی، کی بہت تعریف کر رکھی تھی۔اور اسی تعریف کی وجہ سے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے خود میاں موٹا سنگھ سے گلاب سنگھ کو اپنی ملازمت میں لے لینے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔اِس طرح سے گلاب سنگھ کو رنجیت سنگھ ذاتی طور پر اچھی طرح سے جانتا تھا۔اور گلاب سنگھ نے دربار لاہور میں پہنچتے ہی کافی رسوخ حاصل کر لیا تھا۔اور اسی رسوخ کی بدولت اُس نے اپنے بھائی میاں دھیان سنگھ کو دربار میں حصولِ ملازمت کے لئے پیش کیا۔چنانچہ دھیان سنگھ کو ۶۰ روپیہ ماہوار پر ملازم کرا دیا گیا۔اسی طرح گلاب سنگھ نے اپنے باپ میاں کشور سنگھ کا مہاراجہ رنجیت سنگھ سے تعارف کرایا۔جس نے کشور سنگھ کو ۵۰ روپے ماہوار پر اپنی ملازمت میں لے لیا اور دو سال بعد بارہ سال کی عمر میں میاں سوچیت سنگھ کو بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے حضور میں ملازم

(فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے آگے) وہ بھی اکھڑنے لگے۔اور اس وقت گلاب سنگھ مہاراجہ کی خواب گاہ کے سامنے خیمے کے پہرہ پر تھا۔آندھی جھکڑ اور زبردست بارش کے طوفان میں گلاب سنگھ خیمہ کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا کہ خیمہ کا پچھلا کِلہ جس پر اس کے کھڑے رہنے کا سارا بوجھ تھا، طوفان کی شدت سے اُکھڑ گیا۔گلاب سنگھ نے کِلّے کا رسّہ اپنی کمر کے ارد گرد لپیٹ لیا اور پوری طاقت سے اس طوفان اور بارش میں کھڑا رہا۔ایک پہر کے بعد دھیان سنگھ کا پہرہ آیا تو اُس نے بھی اپنے بڑے بھائی کی مانند رسّہ لپیٹ لیا پھر سوچیت سنگھ نے اپنے پہرے پر بڑے بھائیوں کی پیروی کی۔طوفان تھم چکا تھا۔ لیکن خیمہ بغیر کِلّے کے کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔اِس اثناء میں گلاب سنگھ کے باپ میاں کشور سنگھ کا پہرہ آگیا۔تب گلاب سنگھ اِس خیال سے کہ جوان بیٹوں کے ہوتے باپ ایسی مشقت جھیلے؟ پہرے پر آموجود ہوا۔دھیان سنگھ بھی اسی خیال سے پہرہ پر آگیا لیکن سوچیت سنگھ بضد تھا کہ جب رسّہ میری کمر میں بندھا ہے تو دن چڑھنے تک میں ہی کھڑا رہوں گا۔آپ سب جا کر آرام کریں۔اِس پر باپ بیٹوں کی کشمکش شروع ہو گئی۔ہر کوئی رسّہ اپنی کمر پر لپیٹنے کے لئے سختی سے مُصر تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ جسے ساری رات طوفان کی وجہ سے نیند نہ آئی تھی، باہر نکل آیا۔اور کہنے لگا کہ تم میں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

رکھ لیا اور اُس سے اپنے فرزندوں کی مانند محبت کرنے لگے۔ اندرونِ محلاتِ شاہی بلا روک ٹوک سو چیت سنگھ آتا جاتا تھا۔ بعض مورخین نے اِس خاندان پر ناجائز اور بے ہُودہ حملے کر کے تاریخ کو گندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن عمدۃ التواریخ جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خاندان کا روزنامچہ ہے اور پُرانی تصنیف مہاراجہ رنجیت سنگھ اور مہاراجہ شیر سنگھ کے وقت کی ہے، مُعتبر اور صحیح حالات سے پُر ہے۔ اِس تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ میاں گلاب سنگھ اور اُس کے خاندان کے افراد نے مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اُس کے خاندان سے لاثانی وفاداری اور خیر خواہی کا آخر دم تک اظہار کیا۔ ۱۸۱۲ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر پر چڑھائی کی اور اُس کے ساتھ فتح خان والیٔ افغانستان شاہ محمود کا وزیر تھا۔ اِس مہم کے بعد کے واقعات کو سمجھنے کے لئے یہاں ضروری ہے کہ پہلے اُس زمانہ کی افغان سلطنت کے حالات بیان کئے جائیں۔

افغان سلطنت کے حالات

اُنیسویں صدی کے شروع میں دُرانی سلطنت تمام کی تمام وادیٔ سندھ پر حاوی تھی۔ جس میں ملتان، کشمیر اور وادیٔ سندھ کے تمام پہاڑی علاقے شامل تھے۔ اُن دنوں پشاور، اٹک اور دُوسرے

(فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے آگے) اب کسی کو بھی دستہ پیٹی کی ضرورت نہیں۔ میں آج تمہاری خیر خواہی اور وفاداری پر بے حد خوش ہوں۔ چنانچہ مہاراجہ کے حکم سے گلاب سنگھ اور اُس کے باپ اور بھائیوں کا پہرہ معاف کر دیا گیا۔ اور سرکار نے اردل سے ہٹا کر فوج میں منصب دار بنا دیا۔ دھیان سنگھ کو جو اِن سب میں پڑھا لکھا تھا، اپنی حاضری میں لے لیا۔"

تو اِس طرح کے قصّے گلاب سنگھ اور اُس کے بھائیوں کی اوائل ملازمت دربار لاہور کے مخالف مورخین نے لکھے ہیں۔ ایک مورخ نے تو یہ بھی لکھا گیا ہے کہ گلاب سنگھ کا جموں کے شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اصلی شجرہ نسب جس میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے پڑدادا سُورت دیو برادرِ اصغر مہاراجہ رنجیت دیو والیٔ جموں ہیں، کو بھی ایسے مصنفین نے مشکوک قرار دیا ہے۔ رمزداس کے۔ ایم۔ پانیکر لکھتے ہیں کہ "مسٹر کننگھم اور دُوسرے لوگوں کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ورثاء کی والہانہ مدح سرائی نے راجہ گلاب سنگھ کے نامعقول تنفر پر محمول کیا ہے جسے وہ سکھ سلطنت کی تباہی کا اہم ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ بایں ہمہ گلاب سنگھ کے خاندان کے شجرہ نسب کے متعلق کوئی شبہ قائم نہیں رہ سکتا۔" (باقی اگلے صفحہ پر)

Scanned with CamScanner

مقامات افغانستان کے اُسی طرح ضروری حصے سمجھے جاتے تھے جس طرح کہ آج کل ہرات اور قندھار خیال کیے جاتے ہیں کشمیر دُرانی سلطنت کا ایک مسلّمہ صوبہ تھا۔ شاہ زمان جس کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے کبھی باعثِ خطرہ تھا ۱۸۰۳ء (1802) میں افغانستان کا حکمران تھا۔ اِسی شاہ زمان سے رنجیت سنگھ نے ۱۷۹۹ء میں راجہ کا خطاب حاصل کیا تھا لیکن بعد میں شاہ زمان کو اُس کے بھائی محمود شاہ نے تخت سے علیحدہ کر لیا۔ محمود شاہ کو پھر شاہ شجاع نے کابل کے تخت سے اُتار دیا۔ اور شاہ شجاع وہی بدنصیب حکمران ہے جسے آئندہ تیس سال کی تاریخِ پنجاب میں اہم حصہ حاصل ہے۔ ۱۸۰۹ء میں بکرزئی قبیلہ نے بغاوت اختیار کر لی۔ اور سردارِ قبیلہ فتح خان نے محمود شاہ کو دوبارہ کابل کے تخت پر لا بٹھایا اور سلطنتِ افغانستان کے تمام اختیارات بہ حیثیت وزیر اپنے لئے محفوظ کر لئے رہے۔ یہی وزیر فتح خان ہے جو حملۂ کشمیر میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا اتحادی بنا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دیوان محکم چند کو کشمیر کی مہم کا جرنیل بنایا تھا لیکن دیوان محکم چند اور وزیر فتح خان کی آپس میں اَن بن ہو گئی۔ وزیر فتح خان چاہتا تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو یہ احساس کرایا جائے کہ کشمیر کی مہم دیوان محکم چند

(فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے آگے) گلاب سنگھ کا دادا میاں زور آور سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہدِ حکومت کا کافی حصہ زندہ رہا۔ چونکہ رنجیت سنگھ کا باپ اور دادا جموں کے راجہ رنجیت دیو اور برج راج دیو کے خلاف جنگ کر چکے تھے۔ اِس لئے رنجیت سنگھ کو گلاب سنگھ کے خاندان کی تاریخ خوب یاد تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کا شجرہ نسب نہ صرف اُس کے دشمنوں کے عناد کے باعث بلکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے درباریوں کی چاپلوسی کی بدولت بھی درجۂ مناقشت بن چکا ہے۔ مگر اِن تمام باتوں کے باوجود اِس حقیقت میں شک کا شائبہ تک باقی نہیں کہ گلاب سنگھ راجہ دھرو دیو کی براہِ راست ذکور اولاد میں سے تھا جو سورج بنسی خاندان کا ایک راجپوت شہزادہ تھا اور جس کی حکومت کا سکہ اٹھارھویں صدی میں جموں پر جما ہوا تھا۔"

تو جو لوگ اصل شجرۂ نسب کو بھی مشکوک قرار دینے پر تُل جائیں تو اُن سے مہاراجہ گلاب سنگھ سے متعلق کوئی بھی حق کی بات لکھنے کی کیا اُمید کی جا سکتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے خلاف مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موجودگی میں اور اُس کی موت کے بعد بھی سازشوں کا جال ایک ہی طرح بُنا جاتا رہا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کا اقتدار اور بڑھتی ہوئی طاقت اِن حاسدوں اور درباری رقیبوں کو ایک آنکھ نہ بھا سکتی تھی۔ اِس حسد و رقابت کی آگ میں جلنے والوں نے ایسے بے تکے اور (باقی اگلے صفحہ پر)

نے سر نہیں کی بلکہ اُس نے سرکرائی ہے لیکن اُس کی یہ چال ناکام رہی اور وُہ کشمیر کو چمٹا رہا۔

گلاب سنگھ کے عرُوج کی ابتداء

۱۸۱۳ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے وزیر فتح خان کو اپنے سے خارج کرنے کی کوشش کی۔ اور اُس نے بذاتِ خود کشمیر پر چڑھائی کر دی۔ اِس مہم میں گلاب سنگھ کی رجمنٹ نے نمایاں حصّہ لیا۔ راجہ اغر خان والئ راجوری کے مشورہ پر مہاراجہ نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ فوج کا مہاراجہ رنجیت سنگھ کی کمان میں پُونچھ کے راستے آگے بڑھا اور دُوسرا دستہ دیوان رام دیال کے تحت بہرام گلا کی راہ سے روانہ ہُوا۔ مگر فوج کی یہ تقسیم نہایت نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوئی۔ کشمیر کے افغان گورنر نے رام دیال کی فوج کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ سکھوں کے تعاقب میں لوگوں نے بھی بغاوت اختیار کر لی۔ ان خطرناک حالات میں گلاب سنگھ نے منتشر اور بھاگتی ہوئی فوج کو اپنی رجمنٹ آگے کر کے پھر اکٹھا کر لیا اور ساری فوج کو صحیح و سلامت واپس لانے میں بڑی بہادری اور حوصلہ کا ثبوت دیا۔ گلاب سنگھ کا والد میاں کشور سنگھ اِس مہم میں زخمی ہو گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ گلاب سنگھ کی کامیابی سے بے حد خوش ہُوا اور کھروٹی، پھنڈیال اور بیول کے علاقے بطور جاگیر اُسے دئے۔ اور اُس کا فوجی منصب بھی زیادہ کر دیا۔

(فٹ نوٹ گزشتہ صفحہ سے آگے) بے سر پیر کے الزامات لگائے جن سے اُس وقت کے انگریز مؤرخین بھی نہ بچ سکے۔ اور اُنہوں نے بھی گلاب سنگھ کے خلاف ہسٹری کو خلط ملط کر دیا۔ کننگھم جیسے دوسرے انگریز مورخین کو تو یہ غم کھا گیا کہ راجہ گلاب سنگھ کیسا ضدی ابے باک اور نڈر ہے کہ یہ شخص کسی کی بات ماننا ہی نہیں بلکہ اپنی ہی منوا کر دم لیتا ہے۔ (معاہدہ جات لاہور) امرتسر میں راجہ گلاب سنگھ نے اپنی سیاست اور تدبر سے بڑے بڑے انگریز سیاسی شاطروں کو مات دے دی۔ اور سارے ہندوستان کی جتنی بھی ریاستیں انگریزوں نے برقرار رہنے دیں، سب نے اپنے علاقہ میں انگریزی فوج کے رکھنے اور انگریز ریذیڈنٹ کو بٹھانا تسلیم کر لیا۔ لیکن ایک ریاست جموں وکشمیر تھی جو مہاراجہ گلاب سنگھ کی وجہ سے انگریزوں کی مداخلت سے آزاد رکھی گئی۔ انگریز مورخین کو بجا طور پر یہ غم و غصّہ ہو سکتا ہے کہ گلاب سنگھ کو تو مہاراجہ انگریزوں نے بنایا۔ لیکن یہ کیسا مہاراجہ بنا جس نے ایک بھی بات انگریزوں کی نہیں مانی۔ اور اپنی آزاد ہستی کو قائم رکھا۔ ہندوستان میں برٹش راج کے وقت جو بھی تواریخ مرتب ہوئیں (باقی اگلے صفحہ پر)

میاں موٹا سنگھ کا قتل

اِن ہی دنوں میاں موٹا سنگھ نے راجہ جیت سنگھ سے کہہ کر جنگالوں کا علاقہ رانی بندرال کو جاگیر کے طور دیا، اور اُسے کہا گیا کہ وُہ اپنی جاگیر میں چلی جائے۔ لیکن رانی بندرال بے حد جوشیلی اور سازشی عورت تھی۔ وہ موٹا سنگھ کی بات کب مانتی تھی۔ اِسی اثناء میں لاہور سے شہزادہ کھڑک سنگھ اور بھائی رام سنگھ پورمنڈل میں آئے۔ رانی بندرال کو خبر ملی تو اُس نے کھڑک سنگھ کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر اِس وقت ایک لشکر جرار اِس طرف آجائے تو بغیر کسی تردد کے تمام ملک خالصہ سرکار کے ہاتھ میں آجائے گا۔ اِس بناء پر کھڑک سنگھ نے پورمنڈل سے براستہ کھدیی اُدھتاں جموں کا رُخ کیا اور نگروٹہ میں آکر خیمہ زن ہو گیا۔ میاں موٹا سنگھ کو اطلاع ملی تو وہ سخت پریشان ہوا۔ اور سوچنے لگا کہ رانی بندرال عورت ذات ہے۔ اِس کی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے کیوں دشمنی مول لی جائے۔ اور ہر بار اُس کی فوجوں کے مقابلہ میں لوگوں کا خون بہانا بھی کسی طور درست نہیں۔ اِس لئے اُس نے شہزادہ کھڑک سنگھ کو یہ مراسلہ بھیجا کہ اگر آپ سیدھے جموں چلے آئیں تو راجہ جیت سنگھ خوشی کے ساتھ اطاعت قبول کرنے پر رضامند ہے۔ چنانچہ کھڑک سنگھ جموں پر قبضہ کرنے کے لئے آپہنچا۔ میاں موٹا سنگھ اور رانی بندرال کی پارٹی بازی کو اُس کے آنے سے اور زیادہ ہوا ملی۔ رانی بندرال کے خفیہ طور پر کھڑک سنگھ کو پیغام آتے تو وُہ بہت خوش ہوتا۔ اِس طرح معمول سے زیادہ ایام جموں میں اُس کے گزرے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو لاہور میں سب حالات اور جموں کی سازشوں کا علم ہوا تو اُس نے سوچا کہ کہیں کوئی ڈوگرہ مجاہد ایسا

(بقیہ نوٹ گذشتہ صفحہ سے آگے) اور لکھی گئیں اور جو اب تک چلی آرہی ہیں، اِن میں سے کسی میں بھی اُنیسویں صدی کے اِس فاتح عظیم گلاب سنگھ کا نام کہیں نہیں آیا۔ حالانکہ سندھیا، حیدر علی، شواجی اور مہارانا پرتاپ جن سے کسی بھی پہلو گلاب سنگھ کی خدمات ہندوستان کے تئیں کم نہیں، سب کا ذکر تاریخ ہند میں شاندار الفاظ میں کیا گیا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ انگریز مورخین کو اِس بات کا بے حد دُکھ تھا کہ گلاب سنگھ اُن کے قابو میں نہ آسکا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جو کہ ایک معمولی ملازمت سے اُٹھ کر ایک وسیع سلطنت کا مہاراجہ بن گیا۔ اور تو کچھ کر نہ سکتے تھے، اُنہوں نے گلاب سنگھ کے خلاف پراپیگنڈہ کا ایک سیلاب بہا دیا۔ اور اِسی پراپیگنڈہ میں کننگھم جیسے انگریز ایجنٹ اپنی ڈائریوں اور روزنامچوں کو بھی لے آئے بلکہ جب تاریخ لکھنے بیٹھے تو گلاب سنگھ کو اُس کے اصلی خدوخال میں پیش کرنے میں بھی بخل اور دشمنی سے کام لیا۔

نہ اُٹھ پڑے کہ کھڑک سنگھ کو لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اُس نے حکم صادر کیا کہ کھڑک سنگھ فوری واپس آجائے اور تمام اختیارات نظم و نسق میاں موٹا سنگھ کو سپرد کیے جائیں۔ نیز راجہ جیت سنگھ کی جاگیر بقدر بارہ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کی جائے۔ رانی بندرال اس انتظام سے بھڑک اُٹھی۔ اور اُس نے کھڑک سنگھ پر ایسے انتظام کے لئے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ تب کھڑک سنگھ نے دیوان اجیت سنگھ کلال کو گورنر کے طور پیچھے چھوڑا اور خود واپس لاہور چلا آیا۔ رانی بندرال کو اپنی مرضی کا گورنر مل گیا۔ اُس نے بلا خوف و خطر دیوان اجیت سنگھ سے سازش کی۔ دیوان ایک تنگ خیال آدمی تھا۔ اُس نے اپنی عقل سے کام نہیں لیا۔ اور وُہ رانی کی چرب زبانی اور میٹھی باتوں سے اُس کے اثر میں آگیا۔ رانی نے موقعہ مناسب جان کر اپنے خسر کے بھائی میاں موٹا سنگھ کے قتل کا حکم دے دیا۔ دیوان نے رانی کے حکم پر دو اُجرتی قاتلوں ترڈو اور سترو کو اس کام کے لئے مامور کیا۔ اور ایک دن جب میاں موٹا سنگھ گھر جا رہا تھا، انہوں نے اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ میاں موٹا کے قتل کی سنسنی خیز خبر سارے علاقہ میں پھیل گئی۔ اور لاہور دربار میں بھی اس بزدلانہ قتل کی اطلاع پہنچ گئی۔ میاں موٹا کو قتل کرنے کے بعد ترڈو اور سترو چھپ گئے لیکن کب تک اس حالت میں رہتے۔ انہوں نے رانی بندرال سے شہزادہ کھڑک سنگھ کے نام ایک سفارشی خط لے لیا اور لاہور جا کر کھڑک سنگھ کے پاس ملازم ہو گئے۔

اپنے بزرگوار دادا کے قتل کی خبر سُن کر گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ کو سخت صدمہ ہوا۔ اتفاق یہ ہوا کہ قتل کے دو تین ماہ بعد ایک دن جبکہ دونوں بھائی دربار سے واپس آرہے تھے تو بھائی دروازہ کے نزدیک میاں موٹا سنگھ کے دونوں قاتل گھوڑوں پر سوار مل گئے جس پر گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ نے دونوں کو قتل کر دیا۔ گلاب سنگھ کے اس فعل پر سارے شہر لاہور میں تہلکہ مچ گیا۔ بجلی کی مانند خبر دربار میں بھی پہنچ گئی۔ اس لئے بھی لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ میاں موٹا کے دونوں قاتل شہزادہ کھڑک سنگھ کی پناہ میں سمجھے جاتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ناراض ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے گلاب سنگھ اپنے بھائی دھیان سنگھ کو لے کر واپس دربار گیا۔ دونوں بھائی جب دروازے پر پہنچے تو دربان گھبرا گئے۔ انہوں نے گلاب سنگھ سے کہا کہ مہاراجہ کا حکم ہے کہ ہتھیار اُتار کر دربار میں آنے دیا جائے۔ گلاب سنگھ نے جواب دیا کہ ہم سرکار کے پاس حاضر ہونے بغیر ہتھیار نہیں کھولیں گے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اطمینان کے طور اپنے گلے سے موتیوں کی مالا اُتار کر بھیجی۔ جب وُہ حاضر ہوئے تو پوچھا "یہ کیا کیا؟" گلاب سنگھ نے جواب

دیا۔" اُنہوں نے ہمارے ایک بزرگ کو قتل کیا تھا۔ اگر ہم اس خون کا بدلہ نہ لیتے تو برادری میں مُنہ نہ دکھا سکتے۔" سرکار نے کہا کہ "تمہارے جیسے عقل والے شخص ایسا کام نہیں کرتے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔" جواب دیا کہ "نفع اور نقصان کا خیال دوکانداروں کو ہوتا ہے ہم سپاہی ہیں اور جان کو آن پر قربان کرنا اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔" مہاراجہ کو یہ بات پسند آئی اور فرمایا۔ "شہزادہ کھڑک سنگھ کے ملازموں کو اس قتل کے باعث تم سے دشمنی ہو گئی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم چند ملازم اپنی حفاظت کے لئے رکھ لو۔" گلاب سنگھ نے جواب دیا کہ "ہم نے پہلے ہی پانچ نوکر مقرر کر رکھے ہیں۔" سرکار نے پوچھا۔ "کون کون ؟" تو دھیان سنگھ نے عرض کی۔ "تلوار۔ بندوق۔ پیش قبض اور ایک جوڑی پستول۔" مہاراجہ اس جواب پر بیحد محظوظ ہوئے اور گلاب سنگھ سے پوچھا۔ "کھروئی اور بیول کے جو علاقے بطور جاگیر تمہیں ملے ہوئے ہیں، اُن پر قبضہ ہُوا ہے یا نہیں ؟" گلاب سنگھ نے جواب دیا۔ "سرکار کا حکم ہو اور تعمیل نہ کی جائے، یہ اچنبھے کی بات ہے۔ اگر تعمیل کی راہ میں کوئی رکاوٹ آجائے تو یہ تلوار اور بندوق کس لئے ہے سرکار ؟ میں نے قبضہ تو کر لیا لیکن ذرا مشکل سے۔ اس وقت سرکار کے اقبال سے کھروئی اور بیول پر میرا اقتدار ہے۔" تو مہاراجہ نے حکم دیا کہ ان علاقوں کی آمدنی سے دو سو سوار اپنے لئے نوکر رکھ لئے جائیں۔

قلعہ کھیوڑہ نالہ کی تسخیر

گلاب سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے کھروئی اور بیول کی آمدنی پر دو سو سوار بھرتی کرنے شروع کئے، چنانچہ وہ اس بھرتی میں مصروف تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے قلعہ کھیوڑہ نالہ واقع ضلع جالندھر پر چڑھائی کر دی۔ اس قلعہ کی بابت مشہور تھا کہ اسے کوئی بھی فتح نہیں کر سکتا۔ اس لئے مہاراجہ خود محاصرے کے لئے موقعہ پر جا پہنچا۔ دھیان سنگھ نے گلاب سنگھ کو اس مہم کی اطلاع دی اور تاکیداً لکھا کہ یہ موقعہ گنوانا نہیں چاہیئے۔ مہاراجہ بذاتِ خود مورچوں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ ہنگامہ سخت ہے۔ اس لئے آپ بھی فوراً وہاں پہنچنے کی کریں۔ گلاب سنگھ کو جب یہ اطلاع ملی تو وُہ اپنے شبک رفتار گھوڑے پر اپنے ساتھ پچاس ساٹھ رنگروٹ سوار لے کر آندھی کی مانند دُوسرے روز محاصرہ کے مقام پر آ پہنچا۔ دس پندرہ دن سے جنگ جاری تھی۔ قلعہ میں محصورین کی پوزیشن میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ بلکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج کا نقصان ہو رہا تھا۔ سرگلاب سنگھ کا گھوڑا مہاراجہ کے ہاتھی کے پاس نظر آیا۔ تو گلاب سنگھ نے گھوڑے کو کھیلتے ہوئے

پر کھڑا کر دیا اور گھوڑے نے اگلے سُم ہاتھی کے مستک پر رکھ دیئے۔ مہاراجہ نے گلاب سنگھ کو دیکھ کر خوشی سے تالی بجائی اور گلاب سنگھ نے ایک اشرفی جیب سے نکال کر مہاوت کے ہاتھ میں دی کہ وہ مہاراجہ کی خدمت میں نذر پیش کر سکے۔ سوار اور گھوڑے کے اس کرتب پر مہاراجہ کی فوج اور مورچہ گیر سپاہ کی ٹکٹکی لگ گئی۔ نذر پیش کر کے گھوڑے کا مُنہ قلعہ کی طرف کیا اور اپنے سواروں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے گھوڑے کو ایڑی لگائی۔ ایڑی کا لگنا تھا کہ گھوڑا چوکڑیاں بھرنے لگا اور پلک کے جھپکنے میں قلعہ کی ۲۴ فٹ خندق کو جست لگا کر پار کر لیا۔ قلعہ والوں نے جب ایک اکیلے سوار کو اس تیزی سے آتے اور اُس کے پیچھے پچاس ساٹھ سواروں کو جن کے گھوڑوں کے سُموں کی آواز قلعہ کی دیواروں سے ٹکرا کر ایک خوفناک صدائے بازگشت بنی ہوئی تھی، قلعہ کی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ گھبرا اُٹھے۔ اُنہوں نے سمجھا کہ یہ انسان نہیں کوئی آسمانی مخلوق ہے جو رنجیت سنگھ کو غیبی امداد کے طور ادھر آ نکلی ہے۔ قلعہ والے ہتھیار بند ہو کر قلعہ سے باہر نکل آئے۔ گلاب سنگھ نے اُس وقت نیزے کو گھمانا شروع کیا اور قلعہ کی سپاہ کو چیرتا ہوا سیدھا قلعہ کے دروازہ پر آ پہنچا۔ قلعہ کے محافظین کو تلوار کے گھاٹ اُتارا اور قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر اپنا نیزہ گاڑ دیا۔ ادھر گلاب سنگھ فتح کا پھریرا بلند کر رہا تھا، اُدھر اُس کے عقبی سوار خندق کو پار کر کے قلعہ والوں پر ٹوٹ پڑے اور آن کی آن میں اُنہیں ہتھیار رکھنے پر مجبور کر دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ دُوربین لگائے گلاب سنگھ کے کارنامہ کو سراہ رہا تھا کہ مورچہ میں بیٹھی سکھ سپاہ باہر نکل آئی اور قلعہ میں جا داخل ہوئی۔ اس طرح سے قلعہ کی فتح کا سہرا گلاب سنگھ کے سر رہا۔ مہاراجہ نے اس خدمت کے صلہ میں میاں گلاب سنگھ کو لالہ، چوبارہ اور رام گڑھ کے مزید علاقے جاگیر کے طور دے دیئے۔ میاں گلاب سنگھ نے کھروئی اور بیول کے علاقوں کا انتظام سنبھالنے کے لئے دیوان میر چند والد دیوان جوالا سہائے کو کاردار کے طور سرفراز کیا۔ اور لالہ، چوبارہ اور رام گڑھ کے علاقوں کو اپنے حقیقی دادا میاں زور آور سنگھ کو سپرد کیا کہ ہم تینوں بھائی وقتاً فوقتاً آ کر انتظام میں آپ کا ہاتھ بٹاتے رہیں گے۔ یہ پہلا موقعہ تھا جبکہ گلاب سنگھ نے محسوس کیا کہ وہ بھی چند ایک علاقوں کا مالک و مختار بن گیا ہے۔

بغاوت ملتان میں گلاب سنگھ کی جوانمردی

لاہور میں ملازمت اختیار کئے گلاب سنگھ کو چھ سال بیت گئے تھے۔ اس

قلیل سے عرصہ کے اندر اندر گلاب سنگھ لاہور دربار کا ایک نامور سردار بن چکا تھا۔ اس نے اپنی خدمات کے صلہ میں اراضیات اور جاگیریں حاصل کرلی تھیں اور اُسے باقاعدہ فوج رکھنے کا حق حاصل تھا۔ اُدھر دھیان سنگھ بھی دربار لاہور کا بہت بڑی حد تک منظورِ نظر بن چکا تھا۔ غرضیکہ اُن تمام مہمات میں جو سکھ بادشاہ نے اس عرصہ میں اختیار کیں گلاب سنگھ نے نہایت نمایاں حصہ لیا۔ خاص کر محاصرہ ملتان کے موقعہ پر اُس کی جوانمردی نے رنجیت سنگھ کو اور زیادہ مسرور اور شاد کیا۔ ملتان افغانستان کا صوبہ تھا۔ افغان صوبیدار نے قلعہ بند ہو کر سکھ سپاہ کو اپنی بندوقوں کی زد میں لے لیا تھا۔ توپ کے گولے دنا دن برس رہے تھے۔ محاصرہ کی نگرانی مہاراجہ رنجیت سنگھ بنفس نفیس کر رہا تھا کہ ایک سکھ سردار قلعہ کے عین دامن میں گولی کی زد میں آکر ہلاک ہوگیا۔ رنجیت سنگھ کا یہ سردار بے حد منظورِ نظر بلکہ عزیز رشتہ دار تھا۔ اس کے ہلاک ہونے پر رنجیت سنگھ سخت پریشان اور غمگین ہوگیا۔ اُس نے اپنی سپاہ کے سکھ سرداروں کو حکم دیا کہ وہ موقعہ پر پہنچ کر مقتول سردار کی لاش کو واپس لے آئیں۔ لیکن کسی کی ہمت نہ پڑی اور سب ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگ گئے۔ قلعہ سے گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ توپ کے گولے برابر مورچوں پر پڑ رہے تھے کہ گلاب سنگھ سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پریشانی برداشت نہ ہوئی۔ وہ اپنے گھوڑے پر بلا خوف اور جھجک کے قلعہ کے دامن میں جا پہنچا اور قلعہ بند فوج اور اپنی سکھ سپاہ کو ورطۂ حیرت میں ڈالتے ہوئے مقتول سردار کی لاش کو ایک ہاتھ سے کھینچ کر اپنے گھوڑے کی پُشت پر لاد لیا اور دیکھتے دیکھتے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قدموں میں لاش کو لا رکھا۔ اُس کے بعد ایک فیصلہ کُن حملہ قلعہ ملتان پر کر دیا۔ سکھ سپاہ مورچوں سے نکل کر گلاب سنگھ کے پیچھے قلعہ پر آدھمکی۔ قلعہ والوں کے اوسان خطا ہو گئے اور اُنہوں نے گلاب سنگھ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ مُلتان کو فتح کرکے واپس لاہور پہنچا تو اُس نے اس فتح کی خوشی میں میاں گلاب سنگھ کو بیس ہزار روپیہ کی آمدنی کی اراضیات اور میاں دھیان سنگھ کو ایک حویلی برائے رہائش لاہور میں عطا کی۔

شاہ شجاع کی لاہور میں آمد

۱۸۱۵ء (1815) میں شاہ شجاع کابل سے فرار ہو کر سالوں کی دربدری کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس لاہور دربار میں آیا۔ اور مہاراجہ سے امداد کا خواستگار ہوا کہ وہ اُسے پھر سے کابل کا قبضہ دلادے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع کی خاطر مدارات پر اپنے منظورِ نظر کمان افسر میاں گلاب سنگھ

سو لگایا اور اُسے اُمید دلائی کہ وُہ وقت آنے پر شاہ شجاع کی مدد کرے گا۔ نوجوان گلاب سنگھ نے چند ہی دِنوں میں پناہ گزین امیر کابل کی خوشنودی حاصل کرلی۔ ایک دن مہاراجہ رنجیت سنگھ نے میاں گلاب سنگھ سے کہا کہ تمہارے مہمان کے پاس ایک بیش قیمت ہیرا ہے جسے کوہ نور کہا جاتا ہے۔ اور یہ ہیرا یہاں سے ہی نادر شاہ دُرانی محمد شاہ رنگیلے سے چھین کر لے گیا تھا۔ اِس شاہ شجاع کو ایسا خوش کرو کہ کسی طور کوہ نور لاہور کے شاہی خزانے میں آجائے۔ چنانچہ شاہ شجاع نے اِس شرط پر کوہ نور کا ہیرا مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بھینٹ کیا کہ وُہ اُس کی امداد کریں گے اور اُسے تختِ کابل واپس دلا دیں گے۔ دو ایک برس شاہ شجاع لاہور میں رہا لیکن اُس کی مراد بر نہ آئی اور وُہ مایوس ہوکر لاہور سے کشتواڑ کی طرف چلا گیا اور کوہ نور کا ہیرا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تاج میں چمکنے لگا۔

ریاسی پر قبضہ

سنہ ۱۸۱۷ء کے وسط کی بات ہے کہ گلاب سنگھ چھٹی پر لاہور سے جموں آیا ہُوا تھا اور خاص جموں میں اپنے کنبہ کے ساتھ کچھ دن گزار رہا تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دیوان سنگھ جو راجہ رتن دیو جموال پُرانی منڈی والے کا پڑپوتا تھا اور جسے ریاسی کا پرگنہ جاگیر کے طور ملا ہُوا تھا، کو لاہور بُلا لیا۔ دیوان سنگھ پر میاں موٹا سنگھ کے قتل کی سازش کا شک تھا۔ اور یہ عام مشہور تھا کہ رانی بندرال کی پارٹی کا یہ سرغنہ ہے اور گلاب سنگھ کا بھی وُہ جانی دشمن تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اُس کی اِن حرکات کا علم ہُوا تو اُسے قید کرلیا اور اپنے ایک خاص خدمت گار بھگوان سنگھ کے ذریعہ میاں گلاب سنگھ کو شاہی ارشاد بھیجا کہ تم علاقہ ریاسی کو قبضہ میں لاکر اپنی جاگیر میں شامل کر لو۔ حسب الحکم مہاراجہ لاہور میاں گلاب سنگھ ریاسی میں آئے۔ اور ریاسی کے تمام لوگوں نے تالاب کے کنارے گلاب سنگھ کے پاس جمع ہوکر اطاعت قبول کرلی اور گلاب سنگھ نے پہلی بار یہاں لوگوں سے نذریں حاصل کیں۔ مگر میاں دیوان سنگھ کے بیٹے بھوپ دیو نے جو کہ علاقہ ارناس میں تھا، وہاں ہی لوگوں کو جمع کرکے بغاوت کر دی۔ گلاب سنگھ کو ریاسی میں اِس بغاوت کا علم ہُوا تو اُس نے اپنی فوج کے دستہ کو لے کر قلعہ سلال اور رنتال پر چڑھائی کر دی۔ بھوپ دیو سلال میں قلعہ بند ہو چُکا تھا۔ گلاب سنگھ نے اپنی فوج کے ساتھ دریائے چناب کو سرنا بھی پر عبور کیا۔ اور مختصر سی لڑائی کے بعد قلعہ سر کرلیا گیا۔ گلاب سنگھ نے ریاسی میں قلعہ بھیم گڑھ کی تعمیر و تکمیل کے لئے دیوان امیر چند کو مامور کیا۔ اور خود لاہور واپس جاکر دربار میں حاضر ہو گیا۔

میاں بھوپ دیو قلعہ سلال سے جو بھاگا تو اُس نے لاہور میں آ کر دم لیا۔ اور دربار کے اہلکاروں سے مل کر اپنے والد دیوان سنگھ کو قید سے آزاد کرا لیا۔ پھر اپنے چند رازداروں کی معرفت ریاسی میں یہ افواہ پھیلا دی کہ گلاب سنگھ اور اُس کے دونوں بھائیوں پر مہاراجہ لاہور کی ناراضگی ہو گئی ہے۔ اور علاقہ ریاسی اُس کے باپ میاں دیوان سنگھ کو واپس مل گیا ہے۔ اتنے میں وُہ ایک جعلی پروانہ منجانب مہاراجہ رنجیت سنگھ بنا کر ریاسی آ پہنچا۔ اور ریاسی کے علاقہ کے چیدہ چیدہ لوگوں کو جعلی پروانہ دکھا کر عام بغاوت کرا دی۔ لوگوں نے قلعہ بھیم گڑھ واقع ریاسی کا محاصرہ کر لیا۔ دیوان امیر چند بھیس بدل کر قلعہ سے باہر نکل آیا اور راتوں رات ریاسی سے جموں پہنچا۔ قلعہ میں زور آور سنگھ جو کہ تھوڑے ہی دن پہلے گلاب سنگھ کی ذاتی فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ قلعہ میں محصور ہو کر فوجی دستہ کی ہمت بندھانے لگا۔ باغیوں نے اُس پر قلعہ چھوڑنے کے لئے بہت زور ڈالا لیکن زور آور سنگھ کی جرأت، بہادری اور جوانمردی کو جس نے اُسے بعد میں لداخ اور بلتستان کی فتح کے قابل بنایا، بھلا ایک مقامی محاصرہ کب متزلزل کر سکتا تھا۔ چنانچہ دشمن کی انتہائی کوششوں کے باوجود وُہ قلعہ پر قبضہ جمائے رہا۔ جب میاں کشور سنگھ والد گلاب سنگھ کو ریاسی کی فوج کی پریشانی کا حال معلوم ہوا تو اُس نے لاہور میں گلاب سنگھ کو ایک خاص پیادہ بھیج کر مطلع کیا۔ لیکن دیوان امیر چند نے جموں پہنچتے ہی بسرعت کمال اس معاملہ کو ہاتھ میں لے لیا۔ خزانہ میں روپیہ تو تھا نہیں اور اُس کی کمان میں کوئی فوج بھی نہ تھی۔ اُس نے علاقہ کے راجپوتوں کی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن رانی بندرال کی پارٹی بازی کی وجہ سے وہ اس کام میں ناکام رہا۔ تاہم امیر چند کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو نا اُمید ہو جاتا۔ اُس نے جموں کے ایک ساہوکار سے روپیہ قرض لیا۔ جس قدر اسلحہ اور سامانِ جنگ فراہم کر سکتا تھا کیا۔ اور ریاسی پر چڑھائی کر دی۔ دیوان کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے۔ اُس نے راستہ میں ایک چٹھی لوگوں کو دکھائی اور ظاہر کیا کہ یہ راجہ گلاب سنگھ کے ہاں سے مجھے آئی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ مَیں خود جلد آؤنگا۔ اور مَیں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی زیادہ سے زیادہ مہربانی حاصل کر رہا ہُوں۔ اس طرح سے جنداہ اور چناس کے ایک صد راجپوت اُس کی فوج میں شامل ہو گئے۔ دیوان امیر چند نے ریاسی پہنچتے ہی باغیوں کی سرکوبی .... شروع کر دی۔ باغی قلعہ کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئے مگر دُوسرے دن جبکہ فوج میاں جواہر سنگھ اگادریہ کی کمان میں ایک گھاٹی سے گزر رہی تھی تو باغیوں نے حملہ کر دیا اور فوج تتر بتر ہونے لگی کہ اتنے میں زور آور سنگھ نہایت مردانگی سے

اپنے دس بیس ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ سے باہر نکل آیا اور اس قدر تلوار چلی کہ بہت سے باغی مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ ریاسی میں امن و امان ہو گیا۔ گلاب سنگھ لاہور سے ریاسی پہنچا تو دیوان امیر چند کی زبانی میاں جواہر سنگھ اگادریہ اور زور آور سنگھ کی بہادری کی تعریف سن کر اُن کو انعام و اکرام دیا۔ اور زور آور سنگھ کو ریاسی میں رہائش اختیار کرنے کے لئے مکانات بنوانے کا حکم دیا۔ میاں جواہر سنگھ اگادریہ اس انعام سے خوش نہ ہوا اور وہ ناراض ہو کر ریاسی سے اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے بعد گلاب سنگھ نے ریاسی کے سارے علاقے کا دورہ کیا اور سلال کے مقدم منور چوک جو کہ فسادی عناصر کا سرغنہ تھا، بہت سمجھایا اور امن و امان سے رہنے کے لئے کہا۔ لیکن اُس نے گلاب سنگھ کی اطاعت قبول نہ کی۔ مجبوراً اُسے پھانسی پر لٹکانا پڑا۔ اس طرح سے علاقہ ریاسی پر گلاب سنگھ نے اپنا پورا تسلط جما لیا۔

خطاب راجگی ہر سہ برادران

گلاب سنگھ ریاسی میں امن و امان قائم کر کے ابھی فارغ ہوا ہی تھا کہ انہیں خبر ملی کہ میاں سوچیت سنگھ کا تنازعہ سردار گوبند سنگھ کے ساتھ متعلقہ حد بندی گھر مولہ رام گڑھ ہو گیا۔ اور گلاب سنگھ نے رام گڑھ پہنچ کر اس جھگڑے کو ختم کر دیا۔ ان دنوں گلاب سنگھ، دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ تینوں بھائی رام گڑھ میں تھے۔ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بذریعہ خاص حکم انہیں لاہور بلایا۔ جمعدار خوشحال سنگھ افسر محلات کے ساتھ درباریوں کی مخالفت ہو گئی تھی۔ مہاراجہ نے اسے صوبیدار ملتان بنا دیا اور ہر سہ برادران گلاب سنگھ، دھیان سنگھ، سوچیت سنگھ کو خطاب راجگی عطا کر کے راجہ دھیان سنگھ کو افسر محلات کے عہدہ پر ممتاز کیا جو کہ وزیر اعظم سے اُتر کر منصب اور بڑا ذمہ داری کا عہدہ تھا۔

میاں ڈیڈو

راجہ ہری دیو مہاراجہ گلاب سنگھ سے چھ پشت پہلے جموں کا راجہ تھا جس کا راج ۱۶۷۳ء تک رہا۔ راجہ ہری دیو کے پانچ بیٹے تھے۔ پانچویں بیٹے دلیپ سنگھ کو علاقہ جھگٹی اور ارد گرد کے چند دیہات جاگیر میں دیے گئے تھے۔ موضع جھگٹی جموں سے دس میل شمال ایک پہاڑی پر جنگل کے درمیان واقع ہے۔ دلیپ سنگھ کی پانچویں پشت میں میاں ہزاری ایک بہادر اور شہ زور ہوا ہے۔ میاں ہزاری کے چھ بیٹے تھے جو کہ سب کے سب اپنے

پٹھانوں کی مانند بڑے طاقت ور اور شہ زور بیر تھے۔ میاں ہزاری کا دوسرا بیٹا میاں ڈیڈو ایک تنومند سجیل جوان ہو گزرا ہے۔ جسے اپنی بہادری اور شجاعت پر پورا بھروسہ تھا۔ اس طرح شجرہ نسب راجگان جموال کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور میاں ڈیڈو ایک ہی نسب کے دو سلسلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے سے چھ پشت پہلے دونوں کا بزرگ راجہ ہری دیو والئی جموں ہوا۔

میاں ہزاری کا جگٹی اور ارد گرد کے علاقے میں کافی اثر اور رعب تھا۔ وہ اس علاقہ کا جاگیردار تھا۔ مہاراجہ رنجیت دیو والئی جموں کے وقت اس نے کتنے ہی معرکوں میں شجاعت دی اور مردانگی کے جوہر دکھائے تھے۔ رنجیت دیو اور برج راج دیو کا زمانہ دیکھا تھا۔ میاں موٹا کی سربراہی میں راجہ جیت سنگھ کی حکومت بھی دیکھ رہا تھا اور اس وقت ستی اور نوے کے درمیان جا رہا تھا۔ لیکن ہمت میں جوانی اور بے باکی کا وہی عالم تھا۔
1780 سنہ ۱۷۸۰ء کے ماہ چیت میں میاں ہزاری کے ہاں ایک ایسے بچے نے جنم لیا جس کے متعلق پنڈتوں نے جیوتش لگا کر کہا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر نام پیدا کرے گا۔ ایسا نام کہ جو سدیو تک امٹ رہے گا۔ یہ بہادری، شجاعت اور دلیری گنتی میں اپنی مثال آپ ہو گا۔ ہزاری نے اپنے لڑکے کا نام ڈیڈو رکھا اور بچپن سے ہی سب اسے میاں ڈیڈو پکارنے لگے۔ میاں ڈیڈو نے دس برس کی عمر میں تیر کمان اور گتکا بازی میں مہارت حاصل کر لی۔ تلوار چلانا اور برچھی مارنا اس نے اپنے باپ سے ورثہ میں پایا تھا۔ گویا کہ سولہ سال کی عمر تک پہنچتے وہ تیر اندازی اور فن سپاہ گری کے تمام کرتبوں پر بخوبی حاوی ہو گیا تھا۔ اس کا کام شکار اور سیر کرنا تھا۔ باپ کی معمولی جاگیر سے غلہ وغیرہ جو آتا، اس پر سارے خاندان کا گزر چلتا تھا۔ میاں ہزاری جموں کے دربار میں آتا جاتا۔ لیکن میاں ڈیڈو ان حاضریوں سے فطرتاً بے نیاز تھا۔ میاں موٹا کی نگرانی میں جب برج راج دیو کا خورد سال بیٹا سمپورن دیو جموں کا راجہ تھا، اس نے ایک دن اپنے باپ سے دریافت کیا۔ "باپو! یہ جو میاں موٹا سنگھ ہے کیا اس کے بغیر برادری میں اور کوئی ایسا نہ تھا جو جموں کے راج کی نگرانی کرتا؟ باپو! تم نے کیوں نہیں کوشش کی؟ آخر ہم بھی تو اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔" تو ہزاری نے جواب دیا "نہیں بیٹا! ہم بہت دور سے ہیں۔ میاں موٹا جو ہے یہ راجہ سمپورن دیو کے باپ کا چچا زاد بھائی ہے۔ اس ناطے سے اسے نگرانی کا موقعہ مل گیا ہے۔" میاں ڈیڈو نے پھر اپنے باپ سے کہا

"نہیں باپو! یہ بات نہیں حکمرانی کا مدار زور بازو اور دماغی صلاحیت پر ہے۔ اور میاں موٹا زور بازو میں ہم سے کوئی زیادہ نہیں۔ رہی عقل یا دماغی صلاحیت، اس میں بھی وہ میرے خیال میں آپ سے بڑھ کر نہیں۔" میاں ہزاری نے ڈیڈو کو ڈانٹ کر کہا، "چپ رہو! تم ابھی بچے ہو۔ تم کیا جانو بہادری اور عقلمندی کی باتیں!" ڈیڈو کھسیانہ ہو گیا۔ چپ چاپ گھر سے کھسک گیا۔ رات کی تاریکی کی بھی پرواہ نہ کی۔ گھر والوں نے سمجھا کہ ڈیڈو بہت زیادہ غصّہ ور ہے۔ ناراضگی میں شاید جموں کو ہی چلا گیا ہے صبح جا کر پتہ لیں گے۔ لیکن دوسری صبح سورج چڑھنے سے پہلے ہی میاں ڈیڈو تیر کمان اور تلوار سے لیس فاتحانہ شان سے گھر کی ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے دو آدمیوں نے ایک بڑے چیتے کی لاش اٹھائی ہوئی تھی۔ یہ چیتا اپنے قد کے لحاظ سے شیر ببر سے کم نہ تھا۔ ڈیڈو نے چیتے کو آمنے سامنے ہو کر تلوار کے گھاٹ اتارا تھا۔ ڈیڈو نے آتے ہی اپنے باپ کو آواز دی "باپو! میں اس چیتے کو دست بدست مار کر لایا ہوں۔ ہے کسی میں ہمت اتنا بڑا چیتا مارنے کی؟ راجہ جموں کے پاس کوئی ایسا دلاور اور بے خوف بہادر ہے جو ایسا چیتا مار کر لا دے؟" گھر والے سب ہنس پڑے اور بات آئی گئی ہو گئی۔ میاں ڈیڈو کا معمول دور دور تک شکار کھیلنے کا بن گیا۔ اور اس سیر و شکار میں اس نے اپنی ایک زبردست پارٹی بنائی جس میں سب نوجوان تلوار کے دھنی اور تیر کمان چلانے والے تھے۔

یہ پارٹی ڈیڈو کی سرکردگی میں جموں کے پیچھے پہاڑی علاقہ ریاسی، اودھم پور اور جنڈراہ سرزمیں سر تک چکر لگاتی۔ یہاں تک کہ لوگوں کے آپس کے جھگڑے بھی جموں راج کی بجائے میاں ڈیڈو فیصلہ کر دیتا۔ یہ پارٹی غریبوں کی ہمدرد اور مددگار تھی۔ اور ایسا وقت آگیا کہ ڈیڈو کی دہائی علاقہ بھر میں پھرنے لگی۔ میاں ڈیڈو اور اس کے بھائیوں کی بہادری کا شہرہ جموں سے کانگڑہ تک تھا۔ اس کی پارٹی میں اس کے بھائیوں کے علاوہ میاں دھرم سنگھ جھجھوڑ، دیوانوں رائے پوربیہ، چین سنگھ پنتھل والا، سپتھی ڈوڈو، بھڈو یا بلاوریہ، جرعہ لنگیہ، رتارا، شیبو، چڑھتو اور پچاس کے قریب من چلے بہادر اور جانباز تھے۔ پہاڑ کے بائیس راجوں میں راوی کے اس پار اور اُس پار ہر جگہ میاں ڈیڈو کی دھوم تھی اور وہ اپنی پارٹی سمیت ہمیشہ دورہ پر رہتا۔ چھوٹے چھوٹے راجے ایک دوسرے کے خلاف لڑائی ہنگامہ کے وقت میاں ڈیڈو کو امداد کے لئے پکارتے۔ اور یہ مشہور ہو گیا تھا کہ جس

طرف ڈیڈو اپنی پارٹی کے ساتھ ہو جاتا ہے، جیت اُسی فریق کی ہوتی ہے یہ راجہ جیت سنگھ کا زمانہ تھا۔ ۱۸۰۸ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے بھائی گھکمان سنگھ چمینی کی امداد کے لیے مصر دیوان چند ایک لشکر جرار لے کر جموں پر چڑھ آیا۔ تاکہ جموں کے چکلہ کا الحاق سکھ سلطنت لاہور سے کیا جائے۔ تب میاں موٹا نے دیس کی آزادی اور ماتری بھومی کو غیر کے غلبہ سے بچائے رکھنے کے لیے جموں کے اندرونی پہاڑی علاقہ کے بہادر لوگوں، راجپوت سرداروں اور جاگیرداروں سے امداد کے لیے پکار کی۔ اور انہیں دیش کے لیے اپنا فرض چکانے کی یاد دلائی۔ راتوں رات پیادے سارے علاقہ میں گھوم گئے۔ لوگ جوق در جوق جموں کی طرف چل پڑے۔ علاقہ میں جابجا ساری رات مارو ڈھول بجتا رہا۔ میاں ڈیڈو اپنی پارٹی کے ایک جانباز کی شادی میں مع اپنے دوستوں کے شامل تھا۔ اور برات دریائے توی کے پار دھار انگری[1] میں آئی ہوئی تھی۔ آدھی رات کو جب کہ بیاہ کی رسوم ادا ہو رہی تھیں، اُس نے مارو ڈھول کی آواز سنی۔ چونک کر اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ جاؤ پتہ تو لگاؤ کہ مارو ڈھول اس وقت کاہے کا بج رہا ہے؛ کون سی آفت دیس پر منڈلانے لگی ہے؛ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ سرکاری پیادے جو علاقہ میں گھوم کر لوگوں کو حملہ روکنے کے لیے جموں پہنچنے کا پیغام دے رہے تھے، اُن میں سے ایک پیادہ ہاتھ میں مشعل لئے وہاں بھی آ پہنچا۔ پیادے نے میاں ڈیڈو کو دیکھا تو جھک کر نمسکار کی اور کہا میں آپ کے گھر سے دوڑتا ہانپتا یہاں آ رہا ہوں۔ آدھی رات کو وہاں پہنچا تھا۔" ڈیڈو نے پوچھا۔ "تو پھر کیا ہوا؛ مطلب کی بات کرو۔"

"میاں جی! جموں پر خالصہ فوج نے چڑھائی کر دی ہے۔ دیس کو اُن کے غلبہ سے بچانا ہے، جس طرح بھی ہو، اس حملہ کو روکنا ہے۔ میاں موٹا نے تو مجھے میاں ہزاری کے پاس موضع جنگنی میں بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میں بوڑھا ہوں اور بیمار بھی ہوں۔ اس لڑائی میں میرے بیٹے ہی امداد کے لئے پہنچ سکتے ہیں، میں نہیں۔ اور انہوں نے آپ کو یہ پیغام دینے کے لئے کہا ہے۔

---

[1] دھار انگری راجہ باہولوچن نے آباد کی تھی اور قلعہ باہو تعمیر کیا تھا۔ جموں اور باہو دو بھائیوں کی علیحدہ علیحدہ راج تھا۔ لیکن راجہ جیت سنگھ کے وقت میں باہو کا راج ختم ہو گیا تھا۔ دھار انگری اُجڑ رہی تھی۔ دو ایک گھر راجپوتوں کے صرف باقی تھے۔

میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب آپ جائیں۔" یہ کہہ کر پیادہ واپس ہو گیا۔ بیاہ کی رسُوم ختم ہوئیں۔ میاں ڈیڈو اور برات نے ناشتہ کیا اور لڑکی والوں کو کہا کہ "ہم ذرا جموں پر حملہ کا تماشا دیکھ آئیں۔ شام کو آکر دُلھن کی ڈولی لے جائیں گے۔"

ڈیڈو اور اُس کی جانباز پارٹی ڈھال تلوار، تیر کمان اور برچھیاں لئے قلعہ باہو کی اُونچی دیواروں پر آکر بیٹھ گئی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ جموں اور جموں کے اِس پار دریائے تَوی پر دونوں فریقین کے لشکروں کی کیا پوزیشن ہے۔ میاں ڈیڈو نے یہاں سے اپنے دو جانبازوں کو باہو، سوہانجن، چھنی اور آس پاس کی بکھری ہوئی بستیوں میں بھیجا۔ جہاں سے وُہ دوپہر ہونے تک ایک سَو کے قریب مسلح جوانوں کو اکٹھا کر لائے۔ اُدھر جموں میں گمٹ کے نیچے میدان میں سکھوں اور ڈوگروں کا مقابلہ شدت سے ہو رہا تھا۔ میاں ڈیڈو ڈیڑھ صد ڈوگرہ جوانوں کو جن میں اُس کی پارٹی کے تمام جانباز شامل تھے، لے کر دریائے توی پر کے جنگل میں چھپ گیا۔ اِس انتظار میں کہ وہ خالصہ فوج جو کہ توی کے اِس پار چھوڑی گئی ہے، پر موقعہ پاکر اچانک ٹُوٹ پڑے۔ چنانچہ جب دوپہر ڈھلے جموں سے خالصہ فوج کا پلڑا بھاری ہونے کی خبر توی پار کے سکھ فوجیوں کو ملی تو وُہ بڑے خوش ہوئے اور اپنی مستعد پوزیشن کو چھوڑ کر بے پرواہ ہو گئے اور اُدھر ڈوگروں کے پیر اُکھڑ رہے تھے کہ گلاب سنگھ بجلی کی مانند آ دھمکا۔ اور جو بھگدڑ ڈوگرہ کیمپ میں مچ گئی تھی، اُس سے ڈوگروں کو نکال کر خالصہ فوج سے لڑائی شروع کر دی۔ عین اِس وقت میاں ڈیڈو بھی توی پار کی خالصہ فوج پر ٹُوٹ پڑا۔ اُن کی ہستی پٹی بھُلا دی اور خالصہ فوج اپنی دو توپیں اور سامانِ حرب چھوڑ کر بھاگتے بنی۔ شام ہوئی تو میاں ڈیڈو فاتحانہ انداز سے دریائے توی عبور کر کے گمٹ کے دروازہ پر آ پہنچا۔ میاں موٹا سنگھ نے میاں ڈیڈو کو آفرین صد آفرین کہا اور اعلان کیا کہ آج کی جنگ، گلاب سنگھ اور میاں ڈیڈو کی غیر معمولی بہادری سے جیتی گئی ہے۔

لہ ریاست جموں و کشمیر اور پنجاب یا سکھ ہسٹری کے مورخین نے کہیں بھی ۱۸۰۸ء کی جنگ میں جو کہ ڈوگروں اور سکھوں میں ہوئی اور جس میں گلاب سنگھ نے اپنی سولہ سال کی عمر میں بہادری کے جوہر دکھائے، میاں ڈیڈو کے متعلق نہیں لکھا کہ اس جنگ میں وُہ بھی کبھی شامل تھا۔ لیکن ڈیڑھ سو سال گزرنے پر آج بھی ڈوگرہ دیس کا بچہ بچہ اپنے بزرگوں کے اُس جنگی کارنامہ پر فخر سے تذکرہ اُٹھتا ہے کہ گلاب سنگھ اور میاں ڈیڈو نے اگر ...

ڈیڈو کی بغاوت

جب دوسرے دن شادی وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈیڈو شام کو گھر پہنچا تو اُس کے باپ میاں ہزاری نے کہا۔ "ڈیڈو! کل والی لڑائی کا جو حشر ہوا ہے، سُن لیا ہے تم نے؟" اُس نے حیرانی سے اپنے باپ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔" میاں ہزاری نے کہا۔ "اکھنور کے اوتار سنگھ اور جموں کے میاں موٹا کو جموال برادری نے سکھوں سے صلح کرنے کے لئے اختیار دیا ہے جنہیں کہ کل سینہ توڑ شکست دی گئی۔" اس پر میاں ڈیڈو نے سخت پیچ و تاب کھایا اور کہنے لگا۔ "ہماری کل کی محنت اکارتھ ہی گئی۔ اچھا جب تک جان میں جان ہے، جموں کے اس علاقہ میں سکھوں کے غلبہ کو ختم کر کے ہی دم لوں گا۔"

خالصہ قبضہ کے خلاف جہاد

رانی بندرال کی سازشوں سے جموں کے حالات دن بدن ابتر ہو رہے تھے۔ میاں موٹا کے قتل ہوتے ہی جموں پر لاہور دربار کا براہِ راست قبضہ ہو گیا۔ اس قبضہ سے جتنے بھی اندرونِ علاقہ میں راجپوت قبائل تھے، سب نے بُرا منایا لیکن مصلحتاً چُپ ہو رہے۔ میاں ڈیڈو

(فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے آگے) نے اکھٹے ہو کر اس جنگ میں دُشمن کو نیچا دکھایا تھا۔ میں نے ڈوگری کے شاعر شری دیو بھائی پنت کا "بیر گلاب" ایک منظوم پمفلٹ پڑھا جس میں میاں موٹا کی کمان میں دشمن کے خلاف، ڈوگرہ دیس کے نوجوانوں کی بہادری اور شجاعت بیان کی گئی ہے۔ اسی منظوم کتاب میں میاں ڈیڈو اور گلاب سنگھ کا دوش بدوش ہو کر دشمن کو پیچھے دھکیلنے کا تذکرہ ہے۔ میں نے دینو پنت سے مل کر کہا کہ آپ نے ایک ایسے واقعہ کو لکھ دیا ہے جو کہ اس سے پہلے کسی تاریخ میں نہیں آیا اور جو کہ بالکل سچا واقعہ ہے اور سینہ بسینہ چلا آ رہا ہے۔ تب اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ واقعہ بالکل سچا اور حقیقی ہے۔ میں نے جگٹی میں جا کر میاں ڈیڈو کے وارثوں سے یہ ساری کہانی سُنی ہے۔ جن لوگوں نے میاں ڈیڈو پر نازیبا حملے کئے ہیں اور اُسے ایک ڈاکو اور لٹیرے سے ملا کر گلاب سنگھ کے ہاتھوں قتل کرایا ہے، اُنہوں نے ڈوگرہ دیس کے اِن آزادی کے دونوں پروانوں گلاب سنگھ اور ڈیڈو سے انصاف نہیں کیا ہے۔ میاں ڈیڈو دیس کی آزادی کے لئے آخری دم تک لڑتا بھوکا پیاسا رہا۔ جنگلوں میں چھپتا پھرتا رہا۔ گھر گھاٹ چھوٹ گیا اُس کا لیکن اُس نے بیرونی حکومت کے آگے سر نہ جھکایا۔ سنہ ۱۸۰۸ء میں جو جنگ ہوئی، ڈیڈو کی عمر اُس وقت ۲۸ سال کی تھی۔ گلاب سنگھ (باقی اگلے صفحہ پر)

Scanned with CamScanner

پہلے سے ہی باغیانہ روش اختیار کئے تھا۔ اُس کی جانباز پارٹی کے آدمی اندرون علاقہ میں اپنی علیحدہ حکومت بنانے پر مُصر تھے۔ چنانچہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خاص حکم سے جموں میں دو ہزار سے اُوپر فوج تعینات کی گئی۔ دیوان بھوانی داس اور بھیا رام سنگھ جموں میں چھاؤنی اور تھانہ کے انچارج تھے۔ لیکن اُنہیں جلد ہی محسوس ہو گیا کہ یہ ایسا علاقہ ہے جس پر حکومت کرنا لوہے کے چنے چبانا ہے۔ میاں ڈیڈو اور اُس کی پارٹی کے جانباز جہاں بھی جاتے، جموں کی حکومت کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے۔ مالیہ یا لگان نہ دینے کا پرچار کرتے۔ اِس حکومت کے باپ کا کیا لگتا ہے یہاں ؟ یہ ہماری دھرتی ہے۔ ہمارا دیس ہے۔ ہم سب ایک ہیں۔ اپنے دیس پر حکومت کرنے کا ہمارا حق ہے۔ لاہور سے اُٹھ کر یہاں حکومت کرنے والے یہ کون ؟ ایسی ایسی باتیں، جہاں جاتے، لوگوں کو اکٹھا کر کے کرتے۔ پہلے پہلے تو جموں کی خالصہ حکومت نے اِس شوریدہ سر پارٹی کو کوئی اہمیت نہ دی لیکن جب اُنہوں نے دیکھا کہ جموں شہر سے تو ہم ٹیکس وغیرہ وصول کر لیتے ہیں اور لوگ دو دو پیسہ نذرانہ فی گھر دے رہے ہیں لیکن دیہات سے ایک پائی بھی وصول نہیں ہو رہی۔ اِس طرح سے دربار لاہور میں ہم کس طرح بالمقطع نقدی داخل کر سکیں گے۔ تو اُنہوں نے فوج کے سپاہیوں کو سارے علاقہ میں جگہ بہ جگہ پھیلا دیا۔ کہ اُن کے خوف سے میاں ڈیڈو اور اُس کی جانباز پارٹی اپنی حرکتوں سے باز آجائے گی لیکن اندرون علاقہ میں پھیلے ہوئے سپاہیوں کی شامت آگئی۔ میاں ڈیڈو اور اُس کی پارٹی دو حصوں میں تقسیم ہو کر ٹولی کے آپیا لے چھا گئی۔ اور جہاں جہاں سرکاری سپاہی نظر آئے

(فُٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے آگے) اور ڈیڈو کا اُس جنگ میں اکٹھے ہو کر لڑنے کی کہانی ہم رام کوٹ میں بھی سُنتے تھے میرے ساتھ چھٹی چارڈکاں تحصیل جموں کا ایک چاڑک چوہدری مٹو کا نامی ملازم تھا۔ جب کبھی پُرانے بہادروں، راجاؤں اور مہاراجاؤں کی باتیں رام کوٹ کے راجاؤں کو سُناتا تو چوہدری ملو کا چاڑک میاں ڈیڈو کی بہادری کے قصے بڑے چٹخارے لے لے کر بیان کرتا اور یہ بھی کہتا کہ آگے جا کر مہاراجہ گلاب سنگھ اور میاں ڈیڈو کی دشمنی ہو گئی تھی۔ لیکن جب پہلے راجہ جیت سنگھ کے وقت میں سکھوں نے جموں پر حملہ کیا تو گلاب سنگھ اور ڈیڈو نے اکٹھے ہو کر دشمن کا منہ توڑا تھا۔ چوہدری ملو کا ہی یہ بھی سُنایا کرتا تھا کہ اُس کے اپنے بزرگ بڑے بہادر ہو گزرے ہیں۔ اور اُس کا ایک بزرگ میاں ڈیڈو کے بہت نزدیک تھا۔ اُس نے اپنے پڑدادا سے (جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا) میاں ڈیڈو کی یہ باتیں سُنی ہوئی تھیں۔ (زینو لعت)

اُنہیں مار دیا گیا۔ اس صورتِ حال سے جموں کے خالصہ حکمران گھبرا گئے۔ اُنہوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو لکھا کہ میاں ڈیڈو ایک بے خوف راجپوت سردار جموں کے اندرون علاقہ میں ایسا اُبھرا ہے جو ہماری حکومت کے نظم و نسق کو علاقہ میں چلنے نہیں دیتا۔ اُس کے الفاظ قانون کا حکم رکھتے ہیں۔ ہمیں تو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ اس پہ دوبارہ لاہور سے سردار فتح سنگھ مان۔ دیوان کرپا رام چوپڑہ۔ سردار عطر سنگھ کو میاں ڈیڈو کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ ان سرداروں نے باری باری لشکرِ جرار کے ساتھ اندرون علاقہ میں میاں ڈیڈو پر دھاوا کیا۔ لیکن وہ کہیں ہوتا تو ملتا۔ جوں ہی یہ سردار اپنی فوج لے کر ڈیڈو کو گرفتار کرنے آتے، وہ جنگلوں میں چھپ جاتا یا پہاڑ پر چڑھ جاتا۔ اور جب اُسے پتہ لگتا کہ خالصہ حاکم واپس جموں چلے گئے ہیں، تو وہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر سرکاری آدمیوں کا ناک میں دم کر دیتا یا ہلاک کر دیتا۔

سفید باز کی حکایت

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے سفید باز مہاراجہ کے اپنے لئے وقف تھے اور سلطنت پنجاب کے کسی فرد کو اجازت نہیں تھی کہ وہ سفید باز رکھ سکے۔ چنانچہ یہ بھی حکم نافذ تھا کہ جس کسی کو سفید باز ملے وہ مہاراجہ کے حضور میں پیش کر دے۔ لیکن یہاں سفید باز ایک کی بجائے دو میاں ڈیڈو نے اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اطلاع ملی تو اُس نے حکم دیا کہ میاں ڈیڈو کو سفید بازوں کے ساتھ گرفتار کر کے لاہور لایا جائے۔ کمیدان نین سنگھ کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ نین سنگھ نے جموں پہنچ کر دیوان بھوانی داس کے مشورہ سے بیس پچیس سپاہیوں کا ایک دستہ میاں ڈیڈو کی گرفتاری کے لئے جگتی بھیجا۔ اتفاق سے میاں ڈیڈو اپنے باپ کی بیماری کی وجہ سے اُس دن گھر پر ہی مل گیا۔ سپاہیوں نے اُس کے مکان کو گھیر رکھا تھا۔ ڈیڈو نے انہیں پوچھا "اس محاصرہ کا مطلب؟ جب کہ میں خود جانے کو تیار ہوں اور باز پیش کر رہا ہوں۔ میں کھانا کھا لوں۔ اتنے میں آپ بھی کھانا کھائیں"۔ سپاہی بے حد خوش ہوئے۔ ڈیڈو نے انہیں رسد وغیرہ دی اور سپاہی کھانا بنانے لگے۔ میاں ڈیڈو نے اندر آ کر اپنی بیوی کو باز دے کر کہا کہ پچھلی طرف سے جنگل کو نکل جاؤ۔ ابھی سپاہیوں نے آگ ہی سلگائی تھی کہ ڈیڈو تلوار سونت کر اُن پر ٹوٹ پڑا۔ دس بارہ سپاہی وہیں ڈھیر ہو گئے اور باقی دس بارہ بھاگ گئے۔ جموں میں خالصہ حاکموں کو جب خبر پہنچی تو وہ پریشان ہوئے۔ اُدھر مہاراجہ رنجیت سنگھ ناراض ہونے لگے کہ ایک ڈاکو کو فوج گرفتار نہیں کر سکتی۔ لیکن وہ ڈاکو نہیں تھا۔ وہ تو ایک گوریلا

کوہستان جموں کا گوریلا جرنیل
میاں ڈیڈو

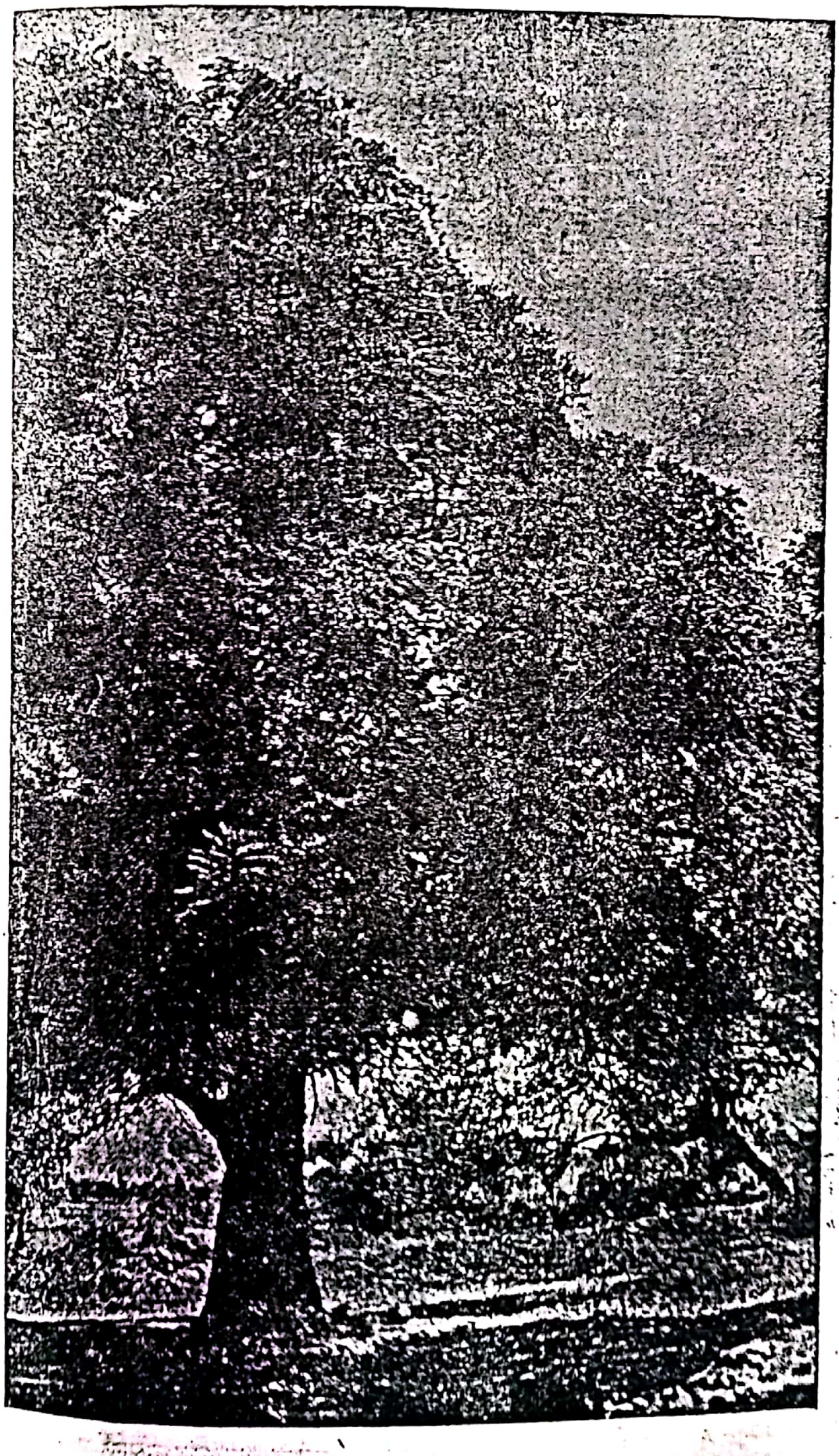

جیا پوتا کا تاریخی درخت

جرنیل تھا جسے بیرونی غلبہ سے نفرت تھی۔ وُہ خالصہ حکومت کے سخت خلاف تھا۔ اُس نے دیوی ترِکُٹا کے سامنے پرن کیا تھا کہ اِس حکومت کو ختم کر کے اپنی حکومت جموں پر قائم کرے گا۔

اُس نے اب اپنے گاؤں اور گھر میں آنا چھوڑ دیا۔ اپنی پارٹی کے ساتھ جنگل میں رہنا شروع کر دیا۔ اور کوئی ہفتہ خالی نہ جاتا تھا جبکہ وُہ اپنے پچاس ساٹھ جانبازوں کے ساتھ جموں کی خالصہ چھاؤنی اور تھانہ پر دھاوا نہ کرتا۔ بسا اوقات وُہ ساری ساری رات جموں میں رہتا۔ یہاں جشن اُڑاتا اور صبح ہوتے چلا جاتا۔ اندرون علاقہ جموں میں لوگ پہلے تو اُس سے خوف زدہ تھے لیکن جب اُنہیں معلوم ہوا کہ میاں ڈیڈو غریبوں اور عام لوگوں کا ہمدرد اور حکومت کی سختیوں کے خلاف ہے تو وُہ لوگوں میں ہر دلعزیز اور مقبول ہو گیا۔ لوگ اُس کی سوگندھ نہ کھاتے۔ لوگ اُسے اپنا لیڈر ماننے لگے۔ کسی بھی معاملہ یا جھگڑا کے لئے لوگ جموں جانے کی بجائے میاں ڈیڈو کو ڈھونڈتے۔ اِس طرح سے لاہور دربار کے حکام کے خلاف ایک ہمہ گیر بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے۔ سرکاری آدمی ڈیڈو کا نام سُن کر کانپ اُٹھتے۔ وُہ اِس قدر طاقت ور تھا کہ جسے اُس کی تلوار چھُو جاتی، پھر دُوسرا سانس نہ لیتا۔ کسی سپاہی یا سرکاری افسر کو ڈیڈو سے لڑنے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ جو سپاہی جموں سے باہر جاتا، پھر زندہ نہ آتا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جموں کے سکھ حکام نے اُسے کہا کہ "ہم تمہیں جموں کا راج دلانے کی سفارش کرتے ہیں کیونکہ تمہاری وجہ سے ہمارا قانون اور حکم معطّل ہو چکا ہے۔ تم اگر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس لاہور چلو اور اُن سے وفاداری کا اظہار کرو تو جموں کی حکومت تمہارے حوالے کی جا سکتی ہے"۔ مگر میاں ڈیڈو نے کہا "میں تمہاری چالبازیوں سے اچھی طرح واقف ہوں"۔ پھر اُنہوں نے سوگندھ کھائی اور کہا کہ اِس میں [illegible] کھلا ہے۔ تمہیں حکومت مل جائے گی اور ہماری خلاصی ہو جائے گی"۔

میاں ڈیڈو اُن کے کہنے سے لاہور چلنے کے لئے جموں آ گیا۔ جموں پہنچتے ہی حاکم نے اُسے گرفتار کر لیا۔ دن بھر ڈیڈو قید رہا۔ جب شام ہوئی تو پہرے والے سے پانی مانگا۔ پہریدار نے پانی کا گڑوا دیا۔ ڈیڈو نے یہی گڑوا اُس زور سے پہریدار کے سر پر مارا کہ اُس کا سر پھٹ گیا اور وُہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میاں ڈیڈو نے پاؤں کی بیڑی

توڑ ڈالی اور بھاگ گیا۔ اس کے بعد اُن کی سختیاں اور سینہ زوریاں زیادہ بڑھتی گئیں اور وُہ پہاڑوں کی گپھاوں اور گھنے جنگلوں میں چھپ جاتا۔ اور وہاں سے نکل کر جب بھی سُنتا کہ سرکاری آدمی آئے ہیں، اُن پر حملہ کر دیتا۔ ایسے حالات میں ڈیڈو اور اُس کی پارٹی کے جانبازوں کو کئی کئی دن بھوکے رہنا پڑتا۔ وُہ موقعہ پا کر بستی میں اپنے دو تین جانباز بھیجتا اور وُہ اُس کے نام پر رسد وغیرہ لے آتے۔

ایک دفعہ میاں ڈیڈو اکیلا رہ گیا۔ اُس کے جانباز کسی دُوسری سمت چلے گئے۔ ڈیڈو بھوک سے پریشان تھا۔ دو دن سے اُس کے حلق میں سُوکھی روٹی کا بھی ٹکڑا نہ گیا تھا۔ مجبوراً اپنی غار سے نکلا اور نزدیکی بستی میں پہنچنے کی سوچ رہا تھا کہ ایک آدمی گٹھڑی اُٹھائے جاتا اُسے نظر پڑا۔ اُس نے اُسے آواز دی "او جانے والے ذرا ٹھہر جا!" یہ آدمی اپنے بھائی کے پاس لاہور جا رہا تھا جو وہاں فوج میں ملازم تھا۔ اُس کی ماں نے شہد اور ستّو اپنے بیٹے کو سوغات کے طور بھیجے تھے۔ وُہ آدمی ٹھہر گیا۔ اور ڈیڈو نے اُس کے پاس جا کر گٹھڑی کھولی اور شہد اور ستّو نکال کر سب کے سب کھا گیا۔ پاس نالے سے پانی پی کر اُس نے مسافر کو کہا "مجھے بڑا آنند آیا تمہاری ان چیزوں سے۔ یہ لو ایک اشرفی۔ اور واپس اپنے گھر جاؤ۔ جا کر اپنی ماں سے کہنا کہ تمہارے بیٹے میاں ڈیڈو نے بھوک سے تنگ آ کر ستّو اور شہد کھا لیے ہیں اور اس کے معاوضہ میں اشرفی بھیجی ہے۔"

کئی بار اُس نے بحالت فاقہ گھراٹ پر جا کر آٹا لے کر کھانا بنایا۔ اُس نے بارہا اپنی جانباز پارٹی کو لے کر جموں پر دھاوا کیا۔ لیکن منڈی میاں کی میں جہاں کہ لاہور دربار کا تھانہ تھا۔ جموں کے شہریوں پر اُس نے کبھی کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔ وُہ سرکاری دفتروں اور تھانوں کو لوٹتا تھا۔ عوام سے اُسے بے حد محبت تھی۔ دیس کی آزادی اور آن پر مرمٹنا اُس کا دھرم تھا۔ مظلوموں کی حمایت میں اپنی جان لڑا دیتا تھا۔ بہو بیٹیوں کی عزت اور آبرو کی حفاظت اُس کا شیوہ تھا۔ اس کے لئے اُسے اکثر جان جوکھوں میں ڈالنا پڑی۔

۱۸۱۶ء اکتوبر میں شہزادہ کھڑک سنگھ خود جموں کے دورہ پر آیا اور تمام حالات میاں ڈیڈو کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جا کر گوش گذار کئے کہ جموں کے علاقہ میں ڈیڈو ہی راج ہے۔ اپریل ۱۸۱۷ء میں جمعدار خوشحال سنگھ اور سردار دیسہ سنگھ مجیٹھیہ کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار میاں ڈیڈو کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر ڈیڈو بھاگ گیا اور کسی ہی ملت

کہیں دکھائی نہ دیا۔

۱۸۱۹ء میں پنڈت بیربر در کشمیر اور لاہور کی سیاسیات میں جس کا اُن دنوں بہت زیادہ ہاتھ تھا، نے براستہ بانہال مہاراجہ رنجیت سنگھ کو میوہ کشمیر از قسم سیب، ناشپاتی بڑی بھاری ڈالی بھیجی۔ میاں ڈیڈو کو پتہ چلا تو وُہ اپنے دو تین ساتھیوں کے ساتھ اُن مزدوروں پر ٹوٹ پڑا جو ڈالی لئے جا رہے تھے۔ اُنہیں لوٹ لیا اور میووں کی جگہ کوڑا کرکٹ بھر دیا۔ جب ڈالی اس حالت میں رنجیت سنگھ کے سامنے پیش ہوئی تو وُہ غصّہ سے آگ بگولا ہو گیا اور دیوان بھوانی داس کو جموں میں حکم بھیجا کہ اگر پانچ یوم کے اندر تم نے اور بھیّا رام سنگھ نے میاں ڈیڈو کو زندہ گرفتار کر کے لاہور نہ بھجوایا تو تم دونوں کو اُس کی بجائے اسیرِ سُلطانی بننا پڑے گا۔ اور دیوان شنکر داس کو اپنے احکام کی تعمیل کرانے کے لئے جموں میں بہت سی فوج دے کر بھیجا گیا۔ دیوان بھوانی داس اور بھیّا رام سنگھ نے میاں ڈیڈو کی گرفتاری کے لئے کئی چالیں چلیں۔ دن رات ایک کر دیا۔ وُہ اُس کے دو تین ساتھیوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب تو ہو گئے۔ لیکن میاں ڈیڈو نہ مل سکا۔ ڈیڈو کے دو ساتھیوں میاں ڈیہ اور رائے پیدیہ اور جھفو کو گرفتار کر کے لاہور بھیج دیا گیا۔ اور جُرمانہ لنگہہ کا پیٹ چاک کرا دیا۔ جموں کے علاقہ کے تمام راجپوت سرداروں نے اس قسم کے ظلم اور سختی پر بہت بُرا منایا۔ اور ایسی سختی اور تشدد ایک عام شورش کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جموں کے پیچھے کے تمام علاقے نے سکھ حکومت کا جوا اپنے کندھوں پر سے اُتار پھینکا۔ اور میاں ڈیڈو نے پبلک ہیجان کی رہنمائی اختیار کر کے ایک ہمہ گیر شورش بپا کر دی۔ اور ان سرگرمیوں نے ایسی خطرناک صورت اختیار کر لی جس سے حکمران طبقہ میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ یا تو اس صورتِ حالات کا خاتمہ کر دیا جانا چاہیئے — یا مہاراجہ رنجیت سنگھ کو جموں سے دست بردار ہو کر سیالکوٹ میں اپنا ڈیرہ ڈالنا چاہیئے۔

ایسے مخدوش حالات کی خبر لاہور پہنچی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کو کہا کہ "لاہور دربار کے سردار اپنا اپنا زور لگا چکے ہیں۔ لیکن ایک پہاڑی ڈاکو کی گرفتاری عمل میں نہ آسکی۔ یقیناً ڈیڈو ایک طاقتور اور باشوخ باغی ہے جس نے ہماری حکومت کو جموں میں لرزش دے رکھی ہے۔ اگر تم جاؤ اور اپنی حکمت عملی سے اُسے گرفتار کراؤ تو بہت بڑی خدمت خالصہ سرکار کی کرو گے۔" گلاب سنگھ نے سر جُھکا دیا۔

دُوسرے دن گلاب سنگھ کے ساتھ سردار ہری سنگھ نلوہ اور عطر سنگھ کلال اور رنجیت سنگھ اٹاری والے

دستہ فوج مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ہمراہ کر کے جموں کی طرف روانہ کیا۔ گلاب سنگھ نے شیخو پورہ کے قلعہ سے میاں ڈیڈو کے ساتھیوں دیوانوں رائے پوریہ اور جھفو کو چھڑا لیا اور انہیں اپنے ساتھ لے لیا۔ جموں تک ان دونوں جانبازوں کو گلاب سنگھ نے اپنے رسالے میں ڈھال لیا۔ گلاب سنگھ نے ان سے کہا "مدعا تو یہی ہے کہ جموالوں کو اپنے علاقہ کی حکومت حاصل ہو اور سکھوں کا غلبہ جموں سے ختم ہو۔ تم بھی اور تمہارا سردار میاں ڈیڈو یہی چاہتے ہیں نا۔ اور مجھے جو قسم دینا ہو دے لو۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ ہم برادری میں ایک اور سلسلہ نسب ہمارا ایک۔ جنم بھومی ہماری ایک اور ایک ہی ہمارا مقصد۔ تو پھر سمجھ نہیں آتی کہ اتنا بڑا ہنگامہ کس لئے کھڑا کر رکھا ہے تم لوگوں نے؟" دیوانوں رائے پوریہ نے گھور کر گلاب سنگھ کو دیکھا اور پوچھا "کیا آپ سچ سچ کہہ رہے ہیں؟" گلاب سنگھ نے جواب دیا "بالکل سچ۔ میں تم لوگوں کا اپنا آدمی لاہور دربار میں بیٹھا ہوں۔ دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ بھی وہاں ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر تم لوگ مان جاؤ تو اور کچھ نہ سہی، اپنا وطن واپس لینے کی خاطر ہی میرے ساتھ وہاں چلو۔ میں تم سب کو فوج میں رتبہ اور اعلےٰ عہدہ دلاؤں گا۔ میاں ڈیڈو کو فوج میں سرداری دلانے کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ اور جب ہم سب وہاں اپنی ذمہ داریوں پر ڈٹ گئے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کسی مشکل مہم میں اپنی بہادری کی جھلک دکھائی تو وہ خود سارا علاقہ واپس دے دے گا۔" جموں پہنچ کر گلاب سنگھ نے دیوانوں اور جھفو کو کہا کہ اپنے اپنے گھروں سے ہو آؤ اور آتے ہوئے جتنے بھی تمہارے ساتھی تمہیں ملیں انہیں لیتے آؤ۔ دوسرے دن سکھا سنگھ، گدی باغل اور میاں جواہر سنگھ اگوریہ کو وہ اپنے ساتھ لے آئے۔ میاں جواہر سنگھ اگوریہ سے گلاب سنگھ اٹھ کر بغل گیر ہوا اور اسے کہا "بھائی تم ناراض ہو کر چلے گئے تھے لیکن ہم نے کبھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا اور اپنے پاس بلا لیا۔ یہ روز روز کی دشت نوردی چھوڑو۔ دن کو چین نہ رات کو نیند۔ مارے مارے پھرنا۔ اگر سیدھی انگلی سے گھی نکل آئے تو ٹیڑھی کرنے کی ضرورت؟ تم جا کر میاں ڈیڈو کا پتہ لگاؤ۔ یہ اسی کے فائدہ کی بات کہہ رہا ہوں۔ میں نے میاں دیوانوں سے سب بات کہہ دی ہے۔ مجھے ڈیڈو سے ملاؤ یا اسے میرے

لہ میاں جواہر سنگھ اگوریہ نے ریاسی کے فتح کرنے میں کمال جرأت کا ثبوت دیا تھا اور راجہ گلاب سنگھ نے اس کو اور جرنیل زورآور سنگھ کو انعام و اکرام دیا تھا۔ لیکن جواہر سنگھ اس انعام سے خوش نہ ہوا۔ انعام واپس کر دیا اور ناراض ہو کر میاں ڈیڈو سے جا ملا تھا۔

پاس خفیہ طور لے آؤ۔ میں بچن دیتا ہوں کہ اُسے میرے پاس آکر کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ اگر وہ میرے پاس آنا نہ مانے تو میں اُس کے پاس چلا جاؤں گا۔ ہم سب کا مقصد یہی ہے کہ جموں پر سے بیرونی غلبہ ختم ہو۔ میں اس غلبہ کو حکومت کے اندر جاکر ختم کرنا چاہتا ہوں اور تم لوگ اور تمہارا سردار ڈیڈو حکومت سے باہر رہ کر ہنگامہ بپا کرکے حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں لیکن حالات ایسے ہیں کہ ہم اگر پچاس سال بھی حکومت سے باہر رہ کر ہنگامہ بپا کرتے رہیں تو کامیاب نہ ہوں گے۔ ہنگامہ سے اپنے ہی لوگوں کی تباہی، خونریزی اور بربادی ہوگی۔ گرفتاریاں ہوں گی اور جیل میں اذیتیں برداشت کرنا پڑیں گی۔ لاہور دربار سے ٹکرانا اپنے آپ کو پاش پاش کرنا ہے۔ تم جاؤ اور میاں ڈیڈو سے میری بات کہہ دو۔ تم اگر ہماری ملاقات کرا سکو تو اس سے بہتر کوئی بات نہ ہوگی۔ ڈیڈو کے پایہ کا ایک بھی آدمی ہمارے دیس میں نہیں۔ وہ بہادری میں یکتائے زمانہ ہے۔ اور جتنے بھی جانباز اُس کے ساتھی تم جیسے نوجوان ہیں، سب کی جرأت، بے باکی اور نڈرتا کی داد دینا پڑتی ہے لیکن اس بہادری اور جانبازی کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اسے اپنی ہی جان کندنی اور تباہی کا سبب بنا دیں"۔

میاں جواہر سنگھ اگورے میاں ڈیڈو کی تلاش میں گیا۔ وہ میاں ڈیڈو سے ملا۔ لیکن اُس نے گلاب سنگھ سے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ اُس نے کہا "گلاب سنگھ سرکاری آدمی ہے۔ اُس سرکار کا جس نے ہمارے دیس پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اُسے حکومت کے اندر بیٹھ کر جموں کو واپس لینا مبارک ہو۔ لیکن میں غیر کی حکومت میں جانے اور غلامی اختیار کرنے سے مرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ مجھے میری زندگی میں دیس کی حکومت واپس نہ ملے لیکن میری آن اور عزت تو قائم رہے گی۔ مہارانا پرتاپ کا نام بھارت کے بچے بچے کی زبان پر ہے۔ اُس کا نام لیتے ہی عقیدت سے سر جھک جاتا ہے۔ وہ مغل بادشاہ کے سامنے جھکا نہیں۔ اُسے میواڑ واپس مل سکتا تھا۔ میواڑ کے علاوہ جتنی جاگیریں اور علاقے چاہتا وہ اُسے دیے جا سکتے تھے۔ لیکن اُس نے مغل بادشاہ کی غلامی قبول نہ کی۔ وہ مر گیا مگر اُس کے سامنے جھکا نہیں۔ مجھے گلاب سنگھ ذلت اور غلامی کے راستے پر ڈالنا چاہتا ہے۔ مجھے وہ اس راستے چل کر حکومت دلا رہا ہے۔ اگر یہ حکومت سورگ ہے تو میں اسے نرک سے بھی بدتر تصور کرتا ہوں۔ میرا اور گلاب سنگھ کا واسطہ بھی کیا ہے۔ میری اُس سے دشمنی

نہیں۔ میرا وُہ عزیز ہے لیکن اُس کا راستہ الگ ہے اور میرا الگ۔ میں ایک صاف گو اور سیدھا سادہ ڈوگرہ سپاہی ہُوں۔ وُہ دربار لاہور کا ہیاتا پُرزہ اور چالاک پنیتی دان ہے۔ میری اُس سے مناسبت؟ اگر نہیں تو پھر ملاقات کا ڈھونگ؟ تم جاؤ اُس سے کہہ دو کہ میاں ڈیڈو کو مرنا قبول ہے لیکن اس پوزیشن سے ہٹنا منظور نہیں۔"

میاں جواہر سنگھ اور اُس کے دونوں ساتھی جب مایوس اور بے دِل گلاب سنگھ کے پاس پہنچے تو ڈیڈو نے جو کچھ کہا تھا وُہ سب گوش گذار کر دیا۔ گلاب سنگھ ڈیڈو کو اپنے حلقہ میں لانے سے جب نا اُمید ہو گیا تو اُس نے اندرون علاقہ کے راجپوت سرداروں کو بُلایا۔ سب نشیب و فراز سمجھا کر اُن سے وعدہ لیا کہ وُہ سرکشی کی راہ چھوڑ دیں۔ اس کے بعد میاں ڈیڈو کی سرزنش کے لئے گلاب سنگھ نے جو طریقے روا رکھے، وہ اپنی ہی نوعیت کے تھے۔ میاں ڈیڈو کے متعلق اُس نے سُنا کہ وُہ جہاں جاتا ہے، لوگ اُسے رسد وغیرہ لے کر ملتے ہیں اور نذریں دیتے ہیں۔ اور ایک گاؤں سے دُوسرے گاؤں میں جہاں کہیں باغی سردار جاتا، دیہاتی بھیڑ چال کی مانند اُس کی ضروریات پُوری کر دیتے۔ اُس نے سوچا کہ ایک بار ڈیڈو کو ملنا ضروری ہے، خواہ اُسے گرفتار کیوں نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ گلاب سنگھ اندرون جموں کے تمام دیہات میں گھومتا۔ اور جہاں جاتا، ڈیڈو کے نام سے راشن طلب کرتا۔ اور جب لوگ راشن لے کر آتے تو اُنہیں کہتا کہ مَیں ڈیڈو نہیں ہُوں۔ گلاب سنگھ میرا نام ہے۔ لوگوں کو جب پتہ لگا کہ ڈیڈو کے نام سے گلاب سنگھ اُن کے علاقہ میں آیا ہوا ہے تو اس خوف سے مبادا ڈیڈو کی امداد کے لئے اُنہیں گرفتار کر لیا جائے، اُنہوں نے ڈیڈو کو راشن دینا بند کر دیا۔

گلاب سنگھ اپنی اِس چال کے کامیاب ہونے پر دِل ہی دِل میں خوش ہوُا۔ اور اُس نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ جنگی کو گھیرے میں لے کر ڈیڈو کو اُس کے مکان سے گرفتار کر لیا جائے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ اُسے کوئی چوٹ یا زخم نہ آئے۔ فوج نے گھیرا ڈال لیا۔ ڈیڈو گھر پر نہ تھا۔ وُہ کٹڑہ سے اُوپر ویشنو دیوی کے پہاڑوں میں معہ بال بچوں کے چلا گیا تھا۔ گھر پر بوڑھا باپ تھا۔ اور حادثہ یہ ہوُا کہ فوج کے کمانڈر سردار عطر سنگھ کلاں نے میاں ڈیڈو کے باپ میاں ہزاری نوّے [۹۰] سالہ بُوڑھے کو چار ٹکڑے کر کے اُس کے دروازے پر لٹکا دیا اور فوج کو حکم دیا کہ وُہ کٹڑہ پر چڑھ دوڑے۔ گلاب سنگھ نے میاں ہزاری کی ہلاکت اور اِس طرح کی

بے حرمتی پر بہت بُرا منایا۔ لیکن مصلحت وقت سے چُپ رہا۔ کٹڑہ پہنچے تو معلوم ہُوا کہ ڈیڈو وِشنو دیوی کی ڈھکی چڑھ گیا۔ فوج نے اُس کا وہاں تعاقب کیا۔ گلاب سنگھ نے کٹڑہ میں قیام کر کے اپنے ڈوگرہ فوجیوں کو تاکید کی کہ میاں ڈیڈو کو جس طرح بھی ہو زندہ گرفتار کر کے لائیں۔ ساتھ ہی وزیر زور آور سنگھ حاکم پرگنہ ریاسی کو بذریعہ خاص پیادہ حکم دیا کہ وُہ اپنے فوجی دستہ کے ساتھ ریاسی سے براہ کوٹلی اور چمیاڑہ دھار وِشنو دیوی کی طرف بڑھے۔ اور یلغار کر کے اِس سارے جنگل کو گھیرے میں لے لے تاکہ ڈیڈو اپنی پناہ گاہ سے اُس طرف فرار نہ ہو سکے۔ زور آور سنگھ کو یہ بھی کہا گیا تھا کہ وُہ ایسی پوزیشن اختیار کرے کہ ڈیڈو کو اپنی گرفتاری دینے کے سوائے کوئی چارہ نہ رہے۔ وزیر زور آور سنگھ اپنے آقا گلاب سنگھ کے حکم کے تابع ریاسی سے وِشنو دیوی کی دھار کی طرف بڑھنے لگا۔ لیکن میاں ڈیڈو کو جب معلوم ہُوا کہ اُس کے باپ کی لاش کے اِس طرح ٹکڑے کر کے لٹکائے گئے ہیں تو وُہ اپنے بال بچوں کو دیوی کے پُجاری کی حفاظت میں چھوڑ کر سرفروشی کی خاطر مردانہ وار مندر سے باہر نکل آیا اور وِشنو کی پہاڑی کا محاصرہ کی ہوئی فوج کو للکارا کہ آؤ۔ دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ سردار عطر سنگھ کلال جسے اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا، کو دو بدو جنگ کا چیلنج دیا۔ سردار عطر سنگھ نے تلوار کا وار کیا۔ ڈیڈو نے ڈھال پر وار تھام کر اُس کے اپنی تلوار سے دو ٹکڑے کر دیئے۔ جب سردار مارا گیا تو ایک فوجی نے بندوق کی گولی داغ کر ڈوگرہ کے اِس بہادر گوریلے جرنیل کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ جب گلاب سنگھ کو ڈیڈو کے مارے جانے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے بے حد افسوس کیا کہ ایسے شیر مرد بار بار دھرتی پر جنم نہیں لیتے۔ جب ڈیڈو کا سر کاٹ کر گلاب سنگھ کے سامنے لایا گیا تو وہ دیکھ نہ سکا بلکہ فوراً غم سے اُٹھ کر چلا گیا۔ میاں ڈیڈو کا باپ، بھائی اور کئی جانباز اِس ہنگامہ میں مارے گئے۔ میاں ڈیڈو کے دو لڑکے تھے۔ ایک بسنت سنگھ جس کی

سلہ گلاب نامہ مؤلفہ دیوان کرپا رام۔ سٹہ عمدۃ التواریخ۔ سٹہ میاں ڈیڈو کے ہمراز اور ساتھی جموال برادری کے بڑے بڑے سردار اور کئی ایک ڈوگرہ بہادر تھے۔ چنانچہ میاں دیوانو، دھرم سنگھ اور میاں جھفو والے پوریہ جموال، میاں جواہر سنگھ اگوریہ، میاں دھیان سنگھ، ڈولو سنگھ اور چین سنگھ ہنسال والے، میاں پنتو دیو بانی، سوتید پنتیل، گنگو سنگھ، سادا سنگھ، گندی باغل اور جُرعہ لنگیہ جیسے شیر مرد قابل ذکر ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

تقریباً ۱۲ سال اور دوسرا گوساؤں جو کہ ۱۲ سال کا تھا۔ دونوں لڑکوں کو مہتہ ڈیڈو کی بیوہ کے گلاب سنگھ جی نے گزارہ لگا دیا اور بسنت سنگھ کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ جب گوساؤں نے ہوش سنبھالا تو اُسے بھی اپنے پاس رکھ لیا۔ بسنت سنگھ تو قلعہ اٹک اور جمرود وغیرہ کی مہموں میں گلاب سنگھ کے ساتھ دادِ شجاعت دیتا رہا۔ ایک دفعہ[1] بسنت سنگھ گلاب سنگھ کے ساتھ جنگل میں جا رہا تھا اور کوئی ساتھ نہ تھا۔ گلاب سنگھ نے اپنے تمام ہتھیار اور تلوار وغیرہ بسنت سنگھ کے حوالے کئے اور خود رفع حاجت کے لئے چلا گیا۔ جب فارغ ہوا تو بسنت سنگھ نے اُسی طرح گلاب سنگھ کے سب ہتھیار نذر پیش کرا دئے۔ گلاب سنگھ نے یہ دیکھ کر کہا۔ بسنت سنگھ! تم بھی عجیب آدمی ہو۔ مجھ پر تمہارے باپ کے قتل کا الزام ہے۔ تم نے اپنے

حاشیہ نوٹ صفحہ گزشتہ سے آگے:۔ ان تمام جانبازوں میں میاں دیوانوں راٹھے پوریہ میاں ڈیڈو کا دست راست اور قابل قدر مشیر سمجھا جاتا تھا۔ جب جموں پر سکھوں کا قبضہ تھا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے جموں پرگنہ کے انتظامات لاہور دربار کے نامزد تھانیداروں کی طرف سے ہوتا تھا۔ تو جموں کے ایک سکھ کمانڈر چمپا سنگھ کو پتہ چلا کہ جموں کے نزدیک ہی اُس کی عملداری میں جرعہ نامی لنگیہہ کی لڑکی بڑی خوبصورت ہے اور وہ اُس کے لئے بر کی تلاش میں ہے۔ چمپا سنگھ نے سُنا تو اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ چنانچہ اُس نے جرعہ لنگیہہ سے لڑکی کا ناطہ طلب کیا۔ جرعہ نے اپنی لنگیہہ برادری سے اِس بارے میں ذکر کیا تو لنگیہہ برادری کا ایک وفد پہلے میاں دیوانوں راٹھے پوریہ اور پھر میاں ڈیڈو کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا سُنایا کہ اب ہماری بہو بیٹیوں کی عزت بھی محفوظ نہیں۔ میاں ڈیڈو نے کہا کہ جب بھی میاں دیوانوں تجھے بلائیں گے، میں امداد کیلئے پہنچ جاؤنگا۔ تم اُس سے جا کر ملو۔ جرعہ لنگیہہ نے میاں ڈیڈو کا پیغام میاں دیوانوں کو دیا تو اُس نے مشورہ دیا کہ لڑکی کی شادی منظور کر لو۔ جب ملنی کا موقعہ آئیگا تو ہم پہنچ جائینگے۔ چنانچہ شادی کا دن مقرر ہو گیا اور جب سردار چمپا سنگھ اپنی فوج کے ہمراہ برات لیکر موضع بھلوال میں آیا تو ملنی کے موقعہ پر میاں دیوانوں اور میاں ڈیڈو اپنے جانبازوں کے ساتھ ڈھول باجے، تُرہی نرسنگھے بجاتے آ پہنچے۔ سردار صاحب نے جو کہ دُولہا بنا تھا، جرعہ لنگیہہ کو بُلا کر پوچھا کہ یہ کیسا دھوم دھڑکا ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ ہمارے رشتہ دار خوشیاں منانے آ رہے ہیں کیونکہ اب ملنی کا وقت قریب ہے۔ فوجی اپنے ہتھیار اُتار کر راگ رنگ میں معروف تھے۔ بھلوال میں واقع کرواندہ کے خشک تالاب میں برات کا کیمپ تھا کہ میاں ڈیڈو کی جانباز پارٹی نے یلغار کر کے وہ تباہی مچائی کہ دو اڑھائی سو فوجیوں کی برات معہ دُولہا چمپا سنگھ کے تہ تیغ کر کے کُشتوں کے پُشتے لگا دئے۔ اور لنگیہہ اچھوتوں کو اِس رشتہ سے نجات ملی جو کہ حکمرانی کے زور طلب کیا گیا تھا۔ آج تک بھی کرواندہ کے اُس تالاب سے ہتھیار ملتے ہیں۔

[1] گلاب نامہ مؤلفہ دیوان کرپا رام۔

باپ کا بدلہ کیوں نہ لیا، اُس وقت جبکہ میرے تمام ہتھیار تمہارے پاس تھے؟" لبنت سنگھ نے جواب دیا "سرکار! بے ادبی معاف۔ آپ نے کچھ بھی نہ کیا تھا۔ اور کیا بھی تو غرض جان کر۔ لیکن اگر میں آپ کو ختم کرنے کا مکروہ فعل کر بیٹھتا تو نمک حرام ضرور کہلاتا۔ اگر پہلے نہیں تو اب میرے باپ کے نام کو ضرور بٹہ لگتا"... جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ دریا جرنیل کے بیٹے نے اپنے آقا گلاب سنگھ سے وفاداری کا ثبوت دیا۔

گُلاب سنگھ کی فتوحات

۱۸۱۵ء اور ۱۸۲۰ء کے درمیان مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سرحدی مہموں میں راجہ گلاب سنگھ نے ممتاز اور نمایاں حصہ لیا۔ اِن مہمات میں سب سے مشکل مہم ۱۸۱۹ء میں قبیلہ یوسف زئی کے خلاف جنگ تھی جو کہ راجہ گلاب سنگھ کے حُسن تدبر اور ذاتی بہادری کی بدولت بہ کمال خوبی سر ہوئی۔ اور جس سے مہاراجہ رنجیت سنگھ تسخیر پشاور کے قابل ہوئے۔ اِس مہم سے واپس آکر ایک دن مہاراجہ رنجیت سنگھ قلعہ میں بیٹھے دریائے راوی کی طغیانی کا نظارہ لے رہے تھے کہ فرمانے لگے "دریائے راوی سے اِس سیلاب میں پار اُترنا اِنسانی سکت سے تو باہر ہے"۔ سب درباری بول اٹھے "اِس وقت دریا کو پار کرنا اپنی موت آپ سہیڑنا ہے"۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور قلعہ سے باہر میدان میں آکر اپنے مشہور نیلے گھوڑے پر سوار ہوئے اور یہ جا وُہ جا خاص ملازم پیچھے دوڑنے لگے۔ راجہ گلاب سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ نے اپنے گھوڑے سنبھالے اور مہاراجہ کے پیچھے ہوا ہو گئے۔ دریائے راوی پر پہنچ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے طوفانی دریا میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ دونوں بھائیوں نے بھی اپنے گھوڑے مہاراجہ کی اردل میں دائیں بائیں ڈال دئے۔ ہر سہ راجہ مہاراجہ صحیح و سلامت دریا کے پار ہو گئے۔ دونوں بھائیوں کی اس جانبازانہ وفاداری پر مہاراجہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "میرا اقبال جو ہے سو ہے لیکن تم جیسے کفن بدوش بہادر نوجوانوں نے اس اقبال کو زیادہ

سلہ تاریخ راجگان جموں و کشمیر

درخشاں کر رکھا ہے۔"

اِن ہی دنوں دسہرہ کے دربار میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے خاص فرمان جاری کیا۔ کہ عوام کی تمام عرضیاں اور درخواستیں راجہ سوچیت سنگھ کی زبانی سرکار کی خدمت میں پیش کی جایا کریں۔ اور یہ دستور مقرر کیا کہ کوئی رپورٹ بلا وساطت راجہ دھیان سنگھ ہمارے حضور میں نہ گزاری جائے۔ اس کے عین بعد سنہ ۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حکم دیا کہ پنڈت بیربل در کی رہبری میں کشمیر کو دوبارہ فتح کیا جائے۔ اور بھیّا رام سنگھ کو راجہ گلاب سنگھ کے ساتھ ایک لشکر جرار دے کر براستہ جموں اور باہنال کشمیر بھیجا۔ ساتھ ہی راجگان جموں، جسروٹہ اور بسوہلی کے نام احکام جاری کئے گئے کہ وہ بھی اس مہم میں شریک ہو جائیں۔ اس معرکہ میں راجہ گلاب سنگھ نے اپنی بہادری کا سکّہ بٹھلا دیا۔ ان خدمات کے صلہ میں راجہ گلاب سنگھ نے فتح کشتواڑ کی اجازت مہاراجہ رنجیت سنگھ سے حاصل کر لی۔ مگر پنڈت بیربل در نے سردست اُسے اس سے باز رکھا۔ راجہ گلاب سنگھ براستہ ریاسی جموں آئے اور وہاں سے رام گڑھ چلے گئے۔ کشمیر میں دیوان موتی رام حاکم مقرر ہوا۔

جموں کے راجہ جیت سنگھ کی موت

ماہ اپریل سنہ ۱۸۲۰ء میں جموں کا راجہ جیت سنگھ بوجہ لمبی بیماری کے اس جہانِ فانی سے چل بسا۔ میاں موٹا سنگھ پہلے ہی قتل ہو چکا تھا۔ اُس کا بیٹا بھوپ سنگھ جاگیر بسا میں تھا۔ میاں کشور سنگھ منجانب دربار لاہور میرپور چومکھ میں مہمات پر تھا۔ راجہ گلاب سنگھ ملک گیری پر مامور تھا۔ اور ان دنوں ایک ضروری مہم جو گلاب سنگھ کے سپرد کی گئی تو وہ راجوری پر قبضہ کی تھی۔ راجوری اُس وقت راجپوت نسل کے ایک مقامی مسلمان خاندان کے زیرِ تسلط تھی۔ راجوری کا راجہ اغرخان ایک سے زیادہ بار راجہ گلاب سنگھ کو عداوت کا موقعہ دے چکا تھا۔ چنانچہ یہ اُسی کا دورنگی مشورہ تھا جس نے رنجیت سنگھ پر سنہ ۱۸۱۳ء میں کشمیر کی مہم کے موقعہ پر مصیبت نازل کی۔ گلاب سنگھ نے کمال بہادری اور دانائی سے راجہ اغرخان کو گرفتار کر لیا۔ تو اُس وقت جب جموں کے راجہ جیت سنگھ کی موت واقع ہوئی، جموں میں سرکار خالصہ کا تھانہ دیوان بھوانی داس کے سپرد تھا۔ میاں ڈیڈو جیسے گوریلا ڈوگرے نے حکومت کے کرمچاریوں کا قافیہ تنگ

Scanned with CamScanner

کر رکھا تھا سرکار داران جموں نے کئی بار مقابلہ کیا لیکن زک اُٹھائی۔
بھی ناکام لوٹنا پڑا۔ میاں ڈیڈو کی چیرہ دستیوں اور باغیانہ حوصلا
آ رہی تھی۔ تو لاہور دربار کے جموں میں کارپردازان نے مہاراجہ رنجیت
کی کہ جموں کی راجپوت برادری بہت سخت ہے۔ مالیہ نہایت مش
اس لئے یہ علاقہ متاجری پر دے دیا جائے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ
کہا کہ جموں کا چکلہ ہم متاجری پر دینا چاہتے ہیں تو گلاب سنگھ
آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور اپنے فرائض سے مجھے تو فرصت
نہیں سمجھتے ہیں تو جموں بطور اجارہ داری میرے پتاجی کو دیا جائے۔ م
چاہتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے راجہ گلاب سنگھ کے باپ کشور سنگ
جموں کو بصورت اجارہ اُن کے قبضہ میں دے دیا۔ میاں ڈیڈو
اور اُس نے اپنی مخالفانہ سرگرمیاں زیادہ تیز کر دیں۔ لاہور سے
ڈیڈو کی گرفتاری کا حکم ملا۔ لیکن میاں ڈیڈو زندہ گرفتار نہ ہو سکا
کے بعد جموں کا سارا علاقہ دربار لاہور کے ماتحت راجہ کشور سنگ

فتح کشتواڑ

۱۸۲۱ء میں راجہ گلاب سنگھ نے فتح کشت
دیال چند والئ چھینی کو اس مہم میں مجبور کر
گلاب سنگھ دریائے چناب کو بذریعہ کھردلی عبور کر کے ڈوڈہ میں پ
تیغ سنگھ والی کشتواڑ اور اُس کے وزیر لکھپت میں سخت اخ
راجہ نے وزیر کو قتل کرنے کی کوشش کی اور وزیر نے بھاگ کر جان
کشتواڑ کا انتظام بگڑ چکا تھا۔ راجہ گلاب سنگھ ڈوڈہ میں پہ
نے ہتھیار اُس کے سامنے ڈال دئے اور راجہ کشتواڑ کو گرفتار کر
پر قبضہ ہو گیا۔ تو وزیر لکھپت اور دُوسرے اہلکار راجہ گلاب سنگ
اس کے بعد راجہ گلاب سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے فتح منگ
مامور کیا جہاں اُس نے اپنی شجاعت اور جنگی لیاقت اور تدبّر کا
علاقوں کو دربار لاہور کے ماتحت کر دیا۔ ان فتوحات سے راجہ گلا
اور مہاراجہ رنجیت سنگھ امرتسر سے ہو کر سیالکوٹ دورہ پر آئے تھ

Scanned with CamScanner

انتقال کر جانے کی خبر ملی۔ مہاراجہ نے ہر سہ ڈوگرہ راجگان سے افسوس اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور راجہ دھیان سنگھ کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ تم نے ہماری بڑی خدمت کی ہے اور تم بڑے لائق، مدبر اور دانشمند ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ جموں کا راج تمہیں دیا جائے۔ راجہ دھیان سنگھ نے اس عزت افزائی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور دست بستہ عرض کی کہ یہ بات آئین راجگان سے سراسر خلاف ہے کہ بڑے بھائی کو چھوڑ کر چھوٹا بھائی راجگی اختیار کرے۔ اس بات کے مستحق میرے بڑے بھائی راجہ گلاب سنگھ ہیں۔ مہاراجہ کو یہ جواب بے حد پسند آیا اور کہا کہ جو کچھ تم کہتے ہو مجھے منظور ہے اور میں تمہاری سعادت مندی کی داد دیتا ہوں۔

گلاب سنگھ کو راج تلک

سرکار لاہور کی ممتاز خدمات کے صلہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ اور اس کے وارثوں کو جموں پرگنہ عطا کیا اور راجہ کا موروثی خطاب عنایت کیا۔ اس غرض کے لئے مہاراجہ نہایت شان و شکوہ کے ساتھ اکھنور کے مقام پر پہنچا۔ اکھنور کا قصبہ اس نقطہ پر واقع ہے جہاں دریائے چناب میدان میں اترتا ہے۔ یہ مقام دریائے چناب کے کنارے واقع ہونے اور کوہستان کے شاندار سلسلہ کوہ کے پشتہ بنانے کا، ایک نہایت دلکش منظر پیش کرتا ہے۔ اکھنور کا قلعہ ۱۸ ویں صدی کے وسط میں راجہ تیغ سنگھ نے تعمیر کرایا تھا جو راجہ رنجیت دیو کا باجگذار تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اکھنور کے قلعہ میں خیمہ کش ہوا اور گلاب سنگھ کے راج تلک یا گدی نشینی کی تیاری شروع کر دی۔

چنانچہ کوہستان جموں کے سرکردہ سرداروں، جاگیرداروں، رانوں، راجوں اور گلاب سنگھ کی برادری جموال کے مختلف قبیلوں کے سرگروہوں کو اکھنور میں ایک عام دعوت نامہ کے ذریعے بلایا گیا اور گلاب سنگھ کو بھی شاہی حاضری میں طلب کیا گیا جو کہ اس وقت پہاڑی علاقہ کی مہم میں مصروف تھا۔ دو تین یوم کوہستان جموں کے راجپوت قبیلوں کے نمائندوں کے ساتھ تبادلہ خیالات اور ملاقاتیں ہوتی رہیں اور سب نے متفقہ طور پر گلاب سنگھ کے حق میں جموں کی راج گدی دیئے جانے کی استدعا کی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے نہایت دانشمندی سے جموال راجپوت برادری سے اپنے ارادہ کو عملی شکل دینے سے پہلے کہلا لیا تاکہ بعد میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ایک ایسا اقدام کیا جو کہ جموال برادری کو پسند نہ تھا۔ جموال برادری سردیمیں سرا اکھنور جندراہ۔

Scanned with CamScanner

جموں۔ بانہو۔ جگتی اور جموں کے اندرونی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ اچھی طرح مطمئن ہو گیا کہ ڈوگرہ دیس میں گلاب سنگھ کے پایہ کی کوئی شخصیت سارے پرانت میں نہیں ہے اور گلاب سنگھ اپنی سب برادریوں میں ہر دلعزیز اور مقبول ہے اور جموں کے ان ہی بڑے بڑے راجپوتوں اور عام لوگوں کی اسے پشت پناہی حاصل رہے گی تو مہاراجہ نے ۱۶ر جون ۱۸۲۲ء کی اُجلی اور سُہانی صبح کو دریائے چناب کے کنارے درخت جیا پوتہ[1] کے نیچے بہ نفسِ نفیس راج تلک کی رسم ادا کی۔ گلاب سنگھ کی پیشانی پر زعفران لگاتے ہوئے رنجیت سنگھ نے بجائے نیچے سے اُوپر کی طرف تلک لگانے کے، جیسا کہ دستور ہے، تلک اُوپر سے نیچے کی طرف لگایا۔ اس موقعہ پر کسی درباری نے سوال کیا کہ جہاں پناہ نے قدیمی رواج سے بے رُخی کیوں کی ہے۔ تو مہاراجہ نے جواب دیا کہ "مَیں نے زمین میں بیج کو مضبوط کر کے بو دیا ہے تا کہ وُہ خوب پھل پھول سکے۔ زمین میں اپنی جڑیں پختہ کر لے اور ہمیشہ تک قائم رہے۔" اِس کے بعد حاضرین کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ "اب میری خواہش ہے کہ تم میں سے کوئی آگے بڑھ کر گلاب سنگھ کو تلک لگائے تاکہ میری تائید میں آپ لوگوں کا اعتماد ہر حال میں گلاب سنگھ کے شاملِ حال رہے"۔

چنانچہ راجپوت برادری کے نمائندوں نے میاں نہال سنگھ پوتا راجہ عالم سنگھ اکھنوریہ کو آگے کیا کہ سرکار کے ارشاد کی تعمیل میاں صاحب بجا لانے کے مجاز ہیں۔ تب میاں نہال سنگھ نے اپنی اُنگلی سے خون نکال کر راجہ گلاب سنگھ کی پیشانی پر تلک لگایا۔ اور اس طرح جموں پرانت کے سب لوگوں کا غیر متزلزل اعتماد راجہ گلاب سنگھ کو حاصل ہوا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جموں کے اصلی مقام کو چھوڑ کر اکھنور میں گلاب سنگھ کی رسم گدی نشینی ادا کرنے کا مدعا یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے گلاب سنگھ کے راجہ بن جانے پر اُس کی مخالفت کسی بھی حلقہ یا قبیلہ اور برادری کی طرف سے پسند نہ تھی۔ اور اُس کی دلی خواہش تھی کہ جیہ راج وُہ اپنے ہاتھوں موروث کے طور اپنے عزیز جرنیل گلاب سنگھ کو

---

[1] جیا پوتہ ایک ایسا درخت ہے جس کے بیج کھانے سے اُن عورتوں کے بچے نہیں بچتے، وُہ لمبی عمر کے ہو گئے ہیں۔ اِس مقدس درخت کے نیچے راج تلک دینے کا نتیجہ یہ راز تھا کہ جو حکومت مہاراجہ رنجیت سنگھ گلاب سنگھ کو عطا کر رہے ہیں وُہ عرصہ دراز تک پشت در پشت قائم رہے۔

دے رہا ہے، وہ بڑھے اور ترقی کرے۔ اِس لئے اُس نے یہ سمجھ کر کہ اکھنور کی برادری زیادہ طاقتور اور بارسوخ ہے، اِس لئے اِس کی حمایت ہمیشہ کے لئے اسے حاصل رہنا ضروری ہے۔ اور کچھ نہ کچھ راج تلک کے دئے جانے اور دینے کا پاس تو رہے گا۔

اِس رسم کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ سوچیت سنگھ کو رام نگر (بندرالٰہ) کی جاگیر عطا کی۔ اور راجہ دھیان سنگھ جو اپنے حسن لیاقت اور تدبّر سے رموز سلطنت پر حاوی ہو چکا تھا اور اِس وقت صحیح معنوں میں دربار لاہور کی وزارت عظمےٰ کا کام کر رہا تھا، کے متعلق مہاراجہ نے فرمایا۔ "راجہ گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ کو عطائیگی جاگیرات پر کسی کو بھی حیران نہ ہونا چاہئیے کہ مَیں نے راجہ دھیان سنگھ کو جو کہ میرا منظور نظر ہے، اِس موقعہ پر جاگیرات سے سرفراز نہیں کیا۔ مَیں اُسے جاگیر دینا نہیں چاہتا بلکہ مَیں اُسے راجاؤں کا راجہ بنانے کا خواہشمند ہوں لیکن وقت آنے پر۔"

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کو حسب ذیل شاہی سند چکلہ جموں کی عطا کی۔

"اِس مبارک موقعہ پر انتہائی مسرت اور دلی محبت کے ساتھ مابدولت راجہ گلاب سنگھ کو اُس کی دیانت دارانہ اور وفادارانہ خدمت کے صلہ میں چکلہ جموں کی حکومت عطا کرتے ہیں جو نہایت قدیم زمانوں سے اُس کے خاندان کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔ گلاب سنگھ اور اُس کے بھائی دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ ہمارے دربار میں اپنی عمر کے نہایت ابتدائی حصہ میں حاضر ہوئے اور اُنھوں نے ہماری اور ہماری حکومت کی وفاداری اور دلچپی سے خدمت کی ہے۔ اِن کے آباؤ اجداد نے بھی عرصہ طویل تک ہمارے والد سردار مہاں سنگھ مرحوم کے ماتحت مخلصانہ خدمت سرانجام دی۔ اُنھوں نے ہماری خدمات مستعدی اور اطاعت گذاری سے بجالانے اور ہمیں اطمینان دلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ہم نے اُنہیں ہمیشہ اپنا ہوا خواہ اور حکومت کا وفادار پایا۔ اُنھوں نے اپنا خون بہت سی مہموں میں بے باکانہ بہایا ہے۔ مثلاً فتح کشمیر میں۔ ملتان کو سر کرنے میں۔ باغیوں کو سزا دینے میں۔ سرحدی بغاوت کے فرو کرنے میں اور افواج کابل و پشاور سے جنگ کرتے ہیں۔ اِن اور دیگر خدمات کے صلہ میں ہم چکلہ جموں کی حکومت گلاب سنگھ اور اُن کے ورثاء کو عطا کرتے ہیں۔ اور

ہم بذاتِ خود اپنے اِس وفادار اور جاں نثار ملازم کی پیشانی پر ملکیت کا تلک لگاتے ہیں۔ ہم نہایت مسرت کے ساتھ راجہ سوچیت سنگھ کو علاقہ بندرالتہ (رام نگر) کی حکومت ذاتی اور موروث کے طور پر خدمات جلیلہ کے صلہ میں عنایت کرتے ہیں۔ راجہ سوچیت سنگھ اور اس کے ورثاء ریاست مذکور کی آمدنی کو حسب دلخواہ خرچ کر سکتے ہیں بشرطیکہ اُس خاندان کے راجہ ہماری حکومت کے آئندہ بھی ایسے ہی وفادار رہیں جیسے کہ وُہ اب تک رہے ہیں۔ اور ہماری اولاد کو بھی اُسی عزت اور اطاعت کی نگاہ سے دیکھیں اور اُن کے ورثاء بھی ہمارے اور ہماری اولاد کے ایسے ہی وفادار رہیں۔ اِس امر کی شہادت میں ہم خود اپنے ہاتھوں سے اپنا پروانہ عطا کرتے ہیں اور اُس کے ساتھ زعفران کا گلدستہ بھی پیش کرتے ہیں۔"

مرقومہ ۴ راساڑھ سمت ۱۸۷۹ مطابق ۱۶ رجون ۱۸۲۲ء

سردار کے۔ ایم۔ پانیکر نے اپنی کتاب "گلاب سنگھ" میں لکھا ہے کہ اِس وقت گلاب سنگھ ابھی تیس برس کا تھا۔ وُہ اپنی کامرانیوں پر نازاں ہونے کا ہر پہلو سے حق بجانب تھا کسی دُوسرے ذریعہ یا وسیلہ سے نہیں بلکہ صرف ایک نام۔ ایک نامور سلسلہ جدّی اور خود اپنی قابلیت کی بدولت گلاب سنگھ اپنے موروثی مقبوضہ کو واپس لینے اور رنجیت سنگھ کے ہاتھوں راجہ جموں تسلیم ہونے میں کامیاب ہوا۔ بہ حیثیت ایک جنگجو اور بہادر کے اُس کی شہرت کا ڈنکہ پنجاب، کابل اور کوہستانی علاقوں میں بج رہا تھا۔ دربار لاہور میں گلاب سنگھ ایک نامور سردار بن چکا تھا جہاں اُس کے بھائی بھی بہت بڑی حد تک دربار کے منظورِ نظر بنے ہوئے تھے۔ دھیان سنگھ جس کی عمر ابھی بمشکل ۲۷ برس کی تھی، سرکار لاہور میں سب سے بڑھ کر با اثر آدمی تھا۔ سوچیت سنگھ سکھ فوج میں سب سے بڑھ کر خوش منظر اور خوبصورت اِنسان خیال کیا جاتا تھا۔ وہ مہاراجہ کا برابر کا منظورِ نظر تھا۔

راجہ گلاب سنگھ جموں کا راج پا کر اکثر جموں میں رہنے لگا اور اپنے علاقہ کے انتظام اور امن و امان کی بحالی کے لئے اُس نے اپنی توجہ مرکوز کر دی تھی۔ دربار لاہور کے دُوسرے اُمراء اور جاگیردار اپنے وقت کا بیشتر حصہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حاضری میں گزارتے اور جاگیروں کی آمدنی کے لئے اپنے کارندوں پر دار و مدار رکھتے۔ یہ ایک ایسا سسٹم تھا جس سے بہت سی بدعنوانیاں رُونما ہوتی رہتیں۔ کارندے لوگ اپنے مالکوں کی غیر حاضری میں مزارعان سے اُن

Scanned with CamScanner

کے لئے جس قدر روپیہ بل جاتا اُتنا ہی اکٹھا کر لیتے۔ جاگیرداروں کو اپنے کارندوں کی بہتری سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہیں تو صرف یہ دلچسپی تھی کہ انہیں مزارعان سے باقاعدہ روپیہ ملتا رہے اور کارندوں کو دلچسپی تھی تو محض اِس امر میں کہ وُہ اپنے مالکوں کو خوش کر دیا کریں اور اپنے جیب بھر لیا کریں۔ کم و بیش اُس وقت پنجاب اور کوہستان میں جاگیروں کی یہی حالت تھی جن کے جاگیردار دربار لاہور میں حاضرباش رہتے۔ مگر گلاب سنگھ نے جموں حاصل کرکے زیادہ تر جموں میں ہی رہنا پسند کیا اور دربار لاہور میں صرف طلبی پر حاضر ہوتا۔ وُہ اپنی اراضیات کے انتظام میں ذاتی دلچسپی لیتا اور اُسے اپنے علاقہ کے نظم و نسق میں بے حد دلچسپی تھی جو بوجہ اپنی پہاڑی نوعیت اور بوجہ اپنے باشندوں کی خود مختارانہ روش کے ذاتی توجہ کا مستحق تھا۔

سرحدی مہمات

گلاب سنگھ اور ہری سنگھ نلوہ

جموں کی گدی نشینی کے فوراً بعد راجہ گلاب سنگھ کے نام مہاراجہ رنجیت سنگھ کا خاص پروانہ پہنچا کہ سرحدی سردار اعظم خان نے بڑا اُودھم مچا رکھا ہے۔ ایسے سرکش سردار کو موقعہ پر پہنچ کر قرار واقعی سزا دی جائے۔ گلاب سنگھ جموں کے اندرونی علاقوں کا دورہ کر رہا تھا۔ حکم پہنچتے ہی اپنا کام ادھورا چھوڑ کر لاہور آیا اور وہاں سے ڈیرہ چار یاری (ہزاری) کے چیدہ سپاہی لے کر عازم سرحد ہُوا۔ اِس مہم کی برائے نام کمان افسری شہزادہ شیر سنگھ کے سپرد کی گئی تھی جس کے ہمراہ گلاب سنگھ اور ہری سنگھ نلوہ تھے۔ سردار ہری سنگھ نلوہ اپنے وقت کے سکھ جرنیلوں میں سب سے بڑھ کر شریف اور جانباز تھا۔ جو عزّت، بہادری اور جرأت کا مجسم نمونہ تھا۔ دربار لاہور میں اُس کی حیثیت بہت بلند تھی اور وُہ سکھوں کا معبود بنا ہُوا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی بڑی سخت مہم درپیش ہوتی تو ضرور اپنے کسی نہ کسی بیٹے یا پوتے کو مہم کی برائے نام کمان افسری کے لئے بھیج دیتا تاکہ راجہ گلاب سنگھ، سردار ہری سنگھ نلوہ یا کوئی دُوسرا سردار اور راجہ کامیاب ہوکر آئے تو مہم کی کامیابی کا سہرا شاہی خاندان کے افراد کے سر بھی آسکے اور اِس طرح مہاراجہ کے شہزادوں اور شہزادوں کے کنوروں کے حوصلے بڑھتے رہیں اور وُہ جنگی رموز سے واقف ہوکر جرأت اور حوصلہ کے مالک بن جائیں۔ اِس مہم میں اصلی کمان افسر گلاب سنگھ اور ہری سنگھ ہی تھے۔ شہزادہ شیر سنگھ برائے نام تھا۔ اِن دو کمان افسروں کی ہمراہی میں شیر سنگھ

مہاراجہ رنبیر سنگھ

راجہ سوچیت سنگھ

مہاراجہ کھڑک سنگھ

Scanned with CamScanner

سردار ھری سنگھ نلوہ

راجہ دھیان سنگھ ←

راجہ ھیرا سنگھ ←

Scanned with CamScanner

مہاراجہ رنجیت سنگھ

Scanned with CamScanner

سرحد کی جانب بڑھا خلیفہ سید احمد نام کے ایک مولوی نے قبائلیوں کے مذہبی جنون کو ابھار رکھا تھا۔ اور یہ مہم اپنے اصل اندازہ سے بہت زیادہ مشکل ثابت ہوئی۔ قبائلیوں نے خالصہ افواج کے پاؤں اکھاڑ ڈالے نوجوان شہزادہ گھبرا گیا۔ اُس نے ہر دو کمان افسران کو صاف صاف کہہ دیا کہ تم جانو تمہارا کام میں تو واپس چلا۔ لیکن گلاب سنگھ نے اُسے اس تباہی والے ارادے سے باز رکھا کہ جب قبائلیوں کو پتہ لگا کہ شہزادہ صاحب واپس بھاگ گئے ہیں تو وہ اَور زیادہ چھا اُٹھیں گے۔ وہ پہلے ہی مذہبی جنون کی وجہ سے باؤلے ہو رہے ہیں۔ اور آپ کو معلوم نہیں کہ اگر ہم اپنے اس مقام سے واپس ہو جائیں تو کس قدر خوفناک تباہی ہم پر آئے گی ہمارا ایک بھی آدمی زندہ بچ کر واپس نہیں جائے گا۔ اس واسطے ہمارا بچاؤ اور فائدہ اس میں ہے کہ ہم جہاں کھڑے ہیں وہاں ہی ڈٹے رہیں تاکہ دشمن پر ہماری فوجی طاقت کا رعب قائم رہے اور ان پر بخوبی ظاہر ہو سکے کہ ہم طاقت کے لحاظ سے دشمن پر بہت زیادہ سبقت رکھتے ہیں۔ خالصہ افواج کی اپنی پوزیشن پر ثابت قدمی سے ہی حالات کو سدھرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو دو دن کے لئے ہمیں ڈٹ کر لاہور سے آنے والی کمک کا انتظار تو کرنا چاہیئے۔

چنانچہ گلاب سنگھ کی بات ٹھیک نکلی۔ اور راجہ سوچیت سنگھ اپنی خاص فوج جو کہ صرف ڈوگرہ جانبازوں پر مشتمل تھی، لے کر آ پہنچے۔ اور اس طرح سے اعظم خان نامور سرحدی سردار کو گرفتار کر لیا اور مہم بخیر و خوبی سر ہوئی۔

فتح قلعہ اٹک

سنہ ۱۸۱۸ء میں کابل کے حالات نے پھر پلٹا کھایا اور کابل کے تخت پر وزیر فتح محمد خان کا بھائی دوست محمد آ بیٹھا۔ اُس نے تخت پر بیٹھتے ہی اِس امر کا جائزہ لیا کہ اُس کی موروثی سلطنت بہت زیادہ کمزور ہو چکی ہے۔ اور اس کے کئی ایک علاقے اور صوبے مثلاً ملتان، کشمیر، پشاور، ڈیرہ غازی خاں اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے قبضہ میں کر لئے تھے ۱۸۲۶ء میں سرحدی علاقوں کا انچارج سردار بدھا سنگھ مہاراجہ کی طرف سے تھا۔ دوست محمد کے برسر اقتدار آنے سے قبائلیوں نے ان علاقوں میں بغاوت کر دی اور خلیفہ سید اللہ نے دوبارہ سرحدی قبائل کو خالصہ حکومت کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ سردار بدھا سنگھ سخت مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ تو گلاب سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بغاوت فرو کرنے

کے لئے سرحدی اضلاع میں بھیجا اور تاکید کی کہ اٹک کے قلعہ کو فتح کرکے خالصہ سرکار کے قبضہ میں لایا جائے۔ چنانچہ راجہ گلاب سنگھ نے جموں سے دیوان ہیرچند کی سرکردگی میں اپنی افواج کو بھیج دیا اور بعد میں خود پوری دوڑ بھاگ کے ساتھ پشاور کے مقام پر اُن سے جا ملا۔ وہاں پر سردار ہری سنگھ نلوہ بھی پہنچ چکا تھا۔ پٹھانوں نے جب سکھ سپاہ کی اس تیزی سے آمد آمد دیکھی تو اُنہوں نے پسپائی اختیار کر لی۔ اور پسپا ہوتے وقت دریائے اٹک کا پُل توڑ دیا جس نے خالصہ افواج کی مزید پیش قدمی کو مشکل بنا دیا لیکن گلاب سنگھ نے فوج کو پیچھے چھوڑتے ہوئے مختصر سی سپاہ کے ساتھ دریائے سندھ کو عبور کر لیا اور صرف ۳۰۰ آدمیوں کے ساتھ ایک پہاڑی کے پیچھے سے دشمن پر حملہ کر دیا۔ جب لڑائی پورے زوروں پر تھی تو سردار ہری سنگھ نلوہ بھی جو جوانمردی کے کسی کام میں پیچھے نہیں رہ سکتا تھا گلاب سنگھ کے ساتھ شامل ہو گیا۔ دشمن نے سمجھا کہ حملہ آوروں کی طاقت بہت زیادہ ہو گئی ہے تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اس لڑائی میں راجہ گلاب سنگھ کے بازو پر سخت زخم آیا۔ خالصہ فوج پندرہ دن تک وہاں قیام پذیر رہی۔ سردار ہری سنگھ نلوہ نے تجویز کی کہ دشمن سے اپنی پوزیشن کو بچانے کے لئے خندقوں کی تعمیر ضروری ہے لیکن گلاب سنگھ کی دُور اندیشی نے ضرورت اس امر کی جتلائی کہ دشمن کی طاقت کی موجودگی میں خالصہ کا بچاؤ اسی میں ہے کہ ہم یہاں سے آگے کی طرف حرکت کریں اور ایک ایسا بھرپور وار کریں کہ اُن کے اوسان خطا ہو جائیں۔ اور دوست محمد جو کہ قبائلیوں کی امداد کے لئے کابل سے سپاہ لے کر چل پڑا ہے۔ اُس کے آنے تک دشمن کو تتر بتر کر دیں۔ اس طرح سے ہری سنگھ نلوہ کو اُس کے تجویز کردہ طریق سے باز رکھا۔

نامور مؤرخ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ "تاریخ راجگانِ جموں وکشمیر" میں لکھتا ہے۔ کہ راجہ گلاب سنگھ نے اس موقعہ پر اپنی روایتی جرأت کے ساتھ جان پر کھیل کر ایسا حملہ کیا کہ دشمن کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہیں بھاگتے بنی۔ اس طرح سے قلعہ اٹک پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جھنڈا نصب کر کے فتح کے شادیانے بجاتا ہوا راجہ گلاب سنگھ لاہور پہنچ کر اپنے علاقہ جموں میں آگیا۔

بھمبر و مناور پر قبضہ

راجہ سلطان خان والئی بھمبر نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی کئی بار اطاعت قبول کی لیکن وہ ہمیشہ ہی باغی رہتا۔

اور اطاعت سے منحرف ہو جاتا۔ تاریخ چبھال مصنفہ ٹھاکر میہر سنگھ میں لکھا ہے کہ "بھمبر
مہاراجہ سلطان خان جب، راجپوت نسل کا ایک بڑا شہزور حکمران ہوا ہے جس کے آباؤاجداد
بارہ پشت پہلے حلقۂ اسلام میں آ گئے تھے۔ اِسے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی باجگذاری ہرگز
قبول نہ تھی، بلکہ کئی بار خالصہ افواج نے بھمبر کو مطیع کرنے کے لئے یورش کی لیکن ہر بار ناکامی
ہوئی" مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سنہ ۱۸۱۲ء میں جب بہ نفسِ نفیس بھمبر کی راہ سے کشمیر پر
چڑھائی کی تو راجہ سلطان خان نے سکھ افواج کو راستہ سے گمراہ کر دیا جہاں کہ کافی فوج
خالصہ غارت ہوئی تھی۔ مہاراجہ اِس راجہ کی سرکشی اور ہر وقت کی بغاوت سے تنگ آ چکا
تھا تو اُس نے راجہ گلاب سنگھ کو لکھا کہ بھمبر پر قبضہ کر کے راجہ سلطان خان کو گرفتار کر
لیا جائے۔ راجہ گلاب سنگھ نے راجہ سلطان خان کو کسی طرح جموں بلا لیا اور قلعہ باہو میں
شاہی مہمان کے طور رکھا گیا اور اُس پر کڑا پہرہ بھی لگا دیا۔ سلطان خان کو کچھ دن پا کر
اپنی نظربندی کا علم ہوا تو جب گلاب سنگھ اُس سے حسبِ معمول ملنے کو آیا تو آپس
میں اس نظربندی کی وجہ سے تُو تُو مَیں مَیں ہو گئی۔ اور راجہ سلطان خان گالی گلوچ پر اُتر
آیا۔ راجہ گلاب سنگھ نے کافی سمجھایا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ستارۂ اقبال ساتویں آسمان
پر پہنچ چکا ہے۔ اُس سے کسی بھی وجہ سے مخاصمت یا لڑائی مصلحت سے بعید ہے۔ ہمارا
اور تمہارا اُس سے جھگڑنا یا لڑائی کرنا پہاڑ سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔ ہم اُس کے خلاف
بغاوت کر کے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اِس لئے خلقِ خدا کا خون بہانے سے بہتر لازمی ہے
کہ مہاراجہ کی اطاعت سچے دل سے قبول کی جائے لیکن سلطان خان نے ایک بھی بات
نہیں مانی۔ اب گلاب سنگھ کے پاس سوائے اِس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ اُسے سخت قید
میں رکھا جائے۔ اور نظربندی میں جو شاہانہ مراعات اُسے دی گئی تھیں اُنہیں واپس لے لیا
جائے۔ لیکن بعد میں یہ علم ہونے پر کہ سلطان خان قید میں بھی زبان درازی سے باز نہیں
آتا اور خدشہ ہے کہ وہ ساز باز کر کے کہیں قلعہ سے فرار نہ ہو جائے، اُس کی آنکھیں نکلوا
لی گئیں اور قلعہ باہو سے اُٹھا کر قلعہ گجپت تحصیل رام نگر میں پہنچا دیا گیا جہاں وہ کچھ عرصہ
کے بعد مر گیا۔ اس کی قبر قلعہ گجپت کے نیچے دریائے چناب کے کنارے موضع چندر کوٹ میں
ہے۔ راجہ سلطان خان کو قید کرنے کے بعد راجہ گلاب سنگھ نے بھمبر اور مناور کے علاقوں
پر قبضہ کر کے شامل خالصہ سرکار کر دئے۔

دھیان سنگھ وزیر اعظم کے رتبہ پر

کھمبر اور مناور پر قبضہ کے کچھ عرصہ بعد شمس خان سدھن اور اس کے بھائی شیر جنگ خان جو کہ پونچھ کے شاہی خاندان سے تھے، نے خالصہ سرکار کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ اس مہم پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کو مامور کیا۔ شمس خان نے پونچھ میں شورش بپا کر کے سارے علاقہ کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ پونچھ کے قلعہ میں میاں لشنا محصور ہو گیا جو کہ سرکار خالصہ کی طرف سے وہاں حاکم مقرر تھا۔ راجہ گلاب سنگھ نے اشمول وزیر زور آور سنگھ مختصر سی فوج لے کر پونچھ کی شورش کو ختم کر دیا۔ شمس خان اور شیر جنگ خان اس فتنہ میں مارے گئے۔ اس طرح سے پونچھ پر مکمل قبضہ کر لیا گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ جو کہ راجہ دھیان سنگھ پر بے حد مہربان تھے، نے اسے بھمبر، چبھال اور پونچھ کے علاقے بطور جاگیر عطا کئے۔ افسر محلات کے عہدہ جلیلہ پر تو پہلے ہی فائز تھا لیکن اب ترقی دے کر راجہ دھیان سنگھ کو مہاراجہ نے اس کے پرانے عہدہ کے علاوہ وزیر اعظم کے فرائض بھی سپرد کر دئے۔ چنانچہ اسے "وزیر اعظم دستور معظم" کا خطاب دیا۔ راجہ دھیان سنگھ کو اختیارات اس قدر وسیع حاصل تھے کہ بڑے سے بڑے سردار بلکہ شہزادے بھی اس کی اجازت کے بغیر مہاراجہ کے پاس نہ جا سکتے تھے۔ غرضیکہ راجہ دھیان سنگھ پنجاب کا ایسا با اختیار وزیر اعظم تھا جسے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا تھا۔

ممرتہ کی فیصلہ کن جنگ

راجہ گلاب سنگھ جموں کا راج پا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے احکام کے تحت مہم در مہم اندر علاقوں میں کامیابی حاصل کر رہا تھا۔ وہاں وہ اپنے راج کے بڑھانے سے بھی غافل نہ تھا۔ اس کی نظروں میں یہ بات بری طرح کھٹکتی تھی کہ اس کا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا ہے۔ اور ایسے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کے تحت جنتا ظلم کی چکی میں پس رہی ہے۔ ان خود غرض، حریص، مطلق العنان اور عوام دشمن حاکموں سے جب تک ڈوگرہ دیس کی جنتا کو نجات نہ دلائی جائے گی، یہاں امن و امان سے کسی کا رہنا انتہائی مشکل ہے۔ پونچھ سے لے کر بھمبر مناور تک راجہ دھیان سنگھ کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور اس طرح سے اس سارے علاقہ کا انتظام اس کے اپنے ہاتھ میں آ چکا تھا۔ جموں کی جنوبی سرحد

کے دیہات جن میں رام گڑھ۔ دیوی گڑھ اور سوچیت گڑھ کے نام کے اہم درجہ رکھتے ہیں، سب کے سب اُس کے قبضہ میں تھے۔ سانبہ اور رام نگر کی جاگیریں راجہ سوچیت سنگھ کو عطا ہوئی تھیں۔ پھر بھی ان جاگیروں کے نظم و نسق پر اعلیٰ نگران راجہ گلاب سنگھ ہی تھا۔ اس لئے اُس نے خیال کیا کہ جموں کے مشرقی علاقہ کی جو چھوٹی چھوٹی راجدھانیاں یا تعلقے ہیں، اُن پر اپنا تسلط ہو جائے تو ایک بڑی ریاست ایک نظام کے تحت قائم ہو سکتی ہے۔ بسوہلی کی راجدھانی برائے نام راجگان بلاور کے ماتحت تھی۔ دراصل خالصہ حکومت کا براہِ راست اس پر قبضہ تھا۔ اس لئے راجہ گلاب سنگھ کو اس ریاست کی اتنی فکر نہ تھی۔ جسروٹہ میں راجہ بھوری سنگھ تھا۔ بھدو میں راجہ اپتار سنگھ بھڈوال۔ منکوٹ (رام کوٹ) میں راجہ چھتر سنگھ۔ ان کوہستانی راجواڑوں کے درمیان قلعہ شمرتہ تھا۔ یہ جگہ راجگان شمبڑیہ کی راجدھانی ماتحت راجگان بھڈوال تھی۔ ان راجوں کو راجہ گلاب سنگھ کا اقتدار ہرگز پسند نہ تھا۔ راجہ گلاب سنگھ کی حکومت ان کے لئے اپنی حکومت کی موت تھی۔ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے دور میں رعایا کو سکھ کا سانس لینا نصیب نہ تھا۔ ان کے تحت لوگوں کو کسی بھی طرح کی آزادی نہ تھی۔ کوئی قانون یا دستورِ حکومت نہ تھا۔ راجہ کی زبان کا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ راجہ کے سامنے لوگوں کی حالت بازار کے خریدے ہوئے غلاموں سے بہتر نہ تھی۔ کوئی بھی شخص ایسا لباس پہن کر باہر نہ نکل سکتا تھا جو کہ حکمران کے لباس سے زیادہ اُجلا اور چمکدار ہو۔ لوگ اچھا کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ لوگوں کو یہ بھی پتہ نہ ہوتا تھا کہ جو فصل وُہ اپنے خون پسینہ کو ایک کر کے اپنی زمینوں میں پیدا کر رہے ہیں، جب یہ غلہ یا جنس کی صورت میں تیار ہو گی تو اسے وہ اپنے گھر میں لا بھی سکیں گے یا نہیں۔ حکمران کی مرضی پر لوگوں کو اپنی محنت کا پھل مل سکتا تھا۔ غرضیکہ کوئی بھی درخت جس کا پھل لذیذ اور میٹھا ہو، وُہ کسی بھی زمین یا گھر میں لگا ہوا ہو، حکمران کی موروث سمجھا جاتا تھا۔ علاقہ میں یہ دستور تھا کہ کسی بھی کسان یا زمیندار کے ہاں جب بھی نیا فصل یا اُس کے درختوں کا پھل پک کر آجائے، اُس کا فرض ہوتا تھا کہ پہلے اپنے راجہ کے حضور میں پیش کرے۔ راجہ کی اجازت ہو تو وہ اپنے استعمال میں لا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ان چھوٹے چھوٹے راجوں کے کارندوں کی بدعنوانیوں اور مظالم کی حد نہ تھی۔ رشوت اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رہتا۔ زمین کا مالک زمیندار نہ تھا بلکہ راجہ تھا۔ راجہ جب بھی

چاہتا، زمین ایک سے لے کر دوسرے آدمی کو دے دیتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے پروہتوں اور
پنڈتوں یا اہلکاروں یا نوکروں کو جس فرد پر خوش ہو جائے اُسے گاؤں کے گاؤں معافی میں
دے کر پٹہ لکھ دیتا تھا۔ آپس میں یہ چھوٹے چھوٹے راجے ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے
تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر جھگڑے کھڑے ہو جاتے اور ایک دوسرے کے خلاف سینہ سپر
ہو کر قتل و غارت پر اُتر آتے۔ لوگوں کو مجبوراً اپنے راجہ کا ساتھ دینا پڑتا۔ اس خوف سے کہ
اپنے راجہ کے تحت یہ حال ہے، جب دوسرے کی عملداری آگئی تو پھر اس سے بھی بُرا حال
ہو جائے گا۔ اس لئے راجے اپنے لوگوں کو مانزی کھنجوں کر آزادی کے لئے دوسرے کے غلبہ
کے خلاف اُبھارے رکھتے۔ اس کے باوجود جب کبھی کسی بیرونی طاقت نے حملہ کیا تو یہ
اکٹھے ہو کر اُس کا مقابلہ کرتے تھے۔ اس دور میں جموں پرانت میں ایسی ایسی اَن گنت
آپ راجیاں (مطلق العنان حکومتیں) تھیں۔ آج کل حلقہ پٹواری میں جتنے گاؤں آتے ہیں
اس سے بھی کم رقبہ ایک راجدھانی میں آتا تھا۔ کوئی باقاعدہ سرحد نہ تھی۔ چھوٹے چھوٹے
نالے یا ڈھکیاں حد مقرر تھی لیکن یہ حدیں کبھی قائم نہ رہتی تھیں۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس
کا معاملہ تھا۔ زبردست جو چاہے کر سکتا تھا۔ یہ راجے اپنے آپ کو ایشور کا مرادف سمجھتے
تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تمام کی تمام اچھی اور عمدہ اشیاء پر اُن کا حق باقی لوگوں سے فائق ہے۔
ایسی اشیاء جاندار ہوں یا بے جان، زمین، مکان، جائیداد، مال و دولت، خوبصورت عورت
غرضیکہ ہوا پانی سب اُسی ذاتِ واحد کی ملکیت ہے۔ لوگوں کا اُس کے سامنے سر خم رکھنا
ہی فرض ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ حیرانی یہ ہے کہ ایسی مطلق العنانیوں میں لوگوں کے
آپس میں جھگڑے بہت کم ہوتے تھے۔ چوری، ڈکیتی اور اغوا کا نام نہیں تھا۔ شاید اس لئے
کہ ایسے راجے وحشیانہ قسم کی سزائیں دیتے تھے۔ کسی نے چوری کی، اُس کے ہاتھ کاٹ
دئے۔ کسی عورت کی بدچلنی کی شکایت ہوئی، اُس کا ناک کاٹ دیا۔ لوگوں کو ان عبرتناک
سزاؤں کے خوف سے کسی کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ راجہ کے
سامنے سچ بولنا دھرم سمجھا جاتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے غیر یقینی انصاف اور ۱۰
مطلق العنانہ قانون کے دور میں لوگ جہالت اور افلاس کی آگ میں بُری طرح جھلسے جاتے
تھے۔ اقتصادی اور سیاسی طور پر اُن کا کوئی بھی والی وارث نہ تھا اور لوگوں کی زندگی کسی
بھی طرح ایسے راجوں کے زیر سایہ محفوظ نہ تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ڈوگرہ دیس کے ان راجواڑوں

Scanned with CamScanner

میں کشتواڑ۔ بسوہلی اور جموں کی تین ریاستیں ایسی تھیں جن پر اُس وقت بھی صحیح ریاستوں کا گمان ہو سکتا تھا۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ نے عظیم ریاست کی تشکیل کا جو خواب دیکھا تھا جہاں کہ قانون کی حکومت قائم کی، وہ حکومتیں اس معیار پر پوری نہ اتر سکتی تھیں۔ گلاب سنگھ جموں پرانت کی قریباً قریباً سب ایسی آپ راجیوں کو ختم کر چکا تھا۔ اب اُس کے سامنے جموں کے مشرق کی ان ریاستوں کو ختم کرنے کا کام تھا جن کی آج کل تحصیل بسوہلی میں چھوٹے قصبوں یا گاؤں سے زیادہ حیثیت نہیں۔ گلاب سنگھ نے راجہ سوچیت سنگھ کو لکھا جسے بندرالتہ (رام نگر) کی جاگیر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے عطا ہوئی تھی کہ وہ منکوٹ (رام کوٹ) پر جتنی جلدی ہو سکے قبضہ کرے تاکہ اس مقام سے کھلڈو و سُمرتہ جسروٹہ کی راجدھانیوں کا جموں سے الحاق کا منصوبہ بن سکے۔ اور بندرالتہ (رام نگر) جس پر کہ راجہ سوچیت سنگھ کا اپنا قبضہ ہے، اُس کے بھی نسبتاً سے دیہات کو جموں کے تحت لایا جائے۔ اس مقصد کے لئے راجہ سوچیت سنگھ نے اپنے وزیر رائے کیسری سنگھ کاہنہ چکیہ کو منکوٹ بھیجا۔ منکوٹ کے راجہ چھتر سنگھ نے بغیر کسی مزاحمت کے راجہ سوچیت سنگھ کی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن رائے کیسری سنگھ نے اس اطاعت کی یقین دہانی کے لئے پانچ صد روپیہ بطور خراج طلب کیا۔ اور روپیہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے چھتر سنگھ کو منکوٹ چھوڑنا پڑا۔

حملہ کی خاطر فوجوں کا اجتماع

رائے کیسری سنگھ منکوٹ میں قیام پذیر تھا۔ جس نے رام نگر سے ملتے جلتے نام کے مد نظر وہاں کے سرکردہ لوگوں سے صلاح مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ منکوٹ کی بجائے اس جگہ کا نام رامکوٹ رکھا جائے۔ چنانچہ بندرالتہ جو بندرال راجگان کی راجدھانی تھی۔ جب راجہ سوچیت سنگھ کے قبضہ میں جاگیر کی صورت میں آگیا تو اُس کا نام بندرالتہ سے بدل کر رام نگر رکھ دیا گیا۔ کیسری سنگھ نے بھی اس کی پیروی میں منکوٹ کو رام کوٹ میں بدل دیا۔ ۱۸۲۵ء سے جموں پرانت کے ان دونوں راجواڑوں کا نام رام نگر اور رام کوٹ چلا آ رہا ہے۔ منکوٹ پر قبضہ کرنے کے دس پندرہ یوم کے بعد راجہ گلاب سنگھ بہ نفس نفیس رام کوٹ پہنچے۔ نالہ سالاں یا پچگان میں کیمپ لگا کر فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ رام کوٹ کے چوگان سے سُمرتہ کا مقام ۹ میل مشرق ہے۔ آج کل دھار اودھم پور روڈ اس وادی کے بیچوں بیچ گزرتی ہے۔ یہ قلعہ لمبے میدان میں واقع ہے جس کے اردگرد چاروں طرف پہاڑ ہیں۔

Scanned with CamScanner

اِن پہاڑیوں میں شمال کی طرف بندرال، مشرق بھڈوال، مغرب منکوٹیے اور جنوب میں جسروٹیوں کا راج تھا۔ راج ترنگنی میں نامور مورخ پنڈت کلہن نے لکھا ہے کہ "جموں اور بسوہلی کی بڑی شاہراہ کے درمیان میں ایک میدانی قلعہ ہے جسے سومتکہ کہتے ہیں۔ یہ قلعہ کوہستان بلاور، کنبڈو، بندرالتہ اور منکوٹ کے مابین واقع ہے۔"

گلاب سنگھ نے ایک حصّہ فوج کی کمان دیوان امیر چند کو، دوسرے حصّہ فوج کی کمان کمیدان سوچیت سنگھ اور دیوان سنگھ بیرلوریہ کو، تیسرے حصّہ کی میاں ساول سنگھ سیال کو اور چوتھے حصّہ کی کمان میاں لشنا اور گلاب سنگھ دلپتنیہ کو دے کر قلعہ سُمرتہ کو۔۔۔۔ چاروں طرف سے گھیر لیا اور مورچے گاڑ دیئے۔ قلعہ میں راجگان بھڈوال، سُمبڑیہ اور منکوٹیوں کی فوجیں اکٹھی ہوئی تھیں۔ لیکن راجہ گلاب سنگھ کی فوجوں کے سامنے کوئی پیش نہ چلی۔ تین چار یوم دن رات گولی چلی۔ طرفین کی فوجوں کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ لوہے سے لوہا بجتا رہا۔ تلوار، نیزہ، تیر کمان اور بھالا برچھی ہر ایک ہتھیار ڈوگروں کا ڈوگروں پر استعمال ہوا۔ گھمسان کا رن پڑا کہ محصور فوج اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کی خاطر قلعہ کے اندر چلی گئی۔ قلعہ کے ارد گرد بڑی گہری خندق تھی جو کہ پانی سے لبالب تھی۔ حملہ آوروں کو اس موقعہ پر بے حد مشکل پیش آئی۔ قلعہ سے گولیاں برسنے لگ گئیں۔ مقابلہ میں حملہ آوروں کی گولیاں ہوا میں اُڑنے لگیں۔ اِس سے محصورین کا بال تک بیکا نہ ہو سکتا تھا۔ اُدھر سے آگ برس رہی تھی۔ آخر یہ طے پایا کہ خندق کو پاٹ دیا جائے۔ لیکن گولیوں کی اس بوچھاڑ میں خندق کو پُر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جُوں تُوں کر کے رات گزری تو صبح دم میاں لشنا کمان افسر اپنی فوج کے چند جوانوں کو لے کر ایک لمبا درخت کاٹ لایا جس کی شاخیں اور تنے بچھا کر ایک پُل کی شکل بنا لی جس پر سے فوج کا ایک حصّہ بخیر و خوبی گزر گیا اور قلعہ گیر فوج کو دروازہ کھولنے پر مجبور کر دیا۔ محصورین نے کوئی چارہ نہ پا کر چند شرائط پر دروازہ کھول دیا۔ اُن کے ہتھیار چھین لیئے گئے اور اُنہیں راجہ گلاب سنگھ کی جے بُلانے پر چھوڑ دیا گیا۔ اس طرح سے قلعہ سُمرتہ فتح ہو کر موجودہ جموں پرانت کے قریباً قریباً سب حصّوں پر راجہ گلاب سنگھ کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ راجہ دھیان سنگھ، سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کی جاگیریں علیٰحدہ تھیں لیکن صحیح معنوں میں ان سب جاگیروں اور علاقوں کا نظم و نسق راجہ گلاب سنگھ کے اختیار میں تھا۔

گلاب سنگھ کی امداد پر ایک نامور خاندان

اس عرصہ میں راجہ گلاب سنگھ نے وادئ کشمیر اور جموں کے درمیان کی تمام ریاستوں پر جن میں کشتواڑ، راجوری اور پونچھ بھی شامل تھیں، کامل تسلط جمالیا۔ یہ تمام ریاستیں گلاب سنگھ کے لئے ایک وسیع سلطنت کی تعمیر میں اونچی دیواروں کی مانند تھیں۔ جن دیواروں پر ایک خوبصورت اور پختہ چھت ڈالنی باقی رہ گئی تھی۔ راجہ گلاب سنگھ کو ان کامیابیوں میں ایک ایسے خاندان کی امداد حاصل تھی جس کا سرگروہ دیوان امیر چند تھا۔ اس کے تین بیٹے دیوان جوالا سہائے۔ دیوان ہری چند اور دیوان نہال چند تھے۔ دیوان امیر چند جوکہ راجہ گلاب سنگھ کی جاگیروں کا کارندہ تھا۔ اور جب جموں کا راج تلک ملا تو دیوان موصوف کو جموں کا مدارالمہام بنا دیا۔ دیوان امیر چند کی فوتیدگی پر اس کا سب سے بڑا بیٹا دیوان جوالا سہائے وزیر اعظم مقرر ہوا اور اس کے دونوں چھوٹے بھائی اہم دیوانی اور فوجی مناصب پر مامور ہو گئے۔

اتحادِ ثلاثہ

راجہ گلاب سنگھ نے جب جموں کی حکومت سنبھالی اور پنجاب میں واقع اپنی اراضیات اور جاگیروں کا انتظام ٹھیک طرح سے کیا۔ ایک دھوم مچ گئی سارے زمانہ میں اس کے نظم و نسق کی۔ باقی جاگیرداروں کے سامنے گلاب سنگھ مثال کے طور پیش ہونے لگا۔ خود مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس قسم کے نظم و نسق کی قدر و قیمت کا اندازہ کر لیا۔ اور دربار لاہور نے زمینداری کی غرض سے بھیرہ۔ میانی، ملکا اور پنڈ دادنخاں کی نمک کی کانیں راجہ گلاب سنگھ کے انتظام میں دے دیں۔ اس طرح سے کچھ۔ ہزارہ۔ پکھلی اور دھمتوڑ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی آمدنی کی اراضیات۔ جلینی، کٹاس اور چکوال ایک لاکھ روپیہ۔ سیالکوٹ پچاس ہزار روپیہ اور نمک کی کانیں تقریباً آٹھ لاکھ روپیہ کی آمدن کی تھیں، راجہ گلاب سنگھ کے سپرد کی گئیں کہ وہ باقاعدہ آمدنی وصول کر کے لاہور دربار میں پیش کرتا رہے۔ مورخین پنجاب بالاتفاق اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ راجہ گلاب سنگھ کے حسن تدابیر اور حسن انتظام سے جموں کی موروثی حکومت میں جوکہ اسے سکھوں سے واپس ملی قابل قدر اضافہ ہوا۔ اور یہ حکومت رفتہ رفتہ وسیع تر ہوتی گئی۔

راجگان گلاب سنگھ، دھیان سنگھ، سوچیت سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ خلف راجہ دھیان سنگھ کے اتحادِ ثلاثہ نے ایک عجیب ماحول پیدا کر رکھا تھا۔ خطاب اور جاگیریں دلانے

اکٹھا کرنے کو راجہ ہیرا سنگھ تھا۔ اور ان تمام اشیاء کا ذمہ دار راجہ دھیان سنگھ اور زر و جواہر کا محافظ و منتظم راجہ گلاب سنگھ مقرر تھا۔ راجہ دھیان سنگھ جموں کا علاقہ اپنے بڑے بھائی کو دلا چکا تھا۔ پونچھ۔ چبھال و بھمبر کا علاقہ اُس کے اپنے نام پر تھا۔ جسروٹہ اور بسوہلی کا علاقہ اُن کے فرزند راجہ ہیرا سنگھ کو عطا ہو چکا تھا۔ رام نگر اپنے چھوٹے بھائی راجہ سوچیت سنگھ کے حوالے کرا دیا گیا۔ راجہ دھیان سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ چونکہ ایک لمحہ کبھی دربار لاہور کو خالی نہیں چھوڑ سکتے تھے، اس لئے ان تمام علاقوں کا انتظام راجہ گلاب سنگھ کے سپرد تھا۔ اس اتحادِ اربعہ کی بدولت سب بھائی اور برادرزادے یک جان و دو قالب تھے۔ راجہ گلاب سنگھ ہر چند کہ اپنی اور اپنے بھائیوں کی جاگیرات کے منتظم ہونے کی حیثیت سے بالعموم جموں میں ہی رہتا تھا۔ لیکن وہ اپنے بھائی کے اقتدار پر ہمیشہ فخر کیا کرتا تھا۔ پنجاب کے تمام کوہستانی اور میدانی رئیس، جاگیردار اور راجے اور نواب راجہ دھیان سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ کی نظرِ عنایت کے متمنی رہتے تھے۔ اور گلاب سنگھ کے لئے یہی فخر کافی تھا کہ اُس کا بھائی نائب السلطنت ہے اور بھتیجا مہاراجہ کا یہاں تک منظورِ نظر ہے کہ مہاراجہ اُسے اپنے برابر کرسی پر بٹھاتا ہے۔ اور اُس کے حضور میں نذریں پیش کی جاتی ہیں جس طرح مغلیہ سلطنت کے آخری سالوں میں فرخ سیر کے عہد سے لے کر محمد شاہ کے عہد تک ساداتِ بارہہ کے مدبر سید حسین علی اور سید عبد اللہ بادشاہ گر رہے، اسی طرح مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد سے لے کر یہ دونوں باپ بیٹا یکے بعد دیگرے راجہ گر رہے۔ ان کے ادنےٰ اشاروں اور اُن کے قلم کی ایک جنبش سے کئی خاندان بگڑ جاتے اور کئی بن جاتے۔ راجہ گلاب سنگھ جموں میں رہتا تھا یا مہاراجہ کی طلبی پر لاہور آ جاتا۔ اُسے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ کیونکہ اُس کے تمام مفاد اُس کے بھائی راجہ دھیان سنگھ وزیر اعظم کی وجہ سے محفوظ تھے۔ دراصل ہر سہ بھائی اُس فرانسیسی مارشل کے قول کے بہت زیادہ عقیدت مند تھے کہ جو یہ کہتا ہے کہ جو کوئی میرے بھائی کو نقصان پہنچاتا ہے گویا وہ مجھے نقصان پہنچاتا ہے۔ دھیان سنگھ کے سیاسی اثر و غلبہ کی وجہ سے گلاب سنگھ ہر طرح سے آزاد اور محفوظ تھا کہ وہ اپنے علاقہ کے نظم و نسق کی نگرانی کر سکے۔ امن بحال رکھ سکے۔ اپنی فوج کو نئے نئے قواعدِ جنگ کا تجربہ دلا کر تیار کر سکے۔ راجہ گلاب سنگھ اپنی مملکت میں توسیع اور اُس پر مضبوط تسلط جما سکے۔ اور ایک ایسی فوجی مشین کی تکمیل کر لے جس کی بدولت وہ نئے نئے علاقے فتح کرتا جائے

Scanned with CamScanner

گلاب سنگھ نے اپنی خداداد ذہانت سے اس حقیقت کو معلوم کرلیا تھا کہ ان تمام پیش بندیوں کی اُس وقت ضرورت پڑجائے گی جب رنجیت سنگھ کا قومی ہاتھ پنجاب سے اُٹھ گیا۔ ۱۸۳۹ء سے زمانہ تک گلاب سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا اہم ترین نائب اور دربار لاہور میں سب سے زیادہ طاقت ور شخصیت بن گیا۔ اپنی ریاست کے علاوہ پنجاب کی بہت سی زرخیز اراضیات زمینداری کی غرض سے اُسے حاصل تھیں۔ اُس کی فوج جو نامور کمانڈروں کے ماتحت کام کرتی تھی، قبل ازیں لداخ پر حملہ آور ہو چکی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ جسے گلاب سنگھ کی وفاداری پر کبھی شبہ نہ ہوا، اپنے ماتحت کے عروج و کمال اور طاقت پر بے حد خوش اور نازاں تھا اور اُس نے گلاب سنگھ اور اُس کے خاندان پر ہمیشہ اپنی عنایات کی نظر رکھی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ڈوگرہ راجگان

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت ۳۸-۱۸۳۷ء تک دریائے سندھ اور ستلج کے درمیانی علاقوں، کوہستان جموں و کشمیر، کوہستان کلو اور کانگڑہ، بھمبر، پونچھ، راجوری، کوٹلی اور میرپور، لدھیانہ سے لے کر فیروزپور، ملتان، کشمیر، پشاور، ڈیرہ غازی خاں اور افغانی سرحد کے بڑے بڑے شہروں پر مشتمل عظیم پنجاب کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ ترقی اقبال اور حکمرانی کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ پنجاب کے میدانی، کوہستانی اور سرحدی علاقوں میں رنجیت سنگھ کی دُہائی پھرتی تھی۔ ایسے وقت میں ان علاقوں کے بڑے بڑے سردار، راجپوت، شہور بر جاگیردار، راجے، نواب اور اُمراء سب اُس کا پانی بھرتے تھے۔ سلطنت کے نظم و نسق کا مختار مطلق راجہ دھیان سنگھ اور اُس کا بڑا بیٹا راجہ ہیرا سنگھ تھا۔ جن کی مہموں اور ملک گیری کے معرکوں پر راجہ گلاب سنگھ کے حسن تدبر اور جوانمردی کا سکہ تھا۔ راجہ سوچیت سنگھ سلطنت کے ... زادہ الخ...

تھا اور دربار کی شان اور امتیازی خصوص...

کم ... انگریزوں کے سامنے ...

انگریز ...

ایسا مضبوط سرحدی حکمران تھا جس کی شوکت اور دبدبہ یا ذرائع طاقت و اختیار کسی بھی صورت افغانستان۔ روس۔ چین اور فرانس سے کم نہ تھے۔ اس لئے اُن کی انتہائی کوشش رہتی تھی کہ شیرِ پنجاب کو کسی بھی طرح سے اُٹھنے کا موقعہ نہ دیا جائے۔ اور اُسے اپنے ہاتھ میں رکھنا قرینِ مصلحت تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بکرما جیت اور اکبر کی مانند اپنے دربار کو نو رتنوں سے سجا رکھا تھا۔ خود تعلیم سے بے بہرہ تھا لیکن تعلیم یافتہ اور ہنرمند لوگوں کی قدر کرتا تھا۔

شاہی دربار

بیساکھی۔ دسہرہ۔ دیوالی اور بسنت پنچمی کے شاہی دربار مشہور تھے۔ جن پر لاکھوں روپے خرچ کیئے جاتے اور لاکھوں روپے کے نذرانے بھی وصول ہوتے۔ ہولی کے سات دنوں میں پانچ دن ہولی کھیلنے کے لئے وقف تھے۔ مہاراجہ اور درباری ہاتھیوں پر سوار بازاروں اور بڑے بڑے کوچوں اور شاہراہوں سے گزر کر لوگوں کے ساتھ ہولی کھیلتے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی شادی

یوں تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے آٹھ دس شادیاں کر رکھی تھیں اور کئی ایک نوجوان اور خوبصورت کنیزوں کو بھی محلات میں ممتاز پوزیشن حاصل تھی۔ لیکن اُس کی بہ بے حد خواہش تھی کہ کسی راجپوت راجہ کے گھرانے میں اُس کی شادی ہو۔ چنانچہ راجہ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ ہر دو برادران نے راجہ سنسار چند کٹوچ والئ کانگڑہ کی لڑکی جو کہ اُس کی کنیز ایک گدن کے بطن سے تھی، سے شادی کرا دی۔ راجہ سنسار چند نے اس گدن کی اولاد کو نادون کی ریاست دی ہوئی تھی۔ اس شادی کے متعلق مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فرانسیسی معالج ڈاکٹر ہانگ برجر نے اپنی کتاب "۳۵ سال مشرق میں" میں لکھا ہے کہ مہاراجہ کی اس شادی پر خزانے کے منہ کھول دیئے گئے۔ جشنِ نشاط کا وہ رنگ جما جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور خوشیاں ہوتی بھی کیوں نہ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی دلی مُراد بر آئی تھی ... کا بہترین نمونہ۔ اُس کے بعد مہاراجہ صاحب نے ایک ... کو اپنے عقد میں لے لیا۔ جس سے بادشاہ ... افتیں کی گئیں۔

... سنگھ ناوہ

Scanned with CamScanner

راجہ سوچیت سنگھ اور کنور نونہال سنگھ کے چارج میں تھے۔ ان سب سرداروں کا ہیڈ کوارٹر پشاور میں تھا۔ وہاں سے اطلاع آئی کہ امیر کابل دوست محمد ایک عظیم فوج لے کر پشاور پر چڑھ آیا ہے اور جلال آباد تک آ گیا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کہا کہ ہم خود پشاور چل کر میدانِ جنگ میں اپنے بہادروں کی بہادری کا نظارہ لیں گے۔ راجہ گلاب سنگھ جو اس وقت جموں میں تھا، کو ایک خاص حکم کے ذریعہ لاہور میں بلا لیا گیا اور کہا کہ جب تک یہ شیرِ مرد میرے ساتھ نہ ہو اور معرکہ آرائی میں شجاعت و جوانمردی کے کارنامے نہ دکھائے، مجھے کچھ مزہ نہیں آتا۔ راجہ گلاب سنگھ نے اپنی مملکت جموں کا تمام انتظام اپنے ولی عہد راجہ اودھم سنگھ کے سپرد کیا اور خود مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خدمت میں آ حاضر ہوا۔ ایک ہندی دلشادلی میں لکھا ہے کہ پیش آمدہ معرکہ کے لئے راجہ گلاب سنگھ نے اپنے دیس کے چیدہ چیدہ جانباز ڈوگرے جن میں بڑے بڑے ڈوگرہ سردار اور جاگیردار بھی شامل تھے، اپنے ساتھ لے لئے۔ خاندان سوہل و اکھنور۔ گوڑہ سلاتھیاں۔ ڈھکوٹ۔ جسروٹہ۔ راجوری کے راجہ رحیم اللہ خان۔ بھادرکھ کے راجہ جمال جگٹی سے میاں ڈیڈو کے دونوں بیٹے۔ پنجگرائیں۔ سوکٹ بھاوال۔ آکھور۔ کاہنہ چاک۔ پنتھل۔ سرولیں سر جندر راہ۔ رائے پور کے چوٹی کے بہادر اور ان کے علاوہ نزائلیہ اور سرخانیہ خاندان کے نوجوان منہلی برجات لئے گلاب سنگھ کے پُشت پناہ تھے۔ راجہ گلاب سنگھ کے میدانِ جنگ میں پہنچتے ہی مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی راجہ دھیان سنگھ اور دوسرے اُمراء کو ساتھ لے کر مقامِ ہنگامہ پر آ پہنچا۔ راجہ گلاب سنگھ نے اپنے بادشاہ کی سپاہ کو پیچھے چھوڑ کر اپنی ذاتی سپاہ کو لے کر پیش قدمی کی۔ اور رات کی تاریکی میں آگے بڑھتے ہوئے افغان دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ آگ برسنے لگی تلواریں چمکنے لگیں تو امیر دوست محمد کے بھائی پیر محمد اور سلطان محمد خان نے گلاب سنگھ کو ملاقات کے لئے پیغام بھیجا۔ ایلچی نے ایک لفافہ بھی دوست محمد کی طرف سے دیا کہ اگر پشاور کا علاقہ کابل کو واپس دے دیا جائے تو ہم تابعداری کے لئے تیار ہیں اور جو کچھ نذریں اور تحائف مقرر کئے جائیں، ہم ہر سال لاہور بھیج دیا کریں گے۔ اگر یہ منظور نہیں تو ہم سب غازیوں کو اکٹھا کر کے کھاٹ کے پٹھان۔ آفریدی۔ الف زئی اور خراسان تک کے لوگ بنوں ٹانک وغیرہ کو ساتھ لے کر حملہ کر کے پشاور پر قبضہ کر لیں گے۔ راجہ گلاب سنگھ نے سوچا کہ اگر دوست محمد اور اس کے بھائیوں کا اختلاف، اس موقعہ پر ہو جائے تو دوست محمد کے ارادوں کو کوئی انجام نہیں مل سکے گا۔ اور اس کی یہی صورت ہے کہ سردار سلطان محمد خان

Scanned with CamScanner

کو کچھ دے دلا کر اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔ چنانچہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ اُس کی ملاقات کرا دی گئی۔ سردار ہری سنگھ نلوہ اس طرح کی ملاقات کے خلاف تھا۔ راجہ گلاب سنگھ اس ملاقات سے سُلطان خان کو ہمیشہ کے لیے خالصہ سرکار کے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دوست محمد خان کو جب اپنے بھائیوں کی اس ساز باز کا علم ہوا تو وہ سخت برافروختہ ہو کر پیچ و تاب کھانے لگا۔ اُس نے اپنا کیمپ خالصہ کیمپ سے اور نزدیک آ کر لگا دیا۔ اور پٹھانوں کو میدان جنگ میں جھونک کر اُن کا حوصلہ بڑھانے لگا۔ راجہ گلاب سنگھ اپنے جانبازوں کے ساتھ بپھرے ہوئے شیر کی مانند دُشمن پر جھپٹ پڑا اور دُشمن کا کافی صفایا کیا۔ سردار ہری سنگھ نلوہ نے اُس نہر کا دہانہ بند کرا دیا جو کہ دوست محمد خان کے کیمپ میں پڑتی تھی۔ کیمپ کے لوگ گھبرا گئے۔ پانی کی بوند کو ترسنے لگے۔ تو دوست محمد خان نے صُلح کا جھنڈا بلند کر دیا۔ سُلطان محمد خان پہلے ہی خالصہ کی اطاعت میں آ چکا تھا۔ راجہ گلاب سنگھ نے اُسے پشاور دلا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اِس مرحلہ پر دوست محمد نے صلح کی درخواست معہ چند شرائط پیش کی۔ فقیر عزیز الدین کو سردار سلطان محمد خان بطور ایلچی کے دوست محمد خان کے کیمپ میں لے گیا۔ صُلح و صفائی کی باتیں طے کر کے جب یہ دونوں واپس مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پہنچے تو دُوسری صبح معلوم ہوا کہ دوست محمد واپس کابل بھاگ گیا اور بہت سا سامان حرب وغیرہ بھی چھوڑ گیا جو کہ سب کا سب راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ آیا۔ بعد میں سردار سلطان محمد خان کو کوہاٹ کا علاقہ بھی جاگیر کے طور مہاراجہ نے دے دیا۔ سُلطان محمد واپس نہ گیا جو کہ بعد میں دربار لاہور کے چوٹی کے سرداروں میں سے ایک جرّی سردار مانا جاتا تھا۔ اور صرف گلاب سنگھ کی ذاتی مداخلت کی وجہ سے اِسے واپس کابل اپنے بھائی دوست محمد خان کے پاس نہ بھیجا گیا۔ اِس ہنگامہ کے بعد راجہ گلاب سنگھ سرحدی علاقوں کے انتظامات میں بشمول سردار ہری سنگھ نلوہ مصروف رہا۔

قلعہ جمرود کی تسخیر

۱۸۳۷ء کے موسم بہار میں سردار ہری سنگھ نلوہ کی فوجوں اور پٹھان قبیلوں میں قلعہ جمرود پر سخت لڑائی ہوئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو خبر ہوئی تو انہوں نے راجہ گلاب سنگھ۔ دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ تینوں بھائیوں کو سردار ہری سنگھ نلوہ کی امداد کے لئے جلد پہنچنے کے احکام دئے۔ تاریخ ہزارہ میں لکھا ہے کہ سردار ہری سنگھ نلوہ کی جرأت اور مردانگی سے پٹھانوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ دو طرفہ

توپ چلی۔ قلعہ کی ایک طرف کی دیوار بھی ٹوٹ گئی۔ ہری سنگھ نلوہ قلعہ کی دیوار کے شگافوں کو اپنی نگرانی میں درست کرا رہا تھا کہ دشمن کی گولیوں سے سخت زخمی ہو گیا اور جانبر نہ ہو سکا۔ خالصہ فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ لیکن عین وقت پر راجہ دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کے دستے پہنچ گئے۔ راجہ دھیان سنگھ نے ساری فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور بڑی بہادری اور امتیاز کا ثبوت دے کر قلعہ جمرود فتح کر لیا۔ راجہ گلاب سنگھ کو انتظام علاقہ اور رہے سہے فسادیوں کو سزا دینے کے لئے وہاں چھوڑا۔ اور باقی تمام کیمپ فاتحانہ نشان سے واپس لاہور ہوا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کو اس دوران میں متواتر اپنی راجدھانی سے غیر حاضر رہنا پڑا۔ لیکن انتظام علاقہ سرحد اور پشاور وغیرہ اتنا شاندار کیا کہ سرحدی علاقہ کے لوگ سب اُس کے مداح بن گئے۔ امیر دوست محمد نے کابل سے ارباب پنج تارہ اور قبائل ایف زئی کو خالصہ کے خلاف پھر ایک بار اُبھارنے کی کوشش کی۔ لیکن اُسے صاف جواب مل گیا کہ ہم اب آپ کے بھرّے میں نہیں آ سکتے۔ جب سے راجہ گلاب سنگھ نے یہاں کا انتظام سنبھالا ہے ہم آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہر ایک کی قدر و منزلت ہو رہی ہے اور خلعت مل رہی ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جموں میں استقبال

سنہ ۱۸۳۸ء کے اپریل میں چیت چودش کے موقعہ پر مہابارنی کے اشنان کے لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ لاہور سے پرمنڈل تشریف لائے۔ راجہ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ بھی اپنے محسن، مربّی اور آقائے نامدار کے ساتھ تھے۔ پرمنڈل میں لاکھوں روپیہ کا دان کیا۔ اور جب پرمنڈل سے واپس آئے تو راجہ گلاب سنگھ نے ہزاروں روپے مہاراجہ پر نچھاور کئے جو کہ غریبوں نے لوٹے۔ پرمنڈل سے براستہ مانسر سروئیں سر مہاراجہ رنجیت سنگھ جموں پدھارے۔ راجہ دھیان سنگھ پہلے سے ہی جموں میں دوسرے راستہ سے پہنچ گئے تھے۔ مہاراجہ کی سواری اور جلوس کو دیکھنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جموں شہر میں دیہات سے جوق در جوق پہنچے تھے۔ راجہ گلاب سنگھ نے مہاراجہ پر سے روپوں، اشرفیوں اور تسبیحوں کی بارش کی۔ قلعہ باہو سے ۱۰۱ توپ کی سلامی سر ہوئی۔ تمام سرداران، راجپوتان جموال، رشتہ داران خاندان شاہی اور ڈوگرہ دیس کے اُمراء نے تمام دربار میں نذریں پیش کیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جموں اور قرب و جوار کی دو تین دن سیر کی اور فرمایا کہ مجھے یہ علاقہ بے حد پسند اور مرغوب ہے۔ جس کی مٹی سے راجہ گلاب سنگھ، دھیان سنگھ، سوچیت سنگھ، ہیرا سنگھ اور کیسری سنگھ جیسے

سلہ تاریخ راجگان جموں و کشمیر

لال اور بہادر اُبھرے ہیں۔ راجہ گلاب سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ نے اعلیٰ نسل کے گیارہ گھوڑے معہ زین زریں۔ دو ہاتھی معہ ہودہ نقرئی اور طلائی۔ اکاون ہزار روپیہ نقد۔ ایک سو ایک تھان پارچہ ہر قسم۔ پانچ نگ جواہرات اور موتیوں کی مالا۔ مرصّع بازو بند۔ کڑے اور انگشتری طلائی۔ دو نگ الماس اور دو باز مہاراجہ رنجیت سنگھ کو نذر کئے۔ اور جتنے بھی انگریز فرانسیسی افسر سکھ سردار۔ راجپوت سردار۔ اُمراء۔ وزراء اور فوجی افسروں کے علاوہ پیادے اور منشی ہمرکاب تھے، سب کو حسبِ حیثیت رُخصتانہ کی صورت میں خلعتوں اور نقدی سے مالامال کر دیا۔ ایک اندازہ کے مطابق مہاراجہ رنجیت سنگھ کی آمد اور سواگت پر پانچ لاکھ روپیہ خرچ آیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ جب جموں سے واپس جانے لگے تو راجہ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ نے عقیدت اور احترام سے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ "ہم آپ کے بہت زیادہ احسان مند ہیں۔ اور اپنے مالک کو اپنے ہاں دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سماتے جو بیان سے باہر ہیں، آپ کی بھینٹ کرنے کے لئے ہمارے پاس سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہم آپ کو یقین دلائیں کہ اگر سرکار . . . . حکم فرمائیں تو سرکار کے اقبال سے سدِّ سکندری تو کیا دیوارِ چین پر آپ کا جھنڈا جا گاڑیں"۔ فرطِ مسرت سے مہاراجہ کے آنسو نکل آئے اور اُس نے اُٹھ کر دونوں بھائیوں کو جذبات کی رَو میں اپنی باہوں میں لے لیا اور فرمایا کہ "یہ ہمارے پچھلے جنموں کے سمبندھ ہیں جو اِس جنم میں اِس صورت میں بدھاتا نے ہمیں اکٹھا کیا ہے۔ سچ پوچھئے تو میرا من یہاں سے واپس جانے کو نہیں چاہتا۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں یہاں کا ہی رہنے والا ہوں۔ اچھا اب چلتے ہیں۔ اگر زندگی نے وفا کی تو پھر کبھی آ کر زیادہ دن یہاں گزاریں گے"۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سفرِ آخرت

اور جب مہاراجہ رنجیت سنگھ جموں میں راجہ گلاب سنگھ سے پھر کبھی آنے کے لئے کہہ رہے تھے تو قدرت ہنس رہی تھی کہ کتنا سادہ انسان ہے۔ اِسے کیا پتہ کہ وُہ اب کبھی اِس طرف نہ آسکے گا بلکہ اسے تو آخری سفر کی تیاری کرنا پڑے گی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی عمر ۵۹ سال کی تھی۔ پروگرام کے مطابق لاہور پہنچا۔ دو چار ماہ اُدھر حکومت اپنی اصلی شان اور طاقت سے کر لی کہ ایک دن صبح اُٹھتے ہی ضعفِ جگر کا ایسا دورہ پڑا کہ سینکڑوں علاج اور دوائیاں بھی کارگر نہ ہوئیں۔ وُہ راجہ دھیان سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ کو اپنے پاس سے ایک پل اُٹھنے نہ دیتا تھا۔ راجہ گلاب سنگھ اِن دنوں کنور نونہال سنگھ کے ساتھ سرحدی

علاقہ کے انتظام کی دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ فقیر عزیز الدین جسے وزیر خارجہ کا رُتبہ حاصل تھا، مہاراجہ کا طبیب خصوصی بھی تھا۔ ڈاکٹر ہانگ برجر اپنی کتاب "۳۵ سال مشرق میں" مہاراجہ رنجیت سنگھ کی علالت اور علاج کے متعلق لکھتا ہے کہ "مہاراجہ رنجیت سنگھ اگر تیز قسم کی شرابیں پینے کے عادی نہ ہوتے اور اُن کے طبیب خصوصی فقیر عزیز الدین نے مجھے علاج کرنے کا پُورا موقعہ دیا ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ وُہ اِتنی جلدی نہ مرتے۔" مہاراجہ رنجیت سنگھ کو موت کے پنجہ سے چھڑانے کا دعوے کہاں تک درست ہے یہ تو وہی جانے لیکن جو پیدا ہوا ہے اُس کا مرنا برحق ہے۔ اگر علاج معالجے اِنسان کو موت سے بچا سکتے تو یقیناً ایسے مہاراجے، نواب، راجے اور دولت مند کبھی نہ مرتے۔ ڈاکٹر ہانگ برجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ "مہاراجہ کو جب میری ایک دوا سے کچھ فائدہ ہو گیا تو وُہ چلنے پھرنے بھی لگ گئے اور دربار میں بھی آنے جانے لگے۔" راجہ دھیان سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ نے مہاراجہ سے لاکھوں روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں دان کرایا۔ فقیر عزیز الدین نے مہاراجہ کو یاقوتی لعل بدخشاں کی خوراک دینا شروع کی جس سے مہاراجہ کی طاقت بحال ہونے لگی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ایک دِن اپنی تمام فوج کی حاضری لی اور دربار عام کیا۔ سر دربار بادشاہی لاہور کھڑک سنگھ اور عہدہ وزارت راجہ دھیان سنگھ کا اعلان کیا۔ اور کھڑک سنگھ کا بازو راجہ دھیان سنگھ کے ہاتھ میں دے کر کہا "قسم اُٹھاؤ۔ جس طرح میری تابعداری اور سلطنت لاہور کی خیر خواہی کرتے آئے ہو اُسی طرح کھڑک سنگھ کا بھی ساتھ دو گے۔" ساتھ ہی کھڑک سنگھ کو بھی قسم دلائی اور کہا "اگر تم چاہتے ہو کہ میری مانند تمہاری بادشاہی بھی شہرت اور ترقی حاصل کرے تو راجہ دھیان سنگھ ایسے باوفا، زیرک اور نیتی دان وزیر اعظم کے مشورہ اور صلاح پر کاربند رہنا۔" کھڑک سنگھ اور دھیان سنگھ دونوں نے مہاراجہ کے جسم کو ہاتھ لگا کر حلف اُٹھایا اور اہل دربار نے شہزادہ کھڑک سنگھ کے حضور میں نذریں پیش کیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طبیعت بحال تھی کچھ کمزوری باقی تھی۔ سلطنت کے نظم و نسق میں دلچسپی لی جانے لگی۔ صبح شام دربار میں آتا۔ اور دورہ پر بھی دُور نزدیک آتا جاتا۔ بلکہ سیر و شکار میں بھی کئی کئی دن مصروف رہتا۔ اسی طرح سے مہاراجہ دنوں میں ہی پھر سے نو بہ نو اور تندرست ہو گیا کہ جون ۱۸۳۹ء کے دوسرے ہفتہ ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ آکلینڈ کی لاہور میں آمد کا پیغام پہنچا۔ گورنر جنرل مہاراجہ سے مُلاقات کرنے کے لئے آیا۔ اس کی آمد و سواگت پر لاہور شہر دُلہن کی طرح سجایا گیا۔ بڑا بھاری

جشن ہوا ضیافتیں ہوئیں۔ ڈاکٹر ہانگ برجر اس جشن کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ خود بھی اس جشن میں شامل تھا۔ لارڈ آکلینڈ کے اعزاز میں جو دعوتِ طعام ہوئی اُس میں ایک ہزار سے اُوپر سردار۔ نواب۔ جاگیردار اور امیر و وزیر شامل ہوئے۔ لارڈ آکلینڈ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جامِ صحت تجویز کیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اس قدر زیادہ شراب پی گیا کہ اُن کی سنبھلی ہوئی طبیعت پھر سے خراب ہو گئی۔ دوسرے دن مہاراجہ کی علالت زیادہ بڑھ گئی اور بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ راجہ دھیان سنگھ نے انتظام دان پُن کرایا۔ اور مہاراجہ صاحب کے ہوش آنے پر اُو نے بھی بہت سا دان کرایا۔

۲۲ رجون ۱۸۳۹ء[1] کی دوپہر کو راجہ دھیان سنگھ اپنی حویلی میں آیا بیٹھا تھا کہ مہاراجہ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ راجہ دھیان سنگھ کو خبر کی گئی۔ وہ کھانا کھا رہا تھا۔ کھانا چھوڑ کر دوڑا آیا۔ شام کو مہاراجہ قدرے ہوش میں آیا اور باتیں کرنے لگا۔ ساری رات راجہ دھیان سنگھ اور ہیرا سنگھ مہاراجہ کے پاس بیٹھے جاگتے رہے۔ ۲۳ رجون کو قدرے طاقت بھی آگئی اور اچھی طرح باتیں کرنے لگا۔ راجہ دھیان سنگھ اور ہیرا سنگھ نے سرواہ کیا۔ اس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کو یاد کیا اور ساتھ ہی سوچیت سنگھ کا نام لیا۔ کہنے لگا " زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ گلاب سنگھ کے ساتھ ملاقات نہیں ہو سکی۔ وہ دور سرحد پر ہے۔ وہاں سے اُس کا بُلانا ٹھیک نہیں۔ اچھا زندگی ہوئی تو مل لیں گے۔"

۲۶ رجون ۱۸۳۹ء کو طبیعت پھر خراب ہو گئی۔ جالندھر سے ایک حکیم بلایا گیا تھا جس نے دوائی دی۔ راجہ دھیان سنگھ اور فقیر عزیز الدین کے مشورہ سے اس حکیم کی دوا کھلائی گئی لیکن بیماری کا افاقہ نہ ہوا۔ ڈاکٹر ہانگ برجر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ " اتنی شراب پی لینے کا بہترین علاج یہ ہو سکتا تھا کہ مہاراجہ کو تھوڑی مقدار میں کوئی قے آور دوا دے دی جاتی۔ لیکن اُن کے خاص حکیموں نے جن میں فقیر عزیز الدین بھی شامل تھا، مہاراجہ کو جواہرات سے تیار کی ہوئی معجونیں[2] دینا شروع کر دیں جس سے اُس کی حالت بہتر

---

[1] عمدۃ التواریخ۔ [2] دیسی طبیبوں کے بارے میں ایک عجیب بات ڈاکٹر ہانگ برجر یہ بتاتا ہے کہ اُن کے زمانہ میں ہندوستان کے حکیم اور وَیدقے آور دوائیں استعمال کرانے کی بجائے مسہل (جلاب) استعمال کرایا کرتے جس سے مریض کمزور ہو کر مر جاتے تھے۔

ہونے کی بجائے بدتر ہوتی چلی گئی شام کو جلاب کثرت سے شروع ہو گئے۔ راجہ دھیان سنگھ نے دوا کھانے کو کہا لیکن مہاراجہ نے انکار کر دیا۔ پھر بھی چرنامرت نوش کرانے کے بہانے دوا دے دی گئی۔ اس دوا کے کھانے سے ذرا نیند آ گئی۔

۲۷ جون ۱۸۳۹ء کو صبح راجہ سوچیت سنگھ جموں اور رام نگر سے لاہور پہنچا۔ جسے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیماری کی خبر دی گئی تھی۔ مہاراجہ سے کہا گیا کہ راجہ سوچیت سنگھ سروارنا اور نذر کر رہا ہے۔ مہاراجہ نے آنکھ کھول کر دیکھا مسکرایا اور پھر آنکھ بند کر لی۔ کمزوری بڑھنے لگی اور مہاراجہ بے ہوش ہو گیا۔ شام کو مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے ویدوں، حکیموں، جیوتشیوں، بے شمار فوج، لاکھوں نوکر چاکروں، سرداروں، امیروں، وزیروں اور کروڑوں سے بھرپور خزانوں کی موجودگی میں دنیا سے چل بسا۔ اندرون محلات کہرام مچ گیا۔ درباری سر پیٹنے لگے۔ شہزادہ کھڑک سنگھ، راجہ دھیان سنگھ، ہیرا سنگھ اور سوچیت سنگھ زار زار رونے لگے۔ رنگ محل ماتم کدہ کی صورت اختیار کر گیا۔ دوسرے دن انتم سنسکار کے لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی لاش کو لے جایا گیا۔ ایک لاکھ سے اوپر لوگ ارتھی کے ساتھ تھے۔ جن میں سول اور فوج کے ہزاروں ملازمین اور شاہی خاندان کے افراد، تمام وزراء اور امراء اشکبار آنکھوں سے چل رہے تھے۔ ڈاکٹر ہانگ برجر اپنا چشم دید واقعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی لاش کو جلانے کا نہایت رقت انگیز پیرایہ میں بیان کرتا ہے کہ "مہاراجہ رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد سکھ مذہب کی رو سے اُس کی لاش جلائی گئی۔ اُس وقت چتا کے پاس براہمن، سکھ گرنتھی اور مسلم علماء موجود تھے۔ جب لاش جلائی گئی تو مسلم علماء اللہ اللہ کرتے رہے اور براہمن سنسکرت زبان میں شلوک پڑھتے رہے۔ یہ منظر اس لحاظ سے اور بھی دردناک ہو گیا تھا کہ اس میں مہاراجہ کی چار رانیاں اُس کی چتا کے سر کی طرف اور سات داشتائیں پیروں کی طرف کھڑی ہو کر اس آگ میں جل کر مر گئیں۔ مہاراجہ کے وزیر اعظم راجہ دھیان سنگھ نے بھی اپنے آپ کو نذرِ آتش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ سکھ سلطنت کا دارومدار اب اُس پر تھا۔ اس لئے اُسے شہزادوں اور امیروں وزیروں نے پکڑ کر روک لیا۔

جب مہاراجہ کی مہارانیاں ستی ہونے کے لئے چتا کے نزدیک آ کھڑی ہوئیں تو ان میں سے ایک مہارانی جو کہ سب سے بڑی تھی، نے شہزادہ کھڑک سنگھ کو اپنے پاس بلایا اور اس کے بعد راجہ دھیان سنگھ کو آنے کے لئے اشارہ کیا۔ جب دونوں پاس پاس کھڑے ہو گئے تو ستی

ستی کا روپ اختیار کئے ہوئے بڑی مہارانی نے راجہ دھیان سنگھ کو گیتا مقدس اور کھڑک سنگھ کو تھما دے کر کہا ''دونوں میرے سامنے مہاراجہ کی چتا کو ہاتھ لگا کر حلف اٹھاؤ کہ ایک دوسرے کے بھروسے سے سلطنت کا کام کرو گے۔ اور جس طرح مہاراجہ نے سلطنت بنا کر چھوڑی ہے اس میں فرق نہ آنے دو گے'' ستی نے مزید کہا ''میں ہزاروں لوگوں کے سامنے تم دونوں کو کہہ رہی ہوں یاد رکھو ستی کے سامنے کئے ہوئے وعدہ سے اگر تم منحرف ہو گئے تو تباہ ہو جاؤ گے'' پھر کھڑک سنگھ کی بانہہ راجہ دھیان سنگھ کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ سے ستی نے دے دی۔ پھر خود سب کے سامنے دوسری ستی رانیوں اور باندیوں کے ساتھ چتا میں جل کر بھسم ہو گئی۔

دوسرے دن وزیر اعظم راجہ دھیان سنگھ نے مہاراجہ کھڑک سنگھ کی سرکردگی میں ماتمی دربار منعقد کیا۔ اور تمام ماتحت راجاؤں، نوابوں، جاگیرداروں اور گورنر جنرل ہندوستان کو ماتمی چٹھیات لکھی گئیں۔ کنور نونہال سنگھ اور راجہ گلاب سنگھ کو پشاور میں اطلاع دے دی گئی۔ نونہال سنگھ نے جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پرلوک سدھارنے کی خبر سنی تو وہ فرط غم سے اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا۔

طوائف الملوکی کا آغاز

مہاراجہ کھڑک سنگھ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنی عیاشی اور نشہ بازی میں اضافہ کر لیا۔ راجہ دینا ناتھ صیغہ مالیات کا وزیر تھا۔ فقیر عزیز الدین وزیر خارجہ تھا لیکن حکومت کا رعب داب راجہ دھیان سنگھ کے ہاتھ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت سے چلا آ رہا تھا۔

لہ ڈاکٹر ہانگ برجر نے ''۳۵ سال مشرق میں'' لکھا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک رانی جس کی شادی ہوئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا، جس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ایشیائی حسن کا نادر نمونہ ہے اور جو راجہ سنسار چند کٹوچ والیٔ کانگڑہ کی کنیز کی لڑکی تھی۔ جب وہ پردہ نشین رانی اپنے محل سے ستی ہونے کے لئے نقاب پلٹ کر کھلے منہ نہریں، اشرفیاں، سونے چاندی کے سکے اور جواہرات لٹاتی آ رہی تھی تو اسے دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے اور ایک کہرام مچ گیا۔ اور ہر طرف آہ و بکا اور چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔ اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ستی کا روپ دھارن کئے اپنی ہی دھن میں مگن شوہر کی چتا میں آ بیٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے بھسم ہو گئی!

کھڑک سنگھ اپنے باپ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بدل ثابت نہ ہو سکا۔ وُہ کم فہم اور عیاش تھا۔ وُہ تاجپوشی کے ساتھ ہی اپنے ایک منظورِ نظر سردار چیت سنگھ کے ہاتھوں کٹ پُتلی بن گیا۔ جس سے دربار کے بڑے بڑے امیروں اور وزیروں کے دلوں میں ناراضگی پیدا ہو گئی جنہیں مہاراجہ کھڑک سنگھ کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ اور سب نے بہ یک زباں مطالبہ کر دیا کہ اگر مہاراجہ صاحب بادشاہی کی سلامتی چاہتے ہیں تو اُنہیں سردار چیت سنگھ کو فی الفور علیحدہ کر دینا چاہیئے۔ لیکن کھڑک سنگھ پر اس چیتاونی کا کوئی اثر نہ ہؤا۔ یہاں تک کہ ایک دن چیت سنگھ نے بھرے دربار راجہ دھیان سنگھ کی بے عزتی کی اور کہا کہ کل دیکھ لیں گے تم وزیرِ اعظم بھی رہ سکو گے؟ چنانچہ دربار کے اپنے جھگڑوں اور حسد و رقابت کو فراموش کر کے لاہور دربار کے سب سرداروں نے باہمی اتفاق کر لیا۔ اور کنور نونہال سنگھ ولی عہدِ سلطنت کی سرکردگی میں سردار چیت سنگھ کو قتل کرنے کا منصوبہ مکمل کر لیا۔ کنور نونہال سنگھ جو کہ ایک قابل مگر حکومت کا لالچی شہزادہ تھا، اپنے باپ کھڑک سنگھ کے اقتدار کے بھی خلاف تھا۔ اور چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ہو، لاہور کی بادشاہی اُسے مل جائے۔ کیونکہ محترم باپ کھڑک سنگھ اس قابل نہیں کہ بادشاہی چلا سکے۔ [illegible] / اکتوبر ۱۸۳۹ء کی رات کو کنور نونہال سنگھ کی صدارت میں ایک خُفیہ میٹنگ ہوئی جس میں جمعدار خوشحال سنگھ، سرداران سندھانوالئے اور سرداران مجیٹھے کے علاوہ راجہ دھیان سنگھ بھی شامل تھا۔ وہاں متفقہ فیصلہ ہؤا کہ سردار چیت سنگھ کو ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے مہاراجہ کھڑک سنگھ کسی کی بات نہیں مانتے۔ ہم مہاراجہ کھڑک سنگھ کے وفادار ہیں لیکن چیت سنگھ کی تابعداری ہمیں منظور نہیں۔ اس میٹنگ کو اگر حکومتِ خالصہ کے خاتمہ کی بُنیاد کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی آنکھ بند ہوتے ہی لاہور دربار پارٹی بازی کا گڑھ بن گیا۔ اور طوائف الملوکی کا پہلا دور مہاراجہ کھڑک سنگھ کے تخت پر پاؤں جمانے ہی شروع ہو گیا۔

چیت سنگھ کی ہلاکت

۸ / اکتوبر ۱۸۳۹ء کو علی الصباح کنور نونہال سنگھ کی سرکردگی میں جمعدار خوشحال سنگھ، راجہ گلاب سنگھ، راجہ دھیان سنگھ، سندھانوالئے اور مجیٹھے سردار مہاراجہ کھڑک سنگھ کے محل میں جا گھُسے۔ سردار چیت سنگھ بعد رفع حاجت چوکی پر بیٹھا تھا۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ پگڑی باندھ رہا تھا۔ مہاراجہ نے چیت سنگھ کو ساتھ لیا اور اپنی خوابگاہ کے کمرے میں چلا گیا۔ اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

کنور لونہال سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ
نے اندر سے باآواز بلند اتنی قسم لونہال
ہُوں لیکن سردار چیت سنگھ کو کوئی گز
مہاراجہ کھڑک سنگھ بغل میں لئے باہر آگ
کوئی قصور نہیں ہے۔کنور لونہال سنگھ ا
مہاراجہ کے رُوبرو اُسے ریزہ ریزہ

مہاراجہ کھڑک سنگھ کی موت

تیر تھ یاترا سے براہِ راست جمُوں کو
کا خاتمہ نہ ہوسکا۔کنور لونہال سنگھ ا
پسند نہ آتی اور نہ ہی کسی کو خاطر میں ل
لے دے گیا۔اُس کے مرنے کے بعد مہ
افیون کھانے کا عادی تھا۔رموزِ حکو
کا بڑا بیٹا۔اِس لئے اُس کی زندگی
کیسے پہنچ سکتا تھا۔گو کنور لونہال نے
بھی مہاراجہ تو کھڑک سنگھ ہی تھا۔
مہاراجہ کھڑک سنگھ بیمار رہنے
بیمار۔پانچ چھ ماہ کی لمبی بیماری کے بع
بقول "بہارستان" چونکہ کنور لونہال نے
تھا، مہاراجہ کھڑک سنگھ کو زہریلی دوا د
کی لاش انتم سنسکار کے لئے ماتمی شا

ستی ماتا کا سراپ

مہارانی
جب وُہ
بیٹھی تو تمام درباریوں نے کنور لونہال
کے لئے دُعا کرنے کے لئے استدعا کی

پہنچ گئے۔اور دروازہ توڑنے لگے تھے کہ کھڑک سنگھ
دھیان سنگھ کو دے دی کہ میں دروازہ کھولتا
دروازہ کھول دیا گیا۔سردار چیت سنگھ کو
قید کرلو لیکن جان سے نہیں مارو۔اِس کا
ہمراہیوں نے سردار چیت سنگھ کو پکڑ لیا اور

قعہ کے بعد گلاب سنگھ نے لاہور میں ٹھیرنا
گیا اور یاترا کی خاطر کاشی اور بنارس چلا گیا
چیت سنگھ کے قتل کے باوجُود درباری پارٹی بانکا
نا چاہتا تھا۔نوجوان تھا۔کسی کی بات اُسے
ار چیت سنگھ کا غم مہاراجہ کھڑک سنگھ کو
بیعت بحال نہ ہوئی۔وُہ دن میں دو تین بار
سے دسترس نہ تھی۔لیکن تھا مہاراجہ رنجیت سنگھ
بجائے کسی دُوسرے کو مہاراجہ بننے کا حق
ساری طاقت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔پھر

ائیوں کا زور ہونے لگا۔کبھی تندرست۔کبھی
نومبر ۱۸۴۰ء کو کھڑک سنگھ کی موت واقع ہو گئی۔
جگی کا تاج خود اپنے سر پر رکھنے کا خواہشمند
رہی جس سے اُس کی موت واقع ہو گئی۔کھڑک سنگھ
کے ساتھ شمشان گھاٹ پر لے جائی گئی۔
ستی ہونے کے لئے پالکی میں ساتھ تھی۔اور
کی لاش کے ساتھ چتا پر ستی ہونے کی خاطر
حق میں ترقی اقبال و دولت اور درازی عُمر
آلود نگاہوں سے بولی "جو کرے گا وہی بھرے گا۔

Scanned with CamScanner

جو بوئے گا اُسے ویسا ہی پھل ملے گا۔" یہ کہہ کر ستی نے مہاراجہ کا سر اپنے زانووں پر رکھ لیا۔ تب راجہ دھیان سنگھ نے درخواست کی کہ "تاج مہاراجہ کے سر پر ہے وہ کنور صاحب کے سر پر رکھ دیا جائے۔" ستی نے جواب دیا۔ "تاج سے بادشاہی نہیں ہوتی ہے۔ بادشاہی اکال پُرکھ کے ہاتھ ہے۔" دوبارہ منّت کرنے پر ستی نے خفا ہو کر تاج زمین پر پھینک دیا۔ ستی کے واقعہ اور گرمی کی شدّت سے کنور نونہال سنگھ کو تپ آ گئی۔ بخار چڑھ گیا۔ وہاں ہی لوگ سرگوشیاں کرنے لگ گئے کہ ستی کے سراپ کا اثر ہو گیا ہے!

کنور نونہال سنگھ کا انتقال

مہاراجہ کھڑک سنگھ کا انتم سنسکار کر کے جب کنور نونہال سنگھ کو میاں اُودھم سنگھ فرزند اکبر مہاراجہ گلاب سنگھ سہارا دیئے ہاتھ پکڑے آ رہا تھا کہ ڈیوڑھی کے نیچے پہنچتے ہی دروازہ کی بڑی بھاری ڈاٹ گر پڑی جس کے نیچے میاں اُودھم سنگھ وہاں ہی کچلا گیا اور کنور نونہال سنگھ شدید زخمی ہوا۔ راجہ دھیان سنگھ اُن کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ ڈاٹ گرنے سے اُس کے بازو پر بھی چوٹ آئی۔ کنور نونہال سنگھ کو نیم مُردہ حالت میں بارہ دری حضوری باغ میں لایا گیا۔ راجہ دھیان سنگھ نے اِس وقت کمال حوصلہ کا ثبوت دیا کہ اپنے حقیقی برادر زادہ کی موت کا صدمہ بھی بھلا دیا کہ کسی طرح کنور صاحب جانبر ہو سکیں۔ لیکن باوجود ہزار علاج کے دُوسرے دن کنور نونہال سنگھ کی رُوح بھی قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ڈاکٹر ہانگ برجر کے بیان کے مطابق جس کے زیرِ علاج کنور نونہال سنگھ رہا اور جو مہاراجہ کھڑک سنگھ کے انتم سنسکار کے بعد راجہ دھیان سنگھ کے ساتھ ساتھ واپس آ رہا تھا کہ "ڈاٹ کا گرنا اتفاقیہ امر تھا۔ اس میں کسی بھی طرح کی کوئی سازش کسی طرف سے ثابت نہیں ہو سکتی۔" نونہال سنگھ کی وفات نے تختِ لاہور کو خالی چھوڑ دیا۔ دھیان سنگھ رنجیت سنگھ کے ایک نامور بیٹے شیر سنگھ کے حق میں تھا لیکن گلاب سنگھ، خوشحال سنگھ اور بھائی رام سنگھ نے مہاراجہ کھڑک سنگھ کی بیوہ چاند کور کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اور اس کے لئے راجہ دھیان سنگھ، سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ، جمعدار خوشحال سنگھ اور سردار لہنا سنگھ پر مشتمل ایک نگران کونسل مقرر کی گئی۔ لیکن یہ کونسل زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔

گلاب سنگھ کی بہادری

دربار لاہور کی نگران کونسل جو کہ مہارانی چاند کور کی سرپرستی میں کام کر رہی تھی، اُس میں جلد ہی شدید

اختلافات پیدا ہوگئے اور راجہ دھیان سنگھ ناراض ہوکر شکار کے بہانے اپنے گھر جموں چلا آیا۔ اور شیر سنگھ کو کلانور میں پیغام بھیجا کہ تسلی رکھئے۔ اگر تن میں جان ہے تو ایک دن لاہور کا تخت لے دوں گا۔

ادھر شیر سنگھ کا مختار جوالا سنگھ فوج سے سازش کر رہا تھا کہ وہ شیر سنگھ کو راجہ دھیان سنگھ کی مدد کے بغیر تخت نشین کرائے۔ کیونکہ شیر سنگھ کی اُسے ایسی ہی ہدایت تھی۔ راجہ دھیان سنگھ نے اُسے اطلاع دی کہ فوج رضا مند ہوگئی ہے اور اب وہ بلا کھٹکے لاہور روانہ ہو جائے مگر اُس کے آنے تک شالامار سے آگے نہ بڑھے۔ شیر سنگھ کلانور سے چلکر شالامار باغ میں آٹھیرا اور یہ پتہ لگنے پر کہ راجہ دھیان سنگھ ابھی تک جموں سے روانہ نہیں ہوا جوالا سنگھ اور اس کے دوستوں نے شیر سنگھ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ فوج کو فوراً شہر پر حملہ کرنے کو کہے مہارانی چاند کور اور اُس کے مددگار فوج کے اچانک حملہ سے ڈر کر قلعہ حوالے کر دیں گے۔ اور راجہ دھیان سنگھ کا احسان نہ اٹھانا پڑے گا۔ شیر سنگھ نے فوج کے پاس اپنے آدمی بھیجے۔ اور اُنہیں اپنے ارادوں سے اطلاع دی۔ دُوسرے دن فوج کے پنچوں نے شیر سنگھ کے مہاراجہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس طرف راجہ گلاب سنگھ چاند کور کا سب سے بڑا حامی تھا۔ اور خود راجہ دھیان سنگھ کا بیٹا راجہ ہیرا سنگھ بھی اُس کے ساتھ تھا۔ جب شیر سنگھ کلانور سے روانہ ہوا تو اُسی دن راجہ گلاب سنگھ کو اُس کی روانگی اور فوج کے ارادوں کی اطلاع مل گئی تھی۔ لیکن جب تک سلامی نہ اُتاری گئی، اُس نے اس بات کو ظاہر نہ کیا۔

قلعہ لاہور کی جنگ

جب گلاب سنگھ نے دیکھا کہ جنگ اٹل ہے اور کنور شیر سنگھ راجہ دھیان سنگھ کے مشورہ کے خلاف کارروائی کرنا چاہتا ہے تو اُس نے اپنی فوج کو شاہدرہ سے طلب کیا۔ جب ساری فوج قلعہ کے اندر آگئی۔ تو دروازے بند کر دئے۔ اس فوج میں صرف دو ہزار جوان تھے جن کے پاس دس توپیں تھیں اور جنہیں ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں اور سینکڑوں توپوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ راجہ گلاب سنگھ نے قلعہ کے ثمن برج میں سب افسروں کو جمع کیا اور تمام خطروں سے اُنہیں واقف کر کے کہا کہ اگر وہ قلعہ سے باہر نکل کر جان بچانا چاہتے ہوں تو تمام دروازے اُن کے لئے کھلے ہیں۔ اور اگر اُنہیں مہارانی چاند کور سے وفادار رہنا منظور ہو تو مسلمان قرآن شریف اور ہندو گنگا جل اُٹھا کر سوگند کھائیں کہ وُہ مہارانی کا ساتھ دیں گے۔ اِس کے دُوسرے دن پو پھٹنے سے دو گھنٹے

پہلے کنور شیر سنگھ پچاس ہزار سپاہیوں اور ۸۰ توپوں کے ساتھ شہر میں داخل ہؤا اور قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کنور شیر سنگھ لڑائی کو جلد ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے فوراً دھاوا کا حکم دے دیا۔ اس حملہ میں کنور کے لشکر نے شکست کھائی اور میدان سے بھاگ گیا۔ دُوسرا حملہ زیادہ زور سے کیا لیکن اس میں بھی کامیاب نہ ہؤا۔ اب اُس کے پاس صرف ایک توپ خانہ رہ گیا تھا اور وُہ اس کو سوچ سمجھ کر چلانا چاہتا تھا۔ آخر اُس کی فوج نے قلعہ والوں کے نشانے سے بچنے کی ایک نرالی تجویز نکالی۔ وُہ لوگ جانتے تھے کہ ڈوگرے عورتوں پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔ اس لئے وُہ لاہور شہر سے بہت سی عورتوں کو پکڑ لائے اور اُنہیں اپنی توپوں کے اردگرد کھڑا کر کے گولے مارنے لگے۔ عورتوں کو سامنے دیکھ کر ابتدائی اسلامی حملوں کے وقت کی ایک لڑائی (ہندوؤں کی طرح) ڈوگروں نے بھی بندوقیں زمین پر رکھ دیں اور دشمن اس بزدلی کی آڑ میں آگے بڑھنے لگا۔ لیکن جب ڈوگروں نے دیکھا کہ دشمن کی توپوں سے اُن کا بہت بھاری نقصان ہو رہا ہے تو اُنہوں نے اِس احتیاط سے حملہ کا جواب دینا شروع کیا کہ گولیاں عورتوں کے سروں پر سے گزر کر دشمن کے سینوں پر پڑنے لگیں۔ بارہ سَو عورتوں میں سے صرف ۱۹ ہلاک ہوئیں اور ۱۸۰ سے زیادہ گولنداز مارے گئے۔ اس وقت کنور شیر سنگھ کو راجہ دھیان سنگھ یاد آیا اور اُس سے اُسے بُلانے کے لئے اپنے سرداروں کو بھیجا۔ لڑائی کے پانچویں دن شام کے وقت یہ اطلاع ملی کہ راجہ دھیان سنگھ جموں سے آ گیا ہے اور شاہدرہ کے قریب ہے۔ یہ سُن کر کنور شیر سنگھ نے قلعہ پر گولہ باری بند کر کے صُلح کا پیغام بھیجا۔ لیکن راجہ گلاب سنگھ نے جواب دیا کہ جب تک راجہ دھیان سنگھ نہ آئے کوئی بات طے نہیں ہو سکتی۔ اس خشک جواب، بھاری نقصان، روپے کی کمی اور فوج کی سرکشی سے شیر سنگھ گھبرا گیا اور اُس نے اسی میں خیر دیکھی کہ راجہ دھیان سنگھ سے مدد مانگے۔ چند سردار اور پانچ سو سوار بھیجے۔ یہ راجہ دھیان سنگھ کو لاہور لے آئے۔ کنور شیر سنگھ نے تمام سرداروں کے ساتھ پیشوائی کی۔

شیر سنگھ گھبرایا ہؤا تھا۔ پریشان اور مضطرب۔ رنگ فق اور چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ سدہ رہ کر اُسے یہ خیال آتا کہ میں نے جوالا سنگھ کا کہنا مان کر غلطی کی اور خواہ مخواہ ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ سے ٹکر لے لی۔ اُسے قلعہ کے محاصرہ سے ہٹنا بھی منظور نہ تھا۔ اس میں وُہ اپنی سُبکی بھی خیال کرتا کہ راجہ دھیان سنگھ کی آمد نے اُس کی جان میں جان ڈالی دی اور یہ آمد اُس کے لئے مدد الٰہی سے کم بھی نہ تھی۔ راجہ دھیان سنگھ نے آتے ہی اپنے بڑے بھائی راجہ

ے تاریخ جموں و کشمیر مرتبہ منشی محمد الدین فوق (الف)

گلاب سنگھ کو ڈوگری زبان میں خط لکھا جس کا ترجمہ یوں کیا جا سکتا ہے :-

"بڑے بھائی جے دیا عرض ہو۔ مجھے جموں میں پتہ لگا کہ آپ قلعۂ لاہور میں محصور ہو گئے ہیں اور رانی چاند کور کی امداد پہ بہادری کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ ادھر کنور شیر سنگھ نے عجلت سے کام لیا اور مجھے پتہ کیے بغیر سرپرست حکومت پنجاب مہارانی چاند کور پر حملہ کر دیا۔ خیر جو کچھ ہوا زبانی مل کر سب باتیں عرض کروں گا کہ میں یہاں سے جموں کیوں چلا گیا تھا لیکن آج مصلحت اس میں ہے کہ آپ مہارانی چاند کور کو سمجھا بجھا کر صلح پر راضی کریں اور یہ گولہ باری اپنی طرف سے بند کر دیں۔ میں لاہور میں آ گیا ہوں۔ جو کچھ آپ مجھے حکم دیں گے، میں اُس کی تعمیل کروں گا۔ آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کنور شیر سنگھ کو ہمارے بادشاہ مرحوم مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنا وارث تسلیم کیا ہوا ہے اور وہ ہر طرح سے حقدار راج گدی ہے۔ ویسے بھی وہ جرأت مند، عقیل اور آئین شناس ہے بلکہ آپ کا پرانا رفیق ہے۔ آپ کو اس کا ساتھ دینا چاہیئے۔ مہارانی چاند کور کہاں تک حکومت پر قابض رہنے کے قابل ہے۔ عورت ذات ہے۔ میں کیا لکھوں آپ کو۔ آپ خود دانائے زمانہ ہیں اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خاندان کا بنائے رکھنا یا تباہ کر دینا ہمارے ہاتھ میں ہے لیکن یہ ہمارا دھرم نہیں کہ ہم اپنے مرحوم بادشاہ کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیں اور گیتا مقدس کی اس سوگند کو فراموش کر دیں جو کہ انہوں نے بسترِ مرگ پر ہم سے دلائی تھی۔ کنور شیر سنگھ کی طرف سے آپ خاطر جمع رکھیں۔
۱ وہ ہماری رائے کے خلاف ہرگز نہیں چلے گا۔ اور اُس کی حکومت ہمارے لئے مُفید ثابت ہوگی۔ اِس سے کسی صورت بگاڑ اچھا نہیں۔ مہارانی کو گذارہ وغیرہ جو کچھ درکار ہے، آپ جو چاہیں دلا سکتے ہیں۔ مگر اس وقت ضرورت ہے کہ لڑائی بند کر دیں تاکہ ہمارے اپنے میں اختلافات کی جو افواہیں دشمنوں نے پھیلا رکھی ہیں، اُن کا بھی قلع قمع ہو جائے۔ اس لئے قلعہ سے باہر معہ مسلح مکمل فوج اپنے محل میں آ جایئے۔ کیونکہ قلعہ میں مقیم رہنے سے بگاڑ و عناد بڑھنے کا خدشہ ہے۔

آپ کا بھائی دھیان سنگھ

لاہور - ۵ ماگھ سمت ۱۸۹۷ بکرمی (مطابق ۱۸ جنوری ۱۸۴۱ء)"

حالات کچھ اس تیزی سے پلٹا کھا رہے تھے کہ کوئی کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ کیا ہوگا اور کیا ہونے والا ہے۔ اُدھر کنور شیر سنگھ قلعہ سے باہر اُس ساعت کے انتظار میں تھا کہ کب گلاب سنگھ قلعہ سے نکل کر اپنے چھوٹے بھائی راجہ دھیان سنگھ کے پاس پہنچے گا۔ ادھر مہارانی چاند کور سخت خطرہ کی حالت میں بدحواس ہو رہی تھی کہ راجہ دھیان سنگھ کے آنے سے کہیں راجہ گلاب سنگھ ساتھ نہ چھوڑ دے۔ وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر آسے مناسب گذارہ مل جائے تو یہ بادشاہت کی دردِ سر کو خیرباد کہہ دے اور گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر باقی زندگی ایشور بھجن میں خاموشی سے بسر کرے۔ چنانچہ اُس نے ذیل کا خط فیمی خان سے راجہ گلاب سنگھ کو لکھا:-

"دانا اور روشن خیال گلاب سنگھ کے نام۔

آپ کے نام حکم دیا جاتا ہے کہ میں آپ کی، راجہ ہیرا سنگھ کی، سردار منگل سنگھ کی، سردار سلطان محمد خان اور دوسرے وفادار اُمراء کی جنہوں نے اس ہلّہ میں آپ کی مدد کی، اس وفاکوشی، خیرخواہی اور اطاعت کے لئے تہ دل سے شکرگزار ہوں جس کا ثبوت آپ نے غاصب سلطنت کا مقابلہ کرنے میں ایسی بہادری سے دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دفعہ پھر میں آپ کی ممنون ہوں کہ آپ نے اپنے آپ کو سرکار کا نہایت وفادار ثابت کیا اور سرکار آپ کی بہت زیادہ احسان مند ہے۔ اب آپ کو اجازت ہے کہ آپ اس لڑائی کو جس طریق پر چاہیں ختم کر دیں۔ سرکار اس معاملہ کو آپ کی مرضی پر چھوڑتی ہے۔ سرکار صرف یہ چاہتی ہے کہ آپ معاملہ کا فیصلہ جتنی جلدی ممکن ہو، کر کے خود کو سرکار کی عنایت کا مستحق بنائیے۔

۱۸ جنوری ۱۸۴۱ء مہر انتواز۔"

راجہ گلاب سنگھ نے مہارانی چاند کور کا ارشاد نما خط پڑھا۔ پھر دوسری بار اپنے برادر عزیز روشن ضمیر باتدبیر راجہ دھیان سنگھ کا خط مطالعہ کیا۔ پانچ دن اور پانچ راتوں سے ... جنگ ... اور پختہ کار جرنیل راجہ گلاب سنگھ نے کھڑے ہو کر ایک

جب ہی اور اُس کے دونوں ہاتھ چھت کی طرف اُٹھ گئے۔ پھر چند قدم آگے چل کر توپ کے سہارے ٹیک لگا کر سوچنے لگا۔ سوچ کر مسکرایا اور بنچلی منزل میں آ کر راجہ ہیرا سنگھ کو راجہ دھیان سنگھ نے سردار عطر سنگھ سو مہارانی چاند کور کا خط دکھا کر استفسار کیا کہ کیا رائے ہے آپ لوگوں کی بیچ اس مسئلہ کے۔ ہر دو سرداروں نے جواباً کہا کہ آپ جو مناسب سمجھیں جواب دیں اور قدم اُٹھائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن یہ ضروری چیز ہے کہ مائی چاند کور سے مناسب گزارہ کی شرط متعین کرالی جائے۔ چنانچہ راجہ گلاب سنگھ نے اپنے دستخطی ڈوگری زبان میں راجہ دھیان سنگھ کو ذیل کا خط لکھا :۔

"برادر عزیز روشن ضمیر راجہ دھیان سنگھ مدار المہام سلطنت لاہور

خط ملا۔ حالات سے کما حقہ آگاہی پائی۔ آپ سے کوئی امر پوشیدہ نہیں۔ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ آپ نے جو کچھ مجھے لکھا ہے مجھے کوئی اعتراض یا انکار نہیں۔ لیکن اگر آپ کا مہاراجہ شیر سنگھ جو کہ ہماری نظروں میں اب تک بھی غاصب سلطنت ہے، ذیل کی شرائط قبول کرلے اور آپ کمال دانائی اور بُردباری سے اُسے سمجھا سکیں تو مکدر فضا کے خوشگوار ہونے میں دیر نہ لگے گی۔ میں آپ کی رائے کی قدر کرتا ہوں۔ اور جب سے آپ کی آمد کی خبر سُنی ہے گولہ باری بند کر دی ہوئی ہے۔ صرف تین شرطیں منظور کرانی ہیں۔ اور کنور شیر سنگھ کی طرف سے ہمیں ان کی شرائط کی منظوری کا پروانہ لکھا دیجئے۔ شرائط حسب ذیل ہیں :۔

(۱) مائی صاحبہ کو عزت و احترام کے ساتھ رکھا جائے۔ اور بلحاظ اُن کے رُتبہ عالیہ کے اُنہیں مناسب پوزیشن دی جائے۔

(۲) مائی صاحبہ کے تمام سرداروں اور سرکردہ اُمراء سے کوئی غصہ گِلہ نہ رکھا جائے اور اُنہیں پھر سے منظور نظر بنا لیا جائے۔

(۳) مہارانی چاند کور کی حمایت میں قلعہ بند ہو کر جو کچھ راقم نے کیا ہے وہ سلطنت کی خیر خواہی پر محمول سمجھا جائے کہ ایک نمک خوار اور وفادار کی حیثیت سے اپنا حق فرض ادا کیا۔

اِس سے آگے اور کیا لکھوں۔ آپ اگر اِن تین باتوں کو منوا سکتے ہیں تو آپ

اختیار ہے۔

۱۸ر جنوری ۱۸۴۱ء

آپ کا بھائی ــ محصور گلاب سنگھ

جب راجہ گلاب کا پیادہ چٹھی لے کر راجہ دھیان سنگھ کے پاس پہنچا تو شہزادہ شیر سنگھ اور اُس کا نوعمر لڑکا کنور پرتاپ سنگھ راجہ صاحب کی حویلی میں بیٹھے منتظر تھے کہ گلاب سنگھ کا کیا جواب آتا ہے۔ چنانچہ راجہ دھیان سنگھ نے شہزادہ شیر سنگھ کو حرف بحرف چٹھی اپنی زبان میں سُنائی۔ شیر سنگھ خوشی سے کھلکھلا اُٹھا اور راجہ دھیان سنگھ سے بغلگیر ہو کر کہنے لگا۔ یہ کام آپ کے آنے سے ہی فتح ہؤا۔ ابھی راجہ گلاب سنگھ کو لکھو کہ آپ کی تمام شرائط ہمیں منظور ہیں۔ چنانچہ گلاب سنگھ کے نام ذیل کا پروانہ بھیجا جس پر اُس کے اور اُس کی پارٹی تمام سرکردہ امراء کے دستخط تھے:۔

"سلطنت کے بہی خواہ روشن خیال راجہ گلاب سنگھ کے نام

آپ کے نام شاہی ارشاد جاری کیا جاتا ہے۔ براہِ مہربانی قلعہ میں توپیں چلانا بند کر دیجئے۔ ہم بھائی اوتم سنگھ اور بابو بابیام سنگھ کو آپ کے پاس بھیج رہے ہیں کہ وُہ آپ کو عزت و توقیر کے ساتھ ہمارے حضور میں لائیں۔ اگر آپ حاضر آ جائیں تو آپ کی عزت ہوگی اور احترام کا سلوک کیا جائے گا۔ آپ پر خطابات کی بارش کی جائے گی۔ آپ اطمینان رکھئے کہ اگر آپ بذاتِ خود آنا نہ چاہیں تو سری گرنتھ صاحب کے نام پر آپ مائی صاحبہ سے کہئے کہ وُہ قلعہ سے باہر آ جائیں۔ مائی صاحبہ کی حفاظت کا ہم ذمہ لیتے ہیں اور اُن کے سواگت کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ آ جائیں تو آپ کی تینوں شرطیں پوری کر دی جائیں گی۔ کسی قسم کی فکر اور تشویش کو بالائے طاق رکھ دیجئے اور ہماری عنایت اور امداد کا یقین رکھئے۔ فقط۔ ۱۹ر جنوری ۱۸۴۱ء"

اِس صلح نامہ کے ساتھ زبانی پیغام بھی شہزادہ شیر سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کو دیا کہ وُہ گلاب سنگھ اور اُن کے بھائی شہزادہ کے [illegible] زیادہ [illegible] مانتے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ جتنے بھی سرکردہ امراء ہیں، اُن کے مشورہ پر کاربند رہنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

گلاب سنگھ اِس بات کا منتظر تھا۔ چنانچہ ۱۹ جنوری ۱۸۴۱ء کی عین آدھی رات کو وُہ

قلعہ سے باہر آگیا اور اپنی ذاتی فوج کے پانچ سو سواروں کو اُسی وقت جموں کی طرف بھیج دیا۔ جب ۲۰ جنوری کی صبح کو شہزادہ شیر سنگھ کو خبر ہوئی کہ راجہ گلاب سنگھ رات کو قلعہ سے باہر آگیا ہے تو وہ بہ نفسِ نفیس راجہ دھیان سنگھ کی حویلی میں ہاتھی کی سواری میں آگیا اور گلاب سنگھ سے بغلگیر ہوا۔ خوشنودی کی سلامی ہوئی۔ اس عقلمندی پر سب نے راجہ دھیان سنگھ کی تعریف کی۔ اُسی دن تیسرے پہر شہزادہ شیر سنگھ، راجہ دھیان سنگھ اور راجہ گلاب سنگھ داخل قلعہ ہوئے۔ مہارانی چاند کور کو اطمینان دلایا اور لاہور شہر میں منادی کرائی گئی کہ سب لوگ دوکانات کھول کر اپنے اپنے نجی کام بلا خوف و خطر کریں۔ لاہور شہر کا حلیہ بگڑ چکا تھا۔ شیر سنگھ کے فوجیوں نے ٹکسالی دروازہ کے راستے لاہور شہر میں داخل ہوکر لوٹ مچا دی تھی۔ توپ خانہ اور توشہ خانہ سرکاری لُوٹ لیا تھا۔ لوگوں نے بخوفِ جان و مال اپنی دوکانیں بند کر دیں۔ کاروبار معطل ہوگیا۔ اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں یا جہاں کہیں جگہ ملی، چھپ گئے تھے۔ چنانچہ اس صُلح سے چھاؤنی میں بھی امن قائم ہوگیا۔ فوجیوں نے آرام کا سانس لیا اور سارے شہر میں امن و امان بحال ہو گیا۔ مہارانی چاند کور کو سات لاکھ کی جاگیر بطور گذارہ لگا دی گئی۔ تمام سرداروں کو اپنے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں سپرد کی گئیں۔ اور راجہ دھیان سنگھ نے پنڈتوں کو بلا کر بسنت پنچمی کا مہورت تخت نشینی شیر سنگھ مقرر کرایا۔ اس مرحلہ پر راجہ گلاب سنگھ کو ساتھی سرداروں کی طرف سے زور دیا گیا کہ وہ مہاراجہ شیر سنگھ کے تحت وزارت ہی راجہ دھیان سنگھ کے ساتھی وزیر ہو کر کام کریں لیکن گلاب سنگھ نے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ لاہور کی سازشوں میں شریک ہونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فضا کسی وقت بھی مکدر ہوسکتی ہے۔ اُس نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنے علاقہ کو لوٹ جائے۔ اُس نے دربار لاہور کے سب ساتھی وزیروں اور امیروں کو بلکہ مہاراجہ شیر سنگھ کو کہا کہ جموں اور لاہور کوئی دُور نہیں۔ میرے بھائی بھتیجے یہاں آپ کے حلقہ بگوش ہیں۔ یہ میرا ہی رُوپ ہیں۔ اس طرح میں ہر وقت آپ کے پاس ہوں۔ جس وقت میری ضرورت پڑے، میں بھی حاضر ہوں۔ چنانچہ گلاب سنگھ نے اس طرح سے اپنی خلاصی کرائی۔ کہا جاتا ہے کہ قلعہ چھوڑنے کے موقعہ پر گلاب سنگھ وہ تمام خزانہ [illegible] ہمراہ لے گیا جو رنجیت سنگھ نے جمع [illegible] رکھا تھا اور قلعہ میں موجود تھا۔ سولہ گاڑیاں روپے اور چاندی کے [illegible] سے بھری گئیں اور [illegible] سواروں کی نگرانی میں یہ گاڑیاں جموں لے جائی گئیں جب کہ ہر ایک سوار کے پاس ایک ایک تھیلی سونے کی مہروں کی بھی دی گئی تھی۔ گلاب سنگھ مہاراجہ شیر سنگھ اور اپنے بھائی راجہ دھیان سنگھ [illegible]

زورآور سنگھ نے جواب دیا "میں یہاں محنت مزدوری کرتا ہوں اور دور پہاڑ کا رہنے والا ہوں۔" چونکہ اپنی اور اُس کی بولی میں کوئی خاص فرق نہ تھا، اُس کا حسب نسب: نام و پتہ دریافت کر لیا اور کہا کہ تم آج سے مزدوری نہیں کرو گے بلکہ میرے ساتھ رہو گے۔ تم اپنے گھر واپس جانا نہیں چاہتے لیکن میں تمہیں اپنے ساتھ اپنے گھر دُور پہاڑ میں لے جاؤں گا۔ اس طرح زورآور سنگھ رانا جسونت سنگھ کے ساتھ ہری دوار سے گلیان چلا آیا۔ بہادر تو فطرتاً تھا ہی تلوار چلانا بچپن سے ہی جانتا تھا۔ رانا جسونت سنگھ کی سرپرستی میں اُس نے نیزہ بازی، شہسواری اور اُس وقت کے تمام جنگی ہتھیاروں کے چلانے میں مہارت حاصل کر لی۔ گلیان میں اُس نے ایک پرسدھ یوگی سے یوگ ابھیاس بھی سیکھ لیا اور رُوحانی شکتی میں ترقی کی۔ اُس وقت کے رواج کے مطابق زورآور سنگھ نت برت اور گئو براہمن کی سیوا میں بھی مگن رہتا۔ برہمچریہ کا اُس نے برت دھارن کر لیا۔ اُس کے ایسے نیک اور بہادری کے اوصاف سے متاثر ہو کر رانا جسونت سنگھ کے سپتر رانا فتح سنگھ، جو کہ گلیان پر حکومت کرتا تھا، نے زورآور کی شادی اپنے رشتہ داروں میں ایک لڑکی سے طے کر دی لیکن زورآور سنگھ نے، جو برہمچاری رہنے کی پرتگیا کر چکا تھا، صاف انکار کر دیا۔ زورآور سنگھ کی عمر ۱۸ سال کی تھی جبکہ وہ ایک من وزنی مگدر جو کہ اس وقت بھی گلیان میں موجود ہے، ہر روز صبح ورزش کے طور ایک ہاتھ سے اُٹھا لیتا اور کتنی ہی دیر اُٹھائے پھرتا۔ یہاں زورآور سنگھ کا ایک یوگی کے پاس آنا جانا ہو گیا۔ وہ یوگی عرصہ ۱۲ سال سے جنگل میں تپسیا کر رہا تھا۔ یوگی سے یوگ ابھیاس سیکھنے لگا اور رُوحانیت میں کافی ترقی کی۔ زورآور سنگھ ایک سپاہی کی تربیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ برہمچاری اور یوگی بننے لگا۔

حسن اتفاق یہ کہ کابل کا امیر شاہ شجاع ترکِ وطن کر کے پنجاب سے ہوتا ہؤا کشتواڑ جا رہا تھا۔ یہ وہی شاہ شجاع ہے جس کی فوج میں بھرتی ہونے کے لئے مہاراجہ گلاب سنگھ ۱۷ سال کی عمر میں اپنے دادا میاں موٹا سنگھ کے ڈانٹنے سے ناراض ہو کر بھاگا تھا لیکن دریائے سندھ پر پہنچ کر ہمراہیوں نے کابل جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس شاہ شجاع کو بکرزئی قبیلہ نے بغاوت اختیار کر کے افغانستان کے تخت سے اُتار دیا تھا۔ اور اُس دن سے اُس بدنصیب حکمران کے کہیں پاؤں نہ جمے۔ تو وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پناہ گزیں ہؤا۔ کوہ نور ہیرا بھی تحفہ کے طور دے دیا لیکن کابل واپس نہ جا سکا۔ اور اُس کے من کی مراد بر نہ آئی۔ چنانچہ شاہ شجاع جب کشتواڑ جاتا ہؤا کھلینی کے مقام پر پہنچا تو سرتن گلیان کے رانا فتح سنگھ کی طرف سے اُس

رخصت ہو کر مہارانی چاند کور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اجازت چاہی۔ تو مہارانی نے اُس کو تحفت کے طور پر اشرفیوں کی تھیلیاں۔ بارہ گھوڑے اور ایک صندوق جواہرات دے کر اُس کی خدمات کا اعتراف کیا۔ اور اس عظیم الشان دولت اور خزانہ کے ساتھ گلاب سنگھ جموں کو واپس ہوا۔ جہاں حملہ لداخ کی امداد میں اُس کی موجودگی ازبس ضروری تھی جو ان دنوں اپنے پورے زور پر تھا۔

جرنیل زورآور سنگھ

زورآور سنگھ تعلقہ کلہور بلاسپور (ہماچل پردیش) کے ایک راجپوت گھرانے کا چشم و چراغ تھا جو کہ ماہ ستمبر ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوا۔ زورآور سنگھ کے بچپن کی کوئی خاص بات تو نہیں لیکن جب وہ پیدا ہوا تو کانگڑہ کے ایک پرسدھ جیوتشی گنگا رام نے جب کہ وہ راجہ بلاسپور کا مہمان تھا، زائچہ ولادت بنایا۔ اور زورآور سنگھ کے باپ کو کہا کہ بچہ کا اپنی بہادری اور شہزوری کی بدولت ایک عالم میں ڈنکا بجے گا اور رہتی دنیا تک اس کا نام ناقابلِ فراموش رہے گا۔ لیکن گرہوں کے حساب سے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ اسے اپنی جنم بھومی میں قیام نہ ملے گا۔ اور کسی دُور دیش میں جاکر اپنا گھر بسائے گا اور وہاں ہی کا ہو کر رہے گا۔ سولہ برس کی عمر میں اس کے ہاتھ سے جو ہنیا ہو گی جس سے پشیمان ہو کر گھر سے فرار ہو جائے گا اور پھر زندگی بھر واپس نہ آئے گا۔ چنانچہ جیوتشی کا کہنا درست نکلا اور جب زورآور سنگھ نے سولھویں سال میں قدم رکھا تو اپنے یک جدیوں سے وراثت پر جھگڑا ہو گیا اور اس ہنگامہ میں اُس کا چچازاد بھائی ہلاک ہو گیا۔ اپنے ایک نزدیکی بھائی کے قتل کے واقعہ نے اس پر گہرا اثر کیا اور وہ پرائشچت کی خاطر تیرتھ یاترا کے لئے کلہور سے نکل آیا۔ چنانچہ کئی ہفتوں کی مسافت کے بعد ہری دوار پہنچا اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالنے لگا۔

حُسن اتفاق یہ کہ رانا جسونت سنگھ والیٔ گلیان و ددرت (موجودہ تحصیل ڈوڈہ ریاست جموں و کشمیر) ۱۸۰۳ء میں اپنے بڑے لڑکے رانا فتح سنگھ کو راج گدی دے کر تیرتھ یاترا کے لئے ہری دوار آیا تھا۔ اُس وقت جموں میں مہاراجہ رنجیت دیو کا پوتا راجہ جیت سنگھ راج کرتا تھا۔ ایک دن اُس کے کیمپ میں گنگا کے کنارے اُس کے لنگر میں مزدوری کرنے کے لئے زورآور سنگھ آیا۔ رانا جسونت سنگھ نے مزدور لڑکے کو دیکھا اور پوچھنے لگا "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

خاطر تواضع اور مہمان نوازی کے لئے زورآور سنگھ کو بھیجا گیا۔ شاہ شجاع نے دس پندرہ یوم بمقام کھلینی قیام کیا اور زورآور سنگھ کے حسن سلوک اور خاطرداری سے بے حد خوش ہوا۔ اُس نے رانا فتح سنگھ سے زورآور سنگھ کو کشتواڑ تک لے جانے کے لئے استدعا کی۔ لیکن زورآور سنگھ لے جانے سے انکار کر دیا کہ یہاں بچپن سے میری پرورش ہوئی ہے۔ میں یہ جگہ چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتا۔

اُس کے بعد میاں ڈیڈو اپنی جانباز پارٹی کو لے کر بھدرواہ جا رہا تھا تو رانا فتح سنگھ نے اُس کی بھی مہمان نوازی کے لئے بمقام کھلینی زورآور سنگھ کی ڈیوٹی لگائی۔ ڈوگرہ دیس کے دو بہادر جرنیلوں کی مُلاقات عجیب حالات میں ہوئی۔ اُس وقت میاں ڈیڈو کو کیا پتہ تھا کہ جو شخص زورآور سنگھ کے نام سے رانا فتح سنگھ کا اردلی بن کر میری آؤ بھگت کے لئے تعینات ہے، یہ کسی دن ہندوستان کی سرحدیں ہمالیہ کے اُس پار تبت تک پہنچا کر دُنیا کا ایک عظیم جرنیل اور فاتح ثابت ہوگا۔ لیکن حادثہ یہ ہوا کہ دو تین دن بعد کھلینی کے ملحقہ گاؤں سارس کے ہری جن میگھوں نے رات کو دیوی کا جاگرتہ کیا اور رواج کے مطابق ڈھول بجائے۔ اس سے میاں ڈیڈو کی پارٹی میں یہ غلط فہمی پھیل گئی کہ رانا فتح سنگھ انہیں مہمان بنا کر دھوکے سے مارنا چاہتا ہے۔ چنانچہ میاں ڈیڈو کے حکم سے موضع کھلینی کو جلا دیا گیا اور پارٹی لوٹ مار کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ جب اِس حادثہ اور لوٹ مار کا علم رانا فتح سنگھ کو ہوا تو اُس نے زورآور سنگھ کو بہت بُرا بھلا کہا اور لعنت ملامت کی۔ یہ بھی کہا کہ تم بُزدل ہو۔ لیکن زورآور سنگھ نے جواب دیا۔ "میاں ڈیڈو آپ کا رشتہ دار ہے۔ مجھے تو مہمان نوازی کے لئے بھیجا گیا تھا نہ کہ لڑائی کے لئے۔"

بُزدلی کے طعنے کو زورآور سنگھ برداشت نہ کر سکا اور تُرنت گلیان سے چلا آیا اور چنہنی پہنچا۔ چنہنی کے راجہ دیال چند کے لڑکے راجہ گجیندر چند نے گلیان میں شادی کی ہوئی تھی۔ اس رشتہ کی وجہ سے زورآور سنگھ کئی بار چنہنی آتا جاتا تھا لیکن راجہ دیال چند نے اس وجہ زورآور سنگھ کو مُنہ نہ لگایا کہ گلیان کے رانا اس سے ناراض ہیں۔ چنہنی سے زورآور سنگھ بے سروسامانی، ماندگی اور ناچارگی کے عالم میں جموں کی طرف بھاگا۔ وُہ ایسے وقت میں جموں پہنچا کہ جب وُہ شہر کے باہر داخلی دروازہ دھونتھلی کی ڈھکی پر سستا رہا تھا، اُس نے ایک ایسے نوجوان کو دھوتی میں ملبوس، سر پر رام نامہ باندھے ہاتھ میں پانی کی گڑوی اُٹھائے ڈھکی

چڑھتے دیکھا جو دریائے توی سے اشنان کرکے آ رہا تھا۔ جب وہ نزدیک پہنچا۔ تو زورآور سنگھ نے اپنے ہاتھ خود بخود اُسے پرنام کے لئے جوڑ دیئے۔ یہ نوجوان گلاب سنگھ تھا جو لاہور سے اُن دنوں جموں میں مہاراجہ رنجیت سنگھ سے چھٹی لے کر آیا ہوا تھا۔ اس نے اُسے دیکھ کر پوچھا "تم کون ہو اور تمہارا کیا نام ہے؟" زورآور سنگھ نے جواب میں کہا "میرا نام زورآور سنگھ ہے" تو گلاب سنگھ ہنس دیا اور ازراہِ مذاق کہنے لگا کہ ایک شخص جنگ بہادر نام کا تھا۔ لیکن جب میدانِ جنگ سے بھاگا تو لوگوں کے پوچھنے پر اُس نے جواب دیا کہ مجھے میری ماں جنگ بہادر بھی کہتی تھی اور فتح سنگھ کے نام سے بھی پکارتی تھی۔ کہیں ایسے ہی زورآور سنگھ تم بھی تو نہیں ہو؟" اس پر زورآور سنگھ نے نہایت عاجزی سے کہا کہ "اس بات کا جواب وقت ہی دے سکتا ہے"

گلاب سنگھ نے زورآور سنگھ کو ساتھ لے لیا اور حسنِ اتفاق یہ کہ اُسی وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پروانہ گلاب سنگھ کے نام ریاسی پرگنہ پر قبضہ کرنے کا ملا تو دوسرے دن گلاب سنگھ ریاسی روانہ ہوا۔ زورآور سنگھ بھی ساتھ تھا اور ریاسی پر قبضہ کر کے قلعہ بھیم گڑھ کے محافظ دستہ میں سپاہی کے طور زورآور سنگھ کو بھرتی کر لیا گیا۔

یہاں سے اُس نے اپنی زندگی کا صحیح معنوں میں آغاز کیا۔ گلاب سنگھ نے زورآور سنگھ کو ریاسی کے نزدیک گاؤں میں مکانات تعمیر کرا دیئے اور اُسے مجبور کر کے گرہست کی زندگی میں داخل کیا۔ اس طرح سے کاہلور اپنے گھر واپس نہ جانے کا جو پرن اُس نے کیا تھا وہ قائم رہا۔ زورآور سنگھ اکثر کہا کرتا تھا کہ میرا اصلی گھر یہی ہے۔ کاہلور تو اتفاق سے میرا جنم ہوا تھا۔ پچھلے جنموں کے کرم کہئے یا کچھ اور، مجھے مہاراجہ گلاب سنگھ نے ریاسی میں آباد کر کے ایک نیا جنم عطا کیا ہے۔

زورآور سنگھ کا عروج

اُنیسویں صدی میں شمالی ہندوستان بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان ریاستوں کا اندرونی نظم و نسق بہت خراب تھا۔ رعایا اپنے حکمرانوں کے ہاتھوں اکثر نالاں تھی۔ جموں کے حکمران راجہ گلاب سنگھ کی دُوررس نگاہوں نے بھانپا کہ اگر ان تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو یکجا کر کے ایک بڑی ریاست میں منظم نہ کیا جائے جو بیرونی حملے سے اپنے آپ کو بچانے کی طاقت رکھتی ہو اور اندرونی طور پر لوگوں کو ایک مضبوط حکومت نہ دے سکے تو ہو سکتا ہے کہ یہ ریاستیں

Scanned with CamScanner

کسی بھی بیرونی حملہ آور کا اس طرح شکار ہو جائیں جیسے ایک بڑے طوفان کے آگے چھوٹے چھوٹے مٹی کے باندھ۔ بیرونی حملے کی وجہ سے ہندوستان کی پوتر دھرتی پر کوئی غیر ملک اپنے قدم جما سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اُس وقت بھی بیشتر ہندوستان ایک غیر ملک کے قبضہ میں تھا۔ لیکن اگر ہندوستان کے شمالی حصّے پر کوئی دُوسرا غیر مُلک قبضہ کر لیتا تو آج کی تاریخ کچھ اَور ہی ہوتی۔

اِن ریاستوں کو ایک جھنڈے تلے منظم کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اِس اہم کام کے لئے دُور اندیش، نڈر، دیش پریمی اور مدبّر جرنیلوں اور وزیروں کی ضرورت تھی۔ وزیر زورآور سنگھ نے اس اہم ضرورت کو پُورا کیا۔ جو کام برطانوی حکومت ہندوستان میں اپنی عملداری کے دوران کرنے کی جسارت نہ کر سکی، وُہ وزیر زورآور سنگھ نے کر دکھایا۔ اُنہوں نے اپنی فوج کی پیش قدمی لھاسہ تک کی۔ اُن کا مقابلہ نپولین بونا پارٹ اور چارلیمین سے کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کی سرحدوں کو چین اور تبت تک پہنچانا انہی کا کام تھا۔ اگر وزیر زورآور سنگھ اِس دَور میں نہ ہوتا تو آج کے ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ آج کے حکمران اِس قدر کمزور نکلے کہ وُہ اُس ہندوستان کی سرحدوں کی بھی حفاظت کرنے میں نااہل ثابت ہوئے جو وزیر زورآور سنگھ ایسے بہادر جرنیلوں نے اُنہیں ورثہ میں دیا۔ آج گلگت، ہُنزا، چترال اور اسکردُو پر ایک غیر مُلک کا قبضہ ہے۔ یہ ناجائز قبضہ ہماری غیرت، حُب الوطنی اور بہادری کو کھُلا چیلنج ہے۔

وزیر زورآور سنگھ نے اپنی خداداد ذہانت، شجاعت، تدبّر اور دیش پریم کے کارن آنے والی نسلوں کے دِلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دائمی مقام حاصل کیا۔ واجب تو یہ تھا کہ ایسے قومی ہیروؤں کا دِن منایا جائے۔ یہی وُہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا خون دے کر ہندوستان کو قائم دائم رکھا۔ ہندوستان کو مضبوط بنایا۔ ہندوستان کی شان کو دوبالا کیا۔ ہندوستانیوں کی بہادری کی دھاک دُور دُور تک بٹھا دی۔ آج بھی دُور مُلک کی مائیں بچّوں کو زورآور سنگھ کا نام لے کر ڈراتی ہیں۔

زورآور سنگھ نے اپنی زندگی کا آغاز راجہ گلاب سنگھ کی فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے شروع کیا۔ اُس وقت راجہ گلاب سنگھ جموں کے گورنر کی حیثیت سے کا[illegible]

جموں مہاراجہ رنجیت سنگھ والیٔ پنجاب کی سلطنت کا ایک حصّہ تھا۔ زور آور سنگھ نے کس طرح اپنے آقا گلاب سنگھ کی خوشنودی حاصل کی۔ اِس کے بارے میں مختلف قصّے مشہور ہیں مشہور مؤرخ سمتھ کا کہنا ہے کہ زور آور سنگھ ریاسی کے قلعے میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ ریاسی کا قلعہ دار ریاسی کے حالات سے آگاہ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً زور آور سنگھ کو جموں بھیجا کرتا تھا۔ ایک موقعہ پر زور آور سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کو بتایا کہ ریاسی کے قلعے میں جس ڈھنگ سے راشن دیا جاتا ہے، اُس سے راجہ گلاب سنگھ کو کافی نقصان ہو رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ ہر ایک سپاہی کو ایک سیر پختہ یومیہ آٹا ملتا ہے۔ یہ مقدار ضرورت سے زیادہ ہونے کی وجہ سے اُس کا ایک تہائی حصہ سپاہی لوگ فروخت کر دیتے ہیں۔ زور آور سنگھ نے راجہ صاحب کو یہ تجویز پیش کی کہ اگر آپ راشن کی تقسیم کا کام میرے سپرد کر دیں تو میں آپ کو سالانہ ایک لاکھ روپے کی بچت دے سکتا ہوں۔ راجہ گلاب سنگھ اِس نوجوان سپاہی کی ذہانت اور وفاداری سے بہت متاثر ہوا۔ اُس نے زور آور سنگھ کو جموں کے شمال کے تمام قلعوں کا سپلائیز انسپکٹر مقرر کر دیا۔ زور آور سنگھ نے یہ پیش کش یوں ہی نہیں کی تھی۔ وُہ بات کا دھنی تھا۔ جو وعدہ اُس نے کیا تھا وُہ پُورا کر دکھایا۔ اِس طرح زور آور سنگھ مہاراجہ گلاب سنگھ کے چہیتے افسروں کی صف میں شامل ہو گیا۔

۱۸۲۳ء میں راجہ گلاب سنگھ نے زور آور سنگھ کو کشتواڑ کا گورنر مقرر کیا۔ کشتواڑ کی ریاست اِن ہی دنوں جموں کے ساتھ شامل کی گئی تھی۔ جلد ہی بعد زور آور سنگھ کے وفادارانہ کاموں کی وجہ سے اُسے وزیر کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۸۲۳ء سے ۱۸۳۴ء تک وزیر زور آور سنگھ کشتواڑ کے نظم ونسق کو بہتر بنانے میں مصروف رہا۔ اِسی دوران اُس نے آس پاس کی چھوٹی چھوٹی پہاڑی ریاستوں کو کشتواڑ کے ساتھ شامل کر لیا۔ اور کشتواڑ کے بگڑے ہوئے نظم ونسق کو پھر سے ترتیب دے کر لوگوں کو مُدت کے بعد پہلی بار آرام کا سانس پہنچایا۔

لداخ۔ بلتستان اور مغربی تبت

لداخ کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ قُدرتی اور جغرافیائی طور پر یہ ہندوستان سے دُور اور پرے کوہ ہمالیہ کی سطح کا حصہ ہے تو بجا رہے گا۔ عرصہ دراز تک اِس پر ایک تبتی الاصل خاندان حکمران رہا۔ لداخ کی آبادی منگول نسل سے ہے لیکن مذہب کے لحاظ سے لوگوں

نے لامی شکل کا بدھ مت صدیوں سے اختیار کر رکھا ہے۔

شمال میں لداخ کا علاقہ درّہ قراقرم تک کوہستان قراقرم سے گھرا ہوا ہے۔ مغرب میں اس کی حد گلگت اور اسکردو کو چھو رہی ہے۔ لداخ دُنیا بھر کے نہایت بلند سطح کے علاقوں میں سے ہے اور اس کی بلندی سطح سمندر سے بارہ ہزار فٹ سے بھی اُوپر ہے۔ برف سے اٹے بڑے پہاڑی سلسلوں نے لداخ کو گھیر رکھا ہے اور آسمان کو چھونے والے پہاڑ کی چوٹیاں جن کی رفعت چھبیس ہزار سے اٹھائیس ہزار فٹ کے درمیان ہے، اپنی شانِ عظمت دکھا رہی ہیں۔

اصل لداخ کا نہایت ضروری حصہ لداخ کا رقبہ ہے جس میں سے دریائے سندھ گذرتا ہے۔ لداخ اور بلتستان کی آب و ہوا خشک اور صحت بخش ہے۔ سال میں نو دس مہینے سردی شدت کی پڑتی ہے۔ بارش کا توڑا بلکہ قلت اس قدر کہ اگر کھدر کی چادر بارش میں بچھا دی جائے تو مشکل سے وُہ گیلی ہو پائے گی۔ سبزی بھی نہیں ہوتی۔ عمارتی اور جلانے کی لکڑی کا ملنا نہایت مشکل ہے اور آبادی کا گذارہ تھوڑی بہت کاشتکاری پر ہے۔ لداخ میں مکانوں کی چھتیں ایسی ہی ہیں جیسی میدانی علاقوں میں۔ عام طور پر اُونچے مقامات پر چھتیں ڈھلان دار ہوتی ہیں۔ لیکن لداخ میں ایسا نہیں۔ وجہ اُس کی یہ کہ یہاں سال بھر میں کبھی بھی اتنی بارش نہیں ہوتی کہ پرنالے چلیں۔ کچی دیوار اگر کھڑی کر دی جائے تو کئی سال اُسے مرمت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کئی سالوں کے بعد اگر کوئی شخص اُسے دیکھنے کے لئے جائے تو وُہ اُسے اُسی حالت میں پائے گا جس حالت میں وُہ اُسے پہلی بار دیکھ کر گیا تھا۔

یہاں کے لوگوں کو ناچنے گانے کا کافی شوق ہے۔ سٹیج کا بھی کافی رواج ہے۔ کئی دھارمک ڈرامے سٹیجوں پر کھیلے جاتے ہیں اور لوگ انہیں دیکھنے میں کافی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ عام طور پر لداخی اپنا سارا گھر اپنی پیٹھ پر اٹھا کر چلتا ہے۔ گھر کی تمام قیمتی اشیاء وُہ ہر وقت ساتھ لئے پھرتا ہے۔

مسٹر کننگھم نے اپنی کتاب موسومہ لداخ "مطبوعہ ۱۸۵۴ء" میں لکھا ہے کہ لداخ آبادی کے لحاظ سے ویرانی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اُوپر سے نگاہ ڈالی جائے تو صرف زرد میدانوں اور بنجر پہاڑیوں کا سلسلہ دکھائی دے گا جو برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ نیگیکانگ اور شمور یری کی جھیلیں چٹانوں اور ریت کے کسی وسیع صحرا میں اُجلے سبزہ زاروں کی مانند

نظر آتی ہیں۔ انسانی آبادی کا کہیں نام ونشان نظر نہیں آتا۔ اور مزروعہ زمین کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی کسی بکھری ہوئی دنیا کے لق ودق جنگل پر چھوٹی چھوٹی جھیلوں کا منظر پیش کرتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھنے پر کئی ایک زرخیز قطعے بھی نظر آئیں گے جو بارونق فصلوں اور طرح طرح کی عبادت گاہوں سے ڈھکے ہوئے ہیں جن میں سے انسانی صداؤں کا گیت روزمرہ کی دعا اور حمد کی صورت میں فضائی بلندی پر پڑھتا رہتا ہے۔ گو لداخ اور بلتستان جغرافیائی لحاظ سے ایک ہی سطح رکھتے ہیں اور ان میں بسنے والے لوگ بھی نسلی طور پر ایک ہی ہیں۔ لیکن مذہب اُن کا الگ الگ ہے۔ لداخ کے لوگ بدھ مت کے پیروکار ہیں مگر بلتستان کے لوگ زیادہ تر مسلمان ہیں۔

تسخیر لداخ سے پہلے کے حالات

سیوانگ نمگیل کی وفات کے بعد سنہ ۱۷۸۰ء میں اُس کا بڑا لڑکا زیتن لداخ کا راجہ بنایا گیا۔ اُس کا چھوٹا بھائی سیپال ہیمس مٹھ میں چلا گیا۔ راجہ بننے کے وقت زیتن کی عمر چودہ (۱۴) سال کی تھی۔ دس سال حکومت کرنے کے بعد لیہہ میں چیچک کی بیماری پھوٹ پڑنے سے زیتن ۲۴ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ سنہ ۱۷۹۰ء میں سیپال کو شاہی اختیارات حاصل ہوئے اور وہ اپنے بھائی کی جگہ راجہ بنا۔ اُسے ورثہ میں بھائی کی عورت بھی حاصل ہوئی۔ سیپال ایک لامہ تھا۔ لیکن پھر بھی اُسے ملکہ کا دوسرا خاوند تصور کیا جاتا تھا۔ سیپال اپنے بھائی کے مقابلہ میں بہت سست، بے وقوف اور جاہل تھا۔ وہ کبھی جنگ میں نہیں گیا تھا اگرچہ ایسے کئی موقعے آئے۔ پرانی حکومت کے آدمیوں پر اُسے بالکل اعتبار نہ تھا۔ وہ حکومتی صلاح و مشورہ صرف اُن چند مشیروں سے کرتا تھا جنہوں نے اپنی چالبازیوں سے اُس کے گرد ایک آہنی گھیرا ڈال رکھا تھا۔ لوگوں کے دکھوں سے راجہ بے نیاز تھا۔ اس راجہ کے دورِ حکومت میں مورکرافٹ سنہ ۱۸۲۰ء میں لداخ آیا۔ اس واقعہ کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ یورپ سے بڑا صاحب اور چھوٹا صاحب بہت سی دولت لے کر کلو اور لاہول کے راستے لیہہ آئے۔ انہوں نے لداخ کے لوگوں کو قسم قسم کے تحفے دئے۔ انہوں نے راجہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ خواہش کئی مہینوں تک کامیاب نہ ہو سکی۔ بہت مدت کے بعد انہیں راجہ سے ملنے کا موقعہ ملا۔ راجہ کی خدمت میں انہوں نے بہت قسم کے تحفے تحائف پیش کئے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ یہاں ایک قلعہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس

علاقہ کے تسخیر کیے جانے کے تمام خدشات دور ہو سکیں۔ لیکن راجہ نے اس بات کے پیشِ نظر کہ کہیں اس کے نتائج خراب نہ نکلیں، قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت نہ دی۔ مور کرافٹ سردیاں اور گرمیاں گزارنے کے بعد ۱۸۲۲ء میں واپس یورپ چلا گیا۔

کئی مورخوں کا کہنا ہے کہ لداخ کے راجہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ لداخ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیرِ سایہ کر دیا جائے۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس اُلجھن میں پڑنے سے معذوری کا اظہار کیا کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی ابھی اپنے آپ کو اس قدر طاقتور نہیں پاتی تھی کہ لاہور دربار سے براہِ راست ٹکر لے کر لداخ میں اپنا دائرہ بڑھانے کی جسارت کر سکے۔

اس اثناء میں بادشاہ کی بے وقوفی، سستی اور عیاشی کی وجہ سے کُلو اور لاہول کے لوگوں نے لداخ کے علاقہ میں لوٹ کھسوٹ اور حملہ آوری شروع کر دی۔ کُلو کی فوج نے سپتی فتح کر لیا۔ بہت سے گاؤں تباہ و برباد کر دیے اور بہت سا مال و جائداد لوٹ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ لداخیوں نے سیپال پر اس لوٹ کھسوٹ کا بدلہ لینے کے لئے زور دیا۔ مگر بادشاہ نے اُنہیں یہ کہہ کر کہ تم لوگوں میں مقابلہ کی خواہش کیوں پیدا نہیں ہوئی، اُلٹا لوگوں کو سزا دی۔

اس کے بعد کُلو اور لاہول کے لوگوں نے زانسکار کے خلاف لڑائی شروع کر دی۔ انہوں نے کئی گاؤں تباہ کر دیے اور درمیانی اضلاع کے قلعے مسمار کر دیے۔ حملہ آور اپنے ساتھ خچر اور پہاڑی گائیں اور بہت سا مال ساتھ لے گئے۔ لیکن اس بار جنرل آمنہ بالدار کی کمان میں نچلی لداخی فوج نے اُن کا تعاقب کیا۔ لاہول سے لے کر کُلو کے درمیانی اضلاع تک لڑائی ہوتی رہی۔ بہت سے گاؤں تباہ و برباد ہو گئے۔ اس بار بھی بادشاہ نے کہا کہ زانسکار کے لوگوں نے ہمت سے کام نہیں لیا اور دشمن کا مقابلہ نہیں کیا۔ اس لئے اُنہیں سزا دی۔ اس کے ایک سال بعد منڈی اور واران فوج نے کشتواڑ کے راستے سے آکر اپر زانسکار سے لیکر ڈنگرنگ تک تباہی مچا دی۔ گاؤں کے گاؤں جلا دیے۔ اُن کے ہاتھ جتنی بھی دولت اور مال مویشی لگے، وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اُن دنوں کی لداخی حکومت کی لاپرواہی کی وجہ سے پڑوسی ملکوں کو لداخ فتح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور بہت بڑھی۔ بادشاہ کو صرف اپنی ذات کا خیال تھا۔ ملک کے مفاد سے اُسے ذرا بھی واسطہ نہ تھا۔

انیسویں صدی کے اس عرصہ میں جنوبی ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاوہ سمیت

ہندوستان میں سب سے بڑی سکھ حکومت تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد سکھ سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ گلاب سنگھ چاہتا تو آسانی سے لاہور دربار پر قبضہ کر سکتا تھا لیکن اُس نے ایسا کرنا شرطِ وفا کے خلاف سمجھا۔ ۱۸۳۴ء میں راجہ گلاب سنگھ نے انگریزوں کے ساتھ اچھے تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ لداخ میں ایک کمزور اور نا اہل حکومت کو برسرِ اقتدار دیکھ کر راجہ گلاب سنگھ نے لداخ کو جموں کے ساتھ ملا کر ایک بڑی ریاست بنانے کا ارادہ کیا۔ یہ ایک سنہری موقعہ تھا۔ اور گلاب سنگھ ایسا دُور اندیش اور مدبر حکمران اِسے ہاتھ سے کیوں جانے دیتا؟ لیکن لداخ کو فتح کرنے سے پہلے اُس نے مناسب سمجھا کہ اس بارے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی رائے حاصل کرے۔ چنانچہ اُس نے خفیہ طور پر یہ تحقیقات کروائی کہ لداخ کو فتح کرنے کی مہم شروع کرنے میں کمپنی کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔ اُس وقت لداخ کے بارے میں انگریزوں کو بہت کم معلومات حاصل تھیں۔ مورکرافٹ سے پہلے کوئی انگریز لداخ نہیں گیا تھا۔ چنانچہ کمپنی کی مداخلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اب گلاب سنگھ نے اپنی توجہ لداخ کی طرف مبذول کر دی۔ گو لداخ کے سرحدی حصوں میں کئی کامیاب حملے ہو چکے تھے لیکن سلطنت پر باقاعدہ طور پر فتح حاصل کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ اِس امر سے راجہ گلاب سنگھ بخوبی واقف تھا۔

ہندوستانی جنگ جُو بہادروں کے لئے شدّت کی سردی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ خاص کر سردیوں میں مُلک کی ویرانی کی وجہ سے فوج کو لڑائی کے لئے تیار کرنا بہت مشکل تھا۔ اور پھر راستوں کی لاعلمی کی وجہ سے کامیابی کے آثار بہت کم نظر آتے تھے۔ ہندوستان میں مختلف لڑائیوں میں حصہ لینے کی وجہ سے ڈوگرے فنِ صف آرائی اور ڈسپلن میں پیش پیش تھے۔ اُن کے پاس ایسے ہتھیار تھے کہ لداخی اُن کے مقابلے میں صدیوں پیچھے تھے۔ ڈوگروں کی رہنمائی تجربہ کار اُستاد کر رہے تھے جبکہ لداخیوں کے پاس کوئی تجربہ کار اُستاد موجود نہ تھا۔

زورآور سنگھ کا لداخ پر حملہ

ڈوگرہ فوج کشمیر کے راستے چڑھائی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ کشمیر اُس وقت سکھوں کی عملداری میں تھا۔ کشتواڑ کا ہی ایک راستہ تھا جس کے ذریعے لداخ کی طرف رُخ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن راستہ بہت دُشوار گذار تھا۔ کئی جگہوں میں تو راستہ صرف نام کا تھا۔ ایک باقاعدہ فوج کو اِس راستے سے لے جانا بذاتِ خود ایک معرکہ سے کم نہ تھا۔ لداخ پر فوج کشی کا کام جرنیل زورآور سنگھ کے

سپرد کیا گیا۔ جرنیل زور آور سنگھ کے سوا اس مشکل کام کو ہاتھ میں لینا اور کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔ اُنہیں مشکلات کا پورا احساس تھا۔ لیکن اپنی طاقت پر اُسے پورا اعتماد تھا۔ چنانچہ ۱۸۳۴ء کے شروع میں وزیر زور آور سنگھ دس ہزار فوج لے کر کشتواڑ سے آگے بڑھا۔ اُس نے مرلوآ۔ واڑون اور زنسکار کی دشوار گذار پہاڑیوں کو عبور کیا۔ اور پورگ پہنچا۔ پورگ لداخ کا ایک سرحدی ضلع تھا۔ ۱۶ اگست ۱۸۳۴ء کو زور آور سنگھ کو پہلی بار ۵ ہزار لداخی فوج کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ فوج جلدی ہی لڑائی کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اس فوج کی کمان سٹوگ کے ایک نوعمر منشیر کے ہاتھ میں تھی۔ یہ فوج اپنی بھاری بھرکم توڑے دار بندوقوں سے ڈوگرہ فوج کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی۔ اس لڑائی میں صرف چھ یا سات ڈوگرے مارے گئے۔ مہتہ بستی رام کے بیان کے مطابق تئیس لداخی ہلاک اور کئی زخمی ہوئے۔ سانکو کی لڑائی کے بعد لداخی فوج رات کے وقت شیرگول کی طرف رُوسی پاس کے راستے روانہ ہو گئی۔ یہاں ڈوگرے آٹھ دن ٹھہرے۔ کرتسی ضلع کا مشہور قلعہ ڈوگروں کے قبضہ میں رہا۔ انہوں نے سُورُو کے مقام پر ایک اور قلعہ تعمیر کر کے اور شگ کار کا پرانا قلعہ اپنے قبضہ میں لے کر اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔

سُورُو قلعہ میں ۲۵ آدمی چھوڑ کر ڈوگرہ فوج سُورُو دریا کی طرف بڑھی۔ سب سے پہلے لنگ کارتسی کو فتح کیا۔ اُس کے بعد آہستہ آہستہ لڑتے بھڑتے ڈوگرہ فوج لپش کیوم کے میدانوں میں پہنچی۔ اُس وقت لداخی کمک کی انتظار میں تھے۔ بوڑھے راجہ نے اپنے منشیروں نورو ب سٹنزن اور بنگا پالو لدانی کے لئے فوج تیار کرنے اُن اضلاع میں بھیجا تھا جنہوں نے ابھی تک لڑائی کے لئے اپنے پیادے نہیں بھیجے تھے۔ اور اب چار ہزار فوج لپش کیوم کی طرف آگے بڑھ رہی تھی۔ اس فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی سٹوگ کے نوعمر منشیر نے ڈوگروں پر حملہ کر دیا۔ آج دن کا پانسہ لداخیوں کے ہاتھ میں تھا۔ اچانک ڈوگرہ فوج کی گولی لداخی فوج کے کپتان کو لگی اور وہ وہیں مر گیا۔ اس کا گرنا تھا کہ لداخی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بھاگ نکلی۔ فوج کی زیادہ تعداد لپش کیوم پُل عبور کر کے مولبے اور شیرگول کی طرف بھاگی۔ پُل پار کرنے کے بعد انہوں نے پُل کو توڑ دیا لیکن ڈوگرے دوسرے طریقے سے بھی دریا کو عبور کرنا جانتے تھے۔ انہوں نے چمڑے کی کھالوں پر دریا پار کر لیا اور لداخی فوج کا تعاقب کیا۔ بہت سے لداخی مارے گئے اور کئی قیدی بنا لئے گئے۔ اب ڈوگروں نے اپنی

Scanned with CamScanner

آجہ لنش کیبوم قلعہ کی طرف کی۔ اس قلعے کو انہوں نے خالی پایا۔ لداخی فوج کا سردار سود کے قلعہ کی طرف بھاگ گیا تھا جو کہ کرگل کے جنوب میں واقع ہے۔ سود میں دس دن کی گولہ باری کے بعد یہ قلعہ بھی ڈوگرہ فوج کے ہاتھ لگا۔ اس طرح ڈوگرہ فوج نے تھوڑے ہی عرصہ میں لداخ کے اہم حصوں پر قبضہ کر لیا۔

اتنی دیر میں سردیاں شروع ہو گئیں۔ جو لوگ کبھی لداخ گئے ہیں، وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ لداخ کی سردی کس شدت کی ہوتی ہے۔ وہاں گرمیوں میں لوگ سایہ میں کھڑے کانپنے لگتے ہیں۔ سردیوں کا تو کہنا ہی کیا!

زور آور سنگھ چاہتا تھا کہ کچھ خاطر خواہ انتظام کر کے وہ واپس کشتواڑ چلا جائے۔ اس نے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے لنش کیبوم کے کسانوں پر کچھ ٹیکس عاید کئے۔ اس نے لداخی راجہ سے ۱۵ ہزار روپیہ بطور تاوان مانگا۔ راجہ صلح کے لئے آگے ہی بیتاب تھا۔ اس نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور ۱۵ ہزار روپیہ دینا منظور کر لیا۔ لیکن بعد میں وہ اس وعدہ سے مکر گیا۔ جب ڈوگرہ قاصد روپیہ لینے کے لئے لداخی کیمپ میں پہنچا تو لداخی راجہ نے اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ وہ زور آور سنگھ کے ہاتھ اور سر کاٹ لائیں ورنہ ان کے سر اڑا دئے جائیں گے۔ ڈوگرہ قاصد کو بے رحمی سے پکڑ کر ڈارک بڑ کے پل سے نیچے پھینک دیا۔ بستی رام کا بیان ہے کہ اس پر لداخی فوج نے اکتفا نہ کی۔ لداخی راجہ کے مشیر بنگا پا نے چکر دار راستہ اختیار کر کے عقب سے ڈوگروں پر حملہ کر دیا۔ عین موقعہ پر جو زخمی ہوئے، انہیں قیدی بنا لیا اور بعد میں انہیں دریا میں پھینک دیا۔ ڈوگرہ فوج کو مجبور کیا گیا کہ وہ لنس کار تنے تک ہجرت کریں۔ اس دوران میں لداخی راجہ نے مزید فوج تیار کرنے کے لئے کوشش شروع کر دی۔ مورخوں کا خیال ہے کہ لداخی راجوں کے پاس باقاعدہ فوج نہیں ہوتی تھی۔

فوج اکٹھی کرنے کے بعد لداخیوں نے فیصلہ کیا کہ سخت سردی کا فائدہ اٹھایا جائے۔ اور ڈوگروں پر حملہ کر دیا جائے۔ انہیں یقین تھا کہ ڈوگرہ فوج سردی کی وجہ سے لڑ نہ سکے گی اور اس طرح اسے آسانی سے شکست دی جا سکے گی۔ ڈوگرہ جرنیل اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس سے پیشتر کہ لداخی فوج ان پر حملہ کرتی، ڈوگروں فوج نے لداخیوں پر حملہ کر دیا۔ لداخیوں نے بندوقوں کا استعمال کیا۔ تین ڈوگرہ سردار اور بیس جوان اس لڑائی میں مارے گئے۔ لداخیوں کا بہت نقصان ہوا۔ ... لداخی بھاگتے ہوئے برف کے پل سے دریا میں بہ گئے۔

۲۰۰ لداخی قیدی بنا لئے گئے۔ اِن قیدیوں میں لداخی فوج کا جرنیل نورو ب سٹنزن بھی شامل تھا۔
لداخی فوج موبلے تک ہٹ گئی اور ڈوگرہ فوج دوبارہ پشِ کیوم تک جا پہنچی۔ لداخیوں کو جب اِس بات کا علم ہوُا تو وُہ لیہہ کی طرف اور پیچھے ہٹ گئے اور ڈوگرہ فوج آگے بڑھنے لگی۔
پلدگ کے سردار جنہیں کچھ عرصہ پہلے سیپال نے قیدی بنا لیا تھا، ڈوگروں کے ساتھ مِل گئے۔ اُنہوں نے ڈوگروں کی رہنمائی کی۔ لداخی اِس تیزی سے پیچھے بھاگ رہے تھے کہ اُنہیں راستے کے پُل توڑنے کی بھی فرصت نہیں ملی۔ جب ڈوگرے ضرلو پہنچے تو لامایورا کے لوگ بہت خوفزدہ ہوئے اور اُنہوں نے زور آور سنگھ کی خدمت میں خچر اور کچھ نقدی نذرانہ بھیجا۔ زور آور سنگھ اُن کی وفاداری سے بہت خوش ہوُا اور ایک ڈوگرہ سپاہی اُن کی حفاظت کے لئے لامایورا بھیج دیا۔ جب ڈوگرہ فوج ٹی ڈینگموسنگ پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے بھی بہت خوفزدہ ہوکر دو گھوڑے اور کچھ نقدی پیش کی۔ اور اپنی حفاظت کے لئے ایک سپاہی حاصل کیا۔
جب ڈوگرہ فوج جرنیل زور آور سنگھ کی کمان میں نیورلو پہنچی تو اُنہیں سسپل لا اچی ستنگ مر اور لی کر کے سفیر ملے۔ وُہ اپنے ساتھ نذرانے لائے تھے۔ اُنہوں نے زور آور سنگھ کی اطاعت قبول کی اور زور آور سنگھ نے اُن کی حفاظت کا وعدہ کیا۔
اِس طرح عہد و پیمان اور معاہدہ کرنے کے لئے جرنیل زور آور سنگھ کی پہلی ملاقات راجہ سیپال سے بس گو میں ہوئی۔ اِس ملاقات میں امن کے لئے معاہدہ ہوگیا۔ زور آور سنگھ لیہہ تک جا پہنچا۔ وزیر زور آور سنگھ کے بیان کے مطابق وُہ صرف لیہہ کی راجدھانی دیکھنے کے لئے آیا۔
امن و امان کے لئے دُوسرا معاہدہ کرزو گر ڈیو میں ہوُا۔ اِس مقام پر جرنیل زور آور سنگھ کا کیمپ تھا۔ اِس معاہدہ کے مطابق سیپال نے لداخ کو جموں کی سلطنت کا حصہ ماننا منظور کیا۔ اور زور آور سنگھ نے راجہ سیپال کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے ماتحت لداخ کا راجہ تسلیم کیا۔ معاہدہ کے مطابق سیپال نے ۵۰ ہزار روپیہ جنگ کے اخراجات کے طور پر اور ۲۰ ہزار روپیہ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ راجہ کے پاس ۵۰ ہزار روپیہ نقد نہ نکل سکا۔ اِس لئے ۳۷ ہزار روپیہ کی نقدی اور جواہرات دینا منظور کیا گیا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ باقی کا ۱۳ ہزار روپیہ دو قسطوں میں ادا کیا جائے۔ ۶ ہزار روپیہ ایک مہینہ کے بعد اور ۷ ہزار روپیہ چار مہینے کے بعد۔ لداخی تاریخ میں صرف ۹ ہزار روپیہ سالانہ ادا کرنے کا ذِکر ہے۔ لیکن اغلب ہے کہ مت بتی سام

Scanned with CamScanner

کے اعداد و شمار زیادہ صحیح ہیں۔

اس طرح لداخ پہلی بار ڈوگرہ مملکت کا ایک حصّہ بنا اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے وفادار جرنیل نے اُس کی سلطنت کا جھنڈا دُنیا کی چھت لیہہ میں جا گاڑا۔

چار مہینے لیہہ میں ٹھہرنے کے بعد وزیر زور آور سنگھ یہاں سے واپس لاما یورا روانہ ہوا۔ اب تقریباً جنگ ختم ہوگئی ہوتی اگر ڈوگروں کی اِس شاندار فتح پر سِکھ حسد نہ کرتے۔ کشمیر کے سِکھ گورنر میاں سنگھ کی ترغیب پر لداخی راجہ اپنے کئے ہوئے معاہدہ سے مُکر گیا۔ اُس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کی اطاعت سے انحراف کرنا شروع کر دیا۔ سوڈ کا پہلا سردار تھا جس نے میاں سنگھ سے رابطہ قائم کیا۔ جب زور آور سنگھ لیہہ سے واپس آ رہا تھا تو سوڈ کے سردار نے سوُرو پہ چڑھائی کر دی اور سوُرو کے قلعے کی حفاظت پر مامور ڈوگرہ فوج کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جونہی لاما یورا میں وزیر زور آور سنگھ پہنچا، اُسے اِس حملے کی خبر ملی۔ بہادر جرنیل اس قسم کی وعدہ خلافی اور بغاوت کو کب برداشت کرنے والا تھا۔ وُہ تیزی سے سُورو کی طرف بڑھا۔ لداخی فوج کو شکست فاش دے کر ۲۰ سرغنوں کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا۔ اِس کے بعد زور آور سنگھ دس دنوں میں زنسکار پہنچا۔ یہاں کے راجہ نے وعدہ کیا کہ وُہ ۱/۲ ۳ روپے فی گھر کے حساب سے ٹیکس ادا کرے گا۔ بغاوت کو سر کرنے اور زنسکار میں اپنا سکہ بٹھانے کے بعد وزیر زور آور سنگھ نے فیصلہ کیا کہ وُہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی خدمت میں حاضر ہو کر لداخ کی فتح کے حالات سُنانے کے لئے جموں روانہ ہو۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے حکم دیا کہ زور آور سنگھ کا پُرتپاک استقبال کیا جائے۔ جب زور آور سنگھ دربار میں حاضر آیا تو مہاراجہ گلاب سنگھ اُٹھ کر وزیر سے بغلگیر ہوُا۔ یاد رہے کہ یہ فخر مہاراجہ صاحب صرف خاص بہادروں کو ہی عطا کرتے تھے۔ مہاراجہ نے شاہی فرمان جاری کیا کہ زور آور سنگھ کو آداب عرض کہنے کے لئے "جے دیلا" کا استعمال کیا جائے۔ "جے دیلا" صرف شاہی خاندان اور خاص راجپوت بہادروں کی تعظیم کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

۳۶-۱۸۳۵ء میں لداخ کے راجہ سیپال نے سِکھ گورنر کشمیر میاں سنگھ کی ترغیب پر ڈوگرہ حکومت کے خلاف بغاوت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جو معاہدہ اُس نے زور آور سنگھ کے ساتھ کیا تھا، اُس سے وُہ پھر منحرف ہوگیا۔ اُس نے تجارت کے راستے بند کر دئے۔ ڈوگرہ سفیروں کو قید کر لیا۔ منشی دیا رام ڈوگرہ سفیر مقیم لیہہ کو پکڑ لیا اور بڑی بے رحمی سے اُسے موت کے

گھاٹ اُتار دیا۔ بغاوت کی خبر پاتے ہی وزیر زور آور سنگھ اپنی فوج لے کر لیہہ کے پاس پہنچ گیا۔ راجہ سیپال نے جب زور آور سنگھ کی فوج کو لیہہ کی طرف بڑھتے دیکھا، اُس کے ہوش ٹھکانے آنے لگے۔ اُس نے دیکھا کہ وُہ زور آور سنگھ کا مقابلہ کسی بھی طریقے سے نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وُہ جلدی سے چوشوڈ کے پُل پر آیا اور زور آور سنگھ کے پاؤں آ گرا۔ اور گڑگڑاتے ہوئے اُس نے معافی چاہی۔ لداخ کے تخت کا جانشین سونانگ رفستن المعروف چھو غنفرل زور آور سنگھ کے پہنچنے سے پہلے ہی سپیتی سے لاہول بھاگ گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وُہ ڈوگروں کے خلاف انگریزوں سے مدد مانگنے کے لئے گیا تھا۔ بوڑھا سیپال وزیر زور آور سنگھ کے ساتھ لیہہ آیا۔ وزیر زور آور سنگھ نے ۱۳ ہزار روپے جنگ کے اخراجات کا مطالبہ کیا۔ یہ روپیہ جوں توں کر کے کچھ نقدی اور کچھ زیورات کی شکل میں ادا کیا گیا۔

وزیر زور آور سنگھ کو اب حکومت کا مسئلہ سُلجھانا تھا۔ راجہ سیپال کی اپنی کوئی آواز نہ تھی۔ نہ ہی کوئی سُوجھ بُوجھ۔ وُہ ایک منٹ میں کوئی وعدہ کرتا تھا تو دوسرے منٹ میں اُس سے منحرف ہو جاتا تھا۔ اس لئے وزیر زور آور سنگھ راجہ سیپال پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا چنانچہ سیپال کو سٹوک کی جاگیر دے کر گدی سے ہٹا دیا گیا۔ اُس کی جگہ لداخی جنرل نوروپ سٹنزن کو لداخ کا راجہ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد وزیر زور آور سنگھ نے لیہہ میں قلعہ تعمیر کرایا اور وہاں تین سو سپاہی تعینات کئے۔

کچھ دیر کے بعد زنسکار میں پھر بغاوت ہوئی اور چتنگرتھ کے قلعہ میں تعینات کئے گئے بیس ڈوگرہ سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ زور آور سنگھ تین ہزار فوج لے کر آندھی کی طرح روانہ ہوا۔ دریا میں طغیانی آ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے فوج کا آگے بڑھنا مشکل ہو گیا۔ چتنگرتھ پہنچتے ہی زور آور سنگھ نے قلعہ کو فتح کر لیا۔ اس لڑائی میں ۱۵ ڈوگرے مارے گئے لیکن لداخیوں کا بہت بھاری نقصان ہوا۔ جب ڈوگرہ فوج چتنگرتھ سے زنسکار کی راجدھانی میں پہنچی تو راستے میں سخت سردی ہو گئی تھی۔ ۲۵ آدمی سردی کی وجہ سے مر گئے۔ بہت ساروں کے ہاتھ پاؤں ناکارہ ہو گئے۔ زور آور سنگھ نے یہ فیصلہ کیا کہ آگے بڑھنے سے پیشتر دو مہینے یہیں قیام کیا جائے۔

نوروپ سٹنزن کو جب یہ اطلاع ملی کہ وزیر لیہہ کی جانب بڑھ رہا ہے، شرارتی عناصر کی تمام تجویزیں اُلٹ گئیں۔ بغاوت کا خیال چھوڑ کر لوگ اپنے اپنے بچاؤ کی تدبیروں میں مصروف

Scanned with CamScanner

ہو گئے۔ اِس گھبراہٹ میں سٹنزن ایک جمعیت اپنے ساتھ لے کر زانسکار اور سپتی کی طرف روانہ ہوُا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر وزیر کے ساتھ صفائی ہو جانے کی توقع ہوئی تو وُہ وزیر کے پاس حاضر ہو کر کہے گا کہ وُہ پیشوائی کے لئے آیا ہے۔ اگر صفائی کا امکان نہ ہوا تو وُہ سیدھا سپتی کی طرف غیر مُلک میں بھاگ نکلے گا۔ لیکن اُسے وزیر زور آور سنگھ کی سُوجھ بوجھ اور معاملہ فہمی کا پوری طرح علم تھا۔ اُس نے اِس چال میں کامیابی ممکن نہ دیکھ کر سپتی کا رُخ کیا۔ وزیر کو اِس بات کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔ اُس نے سٹنزن کے تعاقب میں آدمی روانہ کر دیئے۔ پیشتر اِس کے کہ وُہ سرحد عبور کر کے سپتی میں داخل ہو، وزیر کے آدمیوں نے کچھ کشمکش کے بعد اُسے تابو کے مقام پر گرفتار کر لیا اور اُس کو اپنے ہمراہ لیہہ لایا گیا۔ بماہ سمت ۱۸۹۷ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۴۲ء میں وزیر زور آور سنگھ تیسری بار لیہہ میں داخل ہوُا۔ سٹنزن کو معزول کر کے اُسے قلعہ میں بند کر دیا اور باقی مفسدوں کو مناسب سزائیں دیں۔

اب وُہ وقت آ گیا تھا جبکہ لداخ کا باقاعدہ الحاق کیا جائے۔ اِس لئے وزیر نے میاں سنگھ کو تھانہ دار مقرر کر کے تمام مُلکی انتظام اُس کے سپرد کر دیا۔ اُس کی امداد کے لئے اپنے دزن جو بعد میں گوبند رام کے نام سے مشہور ہوُا، اُس کا کاثون مقرر کیا۔ راجہ سیپال کو برائے نام راجہ بنا کر شاہی محلات اُسے واپس کر دیئے۔ جب لداخ کا انتظام درست ہو گیا، وزیر زور آور سنگھ نے کرگل اور اسکردو کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔

اسکردُو کا ریاست جموں کے ساتھ شامل کیا جانا

زور آور سنگھ نے جب اپنے آپ کو لداخ میں مستحکم کر لیا تب اُس نے فیصلہ کیا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کا جھنڈا اسکردو میں جسے چھوٹی تبت بھی کہتے ہیں، گاڑا جائے۔ چنانچہ اُس نے اسکردو کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے مہاراجہ گلاب سنگھ کی آشیرواد چاہی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے وزیر کو مہاراجہ رنجیت سنگھ سے آشیرواد حاصل کرنے کو کہا۔ چنانچہ مورخین کا کہنا ہے کہ سنہ ۱۸۳۶ء میں زور آور سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے جنڈیالہ گاؤں میں ملاقی ہوُا۔ اسکردو کی حکومت اُس وقت چین کی سلطنت کے زیر سایہ تصور کی جاتی تھی۔ چنانچہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے زور آور سنگھ کے اسکردو پر حملہ کرنے کے بارے میں رضامندی کا اظہار نہیں کیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اطلاع کے مطابق چین کے بادشاہ کے پاس ایک لاکھ ۲۰ ہزار فوج تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ڈر تھا کہ کہیں زور آور سنگھ کی

بادشاہ چین کے ساتھ براہ راست ٹکر نہ ہو جائے اور ڈوگرہ فوج کو شکست نہ کھانی پڑے۔ اس طرح اسکردو فتح کرنے کا خیال کچھ سالوں کے لئے بستۂ خاموشی میں پڑا رہا۔

۱۸۳۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ اُن کے بعد اُن کا بڑا لڑکا کھڑک سنگھ تخت پر بیٹھا۔ کھڑک سنگھ ایک بہت کمزور اور نا اہل حکمران ثابت ہوا۔ ساری طاقت کنور نونہال سنگھ کے ہاتھ میں آ گئی۔ کنور نونہال سنگھ برطانوی حکومت کی پنجاب میں دست اندازی کے خلاف تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت سے شاہ نیپال کے ساتھ براہ راست تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن پنجاب اور نیپال کے درمیان برطانوی ہندوستان تھا۔ کنور نونہال سنگھ نے ہمالیہ کے راستے نیپال کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سکیم کو سرے چڑھانے کے لئے یہ ضروری بن گیا تھا کہ منڈی، کلو، اسکردو وغیرہ کی ریاستوں کو ساتھ ملایا جائے۔ لیکن اس سکیم پر عملدرآمد سے پہلے ہی کنور نونہال سنگھ وفات پا گیا۔ تب راجہ گلاب سنگھ نے اپنے جرنیل زور آور سنگھ کو حکم دیا کہ اسکردو کی طرف اپنی بہادری کے جوہر دکھائے جائیں۔

یہ زور آور سنگھ کے لئے ایک سنہری موقعہ تھا جس کی انتظار میں اُس نے کئی برس اپنی تلوار کو میان میں قابو کر رکھا تھا۔ اور اسی تلوار کے مزید جوہر دکھانے کا موقعہ اُسے اب میسر ہوا۔ اُس وقت اسکردو میں راجہ احمد شاہ کی حکومت تھی۔ اُس کے تعلقات اپنے بیٹے محمد شاہ کے ساتھ اچھے نہ تھے۔ احمد شاہ نے محمد شاہ کو تخت سے محروم کر دیا تھا۔ محمد شاہ نے وزیر زور آور سنگھ سے تخت حاصل کرنے کے لئے مدد مانگی۔ زور آور سنگھ نے ان حالات کو اپنے لئے موزوں پاتے ہوئے محمد شاہ کی درخواست منظور کر لی۔

۱۸۴۰ء کے شروع میں زور آور سنگھ نے ڈوگرہ فوج کے ساتھ ساتھ ۵ ہزار لداخیوں کی فوج کھڑی کر کے اسکردو کا رُخ کیا۔ اسکردو پر حملہ دو طرف سے کیا گیا۔ لداخی فوج کو زیر ماتحتی ڈوگرہ افسروں کے منولہ، چھورہ بٹ و کھپلو کے راستہ روانہ کیا اور خود ڈوگرہ فوج لے کر گرکونو کی طرف روانہ ہوا۔ اُس زمانہ میں لداخ سے اسکردو کا راستہ گرکونو سے مرول و [illegible] ہو کر گزرتا تھا۔ گرکونو کے نزدیک دریائے سندھ کو عبور کر کے وزیر سونت کے سپری میں پہنچے۔ یہاں وزیر نے پورگ کے باغیوں کو قرار واقعی سزائیں دیں۔ یاد رہے کہ پورگ میں سکمبر نامی ایک آدمی نے کچھ لوگوں کو بھڑکا کر بغاوت کر دی تھی۔ تمام پورگ کا الحاق کر کے زور آور سنگھ نے

کرگل، دراس اور سورو میں تھانیدار مقرر کئے اور اُن کے ساتھ مناسب تعداد سپاہیوں کی تعینات کر دی۔ زور آور سنگھ کی ہمیشہ یہ پالیسی رہی کہ پہلے جس علاقے کو جموں سلطنت کے ساتھ شامل کیا جائے، اُس کا انتظام سلطنت درست کیا جائے اور ایک مضبوط حکومت قائم کی جائے۔

پورگ کا ملکی انتظام دُرست کرنے کے بعد اس علاقے سے بھی لشکر تیار کیا گیا۔ اس کے بعد زور آور سنگھ سیری کھر سے پہاڑ عبور کر کے چھے چھے تھنگ میں اُترا اور اسکردو کی طرف پیش قدمی کے لئے تیاری کرنے لگا۔

وزیر زور آور سنگھ کے حملے کی خبر جب اسکردو پہنچی تو راجہ احمد شاہ نے چودہ بٹ اور مرول دونوں راستوں کے روکنے کا پورا پورا انتظام کیا۔ راجہ نے کوئی بیس ہزار کے قریب فوج ڈوگرہ فوج کی پیش قدمی روکنے کے لئے میدان میں جھونک دی۔ اسکردو کی فوج نے زور آور سنگھ کے چھے چھے تھنگ پہنچنے سے پہلے اُس آبادی کے مقابل موضع مرول سے تقریباً تین میل اُوپر کی طرف ایک بلند میدان میں لشکر گاہ بنا کر ڈیرے ڈال دئیے۔ چھے چھے تھنگ کا راستہ اسی میدان کے متصل دریائے سندھ کو عبور کر کے اُس کے دائیں کنارے پر اُترتا ہے۔ اس کا بایاں کنارا بوجہ اتصال سورو بند ہے۔ اِس طرح بلتستان کی فوجوں نے وہ موقعہ پکڑا تھا جہاں پر دُوسرا راستہ ممکن نہیں تھا۔ یہ میدان اب تھا موخون ای تھنگ یعنی میدان جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے اُوپر اسکردو کی فوج نے کمین گاہیں اور مورچے بنا لئے۔ اور درہ وانکو کو بھی جہاں سے یہ راستہ شگر دریا سے میدان کے اُوپر چڑھتا ہے روک دیا۔ اِن حالات کے درمیان زور آور سنگھ کی پیش قدمی ناممکن بن گئی۔ اُسے دو مشکلات کا سامنا تھا۔ ایک دریا دُوسرا دُشمن۔ اگرچہ یہ موسم سردی کا تھا لیکن شگر دریا سارا منجمد نہ ہوا تھا۔ دریا پر دشمن کی گولی کے نیچے پُل بنانا محض ناممکن تھا۔ ان مشکلات نے وزیر زور آور سنگھ کو عجیب مصیبت میں ڈال دیا۔ اُسے چھے چھے تھنگ میں تقریباً دو ہفتے ٹھہرنا پڑا۔ اس اثنا میں رسد کی کمی ہونے لگی اور سردی اپنا زور دکھلانے لگی۔ سپاہیوں میں بے چینی پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ لیکن زور آور سنگھ ایسے جرنیل تھے گویا مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے ہی پیدا ہوا تھا۔ کمال مردانگی و حسن تدبیر سے اِن تمام مشکلات کا سامنا کیا۔

ایک روز رات کے اندھیرے میں اُس نے مہتہ بستی رام کو چند سپاہیوں کے ساتھ

دریا کے کنارے یخ کی آزمائش کے لئے تعینات کیا۔ تمام دریا ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کہیں کہیں جما ہوا نظر آیا۔ موضع گرکونو کی قوم درد کے لوگوں نے اس موقعہ پر رہنمائی کی۔ جو حصہ دریا کا جما ہوا نہیں تھا اُس میں پانی کی سطح کے ساتھ دو چار بلیاں پھنسا دیں۔ یخ کے ٹکڑے جو دریا میں بہتے آرہے تھے یہاں آکر رُکنے لگے۔ چند ہی گھنٹوں میں دریا کے کھلے حصے میں ایک مضبوط یخ کی چادر تیار ہوگئی اور دریا قابل گزر ہوگیا۔ روشنی ہونے سے پیشتر مہتہ بستی رام نے ایک دستہ فوج کو اس نو تیار کردہ پُل یخ بستہ کے ذریعے دریائے سندھ سے گزار کر دشمن پر حملہ کر دیا۔

کہتے ہیں کہ پُل کی تیاری کا پتہ دشمن کو بالکل نہ لگا۔ اس ڈھنگ سے یہ سارا کام سرانجام دیا گیا۔ دشمن خواب غفلت میں پڑا ہوا تھا کہ ڈوگرہ سپاہی یکایک نمودار ہوئے۔ بلتی فوج کو اُن کی کمین گاہوں نے ڈوگروں کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں دیا۔ دست بدست لڑائی میں دونوں اطراف کا کافی نقصان ہوا۔ وزیر زور آور سنگھ نے چپے چپے تفنگ سے مزید کمک بھیجی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ اس لڑائی میں وزیر غلام حسن مارا گیا۔ اُس کے مارے جانے پر بلتی فوج نے ہمت ہار دی اور وُہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس طرح درّہ وانکو ڈوگروں کے قبضے میں آگیا۔

زور آور سنگھ نے اپنی تمام فوج کے ساتھ میدان تھاموخون کی بلتی فوج پر حملہ کر دیا۔ چونکہ بلتی بلندی پر اور مورچوں میں تھے، اس لئے اُنہوں نے ڈوگروں پر خوب گولہ باری کی۔ لیکن زور آور سنگھ نے عین حکمت عملی سے کچھ سپاہی ایک پیچدار راستے سے پہاڑی کے اُوپر چڑھا دیئے۔ اُنہوں نے بلتیوں کے مورچوں کو اُلٹ دیا۔ وُہ اپنی کمین گاہوں سے باہر نکلنے پر مجبور ہوئے۔ دست بدست لڑائی میں وُہ ڈوگروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ بالآخر اُن کے بہت سے آدمی مارے گئے اور میدان ڈوگرہ فوج کے ہاتھ رہا۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس لڑائی میں ایک ہزار بلتی کام آئے اور سردار فوج وزیر غلام حسن بھی جنگ میں مارا گیا۔

اس طرح وزیر زور آور سنگھ میدان تھاموخون سے فتح و ظفر کا ڈنکا بجاتا ہوا مرول میں داخل ہوا اور یہاں سے فراریوں کا تعاقب کرتا ہوا حمزہ گونڈ پہنچا۔ یہ واقعہ تقریباً یکم پھاگن سمت ۱۸۹۶ کا ہے۔ یہ لڑائی فتح بلتستان کے لئے ایک فیصلہ کُن معرکہ تھا۔ اگرچہ بلتیوں نے ایک اور مقابلہ حمزہ گونڈ میں کیا لیکن یہ بہت خفیف تھا۔ حمزہ گونڈ کے فتح کرنے کے بعد وزیر زور آور سنگھ کے اسکردو پہنچنے تک راستہ میں کسی جگہ اُس کی مزاحمت نہیں ہوئی۔

Scanned with CamScanner

وزیر زور آور سنگھ جب اسکردو پہنچا تو راجہ احمد شاہ قلعہ کھرپوچھے میں قلعہ بند ہو گیا۔ قلعہ ایسی پہاڑی پر واقع تھا جس پر کسی طرف سے بھی اُوپر چڑھنے کو راستہ نہیں تھا۔ اِس قلعہ کی دیواریں بڑے بڑے پتھروں سے نہایت مضبوط بنائی گئی تھیں۔ اس قلعہ سے اُوپر چٹان کی عین چوٹی پر ایک چھوٹا سا میدان ہے۔ اس میدان پر چڑھنے کے دو راستے ہیں۔ ایک اِس قلعہ کے اندر سے اور دُوسرا پہاڑی کی غربی طرف سے۔ اِس راستہ کو روکنے کے لئے اِس میدان میں ایک بُرج تعمیر کیا گیا تھا۔ بُرج ایسے موقعہ پر بنایا گیا تھا کہ اگر اُس میں چند آدمی بھی بیٹھے ہوں تو اُس طرف سے کوئی گذر نہیں سکتا۔ اور کوئی راستہ اُس میدان کے اُوپر چڑھنے کا نہیں۔ اور اِس میدان کے سوا اور کسی طرف سے یہ قلعہ زد میں نہیں آسکتا۔ اس قلعہ کو اُس زمانہ میں ناممکن التسخیر سمجھا جاتا تھا۔

زور آور سنگھ نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ دس روز اس طرح سے گزر گئے لیکن محصُورین پر اس کا کوئی اثر نہ ہُوا۔ وزیر نے راجہ شیر علی خان کے ذریعے ایک حکمت عملی چلائی۔ راجہ شیر علی خان نے راجہ احمد علی خان کو یقین دلایا کہ وزیر اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ راجہ وزیر کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اُسے قید کر لیا گیا اور اس طرح اسکردو پر بلا کشت و خون قبضہ کر لیا گیا۔

فتح استور

اسکردو پر قبضہ کر لینے کے بعد وزیر زور آور سنگھ نے روندہ کو فتح کیا۔ تسخیر روندہ کے بعد وزیر نے ۵۰۰ ڈوگرہ سپاہیوں کے ساتھ استور پر حملہ کرنے کے لئے مدین شاہ کو مامور کیا۔ جبار خان راجہ استور اس حملہ کی خبر پاکر قلعہ بند ہو گیا۔ مدین شاہ نے محاصرہ کر لیا اور تقریباً بیس روز تک لڑائی جاری رہی۔ اس قلعہ میں پانی کا مُستقل انتظام نہیں تھا۔ پانی کی سپلائی حملہ آور فوج نے بند کر دی جس کے سبب جبار خان قلعہ سے باہر نکلنے پر مجبور ہُوا اور مدین شاہ کے ہاتھ میں قید ہو گیا۔ مدین شاہ استور پر پُورا تصرف کر کے جبار خان کو اپنے ساتھ لے کر وزیر کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ جبار خان کچھ عرصہ وزیر کی قید میں رہا۔ اس اثناء میں سکھوں کے حاکم صوبہ کشمیر نے اعتراض اُٹھایا کہ استور سکھوں کے اقتدار میں ہے۔ اس بناء پر جبار خان کو اسکردو سے رخصت کیا گیا۔

سنہ ۱۸۴۰ء کے موسم بہار میں زور آور سنگھ ڈوگرہ افواج اور معزول راجہ احمد شاہ اور دیگر وزیروں اور راہبروں اور لشکر کے چند اشخاص کے ساتھ براہ کسپلو لداخ کو واپس ہُوا۔

لداخ پہنچ کر پہلا کام جو وزیر نے کیا، وُہ تھا گیالپو ٹنڈوپ نمگیل کی جانشینی۔ اصل وارث خاندان لداخ لیہہ سے بھاگ کر سپیتی وغیرہ چلا گیا تھا جہاں وُہ فوت ہو گیا۔ اُس کے فرار ہونے سے چند روز پیشتر اُس کی بڑی بیوی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام جگسمت نمگیل رکھا گیا۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ موضع شے کے محل میں رہتا تھا۔ یہ بچہ ابھی شیرخوار تھا۔ وزیر نے اُس کو اُس کی والدہ کے ساتھ لیہہ بُلایا اور شاہی محل میں حسب دستور قدیم رسومات جانشینی کے ادا کرنے کا انتظام کیا۔ وزیر نے اپنے ہاتھ سے جگسمت نمگیل کے سر پر صافہ باندھا اور چوغہ پہنایا۔ ڈھال تلوار لگائی اور کہا کہ تمہارے دادا قضائے الٰہی سے تخت جموں کی خدمت کرتے وفات پا گئے ہیں جس کا افسوس ہے۔ اُن کی جگہ تمہیں تخت پر بٹھلایا جاتا ہے۔ آئندہ تمہاری پرورش اور آرام و آسائش کا پُورا پُورا لحاظ رکھا جائے گا۔

اُس کے بعد راجہ دولت خان راجہ کھپلو نے کھڑے ہو کر گیالپو جگسمت نمگیل کو تخت نشینی کی مبارکباد دی اور اپنی طرف سے ڈھال تلوار پیش کی۔ بعد ازاں رؤساء اور معززین لداخ نے حسب دستور نذریں پیش کیں اور اظہارِ عقیدت پیش کیا۔

مہم بلتستان کے حالات ایک چشم دید گواہ گنگا رام نکاشی نے بھی شائع کئے ہیں۔ اُس نے لکھا ہے کہ وزیر زورآور سنگھ کی لیاقت کو کوئی دُوسرا آدمی نہیں پہنچتا۔ اُس نے سینتا دیوی کی پرستش کی اور یہ مِنّت مانی کہ اگر جنگ میں فتح ہوئی تو تمہارا استھان پختہ تعمیر کیا جائے گا۔ چنانچہ اُسے خواب میں دیوی نے درشن دئے اور آواز آئی کہ فتح تمہاری ہی ہوگی۔ البتہ مہاراجہ گلاب سنگھ دیو جیت سنگھ کا دھیان اپنے دل میں رکھو۔ گنگا رام لکھتا ہے کہ وزیر اوتار ہے۔ وُہ خود مختار ہے اور ہوشیار ہے۔ اسکردو میں وزیر نے اعلان کیا کہ جو کوئی گائے بیل کو مارے گا اُس کی جان لی جائے گی۔ عام لوگوں کو اعلان کر دیا کہ ہر شخص کو امان دی جاتی ہے۔ اب کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ گنگا رام کا بیان ہے کہ وزیر کی تعریف اُس کا قلم کرنے سے قاصر ہے۔

گیالپو جگسمت نمگیل کی تخت نشینی کی رسم ادا کرنے کے بعد وزیر زورآور سنگھ لہاسہ پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

کھڑکی نہ کھولی جائے

جب جرنیل زورآور سنگھ لہاسہ کی مہم پر لداخ سے روانہ ہوا تو اُس نے لداخ کے قلعہ کے پھاٹک کی کھڑکی کو مقفل کر دیا اور ایک تختہ پر ذیل کے الفاظ لکھ کر کھڑکی کے اُوپر جڑ دیا کہ "جب تک لہاسہ فتح نہ ہو

یہ کھڑکی نہ کھولی جائے۔ اِس حکم پر سنہ ۱۹۴۷ء تک عمل رہا۔ گو کہ حالاتِ سیاسی ایسے ہو چکے ہیں کہ اب اِس آرزو کا پورا ہونا خواب و خیال معلوم ہوتا ہے تاہم ڈوگرہ جرنیل کی یادگار پھاٹک پر باقی ہے اور غالباً رہتی دُنیا تک باقی رہے۔

مُہم لہاسہ سنہ ۱۸۴۱ء کے اوائل میں وزیر زور آور سنگھ نے گارٹوک کے چینی گورنر کو لکھا کہ رودوک کا ضلع ڈوگرہ حکومت کے حوالے کیا جائے۔ کیونکہ یہ ضلع کسی وقت لداخ کی حکومت کے ماتحت تھا۔ گارٹوک کا گورنر وزیر کے ساتھ ٹکر لینے کی جُرأت نہیں کرتا تھا۔ اُس نے ۵ گھوڑوں اور ۵ خچروں پر مشتمل ایک تحفہ وزیر کی خدمت میں ارسال کیا۔ وزیر نے اِس تحفہ کو اپنی توہین سمجھا۔ ماہ اپریل میں وزیر نے گارٹوک پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک کو میاں رائے سنگھ کے زیرِ حکم براہ رُپشو دلنگلے روانہ کیا اور دُوسرا خود وزیر کے ساتھ براہ چنگلا د ٹانچی روانہ ہُوا۔ یہ واقعہ مئی سنہ ۱۸۴۱ء کا ہے۔

رودوک پہنچنے سے پہلے یہ دونوں فوجیں مِل گئیں اور رودوک پر حملہ کیا گیا۔ لہاسہ کی فوج قلعہ بند ہو گئی۔ مہتہ بستی رام کو اِس قلعہ کو فتح کرنے پر مامور کیا گیا۔ اُس نے قلعہ پر دھاوا کیا۔ تھوڑی سی لڑائی ہوئی۔ جس میں محصُور فوج کا کمان افسر مارا گیا۔ اِس سے اُن کا حوصلہ پست ہُوا۔ اُنہوں نے صُلح کی درخواست کی۔ اور رودوک فتح کرنے کے بعد وزیر گرگی طرف روانہ ہُوا۔ یہاں کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا اور لوگوں نے بلا مزاحمت اطاعت قبول کر لی۔

اِس علاقے میں لکڑی کا نام و نشان نہیں اور موسم لداخ کے مقابلہ میں زیادہ سرد ہے۔ لوگ مکان تعمیر نہیں کرتے بلکہ خیموں میں رہتے ہیں جو یاک کے بالوں سے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہ خیمے مٹی پتھروں سے بنے مکانوں سے زیادہ گرم ہوتے ہیں۔ گر میں افسران لہاسہ کی رہائش کے لئے ایک معمولی سا مکان بنا ہُوا تھا۔ وزیر نے اِس کی درستی کرا کے اُسے رسد کا ذخیرہ بنا دیا اور اِس کی حفاظت کے لئے کچھ سپاہی تعینات کر دئے۔ وزیر گر سے روانہ ہو کر بغیر کسی مزاحمت کے منسر پہنچا۔ یہاں لوگوں نے اطاعت قبول کر لی۔

وزیر نالہ تشر ٹوکپو کے کنارے فروکش تھا کہ رات کی بے خبری میں لہاسہ کی فوج متعینہ سرحد پیرانگ نے وزیر کی فوج پر حملہ کر دیا۔ بے خبری کی وجہ سے وزیر کی فوج میں کچھ قدر ابتری پھیل گئی۔ مگر وزیر نے اپنی فوج کو جلدی سنبھال لیا اور مقابلے کے لئے تیار کر دیا۔ تین چار گھنٹے دست بدست لڑائی ہوتی رہی جس میں دشمن کا سخت نقصان ہُوا۔ آخر کار لہاسی فوج شکست کھا کر

پسپا ہوئی۔

یہاں سے آگے بڑھ کر وزیر اپنی فوج کے ساتھ سومو مائھم یعنی جھیل مانسروور پر پہنچا یہ جگہ ہندوؤں کا ایک بہت بڑا تیرتھ ہے۔ قدیم کُتب شاستر کے مطابق راجہ مان دھاتا کے سوا کسی راجہ نے اِس پر تصرف نہیں پایا تھا۔ لیکن وزیر زور آور سنگھ پہلا شخص تھا جس نے جھیل مانسروور کی محیط اطراف کو احاطۂ اقتدار میں لاکر علاقہ پورانگ کو بھی تسخیر کیا۔

لہاسی فوج جو ٹوکیور کی سیم سے شکست کھاکر بھاگی تھی، اُس نے قلعہ تفلاکھر میں اپنی جمعیت کو فراہم کر کے مقابلہ کا انتظام کیا۔ وزیر جھیل مانسروور سے آگے بڑھا تو قلعہ کرتونگ کو جو شاہراہ لہاسہ پر واقع ہے، خالی پایا۔ اُس پر اُس نے قبضہ کر لیا۔ وزیر اتبار کو اِس علاقہ کا حاکم مقرر کر کے کچھ سپاہیوں کے ساتھ اِس قلعہ میں تعینات کر دیا۔

کرتونگ کا انتظام کر کے وزیر تفلاکھر کی طرف بڑھا۔ یہ علاقہ پورانگ کا صدر مقام ہے۔ یہاں لہاسی فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آخر کار اُنہیں شکست ہوئی۔ قلعہ وزیر کے ہاتھ آگیا۔ تفلاکھر سے صُوبہ الہ آباد کے ضلع کماؤں کی اور مُلک نیپال کی سرحد پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر رہ گئی تھی۔ پورانگ کی فتح سے جموں اور نیپال کی سرحدیں مل گئی تھیں۔ اس لئے مہاراجہ نیپال نے اپنا معتمد معہ ایک سو بیس سپاہیوں کے وزیر کے پاس بھیجا اور کہا کہ اب تک جو غائبانہ تعلقاتِ یگانگت جموں اور نیپال کی سرکاروں کے درمیان تھے، اب حسنِ اتفاق وُہ ہمسائیگی کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ آئندہ ہر دو سرکاروں کو رسوم اتحاد و یکجہتی کا پُورا لحاظ رکھنا چاہیئے لیکن وزیر نے نیپال سرکار کے ساتھ تعلقات پیدا کرنا قرینِ مصلحت نہیں سمجھا۔ معتمدِ نیپال کو چند روز اپنے پاس رکھا اور خاطر مدارت کی۔ پھر ہر طرح سے اُسے اطمینان دلا کر رخصت کر دیا۔

اُدھر مسٹر جارج رسل کلارک برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ مقیم لدھیانہ نے مہاراجہ شیر سنگھ کو لکھا کہ انگریزی حکومت نیپال کے ساتھ براہ راست تعلقات پیدا ہونے کی صورت میں کسی بھی غلط فہمی کے لئے لاہور سرکار کو بری الذمہ قرار نہیں دے گی۔ یہ واقعہ ۲۸ ستمبر ۱۸۴۱ء کا ہے۔

سردی جوبن پر آگئی تھی۔ مہنتہ بستی رام کی صلاح پر وزیر نے ناموافق موسمی حالات کو ملحوظ رکھ کر پیش قدمی روک دی۔ مہنتہ بستی رام کو قلعہ تفلاکھر میں چھوڑ کر خود گونپہ خوشتق کی تیرتھ یاترا کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ تیرتھ قلعہ تفلاکھر سے ایک پڑاؤ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ دو چار

رائو اس جگہ وزیر نے قیام کیا اور پھر پورانگ واپس آیا۔

اس کے بعد وزیر نے کچھ سپاہی سرحد نیپال پر برجیانت حدبندی کے ملاحظہ کے لئے بھیجے جنہوں نے اطلاع دی کہ سرحد میں کوئی دست اندازی نہیں ہوئی ہے۔ اس طرف سے اطمینان کر کے وزیر اپنے لشکر کے اندرونی انتظامات کی طرف متوجہ ہوا۔ ذخیرہ رسد جو وزیر کے ساتھ تھا ختم ہونے لگا تھا۔ لداخ کے سوا اور کسی طرف سے اس کی بہم رسانی کی صورت نہ تھی۔ فاصلہ بہت دور دراز اور راستہ غیر آباد تھا۔ اس لئے یہ انتظام خاص توجہ چاہتا تھا۔

وزیر کو غالباً یہ خیال ہوا کہ اب موسم سرما شروع ہو گیا ہے اور اس موسم میں نہ ہی پیشقدمی ہو سکتی ہے اور نہ دشمن کی طرف سے حملہ کا کوئی خطرہ۔ لہٰذا وہ چند ہمراہیوں کو ساتھ لے کر تقلاکھر سے بہ عزم لداخ تحصیل مانسرودر کی طرف روانہ ہوا۔

وزیر نے جموں سرکار کی طاقت کو دریائے سندھ اور ستلج کے منبع سے گزار کر وادی گھاگرہ کے بالائی حصہ میں پہنچا دیا تھا اور جموں کی حدود کو نیپال کی سرحد کے ساتھ ملا دیا تھا۔ متبرک مقامات تحصیل مانسرودر اور کیلاش پربت اس کے قبضہ میں تھے۔ لہاسہ کی طرف جموں کی سرحد مریلیم لا تھی۔ اس طرح دریائے برہم پتر کا منبع بھی اس کے اقتدار میں تھا۔ وزیر نے جموں کی حکومت کو دنیا کے اس مشہور مقام تک پہنچا دیا تھا جہاں سے دریائے سندھ، ستلج، گھاگرا اور برہم پتر نکلتے ہیں۔

اس کامیاب فاتح کے اوج و اقبال کا ستارہ ترقی کے انتہائی درجہ پر پہنچ گیا تھا جب عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے ساتھ وہ فتح و ظفر کا پھریرا اڑاتا ہوا سورو سے لداخ۔ لداخ سے اسکردو اور اسکردو سے پورانگ پہنچا تھا، اسی ہمتِ مردانہ کے ساتھ اس شیرِ مرد نے سرکار جموں کے جھنڈے پر جان قربان کر دی۔

یورپی مورخوں کو ایشیائی فاتحین کے ساتھ خاص دلچسپی ہے۔ اس لئے انہوں نے طرح طرح کے مظالم زورآور سنگھ کے ساتھ منسوب کئے ہیں۔ مگر تبت کے بزرگ بودھ اور مسلمان اس بات کے معترف رہے ہیں کہ وزیر زورآور سنگھ کے حملوں میں بے قصور رعایا میں سے کسی شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے۔ اس نے کسی مذہبی عمارت پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ مذہب تبدیل کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا۔ غریب رعایا کو ظالم اور جابر حاکموں سے نجات دلائی۔

زور آور سنگھ کی شہادت

وزیر زور آور سنگھ مانسرو ورکی یاترا کر کے ایک دو پڑاؤ لداخ کی طرف نکل گیا تھا۔ تقریباً ۲ر نومبر کو اُسے خبر پہنچی کہ لہاسہ کی فوج آگئی ہے۔ اُس نے فی الفور تین سو سپاہیوں کا ایک دستہ نونو صنم کی ماتحتی میں فلدکر تونگ کی طرف اتبارا تھانہ دار کی کمک کے لئے روانہ کر دیا۔ پھر اُس نے اپنی بیوی کیجو اُس کے ساتھ تیرتھ یاترا کرنے گئی تھی، کچھ آدمیوں کے ساتھ لداخ کی طرف رخصت کر دیا۔ اور خود اپنی فوج کی فراہمی اور لہاسہ فوج کے مقابلہ کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

ابھی زور آور سنگھ اسی انتظام میں مشغول تھا کہ اُسے اطلاع ملی کہ کرتونگ کی فوج مع اتبارا تھانیدار نونو صنم کی امدادی فوج کے دشمن کے ہاتھوں قتل ہو گئی ہے خود نونو صنم جھیرو کوتوال کے ساتھ وزیر کے پاس پہنچا۔ وزیر نے اس دفعہ چھ سو سپاہی دے کر نونو صنم۔ غلام خان، مہان سنگھ، بھوپا کوتوال اور میاں سنگارا کے ماتحت فوج لہاسہ کی رکاوٹ کی غرض سے بھیجے۔ یہ واقعہ ۱۹ر نومبر کا بیان کیا جاتا ہے۔ اُن کے پیچھے خود تمام تر فوج لے کر میدان کارزار کی طرف بڑھا۔ اُس کی فوج ابھی پہلے بھیجے ہوئے دستے کے ساتھ ملنے نہ پائی تھی کہ یہ تمام آدمی دشمن کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جو بچے وہ قیدی بنا لئے گئے۔ ان میں لونو صنم اور غلام خان بھی شامل تھے۔

زور آور سنگھ کے پاس کُل دو ہزار فوج تھی۔ اُس کے مقابلہ میں فوج لہاسہ کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔ دو ہزار فوج یار قند میں وزیر پر حملہ کرنے کے لئے تیار بر تیار کھڑی تھی۔ سردی کی شدت بدرجہ کمال پہنچی ہوئی تھی۔ رسد کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں تھا۔ باوجود ان تمام مشکلات کے وزیر کا حوصلہ بلند تھا۔ اُسے اپنی طاقت پر ناز تھا۔ وہ ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے اور اُس پر فتح پانے کے لئے پیدا ہوا تھا۔ وزیر زور آور سنگھ کی مصیبت میں اضافہ ہوا جبکہ اُدھر سخت برفباری شروع ہو گئی۔

تکل کوٹ کے قلعے کی حفاظت کے لئے زور آور سنگھ نے ۱۵۰ آدمیوں کی ایک جمعیت مہتہ بستی رام کی سرکردگی میں تعینات کی۔ کردام کوٹ کے قلعہ کی حفاظت کے لئے ۱۰۰ آدمی بھیجے۔ باقیماندہ فوج کو لے کر وزیر شیر ببر کی طرح دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ وزیر نے دیکھا کہ دشمن کے پاس اُس سے چھ سات گنا فوج ہے۔ اُس نے نپولین کے فارمولے پر عمل کیا کہ بچاؤ کا بہترین طریقہ حملہ ہے۔ کرتونگ اور لفلاکھر کے درمیان طویو نامی ایک جگہ پر جسے کئی مسو بھی کہتے ہیں، ۱۰ر دسمبر کو طرفین کے لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف سے گولی چلنا شروع ہو

ہوئی۔ تین دن تک سخت لڑائی جاری رہی۔ طرفین کے جانبازوں نے دادِ مردانگی دی۔ تیسرے دن وزیر کے سپاہیوں نے سخت حملہ کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قریب تھا کہ فوج لہاسہ کے پاؤں اکھڑ جائیں، یہ حال دیکھ کر زورآور سنگھ بذاتِ خود اپنی سپاہ کی حوصلہ افزائی کے لئے جنگ میں شامل ہو گیا اور اپنے آدمیوں کو آگے بڑھایا۔ لیکن واہ رے شومئ قسمت! اقبال منہ موڑ چکا تھا۔ نہ ٹلنے والا وقت قریب آ گیا تھا۔ وزیر کی داہنی ران میں دشمن کی گولی لگی۔ وہ شیرِ میدان گھوڑے سے گر گیا۔ دشمن نے یہ دیکھ کر اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس حالت میں بھی اس نے اپنی تلوار نہیں چھوڑی۔ جو شخص اُس کی زد میں آیا، اُسے تہ تیغ کیا۔ دشمن نے دیکھا کہ اس زخمی شیر کا پکڑا جانا بہت مشکل ہے، انہوں نے یہ تدبیر کی کہ ایک آدمی اُس کی پیٹھ کی طرف بھیجا۔ اُس نے دونگ گھما کر وزیر پر چلایا۔ دونگ ایک قسم کا نیزہ ہے جو چار فٹ کے قریب لمبا ہوتا ہے۔ اُس کے دونوں کناروں پر پھل لگے ہوتے ہیں اور درمیان میں رسّی بندھی ہوتی ہے اس رسّی کو پکڑ کر اس ہتھیار کو سر کے اُوپر سے گھمایا جاتا ہے۔ جب وُہ زور میں آجائے تو نشانہ تان کر اُسے چلاتے ہیں۔ ایک سرا رسّی کا ہاتھ میں رہتا ہے اور نیزہ سیدھا نشانہ پر جاتا ہے۔ یہ دونگ وزیر کی پیٹھ پر لگا اور سینہ کی طرف سے باہر نکل گیا۔ اس زخم کاری سے ہندوستان کا یہ بہادر جرنیل شمشیر بکف میدانِ کارزار میں شہید ہوا۔ یہ واقعہ ۱۲؍ دسمبر ۱۸۴۱ء مطابق ۲۷؍ مگھر سمت ۱۸۹۸ بکرمی کا ہے۔

جس جگہ وزیر نے جان دی وہاں لہاسہ والوں نے ایک عالیشان چھورتن تیار کر دیا۔ اِس کی غرض یہ بتلائی جاتی ہے کہ اس ہیبت ناک سپہ سالار کی رُوح آئندہ جنم میں دوبارہ لہاسہ پر حملہ نہ کرے۔ یہ نشان آج بھی وزیر زورآور سنگھ کی فتح لہاسہ کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ کئی مورخوں کا کہنا ہے کہ وزیر زورآور سنگھ کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور لہاسہ کی فوج کے افسر اِن ٹکڑوں کو گھر لے گئے جہاں اُنہوں نے اِنہیں اپنی چھتوں سے لٹکا دیا۔

وزیر زورآور سنگھ کے ڈوگرہ سپاہیوں نے یہ لڑائی کمال صعوبت اور سختی کی حالت میں لڑی۔ میدانِ جنگ سطح سمندر سے ۱۵ ہزار فٹ سے زیادہ بلند تھا۔ موسم عین شدت کی سردی کا تھا۔ اس موسم میں دن کے وقت بھی درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے کبھی اُوپر نہیں پہنچتا۔ رات کے وقت ایسی سخت سردی ہوتی ہے کہ اُسے وہی لوگ برداشت کر سکتے ہیں جو اس کے عادی ہوں اور پوستین و گرم لباس وغیرہ کا پورا پورا انتظام ہو۔ ڈوگرہ فوج کے پاس یہ سامان بھی کافی نہ تھا۔

کتنی ہی راتیں اُنہوں نے شدت کی سردی میں کھلے میدان میں بسر کی تھیں۔ اس پر طرفہ یہ کہ برف باری اور بارش نے موسمی تکالیف کی سختی کو ناقابل برداشت حد تک پہنچا دیا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رسد بھی ختم ہو چکی تھی۔ آخری دو ایک روز کھانے کے لئے بھی کچھ باقی نہ رہا تھا۔ باوجود اِن مشکلات کے ڈوگرہ فوج نے دشمن کے مقابلے سے آخری وقت تک مُنہ نہیں موڑا۔ آخری لڑائی کے دن آدھی فوج بھی اس قابل نہ رہی تھی کہ اپنے اسلحہ کا درست طور پر استعمال کر سکے۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ جب زور آور سنگھ نے تبت پر چڑھائی کی تو انگریزی حکومت بے چین سی ہو گئی۔ چنانچہ مہاراجہ شیر سنگھ سے لاہور میں کہا گیا کہ وُہ راجہ گلاب سنگھ سے لہاسہ کے علاقے خالی کرا دینے کی سفارش کریں۔ اس کام کو پورا کرنے کے لئے آخری تاریخ ۱۰ ردسمبر ۱۸۴۱ء مقرر کی گئی۔ اور سکھوں کے مورخ کپتان کننگھم کو جو کہ انگریزوں کے ایجنٹ کا اسسٹنٹ تھا، منتخب کیا گیا کہ وہ تبتی علاقہ کو خالی کرا دینے کے لئے ایک شاہد کے طور وہاں جائے لیکن قبل اس کے کہ جرنیل زور آور سنگھ کو یہ احکام ملتے اُس پر مصیبت کا طوفان نازل ہو چکا تھا۔

زور آور سنگھ کی ہلاکت کے بعد ڈوگرہ افواج پر سخت مصائب ٹوٹ پڑیں اور اُس کا بہت زیادہ حصہ موت کے منہ میں چلا گیا۔ پانچ ہزار آدمیوں میں سے مشکل ایک ہزار بچ سکے۔ لداخیوں نے پھر علمِ بغاوت بلند کر دیا اور تبتیوں نے اُن کی امداد کے لئے ایک فوج روانہ کر دی۔ جب راجہ گلاب سنگھ کو پتہ لگا تو وُہ مایوس نہ ہوا اور نہ ہی گھبرایا۔ بلکہ اُس نے یہ خیال کر لیا کہ جونہی میں پشاور کی مہم سے فارغ ہوتا ہوں تو خود لداخ میں پہنچ کر حالات کو سُدھارنا ٹھیک رہے گا۔ اور زور آور سنگھ نے جو فتوحات کی ہیں، اُنہیں پائیدار اور مستقل شکل دینا اور جموں راج کا حصہ رکھنے کی کوشش کرنا اپنا فرض ہے۔ اس لئے اُس نے فی الفور ایک نئی فوج تیار کرنے کا حکم دیا اور اپنے کار آزمودہ جرنیلوں دیوان ہری چند اور وزیر رتنوں کے تحت لداخ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ جوں ہی ڈوگرہ سپاہ کے لداخ پہنچنے کی خبر لہاسہ میں پہنچی تو تبتی فوج چشول کی طرف بھاگ نکلی۔ تاہم اہلِ تبت بغیر جنگ کے اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے حکومت تبت نے تین ہزار آدمیوں کی ایک زبردست تبتی فوج لداخ کو بھیج دی۔ ڈرنگیجی کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہو گئیں۔ تبتیوں نے

اپنے اردگرد خندق بنا لی تھی۔ اور ڈوگروں نے یہ سوچ کر کہ تبتیوں کو ان کی پوزیشن سے حملہ کر کے ہٹایا جانا ذرا مشکل ہے، ایک دریا کی ناکہ بندی کر دی۔ دریا کا سارا پانی خندقوں میں جانے لگا اور وہاں ایک زبردست سیلاب آ گیا جس سے تبتیوں کو مجبوراً خندقوں سے باہر آنا پڑا۔ باہر نکل کر ایک سخت جنگ ہوئی۔ اور ڈوگروں نے تبتیوں کو ایک کمر توڑ شکست دی تھی جرنیل گرفتار کر لیا گیا اور اسے وہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اس پر حکومت لہاسہ صلح جوئی پر رضامند ہو گئی اور ذیل کے معاہدہ پر دستخط ثبت کئے۔

"ہم ملک لہاسہ کے افسر اولاً کالون سوکتوال اور ثانیاً بخشی سپو سلطنت چین کی فوج کا کمانڈر ایک فریق کی طرف سے اور دیوان ہری چند اور وزیر رتنو راجہ گلاب سنگھ کے نمائندے دوسرے فریق کی جانب سے باہمی سمجھوتہ کرتے ہیں اور بھگوان کے روبرو اس امر کی قسم کھاتے ہیں کہ راجہ گلاب سنگھ اور شہنشاہ چین اور لاما گورو صاحب لہاسہ والا کے مابین دوستی اور اتحاد ہمیشہ ہمیشہ تک قائم رکھا جائے گا اور اس کی تعمیل کی جائے گی۔ اور ہم ہر اس امر کے پابند رہیں گے جس کے لئے بھگوان کی موجودگی میں ہم اتفاق رائے کرتے ہیں۔ ہمارا ان ممالک سے کوئی سروکار نہ ہو گا جو سرحد لداخ پر واقع ہیں ہم شال، پشم اور چائے کی تجارت حسب دستور سابق لداخ کے راستے جاری رکھیں گے۔ اور اگر شری راجہ گلاب سنگھ کا کوئی دشمن ہمارے علاقہ میں آئے اور راجہ کے خلاف کچھ کہے تو ہم اسے بالکل درخور سماعت نہیں گردانیں گے۔ اور جو تاجر لداخ سے آئیں انہیں ہماری جانب سے کوئی دقت لاحق نہیں ہو گی۔ سرحد لداخ کے تقرر کے متعلق اور شال پشم اور چائے کی تجارت کے لئے سڑک کے کھلا رکھنے کے بارے میں ہم اسی طریق سے عمل پیرا ہوں گے جس کا تصفیہ اس مجلس میں ہو چکا ہے۔ ہم اپنے ایشور کے ساتھ، گایتری کے ساتھ اور پاسی کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا ہے، اس کی تعمیل کریں گے۔ وزیر میاں خوشحال جو اس امر کا گواہ ہے۔"

"محررہ ۲ ر اسوج سمت ۱۸۹۹ بکرمی
مطابق ۱۵ ر اگست ۱۸۴۲ء"

انیسویں صدی کا عظیم جرنیل

مشہور مورخ کننگھم
ہے کہ وہ ایک اعلیٰ

ایک باشعور مدبر بھی تھا۔ اس میں سیاسی سوجھ بوجھ کافی تھ
حاصل تھی۔ لداخ اور بلتستان کی تیرہ ہزار فٹ بلند برف پو
یا دو بار نہیں بلکہ چھ بار یورش کرنا اُسی جرنیل کا حصہ ہے
ہندوستانی جتنا فخر کریں کم ہے۔ کننگھم لکھتا ہے کہ لداخ اور
انتظام سنبھالنا زور آور سنگھ ایسے جرنیل کا ہی کام تھا۔ وہ
اور ایک بلند کردار سپاہی تھا۔

قوموں کی تاریخ میں ایسے انسان جو ملک اور قوم ک
ہوئے شہید ہوتے ہیں، ایسے چشمے ہیں جن سے بہادری اور
پی کر ہی ایک قوم اپنے ملک کو مضبوط اور شاندار بنا سکتی ہے
یہ درست ہے کہ جنگ کو اس ایٹم کے زمانے میں ک
جنگ انسانیت کے لئے موت کا پیغام ہوگی لیکن ہر ایک
مدنظر رکھ کر پرکھنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا زمانہ آ
برا سمجھا جائے۔ لیکن کیا ہم ان تمام نوجوانوں اور جانبازوں
کی خاطر ستیاگرہ کرتے ہوئے جان دے دی؟ ایسے بہادرو
رکھتے ہیں۔ اگر ہم ایک جرنیل کے فتح کردہ علاقے کو ا
اور اُس انگ کے نام پر ہم بڑی سے بڑی قربانی کے لئ
کے تھے جس نے اُس زمین کے ٹکڑے کو ملک کا ایک اہم حصہ
نہیں ہونی چاہیے؟ کیا ہمیں اُس کی یاد نہیں منانی چاہیے؟
اُس کے تئیں اپنی عقیدت نہ دکھانا ایک بڑی بھاری احسان
ہوتے تو آج موجودہ ہندوستان کی جگہ چھوٹی چھوٹی ریاست
کی حالت اسی طرح ہوتی جس طرح افریقہ کی ہے۔ وہ چھوٹ
ہر روز بیرونی سازشوں کی آماجگاہ بنا رہتا۔

انگریز۔ افغان کشمکش میں گلاب سنگھ کا کردار

۱۸۴۲ء کے اخیر میں جب گلاب سنگھ اپنی جاگیر ہزارہ میں گیا ہوا تھا تو پشاور کے آگے افغان سرحد پر انگریز سپاہ کو سخت مصیبت کا سامنا ہوا۔ انگریزوں نے مہاراجہ شیر سنگھ سے درخواست کی کہ وہ اپنی سرحدی افواج کے تمام ذرائع ازراہ دوستی پیش آمدہ مصیبت سے نجات دلانے کے لئے وقف فرمائیں۔ راجہ دھیان سنگھ دارالخلافہ میں موجود نہ تھا خود مہاراجہ شیر سنگھ کوہستان کانگڑہ کی ریاستوں کی سیر و سیاحت میں مصروف تھا چنانچہ دربار لاہور کے قائمقام افسران نے انگریزوں کا مراسلہ اس سفارش کے ساتھ مہاراجہ کو بھیجا کہ افغان۔ انگریز کشمکش میں انگریزوں کی کھلم کھلا امداد اپنے مسلم فوجیوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ اس کے لئے سوچ سمجھ کر حکم دیا جائے۔ دربار لاہور افغانوں کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا اور انگریزوں کی دوستی کا بھی دعوے باندھتا تھا۔ مہاراجہ شیر سنگھ نے ہر چند سوچا لیکن کچھ سمجھ نہ آسکا کہ کیا قدم اٹھائے۔ راجہ دھیان سنگھ ایسا تجربہ کار وزیر اعظم بھی پاس نہ تھا کہ مناسب جواب دیا جاسکتا۔ اسی اثناء میں شیر سنگھ کو خبر پہنچی کہ گلاب سنگھ آج کل ہزارہ میں اپنی جاگیر کی دیکھ ریکھ میں موجود ہے۔ اُس نے بادل نخواستہ گلاب سنگھ کو لکھا کہ وہ سب کام چھوڑ کر پشاور پہنچے اور حالات کے مطابق کام کرے۔

اُدھر پشاور میں انگریز میجر لارنس ایک فوجی دستہ اس لئے تیار کر رہا تھا کہ وہ سکھ افواج کی امداد لے کر جلال آباد میں اپنی محصور فوج کو آزاد کرا سکے۔ اس معاملہ میں وہ چاہتا تھا کہ جس قیمت پر بھی ہو سکے۔ سکھوں کو خوش کیا جائے۔ انگریز بے حد پریشان تھے۔ افغانستان سے انہیں نکال دیا گیا تھا اور جلال آباد میں اُن کی فوجیں محصور ہو چکی تھیں۔ سکھوں سے انہیں تعاون ملنے کی اُمید نظر نہیں آتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ بھی امداد سکھ دے سکیں وہی قبول کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ہمارے خلاف افغانوں کی حمایت میں سکھ افواج ہمارے لئے مزید مشکل کا سبب بن جائیں۔ انگریز خطرے میں گھرے ہوئے تھے۔ اُن کی اپنی حد بہت دور تھی اور اُن کی خبر رساں لائن پر سکھ ریاست واقع تھی۔ جن کی اگر امداد کسی وجہ سے نہ مل سکے تو کم از کم سکھوں کی غیر جانبداری انگریزوں کی کامیابی کے لئے نہایت ضروری تھی۔ اس طرح کے نازک اور پیچیدہ حالات میں گلاب سنگھ کو پشاور پہنچنے کا حکم نامہ ملا۔ گلاب سنگھ نے موقعہ پہ

پہنچنے سے پہلے حالات کا جائزہ لیا اور اچھی طرح معلوم کر لیا کہ حکام لاہور کسی طریقہ سے بھی کابل کی مہم میں امدادی ہونا نہیں چاہتے۔ وہ سوچنے لگا کہ جب دربار لاہور کسی قسم کی امداد دینے پر رضامند نہیں تو اس کا اس نازک مرحلہ پر کیا کردار ہونا چاہیے۔ اُسے اس امر کا بھی احساس تھا کہ مہاراجہ شیر سنگھ نے اُسے پشاور پہنچنے کا جو حکم دیا ہے، اس کی تہ میں سوائے اس کے کوئی بات نہیں کہ وہ انگریزوں کو یہ یقین کرا رہا ہے کہ اس مہم میں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس لئے ایک آزمودہ فوجی جرنیل (گلاب سنگھ) کو پشاور بھیجنے کے احکام دے دیئے ہیں۔ گویا کہ مجھے ذمہ دار بنا دیا گیا ہے۔ سکھ افواج انگریزوں کی امداد کرنا نہیں چاہتیں اور وہ ان حالات میں میری بات سننے کے لئے کب تیار ہو سکیں گی۔ اس طرح سے حکام لاہور یہ کہنے والے بن سکیں گے کہ دربار لاہور تو انگریزوں کی امداد کرنا چاہتا تھا لیکن گلاب سنگھ نے موقعہ پر جا کر اُن کی امداد نہ کی۔ اس طرح انگریز دشمنی میرے پلے پڑ جائیگی اور دربار لاہور بری الذمہ ہو جائے گا۔ گلاب سنگھ نے نتائج سے بے پرواہ ہو کر پشاور پہنچنے کی تیاری شروع کر دی۔ اور جب وہ پشاور پہنچا تو اُس نے ماحول کو ہر طرف سے نہایت خطرناک اور مکدر پایا۔ چونکہ ساری عمر جنگی اُتار چڑھاؤ میں بسر کی ہوئی تھی اُس نے پشاور پہنچتے ہی سکھ سرداروں سے بات چیت کی۔ اور جب اُسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ سکھ کسی قیمت پر انگریزوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں تو اُس نے سرحدی فوج کے سکھ کمانڈر جنرل مہتاب سنگھ سے مل کر افغان۔ انگریز کشمکش میں دربار لاہور کی غیر مبہم پالیسی پر تبادلہ خیالات کیا اور کہا "مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ہم سب نے بڑی مشکل سے افغانستان پر اپنی بہادری کا سکہ جمایا تھا۔ ہمیں یہ سوچنا ضروری ہے کہ اگر اس مہم میں افغان انگریزوں کو پچھاڑ کر پشاور میں آ دھمکے تو یہ دربار لاہور کے لئے سردردی ہو جائے گی اور لاہور جو کہ کبھی افغان صوبہ تھا اور جسے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شاہ زمان سے تحفہ کے طور پر لیا تھا، اُسے واپس لینے کے لئے افغان نظریں نہ گاڑ دیں۔ مہاراجہ شیر سنگھ اور دربار لاہور اس حقیقت اور مسئلہ کی نزاکت کو نہیں جانتے۔ چونکہ ہم دونوں موقعہ پر موجود ہیں اور ایسے پُرخطر حالات سے نپٹنے کی ذمہ داری ہم پر عاید ہے۔ اس لئے اور کچھ نہیں تو ہمیں ایسے وقت میں کسی بھی طرف اپنی امداد کا رُخ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ غیر جانبدار رہ کر ایک تماشائی کی حیثیت سے آئندہ قدم کے لئے تیار رہنا چاہیے۔"

Scanned with CamScanner

گلاب سنگھ نے جب جنرل مہتاب سنگھ کو اپنے ساتھ متفق کر لیا تو دوسرے دن رجمنٹ افواج کا چارج دربار لاہور کے حکم سے مہتاب سنگھ نے گلاب سنگھ کو دے دیا اور وہ خود لاہور روانہ ہو گیا۔ اس خیال سے کہ وہ تمام حالات دربار لاہور کے گوش گذار کرے گا جبکہ اس وقت نہایت بے تابی سے انگریز ـ افغان کشمکش کی نیک و بد خبر کا منتظر تھا۔

گلاب سنگھ کی پوزیشن اس وقت کسی طرح بھی آسان نہ تھی۔ دربار لاہور کی پالیسی اچھی طرح ذہن نشین تھی اور وہ افغانوں کی امداد کی بجائے انگریزوں کو اپنی دوستی کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ ایک ماہر سیاست دان ہونے کے اس نے سوچ لیا کہ سکھ فوج کا رجحان انگریزوں کی طرف مائل کرنے کا مطلب انگریز کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ دربار لاہور کے حکم سے ایسا ہوا ہے۔ دربار لاہور تو انگریزوں کو امداد دینے کے سخت خلاف ہے۔ اسے کسی بھی طرح موجودہ حالات میں خود اندیشی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح سے کہیں یہ مثل محمد پر صادق نہ آئے کی کہ "سوئے ہوئے بچے کا منہ چوما نہ ماں کو خبر نہ باپ کو" اسے معلوم تھا کہ انگریزوں کی دوستی حاصل کرنے کا یہی ایک موقعہ ہے بشرطیکہ انگریز کمانڈروں کو اس حقیقت کا احساس ہو جائے کہ اس معاملہ میں گلاب سنگھ کا ان پر احسان ہے نہ کہ دربار لاہور کا۔ اور پھر مصلحت کا یہ تقاضا ہے کہ افغانوں کے خلاف انگریزوں کی امداد کی جائے۔ کیونکہ اس میں ہی دربار لاہور کی بھلائی تھی۔

گلاب سنگھ کے موقعہ پر پہنچنے سے پہلے سکھوں سے تعاون کی تمام امیدیں ملیامیٹ ہو چکی تھیں۔ ۱۹ر جنوری ۱۸۴۲ء کو انگریز فوج کو درہ خیبر پر پسپا کر دیا گیا۔ اور جوں ہی انگریز درہ خیبر تک ہٹ آئے، سکھ چپکے سے پشاور کو ہو لئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عقبی فوجی دستے جو کہ مسلمانوں پر مشتمل تھے، انہوں نے بغاوت کر دی۔ کیونکہ (وہ) افغانوں کے خلاف انگریزوں کی امداد کسی بھی طرح کرنے کے لئے رضامند نہ تھے۔ اور انہوں نے پس ماندہ فوج پر پیچھے سے حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ عین اس وقت جنرل پولک کو فوج کی کمان کے لئے انگریزوں نے مامور کیا اور وہ علاقہ پنجاب سے ہوتا ہوا پشاور کے کیمپ کی جانب بڑھتا۔ اور جب گلاب سنگھ کو جنرل پولک کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے خیمے دریا کے بائیں کنارے پر نصب کر دئے اور سکھ فوج کو حکم دیا کہ "پشاور کو بڑھو۔ تمام باغیوں کو مغلوب کرو اور انگریزوں سے تعاون کرو۔"

گلاب سنگھ نے پہلا پیغام جو میجر لارنس کے نام بھیجا، اُس میں اس امر کا خفیف اشارہ تھا کہ پشاور سے اٹک والی سڑک پر براہِ راست اقدام نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں عقبی دستے اُس پر حملہ کر دیں گے۔ میجر لارنس نے اس مشورہ کو احسان مند نگاہوں سے قبول کیا، اور اسی دوران میں گلاب سنگھ نے عقبی دستوں کو بھی راستہ سے ہٹانے کا انتظام کر لیا اور انگریز سپاہ کو پشاور پہنچنے کے لئے تمام راستہ صاف ہو گیا۔

انگریزوں کی ازلیں یہ خواہش تھی کہ جس طرح بھی ہو گلاب سنگھ سکھ فوج کو اُن کے ہمراہ جلال آباد تک ایک دستہ بھیجنے پر مائل کر سکے لیکن اُس نے میجر لارنس سے کہا کہ سکھوں کا اس صورتِ حال میں جبکہ دربار لاہور انگریزوں کی امداد کا خواہاں نہیں، جلال آباد لے جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ بات مجھ پر چھوڑ دی جائے۔ میں سکھوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں اور سمجھتا ہوں کہ کون سے وقت ہمارے لئے پیش قدمی درست رہے گی۔ میجر لارنس نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور گلاب سنگھ نے اپنا اثر و رسوخ سکھ سپاہ میں استعمال کرنا شروع کیا۔ اور سکھ فوج کو پشاور میں انگریز فوج کی عملی مخالفت سے باز رکھا۔ اگر سکھ اس وقت انگریزوں کے خلاف ہو جاتے اور گلاب سنگھ کی یہ کوشش نہ ہوتی تو تمام کی تمام مہم کا خاتمہ نہایت بُری طرح ہو جاتا۔ گلاب سنگھ نے سکھ سپاہیوں پہ یہ امر واضح کیا کہ انگریزوں کو درّہ خیبر کی طرف پہنچانا اور انہیں صحیح سلامت اس کے پار کر دینا ہمارے فائدہ کی بات ہے۔ اگر افغانوں نے انگریزوں کو وہاں سے مار بھگایا تو اُن کا پشاور کا تمام سامان سکھوں کے قبضہ میں آ جائیگا۔ اور اگر انگریز افغانوں پر غالب آ گئے تو ہم انہیں کہنے والے بن سکیں گے کہ کامیابی ہماری وجہ سے اُن کے ہاتھ پر آئی ہے۔ خالصہ فوج کے سرداروں نے اس عقل و فکر کی تعریف کی۔ اور گلاب سنگھ اس بات کے لئے ہر طرح سے آزاد ہو گیا کہ وہ اپنی مرضی سے انگریزوں کی امداد رسد اور راشن وغیرہ سے کرے۔ اور اس کے علاوہ انگریزی سپاہ کے ساتھ اپنے دستے بھی روانہ کرے۔

اِدھر یہ مہم جاری تھی اور گلاب سنگھ اپنی سیاست اور دُور اندیشی کی وجہ سے انگریزوں اور سکھوں کی نوجوان میں ہر دلعزیز بن چکا تھا کہ اُسے خبر ملی کہ وسط تبت میں اُس کے مدبر جرنیل وزیر زور آور سنگھ کا برف کے شدید طوفان میں کام تمام ہو گیا ہے۔ گلاب سنگھ اس شدید خبر کی تاب نہ لا سکا۔ اُسے بے حد صدمہ ہوا۔ اور ۱۷ فروری سنہ ۱۸۴۲ء کو اس نے میجر لارنس سے درخواست کی کہ اس تباہی اور زور آور سنگھ کی موت کی خبر تمام شہر کی جائے۔ کیونکہ

اُس کی اپنی سپاہ میں بغاوت رُونما ہو جانے کا خدشہ ہے۔ ۲۰ فروری ۱۸۴۲ء کو گلاب سنگھ نے جنرل پولک سے ملاقات کی۔ انگریز فوجی دربار لاہور کی ڈھلمل پالیسی سے تنگ آ رہے تھے۔ اُنھوں نے گلاب سنگھ کا استقبال کامل فوجی اعزاز کے ساتھ کیا۔ اور جب سب لوگ بیٹھ گئے تو کپتان ہیکسن نے جو ایک بارُعب اور خوش وضع افسر تھا اور جس کی شخصیت میں سپاہی اور سیاست دان کے بلند ترین اوصاف موجود تھے، ادب و احترام کے ساتھ گلاب سنگھ سے پوچھا کہ یہ سکھ فوج کس غرض کے لئے دربار لاہور نے پشاور بھیجی تھی اور دربار لاہور سے کیا احکام اِسے صادر ہوئے تھے؟ گلاب سنگھ حیران سا ہو گیا لیکن وُہ اتنا تجربہ کار اور ماہر سیاستدان تھا کہ اُس نے اپنی اِس حیرانی کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ چنانچہ میجر لارنس نے گلاب سنگھ کے جواب کو اپنے مورخین کے حوالے سے اِن الفاظ میں لکھا ہے :-

"جن لوگوں کو پہاڑی علاقہ کے اِس راجہ گلاب سنگھ سے بات چیت کرنے کا موقعہ ملا ہے، وُہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ گلاب سنگھ کی کس قدر میٹھی زبان ہے اور وُہ کس قدر سادگی سے بات کرتا ہوا پیچیدہ اور نازک مسائل پر عبور رکھتا ہے۔ کتنی روانی ہے اُس کی بات چیت میں۔ وُہ کپتان ہیکسن کی بات سُن رہا تھا اور اپنی لمبی داڑھی پر ہاتھ پھیر رہا تھا کہ کب اُسے اُس کی بات کا جواب دینے کا لمحہ ملتا ہے۔ اُس کی خود اعتمادی اُس کے بارُعب چہرے سے بخوبی ٹپک رہی تھی۔ اُس نے جواب دیتے ہوئے ماضی کے متعلق اپنی اور اپنے بھائیوں کی، اپنے نامدار آقا رنجیت سے وفاداری کے بارے میں اور اُن لوگوں کی شر انگیزی کے متعلق جو اُس کی طرف خود مختار حکومت کے قیام کی ساز باز کو منسوب کرتے تھے، بہت کچھ کہا مگر آئندہ کے متعلق کہ افغانستان میں موجودہ انگریزی افواج کے بچاؤ کی خاطر کیا کرنا چاہیے، راجہ گلاب سنگھ نے اتنا کچھ کہہ کر بھی کچھ نہ کہا۔ بلکہ اُس نے انگریزوں کو دربار لاہور کا ایک پروانہ پیش کیا جس میں جنرل پولک سے دریافت کرنے کی اُسے ہدایت تھی کہ انگریز حکومت کے سامنے وُہ کونسی باتیں ہیں، انگریز کیا کرنا چاہتے ہیں اور اُس کی تکمیل کا کیا ذریعہ ہے۔ پروانہ میں اس بات کی یہ بھی ہدایت تھی کہ وُہ اس عہد نامہ کی شرائط کے مطابق انگریزی افواج کی امداد میں کام کرے۔"

تو یہ تھے دربار لاہور کے آخری الفاظ۔ اس پر انگریز حکام نے خیال کیا کہ بغیر کسی معاوضہ کے کامیابی حاصل کرنا مشکل ہے۔ جب تک کہ گلاب سنگھ کو کافی عوضانہ نہ مل جائے، اس کی طرف سے کسی امداد کا ملنا مشکل ہے۔ چنانچہ میجر لارنس نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ اگر جلال آباد کی وادی کے حصول میں راجہ گلاب سنگھ انگریزوں کی امداد کرے تو وہ جلال آباد اور پشاور کے علاقوں کو اُس کے خاندان کو سپرد کرنے کے لئے کوشش کریں گے۔ لیکن گلاب سنگھ کو ان ترغیبوں کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اُس نے حسب استطاعت انگریزوں کی سکھ سپاہ کے ساتھ بغیر کسی معاوضہ کے امداد کی۔ اور ۵ رایپریل سنہ ۱۸۴۲ء کو جنرل پولک درہ خیبر عبور کرنے کے قابل بن گیا اور ۸ رایپریل کو انگریز حکومت کی طرف سے گلاب سنگھ کو ایک مراسلہ موصول ہوا جس میں مسٹر کلارک ایجنٹ دربار لاہور نے لکھا تھا کہ :-

"پیارے اور مہربان دوست راجہ گلاب سنگھ

ہم نے اپنی فوج کے جرنیلوں سے سُنا ہے کہ آپ نے کس تدبّر کے ساتھ ہماری فوجوں کی امداد کی۔ ہماری آپس کی دوستی کے مُدّت سے بوئے ہوئے بیج کا پھل جو کافی دیر پوشیدہ رہا، سامنے آگیا ہے۔ آپ اس سرزمین کے باغ کے پھول ہیں۔ اور شجرِ اُمید کا نہایت لذیذ پھل ہیں۔ ہمیں اُن تکالیف اور مصائب کا اچھی طرح احساس ہے جو ہماری فوج کی امداد کرنے میں آپ نے برداشت کی ہیں۔ ہم اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔"

اس طرح ہنری لارنس اور گلاب سنگھ کی دوستی کی بنیاد مضبوط رنگ میں قائم ہوئی۔ اور ہنری لارنس نے اپنے وعدہ کے مطابق راجہ گلاب سنگھ کو جلال آباد دینے کے لئے گورنر جنرل پر زور دیا۔ لیکن لارڈ آیلنبرا گورنر جنرل ہندوستان نے شرط پیش کی کہ گلاب سنگھ لداخ چھوڑ دے اور اُس کی بجائے افغانستان کا صوبہ لے لے۔ مگر گلاب سنگھ نے صاف انکار کر دیا۔ لداخ اُس کے اپنے علاقہ کی طرف واقع تھا۔ اس پر نہ تو انگریز حملہ کر سکتے تھے نہ سکھ۔ گلاب سنگھ لداخ کا آزاد مالک تھا جو فتح ہونے کے باوجود فاتحانہ حیثیت سے اس کی اپنی ملکیت تھی۔ قدرتی طور پر گلاب سنگھ کو جلال آباد کی پیشکش قبول نہ ہو سکتی تھی۔ اور اُس نے بغیر کچھ لئے دئے انگریزوں کی دوستی کو ہی مناسب اور عزیز جانا۔ اس سے بڑھ کر گلاب سنگھ کی سیاست کا اور کیا امتحان ہو سکتا تھا۔ اگر کوئی اور

آدمی اُس کی جگہ ہوتا تو انگریز سیاست دانوں کے سامنے احساس بے بسی میں مبتلا ہو جاتا لیکن گلاب سنگھ نے دربار لاہور کی عزت اور اپنا وقار اس نازک مرحلہ میں بھی قائم رکھا یہاں تک کہ انگریزوں کے یہ لالچ دینے پر بھی کہ تمام سکھ سپاہ اور ڈوگرہ فوج کو اس سے زیادہ الاؤنس وہ دینے کو تیار ہیں جو کہ وہ اپنے علاقہ میں لیتے ہیں، گلاب سنگھ نے ہنس کر بات ٹال دی۔ اور یہ سوچ کر کہ روپیہ سے زیادہ کسی آدمی بلکہ ساری انگریز قوم کے دل کو جیتنے کا یہی موقع ہے۔ اُس نے انگریزوں کو کامیابی دلا دی۔ لیکن نقد معاوضہ یا علاقوں کے لینے دینے کی پیشکش کو قبول نہ کیا۔

سکھ مستقل حکمران شیر سنگھ

۲۲ فروری ۱۸۴۱ء کو بسنت پنچمی کے مبارک دن پر لاہور میں مہاراجہ شیر سنگھ تخت نشین ہوا۔ مسند نشینی کی رسم پرانے دستور پر ادا ہوئی۔ فوج کو انعام تقسیم کیا گیا اور اضافہ تنخواہ کا اعلان بھی ہوا۔ سرداران فوج و سول اور تمام درباریوں کے علاوہ راجوں، نوابوں، سلطانوں اور جاگیرداروں نے نذریں دیں۔ نظم و نسق سلطنت کا راجہ دھیان سنگھ کو مختار کل بنایا گیا۔ اور مہاراجہ شیر سنگھ نے راجہ دھیان سنگھ اور دوسرے سرداران کو خلعتیں دیں۔ تخت نشینی پر شیر سنگھ نے داد و دہش کے دروازے عوام پر کھول دیئے۔ شیر سنگھ جسے آج سے ایک سال پہلے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ وہ سلطنت پنجاب کا حکمران بن سکتا ہے، زری دار لباس میں ملبوس، شاہی زیورات گلے میں حمائل اور سر پر دستار کے ساتھ تاج شاہی چسپاں دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ اُس کی خوشی کسی حد تک بجا بھی تھی کیونکہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا صلبی بیٹا نہ تھا۔ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے اصلی بیٹے دلیپ سنگھ خورد سال کی موجودگی میں اُس کا ایک بڑی سلطنت کا مہاراجہ بن جانا ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ اور اس معجزہ کے کرنے والے راجہ دھیان سنگھ اور اُس کے بھائی بند تھے لیکن وہ تخت پر بیٹھتے ہی اس حقیقت کو فراموش کرنے لگا اور راجہ دھیان سنگھ کے اثر و رسوخ اور دانش و قابلیت پر حسد کھانے لگا۔ اُس وقت سلطنت لاہور پر کئی آفتیں منڈلا رہی تھیں۔ سب سے بڑی آفت تو اپنے ہی فوجی سکھ سردار تھے جو اقتدار کی ہوس میں ایسی ایسی

باتیں ہو گزرتے تھے کہ جن کا مصلحت دربارِ سلطنت سے مطلق واسطہ نہ ہوتا تھا۔ مہاراجہ شیر سنگھ تھوڑے ہی دنوں میں نشۂ حکومت میں مخمور اور عیاشی پر اُتر آیا۔ عقلمند تو اتنا نہ تھا۔ اس لئے جب بھی راجہ دھیان سنگھ اُسے اُس کی خرمستیوں سے روکتا تو وہ ظاہرا تو کچھ نہ کہہ سکتا لیکن اندر ہی اندر برافروختہ ہو کر اپنے وزیر اعظم اور اُس کے فرزند راجہ ہیرا سنگھ کی غیر حاضری میں دُوسرے سرداروں سے اُن کے خلاف سازشیں کرتا کہ کسی طرح وُہ دھیان سنگھ کے اثر و رسُوخ سے آزاد ہو جائے۔ اسی طرح دن گزرنے لگے۔

عمدۃ التواریخ جو کہ دربار لاہور کا مستند روزنامچہ ہے اُس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز جو کہ اپنی حد لدھیانہ یعنی ستلج پار تک کر چکے تھے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت لاہور کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتے تھے، مہاراجہ کھڑک سنگھ اور کنور نونہال سنگھ کی موت کے بعد لاہور پر اپنی حریص نظریں گاڑنے لگے۔ اور کوئی دن خالی نہ جاتا تھا جبکہ کوئی نہ کوئی انگریز افسر کسی نہ کسی بہانے لاہور میں نہ آتا۔ انگریز لاہور دربار میں اپنا رسوخ بڑھانے کی کوشش میں تھے۔ لیکن وُہ راجہ دھیان سنگھ کی مرضی کے خلاف چلنے میں مصلحت نہ سمجھتے تھے۔ پھر بھی دوستانہ مراسم پہلے سے زیادہ بڑھاتے رہے۔ لیڈی میکڈانل، مسٹر کلارک، مسٹر پاک، مسٹر لارنس، مسٹر میٹکاف اور لارڈ آکلینڈ کی آمد و رفت بہت زیادہ ہو گئی۔ اور فیروزپور کی سرحد کے معاملات کی آڑ میں وُہ گفت و شنید کے لئے متواتر آنے لگے۔ ادھر لاہور دربار سے اُن کی آؤ بھگت، شاہانہ خیر مقدم اور خاطر تواضع پر صرف ڈوگرہ راجگان راجہ سوچیت سنگھ، راجہ ہیرا سنگھ اور وزیر لکھپت سنگھ مامور کیے جاتے۔ کیونکہ راجہ دھیان سنگھ اسی میں مصلحت سمجھتا تھا۔ اور انگریز لارڈ آکلینڈ کو خود بھی سوائے راجہ دھیان سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ کے لاہور کے کسی درباری سے مل کر بات چیت کرنا پسند نہ تھا۔

مہاراجہ شیر سنگھ کی کم عقلی اور بے وقت کی عیاشیوں اور نشہ میں مخمور رہنے کی عادت سے دربار لاہور نہایت نازک مرحلہ سے گزر رہا تھا۔ پھر بھی راجہ دھیان سنگھ کا سلطنت کے داخلہ اور خارجہ معاملات میں زبردست ہاتھ تھا۔ ایک دفعہ ازراہِ مذاق مسٹر ہینڈ ک نے مہاراجہ شیر سنگھ سے پوچھا کہ "خالصہ فوج کتنی تعداد میں ہے" کہ راجہ دھیان سنگھ فوراً بول اُٹھا "ستر ہزار سے کچھ زیادہ لاہور میں۔ پچاس ہزار کے قریب مختلف مقامات پر اور اس کے علاوہ کوہستان جموں اور کانگڑہ کی فوج کے متعلق راجہ گلاب سنگھ سے پتہ لگایا جا سکتا ہے

Scanned with CamScanner

عرصہ دو سال حکومت کرتے مہاراجہ شیر سنگھ کو ہو گیا۔ اس عرصہ میں کوئی خاص جنگ کسی طرف سے تو نہ ہوئی لیکن دربار لاہور سازشوں کا گڑھ بن گیا۔ چھوٹی موٹی بغاوتیں ضرور دُور دراز علاقوں میں ہوئیں جو کہ ختم کر دی جاتی رہیں کشمیر کے فساد میں سردار میہاں سنگھ ناظم کشمیر مارا گیا تو شیخ غلام محی الدین نے وہاں جاکر امن بحال کر دیا۔ غرضکہ راجہ دھیان سنگھ کی بدولت سلطنت کا نظم ونسق ٹھیک طرح سے چل رہا تھا کہ سردار اجیت سنگھ سندھانوالیہ جو راجہ دھیان سنگھ اور اُس کے خاندان کی شہرت سے جلتا تھا، انگریزوں سے لدھیانہ میں جا ملا۔ مہاراجہ شیر سنگھ نے سنا تو جان نکل گئی مبادا کوئی فساد شروع ہو جائے۔ راجہ دھیان سنگھ نے کہا "سرکار تو خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں اور چھوٹے لوگوں کی باتیں سُن کر گھبرا اُٹھتے ہیں۔ انگریز صاحبان سے سردار اجیت سنگھ کے مقابلہ میں ہمارا زیادہ رابطہ ہے۔" اور جب سردار اجیت سنگھ کی وہاں دال نہ گلی۔ لاٹ صاحب نے اُسے منہ لگانا بھی مناسب نہ سمجھا۔ تو وُہ واپس لاہور آکر مہاراجہ شیر سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ سے معافی کا خواستگار ہوا اور نذر دے کر عقیدت مند بن گیا۔

سردار اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ سندھانوالیہ فوج میں کافی غلبہ رکھتے تھے۔ اور ان کا اثر و رسوخ بھی تھا۔ وُہ مہاراجہ شیر سنگھ کے سخت مخالف اس لئے تھے کہ یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا اصلی بیٹا نہیں تھا بلکہ ایک غاصب تھا۔ جسے راجہ دھیان سنگھ نے اپنی مطلب برآری کے لئے سہارا دے رکھا تھا۔ چنانچہ وُہ ہر وقت اس موقعہ کی تاک میں رہتے کہ کسی طرح بادشاہ اور وزیر دونوں میں شکر رنجی اور ناچاقی پیدا ہو جائے اور اُنہوں نے ایسا جال بچھایا کہ مہاراجہ شیر سنگھ اُن کے ساتھ کوہستان کانگڑہ، منڈی، ہوشیارپور وغیرہ کی سیر کو نکل گیا اور اُس طرف کے راجوں اور جاگیرداروں کے ہاں مہمان رہنے لگا۔ جب تین چار ماہ سیر میں گزر گئے تو ایک دن راجہ دھیان سنگھ نے کہا "سرکار سیر میں ہی مصروف ہیں۔ انتظام بادشاہی لاہور خراب ہو رہا ہے۔ دارالخلافہ سے باہر رہنا ان نازک اور پیچیدہ ترین حالات میں اچھا نہیں۔ مملکت کی خبر لینا بھی آپ کا دھرم ہے۔ آپ پر کتنی عظیم ذمہ داریاں ہیں لیکن آپ بالکل لاپرواہ ہیں بلحاظ ذمہ دار افسر انتظامیہ کے میں زیادہ ذمہ دار ہوں۔ آپ نے مجھے بھی اپنے ساتھ باندھ رکھا ہے"۔ لیکن شیر سنگھ نشہ میں مخمور تھا فرمایا کہ چند روز اور صرف چند روز شکار اور سیر کریں گے۔

لاہور جانا ہی ہے، چل پڑیں گے۔" راجہ دھیان سنگھ نے یہ بھی کہا کہ "جو لوگ آپ کے منظور نظر ہیں اور وفادار آپ کو معلوم دیتے ہیں، یہ آپ کے سخت مخالف ہیں۔ انہیں آپ کا یہ راج پسند نہیں۔ بظاہر آپ کی ہوا خواہی کا دم بھرتے ہیں۔ یہ مخالف پارٹی زوروں پر ہے۔ فوج میں ان کا غلبہ بڑھ رہا ہے۔ یہ پارٹی ضرور آپ کو بظاہر حلوہ معلوم دیتی ہے۔ لیکن ان کے اندر زہر ہے۔ چنانچہ سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ جسے سرکار چچا جی کہتے ہیں، وہ بھی مخالف پارٹی کا ہے۔" مہاراجہ شیر سنگھ نے سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ کے خلاف بات سُنی تو اُس نے بغور راجہ دھیان سنگھ کو دیکھا اور کچھ وقفہ کے بعد کہنے لگا کہ "ہمارا تو منظور نظر آپ کے سوا کوئی نہیں۔ یہ آپ کا وہم ہے۔" راجہ دھیان سنگھ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "وہم نہیں سرکار! بالکل سچی بات ہے۔ ہم آپ کے تین پُشت کے خیر خواہ اور نظم ونسق سلطنت میں کمال بہادری، جاں نثاری اور سمجھداری سے معروف ہیں۔ لیکن الشور کے واسطے سرکار اپنے ان ہوا خواہوں اور بد اندیشوں کی باتوں میں آکر انتظام مملکت درہم برہم کرنے کے درپے نہ ہوں۔ مجھے تو یہ فکر اب کھا رہی ہے کہ ملک سرکار جس کو بادشاہ مرحوم مہاراجہ رنجیت سنگھ نے نہایت محنت سے اپنے قبضہ میں کیا تھا، ویران اور تباہ نہ ہو۔"

مہاراجہ شیر سنگھ نے جواباً کہا "سرکار مابدولت کو آپ کی خدمات معلوم ہیں۔ اور ہم نہیں چاہتے کہ کوئی بھی کام آپ کی صلاح ومشورہ کے بغیر ہو۔ آپ سلطنت کے مدار المہام اور مختار کل ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے سرکار!" راجہ دھیان سنگھ نے کہا۔ "آپ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشین ہو کر اور سلطنت لاہور کے مہاراجہ بن کر ایک معمولی قسم کے آدمی سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ کو سر چڑھانے لگے ہیں اور اُس کی پیشوائی کے لئے اُونہ جانے کی تیاری کر رہے ہیں جو کہ آپ کی شان کے سراسر خلاف ہے۔ اگر سرکار کو اُس کی عزت ہی مقصود ہے تو کسی ماتحت افسر کو اسے بلانے کے لئے بھیج دیا جائے۔" لیکن مہاراجہ شیر سنگھ سندھانوالیہ سرداروں کے دام میں آیا ہوا تھا۔ اس لئے اس بات کا بالکل کوئی خیال نہ کیا۔ کیونکہ سردار اجیت سنگھ سندھانوالیہ کے مشورہ سے یہ بات طے ہو چکی تھی کہ سردار عطر سنگھ کی بار سنوار ۔ مانند تواضع کی جائے اور حکومت فوج کی ملک پر اسے لگایا

جائے اور اُسے پچھانے کے لئے ...
دُوسرے سرداروں نے اس مشور...
زیادہ دلچسپی لینا چھوڑ دی ...
سیر و شکار کرتے دینا نگر میں آکر
بیٹھا خوش گپیاں ہانک رہا تھا
آن سے سُن رہا تھا۔ اور یہ حکم ...
لئے آئے تو اُسے کہہ دیجئے کہ ...
معمول ملاقات اور انتظام ...
ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ سرکار
آکر ایک خدمتگار نے کہا
ہوئی ہے اور سرداران سندھا...
راجہ دھیان سنگھ نے ...
شیر سنگھ کے عقل نہیں رہی۔ دو...
لئے یہاں رہنا مناسب نہیں
کچھ ہے جیسر وٹ لسوبلی۔ چنانچہ
اپنی کتاب "گلاب سنگھ" میں لکھ...
رخصت ہوئی تو شیر سنگھ اور
کر دھیان سنگھ کے اثر۔ علیحد...
سے بھی کوئی اُلفت نہ تھی لیکن ...
اسی اثر کی بدولت دھیان سنگ...
اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ شیر سنگھ
صرف اپنے اقتدار و حکمرانی...
اتنی عقل نہ رکھتا تھا۔ شیر سنگھ
دھیان سنگھ اور اس کے بھائی...
کر دیا جائے۔ چنانچہ سیر و شکار

...سے ملاقات ماتحت راجہ دھیان سنگھ اور
...گیا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ راجہ دھیان سنگھ نے
...ایک اور واقعہ پیش آیا کہ مہاراجہ شیر سنگھ
...ہوا اور دانت کو اپنے ہوا خواہوں کے درمیان
...نشستی ... اور عالی ظرفی کی کہاوتیں
...کہ اگر راجہ دھیان سنگھ اس وقت ملاقات کے
...وہیں سو رہے ہیں۔ راجہ دھیان سنگھ حسب
...تعلق میں کچھ کہنے ... کر آیا تو دربان نے
...ہیں۔ راجہ دھیان سنگھ واپس آگیا لیکن آگے
...تجھ کہا ہے سب تماشا ہے۔ انا زلو محفل بھی
...ساتھ خوش گپیاں ... رہی ہیں۔"
...پیچ و تاب کھایا۔ اور یہ سوچ کر کہ اب مہاراجہ
...اور دشمن کو دوست سمجھنے لگ گیا ہے۔ اس
...رنجیت سنگھ کی مہربانی سے ہمارے پاس بہت
...علاقے ... جاگیر کے ہیں۔ سردار ہیں۔ ایم پیانیکر
...مہارانی چاند کور ۱۸۴۲ء میں اس دار فانی سے
...ہو گیا اور اس نے سندھانوالیہ سرداروں سے مل
...اپنی من مانی شروع کر دی۔ گو شیر سنگھ کو سندھانوالیوں
...یال ہے کہ ان سرداروں کا سکھوں پر اثر ہے اور
...علیحدہ حکومت ... سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ انہیں
...یال کا مالک نہ تھا اور نہ وہ ارادہ کا پختہ تھا۔ اُسے
...تھا اور چاہتا تھا کہ ... کوئی ٹوکنے والا نہ ہو لیکن
...بھی اس خیال کو بڑھانے کی کوشش کی کہ
...عمل میں لایا جائے ... کا خاتمہ ایک ہی وار میں
...ان جب کہ اُس کا ... کانگڑہ میں لگا ہوا تھا۔

تینوں بھائیوں اور راجہ دھیان سنگھ کے فرزند اکبر راجہ ہیرا سنگھ کی طلبی وہاں ہوئی۔ راجہ گلاب سنگھ کا ماتھا ٹھنکا اور راجہ دھیان سنگھ سے اس طلبی کا مقصد دریافت کیا جو کہ اُس وقت ان سے ملتا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ "مہاراجہ شیر سنگھ اچھا آدمی ہے جسے بغیر حق کے آپ نے مہاراجہ بنایا۔ وہی آپ کو اور آپ کے ساتھ ہم سب کو جان سے مارنے کے درپے ہے۔ پھر بھی میں کانگڑہ جا رہا ہوں دیکھتا ہوں کہ کیا کرتا ہے"۔

دھیان سنگھ نے جب دیکھا کہ گلاب سنگھ کانگڑہ جا رہا ہے تو اُس نے سوچیت سنگھ کو لاہور میں ہی رہنے کے لیے ہدایت کی۔ راجہ ہیرا سنگھ کو پیچھے چھوڑ دیا اور خود بھی کانگڑہ جا پہنچا۔ شیر سنگھ نے سوچا کہ سب بھائی یکجا نہیں ہو سکے اور جو چال چلی گئی تھی وہ ناکام رہی تو اُس نے گلاب سنگھ کو دو دن اپنے پاس ٹھہرا کر حسن سلوک کے ساتھ واپس جموں کر دیا۔ اور اُس کے دوسرے دن راجہ دھیان سنگھ نے بحالت ناراضگی لاہور جانے کی بجائے جموں کی راہ لی۔

گلاب سنگھ کے تیسرے بیٹے رنبیر سنگھ عرف فیتیاں کی شادی خانہ آبادی کی تاریخ نزدیک تھی۔ گلاب سنگھ کا خیال تھا کہ یہ شادی ایسے وقت میں قرار پائی ہے جب کہ خاندان کا آفتاب شہرت نصف النہار پر چمک رہا ہے اور بائیس راجگان پہاڑ پر اپنی سرداری ہے۔ اس لیے جشن شادی شایان شان طریق پر منایا جانا چاہیئے۔ چنانچہ راجہ دھیان سنگھ کے جموں پہنچنے پر شادی کے تمام انتظامات اُس کے ہاتھ میں دے دیئے گئے۔

اجتماع آخری

۱۸۴۳ء کے جون میں گلاب سنگھ کے تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے رنبیر سنگھ کی شادی راجہ وجے سنگھ والیٔ ریاست ڈاڈہ سیبہ ضلع کانگڑہ کی راجکماری سے نہایت پرشکوہ طریق پر انجام پائی۔ اس شادی کی تفصیل کے لیے علیحدہ باب کی ضرورت ہے۔ بہرکیف اس شادی کے موقعہ پر سارے کا سارا خاندان جموں میں جمع تھا۔ لیکن افسوس کہ یہ اجتماع اس خاندان کا آخری اجتماع تھا۔ اس مجمع میں راجہ دھیان سنگھ دربار لاہور کا مختار کُل مدار المہام۔ راجہ سوچیت سنگھ سپہ سالار فوج کا نہایت وجیہہ خوش شکل شُورما اور جانباز جرنیل۔ راجہ دھیان سنگھ کا فرزند اکبر راجہ ہیرا سنگھ جسے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فرزند خاص الخاص کا خطاب حاصل تھا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ "بادشاہ" ... کی بجائے ... کے نام سے پکارتا تھا۔ میاں ... سنگھ فرزند ... راجہ

گلاب سنگھ جس کی خوش قسمتی اور بہادری پہ قابلِ رشک روزگار تھی۔ راجہ کیسری سنگھ کا بیٹا چھپیا راجہ سوچیت سنگھ کا دستِ راست اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایڈی کانگ اور ہر ایک کے کئی لواحق اور رشتہ داروں کے علاوہ ڈوگرہ دیس کے نامور جرنیل اور راجے رانے اس مبارک تقریب میں شامل تھے۔ جموں میں ایسا اجتماع اس خاندان کا آخری تھا۔ گلاب سنگھ کو بجا طور پر اس امر کا فخر و ناز ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے خاندان کی عظمت کی بنیاد رکھی تھی۔ اور آج وہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کے بھائی بند اور تمام رشتہ دار دنیا میں نامور اور طاقتور بنے ہوئے ہیں۔ گلاب سنگھ کا فرزند سوم رنبیر سنگھ جسے راجہ سوچیت سنگھ نے اپنی گود لیا ہوا تھا اور نرینہ اولاد نہ ہونے کے باعث رنبیر سنگھ کو متبنیٰ بنا لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ رنبیر سنگھ نے اپنا بچپن رام نگر میں گزارا جو راجہ سوچیت سنگھ کی جاگیر تھی۔ رنبیر سنگھ کی عمر شادی کے وقت صرف چودہ سال تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد سے گلاب سنگھ نے دربار لاہور کی زندگی کو ٹھکرا رکھا تھا۔ اور وہ اپنے خاندان کی بہتری اور ترقی میں ہمہ تن مصروف تھا۔ گلاب سنگھ نے اپنے خاندان کی عظمت کی بنیاد کچھ اس طریقہ سے رکھی تھی کہ بہت کم لوگ اس کا دعوےٰ کر سکتے ہیں۔ اُس نے افواج مرتب کیں اور معمولی حیثیت سے اپنی عقل و دانش، تدبر اور بہادری کے سبب عظیم مرتبہ پر پہنچا۔ ایسا وقت یقیناً شکر گذاری کے لئے موزوں تھا جب کہ وہ اپنی آنکھوں اپنے خاندان کی عزت و شہرت اور حکومت میں دبدبہ ڈوگرہ دیس اور لاہور دربار میں دیکھ رہا تھا۔

اِدھر جموں میں اِس وقت شادی کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ خوشیوں کے ترانوں پر دھرتی ناچ رہی تھی۔ اُدھر لاہور میں مہاراجہ شیر سنگھ کو انتظامِ مملکت میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ نظم و نسق حکومت میں ابتری پھیلنے لگی۔ طوائف الملوکی کا سماں بندھ گیا اور وہ وہ بد عنوانیاں ہونے لگیں کہ شیر سنگھ پریشان ہو اُٹھا۔ ایسے وقت میں اُسے راجہ دھیان سنگھ کی یاد آئی جو کہ اُس کی من مانیوں اور بدسلوکیوں سے تنگ آ کر ناراضگی کی حالت میں جموں آ گیا ہوا تھا۔ تب دیوان دینا ناتھ اور فقیر عزیز الدین دربار لاہور کے با اثر اور معتبر ارکان نے مہاراجہ شیر سنگھ کو سمجھایا کہ راجہ دھیان سنگھ آپ کا وزیر باتدبیر اور روشن ضمیر ہے۔ وہ آپ سے ناراض ہو کر اپنے گھر چلا گیا ہوا ہے۔ ایسے لائق، خیر خواہ، ہمہ صفت موصوف اور رموزِ سلطنت پر حاوی وزیر اعظم کا ناراض کرنا اچھا نہیں۔ اُس کے مقابلہ کا کوئی دوسرا آدمی آپ کو نہ ملے گا۔

میاں اودھم سنگھ ←

← میاں سوہن سنگھ

Scanned with CamScanner

راجہ سوچیت سنگھ

میاں زنجیر سنگھ

Scanned with CamScanner

مخالف پارٹی کے کہنے میں آکر سلطنت کے مدار المہام سے بدگمان ہونا کسی بھی طور درست نہیں۔ اور یہ ہر طرح سے خلافِ مصلحت ہے" مہاراجہ شیر سنگھ نے جواب دیا" ہم کب کہتے ہیں کہ دھیان سنگھ کو نہ بلایا جائے۔ آج ہی ایک ایلچی جموں بھیجا جائے اور راجہ دھیان سنگھ کو پیغام لکھا جائے کہ جس درخت کی آبیاری آپ نے کی وہ آپ کے بغیر خشک ہو رہا ہے۔ براہِ عنایت بہت جلد پہنچ کر اپنے اس خشک ہو رہے پودے کو سنبھالئے"۔

چنانچہ راجہ دھیان سنگھ کے ہی ایک خاص خدمت گار بکا نامی کو راجہ موصوف کی حویلی سے بلایا گیا۔ اور مہاراجہ شیر سنگھ نے خود اُسے زبانی بہت کچھ کہہ کہا کر اور دھیان سنگھ کی طرف منت ماجرا کے ایلچی کی حیثیت میں روانہ کیا۔

ایلچی تو بھیج دیا گیا۔ دیوان دینا ناتھ اور فقیر عزیز الدین کا مشورہ بھی قبول کر لیا گیا لیکن شیر سنگھ سوچنے لگا کہ عجیب مخمصے میں پھنس گیا ہوں۔ کل پرسوں تک راجہ دھیان سنگھ آ گیا تو پھر کیا بنے گا؟ سلطنت تو ٹھیک طرح سے چل ہی پڑے گی۔ لیکن اُس کے اثر و غلبہ کی وجہ سے میری اپنی پوزیشن کیا رہ جائے گی؟ میں اپنی مرضی سے ایک قدم نہ اُٹھا سکوں گا۔ معمولی سی حرکت یا جنبش بھی میرے لئے دوبھر ہو جائے گی۔ یہ اچھی بادشاہی ہے کہ اُس کے مالک کو خاص آداب و دستور میں رہنا پڑتا ہے۔ بڑی مشکل سے پانچ چھ ماہ سیر و شکار میں گزار رہے تھے۔ راجہ دھیان سنگھ کا ہر روز کا ٹوکنا اور روکنا کہ "نہیں ایسا نہیں کیا جائے گا" پھر میری ذلت اور جان کندنی کا باعث بن جائے گا۔ ایک ٹھنڈی آہ بھری اور "کوئی ہے؟" کر کے آواز دی کہ سامنے سردار اجیت سنگھ اور سردار لہنا سنگھ سندھانوالیہ کھڑے دکھائی دیئے۔ اُنہوں نے آتے ہی کہا "سرکار سنا ہے آپ نے راجہ دھیان سنگھ کو بلانے کے لئے کوئی ایلچی بھیج دیا ہے؟"

شیر سنگھ نے سر ہلا کر ہاں میں جواب دیا اور کہا "مگر۔۔۔"

اجیت سنگھ بات کاٹ کر بولا "معلوم نہیں اس ڈوگرے نے آپ پر کیا جادو کر رکھا ہے کہ اُسے بار بار منانے کے لئے آدمی پر آدمی بھیج رہے ہیں۔ دھیان سنگھ تو منتظر ہے کہ اُس کے بغیر سلطنت تباہ ہونے لگی ہے"۔ تو مہاراجہ شیر سنگھ بولا "سردار

صاحب ایسی کوئی بات نہیں۔ اُسے اس لئے بُلایا گیا ہے کہ کچھ رموزِ سلطنت اُس سے حاصل کرسکوں۔ اور آج میری آنکھوں میں کوئی آدمی ایسا بھی نہیں جچتا جو دھیان سنگھ کے پایہ کا ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ میں اُسے ناپسند کرتا ہوا بھی بُلانے پر مجبور ہوں"۔

"آپ بھی بھولے کے بھولے بادشاہ ہیں۔ آپ نے وقت ہی کب کسی کو دیا ہے کہ وُہ اپنی قابلیت آپ کو دکھا سکے۔ جب سے دھیان سنگھ چلا گیا ہے، آپ نے ہمیں کبھی بُلا کر پُوچھا بھی ہے؟ آج ہم نے سُنا کہ آپ اُسے بُلا رہے ہیں تو چلے آئے کہ سرکار سے آج مل کر فیصلہ ہی کرلیں۔ یا دھیان سنگھ رہے گا یا ہم"۔ سردار لہنا سنگھ نے جواب دیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ لوگ؟" شیر سنگھ نے حیرانی سے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جو کچھ عرض کر رہے ہیں اس سرکار کے بھلے کی بات ہے۔ اور اسے حقیقت سمجھئے۔ سرکار کا حکم درکار ہے۔ کل ہی دیکھ لیں"۔ لہنا سنگھ نے زور دے کر کہا۔

شیر سنگھ نے دربان سے کہا کہ دروازہ بند کر دے۔ اور جب دربان دروازہ بند کرکے باہر چلا گیا تو شیر سنگھ نے اپنے آپ کو سردار اجیت سنگھ اور سردار لہنا سنگھ سندھانوالیہ ہر دو فوجی سرداروں کے درمیان اکیلا کھڑا پایا۔ وُہ کانپ اُٹھا اور سوچنے لگا۔ کہ دھیان سنگھ کو ختم کرانے کراتے پہلے آپ ہی ان کے ہاتھوں ہلاک نہ کر دیا جاؤں۔ بزدل تو تھا ہی خوف سے جان نکلنے لگی۔ اچانک اُٹھا اور یہ کہہ کر کہ مجھے معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے۔ طبیعت خراب ہونے لگی ہے۔ پچھلے دروازہ سے اندر کو اس میں جانے لگا۔ اجیت سنگھ نے آگے ہو کر شیر سنگھ کو بازو سے پکڑ لیا اور کہا "سرکار تو محلات میں جا رہے ہیں لیکن بات ادھوری رہ گئی ہے۔ ایسا کیجئے کہ ایک کاغذ پر دو حرف دھیان سنگھ کو جان سے مار ڈالنے کے لکھ دیں۔ پھر ہم جانیں ہمارا کام۔ آپ کو کسی تردد کی ضرورت نہ رہے گی۔ آرام سے بیٹھے بادشاہی کرتے رہیں"۔

شیر سنگھ کی جان نکل رہی تھی۔ وُہ کانپ رہا تھا۔ اُس نے سردار اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ سندھانوالیہ کے نام پروانہ لکھ دیا "اگر دھیان سنگھ کو آپ ختم کر دیں تو سرکار آپ پر بہت خوش ہوں گے اور منہ مانگے انعام کے آپ مستحق قرار دیئے جائیں گے"۔

تحریر ۱۳ ار جون سنہ ۱۸۴۳ء

تصحیح خاص۔ مُہر مہاراجہ شیر سنگھ

سردار اجیت سنگھ اور سردار لہنا سنگھ سندھانوالیہ نے چمکتی آنکھوں سے ایک دُوسرے کو دیکھا اور رسمی طریقہ سے مہاراجہ شیر سنگھ کی سلامی لی اور واپس چلے گئے۔

مہاراجہ شیر سنگھ کا ایلچی نکا خدمت گار جموں پہنچا اور ایسے وقت میں پہنچا جبکہ ماہ جون کی شام تھی۔ گرمی کی شدت نے ہر ذی رُوح کو زبان نکالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور راجہ گلاب سنگھ اپنی خواب گاہ کی آراستہ شدہ کھلی چھت پر تکیہ لگائے براجمان تھا اور راجہ دھیان سنگھ، راجہ سوچیت سنگھ، راجہ ہیرا سنگھ، میاں سوہن سنگھ، وزیر کیسری سنگھ اور پنڈت جلّھا پاس بیٹھے تھے۔ سامنے عین نظروں کے نیچے سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی ندی توی رینگ رہی تھی اور اس کے پار حدِ نگاہ خشک اور کٹے پھٹے سلسلہ کوہ تک جاکر رہ جاتی تھی۔ دکن کی طرف قلعہ باہو پر سورج بنسی پرچم لہراتا دکھائی دے رہا تھا شمال مشرق کی طرف اُونچے پہاڑوں کے لامتناہی سلسلہ پر بادل اُمڈ آئے تھے۔ ترکُٹا کے تینوں کنگروں کو ڈوبتے ہوئے سورج کی آخری کرن نے سنہری بنا رکھا تھا سیوج اور پیر پنچال کی پگھلی ہوئی برف میں نہائی ہوئی ہواؤں کے مستانہ جھونکوں نے دربار کو کسی قسم کے پنکھے سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ رات کی روشنی کا انتظام فراش کر رہے تھے کہ دربان نے آکر عرض کی کہ "سرکار! لاہور سے مہاراجہ شیر سنگھ نے نکا خدمت گار راجہ صاحب کو بھیجا ہے اور وہ حاضری حضور کا طلب گار ہے۔"

نکا خدمت گار ہاتھ میں سُرخ ریشمی کپڑے میں لپٹا ہوا لفافہ لئے اندر آیا اور جھک کر دست بستہ سب کو آداب بجالایا اور آگے بڑھ کر لفافہ راجہ دھیان سنگھ کو دیا۔ اور کہنے لگا "سرکار! بادشاہ نے پیغام دیا ہے کہ جس طرح بھی ہو، جلد پہنچو۔ اگر بیٹھے ہو تو اُٹھ کھڑے ہو۔ اور اگر کھڑے ہو تو لاہور کو دوڑ پڑو۔ کیونکہ آپ کے بغیر بادشاہت تباہ ہو چلی ہے۔ سلطنت کا تمام کاروبار ٹھپ ہو رہا ہے۔ ایک اندھیر گردی مچ رہی ہے۔ آپ آجاؤ اور آکر اس مصیبت سے بادشاہت کو نجات دلاؤ۔"

پنڈت جلّھا نے لفافہ کھولا اور باآواز بلند پڑھنے لگا۔ خط فارسی زبان میں تھا جس کا ترجمہ یوں کیا جاسکتا ہے:۔

"وزیر باتدبیر مدار المہام سلطنت لاہور راجہ دھیان سنگھ جی کے نام آپ کے نام شاہی ارشاد جاری کیا جاتا ہے کہ اب تو شادی مبارک میاں

رنبیر سنگھ کی تقریب ختم ہو چکی ہوگی اور آپ بخیر و خوبی فارغ ہو چکے ہونگے اس لئے آپ فوراً اس طرف آنے کا قصد کریں۔ ہم آپ کا خاص خدمتگار بطور ایلچی بھیج رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی چلے آئیں۔ کیونکہ یہاں سارا کام خراب ہو رہا ہے۔ نظم و نسق حکومت کا کوئی پُرسان حال نہیں۔ اور وہ بادشاہت جس کو آپ لوگوں نے اپنی عقل و حکمت سے دُور دُور تک پھیلا کر مضبوط کیا تھا، برباد ہو رہی ہے۔ اگر نہیں ہوئی تو جلد ہو جائے گی۔ اس لئے آپ کو قسم ہے مرحوم بادشاہ کی کہ آپ اُدھر زیادہ دیر نہ رکیں آپ جب آئیں گے یہاں تو تمام باتیں صاف ہو جائیں گی اور آپ کی ناراضگی اور غصہ گلہ بھی سب دُور کر دیا جائے گا۔ آں جہانی والدم کے بعد آپکی زندگی میں ہی سلطنت لاہور کو ایسی تباہی کا سامنا ہو جائے جس کے آپ مختار کُل ہیں تو آپ کیسے گوارا کریں گے۔ اس لئے ہم اور کچھ نہیں، صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور یہاں جلد پہنچیں۔"

۱۳ر جون ۱۸۴۳ء

"شیر سنگھ"

ارشاد پڑھا گیا۔ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور ذیل کی بات چیت آپس میں ہونے لگی:۔

رائے کیسری سنگھ ۔ گویا مہاراجہ شیر سنگھ کی عقل ٹھکانے آگئی ہے۔

سوہن سنگھ ۔ چچا جان! چھوٹے مُنہ سے بڑی بات کہنے لگا ہُوں میں۔ اُمید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔ آپ کا لاہور جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ آپ ہرگز نہ جائیے وہاں گھر کی خشک باہر کی چُپڑی سے بدرجہا بہتر ہے۔

دھیان سنگھ ۔ بیٹا! مجھے جانا ہی ہوگا۔ جموں کا مفاد لاہور سے وابستہ ہے۔

سوچیت سنگھ ۔ شاید یہ بات ٹھیک ہو۔ لیکن میں تو سمجھتا ہُوں کہ آج لاہور کا مفاد جموں سے وابستہ ہے۔ آپ کی ایک ماہ کی غیر حاضری نے ہی شیر سنگھ کو ہوش دلا دیا ہے۔ آپ کا بُلایا جانا ہی اس امر کی زبردست دلیل ہے کہ لاہور کا دربار ہمارے بغیر عضوِ معطل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

ہیرا سنگھ ۔ لیکن شیر سنگھ کی اُس بد سلوکی اور بدتمیزی کا کیا علاج جو کہ اُس نے باپو جی سے روا رکھی ہے ۔ جب سے اُسے لاہور کی گدی پر بٹھایا ہے، اُس کا دماغ ہی بگڑ چکا ہے ۔

کیسری سنگھ ۔ دماغ تو ایک پل میں سیدھا کیا جا سکتا ہے (راجہ گلاب سنگھ کی طرف دیکھ کر) اگر سرکار منظور کریں تو ۔

گلاب سنگھ ۔ مطلب ؟

کیسری سنگھ ۔ (تلوار پر ہاتھ رکھ کر) صرف کی دیر ہے کہ لاہور کے قلعہ پر سورج بنسی پرچم لہرا اُٹھے !

گلاب سنگھ ۔ (مسکرا کر) ۔ تمہاری جرأت اور مردانگی کے ہم قائل ہیں لیکن ....

سوہن سنگھ ۔ یہی ایک علاج ہے سرکار ! اور اُن تمام بدسلوکیوں اور بدتمیزیوں کا بدلہ بھی بخیر و خوبی چکایا جا سکتا ہے جو کہ شیر سنگھ اپنے حماریوں کے بل بوتے پر چچا جان سے کر رہا ہے ۔

ہیرا سنگھ ۔ ہم نے ایک بلی کو شیر بنایا تھا اور اب وہی بلی ہمیں کھانے کو لپک رہی ہے ۔ شیر سنگھ جو باپو جی کو ٹال رہا ہے اور خاص پیغام بھیجا ہے، اُس سے مجھے تو اس منت ماجرے میں بھی کوئی سازش دکھائی دیتی ہے ۔

کیسری سنگھ ۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ اب زبان یا قلم کی بجائے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھنا ہوگا ۔

دھیان سنگھ ۔ تم لوگوں کو معلوم نہیں آج کیا ہو گیا ہے ۔ ایسی باتیں کر رہے ہو جن کا عقل سے کوئی واسطہ نہیں ۔

راجہ سوچیت سنگھ ۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں ۔ یہ بچے کیا جانیں کہ پنجاب، جس پر مرہٹوں، پٹھانوں، نیپالیوں اور انگریزوں کی نظریں لگی ہیں، آج ہماری وجہ سے کسی کو ہمت نہیں پڑتی کہ اُس کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکے، کی کیا حالت ہو جائے گی اُس وقت جبکہ ہم جیسے گھر کے بھیدی ہی اُسے ڈھانے پر تُل جائیں ۔

سوہن سنگھ ۔ آپ غلط سمجھے ہیں چچا جان ! ہم لاہور کی سلطنت کو تباہ کرنا نہیں

چاہتے۔ اور نہ ہی اِسے نیست و نابود کرنے یا کسی غیر طاقت کے ہاتھ میں دینا برداشت کر سکتے ہیں۔ سو زیر کبیری سنگھ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ لاہور اپنے قبضہ میں کر لیا جائے تاکہ اہلِ پنجاب کو اُن تمام من مانیوں اور زبردستیوں سے چھٹکارا مل سکے جس میں کہ وُہ آج کل ایک نادان مہاراجہ کی بدولت گراہ رہے ہیں۔

دھیان سنگھ۔ کیا یہ واجب ہے؟ اور ایسا ہو بھی سکتا ہے؟

ہیرا سنگھ۔ کیوں نہیں! تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جب کسی سلطنت کو بادشاہ یا راجہ نالائق اور کم عقل پڑ جائے جو اپنے وزیروں اور خیر خواہ ارکان کے تدبّر و دانش سے بھی جلنے لگے جب بھلے بُرے کی تمیز نہ رہے۔ اچھی باتوں میں اُسے کیڑے نظر آنے لگیں اور جو اپنے مدار المہام یعنی سلطنت کے مختارِ کل سے بدسلوکی سے پیش آنا بھی اپنی شان سمجھے، ایسے راجہ کو راج کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ شیر سنگھ کی حالت اِس سے مختلف نہیں۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ مائی چاند کور عورت ذات ہے۔ اِسے سلطنت لاہور کی مالک بنائے رکھنا راج نیتی کے خلاف ہے۔ اُس نے بھی کچھ کم بدسلوکی نہ کی تھی آپ سے۔ آپ نے سوچا تھا کہ عورت کے ماتحت رہ کر کب تک کام چلے گا۔ اور اِس شیر سنگھ کو تخت پر لا بٹھایا کہ یہ آپ کی قدر کرے گا۔ حالانکہ (گلاب سنگھ کی طرف دیکھ کر) قابلِ پرستش تایا جی آپ کی اِس تجویز کے سخت مخالف تھے۔

گلاب سنگھ۔ مائی چاند کور نے بھی کیا کوئی بدسلوکی کی تھی؟

دھیان سنگھ۔ بھائی صاحب! آپ سے مَیں نے آج تک ذکر نہیں کیا کہ جب مَیں مہارانی چاند کور کی مشاورتی کونسل کا ممبرِ اعلیٰ تھا اور جمعدار خوشحال سنگھ، سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ اور سردار لہنا سنگھ مجیٹھیا تینوں سردار ممبر تھے تو تھوڑے ہی دنوں میں چاند کور اُن کے ہتھے چڑھ گئی اور کونسل کے تینوں ممبران ہر بات میں مخالفت برائے مخالفت پر تُل گئے۔ اختلاف اِس حد تک بڑھ گیا کہ میرے پیش کردہ کسی بھی کاغذ پر چاند کور دستخط نہیں کرتی تھی تا وقتیکہ خوشحال سنگھ کو بُلا کر نہ پوچھ لیتی۔

گلاب سنگھ۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟

دھیان سنگھ — بالکل!

گلاب سنگھ — تو پھر؟

دھیان سنگھ — میں تب بھی لاہور کو چھوڑ کر واپس جموں چلا آیا تھا۔ اور اُس وقت واپس وہاں پہنچا تھا جبکہ شیر سنگھ نے لاہور کا محاصرہ کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا تھا۔ لیکن چاند کور کیا تھی کہ شیر سنگھ اُس سے بھی بدتر نکلا!

گلاب سنگھ — مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد یہی کچھ ہونا تھا اور ہو رہا ہے۔ میں نے آج سے پانچ سال پہلے آپ کو نہیں کہا تھا کہ جب سلطنت لاہور سے اپنے بادشاہ کا مضبوط ہاتھ اُٹھ گیا تو مجھے اُس کی اولاد میں سے ایسا کوئی نظر نہیں آتا کہ وُہ اس بادشاہت کو سنبھال سکے؟ کیوں یاد ہے؟

دھیان سنگھ — ایک ایک لفظ یاد ہے۔ مگر اب آپ ہی آگیا دیکھیے کہ کیا کیا جائے۔ مجھے یہاں بیٹھے رہنے سے وہاں جانا بہتر ہے؟

گلاب سنگھ — نہیں۔ میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ لاہور چلے جائیں جب تک کہ لاہور دربار کے رنگ ڈھنگ اور شیر سنگھ کے مزاج کا پتہ نہ لگ سکے کہ کیا وُہ اب بھی سندھانوالیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ اور اِس چٹھی میں جو کچھ منت ماجرا کیا گیا ہے، یہ مگرمچھ کے آنسو تو نہیں؟ (ذرا سوچ کر) میں تو یہ کہوں گا کہ ہیرا سنگھ اور پنڈت جلّھا کو لاہور بھیج دو تاکہ یہ جا کر صحیح صورتِ احوال سے ہمیں روشناس کرا سکیں۔

ہیرا سنگھ — بے ادبی معاف۔ ایسی باتیں کب تک آپ سوچتے رہیں گے؟ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد جو کچھ ہمارے خاندان کے ساتھ بدسلوکی ہو رہی ہے یہ ہم کب تک برداشت کرتے رہیں گے؟ کھڑک سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی چِتا پر بیٹھی ہوئی اپنی ستی ماتا کے سامنے گورو گرنتھ مقدس کو ایک ہاتھ میں لے کر اور دُوسرے ہاتھ سے پتا جی کی باہنہ پکڑ کر جو قسم لی تھی، اُس پر وُہ ایک دن پُورا نہ اُتر سکا۔ اور تخت پر بیٹھتے ہی ہمارے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں۔ کنور نونہال سنگھ تو بے چارہ حکومت تک پہنچنے سے پہلے ہی چل بسا۔ لیکن وُہ بھی حکمران بن جاتا تو اپنے باپ سے کیا مختلف ہوتا؟ جو شخص راج حاصل کرنے

کے لیے اپنے باپ کو دوائی میں زہر ملا کر دیتا رہا، وہ ہمارے ساتھ کس طرح نہ دب سکتا تھا؟ رہ گیا شیر سنگھ — اُسے سب دنیا غاصب سلطنت کہتی ہے، جو مہاراجہ کا اصلی پُتر بھی نہیں۔ اور جسے باپو جی کی بدولت اقتدار حاصل ہوا۔ اُس کی یہ مجال کہ ہماری ہی بلّی اور ہمیں ہی میاؤں کرے۔ انہیں تایا جی — نہیں باپو جی۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔ میں لاہور نہیں جاؤں گا۔ اگر جاؤں گا تو لاؤ لشکر کے ساتھ۔ اس خیال سے کہ لاہور کے قلعہ پر جموں کی منڈی کا پرچم لہرا دوں۔

گلاب سنگھ — ہوش پر جوش کا غالب آنا راج نیتی کے سخت خلاف ہے بیٹے! جو تم کہہ رہے ہو، یہ سب ٹھیک ہے۔ لیکن سوچو تو سہی۔ کیا ہم میں اتنی طاقت ہے کہ ہم لاہور ایسی عظیم سلطنت کو اپنے قبضہ میں رکھ سکیں؟ جس کے دو طرف انگریز، تیسری جانب افغان ہمیں للکار رہے ہیں۔ پھر ابھی تک جموں میں اپنا راج بھی پکا نہیں کر سکے ہیں۔ اور ڈوگرہ پرانت میں اپنا سکہ نہیں بیٹھ سکا ہے۔

کیسری سنگھ — اگر ہمارا ایک جرنیل وزیر زور آور سنگھ مٹھی بھر سپاہیوں کو لے کر کوہ ہمالیہ کے اُس پار لداخ اور تبت میں اپنی فتح کا ڈنکا بجا سکتا ہے۔ جب ہم یہاں سے ایک سو میل دُور پرے کشتواڑ ایسی زبردست ریاست کو مطیع کر سکتے ہیں اور اُس راجہ کو باندھ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قدموں میں ڈال سکتے ہیں اور مہاراج ہمارے وطن کا تو ایک ایک فرد سپاہی ہے۔ آج لام بندی کا اعلان کیجئے۔ پھر دیکھئے کل لاہور پر راجاؤں کے راجہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی نوبت بجتی ہے یا نہیں!

گلاب سنگھ — یہ خیالِ خام ہے!

ہیرا سنگھ — نہیں تایا جی۔ یہ بات نہیں۔ انگریزوں کی آپ کو کیا فکر؟ وہ تو سارے کے سارے لاہور دربار کو آپ کی دوستی پر قربان کرنے کو تیار ہیں۔ انگریز ہمارے ہیں، شیر سنگھ کے نہیں۔ انگریز بڑی دانا قوم ہے۔ اس کے افراد پہلی نظر میں ہی انسان اور اُس کی خصلت کو بھانپ لیتے ہیں۔ اُنہیں پتہ ہے شیر سنگھ کتنا عقلمند ہے اور اُس کے ساتھی اُس کی خیر خواہی کا کتنا دم بھرتے ہیں۔ ہم تو سمجھتا

مہاراجہ شیر سنگھ ←

← کنور نونہال سنگھ

ہوں کہ انگریز سکھوں کی بجائے ہماری امداد میں اپنا مفاد سمجھتے ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اُن کے بعد دربار لاہور کے ساتھ بات چیت کرنے اور حدبندی کا فیصلہ کرنے کے لئے جتنے بھی انگریز افسر آتے رہے ہیں، سب کے ساتھ ہمارا واسطہ رہا ہے۔ چچا جان (راجہ سوچیت سنگھ) اور راﺋے کیسری سنگھ کا بھی اُن میں زیادہ رسوخ ہے۔

گلاب سنگھ — بہت اچھا۔

ہیرا سنگھ۔ اور تایا جی! مجھے انگریز کا اس لئے بھی بھروسہ ہے کہ مَیں جب بھی اُن کے کیمپ میں گیا — کیا لاٹ صاحب کیا کپتان صاحب، کیا فوجی سیکرٹری — سب نے مجھے اکثر کہا کہ راجہ صاحب! جب بھی آپ کو ہماری ضرورت ہو، ہم حاضر ہیں۔ یہی نہیں — لاٹ صاحب کی بہن اور میم صاحبہ نے بھی دوران بات چیت اِن ہی خیالات کا اظہار کیا۔ وُہ مجھے کہتی تھیں کہ ہم جموں کے تمام راجاؤں کی ذہانت، بہادری اور سلیقۂ گفتگو کی داد دیتی ہیں۔ اِن سے بڑھ کر ہمارا کوئی دوست نہیں۔

گلاب سنگھ — لیکن اِس سے یہ یقین تو نہیں کیا جا سکتا کہ دربار لاہور پر قبضہ کرنے میں انگریز ہمارے امدادی ہوں گے۔ ہیرا سنگھ! تم آج ایسی باتیں کہہ رہے ہو جنہیں سُن کر میرے جسم میں لرزش آجاتی ہے۔

کیسری سنگھ — سرکار آپ کانپ رہے ہیں؟ حیرانی سرکار!

گلاب سنگھ — یہ بات نہیں کہ میری کسی خوف کی وجہ سے یہ حالت ہے۔ میری تو آتما مجھے کچھ کہہ رہی ہے۔ اور اِس آتما کی آواز مجھے لرزہ دے رہی ہے۔

سوہن سنگھ — تعجب ہے مہاراج! جس ہستی نے اپنے اوائل بچپن سے خوف کا کبھی نام نہیں سُنا، جو یہ جانتا ہی نہیں کہ ڈر کسے کہتے ہیں، جس نے برستی گولیوں میں گھوم کر دشمن پر اپنے تیز الفطرت ہونے کا رُعب جمایا اور جس نے آگ اُگلنے والی مخالف توپوں کے قیامت خیز گولوں کی بوچھاڑ میں آگے ہی آگے بڑھ کر ہمیشہ فتح کا پھریرا بلند کیا — آج وُہ کانپ اُٹھے!

کیسری سنگھ — سلطنت لاہور کی ترقی میں ہمارا زیادہ حصہ ہے۔ آج بھی ہمارے دم خم

سے یہ قائم ہے۔ ہماری دھاک دُور افغانستان کی پہاڑیوں میں جمی ہوئی ہے۔ قلعہ جمرود، مُلتان۔ یوسف زئی علاقے کشمیر۔ پونچھ اور کئی ریاستیں یہ سب سرکار کی ہی تیغ آزمائی کی بدولت مفتوح ہوئیں۔ آپ آشیرواد دیجیے پھر دیکھیے ہمارے ہاتھ۔ کبھی لاہور نے جموں پر قبضہ کیا تھا، آج جموں کا قبضہ لاہور پر لازمی ہے۔ شرح میں شرم بھی کیا۔ اپنا اپنا وقت ہے

ہیرا سنگھ — باپو جی آپ تو کچھ بولتے ہی نہیں۔ ایسے موقعے زندگی میں بار بار نہیں آیا کرتے۔ ہمیں یہ وقت نہیں کھونا چاہیے۔ اگر ہم نے اِس موقعہ کو گنوا دیا تو اتہاس کی لکیریں ہمیں کیا گردانیں گی؟ بُزدل اور کوتاہ اندیش!

دھیان سنگھ — نہیں بیٹا! یہ تمہارا خیال ہے۔ ہم اپنے دھرم سے منحرف نہیں ہو سکتے۔

گلاب سنگھ — بُزدل اور کوتاہ اندیش نہیں — وفادار اور اصُول کا پکّا لکھیں گے آئندہ مورّخ۔ تم ہیرا سنگھ! یاد رکھو ہم نے جس درخت کے سایہ میں پرورش پائی ہے اور جس درخت کے پھل کھا کر ہم تم آگے بڑھے ہیں، آگے بڑھ کر نام پایا ہے، اگر وُہ درخت آج اِس قابل نہیں کہ ہماری آبیاری کے باوجود وُہ خشک اور ٹنڈ منڈ ہو رہا ہے تو کیا یہ ہمارا دھرم ہے کہ ہم اُس پر کلہاڑا چلا کر اُسے آگ لگا دیں؟ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ گلاب سنگھ سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی اصول نہیں۔ یہ مہا پاپ ہے۔ ایسا پاپ جس کی تلافی سات جنموں تک نہیں ہو سکتی۔

کیسری سنگھ — بے ادبی معاف سرکار! یہاں اصُول نہیں چلتا۔ راج نیتی پر چلتا ہے مہاراج۔ اور راج نیتی میں سب جائز ہے۔ اصول۔ دھرم۔ وفا، نیکی اور خدمت کوئی چیز نہیں۔ دانا، مدبّر، بہادر اور جانباز وزیروں اور جرنیلوں کے سامنے احمقوں کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا سرکار! یہ تو سراسر بے عزتی اور توہین ہے اُن کی عقل، دماغ اور تلوار تک کی سرکار!

گلاب سنگھ — کچھ بھی ہو۔ راج نیتی کی جو تعبیر کرنا چاہو کر لو۔ لیکن مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بنائی ہوئی سلطنت سے کسی بھی مرحلہ پر غداری کر دوں۔ میری جان چلی جائے۔ خاندان کا خاندان تباہ ہو جائے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وُرثاء اگر تم سب کو میرے سامنے بے شک موت کے گھاٹ اُتار دیں لیکن

مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا کہ اُن میں سے کسی پر ہاتھ اُٹھاؤں۔ یہ میرا دھرم نہیں میں ڈوگرہ ہوں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ ہمارے محسن ہیں۔ اُن کی وجہ سے یہ راج مجھے ملا۔ تم لوگوں کو ناموری حاصل ہوئی۔ آج ہم اپنے مالکوں پر کیا اس کالک کو تھوپ لیں کہ گلاب سنگھ اور اُس کے بھائی بندوں۔ بیٹوں بھتیجوں اور عام ڈوگروں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد سے تاج و تخت چھین لیا؟

سوہن سنگھ — باپو جی!

گلاب سنگھ — تم بھی تو یہی کہو گے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد اس قابل نہیں کہ وُہ سلطنت سنبھال سکے۔ اور ایسے میں اگر کوئی دُوسری طاقت اس پر قبضہ کرلے تو ہمیں کون عقلمند کہے گا؟ یہاں بیٹے عقلمندی اور بے وقوفی کا سوال نہیں۔ یہاں تو پاس وفاداری اور غداری کی بات ہے۔ ہم ہرگز ہرگز غدار کہلانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں جانتا ہوں اور مجھے پچھلے دو تین سالوں سے یہ شک بھی ہونے لگا ہے کہ دربار لاہور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد کے قبضہ میں کیا رہ بھی سکے گا؟ اس پر آدر تو کوئی نہیں، بہت جلد فرنگی کا جھنڈا لہرانے کے آثار دکھائی دے رہے ہیں جو لدھیانہ اور فیروز پور میں گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ خبر کسی کا جھنڈا لہرائے۔ فرنگی آجائیں۔ پٹھان قابض ہو جائیں۔ مرہٹوں کو اقتدار مل جائے۔ لیکن ہم پنجاب پر اپنے قبضہ کا خواب میں بھی خیال نہیں لاسکتے۔ ہم ڈوگرے ہیں۔ ہمارے اپنے اوصاف ہیں۔ ہماری اپنی روایات ہیں۔ ہمارا اپنا تمدن ہے۔ ہم خود غرض اور غدار کہلانا پسند نہیں کرتے کہ جس پتل میں کھائیں، اُسی میں چھید کر دیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اخلاقی جرم ہے۔ احسان ناشناسی ہے۔ یہ وشواس گھات ہے۔ یہ پاپ ہے۔ اور میں ایسے دُشکرم کی اجازت نہیں دے سکتا۔

(ماحول میں سناٹا چھا جاتا ہے اور سب ایک دُوسرے کے مُنہ کی طرف تکنے لگ جاتے ہیں)۔

دھیان سنگھ — پھر کیا حکم ہے مجھے بڑے بھائی صاحب!

گلاب سنگھ — میں تو یہی کہوں گا کہ ابھی آپ نہ جائیں — ذرا انتظار کریں اور دیکھ

لیکن کنور شیر سنگھ اور اس کے ساتھیوں پر کیا ردِ عمل ہونا ہے آپ کے نہ جانے کا۔

دھیان سنگھ — ردِ عمل کیا ہوگا۔ کچھ بھی نہیں۔ جب وہاں جانا ہی ہے تو پھر دوسرے بلاوے کی انتظار کا فائدہ؟

گلاب سنگھ — میری بائیں آنکھ پھڑکنے لگی ہے۔ شاید ہم پھر مل بھی سکیں یا نہ۔ ضد نہ کرو دھیان سنگھ! یہ اچھی بات نہیں۔

سوچیت سنگھ — غصہ اور جوش میں بہادروں کی آنکھیں پھڑکتی ہی ہیں۔ آپ کو ایسا کیا وہم ہو گیا ہے؟

دھیان سنگھ — لاہور کوئی پردیس نہیں۔ کوئی دور دراز اور غیر ملک نہیں۔ جموں اور لاہور ایک ہی گھر والا معاملہ ہے۔ آپ اپنے پاس ہی سمجھیے مجھے۔ اچھا تو پھر کل میں چلا جاؤں گا۔ ڈیڑھ دن کا تو راستہ ہے۔ جب میری ضرورت پڑے میں حاضر ہوں۔

گلاب سنگھ — میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھے اپنی فکر نہیں جتنی لاہور کے موجودہ ماحول میں آپ کی فکر ہے۔

(اتنے میں دربان نے آکر دست بستہ عرض کی "سرکار کھانا تیار ہے اور ہر کوئی انتظار کر رہا ہے" سب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور راجہ گلاب سنگھ کے پیچھے سیڑھیاں اُتر جاتے ہیں۔)

شیر سنگھ اور دھیان سنگھ کی ہلاکت

لاہور میں طوائف الملوکی بڑھ رہی تھی۔ راجہ دھیان سنگھ اپنے بڑے بھائی گلاب سنگھ کے مشورہ کو نظر انداز کر کے جوں ہی رنبیر سنگھ کی شادی ختم ہوئی، لاہور روانہ ہو گیا۔ شیر سنگھ نے اُس کا پُرجوش استقبال کیا اور کہا کہ "آپ کے بغیر تو ہم کسی کام کے نہ رہے تھے۔ اب آپ آگئے ہیں۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔ آپ کو ہمارے متعلق بہت کچھ کہا جائے گا۔ لیکن یقین رکھئے اس میں رائی بھر بھی صداقت نہیں۔ دشمن پسند نہیں کرتے کہ ہم اور آپ متفقہ طور پر کاروبارِ حکومت چلائیں" راجہ دھیان سنگھ نے جواب دیا۔ "آپ کی مہربانی شامل حال رہی تو دشمنوں کا منہ خود بخود بند ہو جائے گا"

اُسی شام جب راجہ دھیان سنگھ دربار سے فارغ ہو کر اپنی حویلی میں پہنچا، شہر لاہور کے سرکردہ لوگ، چھوٹے بڑے امیر، ارکینِ سلطنت، دیوان دینا ناتھ، فقیر عزیز الدین اور سارے

نوکر چاکر ... پرسی کے لئے آ گئے۔ دھیان سنگھ نے ہر ایک سے بخندہ پیشانی ملاقات کی۔ معاملاتِ سرکار اور دوسرے حالات پر بات چیت کی۔ کاروبارِ حکومت راجہ دھیان سنگھ کی مرضی سے چلنے لگا۔ اُدھر سردار اجیت سنگھ سندھانوالیہ کی پارٹی دھیان سنگھ کی آمد سے بھڑک اٹھی۔ وہ اِس تاک میں رہنے لگے کہ کسی طرح مہاراجہ شیر سنگھ کو قابو کر کے راجہ دھیان سنگھ کو قتل کیا جائے۔ کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے وہ اپنے کسی منصوبہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ راجہ دھیان سنگھ کی مُدت ... کی حکومت اور شیریں زبانی نے تمام فوج کو اُس کا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ جب یہ مارا جائے گا تو پھر شیر سنگھ کو قتل کر کے ہم بادشاہی لے لیں گے۔ انہیں اِس بات کا بے حد غصہ اور رنج تھا کہ ہم شاہی خاندان کے ممبر ہیں اور یہ شیر سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پالک فرزند ہے اور ایک چھیمبے کا پتر ہے۔ چنانچہ مُدت تک یہ لوگ خُفیہ مشورے کرتے رہے اور ایک دن سردار اجیت سنگھ اور سردار لہنا سنگھ سندھانوالیہ مہاراجہ شیر سنگھ کے خاص کمرے میں بغیر اطلاع کے جا پہنچے جب کہ وہ دربار میں آنے کے لئے خدمتگار سے دستار بندھوا کر زیورات پہن رہا تھا۔

شیر سنگھ کا کلیجہ دونوں سرداروں کو دیکھ کر دھک دھک کرنے لگا کہ غیر متوقع طور پر اِن کی آمد بغیر کسی مقصد کے نہیں۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھال کر دریافت کیا "آپ نے یہاں آنے کی تکلیف کیوں کی؟" اجیت سنگھ نے جواب دیا کہ "ہم آپ کو آپ کا وعدہ یاد کرانے کے لئے حاضر آئے ہیں۔ یہ ہے وہ پروانہ راجہ دھیان سنگھ کے قتل کا۔ کیا آپ اِس پر قائم ہیں؟ یا کوئی اور ارادہ ہے؟"

شیر سنگھ بول اُٹھا "میرا کیا ارادہ ہو سکتا ہے۔ آپ کی مرضی میں ہماری رضامندی ہے۔ لیکن ذرا سوچ سمجھ کر کام کرنا ہوگا اور ابھی جلدی بھی کیا ہے؟"

سردار لہنا سنگھ نے کہا "آج کا کام کل پر چھوڑنے سے کئی تباہیاں رونما ہو جاتی ہیں۔ دھیان سنگھ میں کونسی بات ہے کہ آپ اُس پر اتنے ریجھ رہے ہیں؟ اُس سے اُس کا چھوٹا بھائی راجہ سوچیت سنگھ بدرجہا لائق ہے۔ اب وہ بھی ہمارے ساتھ ہے۔ بہتر ہے کہ راجہ دھیان سنگھ کو آج اِسی وقت قلعہ میں بلا لیا جائے اور ہم اُس کا کام تمام کر دیں۔"

مہاراجہ شیر سنگھ نے دونوں سرداروں پر سر سے پاؤں تک نظر ڈالی اور مسکرا کر کہا۔

(۱) تاریخ راجگان جموں [illegible]

"جو آپ کی مرضی !"

جب یہ مشورہ قرار پا گیا تو دونوں سردار اُٹھ کر چلے آئے یہ کہہ کر دربار میں ملتے ہیں اور وہاں سے قلعہ میں چلیں گے۔ مہاراجہ شیر سنگھ محل سے باہر آیا۔ ہاتھی پر سوار ہوا اور اپنے رسالہ کے ساتھ دربار میں پوری شان و احترام سے پہنچا۔ اسی اثناء میں وہ خدمتگار جو مہاراجہ شیر سنگھ اور سندھانوالیوں کی بات چیت دروازہ کی آڑ میں سن رہا تھا، بھاگا بھاگا راجہ دھیان سنگھ کے پاس پہنچا اور سارا مشورہ اُس کے گوش گذار کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو اس وقت کوئی بلانے کے لئے آئے تو آپ دربار میں نہ جائیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد دربار کا چوبدار آ پہنچا۔ راجہ دھیان سنگھ نے کہا "میری طبیعت خراب ہے۔ میں اس وقت آنے سے معذور ہوں۔ شام کو طبیعت بحال ہو سکی تو حاضر آؤں گا" چوبدار کے جانے کے بعد راجہ دھیان سنگھ نے اہلکاران کو تحریری احکام جاری کر دئیے کہ میں دو تین یوم دربار میں نہیں آسکتا کہ طبیعت قدرے علیل ہے۔ جو کام ہوا کرے، براہِ راست مہاراجہ شیر سنگھ سے حکم لیا کرو۔ ہمارے پاس آکر کام کاج کے احکام لینے کی ضرورت نہیں"۔

مہاراجہ شیر سنگھ کو پتہ لگا تو وہ سخت پریشان ہوا کہ راجہ دھیان سنگھ کو سب منصوبوں اور مشوروں کا علم ہو گیا ہے۔ اور وہ تیسرے دن خود اپنے بیٹے کنور پرتاپ سنگھ کے ساتھ راجہ دھیان سنگھ کی بیمار پرسی کے لئے اُس کی حویلی میں پہنچا۔ راجہ دھیان سنگھ ڈیوڑھی تک پیشوائی کے لئے آیا اور گیارہ گیارہ سو روپیہ ہر دو باپ بیٹے پر سروارنہ کیا۔ مہاراجہ شیر سنگھ نے دھیان سنگھ کو اپنی بغل میں لے لیا۔ اور کنور پرتاپ سنگھ نے راجہ دھیان سنگھ سے کہا کہ "آپ ناراض ہیں۔ ہمارا تو سارا دارومدار آپ پر ہے۔ مفسدوں نے مہاراجہ صاحب کو اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ بڑی مشکل سے جان بچی ہے۔ ہم اگر راج کر رہے ہیں تو آپ کی بدولت۔ اس لئے خفگی معاف ہونی چاہیئے"۔

مہاراجہ شیر سنگھ نے پانچ ہزار روپیہ اپنی طرف سے اور دو ہزار روپیہ کنور صاحب کی طرف سے راجہ دھیان سنگھ کو دیا۔ اور ۱۲ پارچہ طلائی کڑے۔ جڑاؤ کنٹھا طلائی کلغی و جیغہ، گھوڑا مع ساز طلائی۔ ہاتھی مع ہودہ نقرئی بطور خلعت عہدہ وزارت دیا۔ اور احکام جاری کئے کہ راجہ دھیان سنگھ ہمارے وزیر اعظم اور سلطنت کے مختار کل ہیں۔ ہر ملازم سرکار پر فرض عاید ہے کہ ان کے تابع ہو کر کار انجام دے۔ بصورت خلاف ورزی سخت سزا دی جائیگی۔

Scanned with CamScanner

جب سردار اجیت سنگھ وغیرہ کو مہاراجہ شیر سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ کی اِس ملاقات کی اطلاع ملی تو وہ سخت برافروختہ ہوئے۔ اُنہوں نے یہ بھی خیال کیا کہ اب ہمارا راز فاش ہو گیا ہے۔ اِس لئے پہلے مہاراجہ شیر سنگھ کو ہی ہلاک کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ بعد اُس کے وزیر راجہ دھیان سنگھ سے نپٹ لیں گے۔

دو تین دن اور گزر گئے۔ ایک دن صبح سویرے ہی سردار اجیت سنگھ سندھانوالیہ راجہ دھیان سنگھ کی حویلی میں پہنچا اور اپنے آنے کی رپورٹ کی۔ راجہ دھیان سنگھ نے اُسے اپنے پاس بُلایا اور خیر و عافیت پُوچھ کر آنے کا سبب معلوم کیا۔ اجیت سنگھ نے کہا۔" آنے کا کوئی خاص مطلب نہیں۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہُوں کہ آپ ایسے روشن ضمیر اور وفادار سلطنت لاہور کے مدار المہام کی موجودگی میں ایک غاصب ہمارا حکمران بنا ہُوا ہے جو کسی کا دوست نہیں۔ وُہ حد درجہ کمینہ، بُزدل اور کم عقل ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ایسے لائق مدبّر سرپرست کو بھی جان سے مار دینے کی سازشیں کر رہا ہے۔ مَیں اِس کا ثبوت یہ پروانہ دکھا سکتا ہُوں جس میں آپ کے قتل کرنے کے احکام ہمارے نام اُس نے جاری کر رکھے ہیں۔"

اجیت سنگھ کہتا گیا۔" راجہ صاحب! آپ ہم پر ضرور ناراض ہوں گے لیکن حقیقت کبھی چھپ نہیں سکتی۔ اگر آپ ہمارا ساتھ دے سکیں تو ہم آج ہی اِس غاصب شیر سنگھ کو جہنم واصل کر دیں۔"

دھیان سنگھ نے جواب دیا۔" آپ مجھے اِس سازش کا آلہ کار بنانے آئے ہیں سردار صاحب! آپ جو چاہیں کریں لیکن مجھ سے ایسی کوئی اُمید نہ رکھیں۔ مجھ سے اس قسم کی غداری نہیں ہو سکتی۔"

سردار اجیت سنگھ نے اُس تحریر کے پُرزے پُرزے کر دیے اور کہا۔" ہمارا کیا، یہ آپ کے بھلے کی ہی بات تھی۔ اگر آپ منظور کر لیتے تو ٹھیک تھا۔" یہ کہہ کر وُہ اُٹھ کھڑا ہُوا اور بغیر مصافحہ کئے واپس چلا گیا۔

راجہ دھیان سنگھ سوچنے لگا کہ مَیں نے جموں سے آ کر خواہ مخواہ مصیبت مول لے لی۔ بڑے بھائی ٹھیک ہی تو کہتے تھے۔ لیکن اب کیا ہوگا؟ اچھا جو ایشور کو منظور!

دِن بیتنے لگے۔ راجہ دھیان سنگھ کو یہ اطمینان تھا کہ راجہ سوچیت سنگھ، راجہ ہیرا سنگھ اور وزیر کیسری سنگھ ہمارے پاس ہیں۔ سندھانوالیوں کی کیا مجال ہے کہ وُہ سلطنت میں کوئی خرابی پیدا کر سکیں۔ فوج میں اُن سے زیادہ ہم لوگوں کا دبدبہ اور رسُوخ ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ مہاراجہ شیر سنگھ کو عقل نہیں۔ وُہ ہر وقت ناچ رنگ اور نشہ میں مخمور رہتا ہے۔ پھر بھی کوئی بات نہیں۔ راج تو ہم

Scanned with CamScanner

کر رہے ہیں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ سمت ۱۹۰۰ بکرمی کے ماہ اسوج کی سنکرانت تھی۔ ۱۶ ستمبر ۱۸۴۳ء کا منحوس دن۔ مہاراجہ شیر سنگھ کو تخت نشین ہوئے دو برس ہو چکے تھے سریر آرائے سلطنت لاہور ہوئے اور اسی منحوس دن کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خاندان سے حکومت پنجاب کے جانے کا آغاز ہوا۔ راجہ دھیان سنگھ اپنی حویلی میں سنکرانت کی پوجا پاٹھ میں مصروف تھا غریبوں محتاجوں اور سادھو فقیروں کو خیرات دی جا رہی تھی۔ اُدھر مہاراجہ شیر سنگھ شاہ بلاول کی بارہ دری میں دربار لگائے راگ رنگ اور ناچ گانے میں محو سنکرانت منا رہا تھا کہ سردار اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ سندھانوالیہ اپنی فوج کو آراستہ کر کے وہاں جا پہنچے۔ مہاراجہ شیر سنگھ نے سردار اجیت سنگھ کو مسلح دیکھ کر کہا "آج تو بڑی شان سے آئے ہو۔ کیا بات ہے آج ایسی؟"

سردار اجیت سنگھ نے جواب میں کہا "اپنی فوج کی تعداد دکھانے آیا ہوں۔ اور یہ دونالی بندوق ایک انگریز سے خرید کر لایا ہوں کہ آپ کو تحفہ کے طور پر پیش کر سکوں"۔

مہاراجہ شیر سنگھ نے کہا "دونالی تو بہت عمدہ ہے۔ لاؤ ذرا مجھے دکھاؤ تو"۔ جونہی شیر سنگھ نے دیکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا، سردار اجیت سنگھ نے بندوق کی لبلبی دبا دی۔ گولی مہاراجہ شیر سنگھ کے سینے کے پار ہو گئی اور وہ کرسی سے لڑھک کر فرش پر گرتے ہی جاں بحق ہو گیا۔ وہ صرف یہ کہہ سکا کہ "تم نے مجھ سے دغا کی۔ یاد رکھنا تمہارا بھی ایسا ہی حال ہو گا!"
ڈاکٹر ہانگ برجر اپنی کتاب "۳۵ سال مشرق میں" میں لکھتا ہے کہ شیر سنگھ کی ہلاکت کا سانحہ میرا چشم دید ہے۔ میں بھی اس وقت ناچ رنگ پر دربار میں موجود تھا۔

ایک کہرام مچ گیا۔ تمام درباری بے تحاشا بھاگنے لگے۔ جدھر کسی کے سینگ سمائے، اُدھر ہی ہو لیا۔ سردار اجیت سنگھ اور سردار لہنا سنگھ نے جب مہاراجہ کا کام تمام کر دیا۔ تو اُنہیں خیال آیا کہ اُس کا بیٹا کنور پرتاب سنگھ تو ابھی زندہ ہے۔ چلو اُسے بھی ختم کر دیں۔ تلواریں سونت کر دونوں سردار اُسے تلاش کرنے لگے۔ وہ سنکرانت کی وجہ سے تُلا دان کر رہا تھا جب اُس نے اُنہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ خوف سے بھاگ نکلا۔ لیکن اجیت سنگھ نے ایک طرف اور لہنا سنگھ نے دوسری طرف ہو کر اُسے پکڑ لیا۔ بے چارہ نازپروردہ بچہ منت سماجت کرنے لگا کہ "ماما جی! مجھے نہ مارو۔ میں بالکل بادشاہی نہیں چاہتا ہوں۔ میں یہاں سے دُور دیس میں چلا جاؤں گا۔ نہیں تو آپ کے ہی برتن مانج کر گذارہ کر لوں گا۔ واہگورو کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ آپ کی خدمت کروں گا اور جو حکم ہو گا بجا لاؤں گا"۔

اُس کی گریہ زاری اور چیخ و پکار سے آسمان کا جگر بھی چاک ہونے لگا۔ لیکن ظالم سندھانوالیہ کا پتھر دل نہ پسیجا۔ سردار گوردت سنگھ ڈھوڈی والا۔ مصر ہیرا اور مصر جواہر کنور پرتاپ سنگھ کے باڈی گارڈ آگے آئے۔ سندھانوالیوں کو کہا کہ "اس بچے نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ آپ کی دشمنی ہوگی تو اس کے باپ سے ہوگی جس کا خاتمہ آپ نے کر دیا۔ اسے مار کر کیا لوگے؟ خونِ ناحق تمہارے سر آئے گا۔ واہگورو سے ڈرو۔ اُس کے گھر میں دیر ضرور ہے لیکن ایسا اندھیر وہ برداشت نہیں کر سکتا۔" مگر اس پُر درد اپیل کا سندھانوالیوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اقتدار و ہوس کے بھوکے بھیڑیے سردار اجیت سنگھ نے اُسی بندوق سے تینوں کو ہلاک کر دیا اور تلوار کے بھرپور وار سے لہنا سنگھ نے مہاراجہ شیر سنگھ کے ناکردہ گناہ بچے کنور پرتاپ سنگھ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اِس وحشیانہ قتل کے بعد دونوں سردار گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور اپنی فوج کے تین سو سواروں کے ساتھ کُودتے پھاندتے لاہور کی طرف ہو لئے۔

دھیان سنگھ جسے اِس دردناک سانحۂ قتل سے بے خبری تھی، پوجا پاٹھ سے فارغ ہو کر بارہ دری شاہ بلاول کی طرف مہاراجہ شیر سنگھ کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں سندھانوالیہ سرداروں سے مُٹھ بھیڑ ہو گئی۔ پہلے تو سندھانوالیوں نے سوچا کہ دھیان سنگھ کا بھی یہاں ہی کام تمام کر دیا جائے۔ لیکن اُنہوں نے دیکھا کہ دھیان سنگھ کے ساتھ بھی اُس کے رسالہ کے ایک سو سوار ہیں، وہ اپنے اس ارادہ سے باز رہے اور راجہ دھیان سنگھ سے بل کر کہنے لگے "ہم نے آپ کی خاطر مہاراجہ شیر سنگھ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے کیونکہ وہ لٹنڈ حکومت سے ہماری قدر بھول گیا تھا۔ اب ہم بادشاہت کا بندوبست آپ کے مشورہ سے کریں گے۔ چلو قلعہ میں چل کر آئندہ کے لئے کسی نتیجہ پر پہنچیں۔"

راجہ دھیان سنگھ نے جواب دیا "آپ نے بہت بُرا کیا۔ یہ انتہائی قسم کی بُزدلی اور غداری ہے جس کے آپ مُرتکب ہوئے ہیں۔" راجہ دھیان سنگھ یہ کہہ کر واپس اپنی حویلی کی طرف مُڑا۔ لیکن سندھانوالیوں نے کہا "جو کچھ ہو گیا ہے، اب سوچنا فضول ہے۔ چلو قلعہ میں چلتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر بات کریں گے۔ کسی کی بادشاہت کا اعلان تو کرنا ہے۔ نہیں تو ابتری پھیل جائیگی۔ لوگوں کو خبر ہوئی اور فوجوں کو پتہ لگا تو بغاوت اور لوٹ مار مچ جائے گی اور اس ابتری میں ہم تم سب ختم ہو جائیں گے۔" راجہ دھیان سنگھ نے اپنے ہمراہی سواروں کی طرف ایک نظر کی۔ اِس خیال سے کہ گو سندھانوالیہ سرداروں کی فوج ہماری فوج سے تگنی ہے، پھر بھی ہم ان پر بھاری ہیں۔ وہ

قلعہ کی طرف چل پڑے۔ سردار سندھانوالیہ اور راجہ دھیان سنگھ آگے آگے۔ اُن کے پیچھے سرداروں کی فوج اور اُس سے پیچھے راجہ دھیان سنگھ کا رسالہ قلعہ کی ڈیوڑھی میں داخل ہو کر اندر کے صحن میں پہنچے۔ اتنے میں سندھانوالیہ فوج بھی داخل ہو چکی تھی۔ راجہ دھیان سنگھ کا چھتری بردار گوکل۔ فتح خان بستنی بردار۔ دیوان چند مصر اور عطر سنگھ خاص خدمت گار ڈیوڑھی میں داخل ہوئے ہی تھے کہ سرداروں نے قلعہ کے پہرہ داروں کو حکم دیا "ڈوگرہ فوج اندر نہ آنے پائے۔" اور قلعہ کے دروازے بند کر دئے گئے۔

راجہ دھیان سنگھ نے جب یہ رنگ ڈھنگ دیکھا تو نہایت بے باکی سے سردار اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ آپس میں تُو تُو مَیں مَیں ہو کر نوبت دست بدست لڑائی کی آپہنچی۔ سردار لہنا سنگھ اور دھیان سنگھ کی آپس میں تلوار چلنے لگی۔ اور اجیت سنگھ نے بھائی گورمکھ سنگھ اور مصر بیلی رام کو ایک طرف لے جا کر کہا۔ جب تک یہ راجہ زندہ ہے ہمارا بچنا بھی مشکل ہے۔ گو ہم نے مہاراجہ کو قتل کر دیا لیکن اصل حکمران تو پیچھے رہ گیا ہے اس لئے بہتر ہے کہ اس کا کام یہاں ہی تمام کر دیا جائے۔ شکار جال میں پھنسا ہے اسے چھوڑ دینا عقلمندی نہیں۔ جو کچھ کرنا ہے، اسی وقت کرنا چاہئے۔ پھر وقت ہاتھ نہ آئیگا۔"

دونوں نے جواب دیا "ٹھیک ہے سردار بہادر! آپ بندوق کی گولی داغ کر اسے فوراً ختم کر دیں۔ دیر کرنا اچھا نہیں۔ کیونکہ قلعہ کے باہر شور مچا ہوا ہے۔"

اجیت سنگھ نے تخت گاہ کے پیچھے جا کر راجہ دھیان سنگھ پر گولی داغ دی۔ گولی لگتے ہی دھیان سنگھ ہائے رام کہتا گر پڑا۔ اور یہ کہہ کر "قاتلو! تمہارا بھی بہت جلد خاتمہ ہو جائے گا" اپنے پران تیاگ دئے۔ راجہ دھیان سنگھ کے ساتھ جو تین چار ہمراہی تھے، اپنے مالک کو قتل ہوتے دیکھا تو حواس باختہ ہو کر قلعہ کی ڈیوڑھی کی طرف بھاگے۔ پہرہ داروں نے اُنہیں پکڑ لیا اور اُن کے کپڑے اُتار لئے۔ مصر دیوان چند کے طلائی کڑے اور بالے بھی چھین لئے اور اُنہیں ننگے بدن قلعہ سے باہر دھکیل دیا۔ وُہ روتے چلاتے راجہ دھیان سنگھ کی حویلی میں پہنچے جہاں راجہ ہیرا سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ یہ سُن کر کہ مہاراجہ شیر سنگھ قتل ہو گیا ہے اور راجہ دھیان سنگھ سندھانوالیہ سرداروں کے ساتھ قلعہ کی طرف گئے ہیں، وہاں پہنچنے کے لئے رائے کیسری سنگھ کا انتظار کر رہے تھے۔ اُنہوں نے سُنا کہ راجہ دھیان سنگھ بھی قتل کر دئے گئے ہیں تو وُہ سر پیٹنے لگے۔ اس ہیبتناک قتل کی خبر آناً فاناً سارے لاہور شہر میں پھیل گئی۔ لوگ راجہ دھیان سنگھ کی حویلی کی طرف بھاگنے

لگے کہ رائے کیسری سنگھ نے آکر راجہ سوچیت سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ کو رُندھے گلے اور اشک بار آنکھوں سے کہا کہ "اب رونے چلّانے کا وقت نہیں۔ قلعہ پر دھاوا کرنے کے لئے تیار ہونا چاہیئے۔ اپنی فوجیں تیار بر تیار ہیں۔ صرف حکم کی دیر ہے۔ لاہور کا نقشہ بدل چکا ہے۔ شہر اب مختلف کیمپوں اور دھڑوں کا مسکن بن گیا ہے۔ ذرا سی دیر بھی ہمارے حق میں اچھی نہ ہوگی۔ راجہ صاحب کی لاش کو بھی قلعہ سے نکالنا ہے اور ظالم سندھانوالیوں کو بھی کیفر کردار تک پہنچانا ہے۔"

راجہ ہیرا سنگھ نے رائے کیسری سنگھ کو کہا: "جو کچھ آپ کرنا چاہیں فوراً کیجئے۔ لیکن پہلے فوج کے سرداروں کو پیغام بھیج دیں کہ وہ فوراً حاضر آجائیں۔" اور نوجوان راجہ ہاتھ میں بے نیام تلوار لئے حویلی سے باہر نکل آیا اور بدھو کا آوا کے دامن میں پہنچ کر فوج کے سرداروں کا انتظار کرنے لگا۔ آناً فاناً سب سردار اپنی سپاہ سمیت وہاں جمع ہو گئے اور راجہ ہیرا سنگھ تلوار کو گھما کر سرداروں اور سپاہ سے یوں مخاطب ہوا۔ "تم لوگوں کو معلوم ہے کہ غداروں نے ہمارے بادشاہ اور اس کے ناکردہ گناہ نوعمر کنور کو قتل کر دیا ہے۔ میرے بہادر پتا کو مار دیا ہے جو تم سے ایسی ہی محبت کرتا تھا جیسی خود مجھ سے۔ ہم بادشاہ سے محروم کر دئے گئے ہیں اور میں باپ سے۔ اب میں آپ کی بہادری پر، آپ کی حُب وطن پر اور اپنے مرحوم مہاراجہ سے آپ کی وفاداری پر بھروسہ کرتا ہوں۔ یا تو مجھے مضبوطی کے ساتھ کھڑا کر دو یا اس تلوار سے مجھے بھی قتل کر دو۔ کیونکہ عزت کی موت اس بات سے بہتر ہے کہ انسان غداروں اور دشمنوں کے نرغہ میں ذلت کی زندگی بسر کرے۔"

عبرتناک انتقام

اس مؤثر اور دل سوز تقریر کا حاضر سپاہ اور سرداروں پر گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ ۴۰ ہزار سپاہیوں کی کمان پر راجگانِ جموں نے سندھانوالیہ سرداروں کے خلاف پیش قدمی کی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ رائے کیسری سنگھ نے بڑی مردانگی سے راجہ دھیان سنگھ کی لاش اپنے کندھے پر اُٹھا کر محافظ دستہ کے سپرد کی۔ ادھر راجہ ہیرا سنگھ نے سردار اجیت سنگھ سندھانوالیہ کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا اور اُس کا سر تن سے جُدا کر کے اپنے پتا کی لاش کے ساتھ رکھا۔ اور راجہ سوچیت سنگھ اور رائے کیسری سنگھ نے سردار لہنا سنگھ سندھانوالیہ، بھائی گورمکھ سنگھ اور مصر بیلی رام کو پکڑ کر شیخ امام دین[1] کے حوالے کیا کہ براہ عبرت فوج کے سامنے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں۔

---

[1] یہ وہی شیخ امام دین ہے جو کشمیر میں سکھ راجیہ کا آخری گورنر ہوا۔

جب قلعہ پر مکمل قبضہ ہو گیا تو راجہ ہیرا سنگھ۔ راجہ سوچیت سنگھ اور رائے کیسری سنگھ ایک بوان میں راجہ دھیان سنگھ کی لاش کو جلانے کے لئے دریائے راوی کے شمشان گھاٹ پر لے آئے۔ ایک لاکھ سے اُوپر لاہور کے شہری، دربار لاہور کے ہزاروں ملازم اشکبار آنکھوں کے ساتھ سر پیٹے ہوئے شمشان گھاٹ میں پہنچے۔ ہزاروں کی تعداد میں فوج نے، جب مرحوم راجہ کی لاش چتا پر رکھی گئی، سلامی اُتاری۔ اور راجہ دھیان سنگھ کی رانی پٹھانی جب ستی ہونے کے لئے چتا پر بیٹھ گئی تو راجہ ہیرا سنگھ نے اپنے باپ کے قاتل سردار اجیت سنگھ سندھانوالیہ کا سر اُس کے سامنے کیا تو وُہ کہنے لگی۔ "شاباش بیٹے! تم سے ایسی ہی اُمید تھی۔ اب مَیں تمہارے پتا کو بیکنٹھ میں جا کر بتا سکوں گی کہ تُم نے بہادر اور فرض شناس بیٹے کا حق ادا کیا ہے"۔ اس کے بعد اُنہوں نے اپنے متوفی خاوند کی کلغی ہیرا سنگھ کے سر پر رکھی اور دوستی کی خاطر ٹھنڈے دل سے چتا کے شعلوں میں بھسم ہو گئی۔

نو ۱۶ ار ستمبر ۱۸۴۳ء کو راجہ دھیان سنگھ جیسا مدبّر، شہزور اور عقیل سیاست دان یوں ختم ہوا جس کا بدل آج تک سرزمین ڈوگرہ پیدا نہ کر سکی۔ جس نے پندرہ سال سے بھی زیادہ عرصہ تک سکھ سلطنت کی وزارت عظمیٰ سنبھالے رکھی۔ بہ حیثیت ایک سیاستدان کے اُس نے پنجاب کی خود مختاری کو بحال رکھنے کے لئے جانفشانی اور کامیابی سے کام لیا۔ اُس نے اپنی دماغی صلاحیت دُور اندیشی اور قابلیت سے لاہور کو انگریزی ایجنٹ کی مداخلت سے بچائے رکھا۔ چنانچہ ایک نازک موقعہ پر اُس نے شیر سنگھ کو اُس وقت کے انگریز گورنر جنرل سے ایک پبلک ملاقات کے خلاف مشورہ دینے میں بھی تامل نہ کیا۔ دھیان سنگھ مہذب۔ خوش کلام اور پُرکشش خط و خال کا انسان تھا اور اُس کی شخصیت ایسی تھی کہ وُہ مُغل تاجدار شاہجہان اور فرانس کے بادشاہ لوئیس چہار دہم تک کے درباروں میں امتیاز حاصل کر سکتی تھی۔ دھیان سنگھ کی ذاتی وجاہت کے متعلق لارڈ آک لینڈ کا فوجی سیکرٹری مسٹر ڈبلیو۔ جی۔ اوسبرن لکھتا ہے:-

"**راجہ دھیان سنگھ**۔ راجہ دھیان سنگھ بنی نوع انسان کا ایک شریف نمونہ ہے۔ اہل مُلک کی بلندیِ قد سے کچھ زیادہ ہے۔ اُس کی آنکھیں پُر تسلی اور سنجیدہ ہیں۔ اُس کی پیشانی بلند اور خوش منظر ہے۔ اُس کے نقش عقابی ہیں۔ وُہ فرانس کے شاہ لوئیس فلپ کے تحفہ یعنی ایک شاندار خود اور مستقل فولاد کے زرّہ میں ملبوس ہوتا ہے تو وُہ مردانہ وجاہت اور فراست کا مجسمہ نظر آتا ہے ....."

راجہ دھیان سنگھ کے آخری سنسکار کے بعد راجہ ہیرا سنگھ اور لاہور دربار کے تمام

امیر و وزیر سیدھے قلعہ میں پہنچے۔ فوجوں کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اور باتفاق رائے شہزادہ دلیپ سنگھ کے مہاراجہ بننے کا اعلان کیا گیا۔ راجہ ہیرا سنگھ سنگھ بھی متفقہ طور پر وزیر اعظم منتخب ہوا۔ اس میٹنگ میں راجہ لال سنگھ۔ راجہ جواہر سنگھ ماموں دلیپ سنگھ، دیوان دینا ناتھ۔ فقیر عزیز الدین۔ جمعدار خوشحال سنگھ۔ سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ کے علاوہ راجگان جموں و کانگڑہ سوائے گلاب سنگھ کے سب موجود تھے۔

گلاب سنگھ کو مدار المہامی لاہور کی پیشکش

راجہ دھیان سنگھ کے "تیرہ دن" لاہور میں کئے گئے۔ سارا شہر لاہور ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ راجہ گلاب سنگھ کو جموں میں خبر ہوئی تو وہ اس دہشتناک خبر سے بے ہوش ہو گیا۔ راج محلوں کے پرچم سرنگوں ہو گئے۔ اور ایک ایسا کہرام مچا کہ جس کسی نے سنا، کلیجہ منہ کو آگیا اور وہ سر پیٹ کر رہ گیا۔ گلاب سنگھ ہوش میں آیا تو لاہور کی طرف بھاگا۔ لاہور پہنچ کر راجہ ہیرا سنگھ اور سب کو تسلی دی اور کہنے لگا کہ میری بائیں آنکھ کب سے پھڑک رہی تھی۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ جو بھگوان کو منظور۔ لاہور کے امیروں وزیروں۔ مہارانی جنداں والدہ دلیپ سنگھ اور ہزاروں لوگوں نے اظہار افسوس کیا۔ دھیان سنگھ کی کریا کرم کے بعد جب گلاب سنگھ جموں کو لوٹنے لگا تو لوگوں نے اُس سے درخواست کی کہ راجہ ہیرا سنگھ کی سرپرستی کریں اور دربار کی مدار المہامی کا منصب قبول فرمائیں۔ بالخصوص ایسی درخواست پر وزیر خارجہ فقیر عزیز الدین نے کافی زور دیا جسے اس امر کا احساس تھا کہ امن و امان کی بحالی اور سلطنت کے جہاز کو محفوظ راستوں سے گزرنے کے لئے ایک طاقت ور ہاتھ کی ضرورت ہے۔ مگر گلاب سنگھ نے جسے لاہور کے مخدوش حالات کا علم تھا، سکھ سیاسیات کے بھنور میں پھنسنے سے انکار کر دیا۔ اور وہ سوچیت سنگھ کو ہمراہ لے کر واپس جموں چلا گیا۔ تاہم اُس نے اپنی سپاہ کے ایک دستہ کو دیوان ہری چند کی سرکردگی میں شاہدرہ چھوڑ دیا۔ کیونکہ اُسے خوب معلوم تھا کہ نوجوان ہیرا سنگھ کو جلد ہی امداد مطلوب ہو گی۔

راجہ سوچیت سنگھ کی موت

راجہ ہیرا سنگھ وزیر اعظم تو منتخب ہو گیا لیکن مشکلات کے ایک مہیب طوفان نے اُسے آگھیرا۔ اور لاہور کی وزارت عظمیٰ اُس کے لئے کانٹوں کی سیج بن گئی۔ لو عمر دلیپ سنگھ کے تخت پر بیٹھتے ہی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے برائے نام دو بیٹوں کشمیرا سنگھ اور پشاورا سنگھ نے اُس کی حکمرانی تسلیم کرنے

سے اِنکار کر دیا۔ اور کشمیرا سنگھ جو سیالکوٹ کی جاگیر پر قابض تھا، بغاوت پر اُتر آیا۔ دُوسری طرف دلیپ سنگھ کا ماموں جواہر سنگھ جو کہ راجہ ہیرا سنگھ کے وزیرِ اعظم ہونے کے رُتبہ کا حاسد تھا، نے راجہ سوچیت سنگھ کو اُکسایا کہ "راجہ دھیان سنگھ کے بعد وزارتِ عظمےٰ کا حق آپ کا تھا۔ آپ کی موجودگی میں لاہور دربار کو ایک ناتجربہ کار کے سپُرد کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ راجہ ہیرا سنگھ آپ کے سامنے بچہ ہی تو ہے۔ سلطنت کا مفاد تو اِس میں ہے کہ آپ ایسا بہادر، تجربہ کار اور پختہ عقل کا اِنسان اِس کی وزارتِ عظمےٰ کو سنبھالے۔ ابھی وُہ وزیرِ اعظم کی کرسی پر بیٹھا ہے کہ سازشیں شروع ہو گئی ہیں اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کی حکومت کے خلاف بغاوتیں رُونما ہونے لگی ہیں۔ اِس لئے مرحوم بادشاہ کے نام پر جس کا نمک آپ نے ساری عمر کھایا ہے، آپ کو واسطہ دیتا ہوں کہ لاہور آکر امن و امان بحال کیجئے"۔

راجہ سوچیت سنگھ کے دِل میں یہ بات گھر کر گئی اور اِس لالچ میں آکر ہیرا سنگھ کے خلاف منصوبے شروع کر دئے۔ ہیرا سنگھ کو اِن منصوبوں کا علم ہُوا تو اُس نے گلاب سنگھ کو لکھا۔ راجہ گلاب سنگھ اُس وقت لاہور دربار کے احکام کے تحت کشمیرا سنگھ کی بغاوت فرو کرنے کے درپے تھا۔ لیکن مشکل یہ آپڑی تھی کہ سکھ فوج کا ایک بھی سپاہی رنجیت سنگھ کے اِن برائے نام بیٹوں کے خلاف لڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ مجبوراً گلاب سنگھ نے اپنی ڈوگرہ فوج کو سیالکوٹ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور سیالکوٹ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ کشمیرا سنگھ اور پشاورا سنگھ نے بھاگ کر اپنی جانیں بچائیں۔ اِس کام سے فارغ ہو کر گلاب سنگھ نے سوچیت سنگھ کو اپنے پاس بُلا کر سمجھایا کہ "ہیرا سنگھ تمہارا برادرزادہ ہے۔ اگر وُہ تختِ لاہور کا وزیرِ اعظم ہے تو وُہ کوئی غیر نہیں۔ ہمارا ہی خون ہے۔ ہم ہی وزیرِ اعظمی کر رہے ہیں۔ تمہیں اُس کے خلاف کوئی بات نہیں کرنی چاہیئے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُسے مضبوط کر کے بٹھائیں اور ہر کام میں اُس کی امداد کریں، ورنہ دُشمنوں کے ہاتھ میں ہم کھیلیں"۔

سوچیت سنگھ وقتی طور پر تو چُپ ہو رہا۔ لیکن اندر ہی اندر وزارتِ عظمےٰ کا لالچ اُسے بے چین کرنے لگا۔ اور اِس طرح سے سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ چچا بھتیجے کے تعلقات کشیدہ ہونے لگے۔ گلاب سنگھ کی مداخلت نے اِس کشیدگی کو تھوڑے وقت کے لئے ختم کرا دیا۔ اُدھر ہیرا سنگھ نے اپنے خلاف سازش کے سرغنہ سردار جواہر سنگھ ماموں دلیپ سنگھ کو نظر بند کر دیا اور اُس کی جگہ سردار لال سنگھ کو کمسن مہاراجہ کا محافظ مقرر کر دیا۔ اِس طرح سے اپنے خلاف

ابتدائی سازش کو راجہ ہیرا سنگھ نے فرو کر لیا اور راج کاج ٹھیک طرح سے چلنے لگا۔

راجہ ہیرا سنگھ اپنے اتالیق پنڈت جلھا کے مشورہ پر نہایت مستعدی سے کام کرنے لگا۔ پنڈت جلھا ایک قابل حساب دان تھا۔ چنانچہ دربار لاہور کے اکونٹنٹ جنرل کی حیثیت سے اُس نے دنوں میں ہی خزانۂ عامرہ کو بھر لیا۔ وقت پر مالیہ اور خراج جمع ہونے لگا۔ اور مُدت کے بقایا داروں سے بھی رقومات وصُول کرنے کے احکام جاری کر دئے گئے۔ اور جو جاگیردار سردار اور علاقہ دار اپنے ذمہ کی رقمیں داخل کرنے میں حسب معمول ٹال مٹول کے عادی تھے، اُن پر سختی روا رکھی گئی۔ دو ایک جاگیریں بھی ضبط کر لی گئیں اور چند ایک سرداروں کو قید بھی کیا گیا۔ اِس طرح سے اِن زیرِ عتاب سرداروں اور جاگیرداروں کی فوج کا کچھ حصہ پنڈت جلھا اور نوجوان وزیر اعظم کا مخالف ہو گیا۔ مخالفت کی وجہ سے جا بجا چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ راجہ دھیان سنگھ نے ہماری عزت پر کبھی ہاتھ نہ ڈالا تھا۔ اور یہ اُس کا لڑکا اچھا وزیر اعظم بنا ہے کہ اِس نے ہم خیر خواہوں اور اہلی وفاداروں سے دشمنی مول لے لی ہے۔ دربار لاہور ہمارے بازوؤں پر قائم ہے۔ اِس کی وزارت ہماری وجہ سے چل رہی ہے۔" جگہ بجگہ وزیر اعظم اور اُس کے صلاح کار پنڈت جلھا کے خلاف میٹنگیں ہوتی تھیں۔ جب بھی سرکار دربار، بازار اور گلی میں جہاں ایک دو آدمی اکٹھے ہوتے، راجہ ہیرا سنگھ اور پنڈت جلھا کے خلاف زہر اُگلتے۔ چنانچہ یہ کہاوت بھی زبان زد عام ہو گئی کہ "اوپر اللہ نیچے جلّھا باقی خیر سلّا"!

اِس قدر مخالفت اور سرگوشیوں کے باوجود سرکاری ملازموں کو وقت پر تنخواہ مل رہی تھی۔ اور خالصہ افواج جو کہ براہ راست دربار سے وابستہ تھیں، جنہیں کبھی وقت پر تنخواہ نہیں ملتی تھی اور بعض اوقات ایک ششماہی کی بجائے دو ششماہیاں گزر جاتی تھیں، یومیہ، ہفتہ وار اور ماہانہ تنخواہ ملنے لگی۔ اِس طرح سے مہارانی جنداں اور اُس کے نوعمر بیٹے مہاراجہ دلیپ سنگھ کو حسب منشاء مقرریاں ادا ہونے لگیں۔ اور سلطنت کے نظم و حساب کا کام پنڈت جلھا کے ماتحت خوش اسلوبی سے چلنے لگا۔ مگر عہدوں کے حصُول و اقتدار کی ہوس میں سرداروں کی ریشہ دوانیوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ مہارانی جنداں نے۔ جس کا بھائی سردار جواہر سنگھ اُس کے وزیر اعظم کے حکم سے قید تھا، اِس موقعہ کو غنیمت جانا اور راجہ ہیرا سنگھ کو بُلا کر اُس نے کہا کہ "ہم بہت خوش ہیں آپ کے انتظام حکومت پر۔ آپ نے

نظم و نسق کے تعلق میں اپنے باپ سے بھی بازی لے گئے ہیں۔ گو آپ کے رتبہ کے حسد و جلن کی وجہ سے کچھ سردار اور جاگیردار اور اُن کی فوجوں کے لوگ آپ کی مخالفت پر آمادہ ہیں۔ لیکن اُن کی مخالفت سرے نہیں چڑھ سکتی۔ کیونکہ مالکِ سلطنت ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ اور ہم بہت خوش ہیں۔ خزانہ کی حالت اِس سے پہلے کبھی اچھی نہیں ہوئی۔ لیکن ہیرا سنگھ جی۔ ایک بات پوچھوں۔ کہ میرے بھائی سے آپ کی کیا دشمنی ہے کہ آپ نے اُسے قید کر رکھا ہے؟ یہ میں جانتی ہوں کہ آپ کا اِس میں قصور نہیں۔ آپ کے پنڈت جلّا نے آپ کو بھی جھوٹی باتیں سُنا کر اُس کے خلاف کر رکھا ہے۔"

ہیرا سنگھ نے مہارانی جنداں کو جواب تو کچھ نہ دیا لیکن اُسی وقت سردار جواہر سنگھ کی رہائی کے احکام کا پروانہ مہارانی کو دے کر واپس چلا آیا۔

سردار جواہر سنگھ رہا ہو گیا۔ اُس پر کوئی پابندی نہ رہی۔ اور مہارانی جنداں اور نو عمر مہاراجہ کی مصاحبت میں وقت گزرنے لگا۔ لیکن اُس کے دِل میں راجہ ہیرا سنگھ کے متعلق جو رنجش اور کدورت کی آگ تھی، وہ اور زیادہ بھڑکنے لگی۔ اُس نے راجہ سوچیت سنگھ کو ایک خاص قاصد بھیج کر بُلایا۔ راجہ سوچیت سنگھ اُن دنوں اپنی جاگیر رام نگر میں تھا۔ قاصد سیدھا رام نگر جانے کی بجائے جموں آ گیا۔ راجہ گلاب سنگھ کو اُس کی آمد کی خبر ہوئی تو نفسِ مضمون بھانپ گیا۔ اُس نے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں اور سوچیت سنگھ بہت جلد مہارانی جنداں اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کی حاضری اور نذریں گزارنے کے لئے لاہور آ رہے ہیں۔ جو بات ہو گی وہاں کر لیں گے۔ گلاب سنگھ نے اپنے بھائی سوچیت سنگھ اور بھتیجے ہیرا سنگھ کی نزاع اور مخاصمت پر بے حد پیچ و تاب کھایا۔ اور اُس کا ماتھا ٹھنکا کہ دربار لاہور کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے دونوں میں سے کسی کا بھی بچنا مشکل ہے۔ اُس نے ایک طرف سوچیت سنگھ کو اور دوسری طرف راجہ ہیرا سنگھ کو آپس کی مخالفت اور دشمنی سے باز رکھنے کی فہمائش کی۔ لیکن راجہ سوچیت سنگھ کو رام نگر میں سردار جواہر سنگھ کے پیغام کی خبر مل گئی۔ اور وہ جموں کے راستے نہ جا کر سیدھا اپنی جاگیر سانبہ میں پہنچا اور وہاں سے لاہور پہنچنے کے لئے کوچ کا حکم دے دیا۔ رائے کیسری سنگھ جو کہ راجہ سوچیت سنگھ کا دستِ راست، مقربِ خاص اور مصاحب تھا اُس نے عرض کی کہ اپنی فوج کے اکثر لوگ چھٹی پر گئے ہوئے ہیں اور گنتی

کے فوجی یہاں ہیں۔ اس حالت میں بغیر اپنی طاقت کے لاہور جانا درست نہیں۔ تو سوچیت سنگھ نے کہا کہ سب کے نام حکم جاری کیا جائے کہ جہاں کہیں بھی کوئی ہے، وہ فوراً حاضر ہو جائے۔ ہم پہلے یہاں سے حاضر سپاہ کے ساتھ لاہور کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ بعد میں ساری فوج ہمارے ساتھ لاہور میں آ کر مل جائے۔ راجہ سوچیت سنگھ کی رانیوں گھلوری اور سلہری نے جو کہ اس کی محبوب نظر تھیں، نے باری باری آ کر راجہ صاحب کو لاہور نہ جانے کے لئے دست بستہ التجا کی۔ رانی گھلوری نے کہا کہ "کچھ دنوں سے مجھے بھیانک سپنے آ رہے ہیں!" اور رانی سلہری نے کہا۔ "پران پتی! میری دائیں آنکھ صبح سے پھڑک رہی ہے۔ یہ بُرے شگون ہیں۔" باندیوں میں سے ایک نے آ کر کہا کہ آج جب میں آپ کا بستر بچھا کر واپس ہوئی تو اپنا کالو کُتا سوکھی ہڈی منہ میں لا کر بستر پر چھوڑ کر چاٹ رہا تھا۔" دوسری نے کہا کہ "میں آج جب آپ کی کپیلا گائے کا دودھ دوہنے لگی تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔" محلات کے جمعدار دربان نے جھک کر سلام کرتے ہوئے عرض کیا کہ "سرکار! ایشور کے واسطے آج لاہور نہ جائیں۔ جانا ہو تو کل چلے جائیں۔ کیونکہ پچھلی ساری رات کوے محلات پر پھرتے رہے ہیں۔ یہ بہت بُری نشانیاں ہیں۔ اس لئے پنڈتوں کو بُلا کر پہلے کچھ اُپائے کرائیں پھر یہاں سے باہر قدم رکھنا مناسب ہوگا۔" لیکن راجہ سوچیت سنگھ کے سر پر موت کا بھوت سوار تھا۔ اس نے کہا کہ یہ سب کمزور خیالی اور بزدلی کی باتیں ہیں بہادر لوگ ان شگونوں کی پرواہ نہیں کرتے۔" میاں رنبیر سنگھ متبنٰے فرزند راجہ سوچیت سنگھ جو کہ ساتھ میں ہی رہتا تھا، نے بھی منع کیا اور کہا کہ "اس وقت لاہور سازشوں کا مرکز ہے۔ جن لوگوں نے آپ کو وہاں بُلایا ہے، وہ آپ کے نادان دوست ہیں۔ جان بوجھ کر جلتی آگ میں کودنا قرینِ مصلحت نہیں۔" عمدۃ التواریخ میں لکھا گیا ہے کہ راجہ سوچیت سنگھ مختصر سی سپاہ کے ساتھ ۲۶ مارچ ۱۸۴۴ء کی صبح کو لاہور پہنچ گیا۔ راجہ ہیرا سنگھ نے سنا تو اس نے اپنے حقیقی چچا کے حالات دریافت کرنے کے لئے اپنے معتبر بھیجے جنہوں نے واپس جا کر پنڈت جلھا کو خبر دی کہ راجہ سوچیت سنگھ کے ہمراہ سپاہیوں کی خفیف تعداد ہے۔ اُدھر راجہ سوچیت سنگھ نے اپنے آدمی سردار جواہر سنگھ برادر مہارانی جنداں کے پاس بھیج کر اپنی آمد کی اطلاع دی۔ لیکن سردار جواہر سنگھ کو پہلے ہی مہارانی جنداں اور سردار لال سنگھ نے اِدھر اُدھر کہہ دیا تھا کہ ہمیں اس لڑائی میں غیر جانبدار رہنا چاہئے۔ اگر ہیرا سنگھ اور سوچیت سنگھ

Scanned with CamScanner

آپس میں لڑ کر مرنے ہیں تو مرنے دیا جائے تاکہ ہماری راہ اِن کانٹوں سے صاف ہو جائے۔

راجہ سوچیت سنگھ نے جب دیکھا کہ سردار جواہر سنگھ اپنے وعدہ پر پُورا نہیں اُترا تو وُہ مایوس ہو گیا۔ رائے کیسری سنگھ نے اُس وقت پھر کہا کہ "راجہ صاحب! ہمارے خلاف یہ ایک گہری سازش ہے جس کا ہم خواہ مخواہ شکار ہونے لگے ہیں۔ ہم تعداد میں بہت کم ہیں۔ خالصہ فوج سب کی سب راجہ ہیرا سنگھ کے تابع فرمان ہے۔ جن لوگوں نے آپ کو یہاں بُلایا وُہ کہیں نظر نہیں آتے۔ بہتر ہے کہ آج ہی یہاں سے واپس ہو کر شاہدرہ جا ٹھیریں۔ جب ہماری فوج سانبہ اور رام نگر سے آجائے گی۔ اگر لڑ مرنا بھی پڑا تو دو دو ہاتھ دکھا کر مریں گے۔ اِس طرح پروانہ وار شمع پر جل جانا عقلمندی نہیں۔" ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ مؤلف تاریخ راجگان جموں و کشمیر" لکھتا ہے کہ اُدھر پنڈت جلھا نے راجہ ہیرا سنگھ کو مشتعل کر رکھا تھا اور اِس نے یہ صلاح دے کر جلتی آگ پر تیل ڈالا کہ اِس وقت خوش قسمتی سے شکار ہاتھ آیا ہُوا ہے' دیر کرنا دُرست نہیں۔ بعد میں راجہ سوچیت سنگھ کی فوج آجائے گی تو پھر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو گی۔ اور ہم میں سے کوئی بھی زندہ بچ نہ سکے گا۔ راجہ صاحب ہمارے دُشمن بن کر وزیری لینے کو آ دھمکے ہیں۔ انہیں مزا چکھانا ہی چاہیئے۔

راجہ ہیرا سنگھ اپنے اتالیق کے بہکاوے میں آ گیا اور فوج کو مسلح ہونے کا حکم دیا اور خود بھی فوج کے ہمراہ ہو کر راجہ سوچیت سنگھ کو ایک لمبے گھیرے میں لے لیا۔ بمقام درس میاں وڈا صاحب فوج جمع ہوئی۔ فوج کے سرداروں نے حملہ کرنے سے پیشتر راجہ ہیرا سنگھ کو کہا کہ ہم ہمیشہ راجگان دھیان سنگھ، سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کے معاون اور تابع رہے ہیں۔ ہم راجہ سوچیت سنگھ کے خلاف جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ کل کو راجہ گلاب سنگھ کے پاس ہم کیا جواب دیں گے کہ ہم نے کس پر چڑھائی کی ہے۔ اِس لئے راجہ سوچیت سنگھ کے خلاف ہمیں لڑنا منظور نہیں۔ اگر ضرور ہی ہمیں سوچیت سنگھ سے لڑانا مقصود ہے تو ہمیں یہ لکھ کر دیا جائے کہ ہمارا کوئی قصور نہیں۔" راجہ ہیرا سنگھ نے پنڈت جلھا کی طرف دیکھا اور اُس نے فوج کے نام لکھ دیا کہ راجہ سوچیت سنگھ پر دھاوا بول دیا جائے۔ جب جنگ کی تیاری ہو گئی تو میاں لابھ سنگھ پنجگرائیں والے اور سردار گنڈا سنگھ کنجاہیہ جو راجگان جموں کے خیرخواہ اور وفادار تھے اِس ہنگامے پر بے حد پریشان تھے، راجہ سوچیت سنگھ کے پاس پہنچے اور اُس کو تمام نشیب و فراز اور اپنی تباہی اور بربادی کے متعلق سمجھایا کہ "راجہ ہیرا سنگھ سے اِس وقت جنگ کر کے آپ زندہ

نہ بچ سکو گے۔ مناسب یہ ہے کہ اُس کے پاس ہمارے ساتھ چلو اور صُلح کر لو تاکہ آمنے سامنے باتیں ہو کر سارا فساد مِٹ جائے اور دُشمن پارٹی جو دُور بیٹھ کر تماشا دیکھ رہی ہے، اپنا سا مُنہ لے کر رہ جائے۔" راجہ سوچیت سنگھ نے جواباً کہا کہ "ہم آپ کے تابعدار ہیں اور آپ کی اس نصیحت کے ممنون اور شکر گزار ہیں۔ لیکن برادر زادہ کے پاس جا کر ہمیں اپنی ہتک کرانا منظور نہیں۔ ہاں اگر آپ درمیان میں آکر صُلح کرانا چاہتے ہیں تو ہم تیار ہیں۔ آپ جا کر ہیرا سنگھ اور اُس کے سازشی اُستاد پنڈت جلھا کو سمجھائیں۔" ہر دو سردار راجہ ہیرا سنگھ کے پاس واپس آئے اور اُس سے درخواست کی کہ راجہ سوچیت سنگھ آپ سے صُلح کرنے کے لئے رضامند ہے۔ راجہ ہیرا سنگھ کا من بھی پسیج اُٹھا۔ لیکن پنڈت جلھا نے انہیں ڈانٹ کر کہا کہ "تم لوگ کیوں ہماری بلا مرضی اُن کے پاس گئے؟ وُہ تو ہمارا دشمنِ جان ہے اور لاہور کی وزیرِ اعظمی کے خواب لے رہا ہے۔" اتنے میں راجہ ہیرا سنگھ کے افسر محلات دیوان جواہر مل نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ "راجہ سوچیت سنگھ آپ کا حقیقی چچا ہے۔ اگر وُہ اطاعت کے لئے تیار ہے، میں اُس کو لے آتا ہوں۔ صُلح کرنا بہتر رہے گا۔ جگ ہنسائی کا قدم نہ اُٹھائیے۔ جب بڑے راجہ گلاب سنگھ سُنیں گے تو اُن کا کیا حال ہوگا؟"

اس پر راجہ ہیرا سنگھ تو خاموش رہا لیکن پنڈت جلھا زیادہ بھڑک اُٹھا اور دیوان صاحب کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ دُوسری طرف راجہ سوچیت سنگھ اور کیسری سنگھ اس انتظار میں تھے کہ میاں لابھ سنگھ اور سردار گنڈا سنگھ انہیں بُلانے کے لئے آتے ہیں۔ جب کافی دیر ہو گئی اور اُن میں سے کوئی بھی نہ آیا تو راجہ سوچیت سنگھ نہایت نادم ہوا اور کیسری سنگھ سے کہا کہ "اس ذِلّت کے جینے سے بہتر ہے کہ میدانِ جنگ میں نیک نامی کی موت مرا جائے۔ ایک دن سب نے مرنا ہے۔ جو آیا ہے اُس نے ضرور جانا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں آگے قدم بڑھا کر کبھی پیچھے نہیں ہٹایا۔ تو کیا آج یہاں سے بھاگ کر واپس شاہدرہ جا کر [illegible] کیا بھاگ جانا مردوں کا کام ہے؟ اور پھر جنگ سے بھاگنا کہاں کا دھرم ہے؟ [illegible] میں تم سب لوگوں کو کہتا ہوں کہ جسے اپنی جان عزیز ہے، وُہ بے شک چلا جائے۔ لیکن میں واپس نہیں جاؤں گا۔" تب راجہ [illegible] ہمرکاب رائے کیسری سنگھ اور ساتھی فوجیوں نے بیک زبان بلند آواز سے جواب دیا کہ "ہم آپ کے ساتھ آئے ہیں اور ساتھ ہی جائیں گے۔ آپ کو چھوڑ کر واپس جانا شرطِ وفا کے منافی ہے۔"

مہتہ موتی رام خزانچی راجہ [illegible] سنگھ [illegible] اس جنگ کے چشم دید حالات [illegible]

لکھے ہوئے روزنامچہ میں بیان کئے ہیں کہ سوچیت سنگھ کے ساتھ صرف ۹۷ اشخاص تھے جب تلوار چلی تو کُشتوں کے پُشتے لگ گئے۔ خالصہ فوج میں تہلکہ مچ گیا اور ہزاروں کی تعداد میں فوج کے پاؤں اُکھڑنے لگے۔ تب بندوقوں پر نوبت آگئی اور گولیاں برسنے لگیں۔ راجہ سوچیت سنگھ اور کیسری سنگھ دونوں پہلو بہ پہلو گھائل ہو کر گر پڑے۔ اُن کے گرتے ہی جنگ بند ہو گئی۔ ہر دو راجہ اور وزیر کو دوشالے بچھا کر لٹایا گیا اور گنگا جل انہیں پلایا گیا۔ جس قدر خزانہ ہمراہ تھا، سنکلپ کر دیا گیا۔ اور ایک کاغذ پر لکھ کر سات ہاتھی، ایک سو گائے اور ایک سو گھوڑے راجہ صاحب نے اور ایک ہاتھی، ۲۵ گائے اور ۲۵ گھوڑے وزیر کیسری سنگھ سے دان کرائے۔ مرتے وقت راجہ سوچیت سنگھ نے کہا کہ میری لاش سے ہیرا سنگھ اور پنڈت جلّھا چھونے نہ پائیں۔ میرے انتم سنسکار کا پنڈ وغیرہ ملازمان سے کوئی بھر دے۔ ۹۷ ہمراہیوں میں سے صرف سات زندہ بچے۔ ایک گنڈو ٹھکر جو کہ بعد میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوج کا کرنیل ہوا اور جس کے نام پر گنڈو کی چھاؤنی ابھی تک جموں میں مشہور ہے۔ دوسرے مہتہ موتی رام خزانچی تیسرے لابہ سنگھ منہاس جو بعد مہاراجہ رنبیر سنگھ کی فوج میں جرنیل کے عہدہ پر پہنچا اور باقی تین چار خدمت گار وغیرہ۔

جب راجہ ہیرا سنگھ کو راجہ سوچیت سنگھ کی موت کی خبر ملی تو اُس سے نہ رہا گیا۔ وہ روتا پیٹتا وہاں پہنچا۔ اور بیوبٹر بادامی باغ لاہور میں پاس پاس چتائیں بنا کر قیمتی کفن ڈال کر سب کو جلایا۔ راجہ سوچیت سنگھ کے ساتھ جموں، کاہنہ چک، اکھنور، بسوہلی، گوڑ، سلاتھیاں، بلاور اور رام نگر کے دس بارہ ایسے بہادر اور جانباز ڈوگرے سردار ہلاک ہوئے جن کی تلواروں کی دھاک زمانہ میں تھی اور جنہوں نے راجہ سوچیت سنگھ کی کمان میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تحت کئی معرکے اور خونریز لڑائیاں سر کی ہوئی تھیں۔

راجہ سوچیت سنگھ کی موت کی خبر جب سامبہ میں پہنچی تو محلات سے تین رانیاں اور ۳۲ باندیاں باہر نکل آئیں۔ خزانہ خیرات کے طور لٹا دیا۔ انہوں نے بار سنگار کیا۔ اور وہ پردہ نشین دیویاں جنہیں کبھی سورج اور چاند کی کرنیں بھی دیکھ نہ سکی تھیں، جن کی سُندرتائی اور کومل سبھاؤ پر دیولوک کی اپسرائیں بھی رشک کھاتی تھیں، ستی ہونے کے لئے سُنہری ڈولیوں میں بیٹھ کر سامبہ کے نیچے بسنتر ندی کے کنارے ہزاروں لوگوں کے ساتھ

چل پڑیں جہاں کہ اُن سب کے لئے چتائیں تیار تھیں۔ رانیاں اور باندیاں سب چتاؤں میں بیٹھ گئیں تو لوگوں نے اُن کے سامنے سر جھکایا۔ زن و مرد، بچے بوڑھے سب رو رہے تھے۔ رانیوں نے کہا: "ہم آج اور کل تو راجہ صاحب کی آتما سے مل نہیں سکتیں۔ البتہ پرسوں دوپہر کو ہم ضرور اُن سے مل جائیں گی۔ اُس وقت پہلے آندھی آئے گی۔ پھر آکاش پر گولہ پھٹنے کی آواز پیدا ہوگی اور بعد میں بارش ہوگی۔ تو اُس وقت سمجھ لیں کہ ہماری راجہ صاحب سے ملاقات ہوگئی۔"

دُوسرے دن رام نگر خبر پہنچی تو وہاں بھی رام نگر جوگان میں راجہ سوچیت سنگھ کی دو رانیاں اور ۳۰ باندیاں چتا بنا کر ستی ہوگئیں۔

شاید یہ ہندوستان میں ستی کی آخری رسم تھی جو کہ رام نگر میں راجہ سوچیت سنگھ کی اِن ویر رانیوں کی عظیم قربانی پر ختم ہوئی۔

تو اِس طرح خاتمہ ہوا راجہ سوچیت سنگھ کا ۴۴ سال کی عُمر میں۔ جو کہ جری سپہ سالار۔ بے مثل خوش شکل انسان۔ لاثانی سُورما۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا با اعتماد جرنیل منظورِ نظر مصاحب۔ تلوار کا دھنی۔ شاہسوار اور نیزہ بازی کا ماہرِ کامل تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کہا کرتا تھا کہ "دھیان سنگھ! تم سب بھائیوں میں سوچیت سنگھ مجھے بے حد عزیز ہے اور اسی طرح گلاب سنگھ اور تمہاری اولاد میں سے ہیرا سنگھ سے مجھے اِتنا پیار ہے کہ اپنی اولاد سے اِتنا نہیں۔" قُدرت کی ستم ظریفی کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دونوں لاڈلے گویا حقیقی چچا بھتیجے راج حکومت اور اقتدار کی ہوس میں نازک رشتہ کو بھُول گئے اور ایک دُوسرے کے خُون کے پیاسے ہو گئے!

ہیرا سنگھ کا بلیدان

راجہ سوچیت سنگھ کی موت کی خبر جب راجہ گلاب سنگھ کو جموں میں پہنچی تو وُہ تڑپ اُٹھا۔ راجہ دھیان سنگھ کی موت کا زخم ابھی تازہ تھا کہ اِس پر اِس بھائی کی موت نے نمک پاشی کا کام کیا۔ اپنے سامنے دونوں ماں جائے نامور اور بہادر راہیٔ مُلکِ بقا ہو کر اُسے اکیلا چھوڑ گئے۔ کتنا اندوہگین واقعہ تھا اُس کے لئے۔ دھیان سنگھ نے اُس کا کہنا نہ مانا اور وُہ شیر سنگھ کے بُلاوے پر لاہور چلا گیا تھا۔ اور جو حشر ہوا، اُس کی چیتاونی پہلے ہی گلاب سنگھ نے اُسے اپنے سے وداع ہوتے وقت دے دی تھی۔ اور اُس کے بعد سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کی کشمکش میں

اُس نے ہر چند مداخلت کی۔ دونوں کو دُور دُور رکھا۔ لیکن سوچیت سنگھ لاہور دربار کی سازش کا شکار ہونے کے لئے خود موت کے منہ میں چلا گیا۔ اپنے بھائی اور بھتیجے کی حماقت پر گلاب سنگھ کو بہت زیادہ افسوس ہوُا۔ اُس کی نظروں میں دونوں قصوُروار تھے۔ دونوں کی نالائقی۔ آخر ایک کی جان جاتی ہی تھی جب وزیر اعظمی کے لئے سوچیت سنگھ ختم ہوُا، وُہ ہیرا سنگھ کا کہاں تک ساتھ دے سکے گی؟ گلاب سنگھ نے آہ بھر کر کہا "جو کچھ بھی ہوُا، بُرا ہوُا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد کا جو حال ہو رہا ہے، وُہ تو قابلِ افسوس ہے ہی لیکن حال اچھا ہمارا بھی نہیں۔ بڑی محنت اور خون پانی ایک کر کے خاندان کو ناموری اور شہرت کے بام پر پہنچایا تھا۔ لیکن اب آثار بہت بُرے دکھائی دے رہے ہیں۔

گلاب سنگھ نے ہیرا سنگھ کو خط لکھا کہ "تم نے نشۂ حکومت میں یہ کبھی نہ سوچا کہ کس کے ساتھ جنگ کر رہے ہو۔ یہ تیرا کیا لگتا ہے؟ حقیقی چچا۔ اتنا سفید خون ہو گیا تمہارا! لیکن اس میں تمہیں کبھی کیا دوش دیا جائے۔ ششُونی نے ایسا ہی لکھا تھا۔ اب مجھے اور فکر نہیں، تمہاری فکر ہے۔ کہیں تم بھی اُس سازش کا شکار نہ ہو جاؤ جس کا جال مہربان آقا مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد ہمارے خلاف سلطنت لاہور کے نادان دوستوں نے بچھایا ہوُا ہے۔ اور جو اپنے اقتدار کی حرص میں مرحوم بادشاہ کی اولاد کے قتل و غارت سے بھی نہیں چُوکتے۔ خیر تم عقلمند ہو اور سلطنت لاہور کے وزیر اعظم ہو۔ اس چھوٹی سی عمر میں اتنی عظیم ذمہ داری! ایشور تمہاری سہایتا کرے۔"

خط پڑھا۔ راجہ ہیرا سنگھ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پنڈت جلہا نے اپنے نوجوان راجہ کو روتے دیکھا تو ازراہِ ڈھارس کہنے لگا۔ "بہادر، دانا اور مدبّر لوگ اتنے چھوٹے دل کے مالک نہیں ہوتے۔ آپ ایک بڑی سلطنت کے وزیر اعظم ہیں۔ آپ کے تدبّر اور فراست کی دھاک کابل، کشمیر اور دلی تک مچی ہوئی ہے۔ جو کچھ ہو گیا، ہو گیا۔ شاستروں میں لکھا ہے کہ گزری ہوئی باتوں کا افسوس بہادر لوگ نہیں کیا کرتے۔ راجہ گلاب سنگھ بزرگ ہیں۔ وُہ قابلِ پرستش ضرور ہیں۔ لیکن رموزِ حکومت پر جتنا عبور آپ کو حاصل ہے اور جتنے تدبّر اور دانش کے آپ مالک ہیں اور جتنی آپ کی ناموری اور شہرت ہے، اُتنی اُن کی نہیں۔ اُنہوں نے آپ کو رقت انگیز خط لکھ تو دیا ہے لیکن آپ یہ نہیں جانتے کہ اس کی تہ میں کیا راز ہے۔ میں سُناتا ہوُں۔ ذرا غور سے سُنیئے۔ راجہ سوچیت سنگھ نے دربار لاہور کے

خلاف بغاوت کی ۔ لیکن ان کے جرم کی سزا انہیں مل گئی۔ انصاف اور قانون کسی کا لحاظ نہیں کرتا خواہ اُس سے کتنا ہی نازک اور خُون کا رشتہ کیوں نہ ہو۔ سوال اب یہ نہیں کہ راجہ سوچیت سنگھ آپ کا حقیقی چچا تھا۔ اب سوال تو یہ ہے کہ ایک باغی کی جائداد اور وراثت یا ملکیت بحق سرکار ضبط ہونی چاہیئے یا نہیں ۔ اگر سرکار خالصہ کے حق میں سوچیت سنگھ کی جائداد اور جاگیر ضبط کرنا آپ کو منظور نہیں تو آپ کیوں دستبردار ہو جائیں اُس سے ؟ آپ بھی تو اُس جاگیر و جائداد کے اُسی طرح وارث ہیں جس طرح گلاب سنگھ کے لڑکے ۔ اِس خط کا سوائے اِس کے کوئی مطالب نہیں کہ آپ اپنے حقیقی چچا راجہ سوچیت سنگھ کی وراثت کا مطالبہ نہ کردیں"۔

اِدھر پنڈت جلہا کی تحریک سے سوچیت سنگھ کی جاگیر و جائداد دربار لاہور کے حق میں ضبط کرنے کے لئے راجہ ہیرا سنگھ قائل ہو گیا۔ اُدھر مہارانی جنداں اور اُس کا منظورِ نظر سردار لال سنگھ راجہ گلاب سنگھ کی خاندانی کشمکش کو اور زیادہ ہوا دینے پر تُل گئے ۔ بظاہر وُہ غیر جانبدار تھے ۔ لیکن اندر ہی اندر بے حد خوش اور مطمئن تھے کہ دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کے بعد اب صرف گلاب سنگھ رہ گیا ہے ۔ اگر یہ بھی سوچیت سنگھ کی مانند ہیرا سنگھ کے ہاتھوں ختم ہو جائے تو دربار لاہور پر اپنی بالادستی اور مطلق العنانی میں مداخلت کا خدشہ بہت حد تک دُور ہو سکتا ہے ۔ پھر ہیرا سنگھ رہ جائے گا تو اس کا کام تمام کرنا معمولی بات ہے ۔

چنانچہ نوعمر مہاراجہ دلیپ سنگھ کی ماں مہارانی جنداں اور گارڈین لال سنگھ نے سردار جواہر سنگھ ماموں دلیپ سنگھ کو جسے سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کی لڑائی میں حصّہ دار بننے سے اِدھر اُدھر کر دیا تھا، اپنے پاس بلایا ۔ اور مہارانی کی طرف سے ہیرا سنگھ کو ملاقات کے لئے پیغام بھیجا۔ ہیرا سنگھ اور پنڈت جلہا دونوں راج محلات میں پہنچے تو مہارانی نے دلیپ سنگھ اور ہیرا سنگھ کو اپنے دائیں بائیں بٹھا کر کہا کہ تم دونوں سلطنت لاہور کے مہاراجہ اور پردھان منتری ہو۔ اور ہیرا سنگھ ! مرحوم بادشاہ تم سے بھی اُتنا ہی پیار کرتے تھے جتنا کہ اپنے پتر دلیپ سنگھ سے ۔ کیا تم جو شہنشاہوں کی بچی (کے نام سے مشہور رہو) میری بات پر اعتبار کرو گے ؟ کیونکہ اس ناطے میں بھی تمہاری ماں ہوں ....."

ہیرا سنگھ نے بات کاٹ کر کہا "کیا کہہ رہی ہیں سرکار ! فرمائیے جو حکم ہے ؟"

مہارانی جنداں بولی "بات تو کچھ نہیں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میرے بھائی جواہر سنگھ سے آپ کی کیا دشمنی ہے ؟"

ہیرا سنگھ نے جواب دیا "ایسی تو کوئی نہیں"

مہارانی جنداں کہنے لگی "اگر کوئی غلط فہمی ہے تو میں آج اُسے مٹا لینا چاہتی ہوں۔ اور اس کا ثبوت تمہیں مل بھی چکا ہے کہ راجہ سوچیت سنگھ کی لڑائی میں جواہر سنگھ نے اُس کا ساتھ نہیں دیا۔ تمہیں یہ خیال ہوگا کہ جواہر سنگھ سوچیت سنگھ کا پُشت پناہ بن کر لاہور کی وزیر اعظمی اُسے لے دینا چاہتا تھا۔ لیکن تم نے دیکھ لیا کہ اس میں رتّی بھر صداقت نہیں۔ اگر کچھ بات ہوتی تو کیا سوچیت سنگھ کے ہمراہ جواہر سنگھ بھی میدانِ جنگ میں نہ ہوتا؟ سوچیت سنگھ نے اپنے کیئے کی سزا پالی۔ اچھا ہوا۔"

ہیرا سنگھ سر جھکائے سُنتا گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد بولا "مجھے سردار جواہر سنگھ سے کوئی رنجش یا ناراضگی نہیں۔ اگر ہوتی تو انہیں قید سے آزاد کیوں کیا جاتا؟"

اس پر سردار لال سنگھ نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کی طرف دیکھ کر ہیرا سنگھ سے کہا۔ "جواہر سنگھ اپنے مہاراجہ کے ماموں ہیں۔ ان کی جاگیر کو ضبط رکھنا دربار کے شایانِ شان نہیں۔ راجہ صاحب! آپ بہت بڑے آدمی ہیں۔ شاہی خاندان کو آپ پر بہت زیادہ بھروسہ ہے۔ آپ مدار المہام سلطنت ہیں۔ اور مہارانی صاحبہ اور اِن کے بیٹے کی خوشنودی آپ کے شاملِ حال ہے۔ تو اگر جواہر سنگھ کی جاگیر واگذار کر دی جائے تو اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟"

ہیرا سنگھ نے جواب دیا "کچھ بھی نہیں۔"

اور اُسی وقت پنڈت جلھا سے جاگیر کی واگذاری کے احکام جاری کرنے کے لئے پروانہ لکھنے کو کہا گیا۔ اور جواہر سنگھ کو اُس کی جاگیر گوجرانوالہ واپس کر دی گئی۔ مہارانی جنداں پھر کہنے لگی۔ "راجہ سوچیت سنگھ کی جاگیر اور جائداد کے متعلق کیا خیال ہے ہیرا سنگھ تمہارا؟ میں نے سُنا ہے کہ تم بحق سرکار ضبط کرنا چاہتے ہو۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ مرحوم مہاراجہ کی عطا کی ہوئی جاگیروں کو واپس لینا ہمارا حق نہیں جب کہ تم جیسے لال اُس کے وارث موجود ہوں۔ سوچیت سنگھ لاولد مرا ہے۔ اُس کی وراثت تمہارا حق ہے۔ اور ہاں اُس کی جو ۱۵ لاکھ روپیہ کی امانت فیروز پور کے قلعہ میں انگریز کے پاس جمع ہے، اُس کی وصولی کے متعلق کیا خیال ہے؟"

ہیرا سنگھ نے جواب دیا "جو سرکار کی منشا ہوگی، ویسا ہی عمل میں آئیگا۔ فکر نہ کیجیے۔"

پنڈت جلہا
اتالیق راجہ ہیرا سنگھ اور لاہور دربار کا اکونٹنٹ جنرل

اور ہیرا سنگھ نے پنڈت جلہ سے اجازت لے کر واپس چلا آیا۔ مہارانی جنداں۔ لال سنگھ اور جواہر سنگھ پھوٹ نہ ہونے کے تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔ سوچیت سنگھ مارا گیا۔ جواہر سنگھ کی جاگیر واگذار ہوگئی اور گلاب سنگھ کو پھانسنے کا منصوبہ بھی بن گیا۔

راجہ ہیرا سنگھ انتظام سلطنت میں پوری دلچسپی سے کام کرنے لگا۔ دو تین ماہ گزر گئے۔ اس عرصہ میں وہ لاہور میں ہی بیٹھا رہا۔ جموں یا جسروٹہ کی طرف بھی نہ گیا۔ اُس کا کام زیادہ تر خالصہ افواج میں اپنی ہر دلعزیزی قائم کرنا تھا۔ جس میں وہ خوش اسلوبی سے کامیاب تھا۔ جب اُسے اپنی طاقت و ثروت کا پوری طرح اندازہ ہوگیا تو اُس نے دیوان دینا ناتھ۔ شیخ امام الدین اور میاں لابھ سنگھ کو جموں راجہ گلاب سنگھ کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ "میں آپ کا تابعدار اور خدمت گذار ہوں۔ آپ چچا سوچیت سنگھ کی موت سے مجھ پر ناراض ہیں۔ مگر اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ حالات ہی ایسے بن گئے تھے۔ پھر بھی اگر آپ سمجھتے ہیں کہ میں گناہ گار ہوں تو از راہِ پدرانہ شفقت اور بزرگی مجھے معاف کیا جائے۔ میں خود حاضر ہوکر معافی کا خواستگار ہوتا لیکن سلطنت کے کام سے ایک لمحہ فراغت نہیں۔ اور میرا یہاں سے ایک دن کے لئے بھی غیر حاضر ہونا مصلحت وقت نہیں۔ میں دیوان دینا ناتھ اور دوسرے معتبرین کو آپکی خدمت میں اپنی بجائے بھیج رہا ہوں کہ وہ آپ سے عرض کرسکیں کہ مرحوم چچا صاحب راجہ سوچیت سنگھ کی جاگیر و جائداد جس پر آپ ان دنوں قابض ہوگئے ہیں، اس مال و متاع کا قانونی وارث میں بھی ہوں۔ ۔ ۔ ۔"

شیخ امام الدین ابھی یہاں تک ہی کہہ پایا تھا کہ گلاب سنگھ غیض و غضب میں اُٹھا۔ دو زانو ہوکر تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا اور شیر کی مانند غرا کر کہنے لگا "کیا ہیرا سنگھ نے مجھے بھی سوچیت سنگھ سمجھ رکھا ہے کہ میں اُس کے دام میں آجاؤں گا اور اشتعال میں آکر لاہور جا دھمکوں گا۔ مجھ سے ایسی اُمید نہ رکھے۔ یا اُس نے مجھے شاہجہان سمجھ رکھا ہے کہ ہیرا سنگھ جیسا نابکار اورنگ زیب بن کر مجھے قید کرلے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ سوچیت سنگھ نے رنبیر سنگھ کو اُس کے بچپنے سے متبنیٰ بنا رکھا ہے۔ اُس کی جائداد و جاگیر پر رنبیر سنگھ کا حق ہے اور کسی کا نہیں"۔

گلاب سنگھ کے انکار کرنے پر دیوان دینا ناتھ وغیرہ نے لاہور واپس آکر سب کیفیت راجہ ہیرا سنگھ سے بیان کی۔ اور جو کچھ بُرا بھلا کہا تھا وہ بھی گوش گذار کردیا۔ راجہ ہیرا سنگھ نے گلاب سنگھ کو جتنے علاقے اور قصبے گجرات۔ قادر آباد۔ جلال پور۔ رینڈ۔ اونکھان وغیرہ پنجاب

میں ٹھیکہ پر ملے ہوئے تھے، سب کے سب ضبط قرار دینے کے احکام نافذ کئے اور جموں پر خود حملہ کرنے کا فیصلہ کر کے فوج کے نام حکم جاری کر دیا کہ فی الفور دریائے راوی کو عبور کیا جائے۔

اُدھر گلاب سنگھ کو خبر ملی تو اُس نے اپنی افواج کے تمام راجپوت سرداروں کو بُلا کر آمادہ جنگ کیا اور کہا کہ جسروٹہ جو راجہ ہیرا سنگھ کی ملکیت ہے، اُس پر دھاوا بول کر اپنے قبضہ میں کر لو۔ دونوں طرف فوجیں تیار تھیں کہ بھائی رام سنگھ جو کہ ایک خدا رسیدہ سنت دربار لاہور میں مانا جاتا تھا، نے ہیرا سنگھ سے کہا کہ ایک بار ہمیں وقت دیا جائے کہ ہم جا کر گلاب سنگھ کو سمجھا سکیں۔ چنانچہ دُوسری بار بھائی رام سنگھ کے ساتھ دیوان دینا ناتھ اور شیخ امام الدین پھر جموں آئے۔ گلاب سنگھ بھائی رام سنگھ سے عزت و تکریم کے ساتھ پیش آیا۔ دیوان دینا ناتھ اور شیخ امام الدین کا بھی خیر مقدم ہوا۔ بھائی رام سنگھ نے کہا کہ "ہم معہ سادھو سنگت تیرتھوں میں تھے۔ ہمیں راجہ سوچیت سنگھ کے مرنے کا بہت افسوس ہے۔ اگر ہم یہاں ہوتے تو پنڈت جلھا یا کسی اور کی کیا مجال تھی کہ ہیرا سنگھ سے ایسے گناہ کا ارتکاب کراتا"۔

گلاب سنگھ اِس گفتگو سے ذرا نرم ہوا تو بھائی رام سنگھ اصل مطلب پر آیا اور کہنے لگا "راجہ ہیرا سنگھ بھی آپ کا بچہ ہے۔ اُس کے بچپن کی تیزی نے یہ فعل کرایا ہے جس کے لئے وُہ سخت شرمسار ہے۔ اُسے معاف کر کے اُس پر دستِ شفقت رکھا جائے"۔

گلاب سنگھ نے اِس مرحلہ پر سوچا کہ مخالفت کا وجود دونوں کی کمزوری کا باعث ہوگا۔ اور جب ہیرا سنگھ کی فوجوں کے سامنے میری فوجیں کھڑی ہوں گی تو جان و مال کا نقصان ہوگا۔ لوگ کہیں گے کہ آپس میں لڑ مر رہے ہیں۔ اِس لئے اُس نے بھائی رام سنگھ کو جواباً کہا "بھائی صاحب! آپ آئے ہیں۔ آپ ہمارے ہمدرد اور مہربان ہیں۔ آپ کی نیک باطنی کا ہر کس و ناکس کو اعتراف ہے۔ اگر ہیرا سنگھ جاگیر سوچیت سنگھ کے حصہ کے لئے بضد ہے تو مجھے کیا عذر ہے۔ ہیرا سنگھ بھی میرا ہی ہے۔ کوئی غیر نہیں ہے۔ لیکن ہیرا سنگھ نے طیش میں آ کر جو میرے علاقے پنجاب میں ضبط کر لئے ہیں، کیا یہ اُس کے لئے واجب تھا؟"

بھائی رام سنگھ نے جواب دیا "آپ کے علاقوں کی طرف کس کی مجال ہے کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔ وُہ تو واگزار ہیں"۔

اِس طرح سے گلاب سنگھ اور ہیرا سنگھ کی کشمکش کا معاملہ ٹل گیا اور دُوسری طرف انگریزوں سے راجہ سوچیت سنگھ کی بطور امانت رقم جو کہ فیروزپور میں پندرہ لاکھ روپیہ کی تھی

دربار لاہور کو دہشت انتشار کر دیا کہ گلاب سنگھ کی صورت میں ایک اور دعویدار اِس قسم کا موجود ہے۔

گلاب سنگھ اور ہیرا سنگھ کی مصالحت کو مضبوط کرنے کے لئے گلاب سنگھ کا فرزند دوم میاں سوہن سنگھ لاہور بھیجا گیا کہ وُہ ہیرا سنگھ کے ساتھ رہ کر وزارت میں اُس کا ہاتھ بٹائے۔ اور راجہ ہیرا سنگھ نے اُس کا لاہور پہنچنے پر پرتپاک استقبال کیا۔ اور سینکڑوں روپیہ سر وارنا کر کے مہاراجہ دلیپ سنگھ کے خاص احکام سے خطاب راجگی اُسے دلایا۔ اِس طرح سے انتظام حکومت پھر خوش اسلوبی سے چلنے لگا۔ اور ہیرا سنگھ کو بجا طور پر ناز کرنے کا حق ہے کہ اُس نے قلیل سی مدت میں امن و امان بحال کر لیا۔ ہر قسم کی بغاوتیں فرو کر دیں۔ اور گلاب سنگھ تک سے دربار لاہور کے تسلط کو تسلیم کرا لیا لیکن اُس کا ستارہ تنزل پر تھا۔ لال سنگھ اور مہارانی جنداں کو ہیرا سنگھ کی وزارت پسند نہ تھی۔ وُہ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو گلاب سنگھ کے خاندان سے لاہور کی مخلصی ہو۔ اُنہوں نے دربار کے وزیروں اور امیروں کو انفرادی طور پر بُلا کر ہیرا سنگھ کے متعلق کہا لیکن درباریوں میں سے کسی نے جواں سال وزیر اعظم کے خلاف امداد کی حامی نہ بھری۔ آخر وُہ سردار جواہر سنگھ کی جانب رجوع ہوئے۔ یہ بھی خاص جرأت کا مالک تھا۔ اُسے کہا گیا کہ جس طرح بھی ہو فوج کو ہیرا سنگھ کے خلاف کیا جائے۔ وُہ بھی ہیرا سنگھ کا زبردست حاسد تھا اور لاہور کی وزیر اعظمی کا طلبگار تھا۔ اُس نے اپنے بھانجے نو عمر مہاراجہ کو فوج کے پاس لے جانا شروع کیا۔ اور ہیرا سنگھ کے خلاف جھوٹی سچی باتیں سُناتا رہا۔ خاص کر پنڈت جلھا کے متعلق وُہ یہ زور دیتا کہ راج ماتا جنداں بائی اُس نے بے عزتی کی ہے۔ اور اُس کے احکام کی وُہ پرواہ نہیں کرتا جیسے لاہور کی سلطنت اُس کے باپ دادا کی میراث ہے۔ اگر تم لوگ دلیپ سنگھ کو حقیقی طور پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا وارث سمجھتے ہو، مہارانی کی عزت تمہیں مقصود ہے اور دلیپ سنگھ کو خود مختار بنانا چاہتے ہو تو ہیرا سنگھ سے نجات حاصل کرو۔ تب ہی کہیں جا کر "راج کریگا خالصہ" کی مثال دوہرائی جا سکتی ہے ورنہ نہیں۔

چنانچہ جواہر سنگھ کا داؤ چل گیا۔ اور فوج کا کثیر حصہ پنڈت جلھا کے خلاف ہو گیا۔ لیکن ہیرا سنگھ کے متعلق اُن کا اعتماد متزلزل نہ ہو سکا۔ اب جواہر سنگھ نے پھر ایک چال چلی۔ اور فوجیوں سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم کب ہیرا سنگھ کے خلاف رہے۔ سارے فساد کی جڑ پنڈت جلھا ہے جو کہ مہارانی جنداں سے بے ادبی سے پیش آیا ہے۔ فوجی سرداروں نے کہا کہ ہم خود چل کر مہارانی صاحبہ سے بات کرتے ہیں۔ اور جب سکھ سردار مہارانی جنداں کے پاس

آئے تو وُہ رو رو کر پنڈت جلّھا کی بدسلوکیاں بیان کرنے لگی۔ اِس پر تمام سرداران فوج نے فیصلہ کیا کہ راجہ ہیرا سنگھ سے مطالبہ کیا جائے کہ وُہ پنڈت جلّھا کو اُن کے حوالے کر دے۔ چنانچہ دُوسرے دن فوج کے تمام سرداروں نے اکٹھے ہو کر ہیرا سنگھ کے پاس اپنے مطالبہ کو دہرایا۔ لیکن ہیرا سنگھ نے پنڈت جلّھا کو اُن کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "ایسا نہیں ہو سکتا۔ مَیں ہرگز ہرگز پنڈت جلّھا کو آپ کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا۔" اِس پر سرداروں نے کہا "سوچ لیجئے کل صبح تک وقت دیا جاتا ہے۔" یہ کہہ کر سردار تو چلے گئے۔ لیکن ہیرا سنگھ ذہنی کوفت اور پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ اُس نے سوہن سنگھ کو بُلا کر سب حالات سے رُوشناس کیا اور اُس سے پُوچھا "بتاؤ بھائی اب کیا کرنا چاہیئے؟ کیا پنڈت جلّھا کو اُن کے حوالے کرنا دُرست رہے گا یا اُس کے ساتھ ہمیں بھی جان پر کھیلنا پڑے گا؟" سوہن سنگھ نے جواب دیا "جو بات مناسب ہے وُہ کیجئے۔"

ہیرا سنگھ نے پنڈت جلّھا اور اپنے ڈوگرہ فوجی سرداروں کو بھی بُلایا جو کہ اُن کے ساتھ لاہور میں رہتے تھے۔ اور اُنہیں حالات سے آگاہ کر کے دریافت کیا کہ اِس وقت میری رہنمائی کرو۔ پنڈت جلّھا فوراً بول اُٹھا "مَیں شل ایک گائے کے ہُوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مجھے اِن بھیڑیوں کے سپرد کر دیں تو بے شک۔ ورنہ اپنا دھرم آپ کے سامنے ہے۔ جو وُہ کہتا ہے کرو۔" راجہ ہیرا سنگھ نے کہا "پنڈت جی آپ بے فکر رہیئے۔ میری موجودگی میں آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔" اور اپنے ڈوگرہ افسروں کی طرف دیکھ کر پُوچھا "آپ کی کیا رائے ہے؟" وُہ بھی کہنے لگے "کہ اپنی پناہ میں آئے ایک ساتھی کو دُشمنوں کے حوالے کر دینا ہمارا دھرم اجازت نہیں دیتا۔ خواہ اِس سے کتنے ہی بُرے نتائج کیوں نہ نکلیں۔"

مجلس برخاست ہو گئی۔ آخر دسمبر کی اندھیری رات سردی جوبن پر۔ آسمان بادلوں سے گھرا ہُوا۔ بُوندا باندی ہو رہی تھی۔ ہیرا سنگھ کے محل کے شمعدان آج خلاف معمول بہت زیادہ چمک رہے تھے۔ نوجوان راجہ اپنے وقت پر اپنے دوستوں اور معتبروں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ ہنسی خوشی اور مذاق پہلے کی مانند جاری تھا۔ کیا مجال کسی کے چہرے پر ملال و پریشانی کے کوئی آثار ہوں۔ اِتنے میں جاسوس نے آکر خبر دی "مہارانی جنداں۔ لال سنگھ اور جواہر سنگھ سے لے کر فوج کے پیادے تک بچہ بچہ آپ کے خلاف ہو گیا ہے۔ علی الصباح کل فوج کا ایک دستہ آپ کے پاس آکر پنڈت جلّھا کا مطالبہ کرے گا۔ اگر آپ نے پس و پیش کی تو آپ کے محل کو گھیر لیا جائے گا۔ اِتنے میں اور فوج آجائے گی اور پنڈت جلّھا کو آپ

سے چھین کر آپ کے سامنے توپ کے آگے باندھ کر اڑا دیا جائے گا"۔ جب ہیرا سنگھ نے فوج کا یہ مشورہ معلوم کیا تو اپنے ہمراہی سوہن سنگھ، پنڈت جلھا اور راجپوت سرداروں کو جموں کی طرف تیاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ ۲۰ اور ۲۱ دسمبر کی درمیانی رات کے پچھلے پہر راجہ ہیرا سنگھ اپنے ساتھیوں سمیت جموں کی طرف چل پڑا۔ راجہ ہیرا سنگھ، سوہن سنگھ اور پنڈت جلھا ہاتھی پر سوار تھے اور باقی راجپوت سردار گھوڑوں پر۔ ہاتھی پر روپیوں، اشرفیوں کی تھیلیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ جب ٹکسالی دروازے سے گزرے تو شور مچ گیا کہ پنڈت جلھا بھاگ رہا ہے۔ انہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ پانچ سات میل گئے ہوں گے کہ تعاقب میں سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں فوج دوڑتی آ گئی۔ پہلے تو راجہ ہیرا سنگھ روپیوں، اشرفیوں کو اچھالتے رہے اور اس طرح دشمن فوجیوں کو مصروف رکھا اور دو ایک میل اس طرح طے کئے۔ لیکن نقدی کی تھیلیاں ختم ہو گئیں اور دن بھی چڑھ آیا۔ تو ہاتھی سے اتر کر اپنے اپنے گھوڑے سنبھال لئے۔ لیکن فوج نے چاروں طرف گھیرا ڈال لیا۔ اور ایک سردار نے باآواز بلند ہیرا سنگھ سے کہا کہ "پنڈت جلھا کو ہمارے حوالے کیجئے۔ ابھی وقت ہے۔ آپ کو عزت کے ساتھ واپس لے جانے کا حکم ہے"۔ لیکن ہیرا سنگھ نے جو اپنے مشہور برچھی گھوڑے پر سوار تھا، اپنے ساتھیوں کو پکارا کہ جان پر کھیل جائیے۔ تلوار چلنے لگی اور آن کی آن میں راجہ ہیرا سنگھ مع راجہ سوہن سنگھ، پنڈت جلھا اور گنتی کے راجپوت سردار مخالفین کی کافی تعداد ڈھیر کر کے ۲۱ دسمبر ۱۸۴۵ء کو اپنی آن پر قربان ہو گئے۔ مرتے مر گئے لیکن اپنے اتالیق اور دوست پنڈت جلھا کا جیتے جی ساتھ نہ چھوڑا۔ سکھ فوجیوں نے پنڈت جلھا کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور ہیرا سنگھ، سوہن سنگھ اور پنڈت جلھا کے سر کاٹ کر واپس لاہور لے گئے۔

راجہ ہیرا سنگھ

ایسٹ انڈیا کمپنی کے مشیر مسٹر میکین نے اپنے روزنامچہ میں لکھا ہے کہ "راجگان جموں اور کوہستان کلو اور کانگڑہ کے جتنے بھی راجے اور جاگیردار وغیرہ دربار لاہور کے باجگذار اور ملازم ہیں، ان سب میں راجہ ہیرا سنگھ فرزند اکبر راجہ دھیان سنگھ وزیر اعظم پنجاب کو مہاراجہ رنجیت سنگھ بے حد پیار کرتا ہے۔ جواں سال راجہ کو جو کہ مردانہ خوبصورتی کا بے مثل شاہکار، دوست نواز، تیز طبع، عقیل، اندیش، شیریں بیان ہے، مہاراجہ نے "فرزند خاص الخاص" کا خطاب دے رکھا ہے۔ راجہ ہیرا سنگھ کی شخصیت

ایسی دلآویز اور پر وقار ہے کہ البتہ انڈیا کمپنی کے انگریز کمیونوں میں بھی اس کی ہر دلعزیزی کا سکہ ثبت ہے۔ شاہی دربار میں بعض اوقات مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے راجہ ہیرا سنگھ کی نشست اُس کے باپ راجہ دھیان سنگھ وزیر اعظم سے دائیں مخصوص ہوتی ہے۔ اسے بادشاہوں کی بچی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کسی مہاراجہ یا بادشاہ کی اپنے وزیر اعظم کے بیٹے سے اتنی محبت کہ اپنی اولاد بھی پیچھے رہ جائے، کہیں دیکھنے سننے میں نہیں آئی"

دربار لاہور کا اکونٹنٹ جنرل پنڈت جلّھا

اپریل سنہ ۱۹۵۰ء تک مہاراجہ گلاب سنگھ کی قائم کردہ ریاست جموں و کشمیر میں ریاست کے حسابات کی پڑتال کا محکمہ ایک ڈوگرہ اکونٹنٹ جنرل کے چارج میں تھا۔ لیکن شاید یہ کسے معلوم ہو یا نہ کہ ریاست جموں و کشمیر کی تشکیل سے ایک سو سال پہلے ۱۸۴۶ء تک ایک ڈوگرہ براہمن پنڈت جلّھا نے شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت میں حکمرانی چلائی جس طور کہ کشمیری پنڈت کوکا نے افغانستان میں کبھی حکمرانی چلائی تھی۔

پنڈت جلھا جموں سے سات میل مغرب واقع ایک گاؤں زائے پور میں ایک غریب براہمن پرشوتم کے گھر پیدا ہوا۔ پیدائشی ذہین اور چالاک تھا۔ فارسی اور سنسکرت کی تعلیم بغیر کسی مکتب یا پاٹھ شالہ کے ادھر اُدھر گھوم کر حاصل کی۔ اس کے علاوہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق تلوار چلانا، نیزہ بازی اور گھوڑسواری میں تاک تھا۔ راجہ گلاب سنگھ نے پنڈت جلھا کو اپنے بھائی راجہ دھیان سنگھ کے پاس لاہور بھیجا جہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار کی پہلی ہی حاضری میں ارشاد خاص سے ہیرا سنگھ کا اتالیق مقرر ہو گیا۔ راجہ دھیان سنگھ کی موت کے بعد جب ہیرا سنگھ وزیر اعظم لاہور بنا تو راج کاج اسی کے مشورہ سے چلنے لگا۔ پنڈت جلھا ذہانت کا پتلا، سخت مزاج، صاف گو اور ڈسپلن کا پابند تھا۔ حکومت کا اسے اکونٹنٹ جنرل بنایا گیا اور راجہ ہیرا سنگھ کے مشیر خاص کی حیثیت سے نظم و نسق کی ساری ذمہ داری اس نے اپنے اوپر لے لی۔ اسے دربار لاہور کی وفاداری کے ساتھ ساتھ اپنے شاگرد راجہ ہیرا سنگھ کی برتری اور شہرت ہر حال میں اور ہر حلہ پر مقصود تھی اور اپنی ذہانت اور عروج کی وجہ سے لاہور دربار کے کسی بڑے سے بڑے سردار اور امیر و وزیر کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اور سب اس سے کانپتے تھے۔ حساب کا پکا، سفارش اور لحاظ

ہے بے نیاز لیکن انتقام پسند اور غصہ
اکثر کہا کرتا تھا کہ پنڈت جلہا بے حد خو
اور خیر خواہ افسر سرکار ہونا باعث فخر ہے
لے اپنے تمام اوصاف پر پانی پھیر دیا۔
سرداروں اور امیروں میں مقبول نہ ہونا
بدبختی ہے۔"

...بڑے درجہ کا تھا۔ دیوان دینا ناتھ
...مالک ہے کسی بھی سلطنت میں ایسا وفادار
...ہے۔ لیکن اُس کی انتقامیہ اور فصیلی فطرت
...س قدر اقتدار کا مالک ہو کر بھی دربار کے
...اُس کی بدبختی نہیں لاہور دربار کی ہی

پنڈت جلہا نے نادہند اور باقی
دیا۔ یہاں تک کہ ایک (دن) مہارانی جنداں
کے ڈیوڑھی دار کو حکم دے دیا کہ مہارانی اُس
کرنے کے بالا بالا احکام دینے کی مجاز نہیں
میں سب امیروں، وزیروں، سرداروں نے
کو اُن کے حوالے کر دے۔ مگر غیور اور بہادر
دوست کا ساتھ چھوڑنا اپنی آن اور شان
اُسے سردار جواہر سنگھ کے حوالے کرنے سے
نے حملہ کرکے پنڈت جلہا کو ٹکڑے ٹکڑے کر

...گیرداروں اور سرداروں کا قافیہ تنگ کر
...س کے قلم اور زبان سے بچ نہ سکے اور اُس
...تی کے بغیر خزانہ سے ایک پائی تک خرچ
...پر جنداں کے بھائی سردار جواہر سنگھ کی سرکردگی
...ہیرا سنگھ سے مطالبہ کر دیا کہ وہ پنڈت جلہا
...س سال ڈوگرہ راجہ نے اپنے گورو اور ہمراز
...ے خلاف سمجھا اور نتائج سے بے پروا ہو کر
...صاف انکار کر دیا۔ اور اس انکار پر سکھ افواج
...ساتھ ہی راجہ ہیرا سنگھ بھی مارا گیا۔

گلاب سنگھ کی نظر بندی

راجہ دھیان سنگھ، سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کے بعد لاہور دربار سے خاندان جموں کی وزارت کا خاتمہ ہو گیا۔ جب راجہ ہیرا سنگھ، پنڈت جلہا اور میاں سوہن سنگھ کو سکھ فوج نے تعاقب کرکے لاہور سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر جموں آتے ہوئے قتل کر دیا تو اُس وقت عجیب افراتفری تھی۔ وہ لوگ جو راجہ ہیرا سنگھ کے دوست اور خیر خواہ تھے، وہ بھی اُنہیں قتل کرنے کے لئے لاہور سے دوڑ پڑے۔ اور جب سردار جواہر سنگھ اور مصر لال سنگھ نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کو ساتھ رکھ کر دربار لگایا تو فوج کے افسروں نے راجہ ہیرا سنگھ، سوہن سنگھ اور پنڈت جلہا وغیرہ کے سروں کو دربار میں نذر کے طور پیش کیا۔ اور باقی لوگوں نے نذر کے ساتھ مبارکباد پیش کی۔ بڑے بڑے سرداروں، دربار کے امیروں اور افسروں نے نذریں پیش کر کے اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ مصر لال سنگھ اور سردار جواہر سنگھ

کو مہارانی جنداں نے خطاب راجگی عطا کیا۔ اور عہدہ وزارت سے راجہ جواہر سنگھ کو سرفراز کر دیا۔ ابھی دربار میں یہ بھی مشورہ ہوا کہ راجہ گلاب سنگھ اپنے بھائیوں اور فرزندوں کے مارے جانے سے بے حد مایوس اور پریشان ہو گا۔ یہ خاندان جموں کا پرانا اور سب سے طاقتور فرد ہے۔ اس وقت اُس کی پریشانی سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ چنانچہ بابا میاں سنگھ اور دیوان رتن چند کو مہارانی جنداں کی طرف سے گلاب سنگھ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا کہ وہ جموں جا کر گلاب سنگھ سے راجہ ہیرا سنگھ کی جائداد کا مطالبہ کریں۔

مہارانی جنداں کا پیغام ۔ راجہ گلاب سنگھ ابھی اپنے بیٹے اور بھتیجے کے کریا کرم سے بمشکل فارغ ہوا تھا کہ سردار شام سنگھ اٹاری والے اور راجہ لال سنگھ کو جسروٹہ، سمانیہ اور رام گڑھ پر قبضہ کرنے کے لئے مہارانی جنداں کی طرف سے مامور کئے جانے کی خبر پہنچی۔ اسی خبر کے ساتھ ساتھ دیوان رتن چند اور بابا میاں سنگھ بطور ایلچی راجہ گلاب سنگھ سے ملنے کے لئے لاہور سے جموں آ گئے۔ جنہوں نے پہلے تو راجہ گلاب سنگھ سے اُس کے بیٹے میاں سوہن سنگھ کی موت کا افسوس کیا۔ پھر جنداں کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ "راجہ ہیرا سنگھ اور پنڈت جلہا نے مہارانی کی شان میں اور راجہ سوچیت سنگھ کو مارنے کی نسبت جو بے ادبی کی تھی وہ ظاہر ہے۔ مگر میاں سوہن سنگھ کے انتقال کا بہت افسوس ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے کافی کوشش کی کہ وہ راجہ ہیرا سنگھ سے جدا ہو جائے۔ مگر اُس نے ہماری بات نہ مانی۔ تقدیر کے ساتھ کچھ چارہ نہیں ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب مناسب یہی ہے کہ راجہ ہیرا سنگھ کا علاقہ اور راجہ سوچیت سنگھ کا نصف ترکہ، جس کا وعدہ راجہ ہیرا سنگھ کے ساتھ ہوا تھا، ہمارے حوالے کر دو۔ اور راجہ دھیان سنگھ کے دوسرے بیٹے جواہر سنگھ کو بھی لاہور ہمارے پاس بھیج دو۔"

گلاب سنگھ نے رانی جنداں کا مطالبہ سُنا۔ سُن کر دریافت کیا کہ اور بھی کچھ کہا ہو گا مہارانی جی نے؟ تو بابا میاں سنگھ نے کہا "یہ بھی آپ سے کہا گیا ہے کہ آپ نے جو پچھلے دو ایک سال سے گُنتا خانہ روپیہ لاہور دربار سے رکھا ہوا ہے، اُس کی پاداش میں تین کروڑ روپیہ جرمانہ کے طور آپ سے طلب کیا گیا ہے۔"

گلاب سنگھ بُت مانند بیٹھا تھا اور غم سے نڈھال تھا۔ بابا میاں سنگھ کی بات

مہارانی جنداں

مہاراجہ دلیپ سنگھ

سن کر طیش میں آ گیا اور دیوانہ ہو کر بولا "میرے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجوں کا خون پی کر بھی آپ لوگوں کی پیاس نہیں بجھی کہ اب مجھ پر پنجہ ڈالنے کا ارادہ ہے؟ میں ایسا کم ظرف نہیں کہ ڈر کر آپ کی اس مطلق العنانی اور سینہ زوری کے تابع ہو جاؤں گا۔ مہارانی جنداں اور راجہ سوچیت سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ کی ملکیت اور وراثت کا جو دعوےٰ کرتی ہیں، اس کے متعلق میں سوچ کر جواب دوں گا۔ لیکن ۳ کروڑ روپیہ کا جرمانہ جو مجھ پر کیا گیا ہے، وہ میرے کس قصور کی بناء پر ہے؟ ہم مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نمک خوار ہیں۔ اور میرا سارا خاندان اُن کی رعایا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وارثوں کے ناجائز اور بے انصافی کے احکام کے سامنے آنکھیں بند کئے سر جھکا دوں۔ میں آج بھی دربار لاہور کا وفادار اور خیر خواہ ہوں۔ میری طرف سے بے شک بی بی جنداں سے یہ عرض کر دی جائے کہ دربار نے جو طور طریقے اختیار کر رکھے ہیں، یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بنائی ہوئی سلطنت کو تباہی اور بربادی کے گڑھے میں دھکیلنے کا سبب بنیں گے"۔ راجہ گلاب سنگھ نے رانی جنداں کے پیغام میں مزید کہا کہ "میں یہ پسند نہیں کرتا کہ جواہر سنگھ کو اُن ہی لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے جن کے ہاتھ ابھی دھیان سنگھ اور ہیرا سنگھ کے خون سے بھرے ہوئے ہیں۔"

ڈاکٹر ہری رام گپتا ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی کے ایک مضمون میں درج ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد جتنے راجے گدی پر بیٹھے، وہ سب کے سب کمزور، سلابہ راہ، عیش پرست اور غیر دیانت دار تھے۔ خالصہ فوج کی طاقت بڑھ رہی تھی۔ نکمے حکمران وقتی مصلحتوں کی خاطر فوج کو اکساتے رہتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وُہ خود فوج کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔ فوج میں صرف جوش تھا، سوچ بچار اور سیاست و دانش کم۔ یہی حالت سرکاری عملے کی تھی۔ ایک طرف طاقت پکڑی فوج نے مُلک میں اُودھم مچانا شروع کر دیا۔ دُوسری طرف ٹیکس فراہم کرنے والے اہلکاروں، پٹواری، قانُونگو، تحصیلدار اور جاگیردار مل کر رعایا کو لُوٹنے لگے۔ ہر طرف ایک لُوٹ سی مچ گئی۔ اور ایک طوائف الملوکی سی سارے پنجاب میں پھیل گئی۔ ایسے وقت میں رانی جنداں اور اُس کے مشیروں راجہ جواہر سنگھ اور راجہ لال سنگھ نے سکھ فوجوں کو گلاب سنگھ کے خلاف دھکیل دیا۔ اور جموں، جسروٹہ اور رام نگر میں روپیہ پیسہ اور دولت کے بے انداز انباروں کے

سبز باغ دکھائے۔

جموں خالصہ افواج کے گھیرے میں ۔ جب راجہ گلاب سنگھ نے مہارانی جنداں کی طرف سے آئے ہوئے ایلچیوں کو جتایا اُس کی ہر بات سے انکار کر دیا تو وُہ واپس چلے گئے۔ گلاب سنگھ نے بھانپ لیا کہ اب دربار لاہور کی فوجیں حملہ کرنے کے لئے آنے ہی والی ہیں۔ چنانچہ جسروٹہ سے خبر آئی کہ سردار شام سنگھ اور راجہ لال سنگھ نے جسروٹہ پر قبضہ کر لیا۔ راجہ جواہر سنگھ وہاں سے بھاگ کر جموں آگیا ہے اور جسروٹہ کا وزیر بچیا جٹ غداری کر کے دشمنوں سے مل گیا ہے۔ میاں نہال[1] سنگھ خالصہ فوج کے مقابلہ کے لئے سانبہ پہنچا۔ جموں سے اس کے عیال و اطفال بھی اُس کے پیچھے سانبہ چلے آئے تو یہ بھی دشمن سے جا کر مل گیا۔ اُس نے اسی پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ دشمن کو سارے راستے بھی بتا دیئے۔ اور سانبہ کے بھی سرکردہ راجپوتوں کو اپنے ساتھ شامل کر کے براستہ کلی اُوتر بینی اور پرمنڈل جموں پر دشمن کی چڑھائی کرا دی۔ گوڑہ سلاتھیاں کے راجپوتوں نے زبردست مقابلہ کیا۔ دو طرفہ کافی جوان تہ تیغ ہوئے۔ دشمن نے گوڑہ سلاتھیاں کو جلا دیا۔ بہادر راجپوت سلاتھیاں نے اپنے عیال و اطفال جنگلوں میں چھپا دئے اور خود سینہ سپر ہو کر لڑتے رہے۔

اسی طرح راجوری سے خبر آئی کہ راجہ فقیر اللہ خان راجوری والا باغی ہو گیا ہے۔ اور اُس نے پونچھ اور نوشہرہ پر چڑھائی کر دی ہے۔ راجہ جواہر سنگھ کی فوج جو نوشہرہ میں تھی وُہ بھی بھاگ گئی۔ حاصل کلام یہ کہ ایک شورش عظیم بپا ہو گئی۔ کرنیل اوم سنگھ کی کمان میں سرکار لاہور کا لشکر جو ہزارہ میں مقیم تھا، اُس نے ہزارہ اور کہوٹہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے کاردار میاں ٹھٹھو[2] کو بھاگنا پڑا۔ جسروٹہ پر قبضہ کے بعد سردار شام سنگھ کے توپ خانہ نے سانبہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ علاقے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سوچیت سنگھ کو جاگیر میں دئے ہوئے تھے۔ اسی ہنگامہ کے دوران پنجاب میں راجہ گلاب سنگھ کو جتنے

---

[1] میاں نہال سنگھ پہلے راجہ سوچیت سنگھ کا وزیر تھا۔ جب راجہ سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کی لاہور میں لڑائی ہوئی تو یہ ہیرا سنگھ سے جا کر مل گیا اور اپنے مالک سوچیت سنگھ سے بے وفائی کی۔ ہیرا سنگھ کے مرنے کے بعد یہ راجہ گلاب سنگھ کے پاس تھا۔ [2] مہاراجہ گلاب سنگھ کا داسی پتر۔

علاقے اجارہ پر ملے ہوئے تھے مثلاً گجرات، قادر آباد، دھنی اور پنڈ دادنخان وغیرہ، وُہ بھی چھینے گئے۔ خواص پور اور دھوریا کے زمینداروں نے بھی اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر بغاوت کر دی۔ راجہ لال سنگھ مختار عام رانی جنداں نے بذاتِ خود حملہ کی کمان اختیار کی ہوئی تھی۔ ایسے موقعہ پر کوئی اور پست ہمت ہوتا تو گھبرا جاتا۔ لیکن راجہ گلاب سنگھ نے اپنے تمام کمانڈروں کے نام احکام جاری کئے کہ وُہ اپنی سپاہ کو جنگ کے لئے تیار بر تیار کر رکھیں۔ دیوان ہری چند کو علاقہ بارہ سے جموں بُلا لیا گیا۔ وزیر لکھپت کو گھوڑی (مظفر آباد) سے جلد جموں پہنچنے کا حکم دیا گیا۔ میاں جواہر سنگھ اور وزیر رتنوں قادر آباد سے جموں بُلا لئے گئے۔ اُدھر مصر امیر چند برادر راجہ لال سنگھ گجرات اور بار کے علاقہ پر قابض ہو گئے۔

یہ موقعہ بے حد نازک تھا۔ دربار لاہور، جس کی روش ہمیشہ دوستانہ رہی، اب لڑائی پر آمادہ تھا۔ سکھ سردار جنہوں نے راجگان جموں پر کبھی اعتماد نہ کیا تھا، دربار لاہور کی طرف سے اُن کے خلاف غداری کے غلط اور بے بُنیاد الزام لگا کر انتقام کے درپے تھے۔ غلط افواہیں پھیلائی گئیں۔ یہاں تک کہ جموں کے سارے علاقے میں راجپوتوں کو بھی راجہ گلاب سنگھ کے خلاف بغاوت پر اُکسایا گیا۔ لیکن گلاب سنگھ نے ہمت نہ ہاری۔ وُہ حالات کا پوری طرح جائزہ لے رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ اِس مصیبت اور طوفان سے کیسے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ سردار چتر سنگھ اٹاری والا جو کہ جموں میں رانی جنداں اور اُس کے مشیروں سے تنگ آ کر راجہ گلاب سنگھ کی پناہ میں آیا ہوا تھا۔ اُس نے کوشش کی کہ سکھ افواج کو ایسے جارحانہ حملہ سے روکا جائے۔ لیکن وُہ بھی ناکام رہا۔ غرضیکہ فوج خالصہ نے چاروں طرف سے یورش کی۔ دی رجمنٹ کا لشکر جس کا خاندان سلاتھیہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا، جموں سے مُنہ موڑ کر رام گڑھ چلا گیا تھا۔ سلاتھیوں کی امداد کے لئے جموں سے بھی کچھ فوج وزیر رتنوں اور کرنل بجے سنگھ کی کمان میں پہنچ گئی تھی۔ سردار رنجودھ سنگھ مجیٹھیہ حاکم کانگڑہ معہ افواج راجگان کوہستان کانگڑہ براستہ بسوہلی خالصہ فوج کے ساتھ سانبہ کے مقام پر شامل ہو گیا۔ سردار منگل سنگھ نے مناور کو گھیر لیا۔ راجہ راجوری نے بُدھل اور رانس کے علاقوں میں فساد شروع کرا دیا۔ نوشہرہ سے فیض طلب خان نے راجہ جواہر سنگھ کے ملازم کمان افسر سردار دُول سنگھ کی غداری سے فائدہ اُٹھایا۔ اُس نے اُسے ساتھ

لیا اور پونی پر حملہ کر دیا۔ خالصہ فوج کے کچھ افسروں نے رہتاس کی طرف سے قلعہ منگلا پر قبضہ کی کوشش کی۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کی مُہر سے ایک فرمان لاہور میں تیار کیا گیا جو کہ گورنر کشمیر کے نام تھا کہ وُہ خود فوج لے کر کشتواڑ پر قبضہ کر لے۔ اُس کے بعد جموں پر حملہ کرنے کے لئے جموں کے نیچے پہاڑی علاقوں کو روندتا ہوُا آ پہنچے۔ غرضیکہ خالصہ فوج نے چاروں طرف سے راجہ گلاب سنگھ کے مقبوضہ علاقوں پر گھیرا ڈال دیا۔ مگر راجہ نے اپنے حوصلہ کو برقرار رکھا اور چٹان کی مانند قائم رہا۔ اُس نے دیوان ہری چند کے سپُرد اپنے محل کی حفاظت کی۔ لداخ کے شہرت یافتہ جرنیل وزیر زتنوں اور راجہ جواہر سنگھ کو جموں شہر کے بچاؤ کی ذمہ داری حوالے کی۔

راجہ گلاب سنگھ سے نامہ و پیام۔ راجہ لال سنگھ کی فوجیں پے بہ پے منزلیں طے کرتی اور لڑتی ہوئی جموں سے دس کوس نیچے آ پہنچیں۔ اور تھوڑے دن راجہ لال سنگھ نے یہاں قیام رکھا کہ جموں اپنے محل وقوع کے لحاظ سے ناقابل تسخیر ہے۔ اُس نے خیال کیا کہ لڑائی سے شاید وُہ مقصد پورا نہ ہو جس کی خاطر اتنی تیاری کی ہے۔ پہلے راجہ گلاب سنگھ کے پاس سردار فتح سنگھ مان کو بطور سفیر بھیجا جائے جو کہ اُسے جاکر سب نشیب و فراز سمجھائے۔ چنانچہ سردار فتح سنگھ مان وزیر بچنا اور منشی گنپت ملازم راجہ ہیرا سنگھ کو ساتھ لے کر راجہ گلاب سنگھ کے پاس حاضر ہوُا۔ راجہ گلاب سنگھ نے سردار فتح سنگھ مان کو جواب دیا کہ "میں سورگیہ مہاراجہ کا پروردہ ہوُں۔ پہلے بھی میں یہ بات کہہ چکا ہوں کہ میں ہرگز ہرگز فوج خالصہ کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا۔ میرے بھائی اور بچے خالصہ فوج کے ہاتھوں مارے گئے۔ لیکن میں نے کوئی شکایت نہیں کی۔ یہاں خاموشی سے بیٹھا ہوں اور قدرت کے رنگ دیکھ رہا ہوُں کہ جس دربار لاہور کو میں نے اور میرے خاندان نے اپنا خون پسینہ ایک کرکے چمکایا اور ترقی دی، اُسی کی فوجیں میرے خاندان کو تباہ کرکے اب میرے نیچے آ پڑی ہیں۔ مجھے دربار لاہور کے احکام بسر و چشم منظور ہیں بشرطیکہ مہارانی جنداں اور اُس کے درباری یہ عہد کریں کہ وُہ دوبارہ میرے علاقے پر دست بُرد نہ کریں گے . . . . راجہ ہیرا سنگھ کی جائداد جو کچھ جواہر سنگھ کے قبضہ میں ہے اور جسروٹہ کا علاقہ جس پر فوج خالصہ نے پہلے سے قبضہ کر لیا ہے آپ کے حوالے کرنے میں مجھے کوئی اعتراض و انکار نہیں۔

سفیر کے قتل کا حادثہ

راجہ گلاب سنگھ کا جواب لے کر سردار فتح سنگھ مان معہ بچنا اور گنپت کے راجہ لال سنگھ کے پاس واپس روانہ ہوا۔ راجہ گلاب سنگھ نے وزیر زور آور فرزند وزیر لکھپت کو اُن کے ساتھ بھیجا کہ وہ اُنہیں گمٹ کے دروازہ تک پہنچا آئے۔ لیکن تقدیر میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ جموں کے اکثر فوجی وزیر بچنا جٹ اور گنپت منشی کی نمک حرامی اور غداری کی وجہ سے سخت ناراض تھے جو کہ ان دو ملازمین راجہ ہیرا سنگھ نے جسروٹہ میں راجہ لال سنگھ کے ساتھ ملنے سے کی تھی۔ اور جب یہ ہاتھی پر سوار جا رہے تھے تو میاں دیوان سنگھ رائے پوریہ جس کے چار نوجوان بیٹے اور بھتیجے راجہ ہیرا سنگھ کے ساتھ خالصہ فوج کے ہاتھوں مارے گئے تھے، اشتعال میں آگیا۔ ستر سالہ بوڑھا برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے آواز دی کہ دشمن جانے نہ پائے۔ اتنے میں بچن سنگھ سوار شرارتاً بول اُٹھا کہ یہ غدار ہیں۔ ان کو ختم کر دینے کا حکم ہے۔ اس پر چاروں طرف سے گولی برسنے لگی اور وزیر زور آور کی تمام کوششوں کے باوجود کوئی کامیابی اس سیلِ فنا کو روکنے میں نہ ہوئی۔ سردار فتح سنگھ مان کی لاش ہاتھی پر سے نیچے آگری۔ بچنا اور گنپت ہاتھی کے اُوپر ہی تڑپ رہے تھے کہ ہاتھی گولی کی بوچھاڑ سے گھبرا کر گمٹ کے نیچے کی طرف" جہاں کہ بڑا گھنا جنگل تھا بھاگا۔ ان دونوں کا خاردار درختوں میں پھنس کر بُری طرح کام تمام ہوا۔ راجہ گلاب سنگھ کو پتہ لگا تو وہ دوڑتا گمٹ کے دروازے پر پہنچا۔ اُسے بے حد رنج ہوا۔ بسا اوقات وہ ذکر کیا کرتا تھا کہ سردار فتح سنگھ مان کی موت میرے بھائیوں اور بچوں کی موت سے بھی بڑھ کر میرے لئے باعثِ رنج و ملال ہے۔

جموں پر حملہ

جب یہ خبر خالصہ کیمپ میں پہنچی تو افواج نے جموں پر حملہ کر دیا۔ سردار شام سنگھ کی فوج قلعہ رام گڑھ پر دوڑی۔ راجہ لال سنگھ نے قلعہ دیوی گڑھ پر حملہ کر دیا۔ سکھ افواج نے جموں کے ارد گرد کے دیہات کو آگ لگا دی۔ دیوی گڑھ کے قلعہ پر سکھوں کے حملہ کے متعلق اُس وقت کے قلعہ دار دیوان ارجن مل گوندلیہ کی خود نوشت ڈائری بہ زبان فارسی میں لکھا ہے کہ "خالصہ افواج لاہور کے مقام شاہدرہ سے دو حصوں میں منقسم ہو کر روانہ ہوئیں۔ افواج کا ایک

Scanned with CamScanner

حصہ خورد سردار رنجودھ سنگھ کے ہمراہ جسروٹہ کی جانب روانہ ہؤا۔ اور ڈیرہ کلاں یعنی دُوسرا بڑا حصہ فوج معہ جرنیل سیوا سنگھ۔ جرنیل بسنت سنگھ ولد میہاں سنگھ اور جرنیل ماکھی خان یہ ہمراہی توپ خانہ الٰہی بخش جموں کی طرف آیا اور متصل قلعہ دلوی گڑھ مقیم ہؤا۔ خالصہ فوج کے افسران نے قلعہ دار ارجن مل کے پاس قلعہ میں آکر کہا کہ اگر تم یہ قلعہ ہمارے حوالے کر دو تو تمہاری لاہور دربار میں بڑی قدر و منزلت کی جائیگی ورنہ ایک ہی دن میں قلعہ کو گولہ باری کرکے اُڑا دیا جائے گا اور تمہیں جلھا پنڈت کی طرح خوار کرکے ہلاک کر دیا جائے گا۔ ارجن مل نے جواب دیا کہ راجہ گلاب سنگھ جموں میں گمٹ دروازہ پر ایک لاکھ سپاہی اور توپ خانہ لے کر آپ لوگوں کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب آپ یہاں گولہ باری کریں گے تو سرکار یہاں پہنچ کر آپ کو جنگ کا مزا چکھا دیں گے۔ اگر آپ قلعہ دلوی گڑھ پر قبضہ کرنے کے اتنے ہی خواہش مند ہیں تو جموں جا کر راجہ گلاب سنگھ سے بات چیت کریں۔ مَیں تو جب تک دم میں دم ہے قلعہ حوالے نہیں کروں گا"۔ اس پر سکھ فوج نے مورچہ بندی پر توپیں لگا کر گولہ باری شروع کر دی۔ دیوان ارجن مل اپنی سوانح حیات میں رقمطراز ہے کہ سکھ فوجیوں کے ایک گروہ نے بحکم خالصہ افسران ہمارے رشتہ داروں کو، جو کہ مواضعات جمال چند اور سعی کلاں میں رہتے تھے، گرفتار کر لیا اور اُن کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ مجھے یہ خبر قلعہ میں پہنچا دی گئی کہ "تمہارے رشتہ داروں کو قید کر لیا گیا ہے۔ اب تمہارے گھر موضع جاوڑہ (تحصیل رنبیر سنگھ پورہ) میں جا کر تمہارے کُنبہ کے تمام مرد و زن اور بچّوں کو ہلاک کر دیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم قلعہ کو چھوڑ دو"۔ لیکن مَیں اِن تمام باتوں سے بے نیاز اپنے فرض کو ذمہ داری سے نبھاتا ہؤا قلعہ میں ڈٹ کر سکھوں کا مقابلہ کرتا رہا۔

اِسی اثناء میں سردار رنجودھ سنگھ جسروٹہ کو فتح کرکے قلعہ رام گڑھ پر حملہ آور ہؤا۔ قلعہ کے سپاہی اور داروغہ توپوں کے ڈر سے قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور تھانہ دار قلعہ رام گڑھ جنگی بلوال اپنے ساتھ چند سپاہی لے کر گمٹ دروازہ جموں میں راجہ گلاب سنگھ کے پاس فریادی ہؤا کہ سرکار! سکھوں کا بے انداز لشکر چڑھ آیا اور جرنیل رنجودھ سنگھ نے قلعہ رام گڑھ پر توپیں گاڑ دی ہیں۔ ہم جان بچا کر یہاں آئے ہیں۔

کہ سرکار کو رپورٹ کریں۔ راجہ گلاب سنگھ نے غصہ میں کہا کہ ارجن مل تو مہاجن ہوتے ہوئے قلعہ دیوی گڑھ میں توپوں کا مقابلہ کر رہا ہے اور سکھوں سے برسرِپیکار ہے اور تم راجپوت ہوتے ہوئے قلعہ چھوڑ کر بھاگ آئے۔ چنانچہ اسی ناراضگی میں راجہ گلاب سنگھ نے جنگی بلوال کا سر تلوار کے وار سے دھڑ سے الگ کر دیا۔ تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

قلعہ دیوی گڑھ میں آٹھ دن تک خالصہ توپوں کا ارجن مل اپنی مٹھی بھر سپاہ کو لے کر مقابلہ کرتا رہا۔ اسی دوران خالصہ افواج کے چند ایک معتبران نے جموں میں جا کر گلاب سنگھ سے ملاقات کی اور قلعہ دیوی گڑھ کو خالی کر دینے کا فیصلہ ہوا۔ راجہ گلاب سنگھ نے ارجن مل کے نام پروانہ صادر کر کے بدست چوہدری عالم ارسال کیا۔ جس میں لکھا تھا کہ تم نے شرطِ نمک حلالی ادا کر دی ہے۔ قلعہ سکھوں کے حوالے کر کے خود ہمارے پاس جموں حاضر آجاؤ۔

اسی طرح دیوان ارجن مل[2] کا بڑا بھائی دیوان کنہیا لال قلعہ مناور میں بجا آوری

[1] گلاب نامہ فارسی مصنفہ دیوان کرپا رام صفحہ ۳۰۸ - [2] دیوان کنہیا لال اور ارجن مل مؤلف کے پڑدادا دیوان دیوی دتہ مل کے بڑے بھائی تھے جو کہ دربار لاہور میں راجہ دھیان سنگھ کے ساتھ اور بعد میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے خاص اہلکاروں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ جب ۱۸۴۵ء اپریل میں جموں کو خالصہ افواج نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو دیوان کنہیا لال کو مناور قلعہ میں سردار منگل سنگھ کی فوجوں نے محصور کر لیا۔ دیوان ارجن مل نے قلعہ دیوی گڑھ میں مردانگی سے دشمن کا مقابلہ کیا اور دیوان دیوی دتہ مل نے ستواری کی جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ دیوان کنہیا لال کے متعلق آج تک یہ کہانی زبان زد عام ہے کہ انہوں نے یاہو کا ٹاہو بنا کر لاکھوں روپیہ کا علاقہ ریاست جموں و کشمیر میں شامل کرا دیا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ جب انگریزوں کے ساتھ حد بندی ہونے لگی تو مہاراجہ گلاب سنگھ کے دشمنوں نے یاہو کے قلعہ کے پاس نشاندہی کی کہ یاہو کا راج جموں سے علیحدہ تھا لیکن دیوان کنہیا لال نے موقعہ پر پہنچ کر انگریز افسر کو نقشہ دیکھتے ہوئے کہا کہ "صاحب بڑی بھاری غلطی کر رہے ہیں۔ آپ کو جہاں حد بندی کرنی مطلوب ہے یہ یاہو نہیں بلکہ ٹاہو ہے اور ٹاہو کا گاؤں یہاں سے تیرہ میل نیچے ہے۔ اس پر ٹاہو دسوچیت گڑھ کے مقام پر حد بندی مقرر ہوئی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے حکم سے سیالکوٹ اور جموں کی سرحد پر برجیاں لگانے کا کام دیوان ارجن مل کے سپرد رہا۔ اسی طرح ہمارے خاندان کے روزنامچہ میں جو کہ فارسی زبان میں دیوان ارجن مل نے دربار لاہور اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہدِ حکومت کا لکھا تھا۔ اس میں تمام حالات درج ہیں۔ دیوان ارجن مل نے مہم لداخ کی بھی ایک ڈائری فارسی زبان میں لکھی ہوئی ہے جو کہ مؤلف کے پاس موجود ہے۔

فرائض میں مستعد تھا کہ سردار منگل سنگھ کی افواج نے مناور پر حملہ کر دیا۔ ایک ماہ تک مقابلہ ہوتا رہا۔ لیکن حادثہ یہ ہوا کہ جب قلعہ کے اندر سپاہیوں کو غلط اور بے بنیاد افواہ پہنچا دی گئی کہ سکھوں نے جموں پر قبضہ کر لیا اور سارے دیس میں رانی جنداں کی دہائی پھر رہی ہے تو اُن میں سے اکثر سپاہی قلعہ سے باہر نکل آئے اور سردار منگل سنگھ کی فوجوں سے مل گئے۔ سکھوں کی فوج نے قلعہ میں داخل ہو کر کنہیا لال کو گرفتار کر لیا۔ اور منگل سنگھ نے بہار امنہاس ہمیر پور سدھڑ والے کو ترغیب دی کہ وُہ کنہیا لال کو قتل کر دے۔ کنہیا لال سردار منگل سنگھ اور اُس کے فوجیوں سے دیرینہ واقفیت رکھتا تھا۔ کیونکہ لاہور دربار کی طرف سے کئی معرکوں میں اکٹھے گئے تھے۔ تو اُس نے اُن سکھ فوجیوں کو اپنے اعتماد میں لے لیا اور اُنہیں کہا کہ "مجھے سردار منگل سنگھ کے چنگل سے نجات دلا کر لاہور لے چلیں کیونکہ وہ مجھے مروانا چاہتا ہے۔ اور وہاں جا کر راجہ لال سنگھ اور راجہ جواہر سنگھ (برادر رانی جنداں) کے حوالے کر دیں۔ میں اُن کی خوشنودی حاصل کر لوں گا۔ اور خدمت گذاری کا وُہ حق ادا کروں گا کہ لاہور دربار کو بہت زیادہ فائدہ ملے گا"۔ خالصہ سپاہی کنہیا لال کو اپنے کیمپ کے ساتھ لاہور لے گئے۔ اور وہاں راجہ لال سنگھ اور راجہ جواہر سنگھ کے پاس پیش کر دیا۔ اور التماس کی کہ ہم آپ کے پاس پانچ لاکھ روپیہ کی اسامی لائے ہیں۔ راجہ لال سنگھ اور جواہر سنگھ نے کنہیا لال سے روپیہ طلب کیا۔ وُہ کہاں سے دیتا؟ اِس پر اُنہوں نے کنہیا لال کو توپ خانہ میں قید کر دیا۔ اور اُسے سخت اذیتیں دی جانے لگیں۔

۲۳ اپریل ۱۸۴۵ء کو خالصہ افواج نے جموں پر حملہ کی خاطر شہر کا محاصرہ کر لیا اور ستواری کے میدان میں ایک خونریز جنگ ہوئی۔ دیوان ہری چند، وزیر زورآور اور دیوان نہال چند کی کمان میں ڈوگرہ افواج نے دشمن کو زبردست شکست دی اور اُن کی پانچ توپیں اور بہت سا سامانِ حرب اس جنگ میں راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ آیا۔ دیوان دیوی دتہ مل گوندلیہ نے اِس جنگ میں نمایاں بہادری دکھائی۔

صُلح کی بات چیت

لیکن دُوسرے دن پھر سکھ افواج کے دیہات میں گھومنے لوگوں کو لُوٹنے اور آگ لگانے کی خبریں جموں میں پہنچنے لگ گئیں۔ ڈوگروں نے کافی کوشش کی کہ اِس طرح کی لوٹ مار ختم ہو جائے۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ سکھ افواج کی جموں سے نیچے دیہات اور اردگرد سارے علاقے میں نقل و حرکت نے راجہ گلاب سنگھ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ یا تو اُسے جموں کے اندرون علاقہ میں

ہٹ جانا چاہیئے یا صلح کی بات چیت کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے دیوان جوالا سہائے اور اپنے خاص درباریوں کے مشورہ سے بات چیت کے طریق کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ گو سکھ سپاہ صلح جوئی کی باتوں کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن فوجی سرداروں نے اُسے واپس سیالکوٹ جا کر کیمپ لگانے کا حکم دے دیا۔ سردار سلطان محمد خان اور سردار چتر سنگھ اٹاری والے کو صلح کی شرطیں طے کرنے کے لئے مامور کیا گیا۔ یہ دونوں سردار راجہ گلاب سنگھ کے دوست اور احسانمند بھی تھے۔ سردار سلطان محمد خان کو لاہور دربار میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا منظورِ نظر راجہ گلاب سنگھ نے ہی بنایا تھا اور اُسے واپس کابل اپنے بھائی امیر کابل دوست محمد خان کے پاس نہیں بھیجا گیا تھا۔ سردار چتر سنگھ تو تھوڑے دن پہلے تک راجہ گلاب سنگھ کی پناہ میں تھا۔ چنانچہ دونوں سردار راجہ گلاب سنگھ سے ملے اور قرار پایا کہ لال سنگھ اور گلاب سنگھ کی ملاقات کرائی جا کر صلح کی شرطوں کو طے کیا جائے۔ اِس ملاقات کے لئے نالا ایکّو کا مقام مقرر ہوا لیکن راجہ گلاب سنگھ اور راجہ لال سنگھ کی ملاقات سے کچھ فیصلہ نہ ہو سکا کیونکہ راجہ لال سنگھ دو چار باتیں کر کے واپس چلا گیا۔ اور جب سردار سلطان محمد خان اور سردار چتر سنگھ اُسے چھوڑ کر واپس آئے تو انہوں نے پیغام دیا کہ اگر جواہر سنگھ برادر راجہ ہیرا سنگھ کو ہمارے حوالے کیا جائے تو سکھ گھروں کو لوٹ جائیں گے۔

جواہر سنگھ خالصہ حراست میں

راجہ گلاب سنگھ نے سردار سلطان محمد خان کے کہنے پر جواہر سنگھ کو خالصہ کیمپ میں بھیج دیا۔ وہ لشکر خالصہ میں پہنچا تو اُسے قید کر لیا گیا۔ راجہ گلاب سنگھ کو راجہ جواہر سنگھ کے قید کئے جانے کا علم ہوا تو اُس نے سخت پیچ و تاب کھایا۔ اُس نے دیوان جوالا سہائے کو بلا کر کہا کہ "راجہ جواہر سنگھ کو سکھوں نے قید کر لیا ہے۔ یہ اچھی بات نہیں۔ اب برادری کے لوگ اور جموں والے مجھے کیا کہیں گے کہ پہلے اُس کے باپ راجہ دھیان سنگھ اور پھر اُس کے بھائی راجہ ہیرا سنگھ کو سکھوں نے قتل کر دیا تھا۔ اس دشمنی کے ہوتے راجہ جواہر سنگھ کو اُن کے ہاتھ میں دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ تم خالصہ کیمپ میں جاؤ اور سرداران فوج سے مل کر کہو کہ عہد و پیمان کو توڑنا کہاں کی دلاوری ہے؟"

دیوان جوالا سہائے خالصہ کیمپ میں پہنچا۔ اُس نے سرداران سے مل کر صورت حالات کو درست رکھنے کے لئے زور دیا۔ لیکن سکھوں نے جواہر سنگھ کو چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔

بلکہ بخشی بھاگت رام سکھ فوج کے ایک کمان افسر نے کہا کہ "ہمیں تو مہاراجہ دلیپ سنگھ نے اس غرض سے بھیجا تھا کہ گلاب سنگھ کو قلعہ باہو میں قید کر کے جموں کا راج میاں رنگھبیر دیو کے حوالے کر دیں۔" دیوان جوالا سہائے نے جواب دیا کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ بذات خود تشریف لاتے تو قلعہ باہو اور ملک و مال کا کیا ذکر، ہماری جان تک حاضر تھی۔ جموں کا راج مہاراجہ دلیپ سنگھ کے باپ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کو عطا کیا تھا۔ پرانے بادشاہوں کی یہ روایت چلی آتی ہے کہ جس کسی کو انہوں نے ملک و دولت عطا کی، بعد کے فرمانرواؤں نے واپس نہیں مانگی۔ افسوس ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بخشی ہوئی ریاست کو ان کے وارث واپس مانگیں۔" دیوان جوالا سہائے کی باتوں کو اکثر فوجیوں نے پسند کیا لیکن بعض سردار بگڑ گئے اور اُسے قید کرنے کی تجویزیں کرنے لگے۔ اُدھر راجہ گلاب سنگھ دیوان جوالا سہائے کی انتظار میں بے حد بے قرار تھا۔ جب وُہ صبح سے گیا ہوا شام تک واپس نہ آیا تو راجہ گلاب سنگھ خود خالصہ کیمپ میں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

جموں کی سپردداری

چنانچہ دیوان جوالا سہائے سے سکھ فوجیوں کی راجہ جواہر سنگھ کے بارے میں تکرار جاری تھی کہ راجہ گلاب سنگھ کی آمد آمد کی صدا آنے لگی۔ تمام افسران اُن کے شایان شان استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ راجہ گلاب سنگھ بڑی جرأت کے ساتھ ذاتی طور پر سکھ سپاہیوں کے درمیان آ پہنچا۔ اور جرنیل سیوا سنگھ مجیٹھیہ کے کیمپ میں آکر دیوان جوالا سہائے کو وہاں بلا لیا۔ جموں شہر کے دروازہ گمٹ سے نکلتے وقت راجہ گلاب سنگھ نے دیوان ہری چند اور وزیر زنتوں کو بُلا کر کہا کہ "مَیں خالصہ کیمپ میں جا رہا ہوں۔ اگر مَیں مخالفین کے ہاتھ گرفتار ہو جاؤں یا زندہ نہ رہوں تو جموں اور قلعہ باہو جب تک کہ جموں کی مٹی جانباز ڈوگروں کے خون سے سُرخ نہ ہو جائے، ہاتھ سے نہ دیا جائے۔" راجہ گلاب سنگھ نے جرنیل سیوا سنگھ کے کیمپ میں پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ راجہ جواہر سنگھ کو قید سے چُھڑا کر جموں بھیج دیا۔ افسروں اور سپاہیوں میں فراخدلی کے ساتھ روپیہ تقسیم کیا۔ ہر سپاہی کو پانچ روپیہ اور ہر جرنیل کو ۲۵ ہزار روپیہ اور سونے اور چاندی سے جڑی ہوئی کاٹھی کے ساتھ ایک ایک صبا رفتار گھوڑا دیا۔ اس پالیسی سے کام لے کر اُس نے بعض سرداروں اور فوج کے بہت زیادہ حصہ کو اپنے حق میں کر لیا۔ اور سکھ سپاہ نے گرو گرنتھ صاحب کی قسم کھائی کہ اگر گلاب سنگھ اُن کے ساتھ لاہور چلے تو وُہ اُسے آنچ نہ آنے دیں گے۔ فوج کے چند سردار سنگھ دیا

ضرور ہوئے۔ لیکن فوج نے اُن کی ایک نہ سُنی اور تمام سپاہ واپس لاہور چلی گئی۔

گلاب سنگھ قیدی کی حیثیت میں

رانی جنداں کو جب واقعات کی اطلاع ملی تو وہ سخت ناراض ہوئی۔ اُس نے تو اپنی فوج کو گلاب سنگھ کو گرفتار کرنے کے لیے بھیج رکھا تھا۔ اور اُس کے تمام مال و املاک پر قبضہ کرنے کا حکم تھا جس کے لئے اپنی عظیم الشان ریاست کے تمام ذرائع وقف کر رکھے تھے۔ لیکن وہ دشمن جس کی گرفتاری کے لیے رانی جنداں بے چین تھی، اُس کی اپنی فوج کے سر پر لاہور میں وارد ہو رہا تھا۔ وہ فوج کے اس قسم کے رویہ پر بوکھلا اُٹھی اور حکم دیا کہ فوج نے جو کچھ کیا ہے اچھا نہیں کیا۔ اس پر فوج کا حصہ رانی جنداں کے خوف سے گلاب سنگھ کے خلاف ہو گیا۔ لیکن جرنیل سیوا سنگھ اپنی رجمنٹوں کے ساتھ گلاب سنگھ کا پُورا وفادار بنا رہا۔ الغرض گلاب سنگھ کے بارے میں سپاہ کا آپس میں تکرار و تنازعہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ڈیرہ لشکر شاہدرہ میں پہنچ گیا۔ سیوا سنگھ نے فوج کو پیچھے چھوڑا اور رانی جنداں اور دربار کو سارے حالات واضح کرنے کے لیے آگے آیا تو اُسے رانی جنداں کے حکم سے قلعہ میں قید کر لیا گیا اور سپاہیوں کو گلاب سنگھ پر حملہ کرنے کے احکام دے دیئے گئے۔ ایک موقعہ پر صورتِ حالات اس قدر نازک ہو گئی کہ گلاب سنگھ کو اپنے خاتمہ کا یقین ہو گیا۔ تاہم وُہ شیر مرد گھبرایا نہیں۔ اُسے اس وقت رنجیت سنگھ یاد آیا۔ اُس نے سوچا۔ یہ وہی لاہور ہے جہاں کہ دربار میں میرا سکہ چلتا تھا۔ اُسے راجہ دھیان سنگھ یاد آیا جس کی وزارتِ عظمےٰ کی شہرت مغل شہنشاہوں کی وزارت تھی۔ جو سلطنت لاہور کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ اُس کا حشر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اپنا جواں سال برادر زادہ راجہ ہیرا سنگھ یاد آیا جسے مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر پیار کرتا تھا۔ اور جس کا اثر و رسُوخ اپنے بادشاہ سے کم نہ تھا۔ اُسے راجہ سوچیت سنگھ یاد آیا۔ اپنے لختِ جگروں اُودھم سنگھ اور سوہن سنگھ سب کو یاد کرتا وُہ شاہدرہ سے لاہور چل پڑا۔ اُسے یہ یقین ہو چلا کہ اب وُہ زندہ واپس جموں نہیں جا سکے گا۔ اُسے یہ خیال آیا کہ جہاں میرے بھائی بیٹے اور برادر زادہ کے علاوہ ڈوگرہ سردار قتل ہوئے ہیں، اگر اُسی لاہور میں میرا بھی خاتمہ ہو جائے تو اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو گی۔ کوئی مجھے طعنہ دینے تو سُنائی نہ دے گا کہ سارے خاندان کو مروا کر خود زندہ رہا۔ لیکن جب تک سانس ہے آس ہے۔ اُس نے اپنی جان دے دینے سے پہلے ایک بار پھر سکھ فوجیوں کو گرفتہ صاحب

دلائی کہ اُنہوں نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وُہ اُسے بحفاظت لاہور پہنچا دیں گے۔ اُس نے کہا کہ چونکہ اب وُہ لاہور کے نزدیک پہنچ گیا ہے اُسے لاہوری سپاہیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اِس پر سکھ سپاہ رضا مند ہو گئی۔ اور گلاب سنگھ نے دیوان نہال چند کو شاہدرہ چھوڑ کر جوالا سہائے اور بخشی ہری سنگھ کے ساتھ دریائے راوی کو عبور کیا اور لاہور شہر میں داخل ہو گیا۔ جوں ہی پارٹی لاہور میں داخل ہونے لگی' رانی جنداں کا خاص حکم نامہ سپاہیوں کے نام پہنچا کہ "گلاب سنگھ کو گرفتار کر لیا جائے اور اسے فوجی گارڈ کی ماتحتی میں دربار میں پیش کیا جائے۔"

گلاب سنگھ کے لاہور پہنچنے پر عوام کا ایک بھاری مظاہرہ اُس کے انتظار میں تھا۔ وُہ شہر میں نصف شان اور نصف غلامی کے عالم میں داخل ہوا۔ اُسے معلوم تھا کہ وُہ ایک قیدی ہے لیکن عوام سمجھتے تھے کہ گلاب سنگھ بڑا دانا اور سمجھدار ہے۔ وُہ کسی نہ کسی صورت ان تمام مشکلات سے فتحمندی کا پھریرا لہراتے نکل آئے گا۔ جب گلاب سنگھ کو دربار میں لایا گیا تو حکم ہوا کہ اُسے قید تنہائی میں رکھا جائے اور اُسے کنور نونہال سنگھ کی حویلی میں نظر بند کر کے فوج کا پہرہ لگا دیا گیا۔ گلاب سنگھ کے ساتھ جتنے بھی ملازمین تھے سوائے دیوان جوالا سہائے کے کسی کو اس کے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔ دیوان جوالا سہائے سے راجہ جواہر سنگھ وزیر اعظم لاہور نے کہا کہ جب تک جموں کے خزانوں اور دفینوں کا پتہ نہ دو گے، گلاب سنگھ کی رہائی مشکل ہے۔

دیوان اجودھیا پرشاد گوندلیہ نے اپنے روزنامچہ میں لکھا ہے کہ جب گلاب سنگھ لاہوری سپاہیوں کے حوالے ہوا تو دریائے راوی کو کشتی سے عبور کیا۔ کشتی سے اترتے ہی دو ہاتھی موجود تھے۔ ایک پر راجہ گلاب سنگھ۔ دیوان جوالا سہائے اور لہنا پہلوان خدمتگار کو سوار کیا اور دُوسرے پر سادھو رام جوتشی۔ کِشنا برادر موہرا کمیدان۔ راقم یعنی بندہ ارجن مل اور بخشی ہری سنگھ سوار ہوئے۔ سکھ فوجیوں نے ہاتھیوں کے ارد گرد گھیرا ڈال لیا اور چلنے لگے۔ چنانچہ ہماری سواری کے ہاتھی کو اپنے ہاتھی کے ساتھ لانے کے لئے راجہ گلاب سنگھ نے اشارہ کیا۔ مہاوت نے ہمارے والا ہاتھی راجہ صاحب کے ہاتھی کے ساتھ کر دیا۔ تو راجہ گلاب سنگھ نے راقم کی طرف دیکھ کر کہا کہ سکھوں کی نیت بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ اِس لئے تم اور کِشنا واپس شاہدرہ میں جاؤ اور ان دھرم کرتے ہوئے سکھ فوجیوں

سے کہو کہ انھوں نے [illegible] پر جنہیں جموں سے اپنے ہمراہ لایا تھا اور یہاں آکر دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ سادھو رام جوتشی ہمارے ہاتھی پر سے اُتر کر راجہ صاحب کے ہاتھی پر چلا گیا اور راقم اور کرشنا واپس شاہدرہ آئے۔ اور اُن خالصہ فوجیوں سے ساری داستان راقم نے بیان کی اور چار سو کے قریب سکھ فوجی راقم کے ساتھ دریائے راوی کے پار آئے۔ جنھوں نے لاہور پہنچ کر سخت ہنگامہ کیا اور کہا کہ ہم گلاب سنگھ کو دھرم کا واسطہ دے کر لائے ہیں۔ ہمارے جیتے جی اس پر آنچ نہیں آسکتی۔ اگر ہماری دھرم شکنی ہوئی اور گلاب سنگھ کو کوئی گزند پہنچی تو اس کا نتیجہ بُرا ہوگا۔ دو تین دن گلاب سنگھ کے حمایتی سکھ گلاب سنگھ کی رہائی کی کوشش کرتے رہے اور چوتھے دن شاہدرہ سے چار صد اور سکھ فوجی آگئے جو کہ گلاب سنگھ کے ساتھ کئے ہوئے دھرم کو نبھانے پر بضد تھے۔ راقم بھی لاہور میں آگیا تھا۔ اور کنور نونہال سنگھ کی حویلی کے باہر جہاں کہ گلاب سنگھ کو نظر بند کیا گیا تھا، آنے جانے والوں کے ساتھ بات چیت کے دوران دھرم کرکے لانے اور گرنتھ صاحب کی قسم اُٹھانے کا معاملہ پیش کر دیتا۔ ایک دن سردار رتن سنگھ خالصہ فوج کا کمان افسر راجہ گلاب سنگھ اور دیوان جوالا سہائے سے ملنے آیا۔ تو راقم نے ڈیوڑھی پر روک کر اُس سے کہا کہ "یہ کہاں کی بہادری اور اصول دوستی ہے کہ [illegible] کی قسم اُٹھا کر ساتھ لے آنا اور یہاں آکر قید کر دینا۔" اُسے اُس سوگندھ کی یاد دلائی جو کہ اُس نے اپنی رجمنٹوں کے سپاہیوں کے ساتھ گرنتھ صاحب کی اُٹھائی تھی کہ وہ راجہ گلاب سنگھ پر لاہور میں کوئی آنچ نہ آنے دیں گے۔ راقم نے مزید کہا "سردار بہادر! یہ سب رانی جنداں اور راجہ لال سنگھ اور رانی کے بھائی جواہر سنگھ کی سازش ہے جو چاہتے ہیں کہ گلاب سنگھ کا جمع شدہ خزانہ اُن کی اپنی ذات کے کام آئے۔ سپاہیوں کو تو اس میں سے وہ ایک کوڑی دینے کے روادار نہ ہوں گے۔ راجہ گلاب سنگھ نے تم لوگوں کے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی اور تم سب نے مقدس گرنتھ کی قسم بھی اُٹھا رکھی ہے۔"

سردار رتن سنگھ نے جب یہ سُنا تو وہ سیدھا راجہ لال سنگھ کے پاس پہنچا اور راجہ گلاب سنگھ کی رہائی کا مطالبہ کر دیا کہ راجہ گلاب سنگھ کو قید کرنا سخت بے انصافی ہے۔ سکھ سپاہیوں نے اس امر کا اعلان کر دیا کہ اگر گلاب سنگھ کا بال تک بیکا ہوا۔ تو وہ ارکانِ حکومت سے انتقام لے کر چھوڑیں گے۔ ہم راجہ گلاب سنگھ کو سوگندھ کھا کے لائے

ہیں۔ اگر ہمارا عہد و پیمان توڑ کر انہیں تکلیف پہنچائی گئی تو اہلِ دربار کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ درباریوں میں اس سے پریشانی پیدا ہو گئی۔ اور راجہ لال سنگھ نے راجہ جواہر سنگھ سے کہا کہ جس طرح بھی ہو سکے سپاہ کو سمجھا کر دلجوئی کی جائے۔

گلاب سنگھ کی رہائی

دوسرے دن مہاراجہ دلیپ سنگھ کو راجہ جواہر سنگھ وزیرِ اعظم برائے ملاحظہ علیہ فوج پریڈ میاں میر میں لے گیا۔ جرنیل سیوا سنگھ قلعہ لاہور میں قید تھا۔ مگر اُس کی ذمہ داری جو کہ گلاب سنگھ کو دربار لاہور میں محفوظ رکھنے کی لی ہوئی تھی۔ سردار رتن سنگھ نے سنبھال لی تھی۔ اُس نے فوج کو پہلے ہی کہہ دیا کہ تم میں سے جو شخص اپنے عہد پر قائم ہے میرے ساتھ مُتفق رہے۔ لہٰذا تمام سپاہ نے دوبارہ بیک زبان ہو کر اپنے عہد و پیمان کو دوہرایا اور قاعدہ کے مطابق ہر ایک کمپنی سے دو دو جوان قلب گاہ لشکر میں جمع ہوئے جنہوں نے راجہ جواہر سنگھ کو مخاطب کر کے کہا کہ آگے قدم نہ بڑھانا۔ کیونکہ فوج خالصہ پکار رہی ہے کہ ہم سوگندھ کر کے راجہ گلاب سنگھ کو لائے تھے۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو اُسے اُسی احترام کے ساتھ جموں واپس پہنچا دو ورنہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو ابھی ہاتھی پر سے اُتار کر اسی جگہ سنگین سے خاک و خون میں ملا دیں گے۔

یہ مطالبہ سُن کر اہلِ دربار، راجہ جواہر سنگھ اور لال سنگھ گھبرا گئے کہ ایسا نہ ہو فساد برپا ہو جائے اور ہم سب مارے جائیں۔ ناچار راجہ گلاب سنگھ کو دوستانہ پیغام بھیجا اور اُس پر سے پہرہ اُٹھا لیا۔ دوسرے دن اُسے دربار میں بُلایا گیا اور پنجاب میں اُس کی تمام اراضیات اُسے واپس کرنے کے احکام جاری کئے گئے۔ اور کان ہائے نمک کی مستاجری کی بھی تجدید کر دی گئی۔

گلاب سنگھ اور رانی جنداں

راجہ گلاب سنگھ رانی جنداں کے بُلاوے پر ثمن بُرج میں گیا۔ راجہ لال سنگھ نے اُس کا استقبال کیا۔ دیوان نہال چند کو راجہ گلاب سنگھ نے رہائی پاتے ہی شاہدرہ سے لاہور بُلا لیا تھا۔ چنانچہ گلاب سنگھ نے رانی جنداں کو دستور کے مطابق چار لاکھ روپیہ نقد، چار ہاتھی، چار گھوڑے معہ ساز طلائی و نقرئی، پچیس شتر، چار باز، اکیس بنتکی طلائی نذر گزاری۔ اور اکیس سو روپیہ مہاراجہ دلیپ سنگھ پر سے وارنہ کیا۔ مہارانی نے راجہ دھیان سنگھ بسوجیت سنگھ،

اُدھم سنگھ، سوہن سنگھ اور ہیرا سنگھ کے مارے جانے کا افسوس کیا اور راجہ گلاب سنگھ کو ہر طرح سے تسلی دی کہ اُس کے ساتھ جو بے ادبی اور بدسلوکی یہاں آکر ہوئی ہے، وہ دِل میں نہ رکھے اور ناراض نہ ہو۔ اس کے لئے بھی اظہارِ افسوس کیا گیا۔ اور راجہ گلاب سنگھ کو کہا گیا کہ نمک کی متاجری اور اراضیات کا جو روپیہ ۶۸ لاکھ کے قریب بنتا ہے، جلد ہی داخل خزانہ کرے۔ پھر مہارانی نے حکم دیا کہ راجہ گلاب سنگھ کو ہاتھی پر سوار کر کے حویلی میں پہنچایا جائے۔ اور راجہ لال سنگھ اُس کا چھتری بردار ہو کر اُس کی اردل میں جائے۔ چنانچہ راجہ گلاب سنگھ کی سواری جب حویلی کو جانے لگی تو مہارانی کے حکم سے اُس کے سر پر سے اشرفیاں نچھاور کی گئیں۔

گلاب سنگھ واپس راجدھانی میں

راجہ گلاب سنگھ اپریل سے اگست ۱۸۴۵ء تک لاہور میں مقیم رہا۔ اس دوران میں اُس نے اپنا وقت سکھ سپاہ میں ہر دلعزیز بننے میں صرف کیا۔ مہارانی جنداں نے ہر چند مجبور کیا کہ دربار لاہور کی حالت سُدھاری جائے۔ لیکن راجہ گلاب سنگھ نے کہا کہ مجھے واپس جموں جانے دیا جائے اور میرے علاقوں پر جو سکھ سپاہ نے قبضہ کیا ہوا ہے، اُسے اُٹھا لیا جائے۔ اسی دوران میں راجہ جواہر سنگھ وزیر اعظم لاہور کا سکھ فوجیوں سے جھگڑا ہو گیا۔ اور ہر روز کوئی نہ کوئی فساد کی خبر مہارانی جنداں تک پہنچنے لگی۔ راجہ لال سنگھ اور راجہ جواہر سنگھ میں اختلاف بڑھ گیا تھا۔ راجہ لال سنگھ لاہور کی وزارت عظمٰے پر آنکھ رکھتا تھا کہ گلاب سنگھ نے سکھ سپاہ کو سمجھا بجھا کر راجہ جواہر سنگھ سے صُلح صفائی کرا دی۔ اور مہارانی جنداں نے تمام مُلک و دیار کی واپسی کے پروانہ جات گلاب سنگھ کو جاری کرا دیئے۔ راجہ گلاب سنگھ فتح و نصرت سے واپس اپنی راجدھانی جموں میں پہنچ گیا۔

طوائف الملوکی کی انتہا

اگست ۱۸۴۵ء کے وسط میں راجہ گلاب سنگھ دربار لاہور کی ریشہ دوانیوں سے آزاد ہو کر واپس اپنی راجدھانی میں پہنچا۔ اُس کے جرنیلوں، وزیروں اور راجپوت سرداروں نے خیر خواہی کا کمال ثبوت دے کر میاں رنبیر سنگھ اور راجہ جواہر سنگھ کی سرکردگی میں اپنے سارے

علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور جو ہمہ گیر بغاوت، شورش اور فساد خالصہ سرکار کے ایما پر پڑا تھا، اُسے اچھی طرح فرو کر لیا تھا۔ راجہ گلاب سنگھ نے جموں پہنچتے ہی اپنی ریاست کا دورہ شروع کر دیا۔ چنانچہ پہلے ریاسی پھر رام نگر اور اُس کے بعد جسروٹہ اور بسوہلی کا چکر لگا رہا تھا کہ ستمبر ۱۸۴۵ء کے آخیر میں دربار لاہور میں زبردست طوائف الملوکی کی اطلاع ملی۔ رانی جنداں نے ایک خاص پیغام رساں کے ذریعہ راجہ گلاب سنگھ کو کہلا بھیجا کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ماموں یعنی رانی جنداں کے بھائی جواہر سنگھ وزیر اعظم لاہور اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام نہاد بیٹے پشاورا سنگھ کی اس قدر دشمنی ہو گئی ہے کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ راجہ گلاب سنگھ نے میاں پرتھی سنگھ کا ہمراہ چکیہر کو معہ چند دیگر سرداروں کے لاہور بھیجا کہ وہ اُن کی آپس میں صلح صفائی کرا دے۔

دربار لاہور کی مخدوش حالت

اس موقعہ پر دربار لاہور کے حالات کچھ اس قدر پیچیدہ اور مخدوش ہو گئے تھے کہ انہیں سنبھالنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ شخصی سلطنتوں کا عام قاعدہ ہے کہ حکومت کے نظم و نسق کا مدار زیادہ تر حکمران کی ذات پر ہوتا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد اُن کا کوئی جانشین اس قابلیت کا نہیں ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت کے بڑے بڑے ارکان اور درباریوں میں خودسری پیدا ہو گئی۔ نفاق، کینہ اور حسد ہر ایک کے دل پر چھا گیا۔ اپنی اپنی مطلب براری کی غرض سے ہر کوئی ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ غرضیکہ کوئی درباری ایسا نہ تھا جس کے دماغ میں حکومت کا خیال نہ گھس گیا ہو۔ جس کسی کو موقعہ ملا، اُس نے فوج کو ترقی تنخواہ کا لالچ دے کر ورغلانا شروع کر دیا۔ دوسرے نے یہ حال دیکھا تو وہ اُس سے زیادہ لالچ دے کر فوج کو اپنی طرف کرنے کی کوشش میں مصروف ہوا۔ اس طرح حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ہر ایک شعبہ میں ابتری پھیل گئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام نہاد بیٹے پشاورا سنگھ نے درباریوں اور فوج کو سردار جواہر سنگھ وزیر اعظم کے خلاف بھڑکایا۔ اُدھر جواہر سنگھ نے پشاورا سنگھ کے خلاف اپنے تمام ذرائع لگا دیے۔ راجہ لال سنگھ اور جواہر سنگھ کی بھی آپس میں مخالفت دشمنی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اور اس افراتفری میں راجہ لال سنگھ، دیوان دینا ناتھ اور بخشی بھگت رام بھی نظر بند ہو گئے۔ راجہ لال سنگھ نے نظر بندی میں ہی رانی جنداں کے بھائی وزیر اعظم جواہر سنگھ کے خلاف سازش تیار کر لی۔

Scanned with CamScanner

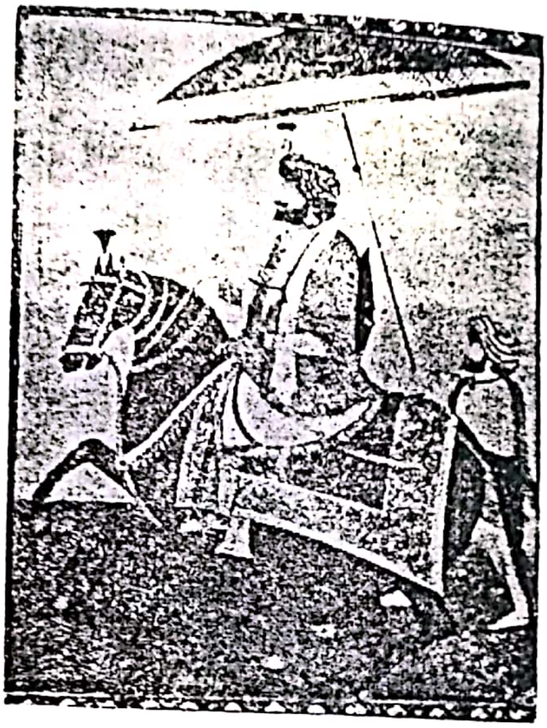

نظر بندی کے بعد راجہ گلاب سنگھ مہارانی جندان سے ملنے جا رہے ہیں۔

راجہ گلاب سنگھ دیوان ہری چند کو جموں کی حفاظت کا سندیس دے رہے ہیں۔

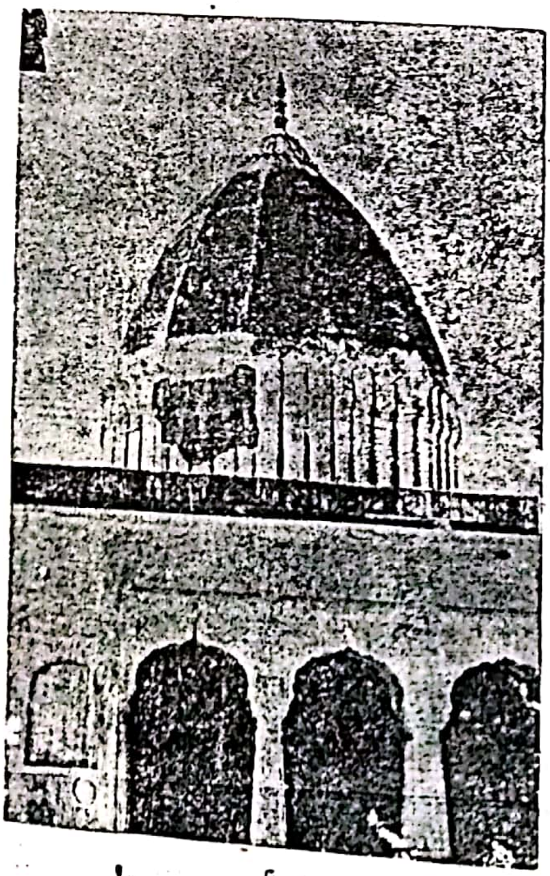

مندر سوئی سمبلی

راجہ لال سنگھ ←

دیوان دینا ناتھ ←

جواہر سنگھ کا قتل

ایک دن اُن پلٹنوں کی درخواست پر جنہیں جواہر سنگھ اپنی پشت پر سمجھے تھا لیکن وہ پلٹنیں زبان سے اُس کی حمایت کا دم بھرتی تھیں اور دل سے اُس کی دشمن تھیں، مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ساتھ جواہر سنگھ میاں میر میں فوج کے درمیان فیل سوار ہو کر داخل ہوا۔ سپاہیوں نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کو جبراً ہاتھی پر سے اُتار لیا اور جواہر سنگھ کو سنگینوں پر اُچھال کر ہلاک کر دیا۔

میاں پرتھی سنگھ وزارت عظمےٰ پر

سلطنت لاہور ایک بار پھر وزیر اعظم کے بغیر رہ گئی۔ مہارانی جنداں کو اپنے بھائی کے قتل کا بے حد شاق گزرا۔ اُس نے میاں پرتھی سنگھ سے کہا کہ جب تک گلاب سنگھ جموں سے یہاں نہیں پہنچتا، تم وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالو اور اس بھنور سے سلطنت کی کشتی کو نکالنے میں ہماری مدد کرو۔ میاں پرتھی سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کے آنے تک یہ عہدہ منظور کر لیا لیکن دربار لاہور کے رنگ اور رانی جنداں کی ڈھلمل پالیسی کو دیکھ کر وہ راجہ گلاب سنگھ کے احکام کی انتظار کئے بغیر مستعفی ہو کر لاہور سے جموں واپس آگیا۔

وزارت عظمےٰ سے گلاب سنگھ کا انکار

خالصہ فوج نے ان حالات میں رانی جنداں سے پھر زبردست مطالبہ کر دیا۔ کہ گلاب سنگھ کو لاہور کی وزارت عظمےٰ پر فائز کیا جائے۔ چنانچہ گلاب سنگھ سے منصب وزارت سنبھالنے کی درخواست کی گئی۔ لیکن گلاب سنگھ کو اپنے تازہ تجربہ اور سلوک کے بعد جو اُس کے خاندان سے روا رکھا گیا، لاہور میں بلا کر اس منصب پر بٹھانا امر محال تھا۔ گلاب سنگھ نے اس وزارت عظمےٰ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور رانی جنداں کو لکھا کہ وہ کسی اور ہی شخصیت کی طرف اس کے لئے رجوع کریں۔ کیونکہ یہ عہدہ ہمارے خاندان کو راس نہیں آیا۔ اور میں مجبور اور معذور ہوں کہ اس وزارت عظمےٰ کو ان حالات میں قبول کروں۔

تو یہ تھی صورت سکھوں اور انگریزوں کی جنگ کے شروع ہونے سے عین پہلے دربار لاہور کی۔ دربار خاندان جموں کے تباہ اور ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کر چکا تھا۔ اور صرف گلاب سنگھ کی ذات ایسی تھی جو کہ خوش قسمتی سے اُس خون آشامی سے بچ نکلی۔ رانی جنداں، لال سنگھ اور جواہر سنگھ ایسے سرداروں نے اس بات کا ثبوت دے رکھا تھا کہ وہ گلاب سنگھ کو اپنا دوست نہیں بلکہ دشمن سمجھتے تھے۔

کونسل آف ریجنسی کا قیام

راجہ گلاب سنگھ اپنے آپ کو لاہور کے جھگڑوں میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے جموں میں رہنا اور اپنی ریاست کے انتظام میں دلچسپی لینا ہی مناسب سمجھا۔ اُدھر لاہور دربار نے دیکھا کہ فوج خود سر ہو گئی ہے۔ اس طوفان سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔ رانی جنداں بھی اپنے بھائی کے قتل کی وجہ سے فوج کی سرکشی سے بے زار تھی۔ اُس کے ایماء سے کونسل آف ریجنسی دربار لاہور کا قیام عمل میں لایا گیا۔ رانی جنداں نے اپنے نابالغ بیٹے دلیپ سنگھ کے لئے خود ریجنٹ بننا منظور کر لیا۔

اب رانی جنداں نے لشکر خالصہ کو تحریک کی کہ تم تو ترقی تنخواہ اور انعام کی خواہش میں ہو۔ لیکن اُدھر انگریزوں نے ستلج پار کے ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس لئے تم سب کو اُس طرف توجہ کرنا چاہیئے۔ رانی جنداں کے درباریوں نے اس میں یہ مصلحت سوچی تھی کہ یہ خود سر فوج انگریزوں کے مقابلہ میں کٹ مرے گی اور ملک اُن کی پیدا کردہ افراتفری سے بچ جائیگا۔ مگر اُنہیں یہ نہ سُوجھا کہ اِس طرح نقصان آخر اُن کا اپنا ہی ہوگا۔ چنانچہ یہ احمقانہ صلاح کارگر ہو گئی اور افواج خالصہ چھاؤنیوں سے نکل کر متصل میاں میر جمع ہو گئیں۔ افسران نے شالامار باغ میں جمع ہو کر افواج کو وداع کرنے کا انتظام کیا۔

انگریز سکھ جنگ اور گلاب سنگھ

۸ نومبر ۱۸۴۵ء کو جواہر سنگھ کی جگہ لال سنگھ نے دربار لاہور کے وزیر اعظم کا منصب اختیار کیا اور سردار تیج سنگھ کو کمانڈر انچیف کا رتبہ دیا گیا۔ سکھ افواج نے تیج سنگھ کے تقرر کو پسند نہ کیا۔ اور انہوں نے گلاب سنگھ کے لئے پکار کی۔ راجہ لال سنگھ کا دلی منشاء یہ تھا کہ گلاب سنگھ کو جموں سے افغانی سرحد پر بھیج دیا جائے۔

سکھ فوجی دریائے ستلج کو عبور کر چکے تھے۔ اُنہیں یہ یقین دلایا گیا تھا کہ انگریز پنجاب پر قبضہ کرنے کے خواہش مند ہیں۔ انگریزوں نے سمجھا کہ سکھ فوجیں کسی قابل اور تجربہ کار کمان کے تحت نہیں ہیں اور ہیں بھی غیر یقینی حالت میں۔ اس لئے اِن کو مار بھگانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ستلج پار کرتے ہی سکھوں نے پہلے اپنا غلبہ ضرور ثابت کیا۔ لیکن بوجہ آپس کے انتشار اور بے دلی کے سکھ طاقت کا انگریزوں کے سامنے جو خطرہ تھا، اُسے کم کر دیا۔

گلاب سنگھ کا مشورہ

اس صورت حال میں واحد آدمی گلاب سنگھ تھا جو سکھ افواج کی صحیح رہنمائی کرسکتا تھا۔ لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ گلاب سنگھ اپنے ذاتی تجربہ اور خاندان کے حشر کے پیش نظر لاہور دربار کی امداد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جونہی جنگ کا بگل بجا، راجہ لال سنگھ وزیر اعظم نے گلاب سنگھ کو حکم دیا کہ وہ پشاور پہنچ کر سرحد کی حفاظت کرے۔ مگر گلاب سنگھ نے رانی جنداں کو لکھا کہ اُسے انگریزوں کے معاملہ میں کسی صورت دخل نہ دینا چاہیئے اور کونسل آف ریجینسی کو بھی ذیل کا خط لکھا:۔

" بخدمت کونسل آف ریجینسی سلطنت لاہور

بعد تسلیمات کے التماس ہے کہ انگریزوں سے اس مرحلہ پر جنگ کرنا شدید غلطی ہے جبکہ اپنی یک جہتی مخدوش ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انگریزوں نے کسی بھی طرح کا کوئی جارحانہ اقدام دربار لاہور کے خلاف نہیں کیا۔ اور وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کے مُرتکب نہیں ہوئے۔ اور نہ ہی اُنہوں نے وعدہ خلافی کی۔ آپ لوگوں نے میرے بھائیوں اور بیٹوں کو بلا عذر جان سے مار دیا جو بادشاہ مرحوم کی وفادار رعایا اور جاں نثار ملازم تھے۔ لیکن اس کے باوجود میری وفاداری ابھی تک موجودہ سلطنت لاہور سے متزلزل نہیں ہوئی۔ میں آپ کے اس حق پر اعتراض نہیں کرسکتا کہ بادشاہ کے نام پر جو چاہو اپنے علاقہ میں کرتے جاؤ۔ لیکن ایک وفادار خادم ہونے کے ناطے یہ مشورہ دینے کی جُرأت کروں گا کہ انگریزوں کے معاملہ میں دخل نہ دیجئے اور انگریزوں کے علاقہ میں سکھوں کو فساد کرنے سے باز رکھیئے۔

تابعدار — گلاب سنگھ"

مُدکی کی جنگ

مگر راجہ گلاب سنگھ کے اس نیک مشورہ کو دربار میں تسلیم نہ کیا گیا اور سکھ دریائے ستلج کو پار کر گئے۔ اس وقت سکھ فوجوں کو پتہ لگا کہ انگریز فوجیں لدھیانہ سے شہر فیروز پور کی حفاظت کے لئے آرہی ہیں۔ سکھوں نے آگے بڑھ کر روکنے کی کوشش کی۔ اُدھر انگریز ہر طرح سے لیس مقابلہ کے لئے تیار تھے۔ ۲۴ ر دسمبر ۱۸۴۵ء کو مُدکی کے مقام پر سکھوں اور انگریزوں کے درمیان پہلی جنگ ہوئی جس میں بے حد خونریزی کے بعد سکھوں کو شکست ہوئی اور اسلحہ و گولہ بارود اُن کا وہیں چھوٹ گیا۔

غلطی پہ غلطی

انگریزوں سے شکست کھانے کے بعد چند ایک سردار گلاب سنگھ کے پاس امداد کی اُمید سے جموں میں آئے۔ اُس نے اُنہیں مشورہ دیا کہ فوج خالصہ جہاں ہے، سردست اُسی جگہ رہے۔ آگے جانا نہیں چاہیئے۔ مگر سکھ افواج نے اِس مشورہ پر بھی عمل نہ کیا۔ اور ایک رات سردار رن جودھ سنگھ کی سرکردگی میں لدھیانے میں پہنچ کر انگریزی چھاؤنی کو آگ لگا دی اور سامان وغیرہ چھاؤنی کا جلا دیا۔ انگریز اِس صورت حال پر بے حد مشتعل ہو گئے۔ اُنہوں نے مہاراجہ پٹیالہ کی فوجیں منگوا کر بدلہ لینے کی ٹھانی۔ راجہ لال سنگھ وزیر اعظم اور سردار تیج سنگھ کمانڈر انچیف سکھ افواج بھی مقابلہ کے لئے اپنی فوجوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

گلاب سنگھ وزیر اعظم کے عہدہ پر

گلاب سنگھ نے جموں میں بیٹھ کر جو بھی سکھوں کو مشورہ دیا وُہ قبول نہ کیا گیا۔ دربار لاہور کے احکام کے تحت فوجیں انگریزوں سے اُلجھ پڑیں۔ اور کونسل آف ریجنسی بھی اندھا دھند لڑائی میں مستغرق ہو گئی۔ لیکن اُسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ انگریزوں پر غلبہ پانا محال ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں پنجاب کی حکومت کو ہی ہاتھ سے دینا پڑ جائے۔ تب ریجنسی نے گلاب سنگھ کو پھر حکومت کا چارج بہ حیثیت وزیر اعظم لینے کی دعوت دی۔ مگر گلاب سنگھ سمجھتا تھا کہ ابھی اُس کی عملی مداخلت کا وقت نہیں آیا۔ وُہ ویشنو دیوی کی یاترا کو چلا گیا اور وہاں سے ریاسی کی طرف نکل گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ رانی جنداں جب تک خود طلب نہ کرے گی، وہاں جانا بے کار تھا۔ اور جب وُہ جموں واپس پہنچا تو لاہور سے رانی جنداں کا آدمی ایک خاص مراسلہ لے کر آیا ہوا تھا۔ اِس میں لکھا تھا :-

"سلطنت کے خیر خواہ راجہ گلاب سنگھ کے نام

آپ کو ضروری طور پر لکھا جاتا ہے کہ اِس وقت سلطنت لاہور کو سخت دقت آمیز مہم کا سامنا ہے۔ انگریزوں نے ہمیں مدکی کے مقام پر شکست دی ہے۔ اور ہمارا بے حد نقصان ہُوا ہے۔ فوجیں بغیر کسی زبردست کمان کے اندھیرے میں بھٹک رہی ہیں۔ آپ کو پہلے بھی دو تین بار لکھا گیا ہے لیکن آپ نے آنے سے کوتاہی کی۔ اِس نازک وقت میں آپ سے بڑھ کر ہمیں اپنا کوئی ہمدرد دکھائی نہیں دیتا۔ مہاراجہ مرحوم سے اپنی مسلمہ وفاداری کے نام کا آپ کو واسطہ دیا جاتا ہے کہ اپنی فوجوں کے ساتھ جلد یہاں پہنچنے کی کریں۔

تحریر یہ ۲۴ر جنوری ۱۸۴۶ء

دستخط رانی جنداں اور مہاراجہ دلیپ سنگھ "

راجہ گلاب سنگھ نے رانی جنداں کو جواب میں لکھا کہ میں دو دن تک پہنچ رہا ہوں لیکن میرے آنے تک افسران فوج خالصہ کو ہدایت فرمائیں کہ جہاں وہ ہیں وہاں ہی قائم رہیں۔ اس کے بعد گلاب سنگھ نے دیوان نہال چند کو علاقہ متاور سے طلب کیا۔ دوسرے دن اُسے ساتھ لے کر اپنی چیدہ اور جانباز سپاہ کے ساتھ لاہور کا رُخ کیا۔ جب وہ دریائے راوی کے کنارے پہنچا تو رانی جنداں نے بھائی رام سنگھ اور دیوان دینا ناتھ کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا۔ راجہ گلاب سنگھ شاہانہ خیر مقدم کے ساتھ رانی جنداں کے حضور میں پہنچے۔ اور ۲۷ر جنوری ۱۸۴۶ء کو اُسے خلعت وزارت سے نوازا گیا۔ وزیر اعظم کا منصب سنبھالتے ہی تمام حالات پر سکھ سرداروں اور لاہور دربار کے امیروں وزیروں سے تبادلہ خیالات کیا گیا۔ گلاب سنگھ نے سکھ سرداروں کو اُن کے غیر دانشمندانہ اقدام پر ملامت کی اور کہا کہ جب تم لوگوں میں اِس قدر انتشار تھا، گھر میں اتحاد نہ تھا تو اس مہم کو شروع کرنا ہی خرابی تھی۔ گلاب سنگھ نے دربار کو مشورہ دیا کہ جس طرح بھی ہو اور جتنی باعزت صُلح ممکن ہو سکے، کر لی جائے۔

گلاب سنگھ کا سکھ فوج توڑنے سے انکار

چنانچہ صُلح کی غرض سے گلاب سنگھ نے انگریز حکام کے ساتھ خط و کتابت شروع کی اور ملاقات کا انتظام کیا۔ گورنر جنرل اور انگریز فوجی افسروں نے سکھوں کی فوجی طاقت اور قابلیت کا کم اندازہ لگایا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ جو چاہیں گے، اپنی حسب مرضی صلح نامہ لکھوالیں گے۔ اس لئے اُنہوں نے گلاب سنگھ کی طرف سے تصفیہ کی کوششوں کو خوش آمدید کہا۔ لیکن اُنہیں جلد ہی یہ حقیقت معلوم ہو گئی کہ جس چیز کو وہ آسان سمجھتے ہیں، وہ بے حد مشکل اور ٹیڑھی ہے۔ کیونکہ اس وقت سکھوں کی رہنمائی گلاب سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ انگریزوں نے یہ شرط لگا دی کہ گفت و شنید کا تب ہی کوئی فائدہ ہو سکتا ہے کہ پہلے سکھوں کی فوج کو توڑ دیا جائے۔ لیکن گلاب سنگھ اس شرط سے اتفاق کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

مسٹر کننگھم نے لکھا ہے کہ سکھ لیڈر اُس خفیہ سمجھوتہ سے روگردانی کرنے کے ملزم ہیں

چونکہ انہوں نے جنگ کے شروع ہوتے ہی انگریزوں سے کیا تھا کہ موجودہ فوج کو ترک کر دیا جائے گا اور دریائے ستلج کے عبور کرنے پر مزاحمت نہ کی جائے گی۔ اور لاہور کی سڑک انگریزی فوجوں کے لئے کھلی رہنے دی جائے گی۔ لیکن سکھ افسروں کے خلاف ایسی ذلت آمیز غداری کے الزام کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں مل سکتا۔

سبراؤں کی جنگ

قدرت کو سکھوں کی ابتری منظور تھی اور ایسے ہی سامان بن رہے تھے۔ اِس طرف گلاب سنگھ اور کونسل آف ریجنسی انگریزوں سے کسی بھی طرح صلح کے لئے کوشاں تھے۔ اُدھر سردار رنجودھ سنگھ مجیٹھیہ نے سکھ فوج کے ساتھ ستلج کو عبور کر کے انگریزوں پر حملہ کر دیا۔ ۱۰ر فروری ۱۸۴۶ء کو سبراؤں کے مقام پر ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ یہ ایک انتہا درجہ کی خونخوار جنگ تھی جس کا سامنا انگریزوں کو ہندوستان میں ہوا۔ سکھوں نے مردانگی اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن بھی دنگ رہ گیا۔ انگریزوں کی فتح ضرور ہوئی لیکن بے حد مہنگی پڑی۔ اور جب سکھ فوجیں فرار ہونے لگیں تو سردار تیجا سنگھ نے پل کو توڑ دیا۔ فراریوں میں سے کچھ دریا میں بہہ گئے۔ کچھ مارے گئے۔ سردار شام سنگھ اٹاری والا اِس جنگ میں کام آیا۔ اور انگریز لشکر دریا عبور کر کے لاہور کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ اِس جنگ میں انگریزوں کے ۳۲۰ آدمی مارے گئے اور ۲۰۸۳ زخمی ہوئے اور ۱۹ گورے سکھوں نے گرفتار کر لئے۔

گورنر جنرل ہند کا اعلان

انگریزوں کے سرحد لاہور میں داخل ہوتے ہی نواب گورنر جنرل ہند نے اِس مضمون کا اشتہار جاری کیا کہ ریاست لاہور کی تخریب کے لئے ہم یہاں نہیں آئے ہیں۔ ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ دربار لاہور نے بلا سبب ہمارے ملک پر حملہ کرنے سے ہماری جو ہتک کی ہے، اُس کی تلافی کی جائے۔ اور آئندہ کے لئے اطمینان دلایا جائے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اور مکمل اخراجات اِس جنگ کے ادا کئے جائیں۔ جب تک یہ ادائیگی نہ ہو۔ دوآبہ ستلج و بیاس اور علاقہ کوہستان وغیرہ سرکار انگریزی کے قبضہ میں رہے گا۔ افسران فوج خالصہ جو شامل جنگ رہے ہیں، انہیں چاہیے کہ بالاتفاق رائے نواب گورنر جنرل ہند ایسا بندوبست کریں کہ اس کی رو سے ریاست لاہور پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد اسی طرح قائم و برقرار رہے اور کہ فوج کو خود سرنہ ہونے دیں اور رعایا کو اپنی محبت میں رکھیں۔

گلاب سنگھ کو کامل اختیارات

راجہ گلاب سنگھ اور کونسل آف ریجنسی نے اِس صورت حال پر سخت افسوس کیا اور سکھ فوجوں کی خود سری اور مطلق العنانی کے لئے بے حد رنج ہؤا۔ راجہ گلاب سنگھ نے گورنر جنرل ہند کے اعلان پر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ جو ۱۹ گورے گرفتار کر کے لاہور لائے گئے تھے، اُنہیں خلعت وغیرہ دے کر اور ہاتھیوں پر سوار کر کے قصور کی طرف انگریز کیمپ میں بھیج دیا۔ اور بھائی رام سنگھ، دیوان دینا ناتھ اور فقیر نورالدین سے مشورہ کیا کہ سلطنت لاہور کے بچاؤ کے لئے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیئے۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ وُہ کریں جس سے سلطنت کی بُنیاد مضبوط ہو۔ رانی جنداں نے بھی یہی حکم دیا۔ آخر کار یہ قرار پایا کہ راجہ گلاب سنگھ جو فیصلہ اِس بارے میں انگریزوں سے مِل کر کریں، وہی منظور و قبول ہوگا۔ اِس طرح سے گلاب سنگھ کو کامل اختیارات انگریزوں سے گفت و شنید کرنے کے لئے دئے گئے۔ اُس نے لالہ جوہری مل، ہرکارہ ہاسکی اور لالہ اننت رام بطور سفیر انگریز گورنر جنرل کے کیمپ میں بھیجے۔

گلاب سنگھ اور سر ہنری لارنس

انگریزوں نے اِس نازک وقت پر گلاب سنگھ کو اپنے ساتھ ملا لینے کی ضرورت محسوس کی۔ کیونکہ اُنہیں معلوم ہو گیا کہ جب جنگ سبراؤں واقع ہوئی تو گلاب سنگھ معہ اپنی فوج کے لاہور میں آ پہنچا تھا۔ اگر وُہ اپنے ذرائع اور طاقت کو دربار لاہور کی مرضی پر رکھ دینے کا فیصلہ کر دیتا تو نتیجہ مشکوک ہو جاتا۔ اِس کے علاوہ اِس بات کا بھی چرچا تھا کہ گلاب سنگھ نے آتے ہی سِکھوں کو مشورہ دیا تھا کہ اگر سِکھ کُھلی لڑائیوں اور اندھا دُھند حملہ کرنے کی بجائے دریائے ستلج کو چند چیدہ سوار رجمنٹوں کے ساتھ عبور کر لیتے اور دہلی کے مقام پر ڈیرہ ڈالنے کی کوشش کرتے تو انگریزوں کی پیش قدمی کو روکا جا سکتا تھا۔ انگریزوں پر گلاب سنگھ کے اِس مشورہ کی اہمیت واضح تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو گلاب سنگھ کی رضا جوئی حاصل کی جائے۔ اور جب گلاب سنگھ کے سفیر انگریزی کیمپ میں پہنچے تو سر ہنری لارنس نے جس کی گلاب سنگھ کے ساتھ دوستی تھی، ذیل کا خط گلاب سنگھ کو بھیجا:-

"پیارے دوست مہربان راجہ۔

تسلیمات۔ مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا۔ حالات سے کما حقہ آگاہی پائی۔

لیکن مجھے پہلے تمام حالات اور مسئلہ کی وضاحت کی اجازت دیجئیے میں اس تمام مضمون کی داد دیتا ہوں جو آپ نے نہایت تدبر سے حالات کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے۔ گو باغیوں اور غیر باغیوں کا معلوم کرنا مشکل ہے۔ لیکن انگریز سرکار دربار لاہور کو اپنے تحمل کا ثبوت دینا چاہتی ہے۔ ہماری حکومت کو دربار لاہور کی طوائف الملوکی اور بدنظمی ہرگز پسند نہیں کمپنی کا منشاء صرف باغیوں کو سزا دینا ہے تاکہ آئندہ کے لئے وہ ایسے اقدام سے باز رہیں۔ میں نے صورتِ حالات کی تشریح لالہ اننت رام سے کر دی ہے جو خود اس کا ذکر آپ سے کرے گا۔ تاخیر کی صورت میں معاملات بد سے بدتر ہو جائیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جتنی دفعہ سکھ انگریزوں کے خلاف صف آراء ہوئے انہیں شکست ہوئی۔ اور اگر اب بھی انہیں سزا نہ دی گئی اور دوبارہ اس قسم کی ہلچل رونما ہوئی تو یہ صورت دربار لاہور کے لئے درست نہ ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس خط سے معلوم کر لیں گے کہ ایسا کچھ ہونے کے باوجود ہمارے دلوں میں دربار لاہور کے لئے وہی احساس اور ہمدردی موجود ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے ہمیشہ دوستانہ خطوط لکھتے رہیں گے۔

۱۱ر فروری ۱۸۴۶ء"

یہ خط بے حد مدبرانہ تھا۔ اس میں تدبر اور سیاست اپنے پورے زور پر تھے۔ اور گلاب سنگھ کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ انگریز تمہاری قدر کرتے ہیں اور تمہاری ذاتی دوستی کے گرویدہ ہیں۔ اس خط میں انگریز حکام نے کوئی بھی ذمہ داری اپنے سر نہ لی اور نہ ہی کوئی تجویز پیش کی سوائے اس کے کہ دربار لاہور سے ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔ لیکن گلاب سنگھ کو اپنا بنا لینے اور نزدیک رکھنے کے خفیہ مشورے انگریزوں میں ہو رہے تھے جیسا کہ ذیل کے دوسرے خط سے ظاہر ہوتا ہے جو کہ لارنس نے دو دن بعد گلاب سنگھ کو لکھا:-

"پیارے دوست راجہ گلاب سنگھ۔

تسلیمات۔ آپ پر واضح ہو کہ میں آپ کو ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جو کہ آپ کے بے حد فائدہ کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھ سے ذاتی طور پر مل کر وہ بات سننے کی تکلیف گوارا کریں گے۔ ضرور تشریف لائیے اور

بابا تو وقت آیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے عنایت نامہ سے سرفراز کریں گے۔ ۱۳ فروری ۱۸۴۶ء۔"

صاف ظاہر پڑتا ہے کہ یہ خفیہ خط اس لیے لکھا گیا تھا کہ گلاب سنگھ کو بابا کر اُسے دربار لاہور کی حمایت سے علیحدہ کر کے انگریز اپنے ساتھ ملالیں۔ اور وہ پوشیدہ باتیں جو ہنری لارنس گلاب سنگھ سے کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ تھیں کہ گلاب سنگھ کو خود مختار راجہ تسلیم کر لیا جائے اور کشمیر کا علاقہ اُس کی ریاست جموں کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ لیکن شرط یہ تھی کہ وہ دربار لاہور کی امداد سے دستکش ہو جائے۔ چنانچہ ایک میٹنگ بلائی گئی۔ اور جب دربار لاہور سے صلح نامہ کے متعلق بات چیت ہو رہی تھی تو ہنری لارنس گلاب سنگھ کو میٹنگ سے اُٹھا کر پرائیویٹ بات چیت کے لئے ایک طرف لے گیا۔ جو کچھ وہاں باتیں ہوئیں، اُن کا ذکر دیوان کرپارام مصنف "گلاب نامہ" کے الفاظ میں یوں کیا گیا ہے:۔

"لارنس نے گلاب سنگھ کو یاد دلائی کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد دربار لاہور میں جو آپا دھاپی اور طوائف الملوکی کا کھیل کھیلا گیا، اُس میں وہ اپنے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجے سے محروم ہو گیا۔ لیکن اس پر بھی تعجب اس امر کا ہے کہ آپ ابھی تک دربار لاہور کی وفاداری کا دم بھر رہے ہیں۔ لارنس نے گلاب سنگھ کو یہ بھی کہا کہ گورنر جنرل نے اُسے پہاڑی علاقہ دے دینے کا وعدہ کیا ہے اور وادیٔ کشمیر بھی لیکن انگریز چاہتے ہیں کہ وہ حکومت پنجاب سے اپنے آپ کو علیحدہ کر دے۔ تب ہی جا کر گلاب سنگھ کو خود مختار مہاراجہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔"

گلاب سنگھ نے ہنری لارنس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور پوچھا "اور کچھ؟" تو ہنری لارنس بولا۔ "اور کچھ نہیں، صرف یہ کہ کوہ نور کا ہیرا آج ملکہ وکٹوریا کے تاج میں ہی زیب دے سکتا ہے۔" گلاب سنگھ نے جواب میں ہنری لارنس کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اُسے اپنی دوستی کا اتنا پاس تو ہے۔ لیکن گلاب سنگھ نے نہایت بے باکی سے اُس کی باتوں کا جواب دیا اور کہا "اگر حکومت لاہور نے اُس کے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجے سے بُرا سلوک روا رکھا ہے تو وہ دربار لاہور کی رعایا تھے۔ اور کہ یہ الزام کسی صورت میں بھی دلیپ سنگھ پر عائد نہیں ہوتا جو اُس وقت محض بچہ تھا۔ چونکہ میں بہ حیثیت ایک سفیر کے دربار لاہور اور

مہاراجہ دلیپ سنگھ کی طرف سے آپ کے پاس آیا ہوں، میں اپنی ریاست یا ملکیتی علاقوں سے متعلق بات چیت کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی کوہ نور کے ہیرے کے لئے مہارانی جنداں سے سفارش کر سکتا ہوں۔"

گلاب سنگھ کا یہ جواب گورنر جنرل ہند کی خدمت میں پہنچایا گیا۔ اور اس معاملہ کو سردست نظر انداز کر دیا گیا۔ لیکن دربار لاہور کے نام پر انگریزوں سے بات چیت جاری رہی۔ اور گلاب سنگھ اس قابل ہوا کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ اور رانی جنداں کے لئے صورتِ حالات کے پیشِ نظر معقول اور مناسب صلح نامہ کر سکے۔

عہد نامہ لاہور

راجہ گلاب سنگھ کو قصور میں انگریزی افواج کے کیمپ میں بلایا گیا۔ وہ دیوان دینا ناتھ۔ فقیر نورالدین۔ دیوان دیوی سہائے۔ سردار گلاب سنگھ اٹاری والے کو اپنے ساتھ لے گیا۔ گورنر جنرل سے شرائط صلح کی بات چیت ہوئی۔ اور انگریزوں نے دو کروڑ روپیہ نقد اور ملک دوآبہ سندھ ساگر وغیرہ تاوانِ جنگ میں طلب کیا۔ راجہ گلاب سنگھ نے اس بات پر اصرار کیا اور کہا کہ اس قدر بھاری رقم کا ادا کیا جانا محال ہی نہیں، حالات کی موجودگی میں ناممکن ہے۔ کافی بحث مباحثہ کے بعد ڈیڑھ کروڑ روپیہ پر اتفاق ہوا۔ اس شرط پر کہ پچاس لاکھ روپیہ فی الفور ادا کیا جائے اور باقی ایک کروڑ تین قسطوں میں دے دیا جائے۔ اور اس روپیہ کی ادائیگی کی ضمانت میں دوآبہ کے علاقوں کو سرکار انگریزی کے حوالے کیا جائے۔ جب تاوانِ جنگ کی ساری رقم انگریز وصول کر لیں گے تو یہ ملک دوآبہ واپس دربار لاہور کو کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد خود مہاراجہ دلیپ سنگھ نے بھی گورنر جنرل سے ملاقات کی۔ اور یہ طے پایا کہ پچاس لاکھ روپیہ ادا ہو جائے تو انگریزی فوج واپس فیروزپور چلی جائیگی جو کہ ۲۰ فروری ۱۸۴۵ء کو لاہور میں پہنچ چکی تھی۔

گلاب سنگھ کی دربار لاہور سے علیحدگی

صلحنامہ منعقدہ قصور یعنی عہد نامہ لاہور کی گفت و شنید کی کامیابی راجہ لال سنگھ کو ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ آتش بپا ہو گیا۔ اس نے رانی جنداں ریجنٹ کو جا کر ترغیب دی کہ وہ گلاب سنگھ کو منصب سے خارج کر دے اور خود اسے مختار بنائے۔ چنانچہ حالات نے پلٹا کھایا اور رانی جنداں نے لال سنگھ کو اپنا وزیر اعظم بنا کر گلاب سنگھ کے تمام اختیارات

جو کہ نئے انُدر صلح کے لئے دیئے گئے تھے، منسوخ کر دیئے گئے۔

گلاب سنگھ نے دربار لاہور کے وقار کو بحال رکھنے کی خاطر اپنے لئے خودمختاری کی انگریزی تجویز کو قبول نہیں کیا تھا اور وُہ دربار کا وفادار بنا رہا لیکن برعکس اس کے لال سنگھ اور رانی جنداں نے مصیبت کے وقت بھی گلاب سنگھ کو اپنی امداد پر مناکر اُس کے بارے میں اپنے دِلوں کو کدورت سے پاک، نہ رکھا تھا۔ اور وُہ اُسی عداوت کو اپنے دِلوں میں خاندان جموں کے خلاف لئے ہوئے تھے جو راجہ دھیان سنگھ سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کے قتل کی ذمہ دار تھی۔ گلاب سنگھ نے اُس وقت بھی رانی جنداں سے کہا کہ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ یا آپ کا کوئی اہلکار اِس سے بہتر صلح نامہ حاصل کر سکے۔

تاوانِ جنگ کی ادائیگی سے متعلق

لال سنگھ نے صلحنامہ منعقدہ قصور کو ایک ہاتھ سے قبول تو کر لیا لیکن تاوانِ جنگ کی رقم کی ادائیگی سے معذوری کا اظہار کیا کہ دربار لاہور اِس قابل نہیں ہے کہ مطلوبہ تاوان اور وُہ بھی نقد ادا کر سکے۔ لال سنگھ نے کہا کہ اگر میری درخواست منظور ہو تو میں اِس کے عوض جموں اور کشمیر کے علاقے پیش کرتا ہوں۔ اُس کا خیال یہ تھا کہ گلاب سنگھ کو اپنی سلطنت سے محروم کر دیا جائے اور انگریزوں کو اِس بات پر آمادہ کیا جائے کہ یا تو وُہ کشمیر پر قبضہ کر لیں جو کہ انگریزوں کے لئے اِن حالات میں نہایت مشکل تھا، یا تاوان کی رقم کو کم کر دیں۔ لال سنگھ نے اپنی طرف سے یہ چالاکی بھی کی کہ تاوان کی رقم جموں اور کشمیر کے علاقوں پر عاید کر دی تاکہ اِس طرح گلاب سنگھ جموں کی ریاست چھوڑ دے یا تاوان کی رقم ادا کرے اور دربار لاہور اِس رقم کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو جائے۔ لیکن لال سنگھ کی یہ چالاکی گلاب سنگھ کو راس آ گئی۔ اور اُس نے تاوان کی رقم خود دینا منظور کر لی۔ اور انگریزوں نے گلاب سنگھ کو جموں اور کشمیر کا خودمختار حکمران بنانے کی تجویز کو ازسرِنو دہرایا۔ چنانچہ لال سنگھ کے پیدا کردہ حالات میں گلاب سنگھ کو اپنے مفاد اور حق کی تجویز خودمختاری کے قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔ اور رقم کی ادائیگی کے ماننے کے فوراً بعد گورنر جنرل ہند نے اپنی طرف سے گلاب سنگھ کو خودمختار حکمران ریاست جموں و کشمیر کا بنانا تسلیم کر لیا۔

راجہ لال سنگھ مختار تمام رانی جنداں نے بجائے ڈیڑھ کروڑ کے ایک کروڑ روپیہ پر انگریزوں کو منا لیا۔ اور اس رقم کے عوض ملک دوآبہ، بیاس و ستلج معہ کانگڑہ و ملک کوہستان

جموں معہ دیار کشمیر و ہزارہ و چمبہ ہمیشہ کے لئے انگریزوں کو دے دینے کی درخواست کی۔ اس طرح سے ریاست جموں وغیرہ گلاب سنگھ کے قبضہ سے نکل کر انگریز سرکار کے قبضہ میں چلی جائے گی لیکن انگریزوں کے لئے اس وقت کشمیر کو اپنی عملداری میں کر لینا سخت مشکل تھا۔ اور وہ گلاب سنگھ کو کسی بھی طرح ناراض ہونے کا موقعہ نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس لئے انگریز مدبرین نے گلاب سنگھ کو جموں و کشمیر کا خودمختار حکمران بنانا مصلحت جانا۔ اس طرح سے تاوان کی ایک کروڑ روپیہ کی رقم اُس سے مل جائے گی اور ایک پہاڑی اور دُور دراز تک پھیلی ہوئی ریاست کے حکمران کی دوستی کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں رہے گا۔

ایک کروڑ روپیہ نذرانہ

چنانچہ یہ طے پایا گیا کہ دریائے بیاس سے لے کر دریائے سندھ اور کانگڑہ و کشمیر اور ہزارہ معہ حدود کوہستان متعلقہ بعوض ایک کروڑ روپیہ نذرانہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو دے دیا جائے مگر روپیہ کی کمی کی وجہ سے دریائے راوی کے درمیان کا علاقہ بعوض پچیس لاکھ روپیہ چھوڑ دیا گیا۔ اور دریائے راوی معہ علاقہ چمبہ ماسوائے لاہول کے حد مشرقی جموں کی مقرر ہوئی۔

رانی جنداں کو جب اس تجویز کی اطلاع ہوئی تو اُس نے دیوان دینا ناتھ ۔ فقیر نورالدین اور بھائی رام سنگھ کو سر ہنری لارنس کے پاس بھیجا اور اُسے کہا کہ اگر یہ ملک گلاب سنگھ کو دے دیا گیا تو وُہ براہ راست ملکہ وکٹوریہ کے پاس اپیل کرے گی۔ لارنس نے جواب دیا کہ آپ لندن تشریف لائیں تو آپ کا گھر ہے۔ مگر مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ جو قول و قرار ہوا ہے، اُس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ بالآخر صلحنامہ لاہور پر اُسی صورت میں دستخط ہو گئے جس میں کہ گلاب سنگھ نے گفت و شنید کی تھی۔

خود مختار ریاست جموں کشمیر

دربار لاہور کے ساتھ جو عہدنامہ مارچ ۱۸۴۶ء کو ہوا، اُس میں ایک فقرہ کا مفہوم حسب ذیل ہے:۔

”راجہ گلاب سنگھ نے دربار اور انگریزی حکومت کے مابین تعلقات دوستی کی بحالی کے لئے جو خدمات کی ہیں، اُن کے صلہ میں مہاراجہ دلیپ سنگھ راجہ گلاب سنگھ کی خودمختار حکومت کو ایسے علاقوں اور پہاڑی اضلاع میں تسلیم کرتے ہیں جو راجہ گلاب سنگھ کو اُس کے اور انگریزی حکومت کے درمیان علیحدہ عہدنامہ کے ذریعے دئے جائیں گے۔ ان علاقوں کے ساتھ ساتھ راجہ

گلاب سنگھ کے قبضہ میں جو علاقے مہاراجہ کھڑک سنگھ کے زمانہ سے چلے آ رہے ہوں، انگریز سرکار بھی راجہ گلاب سنگھ کے نیک سلوک کے صلہ میں اُس کی خود مختاری کو اُن علاقوں میں تسلیم کرتی ہے اور اُسے انگریزی حکومت سے علیحدہ معاہدہ کا حق ادا کرتی ہے۔"

۱۶ مارچ سنہ ۱۸۴۶ء کو معاہدہ لاہور کے سات دن بعد مہاراجہ گلاب سنگھ والئی ریاست جموں نے عہد نامہ امرت سر پر دستخط کئے جس کی رُو سے گلاب سنگھ مہاراجہ جموں و کشمیر بن گیا۔ چنانچہ دُنیا کا بہترین خطہ کشمیر جسے فردوس ارضی یا جنت نظیر کشمیر کہا جاتا ہے، جموں کے ڈوگرہ حکمران مہاراجہ گلاب سنگھ کے تسلّط میں قانونی طور پر آ گیا۔

عہد نامہ امرت سر

مہاراجہ گلاب سنگھ امرت سر پہنچا اور سرکارِ انگریزی کے ساتھ معاہدہ امرت سر کی تکمیل ہوئی جس کی رُو سے سرکارِ انگلشیہ نے دیارِ کشمیر و ہزارہ و جمیع ملک کوہستانی کہ جانبین دریائے راوی و سندھ اور جانب ہزارہ واقع ہیں، مع متعلقات اُس کوہستان کے جو دریائے سندھ کے مشرق میں اور دریائے راوی کے غرب میں واقع ہیں، مع علاقہ چمبہ ماسوائے لاہول برائے دوام با اختیار مستقل مہاراجہ گلاب سنگھ کو سپرد کئے۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے پچھتر ۷۵ لاکھ روپیہ نانک شاہی جو کہ دربار لاہور پر تاوانِ جنگ کی رقم میں سے پڑتا تھا، انگریزوں کو یک مُشت ادا کرنے کا اقرار کیا۔ اِس طرح سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر اور اقصائے تبت کی بنیاد از سرِ نو قائم کی۔(۱)

معاہدہ مابین سرکار دولتمدار ایسٹ انڈیا کمپنی اور سرکار مہاراجہ گلاب سنگھ والئی جموں۔ انگریزی حکومت کی طرف سے فریڈرک کری صاحب اور میجر ہنری منٹگمری لارنس نے بحکم آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی ملکہ برطانیہ کے آنریبل پریوی کونسل اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کے گورنر جنرل جن کے سپرد کمپنی کے ایسٹ انڈیز کے تمام امور کی رہنمائی اور نگرانی کرنا ہے، کے احکام کے ماتحت کام کر رہے ہیں اور [illegible] دوسری طرف

(۱) راجہ گلاب سنگھ ... سنہ ۱۸۵۶ء میں ... [illegible] گیا۔

دفعہ ۱۔ انگریزی حکومت مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُس کی نرینہ اولاد کے حق میں تمام پہاڑی اور کوہستانی علاقے معہ اُس کے تابع علاقہ کے جو دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب میں واقع ہیں بشمول چمبہ ماسوائے لاہول کے خود مختار قبضہ کے طور پر منتقل کرتی ہے یہ علاقے اُن ممالک کا حصہ ہیں جو دربار لاہور نے صلحنامہ لاہور کے فقرہ چہارم کی رُو سے انگریزی حکومت کے حوالے ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو کئے۔

دفعہ ۲۔ جو علاقہ شرط بالا کی رُو سے مہاراجہ گلاب سنگھ کے نام منتقل کیا گیا ہے، اُس کی حدود شرقی مقرر کرنے کے لئے برٹش گورنمنٹ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی طرف سے کمشنر تعینات کئے جائیں گے۔ اور یہ حدود علیحدہ مسودہ میں تعین کر دی جائے گی۔

دفعہ ۳۔ گلاب سنگھ اور اُس کی اولاد کے نام مذکورہ دفعہ کی تعمیل اور انتقال کے صلہ میں وُہ انگریزی حکومت کو ۷۵ لاکھ نانک شاہی روپیہ ادا کرے گا۔ جن میں سے ۵۰ لاکھ تو اس صلح نامہ کی تصدیق پر ادا کئے جائیں گے اور ۲۵ لاکھ اس سال کی یکم اکتوبر کو یا اس سے پیشتر وصول کئے جائیں گے۔

دفعہ ۴۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقوں کی حد کو کسی وقت بھی انگریزی حکومت کی رضامندی کے بغیر تبدیل نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۵۔ مہاراجہ گلاب سنگھ ہر ایسے مسائل اور جھگڑوں کو جو اُس کے اور دربار لاہور یا کسی دُوسری ہمسایہ سلطنت کے درمیان واقع ہوں، انگریزی حکومت کے فیصلہ پہ چھوڑے گا اور انگریزی حکومت کے فیصلہ پر کاربند ہوگا۔

دفعہ ۶۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اپنی ذات اور اپنے وارثوں کے لئے اس امر کا ذمہ لیتا ہے کہ وُہ معہ اپنی تمام فوجی سپاہ کے انگریزی فوج کے ساتھ شمولیت اختیار کرے گا جبکہ وُہ پہاڑی علاقہ کے اندر مصروف کار ہو۔ یا ایسے علاقوں میں جو اُس کے مقبوضات سے وابستہ ہوں۔

دفعہ ۷۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اس امر کا ذمہ لیتا ہے کہ وُہ بغیر انگریزی حکومت کی مرضی کے اپنی ملازمت میں کسی انگریزی رعایا کو، کسی یورپین یا امریکن ریاست کی رعایا کو نہ لےگا اور نہ ہی بحال رکھے گا۔

دفعہ ۸۔ مہاراجہ گلاب سنگھ ذمہ لیتا ہے کہ وُہ منتقلہ علاقہ کے ضمیمہ کی دفعہ ۵، ۶

اور ۷ کی شرائط کو ملحوظ رکھے گا۔ اور ایسا ہی انگریزی حکومت اور دربار لاہور کے مابین علیحدہ طور پر ۱۱ مارچ ۱۸۴۶ء کو طے شدہ شرط نامہ کی پابندی کرے گا۔ ایماء رہے کہ مذکورہ شرائط نامہ جاگیرداروں - بقایا - خرچ اور اُن حلقوں کے اثاثہ سے متعلق تھا جس کا انتقال مطلوب تھا۔

دفعہ ۹ - انگریزی حکومت مہاراجہ گلاب سنگھ کو خارجی دشمنوں کے خلاف اپنے علاقوں کی حفاظت کے لئے امداد دیا کرے گی۔

دفعہ ۱۰ - مہاراجہ گلاب سنگھ انگریزی حکومت کی شہنشاہیت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کے لئے انگریزی حکومت کو سالانہ ایک گھوڑا اعلیٰ نسل کی پشم دار بارہ بکریاں (۶ نر اور ۶ مادہ) اور تین جوڑے کشمیری شالوں کے پیش کرے گا۔

ان دس دفعات پر مشتمل عہد نامہ کا تصفیہ آج فریڈرک کری صاحب اور آنریری میجر ہنری منٹگمری لارنس نے رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ کے احکام ماتحت انگریزی حکومت کی طرف سے اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے بہ نفس خود کیا ہے۔ اور معاہدہ مذکور پر آج رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی گورنر جنرل کی مُہر تصدیق ثبت کر دی گئی ہے۔

مقام تحریر امرتسر - آج ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۲۶۲ ہجری
دستخط ایچ۔ ہارڈنگ (مُہر)۔ دستخط ایف۔ کری۔ دستخط ایچ۔ ایم۔ لارنس رائٹ آنریبل گورنر جنرل آف انڈیا کے حکم سے۔

نوٹ - (۱) ۱۳ مارچ ۱۸۸۴ء کو باتفاق رائے یہ قرار پایا کہ ۱۲ بکریوں کی بجائے مہاراجہ جموں و کشمیر دس پونڈ پشم جو لیہہ سے کشمیر آتی ہے - چار پونڈ سیاہ اُون - چار پونڈ خاکی اُون - چار پونڈ سفید اُون اور سفید سُوت کی تین بہترین قسموں میں سے ہر ایک کا ایک پونڈ پیش کیا کرے گا۔ (۲) ۱۸۶۲ء میں ایک سند کے ذریعہ جو مہاراجہ رنبیر سنگھ کو لارڈ کیننگ کی طرف سے دی گئی، گورنمنٹ ہند نے اقرار کیا کہ قدرتی وارثوں کی عدم موجودگی میں مہاراجہ اور اُن کے جانشینان اپنے خاندان کی روایات کے مطابق اپنے خاندان کے لئے پسر متبنّیٰ بنا سکتے ہیں، جس کو گورنمنٹ ہند بخوشی منظور کرے گی۔

یہ صلحنامے ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ جو عہد نامے ہوئے ہیں، اُن سے منقول

Scanned with CamScanner

صُورت میں ہے۔ وُہ علاقے جن کا مہاراجہ گلاب سنگھ کو حکمران تسلیم کیا گیا، اُسے خود مختارانہ قبضہ کے رنگ میں دے گئے۔ گو برٹش گورنمنٹ کی بالادستی کا اعتراف کیا گیا لیکن کمپنی نے کوئی ایسا معاہدہ نہ کیا جس کی رُو سے وُہ ریاست کی اندرونی حفاظت کی گارنٹی کرسکے۔ معاہدہ کی دفعہ ۹ انگریزی حکومت کو اس امر کے لئے پابند کرتی ہے کہ وُہ مہاراجہ جموں و کشمیر کو بیرونی حملوں کے خلاف اپنے علاقوں کے بچاؤ میں امداد کرے گی۔

واجب الوصول رقم کی تشریح

مہاراجہ گلاب سنگھ نے ایک کروڑ روپیہ کی رقم انگریزوں کو دینا تسلیم کی تھی۔ اس رقم میں سے ۲۵ لاکھ روپے انگریزوں نے وصُول نہ کئے۔ کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کلو اور منڈی کے علاقوں اور دریائے بیاس کے درے سے علاقوں پر اپنا قبضہ بحال رکھا جو کہ معاہدہ کی رُو سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو تفویض ہوئے تھے۔ گورنر جنرل اس کے متعلق خفیہ کمیٹی کے نام ۴ مارچ ۱۸۴۶ء کے خط میں لکھتا ہے:-

"یہ امر نہایت ضروری سمجھا گیا ہے کہ کلو، منڈی اور بیاس کے درے سے علاقے معہ نورپور کے جو کہ زرخیز ترین ہیں، اور کانگڑہ کے سارے ضلع اور اُس کے اہم اور مشہور قلعہ پر جسے ہمالیہ کی کُنجی کہا جاتا ہے، اپنا قبضہ رکھا جائے۔ یہ علاقے بیاس اور چکی کے دریاؤں کے درمیان ہیں سو اگر ان پر اپنا قبضہ رکھا جائے تو ہمارا خرچ تھوڑا اور ہمیں فائدہ زیادہ ہوگا۔ اس لئے یہ تمام علاقے اپنے پاس رکھ کر گلاب سنگھ سے جو ایک کروڑ روپیہ لینا ہے، اُس میں سے ۲۵ لاکھ روپیہ کم کر دیا جائے گا اور باقی ۷۵ لاکھ کی رقم ہم وصُول کرلیں گے۔"

چنانچہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۷۵ لاکھ روپیہ کی ادائیگی قسط وار کر دی لیکن اُسے اِتنی بڑی رقم ادا کرنے میں ضرور مشکل پیش آئی۔ ۵۰ لاکھ روپیہ تو عہد نامہ کی تصدیق پر دے دیا گیا اور باقی ۲۵ لاکھ روپیہ میں سے ۱۵ لاکھ روپیہ انہوں نے راجہ سوچیت سنگھ کا مجرائی لے لیا جو کہ فیروزپور میں زمین دوز تھا اور جسے انگریزی حکومت پہلے ہی اپنے تصرف میں لا چکی تھی۔ اور دربار لاہور کو دینے سے صاف انکار کر دیا تھا کہ گلاب سنگھ کی شخصیت میں ایک اور دعویدار موجود ہے۔

گو معاہدہ امرت سر کی رُو سے گلاب سنگھ کشمیر کا حکمران بن گیا۔ لیکن اُس کا قبضہ کشمیر پر نہیں ہوا تھا۔ یہ محض اِس علاقہ کی قانونی ملکیت تھی جو اُس کے نام معاہدہ کی رُو سے منتقل ہوئی۔ کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے گلاب سنگھ اور انگریزی حکومت کو راجہ لال سنگھ وزیر اعظم اور رانی جنداں کی وجہ سے جو مصائب پیش آئیں، اُنہیں بیان کرنے کے لئے علیحدہ باب کی ضرورت ہے۔

مسئلہ انتقال کشمیر

معاہدہ امرت سر ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو انگریزی سرکار اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے مابین طے پایا۔ اِس معاہدہ کی رُو سے کشمیر کا علاقہ سکھوں کے قبضہ سے لے کر مہاراجہ گلاب سنگھ کو دلایا گیا۔ اِس تاریخی معاہدہ کا جو کہ دراصل صلحنامہ لاہور کا ضمیمہ ہے، مطالعہ کیا جائے تو ایک بار قاری کو یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز حکام نے کشمیر جو اپنی سیاسی اور ملکی اہمیت کی وجہ سے دُنیا بھر کی نگاہوں کا مرکز ہے، مہاراجہ گلاب سنگھ کو ۷۵ لاکھ روپیہ میں دے کر شدید غلطی کا ارتکاب کیا اور میدانِ سیاست میں زبردست مات کھائی۔ لیکن اگر سنجیدگی سے اِس مسئلہ پر غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالی جائے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عروج سے لے کر مہارانی جنداں کے اقتدار حاصل کرنے تک پنجاب کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو صاف دکھائی دیگا کہ اُس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس سوائے اِس کے چارہ ہی کوئی نہ تھا۔ سکھ حکومت کو کمزور کرنے کی برطانوی پالیسی کے پیشِ نظر ایک ایسے ہندوستانی حکمران کو اپنے ساتھ رکھا جائے جو اُن علاقوں میں مضبوط پوزیشن اور اثر رکھتا ہو۔ جو علاقے تاوانِ جنگ کی رقم کے عوض پنجاب کے نابالغ مہاراجہ اور اُس کی والدہ رانی جنداں کے مختار عام راجہ لال سنگھ نے انگریزوں کو دینے تسلیم کئے تھے۔

معاہدہ امرت سر کو سامنے رکھ کر صلحنامہ لاہور جو کہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو معاہدہ امرت سر سے سات آٹھ یوم پہلے دربار لاہور کے ساتھ ہوا، پڑھا جائے تو صاف حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اِس معاہدہ کی شرط کے مطابق ایک کروڑ روپیہ تاوانِ جنگ کے طور دربار لاہور انگریزوں کو دینے کا پابند تھا۔ لیکن لاہور کا خزانہ خالی تھا۔ سکھ حکومت

اس قابل نہ تھی کہ تاوانِ جنگ کی رقم ادا کر سکتی۔ اس لئے اُس نے جموں اور کشمیر، ہزارہ، چمبہ، کانگڑہ، کلو وغیرہ کے علاقے پیش کر دیئے اور کہا کہ تاوانِ جنگ کی رقم ان علاقوں کی صورت میں قبول کر لی جائے اور انگریز اُس وقت کشمیر کو اپنی نو آبادی بنانے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ کیونکہ یہ سرزمین اُن کی اپنی سرحد سے ۳۰۰ میل سے زیادہ فاصلہ پر تھی۔ اور درمیان وُہ پہاڑی علاقہ پڑتا تھا جو کوہستان جموں کی شکل میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضہ میں تھا۔ پھر لداخ اور بلتستان کشمیر سے بھی سینکڑوں میل دور تھے۔ اور یہ علاقے بھی گلاب سنگھ کے زیرِ نگیں تھے۔ دربارِ لاہور کے وزیرِ اعظم راجہ لال سنگھ نے اپنی طرف سے چالاکی سے کام لیا تھا کہ موجودہ وقت میں اوّل تو انگریز اِن علاقوں کا انتظام سنبھالنے کے قابل نہیں۔ اور اگر اِن پر وُہ قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے تو گلاب سنگھ سے اِن کی لازمی طور پر بگڑ جائے گی۔ جس گلاب سنگھ کو ہم مدت سے ختم کرنے کے درپے ہیں، وُہ انگریزوں کے ہاتھوں ختم ہو جائے گا اور ہماری دلی مراد اس صورت میں بر آئے گی ہم کہنے والے بن جائیں گے کہ ہم نے تو تاوانِ جنگ کی رقم کے عوض آپ کو علاقے پیش کر دیئے۔ لیکن یہ گلاب سنگھ ہی ہے جو کہ ساری شرارت کی جڑ ہے۔ نہ تو تاوانِ جنگ کی رقم ادا کرنے دیتا ہے اور نہ ہی اِن علاقوں کا قبضہ آپ کے سپرد کرتا ہے۔ لال سنگھ کا یہ خیال تھا کہ کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے پہلے انگریزوں کو جموں کا پہاڑی علاقہ سر کرنا ضروری ہے۔ اس طرح سے سکھ حکومت ایک پتھر سے دو مُرغ مار رہی تھی یعنی تاوانِ جنگ کی رقم سے بھی بری الذمہ اور گلاب سنگھ سے بھی انتقام لینے کا مدعا پورا ہو جاتا تھا۔

انگریز سرکار کا سکھوں کے ساتھ علی وانی تعلق۔ فیروز پور اور سبراؤں کی لڑائیوں میں بہت نقصان ہوا تھا۔ یہ دُرست ہے کہ ہر جنگ میں انگریزوں کو کامیابی ہوئی لیکن کمپنی آئندہ کے لئے سکھ حکومت کو ایسی جارحانہ لڑائیوں سے باز رکھنے کے لئے تاوانِ جنگ کی رقم وصول کرنا ضروری سمجھتی تھی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر گلاب سنگھ سکھوں کے آڑے نہ آتا تو انگریزوں کو فتح کی جانب مائل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ راجہ لال سنگھ نے گلاب سنگھ کی اس خدمت اور دربارِ لاہور سے وفاداری کا یہ صلہ دیا کہ اپنی بلا اُس کے سر ڈال دی۔

صلحنامہ لاہور سے پہلے سر ہنری لارنس نے گلاب سنگھ کو خود مختار حکمران تسلیم کرنے کی پیشکش کی تھی۔ اور گلاب سنگھ نے جواب میں کہا تھا کہ میں بہ حیثیت سفیر کے اپنی خود مختار

پوزیشن حاصل کرنے کی گفت و شنید کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ میں تو دربار لاہور کا نمائندہ ہوں اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کے لئے باعزت اور معقول صلحنامہ کرنے کا پابند ہوں۔ اور اس طرح سے گلاب سنگھ کو خود مختار حکمران بنانے کا معاملہ انگریزوں نے سردست نظر انداز کر دیا تھا۔

جب مہاراجہ گلاب سنگھ کا مختار نامہ منسوخ کرکے راجہ لال سنگھ کو رانی جنداں نے اپنا مختار بنایا اور اس نے تاوانِ جنگ کی رقم کے عوض کشمیر کے ساتھ دوسرے علاقے دینے تسلیم کر لیے تو انگریز سیاست دانوں نے گلاب سنگھ کو جموں اور کشمیر کا خود مختار حکمران بنانے کی تجویز کو دہرایا جسے اُسے قبول کرنا پڑا۔ اور تاوانِ جنگ کی رقم جو کہ دربار لاہور دینے سے انکار کر چکا تھا، اُس نے ادا کرنا قبول کر لی۔ اندریں حالات ایک عام قسم کا آدمی بھی جسے سیاست کا دور کا بھی واسطہ نہ ہو، یہ سمجھ سکتا ہے کہ گلاب سنگھ نے سکھوں سے کون سی غداری کی؟ بلکہ اُس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خاندان سے اپنی وفاداری کو پوری طرح نبھایا جو کہ اُس نے اپنی اوائل عمر سے اپنا دھرم بنا رکھا تھا۔ پھر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کشمیر کو انگریزوں نے ۷۵ لاکھ روپیہ میں فروخت کر دیا، وہ کہاں تک حقائق اور تاریخی واقعات کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہ خیال کہ کشمیر کو ایک معمولی رقم کی خاطر ایک حکومت نے فروخت کر دیا، واقعات کا مذاق اور تاریخ کی کھلی اُڑانے کے مترادف ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے زورِ بازو اور خداداد قابلیت اور تدبّر سے ان گنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو یک جا کیا اور ریاست جموں و کشمیر کی بنیاد ڈال کر بھارت کی سرحدیں ہمالیہ کے پار وسط ایشیا تک ملا دیں۔ اور خود ایک ایسے حکمران کی حیثیت سے ریاست کا خود مختار حکمران بن کر آئینی حکومت رائج کی جو کہ اُس سے پہلے ان علاقوں کے لوگوں نے صدیوں سے نہیں دیکھی تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے متعلق چند ایک مورخوں نے غلط بیانی سے کام لے کر یہ الزام لگایا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد گلاب سنگھ اور اس کے خاندان نے سکھ حکومت سے غداری کی لیکن اُن کے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے کہ راجہ دھیان سنگھ وزیر اعظم لاہور اور مہاراجہ شیر سنگھ اور اُس کے نو عمر کنور کو سندھانوالیہ سرداروں نے جو قتل کیا، کیا اس میں بھی گلاب سنگھ کا ہاتھ تھا؟ اُس کے بعد راجہ سوچیت سنگھ کو رانی جنداں کے بھائی سردار جواہر سنگھ (جو کہ راجہ ہیرا سنگھ وزیر اعظم

کے رُتبہ کا حاسد تھا) نے بُلا کر دونوں چچا اور بھتیجے کی جنگ کرائی اور خود رُوپوش ہو گیا۔ جس کے نتیجہ کے طور سوچیت سنگھ مارا گیا۔ کیا یہ بھی گلاب سنگھ کی منشاء کے مطابق تھا؟ اور پھر پنڈت جلّھا سے ناراضگی کی آڑ میں راجہ ہیرا سنگھ اور میاں سوہن سنگھ فرزند گلاب سنگھ کا قتلِ عام کیا گیا۔ تب بھی گلاب سنگھ کی سازش تھی کیا؟ گلاب سنگھ کو جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جموں کا راج تلک دیا، وہ تو اُس دن سے دربار لاہور میں بغیر طلبی کے کبھی حاضر نہ ہوا تھا۔ وہ اپنے علاقہ میں ہی رہ کر اپنی مملکت کو وسیع کرنے میں کوشاں رہا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد بھی اُس نے لاہور کی طرف بلا کام کے رُخ نہ کیا۔ وہ دربار لاہور کے ہر حکم کی تعمیل میں جان لڑانا اپنا فرض جانتا رہا۔ جب بھی بُلایا گیا، بسر و چشم حاضر ہوتا رہا۔ اور جو مہم یا کام اُس کے سپرد کیا جاتا، اُس سے بہ احسن و خوبی عہدہ برآ ہوتا رہا۔ وہ جموں میں بیٹھ کر دربار لاہور کے خلاف کیا سازش کر سکتا تھا جب کہ اُس کے خاندان کا مفاد دربار لاہور سے وابستہ تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بنائی ہوئی سلطنت کی تباہی کی ذمہ داری اُن سکھ سرداروں اور درباریوں پر ہے جو اپنے ذاتی اقتدار کے لئے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے اخلاق سے بھی واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ جب کہ دربار لاہور کی طوائف الملوکی میں مہارانی جنداں کا بھائی سردار جواہر سنگھ لاہور کا وزیرِ اعظم اور سب سے بڑا سردار نہ بچ سکا تو ہر بات میں گلاب سنگھ اور اُس کے خاندان کو موردِ الزام ٹھیرانا کہاں کا انصاف ہے؟ سکھ افواج نے انگریزوں پر حملہ کیا اور پے بہ پے حملوں میں شکست کھائی۔ تو یہ تحریک کس طرف سے ہوئی تھی؟ صاف ظاہر ہے کہ سکھ حکومت اپنے ہی ہاتھوں تباہ ہوئی۔ گلاب سنگھ نے تو جہاں تک ہو سکا، دربار لاہور کو نیک صلاح دی۔ اور اُس نے ہر ممکن وفاداری اور خیر خواہی کی مثال قائم کرنے میں کسی بھی وقت تامل نہ کیا۔ وہ تو آخر دم تک اس انتظار میں رہا کہ دربار لاہور کے بڑے بڑے حکام ٹھوکر پر ٹھوکر کھانے کے بعد ایک دن راہِ راست پر آجائیں گے لیکن اُس کی یہ مُراد بر نہ آئی۔ اُس نے دربار لاہور پر انگریزوں کو اُس وقت ترجیح دی جب کہ اُس نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کو خاتمہ سے دُنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ اور دربار لاہور ایسے ٹھگوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن چکا ہے جو کہ اُسے تباہی کے گڑھے میں گرا کر رہیں گے۔ چنانچہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ایک دستور

Scanned with CamScanner

اور جہاندیدہ انسان کی مانند سلطنت لاہور کو خاک کرنے والی آگ میں جلنے سے اپنے آپ کو بچالیا۔ اور انگریز دوستی کا ہاتھ تھام لیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کا کردار ایک زیرک و دانشمند حکمران کا کردار ہے۔ اُس کی زندگی کا ہر ورق انسان کے لئے مشعل راہ ہے۔ ایسے عظیم انسان کو خود غرضی اور تعصب کی بناء پر غدار کہنا انسانیت کا منہ چڑانا ہے اور کچھ نہیں۔

کشمیر کو فروخت نہیں کیا گیا بلکہ اس علاقہ کو انگریزوں نے گلاب سنگھ کی خدمات اور دوستانہ جذبات کے تحت دیا۔ ۷۵ لاکھ روپیہ کشمیر کے علاقہ کی قیمت نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک تاوان کی رقم تھی جو کہ حکومتیں حکومتوں کو دیتی آئی ہیں۔ اگر مہاراجہ گلاب سنگھ تاوان جنگ کی رقم ۷۵ لاکھ روپیہ ادا کرنا قبول نہ کرتا تو بھی انگریزوں کے سامنے اُس وقت گلاب سنگھ سے بہتر کوئی اور آدمی نہیں تھا جس کے اخلاص اور دوستی کی اُن کو قدر ہوتی۔ اور صاف بات یہ بھی ہے کہ گلاب سنگھ ہی اُس وقت کے حالات کے مطابق ایسا مضبوط اور قابل حکمران تھا جو اتنی وسیع ریاست میں امن اور قانون کی حکومت قائم کرنے کی ذمہ داری اُٹھا سکتا تھا۔ مسٹر کے ایم۔ پانیکر اپنی کتاب موسومہ "گلاب سنگھ" میں رقمطراز ہے کہ مہاراجہ انتقال کشمیر کے بحث و مباحثہ میں ذیل کی باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ:۔

"کشمیر کی قطعاً کوئی فروخت نہیں ہوئی۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ اُس وقت خودمختار حکمران تھا۔ اُس کے ساتھ جو عہد نامہ لاہور ہوا تھا، اُس کی دفعہ ۱۲ اس حقیقت کو پوری طرح واضح کرتی ہے کہ دربار لاہور سے عہد نامہ کرنے سے قبل یہ بات طے پا چکی تھی کہ راوی اور سندھ کے درمیان کا علاقہ جو لاہور گورنمنٹ چھوڑ رہی ہے، گلاب سنگھ کو دیا جائے گا۔ مگر لال سنگھ نے چالاکی سے کام لیا کہ اُس نے جموں و کشمیر اور راوی اور سندھ کے درمیان کے تمام علاقے کمپنی کے حوالے کر دیئے۔ اِس طرح اُس نے لداخ۔ بلتستان اور دوسرے علاقے جو گلاب سنگھ کی ملکیت تھے، کمپنی کو دے دیئے۔ یہاں یہ امر ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ معاہدہ امرتسر کوئی علیحدہ شئے نہیں بلکہ وہ صلحنامہ لاہور کا ضمیمہ ہے جو اس بات کی وضاحت کئے دیتا ہے کہ

کشمیر کو فروخت نہیں کیا گیا تھا۔"

"دوسری بات یہ کہ گلاب سنگھ کو کشمیر اُن خدمات کے صلہ میں دیا جانا مطلوب تھا جو اُس نے لاہور گورنمنٹ کے ساتھ صلحنامہ کرانے میں سرانجام دیں اگر گلاب سنگھ اُس وقت اپنا اثر و رسوخ دربار لاہور پر استعمال نہ کرتا تو صلح ہونا ناممکن بات تھی۔"

"تیسری بات یہ کہ اُس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے کشمیر کو فتح کرنا ممکن تھا یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ۱۸۴۵ء میں انگریزوں کی حد ستلج کا دریا تھی۔ لاہور پر انگریزوں کا قبضہ نہ ہوا تھا گو سکھوں نے سبراؤں کی لڑائی میں شکست کھائی تھی مگر خالصہ فوج کے حوصلے ابھی پست نہ ہوئے تھے۔ اگر اُس وقت کمپنی پنجاب پر قبضہ جمانا چاہتی تو ایک بڑی جنگ لڑنا پڑتی جس کے لئے کمپنی تیار نہ تھی۔ فیروزپور میں اپنی چھاؤنی رکھتے ہوئے اور سکھوں کی ہر وقت جنگ کے لئے تیاری کو مدنظر رکھ کر کمپنی کے لئے یہ امر محال تھا کہ کشمیر پر اپنا قبضہ کرنے کے بعد اُس پر اپنا اقتدار بحال رکھ سکے۔ تو یہ محض ایک بے ہودہ اور بعد از وقت افسوس ہے۔ اور اُن لوگوں کے تنگ نظریہ کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گلاب سنگھ کو کشمیر دے کر کمپنی نے اپنا خزانہ پُر کر لیا۔"

"چوتھی بات یہ ہے کہ اٹھارھویں صدی اور اُس کے کافی عرصہ بعد تک کشمیر ہندوستان کا حصہ خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ رنجیت سنگھ کے کشمیر فتح کرنے سے پہلے یہ ایک افغان صوبہ تھا اور کشمیر کو ایک اجنبی یعنی بدیشی ملک تصور کیا جاتا تھا۔"

"پانچویں بات یہ کہ اُس وقت ایک بڑی غرض حکومت ہند کے سامنے یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح سکھ حکومت کو کمزور کر دیا جائے۔ ملتان سے ... تک پھیلی ہوئی سکھ حکومت ہر وقت خطرہ کا موجب ہو سکتی تھی۔ اس لئے اس حکومت کے [illegible] بیٹھ جاتے حکومت ہند کا مقصد بھی پورا ہو سکتا تھا۔"

سرزد ہوتا ہے ... یہ بھی کہنا ہے کہ اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جب

گلاب سنگھ نے جنوری ۱۸۴۳ء میں دربار لاہور کا چارج بہ حیثیت وزیر اعظم لیا تو وہ اپنی قابلیت اور دور اندیشی کی بدولت جنگ کو ٹال سکتا تھا اور انگریزوں کو شکست میں مبتلا کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے مفاہمہ کی طرف دربار کو مائل کیا۔ وہ لڑائی میں غیر جانبدار رہا۔ اس سلوک کی روشنی میں جو اس کی ذات اور اس کے خاندان کے ساتھ روا رکھا گیا، بہت کم لوگ اس کی روش کو ناپسند کریں گے۔ اور اس کے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجے کو بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ صرف چند ماہ پیشتر اس کی بر سر بازار تذلیل کی گئی اور اسے قید کر لیا گیا۔ دربار لاہور کی گلاب سنگھ اور اس کے خاندان سے متواتر مخالفت کئی سالوں تک چلی آتی رہی۔ پھر بھی اس نے دربار لاہور کی عملی مخالفت نہیں کی بلکہ وہ غیر جانبدار رہا۔ گلاب سنگھ کی رنجیت سنگھ کی یاد سے وفاداری کا یہ ایک کھلا اور قابل داد ثبوت ہے۔ عین آخری لمحہ تک اس نے دلیپ سنگھ کی ذات کے لئے حتے الامکان کوشش کی کہ بہترین شرائط طے ہو جائیں ——— ان حالات میں اسے سکھوں سے غداری کا ملزم قرار دینا ایک ایسی بے انصافی ہے جس کی کہیں بھی تلافی نہیں ہو سکتی۔

ریاست کی سرحدوں کا تعین

عہد نامہ امرت سر کی رو سے لازم تو یہ تھا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو کشمیر کا دخل تاوان جنگ کی رقم ادا کرتے ہی مل جاتا۔ لیکن یہ محض اس علاقہ کی قانونی ملکیت تھی جو اس کے نام منتقل ہوئی۔ کشمیر کا قبضہ حاصل کرنے کے لئے اسے مہینوں لگ گئے اور کافی جدوجہد کرنا پڑی۔ بات یہ تھی کہ راجہ لال سنگھ وزیر اعظم لاہور نے معاہدہ لاہور کی رو سے کشمیر تو انگریزوں کے سپرد کر دیا اور انگریزوں نے معاہدہ امرت سر طے کر کے مہاراجہ گلاب سنگھ کو اس کی قانونی ملکیت دے دی۔ لیکن راجہ لال سنگھ نے خفیہ طور پر شیخ امام الدین گورنر کشمیر کو پروانہ بھیج دیا کہ وہ کشمیر کا قبضہ گلاب سنگھ کو کسی صورت بھی نہ دے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب وزیر لکھپت قبضہ حاصل کرنے کے لئے کشمیر کے دار الخلافہ سرینگر میں پہنچا تو سکھ گورنر شیخ امام الدین نے دربار لاہور کے وزیر اعظم کی ہدایات کی تعمیل میں کشمیر پرانت کے دے دینے سے انکار کر دیا۔ تاہم تھوڑی سی کشمکش کے بعد وزیر لکھپت نے ہری پربت کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس کے ساتھ فوج کی بہت تھوڑی تعداد تھی۔ اس لئے مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس کی پوزیشن کو نازک جان کر وزیر رتنوں کی کمان میں امدادی فوجیں بھیج دیں۔ گو ممنٹ نے

لارنس نے شیخ امام الدین کے نام ایک مراسلہ بھیجا تھا کہ وُہ کشمیر کا قبضہ فوراً مہاراجہ گلاب سنگھ کو دے دے مگر شیخ نے ٹال مٹول شروع کر دی۔ آٹھ دس ہزار روپیہ فوج کی تنخواہیں حکومت کے ذمہ بقایا تھیں۔ اپریل سے اگست بھی آ گیا اور بالآخر ہنری لارنس کو یہ یقین ہو گیا کہ شیخ امام الدین سیدھی طرح سے کشمیر کا قبضہ دینے کے لئے تیار نہیں تو اُس نے دیوان حاکم رائے کو دربار لاہور کی طرف سے کشمیر بھیجنے کا انتظام کیا۔ شیخ امام الدین نے پہلے اس امر کی ضمانت چاہی کہ جب تک اُسے یقین نہ دلایا جائے کہ اُس کی جاگیریں جو پنجاب میں ہیں ضبط نہ کی جائینگی تب تک قبضہ نہیں دیا جا سکتا۔ ۲۰ اگست ۱۸۴۶ء کو ہنری لارنس نے پھر ایک حکم بھیجا کہ اگر وُہ کشمیر کا قبضہ فوراً نہ دے گا تو اُسے حکم عدولی کا سزاوار تصور کیا جائے گا۔ مگر اس اثنا میں شیخ امام الدین نے بغاوت کی تیاری کر لی تھی۔ اُس کے ساتھ کرناہ کا راجہ شیر احمد۔ دوپٹہ کا راجہ عطاء محمد۔ اوڑی کا راجہ مظفر خان اور مظفر آباد کا راجہ محبوب خان شامل ہو گئے اور راجوری کے راجہ فقیر اللہ خان نے شیخ امام الدین کی طرف سے بغاوت کو بہت زیادہ ہوا دی۔ ۳۰ اگست ۱۸۴۶ء کی رات کو حادثہ یہ ہوا کہ ڈوگرہ فوج کے ایک جوان اور شیخ امام الدین کی فوج کے روہیلے سپاہی کی کسی بات پر تکرار ہو گئی اور ڈوگرے نے روہیلے کا کام تمام کر دیا۔ پس اس بات پر معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ رات بھر لڑائی جاری رہی۔ سرینگر کے لوگوں نے جو اس جنگ سے بالکل بے خبر تھے، اچانک توپ و تفنگ کی آواز سنی تو حواس باختہ ہو گئے۔ وزیر رتنو بڑی مشکل سے قلعہ ہری پربت میں پہنچا اور وزیر لکھپت اس میدان میں مارا گیا۔ ڈوگرہ فوج کے ۴ ہزار آدمی جان بچا کر شنکر آچاریہ کی پہاڑی پر پناہ گزین ہوئے۔ جب دن نکلا تو شیخ امام الدین گورنر کشمیر ہاتھی پر سوار شہر سے باہر نکل کر تخت سلیمان کی طرف آیا۔ مرزا سیف اللہ خان کی سرکردگی میں پانچ سو جوان پہاڑی پر بھیجے گئے اور ڈوگرہ فوج سے ہتھیار چھین لئے گئے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے تمام حالات سے باخبر ہو کر دیوان جوالا سہائے وزیر اعظم کو انگریز سرکار کے پاس بھیجا کہ وُہ اُن سے قبضہ کشمیر کے دلانے کے لئے عرض کرے۔ اور یہ بھی جتلا دے کہ ہم معاہدہ کا اپنا حصہ پورا کر چکے ہیں اور باقی حصہ پورا کرانے کی ذمہ داری اُن پر پڑتی ہے۔ گورنر جنرل نے دیوان جوالا سہائے کو اپنے پاس بلا لیا اور اُس کی عرضداشت پر سر ہنری لارنس کو حکم دیا کہ وُہ سکھ حکومت سے مل کر تحریک کرے کہ وُہ اپنے گورنر کشمیر

چھوڑنے کے لئے مجبور کرے۔ چنانچہ لال سنگھ کو خود اپنے کاردار کے خلاف فوج بھیجنے کے لئے تیار ہونا پڑا۔ اور سردار تیجا سنگھ سردار شیر سنگھ مینگل سنگھ اور سردار کاہن سنگھ مان جرنیلوں کو کشمیر پہنچنے کے لئے کہا گیا۔ یہ فوج بھمبر کے راستے بڑھی۔ دوسری جانب لارنس کی کمان میں ایک مختصر سی سپاہ نے کشمیر پر چڑھائی کر دی۔

جموں سے ولی عہد ریاست رنبیر سنگھ کے تحت سپاہ تیار کی گئی جو کرنل ایڈورڈز اس کے ساتھ ریاسی کے مقام پر شامل ہو گیا۔ اور ۲۴ ستمبر کو میجر ہنری لارنس نے کشمیر کی خالصہ فوج کے نام ایک حکم میں وارننگ دی کہ:

"انگریزی فوج مہاراجہ گلاب سنگھ کی امداد کے لئے بھیجی جا رہی ہے۔ چونکہ انگریزوں کا یہ قاعدہ ہے کہ دشمن پر حملہ سے پہلے اُسے وارننگ دی جائے۔ اس لئے تم سب کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم فوراً امام الدین کا ساتھ چھوڑ کر پنجاب چلے آؤ تو تمہاری جان بخش دی جائے گی۔ اور تمہاری بقایا تنخواہ بھی ادا کر دی جائے گی۔"

دوسرا حکم شیخ امام الدین کے نام لکھا کہ:—

"اگر یہ حکم پہنچنے کے دو دن کے اندر تم کشمیر چھوڑ کر میرے ساتھ شامل ہو جاؤ تو تمہاری جان بخش دی جائے گی اور تمہارے عیال و اطفال کو جو اس وقت قید میں ہیں، رہا کر دیا جائے گا۔"

جب شیخ امام الدین اس طرح پر انگریزوں، دربار لاہور اور جموں سرکار کی طرف سے مجبور ہو گیا تو اُس نے ذاتی طور پر لارنس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی بریت کے لئے اُس نے لال سنگھ وزیر اعظم لاہور کا وہ پروانہ پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ:—

لہ شیخ امام الدین کے باپ شیخ غلام محی الدین کے متعلق مشہور ہے کہ وہ راجہ دھیان سنگھ کا اپنا آدمی تھا اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی سفارش سے کشمیر کا صوبیدار بنا تھا۔ اور جب راجہ دھیان سنگھ کا قتل ہوا تو شیخ غلام محی الدین کے بیٹے شیخ امام الدین نے راجہ ہیرا سنگھ کے تابع ہو کر راجہ دھیان سنگھ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا تھا۔ شیخ غلام محی الدین کی موت کشمیر میں ۲۵ مارچ ۱۸۴۶ء کو ہوئی۔ اس نے ۱۸۴۱ء سے ۱۸۴۶ء تک کشمیر کی گورنری کی تھی۔ اس کے بعد شیخ امام الدین گورنر ہوا جسے ابھی مشکل چند ماہ ہی اس عہدہ پر فائز ہوئے تھے گزرے تھے کہ اسے کشمیر کا صوبہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو دینا پڑا۔

"چونکہ تم نمک خوار قدیم اس سرکار کے ہو۔ تم کو چاہیئے کہ کشمیر کو ہرگز خالی نہ کرو۔ اور اگر اس میں تمہاری جان بھی جاتی رہے تو عین سعادت سمجھو"

اس پروانہ کے پیش ہونے پر لال سنگھ کی بددیانتی اور عیاری کا بھانڈہ پھوٹ گیا۔ اس طرح سے شیخ امام الدین کو معافی دے دی گئی اور لال سنگھ کو عہدہ وزارت سے معزول کر کے پہلے آگرہ اور بعد میں ڈیرہ دون بھیج دیا گیا۔

شیخ امام الدین کی اطاعت پر کشمیر اور اس کے سارے علاقے اور پرگنے امن و سکون کے ساتھ مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ میں چلے گئے۔ مہاراجہ ۹ نومبر ۱۸۴۶ء کے دن سرینگر میں داخل ہوا۔ امام الدین دو دن پہلے سرینگر سے جا چکا تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ شیرگڑھی میں صبح کے آٹھ بجے داخل ہوا۔

ہزارہ کے قبائل کی بغاوت

۱۸۴۷ء میں ہزارہ کے قبائل بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ دیوان ہری چند صورت حال پر قابو نہ پا سکا تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے دیوان جوالا سہائے کو بذات خود جانے کے احکام دیئے۔ جس نے جا کر بغاوت کو فرو کر دیا۔ لیکن دیوان جوالا سہائے نے ہزارہ سے واپس آتے ہی مہاراجہ گلاب سنگھ کو ان علاقوں کی بجائے کوئی دوسرے علاقے حاصل کرنے کے لئے سرکار انگریزی سے استدعا کرنے کے لئے گذارش کی۔ اسی اثناء میں اسکردو کے سات راجوں نے جو سرینگر کے قلعہ میں تھے، اطاعت قبول کر لی۔ لیفٹننٹ کرنل لارنس نے مہاراجہ کی رضامندی سے اعلان کر دیا کہ جو راجے یا جاگیردار اطاعت قبول کریں گے، اُن کے معقول گذارہ کا انتظام کیا جائے گا۔ کھکھ بمبہ علاقہ کے تمام راجگان نے مہاراجہ کی حکومت تسلیم کر لی۔ اور شیخ امام الدین نے اپنے عہد میں جو جاگیریں اندھا دھند دی ہوئی تھیں، اُن جاگیرداروں نے پہلے تو حیل و حجت کی۔ لیکن جب انہوں نے شیخ امام الدین کے متعلق سُنا کہ وہ تو یہاں سے بھاگ کر انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا تو انہوں نے بھی مہاراجہ کی خدمت میں نذریں پیش کر دیں۔ سلطان حسین خان آف مظفر آباد۔ سلطان عطا محمد آف دوپٹہ اور کرنکہ خاندان کے سب جاگیرداروں نے مہاراجہ کی اطاعت قبول کر لی۔

علاقوں کا تبادلہ

مہاراجہ گلاب سنگھ نے انگریزی حکومت سے درخواست

کی کہ وُہ ہزارہ کا علاقہ تبدیل کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ جموں سے بہت دُور ہے۔ اور اس کے بدلے میں ریاست جموں وکشمیر کو علاقہ مناور اور کھڑی کا دیا جائے جو کہ میجر جمیس ایبٹ کی حد بندی میں حدود سرکار لاہور میں شامل ہو گیا ہے۔ چنانچہ مہاراجہ کی درخواست منظور ہوئی اور ہزارہ رخان پور۔ کارو اور کھوٹہ دربار لاہور کو دیا گیا اور اس کے بدلے مناور اور کھڑی کے علاقے ریاست جموں وکشمیر میں شامل کئے گئے۔ اس طرح سے شہر جہلم اور مظفر آباد کے درمیان جموں کی سرحد دریائے جہلم قرار دی گئی۔

سرحدوں میں تبدیلی

سنہ ۱۸۴۷ء میں سرحد کو پھر ترمیم کیا گیا اور مہاراجہ گلاب سنگھ کو کٹھوعہ اور سوچیت گڑھ کے علاقے دئے گئے۔ اور پٹھانکوٹ اور سوجان پور کے علاقے پہاڑی راجگان کو مقرریاں دینے کے لئے اپنی تحویل میں انگریزوں نے لے لئے۔ یہ پہاڑی راجگان منکوٹ (رامکوٹ) بندرالتہ (رام نگر)۔ بھدرواہ۔ راجوری۔ بھمبر۔ جسروٹہ۔ بسوہلی اور کشتواڑ کے تھے جنہوں نے اپنی رہائش مہاراجہ گلاب سنگھ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سے ہی انگریزی علاقہ میں اختیار کر لی تھی۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سنہ ۱۸۴۶ء کے عہد نامہ کی رُو سے گلاب سنگھ کے علاقہ میں چمبہ شامل تھا۔ راجہ چمبہ نے بھدرواہ کا دعوےٰ کیا جو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بطور جاگیر اُسے دے رکھا تھا۔ معاہدہ لاہور کی دفعہ ۵ کی رُو سے انگریزی سرکار نے جاگیرداروں کے جائز حقوق کو پیشِ نظر رکھنے کا اقرار کیا تھا۔ راجہ چمبہ کی دعویداری متعلق بھدرواہ بہت مضبوط اور ناقابلِ اعتراض تھی لیکن پوزیشن اس لحاظ سے اُلٹ تھی کہ چمبہ گلاب سنگھ کے نام منتقل ہو چکا تھا اور بھدرواہ راجہ چمبہ کی ملکیت تھی۔ تو اس معاملہ کا فیصلہ بھی ہنری لارنس نے یہ کیا کہ بھدرواہ معہ لکھن پور اور چن گراں کے مہاراجہ گلاب سنگھ کو دے دئے جائیں اور چمبہ کو ریاست جموں وکشمیر سے باہر نکال لیا جائے۔ اور ریاست چمبہ انگریزی حکومت کے ماتحت ایک انحادی ریاست قرار پائے۔ اس طرح سے ریاست چمبہ نے اپنی موجودہ شکل اختیار کر لی۔

جواہر سنگھ موتی سنگھ کا مہاراجہ گلاب سنگھ پر دعوےٰ

لاہور کے دُوسرے عہد نامہ کی رُو سے سکھ حکومت کو کچھ عرصہ کے لئے سر ہنری لارنس کے مکمل قبضہ میں رکھ دیا گیا۔ اور اُنہوں نے صلح نامہ پر ۵ مئی

Scanned with CamScanner

۱۸۴۷ء کو دستخط کیے۔ تبت اور کشمیر کے مابین حد بندی کا کام وانس اگنیو اور کننگھم کے سپرد کیا گیا۔ وہ ۲ر اگست ۱۸۴۶ء کو شملہ روانہ ہوئے لیکن کوئی کام نہ ہوا۔ اور کننگھم دوسری بار ڈاکٹر ٹامسن کو لے کر موقعہ پر پہنچا اور سرحدیں مقرر کیں۔ مگر ریاست جموں و کشمیر کے دوسرے رقبہ کے متعلق کئی ایک مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ پونچھ کا علاقہ راجہ دھیان سنگھ کو دربار لاہور کی طرف سے جاگیر کے طور عطاء ہوا تھا اور اُس کے بڑے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ کی وفات پر دربار لاہور نے اِس بناء پر جاگیر پونچھ کو ضبط کر لیا کہ جاگیر کے مالک بغاوت کی حالت میں مرے ہیں۔ اور یہی جاگیر راجوری کے راجہ فقیر اللہ خان کو دی گئی۔ جب راوی اور سندھ کے درمیان کا علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی ملکیت میں دیا گیا تو پونچھ کا علاقہ بھی اس کی ملکیت میں آ گیا۔ اور مہاراجہ نے اِس علاقہ کو اُس کے جائز حقدار راجہ جواہر سنگھ کو دے دیا لیکن راجہ جواہر سنگھ اور موتی سنگھ دونوں بھائیوں نے انگریز سرکار کے پاس مہاراجہ گلاب سنگھ پر پونچھ جسروٹہ۔ آمدنی کشمیر اور گلاب سنگھ کی ذاتی جائداد پر اس لئے دعوئے کر دیا کہ یہ تمام بھائیوں کی مشترکہ اور خاندانی جائداد ہے۔ ان دونوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ اُن کے نام بھی صلحنامہ امرتسر میں شامل کئے جائیں۔ مہاراجہ کی طرف سے دیوان جوالا سہائے مختار تھا۔

یہ دعوئے پہلے پہل ۱۱ر اگست ۱۸۴۷ء کو ہنری لارنس کے سامنے پیش ہوا۔ چنانچہ جواہر سنگھ اور موتی سنگھ کا نمائندہ مہر سنگھ جب ہنری لارنس سے ملا تو اُس نے اُسے مشورہ دیا کہ جواہر سنگھ لاہور آ کر اُس سے ذاتی طور پر ملاقات کرے۔ مگر جواہر سنگھ نے اِس ملاقات کو اِس واسطے ٹال دیا کہ لارنس اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی آپس میں گہری دوستی ہے۔ اور اُسے یہ خیال تھا کہ لارنس زیادہ عرصہ تک لاہور میں نہیں رہے گا۔ چنانچہ لارنس لاہور سے تبدیل ہو گیا۔ سر فریڈرک کری ریذیڈنٹ اُس کی جگہ مقرر ہوا۔ تو جواہر سنگھ بمعہ موتی سنگھ کے لاہور پہنچ گیا اور اپنے دعوئے کو نئے ریذیڈنٹ کے سامنے رکھ دیا۔ معاملہ ثالثان کے سپرد ہوا جنھوں نے ایک عہدنامہ مرتب کیا۔ اور اِن دونوں بھائیوں کو دو جاگیریں دینا منظور کیں۔ عہدنامہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

(۱) میاں جواہر سنگھ و موتی سنگھ فرزندان راجہ دھیان سنگھ کا دعوئے راجہ ہیرا سنگھ و راجہ سوچیت سنگھ کے ترکہ کی بابت از رُوئے اسناد عہد سابق جو کہ مہابدہ

امرت سر اور لاہور سے پہلے کی ہیں) اب نا قابل سماعت نہیں۔

(۲) جب عہد نامہ لاہور ہوا تو ملک جس پر دعوےٰ کیا گیا ہے۔ میاں صاحبان کے قبضہ میں نہ تھا۔ اور سرکار لاہور کو قبل از عہد نامہ اختیار عطا و ضبط اپنے ملک کا حاصل تھا۔ بعد از قرار داد عہد نامہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ملک چھبال و پونچھ وغیرہ جمعی تین لاکھ پچاس ہزار روپیہ میاں صاحبان کو دے دیا ہے۔ اور اب علاقہ چلایار اور ڈٹالہ و دیگر مواضعات متفرقہ جمعی چالیس ہزار روپیہ سال تمام مہاراجہ صاحب میاں صاحبان کو عطا کرتے ہیں۔ یہ ان کے قبضہ میں رہے۔

(۳) ایک پلٹن کی نوکری جو راجہ دھیان سنگھ کے زمانہ میں رائج تھی اب مہاراجہ گلاب سنگھ معاف کرتے ہیں۔

(۴) دونوں بھائیوں کو خطاب راجگی دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ راجہ جواہر سنگھ اور راجہ موتی سنگھ پر شرط عاید کی گئی کہ وہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو ہر سال ایک گھوڑا سنہری جھول کے ساتھ دیا کریں۔ اور ان پر پابندی عاید کی گئی کہ وہ تمام اہم امور میں مہاراجہ سے مشورہ لیا کریں۔

۱۲ مئی ۱۸۴۸ء کے دن یہ فیصلہ دونوں بھائیوں کو اور دیوان جوالا سہائے معتبر مہاراجہ گلاب سنگھ کو سنایا گیا۔

جواہر سنگھ اور موتی سنگھ کا جھگڑا

دو چار سال راجہ جواہر سنگھ اور راجہ موتی سنگھ اپنی اپنی جاگیروں چھبال اور پونچھ میں قائم رہے لیکن ۱۸۵۲ء میں دونوں بھائیوں کا زبردست جھگڑا ہو گیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے بیچ بچاؤ کی ہر چند کوشش کی اور دونوں کو سمجھایا بھی لیکن راجہ جواہر سنگھ نے ایک بھی بات نہ مانی اور معاملہ پھر سے پنجاب گورنمنٹ کے سپرد کیا گیا جس نے پونچھ کا علاقہ راجہ موتی سنگھ کو پہلی شرائط پر ہی جاگیر کے طور دے دیا۔

جواہر سنگھ کی جائداد ضبط

جواہر سنگھ کو کوئی بھی شرط قبول نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ مولوی منظر علی نام کے ایک سازشی کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ مولوی کو اس نے اپنا دیوان مقرر کر دیا اور اسے فوجی بھرتی کے لئے ریاست سوات میں بھیجا گیا۔ مگر انگریزی حکام نے اسے روک لیا اور پنجاب سے بدر کر دیا۔ پھر جواہر سنگھ

Scanned with CamScanner

بہ نفسِ نفیس اُسی کرنیل لارنس کے پاس حاضر ہوا جس سے وہ ایک سال پہلے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ راجہ جواہر سنگھ نے لارنس سے درخواست کی کہ وہ اور کچھ نہیں چاہتا اُسے خود مختار بنایا جائے اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے اختیار میں نہ رکھا جائے۔ اُس کا براہ راست انگریزی سرکار سے رابطہ رہے۔ لیکن کرنیل لارنس کے پاس اس سے پہلے اس کی سازشوں اور غیر وفاداری کی دستاویزیں پہنچ چکی تھیں۔ اس بناء پر اُس کی جائداد کو ضبط قرار دیا گیا اور اُس کا علاقہ چبھال ریاست جموں وکشمیر میں شامل کر لیا گیا۔ اس کے بعد راجہ جواہر سنگھ کا کہیں پتہ نہ چلا۔

اب مہاراجہ گلاب سنگھ بلا شرکت غیرے شمالی ہندوستان کی ۸۴ ہزار مربع میل میں پھیلی ہوئی عظیم اور متحدہ ریاست کا خود مختار حکمران قرار دیا گیا۔ اس طرح سے ریاست جموں وکشمیر۔ سالم لداخ اور تبت و پامیر کے کچھ حصے حقیقی طور پر ہندوستان میں آگئے۔ یہ تمام رقبہ کسی زمانہ میں بھی ایک واحد حکمران کے ماتحت متحد نہیں ہوا تھا۔ اور اس کے بہت سے حصوں نے ماسوائے وادئ کشمیر کے رقبہ کے منظم اور آئینی حکومت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اب نظم ونسق کا کام باقی تھا۔ اور یہ کام اختلاف آبادی، مفاد، زبان، کلچر، آب وہوا، ماضی کے بکھرے ہوئے سلسلہ کی روشنی میں کسی طرح بھی آسان نہ تھا۔ یہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی عظیم الشان کامیابی ہے کہ اُس نے اس مشکل کام سے عہدہ برآ ہونے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور گو اُس کی عمر اُس وقت ۵۵ سال سے بھی اُوپر تھی جب کہ خود مختار حکمرانی حاصل کی۔ لیکن اپنی دانش اور روایتی تدبر کی بدولت کامیابی کا سنہری تاج پہن لیا۔

خالصہ بغاوت اور سلطنت کا خاتمہ

انگریز سرکار نے لاہور میں اپنا ریزیڈنٹ مقرر کر رکھا تھا۔ دربار لاہور انگریزی تسلط میں مہاراجہ دلیپ سنگھ اور اُس کی والدہ رانی جنداں کے مفاد کی نگرانی تک محدود تھا۔ جموں وکشمیر میں مہاراجہ گلاب سنگھ اپنی خود مختارانہ حیثیت سے نظم ونسق ریاست میں دلچسپی لے رہا تھا۔ انگریزوں اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے مل کر کوشش کی کہ پنجاب میں امن و امان قائم رہے۔ لیکن خالصہ کو کسی کل بھی چین نہ آتا تھا۔ دیوان مولراج حاکم ملتان سے

حساب وغیرہ لینے دینے کے سلسلہ میں اگنیو صاحب لاہور سے اپنے دو اور اہلکاروں کے ساتھ بھیجے گئے ۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی حاکم ملتان کے حکم سے قتل کرا دیئے گئے ۔ اور ایک ایسا ہنگامہ بپا ہوگیا کہ سارے کا سارا پنجاب لاہور پر انگریزی تسلط کے خلاف آمادہ بغاوت ہوگیا ۔ سردار چتر سنگھ اٹاری والا جو کہ پشاور کی سرحد کا لاہور دربار کی طرف سے انچارج تھا اُس نے امیر کابل دوست محمد خان کے ساتھ مل کر اُن علاقوں میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی ۔ اس شورش کے آغاز میں افواہیں پھیلنے لگیں ۔ جن کے پھیلانے میں خالصہ افسروں اور باغی سرداروں کا زبردست ہاتھ تھا کہ کابل کا امیر ایک لشکر جرار لے کر سردار چتر سنگھ کے ساتھ لاہور پر چڑھ آیا کہ انگریزوں کو یہاں سے نکال دیا جائے ۔ اور سردار چتر سنگھ نے جو کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کا دوست ہے ، سرینگر جا کر مہاراجہ کو لاہور کی حکمرانی کے لئے منا لیا ہے ۔ اور اُس کی فوجیں جموں سے اتر کر آنے والی ہیں ۔ اس طرح سے سارے پنجاب میں ایک بار پھر ہمہ گیر شورش بپا ہوگئی ۔

سردار چتر سنگھ اٹاری والا خود تو مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس پہنچا نہیں کیونکہ وہ سرینگر میں مقیم تھا ۔ لیکن اُس نے اپنا سفیر ہیرا نند پیغام دے کر بھیجا کہ اگر اس وقت آپ ہماری پشت پر ہاتھ رکھیں تو پنجاب پر آپ کا قبضہ کرا دینا میرا کام ہے ۔ اس لئے وقت کو ہاتھ سے نہ گنوائیں اور فوراً اس طرف آ کر خالصہ فوج کی کمان ہاتھ میں لے کر اپنی دانشوری اور تدبر کو بروئے کار لائیں اور لاہور کو انگریزوں سے نجات دلا کر اپنی حکمرانی کا سکہ بٹھا لیں ۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ جیسا جہاندیدہ جرنیل اور تجربہ کار مدبر کس عقلمندی سے جواب دیتا ہے کہ :-

" سرکار خالصہ نے مجھے سرکار انگریزی کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے ۔ اب مجھے تو سرکار انگریزی کی وفا کا دم بھرنا لازمی ہے ۔ لیکن پھر بھی آڑے وقت میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد سے بے وفائی نہیں کر سکتا ۔ اور اُن کے فائدے کے لئے لاکھ کی ایک بات کہتا ہوں کہ اپنے کئے کی معافی مانگو ۔ ورنہ یاد رکھو کہ سارا کام بگڑ جائے گا اور سلطنت ہاتھ سے جاتی رہے گی "

مہاراجہ گلاب سنگھ کے جواب سے جب سردار چتر سنگھ مایوس ہوگیا تو اس نے مہاراجہ کو اپنانے میں ناکام ہو کر شمال کی کوشش کے لئے امیر کابل دوست محمد خان سے استدعا کی ۔ چنانچہ

دوست محمد کا قاصد بھی مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس سرینگر میں پہنچا لیکن مہاراجہ نے اُسے ملنے سے اِنکار کر دیا۔

اُدھر جو افواہیں پھیل رہی تھیں کہ کابل کا حکمران دوست محمد لشکرِ جرار کے ساتھ خالصہ کی امداد کو آرہا ہے اور سردار چتر سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے وفاداری کا واسطہ دے کر کشمیر کے مہاراجہ کو بھی اپنے ساتھ انگریزوں کے خلاف ملا لیا ہے۔ ان افواہوں نے انگریزوں کو پریشان کر دیا۔ اور شملہ کے انگریز حکام نے ایک میٹنگ میں اس امر کا یقین کر لیا کہ گلاب سنگھ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اور انگریزوں کے شکوک اسی طرح مہاراجہ کے خلاف پُختہ ہونے لگے لیکن جب عملی صورت کا وقت آیا اور انگریزوں نے مہاراجہ گلاب سنگھ سے امداد مانگی اور باغیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے فوج بھیجنے کی درخواست کی تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے سید غلام علی شاہ اور وزیر زورآور کی کمان میں ایک طاقتور اور چیدہ ڈوگرہ سپاہیوں پر مشتمل فوج اس ہدایت کے ساتھ روانہ کی کہ وہ سرجان لارنس کے احکام کے ماتحت کام کریں۔ اُدھر حدودِ کشمیر مسدود کر دی گئیں اور مہاراجہ نے تین دستے فوج کے مناور، بھمبر اور میرپور کے دروں پر تیار رکھے تاکہ بغاوت اس علاقہ میں پھیل نہ سکے۔

لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ انگریزوں کے اِس طور پشت پناہ بن کر بھی اپنے حاسدوں اور دشمنوں کے الزام سے بچ نہ سکے۔ معاہدہ امرتسر کے بعد بسلسلہ انتقال کشمیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام کی مہاراجہ گلاب سنگھ کے متعلق دو رائیں تھیں۔ برسرِ اقتدار پارٹی کو مہاراجہ گلاب سنگھ کی دوستی پر ناز تھا۔ لیکن دوسری پارٹی کے لوگ گلاب سنگھ کے خلاف طوفانِ بدتمیزی مچانے سے باز نہیں آتے تھے۔ چنانچہ سکھوں کی دوسری لڑائی یعنی انگریزوں کے خلاف پنجاب کی بغاوت میں بھی اس پارٹی نے افواہوں کی بنا پر گلاب سنگھ کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ ایک مورخ سر لیپل گریفن نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "گلاب سنگھ کی بغاوت میں ساز باز کے متعلق کسی قانونی عدالت کو تسلی بخش ثبوت نہیں ملتا۔ تاہم تاریخ کی کافی شہادت اس کے خلاف فیصلہ کرنے کے لئے موجود ہے۔"

اور وہ کون سی شہادت ہے۔ اس کے لئے بھی سر لیپل کے خیالات ملاحظہ کیجئے
"ایک نادر چیز ایک اس قسم کا موجود ہے جس میں دوست محمد خان امیر کابل بھی شریک ..."

گلاب سنگھ بغاوت کا محرک ہے۔ اور یہ کہ اس کی مرضی کے خلاف سردار چتر سنگھ اٹاری والے کی مجال نہ تھی کہ وُہ انگریزوں کے خلاف ہاتھ اُٹھا سکتا" تو یہ ہے وُہ شہادت جس کی بناء پر سر لیپل گریفین گلاب سنگھ کے خلاف فیصلہ دینے کی ضرورت سمجھتا ہے۔ گویا کہ جو افواہیں اپنے فائدہ کے لئے باغیوں نے پھیلائیں کہ امیر دوست محمد کابل سے چڑھ آیا ہے اور مہاراجہ گلاب سنگھ کشمیر سے اپنی فوجوں کے ساتھ آ رہا ہے، سر لیپل نے انہیں سچ مان لیا جو حقیقت میں کبھی صداقت کی کسوٹی پر پُوری نہ اُتریں۔ سر لیپل نے سردار چتر سنگھ اور گلاب سنگھ کی دوستی کا بھی اپنی تاریخ میں سہارا لیا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ لاہور دربار کے کم و بیش تمام سرداروں کے ساتھ مہاراجہ گلاب سنگھ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اِس بات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُن میں سے کوئی بھی مہاراجہ کی مرضی کے بغیر ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا تھا، ایک فضول سی بات ہے۔

سردار کے۔ ایم۔ پانیکر نے اپنی کتاب "گلاب سنگھ" میں صاف طور سے لکھا ہے کہ لیپل گریفین اصل واقعہ کے پچاس سال بعد لکھتے ہوئے گلاب سنگھ کو بغیر کسی شہادت کے دُوسری سکھ جنگ میں پھنسانا چاہتا ہے۔ لیکن ہمارے پاس سر جارج کلارک کی شہادت موجود ہے جو مارچ ۱۸۴۹ء میں سکھ بغاوت کے عین بعد رقمطراز ہے کہ اُس نے گلاب سنگھ کی وفاداری کو کئی موقعوں پر سختی کے ساتھ آزمایا اور اُسے ہمیشہ مخلص پایا۔"

حقیقت یہ ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے پنجاب کی ہمہ گیر بغاوت کو فرو کرنے میں اپنی ہر ممکن طاقت خرچ کی اور اپنے آپ کو ایک بار پھر خالصہ حکومت کی ریشہ دوانیوں سے بچا لیا۔ اگر وُہ اِس وقت پھر دربار لاہور کی سازشوں میں پھنس جاتا اور سردار چتر سنگھ اٹاری والے کے بھرّے میں آ جاتا تو یقیناً خالصہ حکومت کے خاتمہ کے ساتھ اپنا بھی ڈراپ سین کر لیتا۔

تو مہاراجہ گلاب سنگھ کے جواب سے جب سردار چتر سنگھ اٹاری والا مایوس ہو گیا تو وُہ اپنی فوجیں لے کر راولپنڈی کی طرف آ دھمکا۔ ہزارہ وغیرہ میں فساد کرا کر اُس نے انگریز افسر کنڈرا صاحب کو قتل کرا دیا۔ انگریزوں نے اپنی طاقت کو جمع کر کے لارڈ گف صاحب کی کمان میں بغاوت فرو کرنے کے لئے فوجوں کو حکم دیا۔ چلیانوالہ اور رام نگر کے معرکہ کو سر کر کے بڑی خونریزی کے بعد ملتان فتح ہوا اور مارچ ۱۸۴۹ء کو گجرات کے مقام

پر لڑائی ہوئی۔ جس میں سکھوں کی فوج کو کمر توڑ شکست دی گئی۔ مصنف "گلاب نامہ" اس لڑائی سے متعلق لکھتا ہے کہ "رام سنگھ چھپہ والا نے جو نہایت جری تھا اور میدان سے کبھی بھاگ نہیں سکتا تھا، کاسۂ موت کو نہایت بے باکی کے ساتھ پیا اور اپنی جوانمردی اور شجاعت کا ثبوت دیا۔"

اس کے بعد انگریزوں کی فوج راولپنڈی کی طرف بڑھی۔ سردار چتر سنگھ اٹاری والے نے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیئے اور معافی کا خواستگار رہوا۔ اس طرح سے پنجاب کی شورش کا خاتمہ ہو گیا۔

مہاراجہ دلیپ سنگھ کی معزولی

قلعہ لاہور میں اس شورش کے خاتمہ کے بعد کرنل سر ہنری لارنس نے دربار کیا جس میں مہاراجہ دلیپ سنگھ اور دربار لاہور کے چیدہ چیدہ اُمراء اور درباری شامل تھے۔ سر ہنری لارنس نے گورنر جنرل ہند کا اعلان پڑھ کر سنایا جس کی رُو سے پنجاب پر انگریز قبضہ اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کی معزولی عمل میں لائی گئی۔

تو یوں خاتمہ ہؤا سلطنت لاہور کا جس کی وُسعت اور طاقت کی دھوم کسی وقت ایشیا اور یورپ کی بڑی بڑی طاقتوں کے ایوانوں کو لرزا دیتی تھی۔ لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہند لاہور میں آیا تو اُس نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کو لاہور سے کراچی کے راستے لنڈن بھیج دیا اور سلطنت خالصہ کا قطعی طور پر خاتمہ کر دیا گیا۔

رانی جنداں کا فرار

یہاں یہ لکھنا ضروری امر ہے کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ تو معزول کر کے لنڈن بھیج دیا گیا۔ اُس کی ماں کا کیا حشر ہؤا۔ ڈاکٹر ہانگ برجر اپنی کتاب "۳۵ سال مشرق میں" میں رقمطراز ہے کہ جب لال سنگھ کو آگرہ کے قلعہ میں قید کر لیا گیا تو سردار تیجا سنگھ کمانڈر انچیف کو وزیر اعظم لاہور کی پدوی انگریزوں نے سپرد کی۔ سردار موصوف نے ستلج کے معرکہ پر دربار لاہور سے غداری کر کے انگریزوں کی شرن لے لی تھی۔ اس سلسلہ میں وزیر اعظم کے علاوہ اُسے سیالکوٹ کا راجہ بھی بنا دیا گیا۔ لیکن جب راج تلک دینے کی نوبت آئی تو مہاراجہ دلیپ سنگھ نے اپنی ماں رانی جنداں کے کہنے پر تیجا سنگھ کی پیشانی پر تلک دینے سے انکار کر دیا۔ رانی جنداں سردار تیجا سنگھ کو غدار کہتی تھی کہ اُس نے محض وزارت عظمیٰ حاصل کرنے کے لئے لال سنگھ

کی پشت میں چھرا گھونپا ہے۔ انگریز ریذیڈنٹ سر ہنری لارنس کو رانی کی اس حرکت کا علم ہوا کہ دلیپ سنگھ نے اس کے زیر اثر ایسی حکم عدولی کی تو وہ بوکھلا اٹھا چنانچہ ریذیڈنٹ نے رانی جنداں کو لاہور سے لے جا کر قلعہ شیخوپورہ میں بند کر دیا لیکن رانی نظربندی کی حالت میں بھی چپ بیٹھنے والی نہ تھی۔ اس کے متعلق مشہور ہوا کہ ملتان کی بغاوت میں بھی اس کی سازباز ہے تو اس وقت کے ریذیڈنٹ سر فریڈرک کری نے اس کے دو رازدار سرداروں گنگا رام اور جنرل کاہن سنگھ کو پھانسی پر لٹکا دیا اور رانی کو قلعہ شیخوپورہ سے الموڑہ میں قید کر دیا لیکن رانی جنداں قلعہ الموڑہ میں زیادہ دیر نہ رہی وہ کسی طرح اس قید خانہ سے فرار ہو کر نیپال کے دارالخلافہ کھٹمنڈو میں جا پہنچی۔ انگریزوں نے بھی رانی کے اس فرار سے ہمیشہ کی سر دردی سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔

گلاب سنگھ سے انگریزوں کے تعلقات

مہاراجہ گلاب سنگھ کے متعلق ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدبرین دو طرح کے خیالات کے تھے۔ ایک تو تھے لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل۔ میجر ہنری لارنس، سر جان کلارک، سر فریڈرک کری اور فوجی سیکرٹری آکلینڈ کے علاوہ اور بھی فوجی انگریز۔ یہ سب مہاراجہ گلاب سنگھ کی دوستی اور کارناموں کے معترف تھے۔ دوسرے وہ جو گلاب سنگھ کو ناپسند ہی نہیں کرتے تھے بلکہ زبردست مخالف تھے۔ وہ تھے لارڈ ڈلہوزی، کیپٹن کننگھم اور ان ہی کے مشیر جبکہ سکھوں، انگریزوں اور گلاب سنگھ کے معاملہ میں دور بیٹھے تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اول الذکر پارٹی چونکہ تمام معاملات سے اچھی طرح روشناس تھی اور ان کے ہاتھوں سارا کام نکلا تھا، وہ گلاب سنگھ کی قدر بخوبی جانتے تھے۔ اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ میں خواہ کتنے بھی نقص ہوں لیکن ہے وہ مضبوط اور ہوشیار سردار، جس نے اپنی بہادری، تدبر اور تجربہ کی بناء پر اس قدر پوزیشن حاصل کی ہے کہ اگر وہ سکھوں اور انگریزوں کی کشمکش میں آڑے نہ آتا تو انگریزوں کو معلوم نہیں کیا کیا مصیبت جھیلنا پڑتی۔ اس نے انگریزوں اور خالصہ سرکار کی دوستی بنائے رکھنے میں اپنی طرف سے بے حد کوشش کی اور اس وفاداری کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے خاندان سے اس کی تھی۔ چونکہ رانی جنداں لال سنگھ ایسے پٹھوؤں کے ہاتھ میں کھیل

رہی تھی۔ اس لئے گلاب سنگھ کی سیدھی بات اور دربار کے مفاد کی کوششیں بھی انہیں بری لگتی تھیں۔ لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل ہند نے معاہدہ امرتسر کرنے سے پہلے صورت حال کو بالتشریح لارڈ النبرا کے سامنے خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ رکھ دیا تھا اور منظوری بھی حاصل کر لی تھی لیکن جو پارٹی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ان مدبرین کے اقتدار اور شہرت کی حاسد تھی اور پنجاب پر قبضہ کرنے کا کریڈٹ انہیں دینے کے خلاف تھی، انہوں نے بے بنیاد اور غلط پراپیگنڈہ سے سر ہنری لارنس اور گلاب سنگھ کی دوستی کو انگریزوں کے مفاد کے خلاف سمجھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب لارڈ ہارڈنگ کی جگہ لارڈ ڈلہوزی نے ہندوستان میں آکر سنبھالی تو اس کی سر ہنری لارنس کے ساتھ بھی گلاب سنگھ کی بناء پر تو تو میں میں خط و کتابت میں ہو گئی۔ اور دونوں برسر پرخاش رہنے لگے۔

جب لارڈ ڈلہوزی لاہور آیا تو مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملاقات کی دعوت دی گئی۔ مہاراجہ اس وقت سرینگر میں تھا۔ وہ اس ملاقات کے لئے جموں پہنچا۔ لیکن لاہور جانے کا ارادہ اس وجہ سے ترک کر دیا گیا کہ پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ لارڈ ڈلہوزی کا مزاج برہم تو نہیں۔ کیونکہ یہ عام مشہور تھا کہ لارڈ ڈلہوزی گلاب سنگھ کے سخت خلاف ہے۔ مہاراجہ نے مناسب سمجھا کہ جب تک فضا سازگار نہ ہو، یہ ملاقات ٹھیک نہ رہے گی۔ تاہم لارڈ نیپئر کمانڈر انچیف آگے بڑھا اور اس نے ملاقات کا ایک دن مقرر کر ہی دیا۔ اور یہ ملاقات سیالکوٹ میں ہونا قرار پائی۔ سر جان لارنس مہاراجہ گلاب سنگھ کو بلانے کے لئے جموں آیا اور یہاں مختصر سی ملاقات ہوئی۔ لیکن غلط فہمیاں برابر بنی رہیں۔ اس کے بعد گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے ملاقات کی اور کوشش کی۔ اور یہ تجویز ہوا کہ مہاراجہ صاحب سے جموں میں ملا جائے۔ دیوان جوالا سہائے کو اس تقریب کی تیاری کے لئے جموں بھیجا گیا لیکن پھر بھی کوئی تسلی بخش نتیجہ نہ نکل سکا۔ پھر لاہور سے گورنر جنرل کو وزیر آباد لانے کی کوشش کی گئی اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہمرکاب ولی عہد رنبیر سنگھ اور راجہ جواہر سنگھ و راجہ موتی سنگھ اور دوسرے ممتاز سردار وزیر آباد میں آگئے۔ سر جان لارنس ان دنوں پنجاب میں بورڈ آف کنٹرول کا پریذیڈنٹ تھا جو سر رابرٹ منٹگمری اور لارڈ نیپئر کے ساتھ مہاراجہ گلاب سنگھ کے استقبال کے لئے پہنچا۔ مہاراجہ کو فوجی سلامی اتاری گئی۔ مگر مہاراجہ اور لارڈ ڈلہوزی کی ملاقات نہ ہو سکی۔ کیونکہ ڈلہوزی کی طبیعت اچانک علیل ہو گئی۔ اور یہ ملاقات

چند دنوں کے لئے ملتوی ہو گئی۔ تھوڑے دن بعد جب ملاقات صحیح معنوں میں واقع ہوئی تو مہاراجہ گلاب سنگھ کو لارڈ ڈلہوزی کے کیمپ میں لے جایا گیا۔ ڈلہوزی خود دروازہ تک آیا۔ مہاراجہ کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی دائیں جانب لا بٹھایا۔ سلامی اُتاری گئی۔ تحفے تحائف تبدیل ہوئے اور کافی دیر دوستانہ بات چیت ہوتی رہی۔

سر ہنری لارنس نے گلاب سنگھ کو نزدیک ہو کر دیکھا تھا۔ اُس کے کیریکٹر کو بخوبی جانتا تھا۔ اور وُہ اُس کے متعلق بے لوث رائے قائم کئے رہا۔ جس نے کہ گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی کے مزاج کو بعض غلط فہمیوں کی بناء پر مشتعل کئے رکھا۔ سر ہنری لارنس نے گلاب سنگھ کے متعلق لارڈ ڈلہوزی سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ اس میں شک نہیں۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ قدرے ناخوشگوار کیریکٹر کا آدمی ہے۔ لیکن اگر ہم غیر مُلکی سرداروں سے کمال کی توقع رکھیں تو یہ خیال غلط ٹھہرتا ہے۔ مَیں اپنے تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ اُس کی ذات کے متعلق کہا سُنا گیا ہے، وُہ بالکل غلط ہے۔ اگر ہندوستان کے کسی دُوسرے حکمران یا سردار سے ویسی باتیں منسوب کی جائیں تو وُہ درست ہو سکتی ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کی ذات میں بے شمار اوصاف موجود ہیں جو ہندوستانی حکمران قسم کے بہت تھوڑے لوگوں کی ذات میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جُرأت، کوشش، عمل اور ذاتی خلوص میں گلاب سنگھ بہت بلند ہے۔ اور اُسے پچھلے تھوڑے سالوں میں جس طرح بدنام کیا گیا ہے، وُہ ہمارے لئے بے حد ذلت اور شرم کا مقام ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کی خاطر سر ہنری لارنس کو گورنر جنرل سے جھگڑنے میں بھی تامل نہ ہُوا۔ لارڈ ڈلہوزی اپنے معتبر اور قابل کارکن سے ناراض ہو گیا۔ کیونکہ اُسے خیال تھا کہ شاید کیا بات ہے کہ سر ہنری لارنس مہاراجہ گلاب سنگھ پر ریجھا ہُوا ہے۔ اور جب لارڈ ڈلہوزی اور گلاب سنگھ کی ملاقات عملی طور پر واقع ہوئی تو ۱۸ فروری ۱۸۴۹ء کی ایک چٹھی میں سر ہنری لارنس سے گورنر جنرل نے اس امر پر اتفاق کرنے کے لئے لکھا کہ گلاب سنگھ والے مسئلہ کو رائے کے دیانتدارانہ اختلاف پر محمول کیا جائے، اور کچھ نہیں۔

دراصل ہندوستان کی دُوسری ریاستوں سے ریاست جموں وکشمیر کی پوزیشن بالکل مختلف تھی۔ وُہ ریاستیں اپنے اندرونی معاملات میں بھی انگریزوں کے ماتحت تھیں لیکن ریاست جموں وکشمیر کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے بالکل خود مختار رکھا ہُوا تھا۔ معاہدہ

امرتسر میں اس کی وضاحت کر لی گئی تھی کہ انگریزی حکومت کی مہاراجہ گلاب سنگھ کے رائج کردہ نظم و نسق پر کوئی بالادستی نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی کوئی ریذیڈنٹ وغیرہ مقرر ہوگا۔ صاف ظاہر ہے کہ پنجاب کی ملکی اور سیاسی پوزیشن نے اِس قسم کی مداخلت کو ناممکن بنا رکھا تھا۔ سکھوں کی مخالفت اور افغانستان سے ساتھ انگریزوں کے کشیدہ تعلقات نے انگریزوں پر یہ بات لازم کر دی تھی کہ گلاب سنگھ کی دوستی ہر قیمت پر حاصل کی جائے۔ اور اس کے ساتھ ایک خاص وقار سے اتحادی کا سلوک کیا جائے۔ اگر کسی وقت انگریز حکام کے خیالات مختلف ہونے لگتے۔ تو پنجاب کے حالات کی فوری نزاکت اُن پر اس حقیقت کو واضح کر دیتی کہ انگریزوں کا صحیح مفاد کس بات میں ہے۔ اور یہی بات تھی کہ جو انگریز حکام ان میں لارڈ ڈلہوزی کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے) جب تک پنجاب میں تعینات ہو کر اس کی اندرونی تصویر سے بہرہ ور نہ ہوتے تھے، اُن کے خیالات مہاراجہ گلاب سنگھ کے خلاف بنے ہی رہتے۔ اِس طرح سے لارڈ ڈلہوزی جب پنجاب میں آیا، یہاں کی ہر ریاست اور چھوٹے بڑے شہر کا دورہ کیا۔ اور جن انگریز افسروں کو پنجاب کے معاملات سپرد تھے، اُن سے تبادلۂ خیالات کیا گیا تو اُسے ساری حقیقت سامنے نظر آنے لگ گئی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے متعلق جو شکوک اور شبہات اُس کے دل میں تھے، اُن کا خاتمہ اچھی طرح سے ہو گیا۔

کشمیر میں انگریز سیاحان کے مسائل

۱۸۵۰ء میں سر ہنری اور لیڈی لارنس بانہال کے راستے کشمیر میں وارد ہوئے۔ اننت ناگ کے مقام پر شہزادہ رنبیر سنگھ نے اُن کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ اور سرینگر میں اُن کے قیام کے دوران ریاست کی طرف سے کوئی بھی دقیقہ خاطر تواضع کا فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ دونوں میاں بیوی نے کئی بار مہاراجہ گلاب سنگھ سے ملاقاتیں کیں۔ اور سرینگر سے ہنری لارنس معہ اپنی لیڈی کے اسکردو اور لداخ تک گیا۔ اُس کے اس مشن کا مدعا یہ تھا کہ وسط ایشیا کی تجارت کے متعلق گہرا مطالعہ کیا جائے۔

یورپین سیاح یوں تو ۱۸۴۶ء سے پہلے ہی کشمیر میں کثیر تعداد میں آ جا رہے تھے۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے اِن سیاحوں کی بے قاعدگیوں پر کڑی نظر رکھی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر ہانی برگر جو کہ مہاراجہ کا انگریز ذاتی معالج تھا، نے اپنی ایک ملاقات کی گفتگو کا

حوالہ دیا ہے جو کہ مہاراجہ گلاب سنگھ سے اُس کی ہوئی تھی۔

"ان دنوں جب کہ میں کشمیر میں تھا، مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاں چند ایک انگریز سیاح موجود تھے، جن کے ساتھ وُہ بے حد مہمان نوازی سے پیش آتا تھا۔ تاہم ایک گفتگو میں جس کا موقعہ مجھے مہاراجہ کے ساتھ ملا، اُس نے گلہ کیا کہ یورپ سے آنے والے سیاحوں کے بہت سے نوکروں نے اِس مہمان نوازی کا ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے۔ اور وُہ اپنے ہمراہ زعفران اور کشمیر کی دُوسری پیداوار کی کافی مقدار اپنے ساتھ لے گئے ہیں جو اُس مقدار سے کہیں زیادہ تھی جسے وُہ اپنے قیام کے دوران یہاں استعمال کر سکتے تھے۔"

اِن ممتاز سیاحوں میں جو مہاراجہ گلاب سنگھ کے مہمان تھے، لارڈ ہارڈنگ کے بہنوئی لارڈ گرفورڈ، سر ہنری لارنس اور کرنل کنگ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ریذیڈنسی کے قیام کا مطالبہ

مہاراجہ گلاب سنگھ اور اعلیٰ انگریزی حکام کے درمیان بہت زیادہ راہ و رسم ہونے کے باوجود آپس میں سیاسی تعلقات پُورے طور سے دوستانہ نہ تھے۔

۱۸۴۸ء جُون کی بات ہے۔ لارڈ ہارڈنگ جو کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو ذاتی طور پر اچھی طرح جانتا تھا اور معاہدہ امرتسر کی ساری دفعات پر بھی وُہ حاوی تھا مہاراجہ گلاب سنگھ کی خود مختاری اور ریاست جموں و کشمیر کی امتیازی پوزیشن سے کامل طور رُوشناس تھا۔ اُس کو لکھنا پڑا کہ "مہاراجہ گلاب سنگھ کے اندرونی نظم و نسق کی نوعیت کچھ اِس قسم کی ہے جس سے کہ انگریز سرکار کے دِلوں میں غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے۔ لہٰذا ایسٹ انڈیا کمپنی کو ریاست کے اندرُونی نظام میں دخل دینے کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ اِس کا یہ مطلب تھا کہ سرینگر میں ایک انگریز ریذیڈنٹ متعین کیا جائے جس کی تقرری کے لئے عہد نامہ ۱۸۴۶ء میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ مہاراجہ نے نہایت بے باکی سے جواب دیا کہ میرے ساتھ ایسا کوئی وعدہ نہیں کہ ریاست میں انگریز ریذیڈنٹ مقرر کیا جائے گا۔"

۱۸۵۱ء میں یہی سوال پھر اُٹھایا گیا۔ اِس بناء پر کہ وادیٔ کشمیر میں ہر سال

زیادہ سے زیادہ انگریز سیاح آجا رہے ہیں جن کے مفاد کی نگرانی انگریز ریذیڈنٹ کے بغیر ٹھیک طرح سے نہیں ہوسکتی۔ مہاراجہ نے بڑی سختی سے جواب دیا اور احتجاج بھی کیا کہ ایک پولٹیکل افسر کا ریاست کشمیر میں مقرر کیا جانا خود مختاری کے فیصلہ کے خلاف ہے۔ ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں ایسا دستور ہوگا لیکن یہاں نہیں۔ چونکہ یورپین سیاح کشمیر میں موسم گرما میں آتے ہیں، اس لئے اس قدر کافی ہوگا اگر ایک افسر کا تقرر صرف موسم گرما کے لئے کیا جائے۔ اس پر برٹش گورنمنٹ نے ریذیڈنٹ کے تقرر کا دعوے واپس لے لیا اور صرف اس امر پر رضامند ہو گئی کہ گرمیوں کے لئے ایک افسر سرینگر بھیج دیا جایا کرے۔

دیوان جوالاسہائے وزیر اعظم ریاست جموں وکشمیر کے نام ۱۴ جنوری ۱۸۵۲ء کو سرجان لارنس نے ذیل کا خط لکھا:-

"بوجہ بعض زیادتیوں کے جن کا ارتکاب بعض یورپین افسروں نے گذشتہ سال میں کیا ہے، میں کسی ذمہ دار یورپی افسر کو سرینگر میں مقرر کرنا چاہتا ہوں جو وہاں ایسے سیاحوں کی واپسی تک قیام رکھے اور ان کی زیادتیوں کو نہ ہونے دے۔ چونکہ مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب میجر میکرنگیر کو اچھی طرح جانتے ہیں جو کہ ایک نیک اور خوش خلق افسر ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے سرینگر میں موسم گرما کے خاتمہ تک ٹھیرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ کشمیر کے یورپی سیاحوں کے رویہ کی نگرانی کرے۔ چونکہ ایسا انتظام مہاراجہ صاحب کی بہتری اور بھلائی کے پیش نظر کیا گیا ہے، اس لئے امید کی جاتی ہے کہ مہاراجہ صاحب اسے منظور کرلیں گے۔"

اس طرح سے ایسے مقرر شدہ انگریز افسر کو کسی قسم کا کوئی اور اختیار ریاست میں حاصل نہیں تھا۔

674 - (1)

دیوان جوالا سہائے

سردار جواہر سنگھ ←

راجہ تیجا سنگھ →

Scanned with CamScanner

مہاراجہ گلاب سنگھ کا عہدِ حکومت

متحدہ ریاست جموں وکشمیر کا پہلا تاجدار مہاراجہ گلاب سنگھ ہندوستان میں انیسویں صدی کی ایک واحد شخصیت ہے جو اپنی بہادری اور سیاست پر ملکہ رکھنے کی بدولت ایک عظیم حکمران ہو گزرا ہے جس نے کہ اپنی زندگی ایک معمولی سپاہی سے شروع کی اور اپنی خداداد قابلیت اور پیدائشی شجاعت سے ۸۴ ہزار مربع میل کے وسیع رقبہ کو زیر نگیں کیا اور کامیابی سے خود مختار حکومت کا سکہ ایسے علاقوں پر جمایا جو اس سے پہلے کبھی ایک جھنڈے تلے اکٹھے نہ ہوئے تھے۔ گلاب سنگھ کی شخصیت ایک امتیازی ستون ہے جس نے کہ سیاسی ابتری کے مہیب طوفانوں میں ہمالیہ کی مانند اپنے آپ کو برقرار رکھا اور اپنا نام ہندوستان کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھنے کے لئے مورخین پر ذمہ داری ڈال دی۔

کشمیر کا نظم و نسق مہاراجہ گلاب سنگھ کی سیاسی قابلیت کی بدولت دنوں میں ہی درست ہوتا گیا۔ سکھ حکومت کے آخری دنوں میں کشمیر کے مسائل بہت بُری طرح نظر انداز ہو گئے تھے۔ شال بافی کی صنعت جس پر تمام آبادی کا دارومدار تھا، بھاری اور ظالمانہ ٹیکسوں تلے ختم ہو رہی تھی۔ لاپرواہ گورنروں بالخصوص شیخ امام الدین نے وادیٔ کشمیر کی بہت سی زمینوں اور زرخیز خطوں کو معافیات کے طور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر دے رکھا تھا۔ بیگار اور جبری مزدوری کے وحشیانہ سسٹم نے دیہات میں رہنے والے کسانوں اور کاشتکاروں کی زندگی تلخ کر دی تھی۔ رسم ستی اور اولاد کشی عام تھی اور پہاڑی رستے ڈاکوؤں سے بھرپور تھے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے عنانِ حکومت سنبھالنے کے فوراً بعد اپنی طاقت کو ریاست کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک تسلیم کرایا۔ بغاوت، فساد اور شورشوں کو آہنی پنجہ کے ساتھ دبایا۔ اور اپنی سلطنت کے ہر حصہ میں امن وامان کو بحال کر دیا۔ سب سے پہلے یہ بھی کوشش کی کہ تجارت اور کاروبار ہر شخص کے لئے محفوظ ہو سکے۔ اس نے اپنی ان کوششوں اور ارادوں کو قلیل مدت میں ہی کامیاب کرایا۔

مسٹر نکلسن اپنے سرکاری روزنامچہ میں ۱۹ نومبر ۱۸۴۷ء کو لکھتا ہے:۔

"مجھے کابلی تاجروں کے ایک قافلہ کے ساتھ جو کشمیر میں تمباکو اور نسوار لے جا رہے تھے اور وہاں سے وہ پٹو اور توش لانا چاہتے تھے۔ یہ چیزیں کابل میں نہایت مہنگے داموں فروخت ہوتی ہیں۔ تھوڑی دیر بات چیت کرنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے شکایت کی کہ کابل کی مانند کشمیر میں بھاری بھرکم ٹیکس ادا کرنے پڑتے ہیں۔ مگر مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقے میں اُن کے مال اور سامان وغیرہ کی ٹھیک طرح سے حفاظت ہوتی ہے۔ برعکس اِس کے کابل اور پشاور کے درمیان وقتاً فوقتاً قبائلی ڈاکوؤں کی طرف سے خطرہ درپیش رہتا ہے۔"

مسٹر مورکرافٹ جو ۱۸۲۴ء میں کشمیر کی سیاحت کے لئے آیا تھا۔ وہ گلاب سنگھ سے پہلے کی حکومت کے متعلق اپنے سفرنامہ میں رقمطراز ہے کہ:-

"ہر طرف لوگ بُری حالت میں ہیں۔ سکھ حکومت اِن سے بہت سے ٹیکس وصول کرتی ہے۔ راہداری افسران لوگوں سے روپیہ بٹورتے اور طرح طرح کے ظلم کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ کشمیر کے قابل کاشت رقبہ کا $\frac{1}{16}$ حصہ بھی زیر کاشت نہیں ہے۔ اور بھوک سے مرتے ہوئے لوگ ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ حکومت کاشتکاروں سے $\frac{1}{2}$ حصہ بطور مالیہ وصول کرنے کی بجائے $\frac{3}{4}$ وصول کر رہی ہے۔ کشمیر کے شال پر اتنا بھاری محصول عاید ہے کہ جو اس کی اصل قیمت کا ۲۶ فی صد حصہ ہے۔ ہر قسم کی تجارت پر ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شہر کے کوتوال کو (جو انصاف کا سب سے بڑا افسر ہے) سالانہ تیس ہزار روپیہ کی رقم خزانہ میں داخل کرنا ہوتی ہے۔ اور وہ جس طرح چاہے روپیہ وصول کرتا ہے۔ جن جن دیہات اور قصبوں میں مجھے جانا پڑا، میں نے لوگوں کو بھوکا اور ننگا پایا۔ حکومت کشمیریوں کے ساتھ مال مویشی سے بہتر سلوک نہیں کرتی۔ اگر کوئی سرکاری آدمی عوام میں کسی آدمی کو قتل کر دے تو اُسے زیادہ سے زیادہ ۱۶ سے ۲۰ روپیہ تک جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔"

اور جب گلاب سنگھ کو کشمیر میں خود مختار حکمران کا درجہ ملا تو اُس نے سب سے

پہلے کشمیری عوام سے داغدار اور زخمی دلوں پہ ہمدردی کی مرہم رکھی اور اپنی انتہائی دلچسپی اور توجہ لوگوں کو سُکھ کا سانس دلانے کی طرف مائل کی صنعت و حرفت کی ترقی اور مزدوروں اور کاریگروں کی خوشحالی کے لئے آپ نے کئی ناواجب ٹیکس معاف کر دئے۔ محکمہ مال کے قیام اور بندوبست اراضی کا انتظام مہاراجہ گلاب سنگھ نے ہی شروع کیا۔

شالی سٹوروں کی قائمی

لوگوں کو روزمرہ کے قحط سے بچانے کے لئے کشمیر میں چار کلکٹر مقرر کئے گئے جنہیں اُس وقت ونڈوالا کہتے تھے۔ اور اُن کے ماتحت ۴۶ کاردار اور ہر گاؤں کا مقدم یعنی نمبردار مقرر کیا گیا کشمیر کی وادی ۳۶ پرگنوں پہ مشتمل تھی۔ اس کے ہر پرگنہ میں ایک ایک کاردار تعینات کیا گیا۔ مالیہ جنس کی شکل میں لینے کے لئے ایک علیحدہ محکمہ قائم کیا گیا جس کا نام دوب جنسی تھا۔ کاردار کا فرض تھا کہ وہ فصل کے تیار ہوتے ہی اس پہ مالیہ تشخیص کرے اور مالیہ میں غلہ وصول کرے۔ اس دستور میں ایک ضروری اصلاح یہ کی گئی کہ کشمیر میں چاول کا کنٹرول کر دیا گیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہی دماغ کی یہ اختراع تھی جو کہ صدیوں پہلے کبھی مشہور رشی دال مہرشی چانکیہ نے بھی اپنے وقت میں حکومت کو اناج پہ اس طرح کے کنٹرول کا مشورہ دیا تھا۔ اور یہ کنٹرول کشمیر کے لوگوں کو اچانک قحط سے بچانے کے لئے تھا کہ اگر فصل چاول پیدا نہ ہو کوئی قہر آسمانی لوٹ پڑے تو کشمیر کو ہندوستان کے دور دراز دشوار گذار راستوں کے ہونے کی وجہ سے باربرداری میں بھی مشکلات کا سامنا رہتا ہے مہاراجہ کے رائج کردہ اس سسٹم سے ساری ذمہ داری عوام کو غلہ اور راشن وغیرہ دینے کی حکومت پر آجاتی ہے۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے نہایت سختی سے چاول کی واحد ملکیت اپنے اختیار میں لے لی۔ اور چاول، ساہوکاروں یا زمینداروں کے سٹوروں میں جانے کی بجائے براہِ راست حکومت کے سٹوروں میں آنے لگا۔

گو اس سسٹم کی وجہ سے پہلے پہل زبردست شکایات ظہور پذیر ہوئیں لیکن عام آدمی کے بھلے کی یہ بات تھی۔ شکایات، ذخیرہ اندوزوں، شاہ داروں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کو پیدا ہوئیں جو اپنی عادت سے مجبور اپنے نفع کی خاطر چاول کا قحط پیدا کر دینے کے عادی تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے اس کنٹرول سسٹم کو ریاست کی حکومت نے پہلی جنگِ عظیم کے عین بعد بھی اختیار کرنا پڑا۔ اور حکومت نے اجناس کا کنٹرول پھر سے

اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ ریاست پر ہی کیا موقوف، سارے ہندوستان میں بھی برٹش راج کے وقت اس طرح دوسری جنگ عظیم میں رائج کیا گیا تھا۔ اور آزادی حاصل کرنے کے بعد کتنے ہی سالوں میں جب کہ ہندوستان کے وزیر خوراک رفیع احمد قدوائی تھے، یہ کنٹرول اٹھایا گیا۔

کشمیر میں پہلے پہل میاں امر سنگھ کو علاقہ مراج۔ وزیر پنوں کو علاقہ شہر خاص دیوان اجین مل کو علاقہ کامراج اور پنڈت راج کاک کو علاقہ گروہین جنگل سپرد ہوئے۔ محکمہ مال جنسی کے یہ چار کلکٹر مقرر تھے۔

ریاست کا حساب و کتاب رکھنے کے لئے دفتر دیوانی بنایا گیا جو کہ مغل بادشاہوں کے طریقہ پر ہی قائم رکھا گیا۔ تیسرا محکمہ دفتر نظامت ہے جس طرح کہ آج لینڈ ریکارڈز کا محکمہ ہے۔ چوتھا محکمہ امن و عامہ قائم رکھنے کے لئے مرتب کیا گیا جس میں کوتوال اور تھانیدار مقرر ہوئے۔ اور ملک کے بسنے والوں کے جان و مال اور جائداد کی حفاظت کا انتظام کیا کہ صدیوں پہلے ایسا انتظام نہ ہو سکا ہو گا۔ پانچواں محکمہ خزانہ کا تھا۔ اس کا انتظام گنیشا بھلوال کے سپرد کیا گیا۔ اس زمانہ میں علیحدہ قانونی عدالتیں قائم نہ تھیں۔ تھانیدار یا کاردار ہی مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ مہاراجہ خود جموں اور سرینگر جہاں کہیں بھی ہوتا روزانہ عام دربار لگاتا اور عوام کو موقعہ دیتا کہ وہ اپنے مطالبات پیش کر سکیں۔

مذہبی آزادی مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں ہر شخص کو ریاست جموں و کشمیر میں مذہبی اور مجلسی آزادی حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ عوام کے سب فرقے اور جماعتیں آپ کو اپنا محافظ اور نگہبان سمجھتی تھیں۔

محکمہ شالبافی کی تنظیم ایک اور اہم اور ضروری مسئلہ جس کی طرف مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنی سرگرم توجہ مبذول کی کشمیر میں محکمہ شالبافی کی جدید تنظیم کا تھا۔

شالبافی کا محکمہ ایک کنٹرولر کے زیر اہتمام تھا جس کے ماتحت فیکٹریاں اور کارخانے

شہ، سہ (جموں و کشمیر انسائیکلو پیڈیا)

تھے اور ان کے مالک کافی امیر اور سرمایہ دار ہوتے تھے۔ ان کارخانہ داروں کے ماتحت شاگرد یا مزدور کام کرتے تھے جنہیں فرداً فرداً تنخواہ ملتی تھی اور یہ کارخانہ دار کنڈرولر کے سامنے جواب دہ یا ذمہ دار ہوا کرتے تھے۔

۱۸۳۳ء سے قبل شال پر تین آنے فی روپیہ ٹیکس لیا جاتا تھا۔ لیکن ۱۸۴۲ء میں جب سکھ گورنر جرنیل میاں سنگھ نے کشمیر کی صوبیداری سنبھالی تو اُس نے ۹۶ روپیہ سالانہ فی دوکان ٹیکس لگا دیا۔ اور یہ ٹیکس ایک ہزار دوکانوں پر عاید ہوا۔ اس کے بعد جب شیخ غلام محی الدین گورنر کے عہدہ پر آیا تو اُس نے ۹۶ روپیہ کو بڑھا کر ۱۲۰ روپیہ سالانہ فی دوکان ٹیکس کر دیا۔ کشمیری شالباف اس بھاری ٹیکس کے نیچے کراہ رہے تھے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس سسٹم میں اصلاح کر دی اور کاریگروں کی تعداد از سر نو حساب میں لائی گئی۔ نئی دوکانوں پر ابتدائی سالوں کے لئے صرف نصف ٹیکس عاید کیا گیا۔ ۱۸۴۷ء میں کارخانہ داروں نے مہاراجہ صاحب سے درخواست کی کہ کاریگروں کی تعداد کو سالانہ شمار کیا جایا کرے۔ نذرانہ میں کمی کر دی جائے۔ کاریگروں کی اُجرت صاف طور پر مقرر کی جائے اور اُن کے لئے ایک باقاعدہ آئین بنایا جائے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے پہلے مہلت کے دستور کو ختم کیا جس کی رُو سے مالکوں کی طرف سے کاریگروں کے حسابات چودھویں مہینے تک جاری رکھے جاتے۔ اور دُوسرے غیر ضروری ٹیکسوں مثلاً چونتیسا کو منسوخ کر دیا۔

ایک بہت بُرا سسٹم یہ بھی تھا کہ شالی کے کاریگروں کو اپنے مالک بدلنے کی اجازت نہیں تھی۔ اور اِن غریبوں کو بہت کم اُجرت دی جاتی تھی۔ جب مہاراجہ نے سُنا کہ کارخانہ دار کاریگروں کو باقاعدہ اُجرت نہیں دیتے تو مہاراجہ نے کاریگروں کی اُجرت ۵ ۱/۲ آنے فی روپیہ کے حساب سے بڑھا دی اور ساتھ ہی کاریگروں کو پابند کر دیا کہ وُہ اپنے کام کی مقدار پوری کیا کریں۔

۱۷ جون ۱۸۴۷ء کو کاریگروں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اور چار ہزار کے قریب کاریگر لاہور کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ مہاراجہ کو پتہ لگا تو اُس نے کاریگروں کے ایک وفد کو بلا کر کہا کہ اُن کی شکایات کی فوری تحقیقات کی جائے گی بشرطیکہ وُہ اپنے کام پر واپس آجائیں۔ چنانچہ کاریگروں کے واپس آنے پر مہاراجہ نے اُن کے معاملہ کی تحقیقات

دکھلے دربار میں کی۔ اور جولائی ۱۸۴۷ء میں ایک نیا آئین نافذ کیا اور وہ قانون منسوخ کر دیا جو کاریگروں کو ایک ہی کارخانہ دار کی کارگذاری کا پابند کرتا تھا۔ اور کاریگروں کو آزادی دے دی گئی۔ ساتھ ہی اُن کی مزدوری چار آنے فی روپیہ مقرر کی گئی۔ اور باج یعنی ٹیکس کے طریق کو ختم کر دیا گیا۔ ٹیکس صرف تیار شدہ اشیاء پر عائد کیا گیا۔ اس طرح ٹیکس شال کی بازاری قیمت پر لگایا گیا۔ کارخانہ دار اسی کارگذاری کے مطابق کاریگر کو ادائیگی کرتا جو اُس کی دوکان میں کی جاتی۔ شاگرد یا کاریگر آئندہ کے لئے کارخانہ دار کا زرخرید غلام نہ رہا۔ اس قسم کی اصلاحات کاریگروں اور مزدوروں کی بھلائی کے لئے جاری ہوئیں۔ اور ہر طرف مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت کی تعریفیں ہونے لگیں۔

3 **جاگیروں کا مسئلہ**

کشمیر میں وارد ہوتے ہی ایک بڑی مشکل جس کا مہاراجہ کو سامنا کرنا پڑا، وہ جاگیرداری کا سسٹم تھا۔ مہاراجہ کے پاس رپورٹ پہنچی تو پتہ لگا کہ کشمیر کی وادی میں ۳۱۱۵ جاگیریں لوگوں کو ملی ہوئی ہیں۔ ان میں بہت سی سرکاری تصدیق کے بغیر تھیں۔ سکھ گورنر شیخ امام الدین اور اس کا والد شیخ غلام محی الدین جاگیروں کے عطا کرنے میں بہت زیادہ فراخ دل واقع ہوئے تھے۔ بالخصوص شیخ امام الدین نے سکھ حکومت کے خاتمہ پر عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو بڑے بڑے خطے اور وسیع رقبے جاگیروں کے طور دے دئے تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایسی جاگیروں کو بحق سرکار ضبط قرار دیا۔ لوگوں نے شکایت ضرور کی کہ مہاراجہ ہماری قدیم ملکیتوں کو چھین رہا ہے۔ لیکن جو جاگیریں مہاراجہ نے ضبط قرار دیں، اُن میں قدیمی ملکیت کا کوئی ٹکڑا موجود نہ تھا۔

ٹیلر جس نے علیحدہ تحقیقات کی، نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "مہاراجہ کا رجحان طبع انصاف اور معقولیت پر مبنی تھا۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ جو لوگ جنہوں نے کاشتکاروں کے طور پر ابتدا کی ہے، وہ اپنی کاشت شدہ اراضیات کو جاگیریں بنانے کی کوشش نہ کریں۔"

4 **جبری مزدوری اور بیگار**

مہاراجہ گلاب سنگھ نے دیکھا کہ بیگار یا جبری مزدوری کا رواج سرکار کے تحت بہت زیادہ ہے اور اس

Scanned with CamScanner

سے لوگوں کو بہت زیادہ مصیبت اور مشکلوں کا سامنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس بیگار کو کار سرکار میں بدلنے کے لئے ایک افسر مقرر کیا۔ جس کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ ہر گاؤں میں ان لوگوں کی خاص تعداد مقرر کرے جو سرکاری کام کے لئے لگائے جائیں اور انہیں سرکاری گوداموں سے چاولوں کا ایک خروار ہر ماہ اور اس کے علاوہ خوراک دونوں وقت دی جائے۔ لیکن خاص تعداد میں سے بھی جن لوگوں سے کام نہ لیا جائے، انہیں ½ خروار ہر ماہ دینا ضروری قرار دیا گیا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے ریاست کے نظم و نسق میں جو دلچسپی لی، یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف مہاراجہ گلاب سنگھ کی دوہائی پھرنے لگی۔ مسٹر لارنس نے اپنی مشہور تصنیف "ویلی آف کشمیر" میں لکھا ہے: "مہاراجہ گلاب سنگھ ایک بہادر، دور اندیش اور مدبر شخص تھے۔ مہاراجہ صاحب کی توجہ سب سے پہلے اپنی وسیع ریاست کی حفاظت کی طرف مبذول ہوئی اور انہوں نے کوہستان کے علاقہ کو ایک قلعہ بنا دیا۔ پھر کشمیر کی ریونیو ایڈمنسٹریشن کی طرف توجہ دی۔ وادی کشمیر کی طرف نظر دوڑا کر کہا کہ اس کا ایک حصہ پہاڑی ہے۔ دوسرا زیر آب اور تیسرا حصہ جاگیرداروں کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ مہاراجہ نے انتظام کیا کہ قابل وصول مالیہ قرار واقعی سرکاری خزانہ میں جمع ہو اور کوئی غیر ضروری خرچ نہ کیا جائے۔ مہاراجہ نے شخصی حکومت کو درجۂ کمال پہ پہنچا دیا۔ اور لوگوں پر ثابت کر دیا کہ وہ حکومت کی طاقت رکھتا ہے۔

فوجی استحکام

5 عشروں کی سیاسی ابتری اور مسلسل علاقائی سرکشی کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے لئے مہاراجہ گلاب سنگھ کی انتظامی اصلاحات خوشحالی، عدل اور امن کا موجب ہوئیں۔ اور وہ اس قابل ہوا کہ اپنی توجہ فوجی اصلاحات کی طرف دے سکے۔ اس کے سامنے سلطنت کے باقی تمام معاملوں سے فوج کو مضبوط رکھنے کی زیادہ اہمیت تھی۔ جوں ہی کہ گلاب سنگھ ریاست پر مضبوطی سے قابض ہو گیا، اس نے اسلحہ، بارود اور سامان حرب کو اپنی ہی ریاست میں بنانے کے لئے کارخانے جاری کئے۔ تمام قلعوں کی مرمت کرائی گئی اور ان قلعوں میں فوجوں کو تعینات کیا گیا۔ ڈوگرہ فوج جس پر حقیقتاً اس کی طاقت کا دار و مدار تھا، اسے رجمنٹوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور فوجی احکام کے لئے ایک ضابطہ بھی مرتب کیا۔ اس نے فوجی کمان میں انگریزی الفاظ کی بجائے سنسکرت الفاظ استعمال کرنے کی ہدایات جاری کیں۔ اس نے رجمنٹوں کے نام ہندوستانی رکھے۔ مثلاً گوردھن رجمنٹ، رگھوناتھ رجمنٹ اور لچھمن رجمنٹ وغیرہ۔ اس کی افواج کی قابلیت کو ہندوستان اور ہمسایہ حکومتوں نے بھی تسلیم

کیا۔ اور یہ فوجیں کتنی ہی بار گلگت کی سرحدی مہموں کے موقعوں پر آزمائش میں پوری اتریں۔

گلگت کی اہم پوزیشن

آج کل ہندوستان کی حفاظت کے لئے گلگت کی سرحد کو اہم پوزیشن حاصل ہے۔ لیکن انیسویں صدی کے وسط میں جبکہ رُوس ابھی ہندوستان کی سرحدوں سے بہت دُور تھا، اُس وقت اِس پہاڑی علاقہ کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ دریائے سندھ کے شمال مغربی علاقے مدت الایام سے خود مختار اور ناقابل انتظام مسلمان قبائل کے قبضے میں چلے آئے ہیں۔ اور یہ قبائل آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے اور کسی کو حکمران تسلیم کرنے کے عادی نہ تھے۔ وُہ قبائل جن کا سردار مہتر چترال تھا، زیادہ اہم تھے۔ اور اِسی طرح دُوسرے ضروری سردار ہنزا۔ نگر کے میر اور نیال کا راجہ تھے۔ ۱۸۴۱ء میں اِس سرحدی علاقہ میں ایک انقلاب رُونما ہُوا کہ گوہر رحمان، جو کہ ملک امام کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور امام الملک مہتر چترال کا بھتیجا بھی، نے گلگت پر حملہ کر کے اِسے فتح کر لیا۔ اور اُس کے راجہ کو قتل کر دیا۔ مقتول راجہ کے بھائی کریم خان نے کشمیر کے سکھ گورنر سے امداد کی درخواست کی۔ سکھ حکومت نے ایک قابل جرنیل سید نتھو شاہ گوجرانوالوی کو ایک طاقتور فوج دے کر کریم خان کی امداد پر بھیج دیا۔ ۱۸۴۲ء میں نتھو شاہ نے استور پر قبضہ کر لیا۔ گوہر رحمان کو شکست ہوئی اور نتھو شاہ واپس چلا گیا۔ لیکن گوہر رحمان نے سکھوں کو گلگت سے پھر باہر دھکیل دیا۔ اور جب سکھ حکومت کو گوہر رحمان کی بغاوت کی اطلاع ملی تو نتھو شاہ کو پھر واپس گلگت سر کرنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ جس نے کمال دلیری اور ہمت سے سرحد کو فتح کر لیا اور گوہر رحمان کی لڑکی سے شادی کر کے غضنفر خان راجہ ہنزا اور جعفر خان راجہ نگر کی لڑکیاں بھی اپنے عقد میں لے لیں۔ اور گلگت پر سکھوں کا مستقل قبضہ کر کے کریم خان کو برائے نام راجہ مقرر کر دیا اور خود گلگت سے واپس چلا آیا۔ جب کشمیر اور اُس کے ساتھ گلگت بھی مہاراجہ گلاب سنگھ کے سپرد کیا گیا تو نتھو شاہ نے سکھوں کی ملازمت چھوڑ دی اور اپنی خدمات مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس منتقل کر لیں۔ اور ڈوگرہ فوج لے کر دوبارہ گلگت کو روانہ ہو گیا۔ اِس دفعہ اُسے کوئی دقت پیش نہ آئی۔ ڈوگرہ فوجوں نے استور اور گلگت کے دستہ فوج خالصہ کو سبکدوش کر دیا۔ ڈریو لکھتا ہے کہ:۔

سرکار انگلشیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان ۱۸۴۶ء میں جو معاہدہ ہوا تھا، اُس کے ان الفاظ کی بابت کہ جبکہ ملک کوہستانی کہ جانب دریائے راوی

اور سندھ جانب ہزارہ واقع اند بمعہ متعلقات آن کوہستان جانب مشرق دریائے سندھ و جانب مغرب دریائے راوی۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ الفاظ گلگت کی شمولیت پر حاوی نہیں ہوتے۔ کیونکہ گلگت دراصل دریائے سندھ کے شمال اور مغرب میں واقع ہے؟

مگر اصلیت یہ ہے کہ یہ الفاظ کسی باریک جغرافیائی تقسیم یا اطلاق پر دلالت نہیں کرتے۔ نیز کشمیر کی بابت جو کہ عہد نامہ کا اصل مقصد ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ دریائے راوی کے مغرب میں ہے۔ اور دریائے سندھ سے تو کشمیر مشرق اور مغرب دونوں طرف واقع ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عہد نامہ مرتب کرنے والوں کو معلوم نہ تھا اور نہ انہوں نے زیادہ باریکی کے ساتھ اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ممالک مساحت کے کس نقطہ پر واقع ہیں۔ انگریزوں کے حد بندی کمیشن نے جو فیصلہ کیا، اس کی رو سے لداخ اور گلگت ہر دو علاقہ جات کو اس ملک کا حصہ تسلیم کیا گیا جو کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو دیئے گئے تھے۔ اور دریائے سندھ کا پانی یعنی سلسلہ کوہستان قراقرم و پامیر سرحد قرار پائی۔ اس فیصلہ کی موجودگی میں اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

چلاس کا محاصرہ

۱۸۵۱ء میں سرحد نے پھر سے بغاوت اختیار کر لی اور چلاس کے لوگوں نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے مقبوضات کو لوٹنا شروع کر دیا۔ چونکہ موسم سردیوں کا تھا اور مہاراجہ جموں میں تھا، اس نے ایک انتقامی مہم کی تیاری شروع کر دی۔ اور ۱۸۵۱ء کے موسم بہار میں دیوان ہری چند، کرنل بجے سنگھ اور دیوان ٹھاکر داس کے ماتحت ایک زبردست فوج چلاس کے محاصرہ کو بھیجی گئی۔ چلاس پہنچ کر اس فوج کو بے حد مشکلات کا سامنا ہوا۔ چلاس کا قلعہ ایک ناقابل عبور پوزیشن کا تھا۔ اور یہ علاقہ نہایت بنجر ہے۔ ڈوگرہ فوج کا دارومدار کشمیر کے سامان رسد وغیرہ پر تھا جو کہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ اور مصیبت یہ آن پڑی کہ چند ہفتوں میں پندرہ سو سے زائد آدمی بھوک سے مر گئے۔ سپاہ میں کھلبلی مچ گئی۔ سپاہی درختوں کے پتے اور چھلکے کھانے پر مجبور ہو گئے لیکن ڈوگرہ سپاہی ہر مرحلہ پر سخت جان واقع ہوا ہے۔ یہ مشقت برداشت کرنے کا عادی ہے۔ اور ان مصائب میں بھی اس کی یہ فطرت روز روشن کی طرح چمکتی رہی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کو اپنی فوج کی اس بری حالت اور سخت مصیبت کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اسے اپنی بیماری کی اتنی فکر نہ تھی جتنی کہ چلاس پر بھیجی گئی اپنی فوج کی۔ اور ایک دن جبکہ وہ بستر پر بوجہ دیرینہ بیماری

ذیابیطس سے پڑا تھا۔ پاس حکیم، وئید، ڈاکٹر، پنڈت، جیوتشی اور امیر و وزیر بیٹھے تھے کہ اُسے
خبر ملی چیلاس میں پندرہ سو سے اوپر آدمی بھوک سے مر گئے ہیں۔ اور قلعہ کے فتح ہونے کی کوئی
اُمید نہیں۔ مہاراجہ سُن کر تڑپ اُٹھا۔ پاس بیٹھے ہوئے سب لوگوں کو کہا کہ وُہ اپنے اپنے ہاں
چلے جائیں اور مجھے تھوڑی دیر آرام کرنے دیں۔ حکم کی دیر تھی۔ مہاراجہ ایک اکیلا اپنے کمرے میں
رہ گیا۔ وہ سخت بے چین تھا۔ اُسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وُہ ذیابیطس کا مریض ہے۔ وُہ اپنے بستر
سے اُٹھ کر اُسی کمرے میں کبھی اِدھر کبھی اُدھر چکر کاٹنے لگا جس طرح کہ شیر پنجرے میں گھومتا ہے
بعینہٖ مہاراجہ گلاب سنگھ کی حالت تھی۔ پھر وُہ پلنگ پر آ بیٹھا۔ اُس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں
سے دبا لیا اور کتنی ہی دیر اسی حالت میں بیٹھا رہا۔ وُہ سوچ رہا تھا کہ سینکڑوں سپاہی جو چیلاس
کے علاقہ میں چیلوں اور کوّوں کا نوالہ ہو رہے ہیں۔ اُن کے بیوی بچے، مائیں بہنیں، باپ بھائی
جب سُنیں گے کہ اُن کا بیٹا، بھائی یا باپ چیلاس میں بھوک کا شکار ہو گیا تو اُن کی کیا حالت
ہو گی۔ اُن کی آہیں بنی بنائی ریاست کو ہی نہ لے ڈوبیں۔ چیلاس فتح ہو یا نہ، لیکن میرا یہاں بیٹھے
رہنا ایک گناہِ عظیم ہے۔ میری جو بھی حالت ہے مجھے اسی حالت میں وہاں پہنچ کر اپنے سپاہیوں
کی مصیبت میں شریک ہونا چاہئے۔ یہ سوچ کر مہاراجہ نے دربان کو آواز دی اور کہا کہ دیوان
جواللہ سہائے اور وزیر زور آور کو فوراً بلایا جائے۔ جب وُہ دونوں دوڑے دوڑے آئے
تو مہاراجہ نے حکم دیا کہ چیلاس کی مہم پر ہم خود جانا چاہتے ہیں۔ جواللہ سہائے نے ہر چند ہاتھ
جوڑے اور کہا کہ سرکار کے دشمنوں کی صحت خراب ہے۔ اس حالت میں سرینگر سے چیلاس
پہنچنا خطرہ سے خالی نہیں۔ میں آپ کے اقبال کے ساتھ وہاں پہنچ کر کامیاب ہو سکتا ہوں،
بشرطیکہ آپ آشیرباد دیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے کہا "نہیں میں خود جاؤں گا۔ اور میرا ہی وہاں
جانا ٹھیک رہے گا۔ تم لوگ چیلاس کی طرف میرے کوچ کی تیاری کرو اور خود بھی میرے ساتھ چلو۔"
چنانچہ راتوں رات تیاری ہونے لگی صبح ہوتے ہی سرینگر میں جتنی فوج تھی، اُس میں سے ایک ہزار
چیدہ جوان اپنے ساتھ لے جانے کے لئے احکام دے دئیے گئے اور ہری پربت کے قلعہ کے
اُونچے بُرج پر جنگی بگل بجنے لگا۔ مہاراجہ کی سواری کے لئے پینس آراستہ کی گئی۔ اور
جب مہاراجہ ایشور کے حضور میں پرارتھنا کر کے فارغ ہوا اور ناشتہ کھا رہا تھا کہ راج
جیوتشی داخل ہوا۔ آتے ہی کہنے لگا "جہاں پناہ! چیلاس کا قلعہ تو فتح ہو چکا ہے اور
وہاں فوج کو کافی مقدار میں رسد بھی مہیا ہو گئی ہے۔"

Scanned with CamScanner

مہاراجہ کو جیوتشی کی بات اس مرحلہ پر بے حد ناگوار گزری۔ آپ نے سمجھا کہ جیوتشی کا دماغ چل گیا ہے یا مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔ کہنے لگا "ہاں ٹھیک ہو گی تمہاری بات۔ تمہارا تو پیٹ بھرا ہوا ہے لیکن میرے سپاہی بھوک سے مر رہے ہیں۔ میں تمہاری بات پر کیسے یقین کروں؟"
جیوتشی نے جواباً عرض کی۔ "اگر میں براہمن ہوں اور اپنے باپ کا بیٹا ہوں تو آپ کو ابھی خبر پہنچ جائے گی۔"

جیوتشی یہ کہہ کر بحالتِ ناراضگی اُلٹے پاؤں اپنے گھر چلا گیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ ہیٹں میں بیٹھے ہی لگا تھا کہ چیلاس سے خبر آن پہنچی کہ قلعہ فتح کر لیا گیا ہے۔ مہاراجہ نے جیوتشی کو بلانے کے لئے پیادے بھیج دیئے۔ اور جب وہ آیا تو اُسے انعام و اکرام دے کر خوش کیا۔ اتنے میں جموں سے بھی یہ خوشخبری ملی کہ ولیعہد ریاست راجہ رنبیر سنگھ کے ہاں فرزند ارجمند یعنی مہاراجہ کے پوتا ریاسی کے مقام پر پیدا ہوا ہے۔ مہاراجہ نے چیلاس کی فتح کی خوشی اور پوتے کی ولادت پر داد و دہش کے دروازے کھول دیئے۔ اور جب اپنے پوتے کا نام رکھنے کے لئے اس جیوتشی کو پوچھا تو اس نے کہا "سرکار کا پرتاپ دن سے دن چمک رہا ہے۔ اقبال کا ستارہ اوج پر ہے۔ بچہ کا نام پرتاپ سنگھ ٹھیک رہے گا۔"

قلعہ چیلاس کی فتح کی کہانی

تذکرہ فوج نے چیلاس کو کس طرح فتح کیا جو کہ اس قدر مصیبت میں مبتلا تھی۔ یہ کہانی دلچسپی سے خالی نہیں۔ چیلاس کا قلعہ ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہے۔ ڈوگرہ کمانڈروں کو جو کہ کتنے ہی دنوں سے تھوڑے فکر میں غلطاں تھے، ایک تدبیر سوجھی کہ اگر قلعہ کی سطح میں ایک بڑا سا سوراخ کر دیا جائے تو چیلاسیوں کے پانی کا واحد ذریعہ تالاب خشک ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ جونہی قلعہ میں پانی کا قطرہ نہ رہا تو چیلاسیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی سیادت کو قبول کر لیا گیا۔ چیلاس کے سردار سرینگر لائے گئے۔ اور انہوں نے اطاعت کا یقین دلانے کے لئے اپنے بیٹے یرغمال کے طور پر سرینگر میں چھوڑ دیئے۔

گلگت کی شورش

تاہم یہ تنازع اور کشمکش کا دائرہ چیلاس تک محدود نہیں تھا۔ گلگت میں بھی جلد ہی شورش شروع ہو گئی۔ سرحد پر مہاراجہ کی فوجیں تین مقامات پر مقیم تھیں۔ گلگت، بونجی اور استور میں۔ گوہر رحمان نے دردستان اور گلگت کے لوگوں کو اکٹھا کر کے حملہ کر دیا۔ گلگت کے قلعہ دار کو اُس نے محصور کر لیا اور بھوپ سنگھ جو بونجی سے

ایک بڑی تعداد افواج ڈوگرہ کے ساتھ مسورین کی کمک کے لئے روانہ ہوا تھا۔ نے بونجی پڑتا اور منادر کے درمیان جھوگر کے بالمقابل دریائے گلگت کے کنارے ایک چھوٹے سے میدان میں آکر ڈیرہ ڈالا تھا۔ یہ میدان ایسے مقام پر واقع ہے جو تین طرف دشوار گذار سنگلاخ اور ایک طرف دریائے گلگت سے گھرا ہوا ہے۔ گوہر رحمان نے اس مقام پر بھوپ سنگھ بمعہ ڈال کر معہ تمام سپاہ پھانس کر ہلاک کر دیا۔ اس تباہی سے صرف دو سپاہی جان سلامت لے کر دریا کو تیر کر پار کر کے بونجی پہنچے اور فوج کی ہلاکت کی خبر سنائی۔ اس طرح گلگت کی کل ڈوگرہ فوج بھی قتل کر دی گئی۔ اس سپاہ میں صرف ایک گورکھا عورت جان بر ہو سکی۔ اس بہادر عورت نے خود کو دریا میں ڈال دیا جو کہ قلعہ گلگت کے نیچے بہتا ہے۔ اور دریائے سندھ کو تیر کر عبور کیا۔ اور اس اندوہناک ہلاکت کی خبر سنانے کے لئے دن رات ایک کر کے سرینگر پہنچی۔ حضور مہاراجہ گلاب سنگھ سے ساری تفصیل ہلاکت افواج ڈوگرہ کی بیان کی۔ مہاراجہ نے اس گورکھا عورت کی پنشن لگا دی۔

تبت کی سرحدی مشکلات

۱۸۵۱ء میں گلگت کے بعد تبتی سرحد پر بھی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ تبت کے جو قافلے تجارت کی غرض سے آتے جاتے تھے، انہیں قدیم دستور کے مطابق باربرداری مہیا کرنا لداخیوں پر فرض عاید ہوتا تھا۔ اس دستور کو بدستور رکھنے کا وعدہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے دے رکھا تھا۔ اور یہ تبتی قافلے مفت باربرداری کے حقدار تھے۔ لداخ کے زمینداروں نے جنہیں اب تبتیوں سے کوئی ڈر و خوف نہ تھا، قافلوں کو مفت باربرداری دینے سے انکار کر دیا۔ ولائی لامانے اس وعدہ خلافی کے خلاف احتجاج کیا۔ لداخیوں کے اس اصرار پر کہ وہ حکومت تبت کو تاجروں کی بوجہ گھٹیا تجارت چائے کے باربرداری کے جانور مہیا نہیں کر سکتے، ولائی لامانے اس مسئلہ کو پرامن طریق پر حل کرنے کے لئے اور لداخ اور تبت کے درمیان سرحدی اختلافات کو مٹانے کے لئے اپنے صوبجاتی گورنر بھیجے۔ اور مہتہ بستی رام حاکم لداخ اور کپتان رینزان نے ملاقات کر کے ایک فیصلہ پر کار بند رہنے کا فیصلہ کیا جو ذیل کے معاہدہ کی صورت میں لکھا گیا۔

"آئندہ کے لئے لداخی لوگ تبتی تاجروں کو بغیر کسی تامل کے معمولی ضروریات باربرداری مہیا کریں گے۔ لداخی لوگ تبت سرحد کے تاجروں کو حسب معمول رہائشی [illegible]

کو کم جاکر دیا کریں گے اور قدیم دستور کے مطابق انہیں امداد دیا کریں گے۔ کارپن اس مضمون کے احکام صادر کریں گے کہ چائے اور اُونی اشیاء جو ناگری میں درآمد ہوں صرف لداخ میں بھیجی جایا کریں نہ کہ کسی اور جگہ۔ تبت اور لداخ کی درمیانی سرحد حسب دستور قدیم رہے گی۔ رودوک کے لوگ نمک اور اُونی اشیاء کی برآمد اور جو اور جو کے آٹے کی درآمد پر کسی قسم کی پابندی عاید نہ کریں گے۔ کوئی فریق موجودہ قواعد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اور محصول چونگی اور بازاری اشیاء کی شرح ہر دو متعلقہ فریق مقرر کیا کریں گے۔ محولا بالا قواعد کا اطلاق رونگپاؤں یعنی باشندگان علاقہ وادی پر بھی ہوا کرے گا۔ شمال اور مغرب کے نوواردوں کو جو رونگ کے راستے آئیں، حاکم پروانہ راہ داری دیا کریں گے۔ ایسے لوگوں پر وہ محصول چونگی عاید کیا جائے گا جو اُن کے پروانہ جات راہ داری میں درج ہوگا اُن میں سے کوئی پروانہ راہ داری پیش نہ کر سکے تو اُسے عام مقدار سے پچاس گنا تاوان دینا پڑے گا۔ اس قسم کی وصولیاں جو افسران چونگی کریں، اُن کے خلاف کسی مقدمہ کی سماعت نہیں ہو سکے گی۔ تمام اہم امور کے فیصلہ کی خاطر حکام ہر دو جانب کے رسم و رواج کو ملحوظ رکھیں گے۔ اور باربرداری وغیرہ کے مہیا کئے جانے کے متعلق قدیم قواعد کی پابندی کریں گے۔ اُن چراگاہوں میں مویشی چرانے کے لئے جو گورنمنٹ تاجروں کے مویشی چرانے کی خاطر وقف ہوں، کسی قسم کی روکاوٹ نہیں ہوگی لیکن لوگوں کو اس رعایت کے ناجائز استعمال کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ بیرونجات سے مویشی لائیں اور یہاں آکر چرائیں۔ ہر دو فریق نہایت سختی کے ساتھ اس معاہدہ کی پابندی کریں گے جو تبت اور سنگپاؤں (کشمیریوں) کے مابین طے پایا۔ اور ہر دو سرحدی افسر کامل اتحاد اور باہمی امداد کے ساتھ کام کریں گے۔"

"معاہدہ مذکورہ کی دو نقلیں مرتب کی گئیں۔ اور اس پر حاکم لداخ مہتہ بستی رام اور گانپوں کے کبلون ریذن کی مہر ثبت کی گئی۔ گواہ شد ونگیال پرائیویٹ ملازم کبلون ریذن"۔

(۲۱) شروع سے مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت چل رہی تھی۔ ... کے ... اور

اکثر مورخین نے گلاب سنگھ کی انتظامیہ اصلاحات کا تذکرہ اپنے اپنے روزنامچوں میں کیا ہے۔ وہ بغیر کسی لگی لپٹی کے لکھتے ہیں کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے طریقے بلاشک وشبہ قدیم زمانہ سے تعلق رکھنے تھے۔ لیکن اُس نے مُلک کی عادلانہ حکومت کی خاطر بنایت محنت اور ذمہ داری سے کام کیا۔

تشکیل ریاست سے پہلے کے قلعہ جات

جب ریاست جموں وکشمیر کی متحدہ بُنیاد ۱۸۴۶ء مارچ میں رکھی گئی، اس سے پہلے سارے مُلک یعنی شمالی ہندوستان کے اِس وسیع رقبہ میں بالخصوص جموں پرانت کی ہر پہاڑی اور ٹیلہ ایک قلعہ کا منظر پیش کرتے تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی پہلے اِن قلعوں کو مرمت وغیرہ کرا کر مضبوط کیا۔ یہ قلعے صدیوں پہلے کے پرانے اور اہم جنگی پوزیشن کے بھی ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جو کہ اٹھارھویں صدی میں تیار ہوئے۔ ذیل میں مختصراً ذکر کرنا ٹھیک رہے گا۔ اِن قلعوں کی اب یاد باقی رہ گئی ہے اور کھنڈروں کی شکل میں کسی وقت کی اپنی عظمت کی شہادت دے رہے ہیں۔

قلعہ مست گڑھ: یہ قلعہ جموں شہر کے درمیان واقع تھا۔ جس کے نام پر اب اس جگہ ایک گنجان محلہ آباد ہے۔ اِس محلہ میں ایک پرانی مسجد موجود ہے جو کہ شاہانِ مغلیہ کے وقت تعمیر ہوئی تھی۔ یہ عین قلعہ سے متصل تھی۔ مست گڑھ کا قلعہ باہو کے قلعے کے بالمقابل تھا۔

قلعہ رام نگر: جموں میں جہاں آج کل مہاراجہ بہادر کرن سنگھ جی کے محلات ہیں سولھویں صدی کے آخیر میں ایک بڑا مضبوط قلعہ بنایا گیا تھا۔ راجہ کپور دیو کے عہد میں یہاں فوج رہتی تھی۔ اُنیسویں صدی کے وسط میں یہ قلعہ مسمار ہو چکا تھا۔

قلعہ کپور گڑھ: جموں سے ۱۲ میل شمال مشرق ڈنسال کے قریب ایک پہاڑی پر راجہ کپور دیو نے یہ سرحدی قلعہ تعمیر کرایا تھا جہاں کہ سامانِ حرب اور ذخیرہ بارود وغیرہ محفوظ تھا۔ اور فوج کی بھی تھوڑی سی نفری تھی۔

قلعہ باہو: جموں شہر کے بالمقابل پہاڑی پر دریائے توی کے کنارے قلعہ باہو، جہاں کالی دیوی کا مندر ہے، کی بُنیاد راجہ باہو لوچن نے ۱۳۵۰ برس قبل مسیح

رکھی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک نگر باہو کے نام سے آباد کیا تھا۔ جب سولھویں صدی کے اخیر میں جموں اور باہو کی ریاستیں علیحدہ ہوئیں تو قلعہ باہو کو از سر نو راجہ پرسرام دیو نے تعمیر کر کے وسعت دی جو ریاست باہو کی راجدھانی کے نام سے موسوم ہوا تھا۔ اس قلعہ میں شاہی محلات بھی تھے۔ لیکن اب یہ قلعہ مسمار ہو رہا ہے۔ سرکاری حفاظت کا کوئی انتظام نہیں اور نہ ہی محکمہ آرچیالوجی نے آثار قدیمہ کے طور اسے محفوظ رکھنے کی ضرورت سمجھی ہے۔ اس قلعہ کے باہر ایک مسجد بتقریب سیاحت شاہزادہ سلیم راجہ کشن دیو باہو والے نے بنوائی تھی۔

قلعہ اکھنور۔ جموں سے بیس میل مغرب راجہ تیغ سنگھ نے دریائے چناب کے کنارے اٹھارھویں صدی میں بنوایا تھا۔ آج کل اس قلعہ میں تحصیل کا دفتر ہے۔

قلعہ سانبہ۔ جموں سے ۲۵ میل مشرق خاندان سمیال نے سولھویں صدی کے اخیر میں بنایا تھا۔ بعد میں راجہ سوچیت سنگھ نے اسے پختہ تعمیر کرایا۔ اس قلعہ میں آج کل ہائی سکول اور تحصیل کا دفتر ہے۔

قلعہ رام گڑھ۔ یہ قلعہ جموں سے ۲۰ میل جنوب مشرق خام دیواروں کا تھا۔ بزمانہ ملازمت مہاراجہ رنجیت سنگھ مہاراجہ گلاب سنگھ یہاں رہتا تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے یہاں محلات وغیرہ بنوائے تھے۔ اس قلعہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ، راجہ دھیان سنگھ راجہ سوچیت سنگھ کی معہ والدین اور دادا بزرگوار میاں زورآور سنگھ رہائش تھی۔ اب قلعہ صرف نام کا ہے۔

قلعہ ننگہ۔ جموں سے جنوب مشرق ۲۰ میل پر سرحدی قلعہ تھا جس کی عمارت خام تھی۔ اب مسمار ہو کر ٹیلہ کی شکل رہ گئی ہے۔

قلعہ سید گڑھ۔ رام گڑھ سے ۶ میل مغرب مٹی کے بڑے تودہ کی شکل رہ گیا ہے۔

قلعہ دلوی گڑھ۔ یہ قلعہ سیالکوٹ کی سرحد پر تحصیل رنبیر سنگھ پورہ میں مسمار شدہ حالت میں ہے۔ مہارانی چنداں کے احکام سے جب راجہ لال سنگھ اور شام سنگھ اٹاری والے نے جبروٹہ، رام گڑھ اور سانبہ کو سر کر کے جموں کو گھیر کر مہاراجہ گلاب سنگھ سے اسی مقام پر لڑائی کی تو خام عمارت کے قلعہ میں اڑھائی سو ڈوگرہ جوانوں نے محصور ہو کر دیوان اجودھیا کو ندلیہ کی کمان میں چالیس ہزار کی تعداد میں سکھ افواج کو ناکوں چنے چبائے تھے

قلعہ جسمیر گڑھ۔ جسروٹیہ راجگان نے سترھویں صدی کے وسط میں بنایا تھا۔ ہیرانگر اور جانڈی کے درمیان واقع ہے۔ آج کل اس قلعہ میں تحصیل کا دفتر ہے۔

قلعہ منت گڑھ۔ بھڈو اور جسروٹہ کی سرحد پہ دریائے اُوجھ سے اُوپر پہاڑی پر سترھویں صدی میں بھڈوال راجگان نے تعمیر کرایا تھا جو کہ اب کھنڈروں کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

قلعہ کٹھوعہ۔ خاندان لکھن پوریہ نے اٹھارھویں صدی کے آغاز میں بنایا تھا۔ پہلے یہاں تحصیل کا دفتر تھا۔ پھر کسٹم کا دفتر رہا۔ اب صرف چوکی کسٹم ہے۔ قلعہ کے صرف نشان ہی دکھائی دیتے ہیں۔

قلعہ گڑھ کٹیل۔ پٹیال راجپوتوں کی ایک شاخ نے یہ قلعہ سترھویں صدی میں بنایا تھا جسے گھنوں کی گڑھی کہتے ہیں۔ اب تو صرف پتھروں کا ڈھیر رہ گیا ہے۔

قلعہ لکھن پور۔ دریائے راوی کے کنارے سترھویں صدی میں لکھن پوریہ راجاؤں نے تیار کیا تھا۔ یہ قلعہ کٹھوعہ سے دو میل مشرق ہے۔ قلعہ اس لحاظ سے اہم پوزیشن رکھتا تھا کہ سکھوں کے زمانہ سے بھی پہلے ریاست نورپور کی یہ سرحد تھا۔ اسے نورپور کے راجاؤں نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ جب سنہ ۱۸۴۶ء کا معاہدہ ہوا تو لکھن پور کا علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے زیر نگیں آگیا۔ اب اس قلعہ میں کسٹم کا دفتر ہے۔ اسی مقام پر سنہ ۱۹۴۸ء سے بعد ۱۹۵۲ء تک ہندوستان پنجاب میں ریاست سے آنے جانے کے لئے ہر شخص کو پروانہ راہداری دکھانا پڑتا تھا۔ اور یہ پابندی ڈیفنس منسٹری آف انڈیا کی طرف سے عاید رہی۔ اب لکھن پور ریاست جموں و کشمیر میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔

قلعہ بسنت پور۔ بسوہلی اور کٹھوعہ کی سڑک پر بسوہلی سے ۱۲ میل جنوب مغرب ہے۔ لکھن پور سے ۵ میل شمال کی طرف ہے۔ آج کل قلعہ کا نشان نظر نہیں آتا۔ ایک ٹیلہ ہی نشان ہے۔ اور یہ قلعہ نورپور، لکھن پور اور بسوہلی کی ریاستوں کا سرحدی قلعہ تھا جسے لکھن پوریہ خاندان نے بنایا تھا۔

قلعہ تھیں۔ بسنت پور اور بسوہلی کے درمیان دریائے راوی کے کنارے ایک پہاڑی پر ہے۔ یہ مقام کسی زمانہ میں ناقابل گزر تھا۔ اس قلعہ کے تین بُرج دروازے

ہیں۔ جن کے دو طرفہ سپاہیوں کے رہنے کے لئے بُرج یا مورچے بنے ہوئے ہیں۔ اس قلعہ میں کافی سپاہ رہتی تھی۔ اب قلعہ کی صرف یاد باقی ہے۔ اور کچھ نہیں۔

18 **قلعہ گڑھی** ۔ بلاوریہ راجاؤں نے بسوہلی کے عین وسط میں بنوایا تھا۔ یہاں اُس وقت جیل بھی تھی۔

1 **قلعہ چپلوہ** ۔ نورپور اور چمبہ کی سرحد پر دریائے راوی کے کنارے واقع تھا۔ اس قلعہ کو بسوہلی کی پُشت پناہ کہا جاتا تھا۔ اب یہ مسمار ہو چکا ہے۔

20 **قلعہ بلاور** ۔ بلاوریہ راجاؤں کی ابتدائی راجدھانی ہے۔ بلاور کا قصبہ آج بھی ایک قلعہ کی شکل دکھائی دیتا ہے۔ قلعہ کے کھنڈرات بھی اب دکھائی دینے سے رہنے۔

قلعہ کوہگ ۔ بلاور سے پانچ میل شمال مغرب بھدو اور بلاور کی سرحد کا کام دیتا تھا۔ یہ بھی ختم ہو چکا ہے۔

قلعہ سندری کوٹ ۔ راجگان بھدوال نے ریاست بھدو اور لکھن پور کی سرحد پر بنایا تھا۔ اُونچی پہاڑی پر ہے۔ آج دیواریں بھی منہدم ہو رہی ہیں۔

قلعہ بھدو ۔ راجگان بھدوال نے بنوایا تھا۔ کھنڈرات بھی دکھائی نہیں دیتے۔

قلعہ سُمرتہ ۔ سُومبریہ راجپوتوں نے بارھویں صدی میں بھدو سے آٹھ میل شمال مغرب ایک لمبے میدان میں بنوایا تھا جہاں کہ راجگان بندرال (رام نگر)، راجگان جسروٹہ۔ منکوٹ (رام کوٹ)، بلاوریہ اور بھدوال کی سرحدیں آس پاس کی نزدیکی پہاڑیوں میں ملتی ہیں۔ یہ قلعہ راجگان بھدو کے ماتحت تھا۔ عام خیال تھا کہ جو طاقت اس قلعہ کو سر کرے، وہ آس پاس کی تمام ریاستوں پر قبضہ کر سکتی ہے۔ اس لحاظ سے اس قلعہ کو اہم پوزیشن حاصل تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوجوں نے بڑی مشکل سے اس قلعہ کو فتح کر کے ان پہاڑی راجاؤں کو مطیع کیا تھا۔

22 **قلعہ رام کوٹ** ۔ اس قلعہ کی بُنیاد راجہ مانک دیو نے گیارھویں صدی میں رکھ کر منکوٹ کے نام سے موسوم کیا۔ اور بعد ازاں راجہ پرتاپ دیو منکوٹیہ نے اسے ہر لحاظ سے مکمل و محفوظ کر کے اسے بہت زیادہ وسعت دی۔ اس قلعہ کے نام پر راجدھانی کا نام منکوٹ ہی تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے پہلے منکوٹ کے راجہ کو مطیع کر کے یہاں سے سُمرتہ پہ

چاروں اطراف سے حملہ کرایا تھا۔ اب صرف اِس قلعہ کے کھنڈرات اپنی عظمتِ پارینہ کے شاہد ہیں۔ اور منکوٹ رام کوٹ کے نام سے مشہور ہے۔

قلعہ باڑی گڑھ۔ راجگان منکوٹیا نے سولھویں صدی میں ایک پہاڑی پر راجگان بندرالتہ (رام نگر) کی سرحد کے طور بنایا تھا۔ یہ قلعہ رام کوٹ کے قلعہ سے دس میل مغرب ہے۔ اب گر چکا ہے۔ 26

قلعہ تھیال۔ راجگان منکوٹیا نے سترھویں صدی میں بنوایا تھا۔ اور یہ رام نگر اور رام کوٹ کی عین سرحد پر تھا۔ اب یہ مسمار ہو چکا ہے اور گورنمنٹ ہائی سکول کی عمارت کے لئے جگہ صاف کرائی جا رہی ہے۔

قلعہ تھلوڑہ۔ رام نگر اور جموں کی سرحد پر واقع ہے۔ اس کے پاس ہی ایک پُرانی راجدھانی موسومہ ببور کے نشانات ملے ہیں اور کُھدائی سے کھنڈرات برآمد ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے محکمہ آرچیالوجی نے اِس رقبہ کو اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ اِس راجدھانی کے متعلق کئی کہاوتیں زبان زد عام ہیں۔ راج ترنگنی میں بھی اس کا ذکر آیا ہے اور اسے ببا پور لکھا ہے۔ جو مجسمے اور مُورتیاں اس نگر سے برآمد ہوئی ہیں، اُن کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ دسویں اور گیارھویں صدی کے تیار شدہ مجسموں سے مشابہت کھاتی ہیں۔ قلعہ تھلوڑہ کے نشانات مِٹ چکے ہیں۔

قلعہ رام نگر۔ راجگان بندرال نے بنوایا تھا۔ لیکن وہ قلعہ راجہ سوچیت سنگھ کے وقت ہی گر چکا تھا۔ راجہ سوچیت سنگھ نے رام نگر کا قبضہ لیتے ہی سب سے پہلے قلعہ کی تعمیر کا کام مکمل کیا تھا۔

قلعہ لسبنت گڑھ۔ رام نگر اور لسبوہلی کا سرحدی قلعہ تھا۔ یہ قلعہ بلاور کے راجاؤں نے سولھویں صدی میں تعمیر کیا تھا۔ اب تو قلعہ کے کھنڈر بھی نظر نہیں آتے۔ 30

قلعہ کوٹلی۔ اودھم پور سے دس میل شمال مشرق راجگان چنہنی نے تعمیر کرایا تھا۔ اب کھنڈرات کی شکل ہے۔

قلعہ چنہنی۔ اب راجگان چنہنی کے محلات نے قلعہ کی جگہ لے لی ہوئی ہے۔

قلعہ مرنت گلیان۔ چمبہ سے آکر ایک راجپوت خاندان گلیان میں آباد ہوا۔ اور اس نے اپنی چھوٹی سی ریاست کی حفاظت کے لئے اس قلعہ کو بنوایا تھا۔

قلعہ شب گڑھ ۔ چھنی اور کرمچی کی سرحد پر یہ قلعہ تھا جس کے اب صرف نشان باقی رہ گئے ہیں۔ 34

قلعہ کرمچی ۔ راجگان بھنیال علاقہ بھوتی نے اِس قلعہ کو اُودھم پور سے دس میل شمال بنوایا تھا۔

قلعہ گڑھی ۔ خاندان بلوال کی جاگیر تھا۔ یہ قلعہ اُودھم پور کے نزدیک ہی تھا لیکن اب کہیں کوئی نشان نظر نہیں آتا۔

قلعہ جنگالوں ۔ اُودھم پور سے ۶ میل مشرق دریائے توی کے کنارے رام نگر کی سرحد پر واقع تھا جس کے رہے سہے نشان بھی اب مٹ چکے ہیں۔

قلعہ بھدرواہ ۔ بھدرواہ کے مغرب کی طرف پہاڑی پر واقع ہے جہاں آج کل جیل ہے۔

قلعہ بھیلہ ۔ ریاست بھدرواہ کی سرحد پر یہ قلعہ رانا خاندان نے بنوایا تھا جو کہ اب گر گیا ہوا ہے۔

قلعہ جنگلواڑ ۔ بھدرواہ اور کشتواڑ کی سرحد پر تھا۔ اب نشان بھی نظر نہیں آتا۔ 40

قلعہ پونجواہ ۔ کشتواڑ، بھدرواہ اور چمبہ کی ریاستوں کی سرحد پر تھا۔

قلعہ کشتواڑ ۔ راجگان کشتواڑ کی عظمت کا شاہد ہے۔

قلعہ پاڈر ۔ لداخ کی سرحد پر تھا۔ اب گر چکا ہے۔

قلعہ ڈوڈہ ۔ دریائے چناب کے کنارے کشتواڑ کے راجاؤں نے بھدرواہ کی سرحد کے لئے بنوایا تھا۔

قلعہ گجپت ۔ یہ قلعہ تحصیل رام بن میں ایک ایسے مقام پر ہے جہاں کسی انسان کا پہنچنا بے حد مشکل تھا۔ یہ ریاست جموں و کشمیر کے کالے پانی کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں عمر قید کے قیدی بھی رکھے جاتے تھے۔ اب یہ قلعہ بالکل ہی منہدم ہو چکا ہے۔ 45

قلعہ پوگل ۔ رام بن سے ۱۵ میل شمال مشرق ایک اُونچی اور دشوار گذار پہاڑی پر واقع تھا۔

قلعہ ڈنگ بٹل ۔ بٹل کے رانئے صاحبان کی جاگیر تھا۔

قلعہ گلاب گڑھ ۔ دریائے چناب کے کنارے تحصیل ریاسی میں ایک پہاڑ پر ہے۔ 48

49 قلعہ سلال۔ ریاسی میں یہ قلعہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنا عظیم خزانہ رکھا ہوا تھا۔

50 قلعہ ریاسی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ریاسی پر قبضہ کیا تو قلعہ ریاسی کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔ اب یہ ویران ہے۔

قلعہ گرڑھی۔ اکھنور کے پرانے راجے پنوار نے یہ قلعہ بنوایا تھا۔ اکھنور سے پانچ میل مغرب ہے۔

قلعہ منادر۔ راجگان چب راجپوتوں نے یہ قلعہ بنایا تھا۔ اس قلعہ کی سرحدی پوزیشن بڑی اہم تھی۔ اب یہ ٹیلہ بن گیا ہوا ہے۔

قلعہ کلیٹھ۔ تحصیل اکھنور میں بھاؤ راجپوتوں کی یہ راجدھانی رہا۔

قلعہ منگلا۔ خاندان منگلیہ نے بنوایا تھا۔

55 قلعہ منگلا ماہی۔ میرپور، جہلم اور گکھڑی کی سرحد پر یہ قلعہ ایک اونچے پہاڑ پر واقع ہے۔ اس کے نیچے سے نہر جہلم نکالی گئی تھی۔

قلعہ میرپور۔ خاندان گکھڑ نے یہ قلعہ بنوا کر یہاں آبادی اختیار کی تھی۔

قلعہ کھیار۔ کوٹلی اور میرپور کی سرحد پر واقع ہے۔

قلعہ اڈیپن۔ کوٹلی، پونچھ اور راولپنڈی کی سرحد پر جہلم کے کنارے یہ قلعہ واقع تھا۔

قلعہ راج محل۔ کوٹلی اور پونچھ کی سرحد پر تھا۔

60 قلعہ تھروچی۔ میرپور اور کوٹلی کی سرحد پر تھا۔

قلعہ سنگائی۔ بھمبر اور نوشہرہ کی سرحد پر تھا۔ اسے خاندان ماہلہ نے بنوایا تھا۔

قلعہ پتنی۔ خاندان نارمہ نے علاقہ نوشہرہ میں بنوایا تھا۔

قلعہ ڈنی دھار۔ راجوری کے راجاؤں نے راجوری کے سامنے پہاڑی پر تعمیر کرایا تھا۔

قلعہ پرن۔ راجوری اور بدھل کی سرحد پر واقع تھا۔

65 قلعہ راج نگر۔ علاقہ بدھل، ریاسی، گلاب گڑھ کا سرحدی نشان تھا۔

قلعہ بھاریکہ۔ خاندان جرال نے یہ قلعہ بنوایا تھا۔

قلعہ نلبہ گڑھ۔ ہرنالہ اور دیوا وٹال کی سرحد پر واقع تھا۔

69 قلعہ درہال۔ تحصیل بدھل میں ایک ایسی دشوار گذار چٹان پر واقع تھا جو کہ دور سے بالکل پتھر دکھائی دیتا تھا۔

قلعہ امر گڑھ۔ بھمبر نوشہرہ کے درمیان ہے۔ راجہ جواہر سنگھ فرزند راجہ دھیان سنگھ مدتوں یہاں مقیم رہا۔

70 **قلعہ ٹھارہ۔** تحصیل کوٹلی میں ایک اونچے پتھر کے ٹیلے پر تھا۔

ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ نامور مؤرخ اپنی تاریخ "راجگان جموں وکشمیر" میں رقمطراز ہے کہ ان قلعوں کے علاوہ علاقہ پونچھ میں اور بھی بہت سے قلعے تھے جو کہ چھوٹے چھوٹے پرانے راجواڑوں پر تھے۔ کشمیر، لداخ، گلگت، چیلاس اور چترال کے علاقوں میں بے شمار قلعے موجود ہیں جن کا ذکر یہاں باعث طوالت ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ان میں سے بیشتر قلعوں کو پھر سے مرمت وغیرہ کرا کر مضبوط کیا۔ ان سب قلعوں میں باقاعدہ سپاہ رہتی رہی۔ جب کوئی ملازم قابلِ پنشن ہو جاتا، اُس کو ایسے قلعوں میں اُس کی مرضی کے مطابق بھرتی کیا جاتا جہاں کہ وہ بآرام زندگی بسر کرتا اور پرماتما کا بھجن کرتا تھا۔ اگرچہ پنشن کا رواج اُس زمانہ میں نہ تھا، تاہم پُرانے ملازم پنشن لینا دھرم ارتھ سمجھ کر پاپ سمجھتے تھے۔ ہر ایک قلعہ میں ایک تھانیدار اور اُس کے ماتحت حسب ضرورت جمعدار، حوالدار، منشی، کوٹھیالہ اور پجاری رہتے تھے۔ ہر ایک قلعہ کے ساتھ کافی رقبہ ہوتا تھا جس کی کاشت بذریعہ زمینداران ملحقہ کرا کر نصف غلہ قلعہ میں جمع رہتا تھا۔ ہر ایک جنس اور سامانِ حرب کا کافی ذخیرہ قلعوں میں رہتا تھا۔ پُرانا اناج وغیرہ ضرورت کے مطابق زمینداران علاقہ قرضہ پر لے جاتے تھے۔ فصل کی تیاری پر بشرح ساہوکارہ سُود لگا کر غلہ ڈیڑھ گنا جیسا کہ رواج تھا وصول کر لیا جاتا تھا۔ سپاہیان قلعہ بہ غلہ وصول کرتے تھے اور تھانیدار قلعہ کی زیر نگرانی منشی قلعہ حساب رکھتا تھا۔ کوٹھیالہ بمنزلہ تحویلدار تھا۔ پجاری پوجا کے لئے مقرر تھے۔ ملازمان کو تنخواہ کے علاوہ رسد راشن ملتا تھا۔ قلعہ میں جو غلہ وغیرہ ذخیرہ کے طور رہتا، وہ دراصل بڑا آباد کے طور زمیندارہ بنک کا کام دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس زمانہ میں قحط کا خطرہ نہ ہوتا تھا۔ جب کبھی قحط پڑ جاتا، سرکار پُرانے زمانے اناج جہاں ہزاروں من غلہ ہوتا تھا، کھول دیتی تھی اور بطور تقاوی تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ پیداوار کے وقت اُس سے دوگنا غلہ آجاتا تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ

سے بعد مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد تک قلعے قائم رہے۔ اُس کے بعد آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔ سرکاری نگرانی اُٹھا لینے سے یہ قلعے مسمار ہوتے گئے۔ اب ایسے قلعوں کا صرف نشان ہی نظر آئے گا۔ ان قلعوں میں جو سامانِ حرب محفوظ تھا، اُن میں بندوق توڑے دار مشہور تھی۔ پھر پتھریدار رائفل تیار ہوئی۔ اس کے علاوہ توپ۔ شیر پنجہ۔ جنجال۔ رغبارہ وغیرہ بھی بارُود سے چلنے والے ہتھیار تھے۔ لیکن جدید اسلحہ کے سامنے پُرانے ہتھیار سب ہیچ ہوکر رہ گئے اور اُنہیں ردّی سمجھ کر دریا بُرد کر دیا گیا۔ صرف نمونہ کے طور پر ڈوگرہ آرٹ گیلری جموں میں کچھ ہتھیار رکھے گئے ہوئے ہیں۔

تخت سے دستبرداری اور سفرِ آخرت

آج سے ایک سو سال پہلے کی حکومتوں کے طریقِ کار اور آج کل کے نظامِ حکومت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے ریاست جموں وکشمیر کو بنایا یہ حکومت سنبھالی۔ لوگوں نے سُکھ کا سانس لیا۔ مہاراجہ کی حکومت کو ہر جگہ پسندیدہ نہیں کیا گیا بلکہ وُہ حکومت تین اکائیوں پر مشتمل ریاست کے لوگوں میں بے حد مقبول ہوئی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے اوصافِ حمیدہ نے تو رعایا کے دلوں کو رام کر لیا تھا۔ اور آج بھی اُن کے انصاف پر مبنی کئے گئے فیصلوں کو لوک کہانیوں کا درجہ ملا ہوا ہے۔ لوگ نہایت خوشی سے اُس حکومت کے وقتوں کی باتیں سُناتے ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ ایک معمولی حیثیت سے اُٹھ کر ایک وسیع سلطنت کا بادشاہ بنا۔ آج کل کے رہنماؤں اور لیڈروں کی مانند وُہ حکمرانی رعب و جلال سے بے نیاز ہو کر عوام میں پہنچ جاتا تھا۔ لوگوں کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتا تھا۔ شہر سے پرے دُور دیہات میں بھی وُہ دورہ پر جاتا تو دیہاتیوں میں بیٹھ کر کھانا کھاتا۔ اُن کے ہاں رہتا۔ ان کے درمیان بیٹھتا۔ سرکاری رکھ رکھاؤ کو ایک طرف رکھ دیتا اور یار دوستوں یا بھائی بندھوؤں کی مانند اُن سے بات چیت کرتا۔

سر ہنری لارنس کے الفاظ میں گلاب سنگھ کا نظامِ حکومت نہایت نرمی، دلجوئی اور رحمدلی پر مبنی تھا۔ وُہ خود تمام باتوں پر معمولی ہوں یا غیر معمولی، پُوری توجہ دیتا۔

شری کے۔ ایم۔ پانیکر نے ایک انگریز مصنف کے حوالہ سے گلاب سنگھ کی طرزِ حکومت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آدمی ہر وقت اُس کے پاس جا سکتا تھا۔ وُہ لوگوں کی شکایات سُننے میں نہایت تحمل کا ثبوت دیتا تھا۔

"عرض ہے مہاراج !" چھوٹی سی چھوٹی بات مہاراجہ کے سامنے پیش ہوتی اور وُہ اُس پر غور کرتا۔ صرف ایک روپیہ کے معمولی نذرانہ سے ہر شخص اپنی بات اُسے سُنا سکتا تھا۔ اور بات ملی تہ تک پہنچنا اُس کی عادت میں داخل تھا۔ کوئی بھی شخص ایک روپیہ دکھلانے اور یہ الفاظ پکارنے پر کہ "عرض ہے مہاراج !" اُس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ وُہ روپیہ پر عقاب کی مانند لپکتا اور اُسے اپنی جیب میں ڈال کر صبر و تحمل کے ساتھ سائل کی الف سے یے تلک بات سُن لیتا۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے ایک روپیہ مہاراجہ کے سامنے کر کے "عرض ہے مہاراج" کہا۔ مہاراجہ نے روپیہ لینے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو سائل نے اپنی مُٹھی بند کر لی اور کہنے لگا "حضور پہلے عرض تو سُن لیجئے پھر روپیہ کی فکر کیجئے گا۔ اِس پر بھی مہاراجہ جہاں تھا وہاں کھڑا رہا اور کہا "سُناؤ اپنی بات" سائل نے اپنی شکایت بیان کی۔ مہاراجہ نے غور سے اُسے سُنا اور اُسے کہا "اب تو مُٹھی کھولو۔" اُس نے مُٹھی کھول دی اور مہاراجہ نے روپیہ لے کر وہاں ہی کھڑے کھڑے اُس کے دعوے کا فیصلہ دے دیا۔

بعض انگریز مورخوں نے اِس ایک روپیہ کی نذر لینے پر مہاراجہ پر شدید نکتہ چینی کی ہے لیکن آج کل کی عدالتوں میں جو کورٹ فیس وصول کی جاتی ہے، اِس سے تو مہاراجہ کا انصاف ارزاں اور جلد از جلد فیصلوں کا تھا۔ اور موجودہ زمانہ میں جو عدالتی پیچیدگیاں اور طوالت سائلوں کی مُشکلات کا سبب بنتی ہیں، اُن سے تو ایک روپیہ کی نذر لینے کا طریقہ بہت بہتر اور مقبولِ عام تھا۔ ایک بار مہاراجہ گلاب سنگھ ریاسی کے دیہات کا دورہ کر رہا تھا۔ دریائے چناب کے پار ایک شخص نے "عرض ہے مہاراج" کہہ کر پکار کی۔ تو گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ دریا عبور کیا۔ سائل سے ایک روپیہ نذر حاصل کی اور اُس کے دعوے کا فیصلہ دے دیا۔ اِس سے زیادہ لوگوں کو انصاف حاصل کرنے میں اور کیا آسانی ہو سکتی تھی۔

۱۸۵۶ء کے آغاز میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے سلطنت کا نظم و نسق اپنے ولی عہد رنبیر سنگھ کو سپُرد کیا اور اُسے اپنے دستِ مبارک سے راج تلک دے کر خود کو راج کاج سے علیحدہ کر لیا اور جموں سے سرینگر جا کر گورنر کشمیر کی حیثیت قبول کر لی۔ لیکن دُنیا کے تمام معاملات سے الگ ہو کر خاموش زندگی اختیار کیے رکھی۔

ریاست کی کرنسی مہاراجہ گلاب سنگھ نے ریاست میں اپنا سکہ چلکی روپیہ جس کی قیمت برطانوی سکہ میں دس آنے کے برابر تھی، اور پیسہ ڈھوا جاری کیا اور اپنی ٹکسال سے یہ سکہ بنتا رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی نانک شاہی روپیہ اور پیسہ بھی رائج رہا۔

سفرِ آخرت ۱۸۵۵ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ بہت زیادہ بیمار ہو گیا۔ اُسے دیرینہ مرض ذیابیطس نے اپنے غلبہ میں لے لیا۔ ایک یورپی ڈاکٹر مسٹر ہانگ برجر کو طبیبِ خاص کے طور سرینگر میں رہنے کے لئے تجویز کی گئی لیکن ڈاکٹر موصوف واپس ولایت جانے کے لئے بضد تھا۔ مرض بڑھتا گیا۔ حالت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ اور وہ مایۂ ناز انسان جو ساری زندگی عمل کا نمونہ بن کر بیشتر جنگوں میں کامیاب رہا جس نے موت کو نزدیک ہو کر کئی بار دیکھا تھا۔ دیکھا ہی نہ تھا بلکہ ڈٹ کر مقابلہ بھی کیا تھا۔ آخر اسی ذیابیطس نے تپِ محرقہ کا روپ دھار کر بمقام سرینگر ۲ اگست ۱۸۵۷ء بوقت ... اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

اوصافِ حمیدہ مہاراجہ گلاب سنگھ ہر درجہ کے آدمی سے بے تکلفانہ اور محبت سے ملتا تھا۔ اور وہ وصف جسے عام زبان میں "کھلا مانسی" کہا جاتا ہے، اُس میں کمال درجہ کا تھا۔ اس لئے ہی تمام رعایا اُس پر دل و جان سے فدا تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ بعض دشمنوں کو اُس کے ہاتھوں گزند پہنچا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے جانی دشمنوں کو بھی راہِ راست پر آنے کا وقت دیتا تھا۔ عشق اور جنگ میں ہر حیلہ مناسب ہے۔ صلح صفائی کے لئے تو وہ نہایت فراخ دل تھا۔ سمجھوتہ کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ دنیا میں جو آدمی چھوٹی حیثیت سے بڑے آدمی بن جاتے ہیں، عموماً وہ اپنے ذہن اور دماغ کو چلتا کر دیتے ہیں۔ مہاراجہ ان عیبوں سے بالکل پاک و صاف تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے اِن اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے اپنی ریاست جموں و کشمیر اور تبت ہا ... کے لاکھوں عوام میں ایک محبوب حکمران کا رتبہ حاصل کیا اور انیسویں صدی کی عظیم شخصیت کے طور دنیا میں نام پایا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ
1856 میں اپنے ولی عہد شری رنبیر سنگھ کے حق میں
جموں و کشمیر کی تاجداری سے دست بردار ہوئے -

۱۸۵۶ئہ بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ کا نرخنامہ[1] اجناس وغیرہ

نمبر شمار	نام اشیاء	نرخ فی روپیہ چلکی (دس آنہ۔ موجودہ ۶۲ پیسے)
۱ -	مکی	۵ من خام یعنی دو من پختہ (۸۰ کلو)
۲ -	باجرہ	(ایضاً)
۳ -	جَو	(ایضاً)
۴ -	چاول موٹا	ایک من ½۲۲ سیر خام یعنی ۲۵ کلو
۵ -	ماش	ایک من ۱۰ سیر خام یعنی ۲۰ کلو
۶ -	مونگی	(ایضاً)
۷ -	دال چنا	½۱ من خام یعنی ۲۴ کلو
۸ -	راج ماش	ایک من خام یعنی ۱۶ کلو
۹ -	رونگی	(ایضاً)
۱۰ -	روغن زرد (گھی)	½۱۲ سیر خام یعنی ۵ کلو
۱۱ -	روغن سیاہ (تیل سرسوں)	۳۰ سیر خام یعنی ۱۲ کلو
۱۲ -	شہد	۲۰ سیر خام یعنی ۸ کلو
۱۳ -	انار دانہ	(ایضاً)
۱۴ -	گندم	۵۰ سیر خام یعنی ۲۰ کلو
۱۵ -	کپاس	ایک من خام یعنی ۱۶ کلو
۱۶ -	اُون	۳۰ سیر خام یعنی ۱۲ کلو
۱۷ -	کھدر کھڈی	۲۰ گز
۱۸ -	ہلدی گانٹھ - ادرک	۲۰ سیر خام یعنی ۸ کلو
۱۹ -	سونا پاسہ	۱۸ روپے تولہ
۲۰ -	چاندی	۵ تولے فی روپیہ

[1] ڈوگری حروف کے ایک روزنامچہ کے مطابق جو مؤلف کو دیوان ارجن ناتھ گوندلیہ کے کاغذات سے ملا ہے اندراج بالا نرخنامہ اجناس درج کیا گیا ہے۔

Scanned with CamScanner

معاہدات

اس سے پہلے متعلقہ ابواب میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو بوقت راج تلک جو سند سرکار لاہور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی جانب سے عطا ہوئی تھی۔ اور معاہدہ لداخ مابین لہاسہ و جموں سرکار اور معاہدہ امرتسر درج کر دئے گئے ہیں۔ اب ذیل میں عہد نامہ لاہور اور اُس کے بعد کا اقرار نامہ نیز مہاراجہ دلیپ سنگھ والئ لاہور اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان اقرار ناموں کی نقولات درج کی جاتی ہیں۔

(۱) عہد نامہ لاہور مرقومہ ۹ مارچ سنہ ۱۸۴۶ء فیمابین سرکار انگلشیہ و سرکار لاہور

چونکہ عہد نامہ دوستی و اتحاد کہ در سنہ ۱۸۰۹ء فیمابین سرکار انگلشیہ و مہاراجہ رنجیت سنگھ سرگباشی والئ لاہور زیب توثیق پذیر فتہ بود از تاخت و شورش نمودن افواج سرکار لاہور بلا سبب بر مملکت سرکار انگلشیہ در ماہ دسمبر گذشتہ منقضی گردید و چونکہ اندراں ہنگامہ از روئے اشتہار مرقومہ سیزدہم ماہ دسمبر مکانات کہ اندراں وقت بقبضہ مہاراجہ صاحب لاہور جانب چپ دریائے ستلج بود بضبطی در آمدہ شامل مملکت انگلشیہ گشتہ و ازاں وقت آں چناں جنگ و جدل از طرف سرکارین باہمدگر برپا شدہ کہ ثمرہ و نتیجہ اش موجب رسیدن فوج انگریزی در لاہور گردید و چونکہ ایں معنی استقرار پذیرفتہ کہ سررشتہ مصالحت و موافقت از روئے بعضے شرائط باز منضبط و مستحکم گردد لہٰذا عہد نامہ مصالحت فیمابین سرکار دولتمدار کمپنی انگریز بہادر و سرکار مہاراجہ دلیپ سنگھ بہادر والئ لاہور و اخلاف و وارثان و جانشینان الیشان کہ از طرف سرکار دولتمدار کمپنی انگریز بہادر بواسطہ فریڈرک کرے صاحب بہادر و میجر لارنس صاحب بہادر کہ بصاحبان ممدوحین اختیار کلی درایں باب از طرف نواب مستطاعت معلی القاب رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی گورنر جنرل بہادر یکے از منشیان خاص حضور فیض گنجور حضرت ملکہ معظمہ انگلستان اند کہ از طرف سرکار دولتمدار کمپنی انگریز بہادر بنا بر انجام و انصرام تمامی امور جزو کل ہندوستان مامور اند حاصل شدہ و از طرف مہاراجہ دلیپ سنگھ بہادر والئ لاہور بواسطہ بھائی رام سنگھ و راجہ لال سنگھ و سردار تیج سنگھ و سردار چتر سنگھ اٹاری والہ و سردار رنجودھ سنگھ و دیوان دینا ناتھ و فقیر نورالدین [illegible] مہاراجہ دلیپ سنگھ والئ لاہور برائے انعقاد

عہدنامہ ہذا بعین تمامی شدہ اند تن انعقاد پذیرفتہ۔

دفعہ اول — سررشتہ صلح و موافقت و طریقہ دوستی و مواحدت فیما بین سرکار انگلشیہ و مہاراجہ دلیپ سنگھ بہادر و وارثان و جانشینان شان نسلاً بعد نسل و بطناً و بعد بطن و موبداً جاری و برقرار خواہد ماند۔

دفعہ دوم — مہاراجہ لاہور تمامی مکانات و علاقہ جات کہ بطرف جنوب جانب چپ دریائے ستلج یعنی طرف لدھیانہ و فیروزپور واقع است چہ از طرف خود و چہ از طرف اولاد و وارثان و قائم مقام خود نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن واگذاشتہ و از ہر قسم دعویٰ آن دست بردار شدند و اقرار می نمایند کہ گاہے از مکانات مذکورہ یا ساکنان آن جا نوعی علاقہ و سروکار نخواہند داشت۔

دفعہ سوم — مہاراجہ صاحب علاقہ ملک مابین ہر دو دریائے ستلج و بیاس مع کوہستان متعلقہ ہر دو دریائے مذکور کہ باقرار لادعوگی سرکار لاہور از ملک مذکور در آمدہ بسرکار دولتمدار کمپنی انگریز بہادر برائے دوام تفویض نمودند۔

دفعہ چہارم — چونکہ سرکار انگلشیہ از ریاست لاہور بجہت تلافی اخراجات جنگ و محاربہ علاوہ ملک مفوضہ مندرجہ دفعہ سوم عہدنامہ ہذا مبلغ یک و نیم کروڑ روپیہ طلب ساخت و سرکار لاہور بداون زر نقد کل و یا مناعی لائق اعتبار و دل جمعی سرکار انگلشیہ استطاعت و استعداد ندارد لہٰذا مہاراجہ صاحب قلعہ جات و ممالک و حقوق علاقہ ممالکت کوہستانی کہ مابین دریائے بیاس و سندھ جانب ہزارہ واقع اند مع دیار کشمیر و ہزارہ و متعلقہ آن بعوض یک کروڑ روپیہ من جملہ زر مطلوبہ بسرکار دولتمدار کمپنی انگریز بہادر برائے دوام تفویض نمودند۔

دفعہ پنجم — مہاراجہ صاحب بر وقت حسن انعقاد یافتن عہدنامہ ہذا و ماقبلش مبلغ پنجاہ لک روپیہ بسرکار انگلشیہ خواہند رسانید۔

دفعہ ششم — مہاراجہ صاحب اعتراف می سازند کہ افواج لاہور معزول و موقوف خواہند ساخت و اسلحہ ہم از انہا خواہند گرفت و در این معنی مقر می شوند کہ نظم و نسق فوج آئین را بموجب آئین کہ در باب تنخواہ و مواجبات آنہا کہ در وقت مہاراجہ صاحب رنجیت سنگھ مرگباشی جاری بود باز خواہند نمود و نیز مہاراجہ صاحب اقرار می نمایند کہ تنخواہ باقی واجبی افواج معزولین بموجب احکامات دفعہ ہذا ادا خواہند ساخت۔

دفعہ ہفتم — فوج آئین و ضروری در ریاست لاہور منحصر بر تعداد دوازدہ ہزار سوار و

بیست و پنج پلاٹن ازیں وقت خواہد ماند کہ در ہر یک پلاٹن آں ہشت صد مردم تفنگ بردار مقرر خواہد بود و آئین تعداد مجوزہ بلا استرضائے سرکار انگلشیہ گاہے تزاید نخواہد پذیرفت الا در صورت ضروری کدام مقدمہ اگر نگہداشت شود اطلاع نسبت آں بخدمت اہالیان سرکار انگریزی دادہ آید و بعد انقضائے مقدمہ ضروری باز تعداد فوج بشرح مرقومہ بالا مسلم ماند۔

دفعہ ہشتم ۔ مہاراجہ صاحب اقرار می نمایند کہ انتاپ کہ در تعداد دو صد و سی و شش ضرب خواہد بود ازاں توپ ہائے مقابلہ افواج انگریزی کردہ بودند و از بودن آنہا در جانب راست دریائے ستلج بضبط و اخذ سرکار انگلشیہ در جنگ بیروں ماندہ بسرکار انگلشیہ تسلیم خواہد نمود۔

دفعہ نہم ۔ اختیار سرکار انگلشیہ بر دریا ہائے بیاس و ستلج تا آنجا کہ دریائے ستلج بدریائے سندھ مخلوط می شود و ازاں جا تا سرحد بلوچستان درباب محصولات و راہداری و عبور و مرور آنجا خواہد ماند از شرائط دفعہ ہذا ایجئی و ذہاب کشتی ہائے سرکار لاہور در دریا ہائے مذکورین برائے تجارت ماسوائے مزاحمت و خلل نخواہد بود و تجویز محصول بابت گذرات بمقاماتے کہ دریائے مذکور حد فاصل عملداری سرکار انگریزی و سرکار لاہور باشد بدیں نمط خواہد بود کہ از آمدنی نصف سرکار کمپنی و نصف تفویض سرکار لاہور بعد وضع اخراجات خواہد شد و شرائط ایں دفعہ متعلق بگذرات مقابل علاقہ بہاول پور ندارد۔

دفعہ دہم ۔ احیاناً اگر سرکار انگلشیہ را بنا بہ حفاظت ملک خود یا ملک متعہدان خود انتہاض و گذر افواج انگریزی از مملکت مہاراجہ صاحب عزیز گردد و لیپ در ہمچو وقت خاص بعد از اطلاع دہی گذر افواج انگریزی از راہ ملک سرکار بلا مزاحمت و ممانعت از جانب سرکار موصوف خواہد بود بلکہ اہلکاران سرکار مہاراجہ لاہور در فراہمی سامان مطلوبہ لشکر ظفر پیکر از قسم سفالیں و رسد و چارہ و داب و امداد و اعانت بذل خواہند کرد و از سرکار محمود قیمت واجبی ہر چیز دادہ خواہد شد و تلافی نقصان زراعت بخوبی خواہد شد و سرکار انگلشیہ ہر نمط لحاظ بابت رسوم و دھرم در ین سکنائے ملک لاہور خواہند داشت۔

دفعہ یازدہم ۔ مہاراجہ صاحب اقرار می نمایند کہ بدون استرضا و استجازت اہالی سرکار کمپنی انگریز بہادر کسے از مردمان ولایت انگلستان را یا دیگر مردم فرنگ یا متوطنان امریکہ ملازم و نوکر نخواہند داشت۔

دفعہ دوازدہم ۔ بجلدوے خدمت گذاری راجہ گلاب سنگھ رئیس جموں کہ درباب ازدیاد

روابط دوستی و اتحاد فیمابین سرکار لاہور و سرکار دولتمدار انگلشیہ از راہ نمک حلالی در قیام ریاست لاہور بتقدیم رسانیدہ مہاراجہ صاحب قول و قرار می نمائند کہ اقتدار بالاستقلال راجہ گلاب سنگھ بہادر ہمچنیں علاقہ جات کوہستانی کہ از رُوئے اقرار علیحدہ فیمابین راجۂ موصوف و سرکار انگلشیہ براجہ معزالیہ تفویض خواہد یافت مع متعلقات آن کوہستان کہ از عہد مہاراجہ کھڑک سنگھ مرگباشی تحت قبضہ راجہ گلاب سنگھ است مقبول و منظور خواہند داشت و ہم سرکار انگلشیہ بلحاظ حسن رویہ راجہ گلاب سنگھ اعتراف می فرمایند کہ اقتدار بالاستقلال راجۂ موصوف در ہمچنیں علاقہ جات قبول و پذیرا خواہند نمود و راجۂ موصوف را در زمرۂ متعہدان ایں سرکار گردوں وقار دانستہ بعطائے عہدنامۂ علیحدہ ممتاز خواہند فرمود

دفعہ سیزدہم ۔ احیاناً اگر فیمابین سرکار لاہور و راجہ گلاب سنگھ نزاع و تکرار رو دہد مہاراجہ صاحب والئ لاہور اقرار می نمایند کہ نزاع مذکورہ را پیش اہالی سرکار کمپنی انگریزیہ بہادر رجوع خواہند ساخت و اہالی ممدوح ہرچہ از روئے ثالثی رفع انفصال خواہند نمود۔ مہاراجہ صاحب والئ لاہور آں را بطوع خاطر قبول و منظور خواہند داشت۔

دفعہ چہاردہم ۔ حدود مملکت لاہور بلا استرضائے سرکار انگلشیہ گاہے تبدیل و تغیر نخواہد یافت۔

دفعہ پانزدہم سرکار انگلشیہ در انتظام امورات ریاست لاہور دست اندازی نخواہند فرمود مگر در امورا تیکہ مہاراجہ صاحب بہادر مصلحت و مشورت از سرکار انگلشیہ خواہند خواہست نواب گورنر جنرل بہادر صلاح صواب نظر بر انتظام ریاست موصوفہ خواہند داد۔

دفعہ شانزدہم ۔ رعایا و ملازمان و تاجران سرکار انگریزی و سرکار لاہور در آمد رفت ملک حدہائے بمنزلہ رعایائے ممالک دیگر کہ با آنہا رابطہ اتحاد مستحکم باشد منظور خواہد بود۔

ایں عہدنامہ مشتملبر شانزدہ دفعہ امروز بواسطہ فریڈرک کرے صاحب بہادر و میجر لارنس صاحب بہادر حسب الحکم نواب مستطاعت معلی القاب رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی ۔ سی ۔ بی ۔ گورنر جنرل بہادر کہ از طرف سرکار دولت مدار انگلشیہ برائے انجام ایں امر معین شدند و بواسطہ بھائی رام سنگھ و راجہ لال سنگھ و سردار تیج سنگھ و سردار چتر سنگھ اٹاری والا و سردار رنجودھ سنگھ مجیٹھیہ و دیوان دینا ناتھ و فقیر نور الدین کہ از طرف سرکار مہاراجہ دلیپ سنگھ بہادر مقرر گردیدند حسن انعقاد یافتہ و بمہر و دستخط نواب مستطاب معلی القاب رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ صاحب جی ۔ سی ۔ بی ۔ گورنر جنرل بہادر و مہاراجہ

دلیپ سنگھ بہادر مزین گردیدہ۔

مرقوم بمقام لاہور بتاریخ نہم ماہ مارچ سنہ ۱۸۴۶ء مطابق دہم شہر ربیع الاول سنہ ۱۲۹۲ ہجری نیز مطابق ۲۹ پھاگن سمت ۱۹۰۲

(دستخط) ایچ۔ ہارڈنگ۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ و سات وزیران

(۳) اقرار نامہ بعد از عہد نامہ مرقومہ یازدہم ماہ مارچ سنہ ۱۸۴۶ء

چونکہ سرکار لاہور برائے استقامت فوج انگریزی تا چند مدت بنا بر مخالفت شاہزادہ صاحب بہادر و مہارانی صاحبہ و مردم سکنہ لاہور و برطرفی مفسدان و بحالی سپاہ بموجب آئین عہد نامہ مقررہ نہم مارچ سنہ الیہ درخواست کرد۔ و این معنی بہ پیشگاہ بندگان حضور لارڈ گورنر جنرل بہادر بعد غور تامل قبول گردیدہ لہٰذا فیما بین سرکار عالیین اقرار نامہ ہذا مشتمل بر ہشت دفعہ تکمیل یافت۔

دفعہ اول۔ آں قدر فوج کہ بنا بر حفاظت لاہور بدانست نواب گورنر جنرل بہادر کافی باشد تا اختتام سنہ ۱۸۴۶ء بشہر لاہور استقامت خواہند داشت مخفی نباشد کہ اگر وقتے قبل از انقضائے میعاد مذکور امر مرقوم بدانست دربار لاہور بانجام رسیدہ باشد و درخواست برخاستگی فوج از جانب لاہور شود بوقت مناسب برخاست کردہ خواہد شد۔ لیکن بعد انقضائے میعاد مذکورہ بالا اقامت فوج نخواہد شد۔

دفعہ دوم۔ از طرف دربار لاہور اقرار گردیدہ است کہ تا آمدن فوج انگریزی بہ لاہور بر کل شہر لاہور فوج انگریزی را تسلط خواہد بود و افواج لاہور از کل شہر بیرون خواہد ماند۔ و سرکار لاہور اقرار می نماید کہ بالکل اخراجات فوج مذکور مثل سفر خرچ وغیرہ کہ بسبب اقامت در لاہور و بیرون از چھاؤنی ہائے انگریزی زیادہ از دستور مقرری خواہد بشد ادا خواہند کرد۔ و مقام قیام ہائے افسران مع افواج بلحاظ مراتب آرام ہماں تجویز خواہند کرد۔

دفعہ سوم۔ سرکار لاہور اقرار می نماید کہ فوراً بلا توقف بدل و جان پیروی و کوشش برائے انتظام افواج خود شرح مدارج مندرجہ دفعہ ششم عہد نامہ مرقومہ ۹ مارچ سنہ حال نموده کرده اطلاع بنابر روئداد انفصال خدمت صاحب ایجنٹ گورنر جنرل بہادر

نائب نشان مع مقامات استفامت فوج مقررہ بدیدہ خود کردہ خواہند داد

دفعہ چہارم ۔ سرکار انگریزی اقرار می نماید کہ حقوق آں ہمگی جاگیرداران کہ متوسلان خاص مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر سرگباشی و مہاراجہ کھڑک سنگھ سرگباشی و مہاراجہ شیر سنگھ سرگباشی ہستند و جاگیرآنہا اندرون مقامات کہ از روئے دفعہ ہشتم و چہارم عہدنامہ مورخہ نہم مارچ سنہ حال بتصرف سرکار انگریزی درآمدہ قائم خواہند داشت و جاگیرات مذکورہ درعین حیات ضبط نخواہند شد ۔

دفعہ پنجم ۔ سرکار لاہور در تحصیل حساب واجب الوصول و باقیات از کارداران سابقہ خود لغایت فصل خریف گذشتہ سنہ ۱۹۰۲ بکرماجیت اعانت و امداد از سرکار انگریزی خواہند یافت ۔

دفعہ ششم ۔ سرکار لاہور را اختیار خواہد بود کہ ہمگی خزانہ و مال و ذخیرہ از آن خود سوائے اسباب از مکانات مندرجہ دفعہ سوم و چہارم عہدنامہ مورخہ نہم مارچ سنہ الیہ بگیرند سرکار انگلشیہ را اختیار خواہد بود کہ ہرچہ خریدن آں منظور باشد بقیمت واجب پیش خود دارند و ہرچہ باقی باشد بصورت خواہش سرکار لاہور باعانت ملازمان سرکار انگریزی نیلام شدہ زر قیمت آں عاید سرکار لاہور شود ۔

دفعہ ہفتم ۔ از سرکار جانبین امنائے برائے تجویز و تقرر حدود میان ہر دو عملداری نسبت مقاماتے کہ از روئے دفعہ سوم و چہارم عہدنامہ مرقومہ نہم مارچ حال بقبضہ سرکار انگریزی درآمدہ فی الفور مقرر خواہند شد ۔

بتاریخ یازدہم ماہ مارچ سنہ ۱۸۴۶ء بمقام چھاؤنی میانمیر ۔

---

(۳) اقرارنامہ فیما بین سرکار مہاراجہ دلیپ سنگھ و سرکار مہاراجہ گلاب سنگھ

درباب تبادلہ ہزارہ وغیرہ با علاقہ شرق جہلم

اقرارنامہ فیما بین سرکار مہاراجہ دلیپ سنگھ صاحب بہادر و سرکار مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بہادر بمنظوری دیوان دینا ناتھ و رائے کشن چند معتمدان سرکار لاہور و دیوان جوالا سہائے معتمد و قاضی حکم الدین وکیل مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بہادر بشرط منظوری الالیان

جلیل الشان صدر عالی قدر پیشگاہ حضور کرنیل سر ہنری منٹگمری لارنس صاحب بہادر ایجنٹ گورنر جنرل ممالک شمال و مغرب و ریزیڈنٹ لاہور دربارہ تبدیل ہزارہ و پکھلی و کہوٹہ الی حدود مظفرآباد علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بہادر واقع جانب مغرب دریائے جہلم با علاقہ سرکار لاہور واقع مشرق دریائے جہلم طرف جموں بدیں شرح است کہ طرفین را منظور و قبول است کہ صاحب عالیشان کپتان ایبٹ صاحب بہادر بصلاح و منصفی کاغذات ملک ہزارہ وغیرہ غربی جہلم دیدہ معاملہ مشخص کردہ معافیات منہا نمودہ یک رقم سالیانہ قرار دادہ بقدر نصف آمدنی رقم ملک محاصل سالیانہ از مشرق دریائے جہلم طرف جموں بعد منہائی معافیات مقرر و معین نمودہ یک حد مستحکم بنا بر رفع تکرار و مغالطہ دوام بدیں نمط کہ جانب مغرب دریائے جہلم لغایت حدود مظفرآباد و از انجا از نالہ کوہنار یا راہ کوہستان یعنی از جائے کہ حد حتی الامکان راست شدن تواند و رائے صاحب ممدوح القدر لائق استواری باشد کشیدہ بیک خط تا دریائے سندھ رسانند کہ کدام نوع شک و شبہ در علیحدگی آں ملک باقی نماند۔ بعد ازاں مبادلہ ہر دو ملک شود و گاہے ازیں تجویز و تبدیل ہر دو سرکار را عدول و انحراف نخواہد بود و بہ مقبوضہ خود قائم و قابض خواہد ماند و اگر احیاناً تکرار رو دہد بر رجوع در محکمہ صاحب ایجنٹ گورنر جنرل ممالک شمال و مغرب و ریزیڈنٹ لاہور انفصال خواہد یافت۔ یک نقل ایں اقرارنامہ بدستخط مقرران طرفین بدفتر لاہور و یکے بدفتر جموں و نیز بدفتر جناب صاحب ریزیڈنٹ لاہور خواہد ماند۔

فقط تحریر بتاریخ چہار دہم ماہ جیٹھ سمت ۱۹۰۴ مطابق بست و پنجم ماہ مئی ۱۸۴۷ء روز سہ شنبہ مقام لاہور معہ نشانہ ہر چہار نشانہ۔

دستخط صاحب کلاں بہادر

ہر چہار نشانہ

دینا ناتھ۔ کشن چند۔ جو الاسہائے۔ محکم الدین

(حصہ دوم ختم شد)

مہاراجہ رنبیر سنگھ

حصہ سوم

مہاراجہ رنبیر سنگھ

(۱۸۵۶ء تا ۱۸۸۵ء)

مہاراجہ گلاب سنگھ کے عالم بقا کو سدھار نے کے بعد اُس کا تیسرا فرزند مہاراجہ رنبیر سنگھ (اندر مہندر سپر سلطنت انگلشیہ۔ گرینڈ کمانڈر آف دی موسٹ اگزالٹڈ آرڈر آف دی سٹار آف انڈیا جی۔سی۔آئی۔ای۔ مشیر قیصرۂ ہند کے خطابات سے ریاست جموں و کشمیر کا خود مختار حکمران قرار پایا۔

اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے راجہ اودھم سنگھ۔ میاں سوہن سنگھ اور رنبیر سنگھ تین بیٹے تھے۔ اوّل الذکر ہر دو اکتوبر ۱۸۴۳ء اور دسمبر ۱۸۴۴ء میں دربار لاہور کی طوائف الملوکی کا شکار ہوئے۔ تیسرا بیٹا رنبیر سنگھ جو ماہ جولائی ۱۸۳۰ء قلعہ رام گڑھ (تحصیل سانبہ) میں پیدا ہوا تھا، مہاراجہ گلاب سنگھ کے تیسرے بھائی راجہ سوچیت سنگھ نے پسر متبنٰی بنا لے رکھا تھا۔ راجہ سوچیت سنگھ لا اولاد تھا۔ اس لئے اُس نے اپنے برادرزادہ کو گود لے کر اپنا بیٹا بنا لیا۔ لیکن جب رنبیر سنگھ کے دونوں بڑے بھائی اور راجہ سوچیت سنگھ لاہور میں مارے گئے تو مہاراجہ گلاب سنگھ کا سوائے اس کے اور کوئی وارث نہ تھا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے بسے اپنی زندگی میں ہی ریاست جموں و کشمیر کا راج تلک دے دیا۔ اور خود علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی پہلی شادی ۱۸۴۳ء میں راجہ بجے سنگھ والی ریاست سیبہ ضلع کانگڑہ) کی راجکماری سے نہایت دھوم دھام کے ساتھ ہوئی۔ اُس کے بعد دوسری شادی ۱۸۴۸ء میں راجہ ہیرا چند والی کلہور (بلاسپور) کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ اور پھر یکے بعد دیگرے تین شادیاں خاندان بلاوریہ، بندرال اور چاڑک میں کیں۔ مہارانی سیبہ سے تین فرزند پرتاپ سنگھ، رام سنگھ، امر سنگھ اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ پانچویں مہارانی چاڑک کے بطن سے لچھمن سنگھ تولد ہوا۔ لیکن وہ بچپن میں ہی اپنے والدین کو داغ مفارقت دے گیا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی تعلیم و تربیت میں پہلے راجہ سوچیت سنگھ نے دلچسپی لی۔ اور رنبیر سنگھ نے اوائل عمر میں ہی فنِ سپاہگری۔ تلوار۔ نیزہ۔ برچھی۔ بندوق اور پستول چلانے میں مہارت حاصل کر لی۔ بعد میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے زیرِ سایہ انتظاماتِ مُلک داری اور جنگی فتوحات میں کمال کر دکھایا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ جب بھی انگریز افسروں اور بڑے بڑے لارڈوں سے ملتا تو رنبیر سنگھ ہمرکاب رہتا۔ اور اِس طرح گورنمنٹ انگلشیہ سے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے [illegible] تعلقات تھے۔ چنانچہ لارڈ ڈلہوزی۔ لارڈ ہارڈنگ۔ فریڈرک کری۔ لیڈی لارنس۔ سر ہنری لارنس اور دُوسرے برطانوی افسروں کے ساتھ مہاراجہ گلاب سنگھ کی زندگی میں ہی رنبیر سنگھ کا اچھا رُسوخ اور لحاظ بن چکا تھا۔ اور اِس طرح ریاست کے نظم و نسق کا اُسے کافی تجربہ حاصل تھا۔

۱۸۵٦ء فروری میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے ولی عہد رنبیر سنگھ کو ریاست جموں وکشمیر لداخ و تبت ہائے کا راج تلک دے کر مسندِ مہاراجگی پر ممتاز کیا۔ اور انتظامِ مملکت کی باگ ڈور سپرد کر کے خود گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

ایک انگریز سیاح سر رچرڈ ٹمپل نے اپنے جرنل میں لکھا ہے کہ جب وُہ پہلی مرتبہ ۱۸۵۲ء میں ایک سیاح کی حیثیت سے جموں میں آیا۔ اُس وقت رنبیر سنگھ ابھی ولیعہد سلطنت تھا۔ دُوسری مرتبہ ہماری مُلاقات گجرات میں ہوئی تھی۔ جب وُہ سر جان (لارڈ) لارنس کی مُلاقات کے لئے آیا۔ اُس وقت مَیں پنجاب گورنمنٹ کا سیکرٹری تھا۔ اور تیسری دفعہ ۱۸۵۸ء کے آخیر میں جب سر جان لارنس کے ساتھ مَیں جموں گیا تھا۔ اُس وقت رنبیر سنگھ والیٔ ریاست تھا۔ مجھے اُس کے ساتھ بات چیت کرنے کے بہت سے مواقع ملے۔ رنبیر سنگھ کی عمر اُس وقت تیس برس کی تھی۔ خوبصورت چہرہ۔ لمبی لمبی مُونچھیں۔ اور صُورت سے نجابت ٹپکتی تھی۔ قد چھوٹا اور ٹانگ کچھ باہر کی طرف جُھکی ہوئی۔ مگر گھوڑ سواری اور شکار کا بہت شوقین تھا۔ اِس موقعہ پر جب مَیں اُس کی مُلاقات کے لئے گیا تو وُہ مجھے پرائیویٹ حیثیت سے ملا۔ پھر بھی مہاراجہ نے فوج کا ایک دستہ سلامی کے لئے موجود رکھا تھا۔ مہاراجہ کا بڑا بیٹا (میاں پرتاپ سنگھ) جو اُس وقت دس برس کی عمر کا تھا، اُس کے ساتھ تھا۔ اور بھی کئی دیگر اعلٰے افسرانِ ریاست موجود تھے۔ مہاراجہ بڑا ملنسار اور خلیق تھا۔ مہاراجہ نے میری سیاحتِ کشمیر کے لئے اپنے افسروں کے نام خاص ہدایات جاری فرمائی تھیں جن کے لئے مَیں نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ [illegible] مجھے پُوچھا کہ کشمیر کی سیاحت کیسی

ہے ؟ مَیں نے جواباً کہا کہ دیگر ممالک کی مانند کشمیر کی طرف اگر زیادہ توجہ دی جائے تو یہ ایک بے نظیر ملک بن سکتا ہے۔ مہاراجہ صاحب نے کہا کہ انہیں معلوم ہے کہ بہت سے نقائص موجود ہیں۔ اور جُونہی انہیں جموں سے فرصت ملتی ہے وہ کشمیر جا کر وہاں بہت سی اصلاحات جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مہاراجہ صاحب نے فرمایا کہ مَیں خدا کے سامنے اپنی رعایا کی بہتری کے لئے جواب دہ ہُوں۔ مہاراجہ صاحب نے یہ بھی کہا کہ کشمیر میں بہت ہی قابلِ کاشت اراضی ویران پڑی ہوئی ہے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے متعلق سر رچرڈ ٹمپل نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ "مہاراجہ صاحب ریاست کے انتظام کا کام زیادہ تر اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔ آپ نے دفتری کاروبار کے لئے ایک نیا ہال تعمیر کرایا ہے۔ آپ کی پرائیویٹ زندگی نہایت اعلےٰ ہے۔ آپ روزانہ گھوڑے کی سواری کرتے ہیں۔ عام طور پر ہندوستانی راجگان کے چال چلن پر سیاہ دھبہ ضرور پایا جاتا ہے۔ مگر مہاراجہ رنبیر سنگھ میں کوئی عیب نہیں ہے"۔

ایک اور انگریز سیاح اسی ضمن میں رقمطراز ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ بہت خوبصورت ہیں اور ان کا رنگ و روپ بیان کرنے کے لئے زیتون (OLIVE) کے درخت سے بہتر تشبیہہ نہیں دی جا سکتی۔ اُن کے خط و خال نمونہ کے ہیں۔ چوڑی پیشانی اور سیدھی ناک۔ چھوٹی سیاہ گھونگھریالی داڑھی۔ باریک کمرخ کی پگڑی جس میں گوٹہ لگا ہُوا ہے۔ ماتھے پر تلک اور گلے میں یگیوپویت اور ایک خوبصورت مالا سفید رنگ کی پوشاک زیب تن کئے ہوئے۔ چہار سُو پر حکمرانی کا تمغہ۔

قتل کی سازش

ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کی سوانح عمری میں رقمطراز ہے کہ "مہاراجہ گلاب سنگھ کو سورگباش ہوئے ایک سال ہی ہُوا تھا کہ چند بد اندیشوں نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ اِن سازشیوں میں مہاراجہ گلاب سنگھ کا کنیز زادہ (سترونہ) میاں مٹھو اور میاں بجر دیو پوتا میاں موٹا وغیرہ شامل تھے۔ مگر اس سازش کا راز افشا ہو گیا اور مجرموں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ اس سازش قتل کی تفصیل اس طرح ہے۔ کہ راجہ جواہر سنگھ فرزند دوم راجہ دھیان سنگھ جو کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی زندگی کے آخری دنوں میں روپوش ہو گیا تھا اور جس کی جاگیر چبھال (دلو شہرہ۔ کوٹلی) ریاست جموں و کشمیر میں مدغم کر دی گئی تھی بعد وفات مہاراجہ گلاب سنگھ کی وفات کے بعد جموں میں آ گیا تھا اور

ں نے میاں ہٹھو کنیز زادہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور میاں بجر دیو سے مل کر مہاراجہ رنبیر سنگھ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ اس سازش میں اُس نے گلابو لنگیہہ، شادی خان اور پانچ سات دیگر اشخاص کو بھی ملا لیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کو قتل کر کے ریاست جموں و کشمیر کی گدی پر راجہ جواہر سنگھ کو بٹھایا جائے اور بڑے بڑے عہدے پارٹی کے سب اشخاص میں تقسیم کیے جائیں۔ راجہ جواہر سنگھ۔ میاں بجر دیو اور میاں ہٹھو ایک ہی خون اور ایک ہی خاندان تھا۔ اور یہ تینوں مہاراجہ رنبیر سنگھ کے رشتہ میں بھائی تھے۔ میاں بجر دیو کی دادی (رانی میاں موٹا) مہاراجہ رنبیر سنگھ کے محلات میں زندگی کے آخری دن گزار رہی تھی۔ میاں بجر دیو کا اندرونِ محلات میں آنا جانا تھا۔ ایک دن وہ اپنی دادی کی تیمارداری کے لئے آیا اور دادی اماں سے باتوں باتوں میں یہ کہہ دیا کہ "دادی جی! اب آپ کو یہاں زیادہ دنوں کے لئے نہیں رہنا پڑے گا۔ میں آپ کو اپنے ساتھ ایک شاندار حویلی میں رکھوں گا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ آپ رنبیر سنگھ کے رحم پر اس طرح کی بے بسی کے دن جمیت کریں۔ اور ہم نے یہ انتظام کر لیا ہے کہ اب جموں کے تخت پر رنبیر سنگھ کی بجائے راجہ دھیان سنگھ کے بیٹے جواہر سنگھ کو بٹھایا جائے۔ اور رنبیر سنگھ کو قتل کر کے اُس کی لاش خاک و خون میں لٹا دی جائے۔" بڑھیا نے اپنے لاڈلے پوتے کی زبان سے جب یہ الفاظ سُنے تو اُس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اور پھر جب وہ ذرا سنبھلی تو بولی "بے شرم مردود ناہنجار! بہتر یہ تھا کہ تم پیدا ہی نہ ہوتے۔ یا تمہیں پیدا ہوتے ہی تمہارے باپ نے زہر دے دیا ہوتا کہ ایسے نمک حرام، پاپی اور غدار کے ناپاک تابوت سے ہمارا خاندان صاف رہتا۔ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ اور پھر کبھی مجھے منہ نہ دکھانا۔" میاں بجر دیو چلا گیا۔ اور جب رات ہوئی تو رانی موٹا نے اپنی ایک معتمد داسی کے ذریعہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کو بُلا بھیجا۔ مہاراجہ آیا تو دادی اماں رو رو کر اپنے پوتے بجر دیو کو بُرا بھلا کہتے ہوئی بولی۔ "دیکھو بیٹا! ایشور نے تمہیں یہ پدوی دی ہے اور ہمارے خاندان میں اب ایسا سفید خون بھی دوڑنے لگا کہ تمہارے بھائی ہٹھو۔ جواہر سنگھ اور بجر دیو سب تمہاری جان کے درپے ہیں اور تمہارے قتل کی سازشیں کر رہے ہیں تاکہ تمہیں قتل کر کے راج گدی پر جواہر سنگھ کو بٹھایا جائے۔" مہاراجہ رنبیر سنگھ سُن کر سناٹے میں آ گیا۔ اور جب وہ دادی اماں کی بیمار پُرسی کر کے اپنے محل میں پہنچا تو افسر خزانہ گنیشا بھاوال کو بُلانے کے لئے پیادہ بھیج دیا۔

اور سوچنے لگا کہ جواہر سنگھ تو بڑی سے بڑی بات کی اپنے خلاف توقع بھی سنتی ہے۔
لیکن میاں بجر دیو اور میاں مٹھو بھی میرے خون کے پیاسے ہو جائیں، ایسا تو کبھی خواب میں بھی خیال نہ آیا تھا۔ اتنے میں گنیشا بھلوال آ پہنچا تو اُسے تمام ماجرا کہہ کر حکم دیا کہ وُہ خفیہ طور پر ایسے سازشیوں پر کڑی نظر رکھنے کا انتظام کرے۔

دُوسرے دن صبح مہالکشمی کے مندر میں مہاراجہ رنبیر سنگھ بسواری فیل پکہ ڈنگہ توں کے بازار سے آ رہا تھا۔ مہاراجہ کے درشنوں کے لئے بازار میں اور دوکانوں کی چھتوں پر عورتوں اور مردوں کا ہجوم تھا کہ کسی نے بندوق کا فائر کیا اور گولی سنسناتی ہوئی مہاراجہ کے پاس سے گزر گئی۔ بازار میں بھگدڑ مچ گئی۔ مہاراجہ کے باڈی گارڈ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے چاروں طرف ناکہ بندی کر لی گئی لیکن گولی داغنے والے کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ اور اُسی شام پکہ ڈنگہ کے ملحقہ محلہ کالی جنی میں ایک اُونچی حویلی کے اندر شادی خان۔ گلاب لنگیہہ۔ میاں مٹھو۔ میاں بجر دیو۔ میاں سنگھو۔ میاں پرتاپا کے علاوہ چار پانچ اور اشخاص ایک اندھیرے دالان میں بیٹھے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے قتل کی سازش بُن رہے تھے۔ راجہ جواہر سنگھ وہاں موجود نہ تھا۔ اور دالان کی کوٹھڑی میں گنیشا بھلوال بھیس بدل کر ایک کونہ میں دُبکا پڑا تھا۔ یہ سب لوگ پہلے تو شادی خان کا تمسخر اُڑاتے رہے کہ اُس کا نشانہ چُوک گیا۔ پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ کل جب منڈی مبارک کے شمالی دروازہ سے دھونتھلی بازار کی طرف مہاراجہ رنبیر سنگھ جا رہا ہو تو اُسے بندوق داغ کر ختم کر دیا جائے۔ میٹنگ کے بعد جب یہ سازشی گروہ حویلی سے باہر جانے لگا تو گنیشا بھلوال بھی دبے قدموں اُن کے پیچھے پیچھے حویلی سے باہر نکل آیا اور سیدھا مہاراجہ رنبیر سنگھ کے پاس پہنچ کر رپورٹ کی۔ اُسی آن گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیے گئے۔ خاص سپاہی وارنٹوں کی تعمیل کے لئے مامور ہوئے اور راتوں رات گلاب لنگیہہ اور شادی خان کو کالی جنی کی حویلی سے اور میاں مٹھو، بجر دیو غرضیکہ ہر ایک سازشی کو جہاں جہاں بھی کوئی تھا، گرفتار کر لیا۔ چوتھے دن مقدمہ سازش کا فیصلہ سُنا دیا گیا۔ میاں مٹھو اور میاں بجر دیو کو سزائے حبس دوام گجیت کے قلعہ میں رکھنے کی دے دی گئی اور باقیوں کو سرِ راہ تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔

جنگی مہمات اور فتوحات

۱۸۶۰ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے کرنیل دیوی سنگھ نرائنیہ کو تازہ دم فوج دے کر گلگت کی مہم پر

روانہ کیا۔ پچھلے آٹھ سال سے گلگت کو ڈوگروں سے بالکل صاف کرکے گوہر رحمان نے اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ اور سرحد درمیان حکومت گوہر رحمان اور ڈوگرہ راج کے دریائے نیلاب (سندھ) قرار پائی تھی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے وقت میں گوہر رحمان سے انتقام لینے کی کوشش نہ کی تھی۔ اس لئے ڈوگرہ افواج بونجی کے مقام پر ڈیرے ڈالے رہیں۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے کرنیل دیوی سنگھ نرائنیہ کی زیر سرکردگی تازہ دم افواج گلگت کی مہم پر روانہ کیں جو بونجی سے پیش قدمی کرکے قلعہ گلگت پر چڑھ دوڑیں۔ اور اتفاق یہ ہوا کہ ڈوگرہ فوج کے گلگت پہنچنے تک گوہر رحمان قدرتی موت مر گیا۔ جس سے گلگتی فوج کا حوصلہ پست ہو گیا۔ دیوی سنگھ کی فوج نے قلعہ گلگت کا محاصرہ کرلیا اور گولہ باری شروع کردی۔ ایک گولہ ایسا نشانہ پہ پڑا کہ قلعہ کا مرکزی دروازہ چکنا چور ہو گیا۔ اور گوہر رحمان کا وزیر بھی مارا گیا۔ کرنیل دیوی سنگھ نے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ ۱۸۶۰ء سے ۱۹۴۷ء تک گلگت پر ڈوگرہ حکومت جموں وکشمیر کا قبضہ رہا۔ یہاں یہ ذکر کردینا بجا رہے گا کہ گلگت کی فتح کا سارا سہرا جرنیل ہوشیارا کی بہادری اور جانبازی کی وجہ سے تھا اور جس نے کرنیل بھوپ سنگھ پھڈوال اور اُس کی فوج کی تباہی کا بُری طرح انتقام لیا جسے گوہر رحمان نے آٹھ سال پہلے نرغہ میں لے کر ختم کیا تھا۔

تسخیر یاسین

کرنیل دیوی سنگھ نے ہوشیارا پھڈوال کی کمان میں فوج کو یاسین پر پیش قدمی کے احکام دیئے۔ جب ڈوگرہ فوج یاسین پہنچی تو اُس کے پیچھے کرنیل دیوی سنگھ اپنے خاص فوجی دستہ کو لے کر یاسین پہنچ گیا اور قلعہ یاسین پر قبضہ کرلیا۔ دیوی سنگھ نے یاسین کے قدیم راجہ سلیمان شاہ کے بیٹے عظمت شاہ کو یاسین کی گدی پر بٹھایا اور ڈوگرہ افواج کو واپس گلگت لے آیا۔ دیوی سنگھ کا عظمت شاہ کو یاسین کا راج دینے کا مقصد یہ تھا کہ عظمت شاہ ریاست جموں وکشمیر کے افسران کے ساتھ اچھے تعلقات پیدا کرلے گا۔ مگر یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور جونہی دیوی سنگھ کی فوج یاسین سے واپس ہوئی، اہل یاسین نے عظمت شاہ کو وہاں سے نکال دیا۔

ریاست پونیال

عظمت شاہ کو یاسین سے نکال باہر کرنے کی جب اطلاع کرنیل دیوی سنگھ کو گلگت میں ہوئی تو اُس نے ایک اور نیا انتظام کیا۔ قدیم راجگان پونیال سے ایک راجہ عیسیٰ بہادر جو مدت سے

گوہر رحمان کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے اپنا گھر چھوڑ کر کشمیر کی طرف نکل گیا تھا جہاں اُسے چند دیہات کی جاگیر لبطور عطیہ ملی ہوئی تھی۔ عیسیٰ بہادر کو کرنیل دلیپ سنگھ نے کشمیر سے بُلا کر گلگت اور یاسین کے درمیان ایک خود مختار ریاست پونیال قائم کر کے اُس کی میراث اُس کے حوالے کر دی۔ اس کے عین بعد یاسین والوں نے مہاراجہ جموں کشمیر کے ایک سوداگر کو لوٹ لیا۔ جرنیل ہوشیارا کی کمان میں یاسین پر ڈوگرہ افواج نے حملہ کر دیا اور قلعہ مندوری پر قبضہ کر لیا۔ یاسین والوں کو کر توڑ شکست ہوئی۔ ہوشیارا نے یاسین میں قتل عام کیا۔ اور راجہ یاسین کی منت ماجرا پر تابع منظوری مہاراجہ صاحب یاسین کا الحاق ریاست جموں و کشمیر سے نہ کر کے خراج وصول کرنے پر اکتفا کیا گیا۔

گلگت پر حملہ

۱۸۶۶ء میں ملک امان راجہ یاسین نے ریاست جموں و کشمیر کو خراج دینا بند کر دیا اور چترال۔ ہونزہ۔ نگر اور داریل کی اقوام کو متحد کر کے ڈوگروں کو گلگت سے نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ ملک امان نے پہلے ریاست پونیال کے قلعوں کو فتح کیا۔ پھر علاقوں کو روندتے ہوئے گلگت کے قلعہ کا آن محاصرہ کر لیا۔ اس مقام پر ملک امان اور اُس کی متحدہ اقوام کے ساتھ ڈوگروں کی سخت خونریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ کی اطلاع جب مہاراجہ کو پہنچی تو اُس نے وزیر زور آور و کشتواڑیہ اور کرنیل بجے سنگھ کی ماتحتی میں زبردست کمک بھیجی۔ اس کمک کے بہادر جوانوں نے جب بونجی سے آگے بڑھ کر دریائے سندھ کو عبور کیا تو راجہ یاسین کے اتحادیوں کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ اور خود امان الملک بھاگ کر چترال چلا گیا۔ چنانچہ جب یہ کمک پہنچی تو محاصرہ گلگت اور پونیال اُٹھ چکا تھا۔

داریل پر حملہ

کرنیل بجے سنگھ کی سرکردگی میں آمدہ فوج نے خیال کیا کہ کچھ کام دکھائے بغیر واپس جانا ٹھیک نہیں۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ داریل کو فتح کیا جائے۔ چنانچہ دو راستوں سے داریل پر حملہ کیا گیا اور اکثر حصہ داریل کو نوٹ ڈالا۔ اقوام داریل نے اطاعت قبول کر کے خراج دینا منظور کر لیا۔

لیفٹننٹ ہیورڈ کا قتل

۱۸۷۰ء کے آغاز میں لنڈن کی رائل جیاگرافیکل سوسائٹی نے لیفٹننٹ جارج ہیورڈ کو پامیر کے حالات

دریافت کرنے کے لئے روانہ کیا۔ امان الملک کے بعد یاسین کا راجہ میر ولی تھا۔ جس کی خواہش تھی کہ لیفٹننٹ ہیورڈ کی مدد سے وُہ گلگت پر قبضہ کرلے۔ ہیورڈ کو میر ولی نے جو کچھ اپنے حق میں جتلایا، اُس نے دُرست سمجھ لیا اور اُسے امداد کا وعدہ دے بیٹھا۔ مگر جب ہیورڈ دُوسری بار یاسین کے علاقہ میں گیا تو میر ولی نے اُسے فریب دے کر قتل کرا دیا جس کی لاش گلگت میں منگوا کر سپُرد خاک کی گئی۔ لیفٹننٹ ہیورڈ کا قتل صحیح معنوں میں یاسین کی تباہی کی بُنیاد ثابت ہوُا۔ اِس واقعہ کے کچھ دنوں بعد پہلوان بہادر نے میر ولی کو قتل کرکے یاسین کی راجگی اختیار کرلی۔ اور ۱۸۷۷ء میں کپتان بڈلف کو سرکار انگلشیہ نے گلگت میں افسر آن سپیشل ڈیوٹی بغرض متن ہونزہ وغیرہ مقرر کیا اور اُس کے رہنے کے لئے گلگت کی نہر کلاں پر ایک عالیشان کوٹھی تعمیر ہوئی۔

پہلوان بہادر کا حملہ

۱۸۸۰ء میں گلگت کے لوگ انتظام رسد رسانی سے تنگ آکر کپتان بڈلف اور لالہ رام کشن حاکم گلگت سے ناراض ہوگئے۔ اُنہوں نے داریل و یاسین وغیرہ کی اقوام سے سازش کرکے پہلوان بہادر راجہ یاسین کو حملہ گلگت پر آمادہ کیا۔ اور اُس نے پونیال کے ایک حصہ پر قبضہ کرلیا۔ اور شیر قلعہ پر قبضہ کرنے کو تیار تھا کہ گلگت سے ڈوگرہ افواج اُس کا راستہ روکنے کے لئے پہنچ گئیں۔ لیکن اِس فوج کو وہاں پہنچتے ہی واپسی کا حُکم مل گیا۔ کیونکہ گلگت کے لوگ بھی فساد پر آمادہ ہوگئے تھے۔ اور وُہ پہلوان بہادر کی فوجوں کے استقبال کی تیاریوں میں لگے تھے۔ پہلوان بہادر نے پونیال سے گلگت کے علاقہ پر دست درازی شروع کی لیکن وُہ شیر قلعہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور جرنیل ہوشیارا کی حکمت عملی نے اُسے گلگت میں پہنچنے نہ دیا۔ راجہ اکبر خان نے نہایت تدبر سے داریل والوں کو پہلوان بہادر سے توڑ کر اپنی طرف ملا لیا۔ جس سے پہلوان بہادر کا دِل ٹوٹ گیا۔ اور وہ شیر قلعہ کے علاقہ کو تباہ کرکے واپس چلا گیا۔ اِس کے بعد برطانوی سرکار نے میجر بڈلف کو گلگت سے واپس بُلا لیا۔ اور پھر کبھی گلگت میں کوئی ہنگامہ نہ ہوُا۔ جرنیل ہوشیارا ۱۸۸۰ء کے اخیر میں بیمار ہوکر گلگت میں راہیُ ملک بقا ہوُا۔

فوجی تنظیم

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنی زیادہ تر توجہ فوج کی تنظیم کرنے میں دی۔ چنانچہ افواج کو چار بٹالین میں تقسیم کیا۔ اور ہر

ہر بیڑے کو ایک جرنیل کے ماتحت رکھا۔ آئینی فوج کشادہ و منظم رکھو پیادہ اور سوار اور بندوقچیاں اردل اس کے علاوہ تھے۔ ان میں سے دو بیڑے جموں میں، ایک گلگت و بلتستان اور لداخ میں اور ایک کشمیر میں رہتا تھا اور ہر تیسرے سال کے شروع میں ان کی بدلی ہوا کرتی تھی۔ اس طرح مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنی افواج ۵۲ پلٹنوں پر مشتمل کی تھیں جن میں فوجیوں کی تعداد ساٹھ ہزار کے قریب تھی۔ افواج کی روزانہ پریڈ کے لئے قواعد مرتب کئے اور تمام احکام پریڈ کا سنسکرت زبان میں ترجمہ کرایا۔ مثلاً شولڈر آرمز کے مقابلہ میں سکندھے ینترم اور پریذیڈنٹ آرمز کے مقابلہ میں بندھے ینترم۔

صوبہ جموں میں جنگی چھاؤنیاں جموں خاص۔ جسروٹہ۔ اودھم پور۔ نوشہرہ۔ راجوری بنڈالہ اور کوٹھی اور صوبہ کشمیر اور فرانٹیئر میں سرینگر خاص۔ مظفرآباد۔ حضورہ۔ گلگت اور اسکردو میں قائم کیں۔

ڈوگری زبان اور رسم الخط

مسٹر فریڈرک ڈریو نے اپنی کتاب "جموں و کشمیر" میں لکھا ہے کہ "ریاست جموں و کشمیر کی دفتری زبان فارسی تھی جو کہ فارسی رسم الخط میں لکھی پڑھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ریاست میں تین اور رسم الخط جاری ہیں۔ ڈوگری، کشمیری اور تبتی۔ پرانی ڈوگری ابجد مشکل تھی۔ اور اس کے پڑھنے میں بھی آسانی نہ تھی۔ اس لئے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے دیوناگری کی طرز پر نئی ڈوگری ابجد تیار کرائی۔ اب جو درخواستیں مہاراجہ صاحب کے دربار میں پیش ہوتی ہیں وہ نئی ڈوگری بھاشا میں لکھی ہوتی ہیں۔ جب میں پہلی مرتبہ جموں آیا تو سائل اپنی درخواستیں فارسی زبان میں پیش کرتے تھے۔ لیکن اب فارسی کی بجائے ڈوگری میں پیش کرتے ہیں"۔

ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ مصنف تواریخ راجپوتان پنجاب رقمطراز ہے کہ ریاست کی سرکاری ملازمت کے لئے بعہد مہاراجہ رنبیر سنگھ ڈوگری زبان کا جاننا ضروری تھا۔ اس کے لئے احکام نافذ تھے کہ جو کوئی ملازم ریاست ڈوگری نہ جانتا ہو، اس کی تنخواہ سے دہ یکی (دس فی صد) روپیہ وضع کیا جائے۔

اشاعت تعلیم

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں تعلیمی ترقی اور اشاعت کا جتنا کام ہوا وہ سب مہاراجہ کی ذاتی دلچسپی اور شوق کی بدولت تھا۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں جب پنجاب یونیورسٹی کی داغ بیل ڈالی گئی تو ایک لاکھ روپیہ چندہ ابتدا

میں جمع کیا گیا جس میں سے ۶۲۵۰۰ روپے کی رقم مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ہی دی تھی۔ اور جب سنہ ۱۸۸۲ء میں پنجاب یونیورسٹی قائم ہوئی تو ایکٹ آف انکارپوریشن میں مہاراجہ صاحب کا نام بطور پہلا فیلو آف پنجاب یونیورسٹی لکھا گیا۔

ریاست جموں و کشمیر میں اشاعت تعلیم کے لئے کتب چھپوانے کے لئے پہلا چھاپہ خانہ موسومہ ودیا بلاس پریس جاری کیا۔ اور کتابوں کا ترجمہ کرانے کے لئے ایک محکمہ قائم کیا تاکہ ریاست کے سکولوں میں پڑھائی جانے والی کتابیں تیار کرائی جا سکیں۔ مہاراجہ صاحب نے سکولوں کے لئے ہر مضمون کی کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ مثلاً جیالوجی۔ جغرافیہ اور فزکس کا ترجمہ انگریزی سے ہندی میں۔ جامع العلوم اور تسہیل العلوم کے ترجمے عربی سے فارسی میں۔ تواریخ فتح آسام کا ترجمہ فارسی سے ہندی میں اور ہسٹری آف کشمیر کا ترجمہ انگریزی سے ہندی میں۔ ہسٹری آف روم کا ترجمہ انگریزی سے ہندی میں۔ تواریخ فادری کا ترجمہ فارسی سے ہندی اور جرت کھنڈ کا ترجمہ سنسکرت سے ہندی میں کرایا گیا۔

ریاست کے تمام قصبات میں سکول جاری کیے۔ جموں اور سرینگر شہروں میں میٹرک تک تعلیم کے لئے سکول جاری کئے۔ جموں کے ہائی سکول میں انگریزی۔ شاستری۔ قانون۔ آیوروید۔ طب یونانی اور فارسی۔ انگریزی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ قانونی جماعتوں میں ریاست میں نافذ کیے گئے قوانین پڑھائے جاتے تھے۔ محکمہ مال میں ملازمت کے لئے پٹواری کی ٹریننگ کا بھی انتظام تھا۔ طبی اور ویدک کلاسوں میں بالحاظ مذہب و ملت طلباء کو تعلیم دلا کر ریاست کے شفاخانوں میں ملازمت دی جاتی تھی۔ فارسی کی تعلیم منشی عالم کے سٹینڈرڈ تک تھی۔ چنانچہ ایک سرکاری تحریر کے مطابق سنہ ۱۸۸۲ء میں جموں کے سکول میں جو کہ رنبیر کالج سے موسوم تھا، چار سو طالبعلم تعلیم پاتے تھے۔

سرینگر میں جو سب سے بڑا درس و تدریس کا ادارہ قائم تھا، اس میں ۴۵۰ طالب علم پڑھ رہے تھے۔ اس ادارہ میں عربی کی تعلیم کا خاص طور پر انتظام تھا۔ شری رگھوناتھ مندر جموں میں ہندی اور سنسکرت کی تعلیم کا [illegible] انتظام کیا گیا تھا۔ [illegible] کی تعلیم [illegible] دی جاتی تھی۔ اس پاٹھ شالا میں [illegible] [illegible] کتابوں کو پڑھایا جاتا تھا اور ان کے رہن سہن اور خوراک وغیرہ کا بھی [illegible] انتظام کیا گیا تھا۔ اسی طرح [illegible] کے نزدیک [illegible]

سے مشہور مقام پر ایک وسیع پیمانے پر پاٹھ شالا قائم کی گئی تھی جہاں کہ سینکڑوں ودیارتھی ہندی سنسکرت مضامین کے علاوہ میمانسا کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔ اس پاٹھ شالا کو چلانے کے لئے مہاراجہ رنبیر سنگھ کی طرف سے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا گیا۔ جہاں کہ ودیارتھیوں کو پراچین وقتوں کے آشرموں کے طرز کی تعلیم حاصل ہوتی تھی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ریاست کے تمام تعلیمی اداروں کے طلباء کو درسی کتب مفت دیئے جانے کا انتظام کیا تھا۔ اور مستحق طلباء کو رسد اور وظائف بھی عطا کئے جاتے تھے۔

(۱) عدالتیں

انتظامات ملک داری

مہاراجہ رنبیر سنگھ ایک عظیم دانشور۔ اعلیٰ پایہ کا منتظم۔ بہترین مدبر اور بڑا بہادر تھا۔ جو کسی طور اپنے زمانہ میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا جس نے جنگی فتوحات اور ملکی انتظامات میں بڑی ترقی کی۔ ریاست کے باہر سے بڑے بڑے قابل اور عالم و فاضل لوگوں کو معقول ماہانہ پر بلا کر ریاست کی ملازمت میں داخل کیا۔ ریاست میں مختلف محکمہ جات محکمہ مال۔ دیوانی و جوڈیشل اور صیغہ حساب و تصفیہ بقایا جات وغیرہ قائم کئے۔ باقاعدہ عدالتیں بنائیں۔ اور قوانین فوجداری اور دیوانی مرتب کئے۔ جس دفعات کا مرتب شدہ فوجداری قانون مجموعہ رنبیر ڈنڈ بدھی جزوی ترمیم کے ساتھ آج تک رائج ہے۔ مجموعہ ضابطہ دیوانی بھی مختصر سا مرتب کیا۔ قوانین کورٹ فیس۔ اسٹامپ و رجسٹری جاری کئے۔ افسران ملکی و انتظامی اور افسران سرحدی کے لئے ہر ایک شعبہ کے متعلق دستور العمل بنائے۔ محکمہ پولیس قائم کیا۔ شفاخانے جاری کئے۔ سڑکیں اور مسافر خانے تعمیر کئے۔ اور ہر پڑاؤ پر ریاست بھر میں رسد رسانی و باربرداری کا انتظام درست کیا۔ محکمہ ڈاک اور تار برقی قائم کیا۔ انگریزی حروف کی بجائے اردو اور فارسی حروف میں تار برقی جاری کی۔ باغات لگائے۔ جا بجا مکتب، پاٹھ شالائیں اور مدارس کھولے۔ صنعت و حرفت میں ترقی کی اور کارخانہ جات جاری کئے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے سب سے زیادہ توجہ عدالتیں قائم کرنے کی طرف دی تاکہ رعیت کو جلد اور ارزاں انصاف مل سکے۔ چنانچہ پہلے پہل ڈوگری زبان میں ایک مجموعہ قوانین ایک سو دفعات پر مشتمل مرتب کیا۔ اور ساری ریاست میں ۱۹ عدالتیں بتفصیل ذیل صوبہ کشمیر میں عدالت صدر سرینگر۔ عدالت شہر۔ وزارت شہر خاص۔ وزارت اننت ناگ۔ وزارت سری پرتاپ

وزارت کامراج ۔ وزارت مظفرآباد اور وزارت اسکردو ۔ اور صوبہ جموں میں عدالت العالیہ ۔ عدالت صدر ۔ وزارت خاص ۔ وزارت جسروٹہ ۔ وزارت اودھم پور ۔ وزارت کشتواڑ ۔ وزارت ریاسی ۔ وزارت نوشہرہ ۔ وزارت مناور اور وزارت بھدرواہ قائم تھیں ۔ اور اس کے بعد گلگت ۔ اسکردو اور لداخ میں عدالتیں قائم کی گئیں ۔ اس کے علاوہ سرینگر شہر کے لئے ایک عدالت موسومہ داغ شال قائم کی گئی جس میں شال بافوں کے تمام مقدمات پیش ہوتے تھے ۔ دوسری عدالت سرینگر شہر میں آٹھ ممبروں پر مشتمل عدالت پنچایت کے نام سے رائج کی جس میں چار ہندو اور چار مسلمان ممبران لئے جاتے تھے ۔ یہ ممبران شہر سرینگر کے رئیس اور قابل اشخاص کے طور منصف کا کام انجام دیتے تھے جنہیں خزانہ سرکار سے تنخواہیں ملتی تھیں ۔ رفاہ عامہ کے متعلق تمام مقدمات اس پنچایتی عدالت میں پیش ہوتے تھے ۔

دربار

ایسی عدالتوں کے علاوہ مہاراجہ رنبیر سنگھ بشمول اپنے ولی عہد میاں پرتاپ سنگھ دربار عام لگا کر مقدمات سنتے تھے ۔ اس عام دربار کا نقشہ مسٹر فریڈرک ڈریو نے اپنی کتاب میسومہ "جموں و کشمیر" میں کچھ اس طرح پیش کیا ہے کہ "جب مہاراجہ رنبیر سنگھ منڈی میں دربار عام لگاتے ہیں تو یہ نظارہ قابل دید ہوتا ہے ۔ صبح نو دس بجے مہاراجہ صاحب منڈی میں تشریف لاتے ہیں اور ان کے ساتھ ولی عہد میاں پرتاپ سنگھ ہوتے ہیں ۔ مشیران اور دیگر درباری بھی حاضر آتے ہیں ۔ کئی سال لگاتار موسم سرما میں میں خود روزانہ دربار میں حاضر ہوتا رہا ۔ دربار میں ان تمام لوگوں کو حاضر آنا پڑتا ہے جو کوئی رتبہ رکھتے ہوں تاکہ وہ سرکار والا کو آداب بجا لائیں ۔ تمام افسر قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہیں ۔ صرف سرکار والا اور ولی عہد گدیلے پر بیٹھتے ہیں ۔ اس طرح دربار میں بیٹھ کر سرکار والا ان عرضداشتوں کا معائنہ کرتے ہیں جو ان کے حضور میں پیش کی جائیں ۔ درخواست کنندگان احاطہ میں کھڑے رہتے ہیں اور باری باری حضور میں پیش ہوتے ہیں ۔ جب درخواست کا مضمون پڑھا جاتا ہے تو سائل دست بستہ رہتا ہے ۔ عرضداشتوں کے مضمون بھی عجیب و غریب اور دلچسپ ہوتے ہیں ۔ کسی میں تو کسی سرکاری ملازم نے حصول رخصت کے لئے درخواست دی ہوتی ہے یا اپنی ماں کی استھیاں ہردوار لے جانے کے لئے استدعا کی ہوتی ہے ۔ کئی درخواستیں ملزموں کی طرف سے پیش ہوتی ہیں جن میں آخری اپیل کی گئی ہوتی ہے ۔ کئی مرتبہ نقاب ڈالے عورتیں اپنی عرض معروض لے کر دربار میں آ جاتی

ہیں۔ درخواست کا نفس مضمون کچھ بھی ہو۔ مگر اس پر اچھی طرح غور کیا جاتا ہے۔ معمولی عرضداشتوں کا فیصلہ فوراً سنا دیا جاتا ہے۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ تو کسی عدالت ہی میں ہوتا ہے۔ اور ان مقدمات کی اپیلیں بھی عدالت ہائے مجاز میں فیصل ہوتی ہیں۔ مگر اہلِ مقدمات کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سرکار والا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی قسمت آزمائی کریں۔ مہاراجہ ہر چند کوشش کرتے ہیں کہ معاملہ کی اصلیت دریافت ہو سکے اور خود گواہان پر فاضلانہ جرح کرتے ہیں۔ مگر عام طور پر ایسے مقدمات کسی مجسٹریٹ کے پاس تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اور بعد تحقیقات کاغذات پھر سرکار والا کے احکام کے لئے واپس آتے ہیں"۔

مولوی حشمت اللہ اپنی تاریخ جموں میں اس عام دربار کے متعلق لکھتے ہیں کہ "مہاراجہ ان سب شکایتوں اور درخواستوں کو بغور سنتے تھے۔ اور معمولی قسم کے معاملات کا فی الفور فیصلہ کر دیتے تھے جو عرضی کی پشت پر لکھ دیا جاتا تھا"۔

دربارِ عام کا نظارہ

عام دربار کے وقت منڈی کا وسیع صحن مختلف وضع کے لوگوں سے بھرا رہتا تھا۔ ان میں ریاست کے ہر حصہ کے آدمی پائے جاتے تھے۔ کچھ آدمی سرد علاقوں سے جموں میں کام کی تلاش میں آئے ہیں کیونکہ ان کے اپنے علاقہ میں کاروبار بوجہ برف باری بند ہے۔ کچھ لوگ مقدمہ لڑنے کے لئے آئے ہیں جس کے لئے انہیں موسم سرما کے دنوں میں جموں میں ٹھیرنا ہے۔ بیسیوں کشمیری۔ بلتی اور مختلف اقوام کے پہاڑی اور خال خال لداخی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ اپنی شکل و شباہت کی خصوصیات سے پہچانے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ سر کے بالوں کی وضع سے شناخت ہوتے ہیں۔ اہلِ کشمیر اپنے ڈیل ڈول اور بھاری جسامت سے ممتاز ہیں بعض اوقات یارقندی سوداگر اور عازمین حج بھی دیکھے جاتے ہیں جو بیرونِ ریاست سے آئے ہیں۔ مغرب کی طرف سے کابلی اور دیگر اقوام افغان و تاجک وغیرہ بھی آئے رہتے ہیں۔ کابل کے تاجران اسپ جموں میں گھوڑے بیچنے کے لئے آتے ہیں۔ اور یوسف زئی کے قرب و جوار کے دیہات کے سوار لوگ مہاراجہ کی فوج کشادہ کی ملازمت کے لئے ہمیشہ جموں میں دیکھے جاتے تھے۔ اس طرح سے تقریباً دوپہر تک شہر کے بازار اور منڈی کا صحن آدمیوں سے بھرا رہتا تھا۔ پھر دربار برخاست ہوتا تھا۔ مہاراجہ اندرونِ محلات میں

اور وزراء اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ گارڈ آف آنرز رخصت ہو جاتا اور چند منٹ میں منڈی کا صحن آدمیوں سے خالی ہو جاتا تھا۔

شام کی مصروفیات

چار بجے شام مہاراجہ کی سواری نکلتی تھی۔ ہاتھی اور گھوڑے دروازہ منڈی پر حاضر ہوتے تھے۔ وزیر اندر جاتے تھے۔ اور مہاراجہ کو لے کر باہر آتے تھے۔ ایک آدھ وزیر مہاراجہ کے ساتھ ہاتھی پہ بیٹھ جاتا تھا۔ یا اگر مہاراجہ گھوڑے پر سوار ہوا تو سب وزیر گھوڑوں پر مہاراجہ کے پیچھے ہو لیتے تھے۔ اردلی آگے آگے راستہ صاف کرنے کی غرض سے دوڑتے تھے۔ اور چند ایک مہاراجہ کے ساتھ رکاب پکڑ کر چلتے تھے۔ تین چار میل کی ہوا خوری کے بعد غروب آفتاب کے قریب واپسی ہوتی تھی۔ اور بعد ازاں رات کا دربار شروع ہو جاتا تھا۔

یہ دربار زیادہ خاص قسم کا ہوتا تھا۔ یا یہ کہ میاں صاحب ولی عہد عرضیاں سُن لیتا تھا اور خود مہاراجہ وزیران ریاست کے ساتھ مُلکی معاملات طے کرتا تھا۔ یہ دربار صرف کاروبار سلطنت پر ہی محدود نہیں ہوتے تھے جیسا کہ برطانوی ہند کی کچہریوں کا دستور ہے۔ بلکہ کاروبار مُلکی کے ساتھ دُنیاوی میل جول یعنی زمانہ حال کے کلب کا کام بھی یہیں طے پاتا تھا۔ اور مہاراجہ کو اپنے مُلک کے ہر حصہ کے لوگوں سے ملنے اور اُن سے بات چیت کرنے کا موقعہ ملتا تھا۔

انگریز سیاحوں کے لئے عدالت

ایک انگریز سیاح اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ "مہاراجہ رنبیر سنگھ کا قاعدہ ہے کہ ہر سیاح کو اس کی آمد اور رخصت کے وقت ایک ڈالی بھیجتے ہیں۔ جس میں ہر طرح کی کھانے پینے کی چیزیں ہوتی ہیں"۔

ایک اور یورپین سیاح کی ڈائری کے مطابق "آں جہانی مہاراجہ گلاب سنگھ کی مانند مہاراجہ رنبیر سنگھ بھی ہمیشہ انگریزوں کے ساتھ خلوص دلی سے پیش آتے ہیں۔ جس طرح اُن کی خاطر تواضع ریاست کشمیر میں کی جاتی ہے، اس طرح کسی مُلک میں بھی دیکھنے میں نہیں آتی"۔

سیاحان کی دیکھ بھال کے لئے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں ایک انگریز افسر گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے مقرر کیا گیا جس کا عہدہ "افسر آن سپیشل ڈیوٹی ان کشمیر" تھا۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں ایک مشترک عدالت کا وجود عمل میں لایا گیا جس میں افسر آن سپیشل ڈیوٹی

اور ایک نمائندہ دربار کشمیر اُن تمام مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے جو انگریز سیاحوں اور اُن کے ملازمین یا رعایا کشمیر کے مابین ہوتے تھے۔ اس انگریز افسر کی تقرری سے انگریزوں کا وہ مطالبہ کچھ نہ کچھ پورا ہو گیا کہ دوسری ریاستوں کی مانند ریاست کشمیر میں بھی انگریز ریذیڈنٹ کا ہونا ضروری ہے۔ جسے مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے وقت میں انگریز مدبرین پر یہ ظاہر کر کے رد کر دیا تھا کہ ریاست جموں و کشمیر ایک خود مختار ریاست ہے۔ اور معاہدہ امرتسر میں کہیں بھی کشمیر میں ریذیڈنسی کے قیام کی شرط نہیں۔ چنانچہ آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی کی ریاست میں آمد سے ریذیڈنسی کے قیام کی صورت پیدا ہو گئی۔

محکمہ بندوبست اراضی مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ریاست کے اندرونی حالات کو بہتر بنانے اور مالیہ اراضی مقرر کرنے کی غرض سے محکمہ بندوبست اراضی قائم کیا جس کے تحت پہلی بار ریاست جموں و کشمیر کی پیمائش کی گئی۔ صوبہ جموں میں سات وزارتیں جموں خاص۔ جسروٹہ۔ رام نگر۔ اودھم پور۔ ریاسی۔ نوشہرہ اور مناور قائم کی گئیں۔ ان وزارتوں کو تحصیلوں اور پرگنوں میں تقسیم کیا گیا۔ وزارت جموں کو چار تحصیلوں اور ۳۰ پرگنوں پر مشتمل کیا گیا۔ وزارت جموں کا کل رقبہ بروئے پیمائش ۵۰۶۸۶۲۲ ایکڑ پایا گیا۔ جس میں سے ۱۱۴۳۳۳ ایکڑ رقبہ آباد اور قابل مالگذاری قرار دیا گیا۔ اس پر مالیہ اوسطاً ایک روپیہ سوا نو آنے (موجودہ ایک روپیہ ۵۷ پیسے) فی ایکڑ تشخیص کیا گیا۔

صوبہ کشمیر میں چھ وزارتیں شہر خاص (سرینگر)، اننت ناگ، شوپیان، پٹن، کامراج اور مظفر آباد قائم کی گئیں۔ جہاں کہ ابتدا سے سال ۱۵۸۰ء بعہد سلاطین چک خاندان غلہ بٹائی کا طریقہ جاری ہوا تھا۔ مغل بادشاہ اکبر کے وقت میں بھی یہی عمل جاری رہا۔ اس کے مطابق نصف حصہ غلہ بطور مالیہ حکومت کو ملتا تھا اور باقی نصف کسانوں کو۔ اُس کے بعد افغانوں کی حکومت میں کسانوں پر ایک مزید ٹیکس عاید کیا گیا تھا جسے ترکی کہتے تھے۔ اس کے مطابق دو خروار پیداوار میں سے ایک خروار پانچ ترک بر حصہ سرکار لیا جاتا تھا اور ۱۱ ترک زمیندار کسان کو دیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ سکھ حکومت میں بھی قائم رہا۔ ۱۸۵۵ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ٹیکس "ترکی" زمینداروں کو بالکل معاف کر دیا۔ اس ٹیکس کی آمدنی دو لاکھ روپیہ سالانہ سے زائد تھی۔ اور صوبہ کشمیر میں بندوبست اراضی کے تحت زمینوں کی

پیمائش کرائی گئی۔

تجارت کو فروغ

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ریاست کی تجارت کو فروغ دینے کی طرف کافی توجہ دی۔ ڈوگرہ حکومت سے پہلے تجارت پر بہت زیادہ ٹیکس حکومتِ وقت لیتی آ رہی تھی۔ یہ ٹیکس سنہ ۱۶۸۸ء میں بعہد مغل بادشاہ اورنگ زیب عائد کئے گئے تھے۔ اِن ٹیکسوں کی سالانہ آمدنی ۷۷۱۲۵ روپے چار آنہ تھی جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

شہر خاص سرینگر کے طائفہ جات پر ۶۸۷۵۴ روپیہ گیارہ آنہ۔

وزارت کامراج کے اہلِ حرفہ پر ۹۱۵۱ روپیہ آٹھ آنہ۔

وزارت شہر خاص کے حرفہ پر ۱۶۶۲۱ روپیہ آٹھ آنہ۔

وزارت اننت ناگ کے طائفہ جات پر ۸۰۴۲۴ روپیہ چھ آنہ۔

وزارت شوپیاں کے کارخانہ داروں پر ۱۰۷۹ روپیہ چودہ آنہ۔

وزارت پٹن کے طائفہ جات پر ۳۰۴۴ روپیہ پانچ آنہ۔

مہاراجہ نے ایسے بھاری بھرکم ٹیکسوں کا جائزہ لیتے ہوئے محسوس کیا کہ تجارت کی ترقی کی راہ میں ایسے ٹیکس حائل ہیں۔ اور پیشہ ور اور دوسرے تاجر لوگ ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ اِس لئے یہ تمام ٹیکس بیک قلم معاف کر دیے گئے۔ اور کشمیریوں کو اپنی ترقی اور کاروبار کو منافع بخش بنانے کے لئے موقعہ بہم پہنچایا۔

کشمیر کے شال دُنیا بھر میں مشہور اور مقبول ہیں۔ کشمیر میں شال بافی چک خاندان کی حکومت نے سنہ ۱۵۸۶ء میں جاری کرائی۔ اور پھر مغل بادشاہوں کے زمانہ میں اِس صنعت نے خوب ترقی کی۔ سنہ ۱۲۷۷ء میں شال پر ایک ٹیکس حکومتِ مغلیہ نے عائد کیا جس کا نام "داغ شال" تھا۔ اِس کی رُو سے جس شال پر ٹیکس ادا ہو جاتا تھا، اُس پر سرکاری مُہر لگا دی جاتی تھی۔ افغانوں کے عہدِ حکومت میں اِس صنعت نے اچھی ترقی کی۔ سکھ حکومت میں بائیس ہزار دوکانیں شال بافی کی کشمیر میں تھیں۔ اور ٹیکس "داغ شال" کی آمدنی بارہ لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کی حکومت کے آغاز میں بھی داغ شال کی آمدنی بارہ لاکھ تھی۔ مہاراجہ صاحب نے سنہ ۱۸۷۲ء میں اس ٹیکس میں تین لاکھ پچاسی ہزار روپیہ کی کمی کر دی۔ اور سنہ ۱۸۷۷ء میں مزید تین لاکھ اُنیس ہزار روپیہ کی تخفیف کی گئی۔ اِس طرح

داغ شال کی آمدنی چار لاکھ چھیانوے ہزار روپیہ رہ گئی۔ اور سنہ ۱۸۶۸ء میں تو ٹیکس داغ شال کو بالکل معاف کرنے کا مہاراجہ رنبیر سنگھ کی طرف سے اعلان کر دیا گیا۔ گویا مہاراجہ نے پانچ سال کے عرصہ میں بارہ لاکھ روپیہ کا مستقل ٹیکس شالبافوں پر سے ختم کر دیا۔ اور تجارت شال کو فروغ دینے کے لیے کئی ذرائع عمل میں لائے۔ چنانچہ انگریزوں کی راجدھانی لنڈن میں شال فروختگی کا ایک مرکز مہاراجہ نے کھول دیا۔

علاوہ ازیں علاقہ یارقند وغیرہ سے جو مال کشمیر کے راستہ برطانوی ہندوستان میں درآمد ہوتا تھا۔ اس پر بھی بھاری محصول ریاست میں لیا جاتا تھا۔ مگر مہاراجہ نے تجارت کی ترقی کے لئے اس مال پر بھی محصول بہت حد تک گھٹا دیا۔ ان ٹیکسوں کی معافی کا تجارت پر نہایت اچھا اثر پڑا۔ پنجاب ایڈمنسٹریشن رپورٹ سنہ ۱۸۶۴ء میں درج ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ حکمران ریاست جموں و کشمیر نے کسٹم میں جو کمی کی ہے، اُس کا تجارت پر اچھا اثر پڑا ہے۔ اور ملحقہ انگریزی علاقہ کے ساتھ ریاست کی تجارت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ سیالکوٹ کے ساتھ تجارت ایک لاکھ اکہتر ہزار روپیہ کی مالیت کی ہوئی اور جالندھر اور ہوشیارپور کے ساتھ تجارت دوگنی ہو گئی ہے۔

عہدنامہ تجارتی

سنہ ۱۸۷۰ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ اور برطانوی گورنمنٹ کے درمیان ایک عہدنامہ تجارتی ہؤا جس کا مقصد ہندوستان اور سنٹرل ایشیا کے مابین تجارت کو فروغ دینا تھا۔ مہاراجہ نے وسط ایشیا سے برطانوی ہندوستان میں جانے والے مال پر محصول بالکل معاف کر دیا۔ جس کے عوض میں برطانوی حکومت نے مہاراجہ کو ان تمام اشیاء پر محصول جو برطانوی ہندوستان کی بندرگاہوں پر وصول کیا جاتا تھا، دینا منظور کیا۔ اصل عہدنامہ بزبان انگریزی ہے جس کا ترجمہ من وعن ذیل میں درج ہے :-

عہدنامہ تجارتی فیمابین سرکار فلک وقار انگلشیہ و سرکار مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب بہادر والی جموں و کشمیر

عہدنامہ فیمابین سرکار والا انگلشیہ و سرکار مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی والی جموں و کشمیر و ورثائے و جانشینان مہاراجہ صاحب بہادر موصوف جو ایک جانب طامس ڈگلس فورسائتھ صاحب بہادر سی۔ بی نے بہ تفویض

اُن اختیارات کامل سے موثق کیا جو صاحب بہادر موصوف کو ہز اکسیلینسی دی رائٹ آنریبل رچرڈ سمتھ سفوئیل بورک ارل آف میو وائی کونٹ میو آف منی کرور بیرن ناس آف ناس کے پی جی ایم ایس آئی پی سی وغیرہ وغیرہ نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے عطا فرمائے۔ اور دوسری جانب اصالتاً مہاراجہ صاحب بہادر نے مرتّب کیا۔

ازآنجا کہ بنا بر فوائد سرکار عالیین متعہدین اور اُن کی اپنی رعایا کے رفاہ کے واسطے مناسب متصوّر ہوتا ہے کہ ترکستان مشرقی کے ساتھ تجارت کے نشو و نما اور فروغ اور حفاظت کے واسطے جو سہولتیں سر دست حاصل ہیں، اُن کی بہ نسبت زیادہ سہولتیں مہیا کی جائیں۔ لہٰذا اس غرض سے دفعات ذیل بالاتفاق قرار دی گئی ہیں۔

دفعہ اوّل۔ مہاراجہ صاحب بہادر کی رضامندی سے سرکار انگلشیہ کے عہدہ دار تجارت کے اُن راستوں کی مساحت کے واسطے مقرر کئے جائیں گے جو لاہول کے علاقہ سرکار دولت انگلشیہ کی سرحد سے مہاراجہ صاحب بہادر کی قلمرو کے اندر سے ممالک والئی یارقند کو جاتے ہیں۔ اور اُن راستوں میں وہ راستہ بھی داخل ہوگا جو وادی چنگ چھنمو میں سے جاتا ہے۔ مہاراجہ صاحب بہادر ایک عہدہ دار اپنی سرکار کا مساحان مندرجہ صدر کے ہمراہ رہنے کے واسطے مامور فرمائیں گے اور حتی المقدور اپنے اُن کو سب طرح کی مدد دیں گے۔ جن راستوں کی مساحت ہوگی، اُن کا ایک نقشہ تیار کیا جائے گا اور ایک مصدقہ نقل اس نقشہ کی مہاراجہ صاحب بہادر کو دی جائے گی۔

دفعہ دوم۔ ملاحظہ اور مساحت مذکورۃ الصدر کے بعد اس راستہ جدید کو جو بطرف چنگ چھنمو سرکار انگلشیہ قرار دے گی کہ ترکستان مشرقی کے ساتھ تجارت کے نشو و نما اور فروغ ہونے کے واسطے سب سے زیادہ مناسب ہے۔ اس راستہ کی نسبت مہاراجہ صاحب بہادر حکم عام نافذ فرمائیں گے کہ سب مسافروں اور بیوپاریوں کے واسطے بسبیل علی الدوام اور جملہ اوقات میں شارع عام ایسا رہیگا کہ کسی قسم کی روک ٹوک اور مزاحمت نہیں ہوگی۔

دفعہ سوم۔ مہاراجہ صاحب بہادر کی قلمرو کے اندر جس قدر طول میں یہ راستہ ہوگا اُس تمام راستہ کی نگہبانی اور پرداخت اور قائم رکھنے کے واسطے اور شارع عام آزاد متذکرہ دفعہ دوم پر آمد و رفت کے انتظام کے واسطے جو قواعد متعاقب قرار

دیے جائیں۔ ان قواعد کی تعمیل واجب کرانے کے واسطے اور ان تنازعات کے فیصلہ کے واسطے جو مابین کرایہ کشوں اور بیوپاریوں اور مسافروں و متردّدین راہ مذکور واقع ہوں اور متخاصمین سے ایک یا دونوں فریق سرکار والا انگلشیہ یا کسی دولت خارجہ یعنی ملک غیر کی رعایا ہوں، دو کمشنر سال بہ سال مقرر کئے جائیں گے کہ ان میں سے ایک کو سرکار انگلشیہ مقرر کرے گی اور دوسرے کو مہاراجہ صاحب بہادر مامور کریں گے اور مدت ماموری ان کی علیحدہ دستور العمل مذکورہ یا ان قواعد سے مہتدی ہوں گے جو تب اور وقتاً فوقتاً باختیار مشترک سرکار انگلشیہ اور سرکار مہاراجہ صاحب بہادر کے قرار دیے جائیں۔

دفعہ چہارم۔ کمشنران مسطور کے حد اختیار کے تعین کے واسطے ایک حد راستہ کے دونوں طرف قرار دی جائے گی اور اس حد کا فاصلہ عرض بین غایت درجہ دو آئینی کوس کا ہوگا۔ باستثناء ان مقامات کے جہاں کمشنران مسطور چراگاہ کے واسطے زیادہ زمین عرض میں اپنی حد علاقہ کے اندر شامل کرنا منظور کریں۔ اس غایت درجہ کے عرض کی حد کے اندر اندر عہدہ داران مساحت جو بموجب شرط مندرجہ دفعہ اول کے مقرر کئے جائیں گے ان حدود علاقہ کو معین کریں گے اور نقشہ بنائیں گے جو کمشنران مرقوم الصدر انسب قرار دیں اور زمین چراگاہ بھی ان میں شامل ہوگی۔ اور جو حدود اس طرح قرار دے کر معین کی جائیں گی ان حدود کے باہر کمشنروں کو اختیار نہ ہوگا۔ ان حدود کے اندر جس قدر زمین مکان ہوگی وہ بدستور مہاراجہ صاحب بہادر کا قبضہ اختیار مطلق کے ساتھ رہے گا۔ اور برعایت شرائط مندرجہ عہدنامہ ہذا مہاراجہ صاحب بہادر اس زمین پر ویسے ہی اختیارات شاہی کے رکھیں گے جیسے اپنی قلمرو کے کسی اور علاقہ میں رکھتے ہیں اور ان اختیارات میں اشتراک کمشنروں کو کسی طرح کی مداخلت حاصل نہ ہوگی۔

دفعہ پنجم۔ مہاراجہ صاحب بہادر اقرار کرتے ہیں کہ کمشنروں کے فیصلوں کی تعمیل واجب کراتے ہیں اور ان قواعد کی خلاف ورزی کے انسداد کے واسطے جو بموجب دفعہ سوم کے نافذ کئے جائیں، جہاں تک ممکن ہوگا سب کی مدد کریں گے۔

دفعہ ششم۔ مہاراجہ صاحب بہادر عہد کرتے ہیں کہ کسی شخص کو خواہ وہ سرکار انگلشیہ کی رعیت ہو خواہ مہاراجہ صاحب بہادر یا والیٔ یارقند یا کسی غیر ملک کی رعایا ہو وہ

کمشنران مرقوم الصدر کی حد اختیار کے اندر کسی جگہ آباد ہونے کا اختیار ہوگا۔ اور اُس کو جائز ہوگا کہ تجارت کی اغراض کے واسطے مختلف منزلوں پر سامان بار برداری و بارکشی و سواری مہیا کرے یا اپنے پاس رکھے اور کرایہ پر دے۔

دفعہ ہفتم۔ دونوں کمشنروں کو اختیار ہوگا کہ راہ مذکور کے ایسے مقامات میں جو اُن کو مناسب معلوم ہوں، سامان رسد وغیرہ کے ذخیرے خود قائم کریں یا اور آدمیوں کو قائم کرنے کی اجازت اور اختیار دیں۔ کمشنروں کو اختیار ہوگا کہ نرخ مقرر کر دیں جس کے مطابق بیوپاریوں کو کرایہ کشوں کو آباد شدہ اشخاص کو اور اور لوگوں کو سامان رسد فروخت کیا جائے گا۔ اور راہ مذکور پر جو مکان مسافروں کی آسائش کے واسطے یعنی مسافرخانے یا سرائیں بنائی جائیں، اُن میں رہنے کے واسطے کرایہ کی شرح مقرر کر دیں۔ علاقہ کلو وغیرہ میں سرکار انگلشیہ کے عہدہ داروں کو اور مہاراجہ صاحب بہادر کے عہدہ داران مامورۂ لداخ کو ہدایت کی جائے گی کہ جب کمشنران متذکرہ صدر طلب کریں، شرح بازار پر اُن کو سامان رسد وغیرہ کے مہیا کر دینے میں حتی الامکان خود نہایت سعی و کوشش کریں۔

دفعہ ہشتم۔ مہاراجہ صاحب بہادر عہد کرتے ہیں کہ شارع عام آزاد متذکرہ صدر پر محصول رہگذر ہرگز عاید نہ کریں گے۔ اور علاوہ ازیں مہاراجہ صاحب بہادر یہ عہد کرتے ہیں کہ جو مال سربستہ اُن کی قلمرو کے اندر سے ہوکر ترکستان سے ہندوستان کو یا ہندوستان سے ترکستان کو جاتا ہے۔ اور جس مال کا سربستہ بار اُن کی قلمرو کے اندر نہ توڑا جائے، اُس مال پر اپنی قلمرو کے اندر ہرگز کوئی محصول نہ لیں گے۔ جو مال مہاراجہ صاحب بہادر کی قلمرو کے اندر درآمد ہو یا اُن کی قلمرو سے برآمد ہو، اُس پر مہاراجہ صاحب بہادر کو اختیار رہے گا کہ خواہ وہ مال شارع عام متذکرہ صدر کی راہ سے آئے جائے خواہ کسی اور راستہ سے آئے جائے، جس قدر مناسب تصور فرمائیں، محصول درآمد برآمد لیں۔

دفعہ نہم۔ سرکار انگلشیہ عہد کرتے ہیں کہ ممالک ہند مقبوضہ سرکار موصوف کے اندر جن کو اصطلاح میں برٹش انڈیا کہتے ہیں، اُس مال پر جو سربستہ مشرقی ترکستان کو یا مہاراجہ صاحب بہادر کے ممالک کو جائے، کسی قسم کا مال نہ لیں گے۔ علاوہ اس کے سرکار انگلشیہ عہد کرتے ہیں کہ جو محصول برآمد پشمینہ پر اور اور قسم پارچات پر لیا جاتا ہے جو مہاراجہ صاحب بہادر کی قلمرو کے اندر ساخت ہوتے ہیں اور اُن ممالک کو جاتے ہیں جو برٹش انڈیا

کی حدود سے باہر ہیں، اُن پر محصول برآمد لینا موقوف کردیں گے۔

دفعہ دہم — یہ عہدنامہ مشتملبر دس دفعات کے طامس ڈگلس فورسائتھ صاحب بہادر سی۔بی۔ نے بتقویت اُن اختیارات کامل کے جو صاحب بہادر موصوف کو ہز ایکسلینسی دی رائٹ آنریبل رچرڈ ساتھویل بورک ارل آف میو والی کونٹ میو آف منی کرودو بیرن نا آس آف ناس کے۔پی۔ جی۔ایم۔ایس۔آئی۔پی سی وغیرہ وغیرہ نواب وائسرائے وگورنر جنرل بہادر کشور ہند نے عطا فرمائے، از جانب سرکار انگلشیہ و از جانب مہاراجہ صاحب بہادر اصالتاً خود مہاراجہ صاحب بہادر ممدوح نے آج کے دن مؤثق کیا۔ اور یہ بات قرار دی جاتی ہے کہ ایک نقل اس عہدنامہ کی بمنظوری و استحکام جناب وائسرائے وگورنر جنرل بہادر کشور ہند کے مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں ہفتم ستمبر تک واصل کرا دی جائے گی۔ چنانچہ بمقام جموں آج کے دن یعنی تاریخ دوم ماہ مئی ۱۸۷۰ء مطابق تاریخ یکم بیساکھ شدی سمت ۱۹۲۷ اس عہدنامہ پر دستخط اور مہر ثبت کی گئی اور اس کا تبادلہ عمل میں آیا۔

(دستخط) مہاراجہ رنبیر سنگھ

(دستخط) ٹی۔ڈی۔فورسائتھ

(مہر) میو

اس عہدنامہ کو ہز ایکسلینسی وائسرائے و نواب گورنر جنرل ہند نے بمقام سیالکوٹ تاریخ دوم ماہ مئی ۱۸۷۰ء منظور کیا اور استحکام دیا۔

(دستخط) سی۔یو۔ایچیسن

قائم مقام سیکرٹری سرکار ہند فارن ڈیپارٹمنٹ

دستور العمل واسطے ہدایت کمشنران مشترکہ ماموره راہ ترکستان

کمشنران مشترکہ ماموره تحت دفعہ سوم عہدنامہ متذکرہ الصدر کی ہدایت و رہنمونی کی غرض سے حسب ذیل دستور العمل عام اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔

[illegible] چونکہ آب و ہوائے ملک کے سبب سے کمشنروں کا تمام سال ماموررکھنا [illegible] اس لئے وہ ایام جن کے اندر کمشنران اپنے اختیارات عمل میں لائیں گے من ابتدائے

پانزدہم ماہ مئی شروع ہوکر لغایت یکم دسمبر ختم متصور ہوگا۔ یا اس کے آگے کسی ایسی مزید تاریخ پرختم ہوگا جب تک کہ بلحاظ گذر ہو پاریان اس، شاہراہ عام پر کمشنران کی موجودگی ضروری معلوم ہو۔

نمبر۲۔ اگر دونوں کمشنروں میں سے ایک کمشنر غیر حاضر ہو تو ایک کمشنر کو جو حاضر ہو، اختیار ہوگا کہ مقدمات کو سماعت اور فیصلہ کرے۔ ایسے فیصلے کے خلاف اپیل مشترکہ کمشنران کے اجلاس میں دائر ہوگی۔

نمبر۳۔ ان مہینوں میں جبکہ ہر دو کمشنران مشترک غیر حاضر ہوں یعنی من ابتدا ئے یکم دسمبر لغایت ۱۵ر مئی جو مقدمات واقع ہوں گے، اُن کو وزیر لداخ فیصلہ کرے گا اور وزیر مسطور کے اس فیصلہ سے دونوں مشترک کمشنران کے رُوبرو اپیل ہوسکے گی۔

نمبر۴۔ مشترک کمشنروں کو لازم ہوگا کہ بجز ان مقدمات کے جن میں تجارت کی نشوونما اور فروغ اور آزادی اور حفاظت پر اثر ہوتا ہے، اور بجز اُن مقاصد کے جن کے حاصل کرنے کے واسطے عہدنامہ ہذا موثق ہوا ہے، اور بجز ان مقدمات کے جن میں فریقین یا احد الفریقین رعایائے سرکار انگلشیہ یا رعایائے ملک غیر ہوں، اور کسی طرح کے مقدمہ میں مداخلت نہ کریں گے۔

نمبر۵۔ مقدمات دیوانی میں کمشنران کو اختیار ہوگا کہ تمام مقدمات کو بلالحاظ تعداد مالیت دعوے کے سماعت اور فیصلہ کریں یعنی ان کے اختیارات دیوانی غیر محدود ہوں گے۔

نمبر۶۔ درحالت اتفاق رائے کمشنران کے ان کا فیصلہ جملہ مقدمات میں ناطق ہوگا۔ جب کمشنر کسی فیصلہ میں متفق الرائے نہ ہوسکیں تو فریقین کو اختیار ہوگا کہ ایک شخص کو ثالث قرار دیں۔ ثالث کے قرار دئے جانے سے پہلے فریقین کو لازم ہوگا کہ اس مضمون کی نوشت کر دیں کہ ثالث کے فیصلہ کو ہم منظور کریں گے۔ اگر فریقین کسی ایک شخص کو ثالث قرار دینے میں اتفاق نہ کرسکیں تو ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ ایک ثالث قرار دے اور دونوں کمشنران تیسرا ثالث بطور سرپنچ مقرر کردیں۔ اور جو فیصلہ ثالثان بکثرت رائے کریں، وہ ناطق ہوگا۔

نمبر۷۔ مقدمات فوجداری میں کمشنران کے اختیارات اُن جرائم کی سماعت اور فیصلہ تک محدود ہوں گے جو علاقہ سرکار انگریزی میں قابل تجویز مجسٹریٹ ماتحت درجہ اول کے

ہوتے ہیں اور حتی الامکان ضابطہ کارروائی کا عملدرآمد مطابق ضابطہ مندرجہ مجموعہ ضابطہ فوجداری ہوگا۔ اس سے زیادہ سنگین قسم کے مقدمات اور مقدمات تحت قوانین مختص الامر متعلق مذہب واقع کشمیر اگر مجرم اہل فرنگ نہ ہو، سرکار مہاراجہ صاحب بہادر میں تجویز کے واسطے تفویض ہوں گے۔ اگر مجرم اہل فرنگ ہوگا تو جو عدالت سرکار انگریزی کی سب سے قریب تر مجاز اور مختار تجویز مقدمہ مذکور ہوگی اُس عدالت میں بھیج دیا جائے گا۔

نمبر ۸۔ مقدمات فوجداری میں جو جرمانے کئے جائیں گے کل زرجرمانہ اور مقدمات دیوانی میں جو رسوم اسٹامپ عدالت مطابق شرح مروجہ علاقہ سرکار مہاراجہ صاحب لیجائیگی مہاراجہ صاحب بہادر کے خزانہ میں داخل کی جائے گی۔ اور جن اشخاص کی نسبت حکم قید دیا جائے گا، اگر وہ رعیت سرکار انگریزی ہوں گے تو قریب ترین جیل خانہ سرکار انگریزی میں بھیج دئے جائیں گے۔ اور اگر رعیت سرکار انگریزی نہ ہوگا تو مجرم مہاراجہ صاحب بہادر کے قید خانہ میں قید بھگتنے کے واسطے حوالہ سرکار مہاراجہ صاحب بہادر کر دیا جائے گا۔

نمبر ۹۔ اگر شاہراہ زیر بحث کی حدود ارضی کے اندر کوئی مقامات ایسے آجائیں جہاں سے شہر لیہہ وغیرہ میں ہیزم سوختنی یا چوب عمارتی بھیجی جاتی ہے تو کمشنران مشترک کو باتفاق وزیر لداخ انتظام کر دینا لازم ہوگا کہ اس لکڑی کے بہم پہنچائے جانے میں حرج اور خلل واقع نہ ہو۔

نمبر ۱۰۔ اس شاہراہ کی حدود ارضی کے اندر جو کچھ لین دین مال واقع ہوگا اُسے مال سربستہ سے متعلق سمجھا جائے گا۔ اگر کوئی بیوپاری اپنے مال سربستہ کا کوئی بار کھول ڈالے اور کوئی حصہ اس کا فروخت کر دے تو تاوقتیکہ مال فروخت شدہ حدود ارضی شاہراہ سے باہر لغرض صرف ملک مہاراجہ صاحب بہادر میں داخل نہ کیا جائے، اُس پہ کسی طرح کا محصول وصول نہیں کیا جائے گا۔ اور مال جو شاہراہ ماتحت کمشنران کی حدود ارضی کے اندر کتنے ہی عرصہ تک پڑا رہے، ادائیگی محصول سے بری رہے گا۔

نمبر ۱۱۔ کسی گاؤں میں جو مشترک کمشنران کے اختیارات کی حدود ارضی کے اندر واقع ہو، اُس گاؤں کے مالیہ کی تحصیل میں یا اور کسی امر میں جس میں معمولی حاکمان کی مداخلت ضروری ہے اور جملہ امور میں جو تجارت سے تعلق نہیں رکھتے ہیں، مشترک کمشنروں کو مداخلت کا کچھ اختیار نہ ہوگا۔ لیکن بغرض رفع غلط فہمی مناسب ہے کہ کسی شخص کی نسبت

جو کمشنروں کے اختیارات کی حدود ارضی کے اندر ہو، دست اندازی کرنے سے پیشتر اہلکاران مال مشترک کمشنروں کو اطلاع دے دیں۔ اُس وقت مشترک کمشنران حسب اقتضائے رائے خود یا تو اس شخص کو حوالہ اہلیان مال کر دیں گے یا اس امر کے متحقق کرنے کی غرض سے کہ اہلیان مال کی مداخلت ضروری ہے یا نہیں، بطور سرسری تحقیقات کرلیں گے۔

نمبر۱۲۔ واسطے تیاری سڑک و پل کے مہاراجہ صاحب بہادر امسال ایک مرتبہ پانچ ہزار روپیہ اور آئندہ دو ہزار روپیہ سال لیسال منظور فرماتے ہیں اور نیز واسطے مرمت سراؤں کے فی سال ایک سو روپیہ فی سرائے مقرر فرماتے ہیں۔

اگر کسی خاص سبب سے زیادہ خرچ کی ضرورت ہو، ہر دو کمشنران کو لازم ہے کہ درخواست اپنی مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں بھیج دیں اور یہ روپیہ معرفت کمشنران مشترک خرچ کیا جائے گا۔ اور اس کام کے لئے قلیان با جرت مروجہ کام پر لگائے جائینگے اور افسران علاقہ لداخ و افسران علاقہ گورنمنٹ عالیہ کو مناسب ہے کہ حتی الامکان فراہمی قلیان میں بطور خوش بہ رضا مدد و کوشش کریں۔ اور مہاراجہ صاحب بہادر وعدہ فرماتے ہیں کہ پل ہائے واقع شاہراہ ہذا کو محصول مبر بحری سے معاف رکھیں گے۔

نمبر۱۳۔ تھوڑے عرصہ کے واسطے بطور انتظام عارضی تاوقتیکہ حدود شاہراہ ہذا معین ہو کر داغ بیل لگ جائے یا سال رواں کے خاتمہ تک مشترک کمشنران کو اختیارات مندرجہ قواعد ہذا نسبت ان متفرق راستوں کے حاصل ہوں گے جو از طرف راہ سپتی و لاہول بطرف لداخ جاری ہیں اور سوداگران انہیں استعمال کرتے ہیں۔

المرقوم یازدہم مئی ۱۸۷۰ء

(دستخط) مہاراجہ رنبیر سنگھ

(دستخط) ٹی ۔ ڈی ۔ فورسائتھ

ٹیکس نکاح کی معافی

کشمیر میں مسلمانوں کی حکومت کے آغاز سے کشمیری مسلمانوں کو شادی کے وقت ٹیکس "زر نکاح" حکومت وقت کو دینے کا رواج مدتوں سے چلا آرہا تھا۔ اس ٹیکس کی سالانہ رقم اکیس ہزار روپیہ کے قریب سرکاری خزانہ میں داخل ہوتی تھی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے محسوس کیا کہ لڑکے اور لڑکی کے بیاہ سے حکومت روپیہ پیدا کرے، یہ لوگوں پر سراسر ظلم ہے اور رعایا سے سخت بے انصافی

سے مترادف ہے۔ چنانچہ یہ ٹیکس معاف کیا گیا۔ اور کشمیری مسلمانوں کو ڈوگرہ حکومت میں سات سو سال پرانے نکاح ٹیکس کی ادائیگی سے نجات ملی۔

کارخانے اور دستکاریاں

کشمیر میں ریشم کی صنعت ۱۵۳۶ء میں مرزا حیدر کے وقت شروع ہوئی تھی۔ مگر یہ صنعت کوئی خاص ترقی نہ کر سکی۔ اور صدیوں کے بعد مہاراجہ رنبیر سنگھ نے کارخانہ ابریشم جاری کیا۔ اور کشمیر کے چیف جسٹس بابو نیلامبر مکرجی کو اس کی نگرانی سونپی گئی۔ ریشم کے کیڑوں کے پالنے اور تارکشی کے لئے زمینداروں کو ٹریننگ دئے جانے کا انتظام کیا گیا۔ ۱۸۶۹ء میں اس صنعت کو زیادہ فروغ دینے کے لئے چین سے توت کی قلمیں منگوا کر کشمیر میں شہتوت کے درخت لگوائے۔ اسی طرح جموں میں بھی ابریشم کی صنعت کو جاری کرنے کے لئے کشمیر سے کاریگروں کو لایا گیا اور چند برسوں میں ہی ریاست نے اس صنعت میں کافی ترقی کی۔ ریاست میں چائے کی کاشت کے لئے تحصیلات بسوہلی اور ریاسی میں باغ لگائے گئے۔ ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق ۱۸۷۵ء میں ۱۲۰ من چائے ان باغات سے پیدا ہوئی۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے دستی کاغذ تیار کئے جانے کا صوبہ کشمیر کی مانند صوبہ جموں میں بھی کارخانہ جاری کیا۔ اور اس کاغذ سازی سے سارا کاغذ سرکاری دفاتر میں استعمال کیا جانے لگا۔

صوبہ جموں کے علاقہ چھینی، بھدرواہ، کشتواڑ اور ڈوڈہ میں کاشت افیون ترقی دینے کی غرض سے لوگوں کو اس کی کاشت کی ٹریننگ دی گئی۔ اور علاقہ جات کٹھوعہ، جسروٹہ اور منارو میں نیل کی کاشت کا بھی انتظام کیا گیا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں شراب کشید کا ایک کارخانہ گوپکار سرینگر میں جاری ہوا جہاں کہ انگور کی شراب تیار ہوتی تھی۔ چنانچہ انگور کی کاشت کو ترقی دینے کے لئے فرانس سے انگور کی قلمیں منگائی گئیں۔ اور چشمہ شاہی کے نواحی علاقہ میں ڈیڑھ سو ایکڑ کے رقبہ میں انگور کا ایک باغ لگایا گیا۔ اور کشمیر میں مرزا ... باغات کی سرپرستی ایران سے دو باغبان امام بخش اور حسن آقا بھی کشمیر میں لائے گئے جنہوں نے ایران کے باغ جمشیدی شیراز سے اعلیٰ قسم کے انگوروں کی قلمیں لا کر نشاط باغ کے نزدیک باغ شیرازی میں پانچ ہزار بیلیں انگور کی لگائیں۔ ان ہر دو باغبانوں کو سرکاری ملازمت میں لے لیا گیا۔ ان دنوں زمینداروں کو باغ لگانے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ زمینداروں نے انگور کی کاشت کرنے کے

لئے انعامات دیئے گئے۔ اور ایک لاکھ اٹھارہ ہزار چارسو دس تھیں انگور کی اُن میں مُفت تقسیم کی گئیں۔ کشمیر میں انگور کی کاشت کو بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ اور جب کلکتہ میں ایک نمائش منعقد ہوئی تو کارخانہ گوپکار کی تیارشدہ شراب وہاں بھیجی گئی جس کے لئے کشمیر سرکار کا علیحدہ سٹال نمائش میں لگایا گیا۔ کشمیر کی انگوری شراب وہاں بہت پسند کی گئی۔ چنانچہ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے انگور کی کاشت کے لئے ایک خاص اعلان کیا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

"دریں والا بنظر فائدہ رعایا و ترقی حالت مُلک اشتہار جاری مے فرمائم۔ کہ چونکہ حضور ایں جانب را بصرف زر کثیر محض بغرض رونق کشمیر قلم ہائے انگور از فرانس آوردہ و کاریگران آں مُلک ملازم داشتہ کاشت آں کنانیدہ تاکہ باغ انگور فرانس بہ عنایت نشو و نما آراستگی یافتہ برآمد میوہ بظہور آمدہ واز میوہ مسطور شراب عمدہ از کارخانہ سرکار تیار شدہ مے باشد۔ چنانچہ در نمائش کلکتہ نمونہ ہائے شراب مسطور پسند شدند و بہ قیمت عمدہ دیگراں فروخت گردید۔ علی الخصوص جناب نواب وائسرائے صاحب بہادر بتقریب سیر و گلگشت گلستان کشمیر در موسم گذشتہ تشریف پسند و مقبول فرمودند۔ پس نتیجہ کوشش سرکار کہ محض بغرض بہبود رعایا بود بعمل آمد۔

چونکہ غرض آں بنا بر فائدہ عام است۔ فائدہ عام منحصر بر کاشت و ترقی عام و حضور ایں جانب را از فائدہ ذات خود و فائدہ رعایائے کشمیر بود زیادہ منظور۔ لہٰذا بنظر رعایا پروری تجویز فرمودیم کہ عموماً زمینداران رعایا کشمیر قلم ہائے انگور فرانسیسی از باغ سرکار بلا قیمت گرفتہ بکمال شوق در زراعت گاہ خود کاشت سازند و بہ محبت تمام پرورش درختان مسطور کردہ گرم پیداواری درختان انگور با فراط سازند فوائد ذیل بہ رعایا حاصل خواہد شد۔

دفعہ ۱۔ فی یک صد درخت سہ سالہ دہ روپیہ انعام از سرکار عطا شود۔

دفعہ ۲۔ معاملہ زمین مسطور تا برآمد میوہ معاف خواہد ماند۔

دفعہ ۳۔ بعد برآمد میوہ کل میوہ مسطور در کارخانہ سرکار کہ کاریگراں فرانس شراب مے سازند مثل مسٹر ریلی صاحب خواہند قیمت نقد دست بدست

خواہند داد۔

چونکہ از چند سال طریق کاشت انگور بہ دستور در کشمیر مروج شدہ است۔ پس جملہ رعایا کاشت کردن آں آسان است۔ دریں خصوصیت کاشت نہ صرف برائے رعایا ریاست بلکہ برایا را نیز ازیں کوشش محروم نباید ماند کہ سہل طریق آمدنی است وگر کسے انگور کاشت ساز د دو روپیہ فی صدی درختان پر دردہ۔ او نیز عطا و نت بر آمد میوہ خواہد شد دافع باشد کہ فروخت قلم کشمیری نباشد۔ مرقوم ۵ پھاگن سمت ۱۹۴۰ بکرمی۔"

سر رچرڈ ٹمپل نے اپنے جرنل میں لکھا ہے کہ "ریاست میں منشی اشیاء پر کوئی ایکسائز ڈیوٹی نہیں لی جاتی۔ اور ریاست میں شراب نوشی بہت کم ہوتی ہے"۔ فریڈرک ڈریو نے شراب کے بارے میں لکھا ہے "مہاراجہ صاحب کی ریاست جموں وکشمیر کے تمام علاقوں میں عام طور پر شراب تیار کرنے یا پینے کی ممانعت ہے۔ مگر یہ قانون عیسائی مذہب کے لوگوں پر حاوی نہیں ہوتا۔"

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے شراب کا کارخانہ جاری کیا۔ اور یہ کارخانہ ایک تجارتی ادارہ بن کر نفع بخش ثابت ہوا۔

قحط سالی میں لوگوں کی امداد

۱۸۷۷ء میں بوجہ خشک سالی علاقہ کشمیر میں قحط کی مصیبت لوگوں پر قہر الٰہی بن کر ٹوٹ پڑی۔ اور اس قحط نے ۱۸۷۸ء میں ایک بھیانک صورت اختیار کرلی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اس قحط سے اپنی رعایا کو بچانے کے لئے اپنے تمام مالی ذرائع وقف کر دیئے۔ اس وقت چونکہ ہندوستان اور کشمیر کے درمیان کوئی سڑک نہ ہونے کی وجہ سے باہر سے غلہ کی ریاست میں درآمدگی مشکل تھی۔ مہاراجہ صاحب نے قحط کے اس نازک اور متوحش دور کے پیش نظر حالات پر قابو پانے کے لئے غلہ کی خرید کے لئے ریاست اور ریاست سے باہر پنجاب اپنے اہلکاروں کو مقرر کیا۔ اور ایک لاکھ روپیہ پنجاب گورنمنٹ کے خزانہ میں جمع کرا کر غلہ کی خرید کے لئے استدعا کی۔ چنانچہ پنجاب گورنمنٹ نے کشمیر کے لئے غلہ کی خرید کے احکام جاری کئے۔ اس قحط کے دوران کشمیر کے بہت سے لوگ اپنے وطن سے ہجرت کرنے لگے۔ جن کے لئے پروانہ راہداری کی تمام پابندیاں منسوخ کر دی گئیں۔ کیونکہ یہ پابندی

[illegible] کہ کوئی شخص کشمیر سے باہر بغیر اس سرکاری پروانہ کے جا نہیں سکتا تھا۔

مہاراجہ نے لوگوں کے لئے کوہ مری، بانہال اور پیر پنچال کے راستے میں ہر پڑاؤ پر غریب خانے قائم کیے تاکہ جو لوگ پنجاب جانا چاہیں وہ ان غریب خانوں میں رین بسیرا کرکے سرکار کے جاری کردہ مفت لنگر یا کھانا کھا سکیں۔ سرینگر شہر اور وادی کشمیر میں ہر جگہ محتاج خانے جاری کیے گئے جہاں غریبوں اور محتاجوں کو مفت کھانا ملتا تھا۔ شہر سرینگر میں ۳۴ اور مفصلات میں ۲۷ محتاج خانے جاری کیے گئے۔ مہاراجہ کی کوششوں سے کافی مقدار میں غلہ کشمیر آنا شروع ہو گیا۔ مگر مہاراجہ نے ایک اشتہار جاری کرکے عام بیوپاریوں کو زیادہ سے زیادہ غلہ لانے کی ترغیب دی۔ اس اشتہار کی رو سے کوہالہ اور شوپیاں کے راستے کشمیر [illegible] غلہ پر محصول معاف کر دیا اور حکم جاری کیا کہ جو بیوپاری بیس ہزار روپیہ کا غلہ کشمیر میں لائے گا اُسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اشتہار میں ذیل کے الفاظ [illegible] گئے۔

"عمالداران زکوٰۃ و اہلیان سرکار را لازم است کہ ہر کس بیوپاری غلات براہ شوپیاں، کوہالہ وغیرہ راہ ہائے در سرینگر بردہ باشد ہرگز مزاحم محصول نباشند۔ حسب رپورٹ لقبیہ نام بیوپاری و وزن غلہ سرکار فرستادہ باشند۔"

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے سرکاری خرچ پر دو لاکھ من مزید غلہ پنجاب سے خرید کر کشمیر میں منگوایا۔ اور اس کی تقسیم کے لئے ایک کمیٹی ۱۳ ممبران پر مشتمل قائم کی۔ اس کمیٹی میں دو انگریز۔ بابو نیلامبر مکرجی انجینیر درجہ اوّل۔ سید وزیر علی خان دیوان مال۔ نواب مردان علی خان۔ بابو گوپال چند ڈاکٹر چھ سرکاری اور سات غیر سرکاری ممبران تھے۔ غیر سرکاری ممبران صاحب اثر اور پنجاب میں کافی رسوخ و عزت کے مالک شمار ہوتے تھے

پنجاب سے کشمیر تک [illegible] غلہ پر کل خرچ ۴۴۰۰۷۹۳ روپیے ۹ آنہ ۹ پائی (بشرح [illegible] آیا [illegible] فی من کے حساب سے پڑا)۔ مگر یہ غلہ عوام میں بحساب تین روپیہ ڈیڑھ آنہ فی من فروخت کیا گیا جس سے ۳۳۶۲۹۵ روپیہ تین آنہ تین پائی سرکار کو خسارہ ہوا۔ اس کے علاوہ مہاراجہ نے یتیموں کی پرورش پر

۱۸۸۵ روپیہ خرچ کیا۔ مہاراجہ صاحب نے قحط زدگان کی امداد کے لیئے سرکاری تعمیرات کا کام بھی جاری کر رکھا تھا جہاں کہ مزدوروں کو معقول مزدوری ملتی تھی تاکہ وہ گذر اوقات کر سکیں

دھرم ارتھ ٹرسٹ کا قیام

9 مہاراجہ گلاب سنگھ کے احکام کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے سنہ ۱۸۸۴ء اپریل میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے دھرم ارتھ کے طور ایک ٹرسٹ موسومہ دھرم ارتھ ٹرسٹ قائم کیا جس کا مقصد دھرم ارتھ ٹرسٹ کے آئین میں لکھا گیا ہے کہ :-

"ریاست جموں ہزاروں برسوں سے قائم ہے۔ مگر ترکٹا کی پہاڑی شری ویشنو دیوی کے مندر اور پرمنڈل میں شو جی کے مندر کے علاوہ کوئی قابل ذکر مندر نہ تھا جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ تو انہوں نے ہندو دھرم کی ترقی کی طرف توجہ دی اور بہت سے مندر تعمیر کرائے مہاراجہ صاحب نے حکم دیا کہ ایک خزانہ کھولا جائے جس کا نام شری رگھوناتھ جی کا خزانہ رکھا جائے۔ اور اس غرض کے لیئے انہوں نے پانچ لاکھ روپیہ دیا جس کے سود سے سدا برت وغیرہ جاری رکھنا مقصود تھا۔ یہ رقم دھرم ارتھ میں جمع رنبیر سنگھ جی کو ٹرسٹی مقرر کر دیا۔ اس غرض کو اچھی طرح پورا کرنے کے لئے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے آئین دھرم ارتھ بنایا۔ اور ایک کونسل قائم کی تاکہ دھرم ارتھ فنڈ کا صحیح طور پر استعمال ہو"

اس آئین کے مطابق جموں رگھوناتھ مندر اور اتر بہنی (پرمنڈل) کی پاٹھشالاؤں میں ایک ہزار ودیارتھیوں کو تعلیم دینا مقصود ہے جہاں ودیارتھیوں کو کھانا رہائش وغیرہ اور کتابوں کے اخراجات وغیرہ سب دھرم ارتھ کے خزانہ سے ادا کیئے جائیں۔

ریاست کے مندروں کے انتظامات اور سدا برت کے علاوہ ریاست سے باہر ہندوستان میں ہندو تیرتھوں پر بھی سدا برت جاری کیئے گئے جن کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے :-

۱۔ اجودھیا اور بندرابن میں روزانہ چالیس چالیس آدمیوں کو سیدھا[1]

---

[1] سیدھا آٹا۔ چاول یا دوسرا کوئی اناج۔ مع دال۔ نمک وغیرہ۔

۲- گیا جی میں ماہ پوہ کے مہینہ میں روزانہ ایک سو آدمیوں کو سیدھے دیئے جائیں۔
۳- بدری نارائن میں سیدھے دیئے جائیں۔
۴- کاشی جی میں ایک پاٹھ شالا جاری کی جائے۔ اور ایک سو آدمیوں کو روزانہ سیدھے دیئے جائیں۔

کاشی جی میں سرکار کی طرف سے ایک حویلی تعمیر کی جائے جہاں مسافر ۱۵ روز تک بلا کرایہ ٹھہر سکیں۔ ایک کوٹھی تعمیر کی جائے۔ اس کے علاوہ تین مندر تعمیر کئے جائیں جن میں سے ایک سورگباشی مہاراجہ گلاب سنگھ جی کے نام پر ہو۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے دھرم ارتھ فنڈ کو صرف مندروں کی پوجا اور ستیا برت تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ علوم کا ترجمہ کرنے کے لئے ایک محکمہ بنایا۔ آئین دھرم ارتھ میں اس محکمہ کے لئے ایک صدر مترجموں اور کتاب نویسوں کی تقرری کا حکم موجود ہے۔ اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ان ایک سو مترجموں میں دس آدمی ایسے ہونے چاہئیں جو عربی اور فارسی کا ترجمہ سنسکرت میں کر سکیں۔ سرینگر میں ترجمہ کی برانچ کا اہتمام پنڈت ایشر کول کے سپرد تھا۔ اور جموں میں ترجمہ کی برانچ پنڈت جگدھر کے سپرد کی گئی۔

مریضوں کے لئے شفاخانے

مہاراجہ صاحب نے ریاست میں ۳۹ شفاخانے جاری کئے جہاں کہ مریضوں کو دوا مفت دی جاتی تھی۔ آپ نے ریاست میں قابل وید اور حکیم ملازمت میں لے کر شفاخانوں کی باگ ڈور ان کے سپرد کی۔ اور ایک کتاب موسومہ رنبیر پرکاش تیار کرائی۔ رنبیر پرکاش میں مرض کی تشخیص اور اس کا ویدک اور یونانی طریقہ علاج درج ہے۔ چیچک کی روک تھام کے لئے ویکسینیشن سنٹر قائم کئے۔

پانی کی بہم رسانی

جموں شہر میں پانی کے لئے چھ بڑے بڑے پختہ تالاب موجود تھے۔ لیکن سرکار والا نے اہل شہر کو آب نوشی میں سہولیت اور آرام پہنچانے کی خاطر دریائے توی سے بذریعہ پمپ پانی لانے کی تجویز کی۔ اور دریائے چناب سے اکھنور تا جموں ایک نہر نکالنے کے احکام صادر کئے۔ اس نہر کا نام رنبیر نہر ہے۔ جو کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں تیار ہونا شروع ہوئی تھی۔ اس کام کے لئے پلٹن سفر مینا (sappers miners) تعینات کی گئی۔ اس طرح دریائے توی اور

دریائے توی سے بھی آبپاشی کے لئے کوہلیں نکالی گئیں۔

ریاست کا سکہ

مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہدِ حکومت میں ریاست جموں وکشمیر میں نانک شاہی روپیہ اور پیسہ رائج تھا۔ اور اُن کے آخری ایام میں یہاں ٹکسال گھر قائم کیا گیا تھا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے کشمیر میں خالص روپیہ جس کی قیمت برطانوی ہند کے اُسی وقت کے آٹھ آنہ کے برابر تھی، جاری کیا۔ جموں میں چلکی روپیہ (دس آنہ کے برابر) پہلے ہی رائج تھا۔ مہاراجہ صاحب نے اٹھنی۔ ایک آنہ اور ایک پیسہ کا سکہ بھی جاری کیا۔ ریاست کے اشٹامپ بھی ریاست میں ہی چھپا کرتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں مہاراجہ نے ریاست میں نوٹ موسومہ "شری کر" جاری کئے۔ اِن نوٹوں کا نقد روپیہ سرکاری خزانوں سے نہیں ملتا تھا بلکہ یہ نوٹ صرف لگان یا دیگر ادائیگی بطرف سرکار دیا جاتا تھا۔ اِن نوٹوں کے حساب کتاب کے لئے ایک علیحدہ دفتر تھا۔

ڈاک و تار کے انتظامات

مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں جب کشمیر کا الحاق جموں سے ہو گیا تو جموں اور سرینگر کے درمیان ڈاک رسانی کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ سرینگر اور جموں کے درمیان ۳۸ ڈاک کی چوکیاں رکھیں اور ہر ایک چوکی پر ہرکارے موجود رہتے تھے جو ڈاک کے تھیلوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا دیتے تھے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں ریاست کے محکمہ ڈاک نے بہت ترقی کی۔ جموں اور سرینگر کے درمیان ۱۲۹ چوکیاں قائم کی گئیں اور ڈاک جموں سے سرینگر ۲۵ سے ۳۰ گھنٹہ کے اندر پہنچ جاتی تھی۔ سمبت ۱۹۲۱ بکرمی میں جموں اور لاہور کے درمیان ڈاک رسانی کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ ماہ دسمبر ۱۸۶۵ء میں مہاراجہ صاحب بہادر نے مسٹر ہاگ پوسٹ ماسٹر جنرل کو جموں آنے کی دعوت دی اور صاحب موصوف سے ریاستی محکمہ ڈاک کو برطانوی ہند کے طریقہ پر چلانے کی بات چیت کی۔ چنانچہ فارن سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ نے ۱۸ جون ۱۸۶۶ء کو سرکار والا کی خدمت میں ایک مراسلہ بھیجا جس میں سرکار والا کی اس تجویز کی تعریف کی اور یقین دلایا کہ برطانوی ہند کا محکمہ ڈاک ریاست کی ہر طرح سے امداد کرے گا۔ اس وقت تک یہ طریقہ رائج تھا کہ ڈاک کی ٹکٹیں لفافہ پر چسپاں کرنے کی بجائے نقد رقم وصول کی جاتی تھی۔ مگر پھر ریاست نے ڈاک کے اپنے ٹکٹ رائج کر دیئے۔ رجسٹری چٹھیوں

کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا اور رجسٹری کی فیس چار آنہ لی جاتی تھی۔ چونکہ کشمیر میں انگریز سیاحوں کی آمد و رفت زیادہ بڑھنے لگی۔ اس لئے مہاراجہ صاحب بہادر کی منظوری سے سمت ۱۹۲۴ بکرمی (۱۸۶۷ء) میں سرینگر میں امپیریل ڈاک خانہ کھولا گیا۔ مگر سرینگر سے جو چٹھیاں ریاست سے باہر بھیجی جاتی تھیں، ان پر ریاست کے ٹکٹ کے علاوہ برطانوی ہند کے محکمہ ڈاک کے ٹکٹ بھی چسپاں کرنے پڑتے تھے۔ سمت ۱۹۲۵ بکرمی میں نئی قسم کے ٹکٹ رائج ہوئے اور جموں اور سرینگر کے درمیان پارسل بھیجنے کا انتظام بھی کیا گیا۔ سمت ۱۹۳۲ بکرمی میں مہاراجہ صاحب نے ایک شخص مسمی بابو دیبی دین کو ڈاک خانوں کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا۔ بابو دیبی دین نے ریاستی ڈاک خانوں میں بہت کچھ اصلاح کی۔ چھپے ہوئے فارم بھی جاری کئے۔ سمت ۱۹۳۴ بکرمی میں مہاراجہ نے سرینگر اور گلگت کے درمیان تار برقی کا سلسلہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ سرحدی علاقوں کے حالات سے دربار باخبر رہ سکے۔ مہاراجہ صاحب نے ریاست میں تار برقی کے ذریعہ پیغام رسانی کے کام کی تربیت کے لئے ایک کلاس کھول دی اور فارسی حروف میں تاریں بھیجنے کا کام سکھانے کا انتظام کرایا۔ سب سے پہلا ریاستی باشندہ جس نے تار برقی کے ذریعہ پیغام رسانی کا کام سیکھا، اس کا نام پنڈت کیشو رام دینہ تھا جس کو سرینگر کے تار گھر میں ملازم رکھا گیا۔ مہاراجہ نے احکام جاری کئے کہ جموں اور سرینگر کے درمیان تار برقی کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ ۹ بھادوں سمت ۱۹۳۵ بکرمی کو یہ لائن مکمل ہو گئی اور مہاراجہ صاحب بذات خود جموں کے تار گھر میں تشریف لائے اور سب سے پہلا پیغام وزیر پنوں گورنر گلگت کے نام بھیجا۔ سمت ۱۹۳۷ بکرمی میں مہاراجہ نے محکمہ ڈاک اور تار کے انتظام پر دہلی کے ایک شخص حکیم نور احمد کو مامور کیا۔ سمت ۱۹۳۹ بکرمی میں جموں اور سرینگر کے درمیان منی آرڈر بھیجنے کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ سمت ۱۹۴۰ بکرمی میں ایک ایک پیسہ کے کارڈ بھی جاری کئے گئے۔

عجائب گھر کی تعمیر

قیصرۂ ہند کے ولیعہد پرنس آف ویلز ولی عہد دولت انگلشیہ (ایڈورڈ ہفتم) نے ہندوستان کی سیاحت کے لئے آنا تھا۔ چنانچہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کو وائسرائے ہند کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ پرنس آف ویلز صاحب ہندوستانی ریاستوں میں سب سے پہلے ریاست جموں و کشمیر میں تشریف لائیں گے۔ تو مہاراجہ رنبیر سنگھ نے شہزادہ انگلستان کے جموں میں قیام کے لئے ایک عالیشان عمارت کی تعمیر کے

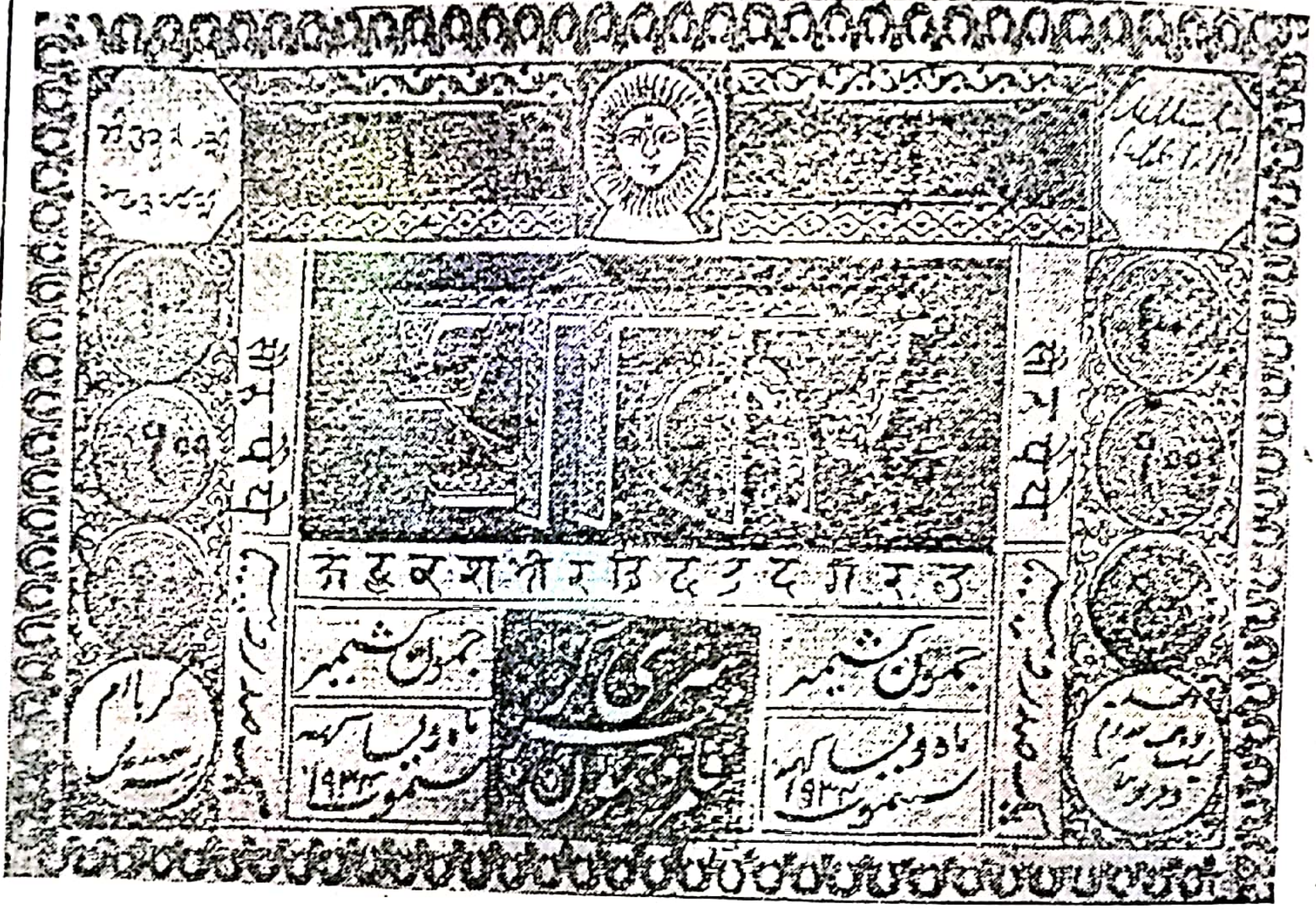

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں جاری شدہ کرنسی نوٹ (شری کر) ۱۰۰ روپیہ

688 - ②

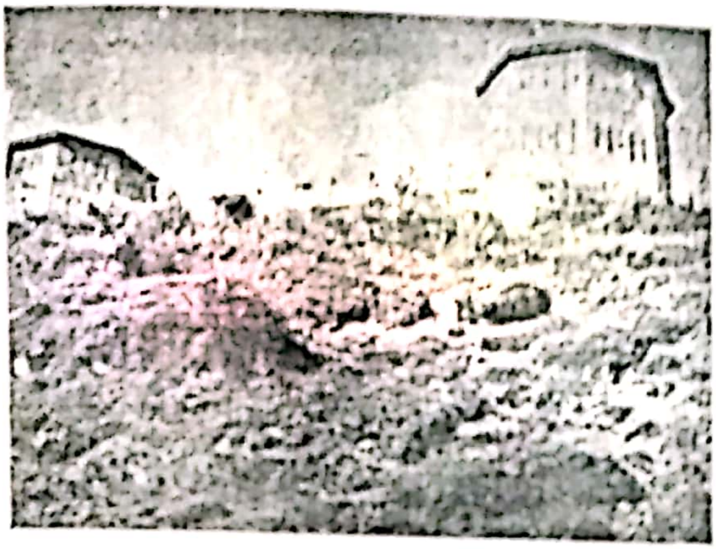

قلعۂ بھدرواہ

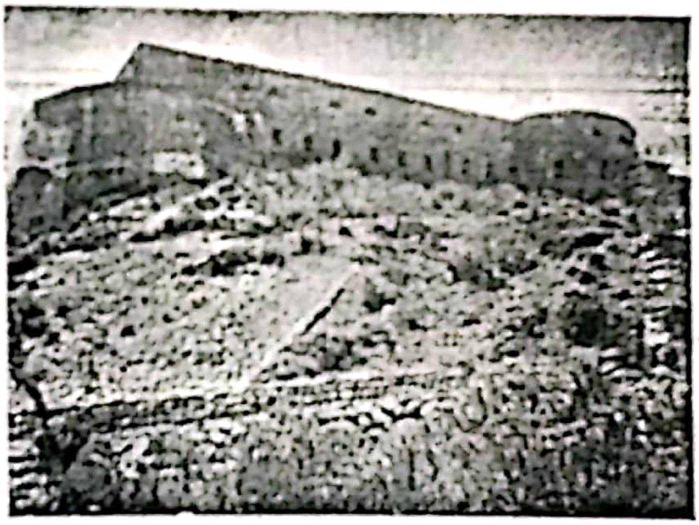

قلعۂ سانبہ

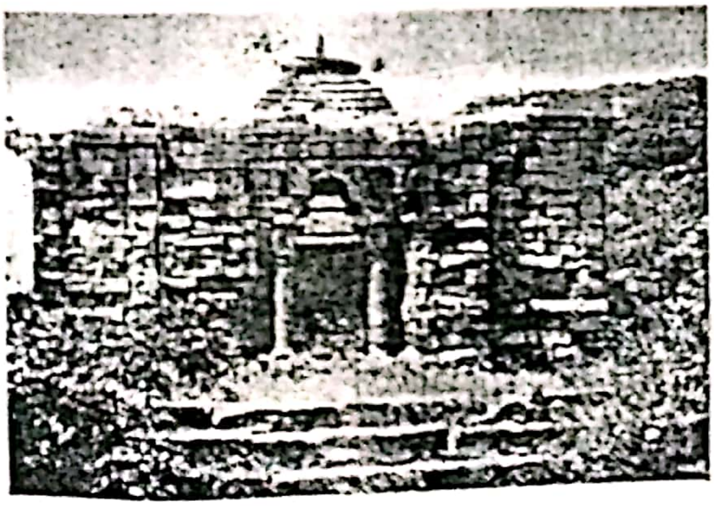

کرمچی کا قدیم مندر

احکام جاری کیے۔ اور مشہور جرنیل باج سنگھ جو اُس وقت ریاست جموں و کشمیر کے محکمہ تعمیرات کا انچارج تھا، کو ڈیوٹی سپرد کی کہ وہ اس کام کو جلد از جلد پورا کرے۔ چنانچہ دن رات سینکڑوں مزدوروں اور کاریگر معماران اور نجاران کو لگا کر رفیع الشان بلڈنگ تیار کرا دی جو کہ قیصرۂ ہند ملکہ وکٹوریا کے شہزادہ کی رہائش کے لیے موزوں اور نہایت اعلےٰ تھی پرنس آف ویلز نے دو یوم اس عمارت میں قیام کیا۔ آج کل حکومت جموں و کشمیر نے اس بلڈنگ کا رنگ روپ تبدیل کرا دیا ہے۔ اور یہاں لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسل کے دفاتر ہیں اور اجلاس ہوتے ہیں۔ پرنس آف ویلز کی واپسی کے بعد اس عالیشان بلڈنگ کا نام عجائب گھر رکھا گیا جس میں ڈوگرہ آرٹ کی نادر اشیاء اسلحہ، پارچات اور ہر قسم کے پرانے جنگی ہتھیار اور بیش قیمت نمونہ کی ڈھالیں۔ توپیں، دار بندوقیں وغیرہ سجائی گئیں اور لائبریری رکھی گئی جسے دیکھنے کے لیے دور دور سے سیاح اور زائرین آتے تھے۔

سوچیت گڑھ تا جموں پختہ سڑک

دیوان ارجن مل گوندلیہ کے فارسی روزنامچہ میں لکھا ہے کہ "جموں میں شہزادہ انگلستان کی آمد سے پہلے سوچیت گڑھ تا جموں پختہ سڑک بنانے کے لیے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے احکام صادر ہوئے تو تیاری سڑک کے تمام انتظامات کی ذمہ داری بندہ (ارجن مل) پر ڈال دی گئی۔ اِس سڑک کے تین حصے کیے گئے۔ تیسرا حصہ سڑک بمعہ دو پلٹن بیلدار اور معماران وغیرہ بابو گوبند رام کو سپرد ہوا۔ اور دو تہائی سڑک کا ٹھیکہ مسمیان خدا بخش و ابراہیم ٹھیکیداران سیالکوٹ اور گنپت مل ارورہ ساکنہ جموں کو دے دیا گیا۔ اِس سڑک کی تیاری پر ایک ہزار پانچ روپیہ فی میل خرچ آیا۔ اور اس سڑک پر جو مزدور لگائے گئے انہیں چار آنہ فی نفر روزانہ مزدوری دی گئی۔ اور زمینداران علاقہ سے لاکھوں من کنکر بحساب چھ روپیہ چار آنہ فی صدمن لیے گئے۔ اِس طرح جن کنوؤں سے پانی سڑک پر ڈالنے کے لیے لیا گیا اُن کے مالکان کو ایک روپیہ یومیہ فی کنواں دیا گیا۔ یہ سڑک بیس یوم کے اندر تیار ہو گئی اور اس پر کُل تین ہزار روپیہ خرچ آیا۔"

جموں تا سرینگر پختہ سڑک

دیوان ارجن مل گوندلیہ کے فارسی روزنامچہ میں لکھا گیا ہے کہ "۱۸۶۶ء کے آخری ایام میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے جموں سے سرینگر تک سڑک تیار کرنے کے لیے بابو کنپا اس وقت کو مقرر کیا اور

اُنہوں نے دھونتھلی جموں سے لے کر سرینگر تک سڑک کا ملاحظہ کر کے رپورٹ کی کہ ایک لاکھ روپیہ کے قریب خرچ سے سڑک سرینگر تک تیار ہو جائے گی۔ اور ایک سال کا عرصہ لگے گا۔ پھر حضور انور نے بندہ (ارجن مل) اور میاں جودھ سنگھ کو ان کو مقرر فرمایا۔ ہم دونوں نے سڑک کو جلد تیار کرنے کے لئے یہ تجویز کی کہ دھونتھلی سے لے کر دنسال تک وزیر وزارت ریاسی۔ دنسال سے دھرمتقل تک وزیر وزارت اودھم پور۔ دھرمتقل سے بٹوت تک تحصیلدار نرسنگھ دیال رام نگر والا۔ بٹوت سے رام بن تک تحصیلدار بھدرواہ لودھن مل اور رام بن سے رام سو تک میاں اندرو تحصیلدار رام بن کے ذمہ سڑک تیار کرانے کا کام دیا گیا۔ اس سے آگے سرینگر تک خواجہ صمد جُو کو مقرر کیا گیا۔ اور ہم دونوں نے جموں سے سرینگر تک سڑک کی نگرانی کی ڈیوٹی سنبھال لی۔ بائیس ہزار روپیہ کے خرچ سے مکمل کر لی گئی۔ اور سرینگر سے جموں آتے ہوئے انگریز ریذیڈنٹ صاحب بہادر نے سڑک کا ملاحظہ کر کے مہاراجہ صاحب سے ذکر کیا کہ سڑک نہایت عمدہ تیار ہو گئی ہے جس پر ایک مضبوط اور توانا گھوڑا ایک بگھی کھینچ کر سرینگر لے جا سکتا ہے۔ مہاراجہ صاحب نے ہم دونوں پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے آفرین یاد کیا۔"

۱۵ انگریزوں سے تعلقات

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے انگریزوں کے ساتھ تعلقات نہایت دوستانہ تھے۔ اور اُن کی جو عزت گورنمنٹ آف انڈیا کی نظروں میں تھی، اِس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مہاراجہ صاحب ۱۸۷۵ء کے ماہ دسمبر میں جموں سے پہلی بار ہندوستان کی سیاحت اور تیرتھ یاترا کے لئے روانہ ہوئے تو پنجاب گورنمنٹ نے مہاراجہ کی سلامی کے لئے گارڈ آف آنر تعینات کر رکھی تھی۔ چنانچہ لاہور میں لفٹننٹ گورنر پنجاب نواب سر ہنری ڈیوس نے آپ کی میزبانی کے فرائض ادا کئے۔ انگریز ڈپٹی کمشنر لاہور نے لاہور پہنچنے پر مہاراجہ کا استقبال کیا۔ اور جب مہاراجہ صاحب لفٹننٹ گورنر کی کوٹھی پر آئے تو ۱۹ توپ کی سلامی سر ہوئی۔ لاہور سے مہاراجہ متھرا بندرابن۔ آگرہ۔ بنارس۔ پریاگ راج۔ الہ آباد کے تیرتھوں پر آئے۔ اور ہزاروں روپیہ [illegible] اور برہمنوں میں تقسیم کیا۔ بنارس میں آپ نے ایک ہفتہ قیام کیا اور وہاں کے [illegible] پنڈتوں سے [illegible] مسئلوں پر بات چیت کی۔ [illegible] [illegible] چنانچہ [illegible] [illegible]

یکم جنوری سنہ ۱۸۷۶ء کو منعقد ہونا تھا اور اس میں مہاراجہ صاحب نے شامل ہونا تھا۔ اس لئے تیرتھ یاترا کے بعد کلکتہ ۱۹ر دسمبر سنہ ۱۸۷۵ء کو پہنچ گئے۔ کلکتہ ریلوے سٹیشن پر گورنمنٹ آف انڈیا کا سیکریٹری اور وائسرائے ہند کا ایڈی کانگ معہ اردل سرداران رسالہ اور چار گھوڑوں والی گاڑی استقبال کے لئے موجود تھے۔ ٹرین سے اتر کر جونہی پلیٹ فارم پر قدم رکھا، قلعہ فورٹ ولیم سے توپوں کی سلامی سر ہوئی۔ اور سرکاری بنگلہ میں پہنچنے پر خود وائسرائے ہند نے مہاراجہ بہادر کا آگے بڑھ کر ہاتھ تھامتے ہوئے استقبال کیا۔

۲۴ر دسمبر کو پرنس آف ویلز ولی عہد سرکار انگلشیہ (ایڈورڈ ہفتم) کلکتہ پہنچے تو ہندوستانی مہاراجگان میں سب سے پہلے مہاراجہ رنبیر سنگھ والئی ریاست جموں و کشمیر سے ملاقات کی۔ اور کلکتہ کے دربار قیصری میں مہاراجہ صاحب کی کرسی پرنس آف ویلز کے سامنے نمایاں مقام پر تھی۔

جموں میں پرنس آف ویلز کی آمد

مہاراجہ صاحب کلکتہ سے واپسی پر اجودھیا جی اور دوسرے تیرتھوں کے درشن کرتے ہوئے ۹ر جنوری سنہ ۱۸۷۶ء کو جموں پہنچے۔ ۲۰ر جنوری کو پرنس آف ویلز کی جموں میں آمد آمد تھی۔ سیالکوٹ میں پرنس آف ویلز کا استقبال مہاراجہ کے منجھلے فرزند میاں رام سنگھ اور ریاست کے مدار المہام دیوان کرپا رام نے کیا۔ سوچیت گڑھ کے مقام پر ولی عہد ریاست جموں و کشمیر میاں پرتاپ سنگھ نے معہ اہلکاران خاص شہزادہ انگلستان کا سواگت کیا۔ اور جب شاہی سواری میران صاحب میں پہنچی تو مہاراجہ رنبیر سنگھ بہ نفس نفیس معہ اہلکاران ریاست اور انگریز ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ مسٹر جینکنس پرنس آف ویلز کے خیر مقدم کے لئے موجود تھے۔ شہزادہ انگلستان نے مہاراجہ کو اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا لیا۔ دریائے توی کے کنارے پہنچنے پر ۲۱ توپ کی سلامی سر ہوئی۔ جب سواری گمٹ گیٹ پر پہنچی تو دوبارہ سلامی سر ہوئی۔ پرنس آف ویلز نے دو روز جموں میں قیام کیا اور ۲۳ر جنوری سنہ ۱۸۷۶ء کو واپس ہو گئے۔

دلی دربار

سنہ ۱۸۷۶ء کے وسط میں وائسرائے ہند لارڈ لٹن اور لیڈی لٹن کا مہاراجہ نے مادھوپور کے مقام پر استقبال کیا اور وائسرائے کو دعوت طعام دی۔ چنانچہ رات کی دعوت میں وائسرائے ہند نے گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے پہلی بار ریاست جموں و کشمیر کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور ملکہ معظمہ وکٹوریا کا جام صحت

نوش کرنے کے بعد وائسرائے نے حاضرین کو مہاراجہ رنبیر سنگھ کی صحت کا جام نوش کرنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ "آپ کو ملکہ معظمہ کے ایک نہایت وفادار رئیس اور ہمارے دوست اور میزبان مہاراجہ رنبیر سنگھ بہادر والئی جموں و کشمیر کا جام صحت نوش کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اس کشمیر جنت نظیر میں نہ صرف عظیم الشان پہاڑ اور پُر کیف نظارے اور خوبصورت ندی نالے ہیں، بلکہ اسے ایک ایسا حکمران نصیب ہوا ہے جس کے ساتھ واقفیت حاصل کرنا فخر کا باعث ہے۔ اس خطۂ بے نظیر کے مالک اور فیاض و جواں مرد فرمانروا کو اپنے پاس بیٹھا دیکھ کر مجھے بے حد مسرت حاصل ہوئی ہے۔ مہاراجہ صاحب کی اس فیاضانہ ضیافت کے لئے جو مجھے اور لیڈی لٹن کو دی گئی ہے، جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ میں مہاراجہ صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی دوستی کی میرے دل میں بے حد قدر ہے۔ مہاراجہ خود شاہانہ خوبیوں کے مالک اور علم و ہنر کے قدردان ہیں۔ میں جناب ممدوح سے التماس کرتا ہوں کہ مجھے بھی اپنے دوستوں سے کم تر خیال نہ کریں، اگرچہ میرا نام غالباً اُن کے دوستوں کی لمبی چوڑی فہرست کے آخر میں لکھا جائے گا۔"

۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء کو مہاراجہ رنبیر سنگھ جموں سے دلی دربار میں شمولیت کے لئے روانہ ہوئے۔ لاہور ریلوے سٹیشن پر آپ کے اعزاز میں ۱۹ توپ کی سلامی سر ہوئی۔ دہلی میں کرنل ڈیوس کمشنر دہلی اور میجر ہنڈرسن نے پُرجوش استقبال کیا۔ اور لفٹنٹ گورنر پنجاب نے آپ سے ملاقات کی۔ اور ۲۵ دسمبر کو مہاراجہ وائسرائے ہند سے ملے۔ وائسرائے ہند نے دلی دربار میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "حضرت ملکہ معظمہ اس موقعہ پر قیصرۂ ہند کا لقب قبول فرماتی ہیں۔ اور اُنہوں نے مہاراجہ رنبیر سنگھ والئی جموں و کشمیر کو مشیر خاص کا خطاب دیا ہے اور کہ بے نظیر حیثیت ریاست و امداد جنگی اور آراستگیٔ فوج لقب جنرل عساکر انگلشیہ عطا فرمایا ہے۔ اور بحیثیت عظمت و وقار ریاست سرحدی کے خطاب اندر مہندر مہاراجہ رنبیر سنگھ بہادر سپر سلطنت انگلشیہ دیا ہے۔ اور آئندہ ۱۹ فائر سلامی کی بجائے ریاست کی حدود میں اور برطانوی ہند میں مہاراجہ صاحب کے اعزاز میں ۲۱ توپ کی سلامی اُتاری جائے۔" اس کے بعد تیسرے روز وائسرائے ہند معہ چیف سیکرٹری اور پرائیویٹ سیکرٹری اور جنرل آفیسر کمانڈنگ مہاراجہ کے کیمپ میں برائے ملاقات آئے۔ تعظیم پیشوائی سلامی سر کرنے کے بعد وہاں دربار منعقد ہوا جس میں اہلکاران نے نذریں پیش کیں۔

موقعہ پہ وکلائے جنرال اور ریاستیں اور معتمدان ہولڈرز و دیگر بھی نذر پیش کرنے کے لئے حاضر تھے۔ وائسرائے نے نذر قبول کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ لوگوں کو گورنمنٹ برطانیہ کی خوشنودی مطلوب ہو تو مہاراجہ رنبیر سنگھ کے فرمانبردار اور اطاعت گذار رہیں۔

حقوق متبنیت

جب معاہدہ امرت سر عمل میں لایا گیا تو ریاست جموں و کشمیر پر مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُس کے جانشینوں کی خود مختار ملکیت تسلیم کی گئی تھی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کی خواہش تھی کہ قدرتی وارث کی عدم موجودگی میں جموں و کشمیر کے مہاراجہ کو پسر متبنیٰ بنانے کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ اِس کے لئے آپ نے ۱۸۶۰ء میں جب وائسرائے ہند لارڈ کیننگ سے سیالکوٹ میں ملاقات کی تو اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ ۱۸۶۲ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے مہاراجہ کو ایک سند دی گئی جس میں خاندانی روایات کے مطابق پسر متبنیٰ بنانے کا حق دیا گیا۔

تیوہاروں پہ نذرانہ دربار

مہاراجہ رنبیر سنگھ بسنت پنچمی۔ بیساکھی۔ دسہرہ کی تقاریب پر نذر دربار منعقد کیا کرتے تھے، اور ایسے درباروں کا سلسلہ قائم رکھنا اپنے جانشینوں کے لئے بھی جاری رکھنے کے احکام صادر کر رکھے تھے۔ چنانچہ اِن تقاریب پر اُمراء۔ رؤساء۔ وزراء اور جاگیرداروں کی طرف سے مہاراجہ کو نذریں پیش کی جاتی تھیں۔ ہولی کا تیوہار بھی بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ تمام دربار سفید پوشاکوں میں ملبوس منڈی کے کھلے آنگن میں بیٹھتے تھے، اور سرکاری طور پر سب کو گلال تقسیم ہوتا تھا۔ اُس کے بعد حکمرانِ وقت ہر چھوٹے بڑے درباری سے ہولی کھیلتا تھا اور ناچ رنگ اور تماشے ہوتے تھے۔

راجکماریوں کی شادیاں

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی دو بیٹیاں تھیں۔ اِن ہر دو راجکماریوں (یعنی رانیوں) کی شادیوں کی تفصیل ریاست منکوٹ کے باب میں دی جا چکی ہے۔ بڑی راجکماری کی شادی کا حال مسٹر فریڈرک ڈریو نے اپنی کتاب میں لکھا ہے جو کہ اُس موقعہ پر جموں میں موجود تھا۔ مسٹر ڈریو لکھتا ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنی بڑی لڑکی کا رشتہ راجہ رن سنگھ والئ جسوال کے راجکمار رگھوناتھ سے کیا۔ راجہ رن سنگھ کو انگریزوں نے قلعہ الموڑہ میں کسی سازش کے الزام میں نظربند کر رکھا تھا اور اُس کی ریاست وغیرہ ضبط کر لی گئی تھی۔ چونکہ خاندان جسوال نہایت مفلس اور

رگھوناتھ سنگھ پر اپنی لڑکی کے بَر کے لئے مہاراجہ رنبیر سنگھ کی نظرِ انتخاب پڑی۔ اور اِس خاندان جسوال کو انگریزوں کی نظربندی سے نجات دلاکر اپنی بڑی لڑکی کی شادی سنہ ۱۸۷۱ء میں نہایت دھوم دھام سے کی"۔ ڈریو آنکھوں دیکھا حال اِس شادی کا لکھتا ہے کہ "مَیں نے جہیز دیکھا جو جموں کے محل میں رکھا گیا تھا۔ ہندو رسم کے مطابق جہیز میں تمام ضروریاتِ خانگی موجود تھیں۔ دروازہ کے سامنے ایک لاکھ روپیہ نقد کی تھیلیاں تھیں۔ اِن کے نزدیک ۲۵۰۰ روپیہ کی مالیت کی سونے کی مُہریں تھیں۔ طشتریوں میں اعلیٰ قسم کی پوشاکیں جن کی تعداد گیارہ سو تھی، سجائی گئی تھیں۔ اِن سے آگے زیورات وغیرہ تھے۔ کچھ تو سادہ چاندی اور سونے کے اور کچھ میں قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ سونے کی مُہروں کے نیکلس بھی تھے۔ اِن کے پاس ہی چاندی کے برتن تھے۔ ایک طرف ہاتھی اور گھوڑوں کا ساز تھا جو چاندی سے جڑا ہوا تھا۔ جہیز میں دی جانے والی گائیوں کے گلے میں باندھنے کے لئے چاندی کی زنجیریں اور گھنٹیاں تھیں۔ اِس کے علاوہ کئی متفرق اشیاء جن میں طرح طرح پنکھے، سنہری چھتر، باجے اور دُلھن کے لئے گُڑیاں اور کھلونے تھے"۔

"شادی کے تیسرے روز جب دُولھا اپنی دُلھن کو ساتھ لے جانے کے لئے آیا تو لواز‌ائی کے اپنے ماں باپ کے گھر سے وِداع ہونے کا جلوس نہایت شاندار تھا۔ سب سے آگے ۱۵۱ گائیں اور ۱۵۱ بھینسیں جن پر سُرخ رنگ کے کپڑے تھے اور گلے میں چاندی کی زنجیریں۔ اُن کے پیچھے ۱۵ اُونٹ اور ۳۰۰ بھیڑیں تھیں۔ اِن کے پیچھے لاتعداد مزدور تھے جنھوں نے جہیز اُٹھایا ہوا تھا۔ اُن کے پیچھے باوردی سپاہی تھے جن میں سے ہر ایک نے سر پر ایک ہزار روپیہ کی تھیلی اُٹھائی تھی۔ اُن کے پیچھے جہیز کے گھوڑے جو ساز و سامان سے پُورے طور پر سجائے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے تین ہاتھی تھے"۔

"اُس کے بعد مہاراجہ رنبیر سنگھ اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ محل سے باہر نکلے اور دُلھن کو ڈولی میں بٹھا دیا گیا۔ میاں صاحب پرتاپ سنگھ ننگے پاؤں تھا۔ اور اُس نے ڈولی کو سہارا دیا ہوا تھا۔ ڈولی کے پیچھے پیچھے مہاراجہ صاحب کے دو خزانچی ہاتھیوں پر سوار تھے جو سونے اور چاندی کے سِکّے ڈولی پر سے نچھاور کر رہے تھے۔ دُولھا اور دُلھن جموں سے ۴ میل کے فاصلہ پر رامکوٹ جاگیر میں چلے گئے جو مہاراجہ صاحب نے اِن کو عطا کی تھی"۔

دوسری لبا رانی راجکماری کی شادی ماہ مئی ۱۸۷۵ء میں مہاراجہ نے اسی دھوم دھام اسی ساز و سامان، نقدی اور اتنے ہی جہیز کے ساتھ اسی راجہ رگھوناتھ سنگھ جسوال سے ہی کر دی جس سے کہ چار سال پہلے اپنی بڑی لبا رانی کی کی تھی۔ اور اس خیال سے کہ اگر کسی کا دلدر کاٹنا ہی ہے تو کیوں نہ اچھی طرح سے کاٹ دیا جائے۔

معدنیات کی دریافت

۱۸۶۲ء میں مہاراجہ صاحب نے ریاست میں معدنیات کی کان ہائے کی کھوج کے لئے ایک محکمہ قائم کیا اور اس کا افسر مسٹر فریڈرک ڈریو، جو انگلستان کی جیالوجیکل سروے ڈیپارٹمنٹ میں تھا، کو ریاست کی ملازمت میں لے کر کان ہائے کی دریافت پر مقرر کیا جس نے ریاست جموں و کشمیر کا اس دریافت کے لئے دورہ کیا۔ اور ایک جامع رپورٹ مہاراجہ صاحب کے حضور میں پیش کی جس میں تحصیل ریاسی کو معدنیات لوہا جست اور ایلومینیم وغیرہ کا خزانہ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مہاراجہ صاحب کے زمانوں میں ہی علاقہ ریاسی کے پورا کوٹھ سے نکالے گئے لوہے سے باہال کارٹ روڈ پر بمقام رام بن دریائے چناب پر پل تعمیر کیا گیا تھا۔

جاگیروں کی عطائیگی

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنی حیات میں ہی اپنے دونوں فرزندان اصغر راجہ رام سنگھ اور راجہ امر سنگھ کو جاگیریں عطا کی تھیں۔ رام سنگھ کو علاقہ رام نگر جس کی مالیہ ایک لاکھ پچیس ہزار اور راجہ امر سنگھ کو علاقہ بسوہلی مالیہ ایک لاکھ دیا۔ لیکن بعد میں راجہ امر سنگھ نے بسوہلی کے علاقہ کی بجائے اپنے لئے بھدرواہ کا علاقہ تبدیل کرا لیا۔

رات کے دربار کی اہمیت

سر فرانسس ینگ ہسبنڈ اپنی کتاب موسومہ "کشمیر" میں لکھتا ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دربار میں لوگوں کو اخلاق کی تعلیم ہو جاتی تھی۔ دوسروں کو دیکھ کر انہیں سیکھنے کا موقعہ ملتا تھا کہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں سے کس طرح برتاؤ کرنا چاہئے مختلف قسم کے آدمیوں اور مختلف واقعات پر بحث کرنے کا انہیں موقعہ ملتا تھا جس سے وہ کیریکٹر یعنی خصلت سیکھتے تھے اور وہ خبریں معلوم کرتے تھے۔ اور یہ تعجب خیز ہے کہ ان درباروں کے تجربہ کار لوگ آج کل کے مدارس اور دار العلوم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص کے مقابلہ میں کس قدر زیادہ ذہانت، وسعت نظر، بلند خیالی اور وضعداری حاصل کئے ہوئے تھے۔

Scanned with CamScanner

ان درباروں میں دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس پر لوگوں سے آزادانہ بحث کی جاتی تھی۔ اور اُن سے رائے لی جاتی تھی۔ اس طرح سے کام کے ساتھ ساتھ بات چیت اور بحث بھی بالخصوص رات کے دربار میں ہوتی رہتی تھی۔ اور اس تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ان افسروں نے ریاست میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ غرض کہ یہ کیفیت رات کے نو دس بجے تک جاری رہتی اور پھر دربار برخاست ہو جاتا تھا۔

راہیِ مُلک بقا

مہاراجہ رنبیر سنگھ اُنیسویں صدی کا ایک بیدار مغز اور بے نظیر حکمران ہو گزرا ہے جس نے ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کو بلالحاظ مذہب ملت آئینی اصلاحات اور ترقی کے وسائل مہیا کیئے۔

رنبیر سنگھ یکتا وطن پرست، عوام کا درد مند، انصاف پرور سیکولرازم کا دِلدادہ اور انتہائی مدبر مہاراجہ ہوا ہے جس نے اپنی زندگی میں اپنی ریاست کو ترقی دینے، دھرم اور انصاف کو بلند رکھنے میں لامثال کام کیا۔ اس وضع کے لوگ اب خواب وخیال ہو گئے ہیں۔ آخری عمر میں مرض ذیابیطس میں مبتلا ہوا اور بالآخر اٹھائیس سال کامیابی اور کامرانی کے ساتھ حکومت کر کے اپنی آبائی راجدھانی جموں میں بعمر ۵۸ سال ۱۲ ستمبر ۱۸۸۵ء کو راہیِ مُلک بقا ہوا۔ آپ کی وفات پر ریاست میں ہمہ گیر ماتم منایا گیا۔ تیرہ روز تک سرکاری کام کاج بند رہا اور لوگوں نے ماتمی ہڑتال رکھی۔ سوائے اہلِ اسلام اور سکھوں کے تمام لوگوں نے اپنے ہر دلعزیز مہاراجہ کے ماتم میں داڑھی اور سر کے بالوں کے مُنڈن کروائے۔

698 - 1

مہاراجہ پرتاپ سنگھ

Scanned with CamScanner

مہاراجہ پرتاپ سنگھ

(سنہ ۱۸۸۵ء تا سنہ ۱۹۲۵ء)

اپنے والد بزرگوار مہاراجہ رنبیر سنگھ کی وفات کے بعد جب میاں پرتاپ سنگھ گدی نشین ہوا، اس وقت اُس کی عمر ۳۵ برس کی تھی۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ انگریزوں کی شاطرانہ چالوں سے بخوبی واقف تھا۔ اُسے شک تھا کہ اُس کی وفات کے بعد انگریز ریاست پر آہستہ آہستہ اپنا اقتدار بڑھانا شروع کر دیں گے اور ریاست کی آزاد حیثیت ختم کر کے رکھ دی جائے گی۔ اس خدشے کا ذکر آپ نے کئی بار اپنی زندگی میں کیا۔ میاں پرتاپ سنگھ کی طرف دیکھ کر خیال آتا کہ ایک طرف انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت ہے اور دوسری طرف روس کی۔ دونوں طرف سے دباؤ کی صورت میں ریاست کی آزاد حیثیت خطرے میں پڑ جائے گی اور یہ بے چارہ کیسے اُسے بچائے گا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کو ایک ہی غم کھائے جاتا تھا اور وُہ یہ کہ جس سلطنت کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے اتنی محنت سے بنایا اور جس کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے اُس نے خود انگریزوں کی کئی شاطرانہ چالوں کو اپنی دُور اندیشی اور معاملہ فہمی سے ناکام بنا دیا، اُسے اُس کے جانشین اپنی نااتفاقی کی وجہ سے قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ رنبیر سنگھ کے یہ خدشات صحیح ثابت ہوئے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے مرنے کے فوراً بعد برطانوی حکومت کی طرف سے جو اعلان میاں پرتاپ سنگھ کو پڑھ کر سُنایا گیا، اُس میں کہا گیا کہ اب آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی کی جگہ باقاعدہ ایک ریزیڈنٹ مقرر ہوگا۔

یہ تقرری اُس معاہدہ کی صریحاً خلاف ورزی تھی جس کے تحت مہاراجہ گلاب سنگھ کو ریاست جموں و کشمیر کا با اختیار آزاد حکمران تصور کیا گیا تھا۔ معاہدہ امرتسر سنہ ۱۸۴۶ء کے تحت ریاست کے حکمران کی حیثیت حیدر آباد اور دُوسری کئی ریاستوں کے حکمرانوں سے مختلف تسلیم کی گئی تھی۔ جبکہ باقی ریاستوں میں ریزیڈنٹ تعینات تھے، ریاست جموں و کشمیر میں ایک ایجنٹ مقرر تھا۔ اس ایجنٹ یا آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی کا کام اُن یورپیوں کی دیکھ بھال کرنا تھا جو موسم گرما میں آرام اور سیر و تفریح کی غرض سے کشمیر آیا کرتے تھے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی زندگی میں کئی بار شوشے چھوڑے گئے کہ ایجنٹ کا درجہ ریزیڈنٹ تک بڑھایا جائے۔ لیکن مہاراجہ رنبیر سنگھ ایسے دُور اندیش، مدبّر اور ہوشیار حکمران کے ہوتے ہوئے یہ چال کیسے کامیاب ہو سکتی۔ برطانوی حکومت اِس انتظار میں تھی کہ کب مہاراجہ رنبیر سنگھ کا سُرگباش ہو اور وُہ ریاست پر اپنا تسلط بڑھا لیں۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنے آخری ایّام میں کافی بیماری پائی۔ برطانوی حکومت اُس کے دن گن رہی تھی۔ جونہی مہاراجہ رنبیر سنگھ کے گزر جانے کی خبر ملی، ایک خاص نمائندہ میاں پرتاپ سنگھ کے پاس بھیجا گیا۔ وُہ صفِ ماتم پر تھا اور محل سے باہر نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ خاص نمائندہ کو اُس کے پاس اُس کمرے میں لایا گیا جہاں میاں پرتاپ سنگھ زمین پر ایک کونے میں الگ بیٹھا تھا۔ اعلان میں میاں پرتاپ سنگھ کو مہاراجہ تسلیم کیا گیا جس کے لئے مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے شکریہ ادا کیا اور برطانوی حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ ساتھ ہی ریزیڈنٹ کی تقرری کے خلاف احتجاج کیا اور کہا کہ مجھے اگر آپ نے اِس طرح ذلیل کیا تو میں حکومت کیسے چلا سکوں گا۔ لیکن طوطی کی آواز نقار خانے میں کون سُنتا۔ برطانوی حکومت تو اپنا اقتدار بڑھانے کی فکر میں تھی۔ بیچارے پرتاپ سنگھ کی بات کو کون خاطر میں لاتا۔ اعلان کے تحت عدالت مشترکہ جو ۱۸۷۲ء میں قائم کی گئی تھی، بند کر دی گئی۔ ریزیڈنٹ صاحب کو اختیار دیا گیا کہ وُہ ایسے مقدمات کی سماعت کر سکتا ہے جن میں دونوں فریقین یا ایک پارٹی برطانوی رعایا ہوں۔ اِس طرح مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی تخت نشینی سے گورنمنٹ آف انڈیا اور ریاست کے سیاسی تعلقات میں ایک نیا باب شروع ہو گیا۔

پرتاپ سنگھ کی معزولی ابھی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو گدی سنبھالے دو سال ہی ہوئے تھے کہ اُسے لارڈ لینسڈون کی چٹھی ۲۸ جون ۱۸۸۹ء کی لکھی ہوئی موصول ہوئی۔ اِس چٹھی میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وُہ سلطنت کے کام کاج کو خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں دے رہا۔ ریاست کے مالی حالات بہت خراب ہو گئے ہیں۔ آپ فضول خرچ ہیں اور خزانہ عامرہ کو بے دردی سے لٹا رہے ہیں۔ نیز یہ کہ آپ نے کچھ ایسی چٹھیاں لکھی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ آپ برطانوی حکومت کے خلاف ایک بیرونی طاقت کے ساتھ مل کر سازش کر رہے ہیں۔ لیکن یہ سب الزامات بے ہُودہ بے بنیاد

اور من گھڑت تھے۔ مہاراجہ نے جواب میں کہا کہ میں نے ریفارم لانے کے لئے حتی الوسع کوشش کی ہے۔ لیکن مجھے نظم ونسق چلانے میں آزادی نہیں۔ میرے ہر کام میں ریزیڈنٹ دخل دیتا ہے اور اُس میں رُکاوٹ ڈالتا ہے۔ میں نے کسی بیرونی ملک کے ساتھ کوئی خط وکتابت نہیں کی ہے۔ اس لئے سازش کا الزام سراسر غلط اور بے بُنیاد ہے۔ اس کے برعکس کشمیر کا ریزیڈنٹ مسٹر پلاوڈن میرے چھوٹے بھائی راجہ امر سنگھ کے ساتھ مل کر میرے خلاف سازش میں مصروف ہے۔

ریاست کے پڑوسی علاقے یعنی پنجاب کے گورنر سر چارلس ایچی سن نے ایک چٹھی میں برطانوی حکومت کو لکھا تھا کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ اس امر کے لئے کوشاں ہے کہ اُس کی رعایا کو تعلیم حاصل کرنے میں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تعلیم عام ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ اس کا فائدہ اُٹھا سکیں۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ اس بات کا بھی بڑا دلدادہ تھا کہ ریاست میں زمینی اصلاحات جلد سے جلد رائج ہوں۔ لیکن جو بات گذشتہ تیس سال میں پوری نہ ہوسکی ہو وہ چار سال کے قلیل عرصہ میں کس طرح پوری ہوسکتی ہے۔ اس کے باوجود ان چار سالوں میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اندرونی اور بیرونی سازشوں کے ہوتے ہوئے بھی بہت کام کر دکھایا اور رعایا میں کافی ہر دلعزیزی حاصل کی۔

ریزیڈنٹ نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو ایک چٹھی میں خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا تھا کہ آپ کے ساتھ ملاقاتوں میں مجھے اس امر کا بہت احساس ہوا کہ آپ غریبوں کے بڑے غمگسار ہیں اور اُن کی بہتری کے لئے بڑے فکرمند ہیں۔ آپ کو زمینی معاملات میں بڑی دلچسپی ہے اور آپ کاشتکاروں کو سرکاری اہلکاروں کے ظلم وستم سے بچانا چاہتے ہیں۔ اور اس کے برعکس ان سب حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے مہاراجہ پرتاپ سنگھ پر یہ الزام لگایا گیا کہ پرتاپ سنگھ نظم ونسق کو سنبھال نہیں سکا ہے اور اُسے رعایا سے مطلق ہمدردی نہیں۔

برطانوی حکومت اس الزام کے ثبوت میں ایک بھی شہادت پیش نہیں کرسکی اور کر سکتی بھی کیسے۔ اُس کے پاس اُن معصوم لوگوں میں سے کسی کی طرف سے ایسی شکایت موصول نہیں ہوئی تھی جن کے نام پر ایسا جھوٹا اور شرانگیز الزام لگایا جارہا تھا۔ ایک اور الزام یہ بھی لگایا گیا کہ آپ کے عہدِ حکومت میں ریاست کی آبادی گھٹ گئی ہے۔ یہ الزام بھی دوسرے الزامات کی طرح بے بُنیاد تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ گذشتہ اٹھارہ سالوں میں ہندوستان کے دوسرے

صوبوں میں قحط کی وجہ سے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ انسان بھوک سے مر گئے تھے۔ لیکن الزام لگایا گیا بیچارے پرتاپ سنگھ پر۔ رہا الزام خزانہ عامرہ کے بے دردی سے مٹانے کا۔ تو اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ خزانہ خالی تھا۔ مہاراجہ تو صرف ۳۴ ہزار روپیہ ماہانہ الاؤنس حاصل کرتا تھا۔ گدی نشین کے فوراً ہی بعد اُسے بھاری اخراجات کے چھ سات کام کرنے پڑے۔ مثلاً مہاراجہ رنبیر سنگھ کا شرادھ۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا کلکتہ جانا۔ سول اور فوجی ملازموں کی بقایا تنخواہوں کی ادائیگی۔ گدی نشینی پر خرچ۔ وغیرہ وغیرہ۔

حق تو یہ ہے کہ خزانہ عامرہ کو خالی کرنے کے لئے برطانوی حکومت خود ذمہ دار تھی۔ برطانوی حکومت نے مہاراجہ سے ۲۵ لاکھ روپے قرض حاصل کئے۔ جہلم ویلی روڈ پر چار سال میں ۲۴ لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔ سیالکوٹ جموں ریلوے پر ۱۳ لاکھ روپے خرچ آئے۔ جموں واٹر ورکس پر ۳ لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔ لیڈی ڈفرن میڈیکل فنڈ کمیٹی کے لئے ۵۰ ہزار روپے کا چندہ وصول کیا گیا۔ ایچی سن کالج لاہور کے لئے ۲۵ ہزار روپے چندہ وصول کیا گیا۔ ریذیڈنسی کی عمارت گلمرگ اور جموں میں تعمیر کرنے پر ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپے خرچ کئے گئے۔ کمانڈر انچیف افواج ہند کی ریاست میں آمد پر ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا گیا۔ لارڈ ڈفرن کی آمد کی تیاری پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔

اسی طرح سازشی خطوط لکھنے کا الزام بھی بے بنیاد تھا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اس الزام کو چیلنج کیا۔ لیکن پس پشت بات تو اور تھی۔ الزام تو ایک بہانہ تھا۔ اس بہانے کی آڑ میں اپنا اقتدار بڑھانا تھا۔ افسوس تو یہ ہے کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے خلاف الزام عاید کرنے کی سازش میں راجہ امر سنگھ جو کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا حقیقی بھائی تھا، شریک کار تھا۔ اُسے یہ خیال تھا کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو معزول کر کے اُسے مہاراجہ بنا دیا جائے گا۔ لیکن چالاک ہونے کے باوجود وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ جو حکومت ایک بے گناہ شخص کو قصور وار ٹھہرا سکتی ہے اُسے راجہ امر سنگھ کے ساتھ کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ وہ تو اُسے اپنے مقصد کے حصول کے لئے آلۂ کار بنانا چاہتی تھی۔ چنانچہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو انگریزوں نے مختلف بہانے اور الزام تراش کر کے ۱۸۸۹ء میں معزول کر دیا اور ریاست کے نظم و نسق کو چلانے کے لئے ایک کونسل قائم کی گئی جس میں ریذیڈنٹ کو کافی اختیارات دے دئے گئے۔

ریاست کی کونسل

راجہ امر سنگھ کو کونسل کا پریذیڈنٹ (پرائم منسٹر) مقرر کیا گیا۔ راجہ رام سنگھ (کمانڈر انچیف افواج)، رائے بہادر پنڈت سورج کول (منسٹر مال) اور رائے بہادر پنڈت بھاگ رام (لاء منسٹر) کو ممبران نامزد کیا گیا۔

اس کے علاوہ گورنمنٹ آف انڈیا کو اختیار دیا گیا کہ وہ وقتاً فوقتاً مزید ممبر بھی نامزد کر سکتی ہے۔ کونسل میں اگر کوئی نشست خالی ہو جائے تو اسے پُر کرنے کا اختیار بھی گورنمنٹ آف انڈیا کو دیا گیا۔ نظم و نسق کو چلانے۔ بجٹ پاس کرنے۔ قانون رائج کرنے اور گزیٹڈ افسروں کے تقرر کا اختیار کونسل کو دیا گیا۔ یہ سب اختیارات کونسل تابع عام نگرانی ریذیڈنٹ صاحب بہادر استعمال کر سکتی تھی۔ اس طرح ریاست کی حکومت براہ راست برطانوی سرکار کے ہاتھ میں چلی گئی۔

معزولی کے خلاف آواز

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی معزولی کو ہر انصاف پسند شخص نے بُری طرح محسوس کیا۔ ریاست اور ریاست کے باہر برطانوی حکومت کے اس غیر منصفانہ اقدام کے خلاف کافی احتجاج ہوا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے برطانوی حکومت کو لکھا کہ میں آپ کا ہر طرح سے وفادار رہا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود مجھ پر ناروا الزام لگائے جاتے ہیں۔ اگر ریاست کا ایک فرد بھی میرے خلاف الزام میں شہادت کے لئے کھڑا ہو جائے تو میں اُن تمام الزامات کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں جو میرے خلاف لگائے گئے ہیں لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا تو وائسرائے صاحب اپنے ہاتھ سے پستول چلا کر میری زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ میں ذلت کی زندگی بسر کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ میری پوزیشن واضح ہے۔ یا تو میرے خلاف مقدمہ چلاؤ یا مجھے بحال کرو۔ لیکن الزامات میں کچھ صداقت ہوتی تو کوئی مقدمہ بھی چلاتا۔

۱۸۵۷ء کے آزادی کے پہلے آندولن کے بعد ملکہ معظمہ برطانیہ نے اپنے اعلان میں کہا تھا کہ ہندوستانی شہزادوں کی ریاستیں محفوظ رہیں گی —— اور اُنہیں کبھی بھی برطانوی علاقہ میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ اس اعلان کے باوجود برطانوی حکومت ریاست جموں و کشمیر کو کسی نہ کسی بہانے حاصل کرنے میں کوشاں تھی۔

ہندوستان میں بھی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے تخت سے اُتارے جانے کے خلاف آواز بلند ہونے لگی۔ کلکتہ کے "امرت بازار پتریکا" نے اس سازش کو بے نقاب کیا جو مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے خلاف کی گئی تھی۔ برطانوی پارلیمنٹ میں بھی اس معاملہ کو اُٹھایا گیا۔ برطانوی حکومت اپنے اقدام کے جواز میں کوئی ثبوت پیش نہ کر سکی۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کونسل کے پریذیڈنٹ

آخر دو سال کی جد و جہد کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ

کو کونسل کا پریذیڈنٹ بنایا گیا۔ اس سلسلہ میں لارڈ لینسڈاؤن کشمیر تشریف لائے اور اس امر کا اعلان کیا کہ ایک نئی کونسل کی تشکیل عمل میں لائی جاتی ہے۔ راجہ امر سنگھ کو کونسل کا وائس پریذیڈنٹ اور راجہ رام سنگھ، سردار محمد حیات خان۔ رائے بہادر پنڈت سورج کول اور رائے بہادر پنڈت بھاگ رام کو ممبران مقرر کیا۔

مزید اختیارات

۱۹۰۵ء میں ہز ایکسیلینسی لارڈ کرزن وائسرائے ہند جموں میں آئے اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو مزید اختیارات عطا کئے۔ مہاراجہ صاحب کو کونسل کے پورے اختیارات خود استعمال کرنے کی اجازت دی گئی لیکن ریذیڈنٹ کو ویٹو (VETO) کا اختیار استعمال کرنے کا حق بدستور قائم رکھا۔ ان اختیارات کا اعلان
1905 وائسرائے نے دربار منعقدہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو کیا۔ اسی تاریخ سے مہاراجہ صاحب نے ریاستی کونسل کو توڑ دیا اور راجہ امر سنگھ کو چیف منسٹر مقرر کیا۔ اسی سال ہوم منسٹر کا عہدہ بنایا گیا۔ اور ایک جج ہائی کورٹ بھی مقرر کیا گیا۔ اس موقعہ پر لارڈ کرزن نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مجھے آپ سے ملاقات اور ذاتی واقفیت حاصل کر کے ایسے تاثرات ملے جن سے میں نے آپ کی قابلیت اور ذہانت کے بارے میں اچھی رائے قائم کی ہے۔ ریاست جموں و کشمیر ایک ایسا خطہ ہے جس کا حکمران ہونا قابلِ رشک ہے۔ اس کے قدرتی مناظر نے اسے تاریخ میں مشہور بنا دیا ہے۔ اس میں محنتی اور جفاکش لوگ آباد ہیں۔ اس کے صنعتی ذرائع پہلے ہی ترقی کی طرف جا رہے ہیں اور ان میں مزید ترقی کی گنجائش ہے۔ ریاست کے مالیات کا حساب پبلک طور پر لکھا جاتا ہے۔ بندوبست ایک منصفانہ طریقہ پر قائم کیا گیا ہے اور اس کے مالیات میں قابلِ قدر اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ کی ریاست کا مستقبل نہایت شاندار ہے۔

ریاست پر مکمل اختیارات

۱۹۲۱ء میں ہز ایکسیلینسی لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند ریاست میں تشریف لائے اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو ریاست کے نظم و نسق کے پورے اختیارات دے گئے۔ دربار منعقدہ ۲ مارچ ۱۹۲۱ء میں تقریر کرتے ہوئے لارڈ چیمسفورڈ نے کہا کہ ریاست نے آڑے وقت میں برطانوی حکومت کی جو دل کھول کر مدد کی ہے اسے برطانوی حکومت کبھی بھلا نہیں سکتی۔ رنگروٹوں کی بھرتی دینے میں ریاست جموں و کشمیر خاص طور سے صفِ اول میں رہی ہے۔ اکتیس ہزار رنگروٹوں میں سے جو ہندوستانی فوج میں ایامِ جنگ کے دوران بھرتی ہوئے کشمیر سٹیٹ افواج کی تعداد جوانان لگ بھگ چھ ہزار ہے۔

علاوہ ازیں بے شمار طریقوں سے سرکار نامدار نے جو امداد اور قربانی انگریزی راج کے لئے کی، وُہ محتاج بیان نہیں ہے کیونکہ بادشاہ سلامت نے اِن خدماتِ حسنہ کا اعتراف پہلے ہی موزوں الفاظ میں کرتے ہوئے ان کے صلہ میں سرکار والا کو گرانڈ کراس آف برٹش ایمپائر کا خطاب اور ۲۱ توپ کی سلامی کا اعزاز عطا کیا ہے۔ اور کہ ریاست جموں و کشمیر ہی رُوئے زمین پر ایک ایسا قطعہ ہے جو کہ اپنی حدود پر جنگ و جدل کے رُونما ہونے نیز بیرونی جنگ ہونے کی افواہوں کی موجودگی اور تمام مُلک میں اندرُونی بے چینی کی لہر اُٹھنے کے باوجود کسی قسم کی بد امنی کا شکار نہیں ہوئی اور نہ ہی دُوسرے ممالک کے ناخوشگوار حالات کو اپنی حدُود میں اثر انداز ہونے دیا۔ برٹش گورنمنٹ ناشکرگذاری کی مُجرم ہوتی اگر اِن مستحسن خدمات کے بدلے میں جو ریاست کشمیر کے حکمران نے سلطنتِ برطانیہ کے تئیں سرانجام دی ہیں، وُہ اُسے کامل اختیارات دینے میں، جن کا کہ حکمران واجب طور پر حقدار ہو گیا ہے، کسی قسم کا پس و پیش کرتی۔

لارڈ چیمسفورڈ نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے کہا کہ ریاست نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ رعایا آسودہ حال ہے۔ حصولِ تعلیم میں بہت سی سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ طبی امداد کے لئے بھی بیش بہا رعایتیں رعایا کو حاصل ہیں۔ محکمہ جنگلات کا نہایت اعلےٰ اور فائدہ مند طریقوں پر قائم کیا جانا ریاست کی خوشحالی کا ایک بڑا سبب ہے۔ بجلی پیدا کرنے کے کارخانے قائم کئے گئے ہیں۔ ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ بہت سی اصلاحات ریاست کی انتظامیہ حکومت میں رائج کی گئی ہیں۔

اس طرح مہاراجہ کے پورے اختیارات ملے ہوئے چار سال کا قلیل عرصہ ہی ہوا تھا کہ کچھ دیر علیل رہنے کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ ریاست جموں و کشمیر کی حکومت کی باگ ڈور اپنے حقیقی بھتیجے راجہ ہری سنگھ کو سپرد کر کے سرینگر کے مقام پر ۲۳ ستمبر ۱۹۲۵ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوا۔ اُس کی عمر اس وقت ۷۵ برس کی تھی۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ سمت ۱۹۰۷ بکرمی میں بمقام ریاسی پیدا ہوا تھا۔ گیارہ سال کی عمر میں اُس کی شادی ہو گئی تھی۔ ایک انگریز خاتون مسز ماڈ ڈائیور (MAUD DIVER) نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا قلمی چہرہ کھینچتے ہوئے کہا ہے کہ "آپ اپنے والد بزرگوار اور دادا مہاراجہ گلاب سنگھ جیسی شاندار وضع قطع نہیں رکھتے۔ لیکن قد پگڑی اپنے قد و قامت کے مقابلہ میں بہت بڑی [illegible] مگر خیالات پرانے ہی رکھتے تھے۔ [illegible] نظام حکومت میں نئی اصلاحات کے

Scanned with CamScanner

حامی تھے۔ بہت حلیم، نیک اور تیز فہم۔ کسی ترکیب سے وہ ریاست کے سب حالات جان لیتے تھے۔ گھنٹوں لگاتار باتیں کرتے رہتے مگر سننے والوں کو کچھ بھی مکمل طور پر نہ بتاتے تھے۔ تاجِ برطانیہ کے وفادار۔ اتنے راسخ الاعتقاد کہ کبھی سمندر پار کے ممالک کی طرف نہیں گئے۔ مگر اُن کے پاس لنڈن کا ایک نقشہ موجود رہتا تھا اور نقشہ کے ذریعے لنڈن جانے کا راستہ جانتے تھے۔ اُن کی زندگی سادہ تھی۔ بڑے کفایت شعار تھے۔ صبح سات بجے اندرونی محلات سے نکل کر صبح کے دس بجے تک اخبارات کی خبریں اور دیگر رپورٹیں سنتے تھے۔ پھر ایک گھنٹہ بھر پوجا پاٹھ میں مصروف رہتے تھے۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب کھانا کھاتے تھے۔ شراب اور ماس سے پرہیز کرتے تھے۔ دن کا دربار دو بجے تک جاری رہتا تھا۔ دو بجے سے پانچ بجے تک آرام کرتے تھے۔ شام کے وقت کبھی کشتی کی سیر اور کبھی سواری۔ رات کے ساڑھے دس بجے شام کا کھانا کھاتے تھے۔ پیچیدہ خصلت رکھتے تھے۔ جانتے بھی بہت کچھ تھے اور مصیبتیں بھی بہت سی جھیلتے تھے۔ جوانی میں صحت اچھی نہ تھی۔ اُن کے ڈاکٹروں نے ایک مرتبہ یہ بتایا کہ اُن کی زندگی صرف چند ماہ باقی رہ گئی ہے۔ مگر انہوں نے ڈاکٹروں کو مغلوب کر دکھایا۔ افیون کھانے کے عادی تھے۔ کہتے ہیں افیون کھانے کے بعد آپ کی عقل تیز ہو جاتی تھی۔ آپ کو کرکٹ کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ آپ نے کرکٹ کی ٹیم بنائی ہوئی تھی۔ آپ جب خود کرکٹ کھیلتے تھے تو آپ کا کھیلنا بہت دلچسپ ہوا کرتا تھا۔ یہ پہلے ہی فیصلہ کر لیا جاتا تھا کہ آپ کتنی رنز کریں گے۔ ہر سال موسم گرما میں مہاراجہ صاحب کی ٹیم کا میچ سیاحوں کی ٹیم کے ساتھ ہوتا تھا اور مہاراجہ صاحب خود اپنی ٹیم کے کپتان کی حیثیت سے کھیلتے تھے۔"

"مہاراجہ نے پہلی شادی ریاست چمبہ میں کی تھی۔ بعد ازاں خاندان ہائے پٹھانیہ اور کٹوچ میں دو بیاہ کئے۔ ان سب کی وفات کے بعد ۱۸۸۶ء میں مہاراجہ نے خاندان چاڑک اور خاندان بلاوریہ سے دو ڈولے منگوائے۔ مہارانی بلاوری ۱۹۰۹ء میں وفات پا گئی۔ نومبر ۱۹۰۴ء میں مہارانی چاڑک کے بطن سے ایک راجکمار پیدا ہوا مگر وہ جولائی ۱۹۰۵ء میں فوت ہو گیا۔"

سر جی۔ ایم۔ سی۔ دیکفیلڈ اپنی کتاب ریکولیکشنز (RECOLLECTIONS) میں لکھتا ہے کہ "ایک بار مہاراجہ نے مجھے دوران گفتگو بتایا کہ وہ ہندوستان کے دس وائسرائے اور گورنر جنرلوں کو جانتے ہیں۔ اور ان سب کے ساتھ انہوں نے بات چیت کی ہوئی ہے۔ میں یہ سن کر بہت حیران ہوا۔

میں نے اس بات کا یقین نہ کیا۔ مگر گھر جا کر جب میں نے مزید چھان بین کی تو یہ بیان سوفی صد درست تھا۔ بلکہ اُنہوں نے ۲۵ کی بجائے ۲۶ وائسرائے دیکھے تھے۔ چنانچہ دُوسری ملاقات میں میں نے اُنہیں بتایا کہ دراصل اُنہوں نے ۲۶ وائسرائے دیکھے ہیں۔ مہاراجہ صاحب نے جواب دیا کہ میں نے لارڈ ایمپٹ ہل کا نام اِس فہرست میں شامل نہیں کیا تھا کیونکہ وُہ صرف چھ ماہ عارضی طور پر وائسرائے رہے تھے۔"

"مہاراجہ صاحب ہمیشہ اپنے آپ کو باخبر رکھنا چاہتے تھے اور سوال پُوچھنے سے کبھی نہ جھجکتے تھے۔ جب مہاراجہ کے سامنے کسی ایسے موضوع پر بحث چھڑ جاتی تو وُہ نیند کا بہانہ کر دیا کرتے تھے ایک بار ایک انگریز انجنیئر سرکار کے رُوبرو ایک محل کا نقشہ لے کر حاضر ہُوا جو دہلی میں بنایا جانا مقصود تھا۔ انجنیئر نے نقشہ میز پر بچھایا ہُوا تھا۔ جونہی مہاراجہ کو خیال ہُوا کہ اس پر بہت زیادہ روپیہ خرچ ہوگا تو وُہ نیند کا بہانہ کر کے اُونگھنے لگے۔ انجنیئر نے جب دیکھا کہ مہاراجہ صاحب سو گئے ہیں تو اُس نے غصہ میں آ کر اپنی جیب سے نصف درجن کے قریب تمباکو پینے کے پائپ نکال کر نقشہ پر دے مارے۔ اُن کی آواز سے مہاراجہ کی آنکھ کھُل گئی اور اُنہوں نے جواب طلب کیا۔ انجنیئر نے ویکفیلڈ کو کہا کہ آپ اِن سے کہہ دیں کہ میں ایک پائپ نہیں رکھتا کیونکہ وُہ گرم ہو جاتی ہے۔ اِس لئے بہت سے پائپ رکھتا ہُوں۔ مہاراجہ نے سُن کر کہا "سودائی"۔ اور پھر سو گئے۔ انجنیئر نے پُوچھا کہ مہاراجہ صاحب کیا فرماتے ہیں۔ ویک فیلڈ نے کہا کہ وُہ آپ کو ایک کمال کا آدمی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ یہ محل صرف کاغذ پر ہی رہا۔ کبھی تعمیر نہیں ہُوا۔"

مسٹر ویک فیلڈ لکھتا ہے کہ "مہاراجہ پرتاپ سنگھ سے ہاتھ ملاتے پر پتہ لگ جاتا ہے کہ اُن کا مُوڈ کیا ہے۔ ناراض ہوں تو صرف ایک اُنگلی آگے کرتے تھے۔ خوش ہوں تو بڑے تپاک سے ہاتھ ملاتے تھے۔"

مہاراجہ پرتاپ سنگھ بڑے دھرمی تھے۔ جب کبھی تیرتھ یاترا پر جاتے۔ کُھلے دل سے دان کرتے اور غریب غرباء کی سیوا کرتے۔ براہمنوں میں خاص شردھا رکھتے تھے۔ اپنی ریاست میں باہر سے لائق آدمی لانے میں کوشاں رہتے تھے تاکہ ریاست کے لوگوں میں جاگرتی جلد پیدا ہو۔ دیوی دیوتاؤں کے مندروں میں بڑی شردھا سے پُوجا کرتے تھے۔ دُوسرے مذاہب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اُنہیں بھارت دھرم مارتنڈ کا خطاب دیا گیا۔

راجہ امر سنگھ سے اختلافات | مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے لئے سٹیٹ کونسل کا زمانہ

نہایت پُر آشوب رہا ہے۔ اور اس دوران میں سازش کی گرم بازاری رہی جس میں خود غرض اور مطلب پرست اشخاص نے خوب ہاتھ رنگے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے اپنے تیسرے بھائی راجہ سر امر سنگھ کے ساتھ جو کہ ریاست کے چیف منسٹر کے عہدہ پر تھا، اختلافات شدید صورت اختیار کر گئے تھے۔ اور یہ اختلافات اُس وقت بہت زیادہ اُبھرے جبکہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے پونچھ کے راجہ سر بلدیو سنگھ کے دوسرے بیٹے جگت دیو سنگھ کو اپنا متبنیٰ بنالیا۔

راجہ امر سنگھ کو خیال تھا کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ لاولد ہے۔ اور اُس کا اپنا بیٹا ہری سنگھ ہی ظاہری وارث تاج و تخت ہے۔ مگر اس زمانہ میں مہاراجہ کا اپنا بیٹا مہارانی چاڑک کے بطن سے پیدا ہوا جس کی ولادت پر بہت دنوں تک جشن ہوتے رہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ وہ کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو کر ایک سال کی عمر میں مر گیا۔ مہاراجہ نے بحالت مایوسی اپنی طبیعت کو ڈھارس دینے کے لئے جب پونچھ کے راجکمار کو اپنا متبنیٰ بنایا تو راجہ امر سنگھ کو یہ بات ناگوار گزری۔ اس پر دونوں بھائیوں میں کشمکش پیدا ہو گئی۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ یہ تبنیت مہاراجہ کی محض مذہبی اغراض تک محدود رہے گی۔ ملکی معاملات اور جانشینیٔ مہاراجگی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ اس مسئلہ میں راجہ امر سنگھ کو کامیابی ہو گئی لیکن اس سے ایک ایسی خلش پیدا ہو گئی جو کہ دونوں بھائیوں کے لئے ہمیشہ باعث کوفت رہی۔ اور جب سنہ ۱۹۰۵ء میں سٹیٹ کونسل کا انتظام ختم کر دیا گیا اور سابقہ ممبران کونسل کے عہدہ کو وزرائے ریاست کے عہدے سے بدل دیا گیا تو اس رد و بدل نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے پرائیویٹ سیکرٹری کو جسے امور ریاست میں بالکل دخل نہ تھا، عملاً چیف منسٹر بنا دیا اور اُس نے راجہ امر سنگھ کو بہت زیادہ تنگ کیا۔ راجہ صاحب نے اس کے خلاف آواز اُٹھائی اور پرائیویٹ سیکرٹری سر راجہ دیا کشن کول کو ریاست بدر کرا کے چھوڑا۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دوسرے بھائی راجہ رام سنگھ، جو کہ ریاست کی افواج کا کمانڈر انچیف تھا، کی موت سنہ ۱۸۹۹ء میں ہو گئی تھی۔ اور کمانڈر انچیف کا عہدہ بھی راجہ امر سنگھ چیف منسٹر کے سپرد تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۰۸ء میں جب راجہ امر سنگھ اس جہانِ فانی سے رحلت کر گیا تو ریاست کی چیف منسٹری کے عہدہ پہ دیوان امر ناتھ کو تعینات کیا گیا۔ دیوان موصوف کو یہ عہدہ اُن کے موروثی حق کے طور ملا جو کہ دیوان جوالا سہائے مدار المہام مہاراجہ گلاب سنگھ والئی ریاست جموں و کشمیر کے وقت سے پشت در پشت چلا آرہا تھا۔

دیوان امرناتھ کے چیف منسٹر مقرر ہونے سے ریاست کا کاروبار نہایت خوبی سے چلنے لگا اور کمانڈر انچیف کا عہدہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

کارہائے نمایاں

اگرچہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا عہد اندرونی اور بیرونی سازشوں سے بھرا پڑا ہے جس کی وجہ سے مہاراجہ پرتاپ سنگھ پوری تندہی سے وہ کام نہ کر سکے جو وہ رعایا کی بہتری کے لئے کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے چھوٹے حقیقی بھائی راجہ امر سنگھ نے برطانوی حکومت کے ساتھ مل کر اُن کے خلاف سازشوں کا جال پھیلایا۔ جس کی وجہ سے انہیں نظم ونسق کے اعلےٰ اختیارات سے محروم ہونا پڑا۔ ان مشکلات اور پیچیدگیوں کے باوجود اُن کا زمانہ ریاست کے لئے ایک سنہری دور کی حیثیت رکھتا ہے۔

Settlement

محکمہ بندوبست

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں سب سے اہم اصلاح ریاست کا بندوبست تھا۔ مہاراجہ نے ۱۸۸۷ء میں مسٹر ونگیٹ کو ریاست کا سیٹلمنٹ افسر مقرر کیا۔ اور اس کے بعد ۱۸۸۹ء میں والٹر لارنس کو اُن کی جگہ سیٹلمنٹ افسر مقرر کیا۔ قدیم ہندو حکمرانوں کے وقت حکومت کل پیداوار کا ۱/۶ حصہ بطور مالیہ وصول کرتی رہی مگر مسلم سلطانوں کے عہد میں ۱/۲ حصہ پیداوار بطور مالیہ وصول ہونا شروع ہوا۔ مغل بادشاہوں کے وقت میں مالیہ کی شرح بڑھا دی گئی۔ اور یہ حکم دیا گیا کہ زمیندار اپنی ضرورت کے لئے صرف ۹ ماہ کی خوراک اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور باقی تین ماہ پھل وغیرہ کھا کر گذارہ کرے۔

ان حالات میں زمیندار اپنی زمینوں کو ایک بوجھ سمجھنے لگے۔ مالیہ کے علاوہ کشمیر میں بیگار کا طریقہ رائج تھا۔ اور اِس کا بار بھی زمینداروں پر ہی پڑتا تھا۔ اس لئے زمیندار اپنے کام میں دلچسپی نہ لیتے تھے۔ اِن حالات میں وہ وقت بھی آیا جب زمینداروں کو اناج بونے پر مجبور کرنے کے لئے ایک فوج بھی بنانا پڑی۔ اِس کو پلٹن نظامت کہتے تھے۔

۱۸۶۰ء میں مالیہ کم کر دیا گیا اور ریاست کا حصہ پیداوار کا نصف مقرر کیا گیا۔

۱۸۷۳ء تک مالیہ وصول کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ چکلہ داروں کو ٹھیکہ دار مقرر کیا جاتا تھا۔

۱۸۸۰ء میں گزشتہ تین سالوں کی پیداوار کی اوسط پر مالیہ مقرر کیا گیا۔ مہاراجہ صاحب کی خواہش تھی کہ مالیہ نقدی کی صورت میں وصول کیا جائے۔

نئے بندوبست کے نتیجے کے طور پر کاشتکاروں کے حقوق محفوظ کر دیئے گئے۔

آسامیوں کا ملحقہ بنجر زمین پر حق فائق تصور کیا گیا۔ ملحقہ جنگلات سے لکڑی وغیرہ حاصل کرنے کے متعلق بھی زمینداروں کے حقوق محفوظ کیے گئے۔ مسٹر لارنس کی سفارش پر زمینداروں کے ذمے بقایا مالیہ معاف کیا گیا۔ ریاست کی حکومت نے منصفانہ پالیسی سے زمینداروں کا اعتماد حاصل کر لیا۔ لوگ خوشحالی کی طرف بڑھنے لگے اور پیداوار میں اضافہ ہونے لگا۔

محکمہ زراعت کا قیام زمینداروں کو زراعت کے نئے طریقوں سے آگاہ کرنے کے لیے اور اچھے بیج مہیا کرنے کی غرض سے محکمہ زراعت قائم کیا گیا۔ سرینگر میں نشاط باغ کے قریب پرتاپ ماڈل فارم کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

سڑکیں ریاست میں تین بڑے راستے تھے جن کے ذریعے تجارتی مال درآمد و برآمد کیا جاتا تھا۔ ان میں سب سے اہم راستہ جموں کو سرینگر سے ملاتا تھا۔ دوسرا کشمیر کو گجرات سے اور تیسرا سرینگر کو براہ بارہ مولہ کوہالہ سے ۱۸۸۷ء میں بارہ مولہ سے کوہالہ تک پختہ سڑک تعمیر کی گئی۔ اس کے بعد سرینگر اور بارہ مولہ کے درمیان بھی سڑک مکمل کی گئی۔ جموں اور سرینگر کے درمیان سڑک بھی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں مکمل ہوئی۔ سرینگر سے گلگت تک بھی سڑک تعمیر کی گئی۔ ۱۸۹۳ء میں مہاراجہ نے اس سڑک کا معائنہ بھی کیا۔ اس کے علاوہ سیالکوٹ سے جموں تک ریلوے لائن تعمیر کی گئی۔ اس طرح ریاست کو ریلوے کے ذریعے باقی ملک کے ساتھ ملحق کیا گیا۔

دریائے توی (جموں) پر پل ۱۸۸۹ء میں دریائے توی (جموں) پر پل کی تعمیر شروع کی گئی جس سے جموں شہر میں ریلوے سٹیشن کی طرف سے آنے والے لوگوں اور دوسرے جانداروں کو کافی سہولیت اور آسانی ہو گئی۔

واٹر ورکس جموں اور سرینگر کے شہروں میں لوگوں کو نلکے کے ذریعہ پانی بہم پہنچانے کے لیے اقدامات کیے گئے۔ جموں کا واٹر ورکس ۱۸۸۹ء میں تین لاکھ روپے کی لاگت سے تیار کیا گیا اور اس کا نام لینسڈاؤن واٹر ورکس رکھا گیا۔ اسی طرح کشمیر لاگت پر ۱۸۹۴ء میں سرینگر میں پانی کے نل لگائے گئے اور واٹر ورکس کی تعمیر ۱۸۹۶ء میں مکمل ہو گئی۔

میونسپل کمیٹیاں ۱۸۸۶ء میں جموں اور سرینگر کے شہروں میں میونسپل کمیٹیاں

قائم کی گئیں۔ جموں میونسپل کمیٹی ۴ سرکاری اور ۱۲ غیر سرکاری ممبروں پر مشتمل تھی۔ اس کا پہلا پریذیڈنٹ رائے بہادر پنڈت رادھا کشن در گورنر جموں تھا۔

سرینگر کی میونسپل کمیٹی ۵ سرکاری اور ۱۱ غیر سرکاری ممبروں پر مشتمل تھی۔ اس کا پہلا پریذیڈنٹ ڈاکٹر اے مِتھرا تھا۔

تمام ممبران گورنمنٹ کی طرف سے نامزد کئے جاتے تھے۔ ۱۹۱۳ء میں سرینگر شہر کو آٹھ اور جموں شہر کو چھ ممبر منتخب کرنے کا حق دیا گیا۔ سری نگر میونسپل کمیٹی کے ممبروں کی تعداد ۱۶ سے بڑھا کر ۲۴ کی گئی اور جموں میونسپل کمیٹی کے ممبروں کی تعداد ۱۶ سے بڑھا کر ۱۸ کر دی گئی۔ دونوں میونسپل کمیٹیوں میں ایک ایک نشست تاجروں کے لئے مخصوص رکھی گئی۔ ۱۹۲۱ء میں میونسپل کمیٹیوں کو وائس پریذیڈنٹ بذریعہ چناؤ مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا۔

محکمہ دریافت کان ہائے

ریاست میں کوئلہ اور لوہا مہاراجہ رنبیر سنگھ کے وقت سے نکالا جا رہا تھا لیکن اس کے لئے کوئی باقاعدہ محکمہ قائم نہیں تھا۔ سائنٹیفک طریقہ سے کان ہائے کی دریافت کے لئے ایک محکمہ قائم کیا گیا۔ اس کا نام جنرل سروے ڈیپارٹمنٹ رکھا گیا۔

نہریں

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں سات بڑی نہریں کھودی گئیں۔ ان میں سب سے بڑی نہر رنبیر نہر تھی جو کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں بننا شروع ہوئی تھی۔ یہ نہر ۱۹۱۲ء میں مکمل کی گئی۔ ضلع کٹھوعہ میں نہر بسنت پور ۱۹۱۷ء میں مکمل کی گئی۔ نہر اوجھ ۱۹۱۹ء میں تعمیر ہونا شروع ہوئی۔ ۱۹۱۶ء میں اپر جہلم نہر کی چھ ڈسٹری بیوٹریاں تعمیر کی گئیں۔ صوبہ کشمیر میں نہر مار تنڈ۔ نہر لال کوہل درہ۔ نہر زینہ گیر تعمیر کی گئیں۔ اس طرح نہروں کا جال بچھا کر ریاست کا بہت سا رقبہ سیراب کیا گیا جس سے اناج کی پیداوار میں اضافہ ہوا اور لوگوں کی حالت بہتر ہوئی۔ جتنی نہریں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں بنیں، اُن سے پہلے یا بعد میں کسی بھی حکمران کے عہد میں نہیں بنیں۔

ریشم کا کارخانہ

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ریاست میں ریشم سازی کے کارخانے دوبارہ چلانے کے لئے بڑی کوشش کی۔ اِن کے عہدِ حکومت میں وادیٔ کشمیر میں ریشم کے کیڑے پالنے کے لئے ولایت سے مشینری منگوائی گئی۔ مگر ۱۸۷۸ء میں ریشم سازی کی صنعت کو بھاری نقصان پہنچا اور ریشم کے کیڑوں کی ایک وبا پھوٹ پڑی۔ اس کے بعد

کشمیر کے چیف جج بابو نیلامبر مکرجی نے ریشم سازی میں کافی دلچسپی لی لیکن ۱۸۰۹ء تک یہ صنعت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔

۱۸۸۹ء میں ریشم سازی کو دوبارہ اچھے پیمانے پر چلانے کے لئے کوشش شروع کی گئی۔ اس سال سرینگر میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے صدر ایڈورڈ بک تھے۔ کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ کچھ آدمیوں کو ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے برہان پور بھیجا جائے۔ تاکہ وہ اس امر کا جائزہ لیں کہ بنگال میں اس بیماری کو کیسے روکا گیا۔ مسٹر والٹر لارنس جب تک کشمیر میں رہا، اس صنعت میں کافی دلچسپی لیتا رہا۔ اس کے بعد کیپٹن جے۔ ایل کے کشنر بندوبست مقرر ہوا۔ وہ بھی اس صنعت میں کافی دلچسپی لیتا رہا۔ چنانچہ اٹلی سے ریشم کے کیڑے منگوائے گئے۔ ۱۸۹۷ء میں مسٹر سی۔ بی۔ والٹن جو اس وقت بنگال کے محکمہ ابریشم سے ریٹائر ہو چکا تھا، ریاست کے محکمہ ابریشم کا افسر اعلےٰ مقرر ہوا۔ اس کی زیر نگرانی نارکشی کے نئے کارخانے بنانے شروع کئے گئے۔ ۱۹۰۱ء تک چھ کارخانے قائم کئے گئے تھے۔ اور اس سال ۲۲۵۰۰ پونڈ خام ریشم ولایت بھیجا گیا۔ چند برسوں کے اندر ہی ریاست میں تیار کردہ ریشم اٹلی اور فرانس کے تیار کردہ ریشم سے مقابلہ کرنے لگا۔ ۱۸۹۸ء میں ۴۰۳۱ اشخاص ریشم سازی کی صنعت پر گذارہ کرتے تھے۔ ۱۹۰۴ء میں یہ صنعت ۴۴۲۴۵ اشخاص کو روزی دینے لگی۔ جو ریشم ریاست میں تیار ہوتا تھا، اس کی قیمت ۱۹۰۴ء میں ۹۰ ہزار پونڈ تھی۔ ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۳ء تک کے چھ برسوں میں ریشم کے کارخانوں سے ۴۲۰۴۴ پونڈ کا فائدہ ہوا۔ نارکشی کے کام میں عورتیں بھی کام کرنے لگیں۔ ۱۹۰۳ء میں سرینگر کے کارخانوں میں ۱۳۵۰ عورتیں کام کرتی تھیں۔

محکمہ جنگلات

ریاست کے جنگلات کی حفاظت اور ترقی کے لئے محکمہ جنگلات قائم کیا۔ مسٹر جے۔ سی۔ میکڈانالڈ کو جنگلات کا کنسرویٹر مقرر کیا۔ جنگلات سے زمینداروں کو لکڑی وغیرہ دینے کے رولز مرتب کئے گئے۔ اس طرح یہ محکمہ بھی سائنٹیفک ڈھنگ پر چلایا جانے لگا۔

محکمہ کسٹم

۱۸۹۵ء تک ریاست میں کسٹم کی وصولی کا ٹھیکہ دیا جاتا تھا۔ مگر ۱۸۹۶ء میں مہاراجہ نے ٹھیکہ کا طریقہ بند کر دیا اور محکمہ کسٹم کی بنیاد رکھی۔ اس سے ریاست کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔

محکمہ سٹیشنری

ریاست کے مختلف محکمہ جات اپنی ضروریات کے لئے سٹیشنری وغیرہ کی اشیاء خود ہی خریدا کرتے تھے جس سے گورنمنٹ کو بہت مالی نقصان ہوتا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں سٹیشنری کی سپلائی کا محکمہ کھولا گیا۔ یہ محکمہ اکونٹنٹ جنرل کے ماتحت تھا۔

محکمہ عدل و انصاف

جوڈیشل ممبر مقرر کئے جانے کے بعد عدالت عالیہ کے اختیارات بھی جوڈیشل ممبر کے سپرد کئے گئے۔ ۱۸۹۱ء میں رنبیر دنڈ ودھی مرتب کی گئی۔ ۱۸۹۰ء میں ریاست میں مندرجہ ذیل عدالتیں تھیں:-

(۱) عدالت عالیہ = ۱

(۲) چیف جج = ۳ (جموں ۲۔ کشمیر ۱)

(۳) جائنٹ جج = ۲ (جموں ۱۔ کشمیر ۱)

(۴) سٹی جج = ۳ (جموں ۲۔ کشمیر ۱)

(۵) منصفان = ۱۱ (جموں ۵۔ کشمیر ۶)

(۶) تحصیلداران = ۲۵ (جموں ۱۷۔ کشمیر ۸)

بہت سے دقیانوسی رواجوں کا جو کہ قانونی حیثیت اختیار کر چکے تھے، خاتمہ کیا گیا۔ لوگوں کی قرضہ کے عوض گروی رکھنے کی رسم ختم کی گئی۔ ۹۷-۱۸۹۶ء میں سرینگر میں یورپین سیاحوں کے لئے ایک خاص عدالت مقرر کی گئی۔ ۱۹۰۵ء میں ہائی کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تابع اختیارات مہاراجہ صاحب ہائیکورٹ کو تمام عدالتوں کی نگرانی۔ ان کے فیصلہ جات کی اپیلیں سماعت کرنے وغیرہ کا اختیار دیا گیا۔ ہائیکورٹ صرف ایک جج پر مشتمل تھی۔

۱۹۱۳ء میں بہت سے مقامات پر منصف مقرر کئے گئے اور دیوانی مقدمات سننے کے اختیارات وزیران وزارت اور تحصیلداران سے چھین کر منصفان کو دئے گئے۔ ۱۹۱۶ء میں چیف ججوں سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اختیارات واپس لے کر گورنروں کو سونپ دئے گئے۔ ۱۸۸۰ء میں گورنمنٹ گزٹ کا اجراء ہوا۔ یہ گزٹ ہر ہفتے جاری ہونے لگا۔ مہاراجہ صاحب کے عہد میں بہت سے لوگوں کی بہتری کے قوانین مرتب کئے گئے۔

ریاست کا پہلا اخبار

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں ۱۹۲۴ء میں ریاست کا پہلا اخبار "رنبیر" جاری ہوا جس کے ایڈیٹر لالہ ملک راج صراف تھے۔

تعلیم

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے تعلیم کی اشاعت میں بہت دلچسپی لی تھی اور بہت سی پاٹھ شالائیں اور مکتب جاری کیئے تھے۔ اگرچہ انگریزی تعلیم کی ابتدا بھی اُنہی کے عہد میں ہوئی تھی لیکن موجودہ قسم کے سکول جاری نہیں ہوئے تھے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے پنجاب یونیورسٹی کے کورس کے مطابق سکول قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور پہلا ہائی سکول جموں میں رنبیر ہائی سکول کے نام سے جاری کیا گیا۔

۱۸۹۶ء میں پنجاب یونیورسٹی کے کورس کے مطابق کُل دس سکول تھے۔ ایک ہائی۔ ایک مڈل اور ۸ پرائمری۔ ان سکولوں میں کُل ۱۹۰۸ طلباء تھے جن میں ۴۴۶ ہندو تھے۔ تعلیم پر کُل خرچ ۱۵۰۹۳ روپے ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دینی شروع کی گئی۔ اور ۹۳-۱۸۹۲ء میں ہائی سکول میں ایف۔ اے تک تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ اس سال سرینگر میں ہائی سکول کھولا گیا۔

۱۹۰۱ء میں تعلیمی درسگاہوں کی تعداد ۸۷ تھی۔ ۱۹۱۱ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۳۷۹ اور ۱۹۲۱ء میں ۶۷۵ تک جا پہنچی۔ اور ان میں ۳۲۹۷۱ طلباء تعلیم پاتے تھے۔ کشمیر میں مسلمانوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے پر خاص توجہ دی گئی۔ اسلامیہ سکولوں کو مالی امداد دیے جانے کے علاوہ مسلم طلباء کو خاص وظائف دیئے گئے۔ ۱۹۱۷ء میں ان وظائف کی رقم ۳۲۰۰ روپے تھی۔ سرکاری سکولوں میں مسلم طلباء کی خاطر عربی پڑھانے کا انتظام بھی کیا گیا اور ۱۰۷ عربی ٹیچر مقرر کیئے گئے۔ مسلم ٹیچروں کی ٹریننگ کے لئے ۱۹۱۶ء میں سولوریٹی عربی کی ٹریننگ کے لئے سکول کھولا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں اننت ناگ میں بھی مسلم ٹیچروں کی ٹریننگ کے لئے ایک کلاس کھولی گئی۔ ۱۹۱۵ء میں ایک سپیشل مسلم انسپکٹر کی اسامی بنائی گئی۔ اس انسپکٹر کا کام مسلمانوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنا تھا۔ سکولوں کی دیکھ بھال کے لئے انسپکٹروں کا تقرر عمل میں پہلے ہی لایا گیا تھا۔

۱۹۰۵ء میں پرنس آف ویلز کی جموں میں آمد کی خوشی میں مہاراجہ نے اُن کے نام پر ایک کالج کھولنے کا اعلان کیا۔ سرینگر میں بھی سنٹرل ہندو کالج بنارس کی طرف سے ایک کالج کھولا گیا جس کا نام سری پرتاپ ہندو کالج رکھا گیا۔ اس کالج کو ۱۵۰۰ روپیہ ماہوار گرانٹ ان ایڈ ملتی تھی۔ ۱۹۱۱ء میں حکومت نے بیس ہزار روپیہ ٹرسٹ کو بطور قیمت بلڈنگ اور فرنیچر ادا کر کے کالج کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور اس کا نام سری پرتاپ کالج رکھا۔

۱۹۱۲ء میں سرینگر میں امر سنگھ ٹیکنیکل انسٹی چیوٹ کھولا گیا۔ غرضیکہ تعلیمی پھیلاؤ کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔

مشن سوسائٹیوں کا قیام

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں بہت سی مشنری سوسائٹیاں قائم ہوئیں۔ ١٨٨٣ء میں جموں میں چرچ آف سکاٹ لینڈ مشن کی برانچ قائم کی گئی۔ اس مشن نے دو سکول جاری کئے۔ چرچ مشن سوسائٹی نے سرینگر میں ایک بہت بڑا ہسپتال جاری کیا۔ اس سوسائٹی نے سرینگر میں ایک ہائی سکول اور چند پرائمری سکول بھی قائم کئے۔ چرچ مشن سوسائٹی اننت ناگ نے ایک ہسپتال اور دو سکول قائم کئے۔ رومن کیتھولک مشن نے بارہ مولہ میں ایک ہسپتال اور ایک ہائی سکول قائم کیا۔ موریوین مشن کی طرف سے لیہہ میں ایک ہسپتال قائم کیا گیا۔

میڈیکل ڈیپارٹمنٹ

مشنری سوسائٹیوں کی طرف سے جاری کئے گئے ہسپتالوں کے علاوہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں ریاست میں دو بڑے ہسپتال اور کئی ڈسپنسریاں قائم کیں۔ ١٨٩٩ء میں سرینگر میں ڈائمنڈ جوبلی زنانہ ہسپتال کھولا گیا۔ ١٩١٥ء میں لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند نے جموں میں کنگ ایڈورڈ میموریل زنانہ ہسپتال کا سنگِ بنیاد رکھا۔

میوزیم کا قیام

١٨٩٩ء میں سرینگر میں ایک عجائب گھر کھولا گیا۔ اس کا نام سری پرتاپ سنگھ میوزیم رکھا گیا۔ اس عجائب گھر میں ریاست میں پائے جانے والے جانور، صنعتی اشیاء، معدنی پیداوار وغیرہ کے نمونے رکھے گئے۔"

جموں و کشمیر سٹیٹ ریلوے

"مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں ہند سرکار نے کئی مرتبہ سرینگر کو برطانوی ہند سے ریلوے لائن کے ذریعے ملانے کی تجویز رکھی۔ اس غرض کے لئے راولپنڈی سے سرینگر اور ایبٹ آباد سے سرینگر تک ریلوے لائن کا سروے بھی کیا گیا۔ مگر مہاراجہ نے یہ منظور نہیں کیا۔ اُن کی خواہش تھی کہ ریلوے لائن جموں اور سرینگر کے درمیان بنائی جائے تاکہ ریاست کے دونوں صوبوں کو خوشحال بنایا جائے۔ چنانچہ ١٨٩٩ء میں مہاراجہ نے بجلی کی رو سے چلنے والی چھوٹی ریلوے لائن کی تعمیر کی منظوری دے دی جو براستہ بانہال سرینگر کو جموں سے ملاتی۔ اور حکم دیا کہ امر سنگھ اور مسٹر نیدر سول (NETHER SOLE) کلکتہ اور دارجیلنگ جا کر ریلوے لائن سے متعلق اطلاعات فراہم کریں۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس ریلوے لائن کا پورا انتظام ریاست جموں و کشمیر

سے ہاتھ دھونا پڑ گیا۔

محکمہ آثارِ قدیمہ اور ریسرچ سنہ ۱۹۰۴ئہ میں محکمہ آثار قدیمہ اور ریسرچ کی بنیاد رکھی گئی۔ مسٹر جے ۔سی۔ چیٹرجی کو اس محکمہ کا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا۔ اس محکمہ کا نام شری رنبیر انسٹی چیوٹ رکھا گیا۔ کیونکہ اس کام کی بنیاد دراصل مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ہی رکھی تھی۔ اور انہوں نے رگھناتھ مندر جموں میں ایک عالیشان لائبریری بنائی تھی۔ ڈاکٹر ارل سٹائن نے جموں کی کتب کی ایک فہرست تیار کی۔ اور راج ترنگنی کا انگریزی ترجمہ کیا۔

ریاست میں برقی رَو کا اجراء سنہ ۱۹۰۲ئہ میں ریاست میں بجلی کی پاور کا آغاز اس طرح شروع ہوا کہ اس سال دہلی میں بادشاہ کی تاجپوشی کے دربار کے موقعہ پر کشمیر کیمپ میں بجلی کی پاور کے لئے ایک مشین خریدی گئی۔ جو بعد میں سرینگر کے محلات کے لئے بجلی کی پاور مہیا کرنے کے لئے استعمال کی گئی۔

سنہ ۱۹۰۴ئہ میں ریاست میں بجلی کا محکمہ قائم کیا گیا۔ میجر لولی بنیری کو چیف انجینئر مقرر کیا گیا۔ ایک لاکھ ہارس پاور بجلی کی رَو پیدا کرنے کے لئے سکیم تیار کی گئی۔ اور مشینری لانے کی غرض سے چیف انجینئر یورپ اور امریکہ گیا۔

پرنس آف ویلز کی آمد سنہ ۱۹۰۵ئہ میں پرنس آف ویلز جموں تشریف لائے۔ اُن کی آمد پر مہاراجہ صاحب نے شاہانہ خاطر تواضع کی بجا بعد نوش کرنے کی دعوت دیتے ہوئے مہاراجہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ ریاست کی مالیات میں سال بہ سال ترقی ہو رہی ہے۔ جموں تک ریلوے لائن تعمیر ہو چکی ہے اور کشمیر میں بھی ریلوے لائن تعمیر کرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ دریائے جہلم سے بجلی کی رَو پیدا کرنے کی سکیم پر عملدرآمد شروع ہے۔ میں آپ کے نام پر جموں میں ایک کالج کھولنا چاہتا ہوں تاکہ میری رعایا تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو سکے۔ پرنس آف ویلز نے مہاراجہ صاحب کا پُرتپاک استقبال کے لئے شکریہ ادا کیا۔

فوجی انتظام اور سرحدی فتوحات ریاست کے فوجی نظام کو درست کرنے کے لئے مہاراجہ نے کرنل نیول چیمبرلین کو ملٹری سیکرٹری مقرر کیا۔ فوج کو جدید قسم کے اسلحہ جات سے آراستہ کیا گیا۔ افواج کو قواعد پریڈ سکھانے کے لئے کئی برٹش افسر ریاست کی پلٹنوں کے ساتھ تعینات کئے گئے۔

تسخیر ہونزہ و نگر

ملکی ترقیات کے ساتھ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا عہد حکومت بلحاظ فتوحات سرحدی بے حد کامیاب رہا ہے۔ اور سرحدات کے انتظام و استحکام میں کافی ترقی ہوئی۔ گلگت میں برٹش ایجنسی کا دوبارہ قائم کیا جانا بھی اس عہد کا اہم واقعہ ہے۔ ڈوگرہ افواج کے جنگی کارنامے اور واقعات تاریخ کا ایک نمایاں ورق ہیں۔

انگریزوں نے ۱۸۸۹ء میں گلگت برٹش ایجنسی کو دوبارہ قائم کیا تاکہ پامیر کی طرف سے روس کی پیش قدمی کو روکا جا سکے۔ کرنیل الجرنن ڈیورینڈ کو برٹش ایجنٹ اور سرجن میجر جارج رابرٹسن کو ایجنسی سرجن اور دو انگریز افسروں کو بطور اسسٹنٹ برٹش ایجنٹ مقرر کر کے گلگت میں تعینات کر دیا۔ کرنیل ڈیورینڈ نے پہلے راجگان ہونزہ و نگر اور مہتر چترال سے بذریعہ توثیق معاہدات و اقرار امدادی رسوم سالانہ تعلقات دوستانہ قائم کئے اور استحکام سرحدات کا انتظام کیا۔ مگر راجگان ہونزہ و نگر اپنی شرائط پر قائم نہیں رہے اور ریاست کی چھاؤنی واقع چھلت پر حملہ کرنے کی غرض سے آپس میں اتحاد کر کے عذرا خان نے نلت میں اور صفدر علی خان نے مایوں میں لشکر جمع کرنا شروع کر دیا۔ کرنیل ڈیورینڈ نے اس کی مدافعت کی غرض سے اپنے تین سو سپاہیوں اور دو پہاڑی توپوں کے علاوہ ڈوگرہ جرنیل سورم چند کی سرکردگی میں ساڑھے چھ صد جوان کشمیر امپیریل سروس ٹروپس کو چھلت میں جمع کیا۔ اور جب راجگان ہونزہ و نگر نے شرائط قبول نہ کیں اور وہ جنگ کے لئے تیار نظر آنے لگے تو کرنیل ڈیورینڈ نے یکم دسمبر ۱۸۹۱ء کو سرحد عبور کر کے قلعہ نلت پر حملہ کر دیا۔ اہل نگر نے سخت مقابلہ کیا۔ لیکن ڈوگرہ افواج کے سامنے اُن کی کوئی پیش نہ چلی۔ کرنیل ڈیورینڈ زخمی ہو گیا اور کافی مشکل کا سامنا ہوا۔ تاہم ڈوگرہ افواج اور سرکار ہند کی سپاہ نے بڑی مردانگی سے قلعہ نلت کے پھاٹک کو کارتوس لگا کر اُڑا دیا اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن دقت یہ پیدا ہوئی کہ نگر والوں نے قلعہ سے آگے راستہ کو جابجا توڑ کر ناقابل گذر بنا دیا تھا۔ کرنیل ڈیورینڈ کی راہنمائی میں دونوں افواج نے ہر چند کوشش کی کہ راستہ بنا لیا جائے۔ لیکن دشمن کی زبردست مدافعت نے تمام کوشش کو رائیگاں بنا دیا۔ اس کے بعد مایوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن اس میں بھی ناکام ہونا پڑا۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہو گئی تو ریاستی افواج کے ایک ڈوگرہ سپاہی نگدا نے بڑی دلیری سے رات کی تاریکی میں دشمن کی زد کے نیچے سے ڈھونڈ کر راستہ نکالا۔ اور اُس کے مورچہ کے اُوپر تک پہنچ کر واپس آیا۔ اُس کی راہنمائی میں

دوسرے دن اُس راستہ سے حملہ کیا گیا۔ اور یکے بعد دیگرے دشمن کے تمام مورچے توڑ ڈالے۔ دشمن نلت اور مایوں دونوں طرف سے بھاگ گیا۔ راستہ کھل جانے پر پہلے نگر پر بعد میں ہونزہ پر قبضہ کر لیا۔ صفدر علی خان راجہ ہونزہ معہ راجہ نگر اپنا خزانہ اور سامان اسلحہ وغیرہ لے کر چینی ترکستان کی طرف فرار ہو گیا۔ اور کشمیر امپیریل سروس ٹروپس کو ہونزہ و نگر پر قبضہ رکھنے کی ہدایت کی گئی۔ اور باقی فوج واپس گلگت آ گئی۔

ہونزہ میں صفدر علی خان کے بھائی محمد نظیم خان کو راجہ مقرر کیا گیا۔ نگر میں جعفر خان کے دوسرے بیٹے سکندر خان کو ولی عہد مقرر کیا گیا۔ عذرا خان راجہ نگر کو چینی افسران کا مشورہ لے کر گرفتار کر کے گلگت بھیجا۔ جسے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے حکم سے سرینگر میں عمر بھر نظر بند رکھا گیا جو کہ وہاں ہی راہیٔ ملکِ بقا ہوا۔

تسخیر چیلاس

ہونزہ و نگر کے معرکہ کے بعد ڈوگرہ افواج نے وادیٔ سندھ میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔ نومبر ۱۸۹۲ء میں گور کے لوگوں نے کرنیل ڈیورینڈ کے پاس بذریعہ وفد اظہار وفاداری کر کے استدعا کی کہ اُنہیں چیلاس والوں کی دستبرد سے بچایا جائے۔ تو ڈاکٹر رابرٹسن کو ریاستی فوج کے ایک دستہ کے ساتھ گور بھیج دیا۔ ابھی وہ گور کی سرحد پر تھا کہ اُسے خبر ملی کہ اہل چیلاس اُس پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں اور اُنہوں نے رابرٹسن کی واپسی کا راستہ روکنے کی غرض سے فوج بھیج دی ہے۔ لہذا اس پھندے سے بچنے کے خیال سے وہ ایلچی واپس آنے کی بجائے نیچے کی طرف تھالپن میں اُتر گیا اور قلعہ کے اندر مقیم ہو گیا۔ یہاں سے اُس نے اہل چیلاس کے ساتھ بذریعہ سفارت اپنی واپسی کا انتظام کرنا چاہا۔ مگر چیلاس والوں نے اُس کے سفیر اور ہمراہیوں کو قتل کر دیا۔ اس پر ڈاکٹر رابرٹسن نے گلگت سے کمک منگوا کر چیلاس پر زوردار حملہ کر کے چیلاس کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور وہاں چھاؤنی مقرر کر کے واپس گلگت آ گیا۔

تو چیلاس والوں نے فروری ۱۸۹۳ء میں اقوام تانگیر و کوہستان کے ساتھ اتحاد کر کے چھاؤنی چیلاس پر حملہ کر دیا۔ جس میں میجر دانیال کمان افسر اور چند ریاستی افسران اور کچھ فوج ماری گئی۔ مگر آخر میں دشمن کو شکست ہوئی اور اس ہنگامہ میں کوہستانیوں کا لشکر آدھے سے زیادہ ختم ہو گیا۔ باقی بھاگ گیا۔ اس عبرتناک شکست کے بعد چیلاس والوں کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور انہوں نے پھر سر اٹھانے کی جرأت نہ کی۔ چیلاس پر ریاستی

افواج کا پورا قبضہ کر کے ایک زبردست چھاؤنی مقرر کی۔ اور دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر چیلاس اور بونجی کے درمیان راستہ درست کر کے حفاظتی چوکیاں قائم کی گئیں۔ بعد میں چیلاس میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا گیا۔ اور آمد و رفت کے لئے باقاعدہ سڑک تیار کی گئی۔

تسخیر چترال

سنہ ۱۸۸۹ء میں چترال کا مہتر امان الملک تھا۔ کرنیل ڈیورینڈ نے گلگت ایجنسی کے قائم ہونے پر دوستانہ تعلقات پیدا کر کے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ دو سال بعد اس وظیفہ میں اس شرط پر اضافہ کر دیا گیا کہ امان الملک امور خارجہ اور سرحدات کی حفاظت کے متعلق سرکار برطانوی ہند کے مشورہ پر عمل کرے گا۔ مہتر ۱۸۹۲ء میں مرگیا تو اس کے بیٹوں میں جانشینی کے لئے تنازعہ پیدا ہوا۔ پہلے افضل الملک قابض ہوا۔ پھر اس کے چچا شیر افضل نے اسے قتل کر کے چترال پر قبضہ کر لیا۔ لیکن نظام الملک جو سب بھائیوں میں بڑا تھا۔ نے شیر افضل کو بھگا دیا۔ اور وہ سرکاری طور پر مہتر چترال تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن چترال کا دستور "قتل کر دو یا قتل ہو جاؤ" غالب آیا اور نظام الملک کے چھوٹے بھائی امیر الملک نے اسے قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔

ادھر ڈاکٹر جارج رابرٹسن برٹش ایجنٹ گلگت نے ریاست کے جرنیل باج سنگھ اور میجر بھیکم سنگھ کو کشمیر امپیریل سروس کے جوانوں کے ساتھ سکھ فوج سرکار انگلشیہ جو گلگت میں بطور باڈی گارڈ برٹش ایجنٹ کے تعینات تھی، حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے بھیجا۔ اس اثناء میں عمرا خان خان جندول و دیر نے جو امیر الملک کا بہنوئی تھا، بامداد اپنے سالہ کے اس دشمن کے خلاف چترال پر حملہ کر دیا۔ اور شیر افضل بامداد عمرا خان چترال میں پہنچ گیا۔ ڈاکٹر رابرٹسن اس کی فوجی طاقت کا اطمینان کرنے کے بغیر اپنی سپاہ کو ساتھ لے کر مقابلہ کرنے کی خاطر قلعہ سے باہر نکل آیا تو دشمن کی طرف سے گولی برسنے لگی۔ جنرل باج سنگھ اس لڑائی میں مارا گیا۔ کپتان بیرڈ جان نثار ہوا۔ میجر بھیکم سنگھ وہ شدید زخمی ہو گیا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اور کچھ سپاہی بھی مارے گئے۔ جب ڈوگرہ افواج پسپا ہونے لگیں تو دشمن نے آگے بڑھ کر راستہ روک لیا۔ میدان چوگان بازی میں کافی تباہی مچی۔ الغرض بہ ہزار خرابی اندھیرا ہو جانے کے بعد بچی کھچی فوج قلعہ میں واپس آ گئی تو دشمن نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور عرصہ تک جنگ جاری رہی۔

گلگت سے جو کمک آ رہی تھی، وہ بھی راستے میں تباہ کر دی گئی۔ اس طرح کی تباہی شکست اور محصور ہونے کے حالات گلگت پہنچے تو برطانوی ہند کی سرکار نے گلگت اور پشاور دونوں طرف سے چترال کو تازہ دم فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ لیفٹننٹ جنرل سر رابرٹ نو دس ہزار فوج لے کر پشاور سے اور لیفٹننٹ کرنیل کیلی کمان افسر چترال ریلیف فورس اینی پلٹن سفر مینا متعینہ گلگت اور جس قدر کشمیر امپیریل سروس فوج گلگت میں تھی اُس کو لے کر معہ پہاڑی توپ خانہ ریاست کے چترال کو روانہ ہوا۔ عمرا خان اور شیر افضل نے جب دیکھا کہ دونوں طرف سے فوج آ رہی ہے اور اُن کے لئے پھندا تیار ہو رہا ہے تو اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ قلعہ چترال کا محاصرہ چھوڑ کر معہ اپنے ساز و سامان کے افغانستان کی طرف بھاگ گئے۔ اس طرح اہل قلعہ آزاد ہو گئے۔

ڈاکٹر رابرٹسن چترال پہنچ گیا تھا۔ اُس نے امیر الملک کو نظر بند کر لیا اور اُس کے چھوٹے بھائی شجاع الملک، جس نے ابھی عالم شباب میں قدم رکھا تھا، کو تابع منظوری سرکار ہند مہتر کے اختیارات دے دئے۔ بعد میں سرکار کی منظوری آنے پر اُسے تمام ملک کا مہتر تسلیم کر لیا گیا۔ اور چترال سے بیو بنیال کی حد تک علاقہ جات نمذر، یاسین، اشکومن وغیرہ کا الحاق جموں و کشمیر سے کر دیا گیا۔ اس طرح چترال میں ایک پولٹیکل افسر تعینات کیا گیا اور سرکار انگلشیہ کی وہاں چھاؤنی بنا دی گئی۔ چیلاس، ہونزہ و نگر اور چترال کی ہر سہ فتوحات مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد کی بڑی نمایاں یادگاریں ہیں جن میں افواج ڈوگرہ نے بہ رہنمائی افسران انگریزی بہت بڑی جوانمردی دکھلائی ہے۔ اس معرکہ کے بعد پھر مدت تک اس سرحد پر کبھی کوئی فساد نہیں ہوا۔

تیراہ کا محاصرہ

۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے جب تیراہ (صوبہ سرحد) کی طرف کمک بھیجی تو ریاست کی فرسٹ ماؤنٹین بیٹری زیر کمان کیپٹن جگندر سنگھ امداد کے لئے بھیجی گئی۔ سر ولیم لوکارٹ کمانڈنگ افسر تیراہ افواج نے بیٹری کے کارہائے نمایاں کی بہت تعریف کی اور کمانڈنٹ کیپٹن سنگھ کو "آرڈر آف برٹش انڈیا" اور "بہادر" کا خطاب ملا۔

جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء

جنگ عظیم میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اپنی تمام افواج گورنمنٹ آف انڈیا کے حوالے کر دیں۔ اور ان افواج نے مختلف محاذوں پر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ریاست کا

نام روشن کیا۔

ریاست کی آمدنی اور اخراجات

جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ گدی نشین ہوئے تو ریاست کا خزانہ خالی تھا۔ اس کمی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہدِ حکومت کے آخری حصہ میں کشمیر میں سخت قحط پڑا۔ مہاراجہ نے اپنی رعایا کو بچانے کے لیے خزانوں کے مُنہ کھول دیئے۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ریاست کی آمدنی اور اخراجات کا حساب رکھنے اور اس کی پڑتال کے لئے محکمہ اکونٹس قائم کیا۔ یہ محکمہ ایک انگریز افسر مسٹر کیری اینڈرسن کے سپرد کیا گیا۔ ریاست کی آمدنی دو کروڑ ۳۲ لاکھ روپے کے لگ بھگ تھی اور خرچ بھی لگ بھگ اتنا ہی تھا۔ اس چھوٹی سی آمدنی سے مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے رفاہِ عامہ کے اس قدر کام کیے کہ اُن کا نام کشمیر کے معماروں میں جلی حروف سے لکھا جائے گا۔

ہائی سکول اور کالج ایجوکیشن کی ابتداء انہی کے عہد میں ہوئی۔ ریلوے انہوں نے ریاست میں لائی۔ دو بڑی سڑکیں جو جنوب اور مغرب سے ہندوستان کے ساتھ کشمیر کو ملاتی تھیں، انہوں نے بنائیں۔ تمام بڑی بڑی نہریں انہی کے عہد میں بنیں۔ بجلی گھروں کی ابتداء انہی کے عہد میں ہوئی۔ انتظامیہ کو ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنے کی ابتداء انہی سے ہوئی۔ غرضیکہ کوئی ایسا رفاہِ عامہ کا کام نہیں تھا جس کی طرف انہوں نے اپنے حقیر ذرائع کے باوجود دھیان نہ دیا ہو۔

رعایا میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ اس قدر ہر دلعزیز تھے کہ اُن کی وفات نے ہر فرد و بشر کو گہرے رنج و غم کے عالم میں ڈبو دیا۔ ہر ایک نے محسوس کیا کہ اُس کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا ہے۔ لوگ آج بھی اُن کا نام بڑے احترام سے لیتے ہیں۔

مہاراجہ کا دربار

مولوی حشمت اللہ لکھنوی تاریخ جموں میں رقمطراز ہے کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دربار میں اُن کے والد مہاراجہ رنبیر سنگھ کی طرح کسی کے لئے روکاوٹ نہ تھی۔ صبح کے وقت جب وہ محلات کے مندر میں پوجا کے لئے آتے تو ایک دربار سا لگ جاتا۔ جہاں خاص خاص آدمی آکر مہاراجہ کو جے دیوا ملاتے اور اُن کے معاملات طے پاتے۔ پھر دوپہر کو وہ عام دربار میں لوگوں کی درخواستیں سُنتے۔ اس دربار میں تمام اہلکار اور درباری اور غرضمند لوگ حاضر آتے۔ مہاراجہ ہاں بیکاری سائلوں کی عرضیاں لیکر ترتیب وار

دیکھ لیتا اور سائلوں کے معاملات کی سماعت ہوتی اور احکام صادر کئے جاتے۔ لوگوں سے بات چیت ہو رہی ہے اور پیشی کا معمولی کام بھی جاری ہے۔ دو بجے کے قریب یہ عام دربار ختم ہو جاتا تھا اور مہاراجہ نیم پہر مختصر کھانے کے ساتھ آرام کرتے تھے۔ پھر دربار خاص شروع ہوتا جس میں وزراء اور خاص درجہ کے افسران حاضر ہوتے تھے۔ اُن سے کاروبار ریاست کے متعلق بات چیت ہوتی اور کئی معاملات زیر بحث آتے۔ ساتھ ہی عام قسم کی باتیں بھی ہوتیں۔

"پرائیویٹ قسم کا ایک دربار رات کے وقت مہاراجہ کے خاص کمرے میں لگ جاتا جہاں کہ خاص قسم کے اعلیٰ طبقہ کے اہلکار اور معزز شہری مہاراجہ کے سامنے دو زانو بیٹھ جاتے۔ اور پرائیویٹ قسم کی باتیں بے تکلفانہ اور نہایت آزادی سے ہوتی تھیں۔ لوگوں کے گھر بار اور بچوں کے حالات خیر خیریت دریافت کئے جاتے۔ ان کے آرام و آسائش کے متعلق ذکر اذکار ہوتا اور بچوں کی تعلیم و تربیت اور ملازمت کے متعلق تجاویز پیش ہو کر طے ہوتی تھیں۔ یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہتا تھا۔ اس سلوک نے اہل دربار کو مہاراجہ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔"

مہاراجہ پرتاپ سنگھ بلا کے ذہین بالخصوص حافظہ بہت تیز تھا۔ کسی کو ایک دفعہ دیکھ لیا۔ اُسے نہ بھولتے خواہ وہ سالوں کے بعد مہاراجہ کے سامنے پیش ہو۔ تو اُسے فوراً پہچان لیتے۔ اور اُس سے برسوں پہلے ہوئی باتوں کا تذکرہ کر کے سلسلہ گفت و شنید شروع ہو جاتا۔ مہاراجہ رعایا سے بلا تمیز ذات پات اور اونچ نیچ بے حد شفقت اور محبت سے پیش آتے اور اُن کے اس حسنِ اخلاق اور اخلاص نے لوگوں کو ممنون و احسان مند کر رکھا تھا۔

"ویر کھری ایمپائرس میٹ"

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا عہدِ حکومت ایک سنہری دور کی یاد دلاتا تھا اور یہ زمانہ انتظامیہ ترقی اور سلطنت کی وسعت کے لحاظ سے بے حد ممتاز رہا ہے کہ ہندوستان کی دوسری کوئی ریاست اُس کی ہمسری کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ریاست جموں و کشمیر کی سرحد مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں سلطنت چین کے صوبہ کاشغر سے سینکڑوں میل آگے تک افغانستان کے ساتھ ملتی تھی۔ اور اسی مناسبت سے ایک یورپین سیاح نائٹ نے تسخیر ہنزہ کا بیان لکھنے کے بعد اپنے سفرنامہ کو "ویر کھری ایمپائرس میٹ" یعنی "جہاں تین سلطنتیں ملتی ہیں" کا نام دیا ہے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ اپنی پرجا میں راج رشی کے طور مشہور تھے اور انہیں مہاراجہ نہیں کہا جاتا تھا۔ جب اس لوک سے پرلوک کو سدھارے تو ایک انگریزی اخبار نے لکھا کہ "مہاراجہ پرتاپ سنگھ دنیا سے کیا اٹھے کہ انصاف اور رحم کا آفتاب غروب ہو گیا ہے!"

جرنیل باج سنگھ

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں گلگت - چترال - چلاس وغیرہ کی فتوحات کا ذکر آچکا ہے - اور چترال میں جرنیل باج سنگھ کے شہید ہونے کا مختصر حال لکھا گیا ہے - اس جرنیل کی بہادری اور جانبازی کی تعریف میں ڈھاڈی درویش اور گارڑی لوک گیت باریں گاتے ہیں - ڈوگرہ دیس میں جرنیل باج سنگھ کا نام نہایت فخر سے لیا جاتا ہے - باج سنگھ اُس خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس خاندان کے بیشتر افراد فوج میں سپاہی سے لے کر جرنیل کے عہدہ تک سرفراز رہے ہیں -

تو جرنیل باج سنگھ جموال راجپوت کی دلپتیہ شاخ سے وابستہ ہے - جموں کے راجہ سنگرام دیو جس نے سنہ ۱۶۰۲ء سے ۱۶۳۴ء تک حکومت کی، کے دو بیٹے راجہ بھوپت دیو اور دلیپت تھے - بھوپت دیو بادشاہ دہلی کی طرف سے کسی معرکہ کارزار میں شجاعت کے جوہر دکھاتا ہوا مارا گیا - تو اُس کا بیٹا ہری دیو نوعمر تھا - چنانچہ ہری دیو راجہ اور اُس کا چچا دلیپت ریاست جموں کا مدار المہام ہو کر راج کرنے لگے - زمانہ ہری دیو سے لے کر راجہ دھرب دیو کے عہد تک دلیپت کی اولاد یا خاندان کے افراد جموں اور باہو ہر دو الگ الگ ریاستوں کے وزیر اور جرنیل ہوتے رہے - راجہ ہری دیو نے دلیپت کو جموں شہر کا نچلا حصہ اپنے محلات وغیرہ کے لئے دیا تھا - اُن دنوں یہاں دلیپت کے محلات اور بیشتر مکانات تھے - دلیپت نے ایک مندر بھی یہاں تعمیر کرایا تھا - لیکن گردش زمانہ سے آج مندر اور محلات کا کوئی نشان تک بھی موجود نہیں - لیکن دلیپت کے نام پر آج بھی محلہ دلپتیاں جموں شہر کا ایک وسیع اور گنجان محلہ مشہور ہے جس کی رونق اور گہما گہمی لائق دید ہے - دلیپت کا خاندان مواضعات باڑی بڈھوڑی - سوچیانی - رہا ہیہ - باڑہ اور بگونہ تحصیل سانبہ میں پھیلا ہوا ہے - اور ضلع کانگڑہ میں بھی رہائش پذیر ہے - جموں کے اس محلہ دلپتیاں میں دلیپت کے خاندان کے افراد سے تمام رقبہ نکل چکا ہے - آج کل ریذیڈنسی روڈ اور دفاتر تحصیل و ضلع جموں کے اس رقبہ میں ہیں - ایک ڈھکی جو کہ دریائے توی تک جاتی ہے، ڈھکی دلپتیاں کہلاتی ہے - وزیر دلیپت کا ذکر راجہ ہری دیو والئ جموں کے باب میں اس سے پہلے آچکا ہے - اسی دلیپت کی تیسری پُشت میں مشہور زمانہ جرنیل میاں ناتھا ہو گزرا ہے جس کی بہادری اور غیرت مندی کا ذکر ریاست باہو کے راجہ کرپال دیو کی سرگذشت میں درج ہے - دلیپت کی چوتھی پُشت میں میاں پشناں ہوا ہے جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ

Scanned with CamScanner

اور گلاب سنگھ کے زمانہ میں ایک قابل سپہ سالار شمار ہوتا تھا۔ جس کی سرکردگی میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوجوں نے جموں کی مشرقی ریاستیں ممبر نتہ، بھدرو، بسوہلی وغیرہ سر کیں اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے راجہ بسوہلی کے ساتھ عہدنامہ کیا۔[1]

وزیر دلیپ کے دوسرے بیٹے بیج ناتھ کی پانچویں پشت میں جرنیل باج سنگھ ہوئے جن کا جنم موضع بڈھوڑی میں ۱۸۲۷ء میں ہوا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں افسر مالیات اور افسر عمارات کے عہدوں پہ مامور رہ کر حکمران ریاست کی خوشنودی حاصل کی۔ باج سنگھ صرف ڈوگری حروف میں لکھنا پڑھنا جانتا تھا۔ بلا کا ذہین اور دل گردے کا مالک تھا۔ جموں میں عجائب گھر (موجودہ اسمبلی ہال)، ریذیڈنسی کی عمارات اور سڑک ریذیڈنسی (ویر مارگ) باج سنگھ کی ہی نگرانی میں تعمیر ہوئیں۔

کہا جاتا ہے کہ باج سنگھ بالا مصنف تاریخ راجگان جموں رقمطراز ہے کہ بتقریب آمد شاہزادہ ایڈورڈ پرنس آف ویلز صرف چند روز کے اندر عجائب گھر کی عالیشان عمارت اس کے قیام کے لئے تعمیر ہوئی تھی جس کا بے شمار ملبہ ڈھیروں کی شکل میں جابجا جمع ہو گیا تھا جسے اٹھانے کے لئے جینے درکار تھے اور لاکھوں کا خرچ اٹھتا تھا۔ اور شاہزادہ کی آمد کا وقت بھی قریب تھا۔ تو اس کے لئے جرنیل باج سنگھ نے ایسی تجویز کی کہ اس ملبہ کو ایک ٹیلہ کی شکل میں خوبصورتی سے کر چاروں طرف سیڑھیاں بنا دیں اور اوپر ایک خیمہ لگا دیا جو کہ ایک نظارہ بن گیا۔ جس سے معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ یہ ملبہ کا ڈھیر ہے یا قدرتی نظارہ۔ جموں کشمیر اور گلگت وغیرہ مقامات میں جس قدر جنگی حدود قائم ہوئیں اور عمارات تعمیر ہوئیں سب میں جرنیل موصوف کا مشورہ لازمی سمجھا جاتا تھا۔ ۱۸۷۷ء میں جب کشمیر میں خوفناک قحط پڑا تو جرنیل باج سنگھ نے پنجاب سے گندم پہنچا کر خلقت کو بچایا۔ حالانکہ اس زمانہ میں کشمیر کا راستہ سخت خطرناک تھا۔ جنرل باج سنگھ نے پادر میں پہنچ کر بے شمار غلہ بحفاظت تمام جموں پہنچایا۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں کافی دلچسپی تھی۔ باج سنگھ نے اپنا گاؤں جو کہ ایک خشک کنڈی ہے اور جہاں پانی کی قلت تھی وہاں باج سنگھ کا بنایا ہوا تالاب قابل یادگار ہے جس کا پانی کبھی خشک نہیں ہوتا۔ مہاراجگان رنبیر سنگھ اور پرتاپ سنگھ کی باج سنگھ پر بے حد مہربانی تھی۔ آخر ۱۸۹۵ء کی جنگ چترال میں بہادری سے لڑتے ہوئے بہار رتن کی وسعت پر نثار ہو کر داعی اجل کو لبیک کہا۔

[1] عمدۃ التواریخ دفتر سوم

جرنیل باج سنگھ کے متعلق جو ڈوگری گیت زبان زد عام ہے، اس میں کہا جاتا ہے کہ جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے حکم سے گلگت کے راستہ چترال کی مہم پر جانے کے لئے اُسے جرنیل کے عہدہ پر ممتاز کیا گیا تو باج سنگھ کو الوداع کہنے کے لئے حضوری باغ سرینگر کی پریڈ میں فوجی اور دیگر معززین کا اکٹھ ہوا۔ جونہی جرنیل باج سنگھ نے پاؤں رکاب میں رکھا، جے دیوی ما کا نعرہ گونج اُٹھا۔ ڈوگرہ کے مایہ ناز سپوت نے گھوڑے کی پشت پر پہنچ کر بخندہ پیشانی اس نعرہ کے جواب میں مختصر سی تقریر کی کہ "الوداع الوداع! میری طرف سے آخری الوداع۔ گلگت میں متعدد جنرل گئے اور زندہ واپس آ گئے۔ چترال میں شورش ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ڈوگرہ جرنیل ہوشیار سنگھ بہادر کے کارناموں کو سرحد پر پھر تازہ کر کے ڈوگرہ تلوار کی عزت کو چار چاند لگاؤں۔ اس کے لئے جس قدر قربانی کرنے کا میں نے تہیہ کیا ہوا ہے، اس کے مطابق میرا زندہ واپس آنا ناممکن ہے۔ اپنے آقاء نامدار مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے حکم کی تعمیل میں بھارت کی توسیع کی خاطر یہ جسم کام آ گیا تو سمجھ لو میرا جنم سپھل ہو گیا۔"

گلگت سے چترال ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ کی دشواریوں اور مشکلات کا اندازہ وہی آدمی لگا سکتا ہے جسے دنیا کے ایسے سخت دشوار گزار حصہ میں سفر کا اتفاق ہوا ہو۔ خصوصاً اُس وقت جب کہ موجودہ صورت کی سڑکیں نہ تھیں۔ ڈوگرہ فوج ان کٹھن منزلوں کو استقلال کے ساتھ طے کرتی ہوئی قلعہ چترال پر قابض ہو گئی لیکن راستہ کی مشکلات کی وجہ سے سامان خوراک کافی ساتھ نہ جا سکا۔ دشمن کی بھاری جمعیت نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور تیرہ یوم تک محصورین کو خوراک ختم ہوئے گزر گئے۔ انگریز ملٹری ایڈوائزر کپتان بلیئرڈ نے جرنیل کو مشورہ دیا کہ قلعہ سے باہر نکل کر دشمن سے دو ہاتھ کر لینے چاہئیں۔ باج سنگھ نے اس مصلحت کے پیش نظر کہ فوج تیرہ دن کی بھوکی ہے۔ امداد صبح یا شام پہنچنے کی توقع ہے۔ قلعہ سے باہر نکل کر لڑنے کی تجویز کو پسند نہ کیا گیا۔ اس پر ملٹری ایڈوائزر کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ "جنرل صاحب معلوم ہوتا ہے آپ ڈرتے ہیں اور بزدل ہیں۔" باج سنگھ ایسا غیور ڈوگرہ یہ طعنہ کیسے سہار سکتا تھا۔ جسم میں بجلی کی لہر سرایت کر گئی اور تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر للکارا "دروازہ کھول دو!" بھوکے شیر جس طرح بھیڑوں کی تباہی کر دیتا ہے، ڈوگرہ فدائیوں کی تلواریں دشمن کا سینہ چیرنے لگیں۔

اُن کی غیرت مند جرنیل سب سے آگے اپنی پرتگیا کا عملی ثبوت دے رہا ہے۔ بھگوان مرتی
ذاتوں کی ماری ڈوگرہ فوج دشمن کی بہت بڑی تعداد سے لوہا لے رہی ہے۔ جرنیل باج سنگھ
کی ران پر گولی لگنے کے باوجود مخالفوں کے حوصلے وُہ اپنی تلوار سے پست کر رہا تھا کہ دشمن
کی دُوسری گولی جرنیل کے سینہ کو چیرتی نکل گئی۔ غیور راجپوت پرتگیا کا دھنی ڈوگرہ باج سنگھ
دادِ شجاعت پا کر اپنا جنم سپھل کر گیا۔ ابھی معرکہ کارزار گرم تھا کہ گلگت سے کمک زیرِ کمان
کرنیل ہزارہ سنگھ اکھنوریہ پہنچ گئی۔ دشمن نے راہِ فرار اختیار کی اور بھارتیہ پرچم چترال پر
لہرانے لگا۔ جرنیل باج سنگھ بہادر کے کارنامے بھاٹ۔ درویش اور جوگی گیتوں اور باروں
کے رُوپ میں آج بھی گا کر مُردہ رگوں میں زندگی پیدا کرنے کا کام دیتے ہیں۔

زرائے پور کا جموال خاندان

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں ڈوگرہ دیس کے جس خاندان کو فوجی خدمات اور مُلکی ڈیفنس کے لئے قربانیاں دینے۔ تمغے حاصل کرنے اور اعلیٰ خطابات پانے اور جاگیریں حاصل کرنے کا فخر ہے، وُہ خاندان ہے زرائے پوریہ جموال۔ اِس خاندان نے بڑے بڑے جرنیل، کرنیل اور سپہ سالار پیدا کئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی پنجاب کے زمانہ میں جب ڈوگرہ کے مشہور گوریلے جرنیل میاں ڈیڈو نے جموں پر لاہور دربار کے قبضہ کے خلاف علمِ آزادی بلند کر رکھا تھا۔ تو اس خاندان کے تین افراد میاں دھرم سنگھ۔ میاں جھفو اور میاں دیوالوں میاں ڈیڈو کے دستِ راست مشہور تھے۔

زرائے پوریہ جموالوں کا براہِ راست تعلق جموں کے شاہی خاندان جموال سے ہے۔ جموں کے راجہ دھرب دیو کے چھوٹے بھائی راجہ ابھرائے سنگھ کو کافی دیہات جاگیر میں دیئے گئے۔ اور اُس نے زرائے پور گاؤں میں جموں شہر سے ۶ میل مغرب رہائش اختیار کر لی۔ ابھرائے سنگھ کی اولاد بہت پھیلی پھُولی۔ اِس خاندان کی علاقہ کشمیر میں بھی جاگیرات تھیں۔

راجہ ابھرائے سنگھ کے تین بیٹے تھے۔ ان میں سے صرف ایک میاں شب دیو کی اولاد چلی جس کے چھ بیٹے گمن سنگھ۔ بہادر سنگھ۔ پارس۔ شیراں۔ کشور سنگھ اور ساون سنگھ تھے۔ میاں جھفو گمن سنگھ کے۔ میاں دھرم سنگھ میاں کشور سنگھ کے اور میاں دیوالوں میاں شیراں کے بیٹے تھے۔ یہ تینوں چچازاد برادران اپنے وقت میں میاں ڈیڈو کے ہمراز تھے۔ اور جن کی بہادری اور ڈوگرہ پرستی کے جذبہ نے میاں ڈیڈو کی شہرت کو چار چاند

لگاؤ بڑ ... جنگ اسکے ایک وقت لاہور دربار کو جموں سے ہٹ کر سیالکوٹ میں اپنے ڈیرے ڈالنے کا منصوبہ بنانا پڑا۔ کیونکہ میاں ڈیڈو اور اس کے اکثر جانباز بالخصوص میاں جھفو۔ میاں دھرم سنگھ اور میاں دیوانوں نے جموں پر مسلّط سکھ حکومت اور اُس کے اہلکاروں کا قافیہ تنگ کر دیا تھا۔ اور جموں کے اردگرد دیہات اور علاقہ میں حکومت کے خلاف شورش عظیم برپا کر دی تھی۔ اسی شورش میں میاں دیوانوں اور میاں جھفو کو گرفتار کر لیا گیا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان دونوں شورہ پشت اور ان کے ساتھیوں کو قلعہ شیخوپورہ میں قید کر دیا جنہیں مہاراجہ گلاب سنگھ نے قید سے اُس وقت چھڑایا جبکہ لاہور دربار کی طرف سے میاں ڈیڈو کی سرکوبی کے لئے اُسے مامور کیا گیا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کا میاں دیوانوں پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔ میاں دیوانوں نہایت مشہور، دلیر، بھگت اور جموال شاہی خاندان کا پکا وفادار تھا۔ اسی بہادر کے تین بیٹے اونکار دیو۔ سوہن سنگھ اور نولکھ سنگھ راجہ ہیرا سنگھ وزیر اعظم لاہور کے ہمرکاب تھے۔ جبکہ ۱۸۴۴ء دسمبر میں راجہ ہیرا سنگھ۔ پنڈت جلہا اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے دوسرے بیٹے میاں سوہن سنگھ لاہور سے جموں آ رہے تھے کہ راستے میں رانی جنداں کے ہزاروں فوجیوں نے انہیں آن دبوچا۔ اس معرکہ میں میاں دیوانوں کے ہر سہ فرزندان نے راجہ ہیرا سنگھ کے ساتھ ساتھ دادِ شجاعت پاکر جان دی تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ آڑے وقت میں میاں دیوانوں سے صلاح و مشورہ لیتا اور اُس کی عزت کرتا تھا۔

میاں دیوانوں رائے پوریہ کے خاندان سے تعلق رکھتا کر اندر سنگھ ایک مشہور جرنیل ہو گزرا ہے جس نے جمعداری کے عہدہ سے ترقی کر کے جرنیلی کے عہدہ سے پنشن حاصل کی۔ اپنی چالیس سالہ سروس میں اکثر لڑائیوں میں جوہر مردانگی دکھلائے۔ جنگ اگرور اور چترال میں جرنیل اندر سنگھ کے کارہائے نمایاں کی یاد رہتی دُنیا تک تاریخ کی زینت رہے گی۔

جرنیل اندر سنگھ کے فرزند کرنیل کمانڈنٹ گندیپ سنگھ نے جنگ چترال میں جو معرکہ عظیم سر کیا، اُن اعلٰے خدمات کے صلہ میں آرڈر آف میرٹ اُس نے حاصل کیا۔ سن ۱۹۰۱ء میں شاہ برطانیہ ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی پر ریاست کشمیر کی طرف سے

کاروینیشن دربار میں شمولیت کے لئے انگلستان بھیجا گیا - اور آخرالامر جنرل کمانڈنگ... افسر کے عہدہ سے ریٹائر ہوکر بقیہ زندگی الیشور بھجن میں گزاری - گندیب سنگھ کا سپتر میجر گیلشن سنگھ ہے جو انڈین آرمی میں ملکی ڈیفنس پر جنگی خدمات ادا کر رہا ہے -

صوبیدار ترکٹا سنگھ رائے پوریہ جموال پلٹن سورج گورکھا میں ۳۰ سال کی فوجی خدمات کے بعد ریٹائر ہوا -

میجر نرسنگھ دیو ڈوگرہ پلٹن رگھوناتھ سے ۳۰ سال سروس کر کے پنشن یاب ہوا - دوران سروس جنگ عظیم ۱۹-۱۹۱۴ء ایسٹ افریقہ فلسطین میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا کر میڈل حاصل کئے -

کرنیل بدھی سنگھ - مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں پلٹن بجراج میں بعہدہ جمعداری بھرتی ہوا - جنگ چترال میں اپنی اعلےٰ خدمات کی بدولت مشہور ہوا اور ۱۸۹۰ء میں اجیٹن کا عہدہ پایا - پھر ترقی کر کے میجر اور ۱۹۰۴ء میں لفٹنٹ کرنل کا عہدہ حاصل کیا - ۱۹۰۷ء میں سپرنٹنڈنٹ قلعہ جات ریاست جموں و کشمیر مقرر ہوا -

کیپٹن ساگرا سنگھ - کرنیل بدھی سنگھ کا برادر زادہ تھا - فورتھ کشمیر انفنٹری میں اعلےٰ خدمات بجا لا کر مہاراجہ ہری سنگھ بہادر کی خوشنودی حاصل کی اور کنٹرولر محلات کے عہدہ پر ممتاز رہا -

کرنیل کمانڈنٹ پورکھ سنگھ - ۲۷ سال فوجی خدمات سرانجام دیں - دوران جنگ عظیم ۱۹-۱۹۱۴ء تمغہ جنگ افغانستان حاصل کیا - اور بعد میں ترقی کر کے کرنل کمانڈنٹ کے عہدہ سے ریٹائر ہوا -

صوبیدار مان سنگھ - کرنل کمانڈنٹ ریٹائرڈ پورکھ سنگھ کے بھائی صوبیدار مان سنگھ نے جنگ عظیم ۱۹-۱۹۱۴ء میں مشرقی افریقہ فلسطین کے محاذوں پر ڈوگرہ پلٹن رگھوناتھ کے ساتھ خدمات انجام دیں اور ان لڑائیوں میں تمام تمغہ جات حاصل کئے اور پنشن پائی - ان کے فرزند کرنیل چھیلی سنگھ نے رسالہ باڈی گارڈ جموں کشمیر میں سروس کی - بعد میں مہاراجہ ہری سنگھ کے اے - ڈی - سی اور آج کل انڈین آرمی میں رکمینٹ آفیسر کے طور سہارن پور میں تعینات ہے -

صوبیدار دھیا سنگھ رائے پوریہ جموال رگھو پرتاپ پلٹن ریاست

جموں و کشمیر سے ۲۷ سال کی سروس کے بعد ریٹائر ہوا۔ اُس کا بیٹا میجر مہاتم سنگھ اب انڈین آرمی میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

کیپٹن کشمیر سنگھ کرنیل پورکھ سنگھ کا بھتیجا تھا جو ۱۹۴۷ء میں اسکردو کے محاذ پر کام آیا۔

کپتان ساگر سنگھ کا فرزند کیپٹن ہوشناک سنگھ انڈین آرمی میں ایس۔ ایس۔ او ہے۔ اور ساگر سنگھ کا بھائی صوبیدار سوبھا سنگھ پلٹن رگھو پرتاپ میں ملازم رہا۔

صوبیدار مہندلیو سنگھ نے ۲۷ سال SAPPERS AND MINERS میں سروس کی۔ اور گلگت میں کئی بار مشکل سے مشکل ڈیوٹی ادا کر کے نام پایا۔

میاں دیوانوں رائے پوریہ جموال کے چوتھے بیٹے میاں نہال سنگھ کے دو بیٹے خوشحال سنگھ اور سودم سنگھ تھے۔ ٹھاکر سودم سنگھ کے آٹھ بیٹے ٹھاکر آتما سنگھ۔ ٹھاکر پرسدھ سنگھ ٹھاکر ملکھا سنگھ۔ ٹھاکر حقیقت سنگھ جموال۔ ٹھاکر گنگا سنگھ۔ بریگیڈیر گفتار سنگھ۔ ٹھاکر موہن سنگھ اور ٹھاکر کرتار سنگھ ہوئے۔

ٹھاکر آتما سنگھ۔ آتما سنگھ نے ۳۶ سال پولیس میں سروس کی۔ ۱۸۹۳ء میں پروبیشنر پولیس اور پھر ترقی کر کے سارجنٹ پولیس ہوا اور ترقی کرتے کرتے سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدہ سے ریٹائر ہوا۔ ریاست جموں و کشمیر میں یہ پہلا پولیس افسر ہے جسے اعلیٰ کارکردگی کے صلہ میں وائسرائے ہند کی طرف سے پولیس میڈل ملا۔ اس کا فرزند کنور رنجیت سنگھ ہے جس نے امریکہ میں ٹریننگ حاصل کر کے ریاست جموں و کشمیر میں بعہدہ چیف الیکٹریکل انجنیئر اپنے فرائض نہایت دیانتداری اور ذمہ داری سے انجام دئے۔ آج کل مہاراجہ کرن سنگھ سول ٹرسٹی کی طرف سے بورڈ آف ٹرسٹیز کے چیئرمین کا کام آنریری طور پر کر رہا ہے۔

ٹھاکر پرسدھ سنگھ۔ ریاستی فوج میں ایک معمولی سپاہی کے طور بھرتی ہوا رفتہ رفتہ ترقی کرتا کرنل کمانڈنٹ کے عہدہ پر ممتاز ہوا۔ اور پھر ڈائرکٹر آف ریکروٹمنٹ مقرر ہوا۔ ۴۰ سال ایمانداری اور ذمہ داری سے سروس کرنے کے بعد ریٹائر ہوا۔ دوران سروس ۱۹۱۴-۱۹ء کی جنگ عظیم ایسٹ افریقہ اور فلسطین کے محاذ پر معرکے سر کئے۔ اپنی جنگی خدمات کے صلہ میں مندرجہ ذیل تمغہ جات حاصل کئے۔ (۱) جنگ عظیم ۱۹۱۴-۱۹ء

(۲) ایسٹ افریقہ فلسطین ۱۷-۱۹۱۴ء سٹار برٹش وار میڈل اور وکٹری میڈل۔ ریاست جموں و کشمیر کی پلٹن رگھوناتھ میں شامل رہ کر مشکل سے مشکل مہم کو سر کیا اور ہمیشہ قدم آگے بڑھاتا تھا۔ آخر کرنل کمانڈنٹ پرسدھ سنگھ کے نام سے مشہور ہو کر بقیہ زندگی اپنے آبائی گاؤں میں گزار کر پران تیاگ دیئے۔ کرنل پرسدھ سنگھ کا بیٹا میجر شاکر دیو سنگھ آج کل نمبرے کیولری میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ زوزلا اور گوا کے معرکوں میں اپنی اعلیٰ کارکردگی کی بدولت نام حاصل کیا۔ راجہ امر سنگھ والد مہاراجہ ہری سنگھ کو آپ نے ہی فوجی ٹریننگ دی۔

کرنیل ملکھا سنگھ۔ ٹھاکر ملکھا سنگھ نے رگھوناتھ پلٹن میں ۲۸ سال سروس کی۔ اور معمولی سپاہی سے ترقی کر کے لیفٹننٹ کرنل کا عہدہ پایا۔ دوران جنگ عظیم ۱۹-۱۹۱۴ء ایسٹ افریقہ اور فلسطین کی لڑائیوں میں ہر لحاظ پر کامیابی حاصل کی اور ۱۹-۱۹۱۴ء میڈل۔ وکٹری میڈل۔ فلسطین میڈل۔ برٹش وار میڈل ۱۸-۱۹۱۴ء سٹار حاصل کر کے ریٹائر ہوا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کو آپ نے ہی فوجی پریڈ سکھلائی۔

ٹھاکر حقیقت سنگھ جموال۔ ٹھاکر حقیقت سنگھ نے ایف۔ اے تک تعلیم پائی تھی۔ ملازمت کی ابتدا نائب تحصیلداری بندوبست سے کی۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ کی جاگیر مجد رواہ میں نائب تحصیلداری حد بندی جنگلات کے طور کام شروع کیا۔ لیکن جلد ہی بعد جنگلات کی اعلیٰ ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے سرکاری وظیفہ پر مہاراجہ کی طرف سے امریکہ بھیجا گیا۔ اور وہاں سے تعلیم پا کر ریاست کے محکمہ جنگلات میں اچھا عہدہ پایا۔ آدمی صاف گو۔ بے باک۔ دیانتدار اور قابل و ذہین تھا۔ ریاست جموں و کشمیر کے تاجدار یعنی مہاراجہ ہری سنگھ کی خوشنودی حاصل تھی اور جموال برادری میں بھی کافی عزت تھی۔ اپنی لیاقت اور تجربہ کی بدولت ترقی کرتا کنزرویٹر جنگلات کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہو کر ریٹائر ہوا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سوشل و سیاسی حلقوں میں بے حد مقبول ہوا۔ اور راجپوت امر سبھا۔ دھرم ارتھ ٹرسٹ۔ بورڈ آف ٹرسٹیز کے چیئرمین کے طور مختلف اوقات میں کام کیا۔

ٹھاکر گنگا سنگھ۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے پرائیویٹ سٹاف میں بعہدہ ایجیٹن بندوقچیان متواتر ۲۲ سال ملازمت کی۔

ٹھاکر سورم سنگھ رائے پوریہ جموال

بریگیڈیر کھنسار سنگھ

ٹھاکر سورم سنگھ رائے بہادر جموال کے فرزندان -

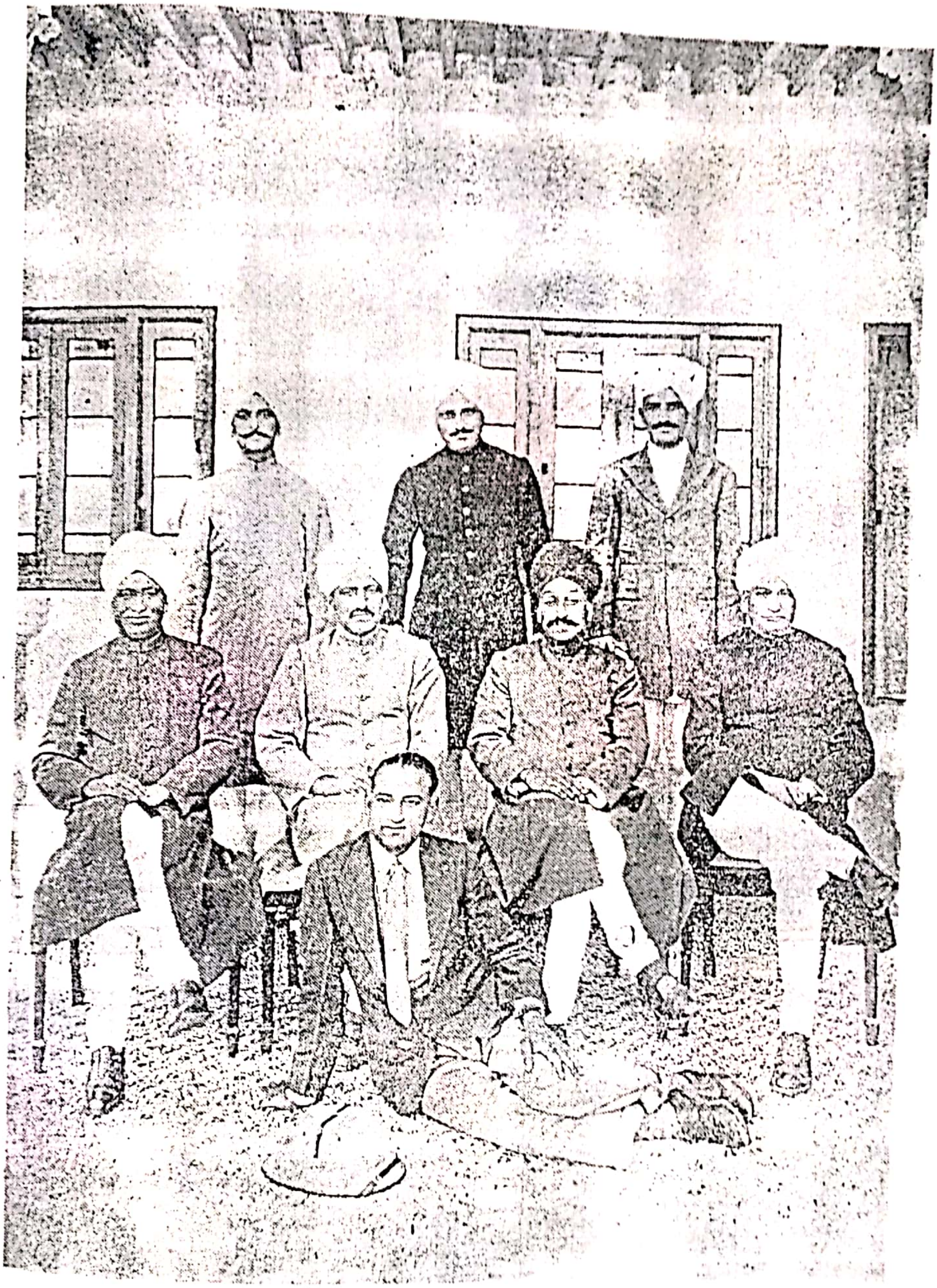

ٹھاکر آتما سنگھ - ٹھاکر پرسد سنگھ - کرنیل ملکھا سنگھ - ٹھاکر حقیقت سنگھ
ٹھاکر گنگا سنگھ - بریگیڈیر گھنسار سنگھ - ٹھاکر موہن سنگھ اور ٹھاکر کرتار سنگھ

بریگیڈیئر گھنسار سنگھ } موضع رائے پور تحصیل جموں میں ٹھاکر سوم سنگھ کے ہاں سنہ ۱۸۹۵ء میں تولد ہوا۔ گھنسار سنگھ نے ابتدائی تعلیم کے بعد پرنس آف ویلز کالج (موجودہ گورنمنٹ گاندھی میموریل کالج) جموں میں داخلہ لیا۔ اور سنہ ۱۹۱۷ء میں بی۔اے پاس کیا اور ریاست میں پہلے گریجویٹ کے طور نام پایا۔ بعد ازاں لا کالج لاہور میں ایک سال ٹریننگ لی۔ پھر سنہ ۱۹۱۸ء میں محکمہ مال اور بندوبست کی ٹریننگ امیدوار ڈپٹی کمشنر کے طور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے حکم سے حاصل کی لیکن جلد بعد ہی ۸۰ روپیہ ماہوار پر بطور میجر ریگولر ملٹری ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت پائی۔ بعد ازاں سال ۱۹۲۱ء میں سٹیٹ فورسز میں لفٹنٹ ہوا۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں کیپٹن سنہ ۱۹۲۳ء میں پلٹن رگھو پرتاپ میں ایجوٹنٹ کیپٹن۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں کشمیر انفنٹری ۶ میں میجر اور آرمی کونسل کے سیکرٹری کا رتبہ پایا۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں کنٹرولر محکمہ خاطر تواضع۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں معتمد دربار ریذیڈنسی میں تعینات ہوا۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں سیکرٹری آرمی منسٹر اور سنہ ۱۹۳۰ء میں لفٹننٹ کرنل۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں بریگیڈیئر۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں بریگیڈیئر جنرل سٹاف آفیسر اور سنہ ۱۹۴۷ء میں گورنر گلگت

گھنسار سنگھ نے اپنی خداداد قابلیت اور خاندانی اوصاف و روایت کی بدولت فوج میں قدم قدم پر نمایاں ترقی حاصل کی۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں چیف آف ملٹری سٹاف جموں و کشمیر فورسز پر ترقی کا وقت آگیا تھا کہ مہاراجہ ہری سنگھ آں جہانی کے حکم سے گورنر گلگت کے عہدہ سے سرفراز کیا گیا۔

سرزمین ڈوگرہ کے اس مایۂ ناز سپوت نے ان گنت مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے زمانہ سلف کے شورویروں کی مانند قوم پروری اور راستبازی کی اعلیٰ روایات کو قائم رکھتے ہوئے ایک ایسی شاندار مثال پیش کی جس پر ڈوگرہ دیس کے باسی بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ گھنسار سنگھ گلگت کا پہلا اور آخری گورنر تھا۔ قابلیت ملو لکھ دستی کے ذیامیہ کے متعلق اس کی صلاحیتوں اور دلیرانہ طور پر رہنمائی کرنے کی خداداد قوت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سنہ ۱۹۴۷ء کے پُرآشوب ایام میں خلد آشیانی مہاراجہ بہادر ہری سنگھ نے برطانوی حکومت سے گلگت ایجنسی کا چارج حاصل کرنے کے کام پر اسے مامور کیا تھا۔ اگرچہ بریگیڈیئر گھنسار سنگھ اس امر سے بخوبی آگاہ

تھا کہ اس نازک وقت میں گلگت کا گورنری قبول کرتے یہ اُسے جان کی بازی لگانی پڑیگی لیکن ایک سچے باعمل کرم یوگی کی مانند اُس نے اس مشکل کام کے لئے رضاکارانہ طور پر بلاتامل و تاخیر اپنی خدمات پیش کر دیں۔

بریگیڈیئر گھنسار سنگھ نے یکم اگست ۱۹۴۷ء کو گورنر گلگت کا چارج اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو رہے تھے کہ تین ماہ بعد پاکستانی حکام نے اسے گرفتار کرنے کے لئے اس کی جائے رہائش کو گھیرے میں لے لیا۔ لیکن آفرین ڈوگرہ جرنیل یہ جانتے بھی کہ وہ ایک اکیلا ہے، پستول ہاتھ میں لے کر اپنے کمرے میں ہی مقابلہ کے لئے مورچہ بند ہو گیا اور اپنی گرفتاری دینے سے صاف انکار کر دیا۔ لیکن اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کب تک ہو سکتا تھا۔ نظر بندی کے دوران میں گھنسار سنگھ سے نہایت سختی کا برتاؤ کیا گیا اور اُسے اپنے چھوٹے سے کمرے سے باہر نکلنے کی ممانعت کی گئی۔ اس کمرے میں صرف ایک روشندان تھا جس کے ذریعے اُسے اس امر کا پتہ چل جاتا تھا کہ دن ڈھل گیا اور کب رات شروع ہوئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کمرے کے ساتھ کوئی غسل خانہ وغیرہ نہ تھا۔

موسم سرما کی انتہائی سردی کے مہینوں میں کمرے کو گرم رکھنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ شدت کی سردی کی وجہ سے ہر رات کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ لیکن آفرین باد بر این ہمت مردانہ تو" اس شور بیر نے بخندہ پیشانی ایک عظیم جرنیل کی مانند ان تمام مصیبتوں کو برداشت کر کے ایسی زندہ مثال قائم کی جو کہ عوام کے ذہنوں سے تا دوام محو نہ ہو سکے گی۔ آخر بریگیڈیئر گھنسار سنگھ نے ۱۹۴۷ء کے آغاز میں اس زندان سے نجات پائی اور ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو سوچیت گڑھ پہنچا کر رہا کر دیا گیا۔

بریگیڈیئر گھنسار سنگھ کا شجرہ نسب، بانی ریاست جموں و کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ سے چار پشت اُوپر ملتا ہے۔ اور صحیح معنوں میں ڈوگرہ تواریخ کی مشہور ہستی میاں ڈیڈو سپوت ریاست ڈوگرہ کے جانباز جرنیل اپنے جد امجد میاں دیوانوں کی روایات کو اپنے نیک چرتر سے زندہ رکھا ہے۔

بریگیڈیئر گھنسار سنگھ کی ذات میں قدرت حقیقی نے اعلیٰ قابلیت اور ایک جواں مرد ناظم کی خصوصیات ودیعت کی ہیں۔ مؤلف نے خود بریگیڈیئر موصوف کو

نزدیک سے دیکھا ہے۔ اور کتنے ہی سال مہاراجہ گلاب سنگھ شتابدی کمیٹی کے سلسلہ میں ساتھ رہ کر سامنا کیا ہے جس کمیٹی کا وہ پریذیڈنٹ اور مؤلف جنرل سیکرٹری رہا۔ گھنسار سنگھ کی باعمل شخصیت میں بہت سی خوبیاں مجتمع ہیں۔ ان ہی خوبیوں کی بناء پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ بریگیڈیئر گھنسار سنگھ کی ذات میں ملک کے لئے بے خوف اور نڈر لیڈر ہی نہیں بلکہ نشکام سیوک اور ایک اعلیٰ منتظم کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اپنی زندگی کے ہر مرحلہ پر اس اصول کا پیرو رہا کہ ادائیگی فرض مقدم اور باقی ماندہ امور بعد میں"۔ یہی اس کا ہمیشہ کا دستور العمل رہا۔ کون نہیں جانتا کہ بریگیڈیئر گھنسار سنگھ کے خاندان یعنی رائے پوریہ جموالوں کے افراد نے تعمیر ریاست جموں و کشمیر میں اپنا فرض بوجہ احسن پورا کیا۔ جب سے ریاست بنی ہے، خال ہی کوئی ایسا محکمہ ہوگا جس میں اس خاندان کے افراد نے اپنا فرض منصبی بجا لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا ہو۔ میانہ روی، راست بازی اور قابلیت کے لحاظ سے بریگیڈیئر گھنسار سنگھ کو پچھلے کئی سالوں سے دھرمارتھ کونسل کا پریذیڈنٹ مقرر کیا گیا ہوا ہے۔ جو بلا معاوضہ اس ڈیوٹی کو نبھا رہا ہے۔ صاف بات یہ کہ احساس فرض اور نشکام سیوا کی بدولت آپ کو ڈوگرہ دیس کے جانباز بہادروں اور جرنیلوں میں اونچا مقام حاصل ہے۔ بقول شاعر ؎

قوم دیتی ہے دعا تمہارا نام سن کر راستہ صاف کیا باغ سے کانٹے چن کر

بریگیڈیئر گھنسار سنگھ کو اپنی اعلیٰ خدمات کے صلہ میں آرڈر آف برٹش ایمپائر۔ آرڈر آف برٹش انڈیا اور رائے بہادر کے خطابات حاصل ہیں۔

ٹھاکر موہر سنگھ بریگیڈیئر کا چھوٹا بھائی امور خانگی اور انتظام زمینداری میں لگا رہا جس کا بیٹا میجر جرجیت سنگھ آرمی سروس میں ہے۔ ٹھاکر کرتار سنگھ جو کہ سب سے چھوٹا بھائی بریگیڈیئر گھنسار سنگھ کا ہے، ابتداء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا اے۔ ڈی۔ سی بھی رہا۔ بعد میں محکمہ جنگلات کی ملازمت کر کے ریٹائر ہوا۔

بریگیڈیئر گھنسار سنگھ او۔ بی۔ ای۔ اور بی۔ آئی۔ آر۔ بی کے تین فرزندان میجر ارجن سنگھ۔ میجر بھیم سنگھ اور کنور مہیندر سنگھ ہیں۔ فرزند اوّل میجر ارجن سنگھ بحری فوج (NAVY) سے منسلک ہے اور لفٹنٹ کمانڈور کے طور پونا میں نمایاں جنگی سر انجام دے رہا ہے۔ فرزند دوم میجر بھیم سنگھ ۹ جے اینڈ کے

انفنٹری میں ہے ۱۹۶۵ء کی جنگ ہند۔ پاک میں کھیم کرن کے محاذ پر دشمن کا مقابلہ کر کے داد شجاعت پائی۔ اور ایک مرحلہ پر زخمی ہوا۔ لیکن جلد ہی صحتیاب ہو کر ملکی بچاؤ کے لئے اپنی ڈیوٹی پر ڈٹا ہے۔ تیسرا بیٹا کنور سریندر سنگھ ہے جو آٹو موبائیل انجینئرنگ کے ایک بڑے کارخانے کا مالک ہے اور جسے مشینری وغیرہ میں بے حد دلچسپی ہے۔

رائے پوریہ جموال خاندان کے افراد نے مہاراجہ گلاب سنگھ بانئ ریاست جموں و کشمیر کیساتھ رہ کر اوائل تعمیر ریاست میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے یہ خاندان آجتک اپنے اسی نصب العین پر قائم ہے

۱۹۱۴-۱۹ء کی جنگ عظیم یورپ میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے برٹش امپائر کی امداد کے لئے جرمنی کے خلاف ریاستی افواج کو ایسٹ افریقہ، فلسطین اور دوسرے محاذوں پر بھیجا۔ وہاں ڈوگرہ افواج نے جس پامردی اور بہادری سے دشمن کو شکست دی اور دشمن کا سامان اسلحہ اور توپیں وغیرہ بھی قبضہ میں لے لیں اُس سے ریاست جموں و کشمیر اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا نام تاریخ عالم کے اوراق میں بہت اونچا کر کے اپنی بہادری کا سکہ ایک عالم پر بٹھا دیا۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی یادداشت

سنت پنڈی داس ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی یادداشت اور مشاہدہ حیرت انگیز ہے۔ مہاراجہ صاحب کے دورہ تحصیل رام نگر (ضلع اودھم پور) میں مجھے اُن کے ہمرکاب رہنے کا فخر حاصل ہوا۔ میں اُس وقت انسپکٹر پولیس تھا۔ میری ڈیوٹی کیمپ کے ساتھ حکام بالادست نے لگائی۔ اور میں شیخ عبدالقیوم ڈپٹی کمشنر اودھم پور اور شیخ کریم اللہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ساتھ شامل کیمپ رہا۔ اودھم پور سے آگے رام نگر گڑھ روں پر پہنچنا تھا۔ تمام راستہ میں دو رویہ لوگوں کا بے پناہ ہجوم ہوتا تھا، نذرانہ اور تحفہ کے طور پر دودھ، دہی مکھن کے ڈونگرے اور اپنی اپنی زمینوں سے پیدا شدہ سبزی اور اجناس کی ٹوکریاں اُٹھائے کھڑا تھا۔ سرکار والا ہز ہائنس کر سب کی بھینٹ دلوا قبول فرما رہے تھے کسی سے خیریت پوچھتے۔ کسی کا حوصلہ بڑھاتے۔ انعام و اکرام تقسیم کرتے جا رہے تھے۔ یہ سماں فی الحقیقت دیوتاؤں کے دیکھنے کے قابل تھا۔ ڈپٹی کمشنر

شیخ عبدالقیوم نے بتایا کہ سرکار والا کی آمد کی خبر سُن کر لوگ خود بخود بے تحاشا اکٹھے ہو گئے ہیں یہ سرکاری طور پر کوئی ایسا انتظام نہیں کیا گیا۔ ہم شام کے دھندلکوں میں رام نگر پہنچے تو دیہاتی دُور دُور تک مشعلیں روشن کئے دو رویہ کھڑے تھے۔ رام نگر میں ہمایوں پر تعظیم بجا لانے کے بعد سرکار پاپیادہ ہی پُرانے محلات کی جانب چل پڑے کافی ہجوم ساتھ تھا۔ سرکار نے اپنے مصاحبین سے چلتے چلتے ذکر کیا کہ جب وہ پچھلی بار براستہ مرو میں سے رام نگر آئے تھے تو راستہ میں فلاں جگہ ڈھکی۔ فلاں جگہ باؤلی۔ مندر اور فلاں نمبردار اور فلاں ذیلدار کے مکان تھے۔ منشی نور الٰہی تحصیلدار رام نگر نے میرے ساتھ ذکر کیا کہ مہاراجہ صاحب اپنے جس دورہ کا ذکر فرما رہے ہیں وہ تیس چالیس سال پہلے کا ہے۔ اور سرکار اتنی تفصیل سے راستہ جات اور مقامات کا تذکرہ فرما رہے ہیں جیسے کہ کل کی بات ہو۔ تحصیلدار نے یہ بھی کہا کہ میں ایک ہفتہ ہوا اُسی راستہ جموں سے رام نگر آیا ہوں۔ لیکن اُسے راستہ کی کوئی بھی تفصیل یاد نہیں مہاراجہ پرتاپ سنگھ صاحب کی یادداشت اور مشاہدہ کا کوئی جواب نہیں"

"ماتحت پروری۔ ایک دفعہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ ڈاک بنگلہ بٹوت میں مقیم تھے۔ ڈوڈہ کشتواڑ کا منصف جو بعد ازاں سیشن جج کی پوسٹ سے ریٹائر ہوا رُخصت لے کر اُسی وقت بٹوت پہنچا اور انجانے میں سیدھا ڈاک بنگلہ میں چلا گیا۔ سامنے سرکار والا مدار کو برآمدہ میں بیٹھے دیکھا تو افسر مذکور اُلٹے پاؤں ڈاک بنگلہ کی سیڑھیاں اُتر آیا اور بازار میں ایک مکان میں اپنے بال بچوں کے لئے رات کے ٹھہرنے کا انتظام کیا۔ سرکار والا نے اُسے دیکھ لیا تھا۔ ایک ملازم کے ذریعہ اُسے ڈاک بنگلہ میں بُلایا۔ وہ افسر نہایت خوفزدہ ہو گیا۔ جب ڈاک بنگلہ میں سرکار والا کے حضور میں پہنچا تو سرکار نے اُسے عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ اُس کا حسب نسب دریافت کیا۔ اُس کے یہ ظاہر کرنے پر کہ وہ علاقہ کا مجسٹریٹ ہے تو علاقہ کشتواڑ ڈوڈہ وغیرہ کے تمام حالات دریافت کئے اور کافی عرصہ تک اُس سے معلومات حاصل کرتے رہے۔ بعد ازاں ازراہ خسروانہ فرمایا کہ اُسے اپنی رہائش کے لئے جگہ تلاش کرنے میں کافی تکلیف اُٹھانی پڑی ہوگی۔ کیونکہ ڈاک بنگلہ میں سرکار قیام پذیر ہے۔ اُسے اپنے اور بال بچوں کے لئے رات کا کھانا تیار کرنے سے منع کیا اور اپنے شاہی لنگر سے اُس

سے تمام کنبہ کے لیے کھانی مقدار میں کھانا اُس کی قیام گاہ پر بھیج دیا۔ اِس واقعہ کا اُس افسر پر اتنا گہرا اور خوشگوار اثر ہوا کہ تا زندگی وُہ اِس کا تذکرہ نہایت فخر اور شان سے کرتا رہا"۔

سیکولرازم "مہاراجہ صاحب کے حضور میں کشمیری مسلمانوں کا ایک وفد پیش ہوا اور سرینگر کی جامع مسجد کی مرمت کے متعلق استدعا کی۔ کیونکہ اُس عبادت گاہ کی حالت دن بدن بگڑ رہی تھی۔ سرکار نے تمام حالات نہایت سنجیدگی اور غور سے سُنے۔ اور دُوسرے دن جب کہ وفد کے ارکان مہاراجہ کے پاس حاضر آئے تو سرکار کے سامنے مشیر مال بھی بیٹھا تھا۔ وفد کے ارکان کی موجودگی میں مشیر مال کو ارشاد فرمایا کہ آئندہ کے لئے شرح مالیہ زمین میں ایک پیسہ فی روپیہ اضافہ کیا جائے۔ اور اِس طرح جو زائد رقم سالانہ موصول ہو وہ مرمت جامع مسجد پر صرف ہو۔ تقریباً دس ہزار روپیہ سالانہ کی مستقل رقم جامع مسجد کی مرمت کے لئے وقف کر دی گئی۔ پھر بلا وجہ بوجھ بھی نہ پڑا اور جامع مسجد کی بہتری کی سبیل بھی پیدا ہو گئی۔ اِس کارِ خیر میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل ہوئے اور دیست خاص سے بھی کافی رقم عطاء کی"۔

"اپنی پیاری رعایا کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے مہاراجہ پرتاپ سنگھ ہمیشہ حدودِ ریاست میں انگریزوں کی کوٹھیاں وغیرہ بنانے کے خلاف رہے۔ مسٹر ہیڈ و نے کافی رقبہ اپنی فیکٹری وغیرہ کے لئے زمینداران سے ٹھیکہ پر حاصل کیا ہوا تھا۔ اُس نے کوشش کی کہ وُہ تمام رقبہ اُس کے نام مستقل طور پر منتقل ہو جائے۔ تمام افسران بالخصوص مشیر مال اور وزیرِ اعلےٰ نے بھی اُس کے حق میں سفارش کر دی لیکن مہاراجہ صاحب نے اِس تجویز کو مسترد کر دیا۔ وُہ جانتے تھے کہ اِس طرح زمینداران کے قبضہ سے آہستہ آہستہ تمام زمین نکل جائے گی۔ کیونکہ لالچ میں آ کر وُہ زمین فروخت کر دیں گے اور آئندہ کے لیے بے زمین ہو جائیں گے"۔

"انگریزوں کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ گلگت میں اپنی چھاؤنی رکھی جائے۔ لیکن ہر موقعہ پر مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اِس کی مخالفت کی اور گورنمنٹ آف انڈیا پر واضح کیا کہ ہندوستان دوستی اور اخلاق اِس بات کے متقاضی ہیں کہ دوست کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اِس وجہ سے مہاراجہ بہ نفسِ نفیس گرمیوں میں جب کبھی حملہ وغیرہ کے خطرہ کا امکان ہو سکتا تب سرینگر پہنچ کر اپنے بارڈرز اور حدود کی نگہداشت کرتا ہے۔ ایسی صورت

میں گورنمنٹ آف انڈیا کو اپنا علیحدہ انتظام یعنی گلگت میں چھاؤنی بنانے کی ضرورت نہیں۔"

"ایک دفعہ ریاستی سرکار کے ہیڈ کوارٹرز جموں میں ہی رکھے گئے۔ اور صرف چند ایک افسران کو سرکار کے ساتھ سرینگر جانا پڑا۔ چونکہ اس انتظام سے اُن ملازمین کو جو جموں کی گرمی برداشت کرنے کے عادی نہیں، اُن میں سے چند ایک ہوشیار کلرکوں نے ریذیڈنسی سے سازباز کر کے از سر نو گلگت کی چھاؤنی کا معاملہ اُٹھایا کہ اب جبکہ ہیڈ کوارٹرز جموں میں رکھے گئے ہیں، گلگت میں انگریزی چھاؤنی قائم کرنے کی مخالفت نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن مہاراجہ پرتاپ سنگھ ایسے بیدار مغز اور نکتہ دان حکمران نے جواب دیا کہ اپنی ریاست کی سلامتی و حفاظت کا ذمہ دار حکمران ہے نہ کہ دفاتر کے چند ایک کلرک۔ حکمران تو باوجود اپنی ضعیف العمری کے اب بھی سرینگر میں موجود ہوتا ہے اس صورت میں دفاتر کے ہیڈ کوارٹرز جموں میں رکھنے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایسا برجستہ اور مدبرانہ جواب پا کر خاموش ہو گئی۔"

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہدِ حکومت کے آخری سال ۱۹۲۵ء میں ریاست کی آمدنی اور اخراجات

آمدنی

	روپیہ		روپیہ
۱۔ مالیہ اراضی	۵۳۱۸۸۴۳	۱۰۔ سائنٹیفک ڈیپارٹمنٹ	۳۷۹۳۲
۲۔ کسٹم	۳۹۱۷۵۹۳	۱۱۔ محکمہ جات خفیفہ	۴۴۵۷۶۱
۳۔ فیس کاہچرائی	۱۷۰۸۵	۱۲۔ محکمہ ابریشم	۲۷۹۶۵۲۹
۴۔ ایکسائز	۳۹۰۶۸۸	۱۳۔ سُود	۴۶۷۸۴۲
۵۔ سٹیٹ پراپرٹی برٹش انڈیا	۹۳۶۷۱	۱۴۔ جنگلات	۶۶۷۵۲۴۳
۶۔ اسٹامپ	۵۵۵۲۷۵	۱۵۔ متفرقہ	۲۸۷۵۹۶
۷۔ عدالت ہائے	۱۰۳۶۰۰	۱۶۔ ملٹری	۱۹۸۳۴۶
۸۔ جیل	۲۴۲۰۴	۱۷۔ پبلک ورکس	۱۰۵۵۷۵۳
۹۔ محکمہ تار	۸۹۷۷۲	میزان	۲۳۲۷۱۲۳۲

اخراجات

	روپیہ		روپیہ
۱۔ مالیہ اراضی	۹۴۶۸۷۴	۱۲۔ سائنٹیفک محکمہ جات	۲۳۳۸۵۰
۲۔ کسٹم ڈایکسائز	۲۵۷۹۸۰	۱۳۔ پولیٹیکل	۳۴۵۶۵۲
۳۔ جنگلات	۳۰۶۰۰۲۷	۱۴۔ انڈسٹریز	۳۶۶۸۵
۴۔ محکمہ تار	۱۰۶۶۹۸	۱۵۔ محکمہ جات خفیفہ	۳۸۷۷۴۱
۵۔ مہاراجہ بہادر اور کورٹ	۴۴۴۴۱۰۸	۱۶۔ ابریشم	۱۵۶۵۹۰۶
۶۔ پبلک ڈیپارٹمنٹس کا نظم ونسق	۸۵۹۰۹۲	۱۷۔ پنشن و انعامات	۳۸۴۵۶۵
۷۔ عدالت ہائے	۴۰۱۳۰۳	۱۸۔ سٹیشنری و پرنٹنگ	۳۰۸۱۲۱
۸۔ جیل ہائے	۱۵۲۲۳۱	۱۹۔ اصطبل و کشتیاں	۳۰۶۷۹۱
۹۔ پولیس	۸۱۱۲۱۸	۲۰۔ ریفیوجیز	۲۱۴۸۸۶
۱۰۔ تعلیم	۱۱۲۷۳۴۸	۲۱۔ ملٹری	۳۷۳۹۸۸۸
۱۱۔ میڈیکل	۸۰۱۴۸۸	۲۲۔ پبلک ورکس	۴۰۱۱۱۳۶۲
		۲۳۔ متفرقہ	۱۵۶۳۷۰
		میزان	۲۴۷۶۰۱۷۴

مہاراجہ ہری سنگھ

لیفٹننٹ جنرل ہز ہائینس راج راجیشور مہاراج ادھیراج مہاراجہ سر ہری سنگھ اندر دربسپر سلطنت انگلشیہ کے سی۔ایس۔آئی؛ کے سی۔آئی۔ای؛ کے سی۔وی۔او یایل ایل ڈی کے عہد حکومت کی ابتداء سنہ ۱۹۲۵ء ستمبر سے ہوئی۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے رحلت کرنے کے بعد ہری سنگھ مہاراجگی جموں و کشمیر کی مسند پر سریر آرا ہوا۔

ہری سنگھ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے تیسرے بھائی راجہ امر سنگھ کا ایک اکلوتا فرزند تھا جو سنہ ۱۸۹۵ء ستمبر میں پیدا ہوا۔ اس کی ولادت پر راجہ امر سنگھ نے کاشی کے ایک مشہور جوتشی سے اپنے نومولود کا زائچہ ولادت بنوایا۔ جیوتشی نے راجہ امر سنگھ کو لکھ کر دیا کہ آپ بڑے بھاگوان ہیں جن کے ہاں ایسے بچے نے جنم لیا۔ جو بڑا ہوکر اپنے کُل کا نام روشن کرے گا۔ اور ایسا تیجسوی ہوگا کہ بڑے بڑے راجے مہاراجے بھی اس کا پانی بھریں گے۔"[1]

---

[1] مہاراجہ ہری سنگھ کی پیدائش کے متعلق ایک کہاوت ہے جو کہ بھدرواہ اور جموں کے بڑے بوڑھوں کی زبانی سننے میں آئی۔ کہ راجہ امر سنگھ نے پانچ شادیاں بھدرواہ۔ پٹھانیہ۔ جیب۔ بھٹیال اور چاڑک۔ راجپوت خاندانوں میں کی تھیں۔ اور اُسے ہر وقت یہی تشویش رہتی کہ اس کے ہاں اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ ایک بار وہ اپنی جاگیر بھدرواہ میں گیا ہوا تھا تو اُسے پتہ چلا کہ وہاں ایک مست ملنگ برسوں سے رہتا ہے جو کسی سے کچھ نہیں مانگتا اور توکّل بر خدا پڑا رہتا ہے۔ علاقہ میں اُس کی مانتا بلا لحاظ مذہب و ملت ہر حلقہ میں ہو رہی ہے۔ کیونکہ وہ ایک کراماتی فقیر ہے۔ تو راجہ امر سنگھ بھی مست فقیر کے درشنوں کے لئے گیا۔ اور ہر روز کا معمول وہاں جانے کا بنا لیا۔ ایک دن مست فقیر نے امر سنگھ سے پوچھا کہ "تم ہر روز میرے پاس آتے ہو اور میرے لئے بہت کچھ لے آتے ہو۔ لیکن تم نے کبھی اپنے دل کی بات مجھے کہنے کی زحمت گوارا نہ کی"۔ تو راجہ امر سنگھ بولا "میں صرف آپ کی نظرِ عنایت کا بھوکا ہوں۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔ میرے لئے یہی غنیمت ہے کہ میں دو گھڑی آپ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں اور آپ بُرا نہیں مناتے"۔ اس پر مست نے کہا "سنو راجہ صاحب! تمہیں اولاد کی ضرورت ہے۔ تمہاری خواہش ہے کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو۔ لیکن لڑکا تمہاری قسمت میں (باقی اگلے صفحہ پر)

لیکن راجہ امر سنگھ نے جیوتشی کی بات ہنس کر ٹال دی۔ اس خیال سے کہ اُس کے دو بڑے بھائی مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور راجہ رام سنگھ بعمر ۴۵ سال اور ۴۳ سال عین عالم شباب میں تھے اپنے ہر دو بڑے بھائیوں اور اُن کی اولاد کی موجودگی میں سب سے چھوٹے تیسرے بھائی (امر سنگھ) کی اولاد نرکور کو ریاست کی راج گدی کا کیسے حق پہنچ سکتا تھا۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے ہاں مہارانی چاڑکی کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ اس شہزادہ کی تولیدگی پر ریاست بھر میں خوشیاں منائی گئیں۔ لیکن اس کی عمر نے وفا نہ کی اور دس ماہ بعد اس جہان سے گزر گیا۔ اس طرح راجہ امر سنگھ کے بڑے بھائی راجہ رام سنگھ کے بھی دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی لیکن دونوں پھول بن کھلے ہی مرجھا گئے۔ اور راجہ رام سنگھ کی راجکماری کی شادی مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے راجہ کدار چند والیٔ ریاست چمبی سے تزک و احتشام سے کر دی تھی ۱۸۹۵

(۵) **تعلیم و تربیت** راجہ سر امر سنگھ نے اپنے سپتر ہری سنگھ کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا۔ تین سال کی عمر میں ۱۸۹۸ء کو ہری سنگھ کی رسم موئے تراشی شاہانہ طریق پر انجام پائی۔ اور اُس کے بعد جب ہری سنگھ پانچ سال کا ہوا تو اُس کی اتالیقی کے فرائض یورپین اور ہندوستانی اساتذہ کے سپرد کیے گئے۔ ایک یورپین لیڈی کو خاص طور پر انگریزی زبان سکھانے کے لئے مامور کیا گیا۔ ہری سنگھ نہایت ذہین اور تیز فہم ثابت ہوا۔ چھ سات سال کی عمر میں ہی روانی سے بزبان انگریزی بات چیت اپنے یورپی ٹیوٹر مسٹر سٹلو سے کرتا تو وہ کہا کرتا کہ مجھے فخر ہے کہ میں ایسے بلا کے ذہین راجکمار کا اتالیق ہوں۔ ۱۹۰۸ء میں راجکمار ہری سنگھ کو اجمیر کے میو کالج میں داخلہ ملا۔ اور جب اس کالج

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے آگے) کہاں۔ صرف ایک صورت ہے تمہارے لڑکا پیدا ہونے کی۔ کہ میں یہ چولا چھوڑ دوں۔" یہ کہہ کر مست ملنگ خاموش ہو گیا۔ دوسرے روز جب راجہ امر سنگھ مست کی حاضری کے لئے اُس کے ستھان پر گیا تو اُس کی کُٹیا ویران پڑی تھی اور وہ مست وہاں نہیں تھا۔ چنانچہ اُس کے بعد مست کو کسی نے کہیں بھی نہ دیکھا۔ وہ ایسا غائب ہوا کہ بسیار تلاش و کھوج کے بعد بھی اُس کا اتہ پتہ نہ ملا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس خدا رسیدہ مست ملنگ کی پُراسرار گمشدگی کے ایک سال بعد راجہ امر سنگھ کے ہاں رانی بھتیالی کے بطن سے مہاراجہ ہری سنگھ کا ظہور ہوا تھا۔

میں اپنا کورس کامیابی سے ختم کیا تو جموں میں آکر فوجی تربیت بحکم مہاراجہ پرتاپ سنگھ کرنیل بلکھا سنگھ والئے پوریہ جہاں سے حاصل کی۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد ڈیرہ دون کے امپیریل کیڈٹ کور میں داخلہ لے لیا۔

کمانڈر انچیف کے عہدہ پر

امپیریل کیڈٹ کور ڈیرہ دون کا کورس مکمل کر کے راجکمار ہری سنگھ نے تعلیم سے فراغت پائی۔ تو ۱۹۱۴ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ریاستی افواج کے کمانڈر انچیف کا چارج اپنے جواں سال بھتیجے کو دلا کر نظام حکومت میں ایک عظیم ذمہ داری سپرد کی۔

ہری سنگھ نے بہ حیثیت کمانڈر انچیف ریاستی افواج کو اعلیٰ ٹریننگ دی۔ اپنے اس عہدہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ملکی انتظام میں مہارت حاصل کر لی۔ چنانچہ ۱۹۱۴-۱۸ء کی عظیم جنگ یورپ میں ریاستی افواج کو جنگی محاذوں پر بھیجنے کا نہایت اعلیٰ انتظام کیا۔ اور جس تدبر اور دانشمندی سے اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو کر دنیا کو حیرت میں ڈال دیا، وہ راجہ ہری سنگھ کا ہی حصہ تھا۔ اسی دوران ۱۹۱۹ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے بغرض ٹریننگ مزید سلطنت ہری سنگھ کو یورپی ممالک میں بھیجا۔

کونسل کا سینئر ممبر

۱۹۲۰ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ریاست کے نظم و نسق میں سدھار لانے کے لئے ایک کونسل کا قیام عمل میں لانا مناسب سمجھا تو جنرل راجہ سر ہری سنگھ کو اس کونسل کا سینئر ممبر بنایا گیا۔ اس طرح ریاست کے ہر معاملہ میں پوری واقفیت حاصل کر کے صحیح معنوں میں ریاست کے نظام کا روح رواں ہو گیا۔

مذہبی رسومات اور شادی

تین سال کی عمر میں راجہ سر ہری سنگھ کی رسم موترا شی ہوئی تھی۔ پھر ۱۹۱۱ء میں رسم زنار بندی نہایت دھوم دھام سے ہوئی۔ اور اس کے بعد ۱۹۱۳ء میں پہلی شادی راجہ ہری سنگھ نے ریاست دھرم پور (کاٹھیاواڑ) کی راجکماری سے کی۔ لیکن اس رانی کے ساتھ بمشکل ایک سال ہی گزرا ہو گا کہ وہ مختصر سی علالت کے بعد وفات پا گئی۔

دوسری شادی ۱۹۱۵ء میں ریاست چمبہ کے راجہ بھوری سنگھ کی راجکماری سے راجہ سر ہری سنگھ کی ہوئی۔ لیکن تین چار سال کی رفاقت کے بعد یہ رانی بھی پرلوک سدھار

۱)

(فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

Scanned with CamScanner

گئی۔ پھر تیسری شادی ۱۹۲۳ء میں ریاست دھرم پور (کاٹھیاواڑ) کی دُوسری راجکماری دھن دیوی سے ہوئی جو کہ شادی کے بعد ۱۵ سال زندہ رہ کر وفات پاگئی۔ اس رانی کی زندگی میں ہی چوتھی شادی ۱۹۲۷ء میں بیجا پور (کانگڑہ) کے کٹوچ خاندان میں ٹھاکر بیلی چند کٹوچ کی سُپتری تارا دیوی کٹوچ سے ہوئی جس کے بطن سے ۱۹۳۱ء میں مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ فرانس میں کینز کے مقام پر پیدا ہوا۔

ہری سنگھ کا راج تلک

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے پرلوک سدھارتے ہی ہری سنگھ نے مہاراجہ کی پدوی پاکر عنانِ حکومت سنبھال لی اور ماہ فروری ۱۹۲۶ء میں جشنِ تاجپوشی ہوا۔ اس جشن کے متعلق تاریخ ریاست جموں وکشمیر حصہ اوّل میں لکھا ہے کہ مہاراجہ بہادر ہری سنگھ کے راج تلک کا بے مثال اور عالیشان جشن جموں میں ۱۸ر فروری ۱۹۲۶ء سے شروع ہوا اور ۹ر مارچ تک جاری رہا۔ اس

لہ (فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) جموں کے راجگان خاندان جموال اور ریاست چمبہ کے شاہی خاندان چمیال کی باہمی رشتہ داری صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ تاریخ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ مہاراجہ رنجیت دیو کے بیٹے راجہ برج راج دیو نے چمبہ میں شادی کی تھی۔ اور جب وُہ سکھ مثلوں کا مقابلہ کرتا جنگ میں مارا گیا تو اس کی رانی چمیالی اُس کے ساتھ ستی ہوئی۔ اس کے بعد راجہ ہیرا سنگھ فرزند راجہ دھیان سنگھ مدار المہام دربار لاہور نے چمبہ کے راج گھرانے میں اور اُس کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ تاجدار جموں وکشمیر نے پہلی شادی چمبہ کے شاہی خاندان میں کی تھی۔ جب مہاراجہ ہری سنگھ کی برات چمبہ میں گئی تو مہاراجہ پرتاپ سنگھ بہ نفسِ نفیس اُس برات میں شامل ہوئے۔ چمبہ کے راجہ بھوری سنگھ نے ایک ہزار اشخاص پر مشتمل برات کو سات آٹھ یوم چمبہ میں ٹھیرانا پڑا۔ کیونکہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ اچانک علیل ہو گئے۔ اور ڈاکٹروں نے سفر کے لئے مہاراجہ کو منع کر دیا۔ راجہ بھوری سنگھ نے برات کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ راجہ بھوری سنگھ کے ایک پرائیویٹ ملازم جو آج بھی زندہ ہے، سے پچھلے دنوں مؤلف کی ملاقات پٹھانکوٹ میں ہوئی تو اُس نے اپنی ڈائری (روچو پترہ) کا ذکر کیا۔ جس میں لکھا ہے کہ برات کی خاطر تواضع اور خورد و نوش کا جو مینو (MENO) مرتب ہوا تھا وہ صرف تین یوم کے لئے تھا لیکن مہاراجہ کشمیر کی علالت طبع کے سبب برات کے قیام میں پانچ یوم کا اضافہ ہو گیا اور یہ مینو بدستور قائم رہا۔ اس میں مطلق فرق نہ آیا۔ جس زمانہ میں مہاراجہ ہری سنگھ کی چمبہ میں شادی ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں موٹر روڈ کا م

نہ اتنا اچھا انتظام نہ تھا بلکہ پٹھانکوٹ یا ڈلہوزی سے چمبہ تک گھوڑے ... پر ہی جانا پڑتا تھا۔

موقعہ پر ہندوستان بھر کے کئی مہاراجے۔ راجے۔ نواب۔ رئیس اور مہاراجہ کے بڑے بڑے انگریز احباب جموں آئے۔ اور جو مہاراجے یا نواب اس جشن میں شرکت نہ کر سکے، اُن سب نے اپنے معتمد بھی مبارکباد کے پیغامات دے کر مہاراجہ کے پاس بھیجے۔ ریاست جموں و کشمیر۔ لداخ۔ گلگت اور تبت ہائے سے کے اکثر علاقوں کے راجے۔ رانے۔ راؤ۔ جاگیردار۔ بڑے بڑے زمیندار اور معززان بھی جشن تاجپوشی کی تقریبات میں مدعو تھے۔ پندرہ دن تک شاہانہ طریق پر مہمان نوازی ہوتی رہی۔ اور ہر طرح کی تفریح اور تماشا کا سامان مہیا کیا گیا۔ اس موقعہ پر ہزاروں روپے سڑکوں[1] کو درست کرنے پر صرف کیے گئے۔ جشن تاجپوشی کو دیکھنے کے لئے پنجاب ہندوستان سے ہزارہا آدمی آئے۔ جموں کے علاوہ ہر ضلع اور ہر تحصیل میں یہ جشن منایا گیا۔ ۲۵ فروری کو راج تلک کا دربار منعقد ہوا جس کی شان و شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک بجے دوپہر دربار گڑھ (منڈی مبارک) سے ہاتھیوں کا جلوس روانہ ہوا۔ طلائی لباس اور سنہری سامان کی چمک دمک سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سونے کا دریا لہریں مار رہا ہے۔ ڈیڑھ بجے پرانی منڈی میں راج تلک کی مبارک رسم ادا ہوئی۔ مہاراجہ ہری سنگھ کو راج تلک پشتینی رواج و رسم کے مطابق ٹھاکر پورن سنگھ سوہلیہ (ابنیرہ راجہ نہال سنگھ[2] والئی ریاست اکھنور) نے دیا۔ پرانی منڈی سے جلوس پھر دربار گڑھ آیا۔ اور دربار میں ریاست کے جاگیرداروں اور اہلکاروں نے نذریں پیش کیں۔ شہر پہلے ہی دلہن

---

[1] جموں شہر کے صدر ہسپتال تک جو سڑک گمٹ کی سیڑھیوں سے مغربی پہاڑی کے ساتھ ساتھ آرہی ہے۔ یہ راج تلک سے ایک ماہ پہلے تیار ہوئی تھی اور دوسری سڑک سٹی چوک جموں سے شمال کو جا کر پرانی منڈی سے ہوتی ہوئی پریڈ گراؤنڈ کے ساتھ سبزی منڈی اور موتی بازار سے ملتی ہے۔ یہ سڑک بھی راج تلک سے ایک ہفتہ پہلے مکمل ہوئی تھی۔ اُس سے پہلے پُرانے ہسپتال (موجودہ سٹیٹ بنک) سے تراشیدہ پتھروں کی اونچی ڈھکی تھی جو کہ جموں شہر کو دو حصوں بالائی اور پائیں حصہ میں تقسیم کرتی تھی۔

[2] مہاراجہ ہری سنگھ کے جدِ امجد بانی ریاست جموں و کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کو جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اکھنور کے مقام پر راج تلک دیا تھا تو اکھنور کے راجہ نہال سنگھ سے بھی تصدیق کے طور راج تلک دلایا گیا۔ اُس وقت سے یہ رواج بن گیا کہ جب ریاست جموں و کشمیر کے مہاراجہ کا راج تلک ہو تو یہ تلک اکھنور کے راجہ نہال سنگھ کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ سے لیا جائے۔ اور یہ ایک قسم کی پشتینی رسم ہو چکی ہے۔

کی مانند آراستہ تھا۔ رات کو دیپ مالا نے پرستان کا نمونہ بنا دیا۔ اس جشن کی پوری کیفیت لکھنے کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ زیر نظر صفحوں میں بیان نہیں کی جا سکتی ہے۔

مراعات کا اعلان

تاجپوشی کے دربار میں مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست کے زمینداروں کے حق میں اکثر مراعات جاری کرنے کا اعلان کیا اور مالکان اراضی کو ایسے درختان کے کاٹنے کی اجازت دی گئی جن کی مالک سرکار تصور ہوتی تھی۔ اس سے پہلے زمیندار جنگلات سے گری ہوئی لکڑی سال میں صرف تین ماہ لے سکتے تھے۔ اس اعلان کی رو سے زمینداران کو سال بھر لکڑی اٹھانے کی اجازت دے دی گئی۔ اور کہ جن دیہات میں شاملات رقبہ نہیں، زمینداران کو سو فی صد رقبہ اراضیات خالصہ میں سے اپنی اراضیات میں شامل کرنے کی منظوری دے دی۔ اس کے علاوہ ریاست میں سکولوں اور ہسپتالوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے احکام جاری کئے اور صنعتی سکولوں کا اجراء بھی منظور کیا۔ علاقہ کنڈی میں پانی کی سپلائی اور دریائے توی پر جموں میں نیا پل بنانے کے لئے اعلان کیا گیا۔ مہاراجہ بہادر نے اپنے اعلان میں حاضرین دربار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہماری زندگی میں یہ یادگاری دن ہے ایشور ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی وفادار رعیت کی (خواہ وہ کسی مذہب یا قوم کی ہو) بہتری اور خوشحالی کا انتظام کر سکیں۔

پہلی پبلک تقریر

ماہ جنوری ۱۹۲۶ء میں ریاست جموں و کشمیر کے راجپوتوں کی طرف سے شری امر کشتریہ سبھا جموں و کشمیر کے اہتمام میں مہاراجہ ہری سنگھ کو استقبالیہ دیا گیا۔ یہ تقریب عجائب گھر جموں میں منعقد ہوئی۔ سبھا کے پریذیڈنٹ راؤ بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ تھے۔ اور استقبالیہ کے چیئرمین بریگیڈیئر گھنسار سنگھ اور سیکرٹری بانک سنگھ جموال کے اعلیٰ انتظامات نے اس جلسہ میں راجپوتوں کے علاوہ دوسری برادریوں کے ہندو، سکھ، ہریجن ہزاروں عوام نے شرکت کی۔ استقبالیہ ایڈریس کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "اگر میری رعایا اور برادری کو میرے ساتھ کچھ بھی محبت ہے۔ تو میں کہوں گا کہ سب سے پہلے وہ اپنے اندر کی برائیوں کو دور کریں۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو میرے خیال میں راجپوت سبھا میرے پتا جی (راجہ امر سنگھ) کی پہلی بنائی ہوئی سبھا ہے یا وریہ میری برادری کی سبھا ہے۔ اس لئے اس سبھا کو دوسروں کے لئے نمونہ بننا چاہئے۔ میرے پاس ایسے حالات آتے ہیں کہ فلاں جگہ دس لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اس کا کیا سبب ہے۔ ۔۔۔ بہادر

صاحب نے لڑکیوں کا پیدا ہوتے ہی دفن کرنے کی بابت کہا تھا - اس بدعت کو دور کرنا قوم کی بہتری کے لئے ضروری ہے - اسی طرح بچپن اور بڑھاپے کی شادی کے متعلق کہا جا سکتا ہے - سات برس کا لڑکا اور نو برس کی لڑکی - کتنی شرمناک بات ہے ! چھوٹی عمر میں شادی شدہ لڑکیوں کے جب خاوند مر جاتے ہیں تو اُن کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ خاوند کس جانور کا نام ہے - صرف کھیلنے کے لئے ایک کھلونا سمجھا جاتا ہے - ایسی بیاہ شادیوں سے کیا فائدہ ؟ اس بری رسم کو بھی بند کرنا چاہئے - اسی طرح تعلیم کا سوال ہے جس پر آپ لوگوں کو پوری طرح غور کرنا چاہئے - میرے پاس آکر درخواست کر دینا کہ یہ ہونا چاہئے وہ ہونا چاہئے کافی نہیں"۔

مذہب انصاف ہے

مہاراجہ بہادر نے سلسلۂ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "اگر مجھے ریاست پر حکومت کرنے کے قابل سمجھا جاتا ہے تو میں کہوں گا کہ میرے لئے سب قومیں برابر ہیں - بہ حیثیت رئیس میرا کوئی دھرم نہیں - سب دھرم میرے ہیں - اور اپنا دھرم انصاف ہے - ممکن ہے انصاف کرنے میں کہیں غلطی ہو جاتی ہو - کوئی انسان غلطی سے خالی نہیں - جو آدمی یہ کہے کہ میں غلطی نہیں کرتا، وہ غلط کہتا ہے - صرف ایشور کی ذات ہی غلطی سے مبرا ہے - میرا کام سب کو برابری سے دیکھنا ہے - میں جہاں تک ہو سکے گا، انصاف سے کام کروں گا"

خطابات اور اعزاز

مہاراجہ ہری سنگھ کو ریاست جموں و کشمیر کے حکمران کی حیثیت سے اپنے بزرگ مہاراجگان کی مانند برٹش انڈیا میں ۲۱- توپوں کی سلامی حکومت ہند کی طرف سے منظور ہوئی - اور آپ کا ذیل کے خطابوں اور اعزازوں کے ساتھ نام لکھا جاتا تھا :-

" لیفٹننٹ جنرل ہز ہائینس راج راجیشور مہاراج ادھیراج اندر مہندر سپر سلطنت انگلشیہ کے سی - ایس - آئی ، کے سی - آئی - ای ، کے سی - وی - او - ایل - ایل - ڈی "

انتظامیہ کونسل کی تشکیل

مہاراجہ ہری سنگھ نے سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی ریاست جموں و کشمیر کے انتظام و انصرام کے لئے ایک کونسل کو تشکیل دی - جس میں چھ منسٹران لئے گئے - چنانچہ وزیر خارجہ کا عہدہ سر ایلبین بینرجی کو دیا گیا - باقی پانچ منسٹران مسٹر جی - ای - سی - ویکفیلڈ پبلک ورکس اور پولیس منسٹر ، میجر جنرل

رائے بہادر جنک سنگھ کٹوچ آرمی اور ریونیو منسٹر، خان بہادر مولوی نذیر احمد ہوم اور جوڈیشل منسٹر، لالہ تلسی رام وزیر خزانہ اور مسٹر پی۔کے۔ وواتل وزیر حضوری کے طور لئے گئے۔ اس انتظامیہ کونسل کا سارا کام مہاراجہ کی اپنی ذاتی نگرانی میں چلنے لگا۔

برٹش ریذیڈنسی

مہاراجہ ہری سنگھ نے انگریز ریذیڈنٹ کے دفتر کو سرینگر میں بند کر دیا تو ریذیڈنٹ جو کہ برٹش سرکار کا ریاست میں نمائندہ تصور ہوتا تھا بلکہ نظم و نسق حکومت میں بھی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے وقت سے جس کی مداخلت چلی آتی تھی، کو مجبوراً اپنا بوریا بستر اٹھا کر سیالکوٹ میں جانا پڑا۔ اور اس نے ریذیڈنسی کے دفاتر وغیرہ سرینگر کی بجائے سیالکوٹ میں قائم کر لئے۔ یوں تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے جب ریاست جموں و کشمیر کی بنیاد ۱۸۴۶ء کے معاہدہ امرتسر کی رُو سے رکھی تھی۔ اس معاہدہ میں برٹش سرکار کے ریذیڈنٹ کی ریاست میں موجودگی کی کوئی شرط نہیں تھی۔ بلکہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے تو انگریزوں کی سب سڈی فوج کو بھی ریاست میں رکھنا قبول نہ کیا تھا جبکہ تمام ہندوستان کی ریاستوں میں انگریز ریذیڈنٹ اور سب سڈی فوج کا رکھا جانا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ ریاست جموں و کشمیر میں انگریزوں نے اپنا ریذیڈنٹ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو مجبور کر کے رکھا تھا۔ تو مہاراجہ ہری سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے نقشِ قدم پر چل کر سب سے پہلا یہ کام کیا کہ برٹش ریذیڈنسی کو ریاست سے باہر کر دیا۔

حقوق وطنیت

مہاراجہ ہری سنگھ نے دیکھا کہ ریاست جموں و کشمیر کی ملازمت میں اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک ریاست کے باہر سے لوگ بھرتی ہو رہے ہیں اور ریاست کے لوگوں کو سرکاری ملازمتوں میں اس حد تک جگہ نہیں مل رہی ہے جس حد تک کہ ہونی چاہیئے۔ تو ریاستی باشندوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے مستقل باشندہ ریاست کا قانون بنایا گیا۔ اور یہ طے کیا کہ جن لوگوں کے آباؤ اجداد سال سمت ۱۹۴۲ بکرمی (۱۸۸۵ء) سے ریاست میں آباد چلے آ رہے ہیں۔ انہیں ہی ملازمت میں ترجیح دی جانی چاہیئے۔ چنانچہ ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے ذمہ رعایا ریاست جموں و کشمیر کی تعریف کا فیصلہ کرنے کا کام دیا گیا کہ وہ اس تعلق میں اپنی تجاویز پر مبنی رپورٹ پیش کرے جب رعایا ریاست

مہاراجہ ہری سنگھ

گول میز کانفرنس لندن ۱۹۳۰ مہاراجہ ہری سنگھ تقریر کرتے ہیں۔

کی تعریف کے متعلق رپورٹ کمیٹی پیش ہوئی تو وہ منظور کر لی گئی۔ اور اس طرح ریاست کے باشندگان کے حقوق کو محفوظ کرایا گیا۔ رعایا ریاست کی تعریف کے فیصلہ کے خلاف ان سے ریاست میں آباد پنجابی ہندو، سکھوں اور مسلمانوں نے واویلا کیا۔ حتیٰ کہ اس قانون کو اسمبلی (پرجا سبھا) میں بھی چیلنج کیا۔ لیکن اس پر نظر ثانی کی کوئی بات منظور نہ کی گئی اور یہ قانون اٹل تصور کیا گیا۔

ریاستی باشندگان کی غیر ممالک میں ٹریننگ

مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۹۴۲ء میں ایک کمیٹی

اس غرض سے بنائی کہ ریاست کے مختلف محکموں میں ٹیکنیکل ڈھنگ سے کام چلانے کے لئے ریاستی نوجوانوں کو وظیفہ دے کر ٹریننگ پر بھیجنے کی تجاویز کرے۔ پھر اس کمیٹی کو دوبارہ مرتب کیا گیا۔ اور اس کا نام سکالرشپ سلیکشن بورڈ رکھا گیا۔ چنانچہ اس بورڈ نے ریاستی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو سرکاری وظیفہ پر یورپ اور امریکہ میں بھیجا جہاں انہوں نے انجینئرنگ، میڈیکل، ویٹرنری، جنگلات، ادویات کی تیاری، ریشم سازی، چھاپہ خانہ وغیرہ کی ٹریننگ حاصل کی۔ اور کہ ہندوستان میں بھی تین سو سے زائد ریاستی باشندگان نے ٹریننگ لے لی۔ اور ریاستی نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے قرض دینے کا بھی انتظام کیا گیا۔ اس طرح ریاست کے مختلف محکموں میں ریاست کے ہی قابل اور کوالیفائیڈ نوجوان ملازم ہونے لگے۔ ریاستی ملازمتوں میں فرقہ وارانہ نمائندگی دیے جانے سے متعلق تمام محکموں کے افسران کو مہاراجہ بہادر کے خاص حکم کے ذریعہ ہدایت دی گئی کہ جن فرقوں کی نمائندگی ملازمتوں میں کم ہے، اُن فرقوں کو مناسب حصہ دیا جانا چاہیئے۔ چنانچہ اس پالیسی کے پیش نظر ریاست کے ہر شعبۂ ملازمت میں عمل کیا گیا۔

ریاست میں ہائیکورٹ کا قیام

مہاراجہ ہری سنگھ نے گدی نشین ہوتے ہی ریاست میں محکمہ انصاف و عدالت کی تنظیم کی طرف توجہ دی۔ اور ۱۹۲۸ء میں ہائیکورٹ آف جوڈیکیچر ایک چیف جسٹس اور دو ججوں پر مشتمل قائم کیا گیا۔ اس ہائیکورٹ کے پہلے ججان لالہ کنور سین ایم۔ اے بار ایٹ لاء چیف جسٹس۔ رائے بہادر دیوان بدھ راج ساہنی بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (لیڈر شاہی) ایل ایل (آکسفورڈ) بار ایٹ لاء اور خان صاحب آغا سید حسین مقرر کئے گئے۔ اور جب

۲۷ اپریل ۱۹۲۸ء کو ہائیکورٹ کی رسمِ افتتاح ہوئی تو میجر جنرل ٹھاکر جنک سنگھ آرمی منسٹر مشیر مال نے ججان ہائیکورٹ کو حلف دلایا۔ میجر جنرل موصوف نے حلف دلانے کی رسم کے عین بعد مختصر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "آج کی رسم مختصر طور پر ادا کی گئی ہے۔ لیکن اس رسم کے ساتھ ایک ایسا عظیم الشان مُستقبل وابستہ ہے جو یقیناً مُلک اور رعایا کے لئے بے حد شاندار اور مُفید ثابت ہوگا۔"

ریاست میں عدالت ہائے

۱۹۲۸ء میں ریاست جموں و کشمیر میں ۱۵۸ کے قریب دیوانی اور فوجداری عدالتیں تھیں۔ اور ریاست میں چار صد کے قریب ایڈوکیٹ اور وکلاء اہلِ مقدمات کو قانونی مشورہ دینے کا کام کرتے تھے۔ آج تو ان عدالتوں اور وکلاء وغیرہ کی تعداد، جب کہ ریاست کے ۱/۳ حصہ پر پاکستان کا ناجائز تسلط ہے، پہلے سے دوگنی ہو چکی ہے۔

لیٹرس پیٹنٹ

مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست کے ہائیکورٹ کا درجہ ہندوستان کے ہائیکورٹوں کے برابر کر دیا۔ اس کے لئے مہاراجہ نے ریاستی ہائیکورٹ کو لیٹرس پیٹنٹ (LETTERS PATENT) دئے۔

جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ

مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان کے ہائیکورٹوں کے تین قابل اور تجربہ کار ججوں پر مشتمل ایک جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ کا قیام بھی عمل میں لایا۔ یہ بورڈ مہاراجہ کو اُن مقدمات کے لئے مشورہ دیتا تھا جو کہ مہاراجہ کے حضور میں پیش ہوا کرتے تھے۔ اس بورڈ کے اجلاس موسم سرما اور موسم گرما کے لئے سرینگر اور جموں میں سال بھر میں ایک ایک بار ہوتے تھے۔ اس جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ کا رُتبہ بعینہٖ لنڈن کے جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ کی مانند سمجھا گیا تھا جو بادشاہ انگلستان کو مقدمات میں اپنا مشورہ دیتا ہے۔ اور یہ عام مشہور تھا کہ مہاراجہ ہری سنگھ ایسا ترقی پسند اور انصاف پرور حکمران ہے کہ جس نے کبھی اپنے جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ کے مشورہ کو نظر انداز نہ کیا۔ اور سارے ہندوستان میں ایسا بورڈ کسی دوسری ریاست میں نہیں۔ صرف ریاست جموں و کشمیر ہی ایسی ریاست ہے جس کے مہاراجہ نے اس قسم کا ہائی پاور بورڈ اپنی رعایا کو زیادہ سے زیادہ انصاف بہم پہنچانے کے لئے قائم کر رکھا ہے۔

نمائندہ کانفرنسیں

۱۹۲۷-۲۸ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاستی عوام کے حالات کو جاننے کے لئے ریاست کا دورہ کیا۔ جموں پرانت کے شمال مشرقی علاقہ میں مہاراجہ کا دورہ آج بھی اُس کے انصاف، غریب پروری، دیا دھرم اور خودداری کی داستانوں کی یاد دلاتا ہے۔ مہاراجہ کا ریاست میں دورہ دیہاتی لوگوں کے حالات، مشکلات اور مسائل سے آگاہ ہو کر اُن کی جملہ شکایات کو دُور کرنا تھا۔ مہاراجہ ریاست کی ہر تحصیل کے سرکردہ اشخاص یا پنچوں کی کانفرنس بُلاتے تھے۔ اور اُن دیہاتی نمائندوں سے عوام کے صحیح حالات سے روشناس ہو کر رعایا کے بھلے کے لئے اقدام کرتے تھے۔ اور یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک کہ ریاست میں پرجا سبھا (اسمبلی) کا قیام عمل میں نہ آیا۔ مہاراجہ نے ہفتہ میں ایک دن دیروار عوام سے مُلاقات یا بالمشافہ بات چیت کرتے اور اُن کی درخواستیں سُننے کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ اس دن کو ریاست کا ہر فرد بالحاظ مذہب و ملت مہاراجہ سے اپنی گذارشات کرنے کے لئے بلا روک ٹوک مل سکتا تھا۔ دیروار کا یہ دربار اپنی نوعیت کا ہوتا تھا۔

انگریزوں سے کشمکش، فرقہ دارانہ فسادات اور آئینی اصلاحات کی ترویج

مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر کی عنانِ حکومت سنبھالتے ہی انگریز ریذیڈنٹ مقیم کشمیر کو بہت سی مراعات سے محروم کر دیا جو مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں اُسے حاصل تھیں۔ اس کے علاوہ ریاست کے سرحدی معاملات کے متعلق مہاراجہ ہری سنگھ کو برطانوی حکومت سے اختلاف بھی پیدا ہو گیا۔ کیونکہ برطانوی سرکار بین الاقوامی حالات کے پیشِ نظر اس امر کی خواہاں تھی کہ ریاست سے گلگت کا علاقہ اُس کے حوالے کیا جائے اور مہاراجہ اپنا اقتدار جو بھی تھوڑا بہت اس علاقہ میں ہے، وہاں سے اُٹھا لے۔ لیکن ہری سنگھ اس بات پر بضد تھا کہ انگریزوں کی جو پولیٹیکل ایجنسی گلگت میں ہے، اُسے بھی ختم کر دیا جائے۔ اور گلگت کے تمام علاقہ کا نظم و نسق بلا شرکت غیرے ریاستی حکومت کے سپرد کیا جائے۔ لیکن انگریزوں کو رُوس کے بڑھتے ہوئے اقتدار کا خوف کھا رہا تھا۔ وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ گلگت کا سرحدی ضلع جس کی سیاسی اور فوجی اہمیت نہایت اہم ہے اور رُوس ایسے کمیونسٹ ملک سے نزدیک ہے، پر مہاراجہ کا مکمل کنٹرول ہو جائے۔ مہاراجہ کشمیر کے اس

قسم کے رویہ سے انگریز نالاں ہو کر مہاراجہ کو تنگ کرنے لگے اور انہوں نے اندرون ریاست میں گڑ بڑ پھیلانے اور ریاستی مسلم اکثریت کو اکسا کر فرقہ دارانہ فسادات کرانے کے منصوبے شروع کر دیئے۔ اسی اثناء میں مہاراجہ ہری سنگھ کو لنڈن میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے جانا پڑا۔

مہاراجہ ہری سنگھ گول میز کانفرنس میں

مہاراجہ ہری سنگھ کو اپنی ریاست جموں و کشمیر کی ترقی اور آزادی کے لئے ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی تمام تر دیسی ریاستوں کے مستقبل کے متعلق کافی دلچسپی تھی۔ چنانچہ مہاراجہ نے پہلی گول میز کانفرنس کے موقعہ پر ہندوستانی مہاراجگان اور ریاستوں کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنی تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا، وہ نہایت وطن پرستانہ تھے جن سے ایک دنیا میں تہلکہ مچ گیا کہ ہندوستان میں ایسا بھی کوئی والیٔ ریاست ہو سکتا ہے جو ہندوستان کی آزادی کی تحریک کا زبردست ہم نوا ہو۔ چنانچہ مہاراجہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ —

"برطانیہ کے دوست کی حیثیت میں ہم برطانیہ کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنے کے حق میں ہیں۔ بہ حیثیت ہندوستانی اور اپنی ماتری بھومی کے وفادار ہونے کے ہم (والیان ریاست) اپنے باقی ہم وطنوں کی مانند اس امر کے خواہاں ہیں کہ ہمارا ملک ایک باعزت پوزیشن حاصل کرے اور برطانوی دولت متحدہ میں برابر کا درجہ حاصل کرے۔"

یہ وہ وقت تھا جب راشٹر پتا مہاتما گاندھی کی قیادت میں آزادیٔ ہندوستان کی تحریک زوروں پر تھی اور انگریز سرکار "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر کاربند رہ کر ہندو مسلم فسادات کو ہوا دے رہی تھی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے خیالات کہ جو اُس نے انگریز کے گھر میں بیٹھ کر گول میز کانفرنس کے دوران ظاہر کئے تھے، دنیا میں کافی ہلچل مچی۔ اور ایک آزاد خیال وطن پرست مہاراجہ کے طور اس کی کافی مشہوری ہوئی۔ لیکن مہاراجہ ہری سنگھ اور برطانوی حکومت کے مدبرین میں اختلافات کی خلیج وسیع تر ہونے لگی۔ اور گول میز کانفرنس کی تقریر نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اور ابھی ہری سنگھ ولایت سے واپس اپنے وطن عزیز میں پہنچا بھی نہ تھا کہ ریاست میں فرقہ دارانہ فسادات کی آگ کے شعلے بلند ہو اٹھے۔ انگریز نے در پردہ اس آگ کو ہوا دی

دونوں کشمیر کو ایک ہندو ریاست مشہور کرکے یہاں کے مسلمانوں کے دلوں میں ہندو حکمران کے خلاف نفرت اور دشمنی پیدا کرکے وہ اپنے منصوبہ کی کامیابی پر شاداں و نازاں ہوئے تھے۔ انگریز مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف سازشوں کا جال بچھا چکا تھا۔ نتیجتاً جموں و کشمیر کے اسلامیان "ہندو حکومت" کا تختہ الٹنے کے درپے ہو گئے۔ ہندوستان پنجاب کے اینگلو انڈین اور مسلم اخبارات انگریز کے ایما پر ریاستی حکومت کے ظلم وستم کے فرضی قصے گھڑ کر مسلمانوں کو اکسانے لگے۔ اور ایک ایسی بدامنی اور بے اطمینانی کی لہر چلنے لگی کہ ریاست کا ہر فرد، وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا تھا، پریشان ہو اٹھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی ریاست سے غیر حاضری کے دوران ریاست کے انگریز افسر مسٹر ویکفیلڈ جو پچھلے کئی سالوں سے ہری سنگھ کا منظور نظر تھا اور جسے حکومت کشمیر کا روح رواں اور مہاراجہ کا خاص معتمد سمجھا جاتا تھا، نے حالات پر قابو پانے کی بجائے انگریز سازش کا ساتھ دیا۔ اور جموں جیل میں قرآن کی توہین اور عیدگاہ میں خطبہ عید کے واقعات کو اس قدر اچھالا کہ ایسے معلوم ہونے لگا کہ اب انگریز اور مسلمانوں کے لیڈر مل کر مہاراجہ کو کشمیر کے تخت سے اتار کر ہی دم لیں گے۔ حالات بد سے بدتر ہونے لگے۔ تو مہاراجہ ہری سنگھ نے جو تھوڑے دن پہلے ہی ولایت سے واپس آیا تھا، نے دیکھا کہ ریاست میں ایسی صورت حال درست نہیں۔ تو اس نے جموں کے سات مسلمان نمائندوں کو جن میں چوہدری غلام عباس اور سردار گوہر رحمان کے نام قابل ذکر ہیں، سرینگر میں بلایا۔ اور کشمیر سے بھی دس مسلمانوں کو لیا گیا جن میں شیخ محمد عبداللہ مولوی میرواعظ یوسف شاہ۔ پیر حسام الدین مظفرآبادی کے علاوہ اور بھی سرکردہ مسلمان تھے۔ چنانچہ مہاراجہ ہری سنگھ نے جموں وکشمیر کے ان سترہ مسلمان نمائندوں کو اپنے محلات میں بلا کر بات چیت کی اور تبادلہ خیالات کیا۔ اس ملاقات کے دوران کشمیر کے گورنر ٹھاکر کرتار سنگھ کے سوائے اور کوئی سرکاری رکن موجود نہ تھا۔ مسلم نمائندوں نے مہاراجہ سے ایک کمیشن کے تقرر کا مطالبہ کیا۔ لیکن یہ مطالبہ کرتے ہوئے بھی اُن کا رویہ نہایت متکبرانہ اور طرز گفتگو قابل اعتراض رہی۔ اور یہ کانفرنس کسی خوشگوار سمجھوتہ پر پہنچے بغیر ہی ختم ہو گئی۔

مسلمان نمائندوں نے مہاراجہ کی طرف سے بلائی گئی اس قسم کی کانفرنس کو مہاراجہ ہری سنگھ کی کمزوری پر محمول کیا اور دوسرے دن حکومت کے خلاف زور شور سے

پراپیگنڈہ شروع کر دیا گیا۔ جلوس نکلنے لگے، مظاہرے ہونے لگے۔ اُدھر پونچھ اور میرپور کے مُسلمانوں میں بے چینی کی آگ بھڑک اُٹھی۔ وہاں کے ایک مُسلمان رہنما مُفتی ضیاء الدین نے پونچھ سے نکل کر لاہور، سیالکوٹ اور پنجاب کے اکثر شہروں اور قصبوں میں حکومتِ کشمیر بالخصوص مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف زہر چکانی کی۔ مُفتی مذکورہ ایک آتش بیان مقرر تھا جس نے ریاست کے مُسلمانوں کی مظلومیت اور حکومتِ کشمیر کی بربریت کے قصّے اپنی تقریروں میں اِس لہجہ سے بیان کرنے شروع کئے کہ پنجاب کے مُسلمان بھی مہاراجہ کی حکومت کے خلاف جہاد کے لئے تیار نظر آنے لگے۔ یہ مُفتی صاحب انگریز کا تنخواہ دار ایجنٹ کہا جاتا تھا جو اپنی تقریروں میں انگریز کی مدح سرائی کے لئے بھی پیچھے نہ رہتا تھا۔

۱۳ر جولائی یوم الشہداء

حکومت نے متذکرہ الصدر سترہ کے سترہ مُسلم نمائندگان جموں و کشمیر کو مغویانہ سرگرمیوں کا الزام دے کر سرینگر میں گرفتار کر لیا۔ نمائندوں کی گرفتاری پر مُسلم عوام میں ہمہ گیر اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ آناً فاناً سرینگر کی تمام مُسلم دوکانیں بند ہو گئیں۔ اور یہ ہڑتال بدستور جاری رہی۔ حکومت کے ذمہ داران نے ہڑتال کھولنے کے لئے دوکانداروں کو تلقین کی۔ لیکن اُن کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ آخر حکومت مُسلمان نمائندوں کو رہا کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اور ۱۷ دن کے بعد اُن کی رہائی عمل میں لائی گئی۔ اور لیڈروں کی رہائی کے ساتھ ساتھ دوکانداروں نے ہڑتال ختم کر کے اپنی دوکانیں کھول دیں اور باقاعدہ کاروبار ہونے لگا۔ اور فضا میں کچھ تلخی کم ہوئی ہی تھی کہ یو۔ پی (اُتر پردیش) کا ایک مسلمان مولانا عبدالقدیر جو کشمیر کی سیر و سیاحت پر آئی ہوئی ایک انگریز خاتون کو اُردو پڑھاتا تھا، نے جامع مسجد میں جُمعہ کے روز ہزاروں مُسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فتویٰ دیا کہ "جو حاکم ظلم کرے اُس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دو"۔ اُس کی اس تقریر کا ردِ عمل سرکاری حلقوں میں بہت بُرا ہوا۔ تقریر کے الفاظ کو باغیانہ قرار دے کر اُس کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ اور جب سنٹرل جیل سرینگر میں ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کو عبدالقدیر کے لئے تین سال تک سزا کا فیصلہ سنایا گیا تو مُسلمانوں کا بے پناہ ہجوم جو جیل کے دروازہ پر کھڑا تھا مشتعل ہو گیا۔ ہجوم پر قابو پانے کے لئے پولیس کی نفری ناکافی تھی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کشمیر موقعہ پر موجود

تھا۔ لیکن پولیس اور مجسٹریٹ کا مشتعل ہجوم کو پُرامن رکھنے کا کوئی بھی حیلہ کارگر نہ ہوا۔ اور جب ہجوم "تشدد" پر اُتر آیا اور اُسے قابو میں رکھنا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بس کا روگ نہ رہا تو پولیس نے بندوقیں تان لیں اور حاکم کے حکم پر مشتعل مجمع کو منتشر کرنے کے لئے گولی داغ دی جس سے سات اشخاص جاں بحق ہو گئے۔ اور لوگ اُن ساتوں کی لاشوں کو اُٹھا کر جامع مسجد سرینگر میں لے گئے جہاں کہ ہزارہا لوگ اکٹھے ہو گئے۔ جن کے جوش و خروش اور غیض و غضب کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ حکام کی تمام کوششیں ہجوم کو منتشر کرنے کی ناکام ہو گئیں۔ لوگ جوق در جوق جامع مسجد میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ احاطہ مسجد میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہ رہی تھی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے لوگوں کو سمجھایا۔ لیکن اُس کی ایک نہ سُنی گئی۔ چنانچہ اشتعال میں آئے ہوئے اِس مجمع کو منتشر کرنے کے لئے پولیس نے پھر گولی چلا دی اور احاطہ جامع مسجد میں مزید دس آدمی پولیس کی گولی سے ہلاک ہو گئے۔ بعد میں ۱۷ لاشوں کو تجہیز و تکفین کے لئے ایک جلوس کی شکل میں احاطہ زیارت نقشبند میں لے جایا گیا جہاں کہ اُنہیں دفن کیا گیا۔ اب یہ مقام "مزار الشہداء" کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں کہ ہر سال ۱۳ر جولائی کے دن شہیدوں کی یاد منائی جاتی ہے۔ یہ دن یوم الشہداءُ کے نام سے موسوم ہے۔ اور ریاست کی نیشنل کانفرنسی حکومت جب سے برسر اقتدار آئی ہے، اِس دن کو ریاست بھر میں تعطیل عام کی جاتی ہے۔

راجہ ہری کشن کول وزیر اعظم

مہاراجہ ہری سنگھ نے راجہ ہری کشن کول کو ریاست کا وزیر اعظم بنایا۔ ایسے وقت میں جبکہ انگریز اِس امر پر بضد تھا کہ ریاست کی ہندو حکومت کو جس طرح بھی ہو بدنام کر کے مہاراجہ ہری سنگھ کو احساس کرایا جائے کہ برطانوی حکومت کی بات نہ مان کر وُہ اپنی راہ میں کانٹے بکھیر چکا ہے اور ریاستی مسلمانوں کی ناراضگی مول لے لی ہے۔ اِس طرح برطانوی ہند کے مسلمانوں کو بھی انگریز اُکسا رہا تھا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر احراریوں کے جتھے پنجاب سے سیالکوٹ کی راہ ریاست میں داخل ہونے کے لئے آنے لگے اور ریاست کے حکام اُن جتھوں کو گرفتار کر کے ستواری کے قریب بند کرتے تھے۔ ایسے گرفتار شدہ افراد کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔

پونچھ اور میرپور میں فسادیوں نے افراتفری مچا رکھی تھی۔ وادی کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ

جو سکول میں سائنس ٹیچر تھا ۔ میدان سیاست میں کود پڑا اور کشمیری مسلمانوں کی لیڈری اس کے ہاتھ میں آگئی ۔ یہاں تک کہ وہ عام کشمیریوں کا محبوب لیڈر سمجھا جانے لگا ۔ راجہ ہری کشن کول نے ہر چند کوشش کی کہ ریاست میں بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ کشیدگی کو 6
دور کیا جائے تاکہ مختلف فرقہ جات کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے فضا ساز گار ہو سکے ۔ لیکن وہ اپنی کوششوں میں ناکام رہا ۔ ریاست کے انگریز منسٹر ویکفیلڈ کو علیحدہ کر کے بھی فضا کا تکدر ختم نہ ہو سکا ۔ مہاراجہ نے انڈین سول سروس کے دو انگریز حکام کی خدمات مستعار لیں ۔ ان میں ایک مسٹر جنکسن ڈپٹی کمشنر امرتسر کا تھا ۔ چوہدری ملام چند کو پنجاب سے لا کر ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور انگریز مسٹر لاتھر کو انسپکٹر جنرل پولیس کا عہدہ دیا گیا ۔ لیکن حالات پھر بھی قابو میں نہ آئے ۔ ریاست کے ہندو اور مسلمان کا حکومت کے حق میں نظریہ ایک دوسرے کے بالکل الٹ تھا ۔ ہندو مجموعی طور پر حکومت کی پشت پر تھے ۔ لیکن مسلمان جن کی آبادی ریاست میں ۸۰ فی صد تھی حکومت سے بالکل مطمئن نہ تھے ۔ وہ ہر قیمت پر مہاراجہ کو اختیارات سے معزول کرانے کے درپے تھے ۔

تو برطانوی حکومت کے ایماء پر کشمیر کے انگریز ریذیڈنٹ نے مہاراجہ ہری سنگھ کو مجبور کیا کہ مسلمانوں کی شکایات کو دور کرنے کے لئے ایک ایسا کمیشن مقرر کیا جائے جس میں انگریزوں کا غلبہ ہو ۔ مہاراجہ نے ریذیڈنٹ کی استدعا کو قبول نہ کیا بلکہ ریاستی ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کی زیر سرکردگی ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی لیکن مسلمانوں نے اس کمیٹی کا بائیکاٹ کر دیا ۔ تو وائسرائے ہند نے ریذیڈنٹ کی معرفت مہاراجہ ہری سنگھ کو خفیہ پیغام بھیجا کہ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں اور ہندوستان بھر بالخصوص سرحدی علاقوں کے مسلمان ریاستی مسلمانوں سے ہمدردی کے طور جہاد کے لئے کمربستہ ہو رہے ہیں ۔ کیا ان حالات میں یہ مناسب نہ ہوگا کہ ایک ایسا تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے جو بیرونی آزاد اور غیر جانبدار عناصر پر مشتمل ہو یا مقامی تحقیقاتی کمیٹی کی امداد کے طور پر ایک مسلمان جج ہائیکورٹ کی خدمات ہی حاصل کی جائیں ۔ لیکن مہاراجہ نے وائسرائے کی اس تجویز کو اپنے ہائیکورٹ کی توہین پر محمول کیا اور ریذیڈنٹ کو صاف جواب دے دیا کہ مجھے برطانوی سرکار کی ایسی کوئی تجویز منظور نہیں ۔ اس پر حالات اور زیادہ بگڑ گئے ۔

چنانچہ [illegible] کشمیر کے خلاف پنجاب او

ہندوستان میں پیدا شدہ کی وشیدگی کو تیز کر دیا اور ریاست کے اندر [illegible] مسلمانوں نے اپنی ایجی ٹیشن ریاست کے [illegible] قصبے اور دیہات میں پھیلا دی [illegible] اضلاع فسادات کی لپیٹ میں آگیا [illegible] مسلمانوں نے حکومت کے خلاف [illegible] اور [illegible] نکالنا شروع کر دیے۔ اس [illegible] صورت حال سے نپٹنے کے لیے حکومت نے زیادہ سختی برتنا شروع کی۔ حکومت نے برما آرڈی نینس کی لائن پر نوٹیفکیشن ۱۹ ایل جاری کر کے شورش پسندوں کی گرفتاریاں شروع کر دیں۔ برطانوی حکومت [illegible] فساد کی بنیاد تھی، نے مسلمانوں کی دھڑا دھڑ گرفتاریاں دیکھ کر ریذیڈنٹ کی معرفت مہاراجہ کو دھمکی دی کہ وہ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لیے عملی اقدام کرے۔ اور ساتھ ہی [illegible] گھنٹے کا الٹی میٹم دے دیا کہ اگر اس عرصہ میں مہاراجہ نے ہماری ہدایت کے مطابق کام نہ کیا تو اس کے لئے اچھا نہ ہوگا۔ بالآخر مہاراجہ نے برطانوی حکومت کے مشورہ سے آرڈی نینس ۱۹ ایل واپس لے لیا۔ اور جتنے بھی سیاسی قیدی جیلوں میں تھے سب کو رہا کر دیا۔ اور راجہ ہری کشن کول کی بجائے گورنمنٹ آف انڈیا کے پولیٹیکل محکمہ کے ایک سرکردہ انگریز لیفٹیننٹ کرنل ای۔ جے۔ ڈی کالون کو ریاست کا وزیر اعظم مقرر کر کے مسلمانوں کی مظلوم شکایات کا ازالہ کرنے اور تحقیقات کرانے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ برطانوی حکومت کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے سر بی۔ جے۔ گلانسی کی چیئرمین شپ میں ایک کمیشن کی تقرری کے احکام نافذ کیے۔ اور کہ انڈین سول سروس کے تین ہندوستانی افسروں کو ہوم، ریونیو اور پولیس کے محکمہ جات سپرد کیے گئے۔ اس طرح ریاستی مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے ساتھ ساتھ انگریز کی خوشنودی بھی حاصل کر لی۔ اور ریاست کا تمام نظم و نسق برٹش انڈیا سرکار کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔

2 Nov 1932

۱۲ نومبر ۱۹۳۲ء کو گلانسی کمیشن کی تقرری کا اعلان کیا۔ سر بی۔ جے۔ گلانسی اس کمیشن کے صدر اور چار غیر سرکاری ممبران پنڈت پریم ناتھ بزاز اور خواجہ غلام احمد عشائی کشمیر سے اور چوہدری غلام عباس اور شری لوک ناتھ شرما ایڈووکیٹ جموں سے لیے گئے۔ لیکن جموں کے ہندوؤں کے مجبور کرنے پر لوک ناتھ شرما ایڈووکیٹ کمیشن سے دستبردار ہو گیا۔ کمیشن نے اپنا کام جاری رکھا اور کئی ایک سفارشات مہاراجہ بہادر کو پیش [illegible] جو سب کی سب منظور کر لی گئیں۔ اور ایک سرکاری اعلان کے ذریعہ گلانسی کمیشن کی سفارشات پر

مُہرِ تصدیق ثبت کی گئی۔ گلانسی کمیشن نے عوام کی شکایات کی جانچ پڑتال کر کے کئی ایک تجاویز پیش کی تھیں۔ اُن میں سرکاری ملازمتوں کے لئے کم از کم قابلیت کا معیار قائم کیا گیا جو مختلف قسم کی ملازمتوں کے لئے ضروری تھا۔ کمیشن نے ایک سفارش یہ بھی کی تھی۔ کہ زمینداروں کو حقِ ملکیت دیتے وقت حکومت نذرانہ وصول کر سکتی ہے۔ لیکن مہاراجہ ہری سنگھ نے بائیس لاکھ کے قریب نذرانہ کی رقم کو مُعاف کر دیا۔ بلکہ اپنے پرائیویٹ ڈیپارٹمنٹ سے جو دیہات ریاست میں شامل کئے گئے، اُن کو بھی یہ رعایت دی گئی۔

مڈلٹن تحقیقاتی کمیٹی

مہاراجہ بہادر نے صُوبہ جموں کے فرقہ دارانہ فسادات سے متعلق بھی ایک انگریز افسر مڈلٹن صاحب کو تحقیقات کا کام سُپرد کیا تھا جس نے عوام سے مِل کر اور سینکڑوں افراد سے شہادتیں لے کر اپنی تحقیقات کو ختم کیا۔ اور مہاراجہ بہادر کے پاس اپنی رپورٹ پیش کی کہ ریاست کے مُسلمانوں نے احراریوں کی جتھہ بندی سے متاثر ہو کر حکومت کے احکام کی کُھلے بندوں خلاف ورزی کی۔ چونکہ عام مُعافی کا اعلان ہو چکا تھا۔ اِس لئے شورش پسندوں کے خلاف کسی قسم کا زبردست اقدام نہ کیا گیا۔ صورتِ حالات صرف اُسی صُورت میں قابو آ سکتی تھی کہ حکومت کوئی مضبوط کارروائی کرتی، ہندوؤں اور مُسلمانوں نے اپنے مسلح رضا کار تیار کر رکھے تھے جس سے امنِ عامہ سخت خطرے میں پڑ گیا تھا اور حکام کو اپنی ذمہ داری کا کوئی احساس نہ تھا۔ بلکہ اُن کا کردار ایک دُوسرے پر ذمہ داری ڈالنے کا تھا۔

تحریر و تقریر کی آزادی

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں زیرِ ادارت لالہ مُلک راج صراف اور پنڈت گنگا ناتھ شرما ریاست کا سب سے پہلا اخبار ہفتہ وار "رنبیر" شائع ہونا شروع ہوا۔ اِس اخبار کی اجازت بڑی جد و جہد کے بعد اِس کے مالک شری صراف نے حکومت سے حاصل کی تھی۔ اُس وقت "رنبیر" ریاست کا واحد اخبار تھا۔ یہ اخبار جُون ۱۹۲۴ء میں جموں راجدھانی سے نکلنے لگا۔ اور ابھی رنبیر کو شائع ہوتے بمشکل چار سال گزرے تھے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت نے ۲۹ مئی ۱۹۳۰ء کو اسے غیر معین عرصہ کیلئے بند کر دیا۔ رنبیر کا قصور یہ تھا کہ اس نے اپنے ایک خاص شمارہ میں ۷ مئی ۱۹۳۰ء کو اُس ہڑتال اور جلسہ و جلوس کا تذکرہ کیا تھا جو ہندوستان کی قریب آزادی کے سب سے بڑے نیتا مہاتما گاندھی کی گرفتاری پر جموں کے عوام نے

نکالا تھا۔ اس جلوس و جلسہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ایک گدھے کو انگریزی ٹوپ پہنا کر آگے رکھا گیا تھا۔ اور ولایتی کپڑوں کی ہولی جلائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ریاست کی اولین قوم پرست جماعت ڈوگرہ صدر سبھا کو بھی حکومت نے خلاف قانون قرار دے دیا۔ کیونکہ اس کے جنرل سیکرٹری نے انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ اپنی خط و کتابت میں ڈوگرہ سبھا کو جموں و کشمیر کی کانگریس کمیٹی ظاہر کیا تھا۔

۱۹۳۱ء کے فسادات کے دوران ماہ نومبر میں اخبار رنبیر اور ڈوگرہ صدر سبھا سے راجہ ہری کشن کول پرائم منسٹر نے پابندی ہٹا لی۔ سبھا کے لیڈر لالہ ہنسراج کے خلاف مقدمہ بھی واپس لے لیا گیا۔ سبھا از سر نو باقاعدہ کام کرنے لگی۔ اور ریاست میں پھیلی ہوئی اس کی کل ہم برانچیں بھی معرض وجود میں آ گئیں۔ اس کے ساتھ ہی اخبار رنبیر بھی پھر جاری ہو گیا۔ اور اس طرح ریاست میں پریس کی آزادی کو بحال کر دیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کے ایک اہم اعلان کی رُو سے ریاست جموں و کشمیر میں تحریر و تقریر کی تمام آزادی دے دی گئی اور ریاست کا پریس ایکٹ برطانوی ہند کے پریس ایکٹ کے مطابق مرتب کیا گیا۔ آزادیٔ تحریر و تقریر کے اعلان کے بعد رنبیر کے علاوہ مُسلم اخبار "پاسبان" زیرِ ادارت منشی معراج الدین احمد جموں سے شائع ہونا شروع ہوا۔ پھر لالہ شیورام گُپتا نے "امر" جموں سے اور پنڈت پریم ناتھ بزاز نے "وِتستہ" سرینگر سے شروع کیا۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء تک ریاست جموں و کشمیر میں سرینگر۔ جموں، میرپور اور پونچھ سے جو اخبارات شائع ہوتے تھے، اُن کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی۔

اصلاحاتی کمیشن کا قیام

مہاراجہ ہری سنگھ نے گلانسی کمیشن کی رپورٹ کی منظوری کے بعد ایک اصلاحاتی کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔ اِس کمیشن کا پریذیڈنٹ بھی مسٹر گلانسی کو ہی بنایا گیا۔ کمیشن دو سرکاری اور بارہ غیر سرکاری ممبران پر مشتمل تھا۔ چودہ ممبری کمیشن کا دائرہ کار اُن شکایات کی تحقیقات تک محدود تھا جو حکمرانِ ریاست کو مذہبی یا مجموعی نوعیت کی پیش کی گئی تھیں۔ کمیشن کو براہ راست شکایات کی تحقیقات کا بھی اختیار دیا گیا۔

کمیشن نے مذہبی۔ تعلیمی۔ ملازمت۔ مالیہ کا ہچرائی اور متفرق قسم کے مسائل اور شکایات کی تحقیقات کی۔ اور مہاراجہ بہادر کو اپنی رپورٹ سفارشات کے ساتھ پیش

کی۔ کمیشن نے سفارش کی کہ سرکاری ملازمتوں میں اہلِ اسلام کا تناسب ناکافی ہے۔ چونکہ قابل مسلمان دستیاب نہیں ہوتے۔ اس لئے کم از کم تعلیمی معیار کو پیش نظر رکھا جائے۔ تمام خالی اسامیوں کو پر کرنے کے لئے وسیع پبلسٹی ہونی چاہیئے۔ اسی طرح ملازمت حاصل کرنے کے لئے دیئے جانے والے وظیفوں کے متعلق کارروائی ہونی چاہیئے۔ تقرریات عمل میں لانے کا طریقہ ایک سا ہونا چاہیئے۔ اور اس طریقہ کی نگرانی ایسی ہو کہ کسی فرقہ کے جائز حقوق نظر انداز نہ ہوسکیں۔ ملازمتوں میں کم از کم تعلیمی معیار کی تصریح سے زیادہ تعلیم یافتہ لوگوں میں بے چینی اور ناراضگی پیدا ہوگئی۔ کشمیری ہندوؤں کا ایسی سفارش کے خلاف ناراض ہونا قدرتی تھا۔ کیونکہ وہ زیادہ تعلیم یافتہ تھے۔ اس سفارش سے وہ اپنی قابلیت اور تعلیم کی بناء پر ملنے والے حقوق سے محروم ہو جاتے تھے۔ مثلاً اگر ایک اسامی کے لئے قابلیت کا معیار مڈل یا میٹرک پاس تھا تو اس پر میٹرک سے اوپر کے ڈگری یافتہ کو مستحق نہیں سمجھا جا سکتا۔ چنانچہ اس پر وادیٔ کشمیر کے ہندوؤں اور جموں کے ہندوؤں میں ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ جس نے ایجی ٹیشن کی صورت اختیار کر لی۔ اور کشمیری ہندوؤں میں پنڈت کشیپ بندھو، پنڈت دامودر بٹ اور جموں میں سردار مہندر سنگھ، گوپال دت مینگی اور دیگر سے دوسرے سرکردہ ہندوؤں کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ گلانسی اصلاحاتی کمیشن نے جو سفارشات کی تھیں، وہ زیادہ تر فرقہ وارانہ تناسب پر مبنی تھیں۔ ان سفارشات کو ریاست کے ہندو سکھوں نے اپنے لئے تباہ کن قرار دیا اور ان کی مختلف سبھا سوسائٹیوں نے جموں اور سرینگر میں جلسے اور جلوس نکال کر زبردست پروٹسٹ کیا۔ تو مہاراجہ بہادر نے ایک شاہی اعلان جاری کیا جس کی رو سے گرفتار شدگان کو رہا کر دیا گیا۔ اور ایک فرنچائز کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ گلانسی کمیشن نے مہاراجہ ہری سنگھ کی خواہش کے مطابق رعایا کو ریاست کے نظم و نسق میں شامل رکھنے کے لئے ایک اسمبلی (پرجا سبھا) کا قیام ضروری سمجھا تھا۔ اور کہ اسمبلی کی ساخت کے تعلق میں جداگانہ انتخاب اور نشستوں کی تخصیص کی تھی۔ کمیشن کی سفارشات میں اسمبلی کے ممبروں کی تعداد ۷۵ رکھی گئی۔

فرنچائز کمیٹی مہاراجہ ہری سنگھ نے گلانسی کمیشن کی سفارشات کے بعد ایک فرنچائز کمیٹی اس غرض کے لئے قائم کی کہ گلانسی اصلاحاتی کمیٹی کی رپورٹ میں جن اصلاحات پر بحث کی گئی ہے اور جو حکومت کی توجہ کے محتاج ہیں جہاں تک اسمبلی

کی اُمنگیں اور حق رائے دہندگی کا مطالبہ تھا۔ اس کے لئے ضروری اعداد و شمار فراہم کرکے فرنچائز کمیٹی اپنی رپورٹ پیش کرے۔ اس کمیٹی سر برجور دلال چیف جسٹس مسٹر جارڈین فنانس منسٹر، شیخ عبدالقیوم ہوم منسٹر، ٹھاکر کرتار سنگھ ریونیو منسٹر پر مشتمل تھی۔ مسٹر دلال اور مسٹر جارڈین اس کمیٹی کے پریذیڈنٹ اور وائس پریذیڈنٹ تھے۔ اور کمیٹی کے سیکرٹری کے فرائض پنڈت رام ناتھ رجسٹرار ہائیکورٹ کے سپرد کئے گئے۔ اس کمیٹی کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ وہ اصلاحاتی کمیٹی کی رپورٹ کے جملہ پہلوؤں پر اپنی سفارشات کرے اور مختلف جماعتوں اور سرکردہ لوگوں کی زبانی یا تحریری شہادت کو بھی پیش نظر رکھے۔ فرنچائز کمیٹی نے اپنا کام چند ایک ماہ میں ختم کرکے اپنی سفارشات مہاراجہ بہادر کو پیش کیں جو کہ منظور کر لی گئیں۔

(۷)

پرجا سبھا (اسمبلی) کا قیام

۱۹۳۴ء میں ریاست کے لوگوں کو اپنی اسمبلی کے منتخب کرنے کا حق دیا گیا۔ اور اس طرح پرجا سبھا کا قیام عمل میں لانے کے لئے ۷۵ ممبران کا ہاؤس رکھا گیا۔ اس پرجا سبھا کے اجلاس جموں اور سرینگر میں سردیوں اور گرمیوں میں ہونے لگے۔ ابتداء میں محدود حق رائے دہندگی عوام کو دیا گیا۔ سبھا میں ۶۰ غیر سرکاری ممبران لئے گئے جن میں ۳۳ ممبران عوام کے براہ راست ووٹوں سے منتخب ہوتے تھے اور باقی ۱۵ سرکاری ممبران حکومت کے منسٹران اور سیکرٹری تھے۔ مہاراجہ نے ریاست کا کانسٹی ٹیوشن ایکٹ ایک خاص اعلان کرکے منظور فرمایا۔ اس ایکٹ کی رو سے حکومت، مجلس قانون ساز اور محکمہ عدل و انصاف کیلئے ضابطہ مقرر کیا گیا۔ چنانچہ ریاست کی حکومت منظور شدہ دستور اساسی (CONSTI-TUTION ACT) کے تحت چلنے لگی۔

پرجا سبھا کو مزید اختیارات

۱۹۳۹ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے پرجا سبھا کے منتخب ممبروں کی تعداد ۳۳ سے ۴۰ کر دی اور پرجا سبھا کو اپنا ڈپٹی پریذیڈنٹ منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا اور غیر سرکاری ممبروں سے منسٹروں کے ساتھ پرجا سبھا کے امور میں ہاتھ بٹانے کے لئے انڈر سیکرٹریوں کا تقرر کیا گیا۔ پرجا سبھا کو بجٹ کے اُن حصوں پر جو محفوظ رکھے گئے تھے، ووٹ دینے اور محصول ٹیکس وغیرہ عاید کرنے کے متعلقہ قوانین وضع کرنے کا بھی حق دیا گیا۔

ریاست جموں و کشمیر کا دستور اساسی

مہاراجہ کے ذاتی اختیارات

باوصف کسی امر مندرجہ دستور اساسی یا کسی دیگر ایکٹ کے جملہ اختیارات متعلق وضع قوانین صیغہ انتظامات اور عدالتی معاملات متعلقہ ریاست اور حکومت ریاست کی نسبت قرار دیا گیا کہ وہ ہمیشہ اور بدستور مہاراجہ کے ذاتی اقتدار کے تحت ہوں گے جیسے کہ وہ اب تک تھے۔ اور کوئی امر مہاراجہ کے حق اختیار شاہی دربارہ وضع قوانین اجرائے اعلانات و احکام اور آرڈی نینس پر جن کا اختیار مہاراجہ کو حاصل ہے، اثر انداز نہ ہوگا۔

کونسل کے اختیارات

حکمران ریاست کے شاہی اختیارات کے تابع ریاست کے نظم و نسق سے متعلق نگرانی۔ رہنمائی اور ضبط حکومت کا اختیار کونسل کو دیا گیا۔ کونسل وزیر اعظم اور ایسے دیگر وزراء ریاست پر مشتمل ہوگی جو مہاراجہ بذریعہ فرمان شاہی مقرر کرے۔ وزیر اعظم اور دیگر وزراء حکمران ریاست کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اور اُس وقت تک اپنے عہدوں پر متمکن رہیں گے جب تک کہ حکمران ریاست پسند کرے۔ کونسل کا پریذیڈنٹ وزیر اعظم ہوگا۔

مجلس وضع قوانین

پرجا سبھا مجاز ہے کہ تمام ریاست یا اُس کے کسی حصہ اور تمام رعایاء مہاراجہ کے لئے، جہاں کہیں بھی وہ ہو، قوانین وضع کرے۔ چند معاملات پرجا سبھا کے دائرہ اختیارات سے محفوظ رکھے گئے ہیں:-

(الف) مہاراجہ یا کسی رکن شاہی خاندان کے خانگی معاملات۔ (ب) ایسے تعلقات۔ عہدنامہ جات۔ معاہدات جو ریاست اور شاہ برطانیہ یا حکومت ہند وغیرہ کے ساتھ موجود یا نافذ ہوں۔ یا آئندہ قائم کئے جائیں۔ یا وضع کئے جائیں۔ (ج) معاملات متعلقہ پالیسی سرحدات۔ (د) افواج ریاست کی تنظیم اور اہتمام وغیرہ۔

پرجا سبھا کے اجلاس میں تمام سوالات کا تصفیہ کثرت رائے سے ہوتا ہے۔ پرجا سبھا کی کارروائی کے لئے ممبروں کے ۱/۵ حصہ کی حاضری لازمی ہے۔ پرجا سبھا کے پاس کردہ

خواہش کا مسودہ حکمران ریاست کی منظوری کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اور مہاراجہ مجاز ہے کہ وہ اس مسودہ کو منظور کرے یا نامنظور کر دے۔ کوئی مسودہ قانون جو مہاراجہ کی منظوری حاصل کر چکا ہو، جموں و کشمیر گورنمنٹ گزٹ میں شائع ہونے کے بعد قانونی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔

پرجا سبھا کے ہر ممبر کو سوالات دریافت کرنے یا قرارداد کی تحریک کرنے کا حق حاصل ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا سوال نہ پوچھا جائے یا کسی ایسی قرارداد کی تحریک نہ کی جائے جس کا اثر کسی فرقہ کے مذہبی حقوق۔ رسم و رواج۔ اوقاف یا ذاتی قانون پر پڑتا ہو۔ تاوقتیکہ اُسی فرقہ کے کسی رُکن نے ایسا سوال دریافت نہ کیا ہو یا اُس قرارداد کی تحریک نہ کی ہو۔

مہاراجہ کی منظوری حاصل کئے بغیر کسی ایسے مسودہ قانون کو پرجا سبھا میں پیش کرنے یا اُس پر غور کرنے یا پاس کرنے کا حق حاصل نہیں جو کسی فرقہ کے مذہبی حقوق رسم و رواج۔ اوقاف یا ذاتی قانون پر اثر انداز ہوتا ہو۔ اُس کا $\frac{2}{3}$ حصہ ممبر اس اجلاس میں حاضر ہو۔ اور جب تک یہ $\frac{2}{3}$ حصہ ممبر اس قانون کے حق میں رائے نہ دے تب تک ایسا قانون پاس نہیں ہو سکتا۔

ریاست کا امن عامہ قائم رکھنے کے لئے قانون وضع کرنے کی فوری ضرورت کے وقت کونسل مجاز ہے کہ مہاراجہ کو آرڈیننس پیش کرے۔ اور ایسا آرڈیننس مہاراجہ کی منظوری کے بعد اتنی مُدت کے لئے جو تاریخ نفاذ سے چھ ماہ سے زائد نہ ہوگی، قانونی حیثیت حاصل کرتا ہے۔

پرجا سبھا کے اختیارات مالی معاملات

کونسل کی طرف سے ہر ایک مالی سال کی نسبت ایک نقشہ پرجا سبھا میں پیش کیا جاتا ہے جس میں ریاست کے اُس سال کے تخمینہ جات آمدنی اور خرچ درج ہوتے ہیں۔ نقشہ میں اخراجات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک وہ جن کا بار ریاست کی آمدنی پر ہے۔ دُوسرے وہ جن پر پرجا سبھا کو رائے دینے کا حق ہے۔ پہلی قسم کے اخراجات پرجا سبھا کے اختیارات سے محفوظ ہیں۔ اور ان میں شامل ہیں، علاوہ ملٹری کے اخراجات۔ ججان ہائیکورٹ اور ارکان بورڈ مشیران عدالت کی تنخواہیں سے متعلق

چندہ عطیات اور وظیفہ جات منظور شدہ مہاراجہ بہادر یا سیاسی اخراجات شامل ہیں تخمینہ جات میں جو رقوم دیگر اخراجات کے متعلق ہوں، پرجا سبھا میں مطالبہ رقوم کی شکل میں پیش کی جاتی ہیں۔ پرجا سبھا کو اختیار ہے کہ وہ کسی مطالبہ کو منظور کرے یا اُس کی منظوری دینے سے انکار کر دے یا کسی مطالبہ کو تابع تخفیف رقم سے منظور کرے۔

حکمران ریاست مجاز ہے کہ اشد ضرورت کی صورت میں ایسے اخراجات جو اُس کی رائے میں ریاست یا ریاست کے کسی حصہ میں امن و امان برقرار رکھنے یا کسی محکمہ کا کام چلانے کے لئے ضروری ہوں، اُن کی منظوری دے۔

ہائیکورٹ آف جوڈیکیچر

ریاست کا ہائی کورٹ ایک چیف جسٹس اور دو یا دو سے زیادہ دوسرے ججوں پر مشتمل ہوگا جنہیں مہاراجہ وقتاً فوقتاً مقرر کرے گا۔ چیف جسٹس کو اختیار ہے کہ وہ اس امر کا فیصلہ کرے کہ کون جج کس مقدمہ کی سماعت کرے گا یا کون سا مقدمہ دو ججان سماعت کریں گے یا کون سا فل بنچ میں پیش ہوگا۔ ریاست کی تمام عدالتوں کی نگرانی اور انتظام کے اختیارات ہائی کورٹ کو حاصل ہیں۔ ہائیکورٹ کو جملہ عدالتوں کے فیصلوں کی اپیل اور نگرانی کی سماعت کا اختیار ہے۔

جوڈیشل اینڈ ایڈوائزری بورڈ

مہاراجہ مجاز ہے کہ وہ ایک بورڈ مقرر کرے جو ایسی دیوانی اور فوجداری اپیلوں کے بارے میں فیصلہ کی غرض سے مہاراجہ کو مشورہ پیش کرے جو قانون نافذ الوقت کے تحت فیصلہ ہائے ہائیکورٹ کے خلاف مہاراجہ کے پاس پیش کی جائیں اور نیز ایسے معاملات کے بارہ میں جو مہاراجہ بہادر بورڈ کے پاس بغرض مشورہ بھیجنا پسند فرمائے۔ ریاست میں یہ بورڈ وہی فرائض سرانجام دیتا ہے جو برطانوی ہند کی صورت میں لنڈن کی جوڈیشل ایڈوائزری کمیٹی۔

حلف برداری وزراء حکومت

وزیر اعظم اور دوسرے وزراء کو اپنے عہدہ کے فرائض سنبھالنے سے پہلے ذیل کا حلف لینا پڑتا ہے:

Scanned with CamScanner

"میں (نام) جو بطور منسٹر مقرر ہوا ہوں، حلف لیتا ہوں کہ میں ہز ہائینس شری مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر اندر مہندر سپر سلطنت انگلشیہ جی۔سی۔ایس آئی وغیرہ وغیرہ والئی جموں و کشمیر حضور ممدوح کے ورثا اور جانشینوں کی وفاداری اور صحیح اطاعت میں ثابت قدم رہوں گا۔ اور کہ میں اُس فرض کو جو میرے سپرد ہونے والا ہے، دیانت داری سے سرانجام دوں گا۔"

"میں مزید صدق دلانہ حلف لیتا ہوں کہ میں بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی شخص یا اشخاص کو اُس معاملے سے مطلع نہ کروں گا اور نہ اُس پر ظاہر کروں گا جو میرے غور کے لئے آئے یا بطور منسٹر میرے علم میں آئے، ماسوائے ایسی حالت کے کہ مجھ کو ایسے منسٹر کی حیثیت سے سرانجام دہی فرائض کے سلسلہ میں بصورت خاص ہز ہائینس کی اجازت سے اس طرح کرنے کی ضرورت ہو۔"

حلف جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ اور ججان ہائیکورٹ :—

"میں (نام) جو ممبر جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ (چیف جسٹس) (جج ہائیکورٹ) مقرر ہوا ہوں، صدق دلانہ حلف لیتا ہوں کہ میں ہز ہائینس راج راجیشور مہاراج ادھیراج شری مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر اندر مہندر سپر سلطنت انگلشیہ جی سی۔ایس آئی وغیرہ وغیرہ والئی جموں و کشمیر حضور ممدوح کے ورثا اور جانشینوں کی وفاداری اور صحیح اطاعت میں ثابت قدم رہوں گا۔ اور میں اُن فرائض کو جو میرے سپرد ہونے والے ہیں، اپنی بہترین قابلیت، علم اور قوتِ فیصلہ کے مطابق سرانجام دُوں گا اور مُلک کے قانون اور رسم و رواج کے مطابق عدل گستری میں کسی خوف، رعایت، جانبداری یا عناد سے کام نہ لُوں گا۔"

گلگت پر انگریزی اقتدار

۱۹۳۵ء تک انگریزی کی نشہ پر پست تا میں ہو رہے فرقہ دارانہ فساد ختم ہو چکے تھے

ریاست کی انتظامیہ کونسل انگریز پرائم منسٹر اور انڈین سول سروس کے افسروں کی

خدمات مستعار لے کر چل رہی تھی۔ گلانسی کمیشن کی سفارشات پر عمل ہونے لگ گیا تھا۔ اور اصلاحاتی کمیشن کی سفارش پر پرجا سبھا (اسمبلی) کے انتخابات ہو چکے تھے تو مہاراجہ ہری سنگھ اور برطانوی حکومت کے مابین ایک معاہدہ عمل میں آیا جس کی رُو سے مہاراجہ گلگت کے نظم و نسق سے دستبردار ہو گیا۔ اور ریاست کا یہ اہم سرحدی علاقہ گلگت صد سالہ لیز پر برطانوی حکومت کے حوالے کر دیا گیا۔

۱۔ مہاراجہ ہری سنگھ سوشل ریفارمر

صغر سنی کی شادی۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے گدی نشین ہوتے ہی ریاست میں سماجی اصلاحات کے لئے ذاتی توجہ اور دلچسپی لی۔ چنانچہ ۱۹۲۸ء میں اپنے ایک خاص حکم سے ریاست میں قانون انسداد شادی صغرسنی نافذ کیا جس کی رُو سے چودہ برس سے کم عمر کی لڑکی اور اٹھارہ برس سے کم عمر لڑکے کی شادی ممنوع قرار دی گئی۔ خلاف ورزی کرنے والے کو ایک سال کی قید یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا دونوں قسم کی سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ اگر پچاس برس کی عمر سے زیادہ کوئی شخص نابالغ لڑکی سے شادی کرے تو اُسے چار سال تک قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔ یہ قانون اُس وقت نافذ ہوا جبکہ باقی ہندوستان میں ابھی شاردا ایکٹ پاس نہ ہوا تھا۔

تمباکو نوشی نابالغان۔ ۱۹۲۹ء میں مہاراجہ نے چھوٹے بچوں اور نابالغان کے لئے ایک قانون کے ذریعہ تمباکو نوشی ممنوع قرار دے دی۔ اور ۱۶ برس سے کم عمر بچوں کے لئے تمباکو فروخت کرنا جرم قرار دیا گیا۔

شادی بیوگان۔ ۱۹۳۳ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست میں ہندو بیوگان کی شادی کو قانونی طور پر جائز قرار دیا۔ اس قانون کی غرض و غایت مہاراجہ نے اس طرح بیان کی ہے:۔

> "ہر گاہ کہ اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ہندو سوسائٹی کے خیالات تبدیل ہو گئے ہیں۔ اور ہندو اکثریت اس بات کو محسوس کر رہی ہے کہ ہندو بیوگان کو دوسری شادی کرنے کا قانونی طور پر جائز اختیار نہ ہونا ہندو سوسائٹی کے لئے مُضر ہے۔ اور اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ دنیا ترقی کی طرف جا رہی ہے اور ہندوستان کے دیگر حصوں [illegible] ترقی یافتہ

آئے رہے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ ہندو بیوگان کے راستہ میں دوسری شادی کرنے کی کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ اور ایسا کرنا پبلک کے مفاد میں ہے۔"

راجپوتوں میں دختر کشی ۔ مہاراجہ نے راجپوتوں میں جو دختر کشی کی رسم صدیوں سے چلی آرہی تھی اور راجپوت لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی دفن کر دیتے تھے۔ اس بری رسم کو ختم کرنے کے لئے راجپوتوں کو کہا گیا کہ وہ کسی قیمت پر بھی دختر کشی کے رواج سے دستکش ہو جائیں چنانچہ مہاراجہ بہادر کی اس اپیل کا راجپوتوں پر بہت گہرا اثر ہوا اور دختر کشی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راجپوتوں میں ختم ہو گئی۔

قحبہ خانوں کی بندش ۔ مہاراجہ نے ۱۹۳۴ء میں ایک جامع قانون پاس کرنے کے لئے حکومت کو ہدایت کی جس سے ریاست میں قحبہ خانوں کی روک تھام ہو جائے۔

رُم کی وصولی جرم ۔ ۱۹۴۰ء میں پرجا سبھا کے ذریعہ مہاراجہ نے ایک قانون پاس کرایا کہ ریاست کے بعض علاقوں میں لڑکیوں کی شادی یا منگائی کے موقعہ پر لڑکی کی قیمت وصول کی جاتی تھی یا لڑکے والوں سے نقدی۔ زمین۔ مال مویشی وغیرہ لیا جاتا تھا۔ اس قسم کے معاوضہ کی رقم کو رُم کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ایسے رُم کا وصول کرنا جرم قرار دیا گیا۔ یہ رسم پونچھ کے علاقہ کی سدھن قوم میں عموماً پائی جاتی تھی۔

ایک عورت کے زیادہ خاوند ۔ علاقہ لداخ کے بودھوں میں یہ رسم قدیم الایام سے چلی آتی تھی کہ ایک خاندان کے تمام بھائی ایک عورت سے شادی کرتے تھے۔ اور شادی شدہ عورت کو حق تھا کہ وہ اپنے خاوند یا خاوندوں کی رضامندی سے دوسرا مزید خاوند بھی رکھ سکتی تھی۔ بودھوں کی درخواست پر ۱۹۴۱ء میں ایک قانون پاس کیا گیا جس کی رو سے ایک عورت کے لئے ایک سے زیادہ خاوند رکھنا جرم قرار دیا گیا۔

ہری جنوں کو دیو درشن کی اجازت ۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے اعلان کیا کہ "آج کی تاریخ سے تمام سرکاری مندروں میں ہری جنوں کو دیو درشن اور برابر پوجا کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔" اس سے پہلے ہری جن ہندو مندروں اور دیوستھانوں میں جانا ممنوع تھا۔ مہاراجہ بہادر نے یہ بھی حکم دیا کہ اعلان مندرجہ سرکاری گزٹ کی غیر معمولی اشاعت میں شائع کیا جائے۔ اور یہ اعلان ... سر محکمہ دیہسقان

شری رگھوناتھ مندر ریسرچ گراؤنڈ اور ڈائریکٹر دیوستھان شری رگھوناتھ مندر جموں عام لوگوں پر واضح کرنے کے لئے مشتہر کریں۔ مہاراجہ کے اس اعلان کا ریاست کے ہر حلقہ اور ہندوستان بھر میں خیر مقدم کیا گیا۔ بلکہ خاص پیغامات کے ذریعے بڑے بڑے ملکی لیڈروں اور سوشل نیتاؤں نے مہاراجہ کو خراج تحسین ادا کیا۔ اور مہاراجہ کی آزاد روی اور ترقی پسندانہ خیالات کی ملک کے سرکردہ اخبارات میں تعریف کی گئی۔ لیکن مہاراجہ کے اپنے راج گورو اور مہنتانا رگھوناتھ مندر جموں ممبر پرجا سبھا لے ہری جنوں کے مندروں میں دیو درشن کے لئے آنے کی سخت مخالفت کی۔ اور وہ مہاراجہ کے اس حکم کے خلاف اپنی پشتینی وراثت سے دستبردار ہو گیا۔

1 مذہبی رواداری اور احترام

مہاراجہ ہری سنگھ ریاست جموں وکشمیر کا پہلا حکمران ہے جو ریاست میں بسنے والے ہر فرقہ کے تہواروں اور میلوں میں شریک ہو کر اپنی رعایا کے مذہبی جذبات کا بے حد احترام کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے تہوار عید مبارک کی نماز پر نرسنگھ اور جموں میں جہاں کہیں وہ ہوتا، بہ نفس نفیس عیدگاہ میں جاکر ہر چھوٹے بڑے کو مبارکباد کہہ کر مصافحہ کرتا اور جب تک مسلمان عبادت میں مصروف رہتے، اُس وقت تک حاضر رہتا اس کا معمول تھا۔ مہاراجہ کی تقلید میں ریاست کے ہندو سکھ افسران اور سرکردہ شہری بھی عیدگاہ میں پہنچ کر برادران اسلام کو مبارکباد دیتے۔ تب سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کے تہواروں میں اور ہندو سکھ مسلمانوں کے تہواروں میں ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہو کر مذہبی رواداری کی مثال پیش کرتے ہیں۔

راجپوت برادری میں اصلاحات

مہاراجہ ہری سنگھ نے راجپوتوں میں اونچی نیچی ذات کے امتیاز کو ختم کر کے راجپوتوں کی مختلف برادری اور باہمی رشتہ داریوں کو کھول دیا۔ اور صدیوں سے اس رواج کو بند کر دیا کہ سوڑن راجپوت ہل باہے راجپوتوں کے ہاں شادیاں کر لیتے تھے لیکن اپنی لڑکیاں انہیں بیاہ دینے میں کسر شان سمجھتے تھے۔ اور کہ اس بری رسم کو بھی مٹا دیا کہ سوڑن راجپوت ہل چلا کر نچلی قسم کا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مہاراجہ نے اپنے رنبیر محل جموں کے احاطہ میں ایک تقریب منعقد کی اور ... ہل باہے اور سوڑن راجپوتوں کو اکٹھا کر کے سب کے ساتھ اپنے ...

مہیا کر اپنی برادری میں صدیوں کے بھید بھاؤ کو ہمیشہ کے لئے مٹا کر بھائی چارہ اور برابری کی مثال قائم کی۔ اِسی طرح راجپوتوں میں بوقتِ ضیافت ایک پنگت میں بیٹھک پر اُوپر نیچے درجہ بدرجہ بیٹھنے اور ہل باہے راجپوتوں کو سوُرَن راجپوتوں کے دُور پیچھے بٹھلائے جانے کی بُری رسم کو بھی بند کر دیا۔ اور راجپوت برادری کے ہر فرقہ، گروہ اور قبیلہ کو ہدایت کی کہ آئندہ کے لیے اکٹھے بیٹھ کر کھانے پینے میں ایسی درجہ بندی کا سوال خارج از بحث سمجھا جائے اور اس پر سختی سے کاربند رہ کر اپنی برادری کی شان کو دوبالا کیا جائے۔

ایکٹ تحفّظ زمینداراں

پرجا سبھا کے قیام سے بہت مدت پہلے مہاراجہ نے ایکٹ تحفظ زمینداراں نافذ کر کے کاشتکار زمینداروں کو ساہوکاروں کی سُود خوری سے نجات دلائی۔ اور اِس قانون کی رُو سے ساہوکار کے سُود کی شرح جو کہ زیادہ سے زیادہ زمیندار سے لے سکتا تھا، مقرر کی گئی۔ اور عدالتوں کو اختیار دیا گیا کہ وُہ زمینداروں کے قرضہ کی قسط بندی کریں اور زمینداروں کے اثاثہ، اراضیات، آلات کشاورزی، مال مویشی اور بیج وغیرہ قرضہ کے عوض قُرقی سے مستثنےٰ قرار دیئے گئے۔ پرجا سبھا نے بھی زمینداروں کی بہتری اور ترقی کے لئے چند ایک قوانین پاس کئے۔ قانون حق شفع (RIGHT OF PRIOR PURCHASE) کے ذریعہ قابلِ کاشت زمینوں کی فروخت پر پابندیاں عاید کی گئیں۔ اور زراعت پیشہ اقوام کو ہی ایسی زمینیں خریدنے کا حق دیا گیا۔ اِسی طرح قانون انتقال اراضی کے ذریعہ زمینداروں کے حقوق محفوظ کئے گئے۔ اور زمینداروں کو امدادی قرضے دینے کا ایک قانون پاس کیا گیا تاکہ وُہ اپنی اپنی زمینوں کی بہتری اور ترقی کر سکیں۔ اور مال مویشی کی نسل کو بہتر بنانے کے لئے بڑے بڑے زمینداروں کو سندھی اور دہانی قسم کے بَیل خرید کر دیے گئے تاکہ زمینداران کی بہتری ہو سکے۔ اِس کے علاوہ بھیڑ بکریوں کی نسل کو بہتر بنانے کے لئے ایک فارم جاری کیا گیا۔ اور اُون کی پیداوار کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے کئی ایک تجاویز پر عمل کیا گیا۔ ٥

محکمہ زراعت کا قیام

مہاراجہ نے زرعی پیداوار کو ترقی دینے کے لئے محکمہ زراعت کا قیام عمل میں لایا۔ محکمہ کے ذریعہ زمینداروں کو جموں اور کشمیر میں اعلےٰ قسم کے بیج مہیا کرنے کا انتظام کیا گیا۔

درختوں کے پودے برائے نام قیمت پر دیئے تاکہ وہ باغ لگانے کی طرف مائل ہوں۔ زمینداروں کے لڑکوں کو گورنمنٹ فارمز میں ٹریننگ دی جانے لگی۔ رُوس اور چین کے دھانوں کے بیج سے تجربہ کرکے معلوم کیا کہ چین کے بیج زیادہ دھان پیدا کرنے کے کام آسکتے ہیں۔ اور کشمیر میں دھان کی پیداوار ان بیجوں سے بہتر بنائی جاسکتی ہے۔

محکمہ زراعت نے کشمیر میں زعفران کی پیداوار کو پامپور کے علاوہ دُوسرے رقبوں میں بھی وُسعت دی۔ اور اس طرح زعفران کی کاشت کو دوگنا کر دیا۔ محکمہ زراعت کی طرف سے پھل دار درختوں کو بیماری سے محفوظ رکھنے کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کیا۔ اور اس طرح کشمیر کے پھل دار درخت تباہی سے بچا لئے گئے۔ محکمہ کی طرف سے زمینداروں کو پھل دار درختوں کی کاشت کے لئے ٹریننگ دیئے جانے کے لئے انتظام کیا گیا۔ اور ایک ایسی سکیم بھی بنائی گئی جس پر عمل کرکے کشمیر میں اعلےٰ بیج پیدا کئے گئے۔ اس سے زمینداروں کو بہت فائدہ پہنچا اور لاکھوں روپیہ کے اعلےٰ قسم کے بیج ریاست سے برآمد ہونے لگے۔

محکمہ دیہات سُدھار ریاست میں ایک محکمہ دیہات سُدھار قائم کیا گیا۔ تاکہ دیہاتی آبادی کی حالت اور صحت و صفائی کو بہتر بنایا جاسکے۔ پہلے پہل اس محکمہ کے اجراء پر صرف چالیس ہزار روپیہ صرف کرنا منظور کیا گیا۔ اس کے بعد ایک لاکھ روپیہ سالانہ خرچ منظور کیا گیا۔ علاقہ کنڈی میں پانی کا انتظام کرنے کا کام بھی اسی محکمہ کو سُپرد ہوا۔ چنانچہ دیہات میں پنچایتوں کا جال بچھایا گیا۔ دیہاتی عوام کو اس سے یہ فائدہ پہنچا کہ اپنے معمولی مقدمات کے لئے دُور دُور دراز سفر کرکے عدالتوں میں انصاف پانے کی بجائے اپنے گھروں کے نزدیک اپنے ہی گاؤں میں پنچایتوں کے ذریعہ مقدمات فیصلہ کرا لیتے تھے۔ کئی ایک دیہات میں محکمہ نے ریڈیو سیٹ لگائے۔ اور پینے کے پانی کے لئے کنوئیں کھودے گئے۔ پنچایتوں کے ذریعہ زمینداروں کو بہتر بیج اور بہتر قسم کے تخم مہیا کئے گئے۔ دیہات سُدھار کے ذریعہ دیہاتیوں کی اقتصادی اور سماجی پستی کے اسباب و علل معلوم کرنے [illegible] سروے کا کام جاری کیا گیا۔ اور دیہاتی گھریلو دستکاریوں کو فروغ دینے کا کام شروع ہونے لگا۔ مہاراجہ بہادر نے ۱۹۴۳ء میں علاقہ کنڈی میں کنوئیں کھودنے

کے لئے اپنی جیب خاص سے ہزاروں روپیہ دیا اور گورنمنٹ نے کنڈی کی گرانٹ چالیس ہزار روپیہ سے پچھتر ہزار روپیہ کر دی۔ اس طرح شہروں اور قصبوں میں کارخانوں اور دستکاریوں کو ترقی دینے کے لئے بہت سے ذرائع عمل میں لائے گئے۔ سرینگر میں ۱۹۲۹ء سے ہر سال ریاست کی مصنوعات اور چیزوں کی نمائش کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ سرینگر میں ایک ایمپوریم اور مارکیٹ قائم کی گئی جہاں سے سیاحان ریاستی چیزیں شوق سے خریدتے تھے۔ ایک ایمپوریم جموں میں بھی کھولا گیا۔ سرینگر میں سالانہ نمائش کے انتظامات نہایت شاندار کئے گئے اور محکمہ انڈسٹریز کے اہتمام میں یہ نمائش بہت زیادہ مقبول ہوئی جسے دیکھنے کے لئے ہر روز ہزاروں مقامی لوگ اور بیرونی سیاحان آتے تھے۔ یہ نمائش مستقل طور پر ہر سال نمائش گاہ سرینگر میں منعقد ہوتی ہے۔ اور اس کی گوناگوں دلچسپیوں میں عوامی کشش اور توجہ کے لئے ہر سال اضافہ کیا جاتا ہے۔ اور آج کے لوک راج میں تو سرینگر کی اس نمائش کی رنگینیوں کو چار چاند لگے ہوئے ہیں۔

ٹاؤن پلیننگ کا محکمہ

مہاراجہ بہادر نے جموں اور سرینگر کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر ایک محکمہ ٹاؤن پلیننگ کے نام سے قائم کیا۔ اس سے پہلے ۲۸-۱۹۲۷ء میں ریاست کے ہر دو شہروں سرینگر اور جموں میں میونسپل کمیٹیوں میں منتخب ممبروں کی تعداد بڑھا دی جنہیں پچاس فیصد نمائندگی دی گئی۔ یہ کمیٹیاں مہاراجہ پرتاب سنگھ کے وقت سے قائم تھیں جن میں سرکار کی طرف سے ممبران نامزد کئے جاتے تھے۔ عوام سے براہِ راست انتخاب کا طریقہ نہ تھا۔ پھر ۱۹۳۶ء میں منتخب ممبروں کی نمائندگی بڑھا دی گئی۔ اور جو میونسپل ایکٹ مرتب ہوا، اس میں یہ شرط بھی رکھی گئی کہ گورنمنٹ نامزد ممبروں کی تعداد بڑھانا چاہے تو نامزد ممبروں کی نمائندگی کل ممبران کے ½ حصہ سے زیادہ نہ ہو۔

تعلیمی ترقی

مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست میں تعلیمی ترقی کے لئے کافی دلچسپی لی۔ ریاست میں پرائمری سکولوں سے لے کر کالجوں تک کی تعداد دوگنی کر دی۔ سن ۱۹۳۰ء میں لازمی پرائمری تعلیم کا قانون پاس کیا۔ اور اس قانون کے دائرہ میں شہروں اور بڑے بڑے قصبوں کو لایا گیا۔ لازمی پرائمری سکولوں میں بچوں مفت دی گئیں۔ پس ماندہ اقوام کے بچوں میں تعلیم کا شوق پیدا کرنے

وظائف مقرر کیے گئے۔ ریاست میں سیکنڈری تعلیم بھی مفت دی جاتی تھی۔ شہروں میں برائے نام فیس لی جاتی تھی اور صرف ۳۳ فی صد طلباء ہی ایسی فیس ادا کرتے تھے۔ ۱۹۴۷ء تک ریاست میں پڑھنے والے طلباء کی تعداد میں پہلے سے دوسو فیصد اضافہ ہو چکا تھا۔ اور تعلیم پر گیارہ لاکھ کے قریب روپیہ سالانہ خرچ کیا جاتا تھا۔ اس طرح تعلیم پر سوا دوسو فی صد اخراجات پہلے سے بڑھ چکے تھے۔

مہاراجہ بہادر نے واردھا کمیٹی کی رپورٹ شائع ہونے کے بعد ریاست کے سابق ڈائریکٹر تعلیمات مسٹر کے۔ جی۔ سیدین کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم کی۔ جو کہ اس غرض کے لئے بنائی گئی کہ اشاعتِ تعلیم کی رفتار کو ترقی دی جائے۔ چنانچہ کمیٹی مذکورہ کی سفارشات کو منظور کرتے ہوئے ریاست میں پرائمری سکولوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھائی گئی۔ ریاست میں تعلیم بالغاں جاری کی گئی اور بہت سے پرائمری سکولوں کو بنیادی سکول بنا دیا گیا۔ ان بنیادی سکولوں میں بچوں کو کتابی تعلیم کے علاوہ ہنر بھی سکھانے کا انتظام کیا گیا۔ اُستادوں کی ٹریننگ کے لئے جموں اور سرینگر میں سکول جاری کئے گئے۔ اور سکولوں میں طلباء کے لئے آسان اُردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا گیا تاکہ بچے فارسی رسم الخط یا دیوناگری جس لپی میں چاہیں تعلیم حاصل کریں۔

میڈیکل ڈیپارٹمنٹ

ریاست کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مفت طبی امداد دینے کے لئے میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کو اعلیٰ معیار پر چلانے کے انتظامات کئے گئے۔ جموں صدر ہسپتال کی بلڈنگ پر آٹھ لاکھ اور سرینگر کے ہسپتال کی عمارت پر ۲۵ لاکھ روپیہ خرچ کیا گیا۔ جموں کا ہسپتال بانئ ریاست مہاراجہ گلاب سنگھ کے نام نامی سے معنون کیا گیا۔ اس کی رسم افتتاح مہاراجہ ہری سنگھ نے بدست خود انجام دی۔ اور سرینگر کا ہسپتال جو اپنے نام سے معنون کیا، اس کی رسم افتتاح لارڈ ویول وائسرائے ہند نے انجام دی۔ ریاست میں ایک صد کے قریب ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کیں جن میں ریاست سے باہر کی یونیورسٹیوں سے ٹریننگ شدہ نوجوانوں کو میڈیکل افسر تعینات کیا گیا۔ ریاست میں تپ دق زدہ مریضوں کے علاج کا بھی خاطر خواہ انتظام کیا گیا۔ اس کے لئے جموں اور کشمیر میں ہسپتال جاری کئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی صوبہ جموں میں پلیگ کی وبا کے انسداد کے

لئے ایک سکیم پر عمل کیا گیا اور یہ دبا نیست و نابود ہو گئی۔ صوبہ کشمیر میں ہیضہ کی وبا کی روک تھام کے لئے خاص تجاویز عمل میں لائی گئیں۔

ریاست کی سڑکیں ریاست کو ہندوستان پنجاب سے ملانے کیلئے راولپنڈی سے براستہ کوہالہ جہلم ویلی روڈ اور جموں سے ریاست کے بیچوں بیچ براستہ اُدھم پور بانہال کارٹ روڈ کو زیادہ کشادہ اور اچھی حالت میں رکھنے کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کیا گیا۔ جہلم ویلی روڈ ۱۳۲ میل اور بانہال کارٹ روڈ ۲۰۰ میل لمبی ہیں۔ تیسری اہم سڑک لداخ کو سرینگر سے ملاتی ہے۔ اُس کی تعمیر اور مرمت پر بھاری بھرکم خرچ کر کے توجہ دی گئی۔ اِسی راستہ سے سنٹرل ایشیا اور ہندوستان کے مابین تجارت ہوتی تھی۔ گاندربل تک تو یہ سڑک پختہ تھی۔ اِس کے آگے سونہ مرگ تک کچی سڑک تیار کی گئی۔ مہاراجہ بہادر کے خاص احکام سے چوتھی سڑک باندی پور تا گلگت ۱۹۳ میل لمبی کا منصوبہ بھی گورنمنٹ نے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ بٹوت سے بھدرواہ تک بھی موٹر روڈ تعمیر کر کے برائے ٹریفک چالو کر دی۔ اِسی طرح اکھنور سے بھمبر میر پور۔ نوشہرہ اور پونچھ وغیرہ موٹر روڈز کے ذریعہ جموں سے ملائے گئے۔

توی اور چناب کے پُل مہاراجہ ہری سنگھ نے جموں میں دریائے توی کا پُل اور اکھنور کے مقام پر دریائے چناب کا پُل آٹھ لاکھ روپیہ کے خرچ سے تعمیر کرائے۔ اور دریائے کشن گنگا پر مظفر آباد میں جو پُل تھے اور جو ۱۹۲۹ء کے سیلاب میں بُرد ہو گئے تھے اُن کو از سرِ نو تعمیر کرایا گیا۔ ۱۹۲۹ء کے سیلاب کے بعد سرینگر شہر کو سیلاب سے بچانے کے لئے ایک پلان مرتب کیا گیا جس پر ۲۰ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ اور یہ شہر مہاراجہ کی حکومت میں سیلاب کی زد سے محفوظ رہا۔ جموں اور سرینگر میں پینے کے پانی کے لئے نل لگائے گئے۔ اور آبپاشی کے لئے نہروں اور کوہلوں کا انتظام کیا گیا۔

انڈسٹریز کو فروغ محکمہ انڈسٹریز ریاست میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد سے چل رہا ہے۔ لیکن مہاراجہ ہری سنگھ کے دَور میں اِس محکمہ نے ریاست کی صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے لئے شاندار کام کیا۔ چنانچہ ماچس فیکٹری۔ سینٹونین کارخانہ۔ چرم ساز فیکٹری۔ برتن بنا۔

دی کپڑا

تیار کرنے کی ملز۔ ریشمی کپڑے بننے کا بڑا کارخانہ۔ رنبیر سنگھ پورہ میں شوگر فیکٹری۔ میرانصاحب میں روغن فیکٹری۔ کرکٹ بیٹ فیکٹری جموں میں ڈرگ ریسرچ لیبارٹری بنائی گئی اور کوئلہ کی کانوں سے جنگل گلی اور کالاکوٹ کے مقامات پر کام شروع کیا گیا۔

وزیٹرس بیورو کا قیام مہاراجہ بہادر نے ریاست میں سیر و سیاحت کے لئے آنے والے سیاحوں کو سہولیات بہم پہنچانے کی غرض سے سرینگر وزیٹرس بیورو کا قیام عمل میں لایا۔ اور جموں۔ راولپنڈی۔ سوچیت گڑھ۔ دومیل مظفرآباد۔ پہلگام۔ نگین باغ اور گاندربل میں ایسے دفاتر قائم کئے گئے جہاں سے سیاحوں کو اطلاعات مل سکتی تھیں۔ اور وادی کشمیر کے اکثر مقامات پر سیاحوں کی رہائش کے لئے ریسٹ ہاؤس تعمیر کرائے گئے۔ اسی طرح صوبہ جموں میں پتنی ٹاپ اور سنا سر کے درمیان موٹر سڑک تعمیر کی گئی اور ہر دو مقامات پر ریسٹ ہاؤس بنائے گئے۔

جموں و کشمیر بنک کا اجراء ۱۹۳۸ء میں ریاست میں جموں و کشمیر بنک لمیٹڈ کا اجراء کر کے سرینگر میں سرکاری خزانہ کو اس بنک سے وابستہ کیا گیا۔ جموں میں بھی اس بنک کا اعلیٰ پیمانہ پر کام شروع کیا گیا۔

روٹی ایجی ٹیشن اور غرباء کی امداد ۱۹۴۳ء میں اناج کی قیمتیں یک لخت بڑھ گئیں۔ اور ہر چیز گرانی کی لپیٹ میں آ گئی۔ غرباء اور متوسط درجہ کے لوگوں کا مہنگائی سے کچومر نکلنے لگا۔ جموں میں عوام نے اس گرانی کے خلاف آواز بلند کی جلسے جلوس اور مظاہرے ہونے لگے۔ ان جلسوں میں ہندو مسلم سکھ غرضیکہ عوام بلا لحاظ مذہب و ملت ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہوتے تھے۔ ان دنوں ریاست کے وزیر اعظم سر کیلاش نارائن ہکسر اور منسٹر مال ہمت سنگھ تھے۔ جموں کے عوامی جلوس روٹی ایجی ٹیشن کی صورت اختیار کر گئے۔ جموں کے ہندو سبھائی لیڈر شری گوپال دت مینگی اندر کوبارج ولیشنو گپت کو حکومت نے گرفتار کر لیا۔ ان گرفتاریوں کے خلاف جموں شہر میں ایک بڑا جلوس نکلا جس میں ... کی تعداد میں زن و مرد شامل ہوئے۔ رگھوناتھ چوک جموں میں اس جلوس پر ... نے اپنی ڈائری میں اس جلوس پر گولی چلنے کے ہولناک منظر کی

افسران کو ہدایات

مہاراجہ نے اپنے افسروں کو اس بات کا خیال رکھنے کا حکم دیا کہ میری رعایا کا کوئی فرد بھوک کی وجہ سے موت کا شکار نہ ہو۔ اگر کوئی افسر اس ذمہ داری کو انجام دینے میں کوتاہی کرے گا تو اس کا سخت نتیجہ ہوگا۔ اشیائے خوراک کی قلت کو کم کرنے کے لئے مہاراجہ بہادر نے گورنر جموں کو اضلاع جموں اور کٹھوعہ سے کم از کم دو لاکھ من دھان جمع کرنے کا اختیار دیا۔ اتنے دھان کی قیمت کا اندازہ گیارہ لاکھ روپیہ ہے۔ یہ رقم حکومت کی طرف سے گورنر جموں کے سپرد کی جائے۔ گورنر جموں کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً گندم، چاول اور دھان اور اگر ضرورت ہو تو باجرہ اور مکی بھی جموں اور مضافات سے خرید کرے۔ اس مقصد کے لئے دو لاکھ روپیہ کی مزید رقم گورنر کے سپرد کر دی گئی ہے۔ میونسپل حدود جموں سے اناج۔ دال۔ گھی۔ تیل دار بیج۔ تیل۔ مکھن۔ دودھ۔ جلانے کی لکڑی وغیرہ اشیاء باہر جانے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ گورنر جموں کو جموں و کشمیر ڈیفنس رولز کے تحت یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ جموں کی اُوتم فلور ملز کو اپنے چارج میں لے لے۔"

ڈیفنس رولز کشمیر کی دفعہ ۵۰

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جموں نے فائرنگ کے سانحہ سے دو دن پہلے ڈیفنس رولز کشمیر کی دفعہ ۵۰ کے تحت جموں شہر اور اس کے ارد گرد ۵ میل کے رقبہ میں ہر قسم کے سیاسی جلسوں اور جلوسوں کی ممانعت کر دی گئی۔ لیکن جلوسوں اور جلسوں کی شدت میں اُس وقت ہی کمی ہوئی جب کہ فائرنگ کے بعد مہاراجہ بہادر کے پے بہ پے ریلیف وغیرہ دینے کے اعلانات ہوئے۔ جلسوں جلوسوں اور مظاہروں کے دوران اہل جلوس ہائے روٹی کے ساتھ مہاراجہ بہادر کی جے کے نعرے بھی لگاتے تھے۔

شہیدوں کا جلوس

۲۴ ستمبر کی فائرنگ کے بعد کے حالات کے متعلق مؤلف کی ڈائری میں لکھا ہے کہ "اس وقت صدر ہسپتال کے احاطہ میں ۸ لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی جا رہی ہے۔ بہت سے زخمیوں کو اُن کے لواحقین گھروں میں لے گئے ہیں۔ حکومت نے شہر ملٹری کے حوالے کر دیا ہے۔ پانچ سے زیادہ اشخاص اکٹھے کھڑے نہیں ہو سکتے۔ زیادہ تعداد اُن ہلاک

ہے جو ہجوم میں تماشبین کی حیثیت سے شامل تھے۔ پولیس نے بھاگتے ہوئے لوگوں کے پیچھے گولیاں چلائیں۔ خوف زدہ اور اپنی جان بچانے کے لئے چھپے ہوئے لوگوں کو پکڑ کر زدوکوب کیا گیا۔ شہر میں خوف و ہراس طاری ہے۔ ہاہاکار مچی ہے۔ شہر میں مکمل ہڑتال ہے۔ ساری رات شہر میں ہر طرف آہ و بکا کی دلدوز چیخیں سنائی دیتی رہیں۔ ۲۵ ستمبر کی صبح صبح ہی ہزاروں کی تعداد میں لوگ صدر ہسپتال میں اکٹھے ہو گئے اور ان لاشوں کو دیکھنے لگے جو کہ رات کو موت کے گھاٹ اتاری گئیں۔ ۲۴-۲۵ ستمبر کی درمیانی رات کو ۲۳ گرفتاریاں مختلف محلوں سے پولیس نے عمل میں لائیں۔ ۲۵ ستمبر کی دوپہر کے بعد دو مسلمانوں اور ۶ ہندوؤں کی لاشوں کو ایک ہی جگہ دفنایا اور جلایا گیا ہے۔ جنازوں اور ارتھیوں کے ساتھ پچیس تیس ہزار کے قریب لوگوں کا جلوس تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہندو ارتھیوں کو مسلمان اور مسلمان جنازوں کو ہندو اٹھائے ہوئے تھے۔ مسلمان رام رام جپ رہے تھے اور ہندو اللہ اللہ پکار رہے تھے۔"

پرائم منسٹر جموں میں

مہاراجہ کے حکم سے پرائم منسٹر سر کیلاش نارائن ہکسر اور مشیر مال شری ہمت سنگھ ہیشوری سرینگر سے جموں میں اترے اور تمام حالات کا جائزہ لیا۔ بازاروں اور گلیوں میں گھوم کر دیکھا۔ ایک ہفتہ جموں میں رہ کر ہر دو اصحاب نے لوگوں سے مل کر حالات دریافت کئے۔ اور بعد میں سرینگر جاکر مہاراجہ بہادر کے پاس اپنی رپورٹ پیش کی۔ وزراء کے ساتھ ساتھ ہی جموں کے ممبران پرجا سبھا پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ پارلیمنٹری سیکریٹری۔ ڈاکٹر بلرام داس ممبر لالہ نتھو ناتھ نندہ ممبر۔ شیخ محمد امین ممبر نے بھی جموں میں آکر حالات اور حادثات کے مقامات کا مشاہدہ کیا۔ اس کے علاوہ خواجہ غلام محمد صادق اور مرزا محمد افضل بیگ نیشنل کانفرنس ممبران پرجا سبھا اپنے لیڈر شیخ عبداللہ کی ہدایت کے مطابق جموں کے لوگوں سے اظہار ہمدردی اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے جموں میں آئے۔ جموں میں ۹ دن سے مکمل ہڑتال تھی۔ پرائم منسٹر اور لیڈروں کے یقین دلانے پر کہ حادثہ کی تحقیقات ہوں گی۔ اور عوام کے مطالبات منظور کئے جائیں گے، ہڑتال کھل گئی۔ اور حکومت نے جموں شہر سے تین یوم کے بعد کرفیو بھی ہٹا لیا اور باقاعدہ کاروبار ہونے لگ گیا۔ جب فائرنگ کی پالیسی لگی تو گرفتار شدگان کی رہائی بھی عمل میں لائی گئی۔

تحقیقاتی کمیشن کا قیام

مہاراجہ ہری سنگھ نے جموں کی گڑبڑ کی تحقیقات کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا جس کے مسٹر گوبند رائے مڈغونکر سابق جج بمبئی ہائیکورٹ صدر۔ آنریبل بی۔ کے سین ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ پٹنہ (ممبر جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ جموں وکشمیر) اور قاضی مسعود حسن جج کشمیر ہائیکورٹ ممبران مقرر کئے گئے۔ اس کمیشن کے ابتدائی اجلاس ۲۰؍ اکتوبر ۱۹۴۳ء سے ہائی کورٹ چیمبر جموں میں منعقد ہوئے۔ اور اس کے بعد کھلے اجلاس عجائب گھر ہال جموں میں ہونے لگے۔ یہ اجلاس ۳۰؍ دسمبر ۱۹۴۳ء تک جاری رہے۔ چنانچہ تقریباً دو ماہ بعد عوام کی شہادتوں اور فریقین کے وکلاء کی بحث کے بعد یہ تحقیقات پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی۔ پبلک ریلیف کمیٹی کی طرف سے ڈاکٹر سیف الدین کچلو، چوہدری غلام عباس اور لالہ روپ چند نندہ ایڈووکیٹ اور حکومت کی طرف سے شری لوک ناتھ شرما ایڈووکیٹ اور پنڈت مدھو سودھن گورنمنٹ ایڈووکیٹ نے پیروی کی۔ لالہ روپ چند نندہ ایڈووکیٹ نے پبلک ریلیف کمیٹی کی طرف سے کمیشن کے سامنے بیان دیتے ہوئے الزام لگایا تھا کہ گورنر جموں میجر پریتم سنگھ۔ سردار پربھی نندن سنگھ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ پنڈت ستیہ لال اے۔ ڈی۔ ایم جموں۔ خان عبدالحکیم درانی سٹی مجسٹریٹ جموں۔ لالہ جگناتھ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ پنڈت رگھوناتھ کول اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس جموں پنڈت کیلاش ناتھ بھاکڑی اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ میاں سید علی سٹی انسپکٹر پولیس نے حالات کو غلط طریقہ سے الجھایا اور اپنے اختیارات کو غلط طریقے سے کام میں لایا۔ ان افسران کی جابرانہ کارروائی ہی ان واقعات کے لئے ذمہ دار تھی۔

تحقیقاتی کمیشن کے صدر نے اپنی مکمل رپورٹ مہاراجہ بہادر کے پاس پیش کر کے اپنا کام ختم کر دیا۔ نتیجۃً چند ایک افسروں کی ترقیاں روک لی گئیں۔ ایک کا تنزل کیا گیا اور چند ایک کو سرکاری ملازمت سے برخاست ہونا پڑا۔

ہز ہائینس غرباء ریلیف فنڈ

مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۹۴۳ء میں ریاست کے غرباء کو سستے داموں اناج مہیا کرنے کے لئے دو لاکھ روپیہ اپنی جیب خاص سے دے کر غرباء ریلیف فنڈ کھولا۔ جموں اور سرینگر میں سستے اناج کی دوکانیں محکمہ کنٹرول کے تحت جا

…ہندمیں ایک کروڑ روپیہ کے قریب چندہ جمع ہوا۔

دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹-۴۵ء)

مہاراجہ ہری سنگھ نے برطانیہ اور جرمنی میں جنگ چھڑ جانے پر اپنی ذاتی خدمات ریاست کے تمام وسائل شاہ برطانیہ کے سپرد کر دئیے۔ اور ریاست کے عوام سے تمام اپیل کرتے ہوئے فوجی بھرتی کا آغاز کیا۔ اس جنگ کے دوران پچپن ہزار کے قریب ریاستی جوان ریاستی اور برطانوی ہند کی افواج میں بھرتی ہوئے۔ اور تاجِ برطانیہ کی امداد کے لئے مہاراجہ نے ریاستی افواج کے آٹھ دستے گورنمنٹ آف انڈیا کے سپرد کئے۔

فسٹ جموں وکشمیر مونٹین بیٹری نے سمندر پار جاکر مڈل ایسٹ کی افواج کے ساتھ شرکت کی اور ایبے سینیا کی مشرقی سرحد پر علاقہ سوڈان میں دشمن کو سرحد سے مار بھگانے میں امداد دی۔ پھر یہ بیٹری مشرقی محاذ پر اپنے جوہر دکھانے کے لئے بھیجی گئی۔ جہاں اُس نے اریٹریا (ERITREA) کی فتح میں حصہ لے کر کیرن کی جنگ اور …ا پر قبضہ کرنے میں ناموری پائی۔ اس کے بعد ریاست کی یہ بیٹری فلسطین پہنچی …سال سیریا پر اس نے حملہ کیا اور دمشق کی لڑائی میں اپنے کارہائے نمایاں کی دھوم مچا دی جس سے متاثر ہوکر امپیریل فورسز مڈل ایسٹ کے کمانڈر انچیف سر کلاڈ آکنلیک نے وائسرائے ہند جنرل ویول کو اس بیٹری کی کارکردگی کے متعلق تعریفی نوٹ بھیجا۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ کو بذریعہ تار پیغام مبارکبادی ارسال کیا۔

سیکنڈ جموں وکشمیر مونٹین بیٹری اور چار انفنٹری بیڑوں نے ہند کی شمال مغربی سرحد پر خدمات انجام دیں۔ فورتھ جموں وکشمیر انفنٹری برما کے محاذ پر پانچویں ہندوستانی ڈویژن میں شامل ہوگئی۔ چنانچہ انفنٹری مذکورہ وائٹل کارنر، کینڈی پیک … فورٹ وائٹ کے حملوں میں پیش قدم رہی۔ پھر ٹڈم سے آگے چڑھائی میں حصہ لیا۔ … پیک کے مقام پر اس انفنٹری کی ایک کمپنی نے ایک جاپانی توپ اور بہت سے سامان اسلحہ کو قبضہ میں لے لیا۔ دوسری کمپنی آیل فنٹ کے مقام کی طرف بڑھی۔ … کو سات میل پیچھے دھکیل دیا۔ اس مقام پر دشمن سے اس کمپنی کا گھمسان کا … اور اس نے جاپانیوں کا [illegible] [illegible] اینٹی ایئر کرافٹ توپیں اور [illegible]

بہت سا اسلحہ دشمن سے چھین لیا اور دشمن کو فوراً وانت خالی کرنے پر مجبور کر دیا۔

فوجی محکمہ میں اخراجات کا اضافہ

جنگ کی وجہ سے ریاست کے فوجی محکمہ کے اخراجات ۰۰۰،۱۲،۹۴ روپیہ سے بڑھ کر ۰۰۰،۵۱،۲۳،۱ روپیہ ہو گیا۔ اس طرح ۱۳۰ فیصدی سے اوپر جنگی اخراجات چلے گئے۔ جنگ کے دوران مہاراجہ ہری سنگھ کو مختلف جنگی محاذوں پر تین بار معائنہ کے لیے جانا پڑا۔ ۱۹۴۱ء میں وسط مشرق میں جا کر بہ تعلق ذمہ داری کے ریاست جموں و کشمیر ماؤنٹین بیٹری کا معائنہ کیا۔ اور وائسرائے ہند نے ماہ مارچ ۱۹۴۴ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کو ہندوستان کے ایک نمائندہ کی حیثیت سے شامل کیا۔ اپریل ۱۹۴۴ء میں مہاراجہ نے لندن میں اپنے قیام کے دوران سمندری بیڑے، ہوائی بیڑے اور دیگر جنگی بیڑوں اور کارخانوں کو دیکھا۔ اور واپسی پر اطالوی جنگی محاذ کا بھی جائزہ لیا۔ اور اپنی ریاست میں واپس آئے ہوئے دو تین ماہ ہی ہوتے تھے کہ اکتوبر ۱۹۴۴ء میں تیسری بار سمندر پار جا کر وسط مشرق کا دورہ کیا اور ہندوستانی افواج کا معائنہ کرتے ہوئے ریاست کی سیکنڈ جموں و کشمیر رائفلز کو دیکھا جو اُس وقت ایران میں تھی۔

ریاستی افواج کو بہادری کے تمغے

دوران جنگ ریاستی افواج کے بہادروں نے کئی ایک تمغے اپنی شجاعت اور بہادری کے صلہ میں حاصل کئے۔ مثلاً وکٹوریہ کراس، جو کہ اُس وقت کا سب سے بڑا بہادری کا تمغہ تھا، کے علاوہ انڈین ڈسٹنگوشڈ سروس میڈل۔ ملٹری کراس۔ انڈین آرڈر آف میرٹ۔ ملٹری میڈل۔ ایم۔ بی۔ ای (ملٹری)۔ او۔ بی۔ آئی (ملٹری) کے اعزازات گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے دئیے گئے۔

مہاراجہ بہادر کا عظیم الشان استقبال

وسط مشرق سے واپسی پر جموں شہر میں پبلک کی طرف سے مہاراجہ ہری سنگھ کا پُر جوش استقبال کیا گیا۔ اور جو جلوس جموں کے شہریوں کی طرف سے اپنے مہاراجہ کے استقبال میں نکالا گیا، اُس کی نظیر اِس سے پہلے کسی بھی شاہی یا عوامی جلوس کی نہیں ملتی۔

وار ایڈ کمیٹی

مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۹۳۹ء کی جنگ شروع ہو

پریہ

وار ایڈ کمیٹی کا قیام عمل میں لایا۔ اس کمیٹی کی صدر ہر ہائینس مہارانی تارا دیوی منتخب کی گئیں
کمیٹی نے جنگ کے دوران بطور امداد بارہ لاکھ روپیہ کی رقم اکٹھی کر کے جنگی کاموں کے لئے
بھیجی۔ مہارانی نے کام کاج کرنے والی خواتین کی چند ایک کمیٹیاں بنائی تھیں۔ جن کی
میٹنگ ہر تیسرے یوم ہوا کرتی تھی۔ مہارانی صاحبہ کی سرکردگی میں خواتین کی ایسی پارٹیاں
فوجیوں کے آرام و آسائش کا سامان تیار کرتی تھیں۔ اس طرح ہزاروں کی تعداد میں اونی کپڑے۔
زخمی سپاہیوں کے لئے پٹیاں، گراموفون مع سوئیاں اور ریکارڈز۔ ہزارہا سگرٹ اور بیڑیاں
منوں تمباکو، منوں مصالحہ جات اور اچار اور سوئمن کے قریب انواع و اقسام کی مٹھائیاں
وغیرہ محاذ جنگ پر بھیجیں۔ خواتین کی ایسی کمیٹیاں سرینگر اور جموں میں متواتر کام کرتی تھیں

مہاراجہ بہادر نے اپنے پریوی پرس سے پونے چار لاکھ روپیہ گورنمنٹ آف انڈیا کو
جنگی امداد کے طور بھی بھیجا اور اس کے علاوہ چالیس ہزار پونڈ کی رقم وائسرائے ہند کو
ارسال کی۔ تاکہ اس رقم سے ہوائی جہازوں کا نصف سکویڈرن ہند کے ڈیفنس کے لئے
خریدا جائے۔ اور بعد میں اس بیڑے کے لئے دو مزید ہوائی جہاز خریدنے کے لئے دس ہزار
پونڈ کی رقم بھی بھیجی۔ علاوہ ازیں مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنا ذاتی ہوائی جہاز لاک ہیڈ
(LOCK HEED) بھی حکومت ہند کو بطور تحفہ دے دیا۔ اور کشمیر ہاؤس نئی دلی بھی دوران
جنگ کے لئے ہند سرکار کے حوالے کیا۔ اور سرینگر میں ایک سرکاری کوٹھی وومنز والنٹیری سروز
کے لئے دے دی گئی۔ یہ دونوں کوٹھیاں بلا کرایہ جنگ کے دنوں میں گورنمنٹ آف انڈیا کے
سپرد رہیں۔

جنگ میں کام آنے والی اکثر اشیاء بھاری مقدار میں مہاراجہ نے ریاست سے بھیجیں
چنانچہ ریاست کے کارخانہ ابریشم سے ساڑھے پانچ لاکھ پونڈ خام ریشم برائے پیراشوٹ
اور چار لاکھ ۲۵ ہزار گز پیراشوٹ کا کپڑا ارسال کیا۔

مہارانی تارا دیوی

ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ مؤلف تاریخ راجپوتان پنجاب اور
تواریخ قدیم آریہ ورت کے ٹھاکر نگینہ رام پرمار ہردو مورخ
اس امر پر متفق ہیں کہ ڈوگرہ دیس میں سب سے پرانا شاہی خاندان کانگڑہ کے کٹوچ
حکمرانوں کا ہے جو کسی زمانے میں صدی پیڑ کا نگڑہ کی ریاست لمباگاؤں اور بیجاپور دو ریاستو
کچھ زمانے کے انقلاب نے بیجاپور کے کٹوچ خاندان کو آخر گمنامی میں لا کھڑا کیا۔

اور اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ راجہ ہیم چند کے ہاں ٹھاکر بیلی چند نے جنم لیا۔ جبکہ اس خاندان کی مالی حالت چنداں اچھی نہ تھی۔ لیکن بیلی چند کی خوش قسمتی تھی کہ اُس کے ہاں ایک بیٹی تولد ہوئی جو جوان ہو کر ریاست جموں و کشمیر کے حکمران مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ۱۹۲۷ء میں بیاہی گئی۔ مہارانی تارا دیوی نے جنم لے کر جہاں اپنے ماتا پتا اور کٹوچ خاندان کا نام روشن کیا وہاں شاہی خاندان جموال کے سلسلۂ نسب کو بھی مہاراجہ ہری سنگھ جیسے نیک بیٹے سے فروغ دیا۔

مہارانی تارا دیوی نے اپنی کوکھ سے ۹ مارچ ۱۹۳۱ء میں ایسا لال پیدا کیا جسے تاریخ مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ مہارانی تارا دیوی پیدائشی ذہین۔ غریبوں کی ہمدرد۔ دھرم کی پابند۔ دیاوان اور راج نیتی میں کافی سوجھ بوجھ کی مالک ہے۔ ۱۹۳۱ء میں مہارانی بننے کے چار سال بعد اپنے شوہر مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ یورپ کی سیر و سیاحت کی۔ ریاست کے شاہی خاندان جموال کی تارا دیوی پہلی مہارانی ہے جس نے اپنے خاندان کے پُرانے اور سخت رواج پردہ کو ترک کر کے یورپ کا دورہ کیا۔ اور جب یورپ سے واپس ریاست کی راجدھانی جموں میں آئیں تو جو شاہانہ جلوس مہاراجہ ہری سنگھ کا جموں میں نکلا، اُس میں مہارانی اور مہاراجہ پہلو بہ پہلو ایک ہی نشست پر براجمان تھے۔ عوام نے پہلی بار مہارانی تارا دیوی کے درشن کئے اور جے کے نعرے لگائے۔

مہارانی ریاست کے عوام، وہ کسی جاتی کے ہوں، کے دُکھ درد میں شریک رہتی ہیں۔ ریاست کی پہلی مہارانی جسے خاتونِ اوّل کے نام سے پُکارا گیا، جموال راج گھرانے کی رانی مہارانیوں میں تارا دیوی کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ اپنے شوہر ریاست کے تاجدار مہاراجہ ہری سنگھ کے ریاست سے باہر اور غیر ممالک میں جانے پر ریاست کے نظم و نسق اور سارے امور میں دلچسپی لیتی رہی اور بہ حیثیت صدر کیبنٹ اپنی قابلیت، سیاسی سوجھ بوجھ اور حاضر دماغی کا سکہ بٹھایا۔ جنگِ یورپ کے دوران ریاست میں جو وار ایڈ کمیٹی قائم ہوئی، اُس کی صدارت کے فرائض مہارانی صاحبہ تارا دیوی نے ہی انجام دیے۔ اور ساری ذمہ داریوں کو بخیر و خوبی نبھایا۔ اور جب جنگ ختم ہوئی تو ملکہ شاہِ برطانیہ کی جانب سے جموں و کشمیر کی مہارانی کو "امپیریل آرڈر آف دی کراؤن آف انڈیا" کے خطاب سے نوازا گیا۔

مہارانی ماتا تارا دیوی بے حد ملنسار اور پاکیزہ خیالات کی خاتون ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اکثر سبھا سوسائیٹیوں کی سرپرست اور نگران رہ کر عوام کے دُکھ درد میں شریک ہوتی رہیں۔ اب کچھ عرصہ سے ناسازئ طبع کے سبب محلات سے باہر آنا جانا بند کر رکھا ہے۔

سر کرپس کی آمد پر مہاراجہ کا بیان

۱۹۴۲ء میں جب سر سٹیفورڈ کرپس برطانوی گورنمنٹ کی طرف سے آزادئ ہند اور پاکستان کی تشکیل کی کچھ تجاویز لے کر بھارتیہ لیڈروں سے تبادلۂ خیالات کے لئے ہندوستان میں آیا تو سب سے پہلے مہاراجہ ہری سنگھ والئ جموں و کشمیر نے ہندوستان کے مستقبل کے متعلق پریس کو بیان دیتے ہوئے کہا۔

"ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ برطانوی ہند کے لوگوں کے مطالبات اور جنگی ضروریات کے پیش نظر مختلف مفادات کے جائز مطالبات کو پورا کرنے کے لئے ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کس متفقہ فیصلہ پر پہنچی ہے۔ ہندوستانی ریاستیں بھی ہندوستان کی سیاسیات کا ایک ضروری حصہ ہیں جن کی تشفی کرنا لازمی ہے۔ گذشتہ چند ہفتوں کے اندر ہندوستانی ریاستوں کی طرف سے جو مطالبہ زور پکڑ رہا ہے، وہ ان ریاستوں کے برطانوی تاج کے ساتھ تعلقات کے متعلق ہے۔ یہ تعلقات آج تک برطانوی تاج کے قائم کردہ ایک محکمہ کے ذریعہ قائم رکھے گئے ہیں۔ اور اس محکمہ کی پالیسی اور عمل کے متعلق تمام فیصلہ جات تاج کے ملازم کیا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہوگا کہ ہندوستانی ریاستوں کے حکمرانوں کو ہندوستان کی ایسی مرکزی گورنمنٹ سے تعلق رکھنے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا جس کو تاج کی طرف سے منظور کیا جائے۔ اور نہ ہی ان کو یہ یقین کرنے کی وجہ ہو سکتی ہے کہ ایسی گورنمنٹ ان کے ساتھ انصاف نہ کرے گی۔ ہر صورت میں والیان ریاست کا فرض ہے کہ وہ یہ ظاہر کر دیں کہ وہ محبان وطن ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے ہم وطنوں کی حیثیت دنیا کی کسی دوسری قوم سے کم ہو۔"

"والیانِ ریاست قدرتی طور پر محسوس کر رہے ہیں کہ خود مختار ہندوستان میں ہر آزاد حصہ کو اُن تمام ذمہ داریوں کا اٹھانا پڑے گا جو اُن پر ملک میں امنِ عامہ قائم رکھنے کے لئے عاید ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ اُن ملکوں میں ایسی بھی باتیں ہوں گی جو دوسرے حصوں میں بلحاظ آبادی یا بلحاظ دیگر حالات کے مختلف ہوگی۔ آئندہ کے ہندوستان میں یہ ضروری ہے کہ والیانِ ریاست کے ایسے اختیارات جن کے ذریعے سے وہ اپنی رعایا کی حالت بہتر بنا سکتے ہیں، قائم رہنے چاہئیں۔ دوسری مراعات جو محض والیانِ ریاست کی ذاتی شان و شوکت سے تعلق رکھتی ہیں، مقابلتاً کم اہمیت رکھتی ہیں جب کہ اُن کا مقابلہ اچھی گورنمنٹ قائم کرنے اور ریاستوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی ضرورت سے کیا جائے۔"

"سر سٹیفورڈ کرپس کی تجاویز کی حمایت کا وعدہ کرتے ہوئے ہندوستانی مہاراجگان کی سوسائٹی نرِیندر منڈل نے یہ شرط عاید کر دی ہے کہ ہر ایک ریاست کو انفرادی طور پر اپنا اپنا کیس پیش کرنے کا حق دیا جائے، اور ریاستوں کے پیدائشی حقوق میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔ اِن حقوق کی فہرست بنانا یا اُن کی تعریف کرنا آسان کام نہیں جب کہ اِس بات کا خیال رکھا جائے کہ سن ۱۸۶۰ء سے اِس وقت تک اِن حقوق کا سیاسی طور پر کیا مطلب ہوگا۔ ہر صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ والیانِ ریاست جن "معاہدوں" کا ذکر کرتے ہیں اور وائسرائے ہند نے والیانِ ریاست کو جو مشورہ دیا تھا کہ وہ رضاکارانہ طور پر اپنے کچھ اختیارات پولٹیکل افسروں کے سپرد کر دیں، اِن دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

"راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے وقت جب والیانِ ریاست نے فیڈرل سکیم پر عمل کرنے کا وعدہ کیا تھا تو اِس بات پر رضامند تھے کہ وہ کچھ حد تک اپنے شاہی اختیارات فیڈرل گورنمنٹ کے حوالے کر دیں گے۔ عین ممکن ہے آئندہ کے ہندوستان میں جو اختیارات مرکزی حکومت کو دئیے جائیں گے

Scanned with CamScanner

وہ اُن اختیارات سے بہت کم ہوں گے جو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں۔"

"اگر وہ تجاویز جو سر سٹیفورڈ کرپس کے حوالے کی گئی ہیں، بنیادی طور پر ریاستوں کے مفاد کے خلاف نہ ہوں (اور ایسا خیال کرنے کے لئے کوئی وجوہات نہیں ہیں) تو کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ ہندوستانی ریاستوں اور برطانوی ہند کے درمیان کوئی مشترکہ اشتراک نہ ہو۔"

"ہمارا مقصد آزادی ہونا چاہیئے سخت پابندیوں اور آہنی کنٹرول سے آزادی اور وہ آزادی ایسی ہو جس میں ہندوستان کے مفاد دولتِ متحدہ کے کسی حصہ کے تابع نہ ہوں بلکہ ہندوستان اپنی تقدیر کا خود ہی مالک و مختار ہو۔"

مہاراجہ کا دربارِ عام کیبنٹ مشن کی آمد اور نیشنل کانفرنس کی "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے بعد جولائی ۱۹۴۶ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے سرینگر کے گلاب بھون محل میں عام دربار کیا جس میں آٹھ دس ہزار اشخاص جو جموں و کشمیر کے ہر حصہ اور ہر طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، شامل ہوئے۔ مہاراجہ بہادر نے ریاست کے عوام کے نام پیغام دیتے ہوئے کہا:-

"اِن دنوں کے واقعات کے سلسلہ میں پچھلے دو مہینوں میں وفاداری اور خدمات پیش کرنے کے بہت سے پیغامات میرے پاس تمام طرف سے پہنچے ہیں۔ اب تک میں سب کا جواب نہیں دے سکا۔ میرا پکا ارادہ ہے کہ جیسے فرصت ملے گی، میں ہر ایک کا جواب بھیجوں گا۔ اس وقت میں خود اُس مدد کے لئے جو آپ نے اس فکر کے زمانے میں امن قائم رکھنے میں دی ہے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کی دلی امداد سے اُس فساد کو جو ہوا یا جس کا اندیشہ تھا کم از کم طاقت کے استعمال سے اور کم از کم وقت میں اور روزمرہ کے کاروبار میں کم از کم خلل کے ساتھ انتظام اور روک تھام کرنا ممکن ہوا۔ مجھے پورا اطمینان ہے کہ دنیا میرے اور میری حکومت کے ساتھ ہے اور مجھے آپ کی وفاداری اور [illegible] حاصل ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ریاست کی بھلائی اسی میں ہے

جب تک آپ کا بھروسہ موجود ہے، ریاست کی بہتری یقینی ہے اور اس کی سلامتی میں کوئی کمزوری نہیں آسکتی۔ سب کا فرض ہے کہ یہ سلامتی قائم رہے خواہ کچھ ہی قیمت اس کے لئے دینی پڑے۔"

"حال ہی کے واقعات کے سلسلہ میں جو باتیں پبلک کی بہت کچھ توجہ میں آئی ہیں میں ہماری پالیسی کے متعلق چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں۔ اس پالیسی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر طرح سے ریاست کی بھلائی ہو۔ یہ صرف آپ کی مدد سے ہو سکتی ہے۔ اور مجھے بہت خوشی ہے کہ یہ مدد بھاری مقدار میں حاصل ہو رہی ہے۔"

"یہ مجھے کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہر ایسی تجویز کے ساتھ میری پوری امداد ہے جس سے راجہ اور پرجا کا رشتہ اور مضبوط بنے۔ اور جو اُس پُرانی رسم و روایات کو قائم رکھے جو ہماری پالیسی کی تہ پر ہیں اور جن کی غرض ریاست کی ترقی ہے۔ دُوسرا اصُول یہ ہے کہ باہر کا کوئی بھی طبقہ ہو جو ریاست میں شامل نہیں ہے، اُس کے دخل یا دباؤ کے بغیر ہم اپنے گھر کے معاملات خود حل کریں۔"

"مختلف غرضوں اور خیالات کو ظاہر کرنے کے لئے ریاست میں جماعتیں موجود ہیں۔ قانون کی حد میں اور آئینی طور پر ان جماعتوں کو کام کرنے کی آزادی ہے۔ پرجا سبھا میں جس میں چُنے ہوئے ممبروں کی بہتات ہے، ان جماعتوں کے خیالات پہلے ہی سے پیش ہوتے رہے ہیں۔ جماعتیں آزاد ہیں اور ان کے تمام خیالات کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور رکھا جاتا رہے گا۔ مگر کسی بھی واحد جماعت کو خواہ وُہ ریاست کے اندر کی ہو، دُوسروں پر دباؤ ڈالنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایسی صورت میں آئینی حکومت ایک مذاق بن جاتی ہے۔"

"قدرتی طور پر ہندوستان کی ترقی میں ہم سب کی دلچسپی ہے۔ اس بارے میں سب کو میرے خیالات معلوم ہیں جو میں کئی مرتبہ ظاہر کر چکا ہُوں مختصر طور پر وُہ یہ ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو مناسب جگہ ہندوستان کے اس نئے آئین میں ملے جس سے اُمید ہے کہ ہندوستان قوموں کی برادری میں ایک بڑی حیثیت حاصل کرے اور دُنیا کے معاملات میں اثر ڈالے تاکہ دُنیا کی تہذیب میں اپنی تہذیب شامل کر کے انسانی اُلجھنوں کے حل کرنے

لیکن اگر ہندوستان کی ترقی چاہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے اندرونی معاملات میں کوئی دباؤ قبول کریں۔ خاص کر جب کہ ایسا کرنے کے لئے قانون کے عمل میں مداخلت ہو اور اس امن اور باقاعدہ زندگی میں جس کا حق ہر ایک کو ہے، خطرہ پیدا ہو جائے۔"

"کشمیر کی قدرتی خوبصورتی دُنیا میں مشہور ہے۔ اور مَیں نہیں چاہتا کہ کسی کو یہاں آزادی سے آنے میں رکاوٹ ہو۔ لیکن اگر ہم کو یہ یقین ہو کہ ایسے آنے سے رعایا میں جھگڑا، بدامنی اور خون خرابہ ہوگا تو ہمارا یہ فرض ہے کہ اس کو روکنے کے لئے ہر ممکن قدم اُٹھائیں۔ اور یہ فرض ہر صورت میں پُورا کیا جائیگا۔ لیکن جہاں یہ اطمینان ہو کہ کسی کے آنے سے کوئی ایسا نتیجہ پیدا نہ ہوگا تو کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔"

"آپ کی وفاداری کا میں پھر شکریہ ادا کرتا ہُوں اور رعایا کی بہتری اور خوشحالی کے لئے آپ کے ساتھ کام کرنے کے ارادہ کو دُہراتا ہُوں۔"

"ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ اس پیغام کو گاؤں گاؤں پہنچایا جائے تاکہ سب کو معلوم ہو کہ اُن کی وفاداری کی مَیں کتنی قدر کرتا ہُوں اور ہماری پالیسی کے بُنیادی اصُول کیا ہیں۔"

ریاستی کیبنٹ میں دو عوامی منسٹر

۲ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو مہاراجہ ہری سنگھ کا پرجا سبھا میں رائے بہادر پنڈت گنگا ناتھ پریذیڈنٹ نے اعلان پڑھ کر سُنایا۔ جب کہ تمام ممبران اسمبلی تعظیماً کھڑے تھے۔ کہ:-

"مہاراجہ بہادر نے اپنی پیاری رعایا کو انتظام حکومت میں شامل کرنے کی پالیسی کو مزید توسیع دینے کے پیش نظر کافی غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ پرجا سبھا چھ منتخب ممبروں (تین صوبہ کشمیر سے اور تین صوبہ جموں معہ سرحدی علاقہ جات سے) کی ایک فہرست پیش کرے۔ پرجا سبھا نامزدگی کا طریقہ خود ہی وضع کرے گی۔ سرکاری ممبران اس میں کوئی حصہ نہ لیں گے۔ اس فہرست میں سے مہاراجہ بہادر دو کو (جن میں سے ایک مسلم ہوگا) اپنے منسٹر مقرر کریں گے۔ ان منسٹروں کے قلمدان تفویض کرنے کا فیصلہ مہاراجہ بہادر خود

کریں گے۔ یہ وہی تنخواہ لیں گے جو منسٹروں کے لئے مقرر ہے۔ بشرطیکہ پرجا سبھا اس میں تبدیلی کرے۔ اس صورت میں پرجا سبھا کو اپنی سفارشات جائز ذرائع سے مابدولت کے روبرو پیش کرنا ہوں گی۔ اس طرح سے جو منسٹر مقرر ہوں گے وہ مابدولت کی منشا کے مطابق دو سال کے لئے رہیں گے۔ اگر اس کے بعد وہ پرجا سبھا کے ممبر رہیں تو وہ دوبارہ منسٹر بنائے جا سکتے ہیں۔ مابدولت اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ قدم جو اُٹھایا گیا ہے تجرباتی نوعیت کا ہے۔ اگر مابدولت کو معلوم ہوا کہ اس کا مقصد فوت ہو گیا ہے تو مابدولت اُس وقت کے حالات کے مُطابق حکم میں ترمیم کرنے کے مجاز ہیں۔"

اس اعلان کی رُو سے پرجا سبھا کے منتخب عوامی نمائندگان نے چھ ممبروں کی ایک فہرست مہاراجہ بہادر کی خدمت میں بھیج دی اور سفارش کی کہ ان پاپولر منسٹروں کی تنخواہ سولہ سو روپیہ ماہوار مقرر کی جائے۔ چنانچہ مہاراجہ نے مرزا محمد افضل بیگ (نیشنل کانفرنس) کو پبلک ورکس منسٹر مقرر کر کے شعبہ جات پبلک ورکس، میونسپل کمیٹیاں، ٹاؤن ایریا، برطانوی ہند میں واقع جائداد، سٹیشنری اور چھاپہ خانہ سُپرد کئے۔ اور وزیر گنگا رام ہوم منسٹر کے ماتحت محکمہ تعلیم، محکمہ آثار قدیمہ، عجائب گھر، لائبریریاں، شفاخانے، جیل، سول ویٹرنری، زراعت اور کواپریٹو کے محکمے دیئے گئے۔ اور ہر دو پاپولر منسٹروں نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۴ء قبل از دوپہر مہاراجہ کی وفاداری کا حلف لے کر اپنے عہدوں کا چارج لیا۔

لیٹرس پیٹنٹ کے اختیارات

۱۹۴۴ء اکتوبر میں مہاراجہ بہادر نے لیٹرس پیٹنٹ کی شرائط مکمل کرنے کے لئے چیف جسٹس اور ہائیکورٹ کے ججوں کو ضروری انتظامی، مالی اور متفرقہ اختیارات تفویض کئے۔ علاوہ ازیں جموں و کشمیر (ہائیکورٹ ججز) آرڈر ۱۹۴۴ء کی بھی منظوری دے دی جس کے تحت ہائی کورٹ کے ججوں کی رُخصت، تنخواہ، پنشن اور ملازمت کی شرائط منضبط کی گئیں۔

مہاراجہ کے وزراء اعظم

جب مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر کی فروری ۱۹۲۶ء میں حکومت سنبھالی۔ تب سے لے کر ۱۹۴۷ء تک جو وزراء اعظم مختلف وقتوں میں ہوئے، اُن کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) سر ایلبین بینرجی (۲) راجہ ہری کشن کول۔ (۳) مسٹر جے۔ ڈی۔ کالب (۴) مسٹر

گوپال سوامی آئینگر (۵) راجہ سر مہاراج سنگھ (۶) سر کیلاش نارائن ہکسر (۷) سر بی۔ این۔ راؤ (۸) پنڈت رام چندر کاک (۹) رائے بہادر جنگ سنگھ (۱۰) لالہ مہر چند مہاجن۔

شیخ محمد عبداللہ

مہاراجہ بہادر ہری سنگھ کے عہدِ حکومت میں ریاست جموں و کشمیر کے سیاسی اُفق پر ۱۹۳۱ء کی تحریک کے بعد جو شخص ستارہ بن کر چمکا۔ اور جو شیرِ کشمیر اور قائدِ اعظم کے خطابوں سے یاد کئے جانے لگا۔ اُس کا نام ہے شیخ محمد عبداللہ۔

شیخ محمد عبداللہ ۱۹۰۵ء میں سرینگر سے چار میل دُور موضع سوارا کے ایک متوسط مُسلم گھرانے میں پیدا ہوا۔ شیخ عبداللہ کا باپ شال مرچنٹ تھا۔ بچپن میں شیخ کے سر سے والدین کا سایہ اُٹھ گیا۔ اور اُس کی تعلیم و تربیت کا بار شیخ عبداللہ کے بڑے بھائیوں پر آ پڑا۔ شیخ عبداللہ کے بھائیوں اور لواحقین کا خیال تھا کہ یہ لڑکا تعلیم یافتہ ہو کر حکومت کے اُونچے عہدہ پر پہنچ کر خاندان کی مالی حالت کو سر سبز کرے گا۔ چنانچہ عبداللہ نے نہایت غریبی کی حالت میں تعلیم کے مدارج کامیابی سے طے کئے۔ اور ۱۹۳۰ء میں علی گڑھ مُسلم یونیورسٹی سے ایم۔ ایس سی کی ڈگری حاصل کر لی۔

نوجوان تعلیم یافتہ عبداللہ سرینگر پہنچا تو چالیس روپیہ ماہوار کی ملازمت سٹیٹ ہائی سکول سرینگر میں قبول کر لی۔ پھر جلد ہی اُس نے اپنے آپ کو کشمیر کے سیاسی بھنور میں ڈال دیا۔ اگر وُہ چاہتا تو حکومت میں ایک بڑی اسامی حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن اُس نے سرکاری ملازمت کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔ اور سیاسی پستیوں کے [illegible] میں اُس کا دل عوام کی بھلائی، ملک کی عزت اور انسانیت کے لئے پھڑک اُٹھا۔ اُس کا احساس بھی بیدار ہوا، شعور نے جھنجھوڑا اور وُہ دیوانوں کی مانند میدانِ کارزار میں کود پڑا۔ شیخ عبداللہ چلتی ہوئی گولیوں کے اندر ملک کی بہتری کو سینے سے لگائے کام کرتا دکھائی دیا۔ جیل کی سلاخوں میں اُس کی آرزوئیں ملکی مفاد کے لئے تڑپتی رہیں۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ شیخ عبداللہ مسلمانوں کا لیڈر سمجھا جانے لگا۔ انہیں عوام نے شیرِ کشمیر کا نام دیا۔ جس راستے سے اُس کا گزر ہوتا لوگ [illegible] پا کر اپنی آنکھوں [illegible] کو لگاتا باعثِ فخر [illegible]

مسلم کانفرنس کا قیام

۱۹۳۲ء میں تحریک تقریر و تحریر کی آزادی عام ہو گئی۔ چنانچہ جموں و کشمیر کے مسلمانوں اور سرکردہ لیڈروں نے شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ جو جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت قرار پائی۔ کانفرنس کا پہلا اجلاس ۱۵، ۱۶، ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو سرینگر میں منعقد ہوا جس میں ہزاروں مسلم عوام نے شرکت کی۔ اس طرح اس کانفرنس کے ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۸ء تک چھ سالانہ اجلاس ہوئے۔ کانفرنس کے چار اجلاس پہلا، دوسرا، پانچواں اور چھٹا سرینگر، میرپور، جموں اور پونچھ میں ہوئے جن کی صدارت شیخ محمد عبداللہ نے کی۔ سوپور میں کانفرنس کا تیسرا اجلاس اور چوتھا اجلاس سری گڑھ میں بالترتیب میاں احمد یار اور چوہدری غلام عباس کی صدارت میں ہوا۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۸ء تک مسلم کانفرنس کی چھ سالہ تاریخ مسلمانوں کے لئے حقوق اور رعایات حاصل کرنے کے لئے سخت جدوجہد اور قربانیوں کی ہے۔ اس عرصہ کے دوران مسلم کانفرنس کے جھنڈے تلے مسلمانوں نے حقوق اور رعایات کی دوڑ میں حکومت سے کئی بار ٹکر لی۔ گرفتاریاں دینے، سختیاں جھیلنے، جرمانوں کی ادائیگی اور جیلیں بھرنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں کے سوئے ہوئے شیر نے انگڑائی لی ہے۔ مسلم کانفرنس کا پالیسی سرکاری ملازمت کے محور کے گرد ہی گھومتا رہا۔ اور گلینسی کمیشن کی سفارشات کو عمل در آمد کرانے کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانیاں دینے سے کسی مرحلہ پر پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔

مسلم کانفرنس کے قیام کے عین بعد شیخ محمد عبداللہ اور کشمیریوں کے مذہبی مسلم لیڈر میرواعظ یوسف شاہ میں ذاتی اختلافات کی وجہ سے باہمی چپقلش چل پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم کانفرنس کے مقابلہ میں یوسف شاہ نے اپنی جماعت آزاد کانفرنس کے نام سے قائم کر لی۔ جہاں مسلم کانفرنس شیخ عبداللہ کی قیادت میں بلالحاظ مذہب و ملت ریاست کے لوگوں کی نمائندہ قوم پرست جماعت کی شکل اختیار کرنے لگی وہاں آزاد کانفرنس میرواعظ یوسف شاہ کی صدارت میں خالص مسلم فرقہ پرست جماعت کا رول ادا کر رہی تھی۔ اس طرح کشمیر میں مسلمانوں کی دو پارٹیاں بن گئیں۔ شیخ عبداللہ کی پارٹی شیر اور یوسف شاہ کی جماعت بکرا کے ناموں سے مشہور ہو گئیں۔ ہر دو گروہوں کا کئی بار تصادم ہوا۔ آپس میں ہاکیاں اور لاٹھیاں چلنے کی بھی کئی بار نوبت آئی۔ لیکن شیخ عبداللہ کا قدم کشمیر سیاسیات میں ... سے ہی

بڑھتا گیا۔ اور شیخ اور اس کی جماعت مُسلم کانفرنس مُسلمانوں کے علاوہ ہندو سکھوں میں بھی مقبول ہونے لگی۔

مُسلم کانفرنس سے نیشنل کانفرنس

شیخ عبداللہ نے ۱۹۳۵ء میں ریاست کے تمام فرقوں کے نام مُسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اپیل کرتے ہوئے اپنی جماعت کا نصب العین یوں ظاہر کیا :-

"میری جدوجہد اپنے وطن کی ترقی اور بہبود کے لئے ہے آؤ ہم سب کے سب معمولی فرقہ وارانہ اختلافات سے بالاتر ہو کر عوام کی بہبود کے لئے اشتراک اور تعاون سے کوشش کریں میں اپنے ہندو بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ وہم، خوف و خطر اور شک و شبہ کو اپنے دماغ میں جگہ نہ دیں۔ ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل اختیار کریں تو اُن کے حقوق کسی طرح بھی خطرے میں نہیں پڑیں گے"۔

شیخ عبداللہ نے مُسلم کانفرنس کے قائم ہونے کے وقت اپنے صدارتی خطبہ میں واضح کر دیا تھا کہ "ہم سب فرقوں کے حقوق کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے مُلک کی ترقی اس وقت تک مُشکل ہے جب تک کہ ہم مختلف فرقوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہیں قائم کرتے ہیں۔ یہ صرف اُس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب کہ ہر ایک فرقہ دوسرے فرقوں کے نظریہ کو پرکھنا سیکھے"۔ اور دوسرے سال میرپور کے سالانہ اجلاس میں مُسلم کانفرنس کا نظریہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ "مُسلم کانفرنس کے کارہائے نمایاں نے اس وقت تک ہر ایک فرقے کو یکساں فائدہ پہنچایا ہے۔ پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی اور دیگر مراعات کو کسی خاص فرقے نے نہیں بلکہ حکومت کے نارضامندانہ ہاتھوں سے چھین کر سب فرقوں میں برابر بانٹ دیا گیا ہے"۔

چونکہ مُسلمانوں کی ریاست میں اکثریت ہے۔ اس لئے مُسلم کانفرنس مُسلمانوں میں کافی ہر دلعزیز بن گئی تھی ۱۹۳۲ء میں جب انڈین نیشنل کانگریس نے تحریک سول نافرمانی ہندوستان میں جاری کی تھی۔ اس سے ہندوستان میں ایک نئی بیداری پیدا ہو گئی اور قومی تحریک رفتہ رفتہ ہندوستان میں زور پکڑتی گئی۔ شیخ عبداللہ جو پہلے سے عوامی مفاد کے حامی تھے نے ہندوستان میں جاری شدہ قومی تحریک کے حالات کا جائزہ لے کر یہ محسوس کیا کہ

مسلم کانفرنس کے دروازے ریاست کے ہر ایک فرقہ کے لئے کھلے ہونے چاہئیں تاکہ ذریعے ریاستی لوگ جو ہندو ہیں یا سکھ یا کسی اور ذات یا مذہب کے ہیں سیاسی جدوجہد اور وطن کی آزادی میں حصہ لے سکیں۔ اس لئے مسلم کانفرنس کو عوامی بنانے میں دوڑ دھوپ شروع کر دی اور اس کو فرقہ وارانہ شکل سے ہٹانے کے درپے ہو گئے۔

[illegible] کے آغاز میں مسلم کانفرنس نے ریاست بھر میں ذمہ دارانہ نظام حکومت کا دن منایا اور کانفرنس کے پریذیڈنٹ نے اس تقریب میں غیر مسلم لوگوں کو بھی شرکت کے لئے اپیل کی۔ نتیجتاً سرینگر، پونچھ اور جموں میں اس دن کو منانے کے لئے جو بیباک جلسے ہوئے اور جن مقررین نے تقریریں کیں، ان میں ہندو اور سکھ بھی تھے۔ چنانچہ مسلم کانفرنس نے اس دن سے ریاست میں مہاراجہ بہادر کے تحت مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا قیام اپنا نصب العین قرار دیا۔ اور جب مسلم کانفرنس کا چھٹا سالانہ اجلاس ۲۶ مارچ ۱۹۳۸ء کو جموں میں ہوا تو شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خطبہ صدارت میں مسلم کانفرنس کا نام تبدیل کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے مل جل کر کام اور متحدہ محاذ قائم کرنا ہمارے سامنے اہم مسئلہ ہے۔ اس کے لئے ہماری تنظیم کو ایک غیر فرقہ دارانہ سیاسی جماعت بنانا بہت ضروری ہے۔" اور جب ۲۸ جون ۱۹۳۸ء کو مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس سرینگر میں ہوا تو کمیٹی نے ریاستی باشندوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت ممبر بنانے کے لئے ایک قرارداد کے ذریعہ جنرل کونسل سے کانفرنس کا نام اور آئین بدل دینے کی سفارش کی۔ مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کی اس میٹنگ میں متواتر ۵۲ گھنٹے بحث مباحثہ ہوا۔

۵ اگست ۱۹۳۸ء کو یوم ذمہ دارانہ نظام حکومت کی تقریب نہایت جوش و خروش سے منائی گئی۔ ریاست بھر میں اس دن کو منانے کے لئے جوق در جوق مسلمان، ہندو اور سکھ شامل ہوئے۔ غیر ذمہ دارانہ نظام حکومت کے خاتمہ اور مکمل ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کے ریزولیوشن پاس کئے گئے۔ اور ریاست کے تمام محب وطن لوگوں سے اپیل کی گئی کہ وہ ذمہ دار نظام حکومت کے حصول کے لئے جاری ہونے والی جدوجہد میں اپنا حصہ ڈالنے کے لئے تیار بر تیار رہیں تاکہ عوام کی اقتصادی، سیاسی اور سماجی پستیوں کو دور کرنے کا علاج ہو سکے۔ چنانچہ یوم ذمہ دار نظام حکومت کی تقریب منانے کے لئے کانگرس، مسلم، ہندو، سکھ ... اور

لیڈروں کے درمیان ٹھن گئی اور سرکاری مشینری ذمہ دار نظام حکومت کی تحریک کو دبانے کے لئے حرکت میں آگئی۔ مسلم کانفرنس کے اکثر ورکروں کو متنبہ کیا گیا کہ وہ اپنی ایسی تقریروں اور سرگرمیوں سے باز رہیں جن سے کہ حکومت کے خلاف عوام میں بد اعتمادی اور بے اطمینانی کا پہلو نکلتا ہو۔

۱۹۳۸ء اگست کے آخیر میں تو حکومت سے عوام کی ٹکر ناگزیر دکھائی دینے لگی۔ ادھر مسلم کانفرنس کے لیڈر اور محب وطن ہندو سب کے سب ذمہ دار نظام حکومت کے نصب العین کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کے لئے تیار تھے۔ لیکن وہ یہ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ حکومت سے اُن کی ٹکر فرقہ دارانہ لائن پر ہو۔ آخر ۲۹ اگست ۱۹۳۸ء کو ایک مینی فیسٹو شائع کیا گیا جس پر شیخ محمد عبداللہ۔ مولانا محمد سعید مسعودی۔ خواجہ غلام محمد صادق۔ مرزا محمد افضل بیگ۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز۔ پنڈت کشیپ بندھو۔ سردار بدھ سنگھ۔ پنڈت جیالال کلم۔ بخشی غلام محمد۔ پنڈت شام لال صراف۔ میاں احمد یار اور ڈاکٹر شمبھوناتھ پشن بارہ سرکردہ ہندو مسلم سکھ اصحاب کے دستخط تھے۔ اس مینی فیسٹو میں مانگ کی گئی تھی کہ حکومت کے موجودہ سسٹم کو فوری طور پر تبدیل کیا جائے تاکہ ریاست کے عوام کو اپنی مرضی سے حکومت چلانے کا موقعہ مل سکے۔ مینی فیسٹو میں واضح کیا گیا تھا کہ:-

"ہماری تحریک کے پیچھے بڑا بھاری دباؤ پوشیدہ ہے۔ یہ بھوک اور فاقہ کشی کا دباؤ ہے جو کہ اس تحریک کو نامساعد اور مخالف حالات میں بھی آگے دھکیل رہا ہے۔ ملک کے ناخواندہ عوام اور تعلیم یافتہ نوجوانوں میں بیکاری کی بڑھتی چڑھتی بدعنت۔ بے شمار ٹیکسوں کا عائد کرنا۔ بہت بھاری آمدنی کا بوجھ۔ واجبی طبی امداد کے نہ ہونے کے باعث انسانی زندگی کا خوفناک اتلاف۔ ریاست کی [illegible] کشمیری مزدوروں کی کسمپرسی اور مصائب و آلام [illegible] حالت۔ اس کے علاوہ نظم و نسق کا بھاری خرچ [illegible] کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ موجودہ حالات کبھی بھی [illegible] کے موجودہ سسٹم کے تحت کام کرنے [illegible] تبدیلی نہیں کی جاتی۔ جب تک [illegible] تمام ریاست [illegible] اپنی تقدیروں کے بنانے والے

ہونا چاہتے ہیں۔ اور ہم اپنی مرضی کے مطابق تمام مسائل کو حل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔"

اس طرح تحریک کشمیر فرقہ وارانہ اور مذہبی تعصبات سے نکل کر خالص قوم پرستی کے رنگ میں رنگے جانے پر چمکنے لگی۔ اور ہندو مسلم اور سکھ لیڈروں نے متحدہ محاذ بنا کر ستیہ گرہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر حکومت بھی ... اور ۱۹۱۴ء کا ایکٹ نئے زور سے استعمال کرنے لگی۔ نتیجتاً سینکڑوں ستیہ گرہیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان ستیہ گرہیوں میں چوٹی کے وکیل، میونسپل کمشنر، ڈاکٹر، جرنلسٹ اور بڑے بڑے بیوپاری اور تاجروں کے علاوہ کالج کے طلباء بھی تھے جنہیں سرکاری پریس نوٹوں میں شورش پسند غنڈوں کا نام دیا گیا۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ، پنڈت پریم ناتھ بزاز، سردار بدھ سنگھ، پنڈت کشیپ بندھو، پنڈت جیا لال کلم، مولانا محمد سعید مسعودی اور وہ سب اشخاص جنہوں نے ملی فیسٹو پر دستخط کیے تھے، ستیہ گرہ کر کے گرفتار ہو گئے۔ اور ان کی تقلید میں جموں کے چوہدری غلام عباس نے بارہمولہ میں پہنچ کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ حکومت نے سرینگر میں بہت سے لیڈروں کو گرفتار کر کے محسوس کیا کہ کہیں یہ تحریک دیہات میں نہ پھیل جائے تو آرڈی نینس ۱۹-ایل وادی کشمیر کے دوسرے حصوں میں بھی لاگو کر دیا۔ اور اس طرح مقدمات چلا کر گرفتار شدگان کو سزائیں دلائی گئیں اور حالات کو اچھی طرح قابو میں کر لیا گیا۔

۱۹۳۹ء کا تاریخی اجلاس

اگست ۱۹۳۸ء کی ایجی ٹیشن میں ہندو مسلمانوں نے اکٹھے ہو کر تحریک کشمیر کو ابھارا تھا اور یہ خالص قومی تحریک ہو چکی تھی۔ چنانچہ ۱۰ جون ۱۹۳۵ء کو سرینگر میں مسلم کانفرنس کا ایک سپیشل اجلاس زیر صدارت خواجہ غلام محمد صادق منعقد ہوا تو اس میں ریاست کے ہر ضلع سے ڈیلیگیٹ شامل ہوئے۔ اور جو ریزولیشن ۲۸ جون ۱۹۳۸ء کو مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے کانفرنس کا نام اور آئین تبدیل کرنے کا جنرل کونسل کی منظوری کے لیے پیش کیا تھا اس پر اس خصوصی اجلاس میں زبردست بحث ہوئی۔ اجلاس میں ۱۷۶ ڈیلیگیٹوں نے حصہ لیا۔ مسلم کانفرنس کا نام تبدیل کرنے کی تجویز پر سارا دن تقریریں ہوتی رہیں۔ ڈیلیگیٹوں نے بحث و تمحیص آدھی رات تک چلائی۔ اور جب ۱۰ اور ۱۱ جولائی کی درمیانی رات کے دو بجے قرارداد پر ووٹ لیے گئے تو ۱۷۶ میں سے صرف تین ووٹ قرارداد کے خلاف گنے گئے۔ اس طرح

بھاری اکثریت رائے سے مسلم کانفرنس کو توڑ کر نیشنل کانفرنس قائم کی گئی اور ریاست جموں و کشمیر میں عوامی جماعت اور قومیت کی بُنیاد پڑی۔ اور نیشنل کانفرنس کے پہلے صدر خواجہ غلام محمد صادق نے اجلاس کو برخاست کرتے ہوئے کہا کہ:-

"یہ دن ریاست جموں و کشمیر کی قومی بیداری کی تاریخ میں سُنہری حروف سے لکھا جائے گا"

نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں سردار بُدھ سنگھ، پنڈت جیالال کلم، لالہ گردھاری لال آنند، کیشب بندھو اور پنڈت پریم ناتھ بزاز کو باقاعدہ کانفرنس کے بُنیادی ممبر بنا کر شامل کر لیا گیا۔ اور نیشنل کانفرنس کے پہلے ہی اجلاس میں "قومی مطالبہ" پاس کیا گیا جس میں مکمل ذمہ دار نظام قائم کرنے۔ بالغوں کی عام رائے دہندگی سے منتخب شدہ ممبروں کی ایک مجلس وضع قوانین یعنی لیجسلیچر قائم کرنے، متحدہ رائے دہندگی کا اجراء اور اقلیت کے لئے کچھ محفوظ نشستیں رکھنے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اُس وقت ایک بیان دیا کہ ہم "نیا کشمیر" میں اپنے مرد و عورتوں کی دوبارہ نیو رکھیں گے جن کی اُٹھان کو صدیوں کی غُلامی نے روک دیا ہے۔ اور ہم ایسی قوم بنائیں گے جو ہماری شہرۂ آفاق مادرِ وطن کے شایاں ہو"

میر واعظ یوسف شاہ

جب مُسلم کانفرنس نیشنل کانفرنس میں تبدیل ہو گئی تو میر واعظ یوسف شاہ جو کہ مسلمانوں کا مذہبی پرچارک تھا، جسے حکومت جموں و کشمیر سے چھ صد روپیہ سالانہ کی جاگیر ملی تھی، جو شیخ عبداللہ کی عوام میں مقبولیت، اور شیخ محمد عبداللہ کے قوم پرست اصُولوں کی مخالفت کرنا اپنا مذہبی اور منصبی فرض سمجھتا رہا۔ جب شیخ عبداللہ نے ۱۹۳۲ء میں مسلم کانفرنس کی بُنیاد ڈالی تو میر واعظ نے شیخ اور اُس کی کانفرنس کی مخالفت کے لئے مسلم کانفرنس سے علیحدہ ہو کر آزاد کانفرنس قائم کر لی۔ اور ۱۹۳۹ء میں جب کانفرنس نے نیشنل کانفرنس کا جامہ اختیار کیا تو میر واعظ نے اپنی تولی آزاد کانفرنس کو مسلم کانفرنس میں تبدیل کر لیا۔ اس کانفرنس کی فرقہ وارانہ نوعیت اور مذہبی جنون کے باوجود یہ کشمیر کے مسلمانوں کو راغب نہ کر سکی۔ اور شیخ عبداللہ کی شخصیت اور نیشنل کانفرنس کی مقبولیت کے مقابلہ میں نہ ٹک سکی۔ [illegible] اور ناکامی کے عالم میں [illegible] البتہ [illegible]

میں قوم پرستی کے عناصر اور جمہوریت کی اُٹھان کو روکنے کے لئے مسلم لیگ کی جماعت کو اپنایا۔ باوجودیکہ لیگ نے بہت کوشش کی لیکن مسلم کانفرنس عوام میں کوئی مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔ بلکہ اس کے اندر تفرقات بڑھتے گئے۔ ایک گروہ چوہدری غلام عباس کا حامی بن گیا۔ ایک چودھری حمیداللہ کے زیر اثر آیا۔ اور کچھ مذہبی جنونی میرواعظ کے حلقہ بگوش رہ گئے۔

انڈین نیشنل کانگرس اور نیشنل کانفرنس

خواجہ غلام محمد صادق پریذیڈنٹ نیشنل کانفرنس (موجودہ وزیر اعلیٰ) جموں وکشمیر) نے آج سے بہت پہلے اپنی قومی تحریک اور نیشنل کانفرنس کی کانگرس سے وابستگی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

"جہاں تک جموں وکشمیر کے عوام کا تعلق ہے، پنڈت جواہر لال نہرو ان کی جنگِ آزادی کے رُوح رواں ہیں۔ اور یہ آپ کی عہد آفریں قیادت ہی تھی جس کے تحت نیشنل کانفرنس نے جمہوریت کی راہ پر قدم بڑھائے۔ ہماری سیاسی تاریخ کے کسی بھی بحث و مباحثہ میں اُن کا تذکرہ کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ ایسا کرنا نہ صرف مشکل ہی ہے بلکہ ناممکن بھی۔"

"یہ ۱۹۳۱ء تھا جب ریاستی عوام نے پہلی بار منظم ہوکر غیر ذمہ دارانہ نظام سے نجات حاصل کرنے اور اپنے یہاں جمہوریت قائم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ ہماری قومی تحریک نے آل انڈیا نیشنل کانگرس کے اُس اجلاس سے براہِ راست فیض پایا جو پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں لاہور کے اندر منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں سیاسی شعور رکھنے والے کشمیری نوجوانوں کی ایک بھاری تعداد نے شمولیت کی۔ اجلاس کی کارروائی سے ہمارے یہ جوان اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے یہاں جنگِ آزادی کو برطانوی ہند میں جاری ساری تحریک کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے عملی تدابیر اختیار کیں۔ اس کے بعد ہماری سیاسی تحریک نے جو شکل و صورت اختیار

کی۔ اُس کی ترتیب و تدوین میں پنڈت نہرو اور انڈین نیشنل کانگرس کے دُوسرے رہنماؤں کا براہِ راست ہاتھ تھا۔ نتیجہ کے طور پر ریاست کی مُسلم کانفرنس اپنے بنیادی مسائل کے حل کے لئے روز بروز وسیع قومی پروگرام کو اختیار کرنے کی جانب راغب ہوئی۔ اور ہماری قومی تحریک نے آہستہ آہستہ مذہبی امتیاز سے بالاتر آدرشوں کو اپنالیا۔ بالآخر اِس تاریخی عمل کا منطقی نتیجہ نیشنل کانفرنس کے قیام میں برآمد ہُوا۔"

"ریاست کی تحریکِ حریت مُلک کے دُوسرے حصّوں میں انڈین نیشنل کانگرس کے جھنڈے تلے چلائی جا رہی تھی۔ اِس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ جموں و کشمیر کے قومی رہنماؤں کے دل میں نیشنل کانفرنس کو نیشنل کانگرس میں مدغم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور کھُلے عام اِس بات کا اظہار کیا گیا کہ نیشنل کانفرنس ریاست میں کانگرس کی ایک شاخ کے طور پر کام کرے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ اِس لئے کہ اِس راہ میں ایک بڑی روکاوٹ یہ حائل تھی کہ کانگرس مہاراجاؤں اور نوابوں کی عملداری میں واقع ریاستوں میں اپنی سرگرمیاں جاری کرنے سے معذور تھی۔ کیونکہ اِس کے پروگرام میں محض برطانوی ہند میں ہی آزادی کی جنگ لڑنا شامل تھا۔ اور نیشنل کانگرس کا ڈھانچہ خاص طور پر برطانوی ہند میں آزادی کی لڑائی لڑنے کے لئے ترتیب دیا گیا تھا۔ اِس لئے ظاہر ہے کہ ریاستوں کی تحاریکِ آزادی کا طرزِ عمل اِس کے طریقِ کار سے مختلف بھی تھا اور جُداگانہ بھی۔ یہی وجہ ہے مسلم کانفرنس کو جب نیشنل کانفرنس میں بدل دیا گیا تو یہ مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خان اور دُوسرے ہندوستانی رہنماؤں کی قیادت میں ہُوا۔ اور اُن کے مشورے سے ہُوا جو ہماری تحریک سے قریبی طور پر وابستہ تھے۔ یہی وجہ ہے جموں میں بھی انڈین نیشنل کانگرس کی شاخ بند کر دی گئی جو وہاں کام کر رہی تھی۔ تاہم

جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس اپنی جدوجہد کے دوران انڈین نیشنل کانگریس سے بہم قوت حاصل کرتی رہی اور امداد بھی۔ اس تدریجی عمل کے نتیجہ میں مہاراجاؤں اور نوابوں کے زیرنگیں ریاستوں میں جمہوری نظام قائم کرنے کے لیے سٹیٹس پیپلز کانفرنس بھی اس جماعت کا ایک جزو بن گئی۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی آمد

جون سنہ ۱۹۳۸ء کے آغاز میں انڈین نیشنل کانگریس کے سربرآوردہ لیڈر اور ملک کے کروڑوں عوام کے رہنما پنڈت جواہر لال نہرو کی آمد آمد کی دھوم مچ گئی۔ پنڈت نہرو نیشنل کانفرنس کے مہمان کے طور اپنے آباو اجداد کے وطنِ عزیز کشمیر میں آ رہے تھے۔ نہرو کے استقبال کی تیاریاں زور شور سے ہوئیں۔ اور جب نہرو صاحب سرینگر میں آئے تو اُن کا ایسا شاہانہ استقبال کشمیری عوام نے کیا کہ جس کی مثال کشمیر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اِس سے پہلے کبھی کسی وائسرائے یا راجہ مہاراجہ اور نواب کی ایسی عزت افزائی نہیں ہوئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو دس یوم وادیٔ کشمیر میں رہے مختلف مقامات پر مختلف لوگوں نے نہرو جی کی تقریریں سُنیں اور عوام بلا لحاظ مذہب و ملت اِن تقریروں سے متاثر ہوئے۔ پنڈت نہرو کی آمد اور وادی کے دورہ نے کشمیر پر ہند کی سیاسیات کا گہرا اثر ڈالا بلکہ نیشنل کانفرنس کو حیاتِ تازہ میسر آئی۔ پنڈت جی نے کشمیر کی سیاسی حالت کا مطالعہ کر کے اپنی مختلف تقاریر میں لوگوں کو جمہوریت کے اصولوں کے لئے نیشنل کانفرنس کے جھنڈے کے نیچے منظم ہونے کی تلقین کی۔ نتیجتہً کانگریس اور نیشنل کانفرنس کا باہمی رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا۔

"ہندوستان چھوڑ دو" تحریک اور نیشنل کانفرنس

اگست ۱۹۴۲ء میں جب ہندوستان میں "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک انڈین نیشنل کانگریس نے شروع کی تو نیشنل کانفرنس نے اس جنگِ آزادی میں کانگریس کے ہمنوا ہو کر قوم کی جدوجہد میں پورا ساتھ دیا۔ نیشنل کانفرنس کے اعلان کے مطابق ریاست بھر میں ۲۳ اگست ۱۹۴۲ء اتوار کا دن قومی

دن کے طور منایا گیا۔ اور نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے کانگریس کی تحریک کی پُرزور الفاظ میں حمایت کی۔ جسے جنرل کونسل نے تصدیق کیا۔ نیشنل کانفرنس کی مجلس عامہ نے ۱۶ ر اگست ۱۹۴۲ء کو سرینگر میں ایک اجلاس کیا جس میں ذیل کی قرارداد پاس کی گئی :۔

"نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی پورے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ہندوستان کی آزادی ایک ایسا حق ہے جس سے دُنیا کا کوئی انصاف پسند انکار نہیں کرسکتا۔ ورکنگ کمیٹی کی رائے میں کانگریس کا یہ مطالبہ کہ ہندوستان کی آزادی کا فوری اعلان کیا جائے معقول وجوہات پر مبنی ہے"۔

"ورکنگ کمیٹی اُس تشدد اور سخت گیری کی سخت مذمت کرتی ہے جو حکومتِ ہند نے انڈین نیشنل کانگریس کے اداروں کو جماعت ہائے خلاف قانون قرار دیتے ہوئے اور کانگریس رہنماؤں کو گرفتار کرتے ہوئے اور نہتے عوام پر گولیاں چلاتے ہوئے اختیار کر رکھی ہے۔ ورکنگ کمیٹی اُن لوگوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے جو اس سلسلہ میں مصائب کا نشانہ بنے ہیں۔ نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی برطانوی حکومت سے پُرزور اپیل کرتی ہے کہ وُہ گاندھی جی اور دُوسرے رہنمایان کانگریس اور دیگر گرفتار شدگان کو فوراً رہا کردے۔ سخت گیری کی پالیسی کا خاتمہ کرکے حالات کو معمولی صُورت میں لاکر امن اور اعتماد کی ایسی فضا پیدا کر دے جس میں ہندوستان کی مکمل آزادی اور قومی حکومت کے قیام کو عملی شکل دی جا سکے"۔

نیشنل کانفرنس کا تعاون

نیشنل کانفرنس نے ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۶ء تک کئی بار حکومت سے تعاون کیا۔ اور اس دوران میں مہاراجہ بہادر کی طرف سے جو آئینی اصلاحات اور تبدیلیاں نظامِ حکومت میں وقتاً فوقتاً کی جاتی رہیں اُنہیں قبول کرتے ہیں نیشنل کانفرنس جیسا ایک فرض ...

رضامند بھی ہوتی رہی۔ چنانچہ جنگ کے دوران جب وادی کشمیر اور بالخصوص سرینگر میں حکومت نے خوراک کمیٹیاں عوام کو سہولیت پہنچانے کے لئے قائم کیں تو نیشنل کانفرنس کی پوری تنظیم اس طرف متوجہ ہوئی۔ اور اس نے عوامی کمیٹیوں کے ذریعہ لوگوں میں خوراک اور ایندھن تقسیم کرنے کے فرائض انجام دئے۔ اور اس طرح نیشنل کانفرنس نے عوام اور فاقہ کشی کے درمیان حائل ہو کر عوام کو تشنگی، نایابی اور گرانی کی زد سے بچانے کی بھرپور کوششیں کیں۔ نیشنل کانفرنس کو یہ گلہ ضرور رہا کہ مطلق العنان حکومت کی مداخلت اور نااہلیت نے اُس کا ہاتھ روکنے میں تامل نہیں کیا۔ پھر بھی گرانی اور نایابی اشیاء کے اُس نازک اور منحوس دور میں حکومت کے ساتھ تعاون کر کے عوام کی ضروریات کو پورا کرنا مناسب سمجھا گیا۔ اور اپنے سرگرم کارکنوں کے ذریعہ اشیاء ضروریہ کے بانٹنے میں حصہ لیا۔ اِس طرح لوگوں کو بھوک اور مہنگائی سے بچانے کا شاندار فریضہ ادا کیا۔

شاہی تحقیقاتی کمیشن کا قیام

مہاراجہ بہادر ہری سنگھ نے ۱۲ر جولائی ۱۹۴۳ء کو ایک اعلان جاری کیا۔ جس کی رُو سے ایک رائل تحقیقاتی کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اعلان میں واضح کیا گیا تھا کہ مابدولت ریاست کے حالات کی رفتار ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جائزہ لیتے رہے ہیں جس کو بہ حیثیت حکمران کے کسی پارٹی اور جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور جو اپنے دل کو صاف رکھنے کے اہل ہے۔ مابدولت ریاست کی رائے عامہ کی مختلف تحریکوں کا نوٹس لیتے رہے ہیں۔ جہاں تک جائز رائے عامہ سے ریاست کے امن و امان میں خلل نہ آیا اور مختلف فرقہ جات کے باہمی خوشگوار تعلقات میں (جن کو برقرار رکھنا بہ حیثیت حکمران کے مابدولت کی خواہش رہی ہے) کوئی رخنہ نہ پڑا۔ اِس سے مدد لی گئی۔ چار سال قبل مابدولت کی خواہش پر حکومت کے آئین میں تبدیلی کی گئی۔ اور مابدولت اِس عرصہ میں ترمیم شدہ آئین کے عمل کا جائزہ لیتے رہے۔ مابدولت اب یہ جاننا چاہتے ہیں۔ آیا یہ اچھی طرح چلا ہے یا نہیں۔ یہ بھی کہ اِس کو چلانے میں کن کن دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مابدولت کی رائے میں یہ باتیں مفصل اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کے بعد ہی معلوم ہوسکتی ہیں تاکہ اِس کے مطابق مستقبل کے لئے ہماری طرف سے کوئی خاص پالیسی معیّن کی جاسکے۔ مابدولت کی رائے میں چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں یا جلدبازانہ اقدام کی نسبت متذکرہ صدر طریق کار زیادہ

بہتر اور مناسب ہوگا۔ اِس لئے کافی غور و فکر کے بعد مابدولت اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایک تحقیقاتی کمیشن کا تقرر عمل میں لایا جائے جو مکمل طور پر پرجا سبھا (اسمبلی) کے غیر سرکاری ممبروں اور مختلف مفاد اور فرقوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ مابدولت اپنی مرضی اور خوشی سے کمیشن کی تقرری کا اعلان کرتے ہیں جو جہاں تک ممکن ہو سکے فوری طور کام شروع کرے گا۔ مابدولت کی خواہش ہے کہ اپنے کام کو انجام دیتے ہوئے یہ کمیشن ہماری ریاست کے حالات اور ضروریات، مختلف فرقہ جات کی بہتری اور بھلائی اور ریاست کے مجموعی مفاد کو مدِنظر رکھے اور ساتھ ہی مفصلہ ذیل امور کے متعلق آئینی پوزیشن کا خاص خیال رکھے۔

کمیشن کا دائرہ کار

(الف) بحیثیت حکمران مابدولت اور شاہی خاندان کی پوزیشن، درجہ اور حقوق (ب) اقتدارِ اعلیٰ کے ساتھ ہمارے تعلقات اور اُس کی نسبت ہماری ذمہ داریاں (ج) ریاست کا تحفظ (د) حکمران سے متعلق با اختیار اور بے اختیار جاگیرداران کے حقوق اور ذمہ داریاں۔

کمیشن مفصلہ ذیل امور کی نسبت تحقیقات کر کے اِس بارے میں اپنی طرف سے مناسب سفارشات کرے گا:۔

(۱) ریاست کا تحفظ اور اُس کی بہتری (۲) نظامِ حکومت کی ترقی اور بہتری (۳) اِس ریاست میں رہنے والے مختلف فرقہ جات کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے مُلک کی مسلسل ترقی (۴) مُلک کی اقتصادی حالت کو سُدھارنا تاکہ عوام کا معیارِ زندگی بلند ہو جائے (۵) ریاست کی اعلیٰ ملازمتوں میں رعایا کی نمائندگی کو بڑھانا اور ایسی پالیسی اختیار کرنا جس کا مقصد ہر مذہب کے افراد کو نظامِ حکومت میں شامل کرنا (۶) ہماری اِس پالیسی پر سختی سے عمل کرنا کہ سرکاری ملازمتیں تمام و کمال ریاست کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوں گی۔ ماسوائے ایسی حالتوں میں جب کہ اُمیدوار مطلوبہ تجربہ، قابلیت اور ٹیکنیکل ٹریننگ کا آدمی ریاست میں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کسی غیر ریاستی کو غیر مستقل طور مقرر کرنا ضروری ہے۔ یا [illegible] کسی خصوصی [illegible] غیر ریاستی کا تقرر ضروری ہو (۷) ریاست کے تمام جماعتوں [illegible] کی [illegible] زبانوں کا تعین کرنا۔

مابدولت کا خیال ہے کہ ریاست کے اہم مسائل کا حل لازمی طور پر ریاست کی موجودہ معاشی اور مالی ذرائع اور ایک خاص طریق عمل پر منحصر ہے۔ مابدولت حکومت کے مالی منسٹر کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ کمیشن کو مالی سفارشات کے متعلق مشورہ دے اور جب بھی ضرورت پڑے، اس کی امداد کرے۔

کمیشن مذکورہ صدر تاثرات کو پیش نظر رکھ کر اپنا پروگرام مرتب کرے گا۔ البتہ چند ایک معاملات ہیں جو مابدولت کے نوٹس میں آئے ہیں۔ اور ہم کمیشن کی توجہ اس طرف دلاتے ہیں تاکہ ضروری تحقیقات کے بعد ان معاملات کے متعلق ہماری خدمت میں رپورٹ پیش کرے۔

(۱) شہروں میں عموماً اور دیہات میں خصوصاً طبی امداد اور نرسنگ کا بندوبست کرنا۔ (۲) جموں اور سرینگر کے شہروں کی صفائی کا انتظام کرنا۔ (۳) پیشابی امراض کا تدارک خصوصاً تحصیلات اودھم پور، رام نگر اور رام بن میں۔ (۴) کنڈی علاقہ میں پینے کا پانی مہیا کرنا۔ (۵) سرحدی علاقہ جات کا معاشی سدھار۔ (۶) ریاستی کارخانوں کی موجودہ پوزیشن میں وسعت دینا۔ (۷) ریاستی باشندوں کو ایسے کارخانے قائم کرنے یا اُن کو فروغ دینے کے لئے امداد کرنا جو یہاں کے لئے موزوں ہوں۔ (۸) ٹیکنیکل صنعتی اور سائنٹیفک تعلیم کو فروغ دینا۔ (۹) ریاست کے طریقہ تعلیم میں ترمیم کرنا۔ ابتدائی، ثانوی اور ٹیکنیکل تعلیم کو اس ڈھنگ پر چلانا کہ نوجوان تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنا گذارہ چلا سکیں۔ (۱۰) ریاست کے نوجوانوں کو منفعت بخش پیشے اختیار کرنے کے متعلق رہبری کرنا۔ مثلاً اس کے لئے ایمپلائمنٹ بورڈ قائم کئے جا سکتے ہیں۔ (۱۱) تمام طبقوں خصوصاً کسانوں کے معاشی تحفظ کا بندوبست کرنا۔ یہ بات اُن کی اقتصادی اور مالی حالت کو سدھارنے، اُن کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے، اُن کی جسمانی حالت کو درست کرنے اور اُن کو اپنی مجموعی بھلائی کے لئے امداد باہمی کے اصولوں پر عمل کرانے سے انجام دی جا سکتی ہے۔ (۱۲) ریاست کے مزدوروں کا برطانوی ہند میں جانے کے معاملے پر غور و خوض کرنا کہ آیا اُن کا وہاں جانا ریاست کے لئے اچھا ہے یا بُرا۔ اگر اچھا ہے تو اس کو کس طرح فروغ دیا جا سکتا ہے۔ اگر بُرا ہے تو اس کا تدارک کس طرح ہو سکتا ہے۔ (۱۳) رعایا کی مدد سے غیر ریاستیوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ زمین خریدنے سے روکنا۔ (۱۴) بردہ فروشی کا تدارک کرنا۔ (۱۵) اس معاملے کے متعلق تحقیقات

کرنا کہ آیا صغر سنی کی شادی کا قانون مؤثر ہے یا نہیں یا اس میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ (۱۶) دیہات سدھار کی تحریک کو مزید تقویت دینا۔ (۱۷) ایروژن کو روکنے کے لئے مزید تدابیر اختیار کرنا۔ (۱۸) شہروں، قصبوں اور دیہات کو خوبصورت بنانا۔ (۱۹) بجٹ کو خاص اصول کے تحت مرتب کرنا۔ اور کسی خاص عرصہ کے لئے اخراجات کو مقرر کرنا۔ (۲۰) طبی امداد، تعلیم اور امور عامہ کے لئے آمدنی کا مناسب حصہ اخراجات کے لئے مقرر کرنا۔

کمیشن مندرجہ ذیل اشخاص پر مشتمل ہوگا:۔

رائے بہادر گنگا ناتھ چیف جسٹس صدر پرجا سبھا (صدر)۔ میجر جنرل راؤ بہادر جنک سنگھ نائب صدر۔ راجہ اقتدار خان۔ شیخ عزیز الدین۔ مرزا محمد افضل بیگ۔ خواجہ غلام محمد صادق۔ سردار دھیان سنگھ۔ وزیر گنگا رام۔ مسٹر ایم۔ اے۔ حفیظ۔ پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ۔ رائے بہادر مسٹر امرناتھ پوربی۔ چوہدری رحمت خان۔ نونو چھونگ رینچن۔ کرنل سنسار سنگھ۔ مسٹر شریندر موہن شاستری۔ آغا شیر علی۔ وزیر تیج رام (ممبران) اور لالہ مولراج مینگی (مشن جج) سیکرٹری۔

(۱) کمیشن کو اختیار ہوگا کہ وہ ہمارے فرمان کے مطابق ایک استفساریہ (QUESTIONAIRE) مرتب کرے۔ اور اسے اُن اشخاص اور انجمنوں میں تقسیم کرے جو اُس کی رائے میں اس کے لائق ہیں۔ اور اُن سے جوابات حاصل کرے۔ (۲) کمیشن میمورنڈم طلب کر سکتا ہے اور گواہوں کے بیانات لے سکتا ہے۔ (۳) کمیشن اپنی تحقیقات کے دوران میں کسی خاص موضوع پر ماہرین کی رائے طلب کر سکتا ہے۔ (۴) کمیشن کو اختیار ہوگا کہ حکومت کے مختلف محکمہ جات کے افسران سے تحریری میمورنڈم حاصل کرے۔ ان محکمہ جات کے افسران اعلیٰ کا فرض ہے کہ وہ اپنی پوزیشن کے متعلق کمیشن کو مطلوبہ میمورنڈم پیش کر دیں یا کمیشن کو ایسی واقفیت بہم پہنچائیں جو کمیشن طلب کرے۔ یا اُن محکموں کے نظام کو ٹھیک کرنے کے متعلق اپنی رائے اور تجاویز پیش کر دیں۔ (۵) کمیشن کو اختیار ہے کہ وہ مختلف جگہوں کا دورہ کرے اور کسی بھی سرکاری محکمہ کو ایسی دستاویز پیش کرنے کو کہے جو تحقیقات کے لئے ضروری ہوں۔ اگر کوئی محکمہ ایسا کرنے سے معترض ہو تو کمیشن کا صدر معاملہ کے فیصلہ کے لئے بدولت کی خدمت میں پیش کیا کرے گا۔

(۶) کمیشن کا صدر میٹنگوں ۔ اوقات کا ۔ بیانات قلمبند کرنے ۔ گواہوں کو طلب کرنے اور اُن تمام معاملات کی نسبت جو اُن کی رائے میں ضروری ہوں ، ایک مقررشدہ پروگرام مرتب کرے گا۔ (۷) کمیشن کا صدر اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے عارضی بجٹ بنائے گا ۔ اور محکمہ مالیات کا فرض ہے کہ وُہ ضروری رقوم اُنہیں مہیا کرے ۔ (۸) میٹنگوں کی صدارت کے فرائض کمیشن کا صدر انجام دیا کرے گا ۔ اُس کی غیر حاضری میں یہ کام نائب صدر کے سپرد کیا جائے گا ۔ صدر کی غیرحاضری میں نائب صدر اور کمیشن کسی بھی گواہ کو طلب کر سکتا ہے ۔ وُہ کمیشن کی کارروائی پر نگرانی رکھ سکتا ہے ۔ طریق کار کا فیصلہ کر سکتا ہے ۔ کام کے دوران میں پیدا شدہ سوالات اور ہمارے اعلان کی تعبیر کا فیصلہ کر سکتا ہے ۔ وہی کمیشن کے سٹاف پر نگرانی رکھ سکتا ہے ۔ اور کمیشن کے فرائض کی انجام دہی کے بارے میں ضروری اقدام کر سکتا ہے ۔ (۹) عام طور سے کمیشن آئین کے عمل کا جائزہ لیتے وقت پرجا سبھا کی کارروائی کو مدنظر رکھے گا ۔ ساتھ ہی عوام کی دلچسپی اور اُن کے سیاسی تجربہ کو پیش نظر رکھے گا ۔ (۱۰) کمیشن ماہ جولائی ۱۹۴۴ء کے آخر میں اپنی رپورٹ مرتب کر کے پیش کرے گا لیکن کمیشن کا صدر اگر اس عرصہ کو کم تصور کرے تو وُہ مابدولت کی خدمت میں اس میعاد میں توسیع دینے کے متعلق معروضات پیش کر سکتا ہے ۔ ہمارے افسران کا فرض ہے کہ کمیشن کو اپنا کام انجام دینے کے متعلق ہر قسم کی امداد مہیا کریں ۔

رائل تحقیقاتی کمیشن سے تعاون

مہاراجہ ہری سنگھ کے اعلانِ تحقیقاتی کمیشن کا ریاست کے ہر حلقہ میں خیر مقدم ہوُا ۔ پنجاب ہندوستان کے سرکردہ اخبارات نے بھی اعلان مذکورہ کو حالات کے مطابق مفید سمجھا ، اور مہاراجہ ہری سنگھ کے خیالات اور خواہشات کو متعلق بہبود ریاستی عوام اپنے کالموں میں پسندیدہ قرار دیا ۔ ریاست جموں و کشمیر کی جتنی بھی سبھا سوسائٹیاں اور سرکردہ لوگ تھے ، ماسوائے نیشنل کانفرنس سب نے تحقیقاتی کمیشن کے قیام پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے ہر ممکن تعاون کی پیشکش کی ۔

نیشنل کانفرنس نے تعاون کی پیشکش تو کی اور اپنے ممبران اسمبلی میں سے مرزا

محمد افضل بیگ اور خواجہ غلام محمد صادق کو کمیشن میں شمولیت کرنے اور کام جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ دیکھ لیں کہ نیشنل کانفرنس کے نصب العین کو حاصل کرنے میں کمیشن کہاں تک ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ اور جس مرحلہ پر بھی وہ محسوس کریں کہ کمیشن نیشنل کانفرنس کے عندیہ کے خلاف جا رہا ہے تو وہ اُسی وقت معاملہ نیشنل کانفرنس کے سامنے رکھیں۔ چنانچہ ۱۸-۱۹ر اگست ۱۹۴۳ء کے اجلاس ورکنگ کمیٹی میں نیشنل کانفرنس نے اپنے نمائندوں کو کمیشن سے تعاون کرنے اور کمیشن میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔

اور جب ۲۷ر فروری ۱۹۴۴ء کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس جموں میں ہوا تو خواجہ غلام محمد صادق اور مرزا افضل بیگ کمیشن کے نیشنل کانفرنسی ممبران نے اپنی رپورٹ پیش کی جس کے نتیجہ میں اُنہیں کمیشن سے واپس آنے کی ہدایت کی گئی۔ اور ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ جو یادداشت نیشنل کانفرنس کی طرف سے کمیشن میں پیش کرنے کے لئے مرتب کی گئی تھی، وہ کمیشن کو نہ بھیجی جائے۔ کانفرنس کی یہ یادداشت ریاست کے آئندہ آئین کے مسودہ اور خاکہ پر مشتمل تھی جسے کمیشن کی بجائے نیشنل کانفرنس نے مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش کرنا اور عوام کی آگاہی کے لئے شائع کر دینا مناسب سمجھا۔

نیشنل کانفرنس کی یادداشت

شیخ محمد عبداللہ صدر آل جموں و کشمیر نے نیشنل کانفرنس کی یادداشت جو ریاست جموں و کشمیر کے آئندہ آئین کے مسودہ اور خاکہ پر مشتمل ہے ، ورکنگ کمیٹی کی طرف سے پیش کرتے ہوئے اپنے ایک وضاحتی بیان میں کہا کہ:-

"ہم ممبران آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس آزادی کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ یہ جہاد ہمارے لئے نیا نہیں۔ ماضی کی تاریخ اس جہاد کے اپنے کارناموں کا مرقع ہے اور مستقبل کی نسبت اس کا اپنا مستقل نظریہ ہے۔ لیکن جہاد کے بنیادی عناصر ہر جگہ ایک ہیں۔ غریبوں کا یہ جہاد اُن لوگوں کے برخلاف ہے جو ان کی کمائی کا استحصال کرتے ہیں۔ یہ جہاد ہماری پیاری مادر وطن کے محنت کش عوام کے

لئے ہے۔ اور اُس سنگدل طبقہ کے خلاف ہے جو مجلسی امتیانات کے لئے

میں بنی نوع انسان کے دُکھ درد کے احساس سے محروم ہو چکا ہے۔"

"نیا کشمیر، جس کو میں نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کی جانب سے پیش کرنا چاہتا ہوں، ایک سیاسی اور اقتصادی نظام کا خاکہ ہے۔ اور یہ خاکہ اصل میں اس مقصد کے لئے مرتب کیا گیا تھا کہ یادداشت کی صورت میں اُس آئینی تحقیقاتی کمیشن کے سامنے پیش کیا جائے جو ہمارے آئندہ ارتقاء و خوشحالی کے امکانات کے ذرائع تلاش کرنے کی غرض سے وجود میں آیا تھا۔ یہ کمیشن ہز ہائینس مہاراجہ بہادر کے شاہی فرمان مورخہ ۱۲ ر جولائی ۱۹۴۳ء کی رُو سے مقرر کیا گیا تھا۔ اور اس کے مقاصد میں ریاست کا تحفظ، استحکام اور مامونیت شامل تھے۔ اور اس کمیشن کو ہدایت کی گئی تھی کہ یہ سیاسی، اقتصادی اور انتظامی حدود میں ریاست کی اصلاح کے امکانات تلاش کرے۔"

"جب شاہی فرمان شائع ہوا تو ہمیں اس امر سے مسرت ہوئی کہ مہاراجہ بہادر نے ریاست کی بہبودی کی طرف توجہ دی ہے۔ مگر کمیشن کی ہیئت ترکیبی کو دیکھ کر ہم حیرت زدہ رہ گئے۔ کیونکہ جاگیرداروں، بڑے زمینداروں، پنشنروں اور ٹھیکیداروں اور مفاد خاص رکھنے والے عناصر وغیرہ کے دباؤ اور غلبہ سے اس کمیشن کی کمر جھک گئی تھی۔ اور نیشنل کانفرنس، جو کشمیر کے عوام کی بھاری اکثریت کی ترجمان ہے، کے صرف دو ممبر اس کمیشن میں لئے گئے تھے۔"

"۱۸ اور ۱۹ ر اگست ۱۹۴۳ء کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی مجاہد منزل سرینگر میں مجتمع ہوئی اور پورے دو دن تک کمیشن کے مسئلے پر غور و خوض کرتی رہی۔ کمیشن کے سامنے جو کام کرنے کے لئے تھا یا جو کچھ وہ کر سکتا تھا، اُس کی نسبت کمیشن کے ارکان کی کیفیت و نوعیت کی وجہ سے قدرتی طور پر سخت غلط فہمیاں تھیں۔ مگر دوسری طرف ہز ہائینس مہاراجہ بہادر کا وہ بیان جو آپ نے کرپس تجاویز کے موقعہ پر شائع کیا تھا، ہمارے دلوں پر اُمید افزا اثر

ڈال رہا تھا۔ اِس بیان میں ہز ہائینس نے دُوسری باتوں کے علاوہ اعلان فرمایا

ہے کہ :۔

— "بہرصورت ہندوستانی شہزادوں (نوابوں اور مہاراجاؤں) کا یہ فرض ہے کہ وُہ وطن پرست ہونے کا ثبوت دیں۔ اُن کی اس خواہش کا عملی ثبوت ملنا چاہیئے کہ وُہ اپنے وطن کے باشندوں کو دُنیا کی باقی اقوام کے دوش بدوش ترقی یافتہ دیکھنے کے آرزومند ہیں"

"ہز ہائینس نے اِس بیان میں اِن الفاظ کے ساتھ ذیل کے زوردار الفاظ کا بھی اضافہ فرمایا تھا :۔

"آزادی ہمارا نصب العین ہونا چاہیئے۔ آزادی گلا دبوچنے والی پابندیوں سے آزادی اور کُچل دینے والی گرفت سے آزادی۔ اور وُہ آزادی جو ہندوستان کو مُفاد کو دولتِ مشترکہ کے باقی حصّوں کے ذیلی اور تابع رہنے سے نجات دلائے"

"اِس شفقت بھرے بیان میں ہمیں ذہن نشین کرایا کہ کمیشن مقرر کرتے ہوئے ہز ہائینس مہاراجہ بہادر کی یہی حُریّت پروارنہ خواہشات کارفرما ہیں۔ کمیشن کے صدر اور ریاست کے وزیرِ اعظم نے بھی ہمیں یقین دلایا کہ کمیشن کا عملی کام وسیع بُنیادوں پر ہوگا۔ اور ریاست کے نظام کے تمام پہلوؤں پر آزادانہ بحث کی پُوری پُوری اجازت ہوگی۔ اور تمام انتظامی محکموں کی نسبت کرید کرید کر تحقیقات کی جائے گی تاکہ اِن کو بہتر بنایا جاسکے۔ اِن تمام باتوں نے ہمیں اِس امر پر مائل کیا کہ کمیشن کے اجلاس میں اپنے ممبروں کو شامل ہونے کی اجازت دینے کا فیصلہ کریں۔ باوجودیکہ کمیشن کے ممبروں کی اکثریت اُن اوصاف سے محروم تھی جو جمہور کے نمائندوں میں ضروری ہیں۔ ہم نے تعاون کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ ۱۹ راگست ۱۹۴۲ء کو ورکنگ کمیٹی اور جنرل کونسل نے کیا۔ اور اس اجلاس کے ریزولیوشن کا آخری حصہ ہمارے رویّہ کی وضاحت بہت اچھی طرح سے کرتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :۔

شاہی اعلان کے مندرجات کو پوری احتیاط اور غور کے ساتھ زیر بحث لانے کے بعد ورکنگ کمیٹی جس رائے پر پہنچی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اعلان عوام کی توقعات پوری کرنے سے قاصر ہے۔ اور بہت کچھ جو اس میں ہونے کی توقع رکھی جاسکتی تھی، وہ درحقیقت موجود نہیں ہے۔ چونکہ اس کی جو خامیاں اور نقائص اوپر بیان ہوئے ہیں وہ بہت اہم ہیں۔ اس لئے ورکنگ کمیٹی اس کے اچھے نتائج کی نسبت درحقیقت خطرات محسوس کرتی ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ ہز ہائینس مہاراجہ بہادر عوام کو آگے بڑھنے کا موقعہ دینے کی پختہ خواہش رکھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ بات شک آور ہے کہ اس موقعہ کے لئے جو ذرائع اختیار کئے گئے ہیں وہ بھی اتنے ہی موزوں اور قابل ستائش ہیں یا نہیں جتنا کہ خود مقصد ہے۔ اور یہ ذرائع حصول مقصد میں ہوں گے یا نہیں۔ باایں ہمہ نیشنل کانفرنس موجودہ ہندوستانی صورت حالات سے خصوصاً اور دنیا بھر کے پریشان کن امور سے باخبر ہے۔ اور چاہتی ہے کہ اس اقدام سے اجتناب کیا جائے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ موجودہ حالات کی پیچیدگی میں اضافہ کرنے والا ہو اور ملک کے اُن وسیع مفادات کو خطرے میں ڈالنے والا ہو جو ہر ایک محب وطن کو محبوب ہیں نیشنل کانفرنس متمنی ہے کہ وہ ایسے امکانات تلاش کرے جن کے ذریعہ شاہی اعلان کو عوام کی آئینی واقتصادی ترقی کی بنیاد بنایا جاسکے۔ یہ بات لازمی طور پر بڑی حد تک ہمارے نصب العین کے ساتھ اُن لوگوں کے ہمدردانہ اور تعاون پرستانہ رویہ پر منحصر ہوسکتی ہے جو کمیشن سے تعلق رکھتے ہیں اور جن سے کانفرنس کو توقع ہے کہ وہ وسیع القلبی کا ہاتھ بڑھائیں گے۔ ورکنگ کمیٹی اپنے ممبروں کو مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں اور مندرجہ بالا شرائط کی پابندی کے ساتھ کمیشن میں شمولیت کرنے اور کام جاری رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ ہمارے ممبروں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ کمیشن کی روزمرہ رفتار کا غور سے جائزہ لیتے رہیں۔ اور دیکھ لیں کہ اس کا کام نیشنل کانفرنس کے اعلان کردہ نصب العین کے حصول میں کہاں تک ممد و معاون ثابت ہو رہا ہے۔ اور جس مرحلے پر بھی ہمارے

Scanned with CamScanner

ممبر محسوس کریں کہ کانفرنس کے نصب العین کی طرف رفتار کے راستہ میں کوئی امر مانع و حائل ہو گیا ہے، وہ اس وقت معاملہ نیشنل کانفرنس کے سامنے رکھیں نیشنل کانفرنس جو ہدایات مناسب سمجھے گی اُن کو دے گی۔"

" یہ بد نصیبی تھی کہ ہماری خیر خواہی اور ریاست کی عمومی بہتری کی مخلصانہ کوشش کے باوجود مندرجہ صدر خطرات ایک حقیقت ہی بن کر رہے۔"

" جب ہمارے ممبر کمیشن میں کام کرنے لگے تو اُنہیں سب سے پہلی دقت یہ دکھائی دی کہ اتنی بڑی اہمیت کا کمیشن بغیر کسی قابل سیکرٹری اور دفتری انتظام کے چلایا جا رہا ہے۔ کارروائیوں کو قلمبند کرنے کا کوئی انتظام نہیں۔ تحریری شہادتوں کی نقول تک ممبروں کو مہیا نہیں کی جاتیں۔ اور کمیشن کی یومیہ کارروائیوں کو مرتب کرنے کا کوئی انتظام نہیں۔ ان نقائص کو اگر انتظامی تفصیلات مان لیں تو بھی مناسب تھا کہ پیش کردہ یادداشتوں کا مطالعہ کرنے کے لئے ممبروں کو کافی موقعہ دیا جاتا لیکن یہ سہولیت بھی کمیشن کے ممبروں کو میسر نہ ہوئی۔ حتےٰ کہ اس سلسلہ میں ہمارے نمائندوں کی درخواست تک درخورِ اعتنا نہ سمجھی گئی۔ اگر شہادت کے لئے پیش ہونے والے محکمانہ اعلیٰ افسروں پر مکمل طور سے جرح کرنا مقصود تھا تو ایسی صورت میں ممبروں کو شہادتوں کا مطالعہ اور وقت دینا نہایت ضروری تھا۔ اور آئے دن کی مشکلوں اور دقتوں کے ساتھ کمیشن کے صدر نے یہ فتوےٰ صادر کر دیا کہ افواج کے ساتھ تعلق رکھنے والا کوئی معاملہ کمیشن میں زیر بحث نہ لایا جائے۔ اور نہ ہی اس موضوع پر کوئی سوال پوچھا جائے۔ ہم اس امر کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ فوجی تیاریوں اور سامان کے پورے پورے اعداد و شمار کی اشاعت تحفظ اور دفاع کے حق میں نقصان رساں ہے۔ اس کے باوجود ہمارے ممبر یہ رائے رکھتے ہیں کہ اعداد و شمار کو ایک طرف رکھ کر فوجی بھرتی کی نسبت ریاست کی پالیسی پر بحث کرنا اور ریاست کے حفاظتی محکمہ کے ساتھ لوگوں کی مکمل تائید اور عمومی امداد شامل کرنے کے لئے طریقے اور ذرائع تلاش کرنا ریاست کے تحفظ، استحکام اور مامونیت کو ترقی دینے کا اور

یہ وقت بہترین ذریعہ تھا۔"

"اس قسم کے وسیع اثر رکھنے والے مسئلے کو پورے طور سے خارج از بحث کرنا ایک ایسا قدم تھا جس نے ثابت کر دیا کہ بنیادی امور کی نسبت کمیشن کا طریق کار حقیقت پسندی سے خالی ہے اور پھر اس خرابی کے ساتھ اور بھی بہت سی جکڑ بندیاں شامل ہو گئیں مثلاً محکمۂ عدلیہ اور عدالتوں سے تعلق رکھنے والے امور پر بحث کرنے کی اجازت نہ دینا۔ ان حالات نے ہمیں اندازہ کرا دیا کہ کمیشن کا آئندہ رویہ کیا ہوگا اور اس کا نتیجہ کس قسم کا نکلے گا۔"

"اس مرحلے پر ہم نے ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۲۷ فروری ۱۹۴۴ء کو جموں میں بلایا۔ اس اجلاس میں خواجہ غلام محمد صادق اور مرزا محمد افضل بیگ نے جو کمیشن میں ہمارے نمائندے تھے، اپنی رپورٹ پیش کی جس کے نتیجہ میں اُنہیں کمیشن سے واپس آ جانے کی ہدایت کی گئی اور اس سلسلے میں ورکنگ کمیٹی نے ایک ریزولیوشن پاس کیا جس میں تمام شکایات مفصل طور سے بیان کی گئیں۔ یہ قرارداد ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے۔

"ان تمام واقعات کا مجموعی اثر یہ ہے کہ نیشنل کانفرنس نے اپنے اگست والے ریزولیوشن میں جو خدشات ظاہر کئے تھے وُہ حقیقت کی صورت میں نمودار ہوئے۔ اس لئے ریاست کی آئینی، انتظامی اور اقتصادی ترقی کی اُمیدیں ناکامی سے ہمکنار ہو رہی ہیں۔ اور نیشنل کانفرنس قطعی طور پر یہ رائے رکھتی ہے کہ اس کمیشن کے ذریعہ کسی قسم کی ترقی حاصل کرنے کے امکانات خارج از بحث ہیں۔ ان امور کے پیشِ نظر ورکنگ کمیٹی قرار دیتی ہے کہ اپنی یادداشت اس کمیشن کو نہ بھیجی جائے۔ نیشنل کانفرنس کی یہ یادداشت جو ریاست کے آئندہ آئین کے مسودہ اور خاکہ پر مشتمل ہے اور جس میں اس ریاست کی بہ حیثیت مجموعی اقتصادی خوشحالی کا منصوبہ ایک تجویز کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ یادداشت نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے منظور کر لی ہے۔ یہ اب براہ راست ہز ہائینس مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی اور چھاپ کر مُلک میں شائع کر دی جائے گی۔"

"ہمارے لئے تحقیقاتی کمیشن 'نئے کشمیر' کے راستہ میں ایک اُمرحلے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا جس کو ہم عبور کر آئے۔ ماضی میں جو راستہ ہم طے کر کے آئے ہیں وُہ دشوار گذار اور پتھریلا راستہ تھا۔ اس کی دُشوار گذاری کشمیر کے بلند پہاڑوں کی ناقابلِ عبور چوٹیوں سے مشابہ ہے۔ ہمارے سینکڑوں شہیدوں کی یاد ابھی تازہ ہے جن کی قبروں کو عوام ہر سال پھولوں سے ڈھانپ دیتے ہیں اور جن کے مزار پر کھڑے ہو کر ہم ہر سال اُس آزادی کو حاصل کرنے کا حلف لیتے ہیں جس کے لئے انہوں نے جانیں قربان کیں"۔

"جو مہمیں ہم نے اب تک سر کی ہیں اور وُہ مہمات جو ابھی سر کرنی باقی ہیں، چھوٹی نہیں ہیں۔ ریاست جموں وکشمیر رقبے میں ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہے جس کے پہاڑ، وادیاں، جھیلیں اور میدان چوراسی ہزار چار سو اکہتر (۸۴۴۷۱) مربع میل پر مشتمل ہیں۔ یہ ایک سرحدی ریاست ہے جس کی اہمیت محض مقامی نہیں۔ اس کی سرحدیں برطانوی ہند، جمہوریہ چین، بدھستانی تبت اور جمہوریہ روس کے ساتھ ملحق ہیں"۔

"ہمارے چالیس لاکھ عوام کوہ ہمالیہ کی برف پوش کوہستانی حاروں اور پنجاب کی خاکستری رنگ کے تپتے ہوئے میدانوں کے درمیان زندگی بسر کرتے ہیں جو جموں وکشمیر، لداخ، سرحدی علاقوں پونچھ، چنینی علاقہ میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں مسلمان بھی ہیں، سکھ بھی ہیں اور ہندو بھی۔ بُدھ بھی ہیں، عیسائی بھی ہیں اور کشمیری پنڈت بھی۔ جین بھی ہیں اور ہری جن بھی۔ اور ان سب نے مل کر ریاست کے گرمائی اور سرمائی دارالخلافوں سرینگر وجموں اور دیگر ۳۹ قصبوں اور ۹ ہزار دیہات کو آباد کر رکھا ہے"۔

"ہمارے عوام ہر سو (۱۰۰) میں ۹۶ ایسے ہیں جو اپنی زندگی کا سہارا غذا اور دیگر ضروریات زمین سے حاصل کرتے ہیں اور دُور دراز اور الگ تھلگ دیہات میں زندگی گزارتے ہیں۔ اُن کی سالانہ آمدنی بڑی مشکل سے فی کس گیارہ روپے ہے۔

مرزا محمد افضل بیگ

شیخ محمد عبداللہ

سردار بدھ سنگھ

مولانا محمد سعید مسعودی

شری ڈی پی در

پنڈت گردھاری لال ڈوگرہ

پنڈت ترلوچن دت

سید میر قاسم

نیشنل کانفرنس کا نصب العین ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ وہ کسانوں اور دستکاروں کے افلاس کے خلاف جدوجہد کرے اور مزدوروں کی ناقابل برداشت بے چارگی کو ختم کرنے کے لئے سعی کرے۔ یہ کانفرنس جو ۱۹۳۲ء میں مسلم کانفرنس کے نام سے قائم ہوئی تھی، بہت جلد ریاست کشمیر کے عوام کی پشت و پناہ اور دست و بازو بن گئی۔ جن میں سے مسلمان تین چوتھائی سے زیادہ ہیں۔ اسی زمانہ میں تمام ہندوستان ۱۹۳۱ء کی تحریک سول نافرمانی کے بعد ایک نئی بیداری کے دور میں داخل ہوا۔ جس کا نفسیاتی اثر ہم پر بھی پڑا۔ کانفرنس گو نام کے لحاظ سے ابتداء میں "مسلم" کانفرنس تھی مگر چونکہ یہ لوگوں کے اُن مصائب کا اظہار کرنے کے لئے مرتب کی گئی تھی جن کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ اس لئے حقیقت اور عمل کے لحاظ سے یہ اُس وقت بھی نیشنل کانفرنس تھی اور اس وقت بھی تمام فرقوں کی بہبودی سے تعلق رکھنے والے مطالبات کو اپنے پروگرام اور کوشش کی بنیاد بنائی تھی۔ یہی وہ حقیقت تھی جس کو میں نے ۱۹۳۵ء میں تمام فرقوں کے نام مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اپیل کرتے ہوئے ظاہر کیا تھا۔

"ہماری تحریک ابتداء سے ہی ملک گیر تھی اور جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ ریاست کی سرزمین میں گہری جڑ پکڑتی گئی۔ اور یہ قدرتی امر تھا کہ ۱۹۳۹ء میں ہم نے کام اور نام میں یکسانیت پیدا کرتے ہوئے باقاعدہ طور پر اس جماعت اور تنظیم کو "آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس" کا نام دیا اور اس کو اسم بامسمیٰ بنا دیا۔ تب سے ہم نے بہتیرے طوفانوں کا مقابلہ کیا اور بہت سے سخت کے ہمارے تجربہ میں آئے اور کانفرنس محض اپنے جمہوری مقاصد اور عوامی پروگراموں کی وجہ سے جمہور میں آئے دن ہر دلعزیز ہو کر زیادہ سے زیادہ طاقتور بنتی گئی۔"

"اس تمام مدت کے دوران میں ہم بار بار یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ وہ ذمہ دار نظام حکومت کے قیام اور ریاست کے عوام کی اقتصادی خوشحالی اور برتری کا مطالبہ ہے۔ ہم ۱۹۳۴ء میں اپنے پہلے آئینی مرحلے پر پہنچے جب قانون ساز

اسمبلی ۷۵ ممبروں پر مشتمل مرتّب کی گئی جن میں سے ۴۲ نامزد اور صرف ۳۳ منتخب تھے اور جس کا صدر بھی سرکاری عہدیدار تھا۔ کانفرنس کے نمائندے اسمبلی میں داخل ہوئے اور اُنہوں نے وہاں ایسی پارٹی مرتّب کی جو سب سے بڑی و احد ہم جنس پارٹی تھی۔ یہ پارٹی اسمبلی ہال کی چار دیواری میں قابلیت اور خوبی سے ہماری جنگ لڑتی رہی"۔

"گذشتہ چند سال سے دُنیا جنگ میں مُبتلا ہے اور حملہ آور خود ہندوستان کے دروازوں پر دستک دے رہے ہیں نیشنل کانفرنس نے اِس دوران میں ریاست کے بچاؤ کی اہمیت کا پُورا پُورا احساس کیا ہے۔ اور اِس امر کو بھی محسوس کیا ہے کہ کشمیر کے مسئلہ آزادی کا حل ہندوستان کے وسیع مسئلہ کے ساتھ اور بہ حیثیت مجموعی دُنیا کے مسئلے کے ساتھ وابستہ ہے"۔

"سال ۱۹۴۴ء ہمیں ایک اور مرحلہ پر لا رہا ہے نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی جس کی اُنگلیاں ہمیشہ عوام کی نبض پر ہوتی ہیں محسوس کرتی ہے کہ اس وقت جب کہ سیاسی اور اقتصادی نظام سانچے میں ڈھالے جا رہے ہیں اور دُنیا کے نظامِ نو کا تصوّر زیرِ بحث ہے۔ نیشنل کانفرنس کو بھی چاہیئے کہ وُہ زیادہ وضاحت اور صفائی کے ساتھ اپنے اِس عندیہ کو پیش کرے جس کے مطابق وُہ "نیا کشمیر" تعمیر کرنا چاہتی ہے"۔

"کشمیر کے نئے پرائم منسٹر سر بی۔ این۔ راؤ نے اِس ریاست میں وارد ہو کر اپنے عہدے کا چارج سنبھالتے ہی ۱۵ ار فروری ۱۹۴۴ء کو ایک بیان دیا ہے جس میں آپ نے کہا ہے کہ :-

"میں اِس ریاست میں صرف ایک تمنّا لے کر آیا ہوں۔ اور وُہ تمنّا یہ ہے کہ کشمیر کو نمونہ کی ریاست بنا دیا جائے جو غیر ہندو آبادی کی بہتری اور بہبود کی اُسی طرح ضامن ہو جس طرح ہندو آبادی کی۔ یہ مقصد کوئی اکیلا آدمی حاصل نہیں کر سکتا۔ اِس میں کامیابی کے لئے ہر شخص کے تعاون کی ضرورت ہے"۔

" آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس بھی ایک نمونہ کی ریاست کی تلاش میں ہے۔ لیکن کانفرنس محسوس کرتی ہے کہ جہاں ایک طرف جمہوریت اور ذمہ دار نظام حکومت ہمارا پہلا ناقابلِ ترمیم مطالبہ ہے۔ کوئی حقیقی ترقی ممکن نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہمارے مُلک کے مجلسی۔ اجتماعی اور اقتصادی ڈھانچے کو نئی شکل وصُورت نہ دے دی جائے۔ کیونکہ استحصال اور آزادی پہلو بہ پہلو نہیں چل سکتے۔ حقیقی جمہوریت مجلسی امتیازات کا ساتھ نہیں دے سکتی۔"

" زمانہ وسطیٰ سے لے کر آج تک کی تحریکات آزادی کی تاریخ صرف ایک سبق سکھلاتی ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ ہر قسم کے اقتصادی استحصال سے آزادی حاصل کرنا ہی درحقیقت سیاسی جمہوریت ہے۔ اور اس کے بغیر سیاسی آزادی صرف دھوکا ہی دھوکا اور سراب ہے۔ حتیٰ کہ انقلاب فرانس میں "آزادی، مساوات اور اخوت" کا مسرت آمیز نظریہ ہی عوام کے خون کی قیمت دے کر حاصل کیا گیا تھا۔ وُہ نپولین کی خود مختاریت کی بھینٹ محض اس لئے چڑھ گیا کہ امتیازات اور استحصال کی بُنیادیں اکھیڑی نہ جا سکی تھیں۔ "آزادی"[۵] اور "امتیاز" یہ ایک ترازو کے دو پلڑے ہیں۔ جوں جوں امتیازات کا پلڑا ہلکا ہوگا، آزادی کا پلڑا بھاری ہوتا جائے گا۔"

" ہمارے زمانہ میں ہماری آنکھوں کے سامنے جمہوریہ روس نے نہ صرف خیالات کی حد تک بلکہ آئے دن کی زندگی اور ترقیات کی شکل میں عملاً یہ ثابت کر دیا کہ حقیقی آزادی صرف اقتصادی آزادی کے شکم سے ہی پیدا ہو سکتی ہے جمہوریہ رُوس کے عوام اور وہاں کی مختلف قوموں کا نیا جنم لینا اور طاقت ور جمہوری حکومت کا اپنے وحشی حملہ آور کو رستمانہ جُرأت و بہادری سے واپس دھکیلنا اس امر کی لاجواب دلیل ہے کہ آزادی کی تعمیر اقتصادی مساوات کے سنگِ بُنیاد پر ہی اُٹھائی جا سکتی ہے۔"

" اندریں حالات آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس "نئے کشمیر" کے مُستقبل کو

سیاسی اور اقتصادی تصورات کی ملی جلی صورت میں مضمر سمجھتی ہے۔ اور اسی مقصد تک پہنچنے کے لئے ہم نے یہ سکیم مرتب کی ہے جو سیاسی لحاظ سے ذمہ دار نظام حکومت کے جمہوری اصول پر مبنی ہے جس میں انتخابی اصول کو مقامی پنچایتوں سے لے کر قومی اسمبلی تک تمام اداروں پر حاوی کیا گیا ہے۔ اور اس آئین کو آزاد عدلیہ کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ اور انتظامیہ کو لازمی طور پر عوام کے سامنے ذمہ دار گردانا گیا ہے۔"

"اقتصادی حدود میں ہم اس اصول پر چلے ہیں کہ منصوبہ شدہ اقتصادیات ترقی کی بنیاد ہے۔ اور بغیر اقتصادی منصوبہ کے ریاست کے عوام کا معیار زندگی بلند نہیں ہو سکتا۔ تاریخ کی مسلسل صدیوں میں جموں و کشمیر کے لوٹتے کھسوٹتے ہوئے فرزند ہندو مطلق العنانوں، بدھ حاکموں اور مغل شہنشاہوں کی ڈولی کے کہار چلے آئے ہیں۔ وادی اور پہاڑوں میں وطن کے موجودہ فرزندوں نے ابھی تک اپنی زمین کی سطح کو صرف نو انچ تک کھودا ہے۔ اور اس سے محض قوت لایموت حاصل کی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ وہ زمین کو اس گہرائی تک کھودیں اور اپنے لئے لذیذ روٹی کی بڑی اور بہتر ٹکیہ حاصل کرنے کی کوشش کے ساتھ جدید سائنس کے ہنرمندانہ طریقوں کو بھی جوت لیں۔"

"ہم اپنے 'نئے کشمیر' میں اپنی ریاست کے مرد اور عورت ذات کی جدید تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ جن کو صدیوں کے مظالم اور دباؤ نے پست قد بنا دیا ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ ایسے شاندار انسان پیدا کریں جو ہماری خوبصورت مادر وطن کے شایان شان ہو۔"

قومی اعلان "ہم باشندگان جموں کشمیر، لداخ، سرحدی اضلاع، علاقہ ہائے پونچھ، چنینی (جنہیں عام اصطلاح میں باشندگان جموں و کشمیر کہتے ہیں) مکمل مساوات اور اختیار ذاتی کی فضا میں اپنے اتحاد کی تکمیل کرنے کے لئے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو ہمیشہ کے لئے پامالی، مفلسی، تذلیل اور توہمات کے غار عمیق سے نجات دلانے کے

لئے زمانۂ جہالت کے اندھیرے اور لاعلمی سے بچا کر آزادی اور سائنس کی روشنی میں دیانت دارانہ محنت سے مشفقانہ حکومت کے تحت پُرامن اور خوشحال وادی میں پہنچانے کے لئے مشرق کی مخلوق اور دُنیا بھر کے محنت کش عوام کی صف میں شامل ہو کر اپنا تاریخی فرض انجام دینے کے لئے اور اپنے پیارے وطن کشمیر کو ایشیا کی برفیلی پیشانی پر چمکتا ہوا ہیرا بنانے کے لئے اپنی ریاست کا حسب ذیل آئین تجویز کرتے ہیں اور اس کی تائید و حمایت کا عہد کرتے ہیں۔"

"نیا کشمیر"

وطنیت اور اس کے بُنیادی حقوق و فرائض

دفعہ نمبر ۱ — جموں و کشمیر و اور سرحدی علاقوں اور علاقہ جات پُونچھ و چنہنی میں بسنے والے تمام لوگوں کے لئے واحد ریاست کی باشندگی اور وطنیت کی بُنیاد رکھی جاتی ہے۔

قومی زندگی کے اقتصادی، سیاسی، تہذیبی اور معاشرتی ہر ایک شعبہ میں بلا لحاظ مذہب و ملت، رنگ و نسل اور خاندان اس ریاست کے تمام اہلِ وطن کے حقوق کی مساوات ایک ناقابلِ تنسیخ و ناقابلِ ترمیم قانون متصوّر ہوگی۔ ان حقوق پر براہ راست یا بالواسطہ کسی قسم کی پابندی عاید کرنا۔ اس کے برعکس کسی ایک اہلِ وطن یا اہلِ وطنوں کے کسی گروہ کے لئے قومیت، مذہب، نسل اور خاندان کی بناء پر براہِ راست یا بالواسطہ کسی قسم کی رعایات و امتیازات ملحوظ رکھنا۔ نیز قومی نسلی اور مذہبی بُنیادوں پر استثنائیت چاہنا اور اہلِ وطن کے درمیان منافرت اور حقارت پھیلانا بروئے قانون جُرم متصوّر ہوگا۔

عقیدہ و مذہب

دفعہ نمبر ۲ — عقیدہ اور ضمیر اور عبادت و عمل کی مکمل آزادی اہلِ وطن کے ہر ایک فرد کا محفوظ حق متصوّر ہوگی۔

آزادیٔ تحریر و تقریر

دفعہ نمبر ۳ — سیاسی بیداری کو ترقی دینے اور قومی قوتیت کو مضبوط کرنے کے مقصد سے عوام کے فوائد اور جمہوریت کی

مصلحتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام اہل وطن کے لئے از رُوے قانون حسب ذیل حقوق کی آزادی محفوظ ہوگی :-

(الف) آزادی تقریر (ب) آزادی طباعت واشاعت (ج) آزادی اجتماع واجلاس (د) آزادی جلوس ومظاہرہ۔

عوامی جتھہ بندیاں

دفعہ نمبر ۴ — عوام کے فوائد اور تنظیم اور جمہور کی سیاسی سرگرمی کے ذریعہ ذاتی ترجمانی کو ترقی دینے کے مقصد سے تعلق رکھنے والے قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام اہلِ وطن کو جمہوری تنظیمات مثلاً انجمن ہائے مزدوران۔ انجمن ہائے امداد باہمی۔ عورتوں اور نوجوانوں کی انجمنیں۔ کھیل اور ذاتی حفاظت کے ادارے۔ سیاسی پارٹیاں اور تہذیبی۔ فنی اور علمی جماعتیں قائم کرنے اور چلانے کا پُورا پُورا حق حاصل ہوگا۔

دفعہ نمبر ۵ — ہر ایک اہلِ وطن کا حق حُریت محفوظ اور مسلم ہوگا۔ کوئی شخص قانونی عدالت کے فیصلہ یا سٹیٹ کے ایڈوکیٹ جنرل یا وکیل سرکاری کی اجازت کے بغیر نہ گرفتار کیا جاسکے گا اور نہ ہی کہیں بند رکھا جاسکے گا۔

دفعہ نمبر ۶ — کسی اہلِ وطن کی خانگی پردہ داری اور ذاتی خط وکتابت کی رازداری میں کوئی دست اندازی نہیں کی جاسکے گی۔ بجُز اس صُورت کے کہ قانونی اجازت موجود ہو۔

حفاظتِ وطن

دفعہ نمبر ۷ — مادرِ وطن کی حفاظت ہر وطنی کا اوّلین اور پاکیزہ فرض ہوگا۔ وطن سے غداری کرنا۔ مادرِ وطن کے دشمنوں سے ساز باز رکھنا اور سٹیٹ کی فوجی طاقت کے بھید دشمنوں کو بتلانا سب سے بڑا جرم متصوّر ہوگا۔ جس کی سزا قانون میں مکمل سخت اور انتہائی ہوگی۔

حفاظتِ وطن کے مقدس فرض کو انجام دینے کے لئے ہر ایک وطنی پر لازم ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ہتھیار اُٹھانے میں تربیت یافتہ بنائے۔ ہتھیار رکھنے اور استعمال کرنے کا حق باشندگان وطن میں سے ہر شخص کو حاصل ہوگا۔ عام اور لازمی فوجی خدمات کا دستور از رُوئے قانون قائم کیا جائے گا۔

ہر ایک کے لئے کام

دفعہ نمبر ۸ — ہر ایک وطنی کام اور روزگار مہیا کئے جانے

کا مستحق ہوگا۔ اِس سے مُراد یہ ہے کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وُہ ایسا کام حاصل کر سکے جس کی اُجرت کام کی نوعیت اور مقدار کے مطابق اس کو ادا کی جائے بشرطیکہ وُہ اُجرت از رُوئے قانون مقرر کردہ بُنیادی اُجرت کی کم سے کم مقدار سے کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار سے زائد نہ ہو۔ اور جس صُورت میں سٹیٹ کی طرف سے روزگار مہیا نہ ہوسکے، ہر وطنی اِس امر کا حق رکھتا ہے کہ وُہ اپنی زندگی کی تمام ضروریات معقول میں اپنے لئے اور اپنے عیال کے لئے معاشرتی انشورنس کے ذریعے حاصل کر سکے۔

روزگار اور کام کا حق محفوظ کرنے کے لئے قومی اقتصادیات کی سکیم مرتب شدہ ہوگی۔ ملک کی صنعتوں کو ترقی دی جائے گی۔ پیداوار بڑھانے والی طاقتوں کو مسلسل وسیع کیا جائیگا۔ اور اِس کے ساتھ ہی ساتھ جمہور کی زندگی کا معیار اُونچا کرنے کے پہلو بہ پہلو اقتصادی پیچیدگیوں اور بے روزگاری کا وجود ختم کر دیا جائے گا۔

دفعہ نمبر۹ — تمام اہلِ وطن کو آرام کا حق حاصل ہوگا۔ یہ حق محفوظ کرنے کے لئے کام کے دن کو زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے تک محدُود کر دیا جائے گا۔ کاریگروں اور ملازموں کے لئے سالانہ با تنخواہ تعطیلات مقرر کی جائیں گی۔ اور وسیع پیمانہ پر آرام دہ اور صحت بخش مقامات کا جال پھیلا دیا جائے گا۔ اور محنت کش جمہُور کے لئے تفریح گاہیں مہیا کی جُینگی۔

بڑھاپے کا آرام

دفعہ نمبر۱۰ — ہر وطنی کو بڑھاپے میں بیماری کے وقت اور کام کرنے کے ناقابل ہوجانے کی صورت میں مادی ضروریات سٹیٹ کی طرف سے حاصل کرنے کا یقینی حق ہوگا۔ اِس حق کو محفوظ کرنے کے لئے حکومت کے اخراجات پر محنت کش مزدُوروں، کاریگروں اور ملازموں کی معاشی انشورنس وسیع پیمانے پر کی جائیگی۔ اور مزدُوروں کو مُفت طبی امداد مہیا کی جائے گی۔ اور ریاست بھر کے محنت کش مزدُور اور عورتوں کے استعمال کے لئے بحالیٔ صحت کے مقامات کا جال پھیلایا جائے گا۔

تعلیم

دفعہ نمبر۱۱ — ہر وطنی کو تعلیم یافتہ ہوجانے کا حق ہوگا۔ اِس حق کو محفوظ کرنے کے لئے عام لازمی ابتدائی تعلیم مُفت جاری کی جائے گی۔ اِس کے ساتھ ہی سرکاری وظائف کی ایک وسیع مقدار اُونچے درجے کے سکولوں اور یونیورسٹی میں پڑھنے والے

مستحق طلباء کے لیے مہیا کی جائے گی۔ مادری زبان ذریعہ تعلیم ہو گی۔ کارخانوں اور کھیتوں میں کام کرنے والے بالغ محنت کشوں کے لیے مفت، پیشہ ورانہ فنی اور کتابی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔

عورت ذات کے مساوی حقوق

دفعہ نمبر ۱۲۔ قومی زندگی کے ہر ایک میدان میں چاہے وُہ اقتصادی، تہذیبی اور سیاسی کوئی بھی ہو۔ اور ریاست کی خدمات میں عورت ذات کو مردوں کے ساتھ ایک جیسے حقوق حاصل ہونگے۔

ان حقوق کو قائم کرنے کے لیے عورت ذات کو ہر ایک ملازمت میں مردوں کی طرح ایک جیسی شرائط اور ایک جیسے معاوضہ پر کام کرنے کا حق ہو گا۔ عورت ذات کو آرام مجلسی تحفظات اور تعلیم حاصل کرنے مرد کے برابر حقوق دئیے جائیں گے۔ قانون ماں اور بچے کے مفادات کی حفاظت کا خصوصی طور سے ذمہ دار ہو گا۔ ایام حمل میں مستورات کے لیے باتنخواہ رُخصت کا حق قائم کیا جائے گا۔ اور ولادت گاہیں۔ نونہال خانے اور اطفال خانے وسیع پیمانے پر قائم کرکے عورت ذات کے حقوق کا مزید تحفظ کیا جائے گا۔

بچے قوم کی امانت

دفعہ نمبر ۱۳۔ ریاست کی حدُود میں پیدا ہونے والے تمام بچوں کو ایک جیسے حقوق حاصل ہوں گے۔ اور ترقی کے ایک جیسے مواقع میسّر ہوں گے۔ اور مقام پیدائش اور والدین کی خصوصیت کا کوئی امتیازی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

ریاست بچوں کی نگرانی اور حفاظت اس طریقے سے کرے گی گویا کہ ریاست کے قبضہ میں بچے سب سے بڑی دولت ہیں۔ ریاست کے لیے انتظام حکومت میں۔ قانون سازی میں۔ طبی انتظامات میں۔ تعلیمی تنظیم میں۔ گھریلو معاملات میں شہریت کے اصُولوں میں اور صنعتی و حرفتی امور سے تعلق رکھنے والے تمام سوالات میں بچوں کے مفادات اوّلین اہمیت کے مستحق تصوّر ہوں گے۔

محکمہ عدلیہ

دفعہ نمبر ۱۴۔ تمام اہلِ وطن قانون کی حفاظت میں متصوّر ہوں گے۔ اور عدل و انصاف کے تقدم کے تحت قائم شدہ عدالتوں کی پناہ

میں آنے اور اپنا حق حاصل کرنے کے مستحق ہوں گے۔ یہ عدالتیں کارروائی میں تیز رفتار۔ اخراجات میں کم خرچ اور انصاف میں غیر جانبدار ہوں گی۔

اس حق کو محفوظ کرنے کے لئے منتخب قسم کی اور آزاد عدلیہ قائم کی جائے گی۔ آزاد و بااختیار ایڈوکیٹ جنرل اور سرکاری وکلاء کے عہدے قائم کئے جائیں گے جمہوری عدالتیں قائم کی جائیں گی۔ اکثر مقدمات کو مقامی طور پر طے کرنے کے لئے عدالت ہائے تحصیل قائم کی جائیں گی۔ اور عدالتی کارروائیوں میں مقامی زبان استعمال کی جائے گی۔ قوانین کی زیادہ سے زیادہ تشہیر یقینیت اور وضاحت کی جائے گی۔ اور تمام اہل وطن قانون کے سامنے مساوی حیثیت رکھیں گے۔

دفعہ نمبر ۱۵ — اقتصادی سکیم و نقشہ کے حدود کے اندر رہتے ہوئے اس ریاست کے اہل وطن کو ذاتی جائداد کا مالک رہنے کا حق اور ذاتی جائداد میں وراثت کا حق بروئے قانون یقینی طور سے حاصل رہے گا۔

قومی اقتصادی نقشہ کے مطابق جو شخص ریاست کے اندر پیداوار کے قواعد کی شرائط پوری نہ کر سکے وہ جائداد غیر منقولہ کا مالک نہیں بن سکے گا۔ یہ قاعدہ پنشن یافتہ شخص اور ناتواں انسان کو محنت کی زندگی کے دوران میں جائز طور پر حاصل کردہ جائداد سے محروم کرنے کا موجب نہیں ہوگا۔

دفعہ نمبر ۱۶ — ریاست جموں و کشمیر میں اُن تمام اہل وطن کے لئے جو کام کرنے کے قابل ہوں کام کرنا لازمی ہوگا اور عزت و آبرو کا ذریعہ اور معیار کام ہی متصور ہوگا۔

دفعہ نمبر ۱۷ — ریاست جموں و کشمیر اُن غیر ملکی شہریوں کو پناہ گزینی کا حق دے گی جو عوام کے فوائد کی حفاظت کے لئے یا اپنی علمی سرگرمیوں یا قومی آزادی کی جدوجہد کی پاداش میں سزایاب ہوئے ہوں۔

دفعہ نمبر ۱۸ — ریاست کے ہر باشندے پر یہ لازم ہوگا کہ وہ ریاست کے آئین کو ملحوظ رکھے۔ قوانین کی پابندی کرے۔ محنت کے ضوابط کی حدود میں چلے۔ اور دیانتداری سے اپنے جماعتی فرائض پورے کرے۔ اور قومی اصولوں کا احترام کرے۔

ریاست کی قومی اسمبلی

دفعہ نمبر ۱۹ ـــ ریاست کی سب سے بڑی قانون ساز جماعت قومی اسمبلی کہلائے گی جس کے ممبروں کو ریاست کے باشندے ایسے انتخابی حلقوں سے منتخب کریں گے جن کی بُنیاد اور ترتیب "چالیس ہزار آدمی کے پیچھے ایک نمائندہ" کے حساب سے ہوگی۔ اور ان نمائندوں کا انتخاب ۵ سال کی میعاد کے لئے عمل میں آیا کرے گا۔

نیشنل اسمبلی اپنے صدر اور عہدیدار خود منتخب کرے گی اور اپنی کارروائیوں کے ضوابط بنائے گی۔ ہر وُہ مسودہ قانون جو ووٹوں کی خالص اکثریت سے پاس ہو جائے اور حکمران کی تصدیق حاصل کرلے، وُہ قومی اسمبلی میں زیرِ غور آکر پاس شدہ قانون متصور ہوگا۔

نیشنل اسمبلی کے پاس کردہ قوانین اُردو زبان میں اور ریاست کی دیگر اقوامی زبانوں میں ریاست کے حکمران اور نیشنل اسمبلی کے صدر کے دستخطوں سے شائع کیے جائیں گے۔

نیشنل اسمبلی اپنا ایک کریڈنشل کمیشن مقرر کرے گی جو اسمبلی کے ارکان کے کریڈنشلز کی تصدیق کرے گا۔

دفعہ نمبر ۲۰ ـــ نیشنل اسمبلی کا کوئی ممبر نیشنل اسمبلی کی منظوری کے بغیر گرفتار نہ کیا جاسکے گا۔ اور نہ ہی اُس کو سزا دی جاسکے گی۔ اور ایسے وقت میں جب کہ نیشنل اسمبلی کا اجلاس جاری نہ ہو، اس قسم کی منظوری اگر ضرورت پڑجائے تو نیشنل اسمبلی کے صاحب صدر سے حاصل کرنی لازمی ہوگی۔ قومی اسمبلی کے کسی ممبر کو قید اور نظربندی وغیرہ کوئی امر بھی اسمبلی کے مباحثوں اور فیصلوں میں حصہ لینے سے روک نہیں سکے گا۔ بجز اس صورت کے کہ نیشنل اسمبلی نے خود متعلقہ نمائندے کو اپنی صفائی میں بولنے کا موقعہ مہیا کرکے اس کے خلاف فیصلہ کیا ہو۔

دفعہ نمبر ۲۱ ـــ نیشنل اسمبلی جب کبھی مناسب سمجھے، تحقیقات اور پڑتال کے لئے کسی سوال پر کمیشن مقرر کرسکتی ہے۔

تمام ادارے اور اہلکار ایسے کمیشن کے مطالبات کی پابندی کرنے اور ضروری مواد اور تحریرات اُس کو مہیا کرنے کے پابند ہوں گے۔

دفعہ نمبر ۲۲ — انتخابات ختم ہونے کے بعد ریاست کا حکمران جدید منتخب اسمبلی کا اجلاس ایک مہینے کی مدت کے بعد طلب کرے گا۔

جب کبھی نیشنل اسمبلی کی میعاد ختم ہوگی یا ایسا موقعہ پیدا ہوگا کہ میعاد ختم ہونے سے قبل ہی اسمبلی توڑ دی جائے تو حکمران جدید انتخاب کے لیئے ایک ایسا وقت مقرر کرے گا جو میعاد کے اختتام یا توڑ دینے کی تاریخ سے (جیسا کہ صورت ہو) دو ماہ سے زائد نہ ہو۔

نیشنل اسمبلی کے فرائض

دفعہ نمبر ۲۳ — ہز ہائینس مہاراجہ بہادر کی عمومی نگرانی اور ضبط و اقتدار کی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ریاست کی قومی اسمبلی کے اختیارات اور دائرۂ عمل میں حسب ذیل امور شامل ہونگے:

(الف) ریاست کی طرف سے بیرونی تعلقات میں نمائندگی کرنا اور دوسری حکومتوں کے ساتھ معاہدات کی تجدید و تنسیخ کرنا اور اُن پر عمل کرنا۔

(ب) ریاست کی حدود میں تغیرات اور تبدیلیوں کی تصدیق کرنا۔

(ج) ریاست کی حفاظتی طاقت کو منظم کرنا اور اس کی مسلح قوت کی رہنمائی کرنا۔

(د) بیرونی تجارت کو ریاستی اور قومی اجارہ داری کی بنیادوں پر منظم کرنا۔

(ھ) ریاست کے امن اور استحکام کی حفاظت کرنا۔

(و) ریاست کے لیئے قومی اقتصادی نقشہ اور سکیم کا فیصلہ کرنا اور اس کو ایک منصوبہ کی صورت میں عملی شکل دینا۔

(ز) ریاست کے میزانیہ آمد و خرچ کی منظوری دینا۔

(ح) بنکوں صنعتی اور حرفتی اداروں۔ زراعتی تنظیمات اور تجارتی ادارات کا قیام اور انتظام۔

(ط) آمد و رفت۔ نقل و حمل اور رسل و رسائل کے ذرائع کی تنظیم۔

(ی) سکہ سازی کی تنظیم اور روپیہ کے لین دین کے لئے ضوابط سازی۔

(ک) سرکاری انشورنس کی تنظیم۔

(ل) قومی قرضہ جات کی ذمہ داری اور ادائیگی۔

(م) زمینوں کے استعمال۔ کانوں۔ جنگلات اور پانی سے استفادہ کے لئے بنیادی اصُول وضع کرنا۔

(ن) جمہور کی زندگی کی حفاظت اور تعلیمی میدان کے لئے بُنیادی اصُول وضع کرنا۔

(س) قومی اقتصادی حسابات کا سسٹم ہموار اور یکسانیت کے ساتھ منظم کرنا۔

(ع) محنت ومزدُوری کے قوانین کے لئے اصُول وضع کرنا۔

(ف) ریاست کی وطنیت اور غیر ریاستیوں کے حقوق کے قوانین مرتّب کرنا۔

(ص) قانونی کارروائی اور عدالتوں کے فوجداری اور دیوانی ضوابط کیلئے قوانین بنانا۔

(ق) ریڈیو۔ براڈکاسٹنگ سسٹم کی تنظیم اور نگرانی۔

(ر) قومینوں کی نشوونما اور حفاظت کے قوانین مرتّب کرنا۔

(ش) آثار قدیمہ کا بندوبست کرنا اور یادگاروں کی حفاظت اور تجدید کرنا۔

(ت) اِس آئین کو قومی زندگی کی شاخوں اور تمام پہلوؤں پر حاوی کرنے کے لئے قوانین مرتّب کرنا۔

ریاست کی مجلس وزراء

دفعہ نمبر ۲۴ — ریاست کی مجلس وزراء قومی اسمبلی کے سامنے جواب دِہ اور ذمہ دار ہو گی۔

دفعہ نمبر ۲۵ — ریاست کے وزراء ریاستی انتظام کی اُن تمام شاخوں کی رہنمائی اور ہدایت کا فرض انجام دیں گے جو قومی اسمبلی کے حدود اختیار وعمل میں آتی ہیں ....

(ملاحظہ ہو دفعہ نمبر ۲۳)۔

ریاست کے وزراء اپنے متعلقہ محکموں کی حدود میں رائج الوقت قانون کی بُنیادوں پر ان قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لئے احکام اور ہدایات جاری کریں گے اور مجلس وزراء کے احکام اور فیصلوں پر عمل ہونے کی اطمینان بخش رفتار کو نگاہ میں رکھیں گے۔

دفعہ نمبر ۲۶ — ریاست کے وزراء آپس میں نظامِ حکومت کی حسب ذیل شاخوں کو تقسیم کریں گے:۔

(۱) دفاع و حفاظت (۲) امور خارجہ (۳) بیرونی تجارت (۴) ریلوے (۵) رسل و رسائل (۶) آبی حمل و نقل (۷) بڑی صنعتیں (۸) فوجی صنعتیں (۹) غذائی صنعتیں (۱۰) بجلی سازی (۱۱) عمارتی لکڑی کی صنعتیں (۱۲) زراعت و نسل کشی مویشیاں (۱۳) سرکاری انبارخانے اور مویشی خانے (۱۴) مالیات اور بنک (۱۵) اندرونی تجارت (۱۶) امور داخلہ (۱۷) عدلیہ (۱۸) حفظان صحت (۱۹) تعلیمات (۲۰) مقامی صنعتیں (بشمول گھریلو دستکاری) ۔ (۲۱) میونسپل اقتصادیات (۲۲) جمہور کا معاشرتی بہبود ۔

حکمران

دفعہ نمبر ۲۷ ۔ جموں و کشمیر کے حکمران ہز ہائینس مہاراجہ بہادر (الف) قومی اسمبلی کا اجلاس سال میں دو بار طلب کریں گے ۔ اور اپنی مرضی یا قومی اسمبلی کے صاحب صدر کی استدعا پر قومی اسمبلی کے غیر معمولی اجلاس طلب فرمائینگے۔

(ب) قومی اسمبلی کو معزول کرکے نیا انتخاب مقرر کریں گے ۔

(ج) اپنے اختیار اور رضا سے یا مجلس قانون ساز کے ممبروں کی اکثریت کے مطالبے پر ریفرنڈم (جمہور سے فیصلہ لینے) کا انتظام کریں گے ۔

(د) عمومی یا جزوی لام بندی کا اعلان کریں گے ۔

(ھ) قومی اسمبلی جب بین الاقوامی معاہدات کو پاس کیا کرے گی تو آپ اُن کی تصدیق فرمائیں گے ۔

(و) قومی اسمبلی کی سب سے بڑی واحد پارٹی کے رہنما کو طلب کرکے وزارت مرتّب کرنے کی دعوت دیں گے ۔

ریاست کا نظام انتخابات

دفعہ نمبر ۲۸ ۔ نیشنل اسمبلی کے نمائندے نیز جمہوری پنچایتوں کے نمائندے براہ راست مساوی اور عمومی حق انتخاب کی بنیادوں پر قرعہ اندازی کے ذریعہ منتخب کئے جائیں گے ۔

انتخاب کا حق ہمہ گیر ہوگا ۔ تمام باشندگان ریاست جو ۱۸ سال کی عمر کو پہنچ چکے ہوں ۔ قطع نظر اس امر کے کہ وُہ کس نسل سے ہیں کس صنف (مرد یا عورت) سے ہیں اور کس قومیت یا مذہب سے تعلق رکھتے ہیں ۔ پڑھے ہوئے ہیں یا اَن پڑھ ہیں کاندار

ہیں یا کرایہ دار۔ باوجاہت ہیں یا غیر معروف۔ جائداد ورکے مالک ہیں یا نادار۔ اُن کی ماضی کی سرگرمیاں کیسی رہی ہیں اور کیسی نہیں رہیں۔ اِس امر کے حقدار ہوں گے کہ وہ نمائندوں کے انتخاب میں بہ حیثیت رائے دہندہ کے حصّہ لیں اور انتخاب میں بطور اُمیدوار کھڑے ہو کر چُنے جائیں۔ البتہ وُہ افراد جو مسلّمہ طور پر مجنون ثابت ہو چکے ہوں یا جو عدالتی سزا کی وجہ سے انتخاب میں حصّہ لینے کا حق کھو چکے ہوں وُہ اِس قاعدہ سے مُستثنیٰ ہوں گے۔

حقِ انتخاب مساوی ہوگا۔ ہر ایک وطنی مساوی حق کی بُنیاد پر انتخاب میں حصّہ لے گا۔ اور ہر شخص کو ایک ووٹ کا حق حاصل ہوگا۔ البتہ عبوری زمانہ کے دوران میں سکھ، کشمیری پنڈت اور ہری جن فرقوں میں سے ہر ایک کو دو دو مخصوص نشستیں حاصل ہونگی۔ اور اِن فرقوں کے افراد کو ایک عمومی ووٹ کے علاوہ دُوسرے ووٹ کا حق خاص نشست کے لئے بھی حاصل ہوگا۔

عورتیں ریاست کے تمام مردوں کی طرح ہی یکساں شرائط پر انتخاب کرنے اور منتخب ہونے کا حق رکھیں گی۔

دفعہ نمبر ۲۹ — وُہ وطنی جو ریاست کی مسلّح افواج میں خدمات انجام دیتے ہیں، انتخاب کرنے اور منتخب ہونے کا حق باقی اہلِ وطن کے ساتھ مساوی طور پر رکھیں گے۔

دفعہ نمبر ۳۰ — انتخاب کے لیے اُمیدوار انتخابی حلقوں کے مُطابق پیش کیے جائیں گے۔

انتخابی حلقے کے اندر رہائش رکھنے والے کوئی بھی ایک سو رائے دہندگان ایک اُمیدوار کو انتخاب کے لئے پیش کر سکیں گے۔ اِس کے سوا دُوسری کوئی شرط بشمل نقدی ضمانت وغیرہ اُمیدوار کے لئے پیش کرنی ضروری نہیں ہوگی۔

دفعہ نمبر ۳۱ — ہر ایک نمائندہ پر لازم ہوگا کہ وُہ وقتاً فوقتاً اپنے حلقۂ انتخاب کے رائے دہندگان کو اپنی کارکردگی سے مطلع رکھے۔ اور جس ادارے میں اس کو منتخب کرکے بھیجا گیا ہے، اس ادارت کے کاموں سے آگاہ رکھے۔ حلقۂ انتخاب اپنے نمائندے کو جب چاہے اس طریقے کے مُطابق جو قانون نے اِس مقصد کے لئے معیّن کیا ہو،

واپس بلا سکتا ہے۔

دفعہ نمبر ۳۲ ۔ تمام حلقہ ہائے انتخاب میں انتخابی مرکز پیدل مسافتوں کی سہولتوں کے دائرے میں قائم کیے جائیں گے۔ ہر اُس کارخانہ کے لیے علیحدہ انتخابی مرکز مہیا کیا جائے گا۔ جس میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد ایک سو سے زائد ہو۔

انصاف، عدالتیں اور ایڈوکیٹ جنرل

دفعہ نمبر ۳۳ ۔ ریاست میں انصاف کا انتظام جموں و کشمیر کی عدالت عالیہ، ضلع دار عدالتوں اور عوامی عدالتوں کے ذریعہ کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۳۴ ۔ تمام عدالتوں میں مقدمات کی تحقیقات جمہور سے تعلق رکھنے والے ججوں کے ذریعہ کرائی جائے گی۔ بجز اُن مقدمات کے جن کے لیے قانون نے کوئی خاص طریقہ مقرر کیا ہو۔

دفعہ نمبر ۳۵ ۔ ریاست کی عدالت عالیہ سب سے بڑی جائے انصاف متصور ہوگی۔ یہ عدالت ریاست کے تمام انصاف کی نگرانی اور عدالتانہ سرگرمیوں کی نسبت ہدایات دینے کی ذمہ دار ہوگی۔

دفعہ نمبر ۳۶ ۔ جموں و کشمیر کی عدالت عالیہ کا انتخاب قومی اسمبلی پانچ سال کے لئے کرے گی۔ ماتحت عدالتیں عدالت عالیہ کی طرف سے پانچ سال کے لئے مقرر کی جائیں گی باستثنائے جمہوری عدالت ہائے کے جو کہ جمہوری پنچایتوں کے ذریعہ پانچ سال کے لئے منتخب ہوا کریں گی۔

دفعہ نمبر ۳۷ ۔ عدالت عالیہ کی عدالتی کارروائیاں ریاست کی بین الاقوامی زبان اردو میں کی جائیں گی۔ ماتحت عدالتوں میں کارروائی کی غرض سے مقامی زبانیں استعمال کی جائیں گی۔ جو آدمی عدالت کی زبان نہ جانتا ہو، اُسے اِس امر کا اطمینان دینے کا انتظام کیا جائے گا کہ ترجمان کے ذریعہ عدالت اُس کے مقدمہ کو مکمل طور پر سمجھ رہی ہے نیز اُس کو یہ حق ہوگا کہ وہ عدالت کو اپنی زبان میں مخاطب کرے۔

دفعہ نمبر ۳۸ ۔ تمام مقدمات ملزم شخص کو اس امر کا مکمل اطمینان دیا جائے گا کہ

اُسے صفائی پیش کرنے کا یقینی موقع حاصل ہے۔

دفعہ نمبر ۳۹ — ریاست کی تمام عدالتیں مقدمات کو کُھلے طور پر سُنیں گی بجز اُن صُورتوں کے جب قانون نے کوئی دُوسرا طریقہ مقرر کیا ہو۔

دفعہ نمبر ۴۰ — ریاست کی عدالتوں کے جج آزاد ہوں گے اور وُہ صرف قانون کے تابع ہوں گے۔

ایڈووکیٹ جنرل اور سرکاری وکلاء

دفعہ نمبر ۴۱ — قومی اسمبلی ریاست جموں وکشمیر کے ایڈووکیٹ جنرل اور وکیل عمومی کا تقرر پانچ سال کی مُدت کے لئے عمل میں لایا کرے گی۔

ضلع دار اور تحصیلدار سرکاری وکلاء جموں وکشمیر کے ایڈووکیٹ جنرل کی طرف سے پانچ سال کی مُدت کے لئے مقرر کیے جائیں گے۔

دفعہ نمبر ۴۲ — جموں وکشمیر کے ایڈووکیٹ جنرل کا یہ فرض ہوگا کہ وُہ اس امر کی انتہائی نگرانی رکھے کہ ریاست کے وزراء اور وُہ ادارے جو وزراء کے ماتحت ہیں نیز وُہ افراد و اشخاص جو سرکاری فرائض پر متعین ہیں اور ریاست کے عام باشندے قانون پر سختی کے ساتھ عمل کرتے ہیں یا نہیں۔

دفعہ نمبر ۴۳ — ایڈووکیٹ جنرل اور سرکاری وکلاء اپنے فرائض ہر مقامی سرکاری طاقت سے آزاد ہو کر انجام دیں گے چاہے وُہ طاقت کوئی بھی ہو۔ اور سرکاری وکلاء صرف ایڈووکیٹ جنرل کے ماتحت ہوں گے۔

دفعہ نمبر ۴۴ — ایسی صُورت میں جبکہ کسی جج ہائیکورٹ یا ایڈووکیٹ جنرل کے پنشن پا سبکدوش ہونے کی تاریخ ایسے موقعہ پر آ جائے جبکہ قومی اسمبلی معزول شدہ ہو، وُہ تاریخ اُس وقت تک ملتوی تصوّر ہوگی جب تک کہ جدید قومی اسمبلی نئی تقرریاں کرنے کے قابل ہو سکے۔

ریاست کے مُقامی نظامی ادارے

دفعہ نمبر ۴۵ — حکومت کی طاقت کے ذرائع اور منابع اضلاع تحصیلوں شہروں

اور دیہات میں جمہوری پنچایتیں ہوں گی۔

جمہوری پنچایتیں اُن انتظامی ادارات کی سرگرمیوں کی رہنمائی کریں گی جو اُن کے ماتحت ہوں۔ اور حکومت کے نظام کی باقاعدگی کو یقینی بنائیں گی اور قانون کی پابندی کی نگرانی رکھیں گی اور اہلِ وطن کے حقوق کی حفاظت کرے گی منصوبہ کے مطابق مقامی اقتصادی اور تہذیبی و ثقافتی نشو و نما کی رہنمائی کریں گی۔ حفاظتِ عامہ کے ذرائع کی تنظیم کریں گی اور مقامی آمد و خرچ کا میزانیہ تیار کریں گی۔ جمہوری پنچایتیں قرار دادیں پاس کریں گی اور از رُوئے قانون اُن کو جو اختیارات سونپے گئے ہوں، اُن کی حدود کے اندر احکام صادر کریں گی۔

دفعہ نمبر ۸۶ — جمہوری پنچایتوں کی عاملہ اور با اختیار طاقت وہ انتظامی کمیٹیاں ہوں گی جن کو جمہوری پنچایتیں منتخب کریں گی۔ یہ کمیٹیاں صدر۔ نائب صدر، سیکرٹری اور ممبروں پر مشتمل ہوں گی۔

جمہوری پنچایتوں کی انتظامی کمیٹیاں براہِ راست اُن جمہوری پنچایتوں کے سامنے ذمہ دار ہوں گی جنہوں نے اُن کو منتخب کیا ہوگا۔ نیز یہ کمیٹیاں اپنے اُوپر کی پنچایتوں اور ریاست کی مجلس وزراء کی ہدایات کے تابع ہوں گی۔

دفعہ نمبر ۸۷ — جمہوری پنچایتیں اپنی حدودِ اختیار کے عوام کی طرف سے پانچ سال کی مدت کے لئے منتخب ہوں گی۔

جمہوری پنچایتوں میں نمائندگی کا تناسب بروئے قانون فیصل شدہ ہوگا۔

ریاست کی قومی زبانیں

دفعہ نمبر ۸۸ — ریاست جموں و کشمیر کی قومی زبانیں کشمیری۔ ڈوگری۔ دردی۔ بلتستانی۔ پنجابی۔ ہندی اور اُردو متصور ہوں گی۔ اُردو زبان کو ریاست جموں و کشمیر کی بین الاقوامی زبان کی حیثیت حاصل ہوگی۔

ریاست اِن زبانوں کی نشو و نما اور ترقی کو تقویت دے گی اور ہمت افزائی کرے گی۔ خصوصیت سے جو زبانیں زیادہ پسماندہ ہیں اُن کو ترقی دینے کے لئے ہر ممکن ذرائع اختیار کئے جائیں گے۔ اور اِن میں حسبِ ذیل کوششیں بھی شامل ہوں گی:۔

۱۔ ریاستی زبانوں کا ایک علمی ادارہ قائم کیا جائے گا جس میں اہلِ علم ادیب اور ماہرِ لسانیات زبانوں کی نشو و نما کے لئے ذیل کی کوششیں عمل میں لائیں گی:۔

(الف) ریاستی زبانوں کے رسم الخطوں کو مکمل اور مطابق ضرورت بنائیں گے۔
(ب) ریاستی زبانوں کو غیر ملکی ترقی یافتہ زبانوں کے ترجموں کے ذریعہ دولت مند بنائیں گے اور وسعت دیں گے۔
(ج) ریاستی زبانوں کی تاریخ کا کھوج نکالیں گے۔
(د) ریاستی زبانوں کے لئے لغات اور نصابی کتابیں مرتب کریں گے۔
۲۔ ان زبانوں کا مطالعہ کرنے کے لئے سرکاری وظائف مقرر کئے جائیں گے۔
۳۔ مقامی زبانوں میں نشر و اشاعت کے ذرائع کو مقامی طور پر ترقی دی جائیگی۔

ریاست کے آئین میں ترمیمات

دفعہ نمبر ۴۹۔ اس آئین میں ترمیمات اُسی وقت مؤثر ہوں گی جب ان کا فیصلہ قومی اسمبلی نے آراء کی اکثریت سے کیا ہو۔ اور یہ اکثریت کُل استعمال شدہ آراء کے دو تہائی سے کم نہ ہو۔ اور اس قسم کی ترمیمات ریاست کے حکمران کی منظوری اور تصدیق کے تابع ہوں گی۔

ریاست کا قومی اقتصادی منصوبہ

دفعہ نمبر ۵۰۔ ریاست کی اقتصادی زندگی ایک قومی اقتصادی منصوبہ کے ذریعہ مرتب کی جائے گی اور چلائی جائے گی۔ یہ نقشہ جمہوری دولت کو بڑھانے۔ کام کرنے والے مردوں اور عورتوں کی مادی اور تہذیبی سطح میں مسلسل ترقی کو یقینی بنانے اور ریاست کی حفاظتی قابلیت کو مستحکم کرنے کے مقاصد پر حاوی ہوگا۔

قومی اقتصادی منصوبہ

آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کا نصب العین یہ ہے۔ "کشمیر میں ایک آزاد اور جمہوری ریاست ایک ایسی غیر طبقاتی قوم پر مشتمل ہوگی۔ جس میں ہر فرد کو اپنے کمالات ظاہر کرنے۔ اپنی ترقی کی تکمیل کرنے اور زندگی کے عمدہ موزوں و مناسب مہذب معیار سے لطف اندوز ہونے کے مواقع اس حد تک یقینی طور سے بہم کئے جائیں گے کہ ان یکساں مواقع کا حصول ایک عملی حقیقت بن جائے۔" اس وضاحت کے مطابق آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کے نصب العین کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ "سب کچھ جمہوریت میں اور سب کچھ طے شدہ منصوبہ کے ذریعے۔"

(۴) گھر کی بیبیوں کا گھریلو کام اور مادرانہ فرائض معاشرتی طور پر ضروری مفید اور قابلِ احترام شمار ہوں گے۔

(۵) ازبسکہ دماغی کام لازمی معاشرتی محنت کی قسم تسلیم کیا جائے گا۔ اس لئے یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ دماغی قابلیت کو معاشرتی غصب کا ذریعہ بنایا جائے یا اس کے معاوضہ میں اس کی جائز قیمت سے زیادہ حاصل کیا جائے۔

اِس قسم کا اقتصادی منصوبہ ریاست میں بسنے والے تمام انسانوں کے لئے زندگی کے معقول معیار کو پُر یقین بنا دے گا اور موجودہ عدم مساوات کا خاتمہ کر دے گا۔ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس انڈین نیشنل پلاننگ کمیشن کے قبول کردہ پیمانوں کو ریاست جموں و کشمیر کی ضروریات پر حاوی ہونے کا اعتراف کرتی ہے۔

اِن پیمانوں سے مُراد انفرادی زندگی کا معقول معیار ہے جو حسب ذیل ضروریات پر مشتمل ہو گا:۔

(۱) عمدہ غذا۔ موزوں خوراک اور لازمی حیاتیات (وٹامن) اور جسم کو بڑھانے اور بچانے والا طعام ہر ممکن نشو و نما یافتہ کارکُن کے لئے بہ حساب چوبیس سو (۲۴۰۰) کلورفیک یُونٹس

(۲) کافی لباس۔ فی کس سالانہ تیس (۳۰) گز جس میں موسم سرما کے لئے اُونی لباس کی ...لی جائے گی۔

(۳) وسیع مکان رہائش جو سرد و گرم موسموں کی ضرورتیں پُوری کرے اور جس میں فی کس ایک سو مربع فٹ کے حساب سے رہنے کی جگہ موجود ہو۔ شہر کی طرح دیہات میں بھی مکانیت کا معیار یہی ہو گا۔

(۴) بہم رسانی آب۔ اس قدر کافی اور بآسانی حاصل ہونے والا مصفا پانی ... ہو کہ ہر انسان دن میں ۲۵ گیلن پانی استعمال کر سکے۔

(۵) انتظامات روشنی۔ مقامی ضرورتوں کے مطابق۔

(۶) عام تعلیم۔ قومی منصوبہ و نقشہ کے مطابق تمام باشندگان ریاست کے

(۷) ذخیرہ ہائے طعام کا انتظام۔ پکی پکائی روٹی کی دوکانات۔ صفائی کے اصولوں کی پابندی سے کم از کم ہر ہزار باشندوں کے لئے ایک دوکان کے حساب

(۸) انتظام ڈاک۔ اس انتظام کی تکمیل و تنظیم کے لئے ٹیلیفون ایکسچینج کا

ریاست کے کونے کونے تک پھیلا دیا جائے گا۔ تاکہ دُور دراز مقامات سرحدی اضلاع اور دُور افتادہ و منقطع آبادیاں ریاست کے دارالخلافوں کے ساتھ وابستہ کر دی جائیں۔

(۹) انشورنس۔ تمام ناقابلیتوں۔ حادثات اور مُصیبتوں اور خطرات کے خلاف ایک عمومی انشورنس (بیمہ) کا سلسلہ قائم کیا جائے گا۔

(۱۰) بنکنگ آسانیاں۔ بنکنگ کو قومی زندگی کی ضروریات کے ہم رکاب لوازمات میں شمار کرتے ہوئے ۲۵ ہزار کی آبادی کے حساب سے ایک ایک سرکاری بنک آفس قائم کیا جائے گا۔

(۱۱) طبی انتظامات۔ ہر قسم کے طبی انتظامات تشخیص۔ دوا، علاج اور دیکھ بھال و تیمارداری کا انتظام اور سہولتیں ہر شخص کے لئے مُفت مہیا ہوں گے۔

اس منصوبے کو عملی شکل دینے کے لئے آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس ایک ایسے "کشمیر پلاننگ کمیشن" کے قیام کی تجویز اپنے تصوّر میں رکھتی ہے جو مکمل طور سے جمہوری قومی حکومت کی امداد اور پُشتی بانی سے اپنے فرائض انجام دے گا۔

جموں و کشمیر نیشنل پلاننگ کمیشن کا قومی اقتصادی منصُوبہ جو اس کمیشن کے ذریعہ تفصیلات کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ اس کے ابواب و فصُول کی تقسیم حسب ذیل ہوگی:-

(۱) پیداوار۔ (الف) زرعی۔ (ب) صنعتی۔

(۲) حمل و نقل۔ (الف) ہوائی۔ (ب) زمینی (سڑکیں)۔ (ج) آبی۔

(۳) تقسیم پیداوار۔ (الف) منڈی۔ (ب) بیوپار و تجارت۔

(۴) خدمات رفاہِ عامہ۔ (الف) عوام کی صحت۔ (ب) تعلیم۔ (ج) مکان و رہائش۔

(۵) تہذیبی و ثقافتی تنظیمات۔ (۵) عمومی انشورنس۔

(۵) ٹیکسال اور مالیات۔

(۶) عورت ذات کا حقوق نامہ۔

پیداوار (الف) زراعتی پیداوار — ریاست جموں و کشمیر میں ہندوستان کے باقی حصّوں کی طرح ہر قومی حکومت کا سب سے بڑا فرض مُلک کی زراعت کو جدید اور ترقی یافتہ بُنیادوں پر منظم کرنا اور کسانوں کے لئے زندگی کے اعلیٰ معیار کا انتظام کرنا ہوگا۔

لفظ" زراعت" یہاں ایک ایسی اصطلاح ہے جو نہ صرف زمین جوتنے اور اناج پیدا کرنے پر ہی حاوی ہے بلکہ مقامی ضمنی اور امدادی مصنوعات مثلاً مکھن سازی مویشی پروری اور وُہ حرفتیں جو حیوانی اجزا پر شامل ہیں۔ نیز جنگل اور جنگل کی پیداوار بھی زرعی دائرے کے اندر داخل ہیں۔

ریاست کی قومی حکومت کے زرعی منصوبہ کے بُنیادی اصُول حسب ذیل ہونگے :-

(۱) چکداری اور غیر حاضر زمینداری کی کاغذی ملکیت کا خاتمہ۔ کیونکہ اس قسم کا قدم تمام ترقیوں کی طرف پہلا قدم ہے۔ جب تک ایک ایسا امتیازات و رعایت یافتہ گروہ موجود ہے جو ہاتھ پاؤں توڑ کر نکما بیٹھا ہوا ہے۔ اور دُوسروں کی محنت پر عیش و آرام کر رہا ہے تب تک اس سرزمین کی پیداوار اور دولت کی مساوی تقسیم مُلک کے تمام فرزندوں کے درمیان ناممکن ہے۔

(۲) زمین جوتنے والا ہی زمین کا مالک ہوگا۔ کیونکہ غیر حاضر کاغذی مالکوں کی ملکیت ختم کرنے کے بعد پہلی بار یہ ممکن ہو سکے گا کہ زمین سے محروم کسانوں کی وُہ پیاس بُجھائی جا سکے جس سے اطمینان بخش محنت کا امکان پیدا ہو سکتا ہے جو پُوری پُوری پیداوار حاصل کرنے کے لئے شرط اوّل ہے۔

(۳) امداد باہمی کے روابط — کیونکہ کسانوں کی قومی خوشحالی کو بڑھا کر قومی اقتصادی منصوبہ کو مؤثر عملی شکل اختیار کرنے کا یقین حاصل کرنے کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اناج کی پیداوار تبادلہ اور زرعی مصنوعات کا لین دین امداد باہمی کے طریقوں پر اختیار کر کے منظم کیا جائے۔ اتحاد باہمی کے طریقے سے پیداوار کا فضول ضائع ہونا ختم ہو جائیگا۔ محنت اقتصادی دائرے میں آکر زیادہ سے زیادہ فائدہ اور پھل دے سکے گی تخریبی مقابلہ کا قلع قمع ہو جائے گا اور مقامی ذرائع اور قوتیں مرکزیت اختیار کر لیں گی۔

(۴) اہلِ ریاست کی شکم سیری کو مقدم رکھنا۔ کیونکہ جو اناج اور کھانے پینے کی اشیاء ریاست کے باشندوں کو ضرورت ہیں۔ اُن کو ریاست سے باہر جانے کی اجازت دینا جموں و کشمیر کے محنت کش عوام کے حق میں مجرمانہ خیانت ہے۔ یہ چیزیں ریاست سے باہر جانے کی اجازت صرف اُسی صورت میں دی جا سکے گی جب ریاست کے باشندوں کی فوری ضرورتیں اور معقول ذخیرہ بندی کی ضرورتیں پُوری ہو چکیں گی۔

جنگلات پر عوامی نگہداشت کیونکہ جنگلات پر نگہداشت کی کامیابی اس پر منحصر ہے کہ جنگلات کی مرکزی قابل تنظیم عوامی پنچایتوں کی یومیہ نگرانی کے تعاون سے استفادہ کرسکے۔ تاکہ مقامی جنگلات کی زمینوں اور پیداوار سے موزوں اور پورا پورا فائدہ حاصل کرسکیں۔ اور اپنی ضرورتیں جو جنگلات سے وابستہ ہیں، اطمینان بخش طور پر حاصل کرسکیں۔

زرعی منصوبہ کا مقصد آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کے زرعی منصوبہ کا مقصد ضروری اشیاء خوراک اور اناج کے معاملے میں ریاست کو قومی خود کفایتی سے بہرہ مند کرنا ہے اور اس مقصد کا حصول بطریق ذیل مطلوب ہے:۔

(الف) زرعی منصوبہ کے مطابق زراعت کی تنظیم غذا بخشنے والے اناجوں کی تخم ریزی ایک خاص تناسب سے عمل میں لانا اور مصنوعات کے لئے کچا مسالہ پیدا کرنا اور ادویات کی خوبیاں رکھنے والے مزروعات کو ترقی دینا۔

(ب) اس وقت جو زمینیں زیر کاشت ہیں اُن کا بہترین استعمال کرنا۔ اُن کی کیفیت اور اوصاف میں اضافہ کرنا۔ ان سے بہتر جنس حاصل کرنا اور کاشتکاری کے مؤثر اور سائنٹیفک طریقے اختیار کر کے پیداوار کی مقدار بڑھانے۔ زراعت سے تعلق رکھنے والے تمام کاموں میں سرکاری طور پر تحقیقات سے فائدہ اُٹھانے کے ضرورت مند ہیں۔ ان کو اس تحقیقات سے براہ راست فائدہ پہنچانے کا پُر یقین انتظام ہوگا۔

(ج) قابل زراعت بنجر زمینوں کو ترقی دی جائے گی۔ اس وقت جس قدر بھی قابل زراعت بنجر زمینیں بیکار پڑی ہوئی ہیں۔ وُہ مقامی عوام کی ملکیت ہو جائیں گی۔ یہ زمینیں کسانوں میں تقسیم کر دی جائیں گی۔ اور قومی منصوبہ کے مطابق ان پر باہمی اشتراک اور تعاون کی بنیادوں پر کام کیا جائے گا۔

(د) مال مویشی پالنے کے پیشے کو ترقی دی جائے گی۔ اور وُہ خانہ بدوش قبائل (گوجر۔ گدی۔ بکروال وغیرہ) جو مویشی کی پرورش کے عادی ہیں۔ ان کی پسماندگی دُور کر کے انہیں ترقی کے راستے پر ڈالا جائے گا۔ مکھن سازی کے جدید طریقے رائج کئے جائیں گے۔ مویشی کی بچہ کشی کو ترقی دی جائے گی۔ اُون و پشم جن چوپایوں سے حاصل

ہوتی ہے۔ اُن کی عمدہ نسلیں پالی جائیں گی۔ دُودھ سے حاصل ہونے والی تجارتی اشیاء مثلاً پنیر، مکھن، گھی اور ملائی کی ہمت افزائی کی جائے گی۔

(ک) میوہ دار درختوں اور باغات کے نصب کرنے کا منظم سلسلہ قائم کیا جائے گا۔ اور میوہ کے لئے منڈی اور حفاظت کا سائنٹیفک انتظام اختیار کیا جائے گا۔ کشمیر ہر قسم کے میووں کا گھر ہے۔ اور اس میں دُنیا بھر کے میووں کا سب سے بڑا مرکز بننے کے امکانات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

(ی) شہد کی مکھیاں پالنے کے کام کو ترقی دی جائے گی۔

(ل) ریشمی کیڑے پالنے کی صنعت کو پھیلانے اور ترقی دینے کے لئے مزید سائنٹیفک طریقے اختیار کئے جائیں گے۔

(ح) اس امر کا اطمینان بخش انتظام ہوگا کہ ریاست کشمیر میں مچھلیوں کی پرورش محض دولت مندوں کے فائدے کے لئے مخصوص نہیں رہے گی۔ بلکہ عوام اس سے مستفید ہوں گے۔ ماہی گیر طبقہ کو ماہی گیری اور مچھلی کے حمل و نقل کے معاملوں میں سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔ ملک میں ماہی گیری کے اعداد و شمار مرتب کر کے جھیلوں، دریاؤں اور تالابوں میں بیج تقسیم کئے جائیں گے۔ شالی کے کھیتوں میں مچھلی کی پرورش کا تجربہ کیا جائے گا۔

(ط) عمارتی لکڑی، بالن اور جنگلات کی گھاس چرائی کے فوائد سے ریاست کے عوام مستفید ہوں گے۔ جنگلات کی ترقی اور بہبودی کے لئے لمبے وقت کی سکیمیں اختیار کی جائیں گی۔ جنگلات کو نقصان سے بچایا جائے گا اور بنجر زمینوں کو بچا کر زرخیز بنانے کے لئے مؤثر انتظامات کئے جائیں گے۔

زرعی منصوبہ کی عملی صُورت

ریاست میں ایک قومی زرعی کونسل قائم کی جائیگی۔ اس کونسل کا فرض قومی زراعتی منصوبے کو عملی صُورت دینا اور اس کی رفتار کی نگہداشت کرنا ہوگا۔ اس کونسل کے تحت ہر ضلعے اور ہر گاؤں میں مقامی زراعتی کونسلیں ہوں گی جو مقامی منتخب پنچایتوں کے تعاون و اشتراک سے کام کریں گے۔

ضلع وار، دیہہ وار مقامی کونسلوں کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:-

۱۔ اپنے مخصوص حصے کے لئے کاشتکاری منصوبہ تیار کرنے میں مشورہ دینا اور اس منصوبہ کو عمل میں لانے کی نگہداشت کرنا۔

۲۔ گاؤں کی اس باہمی اتحادی تحریک کو چلانا جو اپنے حلقہ کی کاشتکاری کے فرائض انجام دینے کی ذمّہ دار ہوگی۔

۳۔ حاصل شدہ اناج اور درد کردہ فصلوں کی نگہداشت کرنا اور اناج پھل میوہ جات وغیرہ کی ذخیرہ بندی۔ درجہ بندی۔ نقل و حمل کا انتظام۔

۴۔ باہمی اتحادی مجلس کو پیداوار کی منڈی کے فرائض میں مالی امداد دینا۔

۵۔ اتحادی انجمن سے حاصل شدہ منافع کی تقسیم کرنا۔

۶۔ منصوبہ کے تحت تقسیم کردہ تمام رقوم کا تحویل دار ہونا۔

۷۔ اپنے حلقے میں اقتصادی منصوبہ کے عمومی خطوط پر گھریلو دستکاریوں کو منظم کرنا۔

زراعتی کونسلوں کی یہی وُہ زنجیر ہے جو گاؤں گاؤں سے لے کر مرکز تک پھیلی ہوگی۔ اور زراعتی اقتصادیات کی نئی تنظیم میں سب سے زیادہ طاقتور ہتھیار منصوبہ ہوگی۔ جس کے ذریعہ ریاست کی زرعی تحریک کو جدید اصولوں پر کامیابی اور سلیقہ سے چلایا جائے گا۔

یہی زراعتی کونسلوں کی زنجیر ہے جو کسانوں کے حقوق نامہ کی شرائط پورا کرنے میں بنیادی طاقت کا کام دے گی۔

کسانوں کا حقوق نامہ

۱۔ ہر ایک کسان کا یہ حق ہے کہ اُس کو کام کرنے کے لئے زمین حاصل ہوتا وقتیکہ اُسے کوئی اور دُوسرا متبادل اور قابلِ عمل کام ایسی شرائط پر بہم نہ کر دیا جائے۔

۲۔ وُہ تمام زمینیں جو اس وقت غیر حاضر چکداروں اور زمینداروں کی کاغذی ملکیت میں ہیں، معاشرتی مفلوجیت کا خاتمہ کرنے پر کسانوں کو منتقل ہو جائیں گی۔

۳۔ عبوری زمانہ کے دوران میں جب کہ قومی مرتب کردہ اقتصادی منصُوبہ پُورے طور پر عمل میں آئے گا، اُن تمام زمینوں پر جو حقیقی پیداوار دینے سے قاصر ہیں ایک ترقی یافتہ محصُول کا طریقہ جاری رہے گا۔ اور اس محصول سے اس قسم کی کوئی زمین مستثنےٰ نہیں ہوگی جو کسی وجہ سے اقتصادی اصُول کے مُطابق پیداوار دینے سے قاصر ہو۔ غاصبانہ چکداری کا آخری خاتمہ کرنے سے قبل جو درمیانہ زمانہ ہوگا، اُس میں غیر حاضر کاغذی مالکوں کا زمین سے منافع محدود کر دیا جائے گا۔ اور زیادہ سے زیادہ آمدنی کی حدُود سختی کے ساتھ محدود کر دی جائیں گی۔

۴۔ گاؤں کی پیداوار میں سے کسان کی ضروریات سب سے پہلے پوری کرنے کا حق تسلیم کیا جائے گا۔

۵۔ تمام جاگیردارانہ بوجھ۔ رسوم ہا۔ نذرانے اور بیگار وغیرہ مکمل طور پر ختم کر دیے جائیں گے۔

۶۔ ریاست کے کسانوں کا نصب العین دیہات کو قرضہ کی لعنت سے پاک کرنا ہے۔ ہر ایک کسان کو مکمل طور پر قرض سے آزاد کر دینا مقدم ضرورت ہے۔ جہاں کہیں بھی قرضہ دہندہ نے اصل قرض کے مساوی رقم واپس کر لی ہو وہاں مزید کسی قسم کی ادائیگی لازم نہیں رہے گی۔ اقتصادی منصوبہ بندی میں زراعت پیشہ لوگوں کے لئے لیکن زمین کی ضرورتوں کا انتظام کرنا حکومت کا فرض ہے۔

۷۔ تمام کسان ریاست کے باقی محنت کشوں کی طرح معاشرتی انشورنس سے فائدہ اُٹھانے کے مستحق ہوں گے۔

۸۔ مرتّب شدہ اقتصادی منصوبہ میں ریاست کا فرض ہوگا کہ کسان کو سیلاب، ژالہ باری، فصل کی بیماریوں، آتش زدگی اور چارپایوں اور مویشیوں کی بیماریوں وغیرہ حادثات کے نتائج سے بچانے کے لئے مکمل انتظام کرے۔

۹۔ کسان کا یہ حق ہوگا کہ وہ جدید سائنٹیفک تحقیقات کے نتائج سے حسب ذیل امور میں حکومت سے امداد لے :۔

(الف) زمین کے معاملات۔ (ب) پیدا ہونے والے اناجوں کی درجہ بندی۔ (ج) نباتاتی۔ استخوانی اور دیگر قسم کی کھادیں پیدا کرنا۔ (د) آب پاشی کو ترقی دینے کی مہمات۔ (ہ) پانی مار کے خلاف پانی کی نکاسی کی سہولتیں بہم کرنے کی مہمیں جن میں ملیریا کے خلاف محاذ کی حفاظتی مہم شامل ہے۔ (یہ کام دیہہ وار تحریک کی بنیادوں پر کیا جائے گا اور پانی کی بہم رسانی کی دِقتوں کا مقابلہ کیا جائے گا۔)

(و) بُردی زمین کو بچانے کے انتظامات۔ (ز) زرعی اوزار اور مشینیں جو محنت کو بچانے والی ہوں، مہیا کرنا۔ (ح) کسانوں کو زراعت کے جدید طریقے اور سلیقے تعلیم کا ایک ایسا جال پھیلا کر سکھانا جس کی نگرانی اور رہنمائی ماہرین زراعت کر رہے ہوں گے جس میں پیداوار کی نوعیت اور درجہ بندی پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ (ط) غذائی فصلوں کو ضائع

Scanned with CamScanner

ہونے سے بچانے کے لئے ریاستی انبار خانوں اور کوٹھاروں میں ذخیرہ بندی کے انتظامات باہمی اتحادی انجمنوں کے ذریعہ کرنا۔ (ی) گھریلو پالتو جانوروں کی حفاظت اور نسل کشی میں امداد دینا۔ (ک) مرغی خانے قائم کرنا۔ (ل) گھاس اور چارہ کی ترقی یافتہ قسمیں بہم کرنا۔ (م) گاؤں کی صفائی کا انتظام۔

۱۰۔ تمام کسانوں کی بار برداری کے جدید اور تیز رفتار ذرائع بہم کئے جائیں گے۔

۱۱۔ کسانوں کو امداد باہمی کے طور سے ایسی منڈی کی سہولتیں بہم کی جائیں گی جو اُن کی محنت کی طاقت کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

۱۲۔ کسانوں کو جنگلات کی مقامی پیداوار سے استفادہ کا کمل حق دیا جائے گا۔ اور اُنہیں افسرانِ جنگلات ہرگز ستا نہ سکیں گے۔

۱۳۔ ہر ایک کسان کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دوا اور طبی خدمات کی سہولتیں منصوبہ کے مطابق مفت حاصل کر سکے۔

(۱۴)۔ ہر کسان کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اُس کے لئے ایک مصفا ہر موسم کے مطابق اور صحت بخش گھر معہ پاکیزہ پانی بہم رسانی کے باقاعدہ بنے ہوئے گاؤں میں مہیا ہو۔

۱۵۔ کسانوں کو یہ حق ہوگا کہ مشترکہ دیہاتی زندگی کو معرضِ عمل میں لانے کے لئے گاؤں میں اُن کے لئے ایک ہال ہو۔ جس میں ایک ریڈیو اور اندرونی و بیرونی کھیلوں کا انتظام موجود ہو۔

۱۶۔ ہر کسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے اور قومی تعلیمی منصوبہ کے ذریعہ نہ صرف لکھنا پڑھنا اور حساب کرنا سیکھے۔ بلکہ زمین کے ساتھ تعلق رکھنے والے اہم اُمور فنی زراعت کے اصول اُونچے سے اُونچے اس درجہ تک سیکھے جس کی اُس میں قابلیت ہو۔

اس حقوق نامہ کے تحت ریاست جموں کشمیر کا غریب اور لُوٹا ہؤا کسان اپنے حقیقی درجہ کو حاصل کر سکے گا اور اس جنت نظیر خوبصورت وطن کا خوشحال اور خوش باش باشندہ بن سکے گا۔

صنعتی پیداوار

ترقی یافتہ معیارِ زندگی قائم کرنے میں کامیابی کا راز صنعتی پیش رفت میں مضمر ہے۔ یہی واحد طریقہ ہے جس کے ذریعہ تہذیب کے جدید سائنٹیفک فوائد سے انسان زیادہ سے زیادہ آرام و مسرت کے سامان

حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان کو مشین کا نیم اُجرت یافتہ غلام بنا دیا جائے اور مشینوں کی ملکیت انسانوں کے ایک چھوٹے سے گروہ میں محدود کر دی جائے تو صنعتی ترقی کا جو قومی مقصد ہے وُہ بالکل تباہ و برباد اور بے معنی ہو جائے گا۔ مشین صرف اُس صورت میں انسان دوست اور رفیق بن سکتی ہے اور قومی تعمیر کے مقصد میں انسان کے ساتھ تعاون کر سکتی ہے جب مشین پر براہِ راست قومی حکومت کا قبضہ اور نگرانی ہو۔ کیونکہ جمہوری طرز کی حکومت میں عوام کا ارتباط ہی حکومت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور اسی صورت میں مشین ایک کے فائدے اور دُوسرے کے نقصان کے لیے استعمال نہیں ہوتی بلکہ مجموعی قومی فائدے کے لئے ترقی کا ذریعہ بنتی ہے۔

بنابرآں آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس اِس اصُول کی تائید و حمایت کرتی ہے کہ تمام بُنیادی اور بڑے پیمانے کی صنعتیں عوام کی اپنی حکومت کے ہاتھ میں ہونی چاہئیں اور اسی بناء بر حسب ذیل بُنیادی اصُول قومی اقتصادی منصوبے کے مسلمہ اصُولوں کے طور پر اختیار کئے جاتے ہیں۔

۱۔ بڑے بڑے انفرادی سرمایہ داروں کا خاتمہ۔ کیونکہ قومی محنت قومی ذرائع پیداوار کو انفرادی اور ذاتی نفع اندوزی کی غرض سے استعمال کرنا محنت کرنے والی تمام آبادی پر تشدد کرنے اور اُن کو ناداری کی مصیبتوں میں مُبتلا کرنے کا بُنیادی سبب ہے۔ اس لئے "نیا کشمیر" کے قومی منصوبہ میں اِس سرمایہ پرستانہ سلسلہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲۔ تمام بُنیادی اور بڑے پیمانے کے صنعتی ادارے لازمی طور پر جموں و کشمیر کی عوامی بہبودی قومی حکومت کے انتظام اور اہتمام سے چلائے جائیں گے۔ کیونکہ عوام اور جمہور کا مفاد اِس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ضروری صنعتی ادارے جمہور کے فوائد کے لیے چلائے جائیں نہ کہ ذاتی اور انفرادی نفع اندوزی کے لئے۔

۳۔ ذاتی و انفرادی اجارہ داری چاہے رسمی ہو یا حقیقی، بحق ریاست ضبط قرار دے دی جائے گی۔

۴۔ جنگلات کے وُہ ذرائع پیداوار جو بڑی صنعتوں کی بُنیاد کا کام دے سکتے ہیں نیز تمام قسم کی معدنیات صرف جمہوری ریاست کے اہتمام و انتظام سے زیرِ عمل لائے جائیں گے۔

۵۔ چھوٹے پیمانے پر صنعتی لگائش ذاتی و انفرادی طور پر قومی منصوبہ کی ضرورتوں

کے صنعتی اور قومی منصوبہ کے اصولوں کی سخت پابندی سے ہی جائز قرار دی جائے گی اور اس پر قومی صنعتی کونسل کی نگرانی لازمی ہوگی۔

صنعتی منصوبہ کا خلاصہ

جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے صنعتی منصوبہ کا مقصد یہ ہے کہ ریاست کے اندر عوام کی ضرورتوں اور استعمال کے درمیان اور بحیثیت مجموعی ریاست کے فوائد کے لئے تبادلہ میں لائی جانے والی پیداوار کے درمیان متعدی توازن پیدا کیا جائے۔

صنعتی منصوبہ ریاست کے قومی منصوبہ کے لازمی جزو کے طور پر عمل میں لایا جائیگا۔ قومی اقتصادی منصوبہ کے ساتھ ہر نقطے میں مطابقت رکھے گا۔ صنعتی منصوبہ حسب ذیل چار فعال امور کی مطابقت سے صنعتی اداروں کے مقام وغیرہ کے انتخاب کی ہدایت کرے گا۔ (الف) ضروری حرکت دہندہ طاقت۔ (ب) موزوں کچا مسالہ۔ (ج) حسب ضرورت تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ محنت۔ (د) موزوں منڈی اور بازار کا قرب۔

صنعتی منصوبہ حسب ذیل امور پر مشتمل ہوگا:۔

(الف) حفاظتی صنعتیں۔ جو ریاست کے بچاؤ، یکجہتی اور امن کے لئے ضروری ہیں۔ ان میں ایمونیشن اور فنی مشینیں اور فوجی ضروریات کی تیاری بھی شامل ہوگی۔

(ب) بنیادی اور بڑی صنعتیں۔ مثلاً (۱) برقابی (ہائیڈرو الیکٹرک)۔ برقابی طاقت کے سٹیشن۔ (۲) ایندھن بشمول کوئلہ، خاکی تیل اور گیس۔ (۳) دھاتوں اور معدنیات کی صنعتیں۔ (۴) صنعتی اور زراعتی مشینیں اور آلات تیار کرنا۔ (۵) باربرداری کی سہولتیں جن میں موٹریں۔ لاریاں وغیرہ گاڑیاں بنانا بھی شامل ہیں۔ (۶) مشینوں کے اوزار اور اجزاء کی ساخت و پرداخت۔ (۷) سائنس کے آلات اور تجارتی اوزار کی ساخت (۸) صنعتی کاموں میں استعمال ہونے والی بنیادی کیمیاوی ضروریات مثلاً کاسٹک سوڈا وغیرہ کی تیاری۔

(ج) ضروری استعمال کی صنعتیں۔ مثلاً (۱) کپڑا سازی جس میں اونی، ریشمی اور سوتی سب اقسام شامل ہیں۔ (۲) آرائش و زیبائش کے سامان عطریات۔ تیل وغیرہ۔ (۴) مکانوں کی تعمیراتی ضرورتیں جو لوہا۔ لکڑی، شیشہ۔ اینٹ اور آئے دن کی دوسری ضرورتوں کی شکل میں کام آتی ہیں۔ (۵) جوتے بنانے اور چمڑے کے باقی کام۔ (۶) ادویات سازی اور صحت و علاج سے تعلق رکھنے والی باقی ضروریات۔ (۷) اشیاء خوردنی کی صنعتیں۔ (۸) کاغذ سازی

Scanned with CamScanner

دستکاسازی۔ (۹) باقی وہ تمام صنعتیں جو آئے دن کی زندگی کی ضروریات میں شامل کی جائیں گی۔
(د) گھریلو صنعتیں جن کے لئے کشمیر دُنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہ صنعتیں خاص کواپریٹو صنعتیں منصوبہ کے مطابق منظم کی جائیں گی۔ اور اس میں جدید چین کے عظیم الشان تجربات کے خطوط کا اتباع کیا جائے گا۔

صنعتی کونسل

قومی منصوبہ کی ہدایات کے مطابق ریاست میں صنعتی کوششوں کی رہنمائی کرنے۔ ان پر نگرانی رکھنے اور انہیں ضابطہ کے ماتحت چلانے کے لئے ایک "قومی صنعتی کونسل" قائم کی جائے گی۔ اس کونسل کے تحت ضلع وار اور گاؤں وار صنعتی کونسلیں قائم ہوں گی جو مقامی پنچایتوں کے تعاون سے کام کریں گی۔ قومی صنعتی کونسل کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:۔

(الف) قومی صنعتی منصوبہ کی رفتار کو باقاعدہ رکھنا اور اس کے سہولتیں بہم کرنا۔ (ب) مقامی ضرورتوں اور مشکلات کا صحیح اندازہ لگانا۔ اور صنعتی منصوبے کے کام کو لوگوں کی زندگی کے ساتھ گہرے طور سے وابستہ کرنا۔ (ج) مقامی تجربوں سے فائدہ اُٹھانے کے بعد صنعتی منصوبہ کی رفتار میں ترمیمات تجویز کرنا۔ (د) نیشنل پلاننگ کمیشن کے استعمال کے لئے تحقیقاتی مسالہ بہم کرنا۔ (ہ) منصوبہ کے تحت صنعتی ترقی کی باقاعدگی اور تدریجی رفتار کی نگہداشت۔ (و) صنعتی کواپریٹو سکیم کے مطابق سپیشل کمیٹیوں کے ذریعہ گھریلو دستکاریوں پر نگرانی۔ اُنہیں ہدایت دینا اور ترقی کے راستے پر ڈالنا۔

گھریلو دستکاریوں کی تنظیم

کشمیر کی ہاتھ سے بنی مصنوعات اور گھریلو ساختہ اشیاء زمانۂ قدیم سے مشہور چلی آتی ہیں۔ جن کو کشمیر کی ذہانت اور تہذیب کا نفیس ترین نمونہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود کشمیر کا محنت کش جو اس قسم کی معجزنما صناعی کے نمونے پیش کرتا ہے۔ خود ہمیشہ فاقہ کشی۔ بدحالی اور امراض کا شکار ہو کر زندہ رہتا ہے اور مرتا ہے۔

ریاست کے دستکاروں اور صناعوں کے لئے ایک روشن اور خوشحال مستقبل کا یقینی انتظام کرنے کے لئے جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس حسب ذیل بنیادی اصول جدید تنظیم کے طور پیش کرتی ہے:۔

(۱) ہاتھ سے اشیاء تیار کرنے والے ہنرمندوں کی باہمی اتحاد سے تنظیم بنا کر انہیں انفرادی

اور ذاتی نفع بازوں کی لوٹ کھسوٹ سے نجات دلانا۔

(۲) چھوٹے پیمانے پر طاقت سے چلنے والی مشینوں کو متعارف کرانا اور گھریلو چھوٹے کارخانوں کی بنیاد رکھنا تاکہ غیر ضروری ذلت بخش سخت محنت کا خاتمہ ہو جائے اور پیداوار کی مقدار بڑھ جائے۔ اور اِس کے ساتھ ہی پیداوار کی صنعتی خوبیوں کا تحفظ کیا جائے گا۔ اور انفرادی ذہنی جولانیوں کے لئے وسیع رکھا جائے گا۔

اِن دو اصولوں کو اختیار کرنے سے چھوٹے پیمانے پر طاقت سے چلنے والی مشین ہر گھر میں اور دُور سے دُور اُفتادہ گاؤں میں باہمی اتحادی بنیادوں پر پھیل جائیں گی۔

جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے تصوّر میں عام دیہات کو بجلی کے نُور سے روشن کرنا ہے جس کی بنیاد زیادہ وسیع پیمانے پر پھیلائی ہوئی برقابی مہمات پر رکھی جائے گی۔ اور بجلی کے انتظام کا وسیع سلسلہ اِس سکیم کا ایک لازمی جزو ہو گا۔ یہ طریقہ اختیار کرنے سے دُور دراز دیہاتی رقبوں میں بھی گھریلو دستکاریوں کو غیر مرکزی اور پھیلی ہوئی صنعت کو صورت دی جا سکے گی۔ صنعتی کواپریٹو منصوبہ میں بقول پروفیسر جے۔ بی۔ ٹیلر (جو چین کی صنعتی کواپریٹو تحریک کے بہت بڑے مشیر تھے) تین بنیادی نقاط ہیں:۔ (۱) اشیاء عام استعمال اور دساور کو بھیجنے کے لئے پیدا کرنا۔ (۲) پیداواری کاموں میں استعمال کے لئے چھوٹی مشینیں پیدا کرنا۔ (۳) پیداوار کے نئے ڈھنگ اطمینان بخش طریقے سے اختیار کرنے کیلئے ترتیب اور ٹریننگ کی سہولیات۔

ریاست میں گھریلو دستکاریاں نہ صرف اِس وجہ سے اہمیت رکھتی ہیں کہ وہ دستکاروں اور دیہاتی باشندوں کی زندگی کا معیار اونچا کرنے کا سبب ہوں گی۔ بلکہ بحیثیت ریاست کی دولت کا منبع ہونے کے بھی گھریلو دستکاریوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ دستکاریاں ہی ریاست کی عالمگیر خارجی تجارت کی بنیاد بن سکتی ہیں۔ نیشنل کانفرنس کے منصوبے میں حسب ذیل بنیادی گھریلو دستکاریوں کی طرف خصوصی توجہ دی جائے گی:۔

(الف) اُون کی صنعت جس میں کاتنا بُننا۔ شال اور پٹو تیار کرنا۔ اور رنگائی کی ہوئی اُونی اشیاء وغیرہ شامل ہیں۔ (ب) ریشم کی صنعت جس میں کرم کشی سے لے کر تیار شدہ دھاگا اور ریشمی کپڑے تک سب کچھ شامل ہے۔ (ج) لکڑی کی صنعتیں جس میں چتر کاری

اور لکڑی کی ساختہ اشیاء کی تمام اقسام شامل ہیں۔ (ز) شال بافی، [illegible] نمدے اور قالین بنانا۔ (ح) کشیدہ کاری (ایمبرائڈری)۔ (ط) دھاتوں سے ساختہ اشیاء اور زرگری کی مصنوعات جن میں جوہری کے کام بھی شامل ہیں۔ (ی) زعفران کی کاشت اور شہد کی پیداوار۔ (ک) پھل اور ساگ سبزیوں کو خشک کرنا۔ (ل) چمڑا اور سمور سے حاصل کردہ اشیاء کی پیداوار۔

مزدوروں کا حقوق نامہ

(۱) جموں وکشمیر کا ہر باشندہ حق رکھتا ہے کہ ریاست سے اپنے دماغ اور اپنے دست و بازو کی قابلیت کے مطابق کام کا مطالبہ کرے۔

(۲) ہر باشندے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایک آزاد اور جمہوری ریاست میں اور ایک ایسی ریاست میں جس کی بنیاد انسانوں کو انسان کے ذریعہ لوٹنے کھسوٹنے کی بدعات کے خاتمہ پر رکھی گئی ہے، اس کے اصولوں کے مطابق چل کر اپنی خودداری اور عزت کے مناسب کام کرے۔

(۳) کام کرنے والا ہر باشندہ حق رکھتا ہے کہ محض ضروریات زندگی سے بہت اونچا معیارِ زندگی حاصل کرے۔ اور یہ معیارِ زندگی اقتصادی منصوبہ کے پیمانوں کی رو سے حکومت کے ذمے رکھا گیا ہے۔

(۴) ہر کام کرنے والے باشندے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی انجمن بنائے۔ اس میں شامل ہو اور آزادی سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرے۔

(۵) ہر باشندے کو مکمل اور یقینی حق حاصل ہوگا کہ جس پیشے اور شغل کو چاہے چھوڑ دے اور جس کو چاہے اختیار کرے۔

(۶) جمہوری حکومت کاریگروں۔ مزدوروں اور دیگر کام کرنے والوں کے ساتھ تمام معاملات ان کی انجمنوں کے نمائندوں کے ذریعے طے کرے گی۔

(۷) تمام متنازعہ فیہ صورتوں میں لازمی طور پر ثالثوں کا انتظام کیا جائے گا۔

(۸) ریاست کا ہر باشندہ کارکن ۲۴ گھنٹے میں صرف آٹھ گھنٹے کام کرے گا۔

(۹) ہر باشندہ ریاست کارکن کو اس کے کام کا معاوضہ ہفتہ وار ادا کیا جائے گا۔

(۱۰) ہر کارکن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ کام کی یکساں نوعیت اور مقدار کے لئے دوسرے

کے ساتھ بلا تمیز رنگ و نسل و زن و مرد ایک جیسی اُجرت حاصل کرے۔

(۱۱) ہر کام کرنے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وُہ سال میں نصف ماہ کی چھٹی اور ہفتے میں ایک دن کی چھٹی اپنی پوری اُجرت کے ساتھ (یا تنخواہ) حاصل کرے۔

(۱۲) ہر کارکن بیماری - بڑھاپے اور حادثات کی صُورت میں اور عورت ذات کارکن پیدائش اطفال کے سلسلہ میں مکمل انشورنس کے مستحق ہیں۔

(۱۳) ہر ایک کارکن اسی صُورت میں پُورے اطمینان سے اپنا کام جاری رکھ سکتا ہے جب ریاست اِس امر کی ذمہ داری لے کہ اس کی ناگہانی موت کی صورت میں اس پر انحصار رکھنے والوں کی ضروریات زندگی کا انتظام سٹیٹ پنشن سکیم کے تحت کیا جائیگا۔ اور قومی حکومت پر ذمہ داری عاید ہوگی۔

(۱۴) ہر باشندہ کارکن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اُس کے لئے صحت بخش گھر ایک صحت مند ماحول میں روشنی اور پانی کی پُوری سہولتوں کے ساتھ مہیا ہے۔

(۱۵) اِس امر کی ذمہ داری لی جاتی ہے کہ پندرہ سال سے کم عمر بچوں سے محنت مزدوری کرنے کا رواج ختم کر دیا جائے۔

(۱۶) عورت ذات کارکنوں کو وُہ تمام تحفظات حاصل ہوں گے جو عورت ذات کے حقوق نامے میں واضح کیے گئے ہیں۔

(۱۷) مزدوروں کی تمام کیفیت ان کی اپنی انجمنوں کے ذریعہ عمل میں آئے گی۔

(۱۸) ہر مزدور کو سستے اور تیز رفتار ذرائع باربرداری کی سہولتوں سے امداد لینے کا حق حاصل ہوگا۔

(۱۹) ہر کارکن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ بیماری کی صُورت میں دوا اور تیمارداری اور خدمت کی سہولتیں مُفت حاصل کرے جیسا کہ قومی طبی منصُوبہ میں واضح ہوگا۔

(۲۰) ہر کارکن کو تمدنی و ثقافتی ترقی کی سہولتیں حاصل ہوں گی۔

(۲۱) ہر کارکن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وُہ تعلیم حاصل کرے۔ اور نہ صرف پڑھنا لکھنا اور حساب کرنا سیکھے بلکہ اپنے پیشہ اور صنعت و تولیت سے تعلق رکھنے والی خصوصی فنی تعلیم حاصل کرے۔ اور قومی تعلیمی منصُوبہ کے مطابق وُہ اپنے فن میں جس حد تک ماہر ہونے کی اہلیت رکھتا ہو، وہاں تک ترقی کرے۔

ریاست جموں وکشمیر کا موجودہ مصیبت زدہ لوٹا کھسوٹا ہوا کاشتکار دستکار اور محنت کش کام کرنے والوں کے اِن حقوق سے مسلح ہوکر بہ حیثیت اِنسان کے مکمل نشو ونما حاصل کر سکتا ہے۔ اور نئے جمہوری نظام کو تعمیر کرنے میں اور اپنا خوشحال مستقبل بنانے میں مؤثر حصہ پوری طاقت سے ادا کر سکتا ہے۔

حمل ونقل وباربرداری

چونکہ آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ہماری ریاست کی پسماندگی کی بڑی وجوہات اور اسباب میں سے ایک اس ریاست کے ذرائع آمد ورفت، نقل وحمل اور رسل ورسائل کا ابتدائی حالت میں ہونا بھی ہے۔ اور اس کے دُور دراز خطے ان ذرائع کی وسعت سے بالکل باہر واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے نیشنل کانفرنس نے یہ طے کیا ہے کہ ملک کی از سرِ نو تعمیر و تنظیم کے لئے جو بڑا منصوبہ بھی مرتب کیا جائے، اُس میں آمد ورفت، رسل ورسائل اور باربرداری کے ذرائع کی پہلو بہ پہلو ترقی حسب ذیل صورت میں ہونی چاہیئے:۔

(الف) جموں اور سرینگر کو تمام بیرونی علاقوں کے ساتھ ملانے کے لئے ایسی سڑکیں بنائی جائیں جن کا جال ملک میں اس طرح پھیلا ہوا ہو جس طرح انسان کے جسم میں خون پہنچانے والی شریان رگیں پھیلی ہوئی ہیں۔

(ب) ہر گاؤں کو دوسرے گاؤں کے ساتھ اور ہر گاؤں کو تحصیل کے مرکز اور ضلع کے مرکز کے ساتھ جوڑنے کے لئے بہترین طرز کے دیہاتی راستے تعمیر کرنا۔

(ج) جہاں کہیں دریا یا جھیلیں اس قابل ہیں کہ اُن میں کشتی رانی ہو سکے وہاں آبی نقل وحمل کے عمدہ انتظامات کرنا، جن میں زمانۂ جدید کے ترقی یافتہ اور تیز رفتار ذرائع بھی شامل ہیں()

(د) ضروری پُلوں کی تعمیر وتکمیل جن میں میرپور جہلم پُل خصوصیت سے شامل ہے۔

(ہ) مسافروں کی آمد ورفت کے لئے وسیع پیمانہ پر شہری راستوں کی تعمیر خصوصیت سے سرحدی علاقوں اور سیاحوں کی منزلِ مقصود جگہوں تک جانے والے راستوں کی تعمیر۔

(و) ریاست کے تمام مرکزوں تک لاری لبسوں کے ذریعہ سرکاری طور پر باقاعدہ اور آرام دہ طریقے سے آنے جانے کا انتظام۔

(ز) مال واسباب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے محفوظ اور تیز رفتار

سکاٹریوں کی مکمل انتہا ہے۔ ریاست جموں و کشمیر کا پہاڑوں اور کوہستانوں سے پُر ہونا ریاستوں کی تعمیر اور ذرائع آمد و رفت کی سہولتیں بہم پہنچانے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا چنانچہ سوئٹزرلینڈ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جہاں کشمیر کے کوہستانوں سے زیادہ مشکل کوہستان بھی ذرائع آمد و رفت کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکے۔

ایک نیشنل کمیونیکیشن کونسل (قومی ذرائع آمد و رفت) جو کہ ماہر انجینئروں اور اقتصادی مشیروں پر مشتمل ہوگی، مرتب کی جائے گی جو زراعتی صنعتی کونسلوں کے اشتراک عمل سے اس منصوبے کو عملی صورت دے گی۔

تقسیم دولت و پیداوار

جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس اس حقیقت پر زیادہ زور دیتی ہے کہ دولت اور پیداوار کی تقسیم ہر باقاعدہ اقتصادی منصوبے کی اہم بنیاد ہے۔ کانفرنس کی یہ پختہ رائے ہے کہ "صنعتی سرمایہ داری کی خرابیوں سے نجات حاصل کرنے کی واحد صورت یہی ہے کہ دولت اور پیداوار کی مساوی تقسیم کا طریقہ رائج کیا جائے"۔

اس اصول کی بناء پر یہ امر صاف ہو جاتا ہے کہ نیشنل کانفرنس تجارت کی موجودہ اندھا دھند اور منتشر صورت کو برداشت نہیں کرے گی۔ سنہ ۱۹۳۰ء کے گذشتہ اقتصادی بحران میں انیسویں صدی کا "فلسفہ آزاد تجارت" ذلت کی موت مر چکا ہے۔ مستقبل کی جمہوری دنیا تجارت اور تقسیم کو صرف ضبط و ربط اور جکڑ بندیوں کے ساتھ ہی قبول کر سکتی ہے۔

چونکہ ریاست کے قومی اقتصادی منصوبہ کے تحت صنعتی اور زرعی دونوں قسم کی پیداوار طے شدہ پروگرام کے تحت حاصل کی جائے گی۔ اور اس پروگرام میں ریاست کے باشندہ عوام کی ضرورتوں اور حالات کو معیار تصور کیا جائے گا۔ اس لئے دولت و پیداوار کی تقسیم اور منڈی کو اپریٹو بنیادوں پر منظم کی جائے گی۔ اس حصہ کے لئے منصوبہ کے جو بنیادی اصول حاوی ہوں گے، وہ یہ ہیں:-

(الف) ریاست کے ہر ایک کارکن ۔۔ و عورت اور بچہ کی حاجات و ضروریات قومی منصوبہ کے مطابق پوری کرنے کی ذمہ داری سٹیٹ پر ہوگی۔ (ب) ہر وہ شخص جو کھیت اور مجلسی مفاد ۔۔ امن پسند ناگرد کار) ہو ۔۔ کی ضروریات و مصارف کی ذمہ داری

نہیں لی جائے گی۔ (ج) اقتصادی منصوبہ میں منافع بازی کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی قومی عطیات میں اس مقصد کے لئے کوئی حصہ ہوگا۔ (د) ضروری اشیاء اور سامان خوراک کی تجارت اتحاد باہمی کی بنیادوں پر ہوگی۔ اور پرچون فروشی کی مقررہ قیمت والی دوکانوں سے یہ خدمت لی جائے گی۔ (ہ) چھوٹے پیمانے کے ذاتی کاروبار چلانے کی اجازت مقررہ پرچون قیمتوں کے مطابق دی جائے گی۔ اور اس پر نیشنل مارکٹنگ کونسل قومی منصوبہ کے عمومی خطوط کے مطابق پوری نگرانی رکھے گی۔ (و) بیرونی تجارت ومکمل طور سے قومی حکومت کو اجارہ داری حاصل ہوگی۔ سٹیٹ پلاننگ کمیشن کا یہ فرض ہوگا کہ قومی ضرورتیں معلوم کرکے اُن کے مطابق باہر سے درآمد ہونے والی اشیاء کا بجٹ مرتب کرے۔ درآمد ہونے والی تجارت کی ضرورتوں کے مطابق برآمد ہونے والی تجارت کو صرف حکومت کی طرف سے مرتب کیا جائے گا۔

قومی مارکٹنگ کونسل ماہرین تجارت اور اقتصادی مشیروں پر مشتمل ہوگی۔ اور یہی کونسل تقسیم پیداوار کے منصوبے کو عملی صورت دے گی۔

قومی مارکٹنگ کونسل کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:۔

(۱) کو اپریٹو سٹورز اور منڈیوں کی تنظیم۔ (۲) موجودہ دوکانات کو کافی ضبط و ربط کے تحت تقسیم مراکز قرار دینا اور ان پر نگرانی رکھنا۔ (۳) تقسیم کے مراکز کو اقتصادی ترجیحات کے مطابق مناسب فاصلوں پر جگہ دینا۔ (۴) قومی رسل ورسائل کونسل کے مشورہ سے اشیاء کی اندازانہ اندرون ریاست نقل وحرکت کے لئے کافی سہولتیں بہم کرنے کا انتظام کرنا۔

خدمات رفاہ عامہ

(ا) عوام کی صحت و تندرستی۔ ریاست کے رہنے والوں کی صحت و تندرستی کی حفاظت حکومت کے اوّلین فرائض میں شامل ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک قومی عوامی صحت کونسل مرتب کی جائیگی جس میں قابل ڈاکٹروں، معالجوں کے علاوہ اقتصادی مشیر بھی شامل ہوں گے۔ یہ کونسل وسیع پیمانے پر صحت عامہ کی خدمات حسب ذیل اصولوں کی بُنیاد پر انجام دینے کی ذمہ دار ہوگی۔

(۱) پندرہ سو (۱۵۰۰) آبادی پر مشتمل ہر حلقہ کے لئے ایک ڈاکٹر۔

(۲) ہر گاؤں میں ایک طبی معالج اور ایک فسٹ ایڈ کا مرکز۔

(۳) بیرونی اضلاع کے مرکزی مقامات میں ان ڈور مریضوں کے ہسپتالوں کا جال

جو مرکزی سرکاری ہسپتالوں کے ساتھ وابستہ ہوگا۔
(۴) ڈاکٹروں حکیموں۔ نرسوں۔ دوا سازوں اور پیشہ طبابت کے ساتھ تعلق رکھنے والے دوسرے کارکنوں کی حسب ضرورت کافی تعداد کو سٹیٹ میڈیکل کالج کے ذریعہ ٹریننگ دے کر سکیم کی ضرورتیں تیزی سے پوری کرانا۔
(۵) قابل انسداد امراض سے عوام کو بچانے کے لئے کافی تحفظ کے انتظامات کرنا۔
(۶) قومی تعلیمی کونسل کے اشتراک و تعاون سے عوام کو صحت اور صفائی کے ابتدائی اصول اور معلومات سے بہرور کرنے کا انتظام کرنا۔
(۷) عورت ذات کے حقوق نامہ کے مطابق ماؤں کے لئے طبی انتظامات کرنا۔
(۸) طفلی سے لے کر بلوغت تک بچوں کی خصوصی جسمانی حفاظت کا انتظام کرنا۔
(۹) طبی تحقیقات کی تنظیم اور جدید تحقیقات کو صحت کے فوری سوالات پر عملاً چسپاں کرنا۔
(۱۰) آیورویدک اور یونانی طریقہ کے مطابق دیسی ادویات کی ہمت افزائی کرنا اور دیسی ادویات بمقدار کثیر بہم کرنے کے ذرائع اختیار کرنا اور دیسی طریقہ علاج سے مستفید ہونے کے لئے دوسرے طریقہ ہائے علاج کے ساتھ تعاون و اشتراک کے ذرائع تلاش کرنا۔
(۱۱) جسمانی تربیت۔ ورزش۔ کھیلوں اور دوسرے صحت بخش مشاغل کی ترویج و تبلیغ کرنا تاکہ عوام کی جسمانی قوت امراض کا مقابلہ کرنے کی قابلیت پیدا کرے۔
(۱۲) عورت ذات ڈاکٹروں حکیموں۔ نرسوں کی بھرتی اور ٹریننگ پر خصوصی توجہ دینا۔
(۱۳) منتشر آبادی کے رقبوں میں بیماروں کے لئے موٹر کاریں اور آرام دہ کاریں مہیا رکھنا۔ جو ضرورت کے وقت آسانی اور جلدی سے مریض کو طبی مرکز تک پہنچا دیں۔
(۱۴) گاؤں اور شہروں کی صفائی کی مہم پر خصوصی نگرانی رکھنا۔

(ب) **تعلیمات** ۔ قومی تعلیم ہی ایک ایسا محور ہے جس کے ارد گرد ایک قوم کی ترقی کا چکر گھوم سکتا ہے۔ جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس تعلیم کے سلسلہ میں اس مقصد کو اپنا اصول بناتے ہوئے ہے کہ ریاست کے پسماندہ ترین اور دور افتادہ علاقوں میں بسنے والے لوگ بھی تعلیم کی روشنی سے سرگرم ترقی اور تعلیمی پالیسی کے ذریعہ مستفید کئے جائیں۔
یہ تعلیم محض کتابی نہیں ہوگی بلکہ صنعتی اور پیشہ ورانہ تعلیم بھی اس میں شامل ہوگی۔ اور

یہ قومی ضرورتوں اور قومی اقتصادی منصوبہ کی بنیادوں پر منظم کی جائے گی تعلیمات کی تمام شاخوں میں یہ امر مدِنظر رکھا جائے گا کہ بچے کو عملی زندگی اور قومی حکومت کے فرائض کے ساتھ ابتداء سے ہی وابستہ کر دیا جائے۔

قومی تعلیمی کونسل کے فرائض

قومی تعلیمی کونسل جو ماہرینِ تعلیم پر مشتمل ہوگی، حسبِ ذیل اصولوں پر مبنی ایک تعلیمی سکیم مرتب کر کے زیرِ عمل لائے گی:-

(۱) قومی یونیورسٹی قائم کر کے تعلیمی نظام کو خصوصیت سے ریاست کی قومی روایات، تاریخ اور ریاست میں رہنے والی تمام اقوام کی تہذیبی ضرورتوں کے مطابق ترتیب دینا۔ خاص مضامین اور بالخصوص ایسے امور جو ریاست کی بیرونی دنیا سے منسلک کرتے ہیں، اُن کے لئے شعبے قائم کرنا۔

(۲) یونیورسٹی کے زیرِ سایہ تحقیقات و مطالعہ کے لئے وظائف قائم کر کے قومی اہمیت کے غیر ملکی امور کا مطالعہ کرنے والوں کو سہولتیں بہم کرنا۔ اور ریاست کے اقتصادی منصوبے کے ساتھ تعلق رکھنے والے امور کی پیشہ ورانہ اعلیٰ تعلیم کے خصوصی انتظامات کرنا۔

(۳) پلاننگ کمیشن اور سٹیٹ سروسز کے محکموں میں امداد حاصل کرنے کے لئے اعداد و شمار کا ادارہ قائم کرنا۔

(۴) صنعتی تعلیمات کے لئے کالج اور تحقیقاتی ادارے قائم کر کے مردوں اور عورتوں کو ان پیشوں کے لئے اعلیٰ تعلیم و تربیت دینا جن پر قومی منصوبہ مشتمل ہے۔

(۵) ایک بین الاقوامی ادارہ قائم کر کے دُور دراز علاقہ کے لوگوں کو مختلف اقوامِ ریاست کی زبانوں۔ رواجات اور تہذیب کی تعلیم میں ماہر بنانا۔ تاکہ وُہ ریاست کی ترقی میں اپنی حقیقی جگہ حاصل کر سکیں۔

(۶) ضلع وار کالج مرد اور عورت طلباء کے لئے قائم کرنا۔ اور جو طلباء مرکزی یونیورسٹی میں نہ آسکتے ہوں۔ اُن کو مقامی طور پر تعلیمی سہولتیں بہم کرنا۔ یہ ضلع وار کالج کتابی اور پیشہ وارانہ دونوں قسم کی تعلیمات کے مراکز ہوں گے۔

(۷) ہائی سکولوں۔ مڈل سکولوں اور پرائمری سکولوں اور نونہال خانوں کا جال بچھا کر تعلیم کو لازمی اور مفت کر دینا اور ریاست کے بچے کو، چاہے وُہ لڑکا ہو یا لڑکی، تعلیم یافتہ بنانے کی مہم کو فرض سمجھنا۔ جو لوگ عام سکولوں سے فائدہ اُٹھانا مشکل سمجھتے ہوں، اُن کے لئے خاص قسم کے سکولوں کا قائم کرنا۔ مثلاً کشتی بانوں کے لئے کشتی سکول اور خانہ بدوش قبائل کے لئے

سفری سکول۔

(۸) تمام پرائمری سکولوں میں مادری زبان

(۹) بالغوں کے لئے شبینہ سکول قائم کرنا ا

تعلیمی کونسل کی ایک خاص کمیٹی بنانا۔

(۱۰) لائبریریوں کا جال پھیلانے کے لئے دی

کرنا اور سستی اور تازہ کتابیں تمام قسم کی معلومات

(۱۱) بنیادی تعلیم کی مہم کا خصوصی مطالعہ۔

(۱۲) عورت ذات کے حقوق نامہ کے مطا

(ج) رہائش مکانات۔ جموں و کشمیر

مزدوروں کے لئے نئے طریقے پر تعمیر کئے ہوئے ا

کو محسوس کر رہی ہے۔ کانفرنس کی رائے میں یہ دو

ا بہم رسانی کے مکمل قومی منصوبہ سے ہی حل ہو سکتا

اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک نیشنل ہا

ماہرین صحت و صفائی۔ ماہرین تعمیرات اور اقتصا

تنسیروں کی خاکہ کشی کی سکیم مرتب کرے گی۔ جس پر

تصور ہوگا۔

یہ کونسل ایسی سکیم مرتب کرے گی جس پر عمل کر

لئے بہتر طریقے سے استعمال کیا جائے۔ یہ کونسل کی ی

اور صحت و صفائی کے اصولوں سے عوام کے گھروں

(د) تہذیبی و ثقافتی تنظیم۔

متفق و متحد جماعت کے تحفظ اس لئے نہیں ہو سکی۔ اگر

توجہ نہیں دی گئی بلکہ انہیں پس پشت پھینکا گیا ہے

کی مشترک تہذیب اور روایات کی ہمت افزائی کر

گروہوں کی تہذیب شامل ہے۔ اس غرض کے لئے کو

لایا جائے گا۔ جس میں حسب ذیل امور نمایاں طور پر

پر تعلیم دینا۔

لعان پر نگہداشت کے لئے قومی

ر قصبات میں لازمی لائبریریاں قائم

تعداد کثیر مہیا کرنا۔

ں کی تعلیم کے خاص انتظامات کرنا۔

کانفرنس ریاست کے کسانوں اور

پاکیزہ اور مصفا مکانوں کی ضرورت

ت پر مشتمل مسئلہ صرف مکانات کی

ل بنائی جائے گی جو انجنیئروں اور

پر مشتمل ہوگی۔ یہ کونسل دیہات اور

کے مکان بنانے کا مقصد مقدم

ی مواد و مسالہ مقامی ضرورتوں کے

گی کہ جدید سائنس اور نئے ڈیزائنوں

کیا جائے۔

اس ریاست کے لوگوں کی ترقی بحیثیت

تہذیب اور روایات کی طرف نہ صرف

کانفرنس کا یہ منصوبہ ہے کہ اہل وطن

جس میں ریاست میں رہنے والے تمام

ں پر مشتمل ترقی کا ایک پروگرام زیر عمل

ہوں گے:۔

Scanned with CamScanner

(۱) کشمیری زبان میں ایک ریڈیو سٹیشن قائم کرنا جس میں لداخی، ڈوگری، دردی، گوجری، ہندی، اردو اور پنجابی زبانوں کے پروگرام بھی شامل ہوں گے۔

(۲) قومی فلم انڈسٹری اور قومی نمائش گاہوں کے قیام کے ذریعہ ریاست کے عوام کی تہذیبی، روایتی اور ذہنی دلچسپیوں کا اظہار کرنا۔

(۳) نوجوانوں کی سرگرمیوں، کھیلوں، جسمانی تربیت اور دوسری بہادرانہ دلچسپیوں کو منظم شکل میں بڑھانا۔

(۴) فرصت کے اوقات کا منظم عمدہ استعمال کرنے کے لئے نشاط ثانیہ کے مراکز قائم کرنا۔

(۵) آثار قدیمہ جو تاریخی دلچسپی کے حامل ہیں، کی حفاظت اور ترقی کا انتظام کرنا اور عوام کو ان عمارات کے مفہوم اور قدر سے باخبر کرنا۔

(۶) فنون اور تہذیب کے لئے ایک باقاعدہ ادارہ قائم کرنا۔

(۸) **مجلسی انشورنس**۔ جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ مستقبل کا خطرہ اور ڈر ختم کیا جائے۔ اور ہر شخص اپنے آپ کو ضرورت کے وقت محتاجی سے محفوظ تصور کرے۔ اس مقصد کے لئے ایک مکمل مجلسی انشورنس سسٹم رائج کیا جائے گا تاکہ ہر ایک محنت کنندہ مرد، عورت اور بچے کو اس ریاست میں بیماری، حادثات اور اموات کی صورت میں محتاجی سے نجات ہو۔ اور اپنے عیال کی پنشن اور بڑھاپے کی پنشن کا یقین ہو۔ یہ سکیم نیشنل انشورنس کونسل کے ذریعہ منظم کی جائے گی۔ اس کونسل میں ماہرین انشورنس اور اقتصادی مشیر شامل ہوں گے۔ یہ سکیم قومی اقتصادی منصوبہ کے عملی صورت اختیار کرتے ہی زیر کار لائی جائے گی۔

متعدد حقوق نامے جو اس منصوبہ میں درج ہیں، ان میں اس سکیم کی طرف خصوصی اشارے اور حوالے درج ہیں۔

(۹) **سکہ اور مالیات**۔ بینکنگ، سکہ اور مالیات ایک باقاعدہ مرتب شدہ اقتصادیات میں باہمی اشتراک سے اپنا فرض انجام دیتے ہیں۔

(۱) جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس بینکنگ کو قومی لائنوں پر لانا، قومی بنیادوں پر سکہ سازی کو باقاعدگی دینا اور پورے ریاستی نظام کی بنیاد پر مالیات کو منظم کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ قومی اقتصادیات کو جو بینک اور مالیات کے ماہرین پر مشتمل ہو گی۔ نیشنل پلاننگ کمیشن

کے تعاون سے ایک مالیاتی منصوبہ مرتب کرے گی۔ یہ کونسل ذیل کے فرائض انجام دیگی:۔

(۱) پیداوار کا فرض انجام دینے والی تمام تنظیموں کے لئے ضروری رقوم مہیا کرنا تاکہ وہ (الف) خام مسالہ خرید سکیں۔ (ب) اور اُجرتوں سے بل ادا کر سکیں۔

(۲) قیمتوں کی سطح کو اس طرح سے ہموار کرنا کہ برداشت واپس ادا کی جاسکے۔

(۳) مجموعی اُجرتوں کا معیار مقرر کرنا۔

(۴) اشیاء کی سالانہ پیداوار اور خدمات میں تدریجی ارتقاء۔

مندرجہ صدر تمام ذرائع کو کام میں لاکر مجموعی پیداوار کے مصارف اور کُل آمدن کے درمیان ایک توازن کو اثر انداز کرنا۔ تاکہ ریاست کا کُل فائدہ یقینی بن جائے یہی آخری فوائد اور منافع وہ ہیں جو ریاست کی مجلسی خدمات اور غیر معاوضہ بخش خدمات کو چلانے کا ذریعہ ہیں۔ جن پر عوام کی بہبودی کا انحصار ہے مثلاً صحت عامہ اور تعلیمی خدمات۔

مزید برآں ریاست کی طرف سے لین دین کی ایک مشینری قائم کردی جائے گی اور عوام کی سہولت کے لئے بنک قائم کئے جائیں گے۔ بنک اور لین دین کی یہ سہولتیں قدیم مہاجنی، سُودی۔ وڈّداری کاروبار سے قطعی نجات دلائیں گی۔ جنہوں نے کارکن آبادی کا خُون چُوس لیا ہے۔ جدید انتظام کی وجہ سے سُود خواری۔ وڈّداری اور مہاجنی بیاج کو قومی اقتصادیات میں کوئی جگہ نہ دی جائے گی۔

نیشنل کانفرنس ہر قسم کا سُودی کاروبار کرنے والوں اور وڈّداروں کو مجلسی فالج زدہ گروہ میں شامل کرتی ہے۔ ان فالج زدوں کا قومی اقتصادی منصوبہ میں کوئی ٹھکانا نہیں۔

قومی قرضہ کی مشینری قومی اقتصادی کونسل کے مشورہ سے قائم کی جائے گی تاکہ ریاستی مفاد کو ترقی دی جائے۔ یہ قرضہ اہل وطن کی بچائی ہوئی پُونجی سے یا ریاست کے باہر کے ذرائع سے حاصل کیا جائے گا۔

جُوں جُوں منصُوبہ شدہ اقتصادیات کو ترقی ہوتی جائے گی، قرضہ ادا کر کے مقررہ برسوں کے اندر ختم کر دیا جائے گا۔ اور اس طرح آخر کار ریاست ایک ترقی کردہ خوشحالی کے دور میں داخل ہو جائے گی۔

عورت ذات کا حقوق نامہ

آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس عورت ذات کے لئے مجلسی زندگی میں اس کے منصفانہ اور حقیقی رتبہ

کی حمایت کا ذمہ لئے ہوئے ہے۔ کانفرنس کی رائے میں قومی تعمیر کے بوجھل اور ذمہ دارانہ فرض کو ادا کرنے میں مردوں اور عورتوں کا آپس میں تعاون ضروری ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے نیشنل کانفرنس عورت ذات کے لئے حسب ذیل حقوق کی ذمہ داری لیتی ہے۔

عورت ذات کے سیاسی حقوق

(الف) اٹھارہ سال سے زائد عمر رکھنے والی ہر عورت کے تمام انتخابات میں ووٹ دینے کا حق۔ (ب) تمام اداروں میں منتخب رُکن بننے کا حق۔ (ج) ریاست میں منتخب ادارت کے ذریعہ عورت ذات کے ساتھ تعلق رکھنے والے جو امور طے کئے جائیں، اُن میں عورتوں کے ترجمانوں سے مشورہ کا حق۔ (د) تمام ریاستی خدمات میں داخل ہونے کا حق۔

ان حقوق کے ساتھ ہی نیشنل کانفرنس عورت ذات کے لئے خصوصی محکمہ قائم کرنے کی تجویز کرتی ہے۔ یہ محکمہ عورتوں کے خاص امور کی تحقیقات کرے گا۔ اور پسماندہ قبائل کی عورتیں جو کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہیں مثلاً خانہ بدوشوں کی عورتیں، سرحدی علاقوں کی عورتیں، کشتی بان عورتیں وغیرہ۔ ان کی ترقی کے لئے یہ محکمہ خاص ذرائع اختیار کرے گا۔

عورت ذات کے اقتصادی حقوق

نیشنل کانفرنس محسوس کرتی ہے کہ اِس ریاست کی عورتوں کو اقتصادی استحصال سے بچانے کی ضرورت مردوں سے بھی زیادہ بحالت موجودہ عورت کو سستے مزدور کے طور پر اور اکثر حالات میں مردوں کے فرائض انجام دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان حالات کا خاتمہ کرنا ضروری ہے۔ نیشنل کانفرنس بوجھل محنت سے عورت ذات کی سبکدوشی اس کا جسمانی حق سمجھتی ہے۔ کانفرنس کے نزدیک عورت کا یہ خصوصی حق ہے کہ وہ مادرانہ پاکیزہ و متبرک فرائض انجام دینے میں حکومت سے امداد حاصل کرے۔ عورت کے حسب ذیل اقتصادی حقوق ذمہ دار نظام حکومت کے ذمہ ہوں گے۔

(الف) ایک جیسے کام کے لئے عورتوں کو مردوں کے برابر ایک جیسی اُجرت ملے گی۔ اُجرت کی ادائیگی میں صرف کام کی قسم، کیفیت اور خوبی پر ہی اُجرت کا مدار ہوگا۔

(ب) عورت ہر پیشہ اور تجارت جس کو وُہ انجام دینے کے قابل ہو، اپنی دلچسپی کے مطابق اختیار کر سکے گی۔

(ج) صنعتی کام کرنے والی عورتیں سوشل انشورنس سے مردوں کی طرح فائدہ اٹھائینگی۔

اور انہیں تعطیلات کے عام حق کے علاوہ حسب ذیل خصوصی حقوق حاصل ہوں گے:-
(۱) کوئی عورت رات کو چلنے والے کارخانے میں کام نہیں کرے گی۔ (۲) نامناسب بوجھل کام خصوصاً زمانۂ حمل میں عورت کو نہیں دیا جائے گا۔

(۳) تمام عورتیں چاہے وہ شہروں، دیہاتوں یا سرحدی علاقوں میں رہتی ہوں یا خانہ بدوش ہوں یا کشتیوں میں زندگی بسر کرتی ہوں، سب کو ماں کے فرائض ادا کرنے میں پوری پوری مدد اور حفاظت دی جائے گی جس میں حسب ذیل اقدامات شامل ہونگے:-
(۱) قبل از تولد علاج۔ (۲) پیدائش بچہ کے وقت گھر پر یا ہسپتال میں طبی انتظامات جس میں مشکل مریضوں کی صورت میں خصوصی انتظام کیا جائے گا۔ (۳) زچگی کے ایام میں تیمارداری کے مکمل انتظامات۔ (۴) ضلع وار نرسنگ سسٹم کی توسیع۔ (۵) بچہ دینے والی عورتوں کے لئے چھ ہفتے پیدائش بچہ سے قبل اور چھ ہفتے بعد تک با تنخواہ رخصت (۶) تمام کارخانوں اور ایسے اداروں میں جہاں سات یا اس سے زیادہ عورتیں کام کرتی ہوں، نونہال خانوں اور اطفال خانوں کا انتظام۔ (۷) دودھ پینے والے بچے کی ماں کو ہر چار گھنٹے کے بعد آدھ گھنٹے کی رخصت کا حق۔ (۸) جن عورتوں کے بچے زیادہ تعداد میں ہوں، اُن کو عیال الاؤنس دینا۔

عورت کے مجلسی حقوق | جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس گھر اور گھرانے کو بنیادی مجلسی وحدت قرار دیتی ہے اور ریاست کے ہر باشندہ اور ہر بچے کا یہ حق تسلیم کرتی ہے کہ وہ گھر اور خاندان کے فوائد سے مستفید ہو۔ یہ اصول تقاضا کرتا ہے کہ (الف) عورت کا رتبہ قانون کے ذریعہ محفوظ کر دیا جائے اور عورت پر سختی کرنے والے ہر مجرم کو عبرتناک سزا دی جائے۔ (ب) ریاست کی عورتوں کو ان لوگوں سے بچایا جائے جو عورتوں اور بچوں کی بردہ فروشی کرتے ہیں۔ (ج) ریاست میں فحش کاری کے اقتصادی اور جسمانی اسباب کی تحقیقات کی جائے اور اس قسم کی عورتوں کو از سر نو راہ راست پر لانے کے لئے تعلیم و تفہیم کے ذرائع مؤثر طور سے اختیار کئے جائیں۔ (د) پسماندہ قبیلوں اور علاقوں میں عورتوں کی مشکلات اور تکالیف کا انسداد کرنے کے ذرائع پر خصوصی غور و خوض کیا جائے۔

عورت ذات کے قانونی حقوق | جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس اس اصول پر

کاربند ہے کہ قانون کی نگاہ میں مرد اور عورت کا رُتبہ مساوی ہے۔ نیشنل کانفرنس ہر باشندۂ ریاست کا یہ حق تسلیم کرتی ہے کہ وُہ مرد ہو یا عورت، شادی کے معاملے میں اپنے مذہب کے مراسم و فرائض پر کاربند رہ کر نکاح کرے۔ چاہے وُہ مسلمان ہے، ہندو ہے، بودھ ہے، سکھ ہے یا کسی اور مذہب کا پیرو۔ صرف شرط یہ ہوگی کہ وُہ ذمہ دار نظامِ حکومت کے محکمۂ نکاح و شادی کے دفتر میں اپنی شادی لازمی طور پر رجسٹر کرائیگا۔ نیشنل کانفرنس تمام عورتوں کے فائدے کے لئے چاہتی ہے کہ (الف) ہر عورت اپنا خاوند اپنے اختیار اور مرضی سے چاہنے کا حق رکھے گی۔ (ب) جہیز کا طریقہ اور عورتیں کو بیچنے کی رسم ختم کر دی جائے گی۔ (ج) عورت کو طلاق اور خلع لینے کا حق ہوگا۔ (د) بچے کی پرورش میں عورت کے حقوق اور ذمہ داریاں مرد کی طرح ہوں گی۔ اور اگر والدین ایک دُوسرے سے الگ ہو جائیں تو ضمانت کا حق ماں کو ہی دیا جائے گا۔ (ہ) عورت کو جائیداد کا مالک بننے اور وارث بننے کا پُورا حق ہوگا اور شادی اس حق پر اثر انداز نہ ہوگی۔ (و) جب کبھی عورتوں یا بچوں پر اثر انداز ہونے والا مقدمہ فیصل کیا جائیگا ہو تو اس میں عورت کو بطور جج بٹھانا لازمی ہوگا۔ (ز) جیل میں عورت قیدی کے ساتھ انسانی اور شریفانہ سلوک روا رکھتے وقت اس کے جسمانی اور صنفی کیفیت کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔

عورت کے تعلیمی حقوق اِس امر کو محسوس کرتے ہوئے کہ عورتوں کی وسیع ترقی کے لئے تعلیمی سہولتیں لازمی اور ضروری ہیں۔ جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس عورتوں کی تعلیم کے لئے خصوصی سکیم کی ذمہ داری لیتی ہے جو حسب ذیل اصول پر مبنی ہوگی:۔

(الف) ہر عورت کو لازمی اور مُفت تعلیم۔ خانہ بدوش عورتوں کے لئے سفری سکول۔ اِن کے علاوہ جو عورتیں عام سکولوں میں نہ آ سکتی ہوں، اُن کے لئے ہر درجے پر خاص سکول۔ (ب) تعلیمی حقوق اور سہولتیں چاہے تعلیم صنعتی ہو یا کتابی۔ عورتوں کے لئے مردوں کی طرح ہوں گے۔ اور عورتوں کو خاص وظائف دے کر ہر تعلیمی درجے میں اُن کی ہمت افزائی کی جائے گی۔ (ج) عورتوں کی کتابی، صنعتی اور خانگی تعلیم کے لئے الگ کالج قائم کئے جائیں گے اور اس کے علاوہ عورتوں کو یہ بھی حق ہوگا کہ وُہ مردوں کے کالج میں چاہیں تو شامل ہو سکیں

سکیں۔ (د) تعلیمی نصاب مرتب کرتے میں عورتوں کی شمولیت کو خصوصی طور سے مدنظر رکھنا۔ (ہ) عورتوں میں بالغوں کی تعلیم پھیلانے کے لئے سکیم مرتب کرنا۔ اس سکیم میں پڑھنا لکھنا اور حساب ہی شامل نہیں ہوگا بلکہ صحت و صفائی اور بچوں کی پرورش کے ابتدائی اصول بھی شامل ہوں گے۔

عورت ذات کے تہذیبی حقوق

جموں و کشمیر کی آئندہ آزاد جمہوری ریاست میں نیشنل کانفرنس اُس وقت کی منتظر ہے جب عورتیں فنون سائنس اور قوم کی تہذیبی زندگی میں ترقی کے لئے سرگرمی سے قابل عزت حصہ لیں گی۔ نیشنل کانفرنس اس سلسلے میں حسب ذیل ذمہ داری لیتی ہے :۔

(الف) ہر قسم کی فن کار اور صاحب علم عورتوں کی ہمت افزائی۔ (ب) ریاست کی تہذیبی خدمات میں عورتوں کی شمولیت۔ (ج) مادری زبانوں کی ہمت افزائی۔ (د) گاؤں اور دُور افتادہ علاقوں کی تہذیبی ترقی کے لئے خصوصی ذرائع اختیار کرنا۔

نیشنل کانفرنس کے زیر اثر جماعتیں

شری پرتھوی ناتھ کول مصنف "تصویر کشمیر" نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "نیشنل کانفرنس کا واحد رہنما شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ، واحد نصب العین "نیا کشمیر"۔ واحد جھنڈا سرخ اور ہل والا (انقلابی اور کسانوں کا ترجمان) ہے۔ اس میں سب فرقے کے لوگ شامل ہیں اور اس کے زیر اثر ریاست کی دیگر انجمنیں سٹوڈنٹس فیڈریشن۔ سِلک فیکٹری ورکرس یونین۔ کرن سنگھ وُولن ملز لیبر یونین۔ باربرس یونین۔ موٹر ڈرائیورس ایسوسی ایشن۔ ہاؤس بوٹ اونرس ایسوسی ایشن۔ مل اونرس ایسوسی ایشن۔ انجمن ٹانگہ بانان۔ انجمن ہانجی اور دیگر جماعتیں ہیں۔ اس طرح یہ ایک مکمل قوم پرست تنظیم ہے کشمیری پنڈتوں کی جماعت یووک سبھا بھی نیشنل کانفرنس کے عوامی مطالبات کی حامی رہی ہے"۔

وادی کشمیر میں نیشنل کانفرنس کی شاخوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ وادی کشمیر میں نیشنل کانفرنس سب سے بڑی واحد نمائندہ جماعت تھی۔ جموں پرانت میں سوائے ضلع میرپور کے نیشنل کانفرنس کسی بھی مقام پر اتنی مقبول نہ تھی جتنی کہ کشمیر میں۔ قصبہ میرپور میں اس جماعت کے نام پر راجہ محمد اکبر خان، کامریڈ ترلوک چند، سرشن دیو سیٹھی اور

ماسٹر روشن لال کے علاوہ اور بھی چند ایک مُسلم دوست تھے۔ یہی حال نیشنل کانفرنس کا قصبہ پونچھ میں تھا۔ راجوری، کوٹلی اور بھمبر کے مُسلم علاقوں میں مُسلم کانفرنس کا زور تھا۔ اور ہندوؤں میں ہندو راجیہ سبھا ہر دلعزیز تھی۔ اضلاع جموں کٹھوعہ، اُودھم پور اور ریاسی میں بھی کانفرنس کی کوئی خاص مقبولیت نہیں تھی۔ جموں شہر میں ہندو راجیہ سبھا اور مسلم کانفرنس کا زور تھا۔ اور نیشنل کانفرنس چند اِنے گنے اصحاب پر مشتمل تھی۔ شری بلرام بھسین، شری ترلوچن دت، پنڈت گردھاری لال ڈوگرہ، سید نذیر سمنانی اور کامریڈ محمد اشفیع کا ایک مختصر گروپ نیشنل کانفرنس اور اس کے رہنما شیخ محمد عبداللہ کے حق میں وقتاً فوقتاً ریزولیوشن پاس کر دیتا تھا۔ کبھی کبھار جلسہ بھی بُلا لیا جاتا تھا۔ اور جب کبھی شیخ محمد عبداللہ اور مولانا محمد سعید مسعودی جموں میں آتے تو پریس کانفرنس کے ذریعہ نیشنل کانفرنس لیڈر کے خیالات اور بیانات مُلک کے بڑے بڑے اُردو، ہندی اور انگریزی اخبارات میں شائع ہوتے۔

مسٹر محمد علی جناح کی آمد

جُون ۱۹۴۴ء میں پریذیڈنٹ آل انڈیا مُسلم لیگ مسٹر محمد علی جناح کی بغرض سیر و سیاحت سرینگر میں آمد ہوئی۔ نیشنل کانفرنس نے شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں قاضی گنڈ سے لے کر سرینگر تک مسٹر جناح کا شاہانہ استقبال کیا۔ جناح صاحب نے وادیٔ کشمیر میں اپنی آمد کا مقصد جموں میں اِس طرح بیان کیا کہ "میں کشمیر آرام کرنے کی غرض سے جا رہا ہُوں اور مجھے وہاں کی سیاست میں حصہ لینے کا کوئی خیال نہیں۔"

چنانچہ نیشنل کانفرنس اور مُسلم کانفرنس ہر دو جماعتوں نے جناح صاحب کا الگ الگ خیر مقدم کیا اور شیخ عبداللہ نے استقبال کرتے ہوئے بیان دیا کہ:-

"باوجود اصولی اختلافات کے جو آپ کے ہمارے ساتھ ہیں، ہم کشمیری آپ کا ایک ممتاز ہندوستانی کی حیثیت میں سواگت کرتے ہیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ ہندوستان کے رہنماؤں کے ساتھ مل کر کوئی حل نکالنے کی کوشش کریں گے جو ہندوستان کے کروڑوں باشندوں کو سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی غلامی سے نجات دلائے۔"

جناح صاحب جو "آرام" کرنے کی غرض سے کشمیر آئے تھے، نے کشمیر پہنچنے کے

دوسرے دن ہی سیاست میں دخل دینا شروع کر دیا۔ اور مسلم کانفرنس کے اہتمام میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"مسلمانوں کا ایک خدا۔ ایک کلمہ اور ایک پلیٹ فارم ہے۔ اس لئے میں کشمیر کے مسلمانوں سے درخواست کروں گا کہ وہ مسلم کانفرنس میں شامل ہو کر اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کریں۔"

اس کے جواب میں شیخ عبداللہ نے ایک عام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

"۱۳ سال کے تجربہ کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس ملک کی برائیوں کا انسداد ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کے متحدہ محاذ سے ہو سکتا ہے"

چنانچہ مسٹر جناح اور شیخ عبداللہ میں سیاسی اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی گئی۔ اور شیخ عبداللہ نے مسٹر جناح کو وارننگ دے دی کہ وہ اپنا رویہ درست رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے جذبۂ ناراضگی کی وجہ سے ان کا کشمیر سے سکرو ماندانہ نکلنا مشکل ہو جائے لیکن جناح صاحب نے اس پر چنداں توجہ نہ دی۔ اور اپنی غیر ذمہ دارانہ اور مسلم کانفرنس نوازی پالیسی کو تقریروں میں جاری رکھا۔ اس پر کشمیری مسلمانوں کی اکثریت نے جناح کے قیام کو سرینگر میں مشکل بنا دیا۔ اور جناح کو سرینگر سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا۔ سرینگر سے چل کر وہ بارہ مولہ پہنچے تو وہاں کشمیریوں نے اُن کا سرد گولوں سے خیر مقدم کیا اور انہیں جلسہ سے بھاگتے بنی۔ اور پولیس نے اپنی حفاظت میں مسٹر جناح کو ریاستی سرحد سے کوہالہ کے پار کر دیا۔

قومی رہنماؤں کی سرینگر میں آمد

۳ اگست ۱۹۴۵ء کو نیشنل کانفرنس کا چھٹا سالانہ اجلاس سوپور میں منعقد ہوا۔ جس میں شیخ عبداللہ کی دعوت پر پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد کانگرس پریذیڈنٹ، سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان اور میاں افتخار الدین پریذیڈنٹ پنجاب کانگرس نے سوپور کے تاریخی اجلاس میں شرکت کی۔ ان ممتاز لیڈروں کا یکم اگست کو سرینگر میں ایک شاندار دریائی جلوس نکالا گیا جس کے متعلق ایک ممتاز ہندوستانی جرنلسٹ کی ڈائری میں لکھا ہے کہ کانگرس کے لیڈروں کا شاہانہ جلوس شام کے چھ بجے چھتہ بل سے روانہ ہوا۔ جلوس میں ہزاروں عقیدت مند زندہ باد کے مختلف

نعرے لگا رہے تھے۔ یہ دریائی جلوس تین میل لمبا تھا اور تقریباً ۸۰۰ کشتیاں سطحِ آب پر تیر رہی تھیں۔ معزز قومی رہنماؤں کے علاوہ جلوس میں خواتین بھی تھیں۔ جن میں شریمتی اندرا گاندھی، مس مردولا سارا بھائی، بیگم میاں افتخار الدین اور مسز بیدی قابلِ ذکر تھیں۔ دریا کے کنارے جن لوگوں نے عقیدت کے پھول نچھاور کیے، ان کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر ہوگی جلوس لال منڈی پہنچا تو نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے قومی رہنماؤں کا استقبال کیا۔ اور اس کے بعد رات کے ساڑھے نو بجے حضوری باغ میں جلسہ عام ہوا جہاں کہ ۹۰ ہزار نفوس نے شرکت کی۔

ناخوشگوار واقعہ

قومی رہنماؤں کا جلوس جب عالی کدل پہنچا تو مسلم کانفرنسیوں نے جلوس پر سنگ باری اور مخالفانہ مظاہرہ کیا جس سے نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس میں فساد ہوگیا۔ اس فساد میں ایک نیشنل کانفرنسی ہلاک ہوگیا۔ حکومت نے اس ناخوشگوار واقعہ کے متعلق ایک پریس نوٹ جاری کیا کہ:۔

"مولانا ابوالکلام آزاد۔ خان عبد الغفار خان اور پنڈت جواہر لال نہرو کے اعزاز میں نیشنل کانفرنسیوں نے ایک جلوس نکالا۔ تو شہر کے ایک حصہ میں مسلم کانفرنسی رضاکاروں نے جلوس پر اور نیشنل کانفرنس کے حامیوں پر پتھر برسائے۔ جس کے نتیجے کے طور پر دونوں پارٹیوں کے بہت سے آدمی زخمی ہوئے۔ اور نیشنل کانفرنس پارٹی کا ایک آدمی بعد میں ہسپتال میں مر گیا۔ پولیس نے مداخلت کی۔ اگرچہ مجسٹریٹ اور کئی پولیس مین زخمی ہوئے تاہم حالات پر قابو پا لیا گیا۔ اور جلوس کسی مزید ناخوشگوار واقعہ کے بغیر اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ اس سلسلہ میں پچاس اشخاص گرفتار کر لیے گئے ہیں۔"

سالانہ اجلاس

سوپور میں سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں ریاست اور بالخصوص وادیٔ کشمیر سے ہزاروں مندوبین نے شرکت کی۔ اس اجلاس کا افتتاح خان عبد الغفار خان نے کیا اور رسم افتتاح انجام دیتے ہوئے کہا "ہمارے ساتھ یکم اگست کو وہی کچھ ہوا جو پیغمبروں اور مجاہدوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔ جلوس کے روز مجھ پر پتھر مارے گئے۔ اس سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن ریاست کشمیر اور کشمیر کے رہنے والوں کی بدنامی ہوئی۔ مجھے مظاہرہ کرتے والوں کی حرکت پر ہنسی آ رہی تھی اور میں خوش ہو رہا تھا کہ کشمیریوں میں پتھر مارنے کی جرأت تو پیدا ہوگئی ہے۔"

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے بیان میں سرینگر کے مسلم کانفرنسیوں کے غنڈہ پن کی مذمت کرتے ہوئے پولیس کے متعلق کہا کہ "اس نے اپنے فرائض کی سرانجام دہی سے غفلت کی یکم اگست کے دریائی جلوس کے دوران ایک لاکھ سے زیادہ کشمیریوں نے اپنے پیارے مہمانوں کا شاندار سواگت کیا۔ لیکن چند اشخاص ان کے خلاف مظاہرہ پر تل گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں ایسے وقت میں جبکہ لاکھوں اشخاص استقبال کر رہے ہوں، مخالفانہ مظاہروں کی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن جو بات مجھے ناگوار گزری، وہ مخالفانہ مظاہرہ کرنے والوں کا بے ہودہ برتاؤ تھا۔ سیاست میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ عوام اس قسم کی بیہودگی سے متاثر نہ ہوں گے۔"

سوپور میں نیشنل کانفرنس کے کھلے اجلاس میں مسلم کانفرنسیوں کے مخالفانہ مظاہروں کی مذمت کا ریزولیوشن پیش ہوا تو اس ریزولیوشن پر تقریر کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے کہا کہ "اس فساد کی ذمہ داری حکومت اور مسلم کانفرنس کے شرارت پسندوں پر ہے۔ اگر مسٹر جناح یہ سمجھتے ہیں کہ سیاسی اختلافات رکھنے والوں کے ساتھ ایسا ناروا سلوک روا رکھ کر وہ ترقی کر سکتے ہیں تو مسٹر جناح وہم و خیال کی دنیا میں بس رہے ہیں۔ پنجاب کے مسلم لیگی لیڈروں اور مسلم پریس کا رویہ شرمناک اور غیر اسلامی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ حکومت نے مطلع ہونے کے باوجود بروقت کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے اس فساد کو روکا جا سکتا۔ تدبر، قربانی اور علمی فضیلت کے اعتبار سے مسٹر جناح مولانا آزاد کے سامنے ایک ذرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ مسلم کانفرنسیوں کی ان مذبوحی حرکات کا پورا جواب دیا جائے گا۔ جوابی کارروائی کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہم بھول جانے اور نظر انداز کر دینے کے قائل نہیں بلکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ جو مسلم لیگی منافرت کا بیج بونے کے لئے سرینگر میں آئے دن آدھمکتے ہیں اب انہیں اس امر کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ فرقہ وارانہ زہر پھیلا کر کشمیر کے امن میں آگ لگا سکیں"۔

چنانچہ سوپور کے تاریخی اجلاس میں شیخ محمد عبداللہ نے "نیا کشمیر" کے پروگرام کو نیشنل کانفرنس کا نصب العین قرار دیتے ہوئے کہا کہ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس اپنی چھ سالہ سنجیدہ مساعی کی بدولت "نیا کشمیر" کی مشعل ہاتھ میں لے کر چالیس لاکھ باشندگان ریاست کی بروقت رہنمائی کا فرض انجام دے رہی ہے۔ اور انہیں نظام نو و تعمیر جدید کا اولین حصہ دار

بنانے کی جد و جہد میں مصروف ہے۔ جابر طاقتوں کے خلاف عوام کی صحیح رہنمائی یقیناً نیشنل کانفرنس کی فتوحات میں شمار کی جا سکتی ہے۔ دُنیا میں سب سے بڑی فتح وہی ہے جو وقت اور تاریخ پر حاصل کی جائے۔ اور نیشنل کانفرنس کے "نیا کشمیر" پر غور کرنے والا ہر شخص اس امر کو تسلیم کرے گا کہ نیشنل کانفرنس وقت اور تاریخ کو فتح کرنے کی اہلیت کا ثبوت دے رہی ہے۔ کشمیر کے لئے "نیا کشمیر" کا آئین اور منصوبہ وقت کی ضرورت ہے۔ ہمارا نصب العین "نیا کشمیر" ہے اور اس کی کامیابی اٹل ہے۔"

ہندوستانی ریاستوں کا مستقبل

۱۶ اگست کو پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی سٹینڈنگ کمیٹی کا ایک اجلاس نیشنل کانفرنس کے ہیڈ کوارٹر مجاہد منزل سرینگر میں ہوا۔ جس میں تمام ریاستوں کے حالات پر غور کیا گیا۔ اور ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ "عوام کی مجموعی بہبودی اور ترقی ہی آخری امتحان کے تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے۔ اگر والیانِ ریاست اور عوام کی بہبودی میں ٹکر ہو جائے تو عوام کی بہبودی کو پہلا درجہ ملنا چاہیئے۔"

سٹینڈنگ کمیٹی نے نظام حیدر آباد کے بیان پر غور و خوض کیا جو جولائی ۱۹۴۴ء میں دیا گیا تھا کہ "ذمہ دار نظام حکومت نمائندہ حکومت سے مختلف ہے۔ اور یہ اُن ہندوستانی ریاستوں پر ہی قائم نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے تاریخی معاہدوں کے ذریعہ برطانوی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کئے ہیں یا جو پیرامونٹ پاور کے زیر سایہ ہوں اور جو اپنے مخصوص حالات، درجہ، پوزیشن یا مسلمہ مرتبہ اور عزت کی وجہ سے نہ صرف دوسروں سے مختلف ہیں بلکہ اپنی ایک مخصوص اصلیت اور بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔" سٹینڈنگ کمیٹی نے نظام حیدر آباد کے اس بیان پر کہ ریاستوں میں ذمہ دار نظام حکومت قائم نہیں ہو سکتا، کو غلط اور بے معنی قرار دیا۔ علاوہ ازیں کمیٹی نے تنظیمی مسائل پر غور کیا۔

اور اس کے چار ماہ بعد شیخ محمد عبداللہ نے آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے اجلاس دسمبر ۱۹۴۵ء اودے پور میں ایک نمائش کی رسمِ افتتاح کرتے ہوئے کہ "نہ تو برطانیہ کے وزیر ہند، نہ وائسرائے اور نہ ہی انڈین نیشنل کانگرس کے لیڈر ریاستی عوام کو آزادی دے سکتے ہیں۔ ہمیں آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو راجوں اور نوابوں کے خلاف منظم کرنا ہے۔"

ریاستہائے ہند کے عوام کا رہنما

تو ہندوستان بھر کی ریاستوں کے عوام نے تسلیم کر لیا کہ شیخ محمد عبداللہ کا نظریہ دس کروڑ ریاستی عوام کا نظریہ ہے۔ اور آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس میں شیخ عبداللہ ایک ممتاز رہنما شمار ہونے لگا۔ شیخ کا نظریہ ہندوستان کی ریاستوں میں راجوں اور نوابوں کی مطلق العنانیت کو ختم کرنا تھا۔ اور پاکستان کے نعرہ کے متعلق اپنے ایک بیان میں شیخ عبداللہ نے اودے پور میں کہا کہ "پاکستان یا اسی قسم کے دوسرے نعرے آزادی سے ہزاروں میل دور ہیں۔ آزادی کے لئے لوگوں کی ناقابل تسخیر تڑپ ایسے نعرے دینے سے دبائی نہیں جا سکتی۔ اور وہ دیسی ریاستوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی آزادی حاصل کر کے ہی رہیں گے۔ پاکستان کی بنیاد مختلف فرقوں کے باہمی شکوک پر منحصر ہے۔ اقتصادی، معاشی اور مذہبی طور سے بھی پاکستان ایک کھوکھلا ہو کر رہیگا۔ پاکستان ایک مصیبت ہوگی۔"

نیشنل کانفرنس نمائندہ کی حکومت سے واپسی

۱۵، ۱۶، مارچ ۱۹۴۶ء کو آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس جموں میں زیر صدارت شیخ محمد عبداللہ ہوا جس میں ورکنگ کمیٹی کے ممبران اور نیشنل کانفرنس اسمبلی پارٹی کے ممبران نے بھی شرکت کی جہاں کہ متفقہ فیصلہ ورکنگ کمیٹی نے دیا کہ نیشنل کانفرنس اسمبلی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر مرزا محمد افضل بیگ جو پچھلے ڈیڑھ سال سے پاپولر منسٹر کے طور مہاراجہ بہادر کی حکومت میں پبلک ورکس اور دوسرے شعبہ جات سنبھالے تھے، وزارت سے مستعفی ہو جائیں۔ چنانچہ ورکنگ کمیٹی کی اس ہدایت پر مرزا بیگ حکومت سے واپس آ گئے۔ اور جب ۱۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو جموں و کشمیر اسمبلی (پرجا سبھا) کا بجٹ اجلاس شروع ہوا تو مرزا محمد افضل بیگ لنچ کے بعد اسمبلی میں آ کر اپوزیشن بنچوں پر بیٹھ گئے۔ ممبران نیشنل کانفرنس گروپ نے پُر زور تالیوں سے اپنے ڈپٹی لیڈر کا سواگت کیا۔ اور میاں احمد یار لیڈر نیشنل کانفرنس اسمبلی گروپ نے مرزا بیگ کو پھولوں کا ہار پہنایا۔ مرزا بیگ کے پاپولر منسٹری سے دستبردار ہونے کی کئی ایک وجوہات تھیں۔ لیکن سب سے بڑی وجہ مرزا بیگ کے منہ سے یہ سُنی گئی کہ آپ کو آزادیٔ رائے کا حق گورنمنٹ سے وابستہ رہ کر نہ تھا جس رائے کی آزادی کے

حصول کے لئے مرزا بیگ اور نیشنل کانفرنس برسوں سے میدانِ عمل میں آئی تھی۔ حکومت سے آپ کے مستعفی ہونے اور اپوزیشن میں آنے سے ساری ریاست بلکہ ہندوستان کے کانگرسی حلقوں میں آپ کی قربانی اور آزادی کے جذبہ کو لائقِ تحسین قرار دیا گیا کہ مرزا بیگ نے وزارت کو تیاگ کر پارٹی ڈسپلن کے تحت ایک مثال قائم کر دی ہے۔

مرزا محمد افضل بیگ کی بجائے میاں احمد یار

مہاراجہ بہادر کی حکومت جس کا وزیر اعظم پنڈت رام چندر کاک تھا، میں ایک منسٹر کی جگہ خالی ہو گئی تھی۔ اسے پُر کرنے کے لئے ضروری تھا کہ پرجا سبھا (اسمبلی) سے کسی غیر سرکاری مسلم نمائندہ کو لیا جاتا۔ چنانچہ ایسے ممبر کی جستجو ہونے لگی۔ آخر وزیر اعظم یعنی لیڈر آف دی ہاؤس کی نگاہ نیشنل کانفرنس اسمبلی پارٹی کے لیڈر میاں احمد یار پر آ ٹکی۔ اور چند ہی دنوں میں مہاراجہ بہادر کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے کہ مرزا افضل بیگ نے منسٹری میں جو جگہ خالی کر دی ہے، اسے میاں احمد یار نیشنل کانفرنس اسمبلی پارٹی کے لیڈر میاں احمد یار خان کی تقرری سے پُر کیا جاتا ہے۔ میاں احمد یار خان کی منسٹری میں شمولیت نے ایک زبردست دھماکہ کا کام کیا۔ نیشنل کانفرنس ایوان لرز اٹھے۔ انڈین نیشنل کانگرس اور آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی ہائی کمانڈز اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے سنجیدہ عوام حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہو گیا۔ ریاست کی واحد سیاسی نمائندہ جماعت ہونے کا دعوےٰ کرنے والی نیشنل کانفرنس نے ایک طرف اپنے ڈپٹی لیڈر کو حکومت سے واپس بلا لیا تو اس کا اسمبلی پارٹی لیڈر میاں احمد یار خان حکومت کا منسٹر بن گیا۔ جس نے وزارت قبول کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ وزارت میں شامل ہو کر عوام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکتا ہے۔

نیشنل کانفرنس کے حلقوں میں ہیجان بپا ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ میاں احمد یار کو پارٹی سے نکال باہر کرنے کا ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ اور نیشنل کانفرنس کے قائم مقام صدر بخشی غلام محمد نے ایک بیان جاری کرتے ہوئے اعلان کیا کہ میاں احمد یار مذمت کا مستحق ہے۔ اس نے پبلک لائف کے سنہری اصولوں پر بدنما دھبہ لگایا ہے اور اس نے اپنی ذاتی اغراض کے لئے ان لوگوں کے خلاف اپنے آپ کو بطور اوزار استعمال ہونے دیا ہے جنہوں نے اسے اس رتبہ پہ پہنچایا ہے۔ سیاسی زندگی

Scanned with CamScanner

بہت بلند اور متبرک چیز ہے۔ اس کا دارومدار بے شمار شہیدوں کے مقدس خون پر ہے۔ ملک کے لاکھوں افلاس زدہ انسان یلغار کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کوئی غدار، کوئی آمر اور کوئی احمدیار اُن کے اِس سیلاب کو روک نہیں سکتا۔ لوگوں کے لئے یہ اچھا ہے کہ احمدیار مرگیا ہے۔ جہاں تک احمدیار کی ذات کا تعلق ہے، وُہ لوگوں کے لئے بے کار ہے۔ وُہ اب دُشمن کے کیمپ میں کھڑا ہے نیشنل کانفرنس اس بات کا اعلان کر دینا چاہتی ہے کہ اُسے نیشنل کانفرنس سے نکال دیا گیا ہے"۔

اُس کے چند ایک روز بعد سرینگر کی گلیوں اور بازاروں میں کُتوں کا ایک جلوس نیشنل کانفرنس کے اہتمام میں نکلا۔ جب کہ ہر کُتے کے گلے میں ایک پٹہ حمائل کیا گیا تھا جس پر احمدیار کا نام نمایاں طور پر لکھا تھا۔ اور اِس طرح میاں احمدیار جو برسوں اسمبلی پارٹی نیشنل کانفرنس کا لیڈر رہا، کی غداری اور ڈسپلن شکنی کی زبردست مذمت کی گئی۔

وزارتی مشن کی آمد

اپریل ۱۹۴۶ء کے آغاز میں برطانیہ سے وزارتی مشن ہندوستان میں آزادی اور آئین کا مسودہ لے کر آیا۔ یہ مشن لارڈ پیتھک لارنس سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا۔ مسٹر اے۔ وی۔ الیگزینڈر پر مشتمل تھا اور اِس مشن کے ہمراہ بہت سا سٹاف بھی تھا۔ وزارتی مشن نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے لیڈروں مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد کانگریس پریذیڈنٹ اور مسٹر محمد علی جناح سے فرداً فرداً ملاقات کی اور ہندوستان میں پھیلی ہوئی چھ صد سے اُوپر ریاستوں کے حالات کو بھی پیشِ نظر رکھا اور والیانِ ریاست ہائے ہند کی طرف سے وزارتی مشن سے گفت و شنید کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ اس کمیٹی میں ریاست جموں و کشمیر کے وزیر اعظم رائے بہادر پنڈت رام چندر کاک کو بھی ممبر نامزد کیا گیا۔ اِس کمیٹی کو ریاستوں کے والیان کی طرف سے اختیار دیا گیا کہ وُہ آئین ساز اسمبلی میں ریاستوں کی نمائندگی کے سلسلہ میں بات چیت کرے۔

وزارتی مشن اور ریاستیں

وزارتی وفد اور ہز ایکسلینسی وائسرائے کے بیان مجریہ ۱۷ رمئی کے پیراگراف ۱۴ کی یہ تشریح و تفصیل ہے:۔

(۱) دارالعوام میں وزیر اعظم برطانیہ کی طرف سے والیانِ ریاست کو پہلے یہ یقین دلایا گیا تھا کہ تاج کا کوئی ایسا ارادہ نہیں کہ تاج کے ساتھ والیانِ ریاست کے تعلقات

یا اُن کی مرضی کے بغیر اُن کے حقوق میں کوئی ردّ و بدل کیا جائے جن کی ضمانت اُن معاہدوں اور وعدوں میں دی گئی ہے جو اُن کے ساتھ کئے گئے ہیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا تھا کہ اِن مذاکرات کے باعث جو تبدیلیاں پیدا ہوں گی، اُن کے بارے میں والیانِ ریاست کی رضامندی معقول طور پر حاصل کی جائے گی۔ اِس وقت سے ایوانِ والیانِ ریاست نے اِس امر کی تصدیق کر دی ہے کہ ہندوستانی ریاستیں ملک کی اِس عام خواہش میں پوری طرح شریک ہیں کہ ہندوستان فوراً اپنا درجہ حاصل کر لے۔ حکومت برطانیہ نے اب اعلان کیا ہے کہ برطانوی ہند کی آنے والی حکومت یا حکومتیں اگر آزادی کی خواہش مند ہیں تو اُن کے راستہ میں کوئی رُکاوٹ پیدا نہ کی جائے گی۔ اِن اعلانات کا اثر یہ ہوا ہے کہ ہندوستان کے مستقبل سے تعلق رکھنے والے تمام اشخاص اِس بات کے خواہش مند ہیں کہ ہندوستان برطانوی دولت مشترکہ کے اندر یا اِس سے باہر رہ کر آزادی کا درجہ حاصل کر لے۔ جو مُشکلات ہندوستان کی اِس خواہش کے پُورا ہونے میں درپیش ہیں، وفد اِس مُلک میں اِن مشکلوں کو دُور کرنے کے لئے آیا ہے۔

(۲) کسی نئے آئینی نظام کے عمل میں آنے سے پہلے جس عارضی دَور کا گزرنا لازمی امر ہے اور جس کے تحت ہندوستان کو آزادی یا مکمل حکومت خود اختیاری حاصل ہو گی۔ اِس میں اقتدار اعلےٰ بدستور قائم رہے گا لیکن حکومت برطانیہ اقتدار اعلےٰ کسی حالت میں بھی ہندوستان کی حکومت کو منتقل نہیں کر سکتی اور نہ کرے گی۔

(۳) اِس اثنار میں ہندوستانی ریاستیں اِس قابل ہوں گی کہ ہندوستان کے نئے آئین کی ترتیب میں اہم حصہ لیں اور ہندوستانی ریاستوں نے ملک معظم کی حکومت کو اِس امر سے مطلع کیا ہے کہ اُن کے اپنے نیز ہندوستان کے مجموعی مفاد کے پیش نظر اُن کی یہ خواہش ہے کہ آئینی نظام کی تیاری میں امداد دیں۔ اور اِس کے مکمل ہونے پر اِس میں اپنے لئے مناسب جگہ حاصل کریں۔ اِس کام کو آسانی کے ساتھ تکمیل تک پہنچانے کے لئے وُہ اِس بات کی ہر ممکن کوشش کریں گی کہ اُن کا نظم و نسق اعلےٰ معیار کے مطابق ہو۔ اور اِس طرح وُہ بلاشُبہ اپنی پوزیشن کو مضبوط بنالیں جہاں ریاست کے موجودہ وسائل سے موزوں و مناسب معیار نہیں حاصل ہو سکتے، وہاں وُہ بلاشُبہ مناسب صورتوں میں اتنی بڑی اِنتظامی یُونٹیں بناتے یا اُن میں شامل ہونے کا انتظام کریں گی جو اُن کو آئینی نظام میں شامل ہوتے

سکے قابل بنا دے۔ اگر مختلف حکومتیں جنہوں نے اب تک ایسا نہیں کیا ہے، اپنی ریاستوں میں نمائندہ اداروں کے ذریعہ رائے عامہ کے ساتھ مسلسل اور قریبی تعلق رکھنے کے عملی اقدامات کریں گی تو اِس سے اِس آئین سازی کے زمانہ میں ریاستوں کی حیثیت بھی مضبوط ہو جائے گی۔

(۴) عبوری دَور میں ریاستوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وُہ مشترکہ نوعیت کے امور کی آئندہ ترتیب کے سلسلے میں بالخصوص معاشی اور مالی میدان میں برطانوی ہند کے ساتھ گفت و شنید کریں۔ ہندوستان کے جدید آئینی نظام میں ریاستیں شامل ہونے کی خواہش کریں یا نہ کریں، یہ گفت و شنید جو از بس کہ لازمی ہوگی، کافی وقت لے گی۔ مزید برآں چونکہ اِس گفت و شنید کے بعض پہلو ہو سکتا ہے کہ نئے آئین کے معرض وجود میں آنے تک نامکمل رہ جائیں۔ اِس لئے انتظامی مشکلات کے سدِّباب کے طور پر یہ ضروری ہوگا کہ ریاستوں اور آئندہ حکومت یا حکومتوں کے ارباب اختیار کے درمیان ایک سمجھوتہ ہو جائے، تا کہ نئی حکومتوں کے تکمیل پانے تک اِس درمیانی عرصہ میں مشترکہ اُمور کے متعلق انتظامات جاری رہ سکیں۔ اِس باب میں اگر ایسا چاہا گیا تو حکومت برطانیہ اور نمائندہ تاج حتے المقدور مدد دینے کو تیار رہیں گے۔

(۵) جب برطانوی ہندوستان میں مکمل حکومت خود اختیاری رکھنے والی یا آزاد حکومت یا حکومتیں قائم ہو جائیں گی، اُس وقت اِن حکومتوں پر ملک معظم کی حکومت کا ایسا اثر و اقتدار نہیں ہوگا جس کی وجہ سے وُہ اُن ذمہ داریوں کو پورا کر سکے جو بحیثیت اقتدار اعلےٰ کے اُس پر عاید ہوتی ہیں۔ اِس کے علاوہ وُہ یہ نہیں خیال کرتی کہ اِس مقصد کے لئے ہندوستان میں برطانوی فوج رکھی جانی چاہئے۔ اِس کے منطقی نتیجہ کے لحاظ سے اور ہندوستانی ریاستوں کی طرف سے ملک معظم کی حکومت سے جو خواہشات ظاہر کی گئی ہیں اُن کے پیش نظر ملک معظم کی حکومت "اقتدار اعلےٰ" کے اختیارات سے کام لینا ترک کر دے گی۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ریاستوں کے وُہ حقوق باقی نہیں رہیں گے جو تاج کے ساتھ اُن کے تعلقات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ریاستوں نے جو حقوق "اقتدار اعلےٰ" کو دئیے تھے ریاستوں کو واپس مل جائیں گے۔ اِس طرح وُہ سیاسی انتظامات ختم ہو جائیں گے جو ریاستوں اور برطانوی تاج اور برطانوی ہند کے درمیان قائم ہیں۔ اِس کی جگہ ریاستوں کو نیا انتظام کرنا پڑیگا

ہے کہ وہ برطانوی ہند کی آنے والی حکومت یا حکومتوں کے ساتھ وفاقی تعلق قائم کریں یا اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو اس حکومت یا حکومتوں کے ساتھ مخصوص سیاسی انتظام کر لیں۔

وزارتی مشن کا اعلان

وزارتی مشن نے ہندوستان کے نئے آئین پر تاریخی اعلان کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ نے وزارتی مشن پر زور دیا تھا کہ ہندوستان میں پاکستان بنا دیا جائے۔ سکھ اصحاب کی طرف سے سکھ سٹیٹ کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ لیکن وزارتی مشن نے ساری صورت حالات پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ پاکستان یا سکھ سٹیٹ ہندوستان میں اقلیتوں کے مسئلہ کا کوئی موزوں حل نہیں۔ وزارتی مشن نے صوبجات کو مکمل خود اختیاری دینے کی سفارش کی اور مسٹر جناح کے تھیوری کے پاکستان کو نامنظور کر دیا گیا۔

مسلم لیگ کی تجویز کے مطابق پاکستان کی مکمل خود مختار ریاست کے قیام سے فرقہ وارانہ اقلیت کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ تم ہی ہمیں یہ نا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے خود مختار پاکستان میں پنجاب۔ بنگال اور آسام کے وہ اضلاع شامل کئے جائیں جن کی آبادی زیادہ تر غیر مسلم ہے۔ ہمارے خیال میں ہر وہ دلیل جو پاکستان کے حق میں پیش کی جا سکتی ہے وہ غیر مسلم علاقوں کے حق میں بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ یہ معاملہ خاص طور پر سکھوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لئے ہم نے اس بات پر غور کیا کہ آیا نسبتاً چھوٹا خود مختار پاکستان جس میں صرف مسلم اکثریت کے علاقے شامل ہوں کسی سمجھوتہ کی بنیاد بن سکتا ہے۔ لیگ کے خیال میں اس قسم کا پاکستان قطعی ناقابل عمل ہے کیونکہ (ا) اس کی وجہ سے پاکستان میں سے پنجاب کے سالم انبالہ اور جالندھر ڈویژن (ب) سارا صوبہ آسام بہ استثنائے ضلع سلہٹ اور (ج) مغربی بنگال کا ایک بڑا حصہ بشمول کلکتہ جہاں مسلم آبادی صرف ۲۳٫۶ فی صدی ہے خارج ہو جائے گا۔ ہم خود بھی اس بات کے قائل ہیں کہ وہ حل جس کا نتیجہ لازمی طور پر پنجاب اور بنگال کی بنیادی تقسیم ہو، وہ ان صوبوں کے باشندوں کی کثیر تعداد کی خواہشات اور مفاد کے خلاف ہوگا۔ بنگال اور پنجاب میں سے ہر ایک صوبہ کی علیحدہ علیحدہ زبانیں اور دیرینہ تاریخ اور روایات ہیں۔ مزید برآں پنجاب کی کسی تقسیم کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوگا کہ سکھ درمیانی حد کے دونوں طرف دو خاصے بڑے حصوں میں منقسم ہو جائیں گے۔ لہذا ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہوئے ہیں کہ نہ ہی کوئی بڑی اور نہ ہی کوئی چھوٹی خود مختار پاکستانی ریاست فرقہ وارانہ مسئلہ کا کوئی قابل قبول حل پیدا کر سکے گی۔ مسائل کے علاوہ انتظامی

اقتصادی، دفاعی اور جغرافیائی وجوہات ابھی تقسیم کے خلاف ہیں۔ ان امور کی بناء پر بھی ہم سلطنت برطانیہ کو اس کی سفارش نہیں کر سکتے۔

دس لاکھ آبادی کا ایک ممبر

وزارتی مشن نے آئین ساز اسمبلی کے فوری قیام کی سفارش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگرچہ اس کا تسلی بخش طریقہ ہر بالغ کو حق رائے دہندگی کی بناء پر انتخاب کا ہے۔ مگر موجودہ حالات میں یہ ممکن نہیں۔ اس وقت عملی طریقہ یہی ہے کہ نئی صوبائی اسمبلیوں سے آئین ساز اسمبلی کے ممبر منتخب کریں۔ اس سلسلہ میں ہماری رائے یہ ہے کہ ہر ایک صوبہ کے ممبروں کی تعداد اس کی آبادی کے تناسب کے مطابق مقرر کر دی جائے۔ دس لاکھ نفوس کے لئے ایک ممبر منتخب کیا جائے۔ صوبائی تناسب کو پھر صوبوں کے فرقہ وارانہ تناسب کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے۔ صوبائی اسمبلیاں جو ممبر منتخب کریں، ان کی میٹنگ جلد از جلد دہلی میں ہو۔ وائسرائے ان ممبران کے فوری انتخاب کے لئے صوبائی اسمبلیوں کو سفارش کریں گے اور ریاستوں سے گفت و شنید کرنے والی کمیٹی مقرر کرنے کے لئے کہیں گے۔ اس گفت و شنید کے بعد ریاستوں کو اسمبلی میں نمائندگی دی جائے گی جو ۹۳ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ نمائندہ اسمبلی میں صوبوں کی نمائندگی گروپ کے لحاظ سے ہوگی۔ تین گروپ ہوں گے۔

(۱) مدراس، بمبئی، یو۔پی، بہار، سی۔پی، اوڑیسہ۔ (۲) پنجاب، سرحد، سندھ۔ (۳) بنگال اور آسام۔

برطانوی ہند کے کُل ممبران ۲۹۲ ہوں گے جن میں سے ۲۱۰ ہندو، ۷۸ مسلمان اور ۴ سکھ ہوں گے۔

نمائندہ اسمبلی کے صوبائی نمائندے تین سیکشنوں میں تقسیم ہوں گے۔ جن کا کام یہ ہوگا۔ یہ سیکشن اپنے صوبوں کے صوبائی آئین تیار کریں گے۔ اور یہ بھی فیصلہ کریں گے کہ آیا ان صوبوں کے لئے کوئی گروپ وار آئین تیار کیا جائے۔ اور اگر کیا جائے تو کون کون سے صوبائی محکمے اس میں شامل کئے جائیں۔ خاص شرائط کے مطابق صوبوں کو ان گروپوں سے علیحدہ ہو جانے کا اختیار ہوگا۔ سیکشنوں اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندے یونین کا آئین بنانے کے لئے جمع ہوں گے۔ یونین کی کانسٹی چیونٹ اسمبلی میں شرائط میں رد و بدل کرنے کی تجویز یا کسی اہم فرقہ وارانہ مسئلہ اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ دونوں بڑی قوموں کے جو نمائندے موجود ہوں اور ووٹ لے رہے ہوں، ان کی اکثریت ہو۔ اسمبلی کا صدر یہ فیصلہ کرے گا کہ کون سی تجویز میں (اگر کوئی

Scanned with CamScanner

ہیں اہم فرقہ وارانہ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر بڑی قوموں میں سے کسی قوم کے نمائندوں کی اکثریت یہ درخواست کرے تو صدر کا فرض ہوگا کہ اپنا فیصلہ دینے سے پہلے فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے۔ جونہی جدید آئینی انتظامات عمل میں آجائیں تو ہر ایک صوبہ کو اختیار ہوگا کہ وہ جس گروپ میں شامل کیا گیا ہو، اس سے الگ ہوجائے۔ ایسا فیصلہ نئے آئین کے تحت پہلے عام انتخاب ہوچکنے کے بعد صوبہ کی نئی مجلس آئین ساز کرے گی۔

مہاتما گاندھی کی رائے

وزارتی مشن کی تجاویز پر مہاتما گاندھی نے اپنے اخبار "ہریجن" میں لکھا کہ وزارتی مشن نے جو مسودہ پیش کیا ہے اس پر متواتر چار روز تک گہرا غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وزراء اور وائسرائے نے حالات موجودہ کی بہترین پیشکش کی ہے۔ یہ مسودہ ہماری کمزوری ظاہر کرتا ہے۔ کانگرس اور مسلم لیگ کا آپس میں اتفاق نہ ہوسکا۔ اگر اس وقت ہم یہ کہیں کہ ہمارے اختلافات برٹش گورنمنٹ کی وجہ سے ہیں تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔ وزارتی مشن ان اختلافات کا ناجائز فائدہ اٹھانے نہیں آیا بلکہ یہ مسائل دریافت کرنے آیا ہے کہ کس طرح ہندوستان سے برطانوی راج کا جلد از جلد خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں جرأت کے ساتھ یہ تسلیم کرنا چاہئیے کہ واقعات نے اس کا [illegible] ثابت کر دیا ہے۔ اس وقت خود فریبی سے کام نہیں چلے گا۔ لیکن میں نے جو ریمارک کئے ہیں، ان کا لازمی طور پر یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ برٹش گورنمنٹ کے نقطۂ نگاہ سے بہترین ہو، وہ ہمارے خیال میں بھی ویسا ہی ہو۔ میرے الفاظ کے معنی مندرجہ ذیل مضمون کے مطالعہ سے ظاہر ہوجائیں گے:-

"اس دستاویز کے مصنفوں نے مختلف پارٹیوں کے خیالات جمع کئے اور ان کے نزدیک جو چیز مختلف پارٹیوں کو زیادہ سے زیادہ قبول ہوسکتی تھی، انہوں نے پیش کر دی۔ اس خیال سے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو ہندوستان سے برطانوی راج کا خاتمہ کر دیا جائے مشن نے کانگرس اور مسلم لیگ دونوں کو ایک میز پر اکٹھا کر دیا اور چونکہ دونوں میں اتفاق نہ ہوسکا، اس لئے انہوں نے فیصلہ کر دیا۔ اس خیال سے برطانوی کنٹرول سے آزاد ایک آئین ساز اسمبلی بن جائیگی جو ہندوستان کی آزادی کا چارٹر تیار کرے گی۔ وزارتی مشن کی تجاویز کوئی ایسا فیصلہ نہیں جس کی جبری طور پر تعمیل کرائی جاسکے۔ یہ ایک مشورہ ہے؛ درخواست ہے۔ صوبائی اسمبلیوں کو اختیار ہوگا کہ وہ آئین ساز اسمبلی کے لئے ڈیلیگیٹ منتخب کریں یا نہ کریں۔ اور اگر وہ کر بھی لیں تو ان ڈیلیگیٹوں کی مرضی ہوگی وہ آئین ساز اسمبلی میں جائیں یا نہ جائیں۔ اسمبلیوں کو اختیار ہوگا کہ وہ مشن کے طے کردہ

طریق سے [illegible] اختیار کریں [illegible] انہیں مشن کے [illegible]ز کردہ طریق کی پابندی نہ ہوگی۔ البتہ [illegible] پابندی ضروری ہوگی [illegible] ہم نے سارے بیان کو تفصیلی طور پر پڑھا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی قانونی پر پابندی ہو سکے۔ اگر پابندی ہے تو اپنی مرضی اور ضروریات کی [illegible] برٹش گورنمنٹ قطع نظر پر پابند ہو گئی ہے"۔

"جہاں تک مشن کی تجاویز کا تعلق ہے، برٹش گورنمنٹ کے چار نمائندوں نے پارلیمنٹ کی منظوری سے [illegible] اعلان کیا۔ انہوں نے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جو جد و جہد کی، اس کے لئے یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ لیکن اس کے آگے سب ہمارا اپنا کام ہے۔ یہ تجاویز بطور خود عمل میں نہیں لائی جا سکتیں جب تک انہیں [illegible] سمجھتا ہوں۔ لارڈ پیتھک لارنس نے واضح طور پر ایک اخباری نامہ نگار کو بتایا کہ ہم سمجھتے ہیں ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں کسی متفقہ فیصلہ پر پہنچ سکیں گی۔ اس لئے کوئی جبری پابندی عاید نہیں کی گئی۔ کیونکہ ذمہ دار پارٹیاں جب کچھ کرنے پر آمادہ ہیں تو جبر سے زیادہ اپنی ذمہ داری [محسوس] کرتی ہیں۔ لارڈ پیتھک لارنس نے مختلف پارٹیوں کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو دو پارٹیاں اپنی اکثریت سے اس میں کوئی تبدیلی بھی کر سکتی ہیں۔ اور ان دونوں کا فیصلہ [illegible] ہوگا"۔

"اب ایک اور سوال یونٹوں کی آزادی کا ہے۔ کیا سکھ جن کا ہوم لینڈ صرف پنجاب ہے یہ گوارا کریں گے کہ وہ ایک ایسے یونٹ کا جز [بن] جائیں جس میں سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان بھی شامل ہوں؟ کیا صوبہ سرحد کے لئے مجبوری [ہو]گی کہ وہ جبری طور پر پنجاب کے ساتھ منسلک کر دیا جائے؟ یا یہ مناسب ہے کہ آسام کو بنگال کے ساتھ ملحق کر دیا جائے جب کہ آسام ایک ایسا صوبہ ہے جس میں مسلمانوں کی اکثریت [نہ]یں ہے؟ اس کے علاوہ افراد کی آزادی کا سوال ہے۔ اور یونٹ میں شامل ہو کر بھی سب کو یکساں طور پر آزادی ہوگی۔ کیونکہ مشن کی تجاویز میں صاف طور پر درج ہے کہ ہر ایک صوبہ کو اس امر کی پوری آزادی ہوگی کہ وہ جاہے تو گروپ میں شامل ہو جائے ورنہ انکار کر دے۔ انہیں یہ بھی اختیار ہوگا کہ جو صوبے وہ چاہے گروپ کے ساتھ مشترک کر لے۔ یہ امر صاف طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ دفعہ ۱۹ صوبجات سے ان اختیارات کو واپس نہیں لیتی۔ طریق یہ ہوگا کہ جب آئین ساز اسمبلی مرتب ہوگی تو اس کا چیئرمین ڈیلیگیٹوں سے یہ دریافت کرے گا کہ وہ گروپ میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر شامل ہونا چاہتے ہیں تو کن حالات میں۔ یہ چیزیں مشن کی تجاویز کی کلاز ۱۹ میں صاف

طور پر درج ذیل ہیں: "میرا یہ خیال ہے کہ موجودہ حالات کے متعلق یہ بہترین تصفیہ ہے اور اس طرح مختلف صوبوں کے مفاد میں کسی تصادم کا خدشہ باقی نہیں رہتا۔ اس لئے جو لوگ گروپوں کی تقسیم کے سلسلے میں برہم ہوئے ہیں اُن کو میں صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر میری تعبیر درست ہے تو تشویش کی کوئی بات نہیں۔"

"اس کے علاوہ اس دستاویز میں اور بہت سی باتیں ہیں جو میری نگاہ سے دیکھنے میں پریشانی پیدا کرتی ہیں۔ لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ تجاویز محض مشورہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ نئی دُنیا میں ہندوستان برطانوی تاج کا درخشاں ہیرا نہیں رہے گا بلکہ وُہ تاج میں ایک سیاہ دھبہ ہوگا۔"

"آؤ ہم پرارتھنا کریں کہ برطانوی تاج برطانیہ کے لئے نیک مصرف ہو۔ جب یہ اپنی کڑی نوٹ کیش ہو جائے گا تو برطانیہ کے تاج کی تیرہ ویلی ہوگی۔"

وزارتی مشن سرینگر میں

برطانوی وزارتی مشن کے تین ممبران اپریل ۱۹۴۶ء کے دوسرے ہفتے کے آغاز میں سرینگر پہنچے۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے مشن کے لیڈر لارڈ پیتھک لارنس سے ریاستوں کے متعلق آئینی امور اور اہم معاملات پر ایک گھنٹہ دس منٹ تک بات چیت کی۔ مشن نے دورانِ قیام کشمیر میں کئی صحت افزاء مقامات کی سیر کی۔ مچھلیوں کا شکار کیا اور ہوائی جہاز کی پرواز میں نانگا پربت کی برف پوش چوٹیوں اور دیگر مناظر سے لطف اندوز ہوئے۔ برطانوی ڈیلیگیشن نے تین بار مہاراجہ بہادر کے ساتھ لنچ کیا۔ ایک بار ریذیڈنسی میں دعوت جانے میں شمولیت کی اور مختلف جماعتوں نیشنل کانفرنس کشمیری پنڈت سبھا مسلم کانفرنس اور دوسری سوسائیٹیوں کی طرف سے میمورنڈم اور خطوط موصول کئے۔ جب ۱۴ اپریل ۱۹۴۶ء کو برطانوی کیبنٹ مشن کے تین ممبران پیتھک لارنس اے۔ بی۔ الیگزینڈر وغیرہ اپنے سٹاف کے ہمراہ نئی دہلی کو سرینگر کے ہوائی اڈہ سے پرواز کیا تو کشمیر کے برطانوی ریذیڈنٹ لیفٹیننٹ کرنل ربپ اور رائے بہادر پنڈت رام چندر کاک وزیرِ اعظم کشمیر نے اُن کو الوداع کہی۔

تحریک "کشمیر چھوڑ دو"

نیشنل کانفرنس کے لیڈر شیخ محمد عبد اللہ نے برطانوی وزارتی مشن کو اپنے ایک میمورنڈم میں لکھا کہ مہاراجہ کشمیر اور پیرامونٹ پاور کے درمیان جو موجودہ تعلقات ہیں، اُن کا از سر نو جائزہ کر کے

Scanned with CamScanner

معاہدہ امرتسر کو منسوخ کیا جائے۔ اس مطالبہ کے فوراً بعد ۶ مئی ۱۹۴۶ء کو اپنے مطالبات کو واضح کرنے کے لئے "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ بلند کیا۔ اور سرینگر میں منعقدہ ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک براہ راست انگریزوں کے قبضہ میں ہے اور دوسرا راجگان کے ذریعہ انگریزوں کے ماتحت ہے۔ ان ریاستوں میں دس کروڑ ہندوستانی آباد ہیں۔ ریاستوں کے نمائندے دہلی میں وزارتی مشن کو بتانا چاہتے تھے کہ ہندوستان کی نمائندہ جماعتیں کانگریس اور مسلم لیگ ہی نہیں بلکہ ریاستیں بھی ہیں۔ اور مشن کو اس بات کا پتہ لگ گیا ہے کہ ریاستوں کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے۔ اگر انگریزوں نے ہندوستان کو چھوڑ دیا تو راجاؤں اور نوابوں کا تعلق دس کروڑ ریاستی باشندوں سے کس قسم کا اور کیا ہوگا۔ دس کروڑ ریاستی باشندوں کا مسئلہ ابھی حل نہیں ہوا۔ اور یہ باشندے راجاؤں اور نوابوں کی غلامی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ریاستی باشندوں کو اپنی مظلومیت دور کرنے کے لئے آواز بلند کرنا ہوگی اور ریاست کشمیر اُن کا پورا پورا ساتھ دے گی۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں انگریزوں سے سوال کیا کہ "انہوں نے ایک بیعنامہ کے ذریعے تیس لاکھ انسانوں کو پچھتر لاکھ روپیہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ کیوں فروخت کیا؟ انگریزوں کو کیا حق تھا کہ بیعنامہ کشمیر کے لوگوں کی رائے حاصل کئے بغیر ہی کر لیتے؟ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس وقت سکھ پنجاب پر قابض تھے۔ اُن کی حکومت اتنی مضبوط تھی کہ انگریز اُن سے ڈرتے تھے۔ انگریزوں نے سکھ حکمران کو کمزور کرنے کے لئے لڑائی شروع کی اور سکھ ریاست کے جرنیلوں کو خرید لیا۔ جرنیلوں کی خرید سکھوں کی شکست کا سبب بنی۔ چونکہ اب انگریز ہندوستان سے واپس جانا چاہتے ہیں اس لئے ۱۸۴۶ء میں انگریزوں نے جو بیع نامہ امرتسر میں ایک ڈوگرہ خاندان سے کیا تھا اُسے منسوخ کیا جائے تاکہ کشمیر کے رہنے والے خود اپنی قسمت کے مالک بن سکیں۔ ہم اس قابل ہیں کہ اپنے حقوق حاصل کریں۔ کیونکہ کشمیر کے جائز حقدار کشمیری ہیں۔ کوئی اور نہیں مجھے افسوس ہے کہ پچھلے ایک سو سال میں آج تک ہم سے یہ نہ پوچھا گیا کہ کشمیری مہاراجہ کے تحت رہنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ کیا ہم اس قدر زرخرید غلام ہیں؟ میں کشمیر کے کونہ کونہ میں یہ بات پہنچانے کا خواہاں ہوں کہ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں۔ کشمیریوں کا صرف ایک سوال

Scanned with CamScanner

آبادی یا موت کا حل طلب ہے۔ اگر مہاراجہ نے ہمارے ساتھ کوئی تصفیہ نہ کیا تو ہم اپنی آواز سارے جہان میں پہنچائیں گے کشمیریوں کو مجھ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ میں انہیں اس طرح چمکتا دیکھنا چاہتا ہوں جس طرح آسمان پر ستارے چمک رہے ہوں۔ مہاراجہ کے ساتھ ہمارا تصفیہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اسے صاف صاف کہہ دیں کہ وہ کشمیر کو چھوڑ دے۔ اور کشمیری آزاد ہوں کہ اپنی قسمت کے آپ مالک بن جائیں"۔

چنانچہ شیخ عبداللہ نے مہاراجہ اور اس کی حکومت کے خلاف "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ بلند کیا۔ شیخ نے ۷ر مئی ۱۹۴۶ء سے لے کر ۱۶ر مئی ۱۹۴۶ء تک وادیٔ کشمیر کے مختلف مقامات پر عوامی جلسوں میں تقریریں کیں۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ کو کشمیر کی حکومت چھوڑ دینے کے لئے للکارا۔ اور ۱۸۴۶ء کے معاہدہ امرتسر کو جس کی رُو سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو ریاست جموں وکشمیر کی خود مختار حکمرانی ملی، شیخ عبداللہ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کی "شرمناک غداری" سے تعبیر کیا۔ اور کہا کہ "میں گلاب سنگھ اور اس کے وارثوں سے اس غداری کا بدلہ لوں گا۔ قدرت نے ایک سو سال بعد اس معاہدہ کے خلاف آواز بلند کرنے کا موقعہ دیا ہے۔ اور جب تک ہندوستان میں ایک بھی بچہ موجود ہے، میں گلاب سنگھ کی اس غداری کے لئے ماتم کرتا رہوں گا اور لوگوں کو اس وقت تک چین نہیں لینا چاہئے جب تک وہ سرمایہ داری کے کُتے کو تباہ نہ کر لیں۔ چالیس لاکھ باشندوں کو اس طرح فروخت کر دیا گیا جس طرح اپنا سامانِ خوراک کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ ریاست کا ہر شخص دو روپیہ چندہ دے۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ کو کہہ دیا جائے کہ وہ کشمیر خالی کر کے اپنی اُسی چھوٹی سی جاگیر میں چلا جائے جہاں سے کہ اُن کے بزرگ آئے تھے"۔

وزارتی مشن کا ایوارڈ

۱۹۴۲ء کی تحریک "ہندوستان چھوڑ دو" میں کانگرس نے بے انتہا قربانیاں دی تھیں۔ اس کے رہنما اور کارکن جیلوں کے اندر بند کئے گئے تھے۔ ۱۵ر اگست ۱۹۴۵ء کو کانگرس ورکنگ کمیٹی کے ممبران کو مسلم لیگ کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لئے حکومت ہند نے رہا کیا۔ اور کانگرسی رہنماؤں کے رہا ہونے کے بعد جون ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ لارڈ ویول گورنر جنرل اور وائسرائے ہند کی مسلم لیگی پالیسی اور اقلیت (لیگ) کو ویٹو کا اختیار اکثریت (کانگرس) کی مرضی کے خلاف دینے سے یہ کانفرنس ناکام رہی۔ اس سے پہلے اپریل ۱۹۴۵ء میں سپرو کمیٹی نے اپنی تجویز ہندوستان میں ڈیڈ لاک کو ختم کرنے کے لئے پیش کی تھی۔ ویول تجویز کی ناکامی کے بعد حکومت برطانیہ نے

Scanned with CamScanner

دسمبر ۱۹۴۵ء میں پارلیمنٹری ڈیلیگیشن ہندوستان کے اصلی سیاسی حالات کو دیکھنے کے لئے بھیجا۔ اس ڈیلیگیشن کے آنے سے کوئی فائدہ نہ نکلا اور آخیر مارچ ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن سیاسیات ہند کا مطالعہ کرنے کے لئے ہندوستان بھیجا۔ مشن نے فراخدلی سے کام لیا۔ کانگرس لیگ اور اکالی پارٹی کے درمیان کئی جلسے ہوئے۔ شملہ کانفرنس وجود میں آئی لیکن بدقسمتی سے کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ اور مشن نے ہر قسم کے حالات کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو اپنا ایوارڈ دے دیا۔

ریاستوں کا مستقبل

۱۶ مئی کو برطانوی وزارتی مشن نے ایک مشترکہ مرکز رکھنے کے علاوہ ملک کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کی رائے زنی اور دیگر باتوں کے علاوہ اُس نے ہندوستان کا آئین تیار کرانے کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی کے قائم کرنے کی سفارش کی جس میں ریاستوں کے نمائندے بھی دس لاکھ پر ایک آدمی کے حساب سے لئے جائیں۔ ریاستوں کے متعلق مشن نے یہ صاف واضح کیا کہ ہندوستان کی یونین (مرکزی حکومت) کو دفاع۔ بیرونی تعلقات (خارجہ پالیسی) اور رسل و رسائل کے تین شعبے اپنے ہاتھ میں رکھنے چاہئیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو صدر آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس نے وزارتی مشن پلان پر رائے زنی کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہندوستان کا کوئی آئین تب تک جائز اور درست نہیں ہوگا جب تک کہ یہ آئین ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ ریاستی عوام کے لئے قابل قبول نہ ہو۔ اور کوئی آئین عوام کے نمائندوں کی رائے کے بغیر تسلی بخش طور سے آئین نہیں بن سکتا۔ پنڈت نہرو نے یہ بھی اعلان کیا کہ خود مختار حکومت کسی خاص شخص کے ہاتھ میں نہیں بلکہ عوام کے ہاتھوں میں رہنی چاہئے۔

شیخ محمد عبداللہ اور ورکنگ کمیٹی کے ممبران کی گرفتاری

برطانوی وزارتی مشن کا فیصلہ شائع ہونے کے بعد ۲۰ مئی ۱۹۴۶ء کو شیخ محمد عبداللہ پنڈت جواہر لال نہرو سے ملنے دہلی جارہا تھا کہ اُس کی روانگی کا پولیس کو پتہ چل گیا۔ چنانچہ پولیس نے ۲۰ مئی ۱۹۴۶ء کے ۴ بجے شام اوڑی اور گڑھی کے درمیان شیخ کو گرفتار کر لیا۔ گرفتاری اُن تقریروں کی بنا پر عمل میں آئی جو شیخ نے گذشتہ دو ہفتوں سے "کشمیر چھوڑ دو" اور "عہد نامہ امرتسر کو توڑ دو" کی تحریک

سے سلسلہ میں کیں۔ جب شیخ عبداللہ کی سرینگر سے روانگی کا پتہ پولیس کو مل گیا تو ایک اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دو انسپکٹر پولیس اُسے گرفتار کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ پولیس تھانہ اُوڑی اور گڑھی کو اطلاع دے دی گئی۔ چنانچہ اُوڑی سے آگے شیخ عبداللہ کی موٹر کو روک لیا گیا اور وارنٹ گرفتاری دکھا کر اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ شیخ کو گرفتار کر کے بادامی باغ چھاؤنی میں فوجی حراست میں لایا گیا۔

شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے ساتھ ہی کئی نیشنل کانفرنس لیڈروں اور کارکنوں کو بھی گرفتار کیا گیا۔ چنانچہ سردار بُدھ سنگھ۔ پنڈت کیشب بندھو۔ پنڈت شام لال صراف۔ خواجہ غُلام محمد بٹ۔ پنڈت دُرگا پرشاد دھر۔ پنڈت جانکی ناتھ زُتشی۔ پنڈت سالگرام شنگلو۔ پیر محمد افضل سرینگر میں۔ مرزا محمد افضل بیگ۔ خواجہ غلام نبی وکیل کو اننت ناگ میں اور سوپور میں صوفی محمد اکبر کے علاوہ چھوٹے موٹے دو درجن کے قریب نیشنل کانفرنس کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ جنہیں سنٹرل جیل سرینگر میں لا رکھا گیا۔

ایک سرکاری پریس نوٹ میں ان گرفتاریوں کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ "شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے متعدد پیروؤں کو گرفتار کیا گیا۔ گذشتہ دو ہفتوں سے شیخ اور اُس کی پارٹی کے چند ممبروں نے تقاریر کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ان تقریروں میں عوام کو تلقین کی جاتی تھی کہ وہ موجودہ حکومت کو ختم کر دیں۔ مہاراجہ بہادر کی فرمانبرداری سے انکار کر دیں اور اُنہیں کشمیر چھوڑنے پر مجبور کریں۔ مہاراجہ بہادر اور حکمران خاندان کو ناگفتنی گالیاں سُنائی گئیں۔ ملک کے نظامِ حکومت کو ناممکن بنانے کے لئے ہمہ گیر شورش بپا کرنے کے لئے تیاریاں کی ہوئی تھیں۔ قانون اور امن کے قیام اور امن پسند شہریوں کی حفاظت کے پیشِ نظر حکومت کشمیر کو انسدادی تدابیر اختیار کرنا پڑیں۔"

گرفتاری کے بعد کے حالات

ہندوستان کے ایک ممتاز جرنلسٹ جو اُن دنوں سرینگر میں تھا اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ "شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبران کی گرفتاری کی خبر بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ سرینگر اور وادی میں پھیل گئی۔ لوگ شہر میں بہت سی دوکانیں بند ہو گئیں نیشنل کانفرنس کارکنوں نے مظاہرے شروع کئے لیکن پولیس نے اُنہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔ ہر جگہ پانچ آدمیوں کے جمگھٹے کو منتشر کیا جا رہا ہے۔"

"سری نگر شہر میں جا بجا ملٹری پولیس اور ڈنڈا پولیس کے دستے تعینات ہیں۔ خاص کر پلوں کے دونوں طرف پولیس کی کافی نفری تعینات ہے۔ اُن کے پاس تار کے بلیے پنجرے بھی موجود ہیں تاکہ خلاف قانون جلوس کو روکنے کے لئے استعمال کئے جائیں۔ پولیس کے تمام بڑے بڑے افسر اور مجسٹریٹ دن بھر شہر کے مختلف حصوں کی گشت لگا رہے ہیں۔ اننت ناگ، بارہ مولہ، مظفر آباد اور سوپور میں ملٹری پولیس کے دستے جا رہے ہیں تاکہ وہاں امن قائم رکھا جائے۔ سری نگر میں فتح کدل کے قریب اور خانقاہ معلے کے ارد گرد چند جگہوں پر نیشنل کانفرنسیوں نے سڑک بلاک کرنے اور نالیوں کو مسمار کرنے کی کوشش کی تاکہ ٹریفک رک جائے۔ خانقاہ معلے کے پاس چند لوگوں نے ملٹری والوں پر حملہ کیا جس سے وہاں گولی کا تصادم ہوا۔ ایک آدمی مر گیا اور چند ایک مجروح ہوئے۔ متوفی کی لاش کا دس آدمیوں نے جلوس نکالا۔ لیکن جب یہ گاؤ کدل کے نزدیک پہنچا تو اُس کو آگے جانے سے روک دیا گیا۔ شہر کی گشت کے لئے ملٹری کو پولیس کی امداد کے لئے بلایا گیا ہے۔ صبح صبح ہی سرکش اشخاص کے ہجوموں نے گشت کرنے والی ملٹری پر پتھراؤ کیا۔ پولیس نے حفاظت خود اختیاری کے پیش نظر گولی چلائی۔ ایک آدمی ہلاک ہو گیا۔ ہجوم نے کچھ مورچہ بندی کی سڑکوں کو اکھاڑ ڈالا ہے۔ پلوں کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی اور چند ایک کو نقصان بھی پہنچا ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے رات کے وقت سری نگر شہر میں عوام کی نقل و حرکت پر نگرانی رکھنے کی غرض سے کرفیو آرڈر نافذ کیا ہے۔ جلوس ماسوائے شادی غمی ممنوع قرار دے دئے گئے ہیں۔ شارع عام پر پانچ یا پانچ سے زیادہ اشخاص کا جمع ہونا ماسوائے مذہبی اغراض کے لئے اور تسلیم شدہ مذہبی مقامات پر، خلاف قانون ہے۔ ہتھیار لے کر چلنا، بگلوں، میگا فون اور لاؤڈ سپیکروں کا استعمال بھی خلاف قانون ہے۔ لوگوں نے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پلوں کو نقصان پہنچایا۔ ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کی تاریں کاٹ دیں۔ اِس سے کئی پولیس سٹیشن اور چوکیاں پولیس ہیڈ کوارٹرز سے کٹ گئیں۔ نیز دیگر سرکاری دفتروں سے جیل کا تعلق بھی ٹوٹ گیا۔ رسل و رسائل کی حفاظت کرنے والے دستوں کی گولیوں سے چار اشخاص ہلاک ہوئے اور دو اشخاص پانپور میں گولیوں کا شکار ہوئے جبکہ ہجوم نے پولیس چوکی پر حملہ کر دیا — اننت ناگ میں عورتوں کا ایک بھاری جلوس حکم امتناعی کی خلاف ورزی میں نکلا جنہوں نے پولیس کے گھیرے کو توڑ دیا۔ ہجوم پر گولی چلنے سے ایک عورت ہلاک ہوئی۔ ایک اندازہ

کے مطابق سات آدمی ہلاک اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اور ساری وادی میں ملٹری کے دستے گشت کر رہے ہیں۔"

مکوب نیوز ایجنسی کے نامہ نگار کے مطابق "لوگوں کو لنگڑوں کی مانند ایک ٹانگ پر چلنے کے لئے حکم دیا گیا۔ بوڑھوں اور باوقار شہریوں کو رائفل کے دباؤ سے سڑکوں پر رینگنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ وکلاء۔ پروفیسروں یہاں تک کہ سرکاری ملازموں کو بھی سڑکیں صاف کرنے کے لئے دباؤ ڈالا گیا۔"

"کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے آغاز میں عوام حکمران کے خلاف دشمنانہ صورت میں رہے لیکن تحریک کے دوران اور اختتام میں یہ صورت رام چندر کاک وزیر اعظم کے حق میں ظاہر ہوئی۔ "کشمیر چھوڑ دو" تحریک وادی بالخصوص شہر سرینگر میں بڑے زور سے شروع ہوئی نیشنل کانفرنس کارکنوں نے جلسے کئے جلوس نکالے۔ نعرے لگائے اور حکومت کے خلاف تقریریں کیں۔ اور حکومت کشمیر کی پابندیوں کو توڑ دیا حکومت نے بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا جنہوں نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ شیخ عبداللہ کے بعد نیشنل کانفرنس کا دوسرا رہنما بخشی غلام محمد شمار ہوتا تھا جو انڈر گراؤنڈ (روپوش) ہوکر دہلی پہنچ گیا۔ نیشنل کانفرنس نے بخشی کو اپنا قائم مقام صدر مقرر کر لیا۔ اور خواجہ غلام محمد صادق سرگرم ممبر ورکنگ کمیٹی نیشنل کانفرنس بھی کسی طرح گرفتاری سے بچ کر لاہور چلا گیا۔ جہاں بخشی اور صادق دونوں نے مل کر ہندوستان میں اپنی تحریک کے لئے کانگرسی رہنماؤں کی ہمدردی حاصل کی نیشنل کانفرنس کے ایک اور سرگرم ورکر خواجہ غلام محی الدین قرہ زمین دوز ہوکر گرفتاری سے بچ گیا جس نے پوشیدہ طور سے تحریک کا کام چلانے کے لئے وار کونسل بنائی۔ جس کی طرف سے شہر سرینگر میں روزانہ پوسٹر چھاپے جاتے تھے جن میں عوام سے لئے تحریک چلانے کا پروگرام درج ہوتا تھا۔ لیکن بار کوشش کے باوجود پولیس وار کونسل کے ممبروں کو گرفتار نہ کر سکی اور نہ ہی اس کے کام کرنے کے مرکز پر چھاپہ مار سکی۔

"کشمیر چھوڑ دو" کی مخالفت

سرینگر شہر اور وادی کے علاوہ ریاست کے کسی حصہ لداخ۔ گلگت۔ جموں میں تحریک "کشمیر چھوڑ دو" کو مطلق حمایت حاصل نہ ہوئی۔ میرپور ضلع کے دو تین اشخاص کامریڈ ترلوک چند۔ کرشن دیو سیٹھی۔ راجہ محمد اکبر خان وغیرہ شیخ عبداللہ کی تقلید میں اس تحریک میں گرفتار ہوئے۔ باقی کسی بھی جگہ

کوئی سرگرمی اس کے لئے کسی بھی حلقہ یا طبقہ کے لوگوں میں نہ ہوئی۔ سرینگر اور وادی کشمیر کے کشمیری پنڈت۔ ڈوومی سابائڈ ہندو۔ کشمیری ڈوگرہ راجپوت اور بڑے بڑے زمیندار جاگیردار مسلمانوں نے "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کی سخت مخالفت کی۔ ریزولیوشنوں اور عرضداشتوں کے ذریعہ مہاراجہ ہری سنگھ اور حکومت پر مکمل اعتماد کا اظہار کر کے بیانات جاری کئے۔ مسلم کانفرنس، جس کا وارث مولانا میر واعظ یوسف شاہ تھا، نے اس تحریک سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اس طرح ریاست کی گاہم اقلیتوں کے علاوہ سمجھدار اور سنجیدہ مسلمانوں میں شیخ محمد عبداللہ کی اس تحریک کے متعلق شک و شبہات پیدا ہو گئے۔

معاہدہ امرتسر کا پس منظر

معاہدہ امرتسر کے متعلق پچھلے صفحات میں بالوضاحت لکھا جا چکا ہے کہ وہ کن حالات میں معرض وجود میں آیا اور کہ ریاست جموں و کشمیر کی تشکیل اس معاہدہ کی رو سے کس طرح عمل میں آئی۔

معاہدہ امرتسر اس وقت تحریر میں آیا تھا جب لارڈ ہارڈنگ نے سکھوں سے پہلی لڑائی میں محسوس کیا کہ ہندوستانی میدان کے پہلوان اتنے برے نہیں جتنے انہوں نے تصور کر رکھے تھے۔ لیکن اپنی خانہ جنگی، پھوٹ اور انتشار کی وجہ سے سکھ جرنیل ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ جنتہ اوم پرکاش (موجودہ ممبر پارلیمنٹ) جو مہتہ بستی رام[1] اور مہتہ منگل[2] کشتواڑی کے تاریخی خاندان سے وابستہ ہیں، نے ۲۲ مئی سنہ ۱۹۲۶ء کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ "اُس وقت حالات ایسے تھے کہ انگریز گورنر جنرل ہند کسی بھی صوبہ کا برٹش انڈیا سے الحاق نہ کر سکتا تھا۔ ہندوستان پر جا بجا ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط ہو چکا تھا۔ اس سے زیادہ پھیلنا اور اس کو سمیٹنا اُس وقت کمپنی کے لئے سخت مشکل تھا۔ کمپنی کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ اس لئے گورنر جنرل نے خالصہ حکومت سے چند علاقوں کو لینے پر اکتفا کیا۔ اور تاوان جنگ کے طور پر ایک کروڑ روپیہ طلب کیا۔ کیونکہ لاہور دربار اُس شکست کے بعد بالکل حوصلہ شکن ہو چکا تھا اور اُن کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اُن کے لئے وہ قسمت انتظار کر رہی ہے جو میسور کے لئے شام ازل نے بنائی تھی۔ اس بے چارگی میں انہوں نے مہاراجہ گلاب سنگھ سے استدعا کی کہ وہ

---

[1] فاتح لداخ جنرل زور آور سنگھ کے لیفٹیننٹ۔ [2] مہاراجہ گلاب سنگھ اور رنبیر سنگھ کے معتمد جرنیل اور لداخ کے ہر دلعزیز ایڈمنسٹریٹر۔

اس کمپنی کو سونپ جائیں اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام کو بٹہ لگنے سے بچائیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کی حُسنِ لیاقت، تدبر اور سیاست کا لوہا تو خالصہ دربار مُدت سے مان چکا تھا۔ اس لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ گلاب سنگھ کی سرکردگی میں ایک دفعہ گورنر جنرل کی خدمت میں بھیجا جائے۔ مہاراجہ گئے اور ایسے وقت گئے جس وقت اُن کی یہ پیشکش ایسٹ انڈیا کمپنی کو رحمتِ باراں سے کم نہ تھی۔ چنانچہ اُن کی کاوش سے معاہدہ امرتسر تحریر میں آیا اور ہر دو پارٹی نے بخوشی قبول کر لیا۔ خالصہ دربار کی اُس وقت یہ حالت تھی کہ اُس کے لئے ایک کروڑ روپیہ دینا سخت مشکل تھا۔ چنانچہ خالصہ دربار نے اس تاوان کے عوض کشمیر کا علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو دینا زیادہ مناسب سمجھا۔ اُس وقت کشمیر ایک سرکش علاقہ تھا اور محض کاغذی کارروائی سے اس پر تسلط جمانا سخت مشکل تھا۔ اس لئے جہاں خالصہ دربار اتنی بڑی ریاست دینے کے لئے تیار تھا وہاں حالات کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی اس علاقہ کو لینے کے لئے مطلق تیار نہ تھی۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے تاوانِ جنگ ادا کر کے اس علاقہ پر اپنا اقتدار جما لیا۔ یہ امر بحث طلب ہی نہیں ہے کہ یہ علاقہ ایک کروڑ روپیہ میں خریدا گیا۔ کشمیر کو خریدا تصور کرنا مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت حاصل نہیں کر سکتا۔"

معاہدہ امرتسر اور کشمیر چھوڑ دو تحریک کے متعلق پنڈت شونارائن فوطیدار آل سٹیٹ کشمیری پنڈت کانفرنس کے چیف (موجودہ چیئرمین لیجسلیٹو کونسل) نے بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ ـــــ "شیخ عبداللہ نے بحیثیت صدر آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کیبنٹ مشن کو اپنے پیغام میں معاہدہ امرتسر پر اعتراض کیا ہے جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ مہاراجہ کشمیر اور اقتدارِ اعلےٰ (PARAMOUNT POWER) کے درمیان جو تعلقات اس وقت موجود ہیں، اُن کا ازسرِ نو معائنہ کیا جائے۔ یہ مطالبہ معاہدہ امرتسر کے تاریخی پس منظر اور اس کے دیگر ان اختراعی کو الف سے (جس کی رُو سے مہاراجہ گلاب سنگھ اور آپ کے ورثاء ذکور کی ریاست جموں وکشمیر کی حدود میں خود مختار حکومت کو تسلیم کیا گیا ہے) مکمل غیر واقعی کا انکشاف کرتا ہے۔ یہ نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ شیخ محمد عبداللہ جیسی ذمہ دار ہستی معاہدہ امرتسر کی غلط تعبیر کر کے ایک نکتے معاملہ کے باب کا افتتاح کریں اور جس کو اگر معاہدہ لاہور کے آرٹیکل نمبر ۱۲ کی روشنی میں پڑھا جائے تو آپ پر اپنی نامناسب

اختیار کی ہوئی پوزیشن کا احساس ہوسکتا ہے۔ معاہدہ امرتسر کو بیعنامہ کا غلط نام دینا حقائق سے منافی ایک "تاریخی لغویت" کو جنم دینا ہے۔ اصلی پوزیشن کو سمجھنے کے لئے معاہدہ لاہور کی شرائط اور ازاں بعد معاہدہ امرتسر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ معاہدہ لاہور کی بارھویں دفعہ (جس کی بنیاد پر معاہدہ امرتسر کی بنیاد کھڑی ہے) کو درج ذیل کرنا مناسب ہے:۔

"ان حالات کے پیش نظر کہ جو خدمات راجہ گلاب سنگھ والئ جموں وکشمیر سٹیٹ نے برطانوی حکومت اور لاہور کے معاملہ میں سازگار ماحول اور خوشگوار تعلقات پیدا کرنے میں سرانجام دی ہیں، مہاراجہ دلیپ سنگھ راجہ گلاب سنگھ کی ان پہاڑی علاقوں اور صوبوں پر خود مختار حکمرانی کو تسلیم کرتے ہیں جو گلاب سنگھ کو ایک علیحدہ معاہدہ کے ذریعہ جو اس کے اور برطانوی حکومت کے درمیان ہوگا ہے اور مہاراجہ کھڑک سنگھ کے عہد سے راجہ مذکور کے تصرف میں چلے آتے ہیں) سونپ دئے جاتے ہیں۔ اور برطانوی حکومت راجہ گلاب سنگھ کے نیک چلن ہونے کی وجہ سے ان علاقوں میں آپ کی خود مختاری کو تسلیم کرتی ہے۔ اور برطانوی حکومت کے ساتھ علیحدہ معاہدہ کی رعایتوں کا مستحق قرار دیتی ہے۔"

"دونوں معاہدات کی شرائط کا ناقدانہ جائزہ لینے پر اور مستند ریکارڈ اور مقتدر غیر جانبدارانہ معاصرین اور تواریخ دانوں اور مصنفوں کے تاثرات کی روشنی میں یہ نتیجہ صاف طور پر استخراج ہوتا ہے کہ ۷۵ لاکھ روپیہ کی رقم جو مہاراجہ گلاب سنگھ نے برٹش گورنمنٹ کو ادا کی ہے، وہ کسی صورت میں ان علاقوں کی قیمت نہیں تھی جن پر اس کی خود مختار حکمرانی کو متذکرہ معاہدہ کے مطابق تسلیم کیا گیا ہے۔ بلکہ حقیقتاً یہ روپیہ تاوان جنگ کی رقم کا ایک حصہ تھا جو لال سنگھ کے ذمہ برطانوی گورنمنٹ کی طرف معاہدہ منصور کے تحت واجب الادا تھی۔"

"ان ضوابط کی روشنی میں کشمیر کا مسئلہ دوسری ریاستوں کے مقابلے میں بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ معاہدہ کی رو سے برطانوی حکومت نے مہاراجہ گلاب سنگھ کی خود مختار حکمرانی کو جموں وکشمیر کے علاقوں پر تسلیم کیا ہے۔ اور جس میں برطانوی حکومت اس کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتی۔"

"جہاں ہم ترقی پسندی (پروگریسوازم) کے اصولوں کو جزو ایمان بناتے ہوئے تمام

ریاستوں میں والیانِ ریاست کے زیر سایہ مکمل ذمہ دار حکومت کے اصول کے قائل ہیں اور اقلیتوں کو نظامِ حکومت میں مؤثر تحفظات کے حصول کے طالب ہیں۔ آل سٹیٹ کشمیری پنڈت کانفرنس ان حکمرانوں کی کوئی پاسداری رکھے بغیر جن کی حکومت قرون اولیٰ کے شخصی حکمرانوں کی سی ہو، یہ بیان اس لئے شائع کر رہی ہے تاکہ شیخ محمد عبداللہ کے کیبنٹ مشن کے نام پیغام سے اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے جو حقائق سے لاعلمی اور تواریخی واقعات کی غلط بیانی پر مبنی ہے، اس کا ازالہ ہو۔ شیخ عبداللہ کا اپنے بیان میں مہاراجہ بہادر کو یکایک ہٹو کریٹک بیان کرنا صرف اُسی شخص کے منہ سے زیب دے سکتا ہے جس کا قلب مخصوص کے بوجھ سے دبا ہوا ہو۔ کیا یہ آزادانہ ماحول میں آپ نے اور آپ کے لیفٹیننٹ مسٹر بیگ نے لبا اوقات اپنی تقاریر میں مہاراجہ بہادر کو روشن ضمیر حکمران قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہو کہ مہاراجہ بہادر نہ خطا کرنے والے آئینی لیاقت اور دانش کے مالک ہیں۔ اس ضمن میں آپ کا یہ بیان ایک ایسی غلط بیانی ہے جو تردید کے بیان کی بھی محتاج نہیں۔ اور جب ہم یہاں کے حالات کا تقابل دوسری ہندوستانی ریاستوں خاص کر حیدر آباد، بھوپال کے ساتھ کریں، جن کا وجود محض سب سڈیری سسٹم پر مبنی ہے، تو اس لحاظ سے ریاست کشمیر زیادہ ترقی یافتہ اور آئینی لحاظ سے بہت آگے بڑھی ہوئی ہے۔ ہمارے لئے یہاں پر اظہار کرنا باعث رنج ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کے اقوال اور اعمال میں کسی اور معاملہ میں اتنا تضاد نہیں جتنا کہ اس معاملہ میں پایا جاتا ہے کہ اس جماعت کے آئین جس کا نام نیا کشمیر ہے اور جس کے صدر شیخ محمد عبداللہ ہیں اور جس کا حلف نیشنل کانفرنس کے پیرو اُٹھاتے ہیں، اس میں لوگوں کا نصب العین مہاراجہ بہادر کے زیر سایہ ذمہ دار حکومت قرار دیا گیا ہے۔ لیکن آج شیخ محمد عبداللہ اس تقدیس سے بے نیاز ہو کر، جو آپ اور آپ کی پارٹی نے اس دستاویز کے ساتھ وابستہ رکھا ہے، ایک قلم کی جنبش سے اس مجوزہ آئین کے بنیادی اصولوں پر خطِ تنسیخ پھیر چکے ہیں جبکہ آپ اپنے پیغام میں کشمیر کے لوگوں کو شخصی حکمران کے مظالم سے رستگاری کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس طریقے سے آپ نے لاریب ناقابلِ تردید خدشات کے لئے جواز پیدا کیا ہے جو ریاست کی اقلیت نے نہایت ہی خلوص کے ساتھ نیا کشمیر کی ترویج کی مخالفت کی صورت میں ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کے لئے کوئی خاص ضمانت نہیں۔"

"شیخ محمد عبداللہ اس معاملہ میں ریاست سے بولنے کے مدعی ہیں۔ یہ بات تو ایک اہم

امانتی موضوع ہے۔ اس دعوے کی تصدیق کو اس حقیقت کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے۔ تو دس لاکھ لوگوں کی نمائندگی کی تو ان کی دو نمائندہ انجمنیں راجیہ سبھا جموں اور آل سٹیٹ کشمیری پنڈت کانفرنس کر رہی ہیں۔ اور ریاست کے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس ہے۔ ریاست میں آباد سکھوں اور ہریجنوں کی علیحدہ جماعتیں ہیں جو اُن کی نمائندہ ہیں۔ اور یہ بھی اہم اقلیتیں ہیں۔ ان تمام انجمنوں نے اور اس کے ساتھ ہی نیشنل کانفرنس نے بھی کئی مرتبہ مہاراجہ بہادر کے تخت و تاج کے ساتھ اٹل عقیدت کا اظہار کیا لیکن شیخ محمد عبداللہ کے ناخوشگوار بیان نے جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ چالیس لاکھ ذکور و اناث ایک "آٹوکریٹ" کی حکمرانی میں رہنا نہیں چاہتے کیونکہ یہ اُن کی مرضی نہیں ہے۔ اس سے اہم حلقوں میں یہ ظن یقین کے ساتھ مبدل ہو جاتا ہے کہ ایک طرف تو شیخ محمد عبداللہ ہندوستان کی اکھنڈتا میں یقین رکھتے ہیں اور دوسری سمت شاید وُہ کشمیر میں مقامی پاکستان کی تخلیق کے مؤید ہیں۔ ایسے زمانہ میں جب کہ ہندوستان اور ہندوستانی ریاستیں ایک نئے سیاسی اور آئینی دور سے گزر رہی ہیں، اس وقت لوگوں کو ایسے اظہارات سے دو دھڑے بندیوں میں منقسم کرنا اور ملک میں ایسے ناخوشگوار حالات پیدا کرنا نہ ہی کوئی حب الوطنی ہے نہ یہ تدبر کا تقاضا ہے کیونکہ اس کی پشت پر واقعاتی یا تواریخی شواہد نہیں۔"

جموں سے چوٹی کے قانون دان لالہ دینا ناتھ مہاجن ایڈووکیٹ نمائندہ پرجا سبھا (اسمبلی)، پریذیڈنٹ ہندو ڈیفنس کمیٹی (موجودہ ریوینیو منسٹر جموں و کشمیر) نے ذیل کا بیان جاری کرتے ہوئے واضح کیا کہ ۔۔۔ "شیخ محمد عبداللہ صاحب کا ڈوگرہ راج کو کشمیر سے خیرباد کہنے کا مطالبہ آج کل نہ صرف ریاست جموں و کشمیر بلکہ اُس کے باہر بھی بحث کا موضوع بن گیا ہے۔ اُن کی جانب سے اس تحریک کا آغاز ایسے وقت میں کیا گیا ہے جبکہ بھارت ورش کے لئے ایک نیا آئین مرتب کیا جانے والا ہے۔ اور جبکہ برٹش انڈیا کی تشکیل آزادی کے اصولوں پر بنائی جانے والی ہے۔ اس آزادی کی تحریک سے تمام ہندوستانی ریاستیں متاثر ہوں گی۔ اور اس جدید تشکیل میں ریاستوں کے آئین اہم طور پر آزادی کے اصولوں پر تبدیل ہوں گے۔ یہ امر شیخ صاحب سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارے مہاراجہ بہادر آزادی کی تحریک میں جملہ ہندوستانی ریاستوں کے والیان سے بہت آگے ہیں۔ جس کا اظہار ایک سے زیادہ مرتبہ وُہ اعلانیہ طور پر ایسے اوقات پر کر چکے ہیں جبکہ آزادی کی تحریک کو برٹش انڈین گورنمنٹ بھی پسندیدہ

نگاہوں سے نہ دیکھی گئی۔ مقام تعجب ہے کہ ایسے موقعہ پر محترم شیخ صاحب کی طرف سے اِس تحریک کا آغاز کیوں کیا گیا۔ کیا وہ چاہتے ہیں کہ آنے والے جدید آئین کے تحت جو سلوک دیگر ہندوستانی ریاستوں سے کیا جائے گا، اُس سے کوئی مختلف اور انوکھا سلوک ریاست کشمیر سے کیا جائے گا ؟ اگر وہ کوئی مختلف سلوک نہیں چاہتے تو پھر انہوں نے اُس وقت کا انتظار کیوں نہ کیا جبکہ تمام ہندوستانی ریاستوں کے آئین و نظم و نسق میں تبدیلی ہو کر تمام ریاستوں کے باشندے اِس نئے آئین کے تحت ذمہ دار نظام حکومت حاصل کریں گے۔ اُن کی طرف سے پھر ڈوگرہ راج کو کشمیر سے ختم کرنے کی دھمکی کیا کشمیر کو پاکستان بنانے کی سکیم کی کڑی تو نہیں ہے ؟ جبکہ محترم شیخ صاحب پاکستان کی اِس سکیم کے مخالف رائے رکھتے ہیں جو حضرت جناح صاحب کی فرمودہ ہے اور وہ ہندوستان کو ایک یونٹ دیکھنا چاہتے ہیں تو کشمیر سے الگ سلوک کیوں تجویز کیا جا رہا ہے ؟ جس ٹریٹی یا بیع نامہ کا ذکر شیخ صاحب نے فرمایا، وہ اُن کے علم میں آج نہیں آیا۔ اُس کا علم اُن کو آج سے کئی سال پہلے ہوا تھا۔ لیکن اُس کی جوازیت کو انہوں نے چیلنج نہ کیا تھا بلکہ ہمیشہ ہی شری مہاراجہ بہادر کے زیر سایہ ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ جاری رکھا۔ تو اب جبکہ برٹش انڈیا میں تمام ریاستوں کے مسائل حل ہونے کے قریب پہنچ گئے تو اِس موقعہ کو ٹریٹی (TREATY) کی جوازیت کو چیلنج کرنے کے لئے کیوں موزوں سمجھا گیا ؟ کیا آپ کی ایسے وقت میں تحریک شروع کرنے سے ریاست کی اقلیتوں کو معقول خدشات پیدا ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا ؟ خاص کر ایسے حالات میں جب کہ یہ تحریک آپ نے اقلیتوں کو اعتماد میں لینے کے بغیر شروع کر دی ہے۔ آپ نے اِس تحریک کو جہاں تک معلوم ہوا ہے، اپنی ورکنگ کمیٹی کی کسی باقاعدہ میٹنگ میں بھی زیر بحث لا کر فیصلہ نہ کرایا۔ لیکن یہ امر آپ کی اپنی پارٹی سے تعلق رکھتا ہے جس سے عام لوگوں کو سروکار نہیں۔ لیکن ہم یہ امر پوچھنے کا آپ سے حق رکھتے ہیں کہ ایسی تحریک کو جاری کرتے ہوئے آپ نے صرف مسلم بھائیوں اور بالخصوص مسلم کانفرنس سے تعاون کا مطالبہ کیا۔ اور اُن سے یہ بھی اپیل کی کہ اگر وہ کسی وجہ سے آپ کی تحریک میں پوری معاونت نہ کریں تو ایک خاموش تماشبین کی طرح نتائج کا انتظار کریں اور آپ کے راستہ میں روڑا نہ اٹکائیں۔ اِس کی کیا وجہ ہے ؟ کیا آپ کی یہ تحریک علاوہ آپ کے مسلم بھائیوں کے دیگر باشندگان ریاست پر اثر پذیر نہیں ہوگی۔ جو باقی باشندگان ریاست اور خصوصیت سے ہندو اور سکھ اقلیتوں کو نظر انداز کئے جاتے

کی کیا وجوہات آپ کے پاس تھیں؛ آپ کو یقیناً یہ امر معلوم ہے کہ ریاست کی اقلیتیں آپ کی اس تحریک سے لازمی طور پر اثر انداز ہوں گی۔ ایسے حالات میں اُن کو اعتماد میں لئے بغیر اس تحریک کو جاری کرکے آپ نے اقلیتوں سے انصاف نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس امر کے گمان کی معقول وجہ آپ نے پیدا کر دیں جو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ اور مسلم کانفرنس میں گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔ آپ کو موجودہ حکومت سے ہزار شکوہ ہو، آپ سے ہزار درجہ بڑھ کر ریاست کی اقلیتوں کو جن سے میں تعلق رکھتا ہوں، موجودہ حکومت سے شکایت ہے جس نے ہمیشہ اقلیتوں کے مفاد کو اکثریت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قربان کر دیا۔ جس نے کبھی یہ نہ دیکھا کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرنا اُس کا فرض ہے۔ اُس کے وزراء نے اکثریت کے ہر جائز و ناجائز مطالبات کو اس لئے قبول کیا کہ اُن کی وزارت کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اُن کو بہ اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ کے مقابلہ میں اقلیتوں کو موجودہ حکومت سے زیادہ شکایات ہیں۔ لیکن حکومت کے خلاف شکایات کا ازالہ کرانے کا یہ نسخہ کہ ڈوگرہ راج کا خاتمہ وادیٔ کشمیر سے کر دیا جائے، سراسر نامناسب ہے۔ ریاست کا ہر صحیح الدماغ شخص آزادی کا طالب ہوتا جتنا ذمہ دار نظام حکومت کے مطالبہ کو لبیک کہے گا۔ لیکن آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے چالیس لاکھ انسانوں میں سے کئی لاکھ انسان اپنے محبوب والیٔ ملک کی پرستش بطور دیوتا کے کرتے ہیں۔ ان تمام انسانوں کے دلی جذبات کا احساس نہ کرتے ہوئے آپ نے شری مہاراجہ بہادر کی ذات مقدس کو بھی اب بحث کا موضوع بنا دیا۔ اور اس طرح ڈوگرہ راج کے خاتمہ کی دھمکی دی۔ ریاست جموں و کشمیر کا کوئی بیرونی حکمران ہے نہ ہی کوئی بیرونی حکومت ہے۔ مہاتما گاندھی جی کا نسخہ انگریز کے لئے ہے جو سمندر پار سے ایک اجنبی کی حیثیت میں بھارت دیش پر آکر مالک بن بیٹھا ہے۔ اسے آپ اگر ریاست کشمیر پر برتنا چاہیں تو صریحاً غیر موزوں ہوگا۔ آپ یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب نہیں کہ وہ کشمیر کو خالی کر دیں۔ آپ نے اس مطالبہ سے ڈوگرہ قوم کی غیرت کو امتحان میں ڈال دیا ہے۔"

(۱) "اب جبکہ برٹش انڈیا کے سیاسی آئین میں اور اس کے ساتھ ہی ہندوستانی ریاستوں کے دستور العمل میں یقینی طور پر عنقریب تبدیلی ہونے والی ہے تو اس تحریک کو فوراً بند کر دیا جائے۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کا زاویہ نگاہ کشمیر کے واقعات کے متعلق پنڈت نہرو نے

ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ نہ صرف پردھان آل انڈیا ریاستی پرجا کانفرنس کی حیثیت میں بلکہ اس خیال سے بھی کہ میں کشمیری ہوں مجھے کشمیر کے واقعات سن کر بہت دکھ ہوا ہے۔ میں ان سے متعلق زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں چاہتا تھا کہ مجھے زیادہ حالات اور حقیقتیں مل جائیں۔ جو اطلاعات مجھے مل رہی تھیں، یہ زیادہ تر پریس ایجنسیوں کے ذریعے تھیں جو قابلِ اعتبار اور صحیح نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ میں تو انہیں یک طرفہ سمجھتا تھا کیونکہ یہ اطلاعات ریاستی حکام کی منظوری کے بغیر بھیجی نہیں جا سکتیں۔ بخشی غلام محمد اور دوار کا ناتھ بچرو جو کشمیر سے یہاں آئے ہیں، انہوں نے مجھے تمام حالات سے آگاہ کیا ہے۔ وہ خود بیان دیں گے۔ اس لئے میں یہاں وہ الفاظ نہیں دہراؤں گا جو انہوں نے کہے ہیں"۔

"ذمہ دار حکومت۔ معاہدہ امرتسر اور کشمیر سے نکل جاؤ کی بناء پر کشمیر میں جو عوامی ایجی ٹیشن ہو رہی ہے، اس کے متعلق مجھ سے بہت سے سوالات کئے جا رہے ہیں۔ سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی پالیسی یہ رہی ہے کہ ریاستوں میں کامل ذمہ وار حکومت کا مطالبہ کیا جائے۔ ہر ایک ریاست کا والی اس کے آئینی فرمانروا کی حیثیت سے کام کرے۔ کشمیر نیشنل کانفرنس، جس کے صدر شیخ محمد عبداللہ ہیں، کی پالیسی بھی یہی رہی ہے۔ گذشتہ دنوں سے حکومت کشمیر اس پالیسی پر عمل کر رہی ہے کہ عوامی تحریک کی مخالفت کی جائے۔ اس غرض کے لئے کئی ناپسندیدہ طریقے اختیار کئے گئے۔ عوامی وزیر مرزا افضل بیگ کے لئے اپنے منصب پر قائم رہنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ وہ مستعفی ہو گئے۔ اس کے بعد حکومت نے اپنے ہی ضوابط کے خلاف ایک اور شخص کو جو چند روز پیشتر تک نیشنل کانفرنس کا ممبر تھا، مرزا افضل بیگ کی جگہ وزیر مقرر کر دیا۔ حکومت کے ان اقدامات کے خلاف عوام میں سخت ناراضی پھیل گئی اور اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ چند ہفتے پیشتر نیشنل کانفرنس نے دربار کے نام ایک محضر نامہ بھیجا جس میں معاہدہ امرتسر کے خاتمہ اور کشمیر میں اہلِ کشمیر کی حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ نیشنل کانفرنس کی اس نئی پالیسی سے حکومت کے خلاف عوام کی بڑھتی ہوئی بے چینی ظاہر ہوتی تھی۔ ریاست کے نظم و نسق میں رشوت ستانی اور اقربا نوازیوں کے بہت الزامات تھے۔ اس نئی پالیسی کی تصدیق نیشنل کانفرنس یا اس کی ایگزیکٹو کمیٹی نے نہیں کی تھی۔ ایگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس ۲۶ مئی کو منعقد ہونے والا تھا۔ لیکن اس اثناء میں واقعات تیزی سے رونما ہوتے رہے اور شیخ محمد عبداللہ نے عام جلسوں میں

اِس نئی پالیسی کو واضح کیا۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ نیشنل کانفرنس اور آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی پالیسیوں میں اِس نمایاں اختلاف رُونما ہونے سے پہلے اِن دونوں جماعتوں سے مشورہ کر لیا جاتا۔ مَیں یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتا ہُوں کہ آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی پالیسی بدستور ایسی رہی ہے کہ ریاستوں میں ذمہ دار حکومتیں قائم کی جائیں اور والیانِ ریاست آئینی فرمانروا کی حیثیت سے کام کریں۔ اِس پالیسی کو سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے سوا اور کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ لیکن اِس اثناء میں کشمیر اور دُوسرے مقامات پر واقعات تیزی سے رُونما ہوتے رہے اور باشندگانِ ریاست کے لئے یہ مسئلہ غور طلب بن گیا۔ اگر ذمہ دار حکومتوں کے قیام کے واسطے جلد اہم تبدیلیاں نہ کی گئیں تو والیانِ ریاست کو شاید آئینی فرمانرواؤں کی حیثیت سے بھی پسند نہ کیا جائے۔ فرمانروا خاندانوں کے حقوق اور مراعات کے متعلق لمبے چوڑے دعوے کئے جاتے ہیں۔ لیکن والیانِ ریاست کا کوئی خاندان حق عوام کے بنیادی حقوق کو کالعدم نہیں کر سکتا۔ اگر والیانِ ریاست آئینی فرمانروا رہ سکتے ہیں تو صرف باشندگانِ ریاست کی مرضی سے، کسی بیرونی طاقت کی مدد یا کسی دباؤ اور قوت کے بل پر نہیں۔ اگرچہ میرے نزدیک یہ امر افسوسناک ہے کہ سٹیٹس پیپلز کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کشمیر سے مشورہ کئے بغیر فرمانروا کے متعلق یہ سوال پیدا کر دیا گیا ہے"۔

مہاراجہ۔ نہرو خط و کتابت

نہرو جی کا تار وزیر اعظم کشمیر کو۔ پنڈت نہرو نے ۲۸ مئی ۱۹۴۶ء کو پرائم منسٹر کشمیر کے نام یہ تار بھیجا:

"اخباری اطلاعات سے شیخ عبداللہ و دیگر اصحاب کے مقدمہ کے متعلق معلوم ہوا ہے میں مناسب صفائی کا انتظام کرنا چاہتا ہُوں۔ درخواست ہے اِس کے لئے پُوری سہولیات دی جائیں"۔

وزیر اعظم کا جوابی تار۔ ۲ جون کو تار ملا۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہے جو ملزم کی درخواست پر بلاشبہ وُہ سہولیات دیگی جن کی قانون کے تحت اجازت ہے"۔

پنڈت نہرو کا مہاراجہ کو تار۔ ۱۵ جون "مَیں شیخ عبداللہ کے مقدمہ کے لئے وکلاء کے ساتھ ۱۹ جون کو سرینگر پہنچ رہا ہُوں۔ مجھے ابھی اُمید ہے کہ متعلقین کے مفاد کی خاطر مقدمات واپس لے لئے جائیں گے اور شیخ عبداللہ اور اُن کے رفقاء کو رہا کر دیا جائے گا۔ ایسے اقدامات سے کشمیر کے بھاری مسائل کا پُرامن تصفیہ ہو جائے گا۔ مَیں اِس کام میں بخوشی امداد دُوں گا۔ اور اگر آپ چاہیں تو آپ سے مِل سکتا ہُوں"۔

مہاراجہ کا جواب - ۱۶ر جون "مقدمات زیرِ سماعت ہیں۔ قواعد کے تحت بیرونی وکلاء کو جنہیں ملزم مقرر کرنا چاہے، حاضر ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے چیف جسٹس کی طرف رجوع ہونا چاہیئے۔ آپ کا یہاں آنا غیر مفید ہو گا کیونکہ اِس سے محض پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔"

پنڈت نہرو کا مہاراجہ کو تار - ۱۷ر جون "تار موصول ہوا۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی ہے کہ آپ کا خیال ہے کہ میری آمد سے پیچیدگیاں پیدا ہوں گی ۔ میں تو اُن پیچیدگیوں کو جو پہلے ہی موجود ہیں اور اِس افسوسناک صورتِ حالات کو جو پہلے ہی زیرِ سے جاری ہے ختم کرنے کی غرض سے کشمیر آرہا ہوں۔ لہٰذا ریاستی حکام کو میرا خیر مقدم کرنا چاہئیے اور مجھے تمام سہولتیں دینی چاہئیں۔ علیحدگی اختیار کرلینے اور ذاتی تعلقات سے احتراز کرنے سے غیر ضروری مشکلات رُونما ہوئی ہیں۔ اِس لئے میری خواہش ہے کہ صُورتِ حالات کا خود ملاحظہ کروں اور آپ سے ملُوں۔ مَیں نے آپ کے نام ایک طویل خط ایک پیامبر کے ہاتھ بھیجا ہے۔"

مہاراجہ کا جواب - ۱۷ر جون "تار ملا۔ معلوم ہوا کہ آپ پیامبر کے ہاتھ ایک خط بھیج رہے ہیں۔ آپ کی یہاں آمد کے متعلق میرے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اِس نازک موقعہ پر اِس سے وُہ افسوسناک نتائج رُونما ہوں گے جنہیں دُور رکھنا تمام متعلقین کا فرض ہے۔"

مہاراجہ کو پنڈت نہرو کا خط - "مَیں مسٹر آصف علی، دیوان چمن لال اور مسٹر بلدیو سہائے کی معیت میں راولپنڈی سے کار میں روانہ ہو کر ۱۹ر جون کی شام کو سرینگر پہنچنے کی اُمید کرتا ہُوں۔ ہمارے وہاں جانے کا فوری مطلب شیخ عبداللہ کی صفائی کا انتظام کرنا ہے۔ تاہم مجھے اور میرے خیال میں بلاشبہ آپ کو بھی زیادہ فکر کشمیر کی عام صورتِ حال کا ہے جس کا یہ مقدمہ صرف ایک حصّہ ہے۔ وہاں جو مسائل پیدا ہو گئے ہیں، اُن کے حل میں کچھ مدد کرنا بہت پسند کروں گا۔ یہی کوشش کرنا میرے وہاں جانے کا بڑا مقصد ہے۔ مَیں کشمیر میں امن اور ترقی چاہتا ہوں۔ جس کی آپ کو بھی ضرور خواہش ہونی چاہیئے۔ مَیں محسوس کرتا ہُوں کہ جب تک یہ مقدمات واپس نہ لیئے جائیں اور شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء کو چھوڑ نہ دیا جائے، نارمل حالات اور امن کی بحالی ممکن نہیں ہو گی۔ قدرتی طور اِس کے ساتھ ہی موجودہ

ایجی ٹیشن بھی جو کسی نہ کسی صورت میں کشمیر میں ابھی جاری ہے۔ بند ہو جانی چاہئیے۔ اس اقدام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مختلف مسائل مناسب اور پُرامن طریق سے زیرِ غور لائے جا سکیں گے جو کشمیر سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو درپیش ہیں۔ اس لئے میں نے اپنے تازوں میں آپ سے یہ درخواست کی ہے اور اس درخواست کو یہاں دُہراتا ہوں کہ شیخ عبداللہ اور دوسروں کو چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ آپ کو بارات پہ معلوم ہے شیخ محمد عبداللہ میرے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے لئے آ رہے تھے۔ اُن کی رہائی کے فوراً بعد ہم آپس میں بات چیت اور ایسے نتائج عمل میں لانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ جن سے مناسب تصفیہ ہو جائے۔ کشمیر کا مسئلہ اپنے طور سے ہی کافی اہم ہے اور ہم میں سے کچھ لوگوں کو اس میں بڑی دلچسپی ہے۔ مگر اس وقت تو ہندوستانی ریاستوں کے مجموعی ڈھانچے میں اس کی خاص اہمیت ہے۔ بہت جلد آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں آنے والا ہے اور ہر ایک ریاست کو خاص طور سے بڑی ریاستوں کو اس اسمبلی میں اپنی نمائندگی پر غور کرنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ آپ انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی اس عوامی مانگ سے بہرہ ور ہوں گے کہ آئین ساز اسمبلی میں نمائندگی لوگوں کے چُنے ہوئے نمائندوں کے ذریعے سے ہونی چاہئیے۔ یہ تمام اور ایسے ہی دوسرے مسائل کا بہت جلد سامنا کرنا ہوگا۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر کشمیر میں حالات نارمل نہ ہوئے اور ریاست سے جماعت کا جھگڑا رہا تو ان مسائل کی قدرتی مشکلات بہت بڑھ جائیں گی۔ چنانچہ ریاستی حکام اور عوام کے یکساں مفاد کی خاطر یہ امر بڑا پسندیدہ ہے کہ نارمل حالات تیزی سے بحال ہوں۔"

"برٹش کیبنٹ ڈیلیگیشن سے گفت و شنید کے اس نازک مرحلے پر میرے لئے ایک روز کے لئے بھی دہلی سے جانا بہت مشکل ہے۔ لیکن میں کشمیر کے لئے کچھ کرنے کا اتنا مشتاق ہوں کہ میں نے دہلی چھوڑنے اور حل تلاش کرنے میں اپنی بہترین امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر آپ اور آپ کی گورنمنٹ بھی اس کے خواہشمند ہوں تو یہ حل کافی آسان ہو جائے گا۔ میں نے اپنے تار میں یہ تجویز کیا ہے کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں بخوشی آپ سے مل کر ان معاملات پر بحث کروں گا۔ ضروری ہے کہ اس موقعہ پر سرینگر میں میری آمد مختصر ہو۔ کیونکہ میں نے کیبنٹ مشن اور وائسرائے سے بات چیت کے لئے جتنی جلد ممکن ہو واپس دہلی پہنچنا ہے۔ لیکن اس دوران میں بھی کسی تصفیہ کی بنیاد رکھنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اگر ضرورت

پڑے تو میں کچھ دیر ابد مزید بات چیت کے لئے پھر سرینگر واپس آسکتا ہوں"۔

"میں نے اپنے ساتھی مسٹر دوار کا ناتھ کاچرو سے یہ خط لے جانے کو کہا ہے۔ تاکہ سرینگر میں میری آمد سے قبل آپ کو یہ مل جائے اور مسئلہ کشمیر تک میری رسائی کے متعلق زیادہ واقف ہوسکیں مجھے اُمید ہے کہ کشمیر میں میرے مختصر قیام سے وہ نتائج رُونما ہونگے جن سے تمام متعلقہ جماعتوں کی تسلی ہو"۔

یہ خط مہاراجہ بہادر کے محل میں ۱۹ر جون کو پہنچا یا گیا اور اس سے قبل کہ کوئی جواب دیا جاتا، پنڈت نہرو پابندی توڑ کر کوہالہ سے کشمیر میں داخل ہو گئے۔

کشمیر کی صورتِ حالات

ایک ممتاز جرنلسٹ نے اُس وقت کی صورتِ حالات کے متعلق اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ:-

(۱) کشمیر میں حالات آہستہ آہستہ سُدھرتے جا رہے ہیں۔ ڈسٹرکٹوں میں امن و امان ہے۔ اور کسی جگہ سے فساد یا نقصان کے متعلق کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی ہے شہر سرینگر کے کچھ حِصّوں میں دُوکانداروں نے جُزوی ہڑتال کی تھی۔ لیکن اکثر دکاندار دوکان کا ایک پٹ کھول کر کاروبار کرتے تھے کئی دوکانداروں نے دوکان کا ایک پٹ چھیڑ چھاڑ کے ڈر سے، نہ کہ شورش سے ہمدردی کی وجہ سے، کھولا تھا۔ اور اسی طرح ٹانگہ والوں اور شکارہ والوں نے بھی ہڑتال کی تھی۔ حکام نے امن پسند لوگوں اور سیاحوں کی دقتوں کو کم کرنے کے لئے ایک فری بس سروس جاری کی ہے۔ جس کی گاڑیاں سرینگر اور نگین اور شالامار کے درمیان ایک ایک گھنٹہ کے بعد چھوٹتی ہیں۔ بھنگیوں کی ہڑتال کا بھی اندیشہ ہے۔ لیکن اس بارے میں حکام نے مناسب تدابیر اختیار کی ہیں تاکہ صحتِ عامہ کو برقرار رکھنے والی اس ضروری سروس میں کم سے کم خلل اندازی ہو۔ اب شورش پسندوں نے نئے ہتھکنڈے شروع کئے ہیں۔ وُہ دوپہر کے وقت خانقاہ محلے میں جمع ہو کر قابلِ اعتراض تقریریں کرتے ہیں اور قابلِ اعتراض نعرے لگاتے رہیں۔ آزادئ عبادت کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی کے زیرِ نظر اس وقت تک مسجدوں میں اِن مجمعوں میں دخل اندازی کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔ باوجودیکہ اعلان کے بموجب کسی عام مقام پر پانچ یا پانچ سے زیادہ اشخاص کے جمع ہونے کی ممانعت کی گئی ہے لیکن اگر شورش پسند انہی اِن چالوں کو جاری رکھیں گے تو امنِ عامہ کے محافظ اِن پُر فریب اور تخریبی کارروائیوں کی روک تھام کے لئے قدم اُٹھانے پر مجبور ہو

جائیں گے۔ شہر کے کچھ حصّوں میں رات کے وقت لوگ چلاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے کافی شور پیدا ہوتا ہے۔ اس کی روک تھام کے لئے شہر کے مختلف حصّوں میں ایڈیشنل پولیس کی چوکیاں بٹھائی جارہی ہیں۔ اس کے علاوہ پُرامن شہری شہر کے ہر ایک وارڈ میں عوامی لیڈروں پر مشتمل کمیٹیاں بنانے کے لئے قدم اٹھا رہے ہیں تاکہ ہر جگہ پُرامن حالات پیدا کئے جائیں اور ہر ایک شہری بلا کسی خوف کے اپنا کاروبار چلا سکے۔ (۲۶ مئی ۱۹۴۶ء)

(۲) کشمیر کے حالات بدستور آہستہ آہستہ سدھرتے جا رہے ہیں مضافات میں امن وامان ہے۔ شہر سرینگر میں کوئی ایسا واقعہ رُونما نہیں ہُوا جس کی وجہ سے امن عامہ میں یا لوگوں کے کام کاج میں کوئی خلل واقع ہوتا۔ ٹانگہ والوں۔ شکارہ والوں اور بھنگیوں نے کوئی ہڑتال نہیں کی حالانکہ انھوں نے کل ایسا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ شہر سرینگر سے چند میل کے فاصلے پر ایک پُل کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر وقت پر اس کا پتہ چلنے سے یہ کوشش ناکام بنا دی گئی۔ لوگ بدستور خانقاہ محلے میں جمع ہوتے ہیں اور وہاں پر اشتعال انگیز تقریریں کی جاتی ہیں۔ (۲۷ مئی ۱۹۴۶ء)

(۳) یہ رپورٹیں کہ میر واعظ کو اُن کے گھر میں نظربند کیا گیا ہے اور شہر سرینگر میں پانی کی سپلائی بند کی گئی ہے، بالکل بے بنیاد ہیں۔ جیسا کہ پیشتر بتایا گیا تھا، شورش کے پہلے ہی دن چند مقامات پر ٹیلیفون اور بجلی کی تاریں کاٹی گئی تھیں۔ لیکن اُن کی مرمت کی گئی ہے اور تب سے ان میں کوئی خلل اندازی نہیں ہوئی ہے۔ (۲۷ مئی ۱۹۴۶ء)

(۴) موجودہ فسادات کے سلسلہ میں گرفتار شدگان اور زخمیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

گرفتار شدگان۔ سرینگر ۲۰۶ ضلع اننت ناگ ۴۲۔ بارہ مولا ۷۷۔ تعداد اموات ۶۔ زخمی نیشنل کانفرنسی ۷۵۔ زخمی فوجی سپاہی ۸۔ زخمی پولیس کانسٹیبل ۱۳۔ زخمی مجسٹریٹ ایک۔ مجروحین اس وقت شہر سرینگر اور قصبات کے ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں)

(۵) حکومت کشمیر نے شورش کو ختم کرنے کے لئے بعض محلوں میں چوکیاں بٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کشمیر نے اعلان کیا ہے کہ خانقاہ محلے نواب بازار۔ پتھر مسجد۔ سید علی اکبر پورہ۔ دوکان سنگین۔ ۔ ۔ ۔ سیکہ ڈافر۔ باغبان پورہ۔ کافی ایڈمنز اور عالمدار بازار پر تعزیری چوکی ایک سب انسپکٹر۔ دو ہیڈ کانسٹیبل اور ۲۰ کانسٹیبلوں پر مشتمل ہوگی

اخراجات کا اندازہ دو ہزار روپیہ فی چوکی ہے جو کہ متعلقہ محلہ داروں سے وصول ہوگا۔

(۲۷ مئی ۱۹۴۶ء)

پنڈت نہرو آسکتے ہیں ـــ رائے بہادر پنڈت رام چندر کاک پرائم منسٹر کشمیر نے حالات حاضرہ کا جائزہ لینے کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو کی آمد کے سلسلہ میں بیان جاری کیا کہ "کافی عرصہ سے شیخ محمد عبداللہ ریاست کو دھمکیاں دے رہے تھے لیکن ریاست خاموش رہی معمولی مراعات حاصل کرنے کے لئے اکثر اوقات تحریک کی دھمکی بھی دی گئی لیکن اس کے بعد حالات حد سے گزر گئے۔ وزارتی مشن کی موجودگی اور ملک میں امکانی تبدیلی کے پیش نظر شیخ عبداللہ نے مہاراجہ کی حکومت کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا۔ اپنی گرفتاری سے دو تین ہفتے پہلے شیخ نے جتنی میٹنگوں میں تقریریں کیں، اُن میں صرف مہاراجہ بلکہ مہارانی اور راجکمار کو بھی فحش گالیاں دیں۔ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ مہاراجہ کو تین دن کے اندر ریاست سے نکال دیں گے اور خود حکومت سنبھال لیں گے۔ باوجود اس کے ریاستی حکام نے کوئی کارروائی نہ کی۔ حکومت نے اُس وقت کارروائی کی جب ریاست کو یقین ہو گیا کہ شیخ عبداللہ کے ریاست سے چلے جانے پر وسیع پیمانہ پر تباہ کاری کی مہم شروع ہو گی لیکن ہم نے شیخ عبداللہ کو اس لئے گرفتار نہیں کیا کہ وہ پنڈت جواہر لال نہرو سے ملنے جا رہے تھے۔ آپ نے کہا کہ نہرو یہی خود یا اُن کی جگہ اور کوئی آکر حالات کا جائزہ لے سکتا ہے۔ آپ نے کہا کہ ریاست کشمیر جمہوریت پسند اقدام کرنا چاہتی ہے لیکن یہ سب جگہ یکساں ہونا چاہیے۔ کشمیر آل انڈیا یونین میں رہنا چاہتا ہے۔ لیکن دربار اس وقت گڑبڑ یا علیحدگی کی اجازت نہ دے گا جبکہ سارے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا ہے۔"

مُعاہدہ امرتسر دُرست ہے ۲۸ مئی ۱۹۴۶ء کو لالہ دینا ناتھ مہاجن لیجسلیٹو ممبر اسمبلی نے معاہدہ امرتسر کے بارے میں ایک لطیف نکتہ پیش کرتے ہوئے ایک بیان دیا کہ فرض کیجئے علاقہ کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کو صرف مالیاتی بنیادوں پر حوالے کر دیا گیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا شیخ عبداللہ کے خیال میں ایسی کوئی طاقت ہے جو کشمیر کے موجودہ حکمران کو اپنے حقوق سے دستبردار ہونے کے لئے مجبور کر سکے اور روپیہ واپس کر دے جو کہ اُن کے جدِ امجد نے ایسٹ انڈیا

کمپنی کو دیا تھا۔ شیخ صاحب کہتے ہیں کہ تاریخ میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی جبکہ کوئی ملک کسی طاقت کے ہاتھ بیچ دیا گیا ہو۔ لیکن تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ ایک دفعہ امریکہ اور روس میں شمال مغربی ساحل کا جھگڑا پیدا ہوا تھا۔ نتیجتہً ۱۸۲۵ء میں معاہدہ سینٹ پیٹرز برگ طے پایا تھا۔ یہ جھگڑا اس وقت طے ہوا جبکہ امریکہ نے سارے کا سارا ایلاسکا روس سے ۷۲ لاکھ ڈالر کے عوض خرید لیا۔ دوسری مثال ۱۸۰۳ء کا معاہدہ پیرس ہے جس کی رو سے فرانس نے لوئیسی آنا امریکہ کے ہاتھ ساٹھ لاکھ فرانکس کے عوض فروخت کر دیا تھا۔ بین الاقوامی قانون کی رو سے بھی حکومت کی یہ خرید جائز ہے۔ جیسا کہ ویٹن صاحب کی بین الاقوامی کتاب جلد چہارم کے صفحہ ۲۶۷ پر درج ہے کہ "ہر ایک بادشاہت حق حکومت خرید سکتی ہے"۔

تحریک "کشمیر چھوڑ دو" کی مذمت

۱۴ جون کو لاہور میں ڈوگرہ فیڈریشن کا ایک بھاری اجلاس ہوا جس میں ریاست جموں و کشمیر، ضلع کانگڑہ۔ ریاست منڈی سکیت۔ رام پور بشہر۔ بلاسپور۔ اضلاع شملہ۔ سیالکوٹ۔ گورداسپور۔ تحصیلات اونہ۔ دسوہہ۔ ضلع ہوشیار پور۔ علاقہ جات بجوات۔ چپراڑ۔ گوندل اور بھکلیان کے لاہور میں مقیم اڑھائی لاکھ ڈوگروں نے متفقہ طور پر تحریک "کشمیر چھوڑ دو" کی سخت مذمت کی۔ اور ریاست جموں و کشمیر کے تاجدار مہاراجہ ہری سنگھ سے بذریعہ ریزولیوشن استدعا کی کہ وہ شیخ عبداللہ کے اس ناجائز مطالبہ کے آگے ہرگز نہ جھکیں۔ ڈوگروں کا یہ بھاری اجلاس مہاراجہ کو یقین دلاتا ہے کہ وقت آنے پر ہم اپنے مہاراجہ کے لئے پسینے کی جگہ خون بہانے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ یہ اجلاس زیر صدارت پنڈت پرتھوی چند کالیہ گوکل چند مارکیٹ اندرون شاہ عالمی گیٹ لاہور میں منعقد ہوا۔

مہاراجہ سے اظہار وفاداری

"کشمیر چھوڑ دو" اور معاہدہ امرتسر توڑ دو" تحریک کے خلاف اکثر لوگوں نے بلالحاظ مذہب و ملت اپنی صدقدلانہ خدمات پیش کر کے اپنی انتہائی وفاداری کا اظہار کیا اور جموں و کشمیر کی سبھا سوسائٹیوں اور بیرون از ریاست کی اکثر انجمنوں اور مختلف جماعتوں

نے اپنے تمام ذرائع کی مہاراجہ بہادر کو پیشکش کی۔ اور کہا کہ شیخ عبداللہ کی تحریک سراسر باغیانہ ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی گرفتاری

پنڈت جواہر لال نہرو کو ۲۰ جون ۱۹۴۶ء کے دن، جبکہ وہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے سرینگر جا رہے تھے، حکومت کشمیر نے کوہالہ کے مقام پر گرفتار کر لیا۔ اُن کے ساتھ دیوان چمن لال اور پنڈت دوارکا ناتھ کاچرو جنرل سیکرٹری آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس تھے۔ حکومت کشمیر نے ریاست میں پنڈت نہرو کے داخلہ پر پابندی لگا دی تھی۔ جب وہ ریاست کی حدود میں صبح کے نو بجے داخل ہوئے تو اُنہیں کوہالہ پُل پار کرتے ہوئے روک گیا۔ لیکن وہ آگے بڑھتے گئے اور سنگینوں اور فوج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چلتے گئے۔ پولیس نے اُنہیں دو میل سے آگے نہ جانے دیا۔

آل انڈیا ریڈیو کی آواز پر دُنیا کے کونہ کونہ میں یہ خبر پہنچ گئی کہ وادی کشمیر میں داخل ہوتے ہی پنڈت نہرو کو حکومت کشمیر نے گرفتار کر لیا ہے۔ اور اُن کے رفقاء دیوان چمن لال وغیرہ کو سرینگر جانے دیا گیا ہے۔ اس خبر نے ہندوستان بھر میں سنسنی پھیلا دی۔ حکومت نے پنڈت نہرو کو چھاؤنی کے ڈاک بنگلہ میں شاہانہ طریق پر رکھا۔ لیکن دُوسرے ہی دن مولانا ابوالکلام آزاد پریذیڈنٹ آل انڈیا نیشنل کانگرس کی استدعا پر واپس دہلی چلے گئے۔ کیونکہ کانگرس ورکنگ کمیٹی کی ایک اہم میٹنگ میں اُن کی شرکت نہایت ضروری تھی۔ پنڈت جی نے کانگرس کے ڈسپلن کے تحت دہلی جانا منظور کر لیا۔ اور جاتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ فرصت پاتے ہی پھر کشمیر آکر حالات کو بچشم خود دیکھیں گے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ۲۱ جون کو واپس دہلی پہنچ کر ۲۳ جون کو ایک پریس کانفرنس کو ایڈریس کیا جس میں ملکی اور غیر ملکی نمائندگان پریس شامل تھے۔

سارا ہندوستان میرا گھر ہے

پنڈت نہرو نے پریس کانفرنس میں اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کے نئے حالات میں راجے اور نواب کسی گنتی میں نہیں آسکتے۔ پنڈت جی نے کشمیر میں اپنی گرفتاری اور بعد کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس ضمن میں اخبارات میں جو اطلاعات شائع ہوئی

Scanned with CamScanner

ہیں اُن میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ یہ بات سراسر غلط ہے کہ میں یا میرا کوئی ساتھی زخمی ہُوا تھا۔ مجھے پولیس یا ملٹری کے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ کیونکہ انہیں ایک نہایت مشکل پوزیشن میں ڈال دیا گیا تھا۔ جب فوج اور پولیس سنگینوں اور بندوقوں سے مسلح ہوں تو ناخوشگوار واقعات کا رُونما ہونا لازمی ہے۔ جدید ہندوستان میں راجاؤں اور نوابوں کی پوزیشن کا ذکر کرتے ہوئے پنڈت جی نے کہا۔ ہر ریاستی حکمران کو اس سوال کا جواب دینا چاہیے کہ کیا وُہ اپنی ریاست سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے یا اُس کی زیادہ خدمت کرتا ہے۔ جب ہم کوہالہ میں سرینگر جانے کیلئے مہاراجہ کی اجازت کا انتظار کر رہے تھے تو کوہالہ کے کچھ باشندے جن میں زیادہ تعداد سکول کے لڑکوں اور نوجوانوں کی تھی، وہاں اکٹھے ہو گئے۔ وُہ گیت گاتے رہے اور قومی نعرے لگاتے رہے۔ اس اثناء میں ریاستی افسروں کے ایماء پر سرینگر سے تین لاریاں آئیں۔ ان میں بھاڑے کے ٹٹو بیٹھے ہوئے تھے۔ ان بھاڑے کے ٹٹوؤں کے ہاتھوں میں سیاہ جھنڈے تھے اور وُہ "جواہر لال واپس جاؤ" کے نعرے لگا رہے تھے لیکن جب ایک پولیس افسر نے انہیں اشارہ کیا تو انہوں نے نعرے لگانے بند کر دیئے۔ شام کے وقت ان میں سے کچھ اشخاص پرائیویٹ طور پر میرے پاس آئے اور معافی مانگ کر کہنے لگے کہ انہیں اس کام کے لئے ریاست کی طرف سے روپیہ دیا گیا تھا۔ اخبارات میں شائع ہُوا ہے کہ کئی جتھے موقعہ پر پہنچ گئے تھے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ میں نے ایسے جتھوں کی حوصلہ افزائی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں اپنے آپ کو کسی ریاست میں بھی غیر باشندہ نہیں سمجھتا۔ سارا ہندوستان میرا گھر ہے۔ اور مجھے یہ حق حاصل ہے۔ کہ میں ہندوستان کے جس حصے میں جانا چاہوں جاؤں۔ ریاست کشمیر میں جو کچھ ہُوا مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں۔ کیونکہ اس سے ریاستی حکمرانوں اور دُوسرے لوگوں کو جدید ہندوستان کے نئے حالات کا احساس کرنے میں مدد ملتی ہے۔ جب مری کے لوگوں کو یہ معلوم ہُوا کہ مجھے روک لیا گیا ہے تو مری سے کچھ کانگرسی لاری میں آئے۔ ان کے علاوہ باہر سے اور کوئی آدمی نہیں آیا۔ سوا آٹھ بجے ہم نے سرینگر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ نوجوانوں میں سے بعض کے پاس بندوقیں اور سنگینیں تھیں۔ پولیس نے ہمیں روکنے کے لئے لاٹھیاں استعمال کیں۔ لیکن ہمیں کوئی زخم نہیں آیا۔ ایک بار ایک فوجی کی سنگین مجھ سے چند انچ کے فاصلے پر تھی۔ سردار کا ناتھ کاچرو نے آگے بڑھ کر اُسے موڑ دیا۔ بندوقوں

میں گولیاں بھرنے کا حکم ہمارے سامنے دیا گیا لیکن میں یا میرا کوئی ساتھی زخمی نہ ہوا۔ اس طرح ہم صرف اڑھائی سو گز آگے بڑھے تھے کہ میں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے دریافت کیا تھا کہ کیا ہم گرفتار کر لئے گئے ہیں؟ اس نے کہا، نہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر ہم گرفتار نہیں کئے گئے ہیں تو اس حالت میں ہم بدستور آگے بڑھتے جائیں گے۔ آخر کار مجسٹریٹ پولیس اور ملٹری کو اپنے ساتھ لے کر ۱۲ میل آگے ... میل پہنچ گیا۔ ہم نے سڑک کے بیچ میں بیٹھ کر کچھ ناشتہ کھایا اور پھر آگے بڑھ گئے۔ کشمیر کے متعلق اس مرحلہ پر زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ لیکن ان واقعات سے ریاستی حالات پر روشنی پڑ سکتی ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کا مقدمہ

حکومت کشمیر نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا۔ جس کی کارروائی ۳ر جون ۱۹۴۶ء کو شروع ہوئی۔ کانگریس نے اس مقدمہ کی پیروی کے لئے ایک ڈیفنس کونسل قائم کی تھی جس کا صدر مسٹر آصف علی (سابق گورنر اڑیسہ) مقرر کیا گیا۔ ریاست کے نامور ایڈوکیٹ کشمیری پنڈت جیا لال کلم (سابق جج ہائیکورٹ کشمیر) نے اپنی خدمات بطور معاون پیش کیں۔ اور مقدمہ کی سماعت بادامی باغ (سرینگر) میں ایک کھلی عدالت میں ہوئی۔ شیخ عبداللہ نے عدالت میں جو بیان دیا، اس میں دیگر امور کے علاوہ "کشمیر چھوڑ دو" کی اہمیت کو واضح کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ وہ کشمیر میں مطلق العنانیت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ عدالت نے شیخ عبداللہ کو تین الزامات کا مجرم قرار دیا۔ جس کے لئے تین تین سال قید کی سزا دی گئی۔ اسی طرح شیخ کے رفقاء اور دوسرے کارکنوں کو، جن پر علیحدہ مقدمہ چل رہا تھا، مختلف میعاد تک قید کی سزا ہوئی۔

شیخ محمد عبداللہ کا بیان صفائی

۲۳ر اگست ۱۹۴۶ء کے روز ڈسٹرکٹ سیشن جج کی عدالت میں الزام بغاوت کی صفائی پیش کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے بیان پیش کیا کہ "میرے خلاف بغاوت کا الزام عاید کیا گیا ہے جو جیوری کے خیال کے مطابق سماج کے خلاف بھاری جرم ہے۔ مگر میں صحت جرم سے انکار کر چکا ہوں۔ البتہ ... کشمیر کے عوام کے بنیادی حقوق کے سلسلہ میں جو کچھ کہہ چکا ہوں، اس پر میں ضرور قائم ہوں۔ میری تقریروں کی رپورٹیں

اگرچہ حرف بحرف اور بالکل ٹھیک طور پر تو قلمبند نہیں ہوئیں مگر پھر بھی کافی معقول حد تک درست ہیں۔ لیکن جب استغاثہ کی طرف سے الزام کو ثابت کرنے کے لئے ایسے فقروں پر بھروسہ کیا جاتا ہے جو متن سے الگ کئے جا چکے ہوں تو اس امر کا امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ توڑ مروڑ کر ان سے غلط مطلب بھی منسوب کیا جا سکے گا۔ کیونکہ سیاق و سباق کو نظر انداز کرنے سے فقروں کا منشاء فوت ہو سکتا ہے۔ میں ہمدردانہ اخلاق اور معقولیت کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ سیاست اور شخصیتوں اور ذمہ دار نظام حکومت کے درمیان امتیاز کرنے کی مجھ میں اہلیت موجود ہے۔ اور میں کسی وقت بھی کسی شخص کے خلاف ایسی باتیں نہیں کہہ سکتا جو تہذیب و اخلاق یا کسی کی بھی شان کے منافی ہو۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ میں ہمیشہ حکومت کی پالیسیوں اور نظام حکومت میں جائز اور مہذب و متمدن ذرائع سے اہم تبدیلیاں کرنے کا ضرور خواہش مند رہا ہوں۔ کیونکہ یہ ہر انسان کا پیدائشی حق ہے کہ وہ قانون کی تشکیل ایسے ڈھنگ پر کرے اور اسے اس انداز میں ڈھال سکے جس کے ماتحت زندگی بسر کرنا آسان ہو جائے۔

میں اس الزام کی بھی پورے زور سے تردید کرتا ہوں کہ میری گرفتاری کے بعد میری تقریروں کی وجہ سے لوگ تشدد پر اتر آئے تھے۔ کیونکہ حقیقت شناسی مجھے ایسا سوچنے کی ہرگز اجازت نہ دے سکتی تھی کہ ریاست کی مسلح طاقت سے نہتے عوام کا متشددانہ تصادم کرا دیا جائے۔ ۱۶ مئی سے بعد میں نے تقریریں بھی مکمل طور پر بند کر دی تھیں۔ اور ۱۷ مئی کو میں آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے ذمہ دار لیڈروں سے مشورہ لینے کے لئے دہلی جا رہا تھا کہ مجھے گڑھی سے آگے نہ بڑھنے دیا گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ میری گرفتاری کا قدرتی نتیجہ تھا کہ وسیع پیمانہ پر عوامی احتجاج ہوا۔ جسے متشددانہ طریق پر کچلنے کی کوشش کی گئی۔ خانقاہ معلے میں گولیوں کے سوراخ اس امر کا خاص ثبوت ہیں۔ اس کے بعد اسی قسم کے سانحات کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کی تلخ یاد ہر شخص کے دل میں ابھی تک تازہ ہے بلکہ ابھی تک تشدد، دباؤ اور مصیبتوں کی اس ہولناک زنجیر میں نئی کڑیاں جوڑی جا رہی ہیں۔ استغاثہ کی طرف سے اعلانیہ کوشش کی گئی ہے کہ میری گرفتاری کی وجہ سے بعد میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کا سلسلہ میری تقریروں سے زبردستی گانٹھ دیا جائے۔ حالانکہ میرے مقدمہ کے ساتھ ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ اس طرح گویا حکومت نے اپنی

نا دُور اندیشانہ اور اندھا دُھند فعل کو حق بجانب ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے جس کی بدولت بے شمار مردوں اور عورتوں کو بلا وجہ نہ صرف پریشانی و توہین سے دوچار ہونا پڑا بلکہ اکثر اس تشدد کا شکار ہو کر زخمی ہوئے اور کافی تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی۔ ایسی خوفناک پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مجھے اور میرے سینکڑوں ساتھیوں کو اچانک گرفتار کر لیا گیا اور فوج کو من مانے ظلم ڈھانے کے لئے عوام کے پیچھے چھوڑ دیا گیا۔

مجھے اپنی ذاتی صفائی پیش کرنے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ اور میں ہرگز اپنی صفائی کا انتظام نہ کرتا اگر مجھے یہ محسوس ہو چکا ہوتا کہ "بغاوت" کا مقدمہ میرے خلاف ذاتی الزام کی نوعیت سے بہت بڑی چیز ہے۔ درحقیقت یہ مقدمہ جموں و کشمیر کی ساری آبادی کے خلاف ہے۔

یہ اور بات ہے کہ بعض لوگ اپنے ذاتی مفاد یا خوف کی وجہ سے کھلے بندوں اس حقیقت کو تسلیم کرنے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ ریاست کے عوام حد درجہ کی غریبی اور ذلت میں دبے ہوئے ہیں۔ اُن کو کسی قسم کی آزادی یا ترقی کا موقعہ نصیب نہیں۔ میں اپنے نیشنل کانفرنسی ساتھیوں سمیت جو آج جیل میں پڑے سڑ رہے ہیں یا جلاوطنی کے دن گزارنے پر مجبور ہیں، گذشتہ سولہ سال سے اِن مظلوموں کی حتے المقدور خدمت کرنے میں مصروف رہا ہوں۔ ہماری کوشش رہی کہ عوام کی بڑھتی ہوئی بیداری کو اس ڈھب پر منظم کر دیا جائے کہ وہ اپنے جائز حقوق اور آزادی کی خواہش کا اظہار نہایت وفادارانہ طریق پر کرنے کے قابل ہو سکیں مگر حکومت اس سادہ سی بے ضرر اور جائز بات کو برداشت نہ کر سکی۔ اور اس کے تعزیری اور امتناعی قوانین کی مشینری فوراً حرکت میں آ گئی۔ جہاں قانون عوام کی مرضی پر مبنی نہ ہو وہاں یہ اُن کی خواہشات کو کچلنے کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ ایسے قانون کے لئے کسی قسم کا اخلاقی جواز نہیں ہونا چاہیئے۔ اسے کچھ عرصہ کے لئے زبردستی نافذ بھی کیوں نہ کیا جائے۔ مگر اس سے بھی بڑا ایک قانون موجود ہے جو عوام کی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے۔ جس سے جمہور کی بھلائی حاصل ہوتی ہے۔ انسانی ضمیر کے ٹربیونل کے سامنے حکمرانوں اور محکوموں کے اعمال کا انصاف کیا جاتا ہے۔ جہاں انصاف کا معیار زیادہ طاقتور فریق کی دھکڑ شاہی مرضی کے مطابق تبدیل نہیں ہو سکتا۔ میں اسی قانون اور ٹربیونل کے سامنے بڑی خوشی اور اعتماد کے ساتھ بلا جھجھک اپنا مقدمہ پیش کرتا ہوں اور اس کا فیصلہ تاریخ اور آئندہ نسلوں پر چھوڑتا ہوں۔

اور میرے ساتھیوں نے جن حقوق کا دعویٰ کیا ہے وہ صرف ریاست جموں و کشمیر ہی کے چالیس لاکھ باشندوں کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ ساری ہندوستانی ریاستوں کے نو کروڑ مظلوموں کی آواز بھی اس میں شامل ہے۔ اس میں کسی خاص عقیدہ یا نسل یا رنگ کے لوگوں کو بھی تخصیص نہیں بلکہ ہمیں ناقابلِ تقسیم ساری انسانی برادری کی بھلائی مقصود ہے بحیثیت انسان تمام مردوں اور عورتوں کو آزادانہ زندگی بسر کرنے کے بنیادی حقوق حاصل ہیں سیاسی، اقتصادی اور سماجی ترقی کے لئے قانون بنانا بلا امتیاز مذہب و ملت تمام انسانوں کا قدرتی حق ہے جس کے جواز سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے اسے دبا کر رکھا جا سکتا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ حکمرانی کا حقیقی حق صرف عوام کو ہی حاصل ہے۔ اور تمام سیاسی، اقتصادی اور سماجی تعلقات انہی کی مرضی اور خواہش کے مطابق قائم ہوتے ہیں۔ ریاست اور حکمران در اصل بالترتیب اپنی حکمرانیت کے سلسلہ میں آئینی دائرہ اور مرکز کا درجہ رکھتے ہیں۔ ریاست کا ہیڈ ان اختیارات اور طاقت کا مظہر ہے جو اپنے حقوق و مقاصد کو حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے لئے عوام سے تفویض کرتے ہیں جس پر جا سے ریاست بنتی ہے، اس کو ریاست کے تمام ابتدائی امور اور ذرائع پر پہلا حق ہونا چاہئے۔ عوام کی بھلائی کے معاملہ میں اس گروہ یا اس گروہ کا امتیاز روا نہ رکھنا چاہئے۔ سب کو بالکل مساوی حقوق و اختیارات اور مواقع حاصل ہونے چاہئیں۔ کسی مصنوعی بہانہ کی وجہ سے افراد، طبقوں اور فرقوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"نیا کشمیر"۔ زمانہ قدیم سے کشمیر اپنے دلآویز قدرتی مناظر، اپنے باشندوں کی پُرامن دماغی اور تعلیمی سرگرمیوں اور کاریگری کے لئے مشہور چلا آیا ہے۔ قدرت نے اس خطۂ زمین کو اپنی رحمتوں سے مالامال کر رکھا ہے۔ کشمیر مادرِ ہندوستان کے تاج میں ایک ہیرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر زمانہ قدیم سے ہی لوگ کشمیر کی طرف کھچے آتے رہے ہیں یا اُن کا خطۂ زمین دُنیا بھر کے لوگوں کے لئے پُرکشش رہا ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کے جو یہاں ہی پیدا ہوئے ہیں، جو کشمیر کی مٹی سے ہی بنے ہیں اور کشمیر کے اناج میووں کو کھا کر اور ٹھنڈے چشموں کا پانی پی کر جوان ہوئے ہیں، جذبات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ آج اس سرزمین میں بسنے والوں کو فاقوں اور افلاس کا سامنا ہے۔ ان کے دلوں میں نہ ارمان ہے اور نہ خوشی ہے۔ ان کے چہروں پر پژمردگی چھائی

ہوتی ہے۔ لوگوں کی آنکھوں میں نہ نور ہے نہ بصارت۔ جب ہم کشمیری اس صورت حالات کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں کی گہرائیوں میں درد اور سوز بھر جاتا ہے۔ ہم اپنی حالت پر آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ہمارے دل میں قدرتی طور پر اُمنگ پیدا ہوتی ہے کہ ہم اپنی حالت کو بدلنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں اور اہل کشمیر کی حالت کو کشمیر کی شایان شان بنا کر دکھا دیں ہمارے دلوں کی گہرائیوں کا یہ احساس ہے کہ ہم مشکلات کے باوجود جاگ اُٹھے ہیں اور اہل کشمیر کے دل میں اُمید پیدا ہو گئی ہے کہ ان کا افلاس ختم ہو سکتا ہے اور مصیبتیں کم کی جا سکتی ہیں۔ ان حقائق کے مدنظر ہی نیشنل کانفرنس نے کشمیر کی آئندہ حکومت کا ایک خاکہ تیار کیا اس میں لوگوں کے بنیادی حقوق کا چارٹر بھی شامل ہے اور طرز حکومت کو جمہوری بنانے کی تجاویز بھی شامل ہیں۔"

"یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عوام کے حقوق کیا ہوں گے اور اُن کی ذمہ داریاں کیا ہوں گی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نئے کشمیر میں سوسائٹی کا اقتصادی نظام کیا ہوگا اور اس کا حکمران آئینی حکمران ہوگا۔ نیشنل کانفرنس کا یہ پروگرام "نیا کشمیر" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب جموں و کشمیر کے لوگوں کے بنیادی حقوق اور ذمہ داریوں کا خاکہ ہے۔ اس کو تیار کرتے وقت آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے مطالبات اور پالیسی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مجھے آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کا نائب صدر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اور اس کانفرنس کی پالیسی بنانے میں میرا بھی حصہ ہے۔ اور پہلے کی طرح آج بھی میں اس کے مقاصد اور پالیسی سے متفق ہوں۔ سٹیٹس پیپلز کانفرنس واضح الفاظ میں قرار دے چکی ہے کہ برطانوی اقتدار اعلیٰ اور والیان ریاست کے معاہدے جاری نہیں رہ سکتے۔ یہ ختم ہو جانے چاہئیں۔ سٹیٹس پیپلز کانفرنس کا یہ ریزولیوشن والیان ریاست اور برطانوی اقتدار اعلیٰ کے مابین ایک معاہدہ کسی طرح معاہدہ امرتسر پر بھی حاوی ہے۔ یہ افسوسناک معاہدہ اس امر کی یادگار ہے کہ کس طرح کشمیر کے لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر دیا گیا یا خرید لیا گیا۔ کشمیریوں سے بلا امتیاز اس بات کے کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان، آج تک جموں و کشمیر کے معاملات میں ادنیٰ درجہ کے لوگوں کا سا سلوک ہو رہا ہے۔ اور اس امتیازی سلوک کا مجھے سخت افسوس اور رنج ہے۔"

"**وزیراعظم برطانیہ کا اعلان**۔ گزشتہ مارچ میں وزیراعظم برطانیہ نے ہندوستان کے متعلق جو اعلان کیا تھا، اُس میں ذیل کے فقرے ملتے ہیں:-

"میرے ساتھی اس ارادہ کے ساتھ ہندوستان جا رہے ہیں کہ ہندوستان کی اس بارے میں پوری پوری مدد کریں کہ وہ جلد از جلد اور جہاں تک ممکن ہو سکے، مکمل آزادی حاصل کر سکے۔ اس بات کا فیصلہ ہندوستانیوں نے خود کرنا ہے کہ انہیں کس قسم کی حکومت چاہیئے۔ لیکن ہماری خواہش ہے کہ اس فیصلہ پر پہنچنے کے لئے مشینری قائم کرنے میں ہم ہندوستانیوں کی مدد کریں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہندوستان اور اس کے باشندے برطانوی کامن ویلتھ میں ہی رہنے کا فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ میرا وشواس ہے کہ ایسا کرنے سے انہیں بہت سے فائدے ہوں گے۔ لیکن اگر ہندوستان اس سے مختلف فیصلہ کرنا چاہے تو بھی اس کی مرضی ہے۔ ہم اسے برطانوی کامن ویلتھ میں رہنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ کیونکہ برطانوی کامن ویلتھ کے ممکن اجزا کسی بیرونی جبر سے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں بندھے ہوئے ہیں بلکہ برطانوی کامن ویلتھ اس سے ملحقہ ممالک کے لوگوں کی آزادانہ مرضی کی تخلیق ہے۔ ان حالات میں اگر ہندوستان برطانوی کامن ویلتھ سے قطع تعلق کرنے کا فیصلہ کرے تو ہمیں اس پر اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ ہماری رائے ہے کہ ایسا کرنے کا اسے حق حاصل ہے۔ ہم پر صرف یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ خواہ ہندوستان برطانوی کامن ویلتھ میں رہنے کا فیصلہ کرے یا اس سے قطع تعلق کا — دونوں حالتوں میں انتقال اختیارات کا کام نہایت پر امن سرانجام پائے گا۔"

برطانوی وزیر اعظم کا یہ اعلان برطانوی ہند کے متعلق ہی نہیں تھا بلکہ دیسی ریاستوں پر بھی حاوی ہوتا ہے۔ چنانچہ برطانوی ہند کے لوگوں کی طرح دیسی ریاستوں کے باشندوں نے بھی یہ سمجھا کہ انہیں اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے کا حق ہوگا۔ دیسی ریاستوں کے باشندوں کا یہ مطالبہ جائز ہی نہ تھا بلکہ برطانوی وزیر اعظم کے اعلان کا منطقی نتیجہ تھا۔ آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس اس مطالبہ کو واضح طور پر پیش کر چکی تھی اور سمجھتی تھی کہ ہندوستان کا آئندہ آئین تیار کرنے کے کام میں دیسی ریاستوں کے باشندوں کی طرف سے وہ حصہ لے گی۔ یہ بات بالکل واضح تھی کہ ریاستوں کے متعلق پرانے معاہدے بہرحال ختم ہوں گے۔ کیونکہ ان میں اور دور جدید میں کوئی مطابقت ہی نہیں۔ ہندوستان اور ریاستوں میں جو تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں، ان

معاہدوں کو اِن تبدیلیوں کے مطابق نئی شکل دی ہی نہیں جاسکتی۔"

"۱۶ مئی کی وزارتی سکیم — ۱۶ مئی کو وزارتی مشن نے جو اعلان کیا، اُس سے ریاستی باشندوں کی یہ دیرینہ مانگ پُوری ہو گئی۔ وزارتی مشن کے اعلان میں صاف طور پر یہ درج ہے کہ آزاد ہندوستان کا آئین نافذ ہونے ہی ریاستوں پر برطانوی اقتدارِ اعلےٰ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ وزارتی اعلان پر عملدرآمد ہونے کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ والیانِ ریاست اور برطانوی حکومت کے معاہدے اور سلسلے بھی خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ ایسا ہونا قدرتی ہے۔ کیونکہ ہندوستان آزاد ہونے پر آزاد ہندوستان کے نقشہ میں برطانوی حکومت کا نشان نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ مطالبہ کہ معاہدہ امرتسر منسُوخ ہونا چاہیئے، وزارتی مشن نے اپنے اعلان میں منظور کر لیا تھا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ موجُودہ نظام ختم ہونے کے بعد دربارِ کشمیر ریاستی نظم و نسق کو چلانے کے لئے ایک ایسے معاہدے کی آڑ لے سکے جو موجودہ نظام کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ 'کشمیر خالی کر دو' کا نعرہ لگا کر ہمیں نے اِس مطالبہ کو ایک نعرہ کی شکل دے دی کہ ریاست کشمیر میں بھی وُہ طرزِ حکومت ختم ہونا چاہیئے جو باقی سارے ہندوستان میں ختم ہو رہا ہے۔"

"اِسی اثناء میں کشمیر میں ایسے واقعات ظہور پذیر ہو گئے جن کا انجام ایک کرائسس میں رُونما ہُوا ہے۔ اِس سے پہلے کے واقعات کا اگر مختصراً حوالہ دیا جائے تو غیر موزوں اور بے محل نہ ہوگا۔ ۱۹۴۴ء میں ریاست میں جو آئینی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں، وُہ صورتِ حالات کے مطابق نہیں تھیں۔ اور اہلِ کشمیر کے مطالبات سے بہت کم تھیں لیکن اِس کے باوجود ہم نے محض اِس خیال سے اِن کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ اِس طرح ہم اپنے والئی ریاست کے نزدیک پہنچ سکیں گے۔ اور اِس طرح ریاستی نظام میں ضروری تبدیلیاں لا سکیں گے۔ ہماری کوششیں ناکام رہیں۔ اور ہم اِس نتیجہ پر پہنچے کہ ہمیں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وُہ محض سایہ ہے۔ اہلِ کشمیر کے لوگوں کا افلاس اور فاقہ کشی دُور کرنے کے لئے کوئی چارہ جوئی نہ کی گئی۔ جاگیرداروں کے ایک چھوٹے سے ٹولے کو عوام کی ایک بھاری تعداد کے مقابلے میں بے پناہ حقوق اور مراعات حاصل ہیں اور اہلِ کشمیر افلاس کا شکار ہو رہے ہیں۔"

"صُوبہ جموں اور خاص کر جہنی اور پونچھ میں جاگیرداری نظام، بے رحمانہ لُوٹ کھسوٹ اور روز افزوں غُربت کا ایک دردناک منظر پیش کرتا ہے۔ گذشتہ چند برسوں سے کشمیر

کے صوبہ میں بھی چند خاص منظورِ نظر لوگوں کو جاگیریں عطا کی گئی ہیں اور اب بھی کی جا رہی ہیں۔ جہاں ترقی کی ابتدائی ضرورت کاشتکاری کی اصلاح خیال کی جاتی ہے، وہاں اس ریاست میں عملی طور پر نیم جاگیرانہ نظام کو توسیع دی جا رہی ہے جو اپنے ہمراہ اپنی تمام برائیوں سمیت پھیلتی جاتی ہے۔ جونہی کوئی آدمی وادیٔ کشمیر کے بلند مقامات کی طرف جاتا ہے، وہ پہاڑوں اور وادیوں کی دلفریبی سے مسحور ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ وہاں رہنے والے انسانوں کی ذلّت و پستی کو دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔"

"ریاستی فوج صرف جموں کے صوبہ کے ایک خاص منتخب طبقہ کے لوگوں سے تیار کی جاتی ہے۔ صوبۂ کشمیر کے لوگ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان اور خواہ وہ جموں میں بودوباش بھی رکھتے ہوں، اُن کو فوج میں بھرتی ہونے کی کلیتاً ممانعت ہے۔ کشمیری لوگ چاہیں تو ٹیریٹوریل میں شامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ ریاستی فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ اسلحہ رکھنے کے بارے میں بھی ایک خاص طبقہ کے حق میں شرمناک امتیاز روا رکھا جاتا ہے۔ دوسرے لوگوں کو یہ آزادی بھی نہیں دی جاتی۔ ریاست کے لوگوں کا ایک طبقہ اور دوسرے لوگوں کے درمیان یہ امتیاز جس کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں، جموں اور کشمیر کے اکثر باشندوں کو اسلحہ رکھنے کی ممانعت کرنا اور ریاستی رعایا کی بڑی بھاری اکثریت کے خلاف شبہ اور عدم اعتماد کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ اس تذلیل کو عوام بہت بُری طرح محسوس کرتے ہیں اور یہ حکومت کی اس پوشیدہ پالیسی کی مظہر ہے جو اُس نے بہت بڑی اکثریت کی کمتری پر زور دینے کی جاری کر رکھی ہے۔"

ریاست کے پاس وسیع اور زرخیز قدرتی ذرائع ہونے کے باوجود لوگوں کو انتہائی مفلسی اور خستہ حالی سے نہیں بچایا جا سکا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مشترکہ بہبودی کے لئے ان ذرائع کی نشوونما کرنے کے لئے کوئی کوشش ظاہرا طور پر کی ہی نہیں گئی۔ آج کی بدلتی ہوئی دُنیا میں کشمیر غربت میں جکڑا ہوا ہے اور مفلوک الحال کھڑا ہے۔ اس کا باعث صرف ریاستی مطلق العنانہ نظام اور اس پر قابض لوگوں کی ناکامی ہی ہے جس کا واحد علاج یہی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے نمائندے اور عوام جلد از جلد بہبودی اور ترقی کے لئے پلاننگ کا کام سُرعت سے شروع کریں۔ کوئی بھی حکومت اپنے لوگوں کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک وہ عوام کو صنعتی اور دولت پیدا

کھنے والی سرگرمیوں پہ کاربند ہونے کی تعلیم و تربیت نہ دے۔ ریاست میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد صرف ایک فی صد اور اوسط آمدنی سالانہ صرف گیارہ روپے فی کس ہے۔

صرف یہ امور ہی اس نظام حکومت پر جسے "کشمیر خالی کردو" کے نعرے سے کیا گیا ہے' ایک واضح تنقید ہے"۔

"گو کشمیر خود تو غیر متحرک رہا۔ لیکن اس کے وزیر اعظم یکے بعد دیگرے بت نئے آتے اور جاتے رہے۔ بلکہ ایسا ہوتا تھا کہ ہمارا خوبصورت ملک بدقسمتی کی ایسی منحوس گرفت میں پھنسا ہوا ہے جو اسے اس دلدل سے، جس میں یہ دھنسا جا رہا ہے، باہر نکلنے نہیں دیتی۔ جنگ آئی اور اس نے دنیا کو تہ و بالا کر ڈالا۔ لیکن کشمیر پھر بھی اس پس افتادگی کے عالم میں پڑا رہا جہاں وقت ساکن معلوم ہوتا ہے اور گھڑی کی سوئیاں کبھی کبھار پیچھے کی طرف چلنے کے سوا کوئی حرکت کرتا نہیں جانتی ہیں۔ ۱۹۴۲-۴۳ء کے واقعات نے ہندوستان کو جڑوں سے ہلا دیا۔ کشمیر کے عوام پر بھی ان کا زبردست اثر ہوا۔ ہندوستان کے دیگر حصوں کی طرح کشمیر میں بھی سیاسی بیداری نئی بلندیوں پر جا پہنچی اور لوگوں کو اپنی ناقابل برداشت ذلت کا احساس پیدا ہوا۔ وہ موجودہ حالت میں نہ رہ سکتے تھے۔ نہ ہی وہ اپنی غربت و بے بسی کو جو حالات جنگ کے تقاضوں اور دباؤ تلے زیادہ بڑھ گئی تھی، مزید عرصہ تک برداشت کر سکتے تھے لیکن اس کے باوجود ناقابل برداشت حالات کو بدلنے کے لئے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ اس کے دروازے ان پر بڑی مضبوطی سے بند تھے"۔

"موجودہ نئے وزیر اعظم نے اختیارات کی گدی سنبھالتے ہی لوگوں کو دبانے کی نئی اور تباہ کن پالیسی شروع کر دی۔ پاپولر وزیر کی پوزیشن ناقابل برداشت بنا دی گئی اور اُسے مستعفی ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کے فوراً بعد ہی ریاستی حکام کی خفیہ سازشوں کے نتیجہ کے طور پر نیشنل کانفرنس کے ایک ممبر کو خرید لیا گیا۔ اور مہاراجہ کشمیر کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اُسے ایک رات کے عرصہ میں ہی وزیر بنا دیا گیا۔ اس اچانک واقعہ سے لوگ حیرت زدہ رہ گئے اور لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ مہاراجہ نے اپنے مصائب درباریوں کے زیر اثر ہی کارروائی کی ہے جس کی توقع ریاست کے غیر جانبدار حاکم سے لوگوں کو نہ تھی"۔

وزیر اعظم کی پالیسی کا واحد مقصد یہ تھا کہ نیشنل کانفرنس کی ہر دلعزیز سرگرمیوں

کو کچل دیا جائے۔ انتہا یا اس لئے کہ یہ عوام کی سیاسی اور اقتصادی بہتری کے مطالبات کو بڑے زور سے پیش کرنے والی سب سے زبردست منظم جماعت تھی۔ ہمارے پاس خود وزیر اعظم کا ایک بیان بطور ثبوت موجود ہے کہ اُس نے یہ عہدہ سنبھالتے ہی یہ پالیسی شروع کر دی۔ اُس نے ایک اخباری نامہ نگار کو ۲۰ مئی کے بعد یہ بیان کیا تھا کہ "ہم اس کے لئے گیارہ ماہ سے تیاری کر رہے تھے۔ اور اب ہم اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اب کوئی لیت و لعل یا کمزور پالیسی اختیار نہ کی جائے گی۔ ہم کو سختی سے مضبوط رہنا چاہیئے۔ اور ہم اس کے لئے کوئی بہانہ سازی بھی نہیں کرنا چاہتے"۔

"بڑے تعجب کی بات ہے کہ وزیر اعظم کو میری تقریریں کرنے سے اور 'کشمیر خالی کرو' کا نعرہ سننے سے گیارہ ماہ پہلے ہی اُن سے پیدا ہونے والے نتائج کا مقابلہ کرنے کی سوجھی۔ اِن تقریروں سے بھی بہت پہلے ساری وادیٔ کشمیر میں مؤثر فوجی تیاریاں کر لی گئی تھیں جیسا کہ گورنر کشمیر نے بیان کیا ہے کہ "ہم نے پولیس اور فوج کی امداد سے پہلے تیاریاں کر لی تھیں۔ ہم جانتے تھے کہ پولیس اور فوج کی مشترکہ کارروائی سے ہی حالات پر قابو پایا جا سکے گا۔ اس گٹھ جوڑ نے خوب کام کیا ہے۔ اور اس کے نتائج اچھے برآمد ہوئے ہیں۔ بدامنی پھیلنے سے پہلے ہی سخت کارروائی کرنے کے بارے میں میرا یقین حق بجانب ثابت ہوا"۔

دراصل یہ گیارہ ماہ کی تیاریاں اور اُن کا تمام ماحول ہی اِن تمام واقعات کے لئے ذمہ دار ہے جو ۲۰ مئی کے بعد ظہور پذیر ہوئے۔ کسی آدمی کی چند تقریریں یا کسی ہجوم کے لگائے ہوئے چند نعرے کسی تقریر کی اچھائی یا بُرائی پر بحث کرنا اور ریاست کشمیر کے حکام کی مسلمہ اور مخصوص کارروائیوں کی جو حال کے واقعات کی ذمہ دار تھیں، بلکہ جن کا مقصد ہی یہ نتائج پیدا کرنا تھا، اُن کو نظر انداز کر دینا بالکل غیر متعلقہ مذاق کرنا ہوگا"۔

"۲۰ مئی کے بعد وزیر اعظم کی بیدردی کی انتہا اُس وقت ہوئی جب مردوں اور عورتوں کی بے عزتی کی گئی۔ انسانوں کو سڑکوں پر پیٹ کے بل رینگنے یا ایک ٹانگ پر کودنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اُن کو اپنی پگڑیوں سے سڑکیں صاف کرنے کے لئے کہا گیا۔ عبادت گاہوں پر حملے کئے گئے۔ اور دہشت انگیز طریقوں سے ہمارے ملک کے تمام لوگوں کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ وزیر اعظم کی "بے دردی" کی گیارہ ماہ کی تیاریاں پولیس اور فوج کا باہمی تعاون رنگ لایا۔۔۔۔ یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ "کشمیر خالی کرو" کا نعرہ اور معاہدہ امرتسر کی

تنسیخ کا مطالبہ فرقہ دارانہ یا کمیونسٹ جذبات کے زیر اثر کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت کے عین خلاف ہے۔ ہمیں اس الزام کی پُرزور تردید کرنا ہوں نیشنل کانفرنس لازمی طور پر ایک قومی آرگنائزیشن ہے جس میں تمام وُہ لوگ شامل ہیں جن کا اس کے اغراض و مقاصد پر اعتقاد ہے نیشنل کانفرنس سے متعلق آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس اس سے پُورا تعاون کرتی ہے۔ یہ ہندوستان کی خود مختاری اور آزادی کی علمبردار ہے۔ یہ اس بات کی بھی حامی ہے کہ عوام کی مصیبتوں کا خاتمہ اور ان کو اونچا اُٹھانے کے لئے مجلسی اور اقتصادی نظام میں تبدیلی ہونا چاہئے۔ یہ ایک ادنٰی سی بات ہے کہ مجھے گرفتار کر لیا گیا یا مجھ پر مقدمہ چلا کر مجھے قید کر دیا گیا۔ لیکن جموں اور کشمیر کے لوگ غربت، ذلت اور پستی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اسے معمولی بات نہیں کہا جا سکتا۔ گذشتہ دو ماہ کے عرصہ میں جو متشددانہ سختیاں اور مصائب انہیں برداشت کرنا پڑی ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں، وُہ بھی کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ خود ان واقعات نے ہی ہمارے "کشمیر خالی کرو" کے مطالبہ کو حق بجانب قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ جو نظام حکومت اس قسم کی کارروائیاں کرنے کا باعث بنتا ہے، وُہ قابل مذمت ٹھہرایا جاتا ہے۔ اگر میرے یا میرے ساتھیوں کے قید ہو جانے سے اس مقصد کو جس کے لئے ہم نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے، تقویت پہنچتی ہے تو یہ ہمارے لئے بہت اچھا ہو گا۔ اور ہم فخر کریں گے کہ ہم اپنے آبائی وطن اور اس کے لوگوں کی خدمت کرنے کے قابل ہوئے ہیں کشمیر اپنی خوبصورتی اور سابقہ تاریخ و روایات کی وجہ سے ہمیں بہت عزیز ہے لیکن مستقبل ہمیں پکار رہا ہے اور اس کے لئے ہی جد و جہد کر رہے ہیں۔ اب مستقبل جو ہم سب کے لئے ایک مشترکہ وراثت ہے اور جس میں سب مرد عورتیں آزاد انسانوں کی طرح ایک دُوسرے کے ساتھ ملحق ہو کر اپنے تصوّر کا نیا کشمیر تعمیر کریں گے۔ جس کا جسمانی الحاق باقی ہندوستان کے ساتھ ہو گا۔ تب ہی ہم اس مُلک کے سچے باشندے کہلانے کے مستحق ہوں گے۔"

پرجا سبھا (اسمبلی) کا چناؤ

مہاراجہ ہری سنگھ کے احکام سے پُرانی پرجا سبھا (اسمبلی) کو برخاست کیا گیا۔ اور اس کے لئے نئے انتخابات کرانے کا شاہی اعلان جاری ہوا۔ نئی اسمبلی کے لئے ریاست جموں و کشمیر کی سبھی سیاسی پارٹیوں نے ماسوائے نیشنل کانفرنس کے حصہ لیا۔ اپنے اپنے اُمیدوار کھڑے کئے۔ چنانچہ زمیندارہ گروپ ہندو سبھا مُسلم کانفرنس کشمیری پنڈت سناتن دھرم یووک سبھا کے علاوہ کئی ایک آزاد اُمیدواروں

نے حصہ لیا۔ لیکن نیشنل کانفرنس نے اس وجہ سے پرجا سبھا کے چناؤ کا بائیکاٹ کر دیا۔ کہ یہ جماعت انتخابات میں کامیابی کے لئے اپنی پوزیشن کو مخدوش سمجھتی تھی۔ اس کے بڑے بڑے لیڈر اور کارکن جیلوں میں تھے نیشنل کانفرنس نے اعلان کیا کہ وہ حکومت کی جابرانہ جانبدارانہ اور مخالفانہ پالیسی کی وجہ سے اس "نقلی چناؤ" میں کوئی حصہ نہیں لے گی۔ اور اس کا مکمل طور پر بائیکاٹ کرتی ہے۔ پرجا سبھا کے یہ انتخابات ریاست جموں وکشمیر میں بڑی دھوم دھام اور امیدواروں کے آپسی مقابلہ سے ہوئے۔ اور سنہ ۱۹۴۶ء کے ماہ دسمبر اور جنوری سنہ ۱۹۴۷ء میں انتخابات پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ جب کہ جموں پرانت کے کنڈی اور میدانی علاقوں کو چھوڑ کر کشمیر اور لداخ کے تمام علاقہ جات برف سے اٹے پڑے تھے۔ پھر بھی عام انتخابات بخیر وخوبی عمل میں لائے گئے۔ اس نئی اسمبلی کا بجٹ اجلاس مارچ سنہ ۱۹۴۷ء میں ہوا۔ اور اسمبلی کی کرسیوں پر فرد کش نئی نئی صورتوں سے عوام متعارف ہوئے۔

تقسیم ہندوستان

سنہ ۱۹۴۷ء کے آغاز میں ہندوستان ایک نازک اور اہم دور سے گزرنے لگا۔ وزارتی مشن نے سارے ہند کا آئین مرتب کرنے کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ اور اس آئین کو بنانے کے لئے ریاست کشمیر کی شرکت بھی ہونی تھی۔ کانگریس نے اس تجویز کو مان لیا اور اسمبلی میں اپنے نمائندے بھیج دئے۔ لیکن مسلم لیگ نے تجویز پر اپنی رضامندی دے کر اور اپنے امیدوار منتخب کر کے بھی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے دو ٹکڑے کر دئے گئے۔ برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کی آزادی کا بل پاس ہوا۔ اور مسلم لیگ کے دو قوموں کے نظریہ کو مانتے ہوئے ہندوستان دو نو آبادیات ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم ہوا۔ اور ریاستوں کو اپنی مرضی کے مطابق کسی ایک نو آبادی میں شامل ہونا قرار دیا گیا۔ ریاست جموں وکشمیر ان انقلابات کو بغور دیکھ رہی تھی۔ لیکن مہاراجہ بہادر کی حکومت نے نہ ہی آئین ساز اسمبلی میں اپنا کوئی نمائندہ بھیجا اور نہ کسی نو آبادی میں شامل ہونا مناسب سمجھا۔ اور اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی پر کاربند رہنا مناسب سمجھا۔

برطانوی حکومت کا اعلان | ملک معظم کی حکومت نے وائسرائے ہند لارڈ

Scanned with CamScanner

ماؤنٹ بیٹن کی وساطت سے ہندوستان کے آئینی مسئلے کے بارے میں مندرجہ ذیل بیان شائع کیا۔

(۱) ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو ملک معظم کی حکومت نے اپنے اس ارادہ کا اعلان کیا تھا کہ جون ۱۹۴۸ء تک برطانوی ہند میں اختیارات ہندوستانیوں کو منتقل کر دیئے جائیں گے۔ ملک معظم کی حکومت کو امید تھی کہ ہندوستان کی بڑی بڑی پارٹیوں کے لئے وزارتی مشن کی سکیم کو چلانے کی غرض سے تعاون کرنا اور ہندوستان کے لئے ایک ایسا آئین مرتب کرنا جو سب متعلقہ پارٹیوں کے لئے قابل قبول ہو ممکن ہوگا۔ لیکن یہ امید پوری نہ ہوئی۔

(۲) موجودہ آئین ساز اسمبلی اور مسلم لیگ صوبجات مدراس بمبئی صوبجات متحدہ۔ بہار۔ صوبجات متوسط۔ برار۔ آسام۔ اڑیسہ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے نمائندوں کی اکثریت اور دہلی۔ اجمیر میرواڑہ اور کورگ کے نمائندوں نے ایک نیا آئین تیار کرنے کے کام میں پہلے ہی کافی ترقی کر لی ہے۔ اس کے برعکس مسلم لیگ پارٹی نے جس میں بنگال۔ پنجاب اور سندھ کے نمائندوں کی اکثریت شامل ہے نیز برطانوی بلوچستان کے نمائندوں نے دستور ساز اسمبلی میں شریک نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

(۳) ملک معظم کی حکومت کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ اختیارات خود ہندوستانیوں کی خواہشات کے مطابق منتقل کئے جائیں۔ اگر ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کے درمیان سمجھوتہ ہو جاتا تو یہ کام بہت آسان ہو جاتا۔ ایسے سمجھوتے کی عدم موجودگی میں ایک ایسا طریقہ تلاش کرنے کا کام جس سے ہندوستانی لوگوں کی خواہشات معلوم ہو سکیں۔ ملک معظم کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ اس مقصد کے لئے حسب ذیل پلان اختیار کیا جائے۔ ملک معظم کی حکومت یہ امر واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اس کا ہندوستان کے لئے ایک آخری آئین مرتب کرنے کی کوشش کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ کام خود ہندوستانیوں کا ہے۔ اور نہ اس پلان میں کوئی ایسی چیز ہے جس سے متحدہ ہندوستان کے لئے مختلف اقوام گفت و شنید نہ کر سکیں۔

(۴) فیصلہ طلب امور۔ ملک معظم کی حکومت کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ موجودہ دستور ساز اسمبلی کے کام میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ اب جبکہ بعض صوبوں کے لئے مندرجہ ذیل انتظام کر دیا گیا ہے: ملک معظم کی حکومت کو یقین ہے کہ اس اعلان کے نتیجہ کے طور پر ان صوبوں کے جن کے نمائندوں کی اکثریت پہلے ہی اس کام میں شرکت کر رہی ہے، مسلم لیگی نمائندے بھی اپنا واجبی حصہ لیں گے۔ اس کے ساتھ یہ امر واضح ہے کہ اس اسمبلی کا مرتب کردہ کوئی دستور ملک کے اُن

(۴) ملک معظم کی حکومت کو یقین ہے [illegible] جنہوں پر جا بہ پہلے ہی ہو گیا [illegible]
کہ مندرجہ ذیل طریق کار ہیں وہ بہترین عملی صورت میں موجود ہے جس سے ایسے رقبہ جات کے لوگوں
کی خواہشات ذیل کے امور کے بارے میں معلوم ہو سکیں گی۔ یعنی۔ (ل) آیا ان کا آئین موجودہ دستور
ساز اسمبلی میں مرتب کیا جائے یا (ب) کسی ایسی نئی اور علیحدہ دستور ساز اسمبلی میں مرتب کیا جائے
جو ان رقبہ جات کے نمائندوں پر مشتمل ہو جو موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شامل نہ ہونے کا فیصلہ
کریں۔ جب یہ کام ہو جائے تو پھر اس اختیاری (یعنی حکومت) یا اختیارات (حکومتوں) کا تعین
کرنا ممکن ہوگا جن کو اختیارات منتقل کیے جانے چاہئیں۔

(۵) بنگال اور پنجاب۔ لہٰذا بنگال اور پنجاب کی صوبائی لیجسلیٹو اسمبلیوں (سوائے
یورپین ممبروں کے) میں سے ہر ایک اسمبلی کو کہا جائے گا کہ وہ دو حصوں میں اجلاس کرے۔ ایک
حصہ مسلم اکثریت کے اضلاع کی نمائندگی کرے گا اور دوسرا باقی صوبے کے اضلاع کی۔ آبادی کا
تعین کرنے کی غرض سے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد کو مستند تصور کیا جائے گا۔ ان دو
صوبوں میں مسلم اکثریت کے اضلاع کی تشریح اس اعلان کے ضمیمہ میں کی گئی ہے۔

(۶) ہر ایک لیجسلیٹو اسمبلی کے دونوں حصوں کے ممبروں کو جو علیحدہ علیحدہ اجلاس کریں گے اس
بات پر ووٹ دینے کا اختیار رہے گا کہ آیا صوبہ متعلقہ کی تقسیم کی جائے یا نہ کی جائے۔ اگر ہر ایک
حصہ کی اکثریت محض تقسیم کے حق میں ووٹ ڈالے تو تقسیم کر دی جائے گی اور اس بارے میں
انتظامات کر دیئے جائیں گے۔

(۷) تقسیم سے متعلق سوال کا فیصلہ کرنے سے پیشتر یہ بہتر ہوگا کہ ہر ایک حصہ کے نمائندوں
کو اس بات کا علم ہو کہ اگر دونوں حصے بعد میں متحد رہنے کا فیصلہ کریں تو صوبہ بہ حیثیت مجموعی کس
دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوگا۔ اس لئے اگر کسی لیجسلیٹو اسمبلی کا کوئی ممبر اس بات کا مطالبہ کرے تو
یورپین ممبروں کے سوا لیجسلیٹو اسمبلی مذکور کے جملہ ممبران کا ایک اجلاس منعقد رہنے کا فیصلہ
بہ حیثیت مجموعی کس دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوگا۔

(۸) اگر تقسیم کے بارے میں فیصلہ کیا جائے تو لیجسلیٹو اسمبلی کا ہر ایک حصہ اُن رقبہ جات
کے بارے میں جن کی نمائندگی کرتا ہو، اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ فقرہ ۴ مذکورہ میں مندرجہ
تجاویز میں سے کون سی تجویز اختیار کی جائے۔

(۹) تقسیم کے سوال کا فوری فیصلہ کرنے کی غرض سے بنگال اور پنجاب کی لیجسلیٹو اسمبلیوں کے

غیر مسلم اکثریت کے اضلاع اور غیر مسلم اکثریت کے اضلاع کے نمائندے علیحدہ علیحدہ (جیسا کہ ضمیمہ میں بتایا گیا ہے) دو حصوں میں اجلاس کریں گے۔ یہ محض ایک ابتدائی کارروائی ہے جس کی نوعیت صرف عارضی ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ان صوبجات کی آخری تقسیم کی اغراض کے لئے حدود کے مسائل کے متعلق ایک مفصل تحقیقات کی ضرورت ہوگی۔ اور جونہی کسی صوبہ کے لئے کوئی ایسا فیصلہ کیا جائے جس میں تقسیم لاحق ہوتی ہو تو گورنر جنرل کی طرف سے ایک حد بندی کمیشن مقرر کیا جائے گا اُسے اس بات کی ہدایت کی جائے گی کہ وہ پنجاب کے دو حصوں کی حدود کا تعین اس بناء پر کرے کہ کون کون سے ملحقہ علاقہ جات مسلم اکثریت کے ہیں اور کون سے غیر مسلم اکثریت کے۔ اُسے اس بات کی بھی ہدایت کی جائے گی کہ وہ دیگر امور کا بھی خیال رکھے۔ اس قسم کی ہدایات بنگال کے کمیشن حد بندی کو بھی دی جائیں گی۔ جب تک کمیشن حد بندی کی رپورٹ پر عملدرآمد نہ ہو جائے ضمیمہ میں مندرجہ عارضی حدود استعمال کی جائیں گی۔

(۱۰) سندھ۔ سندھ کی لیجلیٹو اسمبلی بھی سوائے یورپین ممبروں کے فقرہ ۱۲ مذکور میں مندرجہ متبادل تجاویز کے متعلق ایک خاص اجلاس میں خود اپنا فیصلہ کرے گی۔

(۱۱) شمال مغربی سرحدی صوبہ۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی ایک خاص حیثیت ہے۔ اس صوبہ کے تین نمائندوں میں سے دو پہلے ہی موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شرکت کر رہے ہیں لیکن اس کے جغرافیائی محل وقوع اور دیگر امور کے لحاظ سے یہ بالکل واضح ہے کہ اگر سارا پنجاب یا اس کا کوئی حصہ موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شامل نہ ہونے کا فیصلہ کرے تو یہ ضروری ہوگا کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ میں موجود لیجلیٹو اسمبلی کے ووٹروں سے استصواب رائے کیا جائے گا کہ وہ فقرہ ۱۲ میں مندرجہ متبادل تجاویز میں سے کون سی تجاویز اختیار کرنا پسند کرتے ہیں۔ استصواب رائے کا کام گورنر جنرل کی زیر نگرانی اور صوبائی حکومت کے مشورہ سے کیا جائے گا۔

(۱۲) برطانوی بلوچستان۔ برطانوی بلوچستان نے اپنا ایک ممبر منتخب کیا ہے لیکن وہ ابھی تک موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شامل نہیں ہوا۔ اس کے جغرافیائی محل وقوع کو مدنظر رکھتے ہوئے اس صوبہ کو بھی یہ موقعہ دیا جائے گا کہ وہ اپنی پوزیشن پر دوبارہ غور کرے اور فقرہ ۱۲ مذکور میں مندرجہ متبادل تجاویز میں سے کوئی تجاویز اختیار کرے۔ ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل اس پر غور کر رہے ہیں کہ یہ کام بہترین طریق پر کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

(۱۳) آسام۔ اگرچہ آسام ایک غالب غیر مسلم اکثریت کا صوبہ ہے۔ مگر سلہٹ جو بنگال سے

نزدیک ہے، غالب مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ اس بات کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ بنگال کی تقسیم کی صورت میں سلہٹ کو بنگال کے مسلم علاقہ سے ملحق کر دیا جائے۔ لہٰذا اگر بنگال کو تقسیم کر دینے کا فیصلہ کر دیا گیا تو گورنر جنرل کی زیر نگرانی اور آسام کی صوبائی حکومت کے مشورہ سے سلہٹ کے ضلع میں اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے استصواب رائے کیا جائے گا کہ سلہٹ بدستور صوبہ آسام کا حصہ رہے یا مشرقی بنگال کے نئے صوبہ سے ملا دیا جائے۔ اگر وہ صوبہ مذ ہو۔ اگر استصواب رائے کا نتیجہ مشرقی بنگال سے الحاق کے حق میں ہو تو ضلع سلہٹ کے مسلم اکثریت والے علاقہ جات اور ملحقہ اضلاع کے مسلم اکثریت والے متصلہ علاقہ جات کی حد بندی کرنے کے لئے ایک کمیشن حد بندی مقرر کیا جائے گا جس کے سپرد وہی فیصلے [illegible] ہوں گے جو پنجاب اور بنگال کے کمیشنوں کے سپرد کئے گئے ہیں جو بالآخر مشرقی بنگال کو منتقل کر دئے جائیں گے۔ صوبہ آسام کا باقی حصہ ہر صورت میں موجودہ دستور ساز اسمبلی کی کارروائیوں میں حصہ لیتا رہے گا۔

(۱۴) دستور ساز اسمبلیوں میں نمائندگی۔ اگر یہ فیصلہ ہو جائے کہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کر دی جائے تو اس کے لئے نئے انتخابات منعقد کرنے ضروری ہوں گے تاکہ وزارتی مشن کی ۱۶ مئی سنہ ۱۹۴۶ء کی سکیم میں مندرجہ اصول کے مطابق ہر دس لاکھ کی آبادی کے لئے ایک نمائندہ کے حساب سے ان کے نمائندے منتخب کئے جا سکیں۔ اسی طرح سلہٹ کے لئے بھی انتخابات منعقد کرنے پڑیں گے۔ بشرطیکہ یہ فیصلہ کیا جائے کہ یہ ضلع مشرقی بنگال کا ایک حصہ بنا دیا جائے۔ نمائندوں کی وہ تعداد جس کا ہر ایک رقبہ مستحق ہوگا، حسب ذیل ہوگی:۔

صوبہ	جنرل (تمام)	مسلم	سکھ	میزان
ضلع سلہٹ	۱	۲	۰	۳
مغربی بنگال	۱۵	۴	۰	۱۹
مشرقی بنگال	۱۲	۲۹	۰	۴۱
مغربی پنجاب	۳	۱۲	۲	۱۷
مشرقی پنجاب	۶	۴	۲	۱۲

(۱۵) ان ہدایات کے مطابق جو انہیں دی جائیں گی، مختلف رقبہ جات کے نمائندے یا تو موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوں گے، یا نئی دستور ساز اسمبلی بنائیں گے۔

(۱۶) انتظامیہ معاملات۔ اگر کسی تقسیم کا فیصلہ ہو جائے تو اس کے انتظامیہ نتائج کے

متعلق جہاں تک جلد ممکن ہو سکے، حسب ذیل کے درمیان گفت و شنید شروع کی جائے گی۔

(۱) علی الترتیب جانشین حکومتوں کے نمائندوں کے مابین ان تمام امور کے بارے میں جن کا انتظام مرکزی حکومت کرتی ہے اور جن میں محکمہ دفاع، مالیات اور مواصلات شامل ہیں (ب) مختلف جانشین حکومتوں اور ملک معظم کی حکومت کے مابین ان معاہدات کے بارے میں جو انتقال اختیارات سے پیدا شدہ معاملات کے متعلق ہوں۔ (ج) اُن صوبجات کی صورت میں جو تقسیم کئے جائیں، تمام صوبائی امور مثلاً املاک اور مال ذمہ داریاں۔ پولیس اور دیگر صیغہ جات ہائی کورٹ۔ صوبائی ادارات وغیرہ کی تقسیم۔

(۱۷) شمال مغربی سرحد کے قبائل۔ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کے قبائل کے ساتھ معاہدات کے بارے میں مناسب جانشین حکومت کے ساتھ گفت و شنید کی جائے۔

(۱۸) ریاستیں۔ ملک معظم کی حکومت اس امر کی وضاحت کر دینا چاہتی ہے کہ مذکورہ بالا اعلان کردہ فیصلہ جات صرف برطانوی ہند کے متعلق ہیں۔ اور ہندوستانی ریاستوں کے بارے میں اس کی پالیسی بدستور وہی رہے گی جو یادداشت وزارتی مشن مورخہ ۱۲ ارمئی ۱۹۴۶ء میں مندرج ہے۔

(۱۹) تیز رفتاری کی ضرورت۔ جانشین حکومتوں کو اختیارات سنبھالنے کے قابل بنانے کے لئے وقت دینے کی غرض سے یہ ضروری ہے کہ مذکورہ بالا تمام کارروائیاں حتی الامکان بہت جلد مکمل کی جائیں۔ تاخیر سے بچنے کی غرض سے مختلف صوبجات یا صوبجات کے حصے اس پلان کی شرائط کے اندر جہاں تک قابل عمل ہو، اپنا کام آزادانہ طور پر شروع کریں گے۔ موجودہ دستور ساز اسمبلی اور نئی دستور ساز اسمبلی (اگر بن جائے) اپنے اپنے رقبہ جات کے لئے آئین مرتب کرنا شروع کر دیں گی اور انہیں اپنے قواعد بنانے کی پوری آزادی ہوگی۔

(۲۰) اختیارات کا فوری انتقال۔ بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں نے بار بار اس امر پر زور دیا ہے کہ ہندوستان میں انتقال اختیارات کا کام جتنی جلدی ممکن ہو سکے، عمل میں لایا جائے۔ ملک معظم کی حکومت کو اس خواہش سے پوری ہمدردی ہے۔ اور وہ اس بات کے لئے تیار ہے کہ جون ۱۹۴۸ء سے بھی پہلے کسی تاریخ پر ایک آزاد ہندوستانی حکومت یا حکومتیں قائم کر کے اختیارات منتقل کر دے۔ لہٰذا اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے جلد ترین اور واحد قابل عمل طریقہ کے طور پر ملک معظم کی حکومت تجویز کرتی ہے کہ موجودہ اجلاس ہی میں آغاز ہذا کے نتیجے کے طور پر

Scanned with CamScanner

کئے ہوئے فیصلہ جات کے مطابق نوآبادیات کی بنیاد پر ایک یا دو جانشین حکومتوں کو اختیارات منتقل کرنے کے بارے میں قانون پیش کرے۔ اس سے ہندوستان کی دستور ساز اسمبلیوں کے اس حق پر کوئی مخالف اثر نہیں پڑے گا کہ وہ وقت آنے پر یہ فیصلہ کریں کہ آیا ہندوستان کے اس حصے کو جو اُن کے دائرہ اختیار میں ہے، برطانوی دولت مشترکہ کے اندر رہنا چاہئے یا نہیں۔

(۲۱) گورنر جنرل کی طرف سے مزید اعلانات۔ ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل وقتاً فوقتاً ایسے مزید اعلانات کرتے رہیں گے جو طریق کار یا مذکورہ بالا انتظامات کو عمل میں لانے کے لئے دیگر معاملات کے لئے ضروری ہوں۔

ضمیمہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق پنجاب اور بنگال کے مسلم اکثریت والے اضلاع حسب ذیل ہیں:—

(۱) پنجاب:— لاہور ڈویژن۔ گوجرانوالہ۔ گورداسپور۔ لاہور۔ شیخوپورہ۔ سیالکوٹ۔ راولپنڈی ڈویژن— اٹک۔ گجرات۔ جہلم۔ میانوالی۔ راولپنڈی۔ شاہ پور۔ ملتان ڈویژن— ڈیرہ غازی خان۔ جھنگ۔ لائل پور۔ منٹگمری۔ ملتان۔ مظفر گڑھ۔

(۲) بنگال:— چٹاگانگ ڈویژن— چٹاگانگ۔ نواکھلی۔ سیرا۔ ڈھاکہ ڈویژن— پیکر گنج۔ ڈھاکہ۔ فرید پور۔ میمن سنگھ۔ ریذیڈنسی ڈویژن— جے پور۔ مرشد آباد۔ ناڈیا۔ راج شاہی ڈویژن— بوگرہ۔ دیناج پور۔ سیالدہ۔ پٹنہ۔ راجشاہی۔ رنگ پور۔

لارڈ مونٹ بیٹن وائسرائے ہند کا اعلان

وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن نے آزادی ہند اور پاکستان کی تشکیل کا اعلان کرتے ہوئے کہا "میں نے جہاں تک ممکن ہو سکا، زیادہ سے زیادہ ہندوستانی قوموں اور مفادات کے زیادہ سے زیادہ لیڈروں کے ساتھ تقریباً ہر روز مذاکرات کئے ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان حضرات نے مجھے جو معلومات بہم پہنچائیں اور جو مفید مشورے دیئے، اُن کے لئے میں بے حد مشکور ہوں۔ اگر مختلف اقوام کے درمیان معقول حد تک خیر سگالی ہو تو ایک متحدہ ہندوستان موجودہ مسئلہ کا بہترین حل ہو گا۔ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ سے آپ ۴۰ کروڑ لوگ ایک ساتھ رہتے چلے آئے ہیں اور اس ملک کا نظام حکومت ایک وحدت کے طور پر چلتا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دفاع، مواصلات، ذرائع

پوسٹل سروس اور کرنسی متحدہ رہی۔ ٹیرف اور کسٹمز کی دیواریں حائل نہیں ہوئیں اور ایک متحدہ معاشیات کی بنیاد مہیا ہوتی رہی۔ مجھے بڑی اُمید تھی کہ فرقہ وارانہ اختلافات ان سب کو برباد نہیں کریں گے۔ لہٰذا اپنے تمام مذاکرات میں پہلے میں نے بھی کوشش کی کہ سیاسی لیڈروں پر زور دوں کہ وہ ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کے وزارتی مشن کے پلان کو غیر مشروط طور پر تسلیم کر لیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ پلان بہترین انتظام مہیا کرتا ہے جو ہندوستان کی تمام قوموں کے مفادات پورا کرنے کے لئے وضع کیا جا سکتا ہے۔ مجھے بڑا افسوس ہے کہ وزارتی مشن کے پلان یا کسی ایسے پلان پر جو ہندوستان کی وحدت برقرار رکھ سکے، کوئی سمجھوتہ حاصل کرنا ناممکن ثابت ہوا ہے لیکن یہ سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا کہ کسی بڑے علاقے کو جس میں ایک قوم کی اکثریت ہے، اُس کی مرضی کے خلاف کسی ایسی حکومت کے تحت رہنے پر مجبور کیا جائے جس میں دوسری قوم کو اکثریت حاصل ہو۔ اور جس کی متبادل صورت تقسیم ہے۔ لیکن جب مسلم لیگ ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کرتی ہے تو کانگرس بھی اسی صورت میں بعض صوبوں کی تقسیم کا مطالبہ کرنے کے لئے وہی دلائل پیش کرتی ہے۔ میرے خیال میں یہ دلائل ناقابلِ تردید ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی فریق بھی اس کے لئے تیار نہیں ہے کہ کوئی ایسا معتدبہ علاقہ، جس میں ایک قوم کو اکثریت حاصل ہو، ایسے دوسرے کی حکومت میں رہنے دے۔ سچ یہ ہے کہ میں خود صوبوں کی تقسیم کا اُتنا ہی مخالف ہوں جتنا ہندوستان کی تقسیم کا۔ اور ان ہی بنیادی وجوہ کی بناء پر ہم نے سکھوں کی پوزیشن پر احتیاط سے غور کیا ہے۔ یہ بہادر قوم پنجاب کی آبادی کا تقریباً ۱/۸ حصہ ہے۔ لیکن وہ اس طرح منتشر ہیں کہ اس صوبہ کی کسی طرح بھی تقسیم کی جائے، اُن کے لئے تقسیم ناگزیر ہو جائے گی۔ ہم سب کو جو نہ دل سے سکھوں کا بھلا چاہتے ہیں، اس خیال سے بڑا افسوس ہوتا ہے کہ پنجاب کی تقسیم سے جس کے وہ خود خواہش مند ہیں، وہ بڑی یا چھوٹی حد تک تقسیم ہونے سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ تقسیم کی صحیح صحیح حد کا فیصلہ حد بندی کے کمیشن پر چھوڑ دیا جائے جس میں بلاشبہ سکھوں کو نمائندگی حاصل ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ سارا پلان بے نقص نہ ہو۔ لیکن اس کی کامیابی کا انحصار خیر سگالی کے اس جذبہ پر ہو گا جس سے اس پلان پر عمل کیا جائے گا۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ ایک مرتبہ جب یہ طے ہو جائے کہ اختیارات کس طرح منتقل کئے جائیں تو انتقال اختیارات جلد سے جلد عمل میں آ جانا چاہیئے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اگر ہم اس وقت تک انتظار کرتے جب تک سارے ہندوستان کے لئے کوئی دستوری نظام مرتب نہ ہو جاتا تو ہمیں

عرصہ تک انتظار کرنا پڑتا۔ خصوصاً اگر فیصلہ تقسیم کے حق میں ہوتا۔ اس کے ساتھ اگر ہم دستور ساز اسمبلیوں کے اپنا اپنا کام ختم کرنے سے پہلے اختیارات منتقل کر دیتے تو ہم ہندوستان کو بغیر کسی دستور کے چھوڑ جاتے۔ اس اُلجھن کا حل جو میں پیش کر رہا ہوں یہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت برطانوی ہند میں اس وقت ایک یا دو حکومتوں کو اختیارات منتقل کر دے جن میں سے ہر ایک کو جونہی ضروری انتظامات عمل میں آ سکیں، درجہ نوآبادیات حاصل ہو جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ آئندہ چند مہینوں میں ایسا ہو جائے گا۔ میں مسرت کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ ملک معظم کی حکومت نے یہ تجویز منظور کر لی ہے اور اس کے لئے پارلیمنٹ کے موجودہ اجلاس میں پیش کرنے کے لئے قانون مرتب کیا جا رہا ہے۔ ان فیصلوں کے باعث انڈیا آفس کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ اور ملک معظم کی حکومت اور ہندوستان کے مابین تعلقات قائم رکھنے کے لئے کوئی اور ادارہ قائم کیا جائے گا۔ میں اس امر پر زور دینا چاہتا ہوں کہ اس قانون سے مجموعی طور پر ہندوستان، یا اگر تقسیم عمل میں آئی تو دونوں ریاستوں کے اس اختیار پر کہ آئندہ ان کے آپس کے تعلقات یا دولت مشترکہ کے دوسرے ممبروں کے ساتھ اُن کے تعلقات کی نوعیت کیا ہو کوئی پابندی عاید نہ ہوگی۔ چنانچہ اب ایک ایسے انتظام کے لئے راستہ صاف ہو گیا ہے جس کے ذریعہ اختیارات اُس وقت سے بہت عرصہ قبل منتقل کئے جا سکتے ہیں جسے ہم میں سب سے زیادہ پُر امید شخص بھی ممکن سمجھتا تھا۔ اس کے ساتھ یہ ہندوستان کے لوگوں پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں جو ملک معظم کی حکومت کی اعلان کردہ پالیسی ہے۔

میں نے ہندوستانی ریاستوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ ملک معظم کی حکومت کے ان نئے فیصلوں کا تعلق برطانوی ہند میں انتقال اختیارات سے ہے۔ اگر انتقال اختیارات پُر امن اور باقاعدگی سے ہوتا ہے۔ تو ہم میں سے ہر ایک شخص کو اس کام کے لئے اپنی تمام کوششیں صرف کر دینی چاہئیں۔ یہ وقت لڑنے جھگڑنے کا نہیں ہے اور نہ ہی اس بدنظمی اور بدامنی کے کسی شکل میں جاری رہنے کا ہے جو پچھلے چند ماہ سے پھیلی ہوئی ہے۔ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ہمارے پاس اس وقت خوراک کی کتنی کمی ہے۔ ہم کسی طرح بھی تشدد برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم سب کو اس پر اتفاق ہے۔

ہندوستان کے لوگوں کا فیصلہ خواہ کچھ ہو، مجھے یقین ہے کہ جن برطانوی حکام یا افسروں کو ہندوستان میں کچھ عرصہ اور ٹھہرنے کے لئے کہا جائیگا، وہ اس فیصلہ پر عمل درآمد میں مدد

دینے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ملک معظم اور ملک معظم کی حکومت نے مجھ سے خواہش ظاہر کی ہے کہ میں ہندوستان میں آپ سب اصحاب کو مستقبل کے لئے اُن کی نیک خواہشات اور اُن کی مسلسل خیر سگالی کا یقین دلاؤں۔

میں ہندوستان کے مستقبل پر یقین رکھتا ہوں۔ اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں ایسے اہم ترین وقت میں آپ سب کے ساتھ ہوں۔ خدا کرے آپ خوب سمجھ سوچ کر فیصلہ کریں گے اور ان فیصلوں پر گاندھی جناح اپیل کی پُرامن اور دوستانہ سپرٹ میں عمل کیا جائے۔

مسٹر جناح کا نظریہ ریاستیں آزاد ہیں ٥

مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے ۱۷ جون ۱۹۴۷ء کو ایک بیان اعلان میں کہا کہ پیراماؤنٹسی کے ختم ہونے پر ہندوستانی ریاستیں آزاد ہیں کہ وہ ہندوستانی آئین ساز اسمبلی یا پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوں یا اپنی آزادی اور خودمختاری کا اعلان کریں۔ آپ نے کہا کہ آج کل ریاستوں سے متعلق مختلف بیانات دیے جا رہے ہیں سب کے سامنے ریاستیں ایک معمہ بن کر کھڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ریاستوں کے بارے میں آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی کی وضاحت کر دی جائے تا کہ کوئی غلط فہمی نہ رہ جائے کہ مسلم لیگ پتہ نہیں ریاستوں کو کیا سمجھتی ہے۔ قانونی اور آئینی طور پر پیراماؤنٹ پاور کے ختم ہونے پر ریاستیں بالکل خودمختار ہوں گی اور انہیں حق حاصل ہوگا کہ چاہیں تو کسی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہو جائیں یا اپنی آزادی کا اعلان کر دیں۔ یہ ریاستوں کا ہی کام ہے کہ وہ اپنے متعلق فیصلہ کریں۔ اُن کی قسمت کا فیصلہ انہی کے ہاتھ ہے۔ اور اگر اُنہوں نے اپنی آزاد پوزیشن میں ہی بہتری تصور کی تو ان حالات میں ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ اپنے تعلقات کا فیصلہ بھی انہیں کرنا ہوگا۔ لیکن یہ تعلقات بھی اُن کی اپنی مرضی پر منحصر ہوں گے۔ ابتداء سے ہی مسلم لیگ کی پالیسی یہی رہی ہے۔ ہم ریاستوں کے اندرونی معاملات میں دخل انداز ہونا نہیں چاہتے۔ کیونکہ سب سے پہلے یہ کام حکمران اور اُن کی پرجا کا ہے۔ ایسی ریاستیں جو اپنی آزادانہ خواہش سے پاکستان آئین ساز اسمبلی میں شامل ہوں گی یا پاکستان کے ساتھ کسی قسم کی گفت و شنید کرنا چاہیں گی تو ہم ان کے لئے بالکل تیار ہیں۔ ہماری خواہش یہی ہے کہ اب کوئی بھی فیصلہ باہمی بات چیت سے کیا جائے۔ اور اگر وہ آزاد رہنا چاہیں اور پاکستان کے ساتھ سیاسی یا اقتصادی تعلقات کے لئے

گفت و شنید کرنا پسند کریں تو بھی ہم اُن کا خیر مقدم کریں گے۔ تب فیصلہ دونوں کی خواہش سے ہی انجام پائے گا۔

میری یہ رائے ہے کہ کیبنٹ مشن کے ۱۲ رمئی کے میمورنڈم میں ریاستوں کے بارے میں برٹش گورنمنٹ کی پالیسی کا صاف اور مبہم الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے۔ اس سے ریاستوں کو محدود نہیں کیا گیا جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے کہ انہیں مجبوراً ایک یا دُوسری اسمبلی میں شامل ہونا ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اُن کی مرضی ہو گی تو وُہ آزاد رہ سکتی ہیں۔ برٹش گورنمنٹ، برٹش پارلیمنٹ اور نہ ہی کوئی دُوسری طاقت یا جماعت اُنہیں مجبور کر سکتی ہے اور اُن کی آزاد رائے کے خلاف نہ ہی ایسا کرانے کی کسی میں طاقت اور اتھارٹی ہے۔ برطانوی گورنمنٹ نے کہہ دیا ہے۔ کہ پیرامائونٹسی کسی بھی ہندوستانی گورنمنٹ کو منتقل نہ کی جائے گی۔ اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پیرامونٹسی منتقل نہیں ہو رہی بلکہ ختم ہو رہی ہے۔ اور اس کے ختم ہونے کے بعد آزاد اور خود مختار ریاستیں ہی ہندوستان میں اُبھر آتی ہیں، اور کچھ نہیں۔

"ریاستیں آزاد نہیں" کانگریس کا ریزولیوشن

۱۴ رجون ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ہندوستانی ریاستوں کے سوال پر ایک ریزولیوشن پاس کیا جس میں اعلان کیا گیا کہ کانگریس کسی ریاست کے اس حق کو تسلیم نہیں کرتی کہ وُہ باقی ہندوستان سے علیحدہ ہو کر رہے اور اپنی آزادی کا اعلان کرے۔ اس لئے کانگریس تمام ریاستوں سے اپیل کرتی ہے کہ وُہ انڈین یونین میں شامل ہوں جہاں وُہ مساوی اور خود مختار یونٹ تصوّر کئے جائیں گے۔ کانگریس "سرداری" کی اس تھیوری سے متفق نہیں جو برٹش گورنمنٹ نے پیش کی ہے۔ برٹش گورنمنٹ کی سرداری ختم ہونے کے بعد ریاستوں اور گورنمنٹ ہند کے باہمی حقوق اور ذمہ داریاں ختم نہیں ہو جاتیں۔ ان کی صرف تجدید کرنے کی ضرورت ہے۔ برٹش سرداری ختم ہو جانے سے ریاستیں آزاد نہیں ہو جاتیں۔ ہندوستان کی حفاظت کے مقاصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ ریاستیں انڈین یونین کے ساتھ شامل رہیں۔ اس لئے کسی ریاست کی آزادی کا اعلان کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اور کانگریس کو اُمید ہے کہ ریاستیں اس پوزیشن کا احساس کر کے یونین میں شامل ہو جائیں گی۔

پنڈت جواہر لال نہرو کا والیانِ ریاست کو چیلنج

پنڈت جواہر لال نہرو نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں

ہندوستانی ریاستوں سے متعلق ریزولیشن پر تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہم ہندوستان کی کسی ریاست کی آزادی تسلیم نہیں کریں گے۔ مزید برآں اگر کسی غیر ملکی طاقت نے (چاہے وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو) کسی ریاست کی آزادی کو تسلیم کیا تو ہم اسے غیر دوستانہ اقدام تصوّر کریں گے۔ آزادی اور سرداری کے متعلق بہت زیادہ باتیں کی جا رہی ہیں۔ آزادی کا دارومدار محض اعلان کرنے پر مبنی نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا دارومدار مختلف معاملات مثلاً ڈیفنس اور خارجہ تعلقات پر ہے۔ اصُولی طور پر ایک ریاست صرف اُسی حالت میں آزاد اور خود مختار تصوّر کی جائے گی جبکہ دُوسری پارٹیاں اس آزادی کی منظوری دیں اور تسلیم کریں۔ ہندوستان میں تاج برطانیہ کی سرداری (بعض خاص حالات کے ماتحت عالمِ وجود میں آئی۔ مجھے اس کی تاریخ میں جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس سرداری کا دارومدار جغرافیہ، تاریخ اور دیگر ہر قسم کے معاملات مثلاً ڈیفنس پر ہے۔ اگر برطانیہ اپنی یہ سرداری ہٹا لے (جیسا کہ وُہ کہتا ہے کہ وُہ ہٹا لے گا) تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم اس قسم کی سرداری کے اصُول کو تسلیم نہیں کرتے جس کا اعلان برطانوی گورنمنٹ ایک درجن سال سے کرتی آئی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ تاج کے نمائندہ کا کام صرف ایک درجن سال سے ہی شروع ہوا ہے۔ جب سے برطانیہ نے ہندوستان میں ایک آہنی طاقت کا درجہ حاصل کیا ہے، وُہ سرداری کو استعمال کرتا آیا ہے۔ پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی اور بعد میں حکومت ہند۔ اس امر میں شُبہ نہیں کہ تاج برطانیہ پس پردہ کارفرما تھا۔ حکومت ہند میں ہندوستانی ریاستوں سے معاملات طے کرنے والے اور باقی ہندوستان سے معاملات طے کرنے والے حصّے علیحدہ علیحدہ نہ تھے۔ ہندوستانی ریاستوں کے معاملات سب حکومت ہند طے کرتی تھی۔ یہ امتیاز گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نتیجہ میں ہوا جبکہ ہندوستانی ریاستوں سے معاملات طے کرنے کے لئے حکومت ہند کے ایک علیحدہ محکمہ کو مخصوص کر دیا گیا۔ جب ہندوستان میں فیڈریشن قائم کرنے کی بات چیت شروع ہوئی تو بٹلر کمیٹی اور مختلف لوگوں نے تاج برطانیہ کی سرداری کا واویلا شروع کر دیا۔ ہم نے اس پوزیشن کو منظور نہیں کیا تھا۔ لیکن اس مرحلہ پر میں اس معاملہ کو لینا نہیں چاہتا۔

جہاں تک تاج برطانیہ کی سرداری کا تعلق ہے، وُہ ختم ہو جاتی ہے۔ دُوسرے الفاظ میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سرداری ریاستوں کو واپس مل جاتی ہے۔ حکومت ہند کی ایک قسم کی موروثی سرداری ہندوستان میں اقتدار رکھنے والی حکومت کے ہاتھ رہے گی۔ اس کی وجہ نہی

جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ ہے۔ جن کے باعث سرداری برطانیہ کو مل گئی تھی جبکہ اُسے ہندوستان میں اقتدار حاصل ہوا۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ سرداری ختم ہو جاتی ہے تو وہی لوگ اسے دوبارہ عالم وجود میں لائیں گے۔ یہ سرداری قائم رہنی چاہیئے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف ریاستیں گروپوں یا کسی اور شکل میں فیڈریشن میں شامل ہو جائیں۔ اس صورت میں سرداری کا سوال پیدا نہیں ہو گا کیونکہ یہ ریاستیں یونین میں خود مختار حیثیت میں اور برابر کے یونٹوں کے طور پر شامل ہوں گی۔ انہیں یونین کی لیجسلیچر اور ایگزیکٹو میں برابر کا حصہ ملے گا۔ بالفرض یہ ریاستیں مناسب یونٹ میں اقتصادی یونٹ ہیں اور اس قدر بڑے یونٹ ہیں کہ فیڈریشن میں انہیں وہی پوزیشن ہو گی جو مثال کے طور پر صوبوں کو۔ غالباً آزاد انڈین یونین میں ایک صوبہ اور ریاست میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ تمام صوبے اور ریاستیں یونین کے مختلف برابر کے یونٹ ہوں گے۔ ان یونٹوں کو کوئی نام دیئے دیں لیکن ان یونٹوں کا درجہ برابر ہو گا۔ اور اس حالت میں سرداری کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو ریاستیں انڈین یونین میں شامل نہیں ہوں گی تو ان کے متعلق سرداری کا سوال لازمی طور پر پیدا ہو گا۔ برطانوی وزارتی مشن کے ۱۶ مئی کے اعلان میں یہ واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ انڈین یونین صوبوں اور ریاستوں پر مشتمل ہو گی۔ یہ تصور نہیں کیا گیا کہ کوئی ریاست یونین سے باہر ہو گی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ ایک ریاست کو بعض اختیارات دیئے گئے تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ریاستیں انڈین یونین سے باہر رہ سکیں گی۔ ۱۲ مئی کے میمورنڈم میں یہ واضح طور پر کہا گیا تھا کہ ریاستیں یا تو انڈین یونین میں شامل ہو جائیں (اور یہ صورت بنیادی تھی) یا وہ یونین سے کوئی اور انتظام کریں۔ صورت حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے۔ تیسرے طریقے کا مطلب یہ ہے کہ ریاستوں کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے اور غیر ملکی طاقتوں سے وہ تعلقات قائم کر لیں۔

اگر ایک ریاست کے یونین سے تعلقات بہتر ہوں گے، یونین کو ایک حد تک سرداری حاصل ہو گی اور ریاست کو ایک خود مختاری ملے گی۔ لیکن یہ خود مختاری سرداری سے محدود ہو گی۔ لیکن ہماری خواہش یہ نہیں ہے کہ ہمیں سرداری حاصل ہو۔ ہم ہندوستان کے تمام لوگوں کے لئے آزادی چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ایک خاص وقت کے لئے دوسرے

Scanned with CamScanner

انتظامات ہونے تک یا یونین میں کچھ ریاستوں کے شریک ہونے تک ریاستوں کے ساتھ خاموشی سے گفت و شنید جاری رکھیں۔ گفت و شنید کے دوران میں موجودہ انتظامات جاری رہیں گے۔ کیونکہ ان انتظامات کی عدم موجودگی سے طوائف الملوکی پھیل جائے گی۔ لیکن اگر کسی ریاست نے جارحانہ رویہ اختیار کیا تو یہ انتظامات جاری نہیں رہیں گے۔

ان انتظامات کے تحت کسی ریاست کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ کسی غیر ممالک سے تعلقات قائم کرنے کے لئے بات چیت کرے۔ اس طرح ڈیفنس کے معاملہ میں بھی انہیں اپنی من مانی کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ اس لئے نہیں کہ ہم ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کی ایک اور اصول اور بنیادی وجہ ہے وہ یہ کہ ان امور کا ہندوستان کی حفاظت پر اثر پڑتا ہے۔ اور ہم ہندوستان میں کوئی ایسی بات ہونے کی اجازت نہیں دیں گے جو ہندوستان کی حفاظت پر بنیادی طور پر اثر ڈالتی ہو۔ چاہے یہ ڈیفنس کا معاملہ ہو اور چاہے غیر ممالک سے تعلقات قائم کرنے کا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ نہ صرف ریاستیں اس صورت حالات کا احساس کریں بلکہ دوسرے ممالک اور طاقتیں بھی صورت حالات کو سمجھیں اور اس کی قدر کریں۔ دوسرے ممالک بھی جان لیں کہ ہم ہندوستان کی کسی ریاست کی خود مختاری کو تسلیم نہیں کریں گے۔ مزید برآں اگر کسی غیر ملک نے کسی ریاست کی خود مختاری کا اعلان کیا تو اسے غیر دوستانہ اقدام تصور کیا جائے گا۔ انڈین یونین کو ہر ریاست کی حفاظت کا خیال ہوگا۔ اور اسی خیال کو کسی ریاست کے اعلان آزادی سے پس پشت نہیں ڈالا جاسکتا۔ بنابریں اگر کسی غیر ملک نے کسی ریاست کے اعلان آزادی کی روشنی میں کوئی قدم اٹھایا تو وہ ہمارے خاص مفاد کو نظر انداز کرنے اور ہمارے ساتھ غیر دوستانہ اقدام کرنے کا ارتکاب کرے گی۔ مجھے قطعی طور پر یقین ہے کہ دو ماہ کے بعد جو گورنمنٹ بھی عالم وجود میں آئے گی، وہ اسی طرح محسوس کرے گی اور اسی طرح کا قدم اٹھائے گی۔

گذشتہ چند ماہ میں کانگریس والیان ریاست سے دوستانہ سمجھوتہ کرنے اور ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہی ہے۔ کئی ریاستیں آئینی اسمبلی میں شامل ہوچکی ہیں۔ دوسری ریاستوں کو بھی آئینی اسمبلی میں شرکت کرنے کی دعوت دی جاچکی ہے۔ حکمرانوں سے کانگریس کے تعلقات ہیں۔ اور کانگریس ان تعلقات کو نقصان

پہنچانا نہیں چاہتی۔ لیکن کانگریس اپنے اِس بنیادی اصُول سے دستبردار نہ ہوگی کہ ریاستوں کے لوگ ہی ریاستوں کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔

اتحادی اقوام کی انجمن بھی لوگوں کی خود مختاری کا اصُول تسلیم کر چکی ہے۔ جب اطالوی نوآبادیات کا مسئلہ پیش ہوا تو ہمارا وفد بھی لوگوں کی خود مختاری کے اصول کا علمبردار تھا۔ ظاہر ہے کہ ٹریپولی کے لوگوں کے لئے اور ہندوستان یا ریاستوں کے لوگوں کے لئے علیحدہ علیحدہ اصُول مرتب نہیں کیے جا سکتے۔

سر گوپال سوامی آئینگر کا بیان

سر این۔ گوپال سوامی آئینگر سابق وزیر اعظم ریاست جموں و کشمیر نے ایک انٹرویو کے دوران واضح کیا کہ اگر چند ریاستوں نے ہندوستان کے ساتھ سیاسی تعلقات کے متعلق معاہدے کرنے کے بغیر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا تو ہندوستان کا اقتصادی اور سیاسی ڈھانچہ بگڑ جائیگا جس کا نتیجہ ملک میں بدامنی اور طوائف الملوکی ہوگا۔ آپ نے نظام کے فرمان اور دیوان ٹراونکور کے اعلانوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جغرافیہ، تاریخ، اقتصادیات، مجلسی اور تمدنی تعلقات ہندوستانی ریاستوں کو ہندوستان کی یونین میں شامل ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس میں اُن کا اپنا بھلا ہے اور یونین کا مفاد بھی اسی میں ہے کہ وہ علیحدہ نہ رہیں۔ لیکن اگر وہ یونین میں شامل ہو کر سینٹرل نظام کے حصے بننا نہیں چاہتے تو ڈومینین حکومت کو اُنہیں ممالک غیر کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے روکنا چاہیے۔ یونین کو اُنہیں بیرونی حملے سے بچانا چاہیے اور اِن ریاستوں میں ظلم کو ختم کرنے کے لئے مداخلت کرنی چاہیے۔

ڈاکٹر بی۔سی۔ رائے کا اعلان

ڈاکٹر بدھان چندر رائے سابق چیف منسٹر بنگال (جو اُس وقت کانگرس ورکنگ کمیٹی کے سرکردہ ممبر تھے) نے ایک انٹرویو کے دوران کہا کہ کچھ والیانِ ریاست اپنی خود مختاری کا اعلان کر رہے ہیں اور کچھ اپنی فوجوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ برطانوی ہندوستان اس صورتِ حال کو تسلیم کرے گا۔ لیکن میری رائے اِس سے مختلف ہے۔ برطانیہ نے اعلان کیا ہے کہ وہ ہندوستان میں دو آئین ساز اسمبلیوں کے علاوہ کسی اور کو خود مختار نہ ہونے دے گی۔ میری قطعی رائے یہ ہے کہ بالآخر لوگوں کی رائے پر سرکار بند ہونا پڑیگا۔

حیدرآباد اور ٹراونکور کے والیانِ ریاست خود کچھ ہی کہیں اور اپنی آزادی کا اعلان ہی کیوں نہ کریں، انہیں آخر کار ریاستی پرجا کی خواہش پر چلنا پڑے گا اور کشمیر کی مسلم پرجا اور حیدرآباد کی ہندو آبادی اِس مسئلہ کا فیصلہ کرے گی۔ تو یہ یقینی امر ہے کہ جب برطانوی ہند کے لوگ نظامِ حکومت پر اپنا کنٹرول کریں گے تو ریاستی عوام کے نمائندے بھی یہی مطالبہ کریں گے۔

جموں و کشمیر کی شمولیت کا مسئلہ

ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ ریاستوں کے لئے بھی یہ موقعہ تھا کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ سوائے چند ایک ریاستوں کے ہر ایک ریاست نے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی آئین ساز اسمبلی میں اپنے نمائندے بھیج دیئے۔ ریاست جموں و کشمیر اور حیدرآباد نے اپنے مستقبل کا کوئی فیصلہ نہ کیا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے رہنماؤں کی نظریں ریاست کشمیر پر تھیں کہ کب ہندوستان سے ریاست کے الحاق کا اعلان ہوتا ہے۔ اِدھر ریاست میں ہر ایک سیاسی پارٹی ریاستی حکومت پر زور دے رہی تھی کہ ریاست کا ہندوستان سے الحاق کیا جائے۔ مسلم کانفرنس کے ریاستی لیڈروں نے پہلے تو حکومت سے استدعا کی کہ وہ آئین ساز اسمبلی میں اپنے نمائندے بھیج کر شرکت کرے۔ بعد میں کروٹ بدلی اور اس کے صدر چوہدری حمید اللہ نے اعلان کیا کہ ریاست کو آئین ساز اسمبلی میں شامل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ آزاد اور خود مختار رہنا چاہیئے۔ حمید اللہ نے حکومت پر یہ بھی مطلع کیا کہ اگر پاکستان نے کبھی ریاست پر حملہ کیا تو مسلم کانفرنس پاکستان کے خلاف متحد ہو کر وطن کو بچانے کے لئے اپنا خون بہا دے گی لیکن جلد ہی بعد پھر ایک اور کروٹ بدل کر اعلان کیا کہ کشمیر کو پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے کیونکہ ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ جموں کی سب سے بڑی سیاسی جماعت ہندو راجیہ سبھا نے ہند سے الحاق اور آئین ساز اسمبلی میں ریاست کی شرکت کے بارے میں کہا کہ ریاست کو ہندوستان میں شامل ہونا چاہیئے۔ لیکن مہاراجہ بہادر ہری سنگھ کی مرضی پر اس فیصلہ کو چھوڑ دیا جائے کہ جب بھی وہ موزوں اور مناسب وقت سمجھیں ہندوستان سے الحاق کا اعلان کر دیں۔ صوبہ جموں کے ہندو مہاراجہ کو اپنا لیڈر مانتے ہیں اور اُن کی ذات پر مکمل وشواس رکھتے ہیں۔

جموں پرانت کی نیشنل کانفرنس کے لیڈر شری موتی رام بیگڑہ نے ہند سے الحاق اور آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے سوال پر بیان دیتے ہوئے کہا کہ "ریاست کو ہند میں شامل ہونا چاہیئے۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ جو کہ ریاست کے سب سے بڑے سیاسی لیڈر ہیں، اُنہیں اور اُن کے سب ساتھیوں کو رہا کر دیا جانا ضروری ہے تاکہ ہندوستان سے الحاق کے بارے میں ریاست کی جو کشتی ڈول رہی ہے ؛ اُسے سنبھالا دینے میں شیخ صاحب کی امداد حاصل کی جا سکے۔"

پنڈت شونارائن فوطیدار نے پرجا سبھا کے اجلاس میں کشمیری پنڈت جماعت کا نظریہ پیش کرتے ہوئے واضح کیا کہ "قانون کا احترام ہو چکا ہے۔ اور اب وقت آیا ہے جبکہ حکومت کو فراخدلی سے کام لے کر دانشمندی کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اور تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر کے سیاسی گتھی کو سلجھا کر آئین ساز اسمبلی میں شمولیت کر لینی چاہیئے۔ اس کے بعد ۷ جون ۱۹۴۷ء کو کشمیری پنڈتوں کی نمائندہ سناتن دھرم یووک سبھا نے ایک قرار داد پاس کی کہ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے شیخ عبداللہ کو رہا کر دیا جائے تاکہ سب رہنما اکٹھے مل کر کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔ اس طرح ریاست کی بہت سی جماعتوں، برادری سبھاؤں، سوشل اور کلچرل سوسائٹیوں اور اقلیتوں کی نمائندہ انجمنوں نے بھی حکومت کشمیر کو انڈین یونین میں شمولیت کا مشورہ دیا۔ اور ایک رائے ہو کر مہاراجہ بہادر کو اپنا واحد لیڈر مان کر ہند یونین سے ریاست کے الحاق کو مناسب جانا۔

آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کا اجلاس

ماہ جون ۱۹۴۷ء کے آخیر میں آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کا گوالیار میں اجلاس ہوا جہاں کہ متفقہ طور پر کانفرنس کا پریذیڈنٹ شیخ عبداللہ کو منتخب کیا گیا جو اُس وقت بھدرواہ جیل میں محبوس تھا۔ ریزولیوشن میں شیخ عبداللہ کو مبارکباد دی گئی۔ اور ریزولیوشن کی کاپی بیگم شیخ عبداللہ کو سرینگر میں بھیجی۔ اور یہ بھی لکھا کہ یہ کانفرنس عہد کرتی ہے کہ کشمیر کے عوام کی آزادی کے حصول میں اپنا تعاون اُن کے شامل حال رہے گا۔ جس آزادی کی خاطر کشمیری عوام کے محبوب لیڈر اور تمام ہندوستانی ریاستوں کے رہنما جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں مصائب کا سامنا کر رہے ہیں۔

سٹینڈنگ کمیٹی کا اجلاس

اس سے پہلے ۸ رجون ۱۹۴۷ء کو دہلی میں سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی سٹینڈنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں برطانوی سکیم کے متعلق ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ برطانوی گورنمنٹ کے اقتدار اعلٰے کے ختم ہونے پر اقتدار اعلٰے ریاستی جنتا کے ہاتھ میں جائے گا۔ اور کہ والیان ریاست کی پوزیشن محض آئینی حکمرانوں کی سی ہوگی۔ ان حالات میں جو بھی والیان ریاست اپنی خود مختاری کا اعلان کریں گے، وہ نہ صرف انڈین یونین کی مخالفت سہیڑیں گے بلکہ انہیں اپنی جنتا کی مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس قسم کی کارروائی کی مزاحمت کی جائے گی۔ یہ کمیٹی امید کرتی ہے کہ تمام ہندوستانی ریاستیں انڈین یونین میں شامل ہونگی لیکن اگر کوئی ریاست انڈین یونین میں شامل ہونے سے انکار کرے تو آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس آئین ساز اسمبلی سے درخواست کرتی ہے کہ وہ ایسی ریاست کے عوام کو آئین ساز اسمبلی میں اپنا نمائندہ بھیجنے کی اجازت دے تاکہ آئین ساز اسمبلی میں جنتا کی صحیح نمائندگی ہوسکے۔ دوسرے ریزولیوشن میں قرار پایا کہ جب تک جمہوری نظام قائم نہیں کیا جاتا، ریاستوں کے اقتدار اعلٰے کے فرائض ہندوستان کی عارضی گورنمنٹ کے حوالے کئے جائیں کیونکہ عارضی گورنمنٹ کو نہ صرف ہندوستان کے باشندوں کا ہی بلکہ ریاستی جنتا کا بھی اعتماد حاصل ہے۔

وزارتی مشن کے مطابق ہندوستانی جنتا کو اپنے مستقبل کے فیصلے میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی ہے اور محض اس وجہ سے ہی ریاستوں کو آئین ساز اسمبلی میں نمائندگی دی گئی تھی۔ لہٰذا اقتدار اعلٰے کے ختم ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ والیان ریاست اپنی شخصی اور ڈکٹیٹرانہ حکومتیں قائم کریں۔ ۱۶ رمئی کے برطانوی اعلان میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ کسی ریاست کو انڈین یونین سے علیحدگی اختیار کرنے نہ دی جائے گی۔ کمیٹی کو معلوم ہوا ہے کہ ریاستوں میں پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ اور اس کی ایجنسیاں ختم کی جارہی ہیں۔ ایسی ایجنسیاں ختم کرنے کی حمایت کرتے ہوئے یہ کمیٹی ایسے اقدامات کی مخالفت کرتی ہے جن سے سارے ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیلنے کا خدشہ ہے۔

پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ اور ایجنسیاں صرف اقتدار اعلٰے کا کام ہی نہ کرتی تھیں بلکہ بعض مشترکہ کام کے سلسلہ میں حکومت ہند کی نمائندگی کرتی تھیں۔ اس لئے ضروری ہے

کہ ایسے مسائل کا انتظام کرنے کے لئے کوئی سنٹرل انھارٹی قائم کی جائے۔ اور جب تک انتظام نہیں ہوتا، موجودہ ایجنسیوں کو ہی ترمیم کے ساتھ قائم رکھا جائے۔ لہٰذا سٹینڈنگ کمیٹی مطالبہ کرتی ہے کہ پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ اور ایجنسیاں گورنمنٹ ہند کے حوالے کی جائیں یا فوراً کوئی نیا محکمہ بنایا جائے تاکہ وہ ریاستوں میں پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے سٹاف ریکارڈ، جائیدادوں اور عمارتوں کا چارج سنبھالے۔ سٹینڈنگ کمیٹی کے اس اجلاس کی صدارت کانفرنس کے صدر ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ نے کی اور پنڈت جواہرلال نہرو نے بہ نفسِ نفیس اس میں حصّہ لیا تھا۔

پنڈت جواہرلال نہرو کا بیگم عبداللہ کو خط

پنڈت جواہرلال نہرو نائب صدر عبوری گورنمنٹ ہند نے بیگم شیخ عبداللہ کے نام اپنے ایک خط میں لکھا کہ تقریباً ایک سال کا عرصہ گزرا جب میں کشمیر آیا تھا اور مجھے گرفتار کرنے کے بعد چند دن نظربند رکھا گیا۔ یہ سال ہم سب کے لئے نہایت ہی کٹھن تھا اور صبر آزما تھا۔ باوجود اس حقیقت کے میں یہاں نہایت ہی اہم معاملات میں پھنسا رہا۔ میرا دل و دماغ عام طور پر کشمیر اور اس کے مظلوم باشندوں کی طرف ہی متوجہ رہا۔ مجھے عموماً یہ سوچتے ہوئے دُکھ ہوتا ہے کہ اس وقت جبکہ شیخ صاحب کی دانشمندانہ رہبری کی ضرورت ہر پہلو سے بہ مقابلہ پہلے کے زیادہ مطلوب تھی، اُن کو جیل میں رکھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ مجھے دُکھ اس بات سے ہوتا ہے کہ میں ایک ایسے موقعہ پر شیخ صاحب اور کشمیر کے لوگوں کی کوئی مؤثر امداد نہ کر سکا جب کہ وہ ایک انتہائی قسم کے تشدد کا مقابلہ کر رہے تھے اور دبائے جا رہے تھے۔ مگر میرے یقین میں کسی وقت بھی فرق نہ آیا کہ شیخ صاحب اور کشمیر کے لوگوں کی جرأت اور بے انتہا قربانیاں ضرور بار آور ہوں گی۔ ہم اس وقت تبدیلی لانے والے اور جھنجھوڑنے والے زمانے میں گزر رہے ہیں۔ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا ہے۔ بہت سی چیزیں رُونما ہوئیں اور ہو رہی ہیں جو ہمیں پسند نہیں۔ مگر مجھے اس بات میں پختہ یقین ہے کہ کشمیر میں عوامی آرزو کو فتح حاصل ہو گی جیسے آج سارے ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ اور وہ اُمنگیں بہت حد تک پوری ہوں گی جس کے لئے شیخ صاحب نے آواز اُٹھائی ہے۔ اس یقین کے ساتھ ہم نے مختلف محاذوں پر کام کیا مگر اس کے باوجود نتائج بعض اوقات حوصلہ بخش نہیں رہے ہیں۔ کشمیر سے مجھے متعدد وجوہ کی بناء

پر محبت ہے ۔ بہ حیثیت کشمیری کے میں کشمیر کو بھول نہیں سکتا ۔ مجھے اس کے پہاڑوں اور دلکش مناظر سے بے حد لگاؤ ہے ۔ گذشتہ چند سالوں میں نیشنل کانفرنس کی وساطت سے مجھے کشمیر کے عوام کے نزدیک آنے کا موقعہ ملا ۔ ان کی غربت اور مظلومیت نے میرے دل پر گہرا اثر کیا ہے ۔ مجھے اُمید ہے کہ شیخ صاحب جلدی آزاد ہوں گے اور ہم موجودہ اہم مسائل پر غور کرتے وقت اُن کے زرّیں مشورہ سے مستفید ہو سکیں گے ۔ فقط ۔

صدر کانگریس آچاریہ کرپلانی کی آمد

آل انڈیا نیشنل کانگریس کے صدر شری آچاریہ کرپلانی معہ اپنی دھرم پتنی شریمتی سُچیتا کرپلانی کے پہلے سرینگر پہنچے ۔ اور چند یوم وہاں قیام کر کے ۲۵ مئی کو وزیر اعظم رائے بہادر پنڈت رام چندر کاک کے ہمراہ جموں میں آئے ۔ جموں میں آپ کی آمد سے ایک مسرت کی لہر دوڑ اُٹھی ۔ کیونکہ یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ صدر کانگریس کا یہاں آنا اور مہاراجہ بہادر اور اُس کے وزیر اعظم سے بات چیت کرنا شیخ عبداللہ کی رہائی کے لئے فضا ساز گار کرتا ہے ۔ اور حکومت کشمیر اور نیشنل کانفرنس کا سمجھوتہ ہو جائیگا ۔ نتیجتہً شیخ عبداللہ اور سارے سیاسی قیدیوں کی رہائی جب عمل میں آئے گی تو ریاست جموں کشمیر کی انڈین یونین میں شمولیت کے ۔ لئے نیشنل کانفرنس کے تعاون سے حکومت کشمیر اعلان کر دے گی ۔ آچاریہ کرپلانی کا ریاست میں ہر مقام پر سواگت ہوا ۔ جموں میں وہ سرکاری گیسٹ ہاؤس بادامی باغ میں ٹھیرے اور مہاراجہ بہادر سے ملاقات کی اور لنچ بھی اُن کے ہی ساتھ کیا ۔ جموں میں کرپلانی صاحب کو مصروفیت بہت زیادہ رہی مختلف سبھا سوسائیٹیوں کے وفود سے ملے ۔ پریس کانفرنس میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ۔ اور واپسی پر آپ نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ مہاتما گاندھی کے ایماء پر ہم نے ہندوستان چھوڑ دو کا نعرہ بلند کیا ۔ اس نعرہ کا مطلب کیا تھا ۔ یہ کہ چھ ہزار میل دور جس کا گھر ہے اور جو ہمارے پر حکومت کر رہا تھا ، وہ انگریز یہاں سے چلا جائے ۔ یہ نعرہ بدیشیوں کے خلاف تھا ۔ ہم نے اُنہیں ہمارا ہندوستان خالی کر کے اپنے گھر جانے کو کہا ۔ لیکن یہی نعرہ کشمیر کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا جا سکتا ۔ آخر آپ کا مہاراجہ بدیشی نہیں ۔ وہ آپ کا ہم وطن ہے ۔ وہ آپ کا بھائی ہے ۔ اس لئے اُسے مُلک چھوڑ دینے کو کہنا درست نہیں ۔ ریاست کے لوگوں کا مطالبہ ذمہ دار نظام حکومت کا ہونا چاہیئے ۔

آپ کو چاہیئے کہ آپ مہاراجہ کو کہیں کہ وُہ انگلینڈ کے بادشاہ کی طرح تخت پر بیٹھے اور راج کرے۔ اِس کے زیر سایہ آپ باقی کام چلائیں۔ یہ پالیسی دانشوری پر مبنی ہے۔ یہی کانگریس اور سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی دیرینہ خواہش ہے۔ اِس لئے کشمیر کے لوگوں کو "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ ترک کر دینا چاہیئے۔

مہاتما گاندھی کی آمد

راشٹر پتا مہاتما گاندھی اگست ۱۹۴۷ء کے آغاز میں سرینگر تشریف لائے۔ آپ نے وہاں تین یوم قیام کیا۔ کشمیری عوام اور وہاں کے لیڈروں سے ملے۔ مہاراجہ بہادر، مہارانی صاحبہ اور وزیراعظم سے تبادلہ خیالات کیا۔ بیگم صاحبہ شیخ محمد عبداللہ سے بھی بات چیت کی۔ پرارتھنا کے بعد ہزارہا کشمیریوں کے سامنے تقریر کی اور اپنے مختصر سے قیام میں ریاست کے حالات کا مکمل جائزہ لیا۔ اِس کے بعد آپ جموں میں آئے۔ جموں میں بھی آپ کا پُرتپاک استقبال ہوا۔ اور ۵ اگست کی شام کو اپنی پرارتھنا سبھا میں مہاتما گاندھی نے فرمایا کہ ۱۵ اگست کے بعد قانونی طور پر ریاست جموں وکشمیر آزاد ہو جائے گی۔ لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ اِسے پاکستان یا ہندوستان یونین میں سے کسی ایک میں ضرور شامل ہونا پڑے گا۔ مہاتما جی نے مزید کہا کہ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ کشمیر کے عوام کی رضامندی ہی اس بارہ میں آخری اتھارٹی ہے۔ معاہدہ امرتسر ایک سیل ڈیڈ (SALE DEED) ہے۔ میرا خیال ہے کہ ۱۵ اگست کو یہ معاہدہ ناکارہ ہو جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ معاہدہ کب ختم ہو گا۔ کیا یہ ریاست برطانیہ یا ہندوستان کو واپس دے دی جائے گی؟ اگر ہندوستان کو۔ تو ہندوستان کے کس حصہ کو؟ قانون کی باریکیوں میں نہ پڑتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ریاست جموں وکشمیر کی قسمت کا فیصلہ کشمیری ہی کر سکتے ہیں۔ اب یہ سوال ہے کہ عوام کی رائے کیسے معلوم کی جائے؟ میں اُمید کرتا ہوں کہ پاکستان یا ہندوستان کے عوام مہاراجہ اور کشمیری عوام سے مل کر اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اگر چاروں مل کر کسی فیصلہ پر پہنچ جائیں تو بہت سی مشکلات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ کشمیر ایک بہت بڑی ریاست ہے اور فوجی نقطۂ نگاہ سے بھی شاید ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ میں نے مہاراجہ بہادر، مہارانی صاحبہ اور بیگم شیخ محمد عبداللہ اور دیگر اصحاب سے سرینگر

میں ملاقات کی۔ لیکن افسوس کہ شیخ عبداللہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ مجھے اس کا اتی شوق ہے۔ لیکن حقیقت ہے کہ میں شیخ عبداللہ سے ملاقات کرنے نہیں گیا تھا۔ شیخ عبداللہ بلاشبہ کشمیر کے لیڈر ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کشمیر میں غالب اکثریت ہے۔ میں نے اس دورہ میں یہ محسوس کیا ہے کہ شیخ عبداللہ نے کشمیریوں کے دلوں میں مقامی حب الوطنی کی آگ روشن کر دی ہوئی ہے۔

۱۵ اگست کو کشمیر میں برطانوی برتری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد عوام کی عملی برتری شروع ہوگی۔ کشمیریوں کی ایک زبان ہے اور ایک تمدن۔ اور جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں، وہ ایک ہی ہیں۔ میں کشمیری ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں دیکھ سکا۔ اس لئے میرے لئے یہ جاننا بڑا ہی مشکل ہے کہ کشمیر میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے یا ہندوؤں کی۔ تاہم یہ موجب مسرت ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے جانشین موجودہ مہاراجہ صاحب اور مہارانی صاحبہ نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ ریاستی عوام ہی کشمیر کی قسمت کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

مہاتما جی نے یہ بھی کہا کہ میں یہاں کے لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ایشور نے چاہا تو میں عنقریب دوبارہ آپ کے پاس آؤں گا۔ آپ مطمئن زندگی بسر کر رہے ہوں گے۔ آپ کی سنوں گا، اپنی سناؤں گا۔ اور آپ کے درمیان شیخ محمد عبداللہ بھی ہوں گے اور آپ اُن کے خیالات سے بھی فائدہ اٹھا سکیں گے۔

مہاتما گاندھی نے وزیر اعظم کشمیر رائے بہادر پنڈت رام چندر کاک سے بھی سرینگر میں بات چیت کی جو دو گھنٹے سے بھی زیادہ عرصہ تک جاری رہی لیکن وزیر اعظم کشمیر نے ریاست کے الحاق کے بارے میں جو کچھ بھی کہا، اُس سے وہ گاندھی جی کو مطمئن نہ کر سکے۔ جب ملاقات ختم ہوئی تو پریس نمائندگان نے مسٹر کاک سے دریافت کیا کہ مہاراجہ بہادر کا خیال ریاست کو ہندوستان کے ساتھ لے جانے کا ہے یا پاکستان کے ساتھ؟ یا مہاراجہ کا خیال ریاست کو آزاد رکھنے کا ہے؟ اس تعلق میں گاندھی جی سے کیا بات چیت ہوئی ہے؟ تو مسٹر کاک نے جواب دیا کہ بات چیت الحاق کے مسئلہ پر ہی ہوئی ہے۔ اخبار نویسوں نے پوچھا۔ تو پھر یہ سمجھ لیا جائے کہ ریاست ہندوستان میں شامل ہو جائے گی؟ اس پر منسٹر نے جواب دیا کہ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مہاتما گاندھی کے کشمیر سے واپس جانے کے دو تین یوم بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے رائے بہادر پنڈت رام چندر کاک وزیر اعظم کو ملازمت سے ریٹائر کرنے کے احکام جاری کئے۔ اور میجر جنرل رائے بہادر جنک سنگھ کٹوچ کو ریاست کی وزارت عظمیٰ کا قلمدان سپرد کیا اور کہ ڈپٹی پرائم منسٹر کی نئی اسامی پر ایک سال کے لئے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری رائے بہادر لالہ رام لال بترہ کو مقرر کیا۔ رام چندر کاک ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو وزارت عظمیٰ کا چارج جنرل جنک سنگھ کو دے کر ریاست کی بتیس سال ملازمت کر کے ریٹائر ہوا۔ کاک ریاست کی ملازمت میں لائبریری کلرک کے طور بھرتی ہوا تھا۔ اور بتدریج ترقی کرتا ہوا ریاست کے سب سے اونچے عہدہ وزارت عظمیٰ پر پہنچا۔ کاک کی ریٹائرمنٹ کے بعد ریاست میں بالخصوص ہندوستان کے کانگریسی حلقوں میں سمجھا گیا کہ اب جلد سے جلد نیشنل کانفرنسی لیڈر شیخ محمد عبداللہ اور تمام سیاسی قیدی رہا کئے جائیں گے اور ریاست ہندوستان میں شامل ہو جائے گی۔ چنانچہ نیشنل کانفرنس نے اپنا ستیاگرہ جو کہ حکومت کے خلاف "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے دنوں سے جاری کر رکھا تھا اور جو ہر جمعہ کو حضرت بل سرینگر میں ہوا کرتا تھا، واپس لے لیا۔ اور نیشنل کانفرنس نے اپنی تمام تر سرگرمیاں فرقہ وارانہ اتحاد اور غذائی صورت حال پر مرکوز کرنے کا پروگرام بنا لیا۔

گلگت کی واپسی پر جشن

برطانوی اقتدار ہندوستان سے اُٹھ رہا تھا۔ جولائی ۱۹۴۷ء کے اخیر میں حکومت ہند کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے ایک افسر نے نئی دلی سے آکر سرینگر میں ریذیڈنسی دفاتر کا فرنیچر و دیگر سامان نیلام کر دیا۔ اور اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کو سیالکوٹ میں اپنا دفتر لے جانے کی ہدایت کی۔ مہاراجہ بہادر ہری سنگھ نے احکام صادر کئے کہ یکم اگست ۱۹۴۷ء کو جب گلگت اور فرنٹیئر علاقہ ریاست کو واپس مل جائیں گے تو اُس روز تمام ریاست میں عام تعطیل منائی جائے۔ ان علاقوں کے نظم و نسق کا چارج لیتے وقت جموں، سرینگر، گلگت اور لداخ سے سلامی کی توپیں داغی جائیں۔ اور گلگت، ہنزہ نگر، چلاس یاسین، کوہ پونیال، غذر، اشکومان، درامل، تانگیر اور پونچھ میں بیس ہزار روپیہ سرکاری طور پر خیرات کئے جائیں۔ سرینگر، جموں و گلگت، پونچھ، لداخ اور چلاس میں چراغاں کیا جائے۔

گلگت کا علاقہ ۱۹۳۵ء میں برطانوی حکومت نے ساٹھ سالہ لیز پر مہاراجہ ہری سنگھ

...ت حاصل کیا تھا۔ اور اس علاقہ کا سارا نظم و نسق انگریزوں نے سنبھال رکھا تھا چنانچہ حکومت جموں و کشمیر کی طرف سے بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ کو گلگت اور فرنٹیئر علاقہ کا گورنر ... روپیہ ماہوار پر مقرر کیا گیا۔ گورنر کی یہ پوسٹ نئی بنائی گئی تھی جس نے گلگت اور ریاست سے ملحقہ فرنٹیئر علاقوں کا نظم و نسق یکم اگست ۱۹۴۷ء کو گلگت پہنچ کر سنبھال لیا۔

اس سے پہلے لکھا گیا ہے کہ ماہ جون اور جولائی میں ہندوستانی رہنماؤں کی سرینگر اور جموں میں آمد آمد رہی۔ چنانچہ صدر آل انڈیا کانگریس آچاریہ کرپلانی اور دیگر رہنماؤں کے بعد مہاتما گاندھی خود بھی ریاست میں پدھارے۔ لیکن ان سے پہلے ماہ جون ۱۹۴۷ء میں لارڈ مونٹ بیٹن وائسرائے ہند۔ لیڈی مونٹ بیٹن اور اُن کی دختر بھی سرینگر میں آئے جو کہ چار یوم سرینگر میں رہ کر ۲۳ جون کو واپس دہلی ہوئے۔ سرینگر میں اپنے قیام کے دوران لارڈ مونٹ بیٹن مہاراجہ ہری سنگھ اور وزیر اعظم مسٹر کاک سے کئی بار ملے۔ وائسرائے کی آمد بھی اسی مقصد کے لئے تھی کہ وہ مہاراجہ بہادر کو ریاست کے الحاق کے بارے میں ۱۵ اگست سے پہلے پہلے کسی فیصلہ پر پہنچنے کی ترغیب دے سکے۔ لیکن اُس کی اُمید بر نہ آئی۔ اور وائسرائے نے محسوس کیا کہ تاجدار کشمیر کسی قطعی فیصلہ پہ پہنچنے سے قاصر ہے۔

ڈوگرہ پہاڑی علاقوں کی کنفیڈریشن

اِن ہی دنوں تحصیل سیالکوٹ ضلع گورداسپور، ضلع کانگڑہ، کلو، ہوشیارپور، پٹھانکوٹ، چمبہ، منڈی، سکیت، شملہ ہلز اور دریائے چناب و ستلج کے درمیان بسنے والے ڈوگروں کی جا بجا میٹنگیں ہوئیں جن میں مطالبہ کیا گیا کہ ان کی آبادی کے اس خطہ کو ایک بلاک میں منسلک کر دیا جائے۔ اور کہ تحصیل سیالکوٹ کی پانچ ذیلوں گوندل، صالح پور، چپراڑ، لونی اور پھکلیاں جو ریاست کی سرحد پر واقع ہیں، نے مہاراجہ بہادر سے استدعا کی۔ کہ اُنہیں ریاست سے ملانے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ وہاں ۲۸۸ دیہات میں سے ۲۵۰ خالصتاً ڈوگرہ ہندوؤں کے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ریاست ہائے منڈی، سرمور، جوبل، چمبہ، نورپور وغیرہ کے پہاڑی راجگان نے سرینگر میں آکر مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کی۔ اور اس بات پر تبادلہ خیالات کیا کہ ریاست ہائے پنجاب (موجودہ ہماچل پردیش) اور ریاست جموں و کشمیر کی ایک یونین بنائی جائے تاکہ یہ سب ریاستیں اور ڈوگرہ علاقے ایک کنفیڈریشن کے تحت متحد ہو کر ہندوستان سے الحاق کر کے جغرافیائی اور اقتصادی طور پر

ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

لہ مولف، اُس کے برادران گیان چند دیوان، ڈی سی۔ دیوان، ڈی ڈی ٹھاکر نشیر ڈوگرہ ... کے اکلوتے فرزند اقبال نرگس کا جنم ...

محفوظ ہو جائیں۔"

ریاست میں پناہ گزین

پنجاب کے فرقہ وارانہ فسادات سے جان بچا کر ہزاروں پناہ گزین ریاست کی سرحدوں سے داخل ہو کر کشمیر اور جموں میں آئے۔ سرینگر اور مظفر آباد اور مفصلات یعنی ریاست کی حدود میں آ کر بسنے لگے اُن کی ہر ممکن امداد پبلک طور پر لوگوں نے کی۔ بالخصوص نیشنل کانفرنس نے زیر قیادت بیگم شیخ عبداللہ پناہ گزین کیمپوں میں جا کر اُن کی خبر گیری اور امداد کا معمول بنالیا تھا۔ جموں میں تو مغربی پنجاب کے مظلوموں کا ایک سیلاب آ گیا۔ صوبہ جموں کی سرحد جہاں جہاں اضلاع گورداسپور، گجرات، جہلم اور سیالکوٹ سے ملتی ہے، اُس سرحد پر تو مغربی پنجاب کے ہندو و سکھ ہزاروں کی تعداد میں قافلوں کی صورت میں آئے۔ منتر اہتی ہزار کے قریب لوگ تو دیہات اور جموں پرانت کے بڑے بڑے قصبوں میں پناہ گزین ہوئے۔ بیشتر سڑکوں پر بیٹھ گئے۔ ریاست کے بغیر اور کوئی بھی نزدیکی علاقہ نہ تھا جہاں وہ اپنی سلامتی دیکھتے۔ عجیب افراتفری، ہراس اور نا اُمیدی کا عالم تھا۔ جموں میں ان پناہ گزینوں کی امداد کے لئے ایک پبلک ریلیف کمیٹی قائم کی گئی جس کے ورکروں نے دیہات اور قصبوں میں جا جا کر ایسے مظلومین کی حتے المقدور امداد کی۔

جوں کا توں معاہدہ

مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست میں ۱۵-۱۶-۱۷ اگست کو آزادی ہندوستان اور پاکستان کی قائمی کی خوشی میں تعطیل عام منانے اور ۱۵ اگست کو ریاست جموں وکشمیر میں سرکاری طور پر دیپ مالا کیے جانے کے احکام جاری کئے۔ اور وزیر اعظم کشمیر نے ہندوستان اور پاکستان کے متعلقہ ریاستی محکموں کو بذریعہ تار مطلع کیا کہ ریاست جموں وکشمیر اُن کے ساتھ اُن تمام معاملات میں جیسے کہ حکومت ہند سے تعلقات رہے ہیں، نئے سمجھوتوں تک اب بھی بخوشی قائم ہے۔ اور کسی بھی ڈومینین کے ساتھ اپنی شمولیت کے فیصلہ کو ملتوی کرتی ہے اس طرح مہاراجہ نے ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ "جوں کا توں" معاہدہ (STAND STILL AGREEMENT) جاری رکھا۔ اور اس آزادی کے دن پر دونوں مُلکوں کو لڑنی، اپنی رعایا اور حکومت کی طرف سے مُبارکباد دی اور خیر اندیشی کے پیغامات بھیجے۔ حکومت پاکستان نے پاکستان ریڈیو سے مہاراجہ کشمیر کے

پیغام کا شکریہ ادا کیا اور "جوں کا توں" معاہدہ منظور کر لیا۔ ہند سرکار نے ایسا معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ اپنے اس اصول پر قائم تھی کہ خود مختاری عوام کے ہاتھ آنی چاہئے اور ریاست کے عوام کی مرضی سے ہی شمولیت کا فیصلہ کسی ایک نوآبادی میں عمل میں لایا جائے۔ تاہم ہندیونین نے عوام کے مفاد کے پیش نظر جوں کا توں معاہدہ پر کاربند رہنے کا فیصلہ کیا۔ اور مہاراجہ پر ریاست میں ذمہ دار نظام حکومت قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور مہاراجہ پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ کبھی فوری یا جابرانہ شمولیت کی خواہشمند نہیں بلکہ وہ لوگوں کے فیصلہ کا انتظار کرے گی۔

پاکستان نے جوں کا توں معاہدہ منظور کر کے کچھ ہی دن بعد کشمیر کے ساتھ بالکل غیر جانبدارانہ پالیسی چلانا شروع کی۔ اُس نے اس معاہدہ کو مان بھی لیا۔ اس کے ماننے کا اپنے ریڈیو سے اعلان بھی کیا۔ لیکن اس وعدہ کو عملی صورت نہ دی۔ وہ چاہتا تھا کہ ریاست کو ہر صورت میں پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہئے۔ کیونکہ ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اپنے اس مقصد کو بر لانے کے لئے بہت سے مسلم لیگی کارکن اور سرکاری افسر کشمیر بھیجے گئے تا کہ مسلم کانفرنسی عناصر کے ذریعے پاکستان میں شمولیت کے لئے پروپیگنڈہ کیا جائے۔ اُن کا خیال تھا کہ کشمیر میں کسی طرح سے فرقہ دارانہ فساد رونما کیا جائے تا کہ اندرونی فساد اور بیرونی حملہ سے کشمیر کو ہمیشہ کے لئے اپنی آغوش میں لے لیا جائے۔ لیکن کشمیر کے لوگوں پر اس کا مطلق اثر نہ ہوا۔ اور اُن کی تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ یہاں سے ناکام ہو کر اُنہوں نے ایک اور فتنہ اُٹھانے کی کوشش کی کہ کشمیر کو کسی بھی طرح سے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس کے لئے پاکستان نے کشمیر کی اقتصادی ناکہ بندی کا منصوبہ بنایا۔ پاکستانیوں کو خیال تھا کہ کشمیر میں ضروریات زندگی کی چیزوں کی قیمت کئی گنا بڑھ جائے گی۔ باہر سے کوئی چیز داخل نہ ہو سکے گی۔ تجارت کا سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ قحط اور مہنگائی کا خطرہ پیدا ہوگا۔ تب کہیں جا کر حکومت کشمیر اور کشمیریوں کو احساس ہوگا کہ اُن کی ریاست بغیر پاکستان کی امداد کے نہیں بچ سکتی اور پاکستان کو بہانہ ملے گا کہ وہ کشمیر میں اپنے ففتھ کالموں کے ذریعہ کشمیر کو پاکستان کے دروازے پر ماتھا ٹیکنے پر مجبور کر دے۔ چنانچہ پاکستان نے ریاست کی مکمل طور پر ناکہ بندی شروع کر دی۔ ناکہ بندی کرنے سے اس نے "جوں کا توں" معاہدہ کو بالکل

قرار دیا اور بے رخی کی پالیسی پر کاربند ہو گیا۔ لیکن ایک عالم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے پاکستان اعلان پر اعلان کرنے لگا کہ وہ "جوں کا توں" معاہدہ پر بدستور قائم ہے اور اسے عملی صورت دے رہا ہے۔

شیخ عبداللہ کی رہائی

یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کو حکومت کشمیر نے بخشی غلام محمد قائم مقام صدر نیشنل کانفرنس جو کہ کشمیر سے باہر ہندوستان اور پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے سلسلہ میں پرچار کر رہا تھا کا وارنٹ گرفتاری منسوخ کر دیا۔ بخشی غلام محمد کا سرینگر میں پرتپاک استقبال ہوا۔ اور اپنے ایک بیان میں بخشی نے واضح کیا کہ کشمیر کی شمولیت کا معاملہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلے کشمیر کو آزادی ملنی چاہیئے اس کے بعد ہم اپنی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ یہ وہ نازک وقت تھا جبکہ ریاست میں ہر جگہ حالات بدتر ہو رہے تھے۔ کشمیر، جموں، پونچھ، میرپور، راجوری کسی بھی مقام پر امن خطرے میں محسوس کیا جا رہا تھا کہ حکومت کشمیر نے شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے احکام جاری کئے۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو شیخ رہا ہو کر سرینگر پہنچا۔ اس کے پیچھے بعد دیگرے تمام سیاسی لیڈروں کی رہائی عمل میں آ گئی۔ کشمیر میں نیشنل کانفرنس کا پھریرا آب و تاب سے چمکنے لگا۔ شیخ محمد عبداللہ کا سرینگر میں شاہانہ استقبال ہوا۔ کشمیری عوام کی ہر ایک جماعت حتےٰ کہ مسلم کانفرنس نے بھی اس استقبال میں حصہ لیا۔ ایک دریائی جلوس نکالا گیا۔ دریائے جہلم کے دونوں کنارے دلہن کی مانند سجے ہوئے تھے۔ قدم قدم پر ڈیوڑھیاں بنی تھیں۔ یہ جلوس شام کے چھ بجے ختم ہوا۔ تو حضوری باغ میں ایک عظیم الشان استقبالیہ جلسہ ہوا جس میں ایک لاکھ کے قریب کشمیریوں کی حاضری تھی۔ شیخ عبداللہ نے اپنی تقریر میں واضح کیا کہ کشمیر ایک انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ فیصلہ یہ کرنا ہے کہ کشمیر کس نوآبادی میں شامل ہو لیکن کشمیر کی شمولیت کا مسئلہ کشمیر کی آزادی کے بعد حل ہو سکتا ہے۔ "شمولیت بعد آزادی" ہمارا نعرہ ہے۔ کشمیر آزاد ہو کر ہی اپنی قسمت کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ آزاد کشمیری ہی یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ان کا مفاد کس نوآبادی میں شامل ہونے میں ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمیں ریاست کی اقتصادی حالت کو مذہبی مسئلہ کی نسبت ذہن میں لانا چاہیئے۔ میں تو دو قوموں کی تھیوری کو بالکل نہیں مانتا۔ اب پاکستان کے وجود میں آنے سے مان سکتا ہوں اور نہ آئندہ کبھی اس کا قائل بن سکتا ہوں۔ مذہب کو سیاسیات میں کوئی دخل

نہیں ہے۔ میں اس وقت مسٹر جناح اور دوسرے پاکستانیوں سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں تھے جس وقت کشمیر کے عوام جدوجہد کر رہے تھے مصیبتوں کے شکار ہو رہے تھے۔ انہوں نے ہر وقت ہماری تحریکوں کی مخالفت کی لیکن باوجود ان اختلافات کے اگر کشمیری عوام اُن کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں، اُن کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو میں اس فیصلے کا خیر مقدم کروں گا۔"

شیخ عبداللہ نے شہر کے اکثر مقامات پر جلسے کئے اور کشمیریوں کو اتحاد اور یکجہتی کی تلقین کی اور کہا کہ فرقہ دارانہ اتحاد سے ہی وہ کامیابی اور ترقی کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں اور اپنے نصب العین کو حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ فرقہ دارانہ امن کو برقرار رکھنے کے لئے دس ہزار رضاکاروں کی بھرتی کا اعلان کیا جو کچھ دنوں کے اندر اندر بخشی غلام محمد کی کمان میں بچاؤ فوج کی شکل میں تیار ہو گئی۔ اور شیخ محمد عبداللہ نے اعلان کیا کہ ممکن ہے کہ آپ کو جلد ہی اپنے ملک کی آزادی کے لئے بیرونی حملہ کے خلاف لڑنا پڑے۔ ہم قبائلی لٹیروں کی بندوقوں سے پاکستان میں شامل ہونے کے لئے مجبور نہیں کئے جا سکتے۔ ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں اور ہم آزاد ہو کر ہی رہیں گے۔"

مہاراجہ ہری سنگھ اور الحاق

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کا بٹوارہ ہوا تب ریاست جموں و کشمیر کا مستقبل سخت خطرے میں پڑ گیا۔ مہاراجہ کے سامنے دو ہی باتیں تھیں۔ یا تو ہندوستان کے ساتھ الحاق کرے یا پاکستان کے ساتھ۔ مسٹر ایلن کیمبل جانسن نے اپنی کتاب "MISSION WITH MOUNTBATTEN" میں لکھا ہے کہ مہاراجہ کشمیر اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا اور اُن کے تساہل کی وجہ سے ہی ریاست کو بہت سی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ اگر مہاراجہ صاحب جلد کسی فیصلہ پر پہنچ جاتے تو ریاست کو اتنی گڑبڑ پیدا نہ ہوتی۔ مگر اس کے برعکس مسٹر وی۔ پی۔ مینن سابق سیکرٹری ٹو دی منسٹری آف سٹیٹس (انڈیا) نے اپنی کتاب موسومہ "THE STORY OF INTEGRATION OF THE INDIAN STATES" میں مہاراجہ صاحب کو اس الزام سے بری قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "انصاف کی نظر سے

دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے لئے ایسی حالت میں کسی فیصلہ پر پہنچنا آسان نہ تھا۔ اگر وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کرتا تو جموں و لداخ کی غیر مسلم آبادی اور مسلم آبادی کا وہ بیشتر حصہ جو نیشنل کانفرنس کی زیر قیادت تھا، اس فیصلہ کی مخالفت کرتا۔ دوسرے اگر ہندوستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کرتا تو گلگت اور پاکستان کے ملحقہ علاقہ کے لوگوں میں اس کے خلاف آواز اٹھائی جاتی۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُس وقت کشمیر کو جانے والی سڑک پاکستان سے گزرتی تھی اور ریاست کے جنگلات کی لکڑی بھی اُنہی دریاؤں کے ذریعے باہر جاتی تھی جن کا بہاؤ پاکستان کی طرف تھا۔"

ملک کے بٹوارے سے کچھ عرصہ پہلے ہی گورنمنٹ آف انڈیا کی سٹیٹس منسٹری نے اُن ہندوستانی راجاؤں و مہاراجاؤں کے ساتھ بات چیت شروع کر دی تھی جن کی ریاستیں جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان کی حدود سے ملحق تھیں۔ اِنہی دنوں ریاست کا پرائم منسٹر پنڈت رام چندر کاک دہلی گیا ہوا تھا۔ مسٹر وی۔ پی۔ مینن نے لکھا ہے "مہاراجہ پٹیالہ کے مشورہ پر ہم نے کاک کو ایک کانفرنس میں مدعو کیا۔ مگر وہ نہیں آیا۔ بعد میں ہماری ملاقات گورنر جنرل کی کوٹھی میں ہو گئی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق سے متعلق مہاراجہ صاحب کا کیا خیال ہے۔ مگر اُس نے ٹال مٹول جواب دے۔ کاک نے سردار پٹیل سے بھی ملاقات کی۔ میں اس آدمی کو نہ سمجھ پایا اور نہ ہی اُس کی سیاست کی تہ تک پہنچ سکا۔ بعد میں لارڈ مونٹ بیٹن نے کاک اور جناح کی بات چیت کا انتظام کر دیا۔"

آزاد ریاست

ریاستوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار اِن کے حکمرانوں کو دیا گیا تھا۔ وہ چاہیں تو پاکستان سے الحاق کریں یا ہندوستان سے۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ وہ چاہیں تو اپنی ریاست کو آزاد بھی رکھ سکتے ہیں۔ مگر فیصلہ ۱۵ اگست سے پہلے پہلے کرنا لازمی تھا۔ مسٹر وی۔ پی۔ مینن نے لکھا ہے "کسی فیصلہ پر پہنچنے کے لئے مہاراجہ کے لئے آسان طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی رعایا کے نمائندوں کی کانفرنس منعقد کر کے اُن سے مشورہ کرتا مگر ایسا نہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ مہاراجہ کا خیال تھا کہ ریاست جموں و کشمیر کو ایک "آزاد" ریاست کا درجہ دیا جائے۔" مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو ایک "آزاد" ریاست کے قیام کے خلاف تھے۔ ماہ جون ۱۹۴۷ء میں لارڈ مونٹ بیٹن کشمیر

آئے۔ اُن کی آمد کا واحد مقصد مہاراجہ صاحب سے ملاقات کر کے اُنہیں کسی فیصلہ پر پہنچنے کی ترغیب دینا تھا۔ کشمیر میں چار دن کے قیام کے بعد وائسرائے ہند مورخہ ۲۳ جون ۱۹۴۷ء کو دہلی واپس چلے گئے۔ وائسرائے کے اِس دورہ کے متعلق لکھتے ہوئے ایلن کیمبل جانسن نے لکھا ہے ”مونٹ بیٹن آج ہی کشمیر سے واپس آیا ہے۔ اور اب اُسے احساس ہو چکا ہے کہ حکمران کسی قطعی فیصلہ پر پہنچنے سے قاصر ہے۔ نہرو اور گاندھی دونوں چاہتے ہیں کہ مہاراجہ کشمیر اپنی ریاست کو آزاد رکھنے کا اعلان نہ کرے۔ نہرو جو خود ایک کشمیری براہمن خاندان سے تعلق رکھتا ہے، خود کشمیر جانا چاہتا ہے تاکہ اپنے دوست شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کا انتظام کر سکے۔ گذشتہ سال جب پنڈت نہرو کشمیر گیا تھا تو اُسے کشمیر گورنمنٹ نے گرفتار کر لیا تھا۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ وُہ خود کشمیر جا کر پنڈت نہرو کے لئے راستہ صاف کر آئیں مگر مہاراجہ نے یہ بات واضح کر دی کہ وُہ دونوں (مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو) میں سے کسی کی ریاست میں آمد کو پسند نہیں کریں گے۔ چنانچہ لارڈ مونٹ بیٹن نے دونوں کی کشمیر یاترا کو یہ کہہ کر ملتوی کر دیا کہ مہاراجہ نے مجھے کشمیر آنے کی دعوت دے رکھی ہے۔ اِس لئے پہلے میں خود ہی جا کر ملاقات کروں گا۔“

مہاراجہ کی خاموشی

”چنانچہ لارڈ مونٹ بیٹن سرینگر پہنچ گیا۔ کشمیر پہنچنے پر اُسے احساس ہوا کہ مہاراجہ اس معاملہ پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اور جو بھی تھوڑی بہت بات ہو سکی، وُہ اُسی وقت ہوئی جب دونوں موٹر میں سفر کر رہے تھے۔ ایک ایسے ہی موقعہ پر مونٹ بیٹن نے مہاراجہ اور اُس کے پرائم منسٹر کاک پر یہ واضح کر دیا کہ آزادی کا اعلان نہ کیا جائے۔ بلکہ کسی طریقہ سے ریاست کے لوگوں کی خواہشات کا جائزہ لے کر ۱۴ اگست تک ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اُس نے یہ بات واضح کر دی کہ اگر مہاراجہ پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کرے تو بھی حکومتِ ہند اسے غیر دوستی کا کارنامہ تصور نہ کرے گی۔ اُس نے یہ بات واضح کر دی کہ اگر مقررہ تاریخ تک کسی ایک کے ساتھ الحاق کا فیصلہ نہ کیا گیا تو ریاست جموں و کشمیر کو بہت خطرناک حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اُس کا ارادہ تھا کہ مہاراجہ کو نصیحت میں یہ مشورہ دیا جاتا اور بعد میں اُس کے پرائم منسٹر، جارج ایبل اور ریذیڈنٹ کی موجودگی میں دوہرایا جاتا اور اِس میٹنگ کی کارروائی تحریر کی جاتی۔“

"مہاراجہ نے مشورہ دیا کہ مجوزہ میٹنگ وائسرائے کے دورہ کے آخری دن منعقد کی جائے۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے یہ مشورہ مان لیا تاکہ مہاراجہ کو کسی فیصلہ پر پہنچنے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے۔ مگر جب میٹنگ کا وقت آیا تو مہاراجہ نے پیغام بھیج دیا کہ طبیعت علیل ہونے کی وجہ سے وہ میٹنگ میں نہ آسکیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی مشکل مسئلہ کو خارج از بحث رکھنے کے لئے علالتِ طبع کا ہی سہارا لیا جاتا ہے۔"

چنانچہ ۱۵ اگست کا دن بھی آپہنچا۔ ملک کا بٹوارہ ہوگیا۔ ہندوستان اور پاکستان کی دو علیحدہ حکومتیں قائم ہوگئیں۔ مگر مہاراجہ جموں وکشمیر نے ریاست کے مستقبل کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کیا۔ وی۔ پی مینن نے لکھا ہے "پنڈت رام چند کاک کی جگہ میجر جنرل جنک سنگھ کو پرائم منسٹر مقرر کیا گیا۔ کشمیر گورنمنٹ نے فیصلہ کیا کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کے ساتھ "جوں کا توں معاہدہ" (STAND STILL AGREEMENT) کیا جائے۔ پاکستان نے اس معاہدہ پر دستخط کردیے۔ مگر ہم ایسے معاہدہ کے نشیب و فراز پر غور کرنے کے لئے وقت چاہتے تھے۔ چنانچہ ہم نے ریاست کی طرف دھیان نہ دیا۔ ہم نے مہاراجہ کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کو بھی نہیں کہا۔ حالانکہ اُس وقت ریڈ کلف ایوارڈ کے تحت ریاست کو ایک سڑک ہندوستان سے ملاتی تھی۔ آبادی کے لحاظ سے ریاست ایک مخصوص مسئلہ پیش کرتی تھی۔ اس کے علاوہ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں کام اس قدر زیادہ تھا کہ کشمیر کے متعلق سوچنے کی فرصت تک نہ تھی۔"

"جوں کا توں معاہدہ" پر دستخط کرنے کے باوجود کشمیر اور پاکستان کے تعلقات دوستانہ نہ بن سکے۔ جموں وکشمیر گورنمنٹ نے شکایت کی کہ پاکستان نے کشمیر آنے والی خوراک، پٹرول و دیگر ضروریاتِ زندگی کو روک لیا ہے۔۔۔۔ پاکستان نے ریاست پر فوجی دباؤ بھی ڈالنا شروع کر دیا۔ اور ریاست کے سرحدی علاقوں پر حملے شروع کر دیے۔ ریاست کی ۵۰۰ میل لمبی سرحد کی حفاظت کے لئے ریاستی افواج کو بکھرنا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریزرو میں کوئی فوجی طاقت نہ رکھی گئی۔

مہر چند مہاجن وزیر اعظم | ماہ اکتوبر میں میجر جنرل جنک سنگھ کی جگہ مہر چند مہاجن کو ریاست کا پرائم منسٹر مقرر کیا گیا۔ مورخہ ۱۵ اکتوبر کو مہاجن نے برطانوی پرائم منسٹر کو شکایت بھیجی کہ پاکستان نے معاہدہ کی

خلاف ورزی کرتے ہوئے ریاست میں ضروریاتِ زندگی بھیجنا بند کر دی ہیں اور سیالکوٹ جموں ریلوے لائن کو بھی بغیر کسی وجہ کے بند کر دیا ہے۔ اُس نے یہ بھی لکھا کہ گوردا سپور سے گلگت تک تمام ریاستی سرحد پر حملہ کا خطرہ ہے اور پونچھ میں پہلے ہی حملہ شروع ہو گیا ہے۔ اُس نے یہ استدعا کی کہ حکومتِ پاکستان کو مشورہ دیا جائے کہ ریاست جموں و کشمیر کے ساتھ منصفانہ ردِّ عمل برتا جائے۔ برطانوی پرائم منسٹر سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

مورخہ ۱۸ اکتوبر کو ریاست جموں و کشمیر نے گورنر جنرل اور پرائم منسٹر پاکستان کے نام احتجاجی مراسلہ بھیجا جس میں شکایت کی گئی تھی کہ پاکستان کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔ اور یہ کہ ریاست پر حملے جاری ہیں۔ اِس مراسلہ کا جواب مسٹر جناح نے ۲۰ اکتوبر کو دیا۔ اِس میں مسٹر جناح نے ریاستی مراسلہ کے سخت الفاظ کے خلاف پروٹسٹ کرتے ہوئے لکھا کہ ریاست کو ضروریاتِ زندگی پہنچانے میں تاخیر کی اصل وجہ مشرقی پنجاب کے فسادات تھے۔"

کشمیر پر پاکستانی حملہ

ماہ اکتوبر کے تیسرے ہفتہ میں کشمیر پر زبردستی قبضہ جمانے کے لئے پاکستان کی طرف سے بہت بڑا حملہ ہوا۔ اِس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مسٹر وی پی مینن نے لکھا ہے:-

"۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر پر ایک منظم حملہ کیا گیا۔ حملہ آوروں کے پاس تقریباً دو تین صد لاریاں تھیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ تقریباً پانچ ہزار قبائلیوں نے اِس میں حصہ لیا۔ اِن میں آفریدی۔ وزیری۔ محسود۔ سواتی اور پاکستانی فوج کے سپاہی بھی تھے۔ اِن کی رہنمائی پاکستانی فوج کے افسر کر رہے تھے۔ یہ حملہ آور ایبٹ آباد کی طرف سے جہلم ویلی روڈ کے راستے بڑھنے لگے۔ اِنہوں نے گڑھی اور دومیل پر قبضہ کر لیا اور مظفر آباد کے قریب پہنچ گئے۔ ریاستی فوج کا دستہ جو لیفٹننٹ کرنل نرائن سنگھ کی زیرِ کمان تھا، مظفر آباد میں موجود تھا۔ یہ دستہ مسلم اور ڈوگرہ سپاہیوں پر مشتمل تھا مُسلم سپاہی باغی ہو گئے اور اُنہوں نے اپنے کمانڈنگ افسر اور اُس کے ایڈجوٹنٹ کو مار ڈالا۔ اور خود حملہ آوروں کے ساتھ مل گئے اور اُن کے ایڈوانس گارڈ کے طور پر کام کرنے لگے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کچھ دن پہلے ہی مہاراجہ کشمیر نے کرنل نرائن سنگھ سے پوچھا تھا کہ کیا اُس کو اپنے مُسلم سپاہیوں کی وفاداری کا یقین ہے ؟ کرنل نرائن سنگھ نے جواب

دیا تھا "ڈوگروں سے بھی زیادہ" - وُہ اِس بٹالین کا کپتان بریسول سے کمانڈر تھا۔"

" حملہ آور بارہ مولہ کی طرف بڑھنے لگے ، اُسی سڑک پر جو سرینگر جاتی ہے۔ اُن کی دُوسری منزل اُوڑی تھی۔ ریاستی فوج کے تمام مسلم سپاہی باغی ہو گئے تھے اور ایک شہر حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔ جب برگیڈیئر راجیندر سنگھ چیف آف دی سٹاف نے مسلم سپاہیوں کے باغی ہونے کی خبر سُنی تو اُس نے تقریباً ۱۵۰ سپاہی جمع کئے اور اُوڑی کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ وہاں اُس نے دو دِن تک دُشمن کا مقابلہ کیا اور پیچھے ہٹتے ہوئے اُوڑی کے پُل کو تباہ کر دیا۔ برگیڈیئر اور اُس کے تمام سپاہی اِس لڑائی میں مارے گئے۔ برگیڈیئر راجیندر سنگھ اور اُس کے سپاہی تو تاریخ میں ہمیشہ کے لئے امر رہیں گے۔ یہ نہایت مناسب ہی تھا کہ جب "مہاویر چکر" کا اعزاز وجود میں آیا تو پہلا مہاویر چکر (بعد از مرگ)، اِسی بہادر سپاہی (برگیڈیئر راجیندر سنگھ) کو ہی عطا کیا گیا۔"

سرینگر میں عید منانے کا اعلان

" حملہ آور بڑھتے گئے اور ۲۴ ؍ اکتوبر کو اُنہوں نے نہورہ کے بجلی گھر پر قبضہ کر لیا۔ سرینگر میں اندھیرا چھا گیا۔ حملہ آوروں نے اعلان کر رکھا تھا کہ وُہ ۲۶ ؍ اکتوبر کو سرینگر پہنچ جائیں گے تا کہ وُہ عید کی رسُومات سرینگر کی کسی مسجد میں ادا کر سکیں۔"

امداد کے لئے اپیل

"۲۴ ؍ اکتوبر کی شام کو گورنمنٹ آف انڈیا کو مہاراجہ کی طرف سے امداد کے لئے ایک زوردار اپیل موصول ہوئی۔ اُن کو سُپریم کمانڈر (لارڈ آکنلیک) کی طرف سے حملہ آوروں کے اِرادوں اور اُن کے آگے بڑھتے جانے کے متعلق تفاصیل موصول ہوئیں۔ ۲۵ ؍ اکتوبر کی صبح ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ زیرِ صدارت لارڈ مُونٹ بیٹن منعقد ہوئی۔ اِس کمیٹی نے مہاراجہ کی اپیل پر غور کیا۔ لارڈ مُونٹ بیٹن نے اِس بات پر زور دیا کہ حکومتِ ہند کو جلد بازی سے کام نہ لینا چاہیے اور اِس معاملہ میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ میں (وی۔ پی مینن) فوری طور پر بذریعہ ہوائی جہاز سرینگر جاؤں اور موقعہ پر حالات کا جائزہ لینے کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا کو رپورٹ پیش کروں۔ فوجی اور ہوائی فوج کے افسران اور دوسرا ناتھ کاچرو کو ساتھ لے کر میں بی۔ او۔ اے۔ سی کے ایک ہوائی جہاز کے ذریعہ سرینگر

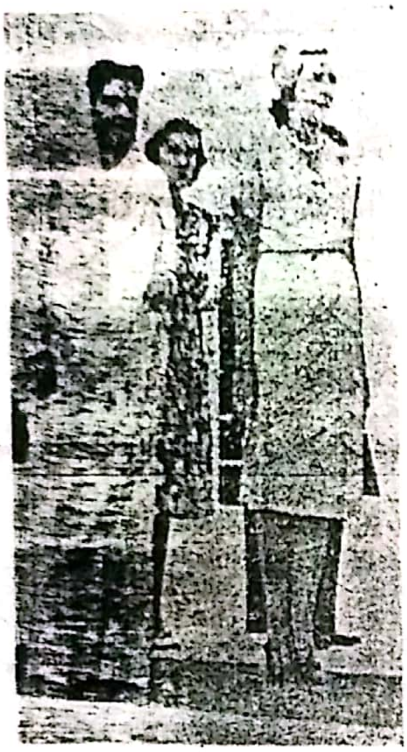

مہارانی تارا دیوی -
لیڈی مونٹ بیٹن

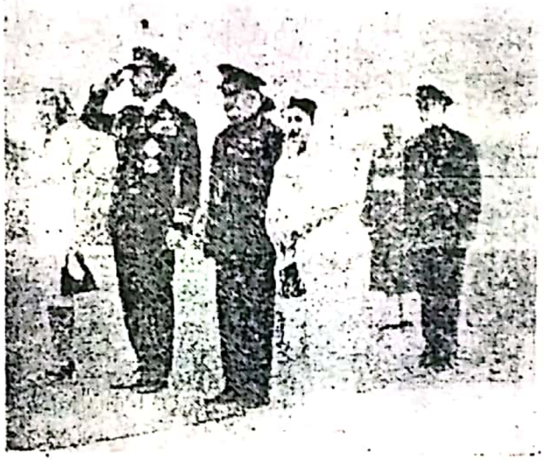

لیڈی مونٹ بیٹن لارڈ مونٹ بیٹن وائسرائے
مہاراجہ ہری سنگھ - مہارانی تارا دیوی

کرنیل ہیرا نند دوبے (ویر چکر)

جمعدار بدھی سنگھ دلپٹیم (ویر چکرا)

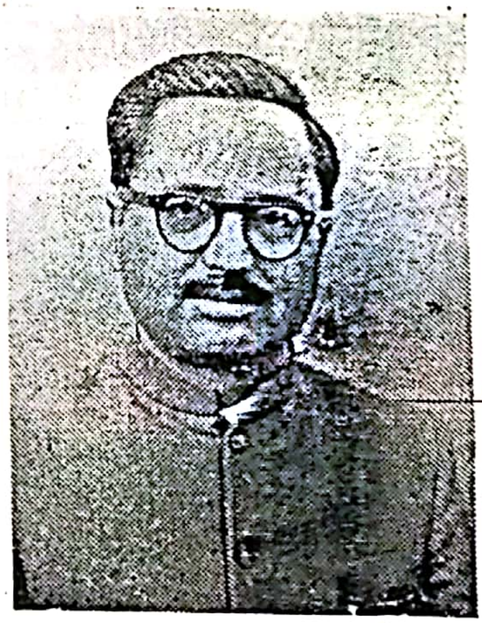

خان محمد ایوب خاں

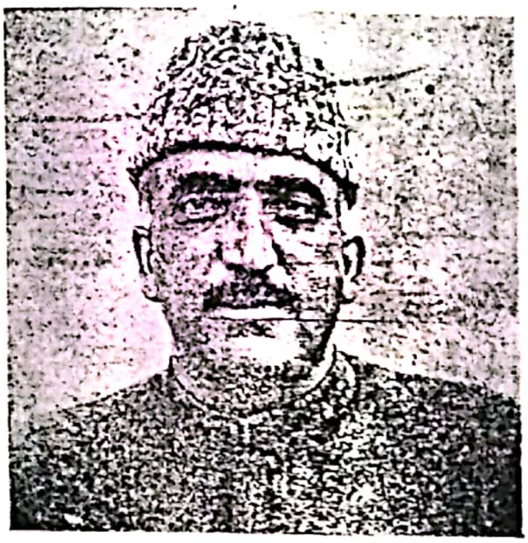

بخشی غلام محمد

خواجہ شمس الدین

شری کوشک بکولا

چلا گیا۔ یہ ہوائی جہاز خاص طور پر برطانوی لوگوں کو سرینگر سے لانے کے لئے جا رہا تھا۔ جب میں سرینگر کے ہوائی اڈہ پر پہنچا تو وُہ شہر خموشاں کا منظر پیش کر رہا تھا۔"

"ہوائی اڈہ سے ہم سیدھے پرائم منسٹر کی کوٹھی پر گئے۔ ساری سڑک ویران تھی۔ صرف سڑک کے کونوں پر نیشنل کانفرنس کے والنٹیئر لاٹھیاں لئے گھوم رہے تھے اور آنے جانے والے سے پُوچھ تاچھ کر رہے تھے۔ ریاستی پولیس کہیں بھی دیکھنے میں نہ آئی۔ مسٹر مہاجن نے ہمیں معاملہ کی سنجیدگی کے متعلق آگاہ کیا۔ اور اِس بات پر زور دیا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کو فوری طور پر امداد بھیجنی چاہیئے۔ مسٹر مہاجن جو ایک نہایت سنجیدہ شخص ہے، اپنا قلبی سکون وقتی طور پر کھو بیٹھا تھا۔ ہم دونوں مہاراجہ کے محل میں گئے۔ حالات کو پلٹا کھاتے دیکھ کر مہاراجہ بالکل پریشان تھا۔ ریاستی فوج بالکل ختم ہو چکی تھی اور حملہ آور بارہمولہ کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ اِس رفتار پر وُہ ایک یا دو دن کے اندر سرینگر میں گھُس سکتے تھے۔ ماضی کے متعلق بات کرنا یا مہاراجہ پر چُپ چاپ بیٹھے رہنے کا الزام لگانے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ مہاراجہ کو کبھی یہ خیال بھی نہ گزرا ہوگا کہ اُس کی ریاست پر قبائلی حملہ ہو سکتا ہے۔ یا یہ کہ اُس کی فوج اور پولیس کے مُسلمان سپاہی باغی ہو سکتے ہیں۔ اُس وقت سرینگر کا بیرونی علاقوں سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا اور اصل حالات معلوم کرنا مشکل تھا۔ ایک اُمید کی کرن نظر آ رہی تھی کہ بریگیڈیئر راجیندر سنگھ نے یہ یقین دلایا تھا کہ وُہ حملہ آوروں کو روکے رکھیگا۔ تاکہ وُہ بارہ مُولہ نہ پہنچ سکیں اور اِس لڑائی میں بشرط ضرورت اپنی جان کی بازی لگا دیگا۔"

"سب سے پہلا کام یہ تھا کہ مہاراجہ اور اُس کے کُنبہ کے افراد کو سرینگر سے باہر بھیج دیا جائے۔ ایسا کرنا نہایت ضروری تھا۔ حملہ آور بارہ مُولہ کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ اگر گورنمنٹ آف انڈیا اُس کو امداد نہ دینے کا فیصلہ کرتی تو مہاراجہ اور اُس کے کُنبہ کی کیا حالت ہوتی اگر وُہ سرینگر میں ہی رہتے۔ مَیں نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وُہ فوراً اپنے کُنبہ کے افراد اور قیمتی چیزیں لے کر جمُوں چلا جائے۔ یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ مہاراجہ اُسی رات روانہ ہو جائے گا، مَیں گیسٹ ہاؤس میں آرام کرنے چلا گیا۔ ابھی مَیں سونے ہی والا تھا کہ مہاراجہ نے مجھے ٹیلیفون پر بتایا کہ ایک افواہ کے مطابق حملہ آور سرینگر شہر میں بھی آ گھُسے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارا شہر میں رہنا خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ مجھے یہ یقین نہ ہو رہا تھا کہ حملہ آور شہر میں پہنچ چکے ہیں۔ مگر مجھے مہاراجہ کا مشورہ ماننا پڑا۔ تمام موٹر گاڑیاں تو مہاراجہ صاحب لے

شکیلہ تھی۔ صرف ایک پُرانی جیپ دستیاب ہوئی جس میں سفر ممکن تھا۔ ہم اور ہوائی جہاز کے عملے کے چھ سات افراد سوار ہو گئے۔ جب ہم ہوائی اڈہ پر پہنچے تو وہاں بہت بھیڑ بھاڑ تھی۔ جب میں ہوائی جہاز میں سوار ہونے لگا تو ایک ہندو عورت اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ دوڑی ہوئی آئی اور روتی ہوئی التجا کرنے لگی کہ اُن کو بھی ہوائی جہاز کے ذریعہ دہلی پہنچایا جائے۔ وہ ڈرتی تھی کہ اُس کی لڑکیوں کا کہیں وہی حشر نہ ہو جو ہزاروں کشمیری عورتوں کا ہوا تھا۔ میں نے اُس کی بات مان لی اور اُن کو ہوائی جہاز میں بٹھا لیا۔

ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ میں

۲۶ر اکتوبر کو صبح ہوتے ہی ہم سرینگر سے روانہ ہوئے اور دہلی پہنچتے ہی میں ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ میں چلا گیا۔ میں نے کشمیر کے حالات بیان کرتے ہوئے اِس بات پر زور دیا کہ کشمیر کو حملہ آوروں سے بچایا جائے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ایک آزاد ملک میں ہندوستانی افواج بھیجنا درست نہ ہوگا کیونکہ ریاست جموں و کشمیر نے ابھی تک ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کا کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ اگر اب مہاراجہ اپنی ریاست کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کرنے کا خواہشمند ہو تو ریاست جموں و کشمیر ہندوستان کا ایک حصہ بن جائے گی اور اُس صورت میں ہم ہندوستانی افواج کو کشمیر کی حفاظت کے لئے بھیج سکیں گے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ کشمیر کی مخلوط آبادی کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ یہ الحاق اس شرط پر کیا جائے کہ جب حملہ آور ریاست سے باہر نکال دئے جائیں اور امن و امان قائم ہو جائے تب رائے شماری کے ذریعہ ریاستی باشندوں کی تصدیق لی جائے۔ پنڈت نہرو اور باقی منسٹروں نے یہ رائے مان لی۔

ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ ختم ہوتے ہی میں مہر چند مہاجن کے ہمراہ بذریعہ ہوائی جہاز جموں چلا گیا۔ شاہی محل پہنچنے پر میں نے دیکھا کہ وہاں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ مہاراجہ سو رہا تھا کیونکہ گذشتہ رات وہ سرینگر سے جموں سفر کرتے ہوئے رات بھر جاگتا رہا۔ میں نے اُس کو جگایا اور ڈیفنس کمیٹی کی کارروائی سے آگاہ کیا۔ اُس نے گورنر جنرل کے نام ایک خط لکھا جس میں فوجی امداد کی درخواست کی۔ اُس نے اپنی یہ خواہش بھی واضح کر دی کہ ریاست میں ایک انٹرم گورنمنٹ قائم کی جائے اور شیخ محمد عبداللہ کو اس ایمرجنسی میں ذمہ داری سنبھالنے کے لئے کہا جائے گا جبکہ مہر چند مہاجن پرائم منسٹر کے عہدہ پر رہے گا۔

مہاراجہ نے اپنے خط کے آخر میں یہ بھی لکھا کہ اگر ریاست کو بچانا مقصود ہو تو سرینگر میں فوری امداد بھی پہنچائی جائے۔ مہاراجہ نے معاہدہ پر بھی دستخط کر دئے۔ جب میں واپس جانے لگا تو مہاراجہ نے مجھے کہا۔ میرے رخصت ہونے سے پہلے میں نے اپنے اے۔ ڈی۔ سی کو کہہ دیا تھا

"اگر آپ (مسٹر مینن) دہلی سے واپس آئیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے میری امداد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس صورت میں مجھے آرام کی نیند سونے دینا اور اگر آپ واپس نہ آئے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ سب کچھ ہار چکا ہوں۔ اس صورت میں مجھے نیند میں ہی گولی مار دی جائے۔"

"مہاراجہ کی چٹھی اور معاہدہ کو لے کر میں فوراً دہلی روانہ ہوا۔ سردار پٹیل ہوائی اڈہ پر ہی انتظار کر رہے تھے اور ہم دونوں سیدھے ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ میں چلے گئے۔ کافی بحث و مباحثہ کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ریاست جموں و کشمیر کا الحاق اس شرط پر منظور کر لیا جائے کہ جب امن و امان قائم ہو جائے تب رائے شماری کرائی جائے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ دوسرے دن ایک انفنٹری بٹالین بذریعہ ہوائی جہاز سرینگر بھیجی جائے۔ شیخ عبداللہ اس وقت دہلی میں ہی تھا اور اس فیصلے کے ساتھ اس کا پورا تعاون تھا۔ شیخ عبداللہ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی طرف سے گورنمنٹ آف انڈیا پر زور دے رہا تھا کہ قبائلی حملہ کو روکنے کے لئے ریاست کی فوری امداد کی جائے۔"

"اس فیصلہ کے بعد بھی لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور تینوں برطانوی چیفس آف دی سٹاف نے خدشہ کا اظہار کیا۔ مگر پنڈت نہرو بضد تھے کہ اگر فوج نہ بھیجی گئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سرینگر میں قتل عام ہو جائے گا جس کے بعد ہندوستان میں فرقہ وارانہ آگ بھڑک اٹھے گی۔ اس کے علاوہ سرینگر میں رہنے والے برطانوی باشندے بھی قتل کر دئے جائیں گے کیونکہ نہ ہی پاکستان کا کمانڈر انچیف اور نہ ہی سپریم کمانڈر ان کی جان کی حفاظت کر سکے گا۔"

ہندوستان کی طرف سے فوجی کمک

۲۷ر اکتوبر اور اس کے بعد کے دنوں میں جس طرح سرینگر میں فوجی کمک بھیجی گئی اس کی مثال جنگ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اتنے قلیل نوٹس پر بغیر کسی پہلے سے پلان کے یہ کام پورا کیا گیا۔ بہت سی مشکلات، جن میں خاص طور پر رسل و رسائل قابل ذکر ہیں، کے باوجود ۲۷ اکتوبر کو ایک سو سول اور ملٹری ہوائی جہازوں کے ذریعے

تک سرینگر اُتارا گیا۔ جس بہادری اور تندہی سے انڈین ایئر فورس کے پائلٹوں اور سول ہوائی کمپنیوں کے پائلٹوں نے یہ کام سرانجام دیا، وہ واقعی قابلِ تعریف تھا۔"

لارڈ مونٹ بیٹن (جو چیف آف کمبائنڈ آپریشنز اور سپریم الائیڈ کمانڈر ساؤتھ ایسٹ کے عہدوں پر ممتاز رہ چکے تھے) نے کہا کہ میرے تمام فوجی تجربہ میں اتنے قلیل المہلت نوٹس پر فوج کو بذریعہ ہوائی جہاز اُتارا جانا کبھی نہ سُنا گیا تھا۔ اور اُس نے تمام متعلقین کو جنہوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا، مبارکباد دی۔"

اُس وقت فوری طور پر ایک سکھ بٹالین دستیاب تھی جو دہلی کے نزدیک گوڑگاؤں میں مقیم تھی۔ اِس بٹالین کا کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل دیوان رنجیت رائے تھا۔ اُس کے ذمہ جو کام سپرد کیا گیا وہ یہ تھا کہ سرینگر کے ہوائی اڈہ کو محفوظ کیا جائے۔ سرینگر میں امن عامہ بحال رکھنے میں کشمیر گورنمنٹ کی مدد کی جائے۔ اور اگر ممکن ہو تو اُن قبائلی حملہ آوروں کو جو سرینگر میں داخل ہو چکے ہوں، واپس دھکیل دیا جائے۔ اُس وقت ہمیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ سرینگر کا ہوائی اڈہ حملہ آوروں کے ہاتھ آ چکا تھا یا نہیں۔ اِس لئے کرنل رائے کو یہ کہا گیا۔ کہ وہ ہوائی اڈہ پر چکر لگا کر تسلی کر لے۔ اور اگر ذرا بھر بھی شبہ ہو تو سرینگر اُترنے کی بجائے جموں کے ہوائی اڈہ پر اُترے۔ صبح ساڑھے دس بجے سرینگر سے بذریعہ وائرلیس ایک پیغام موصول ہوا کہ ہماری فوج کا پہلا دستہ سرینگر کے ہوائی اڈہ پر اُتر چکا ہے۔ یہ اطلاع ملنے پر ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔"

لیفٹیننٹ کرنل رائے کی شہادت

سرینگر پہنچنے پر لیفٹیننٹ کرنل رائے کو معلوم ہوا کہ دشمن ابھی تک بارہ مولہ میں ہے۔ اور اگر حملہ آور بارہ مولہ سے آگے وادی میں بڑھ آئے تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔ کرنل رائے نے بارہ مولہ کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا تاکہ حملہ آوروں کو سرینگر آنے سے روکا جائے۔ ٹرانسپورٹ کا انتظام بخشی غلام محمد نے کر دیا۔ جب کرنل رائے مبینہ حملہ آوروں کے قریب پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ حملہ آور باقاعدہ فوجی تھے۔ جن کے پاس ہلکی اور درمیانہ مشین گنیں تھیں۔ اور حملہ آوروں کی تعداد بھی بہت بھاری تھی۔ اِس لئے کرنل رائے نے پٹن واپس آنے کا فیصلہ کیا۔ اِسی دوران کرنل رائے مارا گیا۔ اِس بہادر افسر نے سرینگر پر دشمن کے حملہ کو روکنے میں شاندار کام کیا۔ اُس کو (بعد از مرگ) مہاویر چکر کا اعزاز دیا گیا۔

مسٹر جناح کی طرف سے حملہ کا آرڈر

"اس وقت لاہور میں مسٹر جناح کافی بیتاب تھا۔ اس کا پرائیویٹ سیکرٹری خورشید احمد پہلے ہی سرینگر میں موجود تھا۔ مگر ہندوستانی افواج کی آمد کے بعد اُسے گرفتار کیا گیا اور پاکستان واپس بھیج دیا گیا۔ جب جناح کو معلوم ہوا کہ ہندوستان نے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق منظور کر کے سرینگر میں ہندوستانی فوج کو بذریعہ ہوائی جہاز بھیج دیا ہے تو اُس نے جنرل گریسی (GENERAL GRACEY) کمانڈر انچیف پاکستانی افواج کو حکم دیا کہ وہ فوراً کشمیر پر فوجی حملہ کر دے۔ جنرل گریسی نے کہا کہ سپریم کمانڈر کی منظوری کے بغیر ایسا کرنا ممکن نہیں۔ ۲۸ اکتوبر کی صبح فیلڈ مارشل آکنلیک بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچا۔ اور اُس نے مسٹر جناح کو کہا کہ اب قانونی طور پر کشمیر بھارت کا حصہ بن چکا ہے۔ اور اگر پاکستانی فوج کشمیر پر حملہ کرے تو پاکستانی فوج کے تمام برطانوی افسر واپس بلا لئے جائیں گے۔ اس پر مسٹر جناح نے اپنے احکام واپس لے لئے۔ پھر اُس نے آکنلیک کے ذریعہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور پنڈت نہرو کو لاہور آنے کی دعوت دی تاکہ کشمیر کے مسئلہ پر بحث کی جا سکے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی رائے تھی کہ اس دعوت کو فوراً منظور کر لیا جائے۔ مگر سردار پٹیل اس رائے کے بالکل خلاف تھا۔ سردار کی رائے تھی کہ پاکستان حملہ آور ہے۔ اس لئے مسٹر جناح کے پیچھے بھاگنا مناسب نہیں۔ پنڈت نہرو اس رائے سے متفق تھے جو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے دی تھی۔ پنڈت نہرو کا خیال تھا کہ ہم کشمیر میں اس غرض سے تو نہیں گئے کہ اُس علاقہ پر قبضہ کیا جائے۔ اس لئے اگر اس مسئلہ کا حل صلح صفائی سے ہو جائے تو ہمیں محض اپنے وقار پر قائم رہنے کے لئے اس دعوت کو نہ ٹھکرانا چاہیئے۔"

"چونکہ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کی رائے متضاد تھی، اس لئے اس پر مہاتما گاندھی کی رائے طلب کی گئی۔ اُسی رات گاندھی جی کے سیکرٹری نے مجھے ٹیلیفون پر بلوایا۔ کیونکہ گاندھی جی مجھ سے ضروری بات کرنا چاہتے تھے۔ میں برلا ہاؤس پہنچا۔ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل پہلے ہی گاندھی جی کے پاس تھے۔ گاندھی جی نے مجھ سے پوچھا کہ پنڈت نہرو کے لاہور جانے میں کیا اعتراض تھا۔ میں نے جواب دیا کہ جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے میرے ساتھ یہ ذکر کیا تھا تو میں نے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔ اس کی

وجوہات کبھی میں نے بتا دیں۔ جب یہ بحث ہو رہی تھی، پنڈت نہرو بہت تھکے ماندے نظر پڑتے تھے۔ اُن کو بہت بخار تھا۔ اس لئے بھی اُن کا لاہور جانا ممکن نہ تھا۔ اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اکیلے ہی لاہور جائیں۔"

"ادھر لارڈ ماؤنٹ بیٹن لاہور جانے کی تیاری میں مصروف تھے، اُدھر پاکستان گورنمنٹ نے ۳۰ اکتوبر کو ایک بیان جاری کر دیا جس میں معاہدہ کشمیر کو "دھوکا اور فریب" بتاتے ہوئے کہا گیا کہ اس معاہدہ کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس بیان میں بہت سی غلط باتیں تھیں جن میں سے ایک (یہ تھی کہ ریاستی فوجوں نے پہلے ریاستی مسلمانوں پر اور پاکستان کے نواحی دیہات کے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا جس کی وجہ سے قبائلی پٹھان بھڑک اُٹھے تھے۔ اسی دوران مہاراجہ نے شیخ عبد اللہ کو انٹرم گورنمنٹ بنانے کی دعوت دی تھی۔ اور نئی گورنمنٹ قائم ہو چکی تھی۔ اس وقت تک سرینگر میں ہماری فوج کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ فوج کی تین مزید بٹالین سرینگر پہنچ چکی تھیں۔ ایک بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو بذریعہ ہوائی جہاز اتارا گیا۔"

گلگت ایجنسی کا ڈرامہ

"جناح۔ماؤنٹ بیٹن بات چیت ہونے سے پہلے ایک اور ڈرامہ کھیلا گیا۔ برطانوی اقتدار کے تبادلہ سے پہلے گلگت ایجنسی مہاراجہ کے اختیار میں واپس دی گئی۔ مہاراجہ نے گلگت ایجنسی میں اپنا گورنر مقرر کر دیا۔ یہ گورنر بہمراہی میجر جنرل سکاٹ چیف آف آرمی سٹاف جموں و کشمیر مورخہ ۳۰ جولائی کو گلگت پہنچا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ برطانوی گورنمنٹ کے سب افسروں نے پاکستان کی سروس میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہاں اِن کا چارج سنبھالنے کے لئے ریاست کے سول افسر موجود نہ تھے۔ گلگت سکاؤٹس نے بھی پاکستان سروس میں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب وہاں صرف ۶ جموں و کشمیر انفنٹری پلٹن تھی (جس میں نصف سکھ اور نصف مسلمان تھے)۔ یہ پلٹن لفٹنٹ کرنل مجید خان کے زیرِ کمان بونجی میں مقیم تھی۔ جو گلگت سے ۳۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔۔ ۳۱ اکتوبر کی رات کو گورنر کی رہائش گاہ کو گلگت سکاؤٹس نے گھیر لیا۔ دوسرے روز گورنر کو قید کر لیا گیا اور باغیوں نے اپنی حکومت قائم کر لینے کا اعلان کر دیا۔ ریاستی فوج کے مسلم سپاہی اور افسر بھی باغی ہو گئے تھے۔ اور غیر مسلم سپاہیوں کا بیشتر حصہ مار ڈالا گیا۔ جو لوگ بچ گئے وہ اسکردو جا کر ریاستی

فوج کے دُوسرے دستے کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ۴ر نومبر کو میجر براؤن نے جو گلگت سکاؤٹس کا کمانڈر تھا، گلگت پر پاکستانی جھنڈا لہرا دیا۔ اور نومبر کے تیسرے ہفتے میں ایک پاکستانی پولیٹیکل ایجنٹ نے گلگت کا چارج سنبھال لیا۔"

"یکم نومبر کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن بہ ہمراہی لارڈ اسمے مسٹر جناح کے ساتھ بات چیت کرنے بذریعہ ہوائی جہاز لاہور چلا گیا۔ جناح کا کہنا تھا کہ کشمیر کا الحاق جابرانہ طریقے سے کیا گیا ہے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جبر قبائلی حملہ آوروں نے کیا تھا۔ اور یہ کہ اب ہندوستانی فوجیں سری نگر میں اپنے قدم جما چکی ہیں۔ اس لئے قبائلی حملہ آوروں کا سری نگر میں داخل ہونا امر محال ہے۔ اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ دونوں اطراف (پاکستان اور ہندوستان) کو بیک وقت کشمیر سے پیچھے ہٹ جانا چاہیئے۔ جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسٹر جناح سے پوچھا کہ قبائلی حملہ آوروں کو باہر نکلنے کی ترغیب کیسے دی جا سکے گی؟ مسٹر جناح نے جواب دیا۔ اگر آپ یہ تجویز مان لیتے ہیں تو میں سب کچھ واپس کروا دوں گا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مشورہ دیا کہ ریاست میں رائے شماری کروالی جائے۔ مسٹر جناح نے اس پر اعتراض کیا کہ ہندوستانی فوج کی موجودگی میں اور شیخ عبداللہ کے برسر اقتدار ہوتے ہوئے کشمیر کے لوگ پاکستان کے حق میں ووٹ دینے سے ڈریں گے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ رائے شماری یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن کی زیر نگرانی کی جا سکتی ہے۔ مگر مسٹر جناح نے اس بات پر زور دیا کہ رائے شماری ہندوستان اور پاکستان کے گورنر جنرلوں کی زیر نگرانی ہونی چاہیئے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسٹر جناح کو سمجھایا کہ مسلم لیگ کا پریذیڈنٹ ہونے کی حیثیت سے اُن کو پاکستان میں جو پوزیشن حاصل ہے وُہ مجھ (لارڈ ماؤنٹ بیٹن) کو نہیں ہے۔ یہ بات چیت کسی نتیجہ پر نہ پہنچی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن دہلی واپس آ گیا۔

مورخہ ۲ر نومبر کو پنڈت نہرو نے اپنی ایک نشری تقریر میں کہا کہ کشمیر کے متعلق جو قدم اُٹھایا گیا ہے وُہ خوب سوچ سمجھ کر ہی اُٹھایا گیا ہے۔ ایسا قدم نہ اُٹھانے کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" والے اصُول کو مان لیتے اور قتل و غارت کا بازار گرم ہونے دیتے۔ کشمیر میں جو کشمکش ہو رہی ہے وُہ کشمیر کے لوگوں کی اپنی کشمکش ہے جو وُہ اپنے محبوب رہنما کی زیر قیادت چلا رہے ہیں۔ اور جب حالات معمول پر آ جائیں گے تب یونائیٹڈ نیشنز جیسی بین الاقوامی جماعت کی زیر نگرانی رائے شماری

کرائی جائے گی۔"

"مورخہ ۴ر نومبر کو لاہور سے لیاقت علی خان نے ایک نشری تقریر کی جس میں اُس نے اِس بات پر زور دیا کہ کشمیر کے لوگوں کے ساتھ دھوکا بازی کی گئی ہے۔"

"مورخہ ۳ر نومبر کو سردار پٹیل اور سردار بلدیو سنگھ ڈیفنس منسٹر سرینگر گئے۔ اُنہوں نے کشمیر کے منسٹروں سے سیاسی حالات پر بات چیت کی۔ وُہ ۴ر نومبر کو دہلی واپس آئے اور ڈیفنس کمیٹی کو تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ جموں و کشمیر میں فوج کا ایک ڈویژنل ہیڈ کوارٹر قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ میجر جنرل کلونت سنگھ کو اس نئے ڈویژن کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ اُس کو یہ ہدایت دی گئی کہ بارہ مُولہ کو حملہ آوروں سے خالی کرایا جائے۔ تاکہ سرینگر پر دوبارہ حملہ کا کوئی خدشہ نہ رہے۔ دُوسرے دن میجر جنرل کلونت سنگھ سرینگر چلا گیا۔ ۸ر نومبر کو اُس کی فوج نے بارہ مُولہ پر قبضہ کر لیا۔ جب ہندوستانی فوج بارہ مولہ پہنچی تو اُن کو معلوم ہوُا کہ قبائلیوں نے تمام جائداد لُوٹ لی ہے اور عورتوں کو اغوا کر لیا ہے۔ بارہ مولہ کی آبادی ۱۴ ہزار تھی۔ اِس میں سے بہ مُشکل ایک ہزار لوگ وہاں موجود تھے۔ قبائلی حملہ آوروں نے وہاں ایسی ہی تباہی مچائی تھی جیسی نادر شاہ نے دہلی میں۔"

"ہندوستانی فوج قبائلیوں کو پیچھے دھکیلتی جا رہی تھی۔ ۱۱ر نومبر کو ہماری فوج اُوڑی کے مقام پر پہنچ چکی تھی۔ قبائلی اِتنی تیزی سے بھاگ رہے تھے کہ اُنہوں نے گلمرگ اور ٹنگ مرگ کو بِلا مقابلہ ہی خالی کر دیا۔"

دسمبر کے پہلے ہفتہ میں لیاقت علی خان مشترکہ ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ میں شمولیت کی غرض سے دہلی آیا۔ لارڈ مؤنٹ بیٹن کا خیال تھا کہ اِس موقعہ پر پنڈت نہرو اور لیاقت علی خان کی کشمیر کے متعلق بات چیت ہونی چاہئے۔ مگر حال ہی میں پنڈت نہرو کو لیاقت علی خان کا تار موصول ہوُا تھا جس میں شیخ عبداللہ کے خلاف قابلِ اعتراض باتیں درج تھیں اِس لئے پنڈت نہرو پاکستانی پرائم منسٹر سے بات چیت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر بعد میں اُنہوں نے مان لیا۔ لارڈ اِسمے کو کہا گیا کہ وُہ اِس بات چیت کو ضبطِ تحریر میں لائے۔ لارڈ اِسمے بعد میں محمد علی جناح اور مجھ سے مُلاقی ہوُا اور دونوں پرائم منسٹروں کے درمیان بات چیت کا جو مسودہ بنایا گیا، اُس میں یہ اُمور درج تھے:-

"پاکستان گورنمنٹ اپنا تمام اثر و رسوخ استعمال کرکے آزاد کشمیر کو مجبور کریگی کہ وہ فوری طور پر لڑائی بند کر دے اور قبائلی حملہ آوروں کو بھی کشمیر سے واپس نکلنے کے لیے کہے گی۔ جونہی لڑائی بند ہوتی ہے اور قبائلی واپس نکلنا شروع کر دیتے ہیں تو نہی گورنمنٹ آف انڈیا اپنی فوج کا بیشتر حصہ کشمیر سے واپس بلالے گی صرف کچھ سرحدی مقامات پر فوجی دستے رکھے جائیں گے۔

جنگ بندی کے ساتھ ساتھ ہی دونوں حکومتیں مشترکہ طور پر یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن کو درخواست کریں گی کہ وہ اپنی زیر نگرانی کشمیر میں رائے شماری کا انتظام کرے۔ اور اس غرض کے لیے ایک کمیشن کشمیر بھیجا جائے جو دونوں حکومتوں کو رائے شماری کے متعلق اقدام کا مشورہ دے۔ تمام وہ لوگ جو قبائلی حملہ کے وقت ریاست چھوڑ چکے ہیں، ان کو واپس آنے کی دعوت دی جائے گی۔ غیر ریاستی لوگوں کو رائے شماری میں حصہ لینے کی اجازت نہ ہوگی۔ تمام سیاسی قیدیوں کو جلد از جلد رہا کر دیا جائے۔ اور قانون کے اندر رہتے ہوئے سیاسی کارروائی پر کوئی پابندی نہ ہو۔"

لیاقت علی خان کراچی واپس چلا گیا۔ اس کے ایک یا دو دن کے بعد محمد علی دہلی آیا۔"

"اسی دوران میں سردار پٹیل اور سردار بلدیو سنگھ دوبارہ کشمیر کے دورہ پر گئے۔ اور واپسی پر انہوں نے ڈیفنس کمیٹی کو بتایا کہ کشمیر کی سرحد پر قبائلی کافی تعداد میں جمع ہیں اور لیاقت علی خان نے دہلی سے واپسی پر ان کو دوبارہ کشمیر میں داخل ہونے کی ترغیب دی تھی اور اپنی تقریروں میں اس بات پر زور دیا تھا کہ پاکستان کسی حالت میں بھی کشمیر کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ قبائلیوں نے غیر مسلموں کا قتل عام کر دیا ہے اور کشمیری لڑکیوں کو اغوا کر کے لے گئے ہیں اور انہیں نیلام کیا جا رہا ہے۔ قدرتی طور پر گورنمنٹ آف انڈیا کا رویہ کچھ سخت ہو گیا۔ مگر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بات چیت جاری رکھنے کی تلقین کی۔ چنانچہ جب لیاقت علی خان نے بات چیت جاری رکھنے کے متعلق تار بھیجا، پنڈت نہرو نے فوری طور پر اس دعوت کو قبول کیا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ہمراہ ۸ر دسمبر کو لاہور چلے گئے۔ دونوں پرائم منسٹروں اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسئلہ کشمیر پر

بات چیت کی۔ پنڈت نہرو نے کہا کہ حکومتِ پاکستان نے حملہ آوروں کو کشمیر جانے سے روکنے کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی۔ اور یہ کہ پاکستانی اخبارات ہندوستان کے خلاف پراپگنڈہ کر رہے ہیں۔ لیاقت علی خان نے کہا کہ اُس کے لئے بہت آسان کام تھا کہ وُہ قبائلیوں کے نام ایک اپیل پر دستخط کر دے مگر وُہ ایسی اپیل کی مُطلق پرواہ نہ کریں گے۔ اور اگر اُن کو زبردستی روکنے کی کوشش کی جائے تو پاکستان کو اُن کے ساتھ باقاعدہ لڑائی لڑنی پڑے گی۔ اُس نے مشورہ دیا کہ ہندوستان کو اپنی افواج کشمیر سے واپس بُلا کر وہاں ایک غیر جانبدار ایڈمنسٹریٹر مقرر کرنا چاہیئے۔ اُس کی یہ خواہش تھی کہ شیخ عبداللہ کی جگہ ایک غیر جانبدار ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا جائے۔ پنڈت نہرو نے جواب دیا کہ بھارت سرکار کشمیر سے اپنی افواج نہیں نکال سکتی۔ کیونکہ ایسا کرنے سے کشمیر میں پھر گڑبڑ پیدا ہو جائے گی۔ پنڈت جی نے کہا کہ مقامی ایڈمنسٹریشن ریاست کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق ہی قائم کی جا سکتی ہے۔ اور یہ کشمیر کے لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے۔ شیخ عبداللہ گذشتہ پندرہ برسوں سے عوامی حکومت قائم کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اور اُس نے اور اُس کے پیروؤں نے اس منزل پر پہنچنے کے لئے بہت سی قربانیاں دی ہیں نیشنل کانفرنس ہی ریاستی لوگوں کی سب سے بڑی سیاسی جماعت ہے جیسے ہندوستان میں کانگریس اور پاکستان میں مسلم لیگ۔ مہاراجہ کی شخصی حکومت کے خاتمہ پر شیخ عبداللہ نے ریاست میں پہلی عوامی وزارت بنائی اور ریاست کے لوگوں کو غیر فرقہ وارانہ طریقہ پر منظم کیا ہے — چنانچہ اس میٹنگ میں بھی کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔"

"لاہور کی میٹنگ کے بعد لارڈ مونٹ بیٹن کو یقین ہو گیا کہ دونوں مملکتوں کے درمیان کشمیر کے متعلق باہمی سمجھوتہ ہونا بالکل ناممکن ہے۔ اس لئے دہلی آتے ہی اُس نے گاندھی جی اور پنڈت نہرو کو مشورہ دیا کہ وُہ اس معاملہ کو یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن کے سپرد کر دے۔ آخرکار نہرو نے اس مشورہ کو مان لیا۔ گو اُن کے کچھ ساتھی اس مشورہ کی جوازیت کو مشکوک سمجھتے تھے۔"

۱۰

"چنانچہ ۲۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو جب لیاقت علی خان دہلی آیا ہوا تھا تو پنڈت نہرو نے اُس کے ہاتھ میں ایک شکایتی چٹھی دی۔ جس میں کہا گیا کہ حملہ آوروں کو پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے امداد دی جا رہی ہے۔ اس چٹھی میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ پاکستان

گورنمنٹ حملہ آوروں کی مدد کر رہی ہے، مندرجہ ذیل دلائل دی گئی تھیں :-

"قبائلیوں کو حدودِ پاکستان میں سے آزادی سے گزرنے دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے پاکستان میں ہی اپنی چوکیاں بنا رکھی ہیں۔ اُن کے پاس جو نئی قسم کے ہتھیار ہیں، وُہ اُن کو صرف پاکستان سے ہی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مارٹر اور "وی" (V) نشان والی سُرنگیں ایسی ایسی اشیاء ہیں جو عام طور پر قبائلی لوگ استعمال نہیں کرتے۔ موٹر ٹرانسپورٹ اور اس کے لئے پٹرول بھی پاکستان گورنمنٹ کے ذریعہ ہی مہیا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح خوراک و دیگر اشیاءِ خوردنی بھی حکومتِ پاکستان کے ذریعہ ہی حاصل کی جا سکتی ہیں۔ ہماری اطلاع کے مطابق قبائلیوں کو باقاعدہ فوجی تربیت پاکستان میں دی جا رہی ہے۔ اور ایسا پاکستانی فوج ہی کر سکتی ہے۔"

"بھارتی سرکار نے پاکستانی حکومت سے مطالبہ کیا کہ (۱) حملہ آوروں کو پاکستانی حدود میں پناہ نہ دی جائے۔ اور اُنہیں حملہ کرنے سے روکا جائے۔ (۲) اُن کو فوجی سامان و دیگر اشیاء نہ دی جائیں۔ (۳) تمام وُہ امداد بند کی جائے جس سے لڑائی کی مُدّت بڑھ سکتی ہو۔"

"لیاقت علی خان نے وعدہ کیا کہ وُہ اس مراسلہ کا جواب بھیج دے گا۔ مگر کوئی جواب موصول نہ ہُوا۔ اور ۳۱ دسمبر کو بھارتی سرکار نے یونائیٹڈ نیشنز کو اپیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُسی روز جب یُو۔ این۔ او۔ کو مراسلہ بھیجا جا چکا تھا، لیاقت علی خان کا جواب بھی موصول ہُوا۔ اس میں بھارتی سرکار کے خلاف کئی الزام لگائے گئے تھے۔ اس میں یہ بھی درج تھا کہ بھارتی سرکار تو پاکستان کو ختم کرنا چاہتی ہے۔"

"یکم مئی ۱۹۴۸ء کو میجر جنرل کلونت سنگھ کشمیر سے روانہ ہو گیا۔ کیونکہ اُسے چیف آف جنرل سٹاف مقرر کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے جموں و کشمیر میں مقیم فوج کے دو ڈویژنل کمانڈ بنائے گئے۔ میجر جنرل تھمایا کو سرینگر ڈویژن کا جنرل آفیسر کمانڈنگ اور میجر جنرل آتما سنگھ کو جموں ڈویژن کا جنرل آفیسر کمانڈنگ مقرر کیا گیا۔ چھ ماہ کے عرصہ میں میجر جنرل کلونت سنگھ نے نہایت تدبّر اور دانشمندی سے کام کیا۔ اس کے بعد

Scanned with CamScanner

میجر جنرل تھمایا نے لیہہ اور وادی لداخ سے حملہ آوروں کو مار بھگایا۔ میجر جنرل آتما سنگھ اور اُس کی فوج نے ایک سال کی کوشش کے بعد پونچھ سے دشمن کو بھگا دیا۔ کشمیر کی لڑائی کو "جوانوں کی لڑائی" کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں ایک ایک اِنچ زمین کے لئے ہر فوجی کو نہایت مشکل حالات میں لڑنا پڑا۔"

"ہندوستانی ایئر فورس نے اِس لڑائی میں ایئر وائس مارشل ایس مکرجی کے زیر کمان اپنا کمال دکھایا۔ جب بھی میں اُن دِنوں کے کشمیر کا خیال کرتا ہوں، میری نظروں کے سامنے ایک بہادر آجاتا ہے جس کا نام ایئر کموڈور مہر سنگھ تھا۔ ایئر فورس کے بہادروں میں سب سے پہلے مہر سنگھ کا ہی نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ وہی مہر سنگھ تھا جس نے اپنے جہاز میں ۲۳ ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے جنرل تھمایا کو لیہہ میں جا اُتارا تھا۔ اِس کے بعد ایئر فورس نے لیہہ میں فوج اور رسد اُتارنے کے لئے کئی اُڑانیں کیں۔"

"دسمبر ۱۹۴۸ء کے آخری ہفتہ میں یونائیٹڈ نیشنز کے ایک کمیشن نے دہلی اور کراچی کا دَورہ کیا اور کشمیر میں رائے شماری کے سلسلہ میں کچھ تجاویز پیش کیں جن کو امن و امان قائم ہونے کے بعد عمل میں لایا جانا مقصود تھا۔ دونوں حکومتوں نے اِن تجاویز کو مان لیا۔ بھارتی سرکار کی تجویز پر یکم جنوری ۱۹۴۹ء سے جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا۔"

"ملک کے بٹوارے سے پہلے مسٹر جناح اور مسلم لیگ نے جو بھی رائے ظاہر کی ہو مگر مُلک کا بٹوارہ مانتے وقت کانگریس نے کبھی بھی "دو قوموں کے نظریہ" کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اور اگر ایسا کیا ہوتا تو ہندوستان میں جو مسلمان اِس وقت آباد ہیں، وہ سب غیر ملکی تصور ہو جاتے۔ اصلیت یہ ہے کہ حکومت پاکستان ہر موقعہ کا فائدہ اُٹھانے کے لئے اپنا نظریہ اُسی کے مطابق بدلتی رہی۔"

"ریاست جوناگڑھ کا الحاق منظور کرتے ہوئے پاکستان گورنمنٹ نے اِس بات پر زور دیا کہ ریاست کے حکمران کو مکمل حق حاصل ہے کہ وہ دونوں میں سے جس مملکت کے ساتھ چاہے الحاق کر سکتا ہے۔ مگر جب مہاراجہ کشمیر نے بھارت سے الحاق کا فیصلہ کیا تو حکومت پاکستان اُس کا یہ حق تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی۔ اِس کے برعکس بھارتی سرکار کا نظریہ بالکل واضح تھا کہ جس ریاست میں اُس کے حکمران اور رعایا میں الحاق کے مسئلہ پر اتفاق رائے نہ ہو، وہاں رعایا کی خواہشات ہی آخری فیصلہ تصور ہوں گی۔ جوناگڑھ کے برعکس

کشمیر میں مہاراجہ کے فیصلہ کو ریاست کی اولین سیاسی جماعت نیشنل کانفرنس کی مدد حاصل تھی۔ پھر بھی بھارتی سرکار نے خود ہی یہ اعلان کر دیا کہ ریاست میں عام حالات کی بحالی کے بعد وہاں کے لوگوں کی رائے لی جائے گی۔ یہ پیشکش بھارت سرکار نے کشمیر کے لوگوں کو کی تھی۔ پاکستان کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔"

"جب میں نے بھارت سرکار کو مہاراجہ کشمیر کے الحاق کی تجویز منظور کر لینے کا مشورہ دیا تھا تو میرے دل میں ایک ہی خیال تھا۔ وہ یہ کہ کشمیر پر قبائلی حملہ ہندوستان کی یکجہتی کے لئے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ محمود غزنوی کے وقت سے ۸۰۰ برس کے عرصہ میں شمال مغرب کی طرف سے ہندوستان پر کئی بار حملہ ہوا۔ اور ابھی پاکستان بنے ہوئے دس ہفتے بھی نہ گزرے تھے کہ اسی راستہ سے قبائلی حملہ ہوا۔ یہ حملہ آج سرینگر پر ہوا تو کل دہلی پر بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی قوم جو اپنی تواریخ اور جغرافیہ کو بھول جاتی ہے، وہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔"

"ہمیں کشمیر پر قبضہ کرنے کی کوئی خواہش نہ تھی۔ اگر کشمیر پر قبائلی حملہ نہ ہوتا تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ بھارت سرکار اس ریاست میں دخل انداز نہ ہوتی اور اس کو علیحدہ ہی رہنے دیتی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے انگلینڈ جانے کے بعد ایک بیان میں بتایا تھا کہ بھارتی سرکار کے مشورہ کے مطابق اُس نے مہاراجہ کشمیر کو مطلع کیا تھا کہ اگر وہ چاہے تو پاکستان کے ساتھ الحاق کر سکتا ہے۔"

"یہ کہنا غلط ہے کہ قبائلیوں نے خود بخود حملہ کیا تھا۔ یہ حملہ ایک منظم طریقہ سے کیا گیا تھا۔ پاکستانی حکومت کے انکار کے باوجود یو۔ این۔ او کمیشن نے اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ اس حملہ میں پاکستانی فوج کے افسروں کا بھی ہاتھ تھا۔"

"جموں و کشمیر افواج کے تمام مسلم سپاہیوں کا بیک وقت باغی ہو جانا، جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری کا ایک سائیکالوجیکل موقعہ پر سرینگر میں موجود ہونا جبکہ مسٹر جناح خود لاہور میں تھا، ایسے واقعات نہیں جنہیں محض اتفاق کی بات کہا جا سکے۔"

گلگت کا مسئلہ بھی نہایت اہمیت رکھتا تھا۔ گلگت کو فرنٹیر ایجنسی کی وہی حیثیت حاصل تھی جو خیبر اور مالاکنڈ کو حاصل ہے۔ یہ پوزیشن بھوپال اور شملہ کی پولیٹیکل ایجنسیوں سے مختلف تھی۔ ایک سینئر برطانوی افسر لے جو اس علاقہ کا اچھی طرح واقف تھا، گورنمنٹ

آف انڈیا کو یہ وارننگ دی تھی کہ سوات اور چترال کے خلاف ریاست کشمیر گلگت ایجنسی کی حفاظت نہ کر سکے گی۔ اور نہ ہی اندرونی امن عامہ قائم رکھ سکے گی۔ ہوائی جہازوں کے بغیر فوج کو خوراک بھی مہیا نہ ہو سکے گی۔ اس کے باوجود گورنمنٹ آف انڈیا نے گلگت کا قبضہ مہاراجہ کو واپس دے دیا۔ حق تو یہی تھا کہ برطانوی اقتدار کے خاتمہ پر گلگت کا قبضہ مہاراجہ کو ہی دیا جاتا۔ مگر جونہی ایسا کیا گیا، گلگت پر پاکستان نے قبضہ کر لیا۔"

"قبائلیوں کا سردار ایک پُراسرار آفیسر تھا جس کا نام "جنرل طارق" بتایا جاتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ جنرل طارق دراصل پاکستانی فوج کا میجر جنرل اکبر خان تھا۔ اس کا جانشین میجر جنرل شیر خان تھا۔ اِن کی امداد محمد زمان کیانی۔ برہان الدین اور سابقہ انڈین نیشنل آرمی کے افسر کر رہے تھے۔"

"جن لوگوں نے یہ حملہ کرنے کی سازش بنائی تھی، وُہ خراج تحسین کے مستحق تو ضرور ہیں مگر وُہ اس بات کو بھول گئے کہ "لٹیرے" آخر لٹیرے ہی ہیں۔ اور اُنھوں نے اس بات کا اندازہ نہ لگایا تھا کہ یہ بارہ مُولہ کی لُوٹ کھسوٹ میں اِتنے مگن ہو جائیں گے۔ اور وہاں کئی دن لُوٹ کرتے رہیں گے۔"

"دُوسرے وُہ اِس بات کا بھی درُست طور پر اندازہ نہ لگا سکے کہ ہم اِتنی جلدی اپنی فوج، ہوائی بیڑے اور ٹرانسپورٹ کو منظم کر کے عین وقت پر اپنی فوجیں کشمیر میں اُتار سکیں گے۔"

شری مہر چند مہاجن کی ڈائری کا ورق

شری مہر چند مہاجن سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف انڈیا

جو کہ ۱۹۴۷ء اکتوبر میں ریاست جموں و کشمیر کے وزیر اعظم تھے، نے بھارت سے کشمیر کے الحاق کی داستان بیان کرتے ہوئے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے:۔

"یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ ریاست جموں و کشمیر قانون آزادی ہند کے تحت برطانوی تاج کی ماتحتی سے آزاد ہوتے ہی ایک اندرونی خود مختار ریاست بن گئی۔ اور اِس قانون کے تحت جس کی رُو سے بھارت اور پاکستان دو ڈومینین وجود میں آئیں۔ کشمیر میں ہز ہائینس مہاراجہ ہی اِس امر کا فیصلہ کرنے کے مختار تھے کہ وُہ اِن دونوں ڈومینیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کریں یا خود مختار رہیں۔ بشرطیکہ جہاں تک

عملی سیاسیات کا تعلق تھا، یہ صورتِ حال ممکن ہوتی اور اس سوال کی طرف حقیقت پسندانہ ڈھنگ سے رجوع کیا جاتا۔ اس وقت بھارت میں کئی ایسی ریاستیں تھیں جو خود مختاری کے اس خیال میں مگن تھیں اور حقیقت پسندی کی بجائے جذبات پرستی کی رَو میں بہہ رہی تھیں۔ مہاراجہ کشمیر، اُن کے مشیر، یہاں تک کہ ریاست میں سیاسی جماعتوں کے لیڈر بھی انہی لائنوں پر سوچنا چاہتے تھے۔ اور اگر یہ ممکن ہوتا تو انہیں خوشی ہوتی۔ یہ رُجحان مسئلے کی طرف رجوع کرنے کا قطعی حقیقت پسندانہ ڈھنگ تھا۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پہ ہے کہ اس وقت اس قسم کی باتیں فضا میں گشت کر رہی تھیں۔

جناح کے منصوبے: مسٹر جناح کے منصوبوں کے مطابق کشمیر پر خود ان کا قبضہ ہونا تھا اور وُہ مغل بادشاہوں کی طرح کشمیر کی صحت بخش اور خوشگوار آب و ہوا اور رعنائیوں سے لطف اندوز ہونے اور اس پر حکومت کرنے کا خواب دیکھا کرتے تھے۔ وُہ سمجھتے تھے کہ کشمیر تو اُن کی مٹھی میں ہے خواہ وُہ اپنی مرضی سے آئے یا بزورِ شمشیر لایا جائے۔ مسٹر جناح کو کشمیر کے پاکستان کا حصّہ ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں تھا۔ انگریز کشمیر اُن کے حوالے کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ وُہ غالب مُسلم اکثریت کی ریاست تھی اور پاکستانی علاقے کے سوائے ہندوستان کے ساتھ اس کا کوئی ذریعہ رسل و رسائل نہیں تھا۔ صرف ایک راستہ کشمیر کو بھارت سے ملاتا تھا۔ اور وُہ بھی اچھے موسمی حالات میں اور اس بات پر منحصر تھا کہ گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کیا جاتا۔ لیکن بعد میں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جس وقت بٹوارہ ہوا، گورداسپور پاکستان میں شامل نہیں تھا۔ چنانچہ بٹوارے سے پہلے اپنی پوزیشن ہر طرف سے مستحکم محسوس کرتے ہوئے مسٹر جناح نے انتہائی دوستانہ لہجہ میں مہاراجہ کشمیر سے رجوع کیا کہ وُہ پاکستان میں شامل ہو جائیں۔ اُس وقت کے دیوان کشمیر مسٹر کاک اور پاکستانی سیاست دانوں کے درمیان اِس سارے دَور میں اس سوال کے متعلق خوب گاڑھی چھنتی رہی تھی۔

مہاراجہ کو جناح کے خطوط: مسٹر جناح کا انگریز ملٹری سیکرٹری قائدِ اعظم کے ذاتی خط لے کر تین مرتبہ مہاراجہ سے ملنے کے لئے سرینگر آیا۔ ظاہرا طور پر اس آمد و رفت کا مقصد اور مہاراجہ سے ملنے کی غرض و غایت صرف اتنی بتائی گئی ہے قائدِ اعظم علیل ہیں۔ اور ڈاکٹروں کا مشورہ ہے کہ وُہ گرمیاں کشمیر میں گزاریں۔

کہ مہاراجہ کی اجازت درکار ہے۔ باقی سب انتظامات قیام وغیرہ قائداعظم خود ہی کریں گے وغیرہ۔ اس پروگرام کے پیچھے اصل مقصد یہ تھا کہ ریاست میں پاکستان نواز عناصر کی مدد سے مہاراجہ کو پاکستان میں شامل ہونے پر مجبور کیا جائے۔ اور اگر راضی نہ ہوں تو انہیں گدی اور ریاست سے محروم کر دیا جائے۔

مسٹر جناح نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو پہلے ہی کشمیر بھیج رکھا تھا۔ یہ حضرت کئی ماہ سے وہاں جا کر جمے ہوئے تھے۔ اور بھارت کے خلاف فرقہ پرستانہ جنون کی فضا تیار کر رہے تھے۔ فرقہ پرست لوگوں اور مولویوں کو بھڑکایا جا رہا تھا کہ وہ مہاراجہ کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے پر مجبور کریں۔ یہ سب کچھ بظاہر دوستانہ ڈھنگ سے کیا جا رہا تھا اور مہاراجہ کی ذات کے خلاف کچھ نہیں کہا جا رہا تھا۔ لیکن اسی اثناء میں ہر طرح کا دباؤ ڈالا جا رہا تھا اور تمام تیاریاں کی جا رہی تھیں کہ اگر ترغیب کا حربہ ناکام رہا تو ریاست پر زبردستی قبضہ کرنا ہے۔ اس دوستانہ بات چیت کے دوران میں مہاراجہ سے کہا جا رہا تھا کہ وہ ایک خود مختار حکمران ہیں۔ کہ صرف انہی کو الحاق کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ کہ انہیں اس بارہ میں کسی شخص یا ادارہ سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ انہیں نیشنل کانفرنس اور اس کے لیڈروں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ کہ انہیں اپنے اختیارات کا کوئی حصہ بھی ریاست کے عوام کو سونپنے کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ ریاست کے خود مختار مطلق العنان حکمران رہ سکتے ہیں۔ اور یہ کہ پاکستان ان کی حیثیت اور اقتدار کو ذرا بھی گزند نہیں پہنچائے گا۔ وغیرہ۔

جناح کو اجازت نہ ملی۔ مہاراجہ اتنے سادہ لوح نہ تھے کہ ان باتوں پر اعتبار کر لیتے۔ چنانچہ یہ کوششیں ناکام ہو گئیں۔ مہاراجہ نے جناح کو سرینگر میں گرمیاں گزارنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اور انہیں نرمی کے ساتھ لکھ بھیجا کہ وہ انہیں دعوت دینے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ریاست میں ایک ہمسایہ ملک کے گورنر جنرل کے شایان شان انتظامات نہیں کر سکیں گے۔ اس جواب پر جناح کو سخت غصہ آیا اور اس کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ادھر سرینگر میں اس کے پرائیویٹ سیکرٹری کو بھی چلتا کر دیا گیا۔ اور ان سب کوششوں کا واحد نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے پہلے مہاراجہ اور پاکستان کے درمیان ایک سٹینڈ سٹل معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

کرنے پر زور دیا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں ابھی ابھی ریاست میں آیا ہوں اور اس کے سیاسیات نہیں جانتا۔ اور الحاق کے مسئلہ پر اُس کے ساتھ مفید گفتگو نہیں کر سکتا۔ لیکن اُس نے کہا کہ وہ انتظار نہیں کر سکتا۔ میں نے اُسے شرفِ ملاقات بخشا اور دو گھنٹے تک ہماری بات چیت ہوئی۔ وہ مجھ سے یہ وعدہ لینا چاہتا تھا کہ ریاست پاکستان سے الحاق کرے گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کم از کم میں مہاراجہ کو ہندوستان سے الحاق کرنے کا مشورہ نہ دوں گا۔ میرے دماغ نے اس معاملہ میں اب تک کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ میں نے اُسے بتایا کہ جب تک میں اس موضوع پر اپنی وزارت اور ریاست کے سرکردہ اصحاب اور پھر مہاراجہ سے بحث نہ کر لوں، میرے لئے کوئی رائے ظاہر کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ سب کچھ کرنے میں قدرتی طور پر وقت لگے گا۔ لیکن وہ انتظار کرنے کو تیار نہ تھا۔ جب مجھے یہ خبر ملی کہ وہ الٹی میٹم لے کر وہاں آیا ہوا ہے تو میں نے کہا "اگر تم ناکہ بندی ختم کر دو اور اناج، کپڑا اور پٹرول ریاست میں آنے کی اجازت دے دو تو جب یہ ہو جائے گا تو میں اس معاملہ پر تفصیل کے ساتھ بات چیت کروں گا۔ اُس نے ناکہ بندی ختم کرنے کے لئے مسٹر جناح پر زور ڈالنے کا اقرار کیا۔ اور مسٹر جناح کو ایک تار بھی بھیجا جو اُس وقت لاہور میں تھے۔ پھر اُس نے کہا "مسٹر جناح نے آپ کو لاہور آنے کی دعوت دی ہے۔ وہاں جا کر ان سے بات چیت کیجئے۔"

میرا مسٹر جناح کے دربار میں سجدہ کرنے اور خود کو پاکستانیوں کے ہاتھوں میں ڈال کر اپنا مستقبل ختم کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ میں نے یہ دعوت ٹھکرا دی۔ کیونکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ مجھے ریاست کا الحاق پاکستان سے کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ جب میجر شاہ ان کوششوں میں ناکام رہا تو وہ خاموشی سے پاکستان لوٹ گیا۔ لیکن یہ اشارہ کرتا گیا کہ مہاراجہ کو جلد ہی بہت رنج اُٹھانا پڑے گا۔ اور پھر انہیں اپنی بیوقوفی کا احساس ہوگا۔ میں نے جب اُس کا ایسا رویہ دیکھا تو اُسے صاف طور پر بتا دیا کہ پاکستان کی طرف سے کسی ایسی حرکت سے ریاست ہندوستان میں شامل ہونے پر مجبور ہو جائے گی اور نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو، ہم دھکے شاہی کے آگے گھٹنے ٹیک کر پاکستان سے الحاق نہ کریں گے۔

اس ایلچی کی روانگی کے بعد مجھے اُن منصوبوں سے آگاہ کیا گیا جو پاکستان نے مہاراجہ کو پاکستان میں شمولیت پر مجبور کرنے کے لئے مرتب کئے تھے۔ منصوبے یہ تھے۔

اقتصادی ناکہ بندی۔ ریاست کی مؤثر اقتصادی ناکہ بندی کی جائے تاکہ لوگ بھوکے مرنے لگیں اور سرکاری نظم و نسق مفلوج ہو جائے اور ریاست مجبور ہو کر پاکستان سے الحاق کرے۔ پاکستان کے اسلحہ خانے میں یہ ایک نہایت مضبوط اور خطرناک ہتھیار تھا۔ غیر منقسم ہندوستان کے ساتھ کشمیر کی رسل و رسائل دو سڑکوں سے ہوتی تھی۔ ایک راولپنڈی کے راستے اور دوسری سیالکوٹ جموں کے راستے۔ راولپنڈی اور سیالکوٹ دونوں پاکستان میں آنے سے ریاست میں کوئی مال پاکستان کی منظوری کے بغیر نہ پہنچ سکتا تھا۔ ریاست نے کروڑوں روپے کے کپڑے، اناج اور پٹرول کے جو آرڈر دے رکھے تھے، وہ سب سامان راولپنڈی اور سیالکوٹ میں پڑا تھا۔ اور پاکستان سرکار نے ان کا ریاست میں داخلہ بند کر دیا تھا۔ کشمیر کا پھل اور دوسرا کوئی سامان بھی باہر نہ بھیجا جا سکتا تھا۔ پٹھانکوٹ کے راستہ ریاست کو ہندوستان کے ساتھ ملانے والی ایک سڑک تھی۔ لیکن وہ برف والے موسم میں ہی استعمال ہو سکتی تھی۔ اگست اور ستمبر میں اس کو استعمال نہ کیا جا سکتا تھا۔ پاکستان نے اس کا فائدہ اٹھایا اور ناکہ بندی مکمل ہو گئی۔ ریاست میں ایک دانہ بھی باہر سے نہ آسکتا تھا۔ اور اگر ہندوستان محض انسانی جذبے سے متحرک ہو کر کچھ ضروری سپلائی بذریعہ ہوائی جہاز نہ پہنچاتا تو ریاست پاکستان کے رحم پر ہوتی۔ اس ناکہ بندی کا مقصد مہاراجہ کے ہاتھ باندھنا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی ایجنٹوں نے جموں و کشمیر میں بھی اسی طرح پوری شدت سے فرقہ دارانہ فسادات کرانے کی کوششیں کیں جس طرح انہوں نے بھارت کے بٹوارہ سے پہلے فسادات کی آگ کو ہوا دی تھی۔ ایسی حالت میں جبکہ ریاست جموں و کشمیر کے دونوں اطراف پنجاب میں فرقہ دارانہ فسادات جوبن پر تھے، یہ ریاست فسادات کی آگ سے بالکل محفوظ تھی۔ پاکستان سے لاکھوں شرنارتھی ہجرت کر کے ریاست جموں و کشمیر میں پہنچ چکے تھے۔ اور گجرات، سیالکوٹ اور راولپنڈی کے اضلاع سے ریاست میں داخل ہو کر پورے سال چالو رہنے والی سڑک کے راستے پٹھانکوٹ جا رہے تھے۔ اور ریاست کے مسلم باشندوں کے ہاتھوں انہیں ذرہ بھر بھی آنچ نہیں پہنچ رہی تھی بلکہ وہ دوستانہ اور برادرانہ طریقہ پر انہیں ہر ممکن امداد پہنچا رہے تھے۔ ستمبر کے آغاز میں جب میں نے کاٹھگڑھ سے سرینگر تک سفر کیا تو حالات بالکل پرسکون تھے۔ لیکن جونہی مسٹر

جناح کو یہ خبر ملی کہ اُنہوں نے مہاراجہ کشمیر کو جتنی بھی درخواستیں کی ہیں وُہ مسترد ہو چکی ہیں۔ اور کہ مَیں نے بھی اُن کی یہ بات ماننے سے اِنکار کر دیا ہے کہ جموں و کشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق کرے اور مَیں اُن کے دربار میں حاضر ہوؤں۔ تو حالات یک بیک پلٹ گئے۔ جموں کے مسلمانوں کو فرقہ وارانہ فسادات کے لئے اُبھارا تھا اور جموں میں خواہ مخواہ شروع ہو گیا۔

پاکستانیوں کے حملے۔ پاکستان نے جموں کی تمام سرحد پر فرقہ وارانہ حملوں کو شہ دی۔ پاکستانی شہریوں کو جمع کیا گیا۔ اور سفید کپڑوں میں ملبوس پاکستانی فوجیوں کی امداد اور پاکستانی اسلحہ و ہتھیاروں کے ذریعہ اُنہوں نے سرحد پر واقع تمام ہندو دیہات پر حملے کئے۔ اِن دیہات کو لُوٹ کر اور وہاں کے باشندوں کو ہلاک کر کے مکانوں کو جلا دیا گیا۔ جونہی مجھے جموں کے گورنر نے اِن حملوں کی خبر دی، مَیں نے سرحد کا دَورہ کرنے کا فیصلہ کیا اور سرینگر سے فوراً جموں آیا۔ مہاراجہ صاحب میرے ساتھ آنے پر مُصر تھے۔ کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ اُن کی موجودگی اِن فسادات کو فرو کرنے اور امن بحال کرنے میں معاون ثابت ہو گی۔ ۱۸ر اکتوبر سے ۲۴ر اکتوبر تک ہم جموں میں تھے۔ اور ہم نے جموں شہر کے ہندو اور مُسلم وفود سے مُلاقات کی۔ ہم اُن شرنارتھیوں سے بھی ملے جو اپنی حفاظت کے لئے شرنارتھی کیمپوں میں جمع تھے۔ اُن مسلمانوں سے بھی ملے جو پاکستان جانا چاہتے تھے۔ مُسلمان اِس لئے پاکستان جانے کے خواہاں تھے کیونکہ اُنہیں یقین دلایا گیا تھا کہ اُن کی یہ ہجرت بالکل عارضی ہے۔ اور کہ وُہ ایک ہفتہ کے بعد واپس آ سکیں گے جبکہ جموں پر پاکستانی جھنڈا لہرا رہا ہوگا۔ وُہ کسی بھی قیمت پر اور کسی بھی تحفظ کا یقین دلائے جانے پر ریاست میں رہنے کو تیار نہیں تھے۔ جموں کے مسلمانوں نے شہر کے مرکز میں واقع ایک مسجد کو مورچہ بند کر لیا تھا۔ اور وُہ وہاں سے ہر ہندو راہ گیر پر گولی چلاتے تھے۔ ہمارے پہنچنے پر شہر میں قدرے امن وامان بحال ہوا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ جیپ گاڑی میں سوار ہو کر میرپور کوٹلی سے کٹھوعہ تک تمام سرحد کا دَورہ کیا جائے۔ ایسا دَورہ بہت پُر خطر اور دشوار تھا۔ سرحد پر ہم نے جو کچھ دیکھا وُہ انسانی مظالم اور بربریت کی ننگی تصویر تھی۔ پاکستانیوں نے انسانوں کی ہی نہیں بلکہ حقیقی جانوروں اور وحشیوں کی سی حرکات کی تھیں۔ ایک رات پہلے کے حملے سے ہر چہار جانب تباہی کا منظر تھا۔ ہم نے خود لاشیں جمع ہوتے کا

اتم سنسکار کروایا۔ ایلس وننت تک سرحد کے لوگوں نے اپنے پاکستانی پڑوسیوں کے لئے کوئی وجہ شکایت مہیا نہیں کی تھی۔ غرضیکہ یہ حملہ ہر لحاظ سے یک طرفہ تھا۔ سرحد کے ہندو باشندے اپنے گھر بار چھوڑ کر شرنارتھی کیمپوں کو بھاگ رہے تھے۔ یا پھر وہ اپنے گھر بار کا بچا کھچا سامان اُٹھا کر سڑکوں پر جمع تھے۔ ڈوگرہ فوج کے دستے حملہ آوروں کو پسپا کرنے کے لئے مدد دے رہے تھے۔ لیکن سرحد اتنی لمبی تھی کہ وہ کچھ نہیں کر پاتے تھے۔ اپنے قیام کے دوران میں ہم نے امن و انتظام بحال کرنے کے لئے سب کچھ کیا۔

مہاراجہ کو اغوا کرنے کا منصوبہ۔ ایک منصوبہ یہ بھی بنا کہ مہاراجہ صاحب کو اور مجھے اغوا کر لیا جائے۔ اور ہمیں بندوق دکھا کر الحاق نامہ پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ ہماری ہر نقل و حرکت کی خبر پاکستانی حکام کو پہنچنے لگی۔ اور جونہی ہم سرحد پر دورہ کا کوئی پروگرام بناتے، وہ پاکستانی حکام تک پہنچ جاتا۔ جموں کا سپرنٹنڈنٹ پولیس پاکستان کا ایجنٹ بن چکا تھا۔ بعد میں میں نے اُسے قید کر دیا۔ یہی حالت مسلم چیف آف سٹاف کی تھی۔ مجھے اُس کو بھی فوجی حراست میں رکھنا پڑا۔ اور بعد میں اُسے مہاراجہ کے حکم سے قید میں رکھا گیا۔

منصوبہ یوں تیار کیا گیا کہ جس وقت ہم بھمبر کے ڈاک بنگلہ میں پہنچ کر آرام کر رہے ہوں گے، ہمیں گرفتار کر لیا جائے۔ بھمبر پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ ضلع گجرات کی سرحد پر واقع ہے۔ یہاں سے کشمیر کو مغل بادشاہوں کا راستہ جاتا ہے۔ یہ سڑک سرحد کے ساتھ ساتھ ہے۔ اور اس کا ایک حصہ پاکستان کے اندر ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ۲۰؍ اکتوبر کو ہم کٹھوعہ جائیں گے اور ۲۱؍ اکتوبر کو بھمبر اور میرپور میں۔ اُدھر پاکستانیوں نے ۲۱؍ اکتوبر کو آرمرڈ کاروں کے ذریعہ بھمبر پر حملہ کرنے ہمیں گرفتار کرنے۔ ڈاک بنگلہ کو تباہ کرنے۔ شہر پر قبضہ کر کے شہر کے تمام ہندوؤں کے قتلِ عام کا منصوبہ بنایا تھا۔ اُن کا یہ بھی فیصلہ تھا کہ وہ سارے شہر کو لوٹ لیں گے۔ لیکن ایک عجیب بات ہو گئی جس سے ہم بچ گئے۔ لیکن ڈاک بنگلہ اور بھمبر شہر نہ بچ سکا۔ ۲۰؍ اکتوبر کی صبح کو جب ہم کٹھوعہ روانہ ہوئے۔ اور اکھنور و بھمبر جانے والی سڑکوں کے چوراستے پر پہنچے تو اچانک ہی مہاراجہ صاحب نے ڈرائیور کو جیپ بھمبر لے جانے کا حکم دیا۔ میں نے احتجاج کیا کہ افسر اور دوسرے لوگ آپ کا کٹھوعہ میں اور راستہ میں پڑنے والے مقامات پر انتظار کر رہے ہوں گے جبکہ ہم نے

بھمبر کے افسروں تک کو اپنا پروگرام نہیں بھیجا۔ اور وہ ہمارے منتظر نہیں ہوں گے لیکن مہاراجہ صاحب نے میرے اعتراض کو یہ کہہ کر روک دیا کہ میں کسی پروگرام کا بندھا ہوا نہیں ہوں۔ اور اگر میں پروگرام بناؤں تو اِن پر کبھی ہی عمل کرتا ہوں۔ چنانچہ ہم اکھنور اور بھمبر جا پہنچے لیکن چونکہ دیر ہو گئی تھی اس لئے میرپور نہ جا سکے کیونکہ وقت بہت ہو گیا تھا۔ پاکستانی حملہ آور سرحد کی تمام پہاڑی پر بڑے سرگرم تھے اور تمام سرحد پر خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی ہندو لوگ اپنے آبائی دیہات سے نکل کر محفوظ مقامات کو ہجرت کر رہے تھے۔ ہم نے جہاں تک ہو سکا، اِن لوگوں کو تسلی دی اور اُن کی حفاظت کے انتظامات کرنے کا وعدہ کیا۔ ہم نے شہر کی حفاظت کے لئے احکام جاری کئے اور ۱۰ بجے رات جموں لوٹ آئے۔

واپسی پر ہم نے دیکھا کہ سڑک کے دونوں کناروں پر دیہات کے مکانات دھڑا دھڑ جل رہے تھے مسلمانوں کے مکانات جل رہے تھے کیونکہ ہندوؤں نے جوابی حملے شروع کر دئے تھے جبکہ ہندوؤں کے مکانات پاکستانی حملوں اور مقامی مسلمانوں کے حملوں کی بدولت آگ کی نذر کر دئے گئے تھے۔ فوج کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی امن بحال رکھنے اور لوگوں کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی تھی قتل عام اور آتشزدگی کی اِن وارداتوں کو روکنے کے لئے مسلمان بریگیڈیئر اور چیف آف سٹاف موقع پر موجود تھا۔ اس کے اگلے روز گجرات سے بکتر بند گاڑیوں کے ذریعہ حملہ ہوا۔ اور بھمبر کا ڈاک بنگلہ نذر آتش کر دیا گیا۔ یہ حملہ عین اُس وقت کیا گیا جبکہ مہاراجہ کا ڈاک بنگلہ میں پروگرام تھا۔ رہا یہ کہ مہاراجہ صاحب کی "پیش بینی" سے ہم پاکستان کے ہاتھ پڑنے سے بچ گئے۔ قسمت کے کرشمے دیکھئے کہ جن لوگوں نے الحاق حاصل کرنے کے لئے ایسے حملوں کے منصوبے تیار کئے وہ آج قوموں کی عدالت سیکیورٹی کونسل کے روبرو اپنے آپ کو کشمیری عوام کا سرپرست ظاہر کر کے کشمیری عوام کی حفاظت اور اُن کے انصاف کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

اگلے روز ہم نے کٹھوعہ جا کر ایسے ہی نظارے دیکھے۔ ساری سرحد پر زبردست جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ پاکستانی حکام سرحد کے اندر اور باہر سے مہاراجہ کو پاکستان سے الحاق کرنے کے لئے مجبور کر رہے تھے جبکہ ہندوستان ایک خاموش تماشائی تھا اور وہ جذبہ انسانی سے متحرک ہو کر تھوڑی بہت مدد بھیج رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی "جوں کا توں" معاہدہ کرنے کے لئے گفت و شنید میں مصروف تھا۔

Scanned with CamScanner

مہاراجہ کو بھمبر میں یوں گرفتار کرنے کی چال ناکام رہی۔ بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ یہ سارا پلان پاکستان کے ایک وزیر نے تیار کیا تھا جو اُس روز جبکہ ہم بھمبر میں تھے گجرات میں تھا اور اُس نے پبلک جلسہ میں کہا تھا کہ مہاجن اور مہاراجہ کو پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ اُنہیں خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

ابتدائی حملہ ۔ مہاراجہ کے باندھنے اور اُنہیں گرفتار کرنے اور بزور طاقت ریاست پر قبضہ کرنے کے لئے پاکستانی حکام نے جو جارحانہ چالیں سوچ رکھی تھیں، اُن میں سے پانچویں چال قبائلیوں سے مسلح حملہ کرانے کی تھی۔ اس حملہ کی تنظیم پاکستان سرکار کے ایماء پر پولیٹیکل ایجنسی پشاور کے ایک سابق افسر نے کی تھی۔ اور ٹرانسپورٹ، ہتھیار، اسلحہ اور فوجی افسر پاکستان سرکار نے سپلائی کئے تھے۔ مہاراجہ کو ریاست پر حملہ کے ارادے کا حملہ سے ایک ماہ پیشتر ہی پتہ لگ گیا تھا۔ یہ اطلاع ایک وفادار دوست نے دی تھی جو مہاراجہ کو صورتِ حالات سے آگاہ کرنے کے لئے سرحد سے خاص طور پر آیا تھا۔ حملہ سے ایک ہفتہ قبل میرے ایک ذاتی دوست نے اس کی اطلاع دی تھی۔ مہاراجہ کو گمراہ کرنے والا ایک پٹھان تھا جو اُن کا گہرا دوست تھا اور جو محل میں رہا کرتا تھا۔ اس نے مہاراجہ سے کہا تھا کہ یہ سب کچھ اُن پر پاکستان میں شمولیت پر دباؤ ڈالنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اور اُنہوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ کوئی ریاست پر حملہ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ کیونکہ مہاراجہ کو اپنی ڈوگرہ فوج پر پُورن وشواس تھا۔ اور اُن کا خیال تھا کہ خواہ کتنے ہی قبائلی حملہ کریں، اُن کے بہادر فوجیوں کی ایک بٹالین اُنہیں تباہ کر سکتی ہے۔ اور قبائلی ریاست میں داخل ہونے کی غلطی نہ کریں گے۔ لیکن مہاراجہ کو غالباً اس امر کا علم نہ تھا۔ اُن کے انگریز کمانڈر انچیف نے فوج کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ اگر سرحد پار سے حملہ ہو تو وہ اس کا مؤثر جواب دینے کے قابل نہ رہی تھی۔ فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے گلگت۔ لیہہ۔ پونچھ۔ میرپور۔ کوٹلی، کشتواڑ اور سرحد کے ساتھ ساتھ بکھیر دیئے گئے تھے۔ سات بٹالین فوج دور دراز مقامات میں ڈال کر غیر مؤثر بنا دی گئی تھی۔ ایک بٹالین اسی سرحد پر تعینات کر دی گئی تھی جہاں سے سرحدی قبائلی ریاست میں داخل ہو سکتے تھے۔ لیکن اس میں ۳۳ فی صد فوجی مسلمان تھے جو پاکستان سے مل چکے تھے۔ جب مجھے اس مجوزہ حملہ کی اطلاع ملی تو اس یونٹ کے کمانڈر کرنل کو تین بار ہدایت بھیجی گئی کہ مسلم فوجیوں سے ہتھیار لے لئے جائیں۔

لیکن کمانڈر نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کا سبب یہ دیا کہ وُہ اُس کے وفادار سپاہی ہیں جو برما میں اُس کے تحت لڑتے رہے ہیں۔ یہی وُہ مسلم سپاہی اور اُن کے افسر تھے جنہوں نے اپنے اِس افسر سے غداری کی جبکہ حملہ آوروں نے دومیل کے ڈاک بنگلہ پر حملہ کر کے اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ وہی مُسلم فوجی پھر حملہ آوروں کو لے کر گڑھی پہنچے، جہاں اُن کا مقابلہ ایک بہادر ڈوگرہ سپاہی اور ڈوگرہ فوج کے چیف آف سٹاف کی قیادت میں ریاستی فوج سے ہوا۔ یہ ڈوگرہ کمانڈر آٹھ گولیاں جسم میں لگنے کے باوجود ڈٹا رہا۔ اور اس طرح سے حملہ آوروں کے بارہ مولہ پہنچنے میں تاخیر ہو گئی۔ جب تک اُوڑی سے پار سڑک پر اُس کی موت نہ ہوئی، میرے ساتھ ٹیلیفون پر اُس کا تعلق برابر قائم رہا۔ یہ ٹریجڈی ۲۲ اکتوبر کی رات کو پیش آئی۔ حملہ ۲۳ اکتوبر کو ہوا تھا جبکہ مظفر آباد پر چڑھائی ہوئی تھی۔ پلوں کو اڑانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ناکہ بندی کے سبب بارود نہ مل سکتا تھا۔ مَیں اور مہاراجہ صاحب مظفر آباد پر پرواز کر رہے تھے جبکہ حملہ جاری تھا لیکن بادلوں کے سبب ہم کچھ نہ دیکھ سکے اور ہمیں حملے کی اطلاع اُس وقت ملی جبکہ سرینگر واپس پہنچے۔ اُس وقت ہم سے جو فوجی امداد ہو سکی، حملہ آوروں کے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ سرحد سے قبائلی کبھی حملہ نہ کر سکتے تھے جب تک کہ پاکستان انہیں اپنے علاقے سے گزرنے کی اجازت اور ٹرانسپورٹ وغیرہ کی سہولیات نہ دیتا اور پاکستان کا فوجی ہیڈ کوارٹر زمین ہموار نہ کرتا۔ یہ حملہ بنا کسی اشتعال کے تھا۔ مہاراجہ صاحب نے ایسی کوئی بات نہ کی تھی جو حملہ کا سبب بنتی۔ اس کا مقصد ریاست پر زبردستی قبضہ کر لینا تھا۔

بھارت کی خاموشی۔ دُوسری طرف بھارت نے کیا کیا؟ ہمیں جب حملے کی خبر ملی، ہم نے اپنے نائب وزیر اعظم شری رام لال بترہ کو بھارت کے پردھان منتری کے نام ایک خط دے کر بھارت بھیجا۔ مَیں نے بھی ذاتی خط لکھے جن میں مَیں نے انسانی بھائی چارے کی بنا پر مدد کی اپیل کی۔ ہم نے اپنے ایلچی کو الحاق کا ایک خط بھی دیا کہ وُہ اسے بھارت سرکار کے سامنے پیش کرے۔ برطانوی وزیر اعظم سے ہم نے بذریعہ تار رجوع کیا لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ آیا۔ ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر کے دو ہیجان خیز اور پُر آشوب دن گزر گئے لیکن کہیں سے بھی کوئی جواب نہ آیا۔ سرینگر اور ساری ریاست خطرے میں تھی اور ہر شخص اپنی جان بچا کر بھاگ رہا تھا۔ بخشی غلام محمد اور اُن کی پارٹی نے اپنے آدمیوں کے گروہ منظم کئے تھے۔ اور

اُن کے ذمے یہ کام لگایا تھا کہ وہ لوگوں کو ریاست سے بھاگنے سے روکیں۔ وہ محسوس نہیں کر رہے تھے کہ اگر حملہ آور سرینگر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ سب مارے جائیں گے اور ہر چیز تباہ و برباد کر دی جائے گی۔ شیخ محمد عبداللہ ۲۵ اکتوبر کی شام کو چُپ چاپ ایک ہوائی جہاز میں سوار ہو کر دہلی چلا گیا تھا۔ مہاراجہ اور اُن کی مجلس وزراء غور و فکر میں مصروف تھے کہ ہم لوگ آخری وقت پر راجدھانی کو بچانے کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک گھوڑ سوار بٹالین تھی۔ مہاراجہ کا باڈی گارڈ رسالہ اور مُسلمان سپاہیوں کی ایک کمپنی تھی جسے توڑا جا چُکا تھا۔ دوسری طرف پاکستانی حملہ آور بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ اور انہیں پورا یقین تھا کہ وہ ہم سب کو گرفتار کرتے اور ریاست پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس بھارت نہ ہمیں مدد پہنچا رہا تھا اور نہ ہی ہمارے خطوں کا جواب دے رہا تھا۔ ہم نے وہ دن انتہائی فکر و تشویش میں گزارے۔ اور ڈوگرہ بریگیڈیئر، باڈی گارڈ اور پولیس افسروں کی مدد سے جو کچھ دفاعی کارروائی ممکن تھی، اُس کا انتظام کرنے میں لگے رہے۔ بلاشبہ ہم نے لوگوں کو شہر سے نکل جانے کا موقعہ دیا اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگوں کو درہ بانہال کے دوسری طرف پہنچایا۔ دُنیا کی ساری تاریخ میں کھلی ہوئی حملہ آوروں کی اِس سے بدتر مثال ملنا مشکل ہے۔ جیسی کہ پاکستان نے کشمیر کے خلاف کی۔ اُس نے بغیر کسی وجہ جواز کے ایک والیٔ ریاست کے علاقے پر زبردستی قبضہ کرنے کی کوشش کی۔

اِن جارحانہ کارروائیوں کی انتہا اُس وقت ہوئی جب کہ مسٹر جناح نے سرینگر میں عید منانے کا اعلان کیا۔ اور اپنے انگریز کمانڈر انچیف کو حکم دیا کہ وہ پاکستانی فوج کے دو بریگیڈ ریاست میں لے جائے۔ ایک راولپنڈی سے اور ایک سیالکوٹ سے۔ سیالکوٹ سے جانے والے بریگیڈ نے جموں پر قبضہ کرنا اور مہاراجہ صاحب کو پکڑنا تھا۔ دوسرے بریگیڈ کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ سرینگر پہنچے اور اِس بہانے سے شہر پر قبضہ کر لے کہ اُسے قبائلیوں سے بچانا ہے۔ یہ ایک طرح کی پولیس کارروائی تھی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی ڈائری سے یہ بات طے پا چکی ہے اور گورنمنٹ کے پاس اس کے ثبوت موجود ہیں جو اُس وقت مہیا کئے گئے تھے۔ خوش قسمتی سے ریاست بچ گئی۔ کیونکہ ۲۷ اکتوبر کی صبح کو ہندوستانی فوج ہوائی جہازوں سے سرینگر پہنچ گئی اور انگریز کمانڈر انچیف نے نوآبادی کی فوج کو دوسری نوآبادی کی فوج کے خلاف لڑانے سے انکار کر دیا اور استعفیٰ پیش کر دیا۔ مسٹر جناح نے اُسی شام کو اپنا حکم منسوخ کر دیا اور ریاست

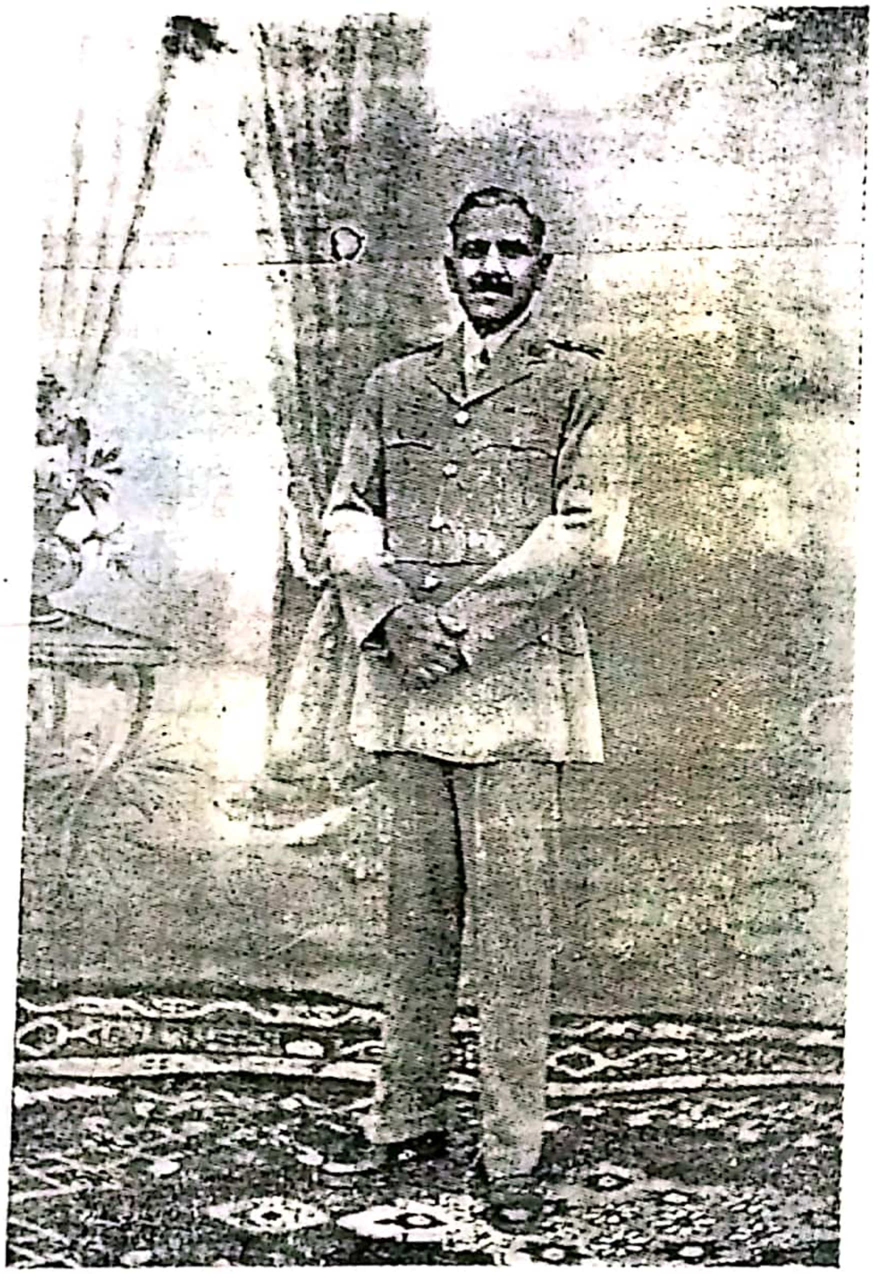

جرنیل راجندر سنگھ

صوبیدار رام سرن داس (ویر چکر)

لفٹننٹ کرنل ملوک سنگھ سلاریہ

Scanned with CamScanner

سے پانچ میل آگے ریاستی فوج کا ملٹری ایڈوائزر کرنیل کشمیر سنگھ کٹوچ (موجودہ جی۔او۔سی) جو پونچھ سے سرینگر کو جا رہا تھا اُن سے ملا۔ اور معلوم ہوا کہ پونچھ میں تو کچھ دیر کے لیے خطرہ ٹل گیا ہے لیکن مظفرآباد دومیل کی طرف کافی گڑبڑ ہے اور دشمن بجلی کی مانند بڑھ رہا ہے۔ راجندر سنگھ رات کے بارہ بجے اُوڑی جا پہنچا۔ وہاں پر ایک ریاستی فوج کی پلٹن لفٹننٹ نصیب سنگھ کی رہنمائی میں لڑ رہی تھی۔ دشمن ساری رات اُوڑی کے سامنے والی پہاڑیوں پر جمع ہوتا رہا۔ اس کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ رات بیت گئی۔ دوسرے دن ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی علی الصباح ہی ڈوگرہ فوجی دومیل سے آگے بڑھے۔ فوجی اس طرح آگے جا رہے تھے کہ سب سے آگے والے ٹرک پر کیپٹن پرتھوی سنگھ کے پندرہ سپاہی تھے۔ دوسرے ٹرک پر خود جرنیل راجندر سنگھ اپنے ساتھ چند فوجی لئے تھا۔ اور اسی طور اُن کے کل سات ٹرک تھے جن میں چھٹے ٹرک پر وائرلیس سیٹ تھا۔ جب یہ فوجی اُوڑی سے دس گیارہ میل کی دوری پر پہنچے تو بے شمار لوگ دومیل کی طرف سے گھبرا کر بھاگے چلے آ رہے تھے۔ پتہ چلا کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ لوٹ مار ہو رہی ہے۔ مردوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور عورتوں کی بے عزتی ہو رہی ہے۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ دشمن بستیوں کو آگ لگاتا چلا آ رہا ہے اور راستہ میں جو بھی ملتا ہے قتل کر دیا جاتا ہے۔

راجندر سنگھ نے سب کا حوصلہ بندھایا اور اپنے فوجیوں کو آگے بڑھنے کا حکم سنایا کہ جب تک ہماری جان میں جان ہے، یہاں اُنکا چارہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے موقعے بہادروں کو بار بار نہیں ملا کرتے۔ چلو دیکھو۔ آج کس کے ماتھے پر امرشہید لکھا جاتا ہے۔ یاد رکھو تم ڈوگرہ بہادر ہو۔ اور تم میں سے ایک ایک فوجی کو سینکڑوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

جرنیل نے اپنا ٹرک سب سے آگے کر لیا اور بڑی تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ گڑھی سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہی دشمن سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ دشمن صرف چار سو گز دُور تھا۔ جرنیل نے سب کو اپنی اپنی پوزیشن سنبھالنے کا حکم دیا۔ اُس وقت گڑھی سے بچ کر آئے ہوئے دو سپاہی زخمی حالت میں اُس کے پاس پہنچے اور بتایا کہ "مورچہ پر ہماری لورنٹ کشمیر انفنٹری کے مسلم فوجی دشمن سے جا ملے ہیں اور ہمارے خلاف گولہ باری کر رہے ہیں۔"

جرنیل راجندر سنگھ نے با آواز بلند اپنے فوجیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "یہاں تک آ کر اب پیچھے لوٹنا مردوں کا کام نہیں ہے۔ یہاں ہمیں اپنا فرض پورا کرنا ہے۔ یہ نہیں سوچنا کہ تم دشمن

سکے سامنے تھوڑے ہیں یا زیادہ۔ ہم سے جو کچھ ہو سکتا ہے کریں گے۔ اور ایشور کو منظور ہوا تو ہماری فتح ہو گی"۔

دشمن کے ٹرکوں کی قطاریں سڑک پر دکھائی دینے لگیں جن میں ہزاروں مسلح قبائلی سوار تھے۔ آمنے سامنے گولہ باری شروع ہو گئی۔ ٹرکوں کے علاوہ اُس پار کی پہاڑیوں سے بھی گولیاں برس رہی تھیں اور ریاستی فوج کے غدار مسلم فوجی ہی انہیں سب کچھ سمجھا رہے تھے۔ بریگیڈیئر راجندر سنگھ کی سرکردگی میں سو ڈیڑھ سو کے قریب فوجی جوان اپنی جانبازی کے کارنامے دکھانے لگے۔ جو بھی سامنے آیا وہیں ڈھیر کر دیا اور دشمن بھاگنے لگا۔ دشمن کے بیسیوں ٹرک ڈوگرہ فوجیوں کے ہاتھ آ گئے جن میں کافی اسلحہ اور بارود تھا۔ لیکن ریاست کے غدار فوجیوں نے دشمن کو حوصلہ دیا کہ بھاگنا ٹھیک نہیں۔ مقابلہ میں پیچھے بہت کم فوج ہے۔ جو کچھ بھی ہے یہی کچھ سامنے ہے۔ اس لئے ذرا ڈٹ جاؤ۔ پھر دونوں طرف سے گولہ باری زور سے ہونے لگی۔ جنرل راجندر سنگھ خود ہی ہر مورچہ پر جا کر حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس کے فوجیوں نے اپنے کسی فوجی کی جان گنوائے بغیر دشمن کے سینکڑوں فوجی ختم کر دئے۔ اور قبائلی لٹیروں کو یقین ہونے لگا کہ اب وہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ حالت یہ ہوئی کہ قبائلیوں کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ اتنے میں دشمنوں کی مزید سپاہ پہاڑیوں سے اُتر آئی۔ اور ہزاروں کی تعداد میں ہو کر دشمن گنتی کے ڈوگرہ فوجیوں پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن جرنیل راجندر سنگھ اپنے فوجیوں کے ساتھ سارا دن اپنے قدموں پر کھڑے دشمن کے دانت کھٹے کرتا رہا۔ اور غنیم کو وہاں ہی روکے رکھا۔ اُدھر ہزارہا قبائلیوں کے ساتھ جدید اسلحہ سے لیس فوجی تھے۔ ادھر صرف بیس پچیس ڈوگرہ سپاہی جنرل راجندر سنگھ کی کمان میں جان پر کھیل رہے تھے۔ بارود ختم ہو گیا تھا۔ راشن بھی بالکل نہ تھا۔ سڑکیں دشمن نے کھود دی تھیں اور یہ آگے پیچھے سے گھر چکے تھے۔ وہ ایک دن اور ایک رات ایک مندر کی اوٹ میں سے دشمن کو ناکوں چنے چبواتے رہے۔ اور تیسرے دن انہوں نے ایک پہاڑی کی اوٹ میں مورچہ لگا کر دشمن کو بارہ مولہ کی طرف بڑھنے سے روکے رکھا۔ اپنی طاقت سے بھی زیادہ ذرائع سے کمال بہادری اور ہوشیاری کے ساتھ انہوں نے قبائلیوں کو ایک قدم بھی آگے نہ آنے دیا۔ مگر دشمن کا دباؤ بڑھتا گیا اور بہادر جرنیل راجندر سنگھ نے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ وہ جیپ کار کو خود ڈرائیو کرتے ہوئے جوانوں کا حوصلہ بڑھا رہا تھا کہ دشمن اور غدار فوجیوں نے سڑک پر نیچے کی طرف بیشمار

Scanned with CamScanner

درخت کاٹ کر پھینک دیئے۔ خندقیں کھود دیں اور پتھروں کا ڈھیر لگا کر راستہ روک دیا۔ ڈوگرہ جرنیل جیپ کار سے اُتر کر خود پتھر ہٹانے لگا تو دشمن نے نشانہ لگایا اور گولی پنڈلی کے نیچے آ لگی۔ مگر جرنیل نے اس کی پرواہ نہ کی اور پتھر ہٹا کر پھر جیپ ڈرائیو کرنے لگا۔ آگے پھر وہی حالت تھی۔ وہ پھر جیپ سے اُتر کر راستہ صاف کرنے لگا۔ دشمن نے فائر کیا جس سے جرنیل کی دونوں ٹانگیں چھلنی ہو گئیں۔ لیکن خون سے لت پت ہونے پر بھی پھر جیپ سنبھال لی۔ دشمن نے جیپ کو بھی ناقابلِ رفتار کر دیا۔ کوئی ڈاکٹری امداد بھی نہ تھی۔ بریگیڈیئر راجندر سنگھ نے پھر اپنے فوجیوں کو للکارا کہ لگاتار فائر کرتے جاؤ۔ ہمت نہ چھوڑو۔ اس موقعہ پر ایک سکھ لیفٹننٹ نے اُس کو کندھے پر اُٹھانے کی کوشش کی۔ مگر اُس نے کہا "مجھے یہیں پڑا رہنے دو۔ میرا پستول نکال کر میرے ہاتھ میں دے دو۔" واہ رے ڈوگرہ شیر! اُس وقت جو بھی دشمن اُس کے سامنے آیا، زندہ نہ جا سکا۔ جب تک اُس کی جان میں جان رہی، مرتے دم تک اپنے پستول کو لوڈ کر کے فائر کرتا رہا۔

جنرل راجندر سنگھ نے تین دن تک قبائلیوں کو بارہ مولہ سے پرے روکے رکھا۔ اور یہی دن کشمیر کے اتہاس میں بے حد نازک اور مشکل کے تھے۔ اگر ان دنوں قبائلی کچھ بھی آگے بڑھ جاتے تو ہندوستانی فوج سرینگر میں اُتر نہ سکتی تھی۔ بریگیڈیئر راجندر سنگھ نے اُس وقت اور اُس لمحہ اپنی آہوتی دی جب مہاراجہ ہری سنگھ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے مابین ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر میں امداد بھیجنے کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ ڈوگرہ جرنیل نے کشمیر کو بچا لیا اور اُسے پھر سے بھارت کی گود میں دے دیا۔ جب تک یہ جہان قائم ہے اور سورج اور چاند اپنے اصولوں پر طلوع اور غروب ہوتے رہیں گے، سنسار میں ڈوگرہ جرنیل راجندر سنگھ کا نام امر رہے گا۔ اور اس امر کہانی کی تصدیق بھارت سرکار نے ڈوگرہ شہید کے وارثان کو اُس کی جانبازی کے صلہ میں مہاویر چکر عطا کر کے کی۔

آندھیاں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔ گھٹائیں چھا چھا کر بکھر جاتی ہیں۔ سورج کے ڈوب جانے کے بعد سارا جگت اندھیرے کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ لیکن سنسار ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔ رات کو ہم اپنا گھر، آنگن اور اپنا نگر جیسا چھوڑ کر سوتے ہیں صبح کو جاگنے پر ویسا ہی اُسے پاتے ہیں۔ کامیاب لوگ وہی ہیں جو ان آندھیوں، طوفانوں اور اندھکاروں سے گھبراتے نہیں اور اپنے راستہ پر بے خوف و خطر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

انہیں اپنے آپ کا علم ہوتا ہے۔ وُہ جانتے ہیں کہ طوفان میں ہم تنکے کا سہارا لینے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم خود ایک طوفان ہیں کہ جو طوفان سیلابوں کو تنکے کی مانند اپنے ساتھ بہالے جاتے ہیں۔ جب بارش، آندھی اور برف باری کے باوجود سورج مقررہ وقت پر طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ جب چاند اور ستارے کسی بڑے سے بڑے بھونچال اور طوفان میں بھی اپنے اصولوں کو نہیں چھوڑتے۔ تو ایک اٹل ارادوں والا انسان اپنے اوصاف خودداری اور جانبازی سے رُوگرداں ہوکر کیسے پسپا ہو سکتا ہے؟ اور ایسا زبردست انسان اس بیسویں صدی میں آپ کوئی دیکھ سکتے ہیں تو وُہ ہے ڈوگرہ جرنیل راجندر سنگھ۔ جس نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں اپنی مادرِ وطن کی حفاظت کے لئے قبائلیوں کے بے پناہ لشکر کو اپنے زورِ بازو سے روکے رکھا۔ اور جب تک ایک بھی سپاہی اور ایک بھی کارتوس اُس کے پاس رہا دشمن کو ایک قدم آگے نہ بڑھنے دیا۔

تو یہ اُس جانباز کی امر کہانی ہے جو ڈوگرہ جاتی سے سمبندھ رکھتا ہے اور ایسی سرزمین کا مایۂ ناز سپوت ہے جہاں مہاراجہ گلاب سنگھ ایسے سیاست دان پیدا ہوئے۔ جہاں زورآور سنگھ ایسے فاتح لداخ۔ اور گلگت و چترال پر اپنا پرچم لہرانے والے ہوشیار سنگھ اور باج سنگھ ایسے جرنیلوں نے جنم لیا۔ جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر بھارت کی سرحدوں کو انتہائی شمال مغربی کونہ پر پہنچایا۔ اور چترال اور تبت کے علاقے زیرِ نگیں کر لئے۔ ڈوگروں کو اس بات پر بجا طور سے فخر ہے کہ اگر ریاست جموں و کشمیر کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے قائم کرکے دُنیا بھر میں اپنا نام پیدا کیا تھا تو ریاست کو پھر سے برگیڈیئر راجندر سنگھ نے اپنے پرانوں کی آہوتی دے کر بھارت میں ملا دیا۔

آخری سپاہی اور آخری کارتوس۔ مہاراجہ بہادر کا پیغام

۳ر نومبر کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاستی فوج اور رعایا کے نام پیغام جاری کرتے ہوئے کہا کہ اس مشترکہ مصیبت اور بدقسمتی کے وقت ہم اپنی فوجوں اور رعایا کو پُر اُمید اور بلند حوصلہ رہنے کے لئے کہیں گے۔ جب ہم اپنے مُلک کی حدود میں دشمن کے ہاتھوں بچوں، عورتوں اور مردوں کے بے رحمانہ قتل عام قصبوں اور دیہات کے نذرِ آتش ہونے کے متعلق سُنتے ہیں تو ہمارے دِل سے خون ٹپکنے لگتا ہے۔ ہم ہر مصیبت زدہ اور ہر مظلوم کے ساتھ دِلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم ہر

شخص کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہر نقصان کا معاوضہ دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جائے گا۔ کیونکہ خود معاوضہ دینا یا نقصان کرنے والوں سے دلانا ہمارے اختیار کی بات ہے۔ آؤ ہم اس بدقسمتی کے زمانہ میں بہادری اور اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاکر لڑیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ امتحان کی ان گھڑیوں میں تمام رعایا ہمارے ساتھ ہے۔ اپنے فوجی افسروں اور سپاہیوں سے ہم یہ کہیں گے کہ انہوں نے ڈوگروں کی عزت کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ دوبالا کیا ہے۔ اور یہ اُس ناوفادار عنصر کی غداری کے باوجود ہوا ہے جو ریاستی افواج کو چھوڑ کر دشمن کے ساتھ جا ملا تھا۔ جو سپاہی اور افسر مر گئے ہیں، انہوں نے اپنی جانیں ملک پر بلا اشتعال کیے گئے حملہ کے خلاف لڑتے ہوئے دی ہیں جس بہادرانہ طریقے پر فوجیوں کے چھوٹے چھوٹے گروپوں نے اپنے جانباز لیڈروں کی سرکردگی میں لڑائی کی ہے۔ اور اپنے مورچوں پر ڈٹے رہنے کے علاوہ حملہ آوروں کے بڑے بڑے گروپوں کو پیچھے ہٹا دیا ہے۔ اس پر ہمارا دل بجا طور پر فخر کے جذبہ سے سرشار ہو اُٹھتا ہے۔ ان میں سے ہم فرض شناسی کے اس اعلےٰ جذبہ کی قدر کرتے ہیں جس کا اظہار بریگیڈیئر راجندر سنگھ اور اُن کے بہادر ساتھیوں نے کیا۔ جو آخری سپاہی اور آخری کارتوس کی موجودگی تک لڑتے رہے۔ وُہ لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور تاریخ میں اُن کا نام سُنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ انہوں نے گڑھی اور رام پور کے درمیان اور بارہ مولہ کی بہادرانہ حفاظت کے لئے لڑتے ہوئے پانچ روز تک دشمن کی پیش قدمی کو روکے رکھا۔ ہم اپنے شہید سپاہیوں اور افسروں کے خاندانوں کی پرورش کے لئے جو کچھ بھی ہم سے بن پڑے گا کریں گے۔ جو سپاہی زخمی ہوئے ہیں، انہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انہوں نے اپنے حکمران اور ملک کے لئے جنگ کی ہے۔ ہم اس امر کے قائل ہیں کہ ہر ایک ڈوگرہ اور ریاست جموں و کشمیر کی رعایا کا ہر فرد ڈوگرہ فوج کی بہادری پر فخر کر سکتا ہے۔ اس مختصر سی فوج نے مظفر آباد سے لے کر کٹھوعہ کی سرحد تک ڈیڑھ مہینہ کا عرصہ دشمن کو مصروف رکھا۔ اس فوج کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ہم اپنی تمام رعایا سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وُہ اپنے ملک کے خلاف اس جارحانہ حملے کا جواب دیں گے۔ اور اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ ایک بھی حملہ آور ریاست کی حدود میں موجود ہے ہماری یہ صدق دلانہ خواہش تھی کہ ریاست میں پاپولر گورنمنٹ قائم کریں۔ ہم نے اپنا وعدہ

پورا کر دیا ہے اور بہت جلد پاپولر گورنمنٹ قائم ہو جائے گی۔ ہم نئی عبوری گورنمنٹ کا حاکم اعلیٰ بھی مقرر کر دیا ہے۔ ہم گورنمنٹ آف انڈیا کے ممنون ہیں کہ اُس نے اس طوالت کے زمانہ میں ہماری امداد کی ہے۔ اور ہم اُن شہزادگان کے بھی ممنون ہیں جنہوں نے ہمیں امداد پیش کی ہے۔

(دستخط) ہری سنگھ مہاراجہ

مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے الحاق کی درخواست

مہاراجہ بہادر نے ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل انڈیا کے نام ریاست کے انڈین یونین میں شامل ہونے کے متعلق حسب ذیل خط لکھا:-

" مائی ڈیئر لارڈ ماؤنٹ بیٹن۔

" میں یوئر ایکسیلنسی کو مطلع کرتا ہوں کہ میری ریاست کے اندر نہایت خطرناک حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لئے فوری امداد کی درخواست کرتا ہوں۔ جیسا کہ یوئر ایکسیلنسی کو علم ہے، ریاست جموں و کشمیر نے انڈیا یا پاکستان میں سے کسی ڈومینین میں شمولیت نہیں کی جغرافیائی لحاظ سے میری ریاست دونوں ڈومینیوں کے بیچ میں ہے۔ دونوں کے ساتھ اس کے اقتصادی اور کلچرل تعلقات بہت گہرے ہیں۔ اور اس کی حدود روس اور چین کے ساتھ ملتی ہیں۔ یہ ایک ایسی اہم بات ہے جسے پاکستان اور انڈیا غیر ملکی معاملات کے پیش نظر نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میں چاہتا تھا کہ غور و خوض کے لئے مجھے کچھ وقت مل جاتا تاکہ میں فیصلہ کر سکتا کہ کس یونین کے ساتھ ریاست کے الحاق کر لینے میں بہتری ہے یا دونوں ڈومینیوں اور میری ریاست کی بھلائی اسی میں ہے کہ دونوں ڈومینیوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھتے ہوئے خود مختار رہے۔"

" پس میں نے دونوں ڈومینیوں سے مل کر اپنی ریاست کے ساتھ سٹینڈسٹل (جوں کا توں) معاہدہ کے لئے بات چیت کی۔ پاکستان ڈومینین نے اس تجویز کو مان لیا۔ انڈین ڈومینین نے میری حکومت کے نمائندگان سے مزید گفت و شنید کرنا چاہی لیکن بعد کے واقعات کی وجہ سے جن کا ذکر نیچے کیا جاتا ہے، میں ایسا نہ کر سکا۔ پاکستان گورنمنٹ اس وقت تک اسی سٹینڈسٹل معاہدہ کی رُو سے ریاست کے اندر ڈاک اور تار کا انتظام کئے ہوئے ہے۔"

"گو ہمارے اور پاکستان گورنمنٹ کے مابین سٹینڈ سٹل معاہدہ ہو چکا تھا۔ لیکن انہوں نے خوراک، نمک، پٹرول جیسی ضروری اشیاء کی سپلائی نہ کرکے ہماری ریاست کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔"

"آفریدی۔ سادہ کپڑوں میں ملبوس فوجی سپاہی اور غنڈے جدید ترین اسلحہ جات سے ہتھیار بند ہو کر پہلے علاقہ پونچھ میں، اس کے بعد علاقہ ملحقہ سیالکوٹ اور پھر بھاری کثرت میں ضلع ہزارہ کی طرف سے رام کوٹ کے راستہ ریاست پر حملہ آور ہوئے۔ اس حملہ کو روکنے کے لئے ہمیں ریاست کی محدود سے چند فوجیں سرحد کی مختلف جگہوں میں یکدم بکھیر کر بیک وقت دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مگر اس سے مال اور جان اور لوٹ کھسوٹ کو روکا نہ جا سکا۔ مہورہ کا بجلی گھر، جہاں سے سارے شہر سرینگر کو بجلی مہیا ہوتی ہے، جلا دیا گیا ہے۔ عورتوں کو بھاری تعداد میں اغوا کیا گیا اور اُن کی بے حرمتی کی گئی۔ ان کی حالت کو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون بہتا ہے۔ اس طرح تمام ریاست کو اپنے پاؤں تلے روندنے کی غرض سے وحشی درندوں کا بے قابو لشکر حکومت کے گرمائی دارالخلافہ سرینگر کی طرف بڑھ رہا ہے۔"

"صوبہ سرحد کے دُور افتادہ علاقوں سے آئے ہوئے قبائلیوں کا جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہو کر موٹر ٹرکوں میں لگاتار آنا اور مانسہرہ، مظفر آباد سڑک کا استعمال کرنا یہ ایسی باتیں جو غالباً شمال مغربی سرحدی صوبہ کی گورنمنٹ اور پاکستان گورنمنٹ کے علم کے بغیر نہیں ہو سکتیں۔ باوجود میری حکومت کے بار بار اپیل کرنے کے ان حملہ آوروں کو روکنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ پاکستان ریڈیو اور پاکستان پریس کی ان واقعات کے متعلق رپورٹ ثابت کرتی ہے کہ یہ حکومتیں ان واقعات سے لاعلم نہیں ہیں۔ پاکستان ریڈیو نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ کشمیر میں ایک عارضی حکومت قائم کر دی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میری ہندو اور مسلمان رعایا نے اس یورش میں بالکل کوئی حصہ نہیں لیا۔ ان حالات کے پیش نظر جبکہ میری ریاست میں رُونما ہوئے ہیں، اور اس عظیم خطرہ کے جو کہ سامنے نظر آ رہا ہے، اب ایک ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ میرے پاس سوائے انڈین یونین کی مدد حاصل کرنے کے کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔ اور جب تک میری ریاست انڈین یونین میں شامل نہ ہو، اسے اُس کی امداد نہیں مل سکتی۔ اس لئے میں نے شمولیت کا فیصلہ کر لیا ہے۔

اور شمولیت نامہ آپ کی حکومت کی منظوری کے لئے ارسال ہے۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ ریاست کو لٹیروں کے رحم پر چھوڑ دیا جائے۔ ایسی حالت میں کوئی مہذب گورنمنٹ نہ تو قائم رہ سکتی ہے اور نہ قائم رکھی جا سکتی ہے۔ جب تک میرے اندر اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے جان باقی ہے، میں یہ آخری قسم کی صورت پیدا نہ ہونے دوں گا۔ میں یور ایکسیلینسی کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ میرا یہ ارادہ ہے کہ فوراً ہی عبوری حکومت قائم کر دوں اور شیخ عبداللہ کو اس کی ترتیب کے لئے دعوت دوں تاکہ وہ میرے پرائم منسٹر سے مل کر اس خطرہ کے وقت ہی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ اگر میری ریاست کی حفاظت اور بچاؤ مطلوب ہو تو سرینگر میں فوراً امداد پہنچنی چاہیئے۔ مسٹر مینن حالات کی سنجیدگی سے بخوبی واقف ہیں۔ اور مزید جو دریافت کرنا چاہیں، اُن سے کر سکتے ہیں۔"

بہترین دعاؤں کے ساتھ جلدی میں

آپ کا صادق

ہری سنگھ

لارڈ مونٹ بیٹن کا جواب

گورنمنٹ ہاؤس۔ نئی دہلی۔ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

مائی ڈیئر مہاراجہ صاحب

یور ہائینس کا مراسلہ مورخہ ۲۶ر اکتوبر بدست مسٹر وی۔ پی مینن موصول ہوا۔ ان خاص حالات میں جن کا ذکر یور ہائینس نے کیا ہے، ریاست کشمیر کا انڈین یونین میں الحاق کیا جانا میری حکومت نے منظور کر لیا ہے۔ میری گورنمنٹ کی پالیسی کہ جہاں کسی ریاست کا کسی ڈومینین میں شامل ہونا باعث تنازعہ ہو، اس کا فیصلہ وہاں کی رعایا کی مرضی کے مطابق ہو۔ اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے میری گورنمنٹ کی خواہش ہے کہ جونہی کشمیر میں امن بحال ہو جاتا ہے اور اس کی سرزمین حملہ آوروں سے خالی ہو جاتی ہے، ریاست کا کسی ڈومینین میں شامل ہونے کا مسئلہ رعایا کے استصواب رائے سے حل کر لیا جائے۔

سر دست یور ہائینس کی فوجی امداد حاصل کرنے کی اپیل کی تعمیل میں احکام جاری کر دیئے گئے ہیں کہ فوراً ہندی فوج کشمیر میں بھیجی جائے تاکہ وہ آپ کی فوجوں کو حملہ آوروں

سے ملک کو بچانے اور رعایا کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کرنے میں امداد دیں میں اور میری حکومت یہ معلوم کر کے مطمئن ہوئے ہیں کہ یور ہائینس نے شیخ عبداللہ کو آپ کے پرائم منسٹر کی مدد سے حکومت کی تشکیل دینے کی دعوت دی ہے۔

بہترین دعاؤں کے ساتھ

آپ کا خیر اندیش

مونٹ بیٹن آف برما

شیخ عبداللہ ہیڈ آف دی ایڈمنسٹریشن کے عہدہ پر

مہاراجہ بہادر ہری سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق ہندوستان سے کر کے جو پہلا حکم جاری کیا، وہ شیخ محمد عبداللہ کو ہیڈ آف دی ایڈمنسٹریشن کا عہدہ سپرد کرنے کا تھا۔ چنانچہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ بہادر نے عارضی حکومت کی ترتیب تک باہمی فیصلہ اور ضرورت وقت کے پیش نظر شیخ محمد عبداللہ کو ریاست جموں و کشمیر کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا۔ اور ہنگامی حالات کی صورت میں کلی اختیارات ایڈمنسٹریشن چلانے کے سونپ دیئے۔ شیخ عبداللہ نے وزیر اعظم کے کمرہ میں آنریبل چیف جسٹس کے سامنے حلف وفاداری لیا۔ اور کمرہ میں موجود تمام چھوٹے بڑے ملازموں اور سرکردہ ہستیوں سے مصافحہ کیا۔ اور ریاست جموں و کشمیر کی ایڈمنسٹریشن کا قلمدان اختیارات سنبھالتے ہوئے حسب ذیل بیان دیا۔

"میں اس عظیم اور مبارک موقعہ پر ریاست کے ہر حصہ کے اپنے تمام ہموطنوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔ ہم اب آزاد ہیں۔ اور ہم نے تہیہ کیا ہے کہ یہ آزادی مستحکم ثابت ہوگی۔ اور زیادہ آسودہ خاطر بن کر تمام لوگ اس میں شریک ہوں گے موجودہ نازک حالت میں جبکہ آزادی کی پوری تصویر لوگوں کے سامنے نہیں ہے، میں تمام دوستوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنے اختلافات ختم کریں اور مباحثات کی تفصیلات میں نہ الجھیں۔ اور قوم کی رائے کو وزن دار۔ وضع دار اور طاقت ور بنائیں جس کا فوری نفاذ اور بااثر ہونا ہماری توقعات سے پہلے ہی لازمی ہے۔ جو اختیارات میری طرف منتقل ہوئے ہیں، وہ اس ملک کے ایک ادنیٰ ترین فرد کی طرف بھی منتقل ہوئے ہیں۔ اور ان کو تمام لوگوں کے لئے استعمال کیا جائے گا تاکہ اس استحصال ناجائز کا خاتمہ ہو جو ایک شخص دوسرے شخص کی محنت کا کرتا آیا ہے۔ اور ساری بے انصافی

Scanned with CamScanner

بے جا لحاظ داری اور کنبہ پروری بنا ہو جائے۔"

"نیشنل کانفرنس کے ممبر۔ نیشنل کانفرنس کے ممبروں کو جنہوں نے گذشتہ ستو سال بڑی محنت سے کام کیا اور تکلیفیں برداشت کیں۔ میں اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اُنہیں یقین دلاتا ہوں کہ جب تک ہمارے خوابوں کا نیا کشمیر تکمیل پذیر نہ ہو گا۔ میں برابر ایک رفیق کی حیثیت سے کام کرتا رہوں گا۔ میں مہاراجہ بہادر کو بھی اُن کے اس وطن دوستانہ انتخاب کے لئے داد دیتا ہوں جو اُنہوں نے عین وقت پر عمل میں لایا۔ اور جس کی رُو سے اُنہوں نے تمام اقتدار و اختیار کو کسی دُوسری بڑی طاقت کی ماتحتی قبول کرنے یا تمام اختیارات کو صرف اپنے تک مرکوز بنانے کی نسبت لوگوں کو اس کا شریک بنایا۔ اُن تمام اشخاص سے جنہوں نے ہمارے ساتھ اختلاف کیا ہو، میں یہی کہوں گا کہ ہم ایک ہی مادرِ وطن کے فرزند ہیں۔ آؤ ہم ایک دُوسرے کے دوست بن جائیں۔ اور دُشمنی ترک کر دیں۔ ہمیں ایک دُوسرے کا دشمن نہیں ہونا چاہیئے۔ آؤ ہم ماضی کے واقعات بُھول جائیں اور ایک دُوسرے کے ساتھ عفو و درگذر سے کام لیں اور بھائیوں کی طرح پُرامن طور پر اختلافات کو ختم کر ڈالیں۔ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔ ہمارا یہ سارا وقت جنگ آزادی میں صرف ہوُا۔ اور آزادی آج ہمیں حاصل ہوئی ہے۔ ہم نے یہ جنگ مسئلہ الحاق کے لئے نہیں لڑی جو اس مُلک کے باشندوں کی آزادانہ اظہارِ رائے سے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔"

"ہمارا فرض۔ آزادی ذمہ داریوں اور فرائض کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ آزمائشوں اور مصائب کا دَور شروع ہوتا ہے۔ ہم سب پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اِن مصائب اور آزمائشوں کا مقابلہ مردانہ وار آزاد لوگوں کی طرح کریں۔"

"میں اس مُشکل مرحلہ پر اس وطن کے تمام باشندوں کو دعوت دیتا ہُوں کہ وُہ ہماری امداد کریں۔ اور دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے اُس کو مار بھگائیں جس نے متشدّدانہ حرکات، آتشزنی کے اقدامات اور قتل و غارت سے اپنے آپ کو انسانیت اور ہمارے اس وطن کا دشمن اور لٹیرا ثابت کر دیا ہے۔"

"ہندوستان سے امداد۔ پاکستان اور ہندوستان کے تمام آزادی خواہ لوگوں کو بھی میں اس موقعہ پر مُبارکباد بھیجتا ہُوں۔ ہم اُن کی نیک خواہشات اور تائید و حمایت کے

طلبگار ہیں تاکہ ہم اپنی آزادی کو مستحکم بنا سکیں۔ اور اپنے عزیز وطن کی حدود سے اس تشدد پسند حملہ آور کو باہر نکال سکیں جس کے حملہ سے ہماری قوم کے سامنے ایک ایسی نازک صورت حالات پیدا ہو گئی ہے۔ اور جس نے مہاراجہ بہادر کو مسئلہ الحاق پر جلدی سے فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ تاکہ ریاست کو حکومت ہند سے بروقت امداد حاصل ہو۔ میں اپنے تمام رفقاء اور ہم وطنوں کی طرف سے اس امداد کے لئے اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور انہیں اس فیاضانہ اور جمہوریانہ طرز عمل پر خراج تحسین ادا کرتا ہوں جس کا اظہار انہوں نے کیا۔ میں اس بات سے تمام دُنیا کو اور بالخصوص پاکستان حکومت اور اُس کے باشندوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ الحاق کے مسودہ کو آخری بار قبول کرنے کے لئے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ جب دشمن وطن سے باہر نکالا جائے گا اور امن و امان قائم ہو جائے گا اور ہمارے لوگ حقیقتاً آزاد ہوں گے تو انہیں یہ موقعہ دیا جائے گا کہ وہ کسی ڈومینین کے ساتھ ملحق ہونے یا آزاد رہنے کی نسبت اپنی رائے کا اظہار کسی اندرونی یا بیرونی جور و جبر یا دباؤ کے بغیر آزادانہ طریقہ پر کریں۔ الحاق سے پہلے حصول آزادی ہمارا نعرہ اور پالیسی رہی ہے۔ اور اُس پر ہم اب بھی قائم ہیں۔ یہ استصواب رائے عامہ کس صورت میں اور کن حالات میں عمل میں آئے گا، اس کا فیصلہ بعد میں کیا جا سکتا ہے۔ حملہ آوروں نے جو طریق کار اختیار کر رکھا ہے اور جس کا مقصد ہمیں دبانا اور مجبور کرنا ہے، قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ باعزت طریقہ نہیں ہے۔ ہم اس طریق کی مزاحمت پوری طاقت کے ساتھ آخری دم تک کریں گے۔ اور ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اس لئے میں مسٹر جناح سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری ریاست میں عوامی سرداری کے جمہوری اصُول کو تسلیم کریں۔ جس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۷۸ فی صد ہے۔ جن کا آزادانہ اظہار رائے مسئلہ الحاق کے حتمی فیصلہ میں بڑی بھاری وقعت رکھتا ہے۔ میں اُن سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ حملہ آور کو واپس جانے کے لئے اپنا اثر و رسوخ اور اختیارات کام میں لائیں۔ اگر وہ چاہتے ہوں تو میں کراچی جانے کے لئے آمادہ ہوں"۔

"سرکاری ملازم۔ سرکاری ملازموں سے میں یہی کہوں گا کہ میں آپ میں سے ہر ایک سے یہی توقع رکھتا ہوں کہ آپ لوگوں کی اچھی طرح خدمت کریں اور اپنا فرض ادا کریں۔ جب تک آپ دیانتداری، بے باکی اور وفاداری سے اپنے فرائض انجام دیتے رہیں گے۔

آپ کو کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہیئے۔ اس مشکل دور میں بھی ہمیں ہر حالت میں رسول ایڈمنسٹریشن کو چالو رکھنا چاہیئے۔"

"اختتام پر مَیں ریاست سے باہر اور اندر کے تمام لوگوں پر واضح کرنا چاہتا ہُوں کہ ہم نے اپنے وطن کو لُٹیروں کی اُس تباہی و بربادی سے ملحوظ رکھنے کا تہیہ کر لیا ہے جو اُنہوں نے اپنے پیچھے پھیلا رکھی ہے۔ اور اپنی ساری قوت اِس مقصد یعنی مُلک کے بچاؤ کے لئے وقف کر دیں گے"۔

"اُن تمام علاقوں کے ہموطنوں سے جو دشمن کے نرغہ میں آئے ہیں اور جو اِس وقت مصیبت اور ذلت برداشت کرنے پر مجبور ہیں، نیز اُن سے بھی جو اپنے خویش و اقارب سے ہاتھ دھو بیٹھے اور جن کا مال و اسباب لُوٹا گیا یا تباہ و برباد کیا گیا۔ مَیں اُنہیں یہ اُمید افزاء پیغام دیتا ہُوں اور اُنہیں یہ یقین دلاتا ہُوں کہ اِس مُلک کا ایک ایک انچ حملہ آور دشمنوں سے پاک و صاف کیا جائے گا۔ اور جونہی حالات اجازت دیں گے، اُن کی دوبارہ لُوٹ و پاٹ کا انتظام کیا جائے گا۔ اِس لئے آپ آئیں اور لیٹروں کو پیچھے دھکیلنے کے شاندار کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں جنہیں کسی بھی قیمت پر آگے نہیں آنے دیا جائے گا۔ اور نیا کشمیر کی تعمیر کے نام پر ہم سب اپنے مشترکہ خطرہ کے پیش نظر تمام دیرینہ اختلافات بھول کر ایک ہو جائیں گے اور خوشی کی زندگی بسر کریں گے"۔

نیشنل کانفرنس کی شاندار کارکردگی

کشمیر پر پاکستانی حملہ ہونے کے فوراً بعد ہی وادیٔ کشمیر میں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں نے مُلک کو دشمن کے حملہ سے بچانے اور ہندو مُسلم سکھ اتحاد قائم رکھنے کے متعلق جو شاندار کام کیا، اُس کی نظیر ملنا مُشکل ہے۔ جب دشمن نے مظفر آباد پر حملہ کیا تو نیشنل کانفرنس کے ہزاروں رضاکار سرینگر کے گلی کوچوں میں ہندو مُسلم سکھ اتحاد زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے نکل پڑے۔ حملہ کے دُوسرے روز جب مہورہ پاور ہاؤس سے بجلی بند ہوگئی تو سرینگر میں خوف و ہراس پھیل گیا اور ہر ہندو اور سکھ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگا۔ اِسی افراتفری میں کئی لوگ اُسی رات دو ہزار سے پانچ ہزار روپیہ فی لاری کا کرایہ ادا کر کے سرینگر سے نکل گئے۔ شیخ محمد عبد اللہ اُس وقت دہلی میں تھا اور بھارت سے فوجی امداد حاصل کرنے میں مصروف تھا۔ تو سرینگر میں شیخ کے دستِ راست

بخشی غلام محمد نے شہر سرینگر اور مضافات میں امن قائم رکھنے کے لئے والنٹیروں کو آرگنائز کرنا شروع کر دیا۔ نیشنل کانفرنس کی حفاظتی فوج میں ہندو مسلم سکھ نوجوان شامل تھے۔ اور یہ فوج دن رات شہر میں جا بجا پہرہ دیتی تھی تاکہ شرارتی عنصر جو دشمن کے ساتھ ملا ہوا تھا کوئی شرارت نہ کر سکے۔ اس حفاظتی فوج کے شاندار کام کی وجہ سے سرینگر میں ہر شخص اپنے کو محفوظ سمجھنے لگ گیا۔ سرینگر میں پناہ گزینوں کی رہائش کے لئے بہت سے کیمپ کھلے تھے جہاں مظفر آباد۔ اوڑی۔ بارہ مولہ وغیرہ کی طرف سے آئے ہوئے لوگ مقیم تھے نیشنل کانفرنس کے کارکنوں نے ہر خطرہ کے مقام سے ہندو مسلم اور سکھوں کو نکال لانے کے لئے کافی امداد بھیجی۔ ریاست میں باہر سے آئے ہوئے ہندو سکھ شرنارتھیوں کو ریاست سے باہر بذریعہ ہوائی جہاز بھیجنے کے لئے بھی پرمٹ نیشنل کانفرنس کے دفتر سے ملتے تھے۔ اور اس طرح سینکڑوں شرنارتھی مفت دہلی بھیجے جاتے تھے۔

پاکستانی حملہ کی مختصر ڈائری

۳ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ جموں سے ۱۷ میل جنوب مشرق میں کوٹھہ میں مسلح حملہ آوروں نے پناہ گزینوں کا تعاقب کیا اور لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ ریاست کشمیر کی محافظ فوج جب موقعہ پر پہنچی تو یہ حملہ آور پاکستان کے علاقہ میں بھاگ گئے۔ تین سو حملہ آوروں کے ایک اور گروہ نے سانبہ سے دس میل جنوب میں موضع راجپورہ کے قریب ایک ہندو پناہ گزین اور اس کی بیوی کو راستہ میں روک کر لوٹا اور قتل کر دیا۔ اور ان کی دو لڑکیوں کو اغوا کر لیا۔ اور بعد میں راجپورہ پر بھی حملہ کر دیا۔ پاکستانی باشندوں کے ایک گروہ نے جموں پاکستان سرحد پر دوہالی پر حملہ کیا اور مویشی ہانک کر لے گئے۔ اس کے علاوہ سروس رائفلوں سے مسلح ۵۰۰ حملہ آوروں کے ایک اور گروہ نے پناہ گزینوں کا تعاقب کیا۔

۹ ستمبر — ریاست کشمیر کی رعایا کا ایک قافلہ پاکستانی سپاہیوں کی حفاظت میں راولپنڈی سے کوہالہ آ رہا تھا۔ لیکن یہ قافلہ کوہالہ نہیں پہنچا۔

۱۲ ستمبر — میر پور کے ڈاک خانہ نے رجسٹریاں، روپے اور منی آرڈر لینے سے انکار کر دیا۔ سرحد کے پاس یار علی بیگ میں گاؤں والوں کو اسلحہ دبا گیا۔

۱۳-۱۴ ستمبر — پاکستانی فوج کے کئی دستے ریاست کے علاقے میں گھس آئے اور بھمبر سے ۱۴ میل مغرب میں علی بیگ اور جنڈالی میں وارد ہوئے

۱۶ ستمبر — پاکستان کے جو فوجی ڈاک خانہ کا خزانہ جہلم سے میرپور لے کر گئے تھے وہ اشتعال انگیز نعرے لگاتے ہوئے واپس ہوئے۔

۱۷ ستمبر — رنبیر سنگھ پورہ سے تقریباً ۱۲ میل جنوب مشرق میں ریاست کی حدود میں ریاست کی محافظ فوج کے ایک چھوٹے سے دستے کی مٹھ بھیڑ ۴۰۰ پاکستانی حملہ آوروں کے ایک پوری طرح مسلح جتھے سے ہوئی۔ حملہ آور بھگا دیے گئے۔

۱۹ ستمبر — سیالکوٹ سب ایریا ہیڈکوارٹرز نے پاکستان کے ریلوے حکام سے پانچ ریلوے ویگین (تین ویگین پٹرول کے، ایک ڈیزل آئیل کا اور ایک مٹی کے تیل کا) جو سیالکوٹ میں رکے پڑے تھے، حفاظتی دستے کے ہمراہ بالترتیب جموں اور سوچیت گڑھ بھیجنے کے لئے رجوع کیا۔ یہ تجویز پیش کی گئی کہ ریاستی فوجوں کو محافظین کا ایک دستہ بھیجنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔

پلندری کے سپیشل مجسٹریٹ نے ریاستی حکومت کو مطلع کیا کہ پاکستانی مختلف مقامات سے ریاستی سرحد کو پار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۲۲ ستمبر — سانبہ سے چھ میل جنوب مشرق میں ماوا کے علاقے میں متعدد حملے ہوئے۔ سانبہ سے دس میل جنوب مشرق میں چک سعدہ نامی ایک گاؤں کے سامنے سرحد پار سکھر کے پاکستانی مویشی اور گائے بیل وغیرہ چرانے کے لئے ۷½ بجے شام کو ریاست میں داخل ہوئے۔ ۴۰۰ پاکستانیوں کا ایک اور مجمع جو رات کے ۱۱ بجے ڈھول بجا کر جمع کیا گیا تھا، ریاست دشمن نعرے لگاتا ہوا سانبہ سے ۱۱ میل جنوب مشرق میں جوہر کی طرف روانہ ہوا۔ حملہ آوروں نے موضع جوہر کو آگ لگا دی۔

۲۹ ستمبر — تقریباً ۴۰ پاکستانی حملہ آور وردیاں پہنے ہوئے اور دو پولیس کانسٹیبلوں کے ہمراہ ۱۰ بجے صبح اکھنور سے ۵ میل جنوب مغرب میں ایک مقام پر ریاست میں داخل ہوئے۔

۳ اکتوبر — ایک سو مسلح پٹھان کوہالہ سے ۸ میل جنوب مشرق میں دھکوت تھانے میں داخل ہوئے اور اسلحہ اور میگزین پر قبضہ کر کے تھانے کو آگ لگا دی۔ تین سو

مسلح حملہ آوروں نے دھکوت تھانے سے ۲½ میل جنوب مغرب میں سالیان کے سامنے دریائے جہلم کو ½۱۱ بجے دن کے پار کیا۔ اور دھکوت پر دوبارہ حملہ آور ہوئے۔ کوہالہ سے ۲ میل جنوب میں لسین کے مقام پر بھی حملہ آور دریائے جہلم کو پار کرتے ہوئے دیکھے گئے۔

۴ر اکتوبر — ایک ہوائی جہاز نے کوہالہ سے پلندری تک دریائے جہلم پر پرواز کی۔ اس پرواز کا مقصد غالباً دیکھ بھال تھا۔

چرالا کے علاقے میں حملہ آوروں کی سرگرمی بڑھ گئی۔ خودکار اسلحہ اور بموں سے مسلح تقریباً ۵۰۰ حملہ آوروں نے چرالہ کو گھیر لیا۔ ۲۰ لاریاں جن کے سامنے کی روشنیاں جل رہی تھیں۔ چرالا سے تین میل مغرب میں کیپڈر کے سامنے کوہالہ۔ مری سڑک پر مری کی طرف سے آتی ہوئی دیکھی گئیں۔ حملہ آوروں کی ایک بڑی تعداد نے دریائے جہلم پار کیا اور علی الصباح سیسر کے قریب پہنچے۔ ریاست کو پرائیویٹ طور پر معتبر ذرائع سے اطلاع ملی کہ پونچھ کا ابراہیم خان جو پشاور گیا ہوا تھا، مری واپس آکر کراچی مسلم ہوٹل میں ٹھیرا ہوا ہے اور اسلحہ نیز ذخائر حرب پونچھ بھیجنے کی کوشش کر رہا ہے۔

۵ر اکتوبر — حملہ آوروں نے جو ہر قسم کے جدید اسلحہ سے مسلح تھے، تھوراڑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ متعدد لاریاں جن میں آفریدی سوار تھے، ایبٹ آباد پہنچیں۔ باغ کے علاقے پر ایک ہوائی جہاز کے مسلسل پرواز کی اطلاع ملی۔

ریاستی فوجوں کے چرالا دستے کا دشمنوں سے زبردست مقابلہ سالیان میں ہوا۔ لٹھوعہ محافظ دستے کے ایک گشتی دستے کی مٹھ بھیڑ تقریباً ۱۰۰ ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے ہوئی۔ ڈاکو محافظ دستے کی گولہ باری کی زد میں آکر تتر بتر ہو گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ گشتی دستے نے ۲۵ حملہ آوروں کو دیکھا جو ہلکے ہرے رنگ کی وردیاں پہنے اور خندقوں میں چھپے ہوئے تھے۔

۹ر اکتوبر — پاکستانی فوج اور پولیس جہلم کی طرف پوری سرحد پر تعینات پائی گئی۔ چیچیاں کے سامنے لاریاں تمام رات ادھر سے اُدھر دوڑتی ہوئی دیکھی گئیں۔ مناور کے قریب ایک مقام پر تقریباً ۲۰۰ مسلح پاکستانیوں نے جو پولیس اور فوج کی وردیاں پہنے ہوئے تھے، مویشی چرانے کے لئے حملہ کیا۔ جب ریاستی سپاہیوں نے گولیاں چلائیں تو حملہ آور تورا خان سب انسپکٹر پولیس ٹانڈہ (پاکستان) کی لاش اور ایک ریوالور معہ ایک کارتوس چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

۱۰ر اکتوبر — پاکستانی فوج کے دو سیکشنوں کی قیادت میں ۵ مسلح حملہ آوروں کے ایک جتھے نے ہیرا نگر (جموں) سے ۶ میل جنوب مشرق میں پانسر نامی ایک گاؤں پر حملہ کیا۔ پاکستانیوں کا ایک اور مسلح جتھا اکھنور سے ۲ میل جنوب مغرب میں ملکووال میں داخل ہوا۔ اور اُن دیہاتیوں پر گولیاں چلائیں جو کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے۔ جب ریاست کا گشتی دستہ اُن کے مقابلہ پر آیا تو اُنہوں نے ۳۰ راؤنڈ گولیاں چلائیں۔ ملکووال اکھنور سے ۱۲ میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔

۱۱-۱۲ر اکتوبر — ہزارہ کے پانچ سو حملہ آوروں نے سالیان کے قریب دریائے جہلم پار کیا۔ اور ۱۱-۱۲ر اکتوبر کی رات کو پونچھ جاگیر میں داخل ہوئے۔

۱۳ر اکتوبر — پاکستانی سپاہیوں نے سانبہ سے ۱۲ میل جنوب مشرق میں سکھو چک کے سامنے ببیا کسٹم پوسٹ پر سوا سات بجے شام کو حملہ کیا۔ پاکستانیوں نے رنبیر سنگھ پورہ سے تقریباً ۱۲ میل جنوب مشرق میں متعدد دیہاتوں — آلہ پنڈی چاڑکاں۔ کٹھار۔ کریال۔ کوٹھی — پر حملہ کیا۔ اُنہوں نے بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں کو اغوا کیا اور تمام گاؤں کو آگ لگا دی۔

ایک پاکستانی جتھے نے سانبہ سے ۱۲ میل جنوب مغرب میں کھوریل منھریاں میں ریاست کے ایک گشتی دستے پر گولی چلائی۔ فوجی سپاہیوں کی مدد سے پاکستانیوں نے راجپورہ اور ارد گرد کے علاقے پر حملہ کیا۔

۲۰ر اکتوبر۔ پاکستانی حملہ آوروں نے بلاسپور۔ پرمالہ۔ چتوڑ۔ مگھوٹ گاؤں پر اور رام گڑھ سے تقریباً تین میل جنوب میں سرحد کے کنارے ننگہ۔ بڑو چاک اور رنڈو چک پر حملہ کیا۔

۲۱ر اکتوبر — گڑھی حبیب اللہ خان (فرنٹیر) میں قبائلی کافی تعداد میں اکٹھے ہوئے گاڑیوں میں پٹرول ڈالا گیا۔ نیز حملہ کی بنیادی تیاریاں مکمل ہوئیں۔ مظفر آباد شہر کے بیشتر مسلمان آج بھی مظفر آباد کو خالی کر کے پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے۔ مظفر آباد کے ہندوؤں اور سکھوں کا ایک ڈیپوٹیشن رات کو مہتہ دُنی چند ڈپٹی کمشنر و کرنل نارائن سنگھ سے ملاقی ہوا اور قبائلیوں کی سرگرمیوں کے پیش نظر حملہ کے خطرہ کا احساس کرتے ہوئے پل کرشن گنگا کو اُڑانے نیز حفاظتی پیش بندیاں کرنے کے متعلق عرضداشت کی۔ کرنل نارائن سنگھ نے میجر شیر علی رجو پاکستان کے ساتھ

سانہ باز کر چکا تھا) کو بلا کر اُسی وقت رام کوٹ حالات دیکھنے کے لئے بھیجا۔ میجر شیر علی نے واپس پر سب ٹھیک کہہ کر اپنی رپورٹ دی۔ کرنل نارائن سنگھ نے شہر والوں کی بے عزتی کی۔ رات کو دومیل ملٹری ہیڈ کوارٹر سے سپاہیوں کو خوب شراب پلائی گئی اور رات کو ہی اُنہیں بے ہوشی کی حالت میں قتل کیا گیا۔ قبائلیوں کے چند جتھے مظفر آباد شہر کے ہوٹلوں میں دیکھے گئے۔

۲۲ اکتوبر۔ ۴ بجے صبح قبائلیوں نے ڈٹ کر اور کرشن گنگا پل کی طرف سے مظفر آباد شہر پر حملہ کر کے اندھا دُھند گولیاں چلائیں۔ کرشن گنگا پل کے سپاہیوں کو، جو ان سے پہلے ہی مل چکے تھے، غیر مسلح کر کے پُل پر قبضہ کر لیا گیا۔ عید گاہ پکٹ کے ڈوگرہ سپاہیوں نے بطریب دب گولی چلانا شروع کی۔ شہر میں داخل ہوئے ہزاروں قبائلیوں نے شہر کی مختلف جگہوں پر آگ لگا دی۔ مہتہ دُنی چند ڈپٹی کمشنر مظفر آباد کو گولی سے اُڑا دیا گیا۔ کرنل نرائن سنگھ کو بھی پکڑ کر گولی سے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ گوردوارہ چھٹی پادشاہی نلہ چھی کے گرنتھیوں نے آخری دم تک مقابلہ کیا۔ آخر ختم ہو گئے۔ شہر کے ہندو و سکھ اپنی حفاظت کے لئے دو مراکز میں اکٹھے ہوئے۔ ہسپتال کے مریضوں کو ختم کیا گیا۔ لوٹ مار، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ عید گاہ پکٹ کے مُٹھی بھر ڈوگرہ سپاہی اُس جگہ کو مقابلہ کے لئے بے سُود سمجھ کر وہاں سے پیچھے ہٹے (اور) اپنے ساتھ سینکڑوں لوگوں کو بچا کر سرینگر پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔

۲۳ اکتوبر۔ صبح ہی قبائلیوں نے ہندوؤں و سکھوں کے مراکز پر اندھا دُھند گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ آگ نے اِن مراکز کو گھیر لیا۔ سینکڑوں لاریاں قبائلیوں سے بھری ہوئی رام کوٹ کی طرف آتی ہوئی دکھائی دیں۔ ریاستی حکومت کی طرف سے کسی بھی قسم کی امداد نہ پہنچنے سے گھرے ہوئے لوگوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ مراکز کے دروازے کھولے گئے۔ قبائلی بھوکے بھیڑیوں کی طرح مکانوں میں داخل ہوئے۔ تلاشیاں شروع ہوئیں۔ زیورات، نقدی و نوٹوں کی بوریاں بھری جانے لگیں۔ عورتوں، مردوں و بچوں کو قافلہ کی شکل میں کرشن گنگا پُل کی طرف پہنچانا شروع ہوا۔ کمزور، بیمار و سُست چلنے والوں کو ساتھ ساتھ ہی ہمیشہ کی نیند سُلایا جانے لگا۔ کرشن گنگا پل پر پہنچ کر سینکڑوں عورتوں نے اپنی عزت و عصمت کو بچانے کے لئے پُل سے چھلانگیں لگائیں۔ پُل سے پار جا کر سکھوں کو قافلہ سے علیحدہ کر کے گوردوارہ سڑک پر لے جا کر نہایت بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ لیقایا لوگوں کو زیارت بارہ پیر

پر لے جایا گیا۔ تمام رات لوٹ کے مال سے بھری ہوئی گاڑیاں پاکستان جاتی رہیں۔ اس روز حملہ آوروں کا ایک دستہ سول لاریوں میں خورشید انور کی زیر کمان مظفر آباد سے تیرہ میل دور گڑھی دوپٹہ پہنچا۔ صبح کے تقریباً گیارہ بجے گڑھی پل سے ہی آبادی پر گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ ہسپتال، پولیس چوکی اور دیگر سرکاری عمارتوں کو خاک سیاہ کرنے کے بعد قصبہ ہٹیاں دوپٹہ کو آگ لگا دی گئی۔ غیر مسلموں کو تہ تیغ کیا گیا۔ بہت سی عورتوں و نوجوان لڑکیوں نے دریائے جہلم میں چھلانگیں لگا کر اپنی عزت کو بچا لیا۔ حملہ آور بہت سا لوٹ کا سامان لاریوں میں بھر کر و اغوا کی ہوئی لڑکیوں کو بھی واپس بھیجنے لگے۔ ہٹیاں دوپٹہ کے جاگیردار کو بھی لوٹا گیا جو کہ بعد میں ان کے ساتھ مل گیا۔ اور وہاں پھر ہندو شرنارتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔

لوٹ مار و غارت گری کے بعد حملہ آوروں کا دستہ گڑھی دوپٹہ سے سڑک کے راستے آگے بڑھتا گیا۔ آگے تقریباً چھ سات میل کی دوری پر حملہ آوروں کو معمولی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بریگیڈیئر راجندر سنگھ کی قیادت میں ریاستی فوج کے چند سپاہیوں نے ایک پہاڑی کی اوٹ لے کر حملہ آوروں کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر حملہ آوروں کی کثیر تعداد کو دیکھتے ہوئے ا جلدی ہی وہاں سے اپنے دستہ کو پیچھے ہٹا لیا۔ راستے میں اس دستہ کو جو بھی غیر مسلم بھاگتا ہوا ملا، اپنی گاڑیوں میں جگہ دے کر اس کی جان بچا لی گئی۔

۲۴ اکتوبر۔ اوڑی کے قریب حملہ آوروں کو روک لیا گیا۔ ریاستی فوج کے بریگیڈیئر راجندر سنگھ نے اپنے بچے کچھے ۱۴۴ سپاہیوں کو اکٹھا کر کے اوڑی میں دو روز تک حملہ آوروں کی زبردست پیش قدمی کو روک دیا۔ اگرچہ بریگیڈیئر راجندر سنگھ اور ان کے ساتھی اس معرکے میں کام آ گئے مگر انہوں نے حملہ آوروں کی پیش قدمی کو دو دن تک روک کر کشمیر کو بچا لیا۔ یہ دو دن بہت قیمتی تھے۔ یہی وہ کامیاب مدافعت تھی جس سے حملہ آوروں کو سرینگر پر چڑھائی میں دوچار ہونا پڑا۔ حملہ آوروں نے اوڑی کو تاراج کر کے مہورہ بجلی گھر پر قبضہ کر لیا جو کہ سرینگر سے صرف پچاس میل کے فاصلہ پر ہے۔

۲۵ اکتوبر۔ ہز ہائینس مہاراجہ ہری سنگھ نے حکومت ہند سے فوری امداد کی استدعا کی۔ کشمیر کی واحد نمائندہ پارٹی نیشنل کانفرنس کا لیڈر شیخ محمد عبداللہ جو کہ عمر بھر مہاراجہ اور اس کی حکومت سے ساری ریاست میں جمہوری اصلاح کے لئے جنگ کرتا رہا نے بھی اس مشترک خطرہ کے موقعہ پر امداد کے لئے ہندوستان سے اپیل میں اپنے مخالف کا ساتھ دیا۔

۲۶ر اکتوبر — مہاراجہ نے دستاویز الحاق پر دستخط کئے اور اسی روز بھارت سرکار نے فوجی امداد سرینگر بھیجنے کا اہم فیصلہ کیا۔

۲۷ر اکتوبر — کرنل رائے کی قیادت میں ہندوستانی فوج کا پہلا دستہ حفاظت سے سرینگر کے ہوائی اڈہ پر اترا۔ کشمیری عوام نے اس دستہ کا پُرجوش سواگت کیا۔ یہ دستہ سول گاڑیوں میں فوراً ہی حملہ آوروں کو روکنے کے لئے چل پڑا۔ کرنل رائے کی زیر کمان یہ ہراول دستہ بارہ مولہ اور پٹن کے درمیان حملہ آوروں کے گھیرے میں آگیا۔ کرنل رائے نے بڑی جانفشانی اور ہمت سے اپنے باقی دستوں کو کامیابی سے پیچھے ہٹا لیا۔ لیکن خود فوج کے اگلے حصہ کے ساتھ رہ گیا۔ دشمن کے گھیرے سے نکل آنے کے لئے ہندوستانی فوج کے آخری دستہ کو زبردست گولہ باری سے دوچار ہونا پڑا۔ اس معرکے میں بہت سے ہندوستانی بہادر کام آئے اور ان کے ساتھ کرنل رائے بھی دشمن کی ایک گولی سے شہید ہوا۔ لیکن اُن کا مقصد پورا ہوگیا۔ دشمن کی صفوں میں ابتری پھیل گئی اور اُس کی پیش قدمی رُک گئی۔ اور اس عرصہ میں ہندوستان سے مزید کمک پہنچ گئی۔

۳ر نومبر — کمایوں رجمنٹ کی ایک کمپنی میجر سوم ناتھ شرما کی قیادت میں حملہ آوروں سے مقابلہ کے لئے بڈگام جو سرینگر سے جنوب مغرب میں ۹ میل اور ہوائی اڈے سے متصل سے نصف میل پر واقع تھا، روانہ ہوئی۔ بڈگام پہنچ کر کمپنی نے حملہ آوروں سے جن کی تعداد ۵۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان تھی ٹکر لی۔ حملہ آوروں نے توپوں سے حملہ کیا۔ مقابلہ چار گھنٹے سے زیادہ جاری رہا۔ میجر شرما نے اپنے سپاہیوں کی ترتیب و تنظیم اور دشمن سے مقابلہ میں حیرت انگیز مہارت اور ہوشیاری کا ثبوت دیا۔ دشمن کے بہت سے آدمی کام آئے۔ بریگیڈیئر سین نے یہ دیکھ کر کہ حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ پوری طرح مسلح ہیں مزید کمک روانہ کی لیکن قبل اس کے کہ یہ کمک کمایونیوں تک پہنچ سکے، توپ کا ایک گولہ میجر شرما کے قریب آکر پھٹا۔ اس طرح ہندوستانی فوج کا دوسرا بہادر افسر کشمیر کی آزادی کی حفاظت کرتا ہوا کشمیر کی دھرتی پر شہید ہوا۔ لیکن اس سے ہوائی اڈہ کو جو خطرہ تھا وہ ٹل گیا۔

۴ر نومبر — ہندوستان کے نائب وزیر اعظم سردار ولبھ بھائی پٹیل اور وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ سرینگر تشریف لائے اور دیکھا کہ صورت حال اب بھی بے حد سنگین ہے چنانچہ اسی روز دہلی واپس جا کر کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے سامنے صورت حال رکھی۔

۵ ر نومبر۔ پیدل فوج کی ایک بٹالین بذریعہ ہوائی جہاز سرینگر پہنچی اور اس نے میجر جنرل کلونت سنگھ نے ہماری فوج کی کمان سنبھال لی۔ اسی وقت بکتر بند گاڑیوں کا ایک دستہ مشرقی پنجاب سے ۳۰۰ میل خطرناک راستہ طے کر کے جموں اور ۹ ہزار فٹ بلند بانہال کے راستے چھوٹے چھوٹے کمزور پلوں کو جو کہ صرف سیاحوں کی معمولی آمد ورفت کے لئے موزوں تھے، پار کر کے سرینگر پہنچا۔ سرینگر میں اس دستہ کا خیر مقدم کرنے کے لئے لوگ جوق در جوق سڑک پر جمع ہوئے۔ اور جس طرف یہ دستہ آگے بڑھتا مجمع سے نعرہ ہائے تحسین بلند ہوتے گئے۔

۷ ر نومبر۔ حملہ آوروں کا ایک اہم مورچہ دریافت کر لیا گیا اور صبح کو ہندوستانی فوج نے دشمنوں پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ بکتر بند گاڑیوں کے ایک دستہ اور پیدل فوج کے ایک دستہ کو عقب سے دشمنوں پر حملہ کا حکم دیا گیا۔ بریگیڈیر سین نے بکتر بند گاڑیوں کا ایک دستہ آنچار جھیل کے شمال میں روانہ کیا تاکہ وہ دشمن کے مورچوں کے عقب میں پہنچے۔ بکتر بند گاڑیوں کا ایک اور دستہ براہ راست بارہ مولہ سڑک پر روانہ کیا گیا اور پیدل فوج کی ایک بٹالین دشمنوں کے بائیں بازو پر حملہ کے لئے بھیجی گئی۔ شاہی ہندوستانی ہوائیہ کے لڑاکو جہازوں نے فضا سے اس حملہ میں حصہ لیا۔ شالہ ٹینگ کی لڑائی بارہ گھنٹے جاری رہی۔ آخر ہندوستانی فوج نے دشمن کے پاؤں اکھاڑ دئے۔ حملہ آور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا شروع ہو گئے۔ معرکہ میں حملہ آوروں کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ یہ ایک فیصلہ کن فتح تھی جس نے دشمن کی جنگی مہم کی کمر توڑ دی۔

۸ ر نومبر۔ ہندوستانی فوجیں دشمنوں کا تعاقب کرتی ہوئی اس روز پٹن سے بارہ مولہ پہنچیں اور چند چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے بعد شہر میں داخل ہو گئیں۔ بارہ مولہ کو حملہ آوروں سے خالی کرا لیا گیا۔ سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن ساتھ ہی بارہ مولہ کی حالت دیکھ کر دل رو اٹھا۔ ہندوستانی فوج جب بارہ مولہ میں داخل ہوئی تو وہاں کا عجیب نظارہ تھا۔ سارا شہر اجاڑ بنا ہوا تھا۔ حملہ آوروں نے آتش زنی، لوٹ مار اور قتل و خونریزی کا بازار گرم کر کے اپنی انتہائی بربریت کا ثبوت دیا تھا۔ مسلموں یا غیر مسلموں کی تمیز کئے بغیر قتل کیا گیا۔ عورتیں اغوا کر لی گئیں۔ بارہ مولہ کی عیسائی خانقاہ کو تباہ کیا گیا اور وہاں پر رکھے ہوئے مقدس مجسمے کی بے حرمتی کی گئی۔ نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کو ایذا دہی اور بدسلوکی کے لئے خاص طور سے منتخب کیا گیا تھا۔ محمد مقبول شیروانی کو جو کہ نیشنل

کانفرنس کا ایک مقامی قائد تھا، کو لکڑی کے پول کے ساتھ باندھ کر گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اس طرح اس نوجوان محب وطن کو شہید کیا گیا۔

۹ رنومبر۔ سرینگر شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔ امیراکدل چوک میں لوگ جوق در جوق جمع ہو گئے۔ اس قدر بھیڑ بھاڑ آج تک اس چوک میں نہیں دیکھی گئی۔ سب لوگ پنڈت نہرو کی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جس وقت پنڈت جی کی کار سرینگر میں داخل ہوئی، پنڈت نہرو زندہ باد۔ ہندوستانی فوج زندہ باد۔ مہاتما گاندھی زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے آسمان گونج اٹھا۔ پنڈت جی نے اپنے سادے الفاظ میں لوگوں کے سامنے تقریر کی اور وعدہ کیا کہ ہندوستان کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی اور اپنی عزت بچانے میں پوری مدد کرے گا۔ کشمیری عوام نے نہ صرف ہندوستان کے لوگوں کے سامنے بلکہ دنیا کے لوگوں کے سامنے ایک مثال قائم کی ہے کہ کس طرح ایک ملک میں رہنے والے مختلف مذاہب کے لوگ مل جل کر اپنی آزادی اور ملک کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

کرنیل ملوک سنگھ سلاتھیہ

کرنیل ملوک سنگھ سلاتھیہ (۱۹۴۷ء اکتوبر میں کمانڈنگ آفیسر بٹالین نمبر ۸ جموں وکشمیر) ڈوگرہ دیس کے اس موز مارشل خاندان سے وابستہ ہے جس کے افراد کو پشت در پشت ریاست اور ڈوگر بھومی کے لئے بے بہا قربانیاں اور لاثانی خدمات انجام دینے کا فخر حاصل ہے۔ تاریخ کے پہلے صفحات میں اس خاندان کے بانی وزیر حاصل دیو کی وفا پرستی اور قربانی کا ذکر آ چکا ہے۔ جبکہ اس نے پندرھویں صدی کے آخر میں اپنے جواں سال برادر زادہ راجہ رابیرم دیو والئی جموں کو مغل بادشاہ کی فرمان عدولی کا مشورہ دیا تھا۔ اس جرم کی پاداش میں حاصل دیو کی سر دربار زندہ کھال اتار لی گئی تھی۔ حاصل دیو کے نام پر اس کی اولاد سلاتھیہ مشہور ہوئی۔ اور تحصیل سانبہ میں گوڑہ سلاتھیاں کا گاؤں اسی کے نام سے چلا آ رہا ہے۔

ملوک سنگھ گوڑہ سلاتھیاں کا رہنے والا ہے۔ یہ اپنے بہادر باپ کیپٹن گندھرب سنگھ کا اکلوتا لڑکا ہے۔ گندھرب سنگھ نے ۱۸۹۵ء کی چترال جنگ، ۱۹۰۲ء میں وزیرستان جنگ اور تبسری جنگ ۱۹۰۸ء نارتھ ویسٹرن فرنٹیر کے مہم کے سرکر کے تین تمغہ جات حاصل کئے تھے۔ اور جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو گندھرب سنگھ کو دوبارہ ڈیوٹی پر

بلایا گیا تھا۔ کندھرب سنگھ کے اکلوتے بیٹے ملک سنگھ کا جنم سنہ ۱۹۰۳ء میں گوڑہ سلاتھیاں میں ہوا۔ تعلیم سے فارغ ہوا تو سنہ ۱۹۲۲ء میں ڈائرکٹ کمیشن پانے پر سکنڈ لیفٹ فوج میں بھرتی ہو کر کشمیر برائے ٹریننگ جانا پڑا۔ دو سال آرمی ٹریننگ سکول میں ٹریننگ لینے کے بعد مزید ایک سال شامل فوج انگریزی ایبٹ آباد رہنا پڑا۔ واپس آکر دو سال اجیٹن ٹریننگ سکول میں ڈیوٹی دی۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۲۷ء میں فزیکل ٹریننگ کورس راولپنڈی پاس کیا۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں فزیکل ٹریننگ کورس انبالہ پاس کیا جو کہ تین ماہ کا تھا۔ اس میں فرسٹ کلاس سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ سنہ ۱۹۲۸ء سے سنہ ۱۹۳۰ء تک آرمی ہیڈ کوارٹرز میں ڈائرکٹر آف فزیکل ٹریننگ رہا۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں ترقی پا کر کپتان ہو کر پلٹن نمبر ۵ جموں و کشمیر میں تبدیلی ہوئی۔ اور اسی سال شورش میں مختلف جگہوں سرینگر، جموں، نوشہرہ، میرپور، راجوری، پونچھ وغیرہ میں ڈیوٹی دی۔ اور ہر جگہ کام کی تعریف ہوئی۔ اور کئی جگہ شاندار کام پر کمانڈر انچیف کی طرف سے آرڈر ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں سمال آرمز سکول پچمڑھی پاس کیا۔ سنہ ۱۹۳۳ء سے سنہ ۱۹۳۵ء تک انسٹرکٹر ٹریننگ سکول لگایا گیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۳۶ء میں امپائرنگ کورس جہلم پاس کیا۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں فرسٹ فرنٹیئر وارفیئر کورس ایبٹ آباد میں پاس کیا۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں ترقی پا کر بعہدہ برگیڈ میجر جموں ایریا لگایا گیا۔ ایک سال کے بعد سنہ ۱۹۴۱ء میں پلٹن فرسٹ جموں و کشمیر انفنٹری میں تبدیلی ہوئی۔ وہاں تین سال ڈیوٹی دی۔ اور چھ ماہ اسی پلٹن کی کمان کی۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں پلٹن نمبر ۸ جموں و کشمیر انفنٹری میں تبدیلی ہوئی۔ اسی سال دوسری جنگ عظیم شروع تھی۔ اس وقت دکھنی کمانڈ میں ۲/۱ گورکھا پلٹن میں شامل ہو کر کوسٹل ڈیفنس ڈیوٹی دینے کا موقعہ ملا۔ اس وقت حالات بہت خراب ہو رہے تھے۔ دشمن جاپان کلکتہ تک ہوائی حملہ کر رہا تھا اور مدراس۔ کلکتہ کا سمندری علاقہ نہایت خطرناک ہو رہا تھا۔ مدراس کی سمندری فوج کے ساتھ ساتھ ڈیوٹی میں شامل رہا۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں سینئر آفیسرز کورس ڈیرہ دون پاس کیا جو کہ تین ماہ کا تھا۔ واپسی پر پلٹن نمبر ۲ جموں و کشمیر انفنٹری کے ساتھ فرنٹیئر علاقہ مظفرآباد اور کوہالہ وغیرہ میں ڈیوٹی دی اور پھر سنہ ۱۹۴۷ء میں پلٹن نمبر ۲ جموں و کشمیر انفنٹری کا چارج لے کر واپس پلٹن سرینگر پہنچی۔ کچھ عرصہ پلٹن چھاؤنی بادامی باغ رہی۔ اس کے بعد برٹش انڈیا کے حالات خراب ہو رہے تھے۔ بہت سے ریفیوجی علاقہ مظفرآباد میں آ گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان کی بانٹ کا کام شروع تھا۔ پاکستان

قیام میں آگیا۔ اس نے پہلے ریاست جموں و کشمیر میں مسلمان جو فوج میں تھے اُن کو رخصت پر بھیجے اور بعد میں فرنٹیئر پر کے پٹھان بھیجنے شروع کر دئے جو ہماری ریاست کے فرنٹیئر پر ہر ضروری جگہ پر پوسٹ تھے۔ چنانچہ چترالہ پوسٹ کو جہاں دو گورکھا کمپنیاں تعینات تھیں پاکستان نے سب سے پہلے گھیرے میں لے لیا۔ جب یہ خبر سرینگر پہنچی تو دربار سرینگر تھا۔ ہر جگہ گھبراہٹ محسوس کی جانے لگی۔ ان ہی دنوں پلٹن فسٹ جموں و کشمیر انفنٹری جو کہ علاقہ پونچھ تھی اس کی تبدیلی پلٹن نمبر ۲ جموں و کشمیر انفنٹری سرینگر سے کر دی گئی۔ ایک کمپنی ایک کپتان کپتان برکھی سنگھ سلاتھیہ سرینگر پہنچ گئی تھی اور دو کمپنیاں پلٹن نمبر ۲ جموں و کشمیر انفنٹری کی علاقہ پونچھ میں پہنچ چکی تھیں۔ باقی ہیڈ کوارٹر کمپنی اور دو کمپنیاں سرینگر میں تھیں۔ اب کرنل ملوک سنگھ کمانڈنگ افسر پلٹن نمبر ۲ جموں و کشمیر انفنٹری کو کمانڈر انچیف بہادر کا حکم ملا کہ براستہ کوہالہ جا کر دونوں گورکھا کمپنیوں کو گھیرے سے نکال کر باغ علاقہ پونچھ پہنچایا جائے۔ اسی کے ساتھ کرنل کھجور سنگھ سلاتھیہ جو کہ اس وقت بہ عہدہ میجر باغ ڈیوٹی پر تھا کو بھی حکم ملا کہ دوسری طرف سے اپنی فوج لے کر چترالہ کرنل ملوک سنگھ کے کالم سے ملے۔ اور پھر دونوں کمانڈر گورکھا کمپنیوں کو ساتھ لے کر دشمن کو مار کر باغ چلے جائیں۔ مگر میجر کھجور سنگھ کے کالم کو راستہ میں سخت لڑائی کرنی پڑی۔ اور یہ کالم آگے چترالہ نہ پہنچ سکا۔ واپس باغ ہوا۔ جب کرنل ملوک سنگھ نے کوہالہ سے مارچ کیا تو ہلاں سے آگے دو ہی میل جانے پر دشمن سے لڑائی شروع ہو گئی جو کہ پہلے ہی گھات میں بیٹھا ہوا تھا۔ پہلی لڑائی جھل کوٹ کی۔ دوسرے دن سالیاں اور تیسرے دن سیبیر اور اسی رات کو صبح ہونے سے پہلے چترالہ پہنچے۔ پھر چترالہ میں گھری ہوئی فوج کو نکال کر بڑی سخت لڑائی کے بعد اسی راستہ پر جہاں سے باغ سے میجر کھجور سنگھ کا کالم واپس ہوا تھا۔ دشمن پر سخت دباؤ ڈالتا ہوا باغ پہنچا۔ اس وقت اس کالم کے ساتھ دو سو رفیوجی بھی تھے۔ اس کے بعد باغ لڑائی لڑی گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مظفرآباد۔ دومیل پر پاکستان نے حملہ کر کے سرینگر کی طرف مارچ کیا تھا۔ بریگیڈ کمانڈر پونچھ ابریا سے حکم ملنے پر کہ اب کمک یا سپلائی کا بھیجنا ناممکن ہو گیا ہے اس لئے واپس پونچھ پہنچو، باغ سے ۲۰ ہزار رفیوجی ساتھ لے کر کرنل ملوک سنگھ کا کالم پونچھ پہنچا۔ علاقہ پونچھ میں سنہ ۴۸ء کا پورا سال لڑائی میں پلٹن نمبر ۲ جموں و کشمیر کی کمان کی مندرجہ ذیل افسران و عہدیداران کو کرنل ملوک سنگھ کے ماتحت بہادرانہ کام کرنے پر ویر چکر (V.C.) دئیے گئے۔

کپتان جگدیش سنگھ شامل ۸ کشمیر، صوبیدار کالشی سنگھ شامل ۸ کشمیر، صوبیدار کشن سنگھ ۸ جموں و کشمیر انفنٹری، سپاہی بوا دتہ ۸ جموں و کشمیر انفنٹری، لیس نائیک سنتن شامل ۸ کشمیر کرنل ملوک سنگھ کی پلٹن کے افسر جو کہ دوسری پلٹنوں کے ساتھ شامل ہو کر لڑے اُن کو بھی ویر چکر ملے۔ لیفٹننٹ اجیت سنگھ کو اسکرڈو ڈیوٹی پر، صوبیدار رام سرن کو اوڑی محاذ پر اور حوالدار لچھن سنگھ مشین گن کمانڈر کو ڈائرکٹ جمعدار بنایا گیا۔ کیونکہ یہ حوالدار دلیل سے نہایت بہادری سے دشمن کو مارتا ہوا اسر نگیہ مشین گن کی نفری اور مشین گنیں لے کر پہنچا تھا۔

پلٹن ۸ جموں و کشمیر انفنٹری کی کمان کرنل ملوک سنگھ نے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک کی۔ یہ پلٹن (صرف ڈوگرہ راجپوت جموں و کشمیر) سب پلٹنوں سے زیادہ عرصہ دشمن کے ساتھ لڑتی رہی۔ اور سب پلٹنوں سے زیادہ لمبا سفر لڑائی کرتے کرتے کیا۔ اور سب سے کم نفری اپنی ماری گئی یا زخمی ہوئی۔ اور سب سے زیادہ دشمن کے ہتھیار اور بھاری ۳ء۴ انچ مارٹر پکڑی۔ سن ۱۹۵۰ء میں کرنل ملوک سنگھ اپنی پوری سروس ۲۷ سال ۲ ماہ کرنے کے بعد ریٹائر ہوا۔

کرنل ملوک سنگھ کا بڑا لڑکا کپتان پریتم سنگھ ہے جس کا جنم سن ۱۹۲۴ء میں ہوا۔ الف۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ کشمیر کی لڑائی شروع ہوئی کہ جموں سے بذریعہ ہوائی جہاز پونچھ بطور کیڈٹ بھرتی ہو کر لڑائی میں شامل ہوا۔ اُس وقت پونچھ کو دشمن نے گھیر لیا تھا۔ وہاں پلٹن ۱۱ جموں و کشمیر ملیشیا میں بطور جمعدار بھرتی کیا گیا اور کوارٹر ماسٹر جمعدار بنایا گیا۔ کچھ عرصہ ٹریننگ کے بعد صوبیدار پروموشن دے کر کمپنی کمانڈر مقرر کیا گیا اور پونچھ محاذ پر کمپنی کی کمان کرتا رہا۔ دو موقع پر جب ۱۱ ملیشیا کی کمپنیاں پلٹن ۸ جموں و کشمیر انفنٹری کے ساتھ شامل ہوئیں تو پلٹن ۸ جموں و کشمیر انفنٹری کے کمان افسر کی ایڈوانس گارڈ کا کمانڈر رہ کر قابل تعریف کام سرانجام دیا۔ لڑائی میں باپ اور بیٹے کا اکٹھے ایک ہی حملہ میں کام کرنا خال خال ہی مثال ملتی ہے۔ اب کوارٹر ماسٹر کپتان ۱۱ ملیشیا ہے۔

کرنل ملوک سنگھ کا دوسرا بڑا لڑکا کنور پریم سنگھ، جس کا جنم سن ۱۹۲۸ء میں ہوا، بی۔ اے تک تعلیم پانے کے بعد تحصیلداری کے عہدہ پر فائز ہے۔

صوبیدار رام سرن داس (ویر چکر)

بریگیڈیر راجندر سنگھ کی کمان میں جن مٹھی بھر جانباز ڈوگرہ فوجیوں نے

قبائلی حملہ کو روکنے سے لئے اپنی جان کی بازی لگائی۔ اور شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھائے۔ اور اُن کی فطرت روزِ روشن کی مانند چمکی۔ اُن ڈوگرہ بہادروں کی صف میں صوبیدار رام سرن داس کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ جسے بہادری کے صلہ میں ہند سرکار نے ویر چکرہ عطا کیا۔

رام سرن داس موضع جیڑی تحصیل ریاسی کا رہنے والا ہے۔ اس کے والد میجر گلاب نے بشمول رگھو پرتاپ پلٹن ہنزا اور گلگت کی لڑائیوں میں شاندار خدمات انجام دی تھیں جو صوبیداری سے ترقی کر کے میجر کے عہدہ سے ریٹائر ہوا تھا۔ رام سرن داس نے جو قبائلی حملہ کے دوران کشمیر انفنٹری پلٹن نمبر ۳" مارٹر پلاٹون کمانڈر تھا۔ نہایت بہادری سے اپنے فرض کی ادائیگی کی۔ ماہ اکتوبر کے آخری ہفتہ میں قبائلی حملہ آوروں نے ریاستی افواج کو منتشر کر دیا تھا۔ تو ایک موقعہ پر وہ اُوڑی کے نزدیک گھس آئے اور ہماری افواج کے ہراول دستے کو باقی فوج سے علیحدہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ دشمن کی فوج کے کافی دستے بڑھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ صوبیدار رام سرن داس جو تین انچ مارٹر کی دو ٹکڑیوں کی کمان کر رہا تھا اور ہراول دستے کی مدد کر رہا تھا، اس موقعہ کی نزاکت کو سمجھتا ہوا اپنے مارٹر کو نہایت خوش اسلوبی سے پوزیشن میں لا کر دشمن پر زبردست گولہ باری کرنے لگا جس سے دشمن کو کافی نقصان پہنچا۔

ایک دوسرے موقعہ پر بمقام رام پور جب ہماری فوجوں کی ہار ہو رہی تھی، اس جونیئر کمیشنڈ آفیسر نے دشمن پر سخت حملہ کیا اور حالات کو قابو میں کر لیا۔ اس موقعہ پر اُسے چھاتی میں گہرا زخم آیا۔ مگر اس کے باوجود وہ میدان چھوڑنے پر رضامند نہ ہوا اور مقابلہ پر ڈٹا رہا۔ جونیئر کمیشنڈ آفیسر کے اس کارنامے نے ہماری فوجوں کے حوصلے بہت بلند کر دیئے۔ صوبیدار رام سرن داس نے جس لامثال جرأت اور حوصلہ مندی کا ثبوت بہم پہنچایا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر جو کارنامہ کر دکھایا، وہ لائق تحسین ہے۔ اس بہادری کے صلہ میں ہند سرکار نے اس بہادر کو "ویر چکرہ" عطا کیا۔

کشمیر کا مورچہ

بارہ مولہ پر قبضہ کرنے کے بعد قبائیلی لٹیروں کو ہندوستانی افواج کا سامنا کرتے ہوئے چھٹی کا دودھ یاد آنے لگا۔ جب اُن کی پیش قدمی سرینگر کوہالہ سڑک پر روک دی گئی۔ سرینگر سے پانچ میل دور بڈگام

کی فیصلہ کُن لڑائی میں لٹیرے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ اس طرح وادی کشمیر میں جہاں جہاں بھی وُہ بکھر گئے تھے۔ وہاں سے اُن کا پوری طرح صفایا کرنے میں بہادر ہندوستانی جوانوں نے جس جاں بازی۔ پامردی اور شجاعت کا ثبوت بہم پہنچایا۔ دُنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ چنانچہ چند ہی روز میں ۸ نومبر سے ۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء تک بارہ مُولہ۔ مہورہ۔ اور اُوڑی پر بھارتیہ جوانوں نے قبضہ کر کے پاکستانی لٹیروں کو گلمرگ۔ ٹنگ مرگ۔ ہند واڑہ۔ بانڈی پورہ اور گاندربل وغیرہ میں جہاں جہاں بھی وُہ گھات لگائے بکھرے ہوئے تھے۔ اُن کا مکمل صفایا کر دیا گیا اور کشمیر کی خوبصورت وادی کو پاکستانی درندوں کے ظالمانہ اور وحشیانہ ہاتھوں سے آزاد کرا لیا۔ اُوڑی پہنچنے پر ہندوستانی دستوں نے اپنی رفتار کو مکمل طور پر بند کر دیا۔ اگر وُہ اُوڑی سے بھی آگے بڑھنا چاہتے۔ تو چناری گڑھی۔ دومیل اور مظفر آباد پر بھی قبضہ ہو جاتا۔ لیکن کشمیر مورچہ کے بچاؤ کے لئے جوانوں نے اوڑی سے آگے بڑھنا بند کر دیا۔

جموں کا مورچہ

وادیٔ کشمیر میں جنگ کے دوران جموں پرانت کی سرحد کے ساتھ ساتھ بھی پاکستانیوں نے اُدھم مچا رکھا تھا۔ اور ایک ایسی خطرناک صورت اختیار ہو گئی تھی کہ جس سے جموں پرانت کی غیر مسلم آبادی نہایت ہی ہراساں تھی۔ راجوری۔ پونچھ۔ بھمبر۔ میرپور۔ نوشہرہ اور جھنگڑ بیری تین میں پاکستانی حملہ آوروں نے ریاست کی حفاظتی فوج کا محاصرہ کر لیا تھم میرپور سڑک اور گجرات بھمبر سڑک سے جموں پرانت میں داخل ہو کر پونچھ۔ میرپور کوٹلی اور بھمبر کے علاقوں اور دوسرے دیہات پر چڑھ دوڑے۔ ریاستی سپاہی ان ہزاروں ہتھیار بند حملہ آوروں کو روکنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ حملہ آوروں کی اس بے انداز طاقت کو دیکھ کر ہندوستانی افواج صوبہ جموں کو بچانے اور ریاستی افواج کی امداد کے لئے پہنچ گئیں

ریاستی محافظ فوج جو تعداد میں بالکل کم تھی۔ کو ہزاروں پاکستانی حملہ آوروں نے جا بجا محصور کر لیا لیکن ڈوگرہ فوجیوں نے پھر بھی ہار نہ مانی اور ہر جگہ جی توڑ کر مقابلہ کرتے رہے۔ ان سپاہیوں کو پونچھ میرپور کوٹلی جھنگڑ اور نوشہرہ میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ رسد و دیگر سامان اُوپر سے ڈالا گیا۔

جموں کے شمال مغرب کی طرف ۷۰۔۸۰۔۹۰ میل ہوائی راستے کی دُوری پر تین بڑی محافظ فوجیں میرپور۔ کوٹلی اور پونچھ میں تھیں۔ ان کے علاوہ ان ہی علاقوں میں بھمبر جھنگڑ اور نوشہرہ کی محافظ فوجیں تھیں۔ جن کا ہزاروں حملہ آوروں نے موجودہ جنگ کے سامان سے لیس ہو کر الگ الگ محاصرہ کر رکھا تھا۔ ۱۸ نومبر ۱۹۴۷ء کو نوشہرہ میں گھری ہوئی فوج کے ساتھ ہندوستانی افواج کا اگاڑ ہو گیا۔ اور ۱۹ نومبر

۱۹۴۷ء کو جھنگڑ میں گھرے ہوئے ریاستی سپاہیوں کو آزاد کرا لیا گیا۔

راجوری کی تباہی

قصبہ راجوری جو کہ جموں پرانت کا ایک پراچین شہر تھا ۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء کی رات کو پاکستانی لٹیروں کی زد میں آگیا۔ پاکستانیوں نے اس تاریخی اور خوبصورت شہر کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ راجوری میں آس پاس کے مسلمان جاگیرداروں، زمینداروں۔ غنڈوں۔ تنظیمی سرداروں۔ اسمبلی کے ممبروں۔ نمبرداروں ذیلداروں۔ ریٹائرڈ ملٹری افسروں۔ باغی سپاہیوں اور کٹر پنچ لیڈروں نے پوری طاقت سے حملہ آوروں کے ساتھ مل کر ایسی درندگی کا مظاہرہ کیا کہ ہلاکو اور چنگیز کے مظالم بھی مات ہو گئے۔ بے بس نہتے سینکڑوں لوگوں کا خون ناحق ہوا۔ دشمن ہزاروں کی تعداد میں خونخوار بھیڑیوں کی مانند جھپٹ رہا تھا۔ تو راجوری کی دھرم پرائن اور ستی دیویوں نے سیتا ساوتری اور پدمنی کی رسم جوہر ادا کر کے پیچھے چھوڑ دیا۔ ۱۱ نومبر کی صبح کو جب اُنہیں معلوم ہوا کہ باہر سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کی عورتوں اور بچوں کو دشمن نے اغوا کر لیا ہے۔ تو وہ تمام دیویاں جو احاطہ تحصیل میں جمع تھیں۔ نے اس بات پر اصرار کیا۔ کہ انہیں اور اُن کے بچوں کو زہر دے دیا جائے۔ تاکہ دشمنوں کے ہاتھوں پڑ کر اُن کی بے حرمتی نہ ہو۔ آخر جب نازک وقت قریب آ پہنچا تو چند نوجوان زہر تقسیم کرنے لگے۔ دیویوں اور نوجوان بچیوں نے اس زہر کو امرت سمجھ کر مانگ مانگ کر چاٹا۔ جن کو زہر نہ مل سکا۔ اُن کے اصرار پر اُنہیں تلواروں سے ہلاک کر دیا گیا۔ کیا مجال کہ کسی دیوی نے اُف کی ہو۔ راجوری کی تباہی اور پاکستانیوں کی اس پر قبضہ کی داستان نہایت ہی دردناک تھی۔ اور جب تک یہ دنیا قائم ہے۔ ایسے شاندار تاریخی ساکا کی رونگٹے کھڑے کرنے والی یاد مٹ نہ سکے گی۔

قصبہ بھمبر کی تباہی کی داستان

۱۵ اکتوبر سے ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک قصبہ بھمبر کو دشمن نے گھیرے میں رکھا۔ قصبہ کی حفاظت کے لئے صرف ۵۰ یا ۶۰ نوجوانوں پر مشتمل ایک ریاستی فوجی دستہ تعینات تھا۔ جب بھمبر پر حملہ ہوا تو ہزاروں کی تعداد کے مقابلہ میں ۵۰ یا ۶۰ نوجوان کیا وقعت رکھتے تھے۔ ان نوجوانوں نے جموں سے مزید کمک کے لئے استدعا کی۔ اور پانچ ٹرکوں پر افواج بھمبر کی طرف روانہ کیں۔ جنہوں نے راستہ میں دشمن سے زبردست مدافعت کی اور اُس پاکستانی یلغار کا مقابلہ کرتی ہوئی بھمبر تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی کہ جس نے قصبہ بھمبر کو خطرے میں ڈال رکھا تھا۔ اور بھمبر کے ڈاک بنگلہ کو اپنے قبضہ میں لے رکھا تھا۔ جب یہ جوان بھمبر میں داخل

ہوئے۔ تو انہوں نے ڈاک بنگلہ میں مقیم پاکستانی فوجیوں سے کڑا مقابلہ کیا۔ اور دشمن کا صفایا کر دیا۔ ڈاک بنگلہ پاکستانی درندوں کی لاشوں سے بھر گیا۔ اور اس طرح دشمن کو بھمبر میں پہلی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس عرصہ میں بھمبر کے مقامی لوگوں نے ملٹری کو تعاون پیش کیا۔

قصبہ کے ہندو سکھ عوام پاکستانیوں کی یلغار سے بہت سہم چکے تھے اور وہ اس جھڑپ سے خوف و ہراس کا شکار ہو گئے۔ قصبہ کے لوگوں نے نکاس کا کوئی راستہ نہ دیکھ کر خدا پر بھروسہ رکھا۔ آخر دو دن کے بعد ۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پاکستانی حملہ آوروں نے پہلے سے کئی گنا زیادہ طاقت سے حملہ کر دیا۔ کیونکہ بھمبر میں پاکستانی مقابلہ کے لئے زیادہ طاقت منظم نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اس حملہ میں پاکستان کی خواہش بر آئی اور بھمبر کا خوبصورت علاقہ اُن کے قبضہ میں چلا گیا۔

بھمبر جل رہا تھا۔ ہر طرف آگ کے شعلے آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ ہر طرف موت کا ڈراؤنا رقص ہو رہا تھا۔ لاشوں کے انبار اور مظلوموں کی چیخیں بھمبر کو پاکستانی حملہ آوروں نے دے دیں۔ بھمبر کے عوام کا بے دردانہ قتل عام اپنی ایک الگ داستان رکھتا ہے۔ باعصمت عورتوں کی بے حرمتی اور اُن کا اغوا انتہائی اذیت ناک واقعات ہیں۔ کئی جانباز عورتوں اور لڑکیوں نے اپنی عصمت بچانے کے لئے اپنی زندگیوں کو تلف کر دیا۔ کئی ایک نے زہر پھانک لیا اور ابدی نیند سو گئیں۔ اس تعلق میں شری دینا ناتھ مہاجن سابق منشیر مال کے برادر حقیقی لالہ اجودھیا ناتھ مہاجن (ممبر پرجا سبھا) نے اپنے کنبے کے دیگر رشتہ داروں کے ساتھ شہادت اختیار کر لی۔ اور دشمن کی اذیتوں کو اپنے لئے ناکام بنا دیا۔ اور اپنی بہو بیٹیوں کی عزت و عصمت بچا لی۔ اس کے بعد انبڑیالہ کو تباہ کر کے دیوا وٹالہ پر پاکستان نے قبضہ کیا۔

میرپور کی تباہی

۲۵ نومبر ۱۹۴۷ء کو قبائلیوں نے ریاست جموں و کشمیر کے اہم اور بڑے قصبہ میرپور کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اور لٹیروں نے سینکڑوں بے گناہوں کو تہ تیغ کیا۔ یا گولیوں سے بھون ڈالا۔ اور خون کی ندی بہا دی۔ سینکڑوں نوجوان عورتوں کو اغوا کر لیا۔ کئی دیویوں نے عصمت بچانے کے لئے کنوؤں میں چھلانگیں لگائیں۔ ہزاروں لوگ جن میں عورتیں، بوڑھے اور بچے بھی شامل تھے۔ اپنا گھر بار جائیداد اور لاکھوں کی املاک سے ہاتھ دھو کر اپنی جنم بھومی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ان میں اکثر دشمن کی گولیوں کا شکار ہوئے۔ اور بہت سے بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ غرضیکہ میرپور کی تباہی و بربادی کرنے کے بعد پاکستان نے اس سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

نوشہرہ کا ہیرو

۱۹۴۸ء کی پہلی سہ ماہی میں دشمن پٹھانکوٹ اور جموں کے درمیان سپلائی لائین کو کاٹنے کی لگاتار کوشش کرتا رہا۔ سانبہ اور کٹھوعہ کا درمیانی علاقہ دشمن کے طوفانی حملوں کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ جنوری کے آخر میں دشمن کے ۵۰۰ آدمیوں نے رام گڑھ پر ہلہ بول دیا۔ اور بے شمار دیہات کو نذرِ آتش کر دیا۔ تین ہزار پاکستانی چھمب کے علاقہ میں ہندوستانی فوجوں پر چڑھ دوڑے۔ اسی دوران میں دشمن نے صرف ایک دن میں ۲۵۰۰ بم گولے ہماری ملٹری حدود میں پھینکے۔

کوٹلی کی طرف سے بڑھتے ہوئے دشمن کے ۳۵۰۰ آدمیوں نے دسمبر ۱۹۴۷ء کے تیسرے ہفتے میں جھنگڑ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے دوسرے دن دشمن کی بھاری تعداد نے نوشہرہ کی پکٹوں پر مارٹروں سے گولہ باری شروع کر دی۔ مگر ہندوستانی ہوائی جہازوں نے اُن کو منتشر کر دیا۔

۴ جنوری ۱۹۴۸ء کی صبح کو دشمن نے دوبارہ نوشہرہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن اس بار بھی اُسے مُنہ کی کھانی پڑی۔

نوشہرہ سے مایوس ہو کر دشمن نے پونچھ کی طرف دباؤ تیز کر دیا۔

۶ فروری کو ۱۰۰۰۰ آدمیوں کی طاقت سے ایک بار پھر دشمن نوشہرہ پر چڑھ دوڑا۔ لیکن ہندوستانی توپ خانہ نے اُس کا مُنہ پھیر کے رکھ دیا۔ ایک اندازہ کے مطابق نوشہرہ کے محاذ پر دشمن کے (دو ہزار) آدمی مارے گئے اور سینکڑوں پٹھانوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ دشمن کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔ اور وہ لاشوں اور زخمیوں کو لے جانے میں لگ گیا۔

ان لڑائیوں نے برگیڈیر عثمان کا نام چمکا کر رکھ دیا۔ جگہ جگہ ان کی بہادری اور قابلیت کے چرچے ہونے لگے۔ مگر پاکستان تلملا اُٹھا۔ سٹپٹا اُٹھا۔ پاکستان ریڈیو سے اعلان کیا گیا کہ جو شخص برگیڈیر عثمان کو زندہ یا مردہ حالت میں لائے گا اُسے پچاس ہزار روپے کا نقد انعام دیا جائے گا۔

۱۸ مارچ کو جنرل کلونت سنگھ نے دشمن کے تین سو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر جھنگڑ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن جنوبی جھنگڑ کے رقبہ میں دشمن اپنی تیاریوں میں سرگرم کار رہا۔ اُس نے ۱۲ اپریل اور ۱۰ مئی کو پھر یکے بعد دیگرے جھنگڑ پر حملے کئے۔ لیکن اس کے ایک ہزار سے زائد آدمی کھیت رہے۔

۳ جولائی کا دن ایک بدترین اور نہایت منحوس دن تھا۔ جب دشمن نے ۲۵ پونڈ توپوں سے بھارتیہ ملٹری ایریا میں ۶۰۰ بم گولے پھینکے۔ ان میں سے ایک گولہ بہادر بریگیڈیر عثمان کو ہمارے درمیان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لے گیا۔ بستر مرگ پر بریگیڈیر عثمان نے اپنے جوانوں سے کہا۔ کہ "میں مر رہا ہوں۔ لیکن میری خواہش ہے۔ کہ دشمن اس زمین پر قدم نہ رکھنے پائے۔ جس کے لئے ہم لڑ رہے ہیں"

جموں فرنٹ پر راجوری کا قتل عام دل ہلا دینے والا واقعہ ہے۔ جب ہندوستانی فوجوں نے جھنگڑ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اور اپنے ٹینکوں کی مدد سے دشمن کے دفاعی استحکامات کو توڑ کر چنگس کو قبضہ میں کرتے ہوئے راجوری کی طرف بڑھے۔ تو دشمن کے اندر کھلبلی مچ گئی۔ اور راجوری کو خالی کرنا شروع کر دیا۔ لیکن جانے سے پہلے وہاں کے ہزاروں ہندو مردوں عورتوں اور بچوں کو موجودہ ہوائی اڈا کے پاس اکٹھا کر کے نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا۔

راجوری سے دشمن دو کروڑ روپے کی مالیت نقدی سونا۔ چاندی اور جواہرات لے گیا۔

دسمبر ۱۹۴۷ء تک اس فرنٹ پر ہماری فوجوں نے فوجی اہمیت کے بے شمار ٹھکانوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ اور نہایت تیز رفتاری سے پیش قدمی کرتی جا رہی تھیں۔ میجر جنرل آتما سنگھ اور بریگیڈیر یادو ناتھ سنگھ کی بہادری کی دھاک بیٹھ چکی تھی کہ سیز فائر ہو گیا۔

پونچھ فرنٹ

پونچھ میں ریاست کی تھوڑی تعداد میں فوج تھی۔ جسے دشمن نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اس فوج کے لئے اُمید کی صرف ایک شعاع باقی تھی۔ اور وہ تھی ہندوستانی ہوائی جہازوں کی آمد۔ مگر وہاں ہوائی جہاز کے اُترنے کے لئے کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لئے سول آبادی سے اپیل کی گئی۔ جس میں بہت ساری تعداد رفیوجیوں کی تھی۔ چنانچہ پانچ چھ ہزار مردوں۔ عورتوں اور بچوں نے ایک ہفتہ کی شبانہ روز محنت سے ہوائی جہازوں کے اُترنے کے لئے گراؤنڈ تیار کر دی۔

کرنیل ہیرانند دوبے ویر چکرہ

پونچھ کے محاذ پر جن ڈوگرہ افسروں نے اپنی کمان میں مٹھی بھر ریاستی فوجیوں کو لے کر بہادری کے جوہر دکھائے۔ ان میں لفٹیننٹ کرنیل ہیرانند دوبے کا نام نمایاں ہے۔ جو کہ اس محاذ پر شدید زخمی ہوا۔ ایک آنکھ بھی گولی کا چھرہ لگنے سے زخمی ہوئی۔ لیکن اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے اپنے قدموں پر ڈٹا رہا۔ کرنیل مالک سنگھ سلاتھیہ۔ کرنیل کمود سنگھ سلاتھیہ لفٹننٹ

سولچھن سنگھ سالاتھیہ اور دوسرے جوانوں نے بھی شاندار کام کر دکھایا - کرنیل زوپے کو بہادری کے صلہ میں ہند سرکار کی طرف سے ویر چکر عطا کیا گیا - پونچھ میں پیش قدمی کے لئے ہندوستانی افواج کا کام بے نظیر تھا - ۲۰ جون ۱۹۴۸ء کو پونچھ جموں ہیڈ کوارٹر سے ملا دیا گیا - جبکہ ایک فوجی دستہ نے راجوری کے شمال میں پیشقدمی کرتے ہوئے بفلیاز اور سوران کوٹ پر قبضہ کر لیا - اور ۲۳ جون ۱۹۴۸ء کو جوانوں نے دشمن کی مضبوط جو کی مینڈھر پر قبضہ کر کے اُس کے تمام ارادوں کو ملیا میٹ کر دیا - اسی طرح راجوری کے شمال اور شمال مغرب میں پیر کلیوا کو دشمن سے پاک کر کے نقنہ منڈی پر اپنا قبضہ کر لیا -

گلگت کی بغاوت

ایک طرف تو حملہ آور خانہ انداز میں دو میل سڑک پر سرینگر کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے - اور دوسری طرف شمالی سرحد کے دور افتادہ ضلع گلگت میں ایک مقامی انقلاب پرورش پا رہا تھا - جس کی ہمت افزائی پشاور سے کی جا رہی تھی -

برطانوی حکومت کے اعلان کے مطابق گلگت ایجنسی جولائی ۱۹۴۷ء کے آخر میں ریاست جموں و کشمیر کو واپس دے دی گئی - گلگت سکاؤٹس ایک سرحدی فوجی جماعت تھی - اس کے بعض مسلمان اور برطانوی افسروں نے ایجنسی کے انتقال میں رخنہ ڈالنے اور گلگت کو پاکستان میں شامل کرنے کی سازش میں عملاً حصہ لیا -

گلگت کے نئے گورنر بریگیڈیر گھنسار سنگھ کے گلگت پہنچتے ہی گلگت سکاؤٹس کے افسروں اور جونیئر کمانڈنگ افسروں نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ پاکستان کے ماتحت خدمات انجام دینا چاہتے ہیں - ساتھ ہی ساتھ انتظامی عمال نے بھی کام بند کر دیا -

اس طرح جب ریاست جموں و کشمیر نے گلگت اور گلگت ایجنسی کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا تو سارا نظم و نسق معطل تھا - گلگت سے ۳۴ میل کے فاصلے پر بونجی میں ریاست کی محافظ فوج مقیم تھی - یہ فوج چھٹی جموں و کشمیر پیدل فوج کی تقریباً دو کمپنیوں پر مشتمل تھی - جس میں آدھے سکھ اور آدھے مسلمان تھے - اس کے کمانڈر لفٹنٹ کرنل عبدالمجید خاں تھے -

ایک طرف تو قبائلی حملہ آور سرینگر کے دروازے پر تھے - اور دوسری طرف گلگت میں تناؤ بڑھتا جا رہا تھا - ۳۰ اکتوبر کو گورنر نے لفٹنٹ کرنل عبدالمجید خاں کو حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ فوج جتنی ممکن ہو سکے لے کر گلگت پہنچے -

۳۱ اکتوبر کو نصف شب کے وقت گلگت کے گورنر کی جائے قیام کو تقریباً ۱۰۰ گلگت سکاؤٹس نے جن کی قیادت افسران کر رہے تھے گھیر لیا - تمام شب یہ لوگ بنگلہ کو گھیرے رہے - اور صبح سکاؤٹس کے نمائندوں نے برگیڈیر گھنسارا سنگھ سے مل کر یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو پندرہ منٹ کے اندر اندر ان کے حوالہ کر دیں ورنہ گلگت کے تمام غیر مسلم گولیوں کا نشانہ بنا دیئے جائیں گے۔

گورنر کو گرفتار کر کے باغیوں نے ایک عارضی حکومت کا اعلان کر دیا - اس بغاوت کے "ہیرو" گلگت سکاؤٹس کے برطانوی کمانڈنٹ میجر براؤن تھے - سکاؤٹس اور ریاست کی محافظ فوج کے مسلمان افسران اس بغاوت کی سازش میں میجر براؤن کے شریک کار تھے - مسلمان افسروں کے ساتھ ساتھ ریاست کی محافظ فوج کے مسلمان سپاہی بھی چھوڑ بھاگے - بیشتر غیر مسلم عناصر کا قلع قمع کر دیا گیا - صرف چند لوگ بچ گئے جنہوں نے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لی۔

جنگلوٹ میں ایک غیر مسلم فوجی دستہ بیرحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا - بونجی میں متعین ایک سکھ کمپنی کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو ان لوگوں نے بھی پہاڑوں میں پناہ لی اور جنوب کی طرف بڑھے - لیکن ایک اور برطانوی افسر کیپٹن میتھی سن نے سرحدی سکاؤٹس کے ساتھ استور پر قبضہ کر کے اس راستہ کو مسدود کر دیا - جس سے سکھ کمپنی کے سپاہی پسپا ہو رہے تھے ۔ یہ دیکھ کر سکھ پھر جنگلوں میں واپس آ گئے - اور پندرہ روز تک جنگلوں کی خاک چھاننے کے بعد بھوکے پیاسے نہایت خستہ حالت میں بونجی پہنچے - اور اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالہ کر دیا۔

عارضی حکومت میں میجر براؤن، کیپٹن حسین احسان علی، کیپٹن محمد خاں، کیپٹن سعید خاں، لفٹننٹ حیدر اور صوبیدار میجر بابر خاں سب سے نمایاں تھے - میجر براؤن نے گلگت میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور کیپٹن حسین محافظ فوج کے صدر مقام بونجی میں جنرل کمانڈنگ ہونے کا ادعا کرنے لگا۔

۴ نومبر کو میجر براؤن نے گلگت کی سکاؤٹس لائمین میں پاکستان کا جھنڈا پورے رسوم کے ساتھ لہرایا - اس تقریب میں ریاست کے تمام عمال شریک ہوئے - نومبر کے تیسرے ہفتہ میں سردار محمد عالم پشاور سے گلگت پہنچا - اور گلگت میں پاکستان کا پولیٹیکل ایجنٹ بن گیا - پاکستان نے گلگت تک ہوائی سروس قائم کی - کثیر تعداد میں فوجی اور غیر فوجی افسر یہاں پہنچے اور رفتہ رفتہ نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا - گلگت میں باقاعدہ پاکستانی نظم و نسق کے قیام کے بعد میجر براؤن اور کیپٹن میتھی سن کا تبادلہ پشاور کر دیا اور پاکستانی افسروں نے گلگت سکاؤٹس اور ریاست کی باغی

فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ جس قدر دستاویزات ہمیں ملی ہیں ان سے پتہ چلا کہ سرحدی علاقے کے میروں اور راجاؤں نے اس بغاوت میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔ تمام واقعات اور حالات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ گلگت کی بغاوت سے مغربی جموں کی آزاد کشمیر حکومت کا کسی قسم کا کوئی لگاؤ یا تعلق نہیں تھا۔ بلکہ ریاست جموں و کشمیر کی باقاعدہ حکومت کا تختہ اُلٹنے کی اس تحریک کا مرکز حقیقتاً پشاور تھا۔ اور صوبہ سرحد کا وزیراعظم مسٹر عبدالقیوم خان اس کا ڈوریں ہلانے والا اور پشت پناہ تھا۔ مغربی جموں کی نام نہاد آزاد کشمیر حکومت کا قائد سردار ابراہیم خان مسٹر عبدالقیوم خان سے قریبی رابطہ کئے ہوئے تھا۔ اور مغربی جموں میں اپنی بغاوت کو تقویت پہنچانے اور اسے کامیاب بنانے کے لئے اس نے صوبہ سرحد سے بڑی مقدار میں اسلحہ حاصل کیا تھا۔

جنگ بندی اور مقبوضہ علاقے

یکم جنوری ۱۹۴۹ء تک ہندوستانی افواج نے دشمن سے بہت سا علاقہ چھڑا لیا۔ چنانچہ اس دوران ہندوستانی فوج ایک ہزار میل لمبے محاذ پر مقابلہ کرتی رہی۔ جس میں دنیا کے سب سے اونچے مقام لیہہ (لداخ) جنوب میں پٹھانکوٹ تک [illegible] لداخ میں کرگل اور [illegible] کشمیر میں ٹیٹوال اور [illegible] پونچھ کے علاقہ میں [illegible] اکھنور اور جموں میں پاکستان سرحد کے ساتھ چھمب تک [illegible]۔ گلگت۔ ٹیٹوال کے مغرب میں مظفر آباد کا علاقہ۔ پونچھ اور میرپور کے وہ علاقے جو پاکستان کی سرحد سے ۱۰ میل کے قریب ہیں۔ پاکستان کے ناجائز قبضے میں رہے۔ گلگت پر پاکستان نے اپنا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کر رکھا ہے۔ آخر یکم جنوری ۱۹۴۹ء کی رات کو ۱۱ بج کر ۵۹ منٹ پر اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن کی تجویز کی رو سے جنگ بندی عمل میں آگئی۔ اور ۴۰۰ دنوں کی جنگ [illegible] سال کی خونریزی۔ تباہی و بربادی۔ قتل و غارت عصمت دری اور لوٹ کھسوٹ ختم ہو گئی۔

کشمیر پر وائٹ پیپر

۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو ہند سرکار نے کشمیر وائٹ پیپر شائع کیا۔ جس میں انکشاف کیا گیا کہ کشمیر کے خلاف اس وقت تک ۶۰۰۰۰ اور ۸۰۰۰۰ کے درمیان پٹھان حملہ آور رہے ہیں۔ جن میں ۷۰ فیصدی ریاست دیر اور ریاست سوات کے پٹھان اور مسلمان ۲۰ فیصدی مفرور ریاستی سپاہی ۵ فیصدی پونچھی اور ۵ فیصدی سدھن ہیں۔

۸۰۰۰۰۰ پٹھانوں کی کل تعداد میں سے ۳۰۰۰۰ اور ۵۰۰۰۰ کے درمیان پاکستان کے خلاف سرگرم تھے۔ اور لگ بھگ ۱۳۰۰۰ کشمیر پر حملہ آور ہوئے۔ پاکستان میں پٹھانوں کے ٹھکانوں کی تعداد مندرجہ ذیل طور پر حسب ذیل

ایبٹ آباد ۶۰۰۰ سے ۸۰۰۰ تک۔ ڈیرہ قلعہ ۱۰۰۰۰۔ سرگودھا ۵۰۰۰۔ جہلم ۵۰۰۰۔ وزیرآباد ۸۰۰۰۔ سیالکوٹ ۲۵۰۰۔ شکرگڑھ ۷۰۰۔ لاہور ۱۲۰۰۰۔ راولپنڈی ۵۰۰۰۔ گوجرخان ۴۰۰۰۔ گجرات ۱۰۰۰۰۔ چک آویندو ۲۰۰۰۔ ہیڈ مرالہ ۴۰۰۰۔ چک سکھو ۲۰۰۔ چکی ... ۵۰۰۰۔ گلی میرزا ... ۱۰۰۰ ... سے ۵۰۰۰ تک۔

کشمیر اتحادی سبھائیں

شری پی تقسوی ناتھ کول نے اپنی کتاب "تصویر کشمیر" میں لکھا ہے کہ "کشمیر پر حملہ ہونے کے بعد جب ریاست ہندوستان کے ساتھ شمولیت کرنے پر مجبور ہوئی" اس وقت بہت سے لوگوں کو یقین نہ آسکا کہ یہ حملہ پاکستان نے کیا ہے اور جو قبائلی اور دیگر حملہ آور کشمیر کو فتح کرنے کی غرض سے آئے ہیں وہ پاکستان کے بھیجے ہوئے ہیں۔ پاکستان نے دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے ان لٹیروں اور حملہ آوروں کو "ریاست کے باشندوں" کا نام دے کر کہا کہ یہ مہاراجہ کشمیر کے خلاف لڑ رہے ہیں اور وطن کی آزادی کے "مجاہد" ہیں۔ لیکن یہ بات بھی زیادہ دیر تک پس پردہ نہ رہ سکی اور دنیا کو پوری طرح معلوم ہو گیا کہ پاکستان نے ریاست کو ہڑپ کرنے کی غرض سے اپنے فوجی اور شہری حملہ کرنے کے لئے بھیجے اور ان کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔"

چنانچہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو یعنی کشمیر کی ہند میں شمولیت کے دوسرے دن ہی ہند سرکار نے حکومت پاکستان سے درخواست کی کہ وہ کشمیر میں لٹیروں کو امداد دینا بند کر دے کیونکہ کشمیر کی ریاست شمولیت کی وجہ سے ہند یونین کا علاقہ ہے۔ اس کے بعد کئی بار ہند سرکار نے اپنی درخواست کو پھر دہرایا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو آخری بار درخواست کی۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو اس کے بارے میں ایک تار بھی بھیجا لیکن پاکستان کے کان پر جوں تک بھی نہ رینگی اور وہ الٹے بہانے بناتا رہا۔ حالانکہ ہندوستان نے بار بار واضح کیا کہ کشمیر کی شمولیت صرف عارضی طور پر مانی گئی ہے اور شمولیت کا آخری فیصلہ رائے عامہ سے کیا جائے گا، لیکن پاکستان یہ نہ مانا اور جنگ کو وسیع کرتا رہا۔

چونکہ لٹیروں کے اڈے - رسد اور سامان جنگ کے ذخیرے پاکستانی علاقہ میں تھے اس لئے ہندوستان کے لئے لٹیروں کے ساتھ نپٹنا آسان نہ رہا - نیز پاکستان سے بار بار درخواست کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہ نکلا - جنگ وسیع پیمانے کی شکل اختیار کر رہی تھی اور خطرہ ہر طرف بڑھ رہا تھا - اس طرح بین الاقوامی امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ تھا - آخر مجبور ہوکر ہندوستان نے مجلس اقوام متحدہ کے دروازے پر دستک دی اور اعلان کیا کہ وہ جنگ کو روکنے کے لئے پاکستان کے خلاف شکایات کرنے پر آمادہ ہوا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہر ایک چیز شائستگی سے کی جائے - ۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ہند سرکار نے اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ ۳۵ کے تحت سکیورٹی کونسل کو ایک میمورنڈم بھیجا۔"

ہندوستان کا میمورنڈم

"ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک ایسی حالت پیدا ہوگئی ہے جو بین الاقوامی خطرے کا باعث بن سکتی ہے کیونکہ پاکستان جموں و کشمیر کے خلاف جس نے ہند کی نوآبادی میں شمولیت کی ہے اور ہندوستان کا ایک حصہ ہے، حملہ آوروں کی مدد کرتا ہے - جن میں پاکستان کے ہم قوم لوگ اور پاکستان سے ملے ہوئے شمال مغربی علاقہ کے قبائلی ہیں -

"ہند سرکار سکیورٹی کونسل سے درخواست کرتی ہے کہ وہ پاکستان سے کہہ دے کہ وہ (پاکستان) ایسی امداد دینا فوراً بند کرے کیونکہ یہ ہندوستان کے خلاف جارحانہ اقدام ہے - اگر پاکستان ایسا نہیں کرے گا تو ہند سرکار حملہ آوروں کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کے لئے دفاعی صورت میں پاکستانی علاقے میں داخل ہونے پر مجبور ہوگی - اس لئے یہ معاملہ فوری تعمیل طلب اور بین الاقوامی امن میں خلل (خلاف ورزی) کو روکنے کے لئے کونسل کی توجہ کا طلبگار ہے -

یہ واقعات پورے طور پر ظاہر کرتے ہیں :- (ا) کہ حملہ آوروں کو پاکستانی علاقے کے پار عبور کرنے کی اجازت دی جاتی ہے - (ب) کہ انہیں فوجی کارروائی کے صدر کیمپ کے لئے پاکستانی علاقہ استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے - (ج) کہ ان میں پاکستان کے قومی شامل ہیں - (د) کہ وہ اکثر سامان جنگ، رسل و رسائل اور رسد (پیٹرول

کے معیت) پاکستان سے حاصل کر رہے ہیں۔ (م) کہ پاکستان کے افسر انہیں ٹریننگ (تربیت) رہنمائی اور دیگر کئی طریقوں سے سرگرمی کے ساتھ مدد دے رہے ہیں۔ اور پاکستان کے بغیر اور کوئی ذریعہ نہیں جہاں سے وہ موجودہ زمانے کے فوجی سامان کو اتنی بڑی تعداد میں حاصل کر سکیں۔ ہند سرکار نے حکومت پاکستان سے درخواست کی کہ وہ حملہ آوروں کے لئے سہولتیں بند کرے کیونکہ اس طریقے سے وہ جارحانہ اور مخالفانہ کام کی تشکیل دے رہے ہیں۔ لیکن اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ اس مقصد کے پیش نظر کہ حملہ آوروں کو ہندوستان کے علاقے سے نکال لے اور انہیں تازہ حملہ کرنے سے فوری طور روکنے کے لئے ہندوستانی سپاہیوں کو پاکستانی علاقے میں داخل ہونا پڑے گا اور اس طرح حملہ آوروں کو صدر کیمپ کے استعمال کرنے کی اجازت نہ مل سکے گی اور پاکستان میں ان کے رسد اور کمک کے ذرائع کٹ جائیں گے۔

چونکہ یہ امداد جو کہ حملہ آوروں کو پاکستان سے مل رہی ہے۔ ہندوستان کے خلاف جارحانہ اقدام ہے۔ ہند سرکار بین الاقوامی قانون کے ماتحت حملہ آوروں کی موثر سرکوبی کرنے کے لئے اپنے مسلح فوجی پاکستانی علاقے میں بھیجنے کی مستحق ہے۔ اس لئے یہ کونسل سے درخواست کرنے میں حق بجانب ہے کہ وہ حکومت پاکستان سے مطالبہ کرے کہ:۔

(۱) پاکستان کے فوجی اور شہری لوگوں کو ریاست جموں و کشمیر کے حملے میں حصہ لینے یا امداد کرنے سے روک دے۔ (۲) دوسرے پاکستانی شہریوں کو ریاست جموں و کشمیر کی لڑائی میں حصہ لینے سے باز رکھے۔ (۳) حملہ آوروں کو (ا) کشمیر کے خلاف فوجی کارروائی میں اپنے علاقے سے گزرنے اور اسے استعمال کرنے (ب) فوجی اور دوسرے سامان رسد کو حاصل کرنے اور (ج) کمک کے تمام دوسرے طریقوں سے جو موجودہ لڑائی کو لمبا کرنے کے باعث ہوں روکے۔"

ریڈیو اسٹیشن کا افتتاح

ہند سرکار نے کشمیر کے خلاف پاکستان ریڈیو کی زہر چکانی اور مکروہ پراپیگنڈہ کو روکنے کے لئے پہلے جموں میں اور اس کے جلد بعد سرینگر میں ریڈیو اسٹیشن قائم کیا۔ جموں میں ریڈیو اسٹیشن یکم دسمبر ۱۹۴۷ء(۱) کو قائم کیا گیا جس کی رسم افتتاح مہاراجہ بہادر ہری سنگھ نے ریاستی جنتا کے نام اپنا پیغام براڈکاسٹ کرتے ہوئے کی۔

(۱) یہ ریڈیو اسٹیشن جموں کے رنبیر ہائی سکول میں قائم ہوا۔ افتتاح کے وقت مہارانی صاحبہ اور بخشی غلام محمد مہاراجہ کے ہمرکاب تھے۔

مہاراجہ کا پیغام

مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے پیغام میں کہا- کہ ہماری رعایا اور ریاست کی تاریخ میں ایک نیا باب لکھا جا رہا ہے- اہم اور ہنگامی فیصلے کئے گئے ہیں- ہم ہندوستان یونین میں شامل ہو گئے ہیں- ہمیں یہ تواریخی فیصلہ ایسے کٹھن وقت پر کرنا پڑا جب ہمارے وجود پر حملہ کیا گیا- اور ہم پر زیادتیاں کی گئیں- اُس وقت سے برابر جنگ جاری ہے- اس نازک وقت میں آپ کے ساتھ اس ریڈیو اسٹیشن سے بات چیت کر رہا ہوں- اُمید ہے کہ جموں ریڈیو اسٹیشن سے جو پروگرام سنائے جائیں گے وُہ ایسے ہوں گے جنہیں سُننے والے پسند کریں گے- اور جن سے سب دلچسپی رکھیں گے- یہ ریڈیو اسٹیشن ریاست کی اہم ضرورت کو پُورا کرے گا- یہ اسٹیشن رعایا کو تعلیم دینے اور ریاست میں نیک خیالات پھیلانے کا ذریعہ ہوگا- ریاست میں لوگوں کے سامنے سچی خبریں رکھنے کا اب تک کوئی وسیلہ نہ تھا- ہم حکومت ہند کے ازحد ممنون ہیں جس کی مہربانی سے ہم اسٹیشن سے بول رہے ہیں- اس کی امداد سے یہ قائم ہوا- ہند سرکار برابر ہماری امداد کر رہی ہے- اس کے لئے ہم اپنی رعایا اور حکومت کی طرف سے اُس کا شکریہ ادا کرتے ہیں- ہم پنڈت جواہر لال نہرو- سردار ولبھ بھائی پٹیل- اور سردار بلدیو سنگھ کے انتہائی احسانمند ہیں- فکر اور مشکل میں ہماری اُنھوں نے مدد کی-

میری رعایا کو یہ معلوم ہی ہے کہ ہم یہاں جلد لوک راج قائم کرنا چاہتے ہیں- جس سے ریاست کے نئے آئین پر جلد سے جلد عمل ہو سکے- ہم نے اپنے وزیراعظم کو ہدایت کی ہے کہ عبوری حکومت قائم کی جائے- اُمید ہے کہ یہ عبوری حکومت جلد اپنا کام شروع کر دے گی- ہماری رعایا اس موقعہ کا فائدہ اُٹھائے- اور اپنا تعاون پیش کرے- ہمیں اس بات کا وشواس ہے کہ وُہ سُکھ دُکھ میں اکٹھے رہیں گے- تاج کے وفادار رہیں گے- اور سب فرقوں کی خدمت کرنا اپنا دھرم سمجھیں گے- پرماتما ہمیں سچا راستہ دکھائے اور ہم جو قدم اُٹھائیں اُس سے سب کو سُکھ پہنچے- ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ ہماری رعایا میں شیخ محمد عبداللہ جیسے سچے اور دلیر لیڈر ہیں- وُہ ایک ایسی ہستی ہیں- جنہوں نے لوگوں کو ٹھیک راستہ دکھایا- وُہ اور آنریبل مہر چند مہاجن جنہوں نے مشکل وقت میں ہمیں ٹھیک مشورہ دیا- آپس میں مل جُل کر لوگوں کی رہنمائی کریں گے- جس سے سب خوشحال بن جائیں- فوجی سپاہیوں کو بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا

ایسی بہادری سے لڑے۔ جس کی دُنیا میں مثال ملنی محال ہے۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ وہ آگے بڑھیں گے۔ جن فوجی سپاہیوں اور آفیسروں نے اپنی جانیں دیں۔ انہوں نے ریاست کی بہت خدمت کی ہے۔ اُن کا نام اور کام ہمارے دلوں میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا۔ جہاں تک ہو سکے گا۔ اُن کے کنبوں کی پرورش کی جائے گی ہم ہندوستان کے اُن فوجی آفیسروں اور سپاہیوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جنہوں نے ہماری امداد کی۔ اور جانیں قربان کیں۔ اُن کا احسان کبھی چُکایا نہیں جا سکتا۔

ریاست میں بہت سارے لوگ مر گئے۔ بہت سے لوگوں کے گھر جلا دیئے گئے۔ ہم اُن کو دِلی ہمدردی کا پیغام دیتے ہیں۔ جب ہم اُن کی مصیبتوں کا حال سنتے ہیں۔ تو ہمارا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ پرماتما انہیں صبر اور ہمت دے۔ اور مصیبتیں جھیلنے کی توفیق عطا کرے۔ جہاں تک ہو سکے۔ ہم ہر ممکن طریقے سے اُن کے بچاؤ اور پھر بسانے کا انتظام کریں گے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ریاست میں بہت جلد امن قائم ہوگا۔ اور ریاست حملہ آوروں سے جلد پاک ہو گی۔ اور لوگ بُرے حالات کا دلیری سے مقابلہ کریں گے۔

مہارانی صاحبہ تارا دیوی کا پیغام

ہر ہائینس مہارانی تارا دیوی جموں و کشمیر نے ریاست کے لوگوں کے نام ایک پیغام براڈکاسٹ کرتے ہوئے کہا۔ کہ جب کہ ہمسایہ ممالک میں ہندو مسلم فساد کی آگ لوگوں کو جلا رہی تھی۔ ہماری ریاست میں بسنے والے لوگ امن اور چین سے دن گزار رہے تھے۔ ریاست میں ہر جگہ ہندو مسلمان آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔ مہاراجہ بہادر کی یہ خواہش پوری ہو رہی تھی۔ کہ اُن کی رعایا اچھی طرح رہے۔ کیونکہ اُن کی پیاری رعایا اُن کی دو آنکھیں ہیں۔ لیکن ہمارے دشمنوں کو یہ نہ بھایا۔ دشمن نے ہماری پیاری جنم بھومی پر یک دم حملہ کر دیا۔ کچھ ریاستی باشندوں نے بھی اپنی ماتری بھومی سے غداری کی۔ وہ دشمنوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف لڑ رہے ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ ہماری بہنوں اور بچوں کو ان گنت مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ حضور مہاراجہ بہادر کو اور مجھے اُن سے ہمدردی ہے جب سے ہم ریاست میں بُرے حالات دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں بڑا کشٹ پہنچ رہا ہے۔ ہم ہر ممکن طریقے سے

مصیبت زدگان کی امداد کریں گے - ہمارے لوگوں کو حوصلہ اور دلیری سے کام لینا چاہیئے- زندگی میں مصیبتیں آتی ہی رہتی ہیں - بہادر لوگ ہمت کے ساتھ اُن کا مقابلہ کرتے ہیں - وہ گھبراتے نہیں - آپ ایشور پر بھروسہ رکھیں - اور بہادری کے ساتھ اپنا فرض پورا کریں - ہماری ریاست کے لوگوں کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اس مشکل سمے میں ذاتی مفاد کو پیچھے ڈال کر قومی سیوا کو سامنے رکھنا چاہیئے - جو تھوڑا بہت کھانے اور پہننے کے لئے ملے - اُس پر گزارہ کیا جائے - میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتی ہوں - کہ ہماری فوجیں سرحدوں پر دشمن کا مقابلہ کر رہی ہیں - گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں - ہر ایک کو اس وقت اپنا فرض پورا کرنا چاہیئے -

ریاست میں جو لوگ جھوٹی افواہیں پھیلا رہے ہیں - وہ غدار ہیں - ان افواہوں سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں - ایسے غدار ہرگز دیش بھگت نہیں - وہ دیش کے دشمن اور غدار ہیں - دیش کے یہ دشمن ریاست میں اس وقت جھگڑے کی جو آگ بھڑکاتے ہیں - وہ دشمن کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں - آپ کی وفاداری کا تقاضا یہی ہے - کہ آپ امن قائم رکھیں اور امن سے رہیں - کیونکہ اس سے سکھ ملتا ہے - اور اس طرح ہم دشمن کا خاتمہ کر سکتے ہیں -

شری حضور مہاراجہ بہادر اپنی پیاری رعایا ہندو مسلمانوں اور ہر مذہب کے لوگوں کو ایک جیسا سمجھتے ہیں - آپ سب مل کر امن قائم رکھیں - اور سرکار کی ہر طرح سے امداد کریں - ماتری بھومی کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینا آپ سب کا فرض ہے - جنہوں نے قربانی دی - وہ اپنی مثال آپ ہیں - ہم اُن کی دیش بھگتی کی قدر کرتے ہیں - جن وفادار افسروں اور سپاہیوں نے جانیں دیں - ہم اُن کو کبھی بھول نہیں سکتے - دیش فخر سے اُن کا نام لے گا - سچی قومی خدمت یہی ہے - کہ جہاں ہندو سکھ زیادہ ہوں - وہاں وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کریں - جہاں مسلمان زیادہ ہوں - وہاں وہ اپنے غیر مسلم بھائیوں کی مدد کریں - میں اُن بہادر فوجیوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں - جنہیں ہند سرکار نے ہماری حفاظت کے لئے بھیجا - ان فوجیوں نے اپنی بہادری کا نام چمکایا ہے - ہماری پرماتما سے پرارتھنا ہے کہ ہماری سب رعایا مل کر مہاراجہ بہادر اور دیش کی پوری خدمت کرے - اُس میں اعتماد پیدا ہو - اور بھگوان سب پر مہربانی کریں -

تباہ حال اور مظلوم شرنارتھی

پاکستانی حملے کے نتیجے کے طور پر ریاست کے لاکھوں لوگ بے سروسامان اور بے گھر ہو گئے۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ ہزاروں ریاستی اور بھارتیہ سپاہی ریاست کو بچانے کے لئے موت کا شکار ہو گئے۔ اور اُن سے کئی گنا زخمی اور ناکارے ہوئے۔ بھارتیہ جوانوں نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے دسمبر ۱۹۴۹ء کے اخیر تک ایک ہزار میل لمبے مورچے پر دشمن کا مقابلہ کیا۔ اور پندرہ ہزار فٹ سے بھی بلند چوٹیوں پر کشمیر کی حفاظت کے لئے لڑے۔ اور دشمن کو آگے بڑھنے نہ دیا۔ ہند سرکار نے ریاست کے لاکھوں شرنارتھیوں اور مظلوم لوگوں کی جو امداد کی۔ وہ لائق تعریف ہی نہیں بلکہ ایک ایسا احسان عظیم ہے۔ جسے ریاستی لوگ رہتی دُنیا تک فراموش نہیں کر سکتے۔ سرینگر جموں اور دیہات میں تباہ حال لوگوں کے کیمپ پھیلے تھے۔ جموں کے نزدیک نگروٹہ کیمپ میں ایک لاکھ شرنارتھی جمع تھے۔ اس کیمپ کی مکمل نگرانی ہند سرکار نے اپنے ذمہ لے لی۔ اس کے علاوہ کنگسوے کیمپ دہلی۔ صفدر جنگ کیمپ نیو دہلی۔ اور بنارس کے کیمپ میں جو شرنارتھی تھے۔ اُن کی ہند سرکار کے علاوہ حکومت کشمیر۔ مہاراجہ ہری سنگھ۔ مہارانی تارا دیوی اور یوراج کرن سنگھ نے کافی مدد کی۔ لاکھوں ریاستی لوگ بے بس اور بے کس تھے۔ پاکستانیوں نے اُن کے خاندان رشتہ دار۔ عورتیں۔ بچے۔ بڈھے ہلاک کر دیئے تھے۔ اُن کے گھر بار لوٹ لئے تھے۔ کروڑوں روپیہ کا سامان اور مال ومنال جائیداد وغیرہ پاکستانی بربریت اور حیوانیت کی نذر ہو چکی تھی۔ مظلومین بے کسی کی تصویر بنے در بدر ہو رہے تھے۔ ایسے وقت میں جموں شہر میں جو شرنارتھیوں کے ہجوم مارے مارے پھر رہے تھے۔ اُن کے سر چھپانے کے لئے شہر کے تمام سنیما ہال۔ کالج۔ سکول۔ دھرم شالائیں۔ سرائیں۔ رگھوناتھ مندر اور دوسرے بڑے بڑے مندروں کے ملحقہ مکانات کو خالی کرا لیا گیا۔ مہاراجہ بہادر نے اپنے پرائیویٹ ٹرسٹ دھرمارتھ کے خزانہ کا منہ کھول دیا۔ ایک اندازہ کے مطابق اس ٹرسٹ سے مہاراجہ نے تیرہ لاکھ روپیہ نقد رفیوجیوں اور تباہ حال مظلومین کی خوراک وغیرہ کے خرچہ کے لئے دے دیا۔ جموں پرانت میں جہاں جہاں بھی شرنارتھی کیمپ تھے۔ وہاں کا دورہ کر کے کمبل۔ رضائیاں۔ دریاں۔ نمدے۔ اونی سویٹر۔ گرم شال۔ چادریں اور اسی قسم کے دوسرے پارچات تقسیم کئے۔ اسی طرح مہارانی تارا دیوی اور یوراج

کرن سنگھ نے بھی اپنی جیب خاص سے ہزاروں روپے دیئے - مہارانی صاحبہ نے استری سیوا دل قائم کر کے شرنارتھی عورتوں اور بچوں کی زیادہ سے زیادہ امداد کی - دلی میں جاکر بھی شرنارتھی کیمپوں کا دورہ مہاراجہ کے ہمراہ کر کے پناہ گزینان اور بے گھر لوگوں کی دل کھول کر امداد کی - پاکستانی مظالم اور پاکستان کے مجاہدوں کی نامناسب حرکات - اندھا دھند لوٹ کھسوٹ - قتل و غارت - حیوانیت اور وحشیانہ پن کے حالات سن سن کر پتھر دل انسان بھی خون کے آنسو رو اٹھتا تھا - ۲۶ دسمبر کو جب مہاراجہ ہری سنگھ اور مہارانی تارا دیوی نے نائب ناظم اعلیٰ بخشی غلام محمد اور چیف ایمرجینسی آفیسر کرنیل بالدیو سنگھ پٹھانیہ کو ساتھ لے کر جموں میں پناہ گزین کیمپوں کا معائنہ کیا - اور جموں سے باہر شرنارتھی کیمپوں میں گئے - تو مہاراجہ نے تیس ہزار روپیہ اپنی جیب خاص سے شرنارتھیوں کی امداد کے لئے دیا جس میں پانچ ہزار شری یوو راج کی طرف سے تھا - مہاراجہ اور مہارانی نے پناہ گزین کیمپوں میں یتیم بچوں اور بیواؤں کو تسلی دی - ان کی حالت زار دیکھ کر اور دکھ بھری داستان سن کر مہاراجہ بہادر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے -

---

؎ مؤلف اُن دنوں جموں سے ”چاند“ روزانہ نکال رہا تھا - ایک روز کا ذکر ہے کہ شری دیا کشن گردش (موجودہ چیف ایڈیٹر روزنامہ ”ہند سماچار“ جالندھر) شری اجودھیا ناتھ بال (موجودہ ایڈیٹر روزانہ ”ہندی ویر ارجن“ دہلی) جو کہ اس وقت اخبار کی ادارت میں میرا ہاتھ بٹاتے تھے - اور دیگر ممبران ایڈیٹوریل سٹاف دفتر میں اخباری کام کاج میں مصروف تھے - کہ ایک ۲۵ سالہ نوجوان دفتر چاند میں آیا اس نے گلابی پگڑی باندھ رکھی تھی - گلابی قمیص پہنی ہوئی تھی - پاؤں ننگے اور چوڑیدار تنگ سفید پاجامہ کرمزی رنگ کا کناری دار دوپٹہ اس نے گلے میں لپیٹا ہوا تھا - دفتر میں آ کر اس نے مؤلف سے مسکراتے ہوئے نرگس سے گرم کپڑا مانگا - سٹاف کے ایک رکن نے کہا - ”تو گرم کپڑا مانگتا ہے - معلوم تو یوں ہوتا ہے - جیسے ابھی شادی کر کے آیا ہو - اور گلے میں تو کناری دار مفلر بھی ہے“ - یہ الفاظ نوجوان پر بجلی کی طرح گرے - اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے - اس نے کہا ”میں شادی کر کے ہی آ رہا ہوں - موضع کیشو تحصیل اکھنور کے پاس میرا گھر ہے - میری شادی ہو رہی تھی - تمام رشتہ دار جمع تھے - لڑکیاں گیت گا رہی تھیں - پنڈت وید منتر بول رہے تھے - اور ہم ہون کنڈ کے گرد گھوم رہے تھے - اس وقت گولی چلنا شروع ہوئی اور حملہ آور مکان کی چھت پر چڑھ آئے تھے - میرے دیکھتے دیکھتے صحن (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مہاتما گاندھی کی پدرانہ نصیحت

ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں کے باہمی اتحاد اور اُن کے ہندوستان میں آنے جانے کے راستہ کے متعلق ۲۸ نومبر ۱۹۴۷ء کی پرارتھنا سبھا میں بھاشن دیتے ہوئے مہاتما گاندھی نے کہا۔ کہ جس طور ہندوستان کے پردھان منتری جواہر لال ہیں۔ اُسی طرح لیاقت علی بھی پاکستان کے پردھان منتری ہیں۔ اور شیخ محمد عبداللہ جنہیں شیر کشمیر کہتے ہیں۔ واقعی وہ شیر ہیں اور شیروں سا کام کیا ہے۔ انہوں نے کشمیر میں جتنے ہندو سکھ مسلم ہیں۔ سب کو انہوں نے اپنے ساتھ لے لیا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ جموں بھی گئے تھے۔ جموں میں ہندوؤں کی طرف سے زیادتیاں ہوئی ہیں۔ مہاراجہ صاحب بھی وہاں ہیں۔ پردھان منتری بھی۔ کیا جموں و کشمیر میں دو پردھان منتری ہیں؟ میں نے شیخ صاحب سے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا مجھے خود بھی معلوم نہیں۔ میں نے ریاست کا انتظام سنبھال لیا ہے۔ جموں میں جو کچھ ہوا۔ وہاں مہاراجہ نے کروایا یا پردھان منتری نے۔ لیکن بہرحال شیخ محمد عبداللہ نے یہ دیکھ کر بھی اپنا دماغ بگڑنے نہ دیا۔ انہوں نے ہندوؤں کو اپنے ساتھ ۱۰

(فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سے آگے) میں لاشوں کے انبار لگ گئے۔ کئی لڑکیاں اپنے گیت کی تان کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے سو گئیں۔ پنڈت وید منتر بولتے بولتے گیند کی مانند ہون کنڈ میں گر پڑا۔ حملہ آوروں کے ایک گروہ نے آ کر میری دُلہن کا بازو پکڑ لیا۔ میرے ہاتھ میں اُس وقت تلوار تھی۔ میں نے بازو پکڑنے والے کی گردن اُڑا دی۔ اتنے میں ایک گولی چھت سے میری بیوی کو لگی میں بھی اُس کے ساتھ ہی فرش پر گر پڑا۔ حملہ آور آئے اور سب کچھ لوٹ کر چلتے بنے۔ مجھے ہوش آیا۔ تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ میں نے پنڈت کی لاش کو ہون کنڈ سے گھسیٹ کر باہر نکالا۔ اور پھر اپنی دُلہن کی لاش کو اُٹھا کر ... اگنی کنڈ کے گرد شادی کے پھیرے ... جیسے آپ نے مقدر کہا ہے یہ میری دُلہن کی آخری نشانی ہے۔ یہ وہ پٹکا اُس نے مرتے وقت پہن رکھا تھا۔ جب میں نے لاش کا گھونگٹ اُتارا۔ اُس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنے گلے سے دوپٹہ کھول کر دکھایا۔ اُس میں خون کے داغ تھے اور دو جگہ گولی کا نشان۔ نوجوان داغوں کو دیکھ کر زار و قطار رونے لگ پڑا۔ شاید ۸ دسمبر ۱۹۴۷ء کی بات ہے کہ مؤلف اپنے رفیق نادر شری دیا کرشن گردش سابق ایڈیٹر چاند کے ساتھ ایک دن پناہ گزینوں کی حالت زار دیکھنے کے لئے سری (باقی اگلے صفحہ پر) ۵

لے لیا۔ کشمیر اور ہندوستان کو آپس میں ملانے کا راستہ ہونا چاہیئے۔ کشمیر کے پہاڑ اُونچے ہیں۔ چودہ ہزار فٹ تک اُونچائی ہے۔ دس ہزار فٹ بھی ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ آمد و رفت ہو۔ کشمیر اور ہند میں آنے جانے کا راستہ صاف ہونا چاہیئے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ آرام سے جانے دیں یا نہ دیں۔ کشمیر کو پہلے مری کا راستہ تھا۔ وہ بند ہو چکا ہے۔ ایک راستہ ہے۔ جو سیدھا ہند اور کشمیر کو ملاتا ہے۔ وہ پوربی پنجاب سے ہے۔ کشمیر پھلوں کا باغیچہ ہے۔ یہاں خوبصورت چیزیں بنتی ہیں۔ شالیں ملتی ہیں۔ یہ ساری چیزیں تو ہوائی جہاز کے ذریعہ آجا نہیں سکتیں۔ اس لئے پوربی پنجاب کی طرف سے جو راستہ ہے وہ ٹھیک ہے۔ پوربی پنجاب میں جو ہندو رہتے ہیں۔ وہ ایسے بدمعاش ہیں کہ مسلمان کو اُس راستہ سے آنے نہیں دیتے۔ پوچھتے ہیں۔ کہ چوٹی ہے کہ نہیں؟ ہندو سکھ ہے تو وہ اچھا۔ مسلمان نکلا تو بس جان گئی۔ میں پوربی پنجاب کی جنتا کو کہوں گا۔ کہ بہت کچھ ہو گیا۔ اب راستہ صاف ہونا چاہیئے۔ کشمیر کے لوگ اسی راستہ سے آئیں جائیں گے۔ کشمیر ہند یونین میں آگیا ہے۔ تو اس کی اگر حفاظت نہ کی جائے اور اسے راستہ نہ ملے۔ تو کیا کشمیر کی تجارت

(فٹ نوٹ گزشتہ صفحہ سے آگے) زبیر باغ سکول میں گیا۔ جہاں کہ سینکڑوں مظلوم پناہ گزین تھے۔ تو ہم نے وٹالہ کے علاقہ سے آئی ہوئی ایک اسی سالہ راجپوت بڑھیا کو ایک اینٹ بغل میں دبائے دیکھکر پوچھا۔ "یہ اینٹ کس لئے اُٹھائے پھرتی ہو۔ تم تو کمزوری کے سبب اپنا جسم اُٹھانے کے قابل ہی نہیں"؟ یہ الفاظ سُن کر بڑھیا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رُندھے گلے سے بولی۔ یہ اینٹ میرے گھر کی نشانی ہے۔ دس سال کی عمر میں میری شادی ہوئی تھی۔ تب میں اپنے سُسرال کے گھر آئی۔ اور متواتر ستّر سال اُس مکان میں رہی۔ ۷۰ سال کی طویل مدت میں ایک بار بھی اُس گھر کو میں نے نہیں چھوڑا۔ بڑی بڑی بارشیں ہوئیں۔ بجلیاں گریں۔ بڑے بڑے طوفان آئے۔ ہر مصیبت میں اُس مکان نے مجھے پناہ دی۔ میں نے اُس مکان کی حفاظت کی۔ اُسی مکان کے چھت تلے میں نے اپنے مرحوم شوہر کے ساتھ کتنے ہی سال گزارے۔ اسی مکان میں بیٹے اور پوتے پیدا ہوئے۔ اور بہوئیں گھر آئیں۔ اور ایک ایک کرکے یہ تمام مجھ اکیلی کو اس مکان کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر دوسری دنیا کو چلے گئے۔ اب مجھے ظالم پاکستانیوں نے اُس گھر سے نکال دیا ہے۔ گھر سے نکلتے نکلتے نشانی کے طور پر میں یہ اینٹ اُٹھا لائی ہوں۔ اور اسے اپنے سینے سے لگائے پھر رہی ہوں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

عبداللہ کا ہاتھ پنڈت جواہر لال نہرو نے سرِ عام پکڑ کر کہا تھا کہ ہم ریاست کو پاکستان میں جانے نہیں دیں گے۔ اور اپنا یہ وعدہ پورا کریں گے۔

براڈکاسٹنگ اور انفارمیشن کے محکمے

ایمرجینسی حکومت نے شیخ محمد عبداللہ ہیڈ آف ایڈمنسٹریشن کے حکم سے ریاست کے پبلسٹی محکمہ کی تنظیم نو کے لئے پنڈت جانکی ناتھ زتشی جرنلسٹ جو کہ شیخ عبداللہ کا قریبی ساتھی تھا۔ اور جو کشمیر چھوڑ دو تحریک میں قید بھی رہا تھا۔ کو مقرر کیا۔ مسٹر زتشی نے پبلسٹی سیکریٹری کی حیثیت سے محکمہ انفارمیشن اور براڈکاسٹنگ کو نئے سرے سے آرگنائز کیا۔ جموں میں اخبار نویسوں کی ایک میٹنگ بلا کر ۲۹ دسمبر ۱۹۴۷ء کو زتشی صاحب نے کہا۔ کہ ہم ریاست کے اس ضروری اور اہم محکمہ کو جو کہ حکومت وقت کا نفس ناطقہ کے طور کام کر رہا ہے۔ از سرِ نو آرگنائز کر رہے ہیں۔ اور اس میں اخبار نویسوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے اس محکمہ کے کارکنوں اور اخبار نویسوں کے تعلقات کوئی خاص خوشگوار نہیں رہتے تھے۔ بلکہ اخبارات کو بلیک لسٹ کے جھنجھٹوں میں رکھا جاتا تھا۔ اور پبلسٹی آفیسر اور اخبار نویس کے درمیان آفیسر اور ماتحت کا سا سلوک ہوتا تھا۔ لیکن ہم اب ریاستی اخبارات اور پبلسٹی آفس کو ایک جان کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ ناظم اعلیٰ کا خیال ہے کہ ریاستی اخبارات کا معیار بلند ہو۔ اور اُن کی آواز بیرونی اخبارات سے بھی زیادہ مؤثر ہو۔ اور یہ تبھی ہو سکتی ہے کہ حکومت کے نفس ناطقہ اور اخبارات میں ایکتا ہو۔ اس سلسلہ میں پانچ اخبار نویسوں پر مشتمل ایک ایڈوائزری کمیٹی کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ جو کہ پبلسٹی محکمہ سے مل کر کام کرے گی۔ اور یہ کمیٹی ریاست کے موجودہ حالات میں ہمارے محکمہ کی نشر و اشاعت اور پراپیگنڈا میں صالح کار اور معاون ہو گی۔ اس سے حکومت اخبارات کی تمام مشکلات کا ازالہ بھی کر سکے گی۔

روزانہ چاند پر پابندی

ابھی مجوزہ پریس ایڈوائزری کمیٹی کے لئے ممبروں کا نامزد بھی نہیں کیا گیا تھا۔ کہ دوسرے دن ہی ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو جموں کے اخبار روزنامہ چاند[1] کو ایمرجینسی حکومت نے غیر معین عرصہ کے لئے بند کر دیا۔

---

[1] چاند مؤلف کی ادارت میں ہر روز سات آٹھ ہزار کی تعداد میں شائع ہوتا تھا۔

قتل کر دیئے گئے اور اُن کی لڑکیاں اغوا کرلی گئی ہیں - مہاراجہ صاحب کو اس کی ذمہ داری اپنے اُوپر لینی پڑے گی - ڈوگرہ فوج ذاتی طور پر اُن کے کنٹرول میں تھی - وہ ابھی محض کانسٹی ٹیوشنل ہیڈ نہیں بنے تھے - اور اس لیئے اُنہیں شیخ محمد عبداللہ کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے اُن تمام قتلِ عام اور اغوا کے جرم کا ارتکاب لوگوں نے کیا ہو - ذمہ دار گردانا جانا چاہیئے"

میں اُن لوگوں میں سے تھا جو گاندھی جی کی اندھا دھند تقلید اپنا ایمان سمجھتے ہیں - لیکن اگر آج گستاخی معاف ہو تو یہ کہنے کی جرأت کروں کہ ریاست میں ہندوؤں نے جو کچھ کیا وہ اُنہوں نے پا لیا - کوئی بھی سنجیدہ ہندو صوبہ جموں کی فرقہ دارانہ گڑبڑ کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتا - اور آج صوبہ جموں کے ہندوؤں کی جو دُرگت بھدرواہ، راجوری، میرپور، بھمبر اور ریاسی کے پہاڑی علاقہ میں ہو رہی ہے - اُس سے شاید قوم کے باپ شری مہاتما گاندھی جی بے خبر ہیں - مہاتما جی کے سامنے ہندو مسلمان یکساں ہیں آپ انتقام لینے کے سخت مخالف ہیں - آپ اس عقیدہ پر پکے ہیں کہ انتقام نہ لینے سے ظلم کرنے والا خود مر جاتا ہے - آپ بھول جاؤ اور معاف کرو کا اُپدیش فرماتے ہیں تو اگر آپ کو اُوپر لکھے علاقہ کے ہندوؤں کی تباہی اور ہزاروں عورتوں کے اغوا کا علم ہوتا - تو اپنے بھاشن میں ان مظلوم، ستم رسیدہ اور بے حد دُکھی ہندوؤں کے لئے بھی چند الفاظ ہمدردی کے بول دیتے - سوال یہ نہیں کہ ہندوؤں کو آپ نے کوسا ہے تو مسلمانوں کو بھی کوسنا چاہیئے تھا - صرف بات یہ ہے کہ ریاست میں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے - اس کی ذمہ داری ہندوستان اور پاکستان پر کیوں نہیں؟ جو آزادی ملنے پر علیحدہ علیحدہ ہوئے اور دو قوموں کی تھیوری کو وہاں تسلیم کیا گیا - اگر یہ نہیں تو بڑے ادب سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ ہندوستان اور مشرقی پنجاب یا پاکستان میں جو فرقہ دارانہ تباہی یا قتل و غارت ہوئی تو اُس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ کیا وہاں کی حکومتوں پر یا وہاں کے لیڈروں پر ہندوستان اور پاکستان میں تو ریاست جموں و کشمیر سے فوج بھی زیادہ تھی - اور اب جب کہ ریاست جموں و کشمیر کی جنتا کے محبوب لیڈر شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھ میں راج کاج کا انتظام ہے - تو راجوری، میرپور، بھدرواہ، ریاسی اور دوسرے علاقوں میں جو ہندوؤں کی تباہی ہو رہی ہے - اس کا ذمہ دار کون ہے؟ صوبہ جموں کے ہندوؤں کا شیخ صاحب پر کامل اعتماد ہے - اور جب سے مہاراجہ بہادر نے آپ کو ریاست کا ناظم اعلیٰ بنا کر حکومت سپرد کر رکھی ہے -

ہندوؤں نے تمام تفرقات اور اختلافات ایک طرف رکھ کر انہیں اپنا واحد لیڈر مان لیا ہے۔ اگر اب بھی جبکہ اُوپر لکھے علاقوں کے ہندو ہزاروں کی تعداد میں شرنارتھی بن چکے ہیں۔ لاکھوں کے مالک روٹی کے ٹکڑے کو ترس رہے ہیں۔ دُوسروں کو پناہ دینے والے خود پناہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ صُوبہ جموں کے ہندوؤں کو بدنام کیا جائے تو اس سے بڑی بے انصافی کیا ہوگی۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ مَیں گاندھی جی کی واقفیت کے لئے یہ بھی عرض کردوں کہ ان ہندوؤں کو وہاں کے مقامی مسلمانوں نے ہی تباہ کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ شیخ محمد عبداللہ نے میرپور کے مسلمانوں سے ہندوؤں کی حفاظت کی اپیل کی تھی۔ لیکن اس کا کیا اثر ہوا یہ کون نہیں جانتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ اُن مقامات کے مسلمانوں نے شیخ صاحب کو بھی نہیں مانا۔ ان حالات میں ایسی تباہی، قتل و غارت اور اغوا کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ یقیناً شیخ محمد عبداللہ پر نہیں اور نہ ہی ریاست جموں و کشمیر کے حکمران پر۔ مہاراجہ بہادر نے تو کشمیر کو انڈین یونین کے ساتھ ملحق کرکے اپنے آپ کو آئینی حکمران خود ہی مان لیا ہے۔ لیکن یہ کہنا اور پھر گاندھی جی ایسے بڑے انسان کی طرف سے جموں میں مسلمانوں پر جو ظلم ہوا ہے اُس کی وجہ سے حکمران کو الگ ہو جانا چاہیئے۔ کچھ غیر منصفی اور یک طرفہ سا فیصلہ ہے۔ اس طرح تو پنڈت جواہر لال نہرو اور اُن کی حکومت کو بھی علیحدہ ہونا پڑے گا۔ کیونکہ وہاں بھی تو فرقہ وارانہ مظالم میں کسر نہ رہی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ پنڈت نہرو ایسے فسادات کے سخت مخالف ہیں۔ وہ ہرگز برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں کہ ان کی حکومت میں کوئی ہندو یا سکھ مسلمانوں پر ظلم کرے۔ اور انہیں ہندوستان سے نکالنے کی سازش کرے۔ جس طرح کہ شیخ محمد عبداللہ دو قوموں کی تھیوری کے قائل نہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہندوؤں پر مسلمانوں کی طرف سے ظلم ہو۔ یہ اپنی بدبختی ہے۔ کسی کا کوئی قصور نہیں۔ اور نہ ہی کسی پر ذمہ داری نرسنگداس نرگس"

پولیس کے چیف گردھاری لال آنند صراف

ایمرجنسی حکومت نے ریاست کے نامور قوم پرست ورکر لالہ

گردھاری لال آنند صراف کو ہیڈ آف ایڈمنسٹریشن شیخ محمد عبداللہ کے خاص حکم سے جموں شہر کا پولیس چیف مقرر کیا۔ شری آنند جموں پرانت کا سب سے پہلا ہندو ہے۔ جسے ۱۹۳۹ء میں شیخ محمد عبداللہ پریذیڈنٹ نیشنل کانفرنس نے اپنی ورکنگ کمیٹی کا ممبر نامزد کیا تھا۔ ایمرجنسی حکومت میں جب جموں شہر سے مغویہ مسلم عورتوں کی برآمدگی کی مہم جاری تھی تو شری گردھاری لال نے اپنی خدمات رضاکارانہ طور

پر شیخ صاحب کے سپرد کر دیں اور دو تین سو کے قریب ایسی لڑکیاں اور خواتین برآمد
کیں۔ گردھاری لال آنند کے آبا و اجداد پنجاب سے پہلے پہل اُس وقت جموں میں آئے۔
جب کہ یہاں راجہ رنجیت دیو کے عہدِ حکومت میں پنجاب ہندوستان سے بہت سے
کاروباری لوگ وہاں کی اُتھل پُتھل اور انتشارِ اقتصادی اور سیاسی بدنظمی سے تنگ آکر
جموں میں وارد ہوئے تھے۔ رنجیت دیو کی سیکولر اور منصفانہ پالیسی کافی تعداد میں دولتمند
سوداگروں، بیوپاریوں، ہنرمندوں اور دو والوں کو جموں میں کھینچ لائی تھی۔ اُس زمانہ
میں یعنی اٹھارھویں صدی کے وسط میں جموں امن و خوشحالی کا گہوارہ تھا۔ اُن دنوں
ہی سوری۔ گندوترہ۔ آنند۔ پوری۔ کوہلی۔ ساہنی اور بھسین وغیرہ کھتری ذاتیں صوبہ جموں
کے دیہات اور قصبوں میں بہ سلسلہ کاروبار آباد ہوئیں۔ آج یہ سب ڈوگرہ کھتری کے
طور مشہور ہیں۔ گردھاری لال آنند کا خاندان اٹھارھویں صدی کے آخیر میں جموں آیا
اور اپنا کاروبار کرنے لگا۔ لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت واپس اپنے آبائی مسکن کو
چلا گیا۔ تو پھر جس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد پنجاب میں انارکی پھیل
گئی۔ عوام کو مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ آنند خاندان بھی وزیر آباد (پاکستان) سے ہجرت
کر کے جموں میں پناہ گزیں ہوا۔ اور مستقل طور پر یہاں کا ہی ہو گیا۔ وزیر آباد سے جموں تک
سفر چوری چھپے طے کیا۔ جو کچھ بھی اثاثہ پاس تھا۔ وہ راستہ میں ہی چھن گیا۔ جموں میں پناہ
لیتے وقت اس خاندان کے افراد کے پاس کوڑی تک نہ تھی۔ صرف تن کے کپڑے تھے۔
اس خاندان کے بزرگ لالہ ہر بھگوان داس آنند جس کے ساتھ اُن کے دو کمسن بیٹے
تھے۔ نے جموں کو محفوظ جان کر یہاں پناہ لی۔ وہ اس خیال سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ کہ
جموں نگری ایک دھارمک نگری ہے۔ اور اس علاقہ میں شیر اور بکری نے ایک گھاٹ پر
پانی پیا ہے۔ جموں کے مہاراجہ نے ہر بھگوان داس آنند کو رہائش کے لئے مکان اور
کاروبار کے لئے ایک دوکان دے دی۔ اور مالی امداد بھی کی۔ جس سے وہ اپنا اور اپنے
بال بچوں کا پیٹ پالنے لگا۔ بھگوان داس کے دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا لالہ جوندا مل آنند اور
چھوٹا لالہ گوپال داس آنند۔ لالہ جوندا مل آنند کے ہاں تین لڑکے لالہ گردھاری لال آنند۔
لالہ منوہر لال آنند اور لالہ رادھا کرشن آنند ہوئے۔ گردھاری لال آنند کو اپنے والد بزرگوار
سے ورثے میں صرافی کا کاروبار ملا۔ اس کاروبار کے علاوہ آپ کو بچپن سے ہی ملکی سیاست

سے دلچسپی ہے۔ سلجھا ہوا جرنلسٹ اور کہنہ مشق اخبار نویس۔ جس کے لکھے ہوئے پبلک مفاد کے مضامین ملک بھر کے سرکردہ اخبارات میں شائع ہوتے ہیں۔ گردھاری لال نے چیمبر آف کامرس جموں کے لیڈر کے طور ریاست سے کسٹم کی بدعت کو ختم کرنے میں جو جدوجہد کی۔ وہ اُس کی زندگی کا بہترین کارنامہ ہے۔ ۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ ناظم اعلیٰ نے اُسے پولیس انچارج بنایا۔ اور اُس کے جلد بعد میڈیکل وجی لینس کمیٹی کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ اس طرح سرکاری ہسپتالوں اور جموں پولیس کا ذمہ دار بن کر جو خدمات انجام دیں۔ وہ حکومت اور عوام نے لائق ستائش قرار دیں۔ اس کا چھوٹا بھائی منوہر لال آنند نامور اُردو شاعر نیشنل بنک آف لاہور کا منیجر ہے۔ اور اُس سے چھوٹا ماسٹر رادھا کرشن آنند جموں کا سرکردہ بُک سیلر اور پبلشر ہے۔ اور سوشل ورکر کے طور مشہور ہے۔ لالہ گردھاری لال آنند اس وقت عمر کی ستاسٹھویں منزل طے کر رہا ہے۔ لیکن اپنی پبلک لائف میں جوانی کا عالم ہے۔

شیخ محمد عبداللہ سکیورٹی کونسل میں

سکیورٹی کونسل نے ۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندوستان کے میمورنڈم پر (کشمیر کے بارے میں) اپنی کارروائی شروع کی۔ اس کارروائی میں حصہ لینے کے لئے ہندوستان اور پاکستان کے ڈیلیگیشن لیک سکیس (امریکہ) پہنچے۔ ہندوستانی وفد شری این گوپال سوامی آئینگر سابق وزیراعظم کشمیر کی قیادت میں شیخ محمد عبداللہ ناظم اعلیٰ کشمیر۔ ایم سی سیتلواد اور کرنل بی این کول پر مشتمل تھا۔ پاکستان کا نمائندہ سر محمد ظفر اللہ خان تھا۔ اس میں ہند پاک حکومتوں کے نمایندوں کو بحث کرنے کی اجازت تو دے دی گئی۔ لیکن اُس سکیورٹی کونسل کے چارٹر کی دفعہ ۳۱ کی رُو سے ووٹ دینے کا کوئی اختیار نہ دیا گیا۔ سکیورٹی کونسل میں شیخ محمد عبداللہ نے بھی نہایت زوردار اور جامعہ الفاظ میں تقریر کی۔ لیکن سکیورٹی کونسل نے کشمیر کے معاملے کو پیچیدہ بنا لیا۔ کئی ایک تجویزیں پاس ہوئیں۔ کمیشن بیٹھے۔ ثالث بنائے گئے۔ ناظم رائے شماری مقرر ہوا لیکن سکیورٹی کونسل سوائے "لڑائی روکو" کے کشمیر کے معاملہ پر آگے نہ بڑھ سکی نتیجتہً آج تک پچھلے ۱۸ سال سے یہ مسئلہ کونسل مذکورہ کی الماریوں کی زینت بنا ہوا ہے۔ اور اب حالت یہ ہے کہ کبھی کبھار سکیورٹی کونسل کی کوئی میٹنگ ہو جاتی ہے۔ فیصلہ کی نوبت نہیں آتی۔

ڈی پی در اور میر قاسم جنرل اسمبلی میں

شیخ محمد عبداللہ ناظم اعلیٰ نے اپنے ساتھ ذاتی سیکریٹری کے طور شری جاکی ناتھ زتشی سیکریٹری انفارمیشن اینڈ براڈکاسٹنگ جموں و کشمیر کو رکھا تھا۔ اور لیک سکسیس میں کشمیر کے سیاسی امور اور مسئلہ زیر بحث کے متعلق زتشی کی رائے اور مشورہ کو مفید سمجھا تھا۔ کشمیر کا مسئلہ سکیورٹی کونسل میں آج تک لٹک رہا ہے۔ شیخ عبداللہ کے بعد سکیورٹی کونسل میں مسئلہ کشمیر کی حقیقت کو پیش کرنے کے لئے ریاست کے موجودہ انفارمیشن اور ایجوکیشن منسٹر شری درگا پرشاد در نے بھی کشمیر کی دو ایک بار نمایندگی کی ہے۔ اور اکتوبر ۱۹۶۵ء میں جب ریاست کے بے محکمہ وزیر (موجودہ پریذیڈنٹ پردیش کانگریس جموں و کشمیر) سید میر قاسم نے ہندوستانی وفد کے ایک ممبر کے طور اتحادی سبھا کی جنرل اسمبلی میں جا کر کشمیر کے بارے میں بھارت کی پوزیشن کو موثر انداز میں پیش کیا۔ اُس سے اکثر ممالک کے نمایندگان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور بعض ملکوں کو کشمیر کے مسئلہ پر جو غلط فہمی تھی۔ وہ میر قاسم کی جنرل اسمبلی میں کی گئی تقریر کے بعد بہت حد تک دور ہو گئی۔ میر قاسم نے کشمیر کے صحیح صورت حالات کو واضح کرتے ہوئے جنرل اسمبلی میں کہا کہ "کشمیر کا کوئی جھگڑا نہیں اور نہ ہی مسئلہ۔ اصل بات تو سیکولرزم اور جمہوریت کی قدروں کی حفاظت کرنے کی ہے۔ پاکستان کشمیر میں حملہ آور ہے۔ اُسے نہ تو کشمیریوں سے دلچسپی ہے۔ اور نہ ہی مسلمانوں سے۔ وہ تو علاقائی ہوس گیری رکھتا ہے۔ اور اُس کی یہ ہوس گیری یعنی ناپاک خواہش ہرگز پوری نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی کشمیر کے بارے میں پاکستان سے کوئی سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان سے کشمیر کا الحاق آئینی ہے۔ قانونی اور اخلاقی طور پر بھی ہے۔ جسے دُنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔ کشمیر ہندوستان کا ناقابل تنسیخ حصہ ہے۔"

کشمیر کا بچاؤ اور ہندوستان کی امداد

پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہندوستان نے سرینگر میں ۲۹ مئی ۱۹۴۹ء کو اعلان کیا کہ میں نے پچھلے سال بھی سرینگر کے اسی مقام پر کشمیری عوام سے کہا تھا کہ اگر پاکستان ایک سو سال بھی کشمیر کو ہتھیانے کی کوشش کرتا رہے تو بھی اُسے اپنے مقصد کی کامیابی کشمیر میں ناممکن دکھائی دے گی۔ آج پھر اعلان کرتا ہوں کہ ہندوستان

کشمیر سے کئے گئے وعدوں کا احترام کرے گا۔ اور کسی حالت میں کشمیر کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے ہند سے الگ نہیں کر سکتی۔ اس طرح بھارت کے ہوم منسٹر سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ۱۸ دسمبر ۱۹۴۷ء کو جموں میں اعلان کیا تھا کہ میں ہند سرکار کی طرف سے ریاست کے عوام کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم کشمیر کو بچانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کریں گے۔ نہ ہم روپیوں کی پرواہ کریں گے۔ اور نہ سامان کا شمار کریں گے۔ اور کچھ بھی واقعہ ہو ہم کشمیر کو نہیں چھوڑیں گے۔ بلکہ اس معاملے کو نباہ کے ہی رہیں گے'' اور سردار بلدیو سنگھ ڈیفینس منسٹر نے اعلان کیا تھا کہ کتنی ہی قیمت دینا پڑے۔ اور کتنی ہی رکاوٹیں کیوں نہ ہوں ہم نے کشمیر کو آزاد کرنے کے لئے عہد دے دیا ہے۔

ہندوستان نے کشمیر اور اُس کے لوگوں کو بچانے کا جو عہد کیا اُسے پوری طرح نبھایا۔ ریاستی عوام کی عزت اور آزادی کو برقرار رکھا۔ اپنے فرض اور ذمہ واری کے کام کو لامثال کر دکھایا۔ ریاست جموں وغیرہ کے لاکھوں پناہ گزینوں، مظلوموں اور مصیبت کے مارے بے کس لوگوں کو پھر سے زندگی عطا کی۔ اُن کی دل کھول کر امداد کی۔ کروڑہا روپیہ انہیں زندگی کی سہولیات پہنچانے اور ان کی آباد کاری پر خرچ کیا۔ سرینگر اور جموں میں دو براڈکاسٹنگ اسٹیشن قائم کئے۔ سرینگر جموں پونچھ اور لیہہ وغیرہ ہوائی اڈے تعمیر کرا دئے۔ اور پاکستانی یلغار اور متواتر حملوں کو روکنے کے لئے کروڑوں روپے خرچ کئے۔ ہندوستانی بہادر سپاہی پاکستانی افواج کے دانت کھٹے کرنے کے لئے اُونچی اور برفانی چوٹیوں پر لڑے۔ اور کامیاب ہوئے۔ ریاستی سپاہیوں کو رسد و سامان ہوائی جہازوں سے دیا۔ اور نومبر ۱۹۴۷ء میں پونچھ کی محافظ فوج کو دس ہزار روپے کی تھیلیاں تین چار بار ہوائی جہازوں سے پھینکیں۔ کرگل کے علاقے میں بھی ایک لاکھ روپیہ ڈالا۔ پاکستانی حملہ کے آغاز میں ہند سرکار نے فوجیں اور سامان وغیرہ ہوائی جہازوں سے بھیجا۔ پونچھ سے ہوائی جہازوں نے ۱۶۲۰۰ ریاستی لوگوں کو نکالا۔ اور بام دُنیا لیہہ جیسی ۱۲ ہزار فٹ بلند چوٹی کو ہوا بازوں نے سر کیا۔ ریاست میں نئی سڑکیں۔ بڑے بڑے پل۔ جموں پٹھانکوٹ پختہ سڑک تعمیر کی گئی۔ اور ریاست میں ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کا جال بچھا دیا۔ اور کشمیر کی تجارت ہندوستان کے ساتھ وسیع پیمانے پر جاری کی۔

ذمہ دار نظام حکومت | ریاست دو حصوں میں بٹ گئی۔ کشمیر سے گلگت مظفرآباد

کا ایک تہائی، میرپور کا نصف اور پونچھ کی تحصیل باغ و پلندری کے حصہ پر پاکستان کا ناجائز قبضہ ہوگیا۔ ریاست کے رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل میں سے پاکستان نے تیس ہزار مربع میل پر اپنا ناجائز تسلط کر رکھا ہے۔ اس طرح ریاست کی ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق کل آبادی چالیس لاکھ دو ہزار چھ سو سولہ افراد تھی۔ سے زیادہ تر لوگ ۹ ہزار دیہاتوں میں بستے تھے۔ اور شہری آبادی تین لاکھ کے قریب تھی۔ پاکستان کے قبضہ میں جو علاقہ چلا گیا۔ اس کی آبادی ۱۱۵۰۰۰۰ ۱۹۴۷ء میں تھی۔ جس میں ڈیڑھ لاکھ ہندو اور سکھ تھے۔

شیخ محمد عبداللہ کے لیک سکسیس سے واپس آنے کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے ذمہ دار حکومت کا اعلان کیا۔ جو کہ حسب ذیل ہے۔

شریمان اندر مہندر راج راجیشور مہاراج ادھیراج شری ہری سنگھ جی والئے جموں و کشمیر و ماتحت علاقہ جات کا اعلان

آج ماہ مارچ ۱۹۴۸ء کے پانچویں دن اور ہماری حکومت کے تیسویں سال میں ہم نے خاندان کی روایت کے مطابق وقتاً فوقتاً اپنی رعایا کو نظام حکومت میں زیادہ سے زیادہ شرکت دی ہے۔ جس کی غرض و غایت یہ تھی کہ جلد از جلد اُن کو مکمل ذمہ دارانہ حکومت حاصل ہو۔ اسی منشاء کو پورا کرنے کے لئے ہم نے جموں و کشمیر کانسٹی ٹیوشن ایکٹ سمت ۱۹۹۶ (۱۴ آف ۱۹۹۶) کے ذریعہ ریاست میں ایک آئینی حکومت قائم کی ہے۔ جو منسٹروں کی ایک کونسل ایک مجلس قانون ساز جس میں منتخب ممبران کی اکثریت ہے اور ایک آزاد عدلیہ پر مشتمل ہے۔

آج ہم... جو ترقی ہوئی ہے اُس پر ہمیں خوشی اور فخر ہے اور اس بات پر بھی کہ ہماری رعایا کی یہ جائز خواہش ہے کہ فوری طور پر ریاست میں ایک مکمل ڈیموکریٹک آئین لاگو کیا جائے۔ جس کے ذریعہ ہر بالغ کو حق رائے دہندگی حاصل ہو۔ ریاستی انتظامیہ مجلس قانون ساز کے روبرو ذمہ دار ہو۔ اور جس کا آئینی ہیڈ ہمارے خاندان شاہی کا ایک فرد ہو۔

ہم نے پہلے ہی اپنی رعایا کے ہر دلعزیز لیڈر شیخ محمد عبداللہ کو ایمرجنسی ایڈمنسٹریشن

کا ہیڈ مقرر کیا ہے۔
اب ہماری یہ خواہش ہے کہ مکمل ذمہ دارانہ آئین لاگو کئے جانے تک ایمرجینسی ایڈمنسٹریشن کی جگہ ایک عبوری عوامی حکومت قائم کی جائے اور اس کے اختیارات و فرائض واضح کر دئے جائیں۔
اس لئے ہم مندرجہ ذیل حکم صادر کرتے ہیں:۔
۱۔ ہماری کونسل آف منسٹرز پرائم منسٹر اور دیگر ان منسٹروں پر مشتمل ہو گی جو پرائم منسٹر کے مشورہ سے تعینات کئے جائیں۔ ہم نے ایک شاہی اعلان کے ذریعہ آج سے شیخ محمد عبداللہ کو پرائم منسٹر مقرر کیا ہے۔
۲۔ پرائم منسٹر اور دیگر منسٹران ایک کیبنٹ کے طور پر اور مشترکہ ذمہ داری کے اصول پر کام کریں گے۔
۳۔ ہم اس موقعہ پر پھر سے یقین دلاتے ہیں کہ ہماری رعایا کے تمام فرقوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت سرکاری ملازمت (سول و ملٹری) میں صرف بلحاظ قابلیت برابر مواقع حاصل ہوں گے۔
۴۔ نارمل حالات قائم ہوتے ہی ہمارے منسٹروں کی کونسل مناسب قدم اٹھائے گی تاکہ بالغ رائے دہندگی کے اصولوں کے مطابق نیشنل اسمبلی قائم ہو۔ اس اصول کو بھی مدِ نظر رکھا جائے کہ ہر حلقہ رائے دہندگی کو اس کی آبادی کے مطابق نمائندگی حاصل ہو۔
۵۔ نیشنل اسمبلی جو آئین مرتب کرے اس میں اقلیتوں کے حقوق کی پوری پابندی کی جائے اور اس میں ایسی دفعات رکھی جائیں جن کے ذریعہ تحریر و تقریر اور انجمن ہائے کے قیام کی مکمل آزادی کی گارنٹی دی جائے۔
۶۔ یہ نیشنل اسمبلی نیا آئین مرتب کرنے کے بعد اسے بوساطت کونسل آف منسٹرز ہماری منظوری کے لئے پیش کرے گی۔
۷۔ آخیر میں ہم اس امید کو دوہراتے ہیں کہ عوامی عبوری گورنمنٹ کا قیام اور مستقبل قریب میں مکمل ذمہ دارانہ آئین کا نفاذ ہماری رعایا کی نگہبانی۔ خوشی اور ذہنی و مالی ترقی کا ضامن ہوگا۔

(دستخط) ہری سنگھ
مہاراجہ

جموں
مورخہ ۵ / مارچ ۱۹۴۸ء

شاہی اعلان کی رُو سے شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سمیت مہاراجہ بہادر کے سامنے

حلف لے کر ریاست جموں و کشمیر کی پہلی عوامی سرکار (عبوری وزارت) بنائی جس میں شیخ محمد عبداللہ پرائم منسٹر بخشی غلام محمد ڈپٹی پرائم منسٹر۔ مرزا محمد افضل بیگ مشیر مال۔ کرنیل پیر محمد وزیر تعلیم۔ خواجہ غلام محمد صادق وزیر ترقیات شری شام لال منسٹر فوڈ سپلائیز۔ پنڈت گردھاری لال ڈوگرہ وزیر خزانہ۔ سردار بدھ سنگھ وزیر بحالیات فل منسٹر کے طور آئے۔ اور بعد میں شری درگا پرشاد در۔ مسٹر غلام محی الدین ہمدانی۔ کرنیل بلدیو سنگھ سمیال۔ خواجہ مبارک شاہ کرنیل غلام قادر اور خواجہ علی شاہ عبوری حکومت میں ڈپٹی منسٹر بنائے گئے

اصلاحات کی طرف

شیخ محمد عبداللہ نے عبوری حکومت کے وزیراعظم بن کر سب سے پہلے جاگیر دارانہ نظام کا قلع قمع کرنے کی طرف توجہ دی۔ اور اصلاحات کے نام پر بلا معاوضہ بڑی چھوٹی جاگیریں بحق سرکار ضبط کرلیں۔ اور بڑی بڑی زمینداریوں کو ریاست میں منسوخ کر دیا۔ اور نقدی عطیہ مقرری کی رقوم کو بند کر دیا۔ جو کہ شخصی حکومت کے وقت یعنی صدیوں سے معافیات کے طور چلی آئی تھیں۔ جاگیرداری کا خاتمہ کرنے کے ساتھ ہی ریاست کے کسانوں اور کاشتکاروں کی حالت سدھارنے اور زمین کا مالک بنانے کی طرف اقدام کیا۔ اور زمینداریوں کو ختم کر کے بے زمین مزارعسان۔ کسانوں اور کاشتکاروں کو زمین کا مالک بنایا۔ ہندوستان بھر میں ریاست جموں و کشمیر پہلی ریاست ہے۔ جہاں بلا معاوضہ جاگیرداروں اور زمینداریوں کو ختم کیا گیا۔ کسانوں غریبوں اور دوسرے لوگوں کو ساہوکارہ سے نجات دلانے کے لئے قرضہ مصالحتی بورڈوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے علاوہ اپنی حکومت کو جمہوری اصولوں پر چلانے کے لئے ذیلداروں اور نمبرداروں کا تقرر چناؤ کے ذریعہ عمل میں لانے کے لئے پنچایت راج کی بنیاد رکھی گئی۔ اور کہ ایک سکیم کے مطابق تحصیل اور ضلع کی کونسلوں کو حکومت کی پالیسی اور پروگرام کے مطابق نگرانی اور رہنمائی کے اختیارات دئے گئے۔

ریاست سے ناخواندگی اور جہالت کو دور کرنے کے لئے نومبر ۱۹۴۸ئ میں قومی یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ایک ٹیکسٹ بک کمیٹی بھی قائم کی۔ نئے پرائمری سکول جاری ہونے لگے۔ اکثر سکولوں کا درجہ بڑھا دیا گیا۔ اس کے ساتھ حفظان صحت کے سدھار کی طرف بھی حکومت راغب ہوئی۔ غرضیکہ تجارت۔ نقل و حمل۔ ٹرانسپورٹ اور خبر رسانی کے محکمے۔ خوراک اور سپلائیز کے محکموں اور پناہ گزینوں کے بسانے کے لئے سرکاری سطح پر

انتظامات اکٹھے کئے جانے لگے۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے آئینی حکمران کے طور اس عرصہ میں اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھایا۔ بالخصوص مہاراجہ بہادر اور مہارانی تارا دیوی نے پناہ گزینوں کی امداد کے لئے بہت کچھ کیا۔ اور اپنی تمام تر توجہ اور وقت ایسے مصیبت زدگان اور رفیوجیوں کی دیکھ بھال اور خبر گیری کے لئے وقف کئے رکھا۔ غرضیکہ ہند سرکار کے بڑے بڑے مرکزی لیڈروں سے مل کر پناہ گزینوں کی آرام آسائش اور ضروریات کی تکمیل کرانے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا۔ جہاں بھی مہاراجہ بہادر اور مہارانی صاحبہ جاتے نیشنل کانفرنس زندہ باد۔ ہند سرکار زندہ باد کے ساتھ ساتھ مہاراجہ اور مہارانی کی جے کے فلک شگاف نعرے لگتے۔ اسی اثنا میں شری یوراج کرن سنگھ امریکہ سے اپنا علاج کرا کر واپس آئے۔ تو ہوائی اڈہ جموں سے لے کر شاہی محلات تک جو عظیم سواگتی جلوس مہاراجہ اور یوراج کا عوام نے نکالا وہ اپنی مثال آپ تھا۔

کشمیر ہند آئین ساز اسمبلی میں

شیخ محمد عبداللہ پرائم منسٹر جموں و کشمیر کی قیادت میں مولانا محمد سعید مسعودی جنرل سیکریٹری آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس۔ مرزا محمد افضل بیگ مشیر مال اور شری موتی رام بیگڑہ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں نیشنل کانفرنس جموں و کشمیر کی طرف سے بھیجے گئے۔ جنہوں نے ہند کی آئین ساز اسمبلی میں ریاست کشمیر کی نمائندگی کی۔ اور ہند کے آئین میں ریاست جموں و کشمیر کو سپیشل درجہ دفعہ ۳۷۰ کی رو سے ملا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی کنارہ کشی

شیخ محمد عبداللہ کے ایما پر پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند کی رضامندی سے سردار پٹیل کے ذریعہ مہاراجہ بہادر کو کہا گیا کہ آپ اور مہارانی کچھ عرصہ کے لئے ریاست سے باہر قیام کریں۔ تاکہ ریاست کے ہند سے الحاق کے حالات سازگار ہو سکیں۔ تو مہاراجہ ہری سنگھ نے ایک اعلان جاری کر کے اپنے تمام اختیارات حکومت اپنے یوراج کرن سنگھ کو جن کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی ریجنٹ بنا کر سپرد کر دئے۔

اعلان شاہی

ہرگاہ کہ ہم نے اپنی خرابی صحت کی بنا پر عارضی طور پر ریاست سے باہر جانے اور اس عرصہ کے لئے یوراج کرن سنگھ جی بہادر کو

Scanned with CamScanner

کو اپنے تمام شاہی اختیارات و حقوق جو ریاست کی حکومت کے متعلق ہیں سپرد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس لئے اب ہم حکم دیتے ہیں۔ اور اعلان کرتے ہیں۔ کہ تمام حقوق و اختیارات خواہ وہ قانون سازی۔ انتظامیہ یا عدل و انصاف سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے استعمال کے اختیارات ریاست اور اس کی حکومت کے سلسلہ میں ہمارے پاس ہیں۔ ریاست سے ہماری غیر حاضری کے ایام میں یہ تمام اختیارات استعمال کرنے کا اختیار بحق یوو راج شری کرن سنگھ جی بہادر منتقل کرتے ہیں۔ ان میں ہمارے اختیار شاہی جن کی رُو سے قانون سازی کا۔ اعلان شاہی جاری کرنے کا۔ آرڈر اور آرڈیننس جاری کرنے کا۔ مجرموں کی سزا میں تخفیف کرنے۔ تبدیل کرنے۔ یا اُن کو شاہی اختیاری معافی عطا کرنے کے اختیارات شامل ہوں گے۔

تحریر ۲۰ر جون ۱۹۴۹ء (دستخط) ہری سنگھ

مہاراج ادھیراج

چاند اخبار کا دوبارہ اجراء

ایمرجینسی حکومت کا دور ختم ہوا اور عوامی راج آیا۔ تو شیخ محمد عبداللہ وزیر اعظم کے محکم سے اکتوبر ۱۹۴۸ء کے آغاز میں چاند پریس سے پابندی اٹھا لی گئی اور ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو یہ دوبارہ مطلع اشاعت پر روزنامہ کی شکل میں آیا۔ لیکن دو تین ماہ کے بعد روزانہ چاند بانصویر ہفتہ وار کر دیا گیا۔ اُن دنوں نیشنل کانفرنس کا آفیشل آرگن روزانہ سچ جموں سے نکل رہا تھا۔ اور سرینگر میں خدمت حکمران پارٹی کا اپنا اخبار تھا۔ یوں تو جموں سے رنبیر اخبار بھی روزانہ شائع ہوتا تھا۔ لیکن اُس کے مالک لالہ ملک راج صراف نے ہمیشہ کے لئے رنبیر کو بند کر دیا۔ تو اُس وقت جموں اور کشمیر میں جو اخبار نکلتے تھے۔ وہ چند ایک ہی تھے۔ مثلاً سرینگر سے اخبار خدمت۔ خالد جدید۔ مارتنڈ۔ نو یگ۔ روشنی۔ رہبر اور جموں سے چاند۔ سچ۔ امر۔ نیا کشمیر۔ دیش سیوک۔ صداقت۔ زندگی کے علاوہ اور بھی دو ایک عوام کی ترجمانی کا دم بھرتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کی شورش میں تو ریاست کے کئی ایک اخبار بند ہو چکے تھے۔ کیونکہ مسلم اخبار نویس یہاں سے ہجرت کر گئے تھے۔ ۱۹۴۷ء

سے پہلے جموں سے چاند - رنبیر - امر - گلاب - پاسبان - نوجوان - سنادرشن - جمہور - پریم - رتن -
پکار - کشمیر - سنسار - میرپور سے ہمت - صداقت - شرافت - پونچھ سے الجمعیتہ - پربھات -
صادق اور سرینگر سے ہمدرد - البرق - اصلاح - خدمت - دانش - شالامار - مارتنڈ - رہبر - ملت -
کشمیر کرانیکل - کشمیر ٹائمز - کشمیر سینٹی نل - کشمیر - خالصہ گزٹ اور روشنی باقاعدگی سے شائع
ہوتے تھے - خدمت سرینگر اور جاوید حکومت کے سنسر کی زد میں تھے - "کشمیر چھوڑ دو" تحریک
میں خدمت انگریزی میں بھی شائع ہوا - لیکن چند ایک شمارے ہی نکل سکے - شیخ
عبداللہ کے عہد میں تو کسی اخبار کا ڈیکلریشن لینا ہمالیہ کی بلندیوں کو چھونا تھا - حکومت
نئے اخبارات کے اجراء کی حامی نہ تھی بخشی غلام محمد کا دور آیا تو کچھ اخبارات کا اضافہ ہوا - جن
میں جیوتی - رہنما - مزدور - پیام - انقلاب - ہمدرد - نیا سنسار - آفتاب - سنسار - نوجیون -
جہان نو - کشمیر سماچار سرینگر کا نام قابل ذکر ہے - اسی طرح جموں سے اُجالا - کشمیر لوبسنٹ
شاردا - چٹان - انصاف - جموں پترکا - سویرا - شیر ڈوگر - ٹرانسپورٹر - سندیش - کشمیر ٹائمز -
جموں سندیش - نوائے قوم - خورشید - پنتھ سیوک - اکالی یودھا - حقیقت - رنجیت - شاردا -
گاندھی مشن - میدان صحافت میں شامل ہوئے - خواجہ غلام محمد صادق کی حکومت میں تحریر
و تقریر کی مکمل آزادی ہوئی - تو آئینہ - نیا دور - کاروان - محافظ - محاذ - آرزو - کشمیر نیوز
انگریزی - نیا کشمیر - آہنگ - وطن - مسلم - صداقت - کرم ویر - توحید - رہبر - شیرازہ - سفینہ -
وطن - رفتار - ماہنامہ - الرشاد اور گلریز سرینگر میں اور کشمیر سندیش - ٹرانسپورٹر ڈرائیور گزٹ -
سیاست - سیوک - رفتار - عمارت - کارواں - للکار - کشمیر ٹرانسپورٹ - امن - آدرش -
جواہر - ینگ آرگنائزر - نئی لہر - آنند - لوک آواز - کشمیر سنسار - مہالا پترکا - چناب - قومی محاذ -
ایکسامنر انگریزی - جے جگت - کسان - کشمیر ایکسپریس انگریزی - دیپ - ڈوگرہ ویر - زادراہ -
امر جیوت - آواز جموں وکشمیر - صحت - سرلا - صراف پترکا - استاد - جاگرتی - سپارک - رتن -
آفتاب ہند - انکشاف - ہم وطن - آواز جہاں - صدائے ڈوگر - آزاد - آرت - شنکھ دھن - دیپک
کے علاوہ اور بھی تین چار کا اضافہ ہوا - اس طرح ایک سو پندرہ سے اوپر اخبارات یا رسائل
جموں و کشمیر سے شائع ہونے لگے - ایک سرکاری فائل کے حوالہ سے صرف بیس بائیس
اخبار باقاعدگی سے نکل رہے ہیں - باقی سب کے سب بے قاعدہ ہیں اور اکثر اپنی اشاعت
بند کر چکے ہیں - بخشی غلام محمد کے دور میں تو محکمہ انفارمیشن کے اہتمام میں "تعمیر" اردو -

Scanned with CamScanner

پوچھا سیندری اور کشمیر لونڈ سے انگریزی ادبی ماہنامے شائع ہوتے تھے جن میں حکومت کی قومی تعمیر اور ملکی ترقی کے متعلق سرگرمیاں لکھی جاتی تھیں۔

آل جموں و کشمیر پریس کانفرنس

ریاستی صحافت کا دور نہایت ہی شاندار کہا جا سکتا ہے۔ جب کہ جموں میں پنڈت پریم ناتھ بزاز ایڈیٹر روزنامہ ہمدرد سرینگر کی صدارت میں آل جموں و کشمیر پریس کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کی سیکرٹری شپ کے فرائض شری جانکی ناتھ زتشی ایڈیٹر کشمیر سینٹینل نے ادا کئے۔ اور خصوصیت یہ تھی کہ اُس وقت کے وزیر اعظم ریاست جموں و کشمیر سر این گوپال سوامی آئینگر جو سر مہاراجہ ہری سنگھ کو ریاست کا قلمدانِ وزارت سونپ رہے تھے۔ تو دونو وزراء اعظم پریس کانفرنس کے اجلاس میں آئے۔ اور ہر دو نے ریاست کے سرکردہ اخبارات اور پریس نمائندگان سے خطاب کیا۔ سکرٹری اجلاس نے ریاست سے جانے والے اور آنے والے وزیر اعظم کا کانفرنس کی طرف سے شکریہ ادا کیا اور اپنی برجستہ تقریر میں ریاستی مسائل اور اخبارات کی مشکلات کو نہایت مؤثر انداز اور جامع پیرایہ میں پیش کر کے حاضرین اجلاس

۱۔ اخبار ہمدرد سرینگر سے شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت پریم ناتھ بزاز کے اشتراک سے ریاست میں مکمل ذمہ دار حکومت کا مطالبہ لے کر واحد نمائندہ سیاسی جماعت نیشنل کانفرنس کی ترجمانی کے لئے جاری ہوا تھا۔ بخشی غلام محمد۔ خواجہ غلام محمد صادق۔ مرزا محمد افضل بیگ اور کشمیر کے بڑے بڑے نیشنل کانفرنسی لیڈر اس اخبار کے ادارہ سے وابستہ تھے۔ یہ اخبار تھوڑے دنوں میں ہی مقبول ہو گیا۔ اور اس کی اشاعت ہزاروں تک پہنچ گئی۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز کی فاضلانہ ادارت میں باتصویر اخبار ہمدرد ہفتہ وار کی شہرت ریاست سے باہر بھی دُور دُور تک پھیل گئی۔ اس اخبار نے ۱۹۳۹ء میں ذمہ دار نظام حکومت نمبر نکالا لیکن شخصی حکومت نے اُسے ضبط کر لیا۔ اپریل ۱۹۴۱ء میں جب کشمیر اسمبلی میں دیوناگری رسم الخط پر ہنگامہ ہوا۔ اور یہ اشخاص، ممبران نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے اسمبلی سے دستبردار ہو گئے۔ تو پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اخبار ہمدرد میں مسئلہ رسم الخط پر نیشنل کانفرنس کے اس ... مخالفت کی۔ اور اُردو ہندی کے سوال پر کہ نیشنل کانفرنس اسمبلی پارٹی نے سرکار ... رسم الخط زبان دیوناگری لپی) منظور کرنے کے احکام جو کہ متحدہ قومیت کے لئے ایک کڑی ... کی مخالفت کر کے غلط اقدام (باقی اگلے صفحہ پر)

Scanned with CamScanner

ہر کہ و مہ سے داد لی۔ اس پر شری آئینگر نے کہا تھا کہ "ریاست جموں وکشمیر کی وزارتِ عظمٰی کی کرسی سنبھالنا اپنے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنے کے مترادف ہے"۔ ریاست جموں وکشمیر کی تاریخ میں ریاستی اخبار نویسوں کا یہ اجلاس یادگاری حیثیت کا ہے۔ اس اجلاس کا استقبالیہ چیئرمین مؤلف ایڈیٹر چاند تھا۔ اور استقبالیہ سیکریٹری منشی معراج الدین ایڈیٹر پاسبان جموں تھے! اجلاس میں سرینگر کے اکثر اخبارات کے مدیران بھی شامل ہوئے۔ جن میں مولوی عبدالواحد ایڈیٹر اصلاح۔ شری درگا پرشاد در نمائندہ سٹیٹس مین (موجودہ وزیر داخلہ شری کاشی ناتھ ایمہ (پبلسٹی سیکرٹری انڈسٹریز) شری علی محمد طارق (موجودہ سوشل ویلفیئر منسٹر) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ جموں کی اکثر سوسائٹیوں کے لیڈروں اور کارکنوں نے بھی اس میں شرکت کی۔ یہ اجلاس جموں کی برہمن سبھا کے احاطہ میں ہوا تھا۔ چوہدری غلام عباس لیڈر مسلم کانفرنس۔ شری اللہ رکھا ساغر ایڈیٹر جاوید۔ مولانا عبدالمجید قریشی ایڈیٹر جمہور۔ مولانا محمد غوری ایڈیٹر نوجوان۔ سردار گوہر رحمان ایڈیٹر مشفقت لالہ رام سرن داس ملہوترہ ایڈیٹر زندگی۔ سردار سرجن سنگھ پردیسی ایڈیٹر خوددار۔ شورام گپتا ایڈیٹر امر۔ پنڈت دیا کرشن

(فٹ نوٹ گزشتہ صفحہ سے آگے) کیا ہے۔ پس اس خیال کو لے کر وہ بطور پروٹسٹ نیشنل کانفرنس کی عہدہ داری اور بنیادی ممبرشپ سے مستعفی ہو گئے۔ بزاز کا نیشنل کانفرنس سے مستعفی ہونا تھا۔ کہ اخبار ہمدرد کی ملکیت کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ شیخ اور بزاز دونو اخبار کے مالک تھے۔ اور دونو میں سے کوئی بھی اس کی ملکیت چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر دوستوں کے سمجھانے پر شیخ محمد عبداللہ حقوقِ ملکیت اخبار سے دستبردار ہو گیا۔ اور بزاز شیخ صاحب کا حساب چکتا کر کے بلا شرکت غیرے ہمدرد ہفتہ وار کو چلانے لگا۔ اب ہمدرد جو کہ نیشنل کانفرنس کا نفس ناطقہ تھا۔ اس کا سخت نکتہ چین بن گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بزاز کا سیاسی ہمدرد کا ندی داد سے رلنے استیمیہ تبدیل ہو گیا۔ اور وہ نیشنل کانفرنس اور کانگرس کا سخت مخالف بن گیا۔ اسی دوران بزاز نے ایک کتاب موسومہ "انسائیڈ کشمیر" شائع کی۔ جو کہ شخصی حکومت کے مدبرین نے قابلِ اعتراض سمجھ کر ضبط قرار دے دی۔ لیکن یہ کتاب کشمیر کی تحریک آزادی کے دلدادگان میں کافی مقبول ہوئی۔ ہندوستان کے سرکردہ اخبارات نے اس پر مستحسن مدبرانہ تبصرے کئے۔ اور بزاز کو ایسی نادر دستاویز کے لئے تحسین و آفرین کہا۔ ریاست سے باہر حکومت پنجاب نے بھی اس کتاب کا (باقی اگلے صفحہ پر)

Scanned with CamScanner

گردش۔ کشن سمیلپوری۔ کماری سوشیلا ٹنی۔ کماری شکنتلا۔ سیٹھ ایڈیٹر۔ اوشا ہندی میگزین۔ بلدیو پرشاد شرما اور انفارمیشن اسسٹنٹ محکمہ پبلسٹی اور انڈین پریس کے نمائندگان کے علاوہ بہت سی سرکردہ سیاسی ہستیوں۔ بڑے بڑے سرکاری افسروں۔ وزراء ریاست۔ جج ہائیکورٹ۔ گورنمنٹ کے سیکریٹری صاحبان۔ ممبران اسمبلی۔ جاگیرداران اور معززین شہر جموں نے اجلاس کی کارروائی کا مشاہدہ کیا تھا۔

مؤلف تاریخ ایڈیٹر چاند کے ہاں ایک گروپ فوٹو موجود ہے۔ جو کہ پریس کانفرنس کے اجلاس کے خاتمہ پر یادگار کے طور لیا گیا تھا۔ اس گروپ میں پنڈت پریم ناتھ بزاز۔ شری ڈی پی ور۔ شری جانکی ناتھ زتشی۔ منشی معراج الدین احمدؒ کے علاوہ سرکردہ ممبران پریس کانفرنس پہلو بہ پہلو دکھائی دے رہے ہیں۔

ڈوگر کا بوڑھا جرنیل

آزادی تحریر و تقریر کے ضمن میں لکھتے ہوئے مؤلف ضروری سمجھتا ہے۔ کہ لالہ ہنسراج جو کہ ڈوگر کے بوڑھے جرنیل کے نام سے مشہور تھا۔ کا ذکر کیا جائے۔ لالہ ہنسراج بیسویں صدی کا ایک سوشل ریفارمر اور

(فٹ نوٹ گزشتہ صفحہ سے آگے) داخلہ بند کر دیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے بڑے بڑے لیڈروں نے انسائیڈ کشمیر کو پڑھ کر بزاز کی ذہانت کا اعتراف کیا۔ بزاز نے مئی ۱۹۴۳ء میں ہفتہ وار ہمدرد کو روزنامہ کی شکل دے دی۔ اس کی تحریروں کا ایک عالم میں تہلکہ مچ گیا۔ روزانہ ہوئے تین چار ماہ ہی ہوئے تھے کہ حکومت نے دو ہزار کی ضمانت طلب کر لی۔ اور جس کی معیاد صرف دس یوم رکھی گئی۔ اخبارات نے حکومت کے اس حکم کو ریاستی صحافت کی ترقی میں سنگ مزاحم قرار دیا۔ اور اس دھکا شاہی کے خلاف آواز اٹھائی۔ لیکن ضمانت کا حکم واپس نہ ہوا۔ اور بزاز نے اپنے احباب اور ہمدرد کے پڑھنے والوں کی مالی امداد سے ضمانت داخل کی۔ اور ہائیکورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ جو کہ جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ نے منظور کرتے ہوئے ضمانت کی واپسی کے احکام جاری کئے۔ اس کے بعد روزانہ ہمدرد بھی سنسر کی زد میں آگیا۔ پنڈت رام چند کاک پرائم منسٹر نے پابندی اٹھالی۔ تو بزاز اپنے اخبار کے ذریعہ کشمیر کو آزاد رکھنے کی ترجمانی کرنے لگا۔ اور ستمبر ۱۹۴۷ء کے فسادات میں بزاز کو پریم ناتھ کنہ کے ساتھ حکومت نے کشمیر بدر کر دیا۔ کنہ نے بھی اپنے اخبار کشمیر کی وساطت سے ریاست کو آزاد رکھنے کا مطالبہ کر رکھا تھا۔ بزاز کا (باقی اگلے صفحہ پر)

تاریخی شخصیت ہو گزرا ہے۔ جب جموں اور کشمیر میں برادری سبھاؤں، سوشل اور سیاسی جماعتوں کی تشکیل اور عوامی نمایندگی کا رواج نہ تھا۔ پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی نہ تھی۔ تو لالہ ہنسراج اُس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اُبھرا۔ پہلے اُس نے جموں میں، مہاجن سبھا کی بنیاد ڈالی۔ اور اِس سبھا کے ذریعہ اپنی برادری جو کہ پنجاب ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں چل رہی بدعتوں۔ بیاہ شادی اور ماتم کی بُری رسومات کو ختم کرنے پر کمر باندھ لی۔ چنانچہ اُسے کچھ حد تک کامیابی ہوئی۔ اور مہاجن برادری کی دیکھا دیکھی دوسری برادریوں میں بھی ایسی قبیح رسموں کے خلاف آواز اُٹھی۔ اور لالہ ہنسراج نے سوشل سُدھار کا کام بھی ہاتھ میں لے لیا۔ لالہ ہنسراج پُرانی قسم کا وکیل تھا۔ جس نے بی اے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل نہ کی تھی۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے اوائل عہد میں ایسے کئی وکیل عدالتوں میں وکالت کرنے کے لئے لائسنس حاصل کرتے تھے۔ مہاجن سبھا کے قیام کے دو تین سال بعد لالہ ہنسراج نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی سرپرستی میں ریاست کی اولین قوم پرست جماعت ڈوگرہ سبھا کی بنیاد ڈالی۔ اور اِس سبھا کی شاخیں جموں پرانت کے دیہات اور قصبات کے علاوہ کشمیر تک بھی جا پہنچیں۔ ڈوگرہ سبھا میں ہندو مسلمان سکھ ہریجن اور کشمیری بلا لحاظ مذہب و ملت شامل ہوتے۔ اور آہستہ آہستہ یہ سبھا ریاست کی کانگریس بن گئی۔ ڈوگرہ سبھا اتنی مقبول ہوئی۔ کہ

(فٹ نوٹ گزشتہ صفحہ سے آگے) خیال تھا کہ اول تو کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان کسی سے بھی الحاق نہیں کرنا چاہئے۔ اپنی آزاد حیثیت برقرار رکھنی ضروری ہے لیکن الحاق ضروری ہے۔ تو مسلم اکثریت ہونے کے ناطے پاکستان سے کرنا درست ہے۔ پریم ناتھ کنہ تو ڈیڑھ ایک سال کے بعد شیخ عبداللہ نے رہا کر دیا۔ اور بزاز کو رہا ہونے میں تین سال لگے۔ اُس وقت تک بزاز کا ذہن الحاق کے بارے میں صاف نہیں ہوا تھا۔ بزاز کو ادھم پور جیل سے رہا کر کے حکومت نے پٹھانکوٹ میں چھوڑ دیا۔ اور اس نے دلی میں جا کر رہائش اختیار کر لی۔ اور کشمیر پر کتابوں کے لکھنے لکھانے میں مصروف ہو گیا۔ اُس نے درجنوں کتابیں لکھیں۔ جو شہرت بزاز کو ۔۔۔ صفحات پر مشتمل تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر (انگریزی) اور دختران وِتستا کی تواریخی کُتب نے دی۔ اُس سے وہ زندہ جاوید ہو گیا ہے۔ کشمیر سے بدر ہونے کے بعد اخبار ہمدرد کا بند ہونا قدرتی تھا۔ اب اسی نام سے ایک اخبار ہمدرد سہ روزہ اور ہفتہ وار سرینگر سے نکل رہا ہے جس کا مالک بھی ہے مسٹر غلام رسول عارف ہیں۔

اس کے صدر مسلمان - ہندو - سکھ - کشمیری پنڈت اور کشمیری مسلمان بھی منتخب ہوتے رہے - مہاتما سردار بدھ سنگھ - جرنیل سمندر خاں - پنڈت جیا لال کلم - اسداللہ شاہ وکیل یکے بعد دیگرے سبھا کے صدر ہوئے - جب ابھی نیشنل کانفرنس وجود میں نہ آئی تھی - تو کشمیری لیڈر شیخ محمد عبداللہ نے بھی سبھا کے پلیٹ فارم پر تقریریں کیں - غرضیکہ ڈوگرہ سبھا کو لالہ ہنسراج نے اپنی شبانہ روز کی محنت جدوجہد سے پروان چڑھایا - مئی ۱۹۳۰ء میں مہاتما گاندھی کی گرفتاری پر جموں کے عوام نے جلوس نکالا - ہڑتال کی - جلسہ کیا - اور ولایتی کپڑوں کی ہولی جلائی - تو ڈوگرہ سبھا کو حکومت نے خلاف قانون قرار دے کر لالہ ہنسراج کو گرفتار کر لیا - ڈوگرہ سبھا ریاست جموں وکشمیر کی کانگرس خیال کی جاتی تھی اور لالہ ہنسراج کی یہ از بس خواہش تھی کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی ڈوگرہ سبھا کو ریاست میں کانگرس کی ایک شاخ کا درجہ عطا کر دے - لالہ ہنسراج نے اپنی زندگی رفاہ عامہ اور پبلک مفاد کے کاموں کے لئے وقف رکھی - آپ کے دل میں ایثار - خلوص محبت اور ریاستی عوام کی بلا لحاظ مذہب و ملت خدمت کرنے کی جو شمع منور تھی - اُسے روشن رکھنے کے لئے اپنے آرام چین اور دلی سکون کو بھی تلانجلی دے دی تھی - ریاست کے کونہ کونہ میں پاؤں پاؤں پھرا - سفر کی بے شمار مشکلات - تکالیف اور مصائب کو برداشت کیا - اپنے بڑھاپے کی نقاہتوں اور کمزوریوں کا خیال تک نہ کیا - ریاست کے ایک صلح کل اور مخلص لیڈر کی حیثیت سے جو کارنامے سرانجام دئے - اُنہیں گنانے کے لئے ایک دوسری کتاب کی ضرورت ہے - ایک لحاظ سے ریاستی صحافت کا لالہ ہنسراج ہی جنم داتا ہے - جموں میں مہاجن سبھا - راجپوت سبھا اور ڈوگرہ سبھا کی بنیاد رکھنے کے ساتھ ساتھ نیتی پتر اور ڈوگرہ گزٹ دو اخبار جاری کئے - اور کتنی ہی سبھا سوسائیٹیوں کو قائم کیا - ڈوگر کے بوڑھے جرنیل نے عورتوں کی ایک سبھا بنائی جس کی صدر ایک خاتون ممتاز بیگم تھی - اس سبھا میں ہندو سکھ مسلم عیسائی سب مذاہب کی عورتیں ممبر تھیں - سوشل سدھار کے لئے نوجوانوں کی ایک والنٹیئر کور بھی قائم کی - اور عوامی مفاد کے لئے کئی ایک سکیمیں حکومت کے سامنے رکھیں - کنڈی واٹر سپلائی - بجلی پانی اور اناج کی پیداوار میں بڑھاوا - نہروں کا پھیلاؤ - صنعتی ترقی اور معدنیات کی کھوج - سڑکوں اور پلوں کی تعمیر وغیرہ کی سکیمیں مرتب کرنے میں لالہ ہنسراج کا بہت بڑا

Scanned with CamScanner

حصہ تھا۔ صغر سنی کی شادی، بچوں کی تمباکو نوشی۔ شراب نوشی۔ بدیشی مال کے استعمال اور بیاہ شادیوں پر فضول خرچی۔ ایسی بدعتوں کو دور کرنے کے لئے حکومت کو مجبور کیا۔ اور اپنے اصولوں پر تا زندگی ثابت قدم رہا۔ دیہات سدھار۔ پنچایت راج۔ اچھوت اُدھار۔ کھادی پرچار اور کھڈیوں کے اجراء کے لئے لالہ ہنسراج نے جو کام کیا اور عملی دلچسپی لی وہ لامثال تھی۔ ریاست کی پرجا سبھا میں اسمبلی کے لئے عوام نے اپنے بُوڑھے جرنیل کو بھی منتخب کیا۔ ساری عمر کھادی کا استعمال کیا۔ لالہ ہنسراج کا جنم ۲ر اکتوبر ۱۸۶۷ء کو ہمیرپور سدھڑ تحصیل اکھنور میں ہوا تھا۔ اور ہمیرپور سدھڑ میں ہی ۲۷ر فروری ۱۹۴۴ء کو پرلوک گمن کیا۔ لالہ ہنسراج کا مجسمہ حال ہی میں جموں کے ایک میونسپل پارک نزد دھرم سالہ سندر سنگھ سوشل سدھار سبھا کے پریذیڈنٹ ڈاکٹر لال چند گپتا نے نصب کیا ہے۔

پرمنڈل کا دیو استھان

کہا جاتا ہے کہ کشمیر کے حکمران راجہ اونتی ورمن کی ایک لڑکی تھی۔ لڑکی تو بڑی ہی خوبصورت تھی لیکن اُس کے سر میں ہر وقت درد رہتا تھا۔ بہت سے حکیموں اور وئیدوں سے علاج کرایا گیا لیکن مرض بدستور رہا۔ راجہ نے جیوتشیوں کو بلا کر لڑکی کی جنم کنڈلی دکھلائی۔ جیوتشیوں نے اپنا حساب کتاب لگا کر بتلایا کہ یہ لڑکی پچھلے جنم میں ایک گیدڑی تھی۔ اِس گیدڑی کے ماتھے میں ایک تیر لگا جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ وہ تیر اب بھی اِس کے ماتھے میں چھپا ہوا ہے۔ جو سر درد کا کارن بنا ہوا ہے۔ جیوتشیوں کے بتلائے ہوئے مقام کی کھوج کرتے راجہ کے اہلکار جموں شہر سے ۱۸ میل مشرق جہاں آجکل پرمنڈل کا دیو استھان ہے ایک ویرانہ میں پہنچے تو وہاں ایک شوجی کی پراچین مورتی دیکھی۔ وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ ایک کشتری کی گائے ہر روز یہاں جنگل میں گھاس چرتے آتی تھی اور جب اِس مورتی پر آکر کھڑی ہوتی تھی اُس کے چاروں تھنوں سے دودھ بہنے لگتا تھا۔ اور وہ دودھ شوجی کی مورتی پر گرتا تھا۔ ایک گیدڑی اِس دودھ کو چاٹا کرتی تھی۔ کھشتری ایک دن چھپ کر یہ نظارہ دیکھتا رہا۔ اُس نے سوچا یہ گیدڑی ہی میری گائے کا دودھ پی جاتی ہے۔ چنانچہ اُس نے نشانہ باندھ کر تیر مارا جو گیدڑی کے ماتھے پر لگا وہ وہیں جان بحق ہو گئی۔ اُس کے اردگرد علاقے کی کھدائی کرائی گئی تو ایک گیدڑی کی ہڈیاں ملیں۔ جس کی کھوپڑی میں ایک تیر گھسا ہوا تھا۔ جونہی تیر نکالا گیا لڑکی سر درد غائب ہو گیا۔

1033

کہا جاتا ہے کہ راجہ اونتی ورمن خود اِس ستھان کو دیکھنے کے لئے آیا اور شو جی کی پوجا کی۔ ایک پتھر کی گیدڑی کی مورتی بھی بنائی۔ یہ مورتی آج تک شو جی کی پاپرکا پر کرما میں موجود ہے۔ گاؤں کے لوگ اپنا نیا اناج ہر فصل پر یہاں چڑھاتے ہیں۔ تب سے پور منڈل ایک تیرتھ کے طور مشہور ہے۔ اِس پراچین دیوستھان کی دن سے دن مہما ہونے لگی۔ ہر سال شورا تری۔ چیت چودش کے تیوہاروں پر میلے لگتے ہیں۔ اور ہندوستان بھر سے بلکہ دُور دُور سے یہاں یاتری آتے ہیں۔ سکھوں کے دسویں گُرو شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج اِس تیرتھ ستھان کی یاترا کے لیے سنہ ۱۶۸۰ء میں پور منڈل میں آئے۔ بندہ بیراگی بھی اِس دیوستھان میں مدتوں رہے۔ مغل بادشاہوں کی طرف سے بھی یہاں کی مانتا ہوتی رہی۔ جب بادشاہ اورنگ زیب کا گورنر فلیل خان راجہ گجے سنگھ کے عہد میں جموں آیا تو وہ بھی پور منڈل کے مقام پر آیا۔ غرضیکہ اس پراچین دیوستھان پر ہندوستان کے راجے، مہاراجے آکر پوجا کرتے رہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب نے سنہ ۱۸۳۷ء میں یہاں آکر تین یوم قیام کیا۔ اور پارنی تارنی مہا پارنی یعنی چیت چودش، اماوس اور پہلے نوراترے کا اشنان کیا۔ اور یہاں یاتریوں کے قیام کے لئے دو ایک حویلیاں تعمیر کرائیں۔ پور منڈل کے نزدیک ہی موضع دیوال میں مہاراجہ گلاب سنگھ بانیٔ ریاست جموں وکشمیر کا جنم ستھان ہے۔ پور منڈل کے مندر کے سامنے راجہ برج راج دیو نے کئی گھماؤں زمین معافی لگائی تھی۔ اور وہ ہر سال اِس تیرتھ پر آتا تھا۔ پور منڈل کے مہنت کے پاس معافیات کا وہ پٹہ موجود ہے جس میں اِس ستھان پر سادھو مہاتماؤں کے لئے تمام لنگر جاری رکھنے کے احکام ہیں۔ راجہ برج راج دیو والیٔ جموں کے علاوہ ریاست یا ہوکے جتنے بھی راجے مہاراجے ہوئے سب کے سب اِس تیرتھ پر آتے رہے اور چڑھاوے چڑھاتے رہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کو اِس دیوستھان سے بے حد عقیدت تھی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے وقت پور منڈل کے مندروں کی ترقی اور تعمیرات پر کافی روپیہ خرچ کیا گیا اور پور منڈل سے تین میل جنوب مشرق اُترباہنی کے مقام پر مندر تعمیر کرائے گئے۔ اور پاٹھ شالہ بھی قائم کی جہاں سنسکرت ودیارتھیوں کو کھانے، رہائش اور پڑھائی جانے والی پستکوں کے اخراجات دھرم ارتھ کے خزانہ سے ادا کئے جاتے تھے۔ اُترباہنی کی پاٹھ شالہ وسیع پیمانہ پر قائم کی گئی تھی جہاں

Scanned with CamScanner

ہندی، سنسکرت مضامین کے علاوہ میمانسا کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ پاٹھ شالہ پراچین زمانے کے آشرموں کے طرز پر تھی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کا خیال تھا کہ اُتر بہنی دیوکا ندی کے کنارے پر واقع ہے۔ پُرمنڈل اور اُتر بہنی کے ہمارے علاقہ میں کاشی کی مانند مندر بنائے جائیں اور یہ تیرتھ ستھان گیا اور پریاگ ثانی بن جائے۔

مہاراجہ ہری سنگھ بمبئی میں

جولائی ۱۹۴۹ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کو معہ اپنی مہارانی تارا دیوی کے ریاست سے باہر جانا پڑا اور تمام شاہی اختیارات اپنے سپُتر شری یوو راج کرن سنگھ کو منتقل کر کے جموں سے بمبئی میں جا کر رہائش اختیار کر لی۔ اور وُہ اپنی جنم بھومی سے ایسے گئے کہ پھر زندگی بھر واپس نہ آئے۔ کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ کو ہند سرکار بالخصوص پنڈت جواہر لال نہرو پردھان منتری کے کہنے پر ریاست چھوڑنا پڑی۔ کیونکہ پنڈت نہرو کو شیخ محمد عبداللہ وزیر اعظم کشمیر کی طرف سے یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مہاراجہ ہری سنگھ اور مہارانی تارا دیوی کی ریاست میں موجودگی ہند کشمیر الحاق کی راہ میں رائے شماری کے وقت سنگِ راہ مزاحم ہو جائے گی۔ کیونکہ کشمیری مہاراجہ کے خلاف ہیں اور مہاراجہ و مہارانی کا یہاں رہنا ملک کے مفاد میں نہیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے بمبئی پہنچ کر ایک قسم کی گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور اُس خوددار اور آن کے پکے انسان نے اپنے متعلق کسی سے داد فریاد تک نہ کی۔ گیارہ سال کا عرصہ بمبئی میں گزارا۔ اِس دوران ریاست میں کئی ایک تبدیلیاں ظہور میں آئیں۔ سیاسی انقلاب آئے۔ شیخ محمد عبداللہ بھی اپنے موقف سے ہٹ کر آزاد کشمیر کا خواب لینے لگا۔ اور اُسے حکومت سے برطرف ہو کر زندان میں جانا پڑا۔ بخشی غلام محمد کی وزارت آئی۔ کشمیر میں رائے شماری کا سوال خارج از بحث قرار دیا گیا۔ کشمیر کی آئین ساز اسمبلی نے ہند سے کشمیر کے الحاق کی تصدیق کر دی۔ سکیورٹی کونسل میں ہندوستان نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ مہاراجہ ہری سنگھ کی دستاویز الحاق کو پیش کیا۔ ہند سے کشمیر کی یگانگت اور رشتۂ اتحاد ہر لحاظ سے مستحکم ہو گیا۔ تو بھی مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست میں واپس آنے کی کسی سے درخواست نہ کی۔ اور نہ ہی اپنے حقوق اور انصاف کی کوئی کوشش گوارا کی۔

Scanned with CamScanner

مہاراجہ کا پرلوک گمن

۲۶ اپریل ۱۹۶۱ء کو مہاراجہ بہادر ہری سنگھ دل کا دورہ پڑنے پر اچانک پرلوک سدھار گئے۔ اس روز صبح کے وقت آپ بالکل تندرست اور خوش و خورم تھے۔ لیکن اچانک طبیعت خراب ہو گئی اور دل کا حملہ جان لیوا ثابت ہوا۔ ڈاکٹری امداد بہم پہنچائی گئی۔ لیکن سب بے سود اور وہ مہاراجہ جو پیدائشی خوددار تھا۔ خودداری کی زندگی بسر کر کے خودداری کی موت مرگیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کا قول تھا کہ وہ حکمران پیدا ہوا۔ حکمران کے طور زندہ رہا۔ اور جب راہِ آخرت اختیار کی اُس نے، تو بھی وہ محبوب حکمران ہی تھا۔ لیکن بدبختی یہ کہ آخری وقت مہاراجہ کا لختِ جگر شہزادہ کرن سنگھ اور یووارانی یشو راجیہ لکشمی اور ننھی پوتی راجکماری جیوتی بھی پاس نہ تھیں۔ یہاں تک کہ مہارانی تارا دیوی کو بھی اپنے مہاراج کے آخری درشن نصیب نہ ہو سکے۔ شری کرن سنگھ اور یووارانی تو برطانیہ میں تھے۔ وہ بھی اپنے ہاتھوں والدِ ماجد کی ارتھی کو چتا پر لٹا نہ سکے۔

مہاراجہ ہری سنگھ کا بمبئی کے شمشان گھاٹ کوئینز روڈ پر آخری سنسکار کیا گیا۔ ارتھی مہاراجہ کی کوٹھی ہری بھون بمبئی سے ۶ بجے اُٹھائی گئی جو شمشان گھاٹ پر ۷ بجے پہنچی۔ ارتھی پر جموں و کشمیر کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد، مہاراشٹر کے گورنر شری سری پرکاش اور مہاراشٹر سرکار کی طرف سے پھول مالائیں چڑھائی گئیں۔ بمبئی کے بہت سے سرکردہ شہری اور معززین ارتھی کے ساتھ تھے۔ مہاراشٹر سرکار کی طرف سے شری بی۔ ڈی میرچندانی سپیشل سیکریٹری پولیٹیکل سروسز ڈیپارٹمنٹ شامل ہوئے۔ سوتنتر پارٹی کے لیڈر شری ہومی موڈی بھی ساتھ تھے۔ مہاراجہ کا آخری سنسکار آریہ سماجی ریتی سے مہاراجہ کی وصیت کے مطابق کیا گیا۔

تو ۲۶ اپریل ۱۹۶۱ء کی صبح کو بمبئی میں یوں ختم ہوا ریاست جموں و کشمیر کا آخری تاجدار مہاراج ادھیراج لیفٹیننٹ جنرل سر ہری سنگھ جی۔ سی۔ آئی۔ ای، کے۔ سی وی۔ او۔ جو فطرتاً خوددار، آن پر مرمٹنے والا۔ بات کا دھنی، مضبوط ارادہ اور بلند حوصلہ کا مالک آزاد خیال اور ترقی پسند انسان تھا جس نے بچپن سے ایسی تربیت پائی تھی کہ تاجدار جموں و کشمیر کی حیثیت سے ریاستی عوام کی فلاح و بہبود کے لیے وہ کارنامے کر دکھائے کہ ہندوستان کی ریاستوں کے کسی دوسرے حکمران کو یہ یاوری نصیب نہ ہو سکی۔ ہری سنگھ

پہلا حکمران تھا جس نے اپنی ریاست میں آئینی اصلاحات و مراعات کا سیلاب بہا دیا۔ صدیوں سے رائج بیگار کا وحشیانہ سسٹم ختم کیا۔ صغر سنی کی شادی اور دختر کشی ممنوع قرار دی۔ بچوں کے لئے تمباکو نوشی کے انسداد کا قانون بنایا۔ ودھوا بیواہ کی اجازت دے کر سماجی طور پر مظلوم اور روندی ہوئی ابلاؤں کو زندگی کا حق دیا۔ اچھوت اُدّھار کے طور کنوؤں پر اور مندروں میں آنے جانے کے لئے ہری جنوں کو سب کے برابر حقوق دئیے۔ ساہوکاروں سے عام کسانوں کو نجات دلائی۔ کسانوں اور زمینداروں کو حق ملکیت عطا کیا۔ تحریر و تقریر کی آزادی دی۔ حقوق وطنیت کی پشتینی سند کا قانون بنا کر عوام کو اقتصادی اور سیاسی طور پر بیدار کیا۔ عوامی نمائندوں کے انتخاب سے اسمبلی بنائی۔ عوام کو زیادہ سے زیادہ انصاف دلانے کے لئے ہائی کورٹ اور جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ قائم کیا۔ راجپوتوں میں اُونچ نیچ کا امتیاز مٹانے کے لئے اپنے ہاتھ سے ہل چلایا۔ مہاراجہ مرحوم کی قابلیت۔ دانشوری۔ جذبہ حب الوطنی۔ ماتری بھومی سے پیار۔ نڈرتا اور بے باکی کی کہاں تک تعریف کی جائے۔ مسند نشین ہوا تو انگریز سے ٹکر لے لی۔ ریذیڈنسی کو یہاں سے اُٹھا کر سیالکوٹ پہنچا دیا۔ اپنا مذہب انصاف اعلان کیا۔ اور صحیح معنوں میں سیکولرازم کو اپنایا۔ جب لندن کی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شمولیت کی تو ہندوستان کی آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ اور کہا "ہندوستان کو سوراجیہ حاصل کرنے کا پیدائشی حق ہے"۔ پھر کرپس مشن کو پیغام دیا کہ میں آزادی کے مطالبہ میں اپنے ہم وطن کروڑوں ہندوستانیوں کے ساتھ ہوں۔ اور میں سب سے پہلے ہندوستانی اور بعد میں ریاست کا حکمران ہوں۔

شیخ عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کی وفات پر گہرے رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میرے اُن کے ساتھ جو سیاسی اختلافات تھے، اُن کے قطع نظر مجھے یہ کہنے میں ہچکچاہٹ نہیں کہ وہ ایک روشن دِل و دماغ کے مالک تھے۔ وہ غالباً ملک کے چھ سو مہاراجاؤں میں سے واحد مہاراجہ تھا جس نے بھارت کی آزادی کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ کے انتقال پانے سے ایک یُگ ختم ہو گیا ہے"۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی موت کی دہشت ناک خبر سے ایک کہرام مچ گیا۔ جموں میں تمام بازار۔ سرکاری دفاتر۔ عدالتیں۔ تعلیمی اور کاروباری ادارے بند ہو گئے۔ سرکاری دفاتر اور عمارتوں کے جھنڈے سرنگوں ہو گئے۔ سرکاری طور پر ماتمی تعطیل کی گئی۔ شام

سے ۸ بجے جموں کے شاہی محلات سے ایک جلوس "مہاراجہ ہری سنگھ امر ہے" کے نعرے لگاتا اور المیہ گیت الاپتا نکلا جس میں بے شمار مرد وزن، جن کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ کے قریب تھا، شامل ہوئے۔ جلوس میں حکومتی وزراء۔ ججان ہائیکورٹ۔ بڑے بڑے ملٹری اور سیول کے افسران اور سرکردہ شہری سر جھکائے چل رہے تھے۔ پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ کی تجویز پر سات بجے شام جب کہ بمبئی میں مہاراجہ کا سنسکار ہو رہا تھا، لوگوں نے دریائے توی پر نلانجلی دی۔ اس کے بعد ۲۹ اپریل کو جب بمبئی سے سپیشل جہاز پر شری یووراج کرن سنگھ اور شری یورانی یشو راجیہ لکشمی اور سورگباشی مہاراجہ کے سٹاف سے افراد استھیاں اور راکھ لے کر جموں کے ہوائی اڈہ پر اترے تو مہاراجہ کی وصیت کے مطابق ہوائی جہاز نے جموں شہر پر دو تین چکر لگائے اور جنت آشیاں مہاراجہ کی راکھ بکھیری۔ بخشی غلام محمد وزیر اعظم نے اپنے ساتھی وزراء اور بڑے بڑے افسروں کے ساتھ ہوائی جہاز سے اترتے ہوئے یووراج کرن سنگھ اور یورانی جی سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے افسوس کیا۔ بریگیڈیر گھنسار سنگھ پریذیڈنٹ دھرم ارتھ ٹرسٹ اور راج پروہت سب سے پہلے شری یووراج کے پاس ہوائی جہاز کے اندر گئے اور انہیں لے کر باہر آئے۔ پروہت نے پھولوں سے ڈھکی ہوئی استھیوں کو اٹھالیا۔ اس موقعہ پر ہجوم کا رش قابو سے باہر ہو گیا۔ مہاراجہ امر رہے کے فلک شگاف نعرے لگنے لگے۔ شری یوراج بہادر اشکبار اور گریہ زار بڑی مشکل سے موٹر کار میں استھیاں لے کر بیٹھے اور ہزاروں عوام جلوس کی شکل میں شہر جموں کی طرف رواں ہوئے۔ اس قدر بے پناہ ہجوم تھا۔ ایک سیلاب تھا انسانی سروں کا کہ اس سے پیشتر جموں کی دھرتی نے دیکھا نہ ہوگا۔

بکم مئی ۱۹۶۱ء کو لوگوں کے اتنے ہی ہجوم میں شری یوراج کرن سنگھ نے دریائے توی پر جاکر استھیوں کا جل پرواہ کیا۔ جہاں توی میں استھیاں بہائی گئیں، توی کے اس کنارے کو ہری گھاٹ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اب تو اکثر لوگ گنگا کی بجائے اس گھاٹ پر جاکر اپنے سورگباشی لواحقین کی دریائے توی میں استھیاں بہاتے ہیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی وصیت

مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی وفات سے قریباً ایک سال قبل وصیت کی تھی کہ "میری وفات پر میرے مرتک شریر کا ویدک ریتی انوسار بذریعہ آریہ سماج (ڈی۔ اے۔ وی کالج پارٹی) داہ سنسکار کیا جائے اور میری استھیاں سمندر میں بہا دی جائیں۔ استھیوں اور راکھ کا کچھ حصہ چاندی کے ایک کلش میں محفوظ کر کے بذریعہ خاص ہوائی جہاز جموں بھیجا جائے۔ راکھ کو جموں شہر پر جو کہ میری جنم بھومی ہے، ہوائی جہاز کے ذریعہ بکھیر دیا جائے اور استھیوں کو دریائے توی میں جل پرواہ دیا جائے۔"

مہاراجہ صاحب نے اپنی ذاتی جائداد کا بیشتر حصہ جموں میں ایک ایسا کالج کھولنے کے لئے وقف کر دیا جس سے زراعتی تعلیم غریبوں کو دلائی جائے۔ وصیت میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "میں ڈی۔ اے۔ وی کالج کی انتظامیہ کمیٹی کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ میری باقی جائداد فروخت کر کے ایک فنڈ قائم کرے جس کا نام "ہز ہائینس مہاراجہ سر ہری سنگھ فنڈ برائے یتیماں" رکھا جائے۔ اس فنڈ کے سرمایہ کو جیسا کہ ٹرسٹی مناسب سمجھیں، کسی کاروبار میں لگائیں اور اس کی آمدنی کو مفت تعلیم (جس میں زراعتی ٹریننگ بھی شامل ہے) کے لئے صرف کریں۔ یہ رقم صرف جموں پرانت کے یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لئے خرچ کی جائے۔"

مہاراجہ مرحوم کی وصیت فلسکیپ کاغذ کے چار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ جس میں اپنی ساری جائداد منقولہ وغیر منقولہ، مال و منال اور سامان کی تقسیم کے متعلق وضاحت سے لکھا گیا ہے۔ اس میں مہاراجہ کرن سنگھ جی، مہارانی یشو راجیہ لکشمی، راجکماری جیوتی، بیوہ مہارانی تارا دیوی کے علاوہ مہاراجہ مرحوم کے پرائیوٹ ملازمین جو ان کے آخری وقت تک ملازم تھے، اور ان چند ایک داسیوں (جنہوں نے اپنی زندگی شاہی حرم خانہ میں خدمت گاری کے لئے وقف کی ہوئی تھی) کو گذارہ، مقرریاں، امداد، وظیفے اور عطیات دئیے جانے کا ذکر تفصیل وار درج ہے۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے اپنی ماتری بھومی سے پریم و پیار اور جذبہ حب الوطنی کی مثال نہیں مل سکتی۔ اس اعتبار سے مہاراجہ مرحوم اور سورگیہ نہرو کے دل و دماغ میں دیش پریم کے خیالات ایک ہی سطح پر ہیں۔ مہاراجہ کی وصیت کے مطابق ان کی

راکھ جموں شہر پر ہوائی جہاز کے ذریعہ بکھیری گئی اور استھیاں دریائے توی میں بہا دی گئیں۔ اور سورگیہ پردھان منتری بھارت رتن پنڈت نہرو کی وصیت سے اُن کی راکھ سارے دیش پر بکھیری گئی اور استھیاں دریائے گنگا میں جل پرواہ کی گئیں ع کیا خوب آدمی تھے جو جہاں سے گزر گئے +

سنہ ۱۹۴۷ء میں ریاست کی آمدنی واخراجات

آمدنی

۱۔	مالیہ اراضی	۶۷۰۵۹۰۰ روپیہ
۲۔	کسٹم	۱۳۶۱۰۰۰۰ //
۳۔	فیس کاہچرائی	۳۶۰۰۰۰۰ //
۴۔	ایکسائز	۲۲۰۰۰۰۰ //
۵۔	سٹیٹ پراپرٹی	۱۰۰۰۰۰ //
۶۔	اسٹامپ	۱۱۵۷۰۰۰ //
۷۔	کاہچرائی وفوڈ کنٹرول	۱۳۰۳۰۰۰ //
۸۔	سُود	۱۲۰۰۰۰۰ //
۹۔	سول ایڈمنسٹریشن	۱۰۵۶۰۰۰ //
۱۰۔	پبلک ورکس	۲۹۳۲۰۰۰ //
۱۱۔	انڈسٹریز	۱۰۱۲۵۰۰۰ //
۱۲۔	بجلی۔ تار و ٹیلیفون	۱۸۶۲۰۰۰ //
۱۳۔	ملٹری	۲۱۵۰۰۰ //
۱۴۔	متفرق	۷۰۰۰۰۰ //
	میزان	۵۹۴۲۵۰۰۰ روپیہ

اخراجات

۱۔ مالیہ اراضی بشمول فوڈ کنٹرول	۱۶۷۶۰۰۰	روپیہ
۲۔ کسٹمز	۷۲۲۰۰۰	"
۳۔ جنگلات	۲۷۱۴۰۰۰	"
۴۔ انکم ٹیکس	۸۰۰۰۰	"
۵۔ سُود	۴۵۴۰۰۰	"
۶۔ مہاراجہ بہادر اور شاہی خاندان کے افراد	۳۱۱۸۰۰۰	"
۷۔ جاگیرہائے	۸۵۰۰۰۰	"
۸۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹس	۱۶۶۰۰۰	"
۹۔ جنرل ایڈمنسٹریشن	۲۴۳۲۰۰۰	"
۱۰۔ محکمہ انصاف	۵۷۰۰۰۰	"
۱۱۔ جیل ہائے	۲۴۵۰۰۰	"
۱۲۔ پولیس	۱۶۱۵۰۰۰	"
۱۳۔ تعلیم	۳۳۴۹۰۰۰	"
۱۴۔ میڈیکل	۱،۸۹۴۰۰۰	"
۱۵۔ انڈسٹریل ایڈمنسٹریشن	۱۲۷۰۰۰	"
۱۶۔ ایگریکلچر	۱۹۵۰۰۰	"
۱۷۔ ویٹرنری	۲۶۴۰۰۰	"
۱۸۔ کواپریٹو	۱۴۵۰۰۰	"
۱۹۔ پنچایت و دیہات سُدھار	۶۷۶۰۰۰	"
۲۰۔ پبلک ورکس	۳۹۷۴۰۰۰	"
۲۱۔ محکمہ ابریشم و دیگر کارخانے	۷۷۰۰۰۰	"
۲۲۔ محکمہ بجلی وغیرہ	۱۳۳۸۰۰۰	"
۲۳۔ فوج	۱۰۶۶۵۰۰۰	"
۲۴۔ متفرقات	۱۳۸۸۱۵۰	"
۲۵۔ فاضلہ	۱۳۷۰۰۰	"
میزان	۵۹۴۲۵۰۰۰	"

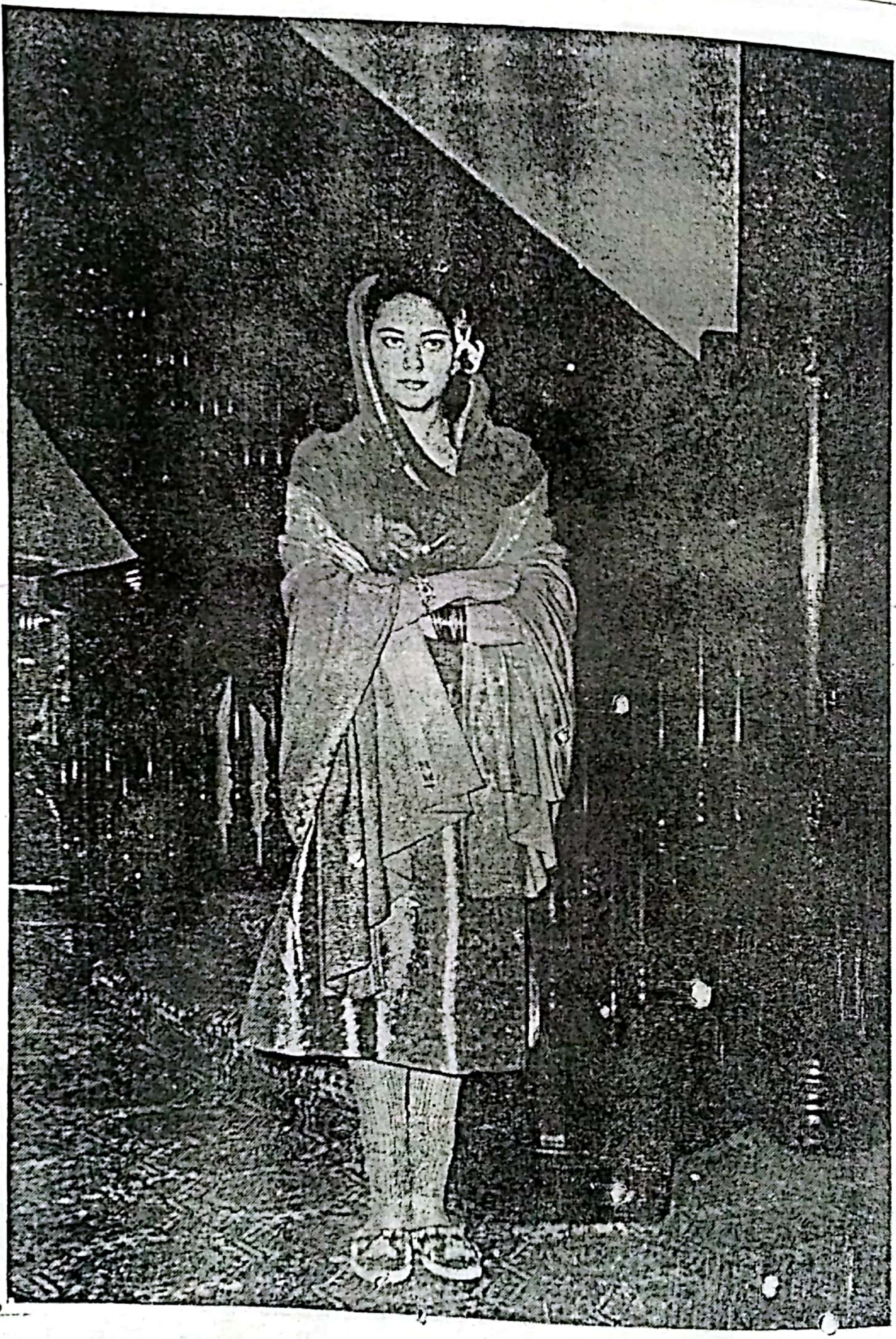

مہارانی یشوراجیہ لکشمی

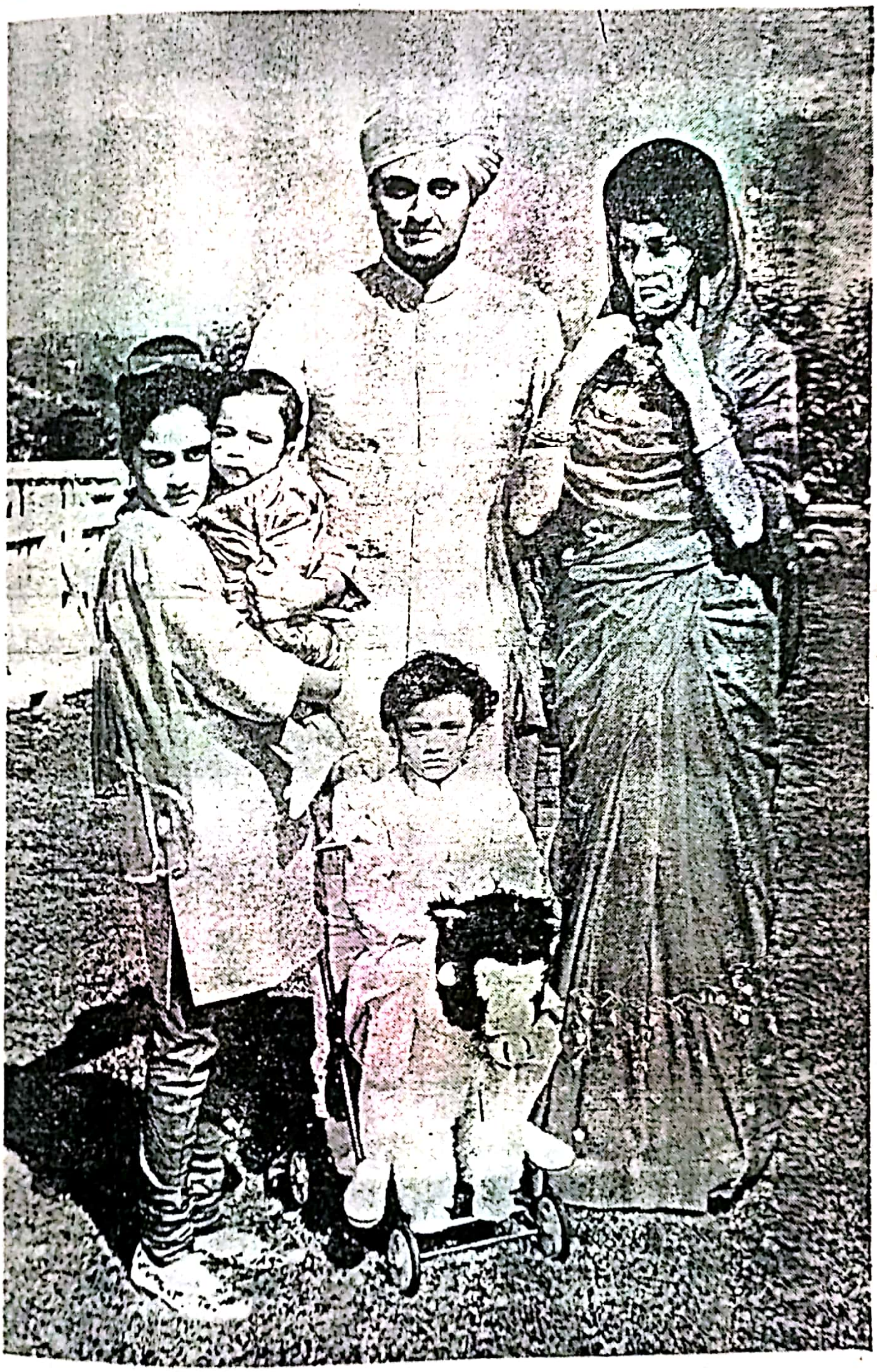

مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ مہارانی یشوراجیہ لکشمی مہاراجکماری جیوتی
مہاراجکمار وکرمادتیہ سنگھ اور راجکمار اجات شترو سنگھ

مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ

مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ ابھی مشکل سے اٹھارہ سال کے ہوئے تھے کہ ریاستی وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے مہاراجہ ہری سنگھ اور مہارانی تارا دیوی کو ریاست چھوڑ کر بمبئی میں رہائش پذیر ہونا پڑا۔ شیخ محمد عبداللہ مہاراجہ اور مہارانی کی ریاست میں موجودگی کو رائے شماری جیتنے کے راستے میں بھاری رکاوٹ سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ہند سرکار اور خاص کر پنڈت جواہر لال نہرو کو مجبور کیا کہ وُہ مہاراجہ اور مہارانی دونوں کو کہیں کہ وُہ ریاست چھوڑ کر چلے جائیں۔ چنانچہ ہند سرکار نے مہاراجہ ہری سنگھ اور مہارانی تارا دیوی کو مشورہ دیا کہ وُہ ریاست کی بہبودی کی خاطر ریاست سے کہیں باہر جا کر رہیں۔ چونکہ مہاراجہ کو ریاست کے رہنے والوں کی بہتری جان سے زیادہ عزیز تھی، اس لئے اُنہوں نے پرجا کی بھلائی کے لئے دیس نکالا خوشی سے قبول کیا۔ اور رگھوکُل کی اُس مریادا کو قائم رکھا جس کے تحت راجہ رام چندر مہارانی سیتا کے ساتھ بنوں میں چلے گئے تھے۔

مہاراجہ بہادر نے شاہی فرمان کے ذریعے ۱۹۴۹ء میں یُوراج کرن سنگھ کو ریجنٹ مقرر کیا۔ ریاست میں عوامی حکومت بنے ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی اور ریاست گوناگوں مُشکلوں سے دوچار تھی۔ اٹھارہ برس کا نوجوان کیا ہوتا ہے۔ اِس عُمر کے شہزادے تو جوانی کی موجیں منانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ جہاں اِس نوجوان نے عوام کے سامنے ایک آدرش بنتا تھا، ریاست کے ہیڈ کی شکل میں ذمہ داریوں کو نبھانا تھا، وہاں ڈوگرہ شاہی خاندان کو ایک آنکھ نہ بھانے والے دُشمن دل سے یہ چاہتے تھے کہ یہ نوجوان شہزادہ غلطیاں کرے تاکہ شاہی خاندان بدنام ہو کر خود ہی ختم ہو جائے لیکن جس دانشمندی، سُوجھ بُوجھ اور خوش اسلوبی سے اِس نوجوان شہزادے نے ذمہ داریوں کو نبھایا، اُس سے نہ صرف اُس نے اپنی عزت بڑھائی بلکہ ڈوگرہ شاہی خاندان کی عزت کو چار چاند لگا دیئے۔

۱۹۵۲ء میں آئینی تبدیلیوں کے نتیجے کے طور پر شاہی خاندان کی حکومت ختم کی

گئی اور صدر ریاست کا نیا عہدہ قائم کیا گیا۔ یُوراج کرن سنگھ کو متفقہ طور پر ریاست کی آئین ساز اسمبلی نے اپنا پہلا صدر ریاست چُنا۔ یہ ریاستوں کی تاریخ میں پہلا موقعہ تھا جب کہ شاہی خاندان کے ولی عہد حکومت کو عوام اپنی مرضی سے اپنا صدر ریاست چُنیں۔ سنہ ۱۹۵۷ء میں دُوسری بار اور سنہ ۱۹۶۲ء میں تیسری بار انہیں صدر ریاست چُنا گیا۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں صدر ریاست کا عہدہ گورنر میں بدل دیا گیا۔ چنانچہ تب سے وہ گورنر کے عہدہ پر فائز ہیں۔

سنہ ۱۹۶۲ء میں راشٹر پتی نے انہیں ہندوستانی فوج کا آنریری میجر جنرل مقرر کیا۔ اور ساتھ ہی جموں و کشمیر رجمنٹ کا آنریری کرنل نامزد کیا۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کی وفات حسرت آیات پر راشٹر پتی نے یوراج کرن سنگھ کو مہاراجہ کا لقب عطا فرمایا۔

تعلیم مہاراجہ ڈاکٹر کرن سنگھ کو موجودہ ماحول کے مطابق ڈھالنے اور اچھی تعلیم دینے کے لئے مہاراجہ ہری سنگھ نے خاص انتظامات کئے۔ ان کے لئے خاص اُستاد مقرر کئے گئے۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں انہیں ڈیرہ ڈون کے ڈون سکول میں داخل کر دیا گیا۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں آپ نے سینئر کیمبرج کا امتحان فسٹ ڈویژن میں تین اعزازی پوزیشنیں حاصل کر کے پاس کیا۔ مارچ سنہ ۱۹۴۷ء میں آپ نے الہ آباد یونیورسٹی سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد انہیں سری پرتاپ کالج سرینگر میں عام لڑکوں کے ساتھ پڑھنے کے لئے بھیج دیا گیا تاکہ آپ کو عوامی زندگی کا پُورا پُورا احساس ہو۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں ریجنٹ ہوتے ہوئے آپ نے فیصلہ کیا کہ پڑھائی جاری رکھی جائے۔ چنانچہ آپ نے سنہ ۱۹۵۱ء میں جموں و کشمیر یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ غالباً یہ پہلا موقعہ تھا کہ یونیورسٹی کے کسی چانسلر نے اپنی ہی یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا ہو۔ سنہ ۱۹۵۷ء میں آپ نے دہلی یونیورسٹی سے ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ اس کے بعد آپ نے ڈاکٹریٹ کیا۔ آپ کا تھیسس شری اربندو کے سیاسی نظریہ پر تھا جسے منظور کیا گیا اور آپ کو ڈاکٹری کی ڈگری عطا کی گئی۔ سنہ ۱۹۶۳ء میں علی گڑھ یونیورسٹی نے آپ کو ڈاکٹر آف فلاسفی کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ آپ سنہ ۱۹۴۹ء سے جموں و کشمیر یونیورسٹی کے چانسلر ہیں۔ اس کے علاوہ آپ بنارس ہندو یونیورسٹی کے بھی چانسلر ہیں۔

آپ کو یونیورسٹی کی بہتری میں خاص دلچسپی ہے۔ آپ کی قیادت میں جموں وکشمیر یونیورسٹی نے نمایاں ترقی حاصل کی۔ جموں وکشمیر کے خاص حالات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے یونیورسٹی کے دو ڈویژن ایک جموں میں دوسرا سرینگر میں قائم کئے گئے۔ جس سے دونوں صوبوں کے لڑکے لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع میسر ہوئے ہیں۔ اگرچہ دونوں ڈویژن گجندر گڈکر کمیشن کی رپورٹ پر قائم کئے گئے لیکن اس میں آپ کے قیمتی مشوروں کا پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا۔

بحیثیت مصنف اور شاعر

ڈاکٹر کرن سنگھ نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کے لکھاری بلکہ شاعر بھی ہیں۔ آپ کو انگریزی ہندی سنسکرت اور ڈوگری پر پورا عبور حاصل ہے۔ جس زبان میں بھی آپ لکھتے ہیں، با اثر لکھتے ہیں۔ انگریزی اور ڈوگری میں آپ کویتا بھی کرتے ہیں۔ ڈوگری میں آپ کے کئی گیت آل انڈیا ریڈیو نے بھی اپنائے ہیں۔ آپ کے گیتوں میں دیش پریم اور پربھو بھگتی ٹپکتی ہے۔ اور سننے والوں پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ آپ کو سنگیت کا بے حد شوق ہے۔ خاص کر کلاسیکل سنگیت کا۔ آپ کئی محفلوں میں اپنے اس فن کے جوہر دکھا چکے ہیں اور داد حاصل کر چکے ہیں۔ پرماتما نے آپ کو ایک سُریلا گلا عطا کیا ہے۔ آپ کی کچھ تصانیف ذیل میں درج ہیں:-

1. **Varied Rhythms**
   (Essays and Poems ; Asia Publishing House, Bombay ; 1960)

2. **Shadow and Sunlight**
   (Dogra Pahari Songs ; Asia Publishing House, Bombay ; 1962)

3. **Prophet of Indian Nationalism**
   (The Political Thought of Sri Aurobindo Ghosh, 1893—1910 ; Allen and Unwin, London ; 1963)

4. **Selected Speeches and writings.**
   (Jammu and Kashmir Government ; 1964)

5. **Welcome the Moonrise.**
   (Poems ; Asia Publishing House, Bombay ; 1965)

6. **Post Independence Generation—Challenge & Response.**
   (Lectures ; Bharatya Vidya Bhawan Bombay ; 1965)

Scanned with CamScanner

ڈاکٹر کرن سنگھ انڈیا انٹرنیشنل سنٹر کے لائف ٹرسٹی ہیں اور بہت سی ادبی اور ثقافتی انجمنوں سے وابستہ ہیں۔ آپ جواہر لال نہرو میموریل فنڈ کے ایک ٹرسٹی ہیں اور اس کی پروگرام سب کمیٹی کے ممبر بھی۔ آپ نے شریمتی اندرا گاندھی سے حال ہی میں جواہر لال نہرو میموریل فنڈ کے سیکریٹری کے عہدہ کا چارج لیا۔ ڈوگری زبان کو فروغ دینے میں آپ نے جو خدمات سرانجام دیں، اُنہیں ڈوگری کے پریمی کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کے عروج کے ساتھ ساتھ ڈوگری ادب بھی بام عروج کو پہنچا۔ آپ نے اپنی جیب خاص سے کافی رقم خرچ کر کے ڈوگری مشاعروں کا انتظام کیا، ادبی محفلیں رچائی گئیں۔ اور اس طرح کلاکاروں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

سنسکرت زبان سے آپ کو گہرا لگاؤ ہے۔ سنسکرت کا اتنا گیان آپ نے کیسے حاصل کیا، یہ ایک معمہ ہے۔ آپ وید منتر، گیتا کے شلوک اور اُپنشدوں کے منتر اس طرح بولتے ہیں کہ سنسکرت کے بڑے بڑے ودوان دنگ رہ جاتے ہیں۔ آپ کے لیکچروں اور تقریروں پر راشٹرپتی ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن کا گہرا اثر ہے قلم اور زبان میں اُنہی کی طرح فصاحت ہے۔ انگریزی کا تلفظ اتنا شاندار ہے کہ انگریز بھی اُن کے آگے پانی بھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ اُردو زیادہ پڑھ لکھ نہیں سکتے لیکن اُردو ماحول دیکھ کر تقریر اُردو میں ہی کرتے ہیں۔ ہندی میں جب تقریر کرتے ہیں تو سننے والوں کو یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ آپ اُتر پردیش کے باسی ہوں۔ ڈوگری، تو اُن کی مادری زبان ہے ہی۔ ڈوگری زبان میں تقریر کرتے ہوئے کوئی لفظ انگریزی کا استعمال نہیں کرتے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی Vocabulary کتنی مضبوط ہے۔

ڈاکٹر کرن سنگھ ریاست کے چپے چپے میں گھومے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں، لوگ ہزاروں کی تعداد میں اُن کے درشن کرنے اور خیالات سننے کے لئے اُمڈ پڑتے ہیں۔ عورتیں، بچے، بچیاں، بوڑھے اور جوان اس طرح اُن کے پیچھے بھاگتے ہیں جیسے گزرے وقتوں میں کرشن کی مدھر بنسری پر گوپیاں اور گوالے۔ عوام کو آپ کی ذات سے بے حد عقیدت ہے۔ آپ مذہب کے سناتن دھرمی ہیں لیکن باقی مذہبوں کے لئے بھی گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ تمام مذاہب کے مذہبی استھانوں پر جاتے ہیں اور اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور بھاری چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ جہاں کہیں ریاستی حکومت کو مشکل پیش آتی ہے

آپ اُس مشکل کو حل کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ریاست میں کہیں سیلاب ہو یا آگ کی واردات، دشمن کا حملہ ہو یا اور کوئی آفت ۔ مہاراجہ کرن سنگھ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔

مہاراجہ ہونے کے باوجود آپ کی زندگی نہایت سادہ اور پاکیزہ ہے۔ آپ سگریٹ اور شراب سے پرہیز کرتے ہیں۔ کھانا نہایت سادہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ پچھلے جنم کے یوگ بھرشٹ یوگی ہیں۔ جو کسر پچھلے جنم میں رہ گئی تھی اُس کو پورا کرنے کے لئے ہی آپ نے موجودہ جنم دھارن کیا ہے۔ صبح دو گھنٹے پوجا پاٹھ اور مذہبی کتب خاص کر اُپنشدوں کے ادھیین میں گزارتے ہیں۔ آپ کا ارادہ آخری عمر میں دُنیا سے کنارا کش ہونے کا ہے۔

مارچ ۱۹۵۰ء میں اُنیس سال کی عمر میں آپ کی شادی نیپال کے مہارانا موہن شمشیر جنگ کی پوتی یشو راجیہ لکشمی سے ہوئی۔ آپ کی دھرم پتنی ساکشات دیوی ہیں۔ لوگ آپ کی جوڑی کو رام سیتا کی جوڑی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یشو راجیہ لکشمی کو پڑھنے لکھنے، چترکاری، کھانا پکانے کا بڑا شوق ہے۔ شادی کے بعد مہارانی لکشمی نے یونیورسٹی کے چار امتحانات پاس کئے ہیں جن میں ایک ہندی پربھاکر بھی شامل ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کے ساتھ جنگ کے دوران فوجیوں کی فلاح و بہبود کے لئے آپ کی سرکردگی میں عورتوں نے نہایت شاندار کام کیا۔ آپ فوڈ سپلائی کا کام کئی کئی گھنٹے تھکن کے بغیر کرتی رہیں۔ عورتوں میں بہت مقبول ہیں۔ پرماتما نے جیسی صورت دی ہے ویسی ہی سیرت بھی۔ بھگوان نے اِن کی گود تین بچوں سے بھری ہے۔ سب سے بڑی لڑکی جیوتی ہے۔ اور دو لڑکے بکرمادتیہ سنگھ اور اجات شترو سنگھ ہیں۔

مہاراجہ کرن سنگھ دھرم ارتھ کے سول ٹرسٹی ہیں۔ اُنہوں نے مندروں کے سُدھار کے لئے بہت سے اقدامات کئے ہیں۔ مندروں میں چڑھاوا اب پجاری کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ اِس کے لئے ایک ایک صندوقچی ہر مندر میں رکھی گئی ہے جس میں اسے جمع کیا جاتا ہے اور مندروں کی بہتری پر خرچ کیا جاتا ہے۔ رگھناتھ مندر، رنبیریشور مندر اور دوسرے بے شمار مندروں میں آپ نے بہت سی تبدیلیاں کثیر خرچ کرکے کی ہیں جن سے ان مندروں کی شوبھا بہت بڑھ گئی ہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ جنہوں نے جموں کو کاشی میں بدلنے

کے لئے بے شمار مندر تعمیر کرائے، کے بعد اگر کسی مہاراجہ نے مندروں کی بہتری میں دلچسپی لی ہے تو وُہ آپ کی ذات ہے۔ آپ اپنی سُریلی آواز میں جب بھگوان کی آرتی اُتارتے ہیں تو سُننے والوں کی آنکھوں سے خود بخود پریم کی انشرو دھارا بہ نکلتی ہے۔ آپ نے شری امرناتھ سوامی کی یاترا بھی کی ہے۔ آپ کی دھرم پتنی مہارانی یشوراجیہ لکشمی نے یہ یاترا ننگے پاؤں کی۔ اِس کے علاوہ ہندوستان بھر میں شاذ ہی کوئی ایسا مشہور مندر ہو جو آپ نے نہ دیکھا ہو۔

صدرِ ریاست کے عہدہ پر

۱۹۵۲ء میں ریاستی آئین ساز اسمبلی جب ریاست کے لئے ایک نیا آئین مرتب کر رہی تھی اور مہاراجہ کرن سنگھ ابھی ریجنٹ کے طور پر ہی کام کر رہے تھے، آئین ساز اسمبلی نے فیصلہ کیا کہ ڈوگرہ شاہی خاندان کی حکومت بالکل ختم کر دی جائے اور ریاست کا سربراہ اسمبلی کا چُنا ہوا نمائندہ ہو۔ ۱۸۴۶ء سے لے کر جب کہ کشمیر جموں سے ملحق ہوا اور تین اکائیوں پر مشتمل ریاست جموں و کشمیر وجود میں آئی، ۱۹۴۷ء تک حکومت ڈوگروں کی تھی۔ اور کشمیر کے لوگ اپنے آپ کو محکوم تصوّر کرتے تھے۔ یہ بات الگ ہے کہ ڈوگروں کی حکومت ہوتے ہوئے بھی ڈوگرہ عوام اُسی طرح غربت، جہالت، بیکاری اور بیماری کا شکار تھے۔ جیسے کہ کشمیر اور لداخ میں بسنے والے لوگ۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد حکومت کشمیر کے لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ نیشنل کانفرنس کی مقبولیت بھی صوبہ کشمیر کے اندر ہی محدود تھی۔ اِس جماعت کا جموں میں کوئی خاص اثر و رسوخ نہیں تھا۔ چنانچہ عوامی حکومت بننے پر اکثریت کشمیریوں کی تھی۔ جموں پر حکومت کرنے کے لئے اِس جماعت نے کشمیر سے ہی آدمی بھیجے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جموں والوں نے بجا طور پر محسوس کیا کہ ڈوگرہ شاہی خاندان کی حکومت ختم ہونے کے بعد اب وُہ محکوم بن گئے ہیں۔ اب آجا کے آنکھیں لگی تھیں نوجوان شہزادے کرن سنگھ پر۔ کرن سنگھ نے جہاں جموں کے لوگوں کے احساسات کا خیال رکھنا تھا، وہاں اُس نے یہ بھی دیکھنا تھا کہ اُس کے کسی عمل سے کشمیری لیڈر شپ کا اُس پر اعتماد متزلزل تو نہیں ہو جاتا۔ کرن سنگھ کو اِس طرح دو دھاری تلوار پر چل کر ریاست کی اُس سالمیت کو برقرار رکھنا تھا جو مہاراجہ گلاب سنگھ بنا گئے تھے۔ اُدھر عمر کا تقاضا تھا۔ عبداللہ جیسے بلند قامت لیڈر کے سامنے کرن سنگھ ابھی بچہ ہی تھا۔ لیکن جس تدبر، معاملہ فہمی اور سیاسی دانشوری کا اِس نوجوان شہزادے نے ثبوت دیا، اُس سے اِس نے

اپنی نااہلیت کا سکہ بٹھا دیا۔

ابھی صدر ریاست بنے ایک سال ہوا تھا کہ شیخ عبداللہ نے آزاد کشمیر کا خواب لینا شروع کر دیا۔ کیبنٹ میں اس سوال پر تناتنی شروع ہو گئی۔ حالات دن بدن خراب ہونے لگے۔ لوگ پریشان تھے۔ بڑے بڑے سیاست دان بھی کچھ گھبرا سے اُٹھے۔ شیخ عبداللہ کے ساتھ کون ٹکر لے۔ اُسے کون روکے۔ اس آڑے وقت پر کرن سنگھ نے ہمت دکھائی اور اُسے بیک جنبش قلم پرائم منسٹر کے عہدے سے ڈسمس کر دیا۔ یہ قدم انہوں نے ۸ اور ۹ اگست ۱۹۵۳ء کی درمیانی رات کو اُٹھایا جبکہ شیخ عبداللہ گلمرگ میں آرام فرمانے کے لئے گیا تھا۔ آپ نے بخشی غلام محمد کو دعوت دی کہ وہ پرائم منسٹر کا عہدہ قبول کرے۔ بخشی نے یہ دعوت منظور کر لی اور اس طرح ایک نئی کیبنٹ بخشی غلام محمد اور شری گردھاری لال ڈوگرہ پر مشتمل وجود میں آئی۔ بعد میں اس میں اضافہ کیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۶۳ء میں بخشی غلام محمد کے کامراج پلان کے تحت مستعفی ہونے پر آپ نے خواجہ شمس الدین کو پرائم منسٹر بنایا۔ اس نئی وزارت کو بنے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ ہی دن ہوئے تھے کہ سرینگر میں حضرت بل کی مقدس زیارت سے موئے مبارک کی چوری ہو گئی۔ ایسے موقعہ پر راشٹر پتی پر زور ڈالا جا رہا تھا کہ وہ ریاست میں صدر ریاست کا راج نافذ کریں۔ ڈاکٹر کرن سنگھ کو سرینگر میں حالات کا جائزہ لینے اور حکومت سنبھالنے کے لئے موجود رہنا پڑا۔ لیکن موئے مقدس اچانک مل گئے اور اس طرح صدرِ ریاست کا راج نافذ کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

خواجہ شمس الدین نے فروری ۱۹۶۴ء میں استعفیٰ دے دیا اور خواجہ غلام محمد صادق کو اُس کی جگہ ریاست کا پرائم منسٹر بنایا گیا۔ اس طرح ڈاکٹر کرن سنگھ اپنے ہاتھوں ایک پرائم منسٹر ڈسمس کر چکے ہیں اور تین نئے بنا چکے ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو کو ڈاکٹر کرن سنگھ میں وہ تمام خوبیاں نظر آئیں جو جموں و کشمیر ایسی گوناگوں مسئلوں سے پُر ریاست کے سربراہ بننے کے لئے ضروری تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ پنڈت جی یوراج کرن سنگھ کو بہت چاہتے تھے۔ وہ اُنہیں پیار سے ٹائیگر (TIGER) کے نام سے پکارتے تھے

شری لال بہادر شاستری بھی ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر کرن سنگھ

کی خواہش ہے کہ وہ سرگرم سیاست میں حصہ لے کر ملک اور قوم کی مزید خدمت کریں۔ چنانچہ انہوں نے گورنری کے عہدہ سے سُبکدوش ہونے کے لئے حال ہی میں ہند سرکار کو لکھا۔ شریمتی اندرا گاندھی وزیر اعظم ہند نے اُن کی خدمات کی سراہنا کرتے ہوئے لکھا کہ آپ نے صدر ریاست اور گورنر کے عہدوں کے فرائض کو نہایت شاندار کامیابی کے ساتھ نبھایا ہے۔ پاکستان کی طرف سے کیئے گئے حملے سے پیدا شدہ کرائسس نے جو مشکل مسائل پیدا کیئے، انہیں حل کرنے میں آپ کی خدمات نہایت قیمتی تھیں۔ آپ سے درخواست کی گئی کہ ابھی ریاست مشکل دور میں سے گزر رہی ہے۔ اس لئے بحیثیت گورنر آپ کی خدمات کی ابھی کچھ عرصہ کے لئے مزید ضرورت ہے۔ چنانچہ پرائم منسٹر کے ارشاد کے مطابق آپ نے فی الحال گورنری کے عہدہ سے سُبکدوش ہونے کا خیال ترک کر دیا ہے۔

ڈاکٹر کرن سنگھ اعلےٰ پایہ کے مقرر بھی ہیں۔ آپ انگریزی، ہندی اور ڈوگری میں نہایت فصاحت سے تقریر کر سکتے ہیں۔ آپ کی ہر تقریر پُر زور معلومات اور نئے خیالات سے بھرپور ہوتی ہے۔ آپ کی سٹڈی اتنی وسیع ہے کہ آپ قریباً قریباً ہر موضوع پر بلا کسی جھجک کے بول سکتے ہیں۔

مہاراجہ کرن سنگھ ٹینس اور بیڈمنٹن کے ایک اچھے کھلاڑی ہیں۔ تیر اندازی میں آپ کا نشانہ کبھی نہیں چوکتا۔ شطرنج کے آپ ایک مانے ہوئے کھلاڑی ہیں۔ ریاست کے کونے کونے سے آپ واقف ہیں۔ ریاست سے باہر ہندوستان اور غیر ممالک کی آپ نے کافی سیر کی ہے۔

بحیثیت چیئرمین سولجرز، سیلرز اور ائیرمین بورڈ کے آپ کی فوجیوں کی بہبودی کے لئے خدمات نہایت شاندار رہی ہیں۔ یہ آپ کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ریاست کی فوج ہندوستانی فوج میں مدغم ہوتے ہوئے اپنی علیحدہ ہستی قائم رکھ سکی ہے۔ ریاست میں جموں کے کسی مقام پر ایک سینک سکول منظور کرانے میں آپ کا نمایاں ہاتھ رہا ہے۔

فلاسفی میں آپ کو بہت گہری دلچسپی ہے۔ آپ ہر مذہبی فلسفہ کو سائنس کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور اُسے ایک نئے زاویے سے پیش کرتے ہیں۔

ہندوستان کی ریاستوں کے تمام گورنروں میں عمر سے چھوٹے ہونے کے باوجود آپ نے اپنے آپ کو ایک آدرش گورنر بنا کر دکھایا ہے۔ آپ سے لوگوں کی بہت سی

مہاراجہ ہری سنگھ

سلطنتِ کشمیر

برِ اعظم ایشیا کے تمام ممالک اور سلطنتوں کی صف میں کشمیر کو مُلکی، سیاسی، تہذیبی، ثقافتی اور جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے ممتاز مقام حاصل ہے۔ روئے زمین پر جتنی بھی سلطنتیں آج تک وجود میں آئی ہیں، اُن میں کشمیر بھی ایک قدیم ملک تصور ہوتا ہے۔ غیر مُلکی سیاحوں کے سفر نامے کشمیر کے تواریخی حالات سے بھرے پڑے ہیں۔ دُنیا کے بڑے بڑے مورخین نے کشمیر کے عروج و زوال اور اس جنت نظیر سرزمین پر جو جو انقلاب آئے، انہیں سلسلہ وار رقم کیا ہے۔ راج ترنگنی اور تاریخ حسن خطۂ کشمیر کے حالات کی مُستند تاریخیں ہیں۔ تواریخ قدیم آریہ ورت کے حوالہ سے کشمیر پر پندرہ مختلف خاندانوں کے راجاؤں، مہاراجاؤں، نوابوں، سُلطانوں اور بادشاہوں نے حکومت کی۔ سب سے پہلے آکشواکو خاندان کے راجہ پُورن کرن والیٔ جموں کے ولی عہد راجہ دیاکرن جموال نے یہاں حکومت قائم کی اور اس کے پانچ راجے دیاکرن سے لے کر شُومتر تک حکمران رہے۔ اس کے بعد پانڈو خاندان کے ۲۲ راجے پُشت در پُشت ہرنیہ دیو سے لے کر سندر سین تک کشمیر پر حکومت کرتے رہے۔ پھر پرمار خاندان کے لو سے سُریندر تک ۴ راجے ہوئے۔ اور اس خاندان سے گودھر خاندان نے کشمیر کو چھین لیا۔ اور گودھر سے لے کر نارائین تک سات حکمران ہوئے۔ گودھر خاندان کے بعد دوبارہ آکشواکو خاندان جموال سے گوکرن، پرہلاد اور کمبور ہوئے۔ پھر گودھر خاندان کے راجہ پرتاپ شیل سے لے کر نریندر تک دس راجے ہوئے۔ اس کے بعد تیسری بار آکشواکو خاندان کے جموال راجے کنشک سے لے کر راجہ یدھشٹر تک ۲۳ راجے حکومت کرتے رہے۔ جموال خاندان کے بعد پرمار خاندان آگیا جس کے راجہ پرتاپ آدتیہ سے جے اندر سندھی پتی تک ۶ راجے ہوئے۔ پھر آکشواکو خاندان جموال میگھ باہن سے بالادت تک ۱۷ حکمران ہوئے۔ پھر کرکوٹک خاندان کے راجہ دُرلبھ وردھن سے اتپال پیڑ تک یکے بعد دیگرے ۱۷ راجے ہوئے۔ کرکوٹک خاندان کے بعد کشمیر کی حکومت ایک نامعلوم خاندان کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اور اس خاندان کے راجہ

بھتی برمن سے لے کر راجہ شو ورمن تک ۱۵ حکمران ہوئے۔ اس کے بعد دوسرے نامعلوم خاندان سے ابھنگ سے لے کر بھیم گپت اور رانی دِدا تک ۹ حکمران رہے۔ پھر وارد ابھیسار (پونچھ) کے لوہر خاندان کی حکومت ہوئی۔ جس نے سنگرام راج سے جے سنگھ تک اور اس کے بعد راج دیو سے سہدیو تک ۲۰ راجاؤں نے ۱۳۲۳ء تک کشمیر پر اپنی حکومت چلائی۔ پھر کشمیر مسلم فرمانرواؤں کے تحت چلا گیا۔

مسلم فرمانروایانِ کشمیر

لداخ کی تاریخ میں لہاچن نورو پ گون سنہ ۱۲۹۰ء سے ۱۳۴۰ء تک کی حکومت کا ذکر آیا ہے۔ اس کا بیٹا گیالپو رینچن لداخ سے اپنے باپ کی بدسلوکی سے تنگ آکر ہجرت کر گیا۔ اور وہ دربدر ہوتا کشمیر میں پناہ گزین ہوا۔ اور کشمیر کے سپہ سالار رام چندر کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا۔ اس سے پہلے سنہ ۱۳۱۹ء میں ایک غیر ملکی مسلمان سیاح شاہ میر نامی بھی کشمیر میں آیا تھا جو کشمیر کے حکمران راجہ سہدیو کا مصاحب بن گیا تھا۔ جب سنہ ۱۳۲۳ء میں ذوالقدر خان تاتاری نے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ کشمیر پر حملہ کیا۔ تو راجہ سہدیو مقابلہ کی تاب نہ لا کر کشتواڑ کی طرف بھاگ گیا۔ ذوالقدر خان نے کشمیر کو جی بھر کر لوٹا اور واپس اپنے وطن کو جا رہا تھا کہ راہ میں شدت سردی سے مر گیا۔ کشمیر کا تخت خالی تھا تو سپہ سالار رام چندر نے شاہ میر اور رینچن کو لے کر حکومت پر قبضہ کر لیا۔ لیکن کشمیر میں اس کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ تو رینچن نے کمال حوصلہ و مردانگی کے ساتھ باغی لیڈروں کو گرفتار کر کے عبرتناک سزائیں دے کر ملک میں امن و امان قائم کر لیا۔ اور اس کے حسنِ تدبر اور قابلیت کا کشمیر میں سکہ جم گیا۔ اس کامیابی سے رینچن کے دل میں حکومت کی ہوس پیدا ہو گئی۔ اور اس نے شاہ میر کو اپنے ساتھ گانٹھ لیا۔ اور ایک رات جب کہ سپہ سالار رام چندر بے خبر سو رہا تھا، اس کے سینے میں خنجر پیوست کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور خود بلا شرکت غیرے کشمیر کا حکمران بن گیا۔ راجہ سہدیو نے کشتواڑ سے واپس آکر اپنی قدیم سلطنت کو واپس لینے کے لئے جد و جہد کی لیکن وہ ناکام رہا۔

تو سنہ ۱۳۲۴ء میں لداخ کے راجکمار رینچن نے کشمیر کو اپنے زیرِ نگیں کر کے رام چندر کی بیٹی کوٹہ رانی سے شادی کر لی۔ اور اپنے مذہب کو تبدیل کرنے کی خاطر کشمیر کے دوران

پنڈتوں سے استدعا کی کہ وُہ اُسے ہندو مذہب میں داخل کر لیں۔ لیکن اُسے مایوسی ہوئی۔ تو شاہ میر کی صحبت میں مذہب اسلام کا اثر اُس پر ہونے لگا کہ اس اثناء میں ایک بزرگ بُلبل شاہ جو اُسی زمانہ میں وارد کشمیر ہوا تھا، اُسے رینچن سے صحبت کا موقعہ مل گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رینچن نے مذہب اسلام قبول کر لیا اور اپنے اسلامی نام ملک صدر الدین سے حکومت کرنے لگا۔ اس طرح حکومت کے انقلاب کے ساتھ کشمیر میں مذہبی انقلاب کا آغاز ہوا۔ ملک صدر الدین کو ان انقلابات کی رفتار دیکھنے کا زیادہ موقعہ نہ ملا۔ اور وُہ صرف اڑھائی سال حکومت کر کے ۱۳۲۷ء میں راہی مُلکِ بقا ہوا۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ابھی کم سن تھا۔ اس لئے حکومت کی باگ ڈور کوٹہ رانی نے خود سنبھال لی۔ کوٹہ رانی کے عہد میں ڈل نامی ایک تُرک نے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ رانی نے اپنے تدبّر اور کمال دانشمندی سے تُرکوں کو تو مُلک سے نکال دیا لیکن بُلبل شاہ سے اُس کی اَن بن ہو گئی۔ اور اُس نے کوٹہ رانی کو قید کر کے خود تختِ کشمیر پر قبضہ کر لیا اور اپنا نام شمس الدین رکھ کر حکومت کرنے لگا۔ تین برس حکومت کر کے جہانِ فانی سے رحلت کر گیا۔ تو اُس کا بیٹا جمشید تخت نشین ہوا۔ لیکن دو سال کے بعد اُس کے بھائی علاؤ الدین نے اُسے حکومت سے علیحدہ کر دیا۔ اس بادشاہ کے عہد میں کشمیر میں سخت قحط پڑا۔ علاؤ الدین کے بعد اُس کے بیٹے شہاب الدین کے وقت اور اُس کے جانشین قطب الدین کے عہد میں سید علی ہمدانی نے کشمیر میں آ کر مذہب اسلام کو اشاعت دی۔ اور تبلیغ اسلام کا کام زوروں پر ہو گیا۔ اس خاندان کے ۱۸ فرمانرواؤں نے شمس الدین سے لے کر مرزا حیدر تک کشمیر پر حکومت کی۔ تاریخ کشمیر کا نامور حکمران زین العابدین عرف بڈشاہ اسی خاندان سے ہوا ہے جس نے ہر قسم کے جور و ستم اور ظلم و تعدی کو ختم کر کے عدل و انصاف سے حکومت کی۔ جزیہ موقوف کیا۔ دارد ابھیسار۔ سندھ۔ قندھار۔ پنجاب اور تبت تک پہنچ کر وہاں کے حکمرانوں سے اپنی طاقت کا سکہ تسلیم کرایا۔ زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور علوم و فنون کو ترقی دی۔ رفاہِ عامہ کے بے شمار کام کئے۔ مدرسے اور پاٹھ شالائیں جاری کیں۔ پچھلے بادشاہوں نے سنسکرت کی جو پراچین پستکیں نابود کی تھیں، ہندوستان سے منگوا کر براہمنوں میں تقسیم کیں۔ اور کئی کتابوں کا دُوسری زبانوں میں ترجمہ کرایا اور کشمیر سے ہجرت کرنے والے اکثر ہندوؤں کو واپس بُلا کر کشمیر میں بڑی عزت کے ساتھ

آباد کیا۔

چک خاندان و مغل حکومت

کشمیر کے پرانے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں چک خاندان کے افراد اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہے تھے تو اس خاندان کے کاجی چک کے بیٹے دولت چک نے کشمیر کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ دولت چک سے لے کر ۱۵۵۴ء لغایت ۱۵۸۴ء سلطان یعقوب چک تک وہ حکمران سلطنت کشمیر کے ہوئے۔ آخری سلطان یعقوب چک کے وقت مغل بادشاہ اکبر نے کشمیر کو اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔ اور مغل بادشاہانِ ہند نے ۱۷۳۸ء تک کشمیر پر حکومت کی۔ اکبر سے لے کر اورنگ زیب تک کشمیر کی تعمیر و ترقی کا زمانہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ کشمیر میں بڑی بڑی عمارتیں مسجدیں۔ نشاط۔ شالیمار باغ۔ چشمہ شاہی اسی زمانہ کی یادگاریں شمار ہوتی ہیں۔

افغان حکومت

احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۳۸ء میں کشمیر پر قبضہ کر کے مغل حکومت کے گورنر راجہ سکھ جیون، جو خود مختار ہو گیا تھا، کو کشمیر سے نکال دیا اور کشمیر پر افغان حکومت کی طرف سے صوبیداری یا گورنری راج کا سلسلہ ۱۸۱۹ء تک قائم رہا۔ افغان عہد کشمیر کے لوگوں کے لئے بے حد پُر آشوب رہا۔

"گلاب نامہ" (مصنفہ دیوان کرپا رام وزیر اعظم مہاراجہ رنبیر سنگھ) میں لکھا ہے کہ کشمیر کے افغان گورنر عظیم خان کے جور و جبر سے کشمیر کی دھرتی کانپ اٹھی تھی۔ لوگ سخت ہراساں اور خوف زدہ تھے۔ اس کے ظلم و ستم سے بڑے بڑے جاگیردار بھی بچ نہ سکے تھے۔ وہ ہوسِ زر میں اس قدر باؤلا ہو چکا تھا کہ کشمیری ہندوؤں پر بھاری جرمانے عاید کرتا اور سخت سزائیں دے کر دادِ عیش لینا اس نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اس طرح پاپ کا گھڑا بھر گیا تو اس جابر نے کشمیر کے ایک با اثر جاگیردار پنڈت بیربر در پر جھوٹی تہمت باقی داری روپیہ کی لگا کر چند ایک لاکھ روپیہ جرمانہ کیا اور حکم دیا کہ اگر اس نے سرکاری جرمانہ ادا نہ کیا تو اسے زبردستی مسلمان بنایا جائے گا۔ پنڈت بیربر در نے جب یہ سنا تو وہ بخوفِ جان کشمیر سے فرار ہو گیا۔ فرار ہونے سے پہلے اس نے اپنے برادران پنڈت سہج رام اور مرزا کاک در سے کہا کہ اس ظالم پٹھان سے اب جان نہیں بچ سکتی۔ وہ تو مجھے زبردستی مسلمان بنانا چاہتا ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ میں یہاں سے بھاگ کر لاہور پہنچوں اور

Scanned with CamScanner

مہاراجہ رنجیت سنگھ سے فریاد کرکے کشمیر کو افغانوں کے پنجہ سے نجات دلاؤں۔ اس لئے میرے عیال و اطفال الیشور کے اور آپ کے حوالے ہیں۔

چنانچہ پنڈت بیربر در اپنے بھائیوں سے رخصت ہو کر راتوں رات اپنے دو ملازموں کو لے کر بسواری اسپ سرینگر سے اپنی جاگیر منزگام پرگنہ دیوہ سر میں صبح دم پہنچ گیا۔ وہاں اُس کا بڑا لڑکا پنڈت راج کاک در انتظار میں تھا۔ اُسے اپنے ہمراہ رکھا اور لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسرے دن جب گورنر کشمیر عظیم خان نے بیربر در کی دربار میں طلبی کی اور اپنے پٹھان اردلی موسومہ شاطروں کو بھیجا تو اُنہوں نے آکر کہا کہ پنڈت بیربر در یہاں سے فرار ہو گیا ہے تو عظیم خان نے پنڈت سہج رام اور مرزا پنڈت کو اپنے حضور میں طلب کرکے دریافت کیا کہ بیربر کہاں ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ وُہ پنجاب بھاگ گیا ہے عظیم خان نے پوچھا کہ وُہ وہاں جا کر کیا کریگا؟ تو جواب میں مرزا پنڈت نے کہا کہ اگر اُسے دُنیاداری کی ہوس نہ رہی ہوگی تو گنگا کے کنارے بھگوت بھجن میں مصروف ہو جائے گا۔ ورنہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں تمہارے خلاف فریاد کرے گا اور وہاں سے خالصہ افواج کو لاکر کشمیر کو تمہارے جور وستم سے نجات دلا دے گا۔ پھر عظیم خان نے پوچھا کہ اب اس کا کیا علاج ہے؟ تو مرزا پنڈت نے جواب دیا کہ مرزا پنڈت کو جان سے مار دو۔ عظیم خان غصہ میں آگ بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ پنڈت بیربر در کے قبیلہ کو گرفتار کرکے میرے دربار میں لایا جائے چنانچہ حکم کی تعمیل میں بیربر در کے عیال و اطفال دربار میں لائے گئے تو پنڈت بیربر در کی بیوی والدہ پنڈت راج کاک در نے دربار میں پہنچتے ہی اپنی انگوٹھی کا ہیرا چاٹ لیا۔ اور جانِ عزیز کو اپنی عزت و ناموس پر قربان کر دیا۔

پنڈت بیربر در کی استدعا پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سکھ افواج کو بھیج کر کشمیر کو فتح کر لیا۔ اور سکھ حکومت کا کشمیر میں پہلا گورنر دیوان موتی رام ماہ جولائی ۱۸۱۹ء کو مقرر ہوا۔

کشمیر پر سکھوں کی عملداری

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے پنجاب سے کشمیر کا الحاق کر لیا گیا۔ اور اِس طرح کشمیر براہ راست لاہور دربار کے تحت آ گیا۔ خالصہ سرکار کی طرف سے بھی یہاں گورنری راج رہا۔ چنانچہ شہزادہ شیر سنگھ۔ جرنیل ہری سنگھ نلوہ۔ سردار میہاں سنگھ۔ دیوان کرپا رام۔ شیخ محی الدین اور اُس کے بیٹے

خالصہ حکومت کے آخری گورنر شیخ امام الدین کے نام کشمیر کے گورنروں کی فہرست میں قابل ذکر ہیں۔

معاہدہ امرتسر

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد لاہور دربار کی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ سکھ افواج نے مہارانی جنداں کی ریجنسی میں انگریزوں سے جنگ شروع کر دی۔ اور ۱۸۴۵ء میں حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ سکھ فوجیں انگریزوں کے سامنے کسی بھی محاذ پر ٹھہر نہ سکیں۔ تو لاہور دربار اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مابین صلح کی شرائط طے ہوئیں اور ایک کروڑ روپیہ تاوانِ جنگ کے طور انگریز کمپنی کو دربار لاہور کی طرف سے دئے جانے کا فیصلہ ہؤا۔ لیکن دربار اس پوزیشن میں نہ تھا کہ وہ ایک کروڑ روپیہ کی نقد رقم انگریزوں کو ادا کر سکتا۔ تو سکھ وزیر اعظم راجہ لال سنگھ نے ہنری لارنس سے مل کر پنجاب کے پہاڑی علاقے کانگڑہ و کُلو۔ ریاست جموں۔ لداخ معہ کشمیر اور ہزارہ کے انگریزوں کو تاوانِ جنگ کی رقم کے عوض دینے تسلیم کر لئے۔ اس طرح معاہدہ لاہور مرقومہ ۹ رمارچ ۱۸۴۶ء کی دفعہ ۱۲ کے مطابق معاہدہ امرت سر مرقومہ ۱۶ رمارچ ۱۸۴۶ء ایسٹ انڈیا کمپنی۔ لاہور دربار اور جموں کے راجہ گلاب سنگھ کے مابین عمل میں آیا۔

انگریز کانگڑہ کُلو اور چمبہ وغیرہ کی ریاستوں کو ہمالیہ کی کنجی سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ علاقے کمپنی نے اپنی مملکت میں شامل کر لئے۔ اور اس کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ کو ۲۵ لاکھ روپیہ کل رقم سے چھوڑ دیا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے لاہور دربار پر عاید شدہ تاوان کی بقایا رقم ۷۵ لاکھ روپیہ انگریزوں کو ادا کر دی۔ اور ہندوستان کے شمالی کونہ میں خود مختار ریاست جموں و کشمیر کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس طرح کشمیر پھر اُسی خاندان کی عملداری میں آگیا جس خاندان کے ایک شہزادے راجہ دیاکرن نے صدیوں پہلے قبل مسیح کشمیر میں پہلے پہل حکومت بنائی تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے بعد اُس کی اولاد مہاراجہ رنبیر سنگھ۔ پرتاپ سنگھ اور ہری سنگھ پشت در پشت ۱۹۴۷ء تک کشمیر کے حکمران رہے۔ تو ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ساتھ کشمیر کو ذمہ دار نظامِ حکومت کے نام پر شخصی راج سے آزادی ملی۔ اور یہ حسن اتفاق ہے کہ کشمیر میں حکومت کی ابتداء جموں کے راجپوت جموال خاندان سے ہوئی تھی۔ اور کشمیر کے لوگ جب صدیوں کی غلامی یا شخصی حکومت سے آزاد ہوئے تو اُسی اکشواکو جموال خاندان کی موروثی حکومت کے خاتمہ سے اُنہیں لوک راج ملا۔ اور آج کشمیری عوام اپنی قسمت کے معمار بنکر زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی قلانچیں بھر رہے ہیں۔

पं: वीरबल धर

پنڈت بیربل در

Scanned with CamScanner

1056

پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ

شری جانکی ناتھ زتشی

پنڈت پریم ناتھ بزاز

موجودہ دور کی شخصیات

خواجہ غلام محمد صادق

آپ فروری ۱۹۶۴ء میں نیشنل کانفرنس کی اسمبلی پارٹی کے لیڈر چنے جانے کے بعد پرائم منسٹر جموں و کشمیر بنائے گئے۔ آپ کی تجویز پر پرائم منسٹر کا عہدہ چیف منسٹر میں بدل دیا گیا اور صدر ریاست کا گورنر میں۔ اس طرح جموں و کشمیر ریاست اس لحاظ سے بھی باقی ریاستوں کے ہم پلہ ہوگئی۔ آپ نے شیخ عبداللہ کو رہا کیا اور ریاست میں تحریر و تقریر کی پوری آزادی دی۔ ریاستی آئین ساز اسمبلی کے آپ صدر رہے ۱۹۴۷ء کی ایمرجنسی کے دوران آپ نے کشمیر میں ہوم گارڈز کو منظم کیا۔ آپ پرجا سبھا کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ نیشنل کانفرنس میں بائیں بازو کے لیڈر تھے۔ آپ نے ریاست کو ہندوستان کے زیادہ نزدیک لانے میں بہت سے اقدامات کئے۔ آپ سلجھے ہوئے دماغ کے مالک ہیں اور ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ آپ کے مخالف بھی آپ کی شرافت اور دیانت داری کے قائل ہیں۔

پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ

ریاست میں راشٹریہ سویم سیوک کے چیف رہنے کے بعد آپ کی قیادت میں پرجا پریشد کے نام سے ایک سیاسی پارٹی بنائی گئی۔ بعد میں یہ پارٹی جن سنگھ میں مدغم ہوگئی۔ آپ اکھل بھارتیہ جن سنگھ کے پردھان بھی رہ چکے ہیں۔ پرجا پریشد کے پردھان ہونے کے باوجود آپ ایک مرنجاں مرنج مزاج کے مالک ہیں۔ اسمبلی کے لئے دوبار منتخب ہو چکے ہیں۔ میدان سیاست میں آنے سے پہلے آپ سرکاری ملازم تھے اور وزیر وزارت کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ سیاسی زندگی میں کئی بار جیل یاترا کر چکے ہیں۔ آپ شرافت کے مجسمہ ہیں۔

سید میر قاسم

آپ ڈوڈہ اننت ناگ کے رہنے والے ہیں۔ آپ ریاستی اسمبلی میں چیف پارلیمنٹری سیکرٹری کے عہدہ پر فائز تھے۔ جب اگست ۱۹۵۳ء میں شیخ عبداللہ کو برطرف کیا گیا اور بخشی غلام محمد پرائم منسٹر بنائے گئے تو انہوں نے آپ کو ریونیو منسٹر بنایا۔ آپ نے ریاست میں مجوزہ کی لعنت کو ختم کیا۔ آپ کئی بار منسٹر بنے اور کئی بار پارٹی کے کام کے لئے مستعفی ہوئے۔ آج کل آپ ریاست میں کانگریس کے پردھان ہیں۔

آپ کی تقریر میں کافی دلالت ہوتی ہے۔ آپ سکیورٹی کونسل میں کشمیر کیس کی نمائندگی بھی کر چکے ہیں۔

درگا پرشاد دھر

کشمیر کی سیاست میں آپ کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ۱۹۴۷ء میں قبائلی حملوں کی وجہ سے جب ریاست کا نظم و نسق درہم برہم ہو گیا تو اس میں نئی روح پھونکنے میں آپ نے دن رات محنت کی۔ آپ کندھے پر بندوق ڈال کر ایک محاذ سے دوسرے محاذ پر جاتے۔ ہر ایک حیران ہوتا تھا کہ آپ سوتے کب ہیں۔ شیخ عبداللہ نے آپ کے کام سے متاثر ہو کر ہوم سیکرٹری سے آپ کو ڈپٹی ہوم منسٹر بنایا۔ ۱۹۵۳ء میں جب شیخ عبداللہ آزاد کشمیر کے خواب دیکھنے لگا تو آپ نے اپنی حکمت عملی سے شیخ عبداللہ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا۔ آپ بخشی غلام محمد کے دست راست تھے۔ چونکہ آپ نیشنل کانفرنس میں بائیں بازو کے دھڑے سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے خواجہ غلام محمد صادق کے بہت نزدیک تھے۔ جب بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق میں اصولوں کی بناء پر کچھ اختلافات ہوئے تو آپ نے خواجہ غلام محمد صادق کا ساتھ دیا اور نیشنل کانفرنس چھوڑ کر ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے۔

آپ وزارتی کرسی پر ہوں چاہے اپوزیشن بنچوں پر، اپنی خداداد ذہانت، زباندانی، قابلیت اور حسن اخلاق سے اپنے لئے ایک خاص مقام پیدا کر لیتے ہیں۔ آپ مانے ہوئے پارلیمنٹیرین ہیں۔ مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے بھی آپ کی پیشانی پر شکن نہیں پڑتی۔ آپ دو بار یو۔ این۔ او۔ میں ہند ڈیلیگیشن کے ساتھ کشمیر کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ انگریزی اور اُردو پر آپ کو برابر کا عبور حاصل ہے۔ دونوں زبانوں میں مدلل تقریر فرماتے ہیں۔ آپ کے اوصاف مشکل کے موقعہ پر خاص طور سے اُجاگر ہوتے ہیں۔ لاء اینڈ آرڈر کے معاملات سے آپ کو گہری دلچسپی ہے۔ چاہے آپ کے پاس کوئی بھی پورٹ فولیو ہو، لاء اینڈ آرڈر کے ہر معاملہ میں آپ کا مشورہ بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مخالف آپ سے بہت خائف رہتے ہیں۔ آپ شاہانہ طبیعت کے مالک ہیں۔ پڑھنے لکھنے کا آپ کو بہت شوق ہے۔ آپ دیر تک کام کرنے کے عادی ہیں۔

پنڈت ترلوچن دت

آپ اُن چند لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جموں میں کانگرس کی بنیاد رکھی لیکن ریاستوں کے بارے میں کانگرس کی اس پالیسی کے پیش نظر کہ ریاستیں اپنی اپنی سیاسی جماعت بنائیں، کانگرس یونٹ کو بند کرنا پڑا۔

آپ اپنے سکول کے ایام سے ہی گاندھی بھگت اور کھدر پوش رہے۔ کانگرس میں آپ کو بائیں بازو کے دھڑے میں شمار کیا جاتا ہے جس خوش اسلوبی اور ان تھک محنت سے آپ نے پاکستانی حملے کی وجہ سے اکھڑے ہوئے چھنب جوڑیاں اور دوسرے سرحدی علاقوں کے لوگوں کو پھر سے بسایا ہے وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔ کرسی کی آپ کو بہت زیادہ کشش نہیں۔ اسی لئے تو آپ اسے کئی بار ٹھکرا چکے ہیں۔ آپ پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔

گردھاری لال ڈوگرہ

شیخ محمد عبداللہ کی وزارت میں آپ ریاست کے پہلے وزیر خزانہ بنے۔ بخشی غلام محمد کے دس سالہ دور میں ماسوائے چند ایک برسوں کے جبکہ آپ خواجہ غلام محمد صادق اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس نام کی ایک الگ جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔ وزیر خزانہ ہی کی کرسی پر براجمان رہے۔ آپ کے نیچے سے یہ کرسی نکل کر تھوڑی دیر کے لئے لالہ دینا ناتھ مہاجن اور بعد میں پنڈت ترلوچن دت کے پاس گئی لیکن آپ کی کشش پھر اسے آپ کے پاس واپس لے آئی۔ خواجہ غلام محمد صادق کی وزارت میں آپ اب بھی وزیر خزانہ ہیں۔ ہیرانگر کی نشست سے اپنے حریف کو کئی بار چاروں شانے چت گرا چکے ہیں۔ آپ ایک ہر دلعزیز اور عوام میں مقبول انسان ہیں۔

خواجہ شمس الدین

آپ کو دو چار مہینے کے لئے ہی وزیر اعظم کی کرسی کو گرما سکے بخشی غلام محمد کی وزارت میں آپ مختلف محکمہ جات کے وزیر رہ چکے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں بخشی غلام محمد کے مستعفی ہونے پر آپ نیشنل کانفرنس کی اسمبلی پارٹی کے لیڈر چنے جانے پر وزیر اعظم بنائے گئے۔ ابھی آپ لوگوں کے ساتھ وعدے ہی کر رہے تھے کہ وزارت عظمےٰ کی کرسی آپ کے نیچے سے سرک کر خواجہ غلام محمد صادق کے نیچے چلی گئی۔ آپ کانگرس جماعت کے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ آپ اننت ناگ کے رہنے والے ہیں۔ وزیر بننے سے پہلے ایک معمولی قسم کے وکیل تھے۔

مرزا محمد افضل بیگ

آپ شیخ عبداللہ کے دست راست تھے۔ شیخ وزارت میں آپ ریوینیو منسٹر تھے۔ آپ نے لینڈ ریفارمز لاگو کیں جن کی رو سے بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیرداریاں ختم کی گئیں اور زمین کاشتکار کے نام بلا معاوضہ منتقل ہوئی۔ آپ نے قرضہ مصالحتی بورڈ بنا کر غریب کسان پر ساہوکاروں کے قرضے کا بوجھ

بلکہ کیا۔ سنہ ۱۹۵۳ء میں جب شیخ عبداللہ برطرف ہوئے تو آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں آپ نے رائے شماری محاذ نام کی ایک جماعت بنائی۔ سنہ ۱۹۶۴ء میں آپ کو شیخ عبداللہ کے ساتھ رہا کیا گیا اور آپ کے خلاف سازش کا کیس واپس لے لیا گیا۔ آپ ریاست کے الحاق کو مکمل نہیں سمجھتے اور رائے شماری کے حق میں ہیں۔ آج کل آپ ہندسرکار کی قید میں ہیں۔

سردار بدھ سنگھ — ریاست میں آزادی کی جدوجہد میں آپ کی قربانیاں سنہری الفاظ میں لکھی جانے کے قابل ہیں۔ آپ ریٹائرڈ وزیر وزارت ہیں۔ مہاراجہ کی حکومت نے آپ کی باغیانہ سرگرمیوں کی وجہ سے پنشن بند کر دی تھی۔ عوامی حکومت بننے کے بعد یہ ساری پنشن آپ کو مل گئی۔ شیخ عبداللہ کی حکومت میں آپ وزیر بحالیات، قانون اور انفارمیشن اینڈ براڈکاسٹنگ بھی رہے۔ آپ راجیہ سبھا میں ریاست کی نمائندگی کافی دیر تک کرتے رہے۔

خان محمد ایوب خان — آپ اسمبلی میں حلقہ ارناس کی نمائندگی زائد از پندرہ سال سے کرتے آ رہے ہیں۔ اپنے حلقہ میں کافی مقبول ہیں۔ آپ صوبائی نیشنل کانفرنس کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ مرنجاں مرنج مزاج کے مالک ہیں۔ صادق وزارت میں آپ ریوینیو اور ٹرانسپورٹ کے منسٹر ہیں۔

بخشی غلام محمد — جموں کے ڈوگروں کے ساتھ آپ کا تعارف نومبر سنہ ۱۹۴۷ء میں ہوا جب کہ ایمرجینسی ایڈمنسٹریشن میں آپ پہلے چیف ایمرجینسی افسر اور بعد میں ڈپٹی ہیڈ آف دی ایمرجینسی ایڈمنسٹریشن مقرر ہوئے۔ بعد میں جب شیخ عبداللہ کو پرائم منسٹر بنایا گیا تو آپ ڈپٹی پرائم منسٹر بنائے گئے۔ اگست سنہ ۱۹۵۳ء میں شیخ عبداللہ کی برطرفی پر آپ کو پرائم منسٹر بنایا گیا۔ اکتوبر سنہ ۱۹۶۳ء میں آپ کامراج پلان کے تحت وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہو گئے۔ خواجہ شمس الدین کے بعد جب خواجہ صادق وزیر اعظم بنے تو ان کے ساتھ آپ کے تعلقات اچھے نہ رہے اور آپ کو ستمبر سنہ ۱۹۶۴ء میں گرفتار کیا گیا مگر چند مہینے بعد خرابی صحت کی بنا پر رہا کر دیا گیا۔ آپ کے دس سالہ عہد حکومت میں مرکزی حکومت کی امداد سے ریاست نے ہر سمت کافی ترقی کی۔ لیکن آپ نے تمام طاقت کو اس طرح یکجا کر دیا کہ آپ کے اشارے کے بغیر پتا نہیں ہل سکتا تھا۔ تمام افسر آپ کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ دوستوں اور یاروں کو آپ نے خوب نہال کیا۔ آپ نے نیشنل کانفرنس کے کانگریس میں ادغام کو پسند نہیں کیا چنانچہ آپ نے اپنی الگ نیشنل کانفرنس پارٹی قائم کر لی ہے۔

بُنیاد ڈالی لیکن تواریخ راجپوتاں مُلک پنجاب کے مصنّف ڈاکٹر کاہن سنگھ بلاوریہ نے تاریخ کے حصّہ اوّل میں لکھا ہے کہ ترےگرت کے حکمران راجہ بھوم چند کی ۲۳۴ ویں پُشت میں راجہ سوشرماں ہوا جو کہ راجہ دھرت راشٹر کا داماد اور راجہ دُریودھن کورو کا بھنوئی تھا۔ اِس راجہ نے دھرت راشٹر کی پُتری کھمبنا سے بیاہ کیا تھا۔ اور جنگ مہابھارت میں راجہ سوشرماں نے دُریودھن کی مدد کی تھی۔ اور ارجن کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ راجہ سوشرماں نے کوٹ کانگڑہ کی بُنیاد ڈالی تھی۔ اور کانگڑہ کی خود مختار ریاست بنا کر راج کیا تھا۔ اِس طرح کانگڑہ ریاست آج سے پانچ ہزار سال پہلے قائم ہوئی معلوم پڑتی ہے۔ راجہ سوشرماں کی ۱۹۰ ویں پُشت میں کانگڑہ کا حکمران راجہ منگل چند ہوا جس کی راجہ جموں راج بلبھ سے لڑائی ہوئی۔ راجہ راج بلبھ والئ جموں اِس ہنگامہ میں کانگڑہ نریش کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔ یُونانی سیاحوں کے سفرناموں میں ریاست کانگڑہ کے ساتھ ساتھ جموں، چمبہ، بسوہلی کی ریاستوں کا بار بار ذکر آیا ہے۔ راجہ منگل چند کی ۱۶۶ ویں پُشت میں راجہ جگدیش چندر ہوا جب کہ ۱۰۰۹ء میں سلطان محمود غزنوی نے کانگڑہ پر حملہ کر کے امبکا دیوی کے مندر کی بے شمار دولت لُوٹ لی اور دیوی کی مُورتی نحس کر دی۔ اِس کے ۲۵ سال بعد دلی کے راجہ پرتھوی راج چوہان نے جموں کے راجہ برج راج دیو کو تسخیر کانگڑہ کے لئے کہا۔ جس نے کانگڑہ کو فتح کر کے اِس کا الحاق دہلی سے کر دیا۔ تو چوہان راجہ نے کانگڑہ کی حکومت راجہ جموں کے چھوٹے بھائی رام دیو جموال کو سپرد کر دی۔ اور کانگڑہ کا بہت سا علاقہ جموں کے ساتھ ملا دیا۔ پرتھوی راج چوہان کی شکست کے چند سالوں بعد کانگڑہ پھر کٹوچ راجہ کے قبضہ میں آ گیا۔

۱۳۶۰ء میں فیروز تغلق نے جب کانگڑہ پر چڑھائی کی تو راجہ کانگڑہ نے اطاعت قبول کر لی۔ راجہ جگدیش چندر کا پوتا راجہ کھمن چند ہوا۔ اس راجہ کے دو بیٹے تھے۔ بڑا پدم چند جو وارث راج گدی کانگڑہ ہوا۔ دُوسرا پورب چند جس نے کانگڑہ ریاست کے علاقہ جسواں (موجودہ تحصیل اُونہ ضلع ہوشیارپور) پر قبضہ کر کے اپنی علیحدہ ریاست بنائی۔ راجہ پدم چند کی سولھویں پُشت میں راجہ میگھ چند والئ کانگڑہ ہوا۔ جس کے چار بیٹے ہری چند، کرم چند، پرتاپ چند اور پراگ چند ہوئے۔ بڑے بیٹے ہری چند نے کانگڑہ سے نکل کر اپنی علیحدہ ریاست گلیر بنائی اور ہری پور کا قلعہ تعمیر کرایا۔ دُوسرا کرم چند کانگڑہ کا وارث

بنا تیسرا پرتاپ چند جس کے بڑے بیٹے راجہ نارائن چند نے اپنے عیال و اطفال سمیت کانگڑہ سے ہجرت کر لی۔ اور چند ایک نوکروں کو لے کر کوہستان جموں کی نچلی وادیوں سے ہوتا ہوا ندی مناور کو عبور کر کے ایک گاؤں موضع مخلورہ میں پہنچا اور ریاست بھمبر آباد کر کے وہاں کا ہی ہو گیا۔ اس راجہ کا حال تاریخ کے حصہ اوّل کے باب دوم میں مفصل آ چکا ہے۔

راجہ کرم چند کٹوچ کا سنسار چند، اُس کا دلواکر چند، اُس کا نریندر چند، اُس کا اتیشر چند، اُس کا پراگ چند، اُس کا رام چند یکے بعد دیگرے حکمران کانگڑہ ہوئے۔
راجہ رام چند کا بڑا بیٹا راجہ دھرم چند تھا جس کے عہد میں بادشاہ اکبر کے دیوان ٹوڈرمل نے ریاست کا بہت سا زرخیز حصہ ضبط کر لیا۔ راجہ دھرم چند کی چوتھی پشت میں راجہ ترلوک چند ہوا جس نے کچھ عروج حاصل کیا۔ آس پاس کے راجاؤں کو مطیع کیا۔ اُس کے بیٹے ہری چند کو مغل بادشاہ جہانگیر نے ختم کر کے کانگڑہ پر قبضہ کر لیا۔ تو راجہ دھرم چند کے بھائی کلیان چند کے پوتے چندر بھان نے مغل افواج سے لوہا لے کر کانگڑہ کو واپس لے لیا۔ جس نے کانگڑہ ریاست کی راجدھانی سکڑی بنالی۔ چندر بھان کے پانچ بیٹے ہوئے جن کے بڑے بیٹے بجے رام چند نے کانگڑہ کا دارالخلافہ موضع بیجاپور میں بنایا۔ لیکن لاولد فوت ہوا۔ تو کانگڑہ کی گدی اُس کے چھوٹے بھائی راجہ اودے چند کو ملی۔ اس راجہ کا عالم چند، اُس کا ہمیر چند ہوا۔ راجہ ہمیر چند کی یادگار قلعہ ہمیر پور موجود ہے۔ ہمیر چند کے بعد راجہ ابھے چند پھر گمبیر چند اور اُس کے بعد کانگڑہ کی گدی راجہ گھمنڈ چند کو ملی۔ یہ بڑا بہادر تھا۔ اُس نے اڑوس پڑوس کی دوسری ریاستوں کا بہت سا حصہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ راجگان کلو۔ منڈی۔ سکیت اور چمبہ پر حملے کئے اس زمانہ میں مہاراجہ رنجیت دیو ریاست جموں کا حکمران تھا۔ کانگڑہ کے اسی راجہ نے ریاست چمبہ کا قلعہ پٹھیار چھین لیا تھا جسے ولی عہد جموں راجہ برج راج دیو نے کانگڑہ پر حملہ کر کے واپس چمبہ کو لے دیا تھا۔ اور جموں کے ولی عہد نے کانگڑہ اور اُس کی ملحقہ ریاستوں سے خراج وصول کیا تھا۔ اس حملہ کا ذکر پہلے باب میں آ چکا ہے۔
راجہ گھمنڈ چند کے بعد اُس کا بیٹا راجہ تیغ چند ہوا۔ یہ راجہ ایک سال حکومت کر کے وفات پا گیا۔ تو اس کے بیٹے راجہ سنسار چند نے دس برس کی عمر میں راج تلک لیا جس نے کانگڑہ

بنیاد ڈالی۔ لیکن تواریخ راجپوتاں ملک پنجاب کے مصنف ڈاکٹر کاہن سنگھ بلاوریہ نے تاریخ کے حصہ اول میں لکھا ہے کہ ترگرت کے حکمران راجہ بھوم چند کی ۲۳۴ ویں پشت میں راجہ سوشرماں ہوا جو کہ راجہ دھرت راشٹر کا داماد اور راجہ دریودھن کورو کا بہنوئی تھا۔ اس راجہ نے دھرت راشٹر کی بیٹی لچھمنا سے بیاہ کیا تھا۔ اور جنگ مہابھارت میں راجہ سوشرماں نے دریودھن کی مدد کی تھی۔ اور ارجن کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ راجہ سوشرماں نے کوٹ کانگڑہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور کانگڑہ کی خود مختار ریاست بنا کر راج کیا تھا۔ اس طرح کانگڑہ ریاست آج سے پانچ ہزار سال پہلے قائم ہوئی معلوم پڑتی ہے۔ راجہ سوشرماں کی ۱۹ ویں پشت میں کانگڑہ کا حکمران راجہ منگل چند ہوا جس کی راجہ جموں راج بلبھ سے لڑائی ہوئی۔ راجہ راج بلبھ والئی جموں اس ہنگامہ میں کانگڑہ نریش کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔ یونانی سیاحوں کے سفرناموں میں ریاست کانگڑہ کے ساتھ ساتھ جموں۔ چمبہ۔ بسوہلی کی ریاستوں کا بار بار ذکر آیا ہے۔ راجہ منگل چند کی ۱۶۶ ویں پشت میں راجہ جگدیش چندر ہوا۔ جب کہ ۱۰۰۹ء میں سلطان محمود غزنوی نے کانگڑہ پر حملہ کر کے امبکا دیوی کے مندر کی بے شمار دولت لوٹ لی اور دیوی کی مورتی تحس نحس کر دی۔ اس کے ۲۵ سال بعد دلی کے راجہ پرتھوی راج چوہان نے جموں کے راجہ برج راج دیو کو تسخیر کانگڑہ کے لئے کہا۔ جس نے کانگڑہ کو فتح کر کے اس کا الحاق دہلی سے کر دیا۔ تو چوہان راجہ نے کانگڑہ کی حکومت راجہ جموں کے چھوٹے بھائی رام دیو جموال کو سپرد کر دی۔ اور کانگڑہ کا بہت سا علاقہ جموں کے ساتھ ملا دیا۔ پرتھوی راج چوہان کی شکست کے چند سالوں بعد کانگڑہ پھر کٹوچ راجہ کے قبضہ میں آ گیا۔

۱۳۶۰ء میں فیروز تغلق نے جب کانگڑہ پر چڑھائی کی تو راجہ کانگڑہ نے اطاعت قبول کر لی۔ راجہ جگدیش چندر کا پوتا راجہ پھن چند ہوا۔ اس راجہ کے دو بیٹے تھے۔ بڑا پدم چند جو وارث راج گدی کانگڑہ ہوا۔ دوسرا پورب چند جس نے کانگڑہ ریاست کے علاقہ جسواں (موجودہ تحصیل اونہ ضلع ہوشیارپور) پر قبضہ کر کے اپنی علیحدہ ریاست بنالی۔ راجہ پدم چند کی سولھویں پشت میں راجہ سنگھ چند والئی کانگڑہ ہوا۔ جس کے چار بیٹے ہری چند۔ کرم چند۔ پرتاپ چند اور پراگ چند ہوئے۔ بڑے بیٹے ہری چند نے کانگڑہ سے نکل کر اپنی علیحدہ ریاست گلیر بنالی اور ہری پور کا قلعہ تعمیر کرایا۔ دوسرا کرم چند کانگڑہ کا وارث

بنا تیسرا پرتاپ چند جس کے بڑے بیٹے راجہ نارائن چند نے اپنے عیال و اطفال سمیت کانگڑہ سے ہجرت کر لی۔ اور چند ایک نوکروں کو لے کر کوہستان جموں کی نچلی وادیوں سے ہوتا ہوا ندی مناور کو عبور کر کے ایک گاؤں موضع مخلورہ میں پہنچا اور ریاست ہمیر آباد کر کے وہاں کا ہی ہو گیا۔ اس راجہ کا حال تاریخ کے حصہ اوّل کے باب دوم میں مفصل آ چکا ہے۔

راجہ کرم چند کٹوچ کا سنسار چند، اُس کا دیواکر چند، اُس کا نریندر چند، اُس کا ابھیشیر چند، اُس کا پراگس چند، اُس کا رام چند یکے بعد دیگرے حکمران کانگڑہ ہوئے۔
راجہ رام چند کا بڑا بیٹا راجہ دھرم چند تھا جس کے عہد میں بادشاہ اکبر کے دیوان ٹوڈرمل نے ریاست کا بہت سا زرخیز حصہ ضبط کر لیا۔ راجہ دھرم چند کی چوتھی پشت میں راجہ ترلوک چند ہوا جس نے کچھ عروج حاصل کیا۔ آس پاس کے راجاؤں کو مطیع کیا۔ اُس کے بیٹے ہری چند کو مغل بادشاہ جہانگیر نے ختم کر کے کانگڑہ پر قبضہ کر لیا۔ تو راجہ دھرم چند کے بھائی کلیان چند کے پوتے چندر بھان نے مغل افواج سے لوہا لے کر کانگڑہ کو واپس لے لیا۔ جس نے کانگڑہ ریاست کی راجدھانی سکڑی بنائی۔ چندر بھان کے پانچ بیٹے ہوئے جس کے بڑے بیٹے بجے رام چند نے کانگڑہ کا دارالخلافہ موضع بیجاپور میں بنایا۔ لیکن لاولد فوت ہوا۔ تو کانگڑہ کی گدی اُس کے چھوٹے بھائی راجہ اُودے چند کو ملی۔ اس راجہ کا عالم چند، اُس کا ہمیر چند ہوا۔ راجہ ہمیر چند کی یادگار قلعہ ہمیر پور موجود ہے۔ ہمیر چند کے بعد راجہ ابھے چند پھر گمبھیر چند اور اُس کے بعد کانگڑہ کی گدی راجہ گھمنڈ چند کو ملی۔ یہ بڑا بہادر تھا۔ اُس نے اڑوس پڑوس کی دوسری ریاستوں کا بہت سا حصہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ راجگان کلو۔ منڈی۔ سکیت اور چمبہ پر حملے کئے اس زمانہ میں مہاراجہ رنجیت دیو ریاست جموں کا حکمران تھا۔ کانگڑہ کے اسی راجہ نے ریاست چمبہ کا قلعہ پٹھیار چھین لیا تھا جسے ولی عہد جموں راجہ برج راج دیو نے کانگڑہ پر حملہ کر کے واپس چمبہ کو لے دیا تھا۔ اور جموں کے ولی عہد نے کانگڑہ اور اُس کی ملحقہ ریاستوں سے خراج وصول کیا تھا۔ اس حملہ کا ذکر پہلے باب میں آ چکا ہے
راجہ گھمنڈ چند کے بعد اُس کا بیٹا راجہ تیغ چند ہوا جو ایک سال حکومت کر کے وفات پا گیا۔ تو اُس کے بیٹے راجہ سنسار چند نے دس برس کی عمر میں راج تلک لیا جس نے کانگڑہ

Scanned with CamScanner

کا دارالخلافہ نادون بنایا۔ اور اس کے چھوٹے بھائی راجہ فتح چند نے اپنی علیحدہ ریاست لمبا گاؤں قائم کی۔ تو کانگڑہ ریاست دو ریاستوں نادون اور لمبا گاؤں میں بٹ گئی۔ بیجاپور پہلے ہی علیحدہ ہو چکی تھی۔

راجہ سنسار چند ایک نامور بہادر ہو گزرا ہے۔ اس نے ریاست چمبہ کے راجہ رائے سنگھ کو جنگ میں قتل کر دیا اور علاقہ رہلو کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور راجہ کوٹلہڑ کو بھی شکست دی تھی۔ یہ راجہ اتنا سڈول جوان تھا کہ ایک من خام (۵ کلو) بھنا ہوا ماس ایک وقت کھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اس کے پیٹ میں درد اٹھا۔ تو کافی علاج معالجہ سے بھی افاقہ نہ ہوا۔ بڑے بڑے یونانی حکیم اور آیورویدک وید بھی ہار گئے۔ آخر راجہ نے پال والی بسوہلی سے اپنا خاص وید رام دھن پاندہ کو بھیجنے کی استدعا کی گئی۔ جس نے نادون پہنچ کر راجہ سنسار چند کا علاج کیا۔ وید نے بیمار راجہ کو گھوڑے کا مصالحہ دو سیر پختہ پانی میں جوش دے کر چھانا اور پلا دیا۔ جس سے درد کافور ہو گیا۔ وید سے پوچھا گیا کہ یہ کیا علاج کیا تم نے؟ تو وید بولا کہ اگر راجہ کی خوراک انسان کی ہوتی تو معمولی دوائی بھی کارگر ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کی خوراک تو حیوانوں سی ہے۔ لیکن راجہ سنسار چند نے کانگڑہ کی عظمت کو آس پاس کی پہاڑی ریاستیں قبضہ میں کر کے چار چاند لگا دیئے۔ چنانچہ ریاست کلہور، منڈی، بھنگال، کوٹلہڑ اور چمبہ کے اکثر علاقے اس نے بزور شمشیر اپنی قلمرو میں شامل کر لئے۔ اور وہ پہاڑی ریاستوں میں ایک با اقتدار فرمانروا تسلیم کیا گیا۔ اور دریائے راوی پار کی گیارہ ریاستوں سے خراج وصول کرتا رہا۔ اور اتنا کمال اور عروج حاصل کر چکنے کے بعد اس کا ستارۂ اقبال غروب ہونے پر آیا تو ریاست کلہور کے راجہ نے شاہ نیپال سے مدد مانگی کہ اس کا علاقہ راجہ سنسار چند سے واپس دلایا جائے۔ چنانچہ جرنیل امر سنگھ تھاپا بہت سی فوج لے کر تین سو میل کی مسافت طے کر کے کانگڑہ کی سرحد پر آن ڈیرے ڈالے۔ اور دریائے ستلج کو پار کر کے آگے بڑھا۔ راجہ سنسار چند مقابلہ کے لئے نکلا۔ لیکن محل موریاں کے مقام پر گورکھوں سے شکست کھا کر ٹیرہ کی طرف بھاگ گیا۔ گورکھوں نے لوٹ مار کر کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ تو پہاڑی ریاستوں کے دوسرے راجاؤں نے بھی اپنے علاقے واپس لے لئے۔ اور راجہ

سنسار چند کی غلامی کا جوا اتار پھینکا۔ اور خراج دینا بند کر دیا۔
سنسار چند نے پریشانی کے عالم میں مہاراجہ رنجیت سنگھ سے امداد کی درخواست کی۔ تو سکھ فوج گورکھا کیمپ کے آمنے سامنے پہنچ گئی۔ گورکھا فوج ملیریا بخار کی زد میں کراہ رہی تھی کہ سکھوں نے یک لخت حملہ کر کے گورکھوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اور بچے کھچے گورکھے ستلج پار کر کے واپس بھاگ گئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس امداد کے معاوضہ میں ۶۶ گاؤں کانگڑہ سے ایک عہد نامہ کر کے پنجاب میں ملا لئے۔ اور اُس کے بعد بھی معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے کانگڑہ ریاست پر زیادہ سے زیادہ دخل حاصل کرتا رہا۔ اور جب راجہ سنسار چند اس جہان سے چل بسا تو اُس کے پاس پالم پور۔ راج گری۔ محل موریاں۔ چنگہ۔ بھلیار اور نادون کے علاقے ہی تھے۔ راجہ سنسار چند کے بعد ریاست کانگڑہ کے حکمران پھر اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکے۔
سنسار چند کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا انردھ چند راج گدی پر بیٹھا لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اُسے ملک بدر کر دیا اور اُس کے بیٹے رنبیر چند کو علاقہ محل موریاں کا راجہ بنا دیا۔ اُس کے مرنے کے بعد رنبیر چند کے چھوٹے بھائی پرمودھ چند نے وراثتی گدی سنبھالی۔ لیکن اُس نے اپنی آخری عمر میں سرکار انگلشیہ سے بغاوت کر دی۔ اُس کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔ اور وُہ قلعہ الموڑہ میں نظر بند رہ کر بحالت لاولدی مر گیا۔
راجہ سنسار چند کا ایک بیٹا جُدھبیر چند بھی تھا جو ایک غیر منکوحہ عورت سے تھا۔ یہ عورت بے حد خوبصورت گدی ذات سے تھی۔ اِس جُدھبیر چند کی دو لڑکیاں مہاراجہ رنجیت سنگھ سے بیاہی گئیں۔ تو مہاراجہ نے جُدھبیر چند کو راجہ کا خطاب دے کر تیس ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر علاقہ نادون واگذار کر دی۔ راجہ سنسار چند کے چھوٹے بھائی راجہ فتح چند کو چودہ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر میں گاؤں ملی تھی۔ جس سے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے علاقہ راج گڑھ ملا کر ایک لاکھ کی ریاست واگذار کر دی۔ راجہ فتح چند کے لڑکے لُدر چند نے اپنی بیٹی کی شادی راجہ ہیرا سنگھ فرزند راجہ دھیان سنگھ وزیر اعظم لاہور دربار سے کی تھی۔
راجہ لُدر چند کا راجہ پرتاپ چند ہوا۔ راجہ پرتاپ چند کا فرزند لفٹنٹ

کرنل راجہ جے چند ہؤا ۔ اور اُس کے بعد کانگڑہ ریاست صحیح معنوں میں پنجاب میں مدغم قرار دی گئی۔

اِس ریاست کا جو خاندان بیجاپور میں تھا، وُہ مُدتوں گمنامی کی حالت میں رہا۔ لیکن اِس کٹوچ خاندان کے ٹھاکر بیلی چند نے اپنی سپُتری تارا دیوی کی شادی مہاراجہ بہادر ہری سنگھ والئ جموں وکشمیر سے کی۔ تو یہ خاندان قعر گمنامی سے نکل آیا۔ اِسے ریاست جموں وکشمیر میں جاگیر ملی۔ اور مہارانی تارا دیوی کی وجہ سے اُس کے برادران کو ریاست بالخصوص مہاراجہ ہری سنگھ کے پرائیویٹ میں بڑے بڑے عہدے حاصل ہوئے۔ مہارانی تارا دیوی کا بڑا بھائی ٹھاکر نشچنت چند کٹوچ آج کل ریٹائر ہے۔ اور اُس کا بیٹا کنور نصیب چند مہاراجہ کرن سنگھ کی پرائیویٹ اسٹیٹس کا جنرل منیجر ہے۔

ٹھاکر نشچنت چند کٹوچ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جب ریاست کانگڑہ کے بیجاپور اور لمبا گاؤں کی صورت میں دو حصے ہوگئے تو راجہ چندر بھان نے دریائے بیاس کے کنارے ایک پہاڑی پر ریاست بیجاپور کی بُنیاد ڈالی اس بیجاپور کے کٹوچ خاندان میں ٹھاکر بیلی چند کٹوچ کے ہاں ۸ فروری ۱۸۹۶ءکو ٹھاکر نشچنت پیدا ہوُا۔ تعلیم سے فارغ ہوکر اپنی خاندانی روایات کے مطابق بھارتیہ فوج میں بھرتی ہوکر اپنی سرگرم زندگی کا آغاز کیا۔ اور جب پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) زوروں پر تھی تو ٹھاکر نے مصر۔ فرانس۔ میسوپوٹیمیا اور سرحدی صوبہ میں کارہائے نمایاں انجام دے کر گورنمنٹ آف انڈیا سے سات تمغے حاصل کئے۔ اور نشچنت چند ابھی اپنی ملٹری سروس میں ہی تھا کہ ۱۹۲۷ء میں اُس کی بہن تارا دیوی کی شادی مہاراجہ ہری سنگھ والئ جموں وکشمیر سے نہایت دُھوم دھام کے ساتھ ہوئی۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے ٹھاکر نشچنت کٹوچ کو دس ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر عطا کی۔ اِس طرح اُس کو ریاست جموں وکشمیر میں بھی ایک بڑے علاقہ دار (جاگیردار) کا درجہ حاصل ہؤا اور ڈبل تعظیمی سردار کی حیثیت سے مہاراجہ کے دربار میں ممتاز مقام پایا۔

ٹھاکر نشچنت چند نے ریاست جموں وکشمیر میں بھی اپنی سروس کا اعلےٰ ریکارڈ

1068

پیش کیا۔ اور جس بھی ذمہ داری کے عہدہ پر لگائے گئے، اُس سے اپنی فطری ذہانت اور حسنِ تدبر سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔ کنٹرولر غاطر تواضع اور کنٹرولر محلات کی اعلےٰ پوسٹیں اس ضمن میں قابلِ ذکر ہیں۔

ٹھاکر نشچنت چند نے اپنے نامور باپ ٹھاکر بیلی چند کوٹ ج سے پرانے دھارمک خیالات ورثہ میں پائے ہیں۔ آپ ہاتھ کے سخی ہیں۔ محتاجوں اور غریبوں کی بلا لحاظ مذہب و ملت حاجت روائی میں پیش پیش رہتے ہیں۔ غریب اور بے سہارا ودھواؤں اور اپاہجوں کی امداد کرنا اپنا انسانی فرض سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیمی اداروں اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں دل کھول کر چندہ دیتے ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم میں آپ کے والد ماجد ٹھاکر بیلی چند نے ضلع کانگڑہ سے بہت سے جوان فوجی بھرتی میں دئے تھے اور دوسری جنگِ عظیم میں اُن ہی کے نقشِ قدم پر چل کر آپ نے فوجی بھرتی کے کام کو اپنا طرۂ امتیاز بنایا تھا۔ آپ کے تین صاحبزادے کنور نصیب چند، کنور وجے چند اور کنور کنول چند اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ راجستھان کے شاہی خاندان جودھ پور سے آپ کے تعلقات رشتہ داری ہیں۔ حال ہی میں آپ کی دو صاحبزادیوں شریمتی مادھو دیوی اور شریمتی اُوشارانی کی شادیاں جودھ پور کے شاہی خاندان میں ہوئی ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر پر پاکستانی حملہ کے دوران میں جب مہارانی تارا دیوی نے بے گھر مظلوم مصیبت زدہ شرنارتھیوں کی امداد کا بیڑا اٹھا رکھا تھا تو ٹھاکر نشچنت چند نے اس کام میں مہاراجہ ہری سنگھ اور مہارانی تارا دیوی کا ہاتھ بٹا کر انسانی ہمدردی کی مثال قائم کی تھی۔

مہارانی تارا دیوی جو ضلع کانگڑہ میں واقع الہلال کے تارا کرن محل میں سال میں تین چار مہینے قیام کرتی ہیں، اس علاقہ کے پبلک اداروں، بے سہارا غریبوں، بیواؤں کو مالی امداد دے کر کافی فیض پہنچاتی ہیں۔ پنجاب گورنمنٹ نے اس علاقہ میں شرنارتھیوں کی امداد کے لئے جو رقم منظور کی تھی، اُس کی تقسیم کے لئے جو کمیٹی معرضِ وجود میں آئی تھی، اُس کی چیئرمین مہارانی صاحبہ تھیں۔

مہارانی تارا دیوی

Scanned with CamScanner

ٹھاکر نشچنت چند کٹوچ

Scanned with CamScanner

ترِیگرت[1]

(کانگڑہ پرانت)

ویدک کال میں کانگڑہ کا رقبہ ترِیگرت کہلاتا تھا۔ اور اس کی حدود دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پُرانے وقتوں کے ترِیگرت اور دوِیگرت رقبوں کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے :۔

ترِیگرت۔ (۱) چمبہ (۲) نُورپور (۳) گُلیر (۴) داتارپور (۵) سیبہ۔ (۶) جسواں (۷) کانگڑہ (۸) کٹلہڑ (۹) منڈی (۱۰) سکیت (۱۱) کُلّو۔

دوِیگرت۔ (۱) چمبہ (۲) بسوہلی (۳) بھڈّو (۴) منکوٹ (۵) بندرالتہ۔ (۶) جسروٹہ (۷) سانبہ (۸) جمّوں (۹) چینہنی (۱۰) کشتواڑ (۱۱) بھدرواہ

چمبہ ان دونوں گروہوں میں شامل ہے۔ کیونکہ اسے دریائے راوی نے دو حصوں میں منقسم کر رکھا ہے۔ ترِیگرت اور دوِیگرت میں گیارہ کا عدد محض روایتی حیثیت کا حامل ہے ورنہ ترِیگرت اور دوِیگرت میں اور بھی بہت سی ریاستیں شامل تھیں۔ ترِیگرت میں جالندھر تک کا سارا میدانی رقبہ شامل تھا۔ بھنگھال۔ کوٹلہ اور شاہ پور بھی ترِیگرت ہی میں شمار ہوتے تھے۔ دُرگرا یا دوِیگرت سرکل کی حدود بھوتی۔ لکھن پور۔ دیاسی اور ترِیکوٹ تک پھیلی ہوئی تھی۔

کانگڑہ ایک نیا نام ہے جو شاید مغلوں کے زمانہ میں مروّج ہوا۔ ابتدائی طور پر یہ نام صرف قصبے اور قلعے کے لئے مستعمل تھا۔ بعد میں سارے ترِیگرت ہی کو کانگڑہ کہا جانے لگا۔ آرکیالوجیکل سروے رپورٹ کے مطابق کانگڑہ کا مطلب ہے "کان کا قلعہ"۔ یہ نام سروے رپورٹ کے مطابق اس لئے مشہور ہوا کہ کانگڑہ کا قلعہ جالندھر راکشس کے کان پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس راکشس کو زمانہ قبل از تاریخ میں مہادیو نے ہلاک کیا

---

[1] اس عنوان کے زیر کانگڑہ پرانت سے متعلق سارا مواد "کانگڑہ گزیٹیر" اور متعلقہ پراچین کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔

Scanned with CamScanner

تھا۔ جالندھر راکشس کچھ اس انداز میں دبا پڑا ہے کہ اُس کا سر وادیٔ کانگڑہ میں ہے۔ کان تلاد کے نیچے، مُنہ جوالا مُکھی میں۔ پیٹھ جالندھر شہر کے نیچے اور پاؤں ملتان میں تھا۔ ونسنٹ سمتھ نے ارلی ہسٹری آف انڈیا میں لکھا ہے کہ سکندرِ اعظم کانگڑہ میں دریائے بیاس کے قریب ایک مقام اندورہ تک پہنچا۔ اُس زمانہ میں کانگڑہ کو تین حسین و جمیل وادیوں کے اعتبار سے ترگیرت کہا جاتا تھا۔

کانگڑہ کی پُرفضا پہاڑیاں اُنیسویں صدی سے پہلے تک اربابِ نظر کو مہا بھارت کے زمانہ کی یاد دلاتا رہا۔ ڈوگرہ جانبازوں کی اس دھرتی نے اپنی قدیم روایتوں، قدیم رسوم و رواج اور پُرانے سماجی نظام کو حفظِ جاں بنا رکھا تھا۔ یہ رقبہ کتنی ہی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا پڑا تھا۔ ہر ریاست کا ایک پشتینی سربراہ تھا۔ کتنی ہی ریاستیں پندرھویں اور سولھویں صدی کی یادگار تھیں۔ کئی ریاستیں پیدائشِ مسیح سے کچھ پہلے وجود میں آئی تھیں۔ دوگیرت اور ترگیرت کو ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی فیڈریشنوں کی حیثیت حاصل تھی۔ ترگیرت میں چھوٹے چھوٹے رانا اور ٹھاکر تھے۔ یہی لوگ ابتدائی حکمران تھے جنہیں راجپوتوں نے سر کیا۔ راناؤں اور ٹھاکروں کو وہی حیثیت حاصل تھی، جو انگلستان میں بیرنوں کی تھی۔ کننگھم نے پہاڑی رقبہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے کننگھم کی کلاسیفیکیشن کے مطابق یہ تین رقبے ہیں — کشمیر۔ ڈُرگرا اور ترگیرت۔

کشمیر۔ جہلم اور سندھ کے درمیان چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر مشتمل۔

ڈُرگرا۔ جہلم اور راوی کے درمیان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی کنفیڈریشن۔

ترگیرت (کانگڑہ)۔ راوی اور ستلج کے درمیان کا سارا رقبہ۔

بعد کی ایک تشخیص کے مطابق سندھ اور ستلج کے درمیان کا رقبہ ۴۴ ریاستوں پر مشتمل تھا۔ جہاں تک کانگڑہ کا تعلق ہے، پُرانے وقتوں میں یہ سلطنت ستلج اور راوی کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔ دو راجدھانیاں تھیں۔ ایک گرمائی اور ایک سرمائی۔ موسمِ گرما کی راجدھانی کانگڑہ میں تھی۔ موسمِ سرما کا دارالخلافہ جالندھر میں تھا۔ جالندھر کو اُس وقت بھیم کوٹ یا نگر کوٹ کہا جاتا تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں کانگڑہ کی مملکت (۱) چمبہ (۲) پرتشٹھان یعنی پٹھانکوٹ اور دوسری طرف کشلہر۔ بھنگھال اور منڈی کی آزاد ریاستوں سے گھری ہوئی تھی۔ ۱۰۰۰ء میں مُسلم حملوں کا آغاز ہوا۔ نتیجتہً میدانی رقبے ہاتھ سے نکل گئے اور نگر کوٹ

Scanned with CamScanner

ہی ترگیرت کی واحد راجدھانی رہ گیا۔ سنہ ۱۰۲۷ء تک کئی اور رقبے آزاد ہو گئے۔ اور انہوں نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی حیثیت اختیار کر لی۔

کانگڑہ کی دھرتی نے کتنے ہی انقلابات دیکھے ہیں کتنی ہی بار اس دھرتی کو حملہ آوروں کی گھوڑ دوڑ اور غارتگری کا شکار بننا پڑا۔ ترگیرت کو دورِ قدیم میں جو عظمت حاصل تھی وہ سنہ ۱۰۰۹ء میں مسلمانوں کے حملوں کے ساتھ قصۂ پارینہ ہو کر رہ گئی۔ میدانی رقبے ڈوگرہ جانبازوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ بیشتر مسلمان حکمران میدانی رقبوں ہی میں اپنی فتوحات کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں مصروف رہے۔ اس لئے وہ کانگڑہ کی بلندیوں کا رُخ نہ کر سکے۔ البتہ مغلوں کے عہد میں کانگڑہ کی چھوٹی بڑی پہاڑی ریاستیں دلی دربار کی باجگذار ہو کر رہ گئیں۔ بایں ہمہ انہیں قلعے بنانے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی آزادی نصیب رہی۔ کانگڑہ کے راجوں اور ٹھاکروں کو باہم لڑنے کے لئے مغل حکمرانوں سے پیشگی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہر راجہ کو شاہی دربار سے ایک سند اور خلعت ملتی تھی۔ اُن کی طرف سے دلی دربار کو جو خراج پیش کیا جاتا تھا، اُسے پیشکش یا نذرانہ کہا جاتا تھا۔ شاہجہان کے عہد میں کانگڑہ کے راجاؤں کو چار لاکھ روپیہ سالانہ دینا پڑتا تھا۔ تمام شاہی مراسلوں میں ان راجاؤں کو زمیندار یا رائے کے نام سے خطاب کیا جاتا تھا۔ راجگی کا اعزاز خاص صورتوں میں کسی اہم خدمت کے اعتراف کے طور پر دیا جاتا تھا۔ کئی راجاؤں کو دلی دربار میں فوجی منصب بھی حاصل تھے۔ مغلوں کے زوال کے بعد کانگڑہ کی پہاڑی ریاستیں احمد شاہ ابدالی کے دائرۂ اقتدار میں چلی گئیں۔ یہ جُدا بات ہے کہ ابدالی کا اختیار برائے نام ہی تھا۔

اس جگہ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ محمود غزنوی سنہ ۹۹۷ء میں گدی پر بیٹھا۔ سنہ ۱۰۰۱ء میں اُس نے پنجاب پر پہلا حملہ کیا۔ اور اپنی چوتھی مہم کے دوران وہ نگرکوٹ تک آ پہنچا۔ نگرکوٹ میں اُس وقت کوئی فوج نہیں تھی۔ مندر میں صرف پجاری ہی تھے۔ محمود غزنوی نے نگرکوٹ کے مندر اور قلعہ کو محاصرے میں لے لیا اور اس طرح پجاریوں کو مجبور کر دیا کہ وہ قلعہ کے پھاٹک کھول دیں۔ محمود غزنوی نے نگرکوٹ کے مندر کو لوٹ لیا۔ غزنوی کا میر منشی عتبی لکھتا ہے کہ "محمود غزنوی کو نگرکوٹ کے مندر سے اتنی زیادہ دولت ہاتھ لگی کہ وہ اونٹوں پر لاد کر غزنی تک لے جائی نہیں جا سکتی تھی۔ نہ ہی اتنا زیادہ دھن برتنوں میں

جا سکتا تھا اور نہ ہی ارباب قلم اس کی فہرست بنا سکتے تھے۔ ماہرین ریاضی کے لئے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس سارے ساز و سامان کی مالیت کا اندازہ لگا سکیں۔ اتنی زیادہ دولت محمود غزنوی کے خواب و خیال تک میں کبھی آئی نہ تھی"۔

بہرکیف فرشتہ نے اپنی تاریخ میں نگر کوٹ کے مندر کی اس لوٹ کے خد و خال کچھ یوں پیش کئے ہیں:۔

(۱) سونے کے دینار = ۷ لاکھ

(۲) سونے چاندی کے تھال اور تھالیاں = سات سو من وزنی

(۳) خالص سونا ڈلیوں کی صورت میں = دو سو من

(۴) خالص چاندی سکوں کی صورت میں = دو ہزار من

(۵) لعل۔ ہیرے۔ موتی اور دیگر جواہرات = بیس من

فرشتہ کی رُوداد کے مطابق یہ ساری دولت کئی ہزار اونٹوں پر لاد کر غزنی لے جائی گئی۔ اور وہاں شاہی محل کے آنگن میں غالیچے بچھا کر ان پر لوٹ کے اس مال کی نمائش کی گئی۔ نگر کوٹ کے مندر کی مورتیاں بھی اس مال میں شامل تھیں۔

محمود غزنوی کی واپسی کے بعد اچانک سارے پہاڑی رقبہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مقدس مورتی نے خواب میں کانگڑہ کے راجہ سے یہ کہہ دیا ہے کہ وہ غزنی سے کانگڑہ واپس چلی آئے گی۔ چنانچہ ویسی ہی ایک مورتی تیار کرائی گئی۔ وہ ایک باغ میں دبا دی گئی۔ پھر اُسے تلاش کر کے نکالا گیا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ نگر کوٹ کے مندر میں استھاپت کر دیا گیا۔ مورتی کی استھاپنا کے ساتھ ہی لوگوں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ اور انہوں نے محمود غزنوی کی اُس سپاہ کو جسے وہ پیچھے چھوڑ گیا تھا، کانگڑہ کے قلعہ حتیٰ کہ پہاڑی رقبہ ہی سے باہر دھکیل دیا۔

۱۰۴۳ء کے بعد کانگڑہ کا قلعہ لگاتار ۳۰۰ برس مسلم حملہ آوروں کی دست برد سے محفوظ رہا لیکن ۱۳۳۷ء میں ایک بار پھر راجہ پرتھوی چند کے عہد میں نگر کوٹ پر محمد تغلق نے حملہ کر دیا۔ مگر پرتھوی چند کے بیٹے پوُرب چند نے جو ۱۳۴۵ء میں گدی پر بیٹھا تھا، یہ قلعہ واپس لے لیا۔ ۱۳۶۵ء میں فیروز شاہ تغلق نے کانگڑہ پر حملہ کیا۔ کئی مورخوں کا فتویٰ یہ ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے نگر کوٹ کے مندر کی مورتی توڑ دی اور اس

سر کے ٹکڑے مکّہ بھیج دئے تاکہ وُہ زائرین حج کے قدموں تلے بچھائے جائیں۔ فیروز شاہ تغلق واپسی کے بعد اپنی فوج کا ایک بہت بڑا حصّہ نگر کوٹ ہی کے قلعہ میں چھوڑ گیا۔ ۱۳۶۸ء میں ناصر الدین تغلق اپنے دشمنوں سے بھاگ کر نگر کوٹ آ گیا جہاں راجپوتوں نے اُسے پناہ دی۔ اور وُہ دلّی کا تخت ملنے تک وہیں مقیم رہا۔

تیمور نے جب دلّی پر حملہ کیا تو اُس وقت کانگڑہ میں سنسار چند کا بیٹا میگھ چند برسرِ اقتدار تھا۔ یہ ۱۳۹۰ء کی بات ہے۔ تیمور نے اپنے سفر نامہ میں نگر کوٹ کا ذکر تو کیا ہے۔ کانگڑہ کے قریب سے گزرنے کا اتفاق بھی اُسے ہوا لیکن اِسے اتفاقات میں ہی شمار کیا جانا چاہیئے کہ اُس نے نگر کوٹ کے قلعہ پر حملہ نہ کیا۔ تیمور کو یہ تو معلوم تھا کہ نگر کوٹ کا مندر اپنی دولت کے اعتبار سے ایک لامثال شہرت کا حامل ہے لیکن اس کے باوجود حملہ کا قصد اُس نے نہیں کیا۔ اور اِس طرح کانگڑہ کی تاریخ تیمور کے حملے کی ہلاکت آفرینیوں کی رُوداد سے تہی دست ہی رہ گئی۔

۱۵۴۰ء کے بعد شیر شاہ سُوری کے زمانہ میں خواصّ خان نے کانگڑہ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ خواص خان نے محمود غزنوی اور فیروز شاہ تغلق ہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مندر کو لُوٹ لیا۔ اور مُورتی ہی نہیں، اِس مُورتی پر تانبے کا جو چھتر نصب تھا، وُہ بھی اُٹھا لے گیا۔ مقدّس مُورتی دہلی کے قصابوں کو دے دی گئی تاکہ وُہ اِسے توڑ کر اس سے ناپاک گوشت وزن کرنے کے باٹ بنائیں۔ تانبے کے چھتر کو توڑ کر اِس سے شاہی محل کے لئے پانی کے برتن تیار کئے گئے۔ یہ حقائق ایلیٹ نے واقعاتِ مشاقی سے اخذ کئے ہیں جس سے یہ ثبوت میسّر آتا ہے کہ شیر شاہ سُوری اور اُس کے جرنیل مذہبی رواداری کے جذبے سے قطعی طور پر عاری تھے۔ شیر شاہ سُوری اگرچہ ہوشیار پور کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ مگر اِس کے باوجود پٹھان حکمرانوں کے سینوں میں غزنوی ہی کا دل دھڑک رہا تھا۔

اکبر جب ۱۴ سال کا لڑکا تھا تو اُسے سکندر شاہ سُوری کے تعاقب میں نگر کوٹ بھیجا گیا۔ اُس وقت راجہ دھرم چند نے مصالحت اسی میں خیال کی کہ وُہ اکبر کی وفاداری کا دم بھرے اور اِس طرح شیر شاہ سُوری کے پٹھان جانشینوں کی دست بُرد سے اپنے رقبہ کو محفوظ بنا سکے۔ چنانچہ اُس نے نور پور میں اکبر کے ساتھ مُغلوں کی وفاداری کا پیمان باندھا۔

دھرم چند کانگڑہ کا پہلا راجہ تھا جس نے اس انداز میں مغلوں کی اطاعت قبول کی ہو۔

اکبر جب سندھ کی طرف بڑھتا ہوا ہوشیار پور کے نزدیک دسوہہ پہنچا۔ تو اُس نے سُنا کہ قریب ہی جوالامکھی کا مقدس مندر ہے جہاں کئی لوگ اپنی زبان کاٹ کر بھینٹ کرتے ہیں۔ اور اُن کی زبان چند ہی گھنٹوں میں دُرست ہو جاتی ہے۔ اکبر جوالامکھی کے مندر کو دیکھنے کے لئے بیتاب ہو اُٹھا۔ لیکن اُس کے گرد و پیش جو جرنیل اور علماء موجود تھے۔ اُنہوں نے اکبر کو جوالامکھی جانے نہ دیا اور اُسے بتایا کہ یہ زیارت اسلام کی روایات کے منافی ہو گی۔ کئی مورخین نے جوالامکھی کے مندر میں زبان کاٹ کر بھینٹ کرنے کی رسم کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ اکبر کے زمانہ میں کانگڑہ جن چیزوں کے لئے مشہور تھا۔ اُن میں سے کچھ یُوں تھیں :-

(۱) نئی ناک بنانے کا عمل۔ (۲) آنکھوں کی بیماریوں کا علاج۔ (۳) باسمتی چاول۔ (۴) ناقابلِ تسخیر قلعہ۔

اکبر کو نئی ناک بنانے کے آرٹ کا علم اُس وقت ہوا جب اُس نے کسی آدمی کی ناک سزا کے طور پر جڑ ہی سے کٹوا دی اور کٹی ہوئی ناک باریک کر کے چیلوں اور کوّوں کو کھلا دی گئی۔ چند مہینوں کے بعد ہی مجرم اکبر کے دربار میں حاضر ہوا۔ اُس وقت اُس کے چہرے پر ناک موجود تھی۔ اکبر نے یہ مصنوعی ناک دیکھی تو بہت حیران ہوا۔ حقیقت میں یہ مصنوعی ناک اصلی ناک ہی کے مترادف تھی کیونکہ اس کے مساموں میں خون دوڑ رہا تھا اور دونوں نتھنوں میں باقاعدہ بال اُگے ہوئے تھے۔ اکبر کے دریافت کرنے پر اُس نے بتایا کہ یہ ناک کانگڑہ کے ایک جراح خاندان کے ماہروں نے بنائی ہے۔ اکبر بہت خوش ہوا۔ اُس نے جراح کو دلّی طلب کر کے اُسے جاگیر، خطاب اور خلعت سے سرفراز کیا۔ یہ جاگیر سکھوں کے زمانہ میں ضبط کر لی گئی۔ نئی ناک بنانے کا عمل انگریزوں کے زمانہ میں بھی کافی مدت جاری رہا۔

اکبر کی زندگی کے اہم دس برس جسروٹہ کے راجہ کی قیادت میں کانگڑہ کے بیشتر راجاؤں نے دلّی دربار کے خلاف بغاوت کر دی۔ کانگڑہ کا راجہ بدھی چند اس بغاوت سے لاتعلق رہا۔ اکبر نے بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ایک عظیم لشکر کانگڑہ کی پہاڑیوں میں بھیج دیا جس نے جسروٹہ تک سارے رقبہ کو نہایت بے رحمی سے تاخت و تاراج کر دیا۔ کئی گاؤں اور کئی قصبے اس لشکر کشی کے دوران حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ بدھی چند

۱۶۰۵ء میں مر گیا۔ اُس کا بیٹا یرغمال کے طور پر دلی دربار میں موجود تھا۔ اس لڑکے کا نام ترلوک چند تھا جس نے ایک طوطا پال رکھا تھا۔ شہزادہ سلیم چاہتا تھا کہ یہ طوطا کسی طرح اُسے مل جائے۔ مگر ترلوک چند اپنا طوطا جہانگیر کو دینے پر رضامند نہ ہوا۔ اکبر چونکہ ترلوک چند کو بہت چاہتا تھا، اس لئے سلیم اس لڑکے کو کوئی گزند پہنچا نہ سکا۔ کچھ مدت بعد ترلوک چند کو کانگڑہ جانے کی اجازت مل گئی۔ اکبر کی موت کے بعد جب کانگڑہ کے راجے نئے بادشاہ کے حق میں اظہارِ اطاعت کے لئے دلی پہنچے تو راجہ ترلوک چند کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ جہانگیر کے دل میں اُس کے خلاف کدورت کا جذبہ موجود ہے اور وہ اُسے گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ شاید ایک فوجی دستے کو گرفتاری کا حکم بھی دے دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی ترلوک چند اپنے تین چار وفادار گھوڑ سواروں کے ساتھ دلی سے بھاگ نکلا۔ مگر مغل فوج نے اُس کا تعاقب کیا اور اُسے راستہ ہی میں پکڑ کر موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ اور اس طرح ایک طوطے کے سوال پر ترلوک چند اور سلیم کی باہمی رقابت ترلوک چند کی موت کا سبب بن گئی۔ سلیم نے اپنی فوج کو حکم دے دیا کہ وہ ترلوک چند کی ریاست پر حملہ کر کے اُسے تباہ و برباد کر دے۔

جہانگیر نے کانگڑہ پر چڑھائی کا حکم ۱۶۱۲ء میں دیا تھا۔ کانگڑہ کا قلعہ اتنا مضبوط اور ناقابلِ تسخیر تھا کہ جہانگیر ہر صورت میں اس قلعے پر اپنی فتح کا پھریرا لہرانا چاہتا تھا۔ اُس نے یہ ٹھان رکھا تھا کہ کانگڑہ کا حقیقی حکمران اُسے ہی تصور کیا جائے گا جس کا جھنڈا نگرکوٹ کے قلعہ پر لہرائے گا۔ ۱۶۱۵ء تک مصلحتاً یہ حملہ ملتوی کر دیا گیا۔ کانگڑہ کی تسخیر کے لئے شیخ فرید مرتضیٰ خان کو ایک عظیم لشکر دے کر بھیجا گیا۔ مرتضیٰ خان ایک بوڑھا قابلِ اعتماد اور جہاندیدہ جرنیل تھا۔ اُس کی مدد کے لئے جہانگیر کی طرف سے نور پور کے راجہ سورج مل کو بھیجا گیا۔ سورج مل درحقیقت یہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک بار پھر نگرکوٹ کے مندر کو کانگڑہ کے راجپوتوں کی باہمی پھوٹ کے سبب بے حرمتی کا سامنا کرنا پڑے اور ایک غیر ملکی لشکر کے ہاتھوں کانگڑہ کے لوگوں کا لہو بہے۔ چنانچہ اُس نے مرتضیٰ خان کی مہم کو ناکام بنانے کے لئے سرگرمیاں شروع کر دیں۔ مرتضیٰ خان کی شکایت پر اُسے واپس دلی بلا لیا گیا۔ مگر اسی مدت میں مرتضیٰ خان خود راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔ اور اس طرح نگرکوٹ کا محاصرہ دو برس کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

۱۶۱۷ء کے موسمِ خزاں میں راجہ سورج مل آف نور پور کی ایک چٹھی جہانگیر کو پیش

بجھ گئی تھی جب تیہ اُس نے شہنشاہ کو نگرکوٹ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اور اُس نے خود اُس مُہم میں ہر قسم کی امداد و معاونت کا یقین بادشاہ کو دلایا تھا۔ چنانچہ جہانگیر اس چٹھی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ نگرکوٹ کے قلعہ پر فتح کا پھریرا لہرانے کی تمنا اُس کے سینے میں ایک بار پھر مچلنے لگی۔ چنانچہ اُس نے ایک نئے کمانڈر شاہ قلی خان محمد تقی کو یہ مُہم سونپ دی اور سورج مل کو اُس کا نائب مقرر کیا۔ قلی خان محمد تقی شہزادہ خُرّم کا بخشی تھا۔ سورج مل نے جہانگیر سے یہ وعدہ کیا کہ وہ ایک برس کے اندر نگرکوٹ کے قلعہ پر مغلوں کا پرچم لہرا دیگا۔ جہانگیر نے اِس مُہم کے سبھی انتظامات شہزادہ خُرّم یعنی شاہجہان کو سونپ رکھے تھے۔ کئی ایک مُغل افسروں نے سورج مل کے خلاف جہانگیر کے کان بھرنے کی کوشش کی مگر شاہجہان نے اُن کا طلسم چلنے نہ دیا۔ کانگڑہ پہنچتے ہی سُورج مل نے پہلے سے طے شُدہ منصُوبے کے مُطابق شاہ قلی خان محمد تقی کے ساتھ جھگڑا شروع کر دیا اور اُس کے خلاف بادشاہ کو ایک طویل شکایت نامہ بھیج دیا۔ جس پر محمد تقی کو واپس بُلا لیا گیا۔ اب سورج مل خود سارے مُغل لشکر کا سالارِ اعلےٰ تھا۔ اُس نے مقامی سپاہیوں کو مختلف حیلوں بہانوں کے تحت اُن کے اپنے اپنے قصبوں میں بھیج دیا۔ صرف مُغل باقی رہ گئے جو ہندوؤں کے بغیر بہت کمزور تھے۔ سورج مل نے مغلوں کے افسرِ اعلےٰ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور نورجہان کے باپ کی جاگیر کو لُوٹ لیا۔ اِس بغاوت کی خبر سُن کر بادشاہ نے رائے رایان سُندر داس کی قیادت میں ایک عظیم لشکر نگرکوٹ بھیجا۔ سورج مل نے اِس لشکر کی آمد پر قلعہ ماؤ میں پناہ لی۔ پھر وہ نورپور چلا گیا۔ جب سُندر داس کا لشکر نورپور کی طرف بڑھا تو سورج مل چمبہ چلا گیا۔ مُغل فوج ۱۶۱۹ء میں کانگڑہ کے قلعہ پر حملہ آور ہوئی۔ قلعہ کا محاصرہ ایک سال دو مہینے جاری رہا۔ یہ محاصرہ اِتنا مکمل تھا کہ قلعہ میں محصُور راجپوت سپاہ درختوں کے پتّے اور چھال کھا کھا کر پیٹ بھرتی رہی۔ اُس وقت راجہ ہری چند قلعے میں تھا۔ جب درختوں کے پتّے اور چھال تک میسر آنا غیر ممکن ہو گیا تو ہری چند نے ہتھیار ڈال دئے۔ ۱۶۲۰ء میں رائے رایان سُندر داس قلعہ میں داخل ہُوا۔ اِس طرح کانگڑہ کا قلعہ کٹوچ راجاؤں کے قبضہ سے نکل کر مُغلوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ قلعہ میں ایک زبردست فوج رکھی گئی۔ راجپوتوں نے بارہا اپنا قلعہ واپس لینے کی کوشش کی۔ مگر اُن کی تمام تدبیریں رائیگاں ثابت ہوئیں۔ کیونکہ اُن کی اپنی صفوں میں انتشار تھا اور مُغلوں کو دِلی سے لگاتار کمک پہنچ رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

جہانگیر خود ۱۶۲۲ء میں کانگڑہ آیا۔ نور جہاں اس کے ساتھ تھی۔ وہ ملیہ کے راستہ کانگڑہ پہنچا اور نور پور پٹھانکوٹ کے راستہ واپس گیا۔ جہانگیر فطری مناظر اور حسن و جمال کا پرستار تھا۔ کانگڑہ کی رعنائیاں، اس کے پہاڑوں کی دلکشی، چرواہوں کے گیت، بھیڑوں کی ممیاہٹ جھرنوں کی جھر جھر، لوگوں کی سادگی اور کہیں گرد و پیش کے پہاڑوں میں بانسری کی ابھرتی ہوئی تانیں جہانگیر کے دل و دماغ پر اثر کیے بغیر نہ رہیں۔ اس نے کتنی ہی بار نور جہاں سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہمیں اسی جگہ اپنا گرمائی دارالحکومت بنانا چاہئے۔ نور جہاں بھی کانگڑہ کے مناظر سے بہت متاثر تھی۔ چنانچہ یہ حکم دے دیا گیا کہ ایک گاؤں گھمرکڑی میں شاہی محل تیار کیا جائے اور اسی جگہ امراء اور درباریوں کے لئے رہائش گاہیں بنائی جائیں۔ شاہی محل کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا گیا۔ مگر یہ محل مکمل نہ ہو سکا کیونکہ جہانگیر کی عمر نے وفا نہ کی اور کشمیر سے واپس آتے ہوئے اس جہان فانی سے چل بسا۔

جہانگیر کے بعد شاہجہان نے گھمرکڑی کو گرمائی دارالحکومت بنانے میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ البتہ شاہجہان نے اپنے والد بزرگوار کی یاد میں نگرکوٹ کے قلعہ کا ایک دروازہ ضرور بنوایا جس کا نام جہانگیری دروازہ رکھا گیا۔ اس دروازہ پر سنگ مرمر کا ایک کتبہ لگایا گیا جس پر قلعہ کی تسخیر کی تاریخ درج تھی۔ یہ سل مدتوں کانگڑہ کے راجپوتوں کو اُن کی بے بسی اور مجبوری کی یاد دلاتی رہی۔ اس سل کو دیکھ کر وہ دن اُن کی نگاہوں میں گھومنے لگتا تھا جب مغلوں نے کٹوچ خاندان کے ہاتھوں سے نگرکوٹ کا حق حکومت چھین لیا تھا۔ اس منحوس سل کی یاد آتے ہی اُن کا خون بے اختیار کھول اٹھتا تھا۔ لیکن اُن میں اتنی طاقت نہ تھی، اتنی سکت نہ تھی۔ اتنی فوج نہ تھی کہ وہ مغلوں سے لوہا لے سکیں۔ یہ توفیق کچھ مدت بعد کانگڑہ کے ایک راجہ روپ چند کو قدرت سے ودیعت ہوئی تھی جس نے اپنے ایک لشکر کو دلی کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اور اس فوج نے دلی کے دروازہ تک تمام چھوٹی بڑی پٹھان مملکتوں، ریاستوں اور جاگیروں کو لوٹ لیا۔

شاہجہان نے نگرکوٹ کے قلعہ کے جہانگیری دروازہ پر مغلوں کی فتح کی یاد میں جو سل لگائی تھی وہ ۱۷۸۶ء تک برقرار رہی۔ جب راجہ سنسار چند نے نگرکوٹ کے قلعہ کے دروازہ سے ہٹا دیا۔ ۱۸۳۲ء میں کنور نونہال سنگھ اس سل کو اپنے ساتھ لاہور لے آیا۔ اور اس طرح نگرکوٹ کے قلعہ پر سے مغلوں کے تسلط کا یہ نشان ہمیشہ کے لئے

کانگڑہ سے باہر چلا گیا۔

کانگڑہ کی دھرتی ابتدا ہی سے چندر بنسی راجپوتوں کا ایک اہم مرکز چلی آ رہی ہے۔ انگریز بینڈر کننگھم نے کانگڑہ اور جالندھر کے شاہی خاندان کو بھارت کا قدیم ترین حکمران کنبہ قرار دیا ہے جس کا شجرہ نسب سُشرما چندر سے شروع ہوتا ہے۔ راجپوتوں کے دوسرے کسی بھی خاندان کو انگریز مورخوں نے اتنا قدیم قرار نہیں دیا۔ سر لیپل گریفن نے کانگڑہ کے جن راجپوت گھرانوں کا ذکر کیا ہے؛ اُن میں کٹوچوں کو قدیم ترین قرار دیا ہے۔ لیپل گریفن نے لکھا ہے۔ کہ کٹوچ گھرانے کا شجرہ نسب دنیا کے دوسرے کسی بھی حکمران خاندان کے شجرہ نسب سے زیادہ قدیم ہے۔ اور طرہ یہ کہ اس کے تسلسل میں کبھی خلل پیدا نہیں ہوا۔ کٹوچ حکمران چندر بنسیوں کے طور پر اپنے نام کے ساتھ چندر لفظ لکھتے رہے ہیں۔ اس خاندان کی قدامت کے گواہ پرانے زمانے کے سکے اور کتبے ہیں۔ مسٹر ولیم مورکرافٹ نے سن ۱۸۲۰ء میں یہ شجرہ نسب راجہ سنسار چند کے دربار میں ملاحظہ کیا تھا۔ اس ونشاولی میں ۵۰۰ حکمرانوں کے نام شامل ہیں۔ یہ خاندان بھوم چندر سے شروع ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ بھوم چندر کانگڑہ کی بھگوتی کی پیشانی کا پسینہ زمین پر گرنے سے وجود میں آیا تھا۔ اُس کی پیدائش ماں باپ کی مرہون منت نہیں تھی۔ بھوم چندر کی ۲۳۴ ویں پشت میں راجہ سُشرما چندر تھا جو مہابھارت کی جنگ میں بھی شریک ہوا۔ وہ کوروں کا حامی تھا اور انہی کی جانب سے جنگ میں شریک ہوا۔ سکندر اعظم کے سامنے بیاس کے پار میدانی رقبہ میں جس بادشاہ نے ہتھیار ڈالے، وہ بھی کٹوچ تھا جس کا نام یونانیوں نے فی گے اس (PHEGAEUS) تھا۔ سکندر اعظم کے حملہ تک بیاس پار کے رقبہ پر بھی کٹوچوں ہی کا تسلط تھا۔

فرشتہ نے اپنی تاریخ کے ابتدائی باب میں پانچ راجاؤں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے پانچ پہاڑی راجے کماؤں سے جموں تک کے رقبہ پر مسلط تھے۔ ان پانچ راجاؤں کو قنوج کے راجہ رام دیو نے شکست دی۔ اور انہیں سلطنت قنوج کا باجگذار بنایا۔ چینی سیاح ہیون سانگ مارچ ۶۳۵ء میں جالندھر آیا۔ وہ کانگڑہ اور کلو بھی گیا جہاں وہ چار مہینے راجہ اُتیٹو کا مہمان رہا۔ کننگھم کا خیال یہ ہے کہ چندر بنسیوں کی ونشاولی میں جس راجہ کا نام آدتیہ ہے اُسے ہی ہیون سانگ نے اُتیٹو (UTITO) لکھا ہوگا۔ ہیون سانگ نے کانگڑہ کی سلطنت کو شرقاً غرباً ۱۶۷ میل لمبا اور شمالاً جنوباً ۱۳۳ میل چوڑا قرار دیا ہے۔

Scanned with CamScanner

اس کا مطلب یہ ہے کہ کانگڑہ کی سلطنت میں جالندھر دوآب کے علاوہ چمبہ، منڈی اور سکیت بھی شامل تھے۔

جس طرح کانگڑہ کے حکمرانوں میں "چندر" چلتا رہا ہے، اسی طرح کٹلہڑ اور بھنگال کے خاندانوں میں "پال" اور نورپور گھرانے میں "مل" نام کے ساتھ لکھا جاتا تھا۔ کم و بیش ہر راجہ کے نام کے ساتھ "دیو" بھی لگا دیا جاتا تھا۔ جس کی تائید کتبوں اور تانبے کے پٹوں سے ہوتی ہے۔
کانگڑہ کے کٹوچ خاندان کی قدامت شبہات سے بالاتر ہے۔ لیکن ان کے آغاز کی داستان کہیں ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئی ہے۔ جسواں۔ گلیر۔ سیبہ اور داتار پور کی ریاستوں کی بنیاد بھی کٹوچ گھرانہ کے لوگوں کی طرف سے ہی رکھی گئی تھی۔

کانگڑہ میں راجہ جے چندر ۱۵۷۰ء میں گدی پر بیٹھا۔ اس کے عہد کی خصوصیت یہ ہے کہ اکبر نے ابتداء ہی سے اپنے دل میں اس کے خلاف شبہات کو جگہ دے دی۔ اور جے چندر کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے۔ یہ گرفتاری راجہ جے چند ہی کی برادری کے ایک آدمی رام چند آف گلیر کی طرف سے عمل میں لائی گئی۔ جے چند کا بیٹا بدھی چند نابالغ تھا۔ اس نے اپنے باپ کو مُردہ خیال کیا اور گدی پر بیٹھ گیا۔ اس نے مغلوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ چنانچہ ۱۵۷۲ء میں ایک عظیم لشکر پنجاب کے صوبیدار خان جہان حسین قلی خان کی قیادت میں کانگڑہ بھیجا گیا۔ اس فوج نے پہلے کوٹلہ کے قلعہ پر قبضہ کیا۔ کانگڑہ پہنچ کر بھون کے نواحی رقبہ پر حملہ کیا گیا۔ جس میں تاریخی مندر بھی شامل ہے۔ کافی مزاحمت کے بعد مندر پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس کے بعد قلعہ کا محاصرہ کیا گیا۔ اسی دوران یہ خبر خان جہان حسین قلی خان کو ملی کہ اکبر کے باغی رشتہ داروں نے جنہیں مرزا کہا جاتا ہے اس کی غیر حاضری میں پنجاب پر حملہ کر دیا ہے تو مغل کمانڈر کو راجپوتوں کے ساتھ صلح کرنی پڑی۔ طبقاتِ اکبری کے مطابق مغل کمانڈر کچھ تحائف قبول کرنے کے بعد واپس چلا گیا۔ مندر اور قلعہ کا محاصرہ لگاتار تین ماہ جاری رہا۔ قلعہ کی حفاظت راجہ گوبند چند آف جسواں کے سپرد تھی۔ اس حملے کے بعد جے چند کو رہا کر دیا گیا۔ وہ کانگڑہ واپس چلا آیا۔ ایلیٹ کے بیان کے مطابق اکبر نے لگاتار دس برس تک کانگڑہ کے قلعہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ اس محاصرہ کے دوران اس نے ایک باغ لگوایا جس کا نام رام باغ رکھا گیا۔ اس باغ کا پھل آم اکبر نے کھایا اور وہ واپس چلا گیا۔ اس کے برعکس فارسٹر لکھتا ہے کہ اکبر صرف ایک برس محاصرہ

کے بھیجا رہا۔ بدایونی نے لکھا ہے کہ محاصرہ دس برس چلا۔ اور خان جہان کی طرف سے ہندوؤں کے ساتھ معاہدہ طے پا جانے کے بعد ختم ہو گیا۔ اس محاصرہ کے دوران جن مرزاؤں نے پنجاب پر حملہ کیا تھا وُہ تیمور کے خاندان سے تھے۔ ان سب کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اسی محاصرہ کے بعد اکبر نے اپنے وزیر خزانہ راجہ ٹوڈرمل کو کانگڑہ بھیجا۔ مقصد یہ تھا کہ وُہ کانگڑہ کے راجاؤں میں پھوٹ پیدا کر کے اُن کی ریاستوں کو مغل سلطنت میں شامل کر دے۔ اپنی اس مہم کی تکمیل کے بعد جب ٹوڈرمل دلّی پہنچا تو اُس نے جو رپورٹ پیش کی اُس کے تاریخی الفاظ یوں تھے: "میں نے گوشت کھا لیا۔ ہڈیاں پیچھے چھوڑ آیا۔"

مدعا یہ تھا کہ "میں نے حیلہ سازی اور عیاری کو بروئے کار لا کر تمام زرخیز زمینیں ضبط کر لی ہیں اور صرف ننگے، بنجر اور بے آب و گیاہ رقبے پہاڑی راجاؤں کے پاس رہنے دیے گئے ہیں۔ ٹوڈرمل نے جس رقبہ پر قبضہ کیا، اُس میں وادیٔ کانگڑہ کے ۶۶ گاؤں اور سارا رہلو شامل تھا جو چمبہ سے حاصل کیا گیا۔ دُوسری ریاستوں کے بھی بہت سے زرخیز رقبوں پر اسی طرح قبضہ کیا گیا۔ کننگھم نے لکھا ہے کہ اکبر کے زمانہ میں مغل فوجیں مستقل طور پر کانگڑہ کے قلعہ میں خیمہ زن رہیں۔

کانگڑہ کے راجہ ہری چند کی داستانِ حیات بھی بہت دلچسپ ہے۔ وُہ ۱۴۱۵ء میں گدی پر بیٹھا۔ ایک روز وُہ شکار کے لئے نکلا۔ اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا اور ایک کنوئیں میں گھوڑے سمیت گر پڑا۔ اس کنوئیں کے گرد و پیش چونکہ بہت لمبی لمبی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ اس لئے راجہ ہری چندر کے ساتھیوں کو اُس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اور لگاتار کئی گھنٹے تلاش کرنے کے بعد وُہ واپس چلے گئے۔ ہری چندر کی گمشدگی کی خبر سن کر اُس کی رانیاں ستی ہو گئیں۔ اور اُس کے چھوٹے بھائی کرم چند کو گدی پر بٹھا دیا گیا۔ ۲۲ دن کے بعد ایک سوداگر اس اندھے کنوئیں کے قریب سے گزرا۔ اُس نے کنوئیں میں کسی کے چیخنے چلّانے کی آواز سنی۔ چنانچہ رسہ پھینک کر راجہ ہری چند کو باہر نکالا گیا۔ جب وُہ کانگڑہ پہنچا تو اُس نے کرم چند کو گدی پر دیکھا۔ کرم چند ایک چھوٹے سعادت مند بھائی کی حیثیت میں گدی چھوڑنے پر تیار ہو گیا۔ مگر ہری چند نہ مانا۔ رانیوں کے ستی ہونے کے سبب اُس کا دل کانگڑہ سے اُچاٹ ہو گیا تھا۔ چنانچہ وُہ گلیر چلا گیا اور وہاں اپنی علیحدہ ریاست قائم کر لی۔ اس طرح بڑا بھائی گلیر اور چھوٹا کانگڑہ میں رہا۔ جس کنوئیں میں ہری چند گرا تھا، وُہ آج بھی

موجود ہے۔ ہری چند نے گدّی پر بیٹھنے کے بعد احسانمندی کے جذبہ کے تحت اُس سوداگر کو تمام محصولات کی معافی دے دی جس نے اُسے کنوئیں سے نکالا تھا۔

ایک دُوسرا ہری چند دو برس کے بچّے کی حیثیت میں ۱۲-۱۹۱۲ء میں گدّی پر بیٹھا جس نے عمر بھر مغلوں کے خلاف گوریلا جنگ جاری رکھی۔ اِس نے ۱۲ برس کی عمر میں ہی جنگ شروع کر دی۔ ہری چند لاولد مر گیا جس کے بعد بھان چند بھان نے مُغلوں کے خلاف گوریلا جنگ کا وُہ سلسلہ جاری رکھا جو راجہ ہری چند نے شروع کیا تھا۔ چند بھان بہت بہادر اور جانباز تھا۔ جس کی شجاعت کی کہانیاں کانگڑہ کو آج بھی یاد ہیں۔ اُس نے گوریلا جنگ کا آغاز مُغل سرداروں اور افسروں کے ٹھکانوں پر شبخون مار کر شروع کیا۔ جب پنجاب کی فوج اُسے شکست نہ دے سکی تو دلّی سے ایک عظیم لشکر روانہ کیا گیا۔ اِس لشکر کی آمد کی خبر ملتے ہی چندر بھان ۹ ہزار فٹ کی بلندی پر چلا گیا جو دھولا دھار کا حصّہ ہے۔ بھان چندر کی بہادری کی داستانوں کے سبب دھولا دھار کی اِس چوٹی کا نام ہی لوگوں نے بھان چندر کا ٹیلہ رکھ دیا۔ اِس جگہ بھان چندر نے ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ بنایا جس کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں۔ مُغل فوج اِس قلعہ کو سر کرنے میں ناکام رہی۔ چنانچہ شاہی ایلچی بھان چندر کے پاس بھیجے گئے اور اُسے یہ پیشکش کی گئی کہ اگر وُہ راجگیری کی جاگیر قبول کر لے اور گوریلا سرگرمیاں بند کر دے تو اُسے کچھ کہا نہیں کہا جائیگا۔ ایک روایت کے مطابق اُس نے یہ جاگیر قبول نہیں کی اور وُہ آخری دم تک مغلوں کے خلاف لڑتا رہا۔ اِسی روایت کے مطابق اُسے گرفتار کر کے دہلی میں قید کر دیا گیا۔ دُوسری روایت یہ ہے کہ اُس نے جاگیر قبول کر لی اور اِس کے بعد امن و چین کی زندگی بسر کی۔ چونکہ بھان چندر کو میاں ہی لکھا جاتا ہے راجہ نہیں۔ اِس لئے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ہری چند کی موت کے بعد کافی مدت تک کانگڑہ کی گدّی خالی رہی۔ بھان چندر کانگڑہ کی گدی پر بیٹھا ہو یا نہیں، اِتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے جو تحریکِ آزادی شروع کی تھی، اُس کے سبب وُہ اپنے ہم وطنوں کا محبوب بن گیا اور آج بھی اُس کا نام پورے ادب و احترام سے لیا جاتا ہے۔ بھان چندر کے چار بیٹے تھے۔ وِجے رام، اُودے رام، دلیپت اور نرپت۔ وِجے رام چندر سنہ ۱۶۶۰ء میں اپنے باپ کا جانشین بنا اور اُس نے دریائے بیاس کے دائیں کنارے وِجے پور یا بیجا پور آباد کیا۔ جو راجہ گھمنڈ چند یا اُس کے بعد تک کانگڑہ

سے راجاؤں کا دارالحکومت بنا رہا۔ پرانے محلات اس جگہ آج بھی موجود ہیں مگر غیر آباد اور کھنڈروں کے طور پر۔ وجے رام چندر ۱۶۹۰ء میں مرگیا۔ اُس کے بعد بھیم چند نے مُغل شہنشاہوں کی خوشنودی کا راستہ اختیار کیا۔ اُس نے بیجا پور میں ایک مندر تعمیر کیا۔ جو آج بھی موجود ہے۔ اُس کے چھوٹے بھائی کرپال چند نے بھنوراں والی کوہل تعمیر کروائی جو دھولادھار کی ایک برفانی ندی سے نکالی گئی تھی۔

کانگڑہ کے راجاؤں میں سے گھمنڈ چند ۱۷۷۴ء میں مرگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تیغ چند گدی پر بیٹھا جو ۱۷۷۵ء میں ملک عدم کا راہی ہُوا۔

کانگڑہ کے راجاؤں میں سے سنسار چند دوم سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ وُہ ۱۷۶۵ء میں پیدا ہوا۔ جب دس برس کا تھا تو باپ اِس دُنیا سے چل بسا۔ جب وُہ گدی پر بیٹھا تو پہاڑوں اور میدانوں میں یکساں طور پر بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ پنجاب پر دُرانیوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ مگر اُن کی حکومت کچھ زیادہ مستحکم نہیں تھی۔ لاہور میں اگرچہ افغان وائسرائے موجود تھا۔ مگر صُوبہ کے مختلف حصّوں میں مُغل افسر بدستور آزادی کے ساتھ اپنا کام کررہے تھے۔ ان میں سے ایک آصف علی خان تھا جو کانگڑہ کے قلعہ پر قابض تھا۔ سنسار چند کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وُہ کانگڑہ کے قلعہ پر قابض ہوسکے۔ یہی قلعہ اُس کے آباد اجداد کا قدیم مسکن تھا۔ اُس نے کئی بار قلعہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ تب اُس نے ۸۲-۱۷۸۱ء میں سکھ سردار جے سنگھ کنہیا کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور دونوں کی افواج نے متحدہ طور پر قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ بوڑھا نواب اُس وقت قریب المرگ تھا۔ جب وُہ مرگیا تو مغلوں نے قلعے کا قبضہ چھوڑ دیا۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ ۱۷۸۳ء میں یہ قلعہ آزاد ہوتے ہی سکھوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

مسٹر بارنیز نے لکھا ہے کہ جب نواب آصف علی خان مرگیا اور مُغل قلعہ خالی کرنے لگے تو سکھوں کی ایک فوج قلعہ کے پھاٹک کے قریب موجود تھی۔ وُہ سنسار چند اور جے سنگھ کنہیا کو محاصرے میں مدد دینے کے لئے آئی ہوئی تھی۔ جونہی پھاٹک کُھلا تو سکھ فوج راجپوتوں سے پہلے قلعہ میں داخل ہوگئی اور پھاٹک بند کرلیا۔ اس طرح اگرچہ مُغلوں نے یہ قلعہ سنسار چند کے حق میں خالی کیا تھا لیکن اس پر قبضہ جے سنگھ کنہیا کی سکھ فوج کا ہوگیا۔ جے سنگھ کنہیا کا یہ قبضہ ۱۷۸۶ء تک رہا۔ سنسار چند نے کئی

بار قلعہ پر قابض ہونے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ انجام کار جے سنگھ کی فوج کو جب میدانوں میں شکست ملنے لگی تو وہ پہاڑی رقبہ سے پیچھے ہٹ گیا اور اس نے اپنے کچھ میدانی رقبہ کے عوض کانگڑہ کا قلعہ سنسار چند کو دے دیا۔ قلعہ پر قابض ہونے کے بعد سنسار چند کو پہاڑی رقبہ کا اعلیٰ و برتر حکمران تسلیم کر لیا گیا۔ اس نے جالندھر سرکل کی بارہ ریاستوں پر اپنی سرداری قائم کی اور انہیں اپنا باجگذار بنا لیا۔ اسی طرح اس نے پہاڑی راجاؤں کو بھی زیر کر لیا۔ اس نے ٹیرہ سوجانپور میں ایک بڑا دربار ہال تعمیر کیا جس میں گیارہ دروازے تھے۔ ہر ماتحت راجہ کے لئے داخلے کا علیحدہ دروازہ مقرر کیا گیا۔ سنسار چند کی شہرت نزدیک و دور ہر جگہ پھیل گئی۔ ایک ہندوستانی مورخ نے سنسار چند کے عہدِ حکومت کو کانگڑہ کا سنہری یگ قرار دیا۔ اس کے عہدِ حکومت میں پیشہ ور سپاہی، مصور، شاعر اور دوسرے عالم جوق در جوق کانگڑہ پہنچ گئے۔ اور سنسار چند نے انہیں اپنے دربار میں جگہ دی اور انعامات سے سرفراز کیا۔ کئی لوگوں نے اسے حاتمِ وقت اور بہادری میں رستمِ زماں قرار دیا۔ اس زمانہ کی مصوری کے کئی شاہکار کانگڑہ، ماباگراؤں، گلیر، نادون اور دوسرے رقبوں میں موجود ہیں۔

سنسار چند نے کئی خوبصورت محلات تعمیر کروائے، کئی باغات لگوائے۔ عالم پور کا باغ اسی نے لگوایا جو شالامار باغ کا نقشِ ثانی قرار دیا جاتا ہے۔ اپنے عہدِ حکومت کے ابتدائی دور میں اس کا بہت سا وقت نادون کے قریب امتر میں گزرا۔ نادون کے متعلق یہ مشہور ہے کہ "آئے گا نادون جائے گا کون"۔ سنسار چند نے ٹیرہ سوجانپور اور عالم پور میں بھی محلات تعمیر کروائے۔ وہ ۴۰ برس کسی خلل کے بغیر پہاڑوں میں برسرِ حکومت رہا۔ سنسار چند پنجاب میں ایک عظیم کٹوچ سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کے دربار میں "لاہور برابت" کے الفاظ تو گویا تکیہ کلام ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کی ہوسِ ملک گیری ہی اس کی بدقسمتی کا سبب بن گئی۔ وہ ۱۸۰۴-۰۳ء میں دوسری بار ہوشیارپور کے میدانی رقبہ میں بجواڑہ کی طرف حملہ آور ہوا۔ مگر اسے رنجیت سنگھ کے ہاتھوں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ میدانوں میں ناکامی کا سامنا کرنے کے بعد اس نے کہلور (بلاسپور) کی طرف فوج کا رخ موڑ دیا۔ اور اس ریاست کا کچھ رقبہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ یہی حملہ سنسار چند کی سلطنت کو ختم کرنے کا سبب بن گیا۔

اٹھارویں صدی کے آخری برسوں میں نیپال کے گورکھوں نے اپنی سلطنت ستلج تک وسیع کر لی۔ وہ نیپال سے کشمیر تک گورکھا سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے۔ گورکھوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے کہا کہ وہ درانیوں کو ملک سے باہر بھگانے میں اُن کا ساتھ دیں۔ مگر مہاراجہ نے گورکھوں کی کوئی مدد نہ کی۔ جس پر گورکھوں نے وادی کانگڑہ پر حملہ کر دیا۔ مگر انہیں پیچھے دھکیل دیا گیا اور دریائے ستلج درمیانی سرحد قرار پایا۔ یہ پوزیشن اُس وقت تھی جب سنسار چند نے کہلور پر حملہ کیا تھا۔ کہلور پر اُس کے حملے نے سارے راجاؤں کو ناراض کر دیا۔ وہ پہلے ہی سنسار چند سے نالاں تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے متحدہ محاذ اُس کے خلاف قائم کر لیا۔ اور راجہ بلاسپور کے ذریعے امر سنگھ تھاپا کو چٹھی بھیجی کہ وہ کانگڑہ پر حملہ کر دے۔

اِس سے کچھ پہلے رام پور کے برطرف شدہ نواب غلام محمد کے مشورہ پر اپنی فوج میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔ نواب غلام محمد اُن دنوں سنسار چند کے دربار میں موجود تھا۔ اُس کی تجویز کردہ تبدیلیوں کے سبب سنسار چند کی فوج بہت کمزور ہو گئی۔ جب گورکھوں کو اِس کا پتہ چلا تو اُنھوں نے ۱۸۰۶ء میں حملہ کر دیا۔ تمام راجاؤں نے گورکھا سردار کی مدد کا حلف لیا۔

اِس جگہ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اِس وقت تک کانگڑہ کو ترگیرت یا تری گرتھ ہنا کہا جاتا تھا۔ گورکھوں کے ساتھ پہلی جنگ محل موہریاں میں ہوئی جس میں سنسار چند کو شکست ہوئی اور اُسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ کچھ مدت بعد اُس نے اپنے کنبے سمیت کانگڑہ کے قلعہ میں پناہ لی۔ تب گورکھوں نے آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ وہ لگاتار چار برس تک وادی کانگڑہ کو لوٹتے رہے۔ یہ چار برس غارت گری اور تباہی کے برس تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب دہشت زدہ لوگ کانگڑہ کو چھوڑ کر نواحی ریاستوں میں چلے گئے۔ کئی بھاگ کر چمبہ پہنچ گئے۔ کئی جالندھر دوآب۔ تین برس تک مکمل لاقانونیت پھیلی رہی۔ حتیٰ کہ گھاس کا ایک ریشہ تک وادی کانگڑہ میں نہ اُگا۔ گھاس اب کانگڑہ کے شہروں اور قصبوں کی گلیوں، مکانوں کے آنگنوں، دیواروں اور چھتوں پر اُگ آئی تھی۔ نادون اور دوسرے شہروں کے گلی کوچوں میں شیرنیاں دھاڑتی تھیں۔ اور بے خوف و خطر اِدھر اُدھر منڈلاتی تھیں۔

قلعے کا محاصرہ جاری رہا۔ کسی نہ کسی طرح قلعہ کے اندر رسد پہنچتی رہی۔ آخر

گورکھوں نے قلعہ کا دریائی راستہ بھی کاٹ دیا۔ قلعہ میں بارہ برس تک کی خوراک کا انتظام موجود تھا۔ لیکن یہ تمام رسد تباہ ہو چکی تھی۔ اور سنسار چند اور اُس کی فوج لگاتار چار مہینے درختوں کے پتے اور گھاس پات کھاتے رہے۔ چار سال محاصرہ جاری رہا۔ اِس کے بعد سنسار چند نے مایوس ہو کر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے مدد کے لئے درخواست کی۔ مہاراجہ دو دفعہ کانگڑہ کے لئے روانہ ہؤا اور واپس آ گیا۔ تب سنسار چند نے گورکھوں سے ساتھ ہتھیار ڈالنے کی بات چیت شروع کی۔ اور شرط پیش کی کہ اگر وُہ اُسے اور اُس کے کنبہ کو دریائی راستے سے جانے دیں تو وُہ قلعہ خالی کر دے گا۔ دن کے وقت وُہ گورکھوں کو ایسی چیزیں بھیجتا رہا جو اُس کے لئے ضروری نہیں تھیں۔ لیکن رات کے وقت اسی اوٹ میں وُہ نئی رسد قلعہ میں لے آیا جو اُس کی فوج کے لئے کافی مدّت کام دے سکتی تھی۔ اور خود اُسی رات اپنے کچھ افسروں کے ساتھ قلعہ سے نکل گیا اور تیرہ سوجانپور پہنچ گیا۔ اُس نے ایک کسان کا بھیس بدل رکھا تھا۔ سوجانپور ہی سے اُس نے ایک بار پھر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے مدد کے لئے اپیل کی۔ چنانچہ مہاراجہ نے مئی ۱۸۰۹ء میں لاہور سے مارچ شروع کیا۔ گورکھوں کے ساتھ بات چیت ٹوٹ گئی۔ سکھوں کے پہنچتے ہی پہاڑی راجاؤں نے گورکھوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ سب سے پہلے جوالا مکھی پہنچا۔ جہاں سنسار چند اُسے ملا۔ بات چیت میں یہ قرار پایا کہ اگر مہاراجہ رنجیت سنگھ گورکھوں کو بھگا دے تو کانگڑہ کا قلعہ اُنہیں مل جائے گا۔ تب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مقدس شعلوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وُہ سنسار چند کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اِس مُعاہدہ پر دونوں نے اپنے خُون سے دستخط کیے۔ تاریخ ۵ ساون سمت ۱۸۶۶ بکرمی درج ہے۔ انگریزی حساب سے یہ اگست ۱۸۰۹ء کا زمانہ تھا۔ دونوں میں سے کوئی بھی اِس معاہدہ پر عمل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سنسار چند قلعے سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ وُہ خفیہ طور پر امر سنگھ تھاپا سے جا ملا اور کہا کہ قلعہ مجھے دے دو۔ اور اس طرح اُس نے قلعہ کو اپنے پاس رکھنے کا طریقہ نکالا۔

اگست ۱۸۰۹ء کو سکھ فوج کی آمد پر گورکھا فوج پیچھے ہٹ گئی۔ مگر سنسار چند یہ قلعہ مہاراجہ کو سونپنے میں تاخیر کرتا رہا۔ چنانچہ مہاراجہ نے سنسار چند کے بیٹے انرُدھ چند کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا۔ چنانچہ سنسار چند مہاراجہ کے پاس پہنچا۔ اور

Scanned with CamScanner

قلعہ انہیں سونپ دیا۔ مہاراجہ نے وادیٔ کانگڑہ کے ۶۶ زرخیز ترین دیہات اپنے پاس رکھ کر باقی کا رقبہ سنسار چند کو دینے کا وعدہ کیا۔ گورکھے ستلج کے پار چلے گئے۔ سنسار چند ۱۸۲۴ء میں مرگیا۔

۱۸۴۶ء میں سرزمین کانگڑہ کی تاریخ نے ایک نئے انداز میں انگڑائی لی۔ رفتارِ زمانہ نے کچھ نئی جھلکیاں چشمِ عالم کو پیش کیں۔ ۱۸۴۶ء میں سکھ دار ختم ہو چکی تھی۔ لاہور کے تخت پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ جالندھر دوآب کے علاوہ ستلج اور راوی کے درمیان کی پہاڑیاں بھی غیر ملکی تسلّط میں جا چکی تھیں۔ لیکن معاہدۂ لاہور کے باوجود کانگڑہ کے سکھ کمانڈنٹ کو قلعہ کی مضبوطی پر پورا بھروسہ تھا۔ اُس کا خیال یہ تھا کہ جس قلعے کو مغلِ اعظم اکبر دس برس کے طویل محاصرہ کے باوجود آسانی سے سر نہیں کر سکا تھا، اُس قلعہ پر انگریز بھی اپنا پرچم لہرا نہیں سکے گا۔ کوٹلہ کی سکھ فوج نے بھی کانگڑہ کی تقلید میں ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ جس پر انگریزی فوج کے ایک پورے بریگیڈ نے کانگڑہ کے قلعے کو محاصرہ میں لے لیا۔ رسد کی سپلائی کا سلسلہ کٹ گیا۔ کئی مہینے سکھ فوج گھاس پات کھا کر پیٹ بھرتی رہی۔ انجام کار اِس قلعہ کو سر کرنے کے لئے لُدھیانہ سے ایک توپ خانہ کانگڑہ لایا گیا۔ قبل اِس کے کہ خوفناک قسم کی مسلسل گولہ باری سے قلعہ کی دیواریں زمیں بوس ہو جاتیں، سکھ کمانڈنٹ نے یہ پیشکش کی کہ اگر اُسے باعزت طور پر نکل جانے کا راستہ دے دیا جائے تو وُہ ہتھیار ڈال دے گا۔ انگریز نے یہ شرط منظور کر لی۔ قلعہ کا پھاٹک کُھل گیا۔ سکھ باہر آئے۔ انگریز داخل ہو گئے۔ قلعہ پر قبضہ ہونے کے بعد ایک مقامی فوج مستقل طور پر وہاں بٹھا دی گئی۔ اِسی طرح ایک انگریز افسر کی قیادت میں ۸۰ جوانوں پر مشتمل فوجی دستہ کوٹلہ کے قلعہ میں بٹھا دیا گیا۔

یہی وُہ مرحلہ تھا جب انگریزوں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ کانگڑہ کی وسعتوں پر مُستقل طور سے اپنا تسلّط قائم کرنے کے لئے ایک ایسی فوج بھرتی کی جائے جو کانگڑہ ہی کے جنگجو لوگوں پر مشتمل ہو۔ اس فوج کی مدد سے علاقے پر تسلّط رکھنا بہت آسان ہو جائے گا۔ اِسی دَور میں سول ایڈمنسٹریشن کے اعتبار سے وادیٔ جسواں کو چھوڑ کر ستلج اور راوی کے درمیان سارے پہاڑی رقبہ کو ایک الگ ضلع بنا دیا گیا۔ لیفٹننٹ لیک اسسٹنٹ کمشنر کو اِس رقبہ کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

۱۸۴۷ء میں انگریزوں کو یہ احساس ہوا کہ کانگڑہ کی وسعتوں پر اس کی سُندر گھاٹیوں اور پہاڑیوں پر امن وسکون کی پریوں نے مستقل طور سے اپنے پنکھ پھیلا دئے ہیں۔ اس لئے اب یہاں فوج کی اتنی ضرورت نہیں رہی جتنی پہلے تھی۔ اسی خیال کے تحت کانگڑہ پر جو فوج قابض تھی، وہ واپس بلالی گئی۔ کچھ پہاڑی دستے قائم کیے گئے۔ انہیں ٹریننگ دی گئی اور قلعہ کی نگہداشت انہی دستوں کو سونپ دی گئی۔ نورپور میں جو گورہ فوج مقیم تھی، اُسے بھی کم کر دیا گیا۔ اور صرف تین کمپنیاں وہاں رہ گئیں۔

انگریز مدبّروں کا ذہن درحقیقت کانگڑہ اور پنجاب کے ماحول کو سمجھنے اور عوام کے دلوں کی دھڑکنوں کو پہچاننے میں لڑکھڑا گیا تھا۔ اور اس کا نتیجہ کئی ایک دشواریوں اُلجھنوں اور پریشانیوں کی صورت میں رُونما ہوا۔ اپریل ۱۸۴۸ء ہی میں مُلتان میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ دُوسری سکھ وار شروع ہو گئی۔ انگریز جان گئے کہ مُلتان کی بغاوت کا اثر کانگڑہ پر بھی ہوگا۔ چنانچہ ہوشیارپور چھاؤنی میں مقیم ۲۸ ویں رجمنٹ کی تین کمپنیوں کو فوری طور پر کانگڑہ بھیج دیا گیا۔ اور قلعہ میں جو مقامی دستے تعینات تھے، انہیں قلعہ سے نکال کر وادیٔ کانگڑہ میں بھیج دیا گیا۔

مُلتان میں جو بغاوت پھوٹی تھی، وُہ دھیرے دھیرے پنجاب کے سارے میدانوں میں پھیل گئی۔ باغی سکھ سرداروں نے اس مرحلہ پر اپنے ایلچی پنجاب کے پہاڑی راجاؤں کے پاس بھیجے۔ اور انہیں یہ کہلا بھیجا کہ اب دھرم کا سوال ہے۔ دیش کا سوال ہے۔ مندروں اور گوردواروں کا سوال ہے۔ گئو، براہمن، وید اور گرنتھ کی عزّت کا سوال ہے۔ اگر اب ہم نے متحد ہو کر فرنگی کا مقابلہ نہ کیا تو ہماری تہذیب اور ہماری سنسکرتی ہمیشہ کے لئے مِٹ جائے گی۔ پنجاب میں سِکھ ہی باقی رہیں گے نہ ہندو۔ ان ایلچیوں کے ذریعے باغی سکھ سرداروں نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر ہمیں متحدہ جنگ میں فرنگی پر فتح حاصل ہو گئی تو لاہور دربار کانگڑہ کے معاملات میں کوئی دخل نہیں دے گا۔ لاہور اور کانگڑہ دونوں الگ الگ آزادانہ طور پر اپنی اپنی جگہ ترقی کریں گے۔ پہاڑی راجاؤں نے جواب میں یہ لکھا کہ اب جو نیا دشمن سامنے آیا ہے وُہ پنجاب اور کانگڑہ کا مشترکہ دشمن ہے۔ اور اُس کا مقابلہ کرنے میں پنجاب اور کانگڑہ کا امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ باہمی جھگڑے اور تنازعے ہم مشترکہ دشمن کو شکست دینے کے بعد خود ایک جگہ بیٹھ کر طے کر

دیتے گئے۔ انگریز کے ساتھ فیصلہ کن جنگ سے قبل شرطیں پیش کرنا اور منوانا سودا بازی کے جذبہ سے کام لینا راجپوتوں کا شعار نہیں۔ ہماری تلواریں، ہمارا خزانہ اور ہمارے جوان باغی سکھ سرداروں کی پشت پر ہیں۔

سکھ ایلچیوں کی واپسی کے بعد کانگڑہ کے راجاؤں نے خود آپس میں نامہ و پیام کا تبادلہ کیا۔ انگریزوں کے خلاف بغاوت کا جھنڈا اگست ۱۸۴۸ء میں ایک پٹھانیہ راجپوت رام سنگھ نے بلند کیا جو نور پور کے سابق راجہ کے وزیر کا لڑکا تھا۔ رام سنگھ جموں کی پہاڑیوں سے ۵۰۰ جنگجو ڈوگرے اکٹھے کر لایا جنھوں نے رات کے وقت دریائے راوی کو پار کیا اور آگے بڑھ کر شاہ پور کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی رات نواحی بستیہ کے نمائندوں کا ایک وفد رام سنگھ سے قلعہ میں ملا جنھوں نے یقین دلایا کہ ہم تہ دل سے تمہارے ساتھ ہیں۔ چنانچہ سارے علاقہ میں ڈھول بجا کر یہ منادی دے دی گئی کہ پنجاب سے انگریز کا راج ختم ہو گیا ہے۔ آج سے مہاراجہ دلیپ سنگھ پنجاب کا بادشاہ ہوگا۔ بیر سنگھ کا بیٹا جسونت سنگھ آج سے نور پور کا راجہ ہے۔ رام سنگھ نے خود نور پور کے راجہ کا وزیر ہونے کا اعلان کر دیا۔ رام سنگھ کی غلطی یا اُس کے سیاسی شعور کی عدم پختگی کے سبب بغاوت کی یہ خبر کانگڑہ سے پہلے ہوشیار پور میں انگریزوں تک پہنچ گئی۔ چنانچہ ایک بریگیڈ گورہ فوج شاہ پور بھیج دی گئی جس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ انگریزوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اُن کے پاس توپ خانہ بھی تھا۔ اس کے برعکس رام سنگھ کی قیادت میں لڑنے والے ۵۰۰ ڈوگروں کے پاس صرف برچھیاں بھالے اور بارود کی بندوقیں تھیں۔ چنانچہ اُنھوں نے خیریت اسی میں خیال کی کہ رات کے وقت چپکے سے قلعہ کا پھاٹک کھول کر انگریزوں کی فوج کے ایک حصہ پر حملہ کر کے بھاگ جائیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ رات کے وقت ڈوگرہ باغی انگریزوں کی فوج کو بھاری نقصان پہنچانے کے بعد بھاگ گئے اور اُنھوں نے نور پور کے قریبی جنگل میں ایک جگہ مورچے سنبھال لئے۔ کچھ دنوں کے بعد انگریز کمشنر مسٹر جے لارنس اور ڈسٹرکٹ آفیسر بارنیز بھاری فوج اور کمک لے کر پہنچے۔ اُنھوں نے بھرپور حملہ کیا۔ گھمسان کی لڑائی کے بعد رام سنگھ اپنے جانبازوں کے ساتھ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور وہ راستہ میں انگریزوں کی کتنی ہی چوکیوں کو لتاڑتا ہوا رسول کے سکھ کیمپ میں پہنچ گیا۔ رام سنگھ کے ساتھ اُس کے اپنے خاندان

سکے ۱۰۰ اور راجپوت جیالے بھی رنبول جا پہنچے۔

اسی برس ماہ نومبر میں چار پانچ سو چھاپہ مار سکھوں کے ایک گروہ نے گورداسپور کے ڈسٹرکٹ میں پٹھانکوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس گروہ کا لیڈر لبھا و اسنگھ تھا۔ مگر یہ بغاوت ختم ہونے سے پہلے ہی انگریزوں کو یہ خبر ملی کہ ضلع کانگڑہ کے مشرقی حصہ میں راجہ پرمودھ چندر کٹوچ نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کے حق میں بغاوت کر دی ہے۔ اور وُہ مہاراجہ کا پرچم لے کر پنجاب کے میدانوں کی طرف بڑھا آرہا ہے چنانچہ کانگڑہ کے ڈپٹی کمشنر کو، جو لبھا وا سنگھ کا مقابلہ کرنے کے لئے پٹھانکوٹ آیا ہُوا تھا، برق و باد کی رفتار سے کانگڑہ پہنچنے کا حکم دیا گیا۔ تین پہاڑی کمپنیاں اُس کے ہمرکاب تھیں۔ ڈپٹی کمشنر ابھی کانگڑہ پہنچنے نہیں پایا تھا کہ جسواں اور داتارپور کے راجاؤں اور سکھ گرو بھی بکرم سنگھ نے وادی جسواں میں ہری پور سے لے کر روپڑ تک سارے رقبہ میں مہاراجہ دلیپ سنگھ کے نام پر بغاوت کا پرچم لہرا دیا۔ چنانچہ انگریز کمشنر لارنس خود چیدہ ترین دستوں کے ساتھ مقابلے پر نکلا۔ اسی دوران راجہ پرمودھ چندر کٹوچ محل موہری سے ٹیرہ تک پیش قدمی کر چکا تھا۔ اُس نے اپنے بزرگوں کے تمام مقامات انگریزی فوج سے چھین کر وہاں اپنی قلعہ بندیاں کر لی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے رعیہ اور اکھیمان پور کے قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ ان قلعوں سے سکھوں کی توپیں اور گولہ بارُود ابھی انگریزوں نے ہٹایا نہیں تھا۔ اس لئے یہ سارا ساز و سامان راجہ پرمودھ چندر کے ہاتھ لگا۔ رعیہ کے قلعہ سے ۲۱ توپیں داغ کر لوگوں کو خبر دے دی گئی کہ اُن کا علاقہ آزاد ہو چکا تھا۔ ڈسٹرکٹ آفیسر نے راجہ پرمودھ چندر کے پاس اپنا ایلچی بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر وُہ سکھوں کی حمایت سے باز آ جائے، محل موہری واپس چلا جائے، اپنی فوج کو ختم کر دے۔ تو گورنمنٹ اُسے معاف کر دے گی اور اُس کی جاگیر بحال کر دے گی۔ مگر یہ پیشکش راجہ پرمودھ چندر نے نامنظور کر دی۔ چنانچہ کٹوچ فوج اور انگریز کا مقابلہ ٹیرہ سے ۱۰ میل دُور دریا کے کنارے ہُوا۔ کٹوچ تعداد میں کم تھے۔ اُن کے پاس اُس وقت توپیں نہیں تھیں۔ چنانچہ وُہ شکست کھا گئے۔ راجہ پرمودھ چندر کو دو دن بعد قیدی بنا لیا گیا اور رعیہ کے قلعہ کو زمیں بوس کر دیا گیا۔

لارنس کی فوج نے اس کے بعد وادیٔ جسواں پر حملہ کیا۔ انگریزی توپ خانہ نے بیک وقت اَمب اور کھرورٹ کے قلعوں پر گولہ باری شروع کی۔ جسواں اور داتارپور کے راجاؤں کو قیدی بنا لیا گیا۔ اُن کے محلات کو آگ لگا دی گئی اور وُہ زمیں بوس کر دیئے گئے۔ کرنتھی بیدی بکرم سنگھ نے راجاؤں کے ساتھ یہ سلوک ہوتے دیکھا تو وُہ ڈر کر سکھوں کے کیمپ میں چلا گیا۔ بیدی بکرم سنگھ کرنتھی کی جاگیر بھی ضبط کر لی گئی اور اُس کے محلات کو بھی زمیں بوس کر دیا گیا۔

جنوری ۱۸۴۹ء میں رام سنگھ نے سکھ کمانڈر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وُہ اُسے پانچ پانچ سو جوانوں پر مشتمل دو سکھ رجمنٹیں مہیا کرے تاکہ وُہ ایک بار پھر پہاڑوں میں انگریزوں کے خلاف کارروائی کر سکے۔ یہ دو سکھ پلٹنیں لے کر رام سنگھ پٹھانیہ نے ڈلا کی بلندیوں پر ایک مضبوط جگہ اپنی پوزیشنیں قائم کر لیں۔ یہ مقام کم و بیش ناقابلِ تسخیر تھا۔ اس جگہ رام سنگھ پٹھانیہ کے مقابلہ میں وہیلر کو ایک بھاری فوج دے کر بھیجا گیا۔ یہ انگریز فوج ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس تھی۔ گھمسان کی لڑائی کے بعد رام سنگھ کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ انگریز فتح گجرات کے بعد بھاری تعداد میں فوجیں سمیٹ کر کانگڑہ کی پہاڑیوں میں لے آئے۔ اُنہوں نے تمام باغی راجاؤں کو گرفتار کر لیا۔ کئی ایک کو جلاوطن کر کے المُوڑہ بھیج دیا گیا۔ رام سنگھ سنگاپور میں منتقل کر دیا گیا۔ کانگڑہ کے اس محاصرے کے دوران کوئی بھی ایسا قابلِ یا کوئی برگزیدہ راجہ یا ٹھاکر ایسا نہیں تھا جسے انگریزوں نے گرفتار نہ کیا ہو۔ صرف ایک کنوڑچ سردار پہاڑ چند کی گرفتاری عمل میں نہ لائی جا سکی۔

جب ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے مختلف حصّوں میں بغاوت پھوٹ پڑی تو انگریزوں نے محسوس کیا کہ کانگڑہ اور نورپور کے قلعوں میں مضبوط فوج رکھی جانی چاہیے۔ انگریزوں میں کانگڑہ کے جانبازوں نے اتنی دہشت پیدا کر دی تھی کہ اُنہیں نورپور کے قلعہ میں ۱۸۹۷ء تک فوج رکھنا پڑی۔ کانگڑہ کے ڈپٹی کمشنر ٹیلر کو اس دوران ہزاروں انگریز جوانوں کو پہاڑی درّوں، دریائی گھاٹوں اور کشتیوں کی نگرانی کے لئے تعینات کرنا پڑا۔ پہاڑی راجاؤں میں ایک بار پھر بے چینی پیدا ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے نیرہ کے راجہ پرتاپ چند نے انگریزوں کے خلاف باغیانہ سرگرمیاں

Scanned with CamScanner

شروع کیں۔ چنانچہ میجر لیک نے شہرہ کے کوتوال تھانیدار کو ہٹاکر ایک مسلمان کو مقرر کیا۔ اور اُسے یہ کہا گیا کہ وہ راجہ کے محلات میں روا رکھی جانے والی تمام سرگرمیوں کی اطلاع مہیا کرے۔ اسی دوران کُلو کے سابق راجہ ٹھاکر سنگھ نے بھی بغاوت کر دی چنانچہ اسسٹنٹ کمشنر میجر ہے (HAY) نے راجہ پرتاپ چندر اور اُن کے پانچ برگزیدہ ساتھیوں کو پکڑ کر پھانسی دے دی۔ سولہ اشخاص کو عبور دریائے شور کی سزا دی۔ راجہ کے قلعہ سے برآمد شدہ گولہ بارود تلف کر دیا گیا۔ انگریزوں اور عوام میں اُس وقت کشیدگی کا یہ عالم تھا کہ دھرمسالہ اور دوسرے کئی رقبوں میں ہر گھر پر دس دس بارہ بارہ مسلح پولیس والوں کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اس مقصد کے لئے ایک نئی پولیس بھرتی کی گئی تھی۔ جب جہلم اور سیالکوٹ میں مقامی فوج کے باغی ہونے کی خبر کانگڑہ پہنچی۔ تو میجر ٹیلر نے کانگڑہ کی مقامی چوتھی انفنٹری کو پولیس بٹالین کی مدد سے غیر مسلح کر دیا۔ اسی رات میجر ٹیلر ایک پولیس بٹالین اور ایک سکھ رسالہ کے ساتھ نور پور پہنچ گیا تاکہ وہاں بھی مقامی فوج کو غیر مسلح کر سکے۔ مگر میجر ٹیلر کی آمد سے پہلے نور پور کی مقامی فوج اپنے کمانڈر کی استدعا پر رضاکارانہ طور سے ہتھیار ڈال چکی تھی۔ اس طرح ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۸ء تک کا بارہ سالہ طوفانی دور کچھ اس انداز میں ختم ہوا کہ کانگڑہ کے تمام برگزیدہ راجاؤں اور ٹھاکروں کو یا تو پھانسی دی جا چکی تھی، جلاوطن کیا جا چکا تھا یا اُنہیں جیل خانوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ اُن میں سے بیشتر کے آبائی محلات گرا کر اُن پر ہل چلائے جا چکے تھے۔ یہ بارہ سالہ دور کانگڑہ کی تاریخ میں ہندو سکھ یک جہتی اور جنگِ آزادی میں کانگڑہ کے ڈوگروں کی قربانیوں کا ایک لاثانی دور تھا جسے مستقبل کا مورخ کسی بھی حالت میں نظر انداز نہیں کر سکے گا۔

۱۹۰۵ء کا قیامت خیز زلزلہ

کانگڑہ کی تاریخ میں ۴ اپریل ۱۹۰۵ء کا دِن منحوس ترین تھا جب صبح ۶ بجے ساری کی ساری دھرتی یکایک لرز اٹھی! خوفناک آوازیں پیدا ہوئیں جو کتنی ہی دیر پہاڑوں میں گونجتی رہیں۔ اور ایک کے بعد دوسری چوٹی سے ٹکراتی رہیں۔ ان آوازوں میں شامل تھا پہاڑوں پر سے دیو قامت چٹانوں کے لڑھکنے اور ہزاروں مکانوں کی چھتوں اور دیواروں کے بیک وقت گرنے اور زمیں بوس ہونے کا شور!

تین یا چار سیکنڈ کے وقفہ کے بعد دو جھٹکے آئے اور اِن دو ہی جھٹکوں میں سینکڑوں دیہات ملبے کے اُونچے اُونچے تودوں میں تبدیل ہو گئے۔ سارے کا سارا منظر چند لمحوں میں بدل گیا۔ ایک لمحہ پہلے جہاں بستیاں تھیں، دُوسرے ہی لمحہ وہاں لاشیں تھیں، مرتے ہوئے اِنسانوں کی بلبلاہٹ تھی۔ چیخیں تھیں۔ بربادی کا ایک ڈراؤنا منظر تھا۔ یہ سِلسلہ کانگڑہ کے ایک سرے سے لے کر انتہائی شمال میں لاہول اور سپیتی تک پھیلا ہُوا تھا۔ اِس بھونچال کے سبب کانگڑہ میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد سرکاری اندازہ کے مُطابق یوں تھی :-

نام رقبہ	اِنسان	گائے بیل	دُوسرے مویشی
کانگڑہ	۱۰۲۵۷	۵۴۹۴	۱۳۹۳۱
بھون	۶۹۴	-	-
کانگڑہ ٹاؤن	۶۴۵	-	-
بھاگسو	۵۸۳	-	-
چھاؤنی	۳۰۰	-	-
پالم پور	۳۵۳۰	۱۶۱۱	۷۹۴۸
راج گری	۹۱۰	۱۷۱	۲۳۰۹
بیج ناتھ	۸۷۳	۸۳۹	۳۴۴۲
ہمیرپور	۲۱۰	-	۳۲۵
دہرہ	۳۱۲	۱۶۸	۱۴۱۶
میزان	۱۸۳۱۴	۸۲۸۳	۲۹۳۷۱
کُلو	۸۲۷	۲۹۵۲	۷۶۴۰
سراج	۲۸۸	۱۶۴۹	۴۵۵۱
لاہول	۱۲	۲۵۵	۱۱
سپیتی	۰	۶۲	۷۲
میزان	۱۱۲۷	۴۹۱۸	۱۲۲۷۴
کُل میزان ہلاکت	۱۹۴۴۱	۱۳۲۰۱	۴۱۶۴۵

ککّلو میں ۱۷۰۵۸ مکانات مکمل طور پر برباد ہو گئے اور ۱۶۲۰۸ مکانات کو جزوی طور پر نقصان پہنچا۔

ککّلو کی مختصر تاریخ

ککّلو کا قدیم نام پہلی صدی قبل مسیح میں کلوتہ تھا۔ سنسکرت میں کلندہ درج ہے۔ ککّلو کی تاریخ کا آغاز ایک آدم خور راکشس تنڈی سے ہوتا ہے جو اپنی بہن ہڑمبہ کے ساتھ کلو کی پہاڑیوں میں رہتا تھا۔ اس راکشس قبیلے کے کچھ اور لوگ بھی آباد تھے۔ یہ راکشس لوگ اونچے اونچے پیڑوں پر مکان بنا کر رہتے تھے۔ اور ان مکانوں میں پہنچنے کے لئے سیڑھیاں لگائی جاتی تھیں۔ رات کے وقت راکشس لوگ یہ سیڑھیاں اوپر کھینچ لیتے تھے۔ جب پانڈو کلو کے رقبہ میں پہنچے تو بھیم سین نے تنڈی کو مار کر اس کی بہن ہڑمبہ کے ساتھ شادی کر لی۔ ہڑمبہ بھیم سین کو بہت شہزور دیکھ کر اس پر فدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس نے بھیم سین اور اپنے بھائی کی باہمی جنگ میں تنڈی کی کوئی مدد نہ کی اور تماشائی کے طور پر دونوں کو لڑتے دیکھتی رہی۔ بھیم سین کے ساتھ شادی کرنے کے بعد ہڑمبہ نے اپنی زندگی کے اطوار تبدیل کر لئے۔ وہ نیکی اور پارسائی کے راستہ پر چل پڑی۔ وہ کلو کے لوگوں کی نگہبان اور ان کی ملکہ بن گئی۔ اس نے گھٹوت کچھ جیسے عظیم بیٹے کو جنم دیا۔ چنانچہ اسی بناء پر کلو کی پہاڑیوں میں ایک دیوی کے طور پر اس کی پرستش کی جاتی ہے۔ ہڑمبہ اور اس کا بھائی تنڈی روہتانگ درہ کے جنوب میں اس جگہ آباد ہو گئے تھے جسے آج کل منالی کہتے ہیں۔

کلو میں ۱۵۰۰ء تک جو بادشاہ ہوئے، وہ اپنے نام کے ساتھ "پال" لکھتے تھے۔ اس کے بعد "سنگھ" لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ "سنگھ" بھی اپنے آپ کو "پال" بادشاہوں کا جانشین کہتے تھے اور انہی کے سلسلۂ نسب سے ان کا تعلق تھا۔ ۶۳۵ء میں ہیون سانگ کلو آیا۔ جس نے ملک کا نام کیولوتو (KIU-LU-TO) لکھا ہے۔ اس زمانہ میں منڈی اور سکیت کے علاقے بھی کلو میں شامل تھے۔

۰۰ چمبہ ترگیرت کا حصہ تھا۔ ایک رُوداد کے مطابق ۹۳۰ء میں جموں اور

بسوہلی نے باہم مل کر چمبہ پر حملہ کر دیا۔ جس کا مقابلہ چمبہ، کُلو اور کانگڑہ نے متحدہ طور پر کیا۔ بسوہلی کا قدیم نام سُومتا (SUMATA) تھا۔

ایک اور مملکت کِرا (KIRA) تھی۔ یہ لوگ بھی ڈوگری بھاشی تھے۔ اور اُنہوں نے بھی چمبہ کے خلاف جمّوں اور بسوہلی کی جنگ میں اپنی فوج بھیجی تھی۔ کِرا مملکت جموں اور کشمیر کے درمیان واقع تھی۔

فوج میں ڈوگروں کی اہمیت

سیکنڈ سکھ انفنٹری پی۔ ایف۔ ایف جب ابتدائی طور پر قائم ہوئی تو یہ ایک خالص ڈوگرہ فوج تھی۔ ۱۸۴۹ء میں جب پنجاب فرنٹیئر فورس قائم ہوئی تو ہر رجمنٹ میں ڈوگروں کے سکویڈرن اور کمپنیاں بنائی گئیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کی ایک ڈوگرہ فوج نے دِلّی کے محاصرہ میں بہادری کے جو جوہر دکھائے تھے، اُن کا بہت گہرا اثر فوجی جرنیلوں پر ہوا۔ چنانچہ ڈوگروں کی تین کلاس رجمنٹوں ۳۷، ۳۸ اور ۴۱ کے علاوہ ساری ہندوستانی فوج میں ڈوگروں کی کمپنیاں اور سکویڈرن بنائے گئے۔ جنگ سے پہلے اِن کی تعداد ۹ گھوڑسوار سکویڈرنوں اور ۳۹ پیدل کمپنیوں پر مشتمل تھی۔ ڈاکٹر سٹین (STEIN) کے ترجمہ راج ترنگنی جلد دوم صفحہ ۴۳۲ کے مطابق لفظ "ڈوگرہ" فوجی اصطلاح کے طور پر اُن راجپوتوں۔ براہمنوں۔ راٹھیوں اور ٹھاکروں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کانگڑہ۔ جمّوں۔ ہوشیارپور۔ شملہ کے کچھ حصے۔ گورداسپور اور سیالکوٹ کے ڈوگرہ بھاشی رقبوں میں آباد ہیں۔ جنگ کے بعد گھرتھوں اور گدیوں کو بھی ڈوگروں میں شمار کر کے ڈوگرہ رجمنٹوں میں بھرتی کیا گیا۔ ڈوگروں کی بھرتی زیادہ تر کانگڑہ سے عمل میں آتی رہی ہے۔ انڈین آرمی میں ڈوگروں کی تعداد (۷۰) ستّر فی صد تھی۔

ترگیرت (کانگڑہ پرانت) کے مشہور قلعہ جات

ترگیرت دیش میں پرانے راجاؤں کے مندرجہ ذیل اہم قلعے تھے جو آج بھی کھنڈروں کی شکل میں موجود اپنی پراچین عظمت اور بہادری کی یاد دلاتے ہیں:-

(۱) قلعہ کانگڑہ (۲) قلعہ پٹھیار (۳) قلعہ ہری پور (۴) قلعہ کوٹلہ (۵) قلعہ نورپور

Scanned with CamScanner

(۶) قلعہ مان کوٹ (مان بلنہ) - (۷) قلعہ سیبہ (۸) قلعہ کٹلہر (۹) قلعہ ٹیرہ سوجانپور (۱۰) قلعہ جوالی (۱۱) قلعہ ست گڑھ (۱۲) قلعہ مان گڑھ (۱۳) قلعہ رتن گری - (۱۴) قلعہ چندر بھان (۱۵) قلعہ سولہ سنگھی (ہمیرپور) -

چند اہم معلومات

تریگرت دیش (کانگڑہ پرانت) میں بھون (کانگڑہ) جوالامکھی بیجناتھ - چنت پورنی - باوا دیوٹ سدھ (ہمیرپور) پراچین مشہور مندر و مقدس مقامات ہیں - جوالامکھی - کانگڑہ بھون اور چنت پورنی میں درشنوں کے لئے نوراتروں کے دنوں میں ہزاروں یاتری آتے ہیں -

علاقہ کلو میں منی کرن کے مشہور گرم پانی کے چشمے ہیں - منالی کے قریب بھی گرم پانی کے چشمے ہیں جن میں وشسشٹ کنڈ اہم ہے - جوگندر نگر میں بڑا بھاری ہائیڈرو الیکٹرک پاور سٹیشن ہے جو پٹھانکوٹ سے بذریعہ ریلوے لائن (۱۰۲ میل) ملا ہوا ہے - یہاں سے تمام پنجاب اور جموں کو بجلی مہیا ہوتی ہے -

فہرست راجگان کانگڑہ

(از ۱۳۱۵ء لغایت ۱۸۲۳ء)

۱- جے سنگھ چندر	۱۳۱۵ء
۲- پرتھوی چندر	۱۳۳۰ء
۳- پرب چندر	۱۳۴۵ء
۴- روپ چندر	۱۳۶۰ء
۵- سنگار چندر	۱۳۷۵ء
۶- میگھ چندر	۱۳۹۰ء
۷- ہری چندر	۱۴۰۵ء
۸- کرم چندر	۱۴۱۵ء
۹- سنسار چندر	۱۴۳۰ء

۱۰- دیوا کر چندر	سنہ ۱۴۵۰ء
۱۱- نریندر چندر	سنہ ۱۴۶۰ء
۱۲- سُووِیر چندر	سنہ ۱۴۸۵ء
۱۳- پریاگ چندر	سنہ ۱۴۹۰ء
۱۴- رام چندر	سنہ ۱۵۱۰ء
۱۵- دھرم چندر	سنہ ۱۵۲۸ء
۱۶- مانک چندر	سنہ ۱۵۶۳ء
۱۷- جے چندر	سنہ ۱۵۷۰ء
۱۸- بردھی چندر	سنہ ۱۵۸۵ء
۱۹- ترلوک چندر	سنہ ۱۶۰۵ء
۲۰- ہری چندر	سنہ ۱۶۱۰ء
۲۱- چندر بھان چندر	سنہ ۱۶۳۵ء
۲۲- وِجے رام چندر	سنہ ۱۶۶۰ء
۲۳- اُودے رام چندر	سنہ ۱۶۸۷ء
۲۴- بھیم چندر	سنہ ۱۶۹۰ء
۲۵- عالم چندر	سنہ ۱۶۹۷ء
۲۶- ہمیر چندر	سنہ ۱۷۰۰ء
۲۷- ابھے چندر	سنہ ۱۷۴۷ء
۲۸- گھمبیر چندر	سنہ ۱۷۵۰ء
۲۹- گھمنڈ چندر	سنہ ۱۷۵۱ء
۳۰- تیغ چندر	سنہ ۱۷۷۴ء
۳۱- سنسار چندر	سنہ ۱۷۷۵ء
۳۲- انرودھ چندر	سنہ ۱۸۲۳ء

Scanned with CamScanner

ریاست جسوال

کانگڑہ کے ۴۳۹ ویں راجہ پدم چند کے چھوٹے بھائی راجہ پورب چند نے ریاست کانگڑہ کا علاقہ جسوان اپنے قبضہ میں لے کر ایک خود مختار ریاست قائم کی جسوان بہنے سے اس راجہ کا خاندان اور اولاد جسوال مشہور ہوئی۔ یہ راجہ ریاست کی راجدھانی راجپورہ بنا کر راج کرنے لگا۔ اور دوآبہ بست جالندھر اس نے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اور اس نے شاہانِ مغلیہ کی عظمت تسلیم کر لی۔ چنانچہ ۱۷۸۲ء تک اس ریاست کے حکمران دہلی کو خراج دیتے رہے۔ خراج دینا راجہ نرپت چند نے بند کیا۔ جب امید سنگھ ریاست جسوال کی گدی پر بیٹھا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس راجہ کو لاہور میں قید کر لیا تاکہ وُہ ریاست کے حقوق سے دستبردار ہو جائے۔ اُس نے ریاست چھوڑ کر رہائی پائی اور بارہ ہزار روپیہ کی سالانہ آمدنی کے صرف ۲۱ گاؤں (موجودہ ضلع ہوشیار پور) اُس کے قبضہ میں رہے۔

۱۸۴۶ء میں پنجاب کی حکومت پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو اِن پہاڑی راجاؤں کو، جن کی ریاستیں رنجیت سنگھ نے ضبط کر لی تھیں، اُمید ہو گئی کہ اُن کی پُرانی سلطنت بحال ہو جائے گی۔ لیکن اُن کی یہ اُمید پُوری نہ ہوئی۔ ۱۸۴۸ء میں اِن سب راجاؤں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی اور اس میں اُمید سنگھ بھی شامل ہو گیا۔ انگریزوں نے اُمید سنگھ اور اُس کے بیٹے جے سنگھ کو کماؤں میں جلاوطن کر دیا۔ راجہ جے سنگھ کا بیٹا راجہ رن سنگھ بھی قلعہ الموڑہ میں نظر بند کر لیا گیا۔ الموڑہ میں ہی راجہ رن سنگھ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام رگھوناتھ سنگھ رکھا گیا۔ رگھوناتھ سنگھ کو مہاراجہ رنبیر سنگھ والئ ریاست جموں و کشمیر نے اپنی دونوں راجکماریاں بیاہ دیں۔ مہاراجہ نے راجہ رن سنگھ کو قید سے چھڑایا اور اُس کی جاگیر ۲۱ دیہات کی انگریزوں سے واگذار کرا دی اور اپنی ریاست کے اندر بھی رامکوٹ جاگیر دی۔ رگھوناتھ سنگھ کو انگریزوں نے راجہ کا خطاب دیا۔ راجہ رگھوناتھ سنگھ اور اس کی اولاد کے تمام حالات تاریخ کے پچھلے صفحات پر ریاست منکوٹ کے ضمن میں آ چکے ہیں۔

ریاست گلیر

راجہ ہری چند والیٔ ریاست کانگڑہ جو کہ بانی خاندان کی ۵۶ویں پشت میں تھا کو ایک حادثہ پیش آیا۔ جب وہ جنگل میں شکار کھیل رہا تھا تو ایک کنوئیں میں گر پڑا۔ یہ کنواں جنگل کی خودرو جھاڑیوں اور گھاس میں ڈھنپا ہوا تھا۔ اس کے ہمراہی اسے تلاش کرتے واپس چلے گئے۔ جب کافی دن ہری چند واپس نہ لوٹا تو ریاست کے اہلکاروں نے خیال کیا کہ ہری چند کو کوئی جنگلی بلا چیتا وغیرہ کھا گیا ہے تو اس کے چھوٹے بھائی کرم چند کو کانگڑہ کا راج تلک دے دیا۔ بائیس روز کے بعد راجہ ہری چند کو بکریاں چرانے والوں نے کنوئیں سے باہر نکالا۔ اور جب اسے پتہ چلا کہ کانگڑہ کا راج اس کے چھوٹے بھائی کو دے دیا گیا ہے تو اس نے کانگڑہ کا رخ نہ کیا اور اپنے نام پر ایک نگر ہری پور کے نام سے آباد کیا۔ اور آس پاس کے دیہات کو اپنے قبضہ میں کر کے علیحدہ خود مختار ریاست کی بنیاد ڈالی جو ریاست گلیر کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور اس طرح ہری چند کی اولاد گلیریا کہلائی۔ ہری چند کی چھٹی پشت میں راجہ بلبھدر چند ہوا۔ جسے راجہ نورپور نے باروران جنگ قتل کر دیا۔ تو ریاست گلیر کا راج اس کے چھوٹے بھائی بلدیو چند کو ملا۔ لیکن نورپور کے راجہ نے اس پر پھر حملہ کیا اور ریاست گلیر پر اپنا قبضہ جما لیا۔ بلدیو چند نے کشمیر میں جا کر پناہ لی۔ کشمیر میں راجہ جے سنگھ حکمران تھا جو بلدیو چند کا بھانجا تھا۔ اس نے بلدیو چند کو اپنا سپہ سالار بنا لیا۔

راجہ ہری چند کی نویں پشت میں راجہ نریندر چند ہوا جس نے اپنے نانا راجہ منڈی سکیت کی امداد سے اپنی ریاست گلیر واپس لے لی اور کافی مدت راج کیا۔ راجہ نریندر چند کی گیارھویں پشت میں راجہ روپ چند والیٔ گلیر ہوا جسے شاہجہان نے بہادر کا خطاب دیا تھا۔ اسی راجہ نے شاہجہان کی فوجوں کی امداد کی تھی جب راجگان جموں، منکوٹ اور کانگڑہ کے علاوہ ڈوگرہ دیس کے دیگر راجگان بھی شاہان دہلی سے باغی ہو گئے تھے۔

راجہ روپ چند کے بیٹے راجہ مان سنگھ کو شاہجہان نے کانگڑہ پرانت کی تمام ریاستوں کا سردار بنا کر شیر افگن کا خطاب دیا تھا۔ اسی راجہ کے عہد میں گلیر میں

چترکاری کلا کا آغاز ہوا۔ اور اس راجہ نے کلا کی سرپرستی کی۔ یہ کلا راجہ گوردھن چند کے وقت کافی عروج پر رہی۔

راجہ مان سنگھ کی پانچویں پُشت میں راجہ گوردھن چند گلیر کا راجہ ہوا۔ اس کا زمانہ جموں کے راجہ رنجیت دیو کا ہے۔ جب اس کا پوتا بھوپ سنگھ وارث تخت ریاست گلیر ہوا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ والیٔ پنجاب کے زیرِ عتاب آ گیا۔ جسے ۱۸۱۳ء میں ریاست کے حقوق سے دست بردار ہونا پڑا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اسے بیس ہزار روپیہ کی جاگیر دیئے جانے کا حکم دیا تو اُس نے انکار کر دیا۔ آخر یہ جاگیر اُس کی رانیوں کے نام کر دی۔ جب انگریزوں کا پنجاب پر قبضہ ہوا تو انہوں نے جاگیر بھوپ سنگھ کے بیٹے شمشیر سنگھ کو راجہ کا خطاب دے کر دے دی۔ اور اُسے اپنی جاگیر میں تھوڑے بہت اختیارات بھی عطا کیئے۔ راجہ شمشیر سنگھ لاولد مرا تو اُس کے چھوٹے بھائی راجہ جے سنگھ کو تمام جاگیر منتقل ہو گئی۔ راجہ جے سنگھ کا فرزند راجہ رگھوناتھ سنگھ اور اُس کے بعد راجہ بلدیو سنگھ جاگیردار تھا۔ گلیر کی راجدھانی ہری پور ضلع کانگڑہ کی ایک تحصیل تھی۔

ریاست سیبہ۔ ڈاتا پور اور نادون

سیبہ

ریاست گلیر کے بانی راجہ ہری چند کی پانچویں پُشت میں راجہ گیان چند ہوا۔ جس کے چھوٹے بھائی راجہ بہین چند نے دریائے بیاس کے کنارے جانب مغرب قلعہ سیبہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ قلعہ اُس کے دادا راجہ سُوبرن چند نے بنوایا ہوا تھا۔ تو راجہ بہین چند اس قلعہ پر قبضہ کر کے گرد و نواح کے علاقہ پر حکومت کرنے لگا۔ اور ایک خود مختار ریاست سیبہ کے نام سے قائم کر لی۔

راجہ سوبرن چند والیٔ ریاست گلیر کی ۲۳ ویں پُشت کے راجہ بھوپ سنگھ نے ۱۸۰۸ء میں سیبہ کے راجہ گوبند سنگھ سے ریاست چھین لی۔ اور دس سال اپنے قبضہ میں رکھی۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ریاست گلیر پر قبضہ کیا تو سیبہ کا علاقہ گوبند سنگھ کو واپس مل گیا۔ پنجاب کی پہاڑی ریاستوں میں یہی ریاست رنجیت سنگھ کی دست بُرد سے بچی رہی۔ گوبند سنگھ کے بعد اُس کا بیٹا رام سنگھ گدی نشین ہوا۔ رام سنگھ کے لاولد انتقال پر ریاست سیبہ دیوی سنگھ کے خاندان میں آ گئی۔ دیوی سنگھ کا بیٹا بجے سنگھ

تھی جس کی دختر مہاراجہ رنبیر سنگھ والئی جموں و کشمیر نے بیاہی تھی۔ اس کے بطن سے جموں کے مہاراجہ پرتاپ سنگھ۔ راجہ رام سنگھ اور راجہ امر سنگھ ہوئے۔ رنجیے سنگھ مدت تک ریاست جموں میں وزیر وزارت کے عہدہ پر مامور رہا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کی سفارش پر نیچے سنگھ کو راجہ کا خطاب ملا اور ریاست بھی اُس کے نام منتقل ہوگئی۔ اُس کے بعد یہ ریاست اُس کے بیٹے جے سنگھ کو ملی۔ اب یہ ضلع کانگڑہ کے تحت ہے۔

ریاست داتار پور

راجہ مانک چند والئی ریاست سیبہ کے تیسرا بیٹا لکھو چند جو سیبہ کی راجدھانی ڈاڈہ کا جاگیردار تھا۔ اسی ڈاڈہ کی نسبت سے اُس کا خاندان ڈڈھوال مشہور ہوا۔ لکھو چند کی تیسری پُشت میں راجہ داتار چند نے اپنے نام پر داتار پور آباد کر کے اپنی علیحدہ خود مختار ریاست بنا لی۔ اور پُشت در پُشت اِس خاندان کے دس راجے داتار پور پر حکومت کرتے رہے۔ دسویں راجہ کا نام راجہ گوبند چند تھا جس کی وفات کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے صرف چار ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر اُس کے بیٹے جگت چند کے پاس رہنے دی اور باقی علاقہ ضبط کر لیا۔ جگت چند کے بڑے بیٹے دیوی چند نے انگریز سرکار سے بغاوت اختیار کی۔ اور اُسے معہ اُس کے باپ راجہ جگت چند کے قلعہ الموڑہ میں نظر بند کر لیا۔ اور کچھ مدت بعد رہا کر دیے گئے۔ راجہ جگت چند کاشی جی چلا گیا اور وہیں وفات پائی۔ راجہ دیوی چند ریاست منڈی میں رہنے لگا۔ سرکار انگریزی نے اُسے یک صد روپیہ ماہوار گذارہ لگا دیا۔ اُس کا بیٹا سُورم چند جموں میں چلا آیا اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کی فوج میں بھرتی ہو کر جرنیل کے عہدہ پر پہنچا۔ اِس خاندان سے آج کل ٹکا اُدے بھانو چندر اپنا زراعتی کاروبار کرتا ہے۔ اِس کی خاندان جسوال یعنی رامکوٹ (جموں) کے راجہ چھمن سنگھ کی بڑی لڑکی سے شادی ہوئی تھی۔ وُہ آج کل ہوشیار پور میں رہتا ہے۔

نادون

راجہ سنسار چند والئی کانگڑہ کے بیٹے جودھ بیر چند کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ایک لاکھ روپیہ کی علیحدہ ریاست دے کر راجہ کا خطاب دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد جب سکھوں اور انگریزوں میں لڑائیاں ہونے لگیں مسٹر رہکن شملہ ہلز کے انگریز سپرنٹنڈنٹ نے جودھ بیر چند کو انگریزوں کا ساتھ دینے کے لیے مشورہ دیا۔ سکھوں کی شکست کے بعد جب پنجاب پر انگریزی عمل دخل ہو گیا تو

Scanned with CamScanner

۲۷ ہزار روپیہ کی جاگیر اسے مستقل طور پر مل گئی۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا راجہ نریندر چند نادون کا وارث قرار پایا جسے آنریری جوڈیشل مجسٹریٹ کے اختیارات اپنے علاقہ میں حاصل ہوئے۔

ریاست سُکیت

اس ریاست میں بیر سین سے لے کر بھیم سین تک ۴۹ راجے ہوئے ہیں۔ ان راجاؤں کا خاندان چندربنسی ہے جو بنگال کے سین خاندان سے ہیں۔ تواریخ ریاست ہائے کوہستان پنجاب میں درج ہے کہ سنہ ۱۲۱۰ء میں راجہ شُور سین بنگال سے اپنی ریاست چھن جانے کے سبب پریاگ الہ آباد میں چلا آیا۔ جب وُہ مرگیا تو اُس کا بیٹا رُوپ سین وہاں سے نکل آیا۔ اور اُس نے اپنے نام پر دریائے ستلج کے کنارے رُوپڑ شہر آباد کیا۔ رُوپ سین چند سال بعد مسلمانوں کے حملہ میں جنگ کے دوران مارا گیا۔ اُس کے تینوں بیٹے بھاگ کر پہاڑوں میں جا گھسے۔ بڑے بیٹے بیر سین نے ریاست سکیت کی بُنیاد ڈالی اور خود مختار ریاست بنا کر راج کرنے لگا۔ بیر سین کی اولاد پُشت در پُشت اس پر حکمران رہی اور دسویں پُشت میں راجہ بجے سین ہوا جس کے دو بیٹوں ساہو سین اور باہو سین نے آپس میں ریاست بانٹ لی۔ بڑا بیٹا سکیت کا وارث اور چھوٹا منڈی کا بنا۔ بعد میں دونوں ریاستوں کا اتحاد نہ رہ سکا۔

جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد کنور نہال سنگھ نے جنرل ونتورا کو پہاڑی راجاؤں کی سرکوبی کے لئے بھیجا تو سکیت کے راجہ اگر سین نے اپنی فوج جنرل ونتورا کو دے دی۔ ساتھ ہی ۱۳۸۰۰۰ روپیہ بطور خراج اور ۸ ہزار روپیہ کے تحائف دے کر لاہور دربار کی خوشنودی حاصل کر لی۔ لیکن سنہ ۱۸۴۵ء و سنہ ۱۸۴۶ء کے دوران انگریزوں اور سِکھوں کی لڑائیوں میں اُس نے معہ راجہ منڈی انگریز کا ساتھ دیا تو الحاق پنجاب کے بعد سرکار انگریزی نے راجہ سکیت کو خود مختار راجہ تسلیم کیا اور راجگان سکیت کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں متبنیٰ بنانے کا حق دے دیا۔ اُس کے بیٹے راجہ اندر سین کی نااہلیت کی وجہ سے ریاست سکیت کا تمام انتظام ایک کونسل کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ اُس کا بیٹا اری مردن سین مر گیا۔ اس لئے سکیت کی راج گدی ڈسٹنٹ لکھندن سین کو مل گئی۔ اور اُس

کے بعد راجہ بھیم سین سکیت کا با اختیار وارث بنا۔

ریاست منڈی

ریاست ہائے منڈی اور سکیت ایک ہی خاندان کی دو ریاستیں ہیں۔ اس کا ذکر ریاست سکیت کے بیان میں آچکا ہے۔ ریاست منڈی کی بنیاد راجہ باہوسین نے ڈالی تھی۔ یہ راجہ اپنے بھائی ساہوسین سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ ۱۷۷۹ء میں راجہ ایشری سین منڈی کی گدی کا وارث بنا۔ اس کے عہد میں پہلے کانگڑہ کے راجہ، پھر گورکھوں اور اس کے بعد سکھوں نے اس ریاست پر پے در پے حملے کئے جس سے اس ریاست کا بہت سا حصہ نکل گیا۔ راجہ ایشری سین کانگڑہ میں بارہ سال تک نظر بند رہا۔ آخر ایک لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینے پر رہائی پائی۔ سنہ ۱۸۱۰ء میں دربار لاہور نے راجہ منڈی کو مجبور کیا کہ وہ خراج ادا کرے۔ چنانچہ کبھی تیس ہزار اور کبھی ایک لاکھ روپیہ ادا کیا جاتا رہا۔ اور اس کے بعد پچاس ہزار روپیہ سالانہ مستقل خراج رکھا گیا۔ جب راجہ ایشری سین کی سنہ ۱۸۲۶ء میں موت واقع ہوئی تو یہی خراج مقرر تھا۔ لیکن جب ایشری سین کے بعد راجہ ظالم سین منڈی کا حکمران بنا تو ۷۵ ہزار روپیہ سالانہ خراج کر دیا گیا۔ سنہ ۱۸۴۰ء میں سکھوں نے جنرل ونتورا کی کمان میں منڈی کو اپنے مطیع کر لیا۔ ظالم سین کے بیٹے راجہ بلبیر سین کو لاہور کو میں قید کر لیا گیا۔ لیکن دوسرے سال مہاراجہ شیر سنگھ والی پنجاب نے بلبیر سین کو رہا کر دیا۔ اور راجہ منڈی کے ذمہ ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپیہ سالانہ خراج لگایا گیا۔ سنہ ۱۸۴۶ء میں یہ ریاست براہ راست سرکار انگلشیہ کے تحت چلی گئی۔ اور اس کے حکمران امن وامان سے رہنے لگے۔

ریاست جُبّل

اس ریاست کے حکمران مہابھارت کے زمانہ کے مشہور راجہ وراٹ کی اولاد میں سے ہیں جس کے پاس پانچوں پانڈووں نے اپنی جلاوطنی کا تیرھواں سال چھپ کر گزارا تھا۔ اس خاندان کا آخری راجہ سرمور میں حکومت کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو اس کی حاملہ رانی ریاست سے باہر دور مقیم تھی۔ ارکان ریاست نے راجہ کو لاولد

سمجھ کر جیسلمیر کے راجکمار ہنس راج کے ہاتھ میں عنانِ حکومت دے دی۔ اور اگر چند کے بیٹے کرن چند نے جب وہ جوان ہوا، ریاست جبل قائم کی جبل شملہ سے ۵۶ میل کی دُوری پر ہے۔ کرن چند کی اولاد یہاں حکومت کرتی رہی۔

ریاست جبل ابتداء میں ریاست سرمور کی باجگذار تھی۔ گورکھوں سے لڑائی کے بعد یہ خود مختار بن گئی۔ ۱۸۱۵ء میں رانا پورن چند کو لارڈ موویرا نے سند عطا کی۔ لیکن بوجہ اُس کی نااہلیت کے ۱۸۳۲ء میں اُسے ریاست کے انتظامات سے دستبردار ہونا پڑا۔ ۱۸۵۴ء میں اُس کا بیٹا راجہ کرم چند حکمران بن گیا لیکن وُہ ریاست کے لوگوں کے لئے نہایت ظالم ثابت ہوا۔ ۱۸۷۷ء میں رانا پدم چند نے حکومت سنبھالی۔ یہ نہایت قابل اور اعلےٰ منتظم ثابت ہوا۔ اسی کے عہد میں ریاست جُبل کی تاریخ سنسکرت نظم میں لکھی گئی جو للت کاویہ کے نام سے مشہور ہے۔ اُس کے بعد اُس کا پوتا رانا بھگت چند حکمران بنا۔ اب یہ ریاست ہماچل پردیش میں شامل ہے اور اس ریاست کے عوام لوک راج سے مستفید ہو رہے ہیں۔

ریاست کُلو

ہماچل پردیش کی ریاستوں میں ریاست کُلو ایک شاندار ریاست تھی۔ یہاں راجپوت کلوال خاندان حکومت کرتا تھا۔ اور آج کل بھی یہ خاندان کُلو کے قرب وجوار میں آباد ہے۔ اصل میں یہ خاندان پونڈیر راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ راجگان کُلو کا سلسلہ مایاپوری کے راجگان سے ملتا ہے۔ مایاپوری ہردوار اور کنکھل کے درمیان بنام مایاپور مشہور ہے۔ اسی مقام پر دریائے گنگا سے نہر نکلی ہے۔ یہاں آج بھی کئی ایسے کھنڈرات موجود ہیں جو صاف پتہ دیتے ہیں کہ یہاں کسی وقت کوئی راجدھانی ہوگی۔ ریاست کُلو کی تواریخ کا سلسلہ "تواریخ ریاست ہائے کوہستان پنجاب" میں ملتا ہے جہاں کہ راجہ بھنگا منی پال کا بالتشریح ذکر کیا گیا ہے۔

خاندان راجگان کُلو عرف کلوال سورج بنسی پولست گوت خاندان پونڈیر سے ہے مہاراجہ رام چندر کے لیسر کُش کی پانچویں پشت میں ایک راجہ پونڈریک ہوا جس کے نام پر یہ خاندان پونڈیر کہلاتا ہے۔ خاندان پونڈیر کے ڈیڑھ ہزار کے قریب گدی نشین

سہارن پور میں اور ملحقہ ریاستوں میں تھے۔ اور یہ سب گاؤں بوقت انعقاد ایکٹ ۱۸۳۳ء ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اور بھنگا سین پال نے کُلو کو راجدھانی بنا کر امن و امان سے حکومت کی۔ اور کئی پشتوں تک یہ حکومت چلی۔ پھر یہ حکومت داسی پُتر (سنرورٹہ) خاندان میں منتقل ہوگئی۔ مہاراجہ پرتھوی راج چوہان نے اسی خاندان پونڈیر میں شادی کی تھی۔ پرتھوی راج راسہ میں ایک چاند پونڈیر کی بہادری کا ذکر نمایاں الفاظ میں کیا گیا ہے جس نے شہاب الدین محمد غوری کے حملوں میں پرتھوی راج چوہان کا ساتھ دیا تھا۔ اسی چاند پونڈیر کی بہن مہارانی پونڈیر کے نام سے موسوم ہے۔ تواریخ ریاست کُلو میں اس خاندان کے حالات مفصل درج ہیں۔

ریاست بگھاٹ

ریاست بگھاٹ کا مورث اعلیٰ راجہ ہری چند پرمار دھارا نگری سے پنجاب میں آیا۔ اس نے پرگنہ کیتھل کے محالدار کو قتل کر کے اپنا قبضہ جمایا۔ اس کی تیسری پشت میں رانا ہنس پال ہوا جس نے بھاد لی۔ بساہلی اور بھوچالی تین پرگنے اپنے زیرنگیں کر لئے۔ پھر رانا بھوانی پال نے بچھڑانگ۔ کسولی۔ باسل گھاٹ اور ٹکسال وغیرہ کو قبضہ میں کر کے اپنے راج کو وسعت دی۔ اس وقت اس ریاست کے اندر بارہ گھاٹ موجود تھے۔ اس لئے اس ریاست کا نام بگھاٹ مشہور ہوا۔ گورکھوں کی بارہ سالہ حکومت کے دوران رانا مہندر سنگھ والیٔ بگھاٹ اپنی ریاست پر بلا شرکت غیرے قابض رہا۔ کیونکہ یہ راجہ بلاسپور کا دوست تھا۔ جس کی ترغیب سے گورکھوں نے جمنا پار تک اپنی فتوحات کو وسعت دی تھی۔ جب جنرل اختر لونی نے گورکھوں کو یہاں سے نکالا۔ تو رانا مہندر سنگھ اپنے دوستوں کا طرفدار رہا۔ اس نے سرکار انگلشیہ کے پانچ پرگنے چھین کر مہاراجہ پٹیالہ کو دے دئے۔ اور باقی تین پرگنے ۱۸۳۹ء میں رانا مہندر سنگھ کے مرنے پر انگریزوں نے ضبط کر لئے۔ لیکن ۱۸۴۲ء میں لارڈ ایلن برا نے اُمید سنگھ کی درخواست پر بجے سنگھ کو یہ ریاست دے دی جو مہندر سنگھ کا حقیقی بھائی تھا۔ ۱۸۴۹ء میں بجے سنگھ کی وفات کے بعد ریاست بگھاٹ انگریزوں نے ضبط کر لی لیکن اُمید سنگھ نے اپنے لئے دعوے کیا۔ ایک وکیل لنڈن بھیجا گیا۔ جس نے مشہور بیرسٹر مسٹر آئزک بٹ

کی خدمات حاصل کیں۔ آخر کار سنہ ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ کی سفارش پر امید سنگھ کی درخواست منظور ہو گئی۔ لیکن یہ خوشخبری سن کر وہ شادی مرگ ہو گیا۔ اس کا بیٹا دلیپ سنگھ دلیپ سنگھ بگھاٹ کا رانا بنایا گیا جس کی عمر اس وقت صرف دو برس تھی۔ پرگنہ کسولی جہاں انگریزوں کی چھاؤنی تھی، رانا بگھاٹ سے ساڑھے پانچ ہزار روپیہ سالانہ اجارہ پر لے لیا گیا۔ لیکن جب [illegible] ریاست واپس کی گئی تو یہ شرط نہیں رکھی گئی۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں سولن کی چھاؤنی پانچ سو روپیہ سالانہ پر رانا صاحب نے انگریزوں کو دے دی تھی۔ اس ریاست کے بڑے حصہ کے حقوق مالکانہ ایک جرنیل انیس نے بھی خرید کر رکھے تھے۔ جسے رانا بگھاٹ نے ۳۵ ہزار روپے دے کر اپنے حقوق واپس لے لئے۔

ریاست بگھاٹ شملہ ہلز کی ریاستوں میں ایک اہم درجہ رکھتی ہے۔ آج کل یہ ہماچل پردیش میں شامل ہے اور اس کا ریاستی رتبہ ختم ہو چکا ہے۔

ریاست سرمور

یہ ریاست زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے۔ تیرھویں صدی سے پہلے ریاست سرمور کے حکمران زمانہ مہابھارت کے راجہ وراٹ کے خاندان سے تھے۔ اس خاندان کا آخری راجہ اوگرچند والئی سرمور تھا۔ ایک روایت ہے کہ راجہ کے دربار میں ایک شعبدہ باز عورت اپنے کرتب دکھانے لگی تو راجہ نے اس کے کھیلوں سے خوش ہو کر کہا کہ اگر تم دریائے گری میں لوکر اور پوکر کے درمیان رسہ باندھ کر اسے عبور کر جاؤ تو میں تمہیں اپنی نصف ریاست دے دوں گا۔ اس بھان متی بانٹنی عورت کو اپنے کرتب پر بھروسہ تھا۔ اس نے شرط مان لی اور رسہ ڈلوا کر دریا عبور کر گئی۔ جب اسی رسہ سے واپس آرہی تھی تو راجہ کے اہلکاروں نے اس خیال سے کہ آدھی ریاست ہاتھ سے جا رہی ہے، رسے کو کاٹ دیا۔ بھان متی دریا میں گر کر غرق ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ اس بھان متی کی بددعا سے رات کو دریا میں اس قدر سیلاب آیا کہ راجہ مع اہلکاران سیلاب کی نذر ہو گیا اور اس کی ریاست کا بہت سا حصہ بھی غرق ہو گیا۔ باقی ریاست میں آپا دھاپی اور افراتفری پیدا ہو گئی۔ ایک برہمن نے جیسلمیر کے راجہ اگرسین کے

بیٹے ہنسراج کو بلا کر سرمور پر قبضہ کرا دیا۔ لوگوں نے راجہ کا نام شبھ مکش پرکاش (انیک آدمی کا ظہور) رکھا اور حکومت کرنے لگا۔ اس کے بیٹے سالیاہن پرکاش کے نام پر ریاست سرمور کا نام بلاشپار رکھا گیا۔ لیکن اس کے بعد پھر سرمور ہی ریاست کا نام چلنے لگا۔ سالیاہن پرکاش کی ۳۱ ویں پشت میں ریاست سرمور کا راجہ سوبھاگ پرکاش ہوا۔ یہ راجہ دہلی کے بادشاہ اورنگ زیب کا ہمعصر تھا۔ جس نے ریاست کو کافی وسعت دی۔ سوبھاگ پرکاش کے پڑوتے ہری چند پرکاش نے سوہانہ، منظفر نگر اور جگت گڑھ کو بزور شمشیر اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ اور جب اس کے پوتے کیرت پرکاش نے شمال مشرق کی جانب اپنی ریاست کو بڑھانا چاہا تو گورکھوں سے اس کی جنگ چھڑ گئی اور دریائے گنگا حد فاصل قرار دے کر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۷۴۶ء میں گورکھوں نے سرمور کو فتح کر لیا۔ اور یہاں کے راجہ کو نیپال کی ماتحتی قبول کرنا پڑی۔ ۱۷۵۸ء میں جب گورکھوں کو انگریزوں نے سرمور سے نکال دیا تو کیرت پرکاش کا پڑوتا کرم پرکاش یہاں حکومت کرتا تھا۔ انگریزوں نے اسے گدی سے اتار کر اس کے بیٹے فتح پرکاش کو راجہ بنایا۔ دریائے گری کے شمال میں پہاڑی علاقہ رانا کیونتھل کو دیا گیا۔ اور جونسرو باون کے پرگنے انگریزوں نے ڈیرہ دون میں شامل کر کے اپنے پاس رکھ لئے۔ ابتداء زمانہ راجگی یہ راجہ کمسن تھا۔ لیکن اس کی والدہ رانی گلیری کی لیاقت اور تدبر سے راج کاج اچھا چلنے لگا۔ راجہ فتح پرکاش نے ۱۸۵۰ء میں وفات پائی۔ اسی راجہ کی لڑکی رانی سرموری کے نام سے بسوہلی کے ٹکا کلیان پال نے بیاہی تھی۔

فتح پرکاش کے بعد رگھبیر پرکاش سرمور کا راجہ قرار پایا۔ چھ سال حکومت کر کے دنیاء فانی کو خیر باد کہا۔ اور اس کے بیٹے شمشیر سنگھ پرکاش نے حکومت سنبھالی۔ اس کے عہد میں سرمور نے کافی ترقی کی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے راجہ سریندر پرکاش نے سرمور کی گدی سنبھال کر ریاست کے نظم و نسق میں دلچسپی لے کر لوگوں کی بہتری کے لئے کئی ایک کام کئے۔ اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں راجہ امر پرکاش حکمران ہوا۔ جس نے چیفس کالج لاہور میں تعلیم پائی تھی۔ نیپال کے شاہی خاندان میں اس کی شادی ہوئی۔ ریاست کی آمدنی مالیہ تین لاکھ روپیہ سالانہ تھی لیکن آمدنی باغات، جنگلات اور لوہے کے کارخانہ سے اور لاکھوں روپیہ کی ہو گئی۔ علاقہ پہاڑی ہے۔ جنگلات کافی ہیں۔ ناہن اس ریاست

کا دارالخلافہ ہے جو ایک اونچے پہاڑ پر واقع ہے۔ ریاست کا رقبہ ایک ہزار مربع میل ہے۔

ریاست کہلور بلاسپور

چندیری کے راجہ گوبند چند کے بھائی بیر چند نے ریاست کہلور کی بنیاد ساتویں صدی کے اخیر میں ڈالی۔ اس نے شملہ ہلنہ کی چھوٹی چھوٹی ۱۲ ٹھکرائیوں (ریاستوں) کو بزورِ شمشیر فتح کر کے اپنا باجگذار بنایا۔ چنانچہ ریاست باگھل سے ۱۰۰۰ روپیہ۔ بگھاٹ سے ۱۰۰۰ روپیہ کیونتھل سے ۳۰۰۰۔ مانگل سے ۱۰۰۔ بیجہ سے ۱۰۰۔ کنہچی سے ۲۰۰۔ مہلوگ سے ۲۰۰۔ دہامی سے ۳۰۰۔ کوٹھار سے ۱۰۰۔ کوٹ کھائی سے ۳۰۰۔ گھمضیار سے ۱۰۰۔ نہرے سے ۱۰۰ اور بلسن سے ۳۰۰ روپیہ سالانہ خراج حاصل کیا۔ اور ماہ اسوج کے دربار میں یہ سب راجے آکر راجہ کہلور کو نذریں پیش کرتے تھے۔ راجہ بیر چند کا ۷۳۰ء میں انتقال ہوا اور اس کا بیٹا راجہ ادھرن چند ۲۷ برس حکومت کر کے ۷۵۷ء میں سورگباش ہوا۔ اس کے بعد راجہ جسکرن اس کا مدن برہم اس کا ہنگہ اہل چند اور اس کا کاہل چند حکمران ہوئے۔ کاہل چند کی بارھویں پشت میں راجہ میگھ چند ہوا جس نے ۱۲۲۰ء میں ریاست کہلور کی حکومت سنبھالی۔ یہ بڑا ظالم تھا۔ لوگوں نے اسے ملک سے نکال دیا۔ اور میگھ چند ریاست کلو میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔ تو اس کے اہلکاروں نے دہلی میں جا کر رسائی حاصل کر لی اور راجہ کو بادشاہ کی امداد سے واپس لے آئے۔ راجہ میگھ چند کی اولاد ریاست پر مسلسل حکمرانی کرتی رہی۔ تو اس کی گیارھویں پشت میں راجہ گیان چند نے ۱۵۱۸ء میں ریاست کی حکومت سنبھالی۔ اس نے تمام راجگان کوہستان سے عداوت مول لے لی اور صوبیدار سرہند کے پاس راجاؤں نے شکایت کی۔ گیان چند کو سرہند کے صوبیدار نے گرفتار کر لیا۔ چونکہ یہ بے حد صورت مند تھا۔ صوبیدار سرہند نے اسے مذہب اسلام میں داخل کر کے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ گیان چند کے دو چھوٹے بیٹوں رانا اور بھیما نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اس کا بڑا بیٹا راجہ بکرم چند معہ اپنی والدہ کے کہلور سے بھاگ گیا۔ جو اپنے ہندو دھرم پر قائم رہا۔ دریائے ستلج کے پاس ایک گاؤں میں دونوں ماں بیٹا پناہ گزیں رہے۔ راجہ تلوک چند والئی کانگڑہ کو معلوم ہوا تو اس نے انہیں کانگڑہ میں بلا لیا۔ بکرم چند

کی شادی اپنی راجکماری سے کر دی۔ اور جب راجہ گیان چند نے جو کہ مسلمان تھا سنہ ۱۵۵۵ء میں وفات پائی تو اُس نے اور راجہ کانگڑہ نے ریاست کے عوام کی امداد سے کہلور کی راج گدی حاصل کر لی۔ راجہ بکرم چند کے بعد راجہ سلطان چند پھر راجہ کلیان چند اور اس کا تارا چند ہوا۔ راجہ تارا چند کے بیٹے راجہ دیپ چند نے بیاس گپھا کے نزدیک دریائے ستلج کے کنارے بیاس پور شہر آباد کر کے اپنی راجدھانی بنائی جو کہ بلاس پور کے نام سے مشہور ہوا۔ تب سے کہلور ریاست بلاس پور کے نام سے چلی آ رہی ہے۔ بلاس پور سنہ ۱۶۵۵ء میں آباد ہوا۔ راجہ دیپ چند بڑا بہادر راجہ ہو گزرا ہے۔ اس نے ریاست کلو اور ریاست منڈی کے راجاؤں کی راجکماریاں بیاہی تھیں۔ اور ریاست کے جو حصے اس کے باپ کے وقت دشمنوں کے ہاتھ میں چلے گئے تھے اُن سب کو واپس لے کر اپنی ریاست میں شامل کر لیا اور باغی راناؤں کو مطیع کر لیا۔ بادشاہ اورنگ زیب نے قلعہ اٹک کے پٹھانوں کو پیتہ زیر کرنے کے لیے بائیس راجگان کوہستان کو راجہ دیپ چند کے ماتحت کر کے پٹھانوں کے خلاف لشکر آرائی کی۔ راجہ دیپ چند نے پٹھانوں کو تہ تیغ کر کے قلعہ پر بادشاہ دہلی کا جھنڈا لہرا دیا۔ بادشاہ نے اس بہادری کے صلہ میں راجہ دیپ چند کو بائیس راجگان پہاڑ کی سرداری کا پٹہ لکھ دیا۔ لیکن ان راجگان کو بادشاہ کا یہ فرمان ناگوار گزرا اور کچھ مدت کے بعد راجہ کانگڑہ نے دیپ چند کو اپنے ہاں بلا کر اس کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اور ایک دن راجہ کانگڑہ نے اُس کے کھانے میں زہر ملا کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا راجہ بھیم چند بلاسپور کا حکمران ہوا۔

سکھوں کی تاریخ کے مطابق دسویں بادشاہ گورو گوبند سنگھ جی مہاراج جب آنند پور میں رہتے تھے تو راجہ بھیم چند والئی بلاسپور سے اُن کی بے حد محبت تھی۔ راجہ بھیم چند نے گورو جی کی امداد میں مسلمان نوابوں کے ساتھ بہت سی لڑائیاں لڑیں۔ راجہ بھیم چند کے بعد اس کے پوتے راجہ دیوی چند کے وقت شہر بلاسپور کی اتنی رونق بڑھی کہ بیس ہزار روپیہ سالانہ صرف محصول چونگی کا وصول ہوتا تھا۔ دیوی چند کے بعد ریاست کا انتظام ایک کونسل کے سپرد ہوا۔ کیونکہ اس کا لڑکا مہان چند نابالغ تھا۔ جب یہ جوان ہوا تو اپنے راج گدی ملی۔ یہ راجہ اچھے چلن کا ثابت نہ ہوا۔ اس کے وقت راجہ سنسار چند والئی کانگڑہ [illegible] کے پاس [illegible] مارا گیا۔ وہاں جو [illegible]

نرپور کے راجہ دھرم چند سے امداد حاصل کی لیکن شکست کھائی۔ اور وہ علاقہ ریاست سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو گیا۔ دوسری طرف راجہ رام سنگھ والئ نالاگڑھ نے بہت سا علاقہ دبا لیا تھا۔ تو راجہ مہاں چند قلعہ کوٹ متصل نیناں دیوی میں چلا گیا اور اُس نے اپنے بھاٹ بشن وت رائے کو گورکھوں کے پاس بھیجا جو گڑھوال میں مقیم تھے اور پنجاب کا پہاڑی علاقہ فتح کرنے کی غرض سے اتر رہے تھے۔ گورکھوں کی امداد سے ریاست بلاسپور کو واپس حاصل کیا۔

اِن ہی ایام میں اختر لونی نے گورکھوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اور تمام راجاؤں کو اپنی ریاستوں پر بحال کر کے راجہ مہاں چند کے نام حکم بھیجا کہ وہ اپنا ثبوت لے کر دہلی آئے کہ اس علاقہ کی بارہ ریاستیں بلاسپور کی باجگذار ہیں۔ راجہ مہاں چند دہلی نہ گیا۔ اُس خوف سے کہ کہیں وہاں گرفتار نہ کر لیا جائے۔ اس طرح بارہ ریاستیں جو مدتوں سے بلاسپور کی باجگذار تھیں، براہِ راست سرکارِ انگلشیہ کے تحت چلی گئیں۔

مہاں چند کے بعد اُس کا بیٹا کھڑک چند حکمرانِ بلاسپور ہوا۔ وہ بے حد فضول خرچ، عیاش اور شرابی نکلا۔ تو تمام جاگیرداروں نے کنور جگت چند کی سرکردگی میں علمِ بغاوت بلند کر کے کھڑک چند کو گدی سے اُتار دیا۔ اور جگت چند کو سرکارِ انگلشیہ کی طرف سے ریاست کی سند مل گئی۔ جگت چند کے خلاف کھڑک چند کی رانیوں نے سازش کر کے راجگان سکیت اور کوٹلہڑ کی امداد سے بغاوت کرا دی۔ لیکن انگریزوں نے بغاوت فرو کرا دی۔ اور رانیوں کو ریاست بدر کر دیا۔ جگت چند کے بعد اُس کے پوتے راجہ ہیرا چند نے بلاسپور کی حکمرانی حاصل کی۔ جس نے عوام کی بہتری اور ترقی کے لئے اچھے اقدام کئے اور انگریز سرکار کی بھی خوشنودی حاصل رکھی۔ ہیرا چند کے بعد اُس کا بیٹا راجہ امر چند بھی ایک مشہور حکمران ہوا۔ پھر اُس کا فرزند راجہ بجے چند ہوا جس کی حکمرانی میں لوگوں کو بہت آرام و امن حاصل ہوا۔ ریاست بلاسپور اب ہماچل پردیش میں مدغم ہو چکی ہے۔

ریاست نورپور

راجہ اننگ پال سوم حکمران دہلی کا چھوٹا بھائی رانا جیٹھپال عرف رانا بھیٹ دہلی سے پنجاب میں آیا اور دریائے بیاس کو پار کر کے بخت خان پٹھان کو قتل کر کے اس

کا علاقہ قبضہ میں کر لیا۔ اور پٹھان کوٹ کو اپنی راجدھانی بنا کر حکومت کرنے لگا۔ رانا بھیٹ کے پوتے کھکھہ اور اُس کے بیٹے جھگڑ مل نے اپنے علاقہ کو بہت زیادہ وُسعت دی۔ اور جھگڑ مل کے بیٹے راجہ جس پال نے علاؤالدین خلجی کے نائب السلطنت کی حیثیت سے پنجاب میں نمایاں کام کئے۔ اُسے صلہ میں اور علاقہ ملا اور اُس نے اپنی حدود ریاست کو زیادہ بڑھا لیا۔ جس پال کے بیٹے راجہ کیلاش کے عہد میں تاتار خان حاکم خراسان نے پنجاب پر لوچ کشی کی۔ تو بادشاہ دہلی کی طرف سے راجہ کیلاش نے اُسے ۲۲ دفعہ شکست دی۔ اُس کے بعد کیلاش کی چوتھی پُشت میں راجہ بھیلو ہوا۔ جس نے سکندر لودھی کے حکم سے بہت سا علاقہ فتح کر کے دہلی میں ملا دیا۔ اور بھیلو کی چوتھی پُشت میں راجہ باسدیو نے پٹھانکوٹ کو چھوڑ کر اپنی راجدھانی دھمری میں رکھی۔ لیکن اُس کے بیٹے راجہ جگت سنگھ نے اپنی ریاست کی راجدھانی کے لئے پٹھانکوٹ سے بارہ تیرہ میل جانب مشرق ایک مقام پسند کیا۔ اور مُغل بادشاہ جہانگیر کی چہیتی ملکہ نورجہان کے نام پر اس کا نام نُورپور رکھا۔ راجہ جگت سنگھ کی مُغل دربار میں بیجا قدر و منزلت تھی۔ ملکہ نورجہان کو نورپور کا مقام بے حد پسند آیا۔ تو اُس نے اپنے محلات وہاں تعمیر کرانے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ محلات تعمیر ہونے بھی لگ گئے۔ لیکن راجہ جگت سنگھ نے یہ کہہ کر یہاں کی آب و ہوا ٹھیک نہیں، محلات کی تعمیر بند کرا دی۔

بادشاہ جہانگیر ایک بار جگت سنگھ پر ناراض ہو گیا۔ تو اُس نے لودھی خان کو سرکوبی کے لئے بھیجا۔ جگت سنگھ نے لودھی خان کو بیچ میدان کے تہ تیغ کر دیا اور دہلی میں جا کر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کر لی۔ بادشاہ نے اُسے بلخ۔ بدخشاں اور کابل کی مہم پر بھیجا۔ اُس نے اِن سب علاقوں کو فتح کر کے سلطنت دہلی کو وُسعت دی۔ اُس کے بیٹے راجروپ کو شاہجہان نے ہفت ہزاری کا منصب دیا۔ حاصل کلام راجگان نورپور کی تمام زندگی شاہانِ دہلی کی خدمت میں گزری۔

مُغلیہ سلطنت کمزور ہو گئی۔ پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا طُوطی بولنے لگا۔ تو راجہ نُورپور لاہور دربار کی تابعداری کرنے لگا۔ لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ نے نُورپور پر اتنا بھاری تاوان لگایا کہ راجہ بیر سنگھ والئی نُورپور اپنے پوجا کے برتن بھی فروخت کر کے تاوان کی رقم پُوری نہ کر سکا۔ تو وُہ مجبوراً اپنی ریاست سے نکل کر ریاست چمبہ میں چلا گیا اور

جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیماری کی خبر سُنی تو وُہ بھیس بدل کر نور پور میں چلا آیا۔ اور اپنی ریاست پر قبضہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دربار لاہور کی طرف سے سردار رُوپ سنگھ سکھ افواج لے کر نور پور میں پہنچا تو وُہ پھر چمبہ کی طرف بھاگ گیا۔ راجہ چمبہ نے اُسے سکھوں کے حوالے کر دیا اور بیر سنگھ کو قلعہ گوبند گڑھ میں قید کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد راجہ چمبہ نے ۸۵ ہزار روپیہ دربار لاہور کو دے کر اُسے رہا کرایا۔ اور مہاراجہ کی طرف سے اُس کے نابالغ لڑکے جسونت سنگھ کو چھ ہزار روپیہ کی جاگیر دی۔ راجہ بیر سنگھ اِس پر بھی رضامند نہ ہُوا۔ جب ۱۸۴۵ء میں سکھوں اور انگریزوں کی باہمی جنگ شروع تھی کہ راجہ بیر سنگھ کی موت ہوئی تھی۔ لیکن اُس نے یہ سُن کر خوشی سے اپنے پران تیاگ دئے کہ اُس کے دُشمنوں کو انگریزوں سے شکست ہو رہی ہے۔

نور پور ریاست کی قسمت کی خوبی دیکھئے کہ بیر سنگھ کا لڑکا نابالغ تھا۔ انگریز اِس ریاست کے متعلق غور کر رہے تھے کہ اُس کے وزیر رام سنگھ نے دُوسرے راجاؤں سے مِل کر انگریزوں کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ اور رام سنگھ نے انگریزوں کا کافی نقصان کیا۔ نابالغ راجہ تو اِس کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا تھا تاہم ریاست نور پور اُسے واپس نہ مِل سکی۔ اور آٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر اُسے دے دی۔ اِس طرح اِس قدیمی ریاست نور پور کا خاتمہ ہُوا۔ اور ریاست نور پور کے وارث ایک معمولی رئیس کے طور گزر کر رہے ہیں۔

ریاست چمبہ

دو ہزار برس پہلے سُورج بنسی خاندان کے ایک راجکمار مرو دیو جسے مُول دیو بھی کہتے ہیں نے ریاست چمبہ کی بُنیاد ڈالی۔ جو کہ بڑا صاحب اولاد ہُوا۔ اُس کی اولاد میں ایک راجہ جیاستمبھ ہُوا۔ اُس نے ریاست کی راجدھانی برہمور بنائی جہاں کہ اُس کا خاندان صدیوں حکومت کرتا رہا۔ راجہ اجے برمانے برہمور کو بڑی رونق دی۔ یہ راجہ اپنی آخری عمر میں دریائے راوی اور نالہ بدھول کے سنگم پر لوگ بھیس کرتا تھا۔ اور وہاں کے ایک سادھو کی آگیا سے اپنے فرزند میرو برما کو راج دے کر کوہ کیلاش پر تپ کرنے چلا گیا۔ اِس سنگم کے مقام پر اُس راجہ کی طرف سے جو شونِنگ

ستھاپنا ہوئی تھی۔ وہ آج بھی موجود ہے۔ اس راجہ کے بعد برمھور پر پُشت در پُشت سُوبرن برما۔ لکھمی برما۔ موس برما۔ ہنس برما۔ سار برما۔ سین برما۔ سوجن برما اور شیل برما نے راج کیا۔

راجہ شیل برما کا زمانہ ۶۶۳ء بتایا جاتا ہے جبکہ ریاست جموں کا ۵۱ راجہ سمدر بھوگن حکمران تھا۔ راجہ شیل برما نے برمھور سے اُٹھ کر دریائے راوی اور نالہ سال کے سنگم پر جنگل کٹوا کر اپنی لڑکی چمپاوتی کے نام پر چمپا نگر آباد کیا۔ اور اپنی راجدھانی وہاں قائم کرکے راج کرنے لگا۔ اُس کی اولاد چمپا میں رہنے سے چمیال مشہور ہوئی۔ اور چمپا کا نام بگڑ کر چمبہ میں بدل گیا۔ راجہ شیل برما نے کوہ آبو سے اپنے بڑے بیٹے یوگ آکار کے ذریعہ ایک شلا منگائی۔ جس سے لکھمی نارائن کی مورتی بنوا کر ایک مندر تعمیر کرکے اُس میں ستھاپن کی۔ مندر اب تک لکھمی نارائن کے نام سے مشہور ہے جس کی چمبہ میں بڑی مانتا ہے۔ راجہ شیل برما کی چوتھی پُشت میں چمبہ کا راجہ ڈوڈاک برما ہوا جس کے دو بیٹے بچیتر برما اور بہتر برما ہوئے۔ بہتر برما کو بندرھالتہ کے لوگوں نے اپنے ہاں بلا کر اُس افراتفری کو ختم کرایا جو بکرم گھور نامی رانا کی اولاد نے جگہ جگہ بپا کر رکھی تھی۔ اس طرح بہتر دیو نے سارے علاقہ کو سر کرکے اپنے نام پہ بندرھالتہ ریاست قائم کی اور اُس کی اولاد بندرہال مشہور ہوئی۔

گیارھویں صدی کے آغاز میں کشمیر کے راجہ کلش نے چمبہ کے راجہ اشٹ برمن سے خراج وصول کیا۔ راج ترنگنی میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اُس کے بعد راجہ جناردھن برمن کے عہد میں نور پور کے راجہ جگت سنگھ نے چمبہ پر حملہ کرکے راجہ جناردھن برمن کو قتل کر دیا۔ اور ریاست کو اپنے قبضہ میں لے لیا لیکن چند سال بعد راجہ پرتھوی سنگھ نے اپنی ریاست کو واپس لے لیا اور اُس نے نور پور پر حملہ کرکے شہر کو آگ لگا دی۔ چونکہ یہ ریاست ایک کونہ میں واقع ہے اس لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھ سے تھوڑی بہت بچی رہی۔ اس ریاست کے ساتھ بھدرواہ کی ریاست بھی شامل کر لی گئی۔ ۱۸۴۶ء میں جب مہاراجہ گلاب سنگھ کو انگریزوں نے معاہدہ امرتسر کی رُو سے ریاست چمبہ سپرد کر دی۔ تو راجہ چمبہ نے جدوجہد کرکے چمبہ کو انگریزوں کے ماتحت کر دیا۔ اور بھدرواہ کا علاقہ اس سے کاٹ کر مہاراجہ گلاب سنگھ کو دے دیا گیا۔

ریاست چمبہ کے راجہ اُدے سنگھ نے اٹھارھویں صدی میں دلیپ سنگھ کا مندر

بلاور کے نزدیک تعمیر کرایا تھا۔ راجہ اُمید سنگھ کے بیٹے راجہ رائے سنگھ کی بیٹی مہارانی رجنیت دیو والئ جموں کے ولی عہد راجہ برج راج دیو نے بیاہی تھی۔ راجہ رائے سنگھ کا فرزند جیت سنگھ اُس کا چڑھت سنگھ اُس کا سری سنگھ ہوا۔ جو کہ اپنے سوتیلے بھائی گوپال سنگھ کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ راجہ گوپال سنگھ کے راجہ شام سنگھ اور بھوری سنگھ دو بیٹے ہوئے۔ لیکن راجہ شام سنگھ کچھ عرصہ بعد کثرت مے نوشی سے دماغی عارضہ میں مبتلا ہو گیا۔ اور ریاست کی باگ ڈور راجہ بھوری سنگھ کے ہاتھ میں چلی گئی۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے راجہ بھوری سنگھ کو سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب دیا۔ اور والیان ریاست ہائے پنجاب میں ریاست چمبہ چودھویں نمبر پر شمار ہونے لگی۔ اس راجہ کو گیارہ انواپ کی سلامی مقرر ہوئی۔ ریاست کی آمدنی تین لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔ لیکن جنگلات کی آمدنی لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ ریاست چمبہ کا تمام علاقہ برفانی ہے۔ اس ریاست میں منی مہیش کا پہاڑ ہے جہاں ہاڑ کی پورنماشی کے دن میلہ لگتا ہے اور دُور دراز سے یاتری یہاں آتے ہیں۔ اس ریاست سے شمال میں کشمیر مغرب میں علاقہ بسوہلی مشرق میں لداخ اور جنوب میں ضلع کانگڑہ واقع ہے۔ آبادی ڈیڑھ لاکھ تھی۔ رقبہ تین ہزار مربع میل اور بولی پہاڑی ہے۔ زیادہ آبادی گدی قوم کی ہے جن کا لباس پٹو کا ہوتا ہے۔ عورتیں قبول صورت۔ رنگ گورا۔ خاص چمبہ کا لباس کانگڑہ سے ملتا جلتا ہے ٭

(ختم شد)

نقشہ جدید ہماچل پردیش

جو شاہ کمیشن کی جدید حد بندی سفارشات کے مطابق یکم نومبر ۱۹۶۶ء کو پنجابی صوبہ اور ہریانہ پرانت کی تشکیل کے ساتھ عالم وجود میں آیا۔ پرانے ہماچل کا رقبہ ۱۰۸۸۵ مربع میل اور آبادی ۱۳۵۱۱۴۴ تھی۔ نئے علاقے کانگڑہ۔ ڈلہوزی اور اونہ وغیرہ (رقبہ ۱۰۵۳۹ مربع میل اور آبادی ۱۴۴۲۶۴۳) شامل ہونے کے بعد نئے ہماچل پردیش کا کل رقبہ ۲۱۴۲۴ مربع میل اور آبادی ۲۷۹۳۷۸۷ ہوگئی ہے۔

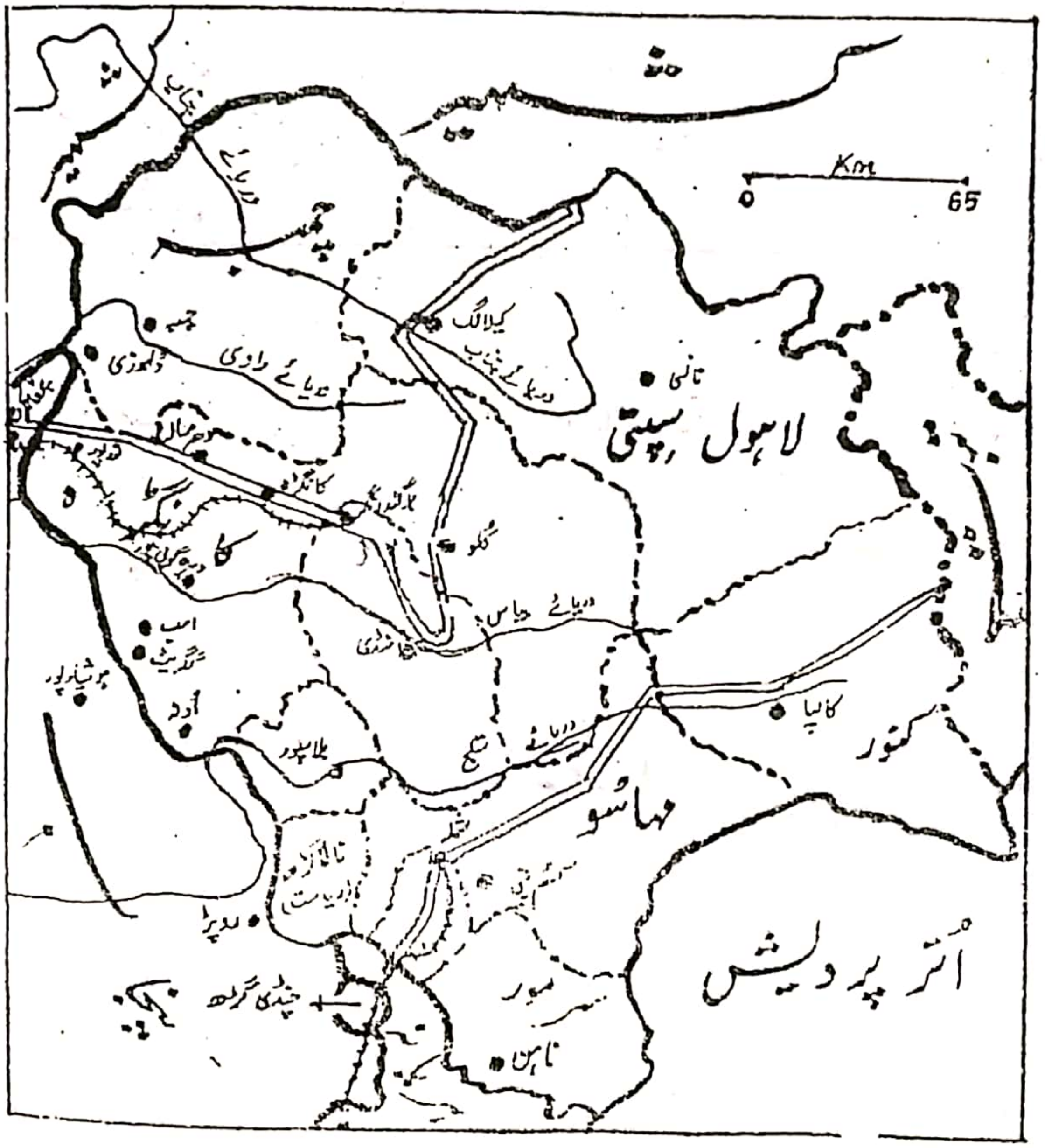

اختتامیہ

ایشور کا ہزار ہزار دھنیہ واد ہے کہ جس کی اپار کرپا سے میں تاریخ ڈوگرہ دیس پیش کرنے کے قابل ہوسکا ہوں۔ آج سے گیارہ سال پہلے یکم جنوری ۱۹۷۶ء کو جو عہد کیا تھا میں اس پر پورا اُتر سکا ہوں یا نہیں، یہ تو آپ پچھلے صفحوں میں بخوبی دیکھ چکے ہوں گے۔ اپنی طرف سے ہر چند کوشش کی گئی ہے کہ ڈوگرہ دیس کے ماضی بعید اور ماضی قریب کے جو واقعات پیش کئے جائیں وہ تاریخی صداقت کے ساتھ ساتھ سلسلہ وار، تاریخ وار اور تفصیل وار ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ تاریخ ڈوگرہ دیس کو مرتب کرنے میں کافی وقت لگا ہے۔ اور گیارہ سال سے زیادہ عرصہ لیا گیا ہے لیکن اگر میری مجبوریوں اور مشکلات کا اندازہ کیا جا سکے تو یقیناً اس طویل تاخیر کو نظر انداز کیا جائیگا کیونکہ ڈوگرہ دیس کی پارینہ عظمت اور قدیم تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور اس دیس کے سابقہ حالات اور گذشتہ واقعات ایک قیامت خیز تاریکی کے اندر پنہاں ہیں۔

میں اس دستاویز کے ابتدائیہ میں لکھ چکا ہوں کہ ڈوگرہ دیس کی تاریخ کو مرتب کرنا اور ہزاروں سال پہلے کے واقعات کی کڑیاں جوڑنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ تو سوال پیدا ہوگا کہ میں نے اس تاریخ کا مشکل مرحلہ کیسے طے کر لیا ہے۔ اس کا جواب میرے پاس اس کے سوائے کچھ نہیں کہ قدرت نے مجھے یہ مشکل کام سونپ کر میری ہر مرحلہ پہ امداد کی۔ اور پرانی کتابوں سے جو کچھ بھی میسّر آیا، میں نے اپنے الفاظ میں پیش کر دیا۔ چنانچہ دیوان کرپا رام کا گلاب نامہ۔ ٹھاکر کاہن سنگھ بالاوریہ کی تاریخ راجپوتان پنجاب۔ راج ترنگنی مصنفہ کلہن۔ تاریخ حسن۔ سردار کے۔ ایم۔ پانیکر کا "گلاب سنگھ"۔ سوہن لال سوری کا روز نامچہ دربار لاہور موسومہ عمدۃ التواریخ۔ سید محمد لطیف کی تاریخ پنجاب۔ ڈاکٹر ہانگ برجر کی کتاب "THIRTY FIVE YEARS IN EAST"۔ سر ہنری لارنس کی سوانح حیات۔ کرنل الیگزنڈر گارڈنر کی کتاب۔ سردار گنڈا سنگھ کی سکھ ہسٹری۔ منشی دیبی پرشاد کی تاریخ پنجاب۔ لداخ مصنفہ کننگھم۔ راج درشنی بہارستان۔

انگریز سیاحوں کی ڈائریاں۔ تاریخ جموں محمد عمر نور الٰہی۔ تاریخ اقوام کشمیر۔ تاریخ اقوام پونچھ۔ تاریخ کشمیر کی تصنیفات از مولوی محمد دین فوق۔ تاریخ چبھال مصنفہ ماسٹر میجر سنگھ چب۔ تاریخ جموں مولوی حشمت اللہ۔ تاریخ راجور مرزا ظفر اللہ خان جرال۔ مہابھارت۔ ریاست جموں و کشمیر کی ایڈمنسٹریشن رپورٹیں۔ شاہی خاندان جموال کا شجرہ نسب۔ تاریخ قدیم آریہ ورت گنیسہ دلم پرمار۔ Political struggle for Freedom اور "Inside Kashmir" in Kashmir مصنفہ پنڈت پریم ناتھ بزاز۔ Mission with Mount Beaton از ایلین چمبل جانسن۔ Integration of Indian states مصنفہ وی۔ پی۔ مینن۔ ہند سے کشمیر کے الحاق کی داستان لالہ مہر چند مہاجن۔ ڈسٹرکٹ فیلڈ کی کتاب ریکولیکشنز (Recollections) اخبار رنبیر کی انسائیکلوپیڈیا جموں و کشمیر۔ سوانح عمری مہاراجہ رنبیر سنگھ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ۔ تصویر کشمیر پنڈت پرتھوی ناتھ کول۔ کانگڑہ گزیٹیر۔ پرانے اخبارات اور میگزین اس پیش کردہ دستاویز کے ماخذ ہیں۔ ماسوائے لداخ مجھے جموں و کشمیر۔ کانگڑہ پرانت اور ہماچل پردیش کے اکثر مقامات پر جا جا کر لوگوں سے سُنی سُنائی یا سینہ بسینہ چلی آرہی لوک کہانیوں کو معلوم کرنا پڑا۔ اسی طرح تاریخ میں جو عکسی تصاویر دی گئی ہیں، ان میں سے اکثر تصاویر کی فراہمی کے لئے مجھے کئی دروازے جھانکنے پڑے۔ پھر بھی وزیر پُنوں۔ وزیر رتنوں۔ وزیر لکھپت۔ جرنیل ہوشیارا اور چند ایک ڈوگرہ جرنیلوں کے فوٹو دستیاب نہ ہوسکے۔ مَیں نے ان بزرگوں کے لواحقین اور ورثاء سے استدعا کی لیکن ناکام رہا۔ خاص کر وزیر رتنوں اور وزیر پُنوں کی تصاویر کے لئے مجھے افسوس ہے کہ اُن کے وارث وزیر رام سرن سابق ممبر اسمبلی کے پاس فوٹو موجود ہوتے ہوئے بھی میرے بار بار استدعا کرنے پر مجھے ٹال دیا گیا۔

بہر کیف تاریخ کی ترتیب کے مشکل مرحلوں میں قدرت نے ہر وقت اور ہر ساعت میرا ساتھ دیا۔ اور کارساز حقیقی نے میرے انگ سنگ رہ کر اس کام کو مجھ ناچیز کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ قدرت میرے بچپن سے ہی مجھے اس کام کے لئے تیار کر رہی تھی۔ اور اگر اسے خود ستائی پر محمول نہ کیا جائے تو یہ ضرور لکھوں گا کہ آج سے اٹھائیس سال پہلے جب کہ میں تحصیل بسوہلی میں جاگیر رام کوٹ کے جاگیردار کا مختار عام تھا، مجھے یہ وہم و خیال بھی نہ تھا کہ میں اس نوکری سے دستبردار ہو کر اخبار نویسی کا

دھارنا اختیار کر لوں گا۔ سولہ سال اُس ملازمت میں گزار دیئے تھے۔ سترھویں سال کے آغاز میں ایک دن جاگیردار سے معمولی اختلاف پر ملازمت سے دستبردار ہو گیا۔ جاگیردار نے ہر چند کوشش کی۔ دوستوں نے سمجھایا۔ بزرگوں نے میرے مستقبل کے متعلق مجھے فہمائش کی۔ لیکن ایسی "نہ" میری زبان پر جم گئی کہ میں نے واپس ڈیوٹی پر جانے سے انکار کر دیا۔

ملازمت سے فارغ ہوا تو میرے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ مجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ صبح شام دھونتھلی کی ڈھکی اُتر کر دریائے توی پر چلا جاتا۔ رامکوٹ کی طرف مُنہ کر کے توی کی لہریں شمار کرتا۔ اور مایوس ولاچار واپس آ جاتا۔ فکرِ معاش میرا خون خشک کرنے لگی۔ والد صاحب بیس روپیہ ماہانہ کے پنشن یاب تھے۔ دونوں چھوٹے بھائیوں گیان چند دیوان اور دیوان چند دیوان (موجودہ ایڈیٹر ڈوگر) کی معمولی آمدنی اُن کے ہی جیب خرچ تک محدود تھی۔ میرا اکلوتا لڑکا اقبال نرگس ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ ایک بڑے کُنبہ کے نجی اخراجات کا سارا بوجھ میری ذات پر سمجھا جاتا تھا۔ اور میں بے سروسامان یعنی بے کار تھا۔ مجھے کسی روزگار میں لگانے کے لئے کوششیں ہونے لگیں۔ میری جنم پتری بڑے بڑے جیوتشیوں اور میرے مستک کی لکیریں سادھو مہاتماؤں کو دکھائی جانے لگیں۔

ایک دن میں اور گیان چند شری ودیا ساگر شرما (موجودہ سیکرٹری دھرم ارتھ) کے پاس گئے جو براہمن سبھا جموں میں مقیم تھے۔ شرما موصوف بی۔ اے کر کے علم ستارگان کی سٹڈی کر رہے تھے اور ساتھ ہی اپنے لئے روزگار کی تلاش بھی۔ آپ نے گیان چند کو کہہ رکھا تھا کہ اپنے بھائی کی جنم پتری لے کر میرے پاس آنا۔ میرے پتا جو کہ ڈوگرہ دیس اور پنجاب بھر میں پرسدھ جیوتشی ہیں، اُن سے آپ کی قسمت کا فیصلہ لیں گے۔ چنانچہ اُس بُزرگ خُدا دوست نے میری جنم پتری بغور ملاحظہ کی اور لپیٹ کر میرے ہاتھ میں دے دی مُسکرا کر کہنے لگے۔ ایشور کو یاد کرو۔ اور دیکھو کہ اُس کی لیلا تمہارے لئے کیا رنگ جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک جیٹھ کے اندر اندر تم اپنے اصلی مقام پر پہنچ جاؤ گے جہاں سے تمہاری نئی زندگی شروع ہو گی۔ میں نے دریافت کیا کہ پھر ملازمت پر بحال ہو جاؤں گا یا....
(بری بات کاٹ کر بولے کسی کی ملازمت کا تو خیال اب دل سے نکال دو لیکن کرو گے کیا، یہ میں کہہ نہیں سکتا۔ البتہ لکھنے پڑھنے کا کاروبار ہو گا تمہارا! یہ سُن کر ہم دونوں بھائی

بے دلی کے ساتھ واپس چلے آئے۔

میرا برادرِ اصغر گیان چند دیوان اُن دنوں اخبار رنبیر کا منیجر تھا۔ اُس کی تحریک پر جموں شہر میں پریس کا کاروبار "دیوان پریس" کے نام سے شروع کر دیا۔ جو کچھ بھی پونجی اور رامکوٹ کی کمائی میں پس انداز تھی، اِس کاروبار میں جھونک دی۔ اور خود ایک اجنبی کے طور پریس میں بیٹھ گیا۔ سخت پریشانی کا عالم اور مایوسی اِس شدّت کی تھی کہ چھاپہ خانہ کی ہر چیز کھانے کو دوڑتی۔ اپنوں بیگانوں سے بات کرنا بھی دوبھر تھی۔ ایشور سے التجا کرتا کہ یہ کیا کر دیا بھگون؟ مَیں اِس کاروبار کے مطلق اہل نہیں۔ کارِ بے نجار با دست گلکار والا معاملہ میری قسمت میں کیوں لکھ دیا؟ پھر سوچتا کہ قدرت کو شاید یہی منظور تھا۔ دو ایک ماہ میں پریس کے کام پر تو حاوی ہو گیا۔ لیکن دل میں سکون نہ تھا۔ رہ رہ کر اپنی پرانی زندگی ملازمت کے دور کے واقعات۔ رامکوٹ۔ بلاور۔ بسوہلی اور جمبد کے راستوں۔ ندی نالوں۔ پہاڑوں کے سبز سبزیاں۔ کوہساروں کے دامن میں پھیلی ہوئی وادیاں۔ دیہاتیوں کی شکل صورتیں میری نظروں میں گھومتیں۔ بھلانا چاہتا لیکن لمحہ بہ لمحہ تیزی سے یاد آتیں۔ میری اِس جان سوز پریشانی اور ذہنی کوفت میں مجھ پر اخبار "چاند" کی اِدارت ٹھونسی گئی۔ جس کے لئے مَیں مطلق تیار نہ تھا۔ بچپن سے مجھے شعر و شاعری میں ضرور رغبت تھی۔ افسانے بھی لکھتا تھا۔ لاہور کے سربرآوردہ ادبی رسائل میں بھیجتا۔ اور جب شائع ہوتے تو خوش ہوتا۔ لیکن اخبار نویسی اور افسانہ نگاری میں کافی فرق ہے۔ ایک اخبار نویس اچھا افسانہ نگار نہیں ہو سکتا اور ایک افسانہ نگار کامیاب اخبار نویس نہیں کہلا سکتا۔ چنانچہ پنڈت بلدیو پرشاد شرما نمائندہ ایسوسی ایٹڈ پریس (موجودہ ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو) کی رفاقت سے اخبار "چاند" اپنی دل بستگی کا ذریعہ بنا کر جاری کر دیا۔ اِس خیال سے کہ پریس اپنا ہے۔ اخبار چھپنے سے کیا گھاٹا پڑے گا۔ اور آج میں سمجھتا ہوں کہ شغل کے طور جاری کئے گئے "چاند" میں قدرت کا ہی زبردست ہاتھ تھا۔ شاید اسی لئے تیرہ سال کی عمر میں شاعری کا جنون مجھ پر طاری ہوا تھا جب کہ مَیں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اسی عمر میں اُردو، فارسی اور پنجابی کے بلند پایہ شعراء کے ہزاروں اشعار مجھے ازبر تھے۔ اور شوق شعر کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ کہیں سُنا اور پڑھا، وہی حفظ۔ چوتھی اور پانچویں جماعت میں گلستان اور بوستان تعلیمی کورس کے طور پڑھی تھیں۔ شیخ سعدی کی اکثر

Scanned with CamScanner

مثنویاں آج تک زبانی یاد ہیں۔ کہانیاں سننے سنانے کی لگن میں الف لیلیٰ ہزار داستان۔ فسانۂ آزاد پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ آرائش محفل۔ باغ و بہار۔ قصہ سیف الملوک شہزادہ ممتاز۔ مہابھارت اور رامائن ترجمہ شدہ پنڈت دوارکا پرشاد اُفق کی ضخیم کتابیں اِس کے علاوہ بھگتی رس میں ڈوبی ہوئی دیوان کرشن گوپال بشیا کی کتاب موسومہ نسائی چاند اور ناول فاتح بنگال گویا قصے اور کہانیاں پڑھنا میرا روزمرہ کا شعار بن گیا۔ اور جب مڈل یونیورسٹی سے کامیاب ہو کر اسلامیہ سکول جموں میں داخل ہوا تو ڈاکٹر محمد اقبال کی تصنیفات اور دیوانِ غالب ایسی لافانی کُتب کے مطالعہ سے فیض پانے لگا۔ اِس کے ساتھ ہی شاہنامہ فردوسی سکول کی لائبریری سے لے کر پڑھا۔ اُس وقت بھی ایک بار مجھے خیال آیا کہ فردوسی نے شاہنامہ لکھ کر کمال کر دکھایا ہے۔ کیا اِس ریاست جموں و کشمیر کے راجگان کا شاہنامہ بھی لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ خیال ایک موہوم خیال کی مانند ہوا ہو کر رہ گیا۔

میٹرک کر کے میں دو سال کے قریب تلاش معاش کے لئے سرکاری دفتروں میں گھومتا رہا۔ لیکن جس دفتر میں کام کرنے لگتا، وہاں سے ہی یہ الزام لے کر نکل آتا کہ تم سرکاری کام تو کچھ کرتے نہیں شعر بازی اور اُوٹ پٹانگ کہانیاں لکھنے میں سرکاری کاغذ ضائع کرتے ہو۔ اور ایک دن اچانک مجھے رامکوٹ کی ملازمت کا پروانہ مل گیا اُنیس سال کی عُمر میں تحصیل بسوہلی کے پس ماندہ علاقہ رامکوٹ میں قدرت نے بغرض ملازمت بھیج دیا۔ جہاں کہ میرا کوئی واقف نہ تھا۔ کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ بغیر کسی کوشش کے ملازمت مل گئی۔ لیکن جب میں رامکوٹ پہنچا تو مجھے پہلے ہی دن یہ محسوس ہونے لگا کہ جیسے یہ قصبہ اور سامنے کے پہاڑ اور وادی میں پھیلا ہوا علاقہ سب میرے دیکھے بھالے ہیں۔

القصہ وہاں سولہ سالہ ملازمت کے دوران قدرت نے وہ کچھ مجھے دکھایا مختلف عام جاگیر کی حیثیت سے سادہ لوح عوام۔ فاقہ کش اور مفلوک الحال جنتا کی مجبوریوں اور مظلومیت کے وُہ وُہ گھناؤنے مناظر مشاہدہ میں آئے۔ زندگی کو رینگتے اور انسانیت کو تڑپتے دیکھ کر میرا شعور جاگ اُٹھا۔ اور میرے احساس نے مجھے سرکاری ملازمین کی مطلق العنانی۔ بڑے بڑے زمینداروں کی سینہ زوری اور ساہوکارانہ نظام کے خلاف نفرت دلا دی۔ آج جب میں اپنی اُس زندگی کا جس پر کہ کبھی فخر کیا کرتا تھا۔ خیال کرتا ہوں

Scanned with CamScanner

تو مجھے اپنے آپ سے نفرت ہوتی ہے کہ میں بھی اپنی ملازمت میں اُن استحصالی عناصر کا حصہ دار اور بالواسطہ امدادی تھا۔ اُن ہی دنوں میں نے تاریخ راجپوتانہ موسومہ ٹاڈ راجستھان۔ تاریخ راجپوتاں پنجاب ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ۔ تاریخ ریاست ہائے و رؤسائے پنجاب اور راج ترنگنی کا بغور مطالعہ کیا؛ اور جب رامکوٹ سے جاگیردار سے کام کے لئے ریاست چمبہ یا جموں شہر۔ تحصیلات کٹھوعہ۔ بسوہلی اور رام نگر کی طرف جاتا تو راستے میں بے شمار آثارِ قدیمہ دیکھتا۔ پہاڑیوں پر غیر آباد قلعوں۔ قدم قدم پر دہریوں۔ باؤلیوں اور سُونے پڑے ہوئے مندروں اور کھنڈروں کی طرف نظر جاتی۔ تو ٹکٹکی باندھ کر رہ جاتا۔ کتنی کتنی دیر وہاں ٹھہر کر اس سوچ میں پڑا رہتا کہ اِن سب میں اِس دیس کا ماضی اور پراچین اتہاس پنہاں ہے۔ آنے جانے والوں سے پوچھتا لیکن جواب میں من گھڑت کہانیوں کے سوائے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ اُن دنوں بھی میرے دل میں یہ خیال کبھی کبھار پیدا ہو جاتا تھا کہ اس سارے علاقے کی تاریخ لکھنا چاہیئے۔ جو کبھی اس قدر ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ جن کی پارینہ عظمت کے آثار میری نظروں کے سامنے ہیں۔ یہ اُس زمانہ کے ہی تاثرات تھے؛ اور اُن ہی تجربات اور مشاہدات نے میری صحافتی زندگی میں جِلا پیدا کی۔ میں نے مولا رامکوٹی کے نام سے اخبار میں مختصر افسانے لکھنا شروع کئے۔ جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ تو اِن افسانوں کو دُکھیا دیس؛ پردیسی پریتم اور سندلیبہ کی کتابی صورتوں میں عوام کو پڑھنے کے لئے دے دیا گیا۔ اُس کے بعد پریم منوہر کے جامہ میں ڈوگرہ کلچر۔ رسم و رواج اور اس دیس کی دیہاتی اور شہری زندگی پر طویل مختصر کہانیاں قسط وار اخبار "چاند" میں لکھیں۔ اور سات آٹھ سال متواتر میرا یہی معمول رہا۔ نرملا اور پاربتی کے افسانوں نے تو دھوم مچا دی۔ میرے احباب اور چاند کے پڑھنے والے مجھے کہتے کہ نرگس! تم بہت اچھا لکھتے ہو۔ تو میرا ہر کسی کو یہی جواب ہوتا کہ قدرت لکھاتی ہے۔ مجھے خود پتہ نہیں کہ زیرِ تحریر کیا الفاظ آ رہا ہے۔ لیکن یہ ضرور محسوس کرتا ہوں کہ کوئی پیچھے کھڑا بول رہا ہے اور میں قلم ہاتھ میں لئے لکھتا جا رہا ہوں۔

ؔ یہ کتابیں سنہ ۱۹۵۰ء میں سیلاب کی نذر ہوگئیں جبکہ میرا مکان دریائے توی کے طوفانی پانی کی زد میں آ چکا تھا۔

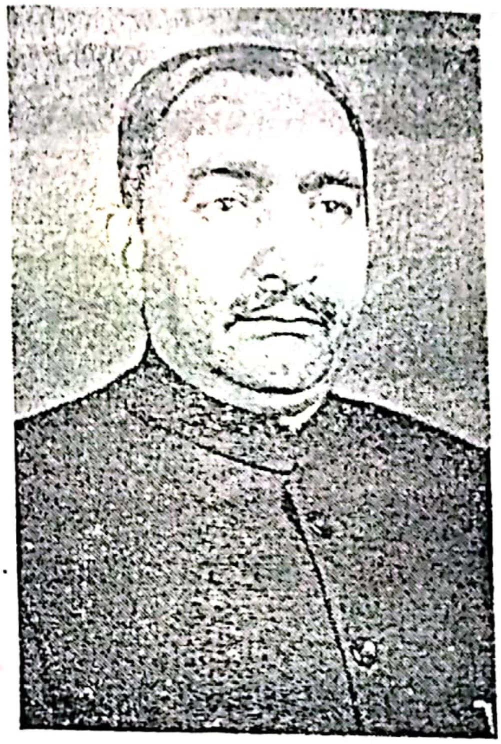

شری مہادیو پرشاد شرما

شری گنیش داس شرما

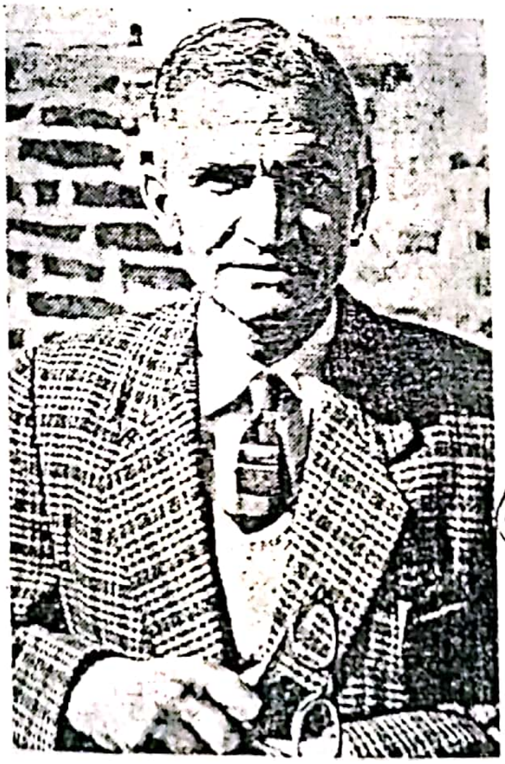

شری رام لال مہتہ

شری گردھاری لال آزاد

نرسنگھداس نرگس
مصنف تاریخ ڈوگرہ دیس

★

گیان چند دیوان
مینجنگ ڈائرکٹر دیوسن لمیٹڈ

اقبال نرگس
جنرل مینیجر چاند پبلشنگ ہاؤس

ڈی سی دیوان
ایڈیٹر شیر ڈوگر

افسانہ نویسی کے اسی عالم میں مجھ پر اکثر احباب زور ڈالنے لگے کہ چھوڑو ان سچی جھوٹی کہانیوں کو۔ اگر کچھ لکھنا ہی ہے تو ڈوگرہ دیس کی تاریخ لکھو۔ شری گنیش داس شرما میرے محترم احباب میں سے ہیں۔ میرا اور اُن کا باہمی تعارف اُس وقت ہوا جب آپ محکمہ انفارمیشن میں ملازم ہوئے۔ اور میں نے اخبار "چاند" جاری کیا۔ اب آپ ڈائرکٹر انفارمیشن کے عہدہ پر ہیں۔ اٹھائیس سال پہلے کا تعارف اب ذاتی دوستی بلکہ برادرانہ تعلقات کے حقیقی رشتہ سے بھی اُوپر پہنچ گیا ہے۔ جب کبھی اخبار میں وُہ نرملا یا پاربتی کہانی کی قسط پڑھتے تو مجھے کہتے کہ ان افسانوں کو اپنے تخیل سے نکال کر اپنی اصلی منزل پر پہنچنے کا عزم کرو جسے پانے کے لئے تمہارا جنم ہوا ہے۔ میں ہنس کر بات ٹال دیتا۔ اس لئے بھی کہ مجھ جیسا کم فہم اپنے مُلک کی تاریخ لکھ بھی سکے گا؟ ایں خیال است و محال است و جنوں، کہہ کر خاموش ہو جاتا۔ اسی طرح شری دیا رام شرما کٹڑوی ریاست کے نامور ٹمبر انڈسٹریز ایکسپرٹ جنرل منیجر میسرز ڈی۔ ایس۔ رلیسٹ اینڈ سنز جو میرے کرمفرماؤں میں سے ہیں اور جنہیں میں اپنا بزرگ بھائی سمجھتا ہوں، جب بھی میرے پاس آتے تو پوچھتے کہ ڈوگرہ دیس کی تاریخ پر کب قلم آرائی ہوگی؟ اسی اُدھیڑ بن میں ۱۹۵۵ء کا سال بھی بیت گیا۔ اور جب میں دسمبر ۱۹۵۵ء کے وسط میں سرینگر سے واپس آیا۔ جہاں کہ جموں کے ایک پریس ڈیلیگیشن کے ساتھ کامریڈ خروشچیف اور وزیر اعظم رُوس مسٹر بلگانن کی سرینگر میں آمد کے سلسلہ میں گیا تھا۔ تو آتے ہی گلاب نامہ فارسی مؤلفہ دیوان کرپا رام کے مطالعہ میں لگ گیا۔ پھر تو ڈوگرہ دیس کی تاریخ لکھنے کا خیال جنون کی حد تک پہنچ گیا۔ ایشور کا نام لے کر یکم جنوری ۱۹۵۶ء کو پُرانے اتہاسوں اور تواریخ کی ورق گردانی شروع کر دی۔ صبح سے شام اور شام سے آدھی رات تک کتابوں کا کیڑا بنا رہا۔ اور جب لکھنے بیٹھا تو متواتر دن رات لکھتا رہا۔ آج ۱۰ر جنوری ۱۹۶۷ء کا دن ہے کہ میں تاریخ کے مسودہ کی آخری سلپ پریس میں دے رہا ہوں۔ اور دل بلیوں اُچھل رہا ہے کہ میں اُس بار سے سبکدوش ہو گیا ہوں جو کہ قدرت کی طرف سے مجھ پر ڈالا گیا تھا۔ اِس میں میری اپنی کوئی بہادری نہیں۔ یہ سب قدرت کے آدھین ہے۔ اور قدرتِ حقیقی نے ہی میری رہبری کی۔ رہبری ہی نہیں کی بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے میری کشتی کو بھنور سے نکال کر صحیح و سلامت ساحل پر پہنچا دیا ہے۔ اب میں یہ لکھوں کہ تاریخ کی تکمیل کا آخری

Scanned with CamScanner

...میرے لئے صبر آزما بن گیا تھا۔ اقتصادی طور پہ میرا کچومر نکل چکا تھا اپنے سرپرست
...روز کی امداد سے تنگ آ گئے تھے۔ میں نے اپنے کنبہ کے افراد اور بال بچوں کے
...پیٹ پہ پتھر باندھ رکھا۔ پریس کے ملازمین کو وقت پر ان کی تنخواہوں اور اُجرتوں
...میں تعطل پیدا ہو گیا تو یہ جملہ معترضہ سمجھا جائے گا۔ قصہ مختصر یکم جنوری ۱۹۵۶ء
...کتاب کا آغاز ہوا تھا، آج ۱۰ر جنوری ۱۹۶۷ء کو پورے گیارہ سال کے بعد وہ
...ہو گئی ہے۔ گیارہ سال کے دوران ہر لمحہ ایشور سے دست بہ دعا رہا کہ ذاتِ ایزدی
اس کتاب کو میری زندگی میں ہی منصۂ شہود پر لانے کا کرم فرمائے۔ تو میری دعا قبول
ہوئی۔ اور تاریخ ڈوگرہ دیس آپ کے سامنے ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب میں
کئی خامیاں ہوں گی۔ انسان خامیوں کا پتلا ہے۔ خامیوں سے مبرا صرف ایشور کی
ذات ہے۔ اس لئے میں اپنی خامیوں کے لئے دست بستہ معافی کا طلبگار ہوں بقول کسے

بپوش گر بہ خطائے رسی و طعنہ مزن
کہ ہیچ بشر بداں خالی از خطا نہ بود

۱۰ر جنوری ۱۹۶۷ء

نرسنگداس نرگس

S. R. M. Rajput High School
LIBRARY
Book No. 111/H
Date 23.2.1967
30/-

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۱	۲۲	اپنے نام پر سے آگے	۳۲۵ قبل مسیح میں
۵۲	۲۳	پہلا لفظ "بھی"	سال
۵۳	۲۰	چلتا رہا، سے آگے	جس نے ۱۱۷۰ قبل مسیح تک جموں کا راج کیا
۵۶	۱۸	خاندانِ جموال	راجگان خاندانِ جموال
۵۷	۲	سمہ ۵۸۳ء	سمہ ۸۶۵ء
〃	۲۲	سمہ ۶۱۶ء	سمہ ۸۰۰ء
۶۷	۲۲	جموں کا ...	جموں کا راج عجائب دیو کو
۷۵	۶	۱۵۹۹ء	سمہ ۱۵۷۹ء
۱۰۸	۸	پونچھ کوٹلی	پونچھ بندر دھالتہ
〃	۲۱	تیرھویں صدی	چودھویں صدی
۱۵۰	۷	مقام	×
〃	۱۸	بند انتظامی	بار انتظامی
۱۷۶	۱۷	محمد غوری	محمود غزنوی
۱۸۴	۴-۵	رہائش	رہائش پذیر ہے
۲۰۲	۹	قبل از مسیح	نویں دسویں صدی
۲۰۴	۸	راجہ ہمت سنگھ	راجہ ہمت سنگھ کو
۲۰۸	۱۷	سمہ ۱۸۱۸ء	سمہ ۱۸۱۳ء
۲۲۴	۱۱	راجہ کانگڑہ	راجہ کانگڑہ نے
〃	۱۲	کے ہاتھ	کے ساتھ
۲۶۵	۳	سمہ ۱۷۶۳ء	سمہ ۱۶۶۳ء
〃	۸	سمہ ۱۷۶۸ء	سمہ ۱۶۶۴ء

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۹۹	۲۲	سمہ ۱۶۷۲ء	سمہ ۱۶۹۲ء
۳۱۶	۶	۳۴	۳۵
〃	۱۹	ہلیسا	ہیبا
۳۱۷	۲۲	مانکلا	سانکلا
۳۱۸	۹	وجیا	بجیبا
〃	〃	کالپور	کالیپیر
〃	〃	کٹھولہ	کونیلہ
〃	〃	دیہ	دیبا
〃	〃	دریلور	برہمور
〃	〃	جیوپرا	جبیسرا
۳۲۳	۸	بیان	پیان
〃	۲۱	سنگل	سونگل
〃	۲۴	پنیئر	پنشنر
〃	۲۵	پنیئر	پنشنر
〃	۲۵	سنبل	سنھیل
۳۲۴	۱	بیان	پیان
۳۲۷	۹	سمہ ۱۵۹۶ء	سمہ ۱۴۹۶ء
۳۴۶	۲۳	وِدا	دِدا
۳۴۷	۶-۸	وِدا	دِدا
۳۶۴	۱۵	ہیں ہے	ہیں نہیں ہے
۶۵۸	۱۷	سات	ساتھ
۷۲۰	۲۰	پہلا لفظ "سکتی"	×

دیوان نرسنگداس نرگس کی دیگر تصانیف

۱۔ گلاب سنگھ (اُردو) قیمت ۶/- روپے

۲۔ زورآور سنگھ (اُردو۔ہندی) ” تین روپے ۵۰ پیسے

۳۔ میاں ڈیڈو (اُردو) ” ۷۵ پیسے

۴۔ نرملا (ناول اُردو) ” دو روپے ۵۰ پیسے

۵۔ پاربتی (ناول اُردو) ” دو روپے ۵۰ پیسے

۶۔ دُکھیا دلہن (مختصر کہانیوں کا مجموعہ اُردو)۔ دو روپے

(ملنے کا پتہ)

چاند پبلشنگ ہاؤس گمٹ گیٹ جموں

NOT FOR ISSUE

Centre for ... Culture of
Jammu & ... Region
University of Jammu.
Acc. No. 1171 ...

Deptt No 07